خدا بخش لائبریری

جرنل

پٹنہ

۶۹ — ۷۰

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر:- ۳۳۴۴۴/۷۷	قیمت فی شمارہ:- پچیس روپے
شمارہ :- اٹہتر تا چوہتر	سالانہ:- ۳۰۰ روپے (ہند)
قیمت :- ڈیڑھ سو روپے	۴۰ ڈالر ایشیا ۱۰۰ ڈالر دیگر ممالک

۱۹۹۲

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دہلی میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شائع کیا

فہرست

○

ذخیروں کا مختصر تعارف

عمومی جائزے

چار

پیشگفتار

ہر بت شکن کو بالآخر ایک بڑے بت کا درجہ بخش دیا جاتا ہے۔ تاریخ کے اس جانگداز عمل سے تنہا گوتم ہی کو گزرنا
پڑا ہو؛ ایسا نہیں ہے!

تحریکیں رفتہ رفتہ اداروں میں ڈھلتی جاتی ہیں؛ یہی ان کی تقدیر ہے کہ ہر نسل اور ہر گروہ اسے اپنے قد سے ناپتا ہے۔
اور پھر جب یہ ادارے نقطۂ انجماد کو پہنچتے ہیں تو ان کے اندرون سے برف کو پگھلا دینے والی حرارت بھی نمودار ہونے لگتی ہے۔ کبھی
یہ حرارت تمازتِ آفتاب کی صورت جمود کی ساری کائنات کو جھلسا کر پھینک دیتی ہے۔ دیکھیے عیسوی اور بدھ جمود کے خلاف
بھرپور بغاوت مارکسی کمیونزم کی شکل میں ابھری، اور بالترتیب روس اور چین سے شروع ہو کر نصف بہتر کرۂ زمین پر چھا گئی اور
کبھی ہمدردی، دلسوزی اور دلبری کی ہلکی ہلکی آنچ آہستگی سے اُسے نقطۂ اعتدال پر لوٹا لاتی ہے۔ تصوف اسلامی تحریک
کے منجمد اداروں کو نقطۂ اعتدال پر لانے کی ایسی ہی ایک ادائے دلبرانہ تھی جو شروع تو ہوئی بغاوت کی زیریں لہر بن کے —
——— لیکن پھر اسلام نے اس سے، اور اس نے اسلام سے جان وتن کا رشتہ استوار کر لیا۔ ادارہ میں پھر تحریک کا تازہ
لہو گردش کرنے لگا، اور اس بار تو اس گردش میں وہ شوریدہ سری تھی کہ لہو آنکھ سے ٹپکا پڑتا تھا!

یہ تحریک گویا اسلام کا تہذیبی انقلاب (Cultural Revolution) تھی۔ لیکن تہذیبی انقلاب لا کے پھر یہ تحریک
آہستہ آہستہ خود سوتی چلی گئی۔ اور، اس کی کم نصیبی کہ اس نے اپنے پیشروؤں پر جو احسان کیا تھا، اس کے اس احسان کا بدلہ
چکانے والی کوئی تحریک پھر اس کے اندر سے جنم نہ لے سکی۔ اور پھر! گویا انقلاب کا موسم ہی جیسے ہمیشہ کے لیے ہو گیا!
واسطہ تو ہم کم ذات انسانوں سے تھا، بالآخر ہم پھر اُسے اپنی سطح پر لے آئے، اور ایک بار پھر اس تحریک
تصوف کو بھی ادارہ میں تبدیل کر دیا، اور پھر: ؎ کمال اس فرقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی! نہ شریعت میں کوئی لہر ہے نہ
طریقت میں طوفان۔ اور دونوں دو لخت ہو کے نیم جان پڑے ہیں: ؎ راکھ بجھی ہوئی اُدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اِدھر!
دیر کے بعد کسی غوث علی شاہ کی، کسی اقبال کی، کسی یعقوب مجددی کی دلگیر آواز اٹھتی ہے اور پھر وہیں فضاؤں میں گم
ہو جاتی ہے۔ لگتا ہے سفینہ بے تاب ہے کسی طوفان کا منتظر ہے، جس سے لڑ کر یہ نئی حیات حاصل کر لے یا پھر پاش
پاش ہو جائے!!

پر، یہ بھی تو ممکن ہے کہ انسانیت کی ایک عظیم میراث کی بازیافت کرکے ہم پاش پاش ہونے سے پہلے ہی، وہ صلاحیت حاصل کرلیں، جو آنے والے طوفانوں کو نہ پہنچ کران کا دم نکال دے : یہ میراث جو کتب خانوں میں مدفون مخطوطات کی شکل میں ہند اک، بنگلہ دیش علاقے سے لیکر مغربی ایشیا، اور شمالی افریقہ کے خطوں تک ریزہ ریزہ بکھری پڑی ہے!

خدا بخش لائبریری عربی فارسی مخطوطات اور اردو نوادر کا ایسا ذخیرہ ہے، جس پر پورے برصغیر کو ناز ہے۔ ۱۹۶۹ میں پارلیمنٹ کے ایکٹ نے اسے قومی اہمیت کا ادارہ تسلیم کرکے وہ درجہ دیا جو اس کا استحقاق تھا۔ لیکن غریب (ترقی پذیر) لسے جیسا کہ ہم ہیں، اور جاہل کندہ ناتراش قوم جیسا کہ ہماری پیشانی کے خطِ تقدیر سے پڑھا جا سکتا ہے، ہم اس موقف میں نہیں ہیں تعلیم و تہذیب کی ترویج و اشاعت صرف کالج اور یونیورسٹی کے حلقے میں بخش کے متعلق ہو جائیں کہ خدا بخش جیسی لائبریری کا کام ریس کتابیں جمع کرنا ہے! زیادہ سے زیادہ یہ کہ کوئی قسمت کا مارا اسکالر پڑھنے کے لیے آنکلے (اور یہ مخلوق اب کم سے تر ہوتی جا رہی ہے)، تو اسے کتابیں پڑھوا دیں۔ لائبریری کا روایتی تصور یہی رہا ہے!

ہم بڑی کم نصیب قوم ہیں۔ بیماری، بھوک اور جہالت ہماری اہم ترین میراث ہے۔ بیماری/بھوک دور رنا ہمارا بس نہیں۔ مگر جہالت دور کرنے میں ہم میں سے ہر ایک اپنے بس بھر کچھ نہ کچھ تو کر ہی سکتا ہے۔ افراد کم، ایسے ادارے یادہ۔ یہ بڑی کم نظری کی بات ہوگی اگر ہم ایک غریب قوم' دنیا کا پانچواں حصہ، اپنی تعلیم و تربیت کے لیے صرف اسکول الج پر اکتفا کر بیٹھیں۔ ہم یہ عیاشی جھیل نہیں سکتے۔ ہمیں تو اپنے تمام سرچشموں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا ہوگا، تب ہیں جاکر اس صدی کے اواخر تک جہالت کا ایک حقیر حصہ دور ہو پائے گا۔ خدا بخش لائبریری نے کوشش کی ہے کہ نئے ہندوستان میں جو آدم بن رہا ہے اس کی تشکیل میں اپنے بس بھر حصہ بٹائے۔

ادبی (دھکلی)، یونیورسٹی کا رسمی تصور جو بھی رہا ہو، آج کے ہندوستان کو جس طرح کے ادارے کی ضرورت ہے، خدا بخش نے اپنے کو اس میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس طور پر کہ اس کے ہر اقدام سے علم پھیلے، گھر گھر پھیلتا جائے! عوامی سطح پر، طلبا کی سطح پر، غیر جامعاتی دانش وروں کی سطح پر، علمی تحقیق و جستجو کی سطح پر، مقامی، قومی اور بین الاقوامی ہر پیمانے پر۔

جنوبی ایشیائی قوم کی موجودہ جو ادر جیسی حالت ہے اس میں اپنے خول میں سمٹے رہنا آج ایک سنگین اجتماعی جرم ہے۔ ایسے میں جہاں جس کی جتنی وسعت ہے، اسے اپنی سکت بھر قومی تشکیل میں حصہ لینا ضروری ہے۔ خدا بخش لائبریری مختلف طریقوں سے اس میں اپنا حصہ بٹاتی ہے اور جو جو طریقے اس نے اپنائے ہیں اس میں بنیادی خیال یہی ہے کہ

طور سے علم اور معلومات کو زیادہ سے زیادہ دور تک بکھیرا جائے کہ سمٹے ہوئے ایک گروہ کی جاگیر بننے کے بجائے
یہ امانت بن جائیں ۔

عربی فارسی مخطوطات کی خصوصی لائبریری ہونے کے ناتے، لائبریری نے جنوبی ایشیا کی سطح پر آٹھ دس برس
ایک منصوبہ تیار کیا ہے کہ برصغیر کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں میں مخطوطات کی شکل میں ہماری قیمتی میراث کے جو
جواہر مدفون ہیں انھیں جلد سے جلد سامنے لایا جائے۔ خدابخش لائبریری نے اس کے لیے یہ طریق کار اختیار
کہ ہندستان پاکستان اور بنگلہ دیش تینوں جگہ تین ٹیمیں اپنے اپنے ملکوں کے عربی، فارسی، اردو مخطوطات کے ذخیروں
ایک جامع فہرست تیار کرتی ہیں، اور ۵۰ کے قریب اس فن کے ماہر اہم ترین مخطوطات پر تفصیلی مقالے لکھتے ہیں،
فہرستیں اور یہ مقالے خدابخش لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے تعاون سے ہونے
والی ایشیائی سمینار کے سالانہ اجلاس میں بحث کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ بحث کے نتیجے اور سبجکٹ کمیٹی کی صوابدید
پر اُس فن کی ایک جامع تر فہرست دوبارہ تیار ہوتی ہے، جس کی ضخامت پچھلی سے آدھی رہ جاتی ہے۔ یہ جامع تر
طبع شدہ تراجم (جن کی اصلیں موجود ہیں) اور بالکل فضول چیزیں نکال کے پہلے، دوسرے، اور تیسرے پایہ
بندی کے ساتھ سامنے لائی جاتی ہے، تاکہ اہلِ نظر اُسے آخری بار آنک لیں اور پھر تدوین و ترتیب، اور ممکن ہو تو
کے لئے بھی پر پرواز وا کریں۔

اس امید کے ساتھ کہ اس تدبیر سے کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ فوائد کا حصول ممکن ہو سکے گا، برصغیر کے
ت کے ذخیرے کو، چند بڑے عنوانات میں بانٹ کے، ہر بار کوئی ایک فن موضوعِ سخن بنا کے ہفتہ دس دن اس پر
گفتگو کی جو منصوبہ سازی ہوئی، اور اس کے تحت طب یونانی پر اس سلسلے کا پہلا سمینار مارچ ۱۹۸۴ء میں
ہوا: تین دن کا سیشن پٹنہ میں پھر تین دن دہلی میں۔

تصوف کے موضوع پر اس سلسلے کا دوسرا سمینار مارچ ۱۹۸۵ء میں منعقد ہوا۔ تین دن کا سیشن
پھر تین تین دن کے سیشن علیگڑھ اور دہلی میں منعقد ہوئے۔ اس سمینار میں تصوف پر عربی فارسی کے
ذخیروں کو جس تفصیل سے کھنگالا گیا وہ بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ پاکستان کا فارسی قلمی سرمایہ احمد منزوی اور عارف
کی مرتبہ فہرستوں میں آگیا۔ بنگلہ دیش کے سرمایہ کی فہرست کی تیاری میں ڈاکٹر حسن رضا دائرۃ نے کمک پہنچائی۔
ہندستان کے معروف و غیر معروف، پبلک اور نجی ذخیروں کا احاطہ خدابخش نے کیا اور ایک

ست تیار کی گئی۔ اس فہرست میں جن مخطوطات کو اہم تر یا اہم ترین قرار دیا گیا ہے، وہ تین قسم کے ہیں: یا تو
نف اہم ہے، یا موضوع یا موضوع اور مصنف دونوں۔ قدامت/شہرت بھی اہمیت کے لیے ایک سبب ہے۔

اس طرح ہندستان اور پاکستان کے ذخیروں اور دونوں جگہوں کے نوادر کی ایک تصویر سامنے آ گئی۔
ندستان کے متعدد ذخیروں میں جو ایسے نوادر رکھتے جن کا تفصیلی جائزہ ضروری تھا، ان پر دسترس رکھنے والوں نے
سب استطاعت مقالے یا مقالچے لکھے۔ اس نوادر کے بارے میں علم میں مزید اضافہ ہوا۔

نتیجہ آپ کے سامنے ہے: فہرستیں، نظر ثانی کے بعد، اور مقالات قدرے ایڈٹنگ کے ساتھ۔ امید
ہے اس مجموعہ کی اشاعت کے فوراً بعد ہم اگلے مرحلے میں داخل ہو جائیں گے؛ یعنی پیش نظر سرمایہ کے واقعی اہم
حصے کو جلد از جلد ایڈٹ کر کے، اور ممکن ہو تو ترجمہ کر کے، دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ خدا بخش آپ کے لیے علمی اور
دونوں ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے آمادہ ہے؛ اس میں جس سے جتنا اور جس قسم کا تعاون مل سکے، سر آنکھوں پر

— عابد رضا بیدار

جناب سید حامد
وائس چانسلر
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

علیگڑھ اجلاس کا خطبۂ استقبالیہ

خواتین و حضرات ———— مجھ سے تصوف اور ملفوظات کے متعلق کچھ عرض کرنے کے لیے کہا گیا تو مجھے سعدی کا ایک قطعہ یاد آیا ؎

آں شنیدی کہ صوفی می کوفت   زیر نعلین خویش میخے چند
آستینش گرفت سرہنگی   کہ بیا نعل بر ستورم بند

میرے خیال میں ہمارے اس جلسے میں جو حضرات شریک ہیں ان کے لیے اس کے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں، اور اگر میں اس کا ترجمہ اردو میں کروں گا تو عرب ممالک سے جو حضرات آئے ہوئے ہیں وہ نہ سمجھ سکیں گے میں انگریزی میں اس کا ترجمہ کیے دیتا ہوں:

Sa'di has said (Sa'di, the great Persian poet) that "a Sufi (here he means , a poor man) was putting some nails in the sole of his shoe. A soldier was going that side; he drived him by his collar and said, come and fix horse-shoe for my horse." I do not claim to be a Sufi. But a ghair-Sufi has been caught by the sarhangs that were surrounding me and they have asked me to say something about Tasawwuf.

میں آگے بڑھنے سے پہلے اس کو اپنا خوشگوار فرض تصور کرتا ہوں کہ آپ سب خواتین و حضرات کی پذیرائی کروں خصوصاً ان خواتین و حضرات کی جو بیرونی ممالک سے یہاں تشریف لائے ہیں اور انہوں نے ہماری عزت افزائی فرمائی ہے اور معذرت کروں اس تکلیف کے لیے جس سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔ منجملہ اور تکالیف کے ایک تکلیف ایسی ہے جس کا ماخذ میں ہوں۔ پہلے طے تھا کہ یہ سیمینار غالباً مولانا آزاد لائبریری کے ہال میں ہوگا۔ پھر میں نے خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑائی اور کہا کہ یہ سیمینار یہاں ہونا چاہیے جہاں ہماری اکیڈمک کونسل بیٹھتی ہے۔ اور ہمارے Academicians اور وہ علماء جو یہاں شریک ہو رہے ہیں غالباً اس فضا میں زیادہ اطمینان اور زیادہ اعتماد کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

میں سوچا کرتا تھا کہ نام رکھنے کی جو رسم ہے نام سے کسی کی شخصیت کا اندازہ نہیں ہو پاتا کیونکہ والدین نام امیدوں پر مبنی کرتے ہیں، سوچتے ہیں کہ ہمارا بچہ بڑھ کے کیا کیا ہوگا اس عنوان سے وہ نام رکھتے ہیں اور اپنی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں لیکن وہ انسان جو خود شناس ہو جاتے ہیں، وہ نام کی تلافی اپنے تخلص سے کر لیتے ہیں،

کیونکہ اس وقت تک ان کے سارے جوہر ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ معرفت اور خودشناسی دونوں کا حق ادا کیا، عابد رضا صاحب نے جب ــــ بیدار اپنا تخلص رکھا۔ بعض غزلیں آپ کو معلوم ہوگا ذو قافیتین ہوتی ہیں یعنی اس میں دو قافیے ہوتے ہیں ــــ ذو تخلصین کا اگر سلسلہ ہوتا تو میں بیدار صاحب کے ساتھ بیدار و بیتاب لگا دیتا، چونکہ ان کی روش ان کا نقطۂ نگاہ بیداری کا غماز ہے اور ان کا طریق عمل بیتابی کا۔

میں سنا کرتا تھا، بلکہ کہا بھی کرتا ہوں مجھے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں جانے کا موقع ملتا ہے اور تعلیم کے سلسلہ میں مسلمانوں سے بالخصوص خطاب کرنے کا، تو میں نے ان سے بارہا کہا ہے اور اتنی بار کہا ہے کہ یہ جملے نوک زبان ہو گئے ہیں کہ ــــ ہم کبھی علم کے قافلے کے کاروان سالار تھے اور اب ہم گرد کارواں بن گئے ہیں تو علم کے قافلے کا ستعمال میں ایک مبہم طریقے سے کیا کرتا تھا۔ اب اس ابہام میں صراحت پیدا ہو گئی کیونکہ یہ علم کا قافلہ ہے جو پٹنہ سے چلا، علیگڑھ آیا، علی گڑھ سے دلی جائے گا۔ یعنی علم کا یہ سلسلہ متحرک ہو گیا ہے۔ اس کو بھی ایک عنوان سے کاروان علم کہہ سکتے ہیں۔ علم سکوت کے منافی ہے، سکون کے بھی منافی ہے۔ علم تقاضا کرتا ہے حرکت کا۔ اور یہ سلسلہ جو سیمنار کا شروع ہوا ہے حرکت پر مبنی ہے۔ مجھ سے بیدار صاحب نے ذکر کیا کہ یہ مسئلہ درپیش ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا تعاون شامل حال ہو۔ میں نے اس وقت حامی بھرلی۔ کیونکہ مجھ کو اعتماد تھا کہ میں جس بات کا وعدہ اپنی لاعلمی، اپنی جہالت، یا اپنی کم بضاعتی کی وجہ سے کرلوں گا اس بات کی لاج میرے رفقاء کار رکھیں گے، انھیں اس کا پاس ہوگا۔ میں نے پروفیسر امجد علی صاحب سے اور جناب محمد حسن رضوی صاحب سے اور اپنے دوسرے رفقاء کار سے اس کا ذکر کیا اور انھوں نے آمنا وصدقنا کہا اور وہ تشریف لائے اور ــــ اس سیمنار کا وزن بڑھایا

مخطوطات کے متعلق جیسا کہ فرمایا گیا ہمارا رویہ اکثر "مار برسر گنج" کا سا رہا ہے۔ ایک روایت ہے کہ خزانے پر سانپ بیٹھ جاتا ہے اور اسکی حفاظت کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی ہماری خوش فہمی ہے، ہم اتنی بھی حفاظت نہ کرسکے جتنی کہ سانپ خزانے کی کرتا ہے، ہمارے بہت سے ذخائر بہت سے خزائن مخطوطات کے تلف ہو چکے۔ اور یہ قدم، دراصل اسکی بڑی افادیت یہ ہے کہ جو مخطوطات ہمارے پاس محفوظ ہیں وہ مندرج ہو جائیں، قلم بند ہو جائیں اور اس کے بعد اہل تحقیق اور اہل علم ان سے استفادہ کرسکیں سب سے بڑی اہمیت اس سلسلۂ سیمنار کی یہی ہے تصوف کے سلسلہ میں ایک کام جو بہت ضروری نظر آتا ہے، وہ غالباً یہ ہے کہ ہم کسی طرح ان کیفیات کی ترجمانی بھی کرسکیں، تصوف جن کا حامل ہے کیونکہ اگر ہم نے چھاننا شروع کیا تو کیفیات ایسی چیزیں نہیں ہیں، جو چھلنی میں رہ جائیں اور ان کیفیات کے جو رمزشناس ہیں ان سے رجوع کرنا اور ان سے استفادہ کرنا آسان کام نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ پہلے تو طلب کی آزمائش کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم رہ گئے

ہیں مگر جو حضرات رہ گئے ہیں وہ مغتنم ہیں، اور ان سے کیفیات کی پہلی سطح پر اور اصطلاحات کی دوسری سطح پر ہمیں تشریح ملنی ہوگی اور اس تشریح کو زبان قلم سے جس حد تک محفوظ کیا جا سکتا ہے وہ محفوظ کرنا ہوگا۔ لیکن یہ قدم بعد میں اٹھایا جائے گا۔ اس وقت تو جو کام درپیش ہے وہ خود اتنا اہم ہے کہ وہ وقت کا طالب ہے، توجہ کا طالب ہے۔ کاوش کا جد وجہد کا اور انتھک محنت کا طالب ہے۔ ہم نے بالعموم من حیث القوم فی زمانہ ریاضت سے جی چرایا ہے لیکن تحقیق کا کام سرسری نگاہ کو کبھی گوارا نہیں کرتا۔ اس میں تو مگن درکار ہے اور عرق ریزی درکار ہے۔ اور میری اپیل آپ سب اہل علم حضرات سے یہی ہے کہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک اس انداز سے پہنچائیں جو اس مضمون کا حق ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ تصوف ظاہر سے باطن، ہیئت سے معنی، جسم سے روح کی طرف سفر کرتا ہے تو، وہ اجسام اور وہ قالب جو ہم تیار کریں، ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ روح سے معنی سے، باطن سے محروم نہ رہے۔

مخطوطات کے متعلق ایک بات میرے ذہن میں آئی، وہ میں پیش کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ مخطوطات کی حیثیت میری دانست میں دانے میں بیج کی سی ہے۔ کلام مجید میں آپ نے اکثر ذکر سنا ہوگا، جزائے اعمال کے سلسلہ میں کہ ایک دانہ سے نہ معلوم کتنی بالیاں نکلتی ہیں۔ "سنابل" کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے لیے۔ تو مخطوطہ بھی دراصل ایک دانہ ہے، اور جب وہ طبع ہو جاتا ہے تو ہزاروں گنا بڑھ جاتا ہے۔ عمل صالح کی طرح مخطوطہ بھی اس کا طالب ہے کہ اس کی طباعت ہو، اس کی اشاعت ہو، وہ ایک بیج ہے اور فصل آپ جیسی کاٹیں گے جب آپ کتابوں کی شکل میں اسے عام کر دیں گے منتشر کر دیں گے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے متعلق جیسا کہ ہمارے معزز مہمانوں نے فرمایا ہے، وہ اس سے واقف ہیں، اس سے وابستگی رکھتے ہیں، اور کوئی تعارف یونیورسٹی کا کرانا ان کے سامنے میرے خیال میں ان کی وابستگی اور ان کی معلومات کی توہین ہوگی۔ تاہم دو ایک باتوں کا ذکر میں ضرور کروں گا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو ۱۹۸۱ء کے ترمیمی ایکٹ کے ذریعہ وہ کردار ملا جس کو مختلف انداز سے اقلیتی کردار، تاریخی کردار، روایتی کردار کہتے ہیں۔ اقلیتی کردار کا حق ادا کرنے کے لیے یونیورسٹی کو کوشش کرنی ہوگی کہ مشرقی علوم میں یہ ایک ایسا مرکز بن جائے جس سے دنیا کے سارے اہل علم رجوع کریں اور شاید یہی نقطۂ آغاز بن جائے۔ ہمارے یہاں جیسا کہ آپ کو علم ہے، ایک اسلامی دراسات کا شعبہ ہے، ویسٹ ایشین اسٹڈیز _____ (West Asian Studies) کا ایک مرکز ہے، اس کے علاوہ ہمارے یہاں دینیات کے شعبے ہیں، سنی دینیات، شیعہ دینیات؛ اور ہمارے یہاں تاریخ کا شعبہ ہے جو قرون وسطی (Medival period) پر غالباً دنیا میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے _____ ہمارے یہاں ہندی اور سنسکرت کے شعبے بھی ہیں۔ ہمارے پاس اتنا وسائل سارے ذخائر ہیں کہ ہم اسلامیات پر، مشرقیات پر ایسا کام کر سکیں جو سارے عالم میں ممتاز ہو اور میں اپنے رفقائے

اپیل کروں گا جو میں نے پہلے بھی کی ہے کہ اس کام کو وہ اپنے ذمے لیں۔ ہمارے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں اور کوئی علمی مہم کوئی تحقیقی مہم جو ہمارے ذہن کے احاطے میں آسکتی ہے اس کی مالی امداد پہلے ہی سے فرض کی جا سکتی ہے اس میں نہ تو یو۔جی۔سی۔ کو کبھی تامل ہوگا اور نہ وزارت کو۔ اور ان امور میں کسی قسم کی مداخلت کسی حلقے سے آج تک نہیں ہوئی ہے سارے وسائل فراہم ہیں آگے بڑھنے کی دیر ہے' قدم سے قدم ملا کر اور سر جوڑ کر اگر آگے بڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ ہم پیچھے مڑ کر نہیں دیکھیں گے۔

اس یونیورسٹی نے ابھی چند ماہ سے ایک کام اپنے ذمے لیا ہے کہ اہل حرفہ کی ترقی' پیش رفت اور خوش حالی کے لیے کوشش کرے پہلے تو ان کا جائزہ لیا گیا ہے سات اضلاع میں یعنی علیگڑھ' مراد آباد' میرٹھ' فیروز آباد' خورجہ' مئو' بنارس ——————— جہاں اہل حرفہ کی بڑی آبادی ہے۔ اور' اہل حرفہ کا شعار یہ ہے اور وہ یہ کرتے ہیں کہ جب ہمارا بچہ ہمارا کام کرکے ہر دفتر میں کام کرنے والے سے زیادہ کما سکتا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کو تعلیم دلائیں ان حضرات کے ذہن سے اس خیال کو دور کرنا ہے تو جوئے شیر لانا لیکن جوئے شیر کی جھلک کبھی کبھی نظر آجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ لوگ باتیں سن رہے ہیں۔ یونیورسٹی کے اساتذہ اس جائزے میں اس سروے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے نتائج بھی برآمد ہونے لگے ہیں۔ نتائج برآمد ہونے سے میری مراد یہ ہے کہ بیداری کے آثار پیدا ہو چلے ہیں۔ ہم نے انتظام کیا ہے کہ ان کاریگروں کو' ان اہل حرفہ کو جن کے پاس وسائل نہیں ہیں' انکو بینکوں کے ذریعہ روپیہ دلایا جائے۔ اور بینکوں نے ہمارے سروے کو' ہماری رپورٹ کو تسلیم کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یونیورسٹی جس کے بارے میں یہ کہہ دے گی کہ یہ آدمی اس لائق ہے کہ اس کو مشینیں دی جائیں' ہم اس کو دیں گے۔ چنانچہ علی گڑھ میں ایسا ہوا ہے' میرٹھ اور مراد آباد وغیرہ میں بھی ہم یہ کریں گے۔ اس کے علاوہ ان کی صحت' انکی تعلیم کا بندوبست بھی حکومت کے تعاون کے ساتھ یونیورسٹی کرے گی۔

میں نے ذکر کیا تھا یونیورسٹی کے کردار کا۔ یونیورسٹی کے کردار کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس کا رشتہ اس کے عظیم بانی کے پالیسی' ان کی حکمت عملی کے ساتھ جوڑ دیا جائے' اور علی گڑھ تحریک کا احیا اسی عنوان ممکن ہے!

دوسرا کام جو کیا گیا وہ ہے مسلم اسکولوں اور کالجوں کا سروے' جو اس وقت ہو رہا ہے' اور اس کے علاوہ وہ تربیتی کلاس جو ریاضی اور سائنس کے استادوں کے لیے منعقد کیے جا رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان مضامین میں جہاں کچھ زیادہ کمزوری محسوس کی گئی' ہم ان اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کو جدید ترین معلومات سے لیس کر دیں۔

یونیورسٹی کو اب کسی منارے میں بند نہیں رکھ سکتے۔ یونیورسٹی کو اپنے فیض کو نہ صرف اپنے حدود کے اندر

[illegible] ایسا نہ ہوگا۔

ہمارے ایک رفیق ہیں جناب کرنل [illegible] صاحب جنہوں نے تصوف کے
سلسلے میں ایک چیز قائم کرنے کی بڑی کوشش کی۔ [illegible] ایک شعبہ قائم کر رہے تھے ان کو
نے ابھی تک آگے نہیں بڑھنے دیا لیکن ان کے سامنے شعبہ تصوف قائم کرنے کا ایک منصوبہ ہے۔ اور با وجود پیرانہ سالی
جتنی لگن وہ رکھتے ہیں اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ منصوبہ کامیاب ہوگا اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہوا تو وہ
ان کوششوں سے براہ راست فیضیاب بھی ہو سکے گا ——— ذکر انفعال کا آیا تھا۔ میں
گفتگو کو اسی پر ختم کروں گا اقبال کے بعض اشعار زبان زد خاص و عام ہیں اور ان میں سے ایک مصرع یہ بھی ہے

اگر نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

پھر یہ ہمیشہ پوچھا جاتا ہے اقبال ہی کے دوسرے شعر کے [illegible] نم کیسے ہوتی ہے اقبال نے کہا تھا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے • قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

یہ مٹی اگر نم ہوگی تو عرقِ انفعال سے ہوگی ——— معذرت چاہتا ہوں ——— میں اپنے مضمون سے کچھ بہک گیا،
ن میں چاہتا تھا کہ یونیسکو کے توسیعی کام سے آپ کو روشناس کرادوں۔ میں اس سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے
محسوس کرتا ہوں اور میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کی مساعی مشکور ہوں اور یہ سلسلہ جو سید صاحب نے شروع کیا
ہیں ایک نہ جائے بلکہ مخطوطات کے سلسلے میں پچھلے سال طب کے مخطوطات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سال تصوف
متعلق آئندہ سال قرآنیات کے متعلق یہ ایک سلسلہ سیمناروں کا کافی نہ ہوگا جب آپ جمع کرلیں اس کے بعد پھر
بیٹھیں پھر تجزیہ کیا جائے چھلنی سے نکل کے کیا بچا میری ایک بری عادت ہے کہ سعدی سے رجوع کیے بغیر میں اپنی کسی
گفتگو کو نہ شروع کرتا ہوں اور نہ پایاں کو پہنچا سکتا ہوں مجھے یہ یاد بھی نہیں کہ یہ سعدی کا شعر ہے وہ شعر
دمشق کا جب ذکر آیا تھا تو سعدی کا شعر مجھے یاد آیا۔

چناں قحط سالی شد اندر دمشق   کہ یاران فراموش کردند عشق

اپنے بیرونی مہمانوں کے لیے ترجمہ کرتا ہوں:

"Sa'di says that there was such a severe famine in Damascu that people forgot even to love. The meaning is that the nice thin of life, the quality of life becomes a sacrifice at the alter extreme poverty."

میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب حکیم عبد الحمید
چیئرمین، ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن

دہلی اجلاس کا خطبۂ استقبالیہ

مجھے بیحد خوشی ہے کہ تصوف کے مخطوطات پر ہونے والے سیمینار کے مندوبین کا یہ کاروانِ علم و فن پٹنہ اور علی گڑھ سے ہوتا ہوا آج دہلی میں ہے جہاں اس سلسلہ کا تیسرا اور آخری سیشن منعقد ہو رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سیمینار خدا بخش لائبریری پٹنہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن دہلی کے باہمی اشتراک سے منعقد کیا گیا ہے۔ آج سے تقریباً ایک سال پہلے اسی طرز پر ہم نے طبی مخطوطات پر بھی پٹنہ اور دہلی میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔ جو بہت مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوا تھا۔ اس میں بہت سے نئے مسائل سامنے آئے تھے اور ان پر غور و خوض کیا گیا تھا۔ طب کے سیمینار کی کامیابی کے بعد ہمارے عزائم کو تقویت ملی اور مزید قدم بڑھانے کا حوصلہ ملا۔ چنانچہ آج ہم اسی پروجیکٹ کے دوسرے مرحلہ پر تصوف کے مخطوطات پر یہ سیمینار منعقد کر رہے ہیں جس کی ابتدا ابھی چند روز ہوئے پٹنہ میں ہو چکی ہے جس میں میں اپنی بعض اہم مصروفیات کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکا جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

اسلامیانِ ہند کی ثقافتی تاریخ اس وقت تک مرتب و مکمل نہیں ہو سکتی جب تک صوفیہ کرام کے ملفوظات اور ان کے تذکروں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ اور استفادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ ان ملفوظات اور تذکروں کے بین السطور بہت سی ایسی نئی باتیں معلوم ہوں گی جن سے عام تاریخی مآخذ یکسر خالی ہیں۔ ملک کے سیاسی حالات، عوام و خواص کا طرزِ زندگی اور مختلف دور کی دینی تحریکات اور مذہبی رجحانات کا اگر صحیح طور پر اندازہ لگانا ہے تو ہمیں صوفیہ کرام کے انہی تذکروں اور ملفوظات کی ورق گردانی کرنی پڑے گی جن کے ذریعہ صحیح طور سے کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔

اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے اگر ایک طرف اربابِ اقتدار پر اپنے اثرات قائم کیے تھے تو دوسری طرف بلا تفریق مذہب و ملت سماج کے کمزور طبقوں اور فلاکت و ادبار کے مارے ہوئے لوگوں کو دلدہی و دلداری کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف لانے کے لیے انتھک جد و جہد بھی جاری رکھی تھی۔ اس طرح انھوں نے مخلوق کو خالق سے اور بندے کو مولیٰ سے ملانے کے لیے انبیاء و رسل کی نیابت کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان صوفیہ کی یہ مساعی کبھی رائگاں نہیں گئیں، انھوں نے

سماج میں انقلاب برپا کیا عوام کو اٹھا کر خواص کے مرتبہ پر پہنچایا اور حاکمانِ وقت کو بھی اپنی واقعی حیثیت کو سمجھنے کا موقع دیا روحانی انقلاب لانے والی ان عظیم شخصیتوں کے حالات، فرمودات اور تذکروں کو ہر دور میں مرتب کیا جاتا رہا اور ان کے متوسلین و مریدین ان کو دور دور تک پہنچاتے رہے ہیں۔ اس طرح یہ زندہ جواہر کے ڈھیر آج ہماری تاریخ کے اہم ماخذ ہیں ان کی حفاظت، ان کی تدوین اور ان کی نشر و اشاعت ہمارا ملی اور قومی فریضہ ہے۔ یہ تذکرے اور ملفوظات آج ہزاروں کی تعداد میں مختلف مقامات میں منتشر اور غیر محفوظ حالات میں بکھرے ہوئے ہیں اور زیادہ تر ابھی مخطوطات ہی کی شکل میں موجود ہیں اگرچہ ان میں سے بعض چھپ بھی چکے ہیں مگر وہ بھی اب نایاب نہ سہی تو کم یاب ضرور ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ صوفیہ کی تعلیمات اور فرمودات کے ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیروں میں مختلف زمانوں میں دانستہ تغیرات و ترمیمات بھی ہوئی ہیں اور ان میں ترک و اضافات بھی ہوئے ہیں۔ بعض بزرگوں کے نام سے پوری پوری کتابیں اور دیوان تصنیف کرکے شائع کردیئے گئے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں کہے جا سکتے، بالخصوص فضائل و کرامات کے سلسلہ میں تو بہت بے احتیاطیاں ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے ان مخطوطات کو تحفظ کے خیال سے نہ صرف شائع ہی کیا جائے بلکہ انہیں احتیاط کے ساتھ ایڈٹ کرکے اور ترک و اضافات سے پاک و صاف کرکے جدید تحقیقی و تدوینی انداز پر شائع کیا جائے تاکہ یہ ہمارے تاریخی و ثقافتی ماخذ زمانے کی دست برد سے محفوظ ہو کر آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بن سکیں۔

اگر آج ہم نے بروقت ان کے تحفظ کے کچھ اقدامات نہ کئے تو یاد رکھئے کہ ہم اپنے اکابر کی تعلیمات اور کارناموں سے بہرہ ور نہ ہو سکیں گے اور ان کے ان زریں اصولوں سے استفادہ نہ کر سکیں گے جن سے انھوں نے دلوں کو منور، روحوں کو مجلا اور دماغوں کو روشن کیا تھا۔ توحید و رسالت کی تعلیمات، زہد و ورع کے نمونے، خدمت خلق اور ایثار و قربانی کی مثالیں اور دلوں پر حکمرانی کرنے کے طریقے ہم ہندوستانیوں کو بالخصوص انہی صوفیہ کی تحریروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ اگر آج ہمیں اپنے سماج اور گرد و پیش کے ماحول کو درست کرنا ہے اور ظلم و تشدد اور استحصال و استبداد سے نبرد آزما ہونا ہے تو ہمیں انہی صوفیہ کرام کی درخشاں زندگیوں اور اخلاقی تعلیمات کو اپنے لئے نمونہ بنانا پڑے گا۔ لہٰذا اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ان کی اہم تصنیفات اور تحریرات کو مدوّن و مرتب کرکے شائع کر دیا جائے۔

چنانچہ تصوف کے اس سیمینار کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ اس سلسلے کے اہم اور نادر مخطوطات کی نشاندہی کرکے ان کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی جائے تاکہ اس بات کا فیصلہ کرنے میں سہولت ہو کہ کن مخطوطات پر پہلے کام کا آغاز کرکے انہیں قابل اشاعت بنایا جائے۔ اگر آج ہم نے وقت کے اس اہم تقاضے کو پورا نہیں کیا تو آنے والا وقت ہمیں کبھی نہ

سنگین ہوگا اور یہ بچا کھچا سرمایہ بھی زمانے کی دست برد کی نذر ہو جائے گا۔ ہماری اس فروگذاشت پر آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

میں ڈاکٹر حامد رضا بیدار صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں جو کئی سال سے اس مقصد کے حصول کے لیے 'یقین محکم' اور 'عمل پیہم' کے جذبے سے سرشار ہو کر بے پناہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ آج انہی کی ان عملی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم سب یہاں دور دراز مقامات سے سفر کر کے جمع ہوئے ہیں اور ایک اہم علمی و ثقافتی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے ہیں۔

آخیر میں، میں اپنے تمام ملکی اور غیر ملکی مندوبین بالخصوص پاکستان، بنگلہ دیش، اردن، شام اور مراکش کے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کے مقالات اور مباحث سے اس سیمینار کو تعمیری نتائج برآمد کرنے میں رہنمائی ملے گی۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اس اہم علمی و ثقافتی سیمینار کا افتتاح کرتا ہوں۔

تعارفِ مخطوطات

جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار کے شرکا سے
درخواست کی گئی تھی کہ کچھ اہم مخطوطات / کسی اہم
مخطوطے کا بھرپور تعارف کرائیں ــــــــــــــ
اس حصّے میں اہم مخطوطات کا تعارف پیش
کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرشید
شعبہ علوم اسلامیہ
جامعہ کراچی، پاکستان

پاکستان کے چند اہم مخطوطاتِ تصوّف

تصانیف بایزید انصاری

حضرت بایزید انصاری جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نے آپ کی پیدائش کے بعد جالندھر کو خیرباد کہا اور جنوبی وزیرستان (موجودہ صوبہ سرحد پاکستان) کے علاقے کانی گرام میں رہائش اختیار کرلی[1]۔" آپ کا سلسلہ نسب اکتیس واسطے سے صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے[2]۔

بایزید انصاری تحریک روشنیہ کے بانی اور اپنے وقت کے مشہور و معروف صوفی تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے خیالات لوگوں تک پہنچانے کے لیے کئی کتابیں تصنیف کیں اور آپ کا یہ تحریری سرمایہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یوں تو آپ کی تصانیف میں خیرالبیان، صراط التوحید، مقصود المومنین، فخرالطالبین اور خود نوشت سوانح عمری حالنامہ شامل ہیں۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ تمام تصانیف انتہائی اہم ہیں۔ اس سلسلے میں پختونوں کی مشہور شخصیت خوشحال خان خٹک اس کے مضامین کی گہرائی کا ذکر کرتے ہوئے اس دور کے مشہور عالم اخوند درویزہ پر طنز کرتے ہیں کہ:

"درویزہ خیرالبیان ئے ولیدلے۔ د حقہ پر مضمون نہ و پوہیدلے[3]"

یعنی اخوند درویزہ نے حضرت بایزید انصاری کی تصنیف 'خیرالبیان' کا مطالعہ تو کیا لیکن اس کے مضامین کو نہ سمجھ سکے[4]۔

خود بایزید اپنی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اکیس برس کی عمر میں مجھے یہ حکم ہوا کہ میں ایک رسالہ بادشاہوں

---

[1] رسالہ پشتو (سہ ماہی)، پشاور، پشتو اکیڈمی، ستمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۵۷۔

[2] حبیب اللہ رفیع، درو ځان یاد۔ افغانستان، پشتو ټولنہ کابل۔ ۱۹۷۶ء۔

[3] خٹک، خوشحال خان، صوات نامہ (قلمی) مملوکہ پشتو اکیڈمی لائبریری، پشاور، صفحہ ۱۸۔

[4] دراصل "خیرالبیان" ہی وہ کتاب ہے جس کی بنا پر بایزید انصاری متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے، اور اخوند درویزہ نے ان پر الزام لگایا کہ بایزید اس کتاب کو الہامی کہتے ہیں اور اس طرح نبوت کے داعی ہیں۔ عہد اکبری کے اواخر میں اس مسئلے نے بڑی شدت اختیار کی لیکن روشنیہ تحریک اور بایزید انصاری کی شخصیت اپنی جگہ ایک عرصہ تک قائم رہی۔

کے لیے لکھوں اور ان کو روانہ کروں تاکہ ان کی ریاستوں میں توحید کا پرچار ہو۔ پوری رعایا میں نیکی کا دور دورہ ہو اور گناہ گھٹنے لگیں اور اس طرح ایک ایسا معاشرہ جنم لے جس میں انسان حسن سلوک کی تصویر ہوں اور یہ زمین جنت نظیر بن جائے۔"[1]

میں اپنے اس مقالے میں بایزید کے چند ان مخطوطات کا ذکر کروں گا جو پاکستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

(۱) **خیرالبیان** بایزید انصاری کی یہ معرکۃ الآرا تصنیف چالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ عربی، فارسی، پشتو اور اردو (چند الفاظ) کا وہ شاہکار ہے جس کے متعلق ادباء کا کہنا ہے کہ: "خیرالبیان" پشتو کی سب سے پہلی کتاب ہے جو آج تک پوری ہم تک پہنچی اور پشتو ادب کا سارا سلسلہ بھی اس کتاب سے شروع ہوتا ہے۔"[2]

اس کتاب کی اہمیت کا ذکر خود مصنف نے بھی کیا ہے: "جب بایزید قریب المرگ تھے تو مریدوں نے آخری وصیت کی درخواست کی جس پر بایزید نے کہا کہ 'خیرالبیان' کا مطالعہ کرو۔ اس کتاب میں میں نے وہ تمام علم درج کر دیا ہے جو مجھے خدا کی طرف سے القا ہوا تھا۔"[3] ماثرالامرا کے مصنف کا کہنا ہے کہ: "اس کتاب سے بایزید کے عقیدہ وحدۃ الوجود کا اثبات ہوتا ہے۔"[4] اس کتاب میں بایزید نے مکالمے کی صورت میں مختلف مسائل بیان کیے ہیں، جس میں ایک غیبی آواز بایزید کو مخاطب کرتی ہے اور پھر مسائل بیان ہوئے ہیں۔ بایزید نے ان مسائل کی وضاحت آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اقوال صوفیہ سے کی ہے، جس سے ان کی علمی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں:

"اے بایزید روژہ دہ رمضان لہ نیت سرہ فرض دہ کہ عاقل بالغ وی پہ امتی د محمد علیہ السلام روژہ روادہ بہ نیت دشپے، کہ ئے د ورشی نیت رواد دے تحواچہ نور د چا روزی عیان۔ "یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ ایاما معدودات" (اے کسانیکہ ایمان آوردید فرض کردہ شد بر شمایان روزہ چنانچہ فرض کردہ شد بر آنانکہ پیش از شمایان بودند۔ شاید کہ تقوی کنید روز ہے چند) پر قرآن کنبے دی عیان۔ "الصوم لی وانا اجزی بہ" ویلی دی سبحان۔"[5]

---

[1] انصاری، بایزید۔ مرادالتوحید (قلمی)، مملوکہ لائبریری امیر شاہ قادری یکہ توت پشاور۔

[2] قاسمی عبدالقدوس، جیش۔ مقالہ۔ مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور ۱۹۶۶ء۔

[3] انصاری، بایزید۔ حالنامہ۔ مرتبہ علی محمد مخلص (مخطوطہ) مملوکہ جامعہ پنجاب لائبریری لاہور۔

[4] شاہ نواز خان۔ ماثرالامرا۔ کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴۳۔

[5] انصاری، بایزید۔ خیرالبیان۔ پشتو اکیڈمی لائبریری، پشاور۔

ء عبارت پر توجہ فرمایئے کہ کس انداز سے بایزید روزے کی اہمیت بیان کرتے ہیں اور بیک وقت پشتو معرا اور
ری تحریر لاتے ہیں۔ قرآنی آیات اور احادیث کا برمحل استعمال کرتے ہیں اسی طرح دیگر مسائل بھی ذکر ہوئے ہیں۔

(۲) صراط التوحید:- یہ مخطوطہ بایزید کے خود نوشت حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی ارتقا پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس میں مجاہدہ و ریاضت کے ان مدارج کا ذکر ہے جن سے انسانی روح ارتقائی منزلیں طے کرتی ہے لیکن ان کا حصول پیر کامل کی راہنمائی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس تصنیف کے آخر میں بادشاہوں اور امراء کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں دعوت بیعت دی گئی ہے اور اسی سلسلے میں بایزید نے اس کا ایک نسخہ فرمانروائے ہند جلال الدین اکبر کو بھجوایا تھا جس پر اکبر نے نہ صرف اپنی عقیدت کا اظہار کیا بلکہ آپ کے خلیفہ دولت کو خلعت سے نوازا۔ بایزید کے لیے تحائف ارسال کیے اور اپنی مدد کا پورا پورا یقین دلایا۔[1] اس مخطوطہ کے آخر میں سنہ تصنیف ۹۷۸ ہجری تحریر ہے اور اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جو اس کا مطالعہ کر کے اس پر عمل پیرا ہوگا وہ علم التوحید سیکھ لے گا۔

(۳) مقصود المومنین:- عربی میں لکھا گیا یہ مخطوطہ بایزید کے مسلک و عقیدت یعنی روشنیہ فرقہ کے عقائد و نظریات پر مشتمل، ایک خلاصہ ہے۔ جو بایزید نے اپنے بڑے بیٹے شیخ عمر کی درخواست پر تحریر کیا تھا۔
اس مخطوطہ کے اکیس (۲۱) ابواب ہیں جن میں سے شروع کے تیرہ (۱۳) ابواب حسب ذیل موضوعات پر مشتمل ہیں۔

(۱) ایمان۔ (۲) روح۔ (۳) نفس۔ (۴) قلب۔ (۵) آخرت۔ (۶) دنیا۔ (۷) عقل۔ (۸) وعظ
(۹) خوف۔ (۱۰) رجاء۔ (۱۱) شیطان۔ (۱۲) توکل اور (۱۳) توبہ۔

اس کے بعد بقیہ آٹھ (۸) ابواب میں تصوف کے حسب ذیل آٹھ (۸) مدارج پر بحث کی گئی ہے۔

(۱) شریعت۔ (۲) طریقت۔ (۳) حقیقت۔ (۴) معرفت۔ (۵) قربت۔ (۶) وصلت۔ (۷) وحدت۔ (۸) سکونت

گویا بایزید کی اس تالیف سے اس کی تحریک اور مسلک تصوف سے پوری طرح آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

(۴) حالنامہ:- بایزید کی مفصل خود نوشت سوانح عمری پر فارسی کا یہ مخطوطہ بڑا اہم ہے۔ بعد ازاں آپ کے ایک مرید علی محمد مخلص نے اس میں مزید اضافے کیے۔ اس کے کئی ایک نسخے ہیں۔ ان میں سے ایک پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں اور ایک ایک فوٹو سٹیٹ شدہ کاپی پشتو اکیڈمی لائبریری پشاور میں ہے۔ میرے زیر نظر نسخے کی ضخامت ۲۷۵ صفحات تھی۔ اس میں ان واقعات کا ذکر بھی ملتا ہے جن کے تحت بایزید کو ایک مرتبہ گرفتار کر کے کابل لے جایا گیا اور

---

[1] "حالنامہ"۔ محولہ بالا

وہاں ان کا مناظرہ اس دور کے مشہور فقیہ اور صوفی قاضی خان سے ہوا جسکے بعد انہیں ہر طرح کے الزامات سے بری قرار دیا گیا۔ ذیل میں اس مناظرہ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

" قاضی خان: شنیدہ می شود کہ می گوئی کہ بر من وحی می آید[۱]" بایزید: غلط می گویند من فرمایم کہ بر من الہام می شود و علمائے غیر نشنوم[۲]۔"

اس کے ساتھ ساتھ خیر البیان[۳] کے بارے میں قاضی خان نے سوال کرتے ہوئے بایزید سے پوچھا کہ "مردماں می گویند کہ می فرمائی کہ بر من از روئے وحی کتاب نازل شدہ و آں چہل سیپارہ است[۴]۔" اس کا جواب دیتے ہوئے بایزید گویا ہوتے ہیں کہ: "آنچہ مدعیاں می گویند خلاف است زیرا کہ من گفتم حق تعالیٰ از روئے الہام بر دل من کتاب نزول فرمودہ است نام آں "خیر البیان" است چہل بیان در آں مذکور است چنانچہ غوثیہ بر غوث اعظم از روئے الہام نزول شدہ، اما عوام الناس فرق میان وحی و الہام نمی توانند کرد، لاجرم نام وحی می گیرند و حاسدان از روئے حسد سخن بازی می گردانند بجائے الہام وحی می گویند[۴]۔"

گویا اس طرح بایزید نے اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کا جواب بھی خود دے دیا۔ جہاں تک ان الزامات کا تعلق ہے جو بایزید پر لگائے گئے، ان کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بایزید کی وفات کے بعد اس کی تحریک میں ایسے لوگ نہ تھے جو اپنی علمی استعداد سے مخالفین کے الزامات کا جواب دے سکیں۔ دوسری طرف اخوند درویزہ کی مخالفت پورے عروج پر تھی اس لیے خوشحال خان خٹک نے کہا کہ:

دہ چہ خوشے میدان بیا مند سخن کوئی شو   پر ویل کبن چہ ئے زرہ ودجے ترئی شو[۵]

یعنی اخوند درویزہ نے میدان خالی پاکر جو دل میں آیا کہنا شروع کیا۔ جہاں تک بایزید انصاری پیر روشن کے تصانیف کا تعلق ہے تو ان کے مطالعہ کے بعد یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ:

(۱) پیر بایزید وحدۃ الوجودی سلسلہ کے ایک صوفی تھے جن کی صوفیانہ تحریک اس زمانے کے حالات کی بنا پر ایک سیاسی تحریک بھی بن گئی اور اس طرح ایک مستقل فرقہ "روشنیہ" وجود میں آگیا۔

(۲) بایزید کی تصانیف کی ادبی عظمت بہت نمایاں ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ انہوں نے پشتو ادب کو نثر کا رنگ دیکر اسے ترقی یافتہ بنایا اور ایک نئے مکتبۂ فکر کی بنیاد ڈالی جس نے بڑے بڑے نامور ادیب[۱] پیدا کیے لہٰذا پشتو ادب ان کے احسانات سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] تا [۴] "حالنامہ": محولہ بالا [۵] صورت نامہ محولہ بالا

(۳) بایزید کی تصانیف سے اور اس دور کے تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بایزید ایک بااثر شخصیت تھی جس نے اکبر کے دینِ الٰہی کے خلاف علمی جہاد کیا اور اس کے اثرات افغانستان، پاکستان اور قبائلی علاقوں پر مرتب نہ ہونے دیے۔

پاکستان کے شمال مغربی صوبہ میں مخطوطات خصوصاً مخطوطاتِ تصوف کی کثیر تعداد موجود ہے جو نہ صرف مشہور لائبریریوں بلکہ لوگوں کی ذاتی ملکیت میں بھی ہیں جن پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میں اس سیمینار کے شرکاء خصوصاً خدابخش لائبریری پٹنہ کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میرے دوسرے اہلِ علم ساتھی اس مدفون شدہ ذخیرہ تصوف کو میدانِ عمل میں لائیں گے تاکہ ہمارے محققین ان سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکیں۔

(۲)

تذکرۃ الاولیاء

میں نے اس مقالے کا موضوع جس شخصیت کے اہم ترین مخطوطہ کو بنایا ہے وہ انتہائی اہم ہونے کے باوجود آج تک محققین کی نظر سے پوشیدہ رہی۔ میری مراد ہے دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کی عظیم روحانی شخصیت خوشحال خان خٹک کے بڑے بھائی جمال خان خٹک جو فقیر بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ ۹۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور اکیسو پچاس برس کی عمر پائی۔ آپ تصوف کے تین سلسلوں سے متعلق تھے یعنی اویسیہ، سہروردیہ اور چشتیہ۔ فقیر بابا کے خاندانی پس منظر کے سلسلے میں خود ان کے بھائی خوشحال خان خٹک کا کہنا ہے کہ "میں خوشحال شہباز کا بیٹا ہوں اور خاندانی شمشیر زن ہوں۔ شہباز خان یحییٰ خان کے بیٹے تھے جن کی طرح کوئی دوسرا جوان نہ تھا۔ یحییٰ خان اکوڑ خان کے بیٹے تھے جو اپنی تلوار کے زور پر سرداری پر سرفراز تھے"۔

لیکن خدا کی شان کہ اس خاندان میں وہ روحانی شخصیت پیدا ہوئی جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کیلئے آج بھی سینکڑوں افراد روزانہ ان کی آخری آرامگاہ پر حاضری دیتے ہیں۔

فقیر بابا چشتی کے جو مخطوطاتِ تصوف اب تک دستیاب ہوئے ہیں وہ (۱) نورِ محمدیہ (۲) مناقب شیخ رحمکار اور (۳) تذکرۃ الاولیاء ہیں۔

ان تصانیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے ہمیں جہاں دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام کی تعلیمات سے آگاہی، تصوف کے رموز اور طریقت و شریعت کے باہمی تعلق کی وضاحت ملتی ہے وہاں ہمیں اس دور کی اہم سیاسی شخصیتوں اور ملی تحریکوں کے متعلق بھی بنیادی اور قیمتی معلومات فراہم ہوتی ہیں جن سے تحقیق کی نئی

راہیں کھلتی ہیں۔

یہ امر موضوع بحث آپ کی سب سے اہم تصنیف "تذکرۃ الاولیاء" ہے اس میں اس دور کے صوفیائے کرام کے حالات کے ساتھ ساتھ اس دور کی تاریخی اور معاشرتی زندگی کے متعلق بھی بہت کچھ ملتا ہے۔ یہ کتاب فارسی میں چار سو چھتیس صفحات پر مشتمل خط نسخ میں ہے اور اس پر ان کا نام "فقیر جمیل بیگ" تحریر ہے۔

مخطوطہ کے ابتدا میں آپ نے اپنا نام "جمیل ابن شہباز افغان خٹک" تحریر کیا ہے۔ یہ ۱۵×۲۰ سائز پر تیرہ (۱۳) سطور فی صفحہ لکھی گئی ہے۔ مخطوطہ میں آپ نے اپنے آپ کو حضرت شیخ رحمکار[1] کا مرید بتایا ہے اور اس بات پر فخر کا اظہار کیا ہے کہ مرشد آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔ رقمطراز ہیں:

"کاتب این کتاب جمیل ابن شہباز افغان خٹک رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ العزیز

مرید شدم مرا فقیر خوانند ہمیں نام جاری شدہ بر من۔ بعد از چند سال مرا وجد حاصل شدہ عامہ گفتند

کہ دیوانہ شد مرشدم گفت، ہم چو یک دو دیوانہ دیگر بودے" [2]

اس مخطوطہ میں اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ کس طرح فقیر بابا اپنے خاندان کے سیاسی اثر و رسوخ کو چھوڑ کر راہ تصوف پر گامزن ہوئے اور "تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر"[3] کی منہ بولتی تصویر بن گئے۔ آپ نے اپنے مشن کا آغاز پاکستان کے صوبہ سرحد سے کیا۔ آپ کے مشن کے دو مقاصد تھے یعنی علم ظاہری اور باطنی کی ترویج، علم ظاہری کی ترویج اس طرح فرمائی کہ قرآن و حدیث کے درس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا اور اپنے تمام مریدوں کو جو قرآن فہمی اور حدیث سے شغل رکھتے تھے حکم دیا کہ اپنے اپنے علاقہ میں اس بات کا اہتمام کریں کہ فجر کی نماز کے بعد قرآن اور عصر کی نماز کے بعد حدیث کا درس دیں اور موضوعات کا انتخاب اس طرح کریں کہ عوام الناس کے روزمرہ کے مسائل کا حل قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں حاصل ہو۔ آپ اپنے مریدین کو خصوصی ہدایت فرماتے کہ قرآن کریم کی سورہ حجرات کی تفسیر عام اجتماعات میں بیان کریں تاکہ عوام اس بات سے آگاہ ہو سکیں کہ ان کی معاشرتی زندگی کی بنیادیں کیا ہیں اور معیار انسانیت تقویٰ کے علاوہ اور کچھ نہیں، یہ حقیقت ہے کہ اگر اس انداز سے عوام کی تربیت کی جائے تو پوری زندگی عبادت بن سکتی ہے۔ بقول جگر:

محو تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں ٭ زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

---

1. شیخ رحمکار صوبہ سرحد پاکستان میں کاکا صاحب کے نام سے مشہور زمانہ بزرگ گذرے ہیں۔ مغل فرمانروا آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے آپ نے صوبہ سرحد کے عوام کو توحید و رسالت کا وہ درس دیا کہ آج بھی عوام اس نعمت سے بہرہ ور ہیں اور اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منہ بولتی تصویر ہیں

2. فقیر بابا جمیل بیگ خٹک۔ "تذکرۃ الاولیاء" مخطوطہ مملوکہ پشتو اکیڈمی، پشاور۔ 3. القرآن ۳: ۱۱۰

حضرت فقیر بابا کے مریدین قریہ قریہ جا کر لوگوں کو باہمی محبت، یگانگت، بھائی چارے اور اتحاد و اتفاق کا
س دیتے اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں نفرت و کدورت کے جو بیج پروان چڑھ رہے تھے، انہیں ان پاکیزہ شخصیتوں
اپنے مرشد حضرت فقیر بابا کی رہنمائی میں شجرہ مبارکہ میں بدل دیا اور وہی لوگ جو پہلے ایک دوسرے کی جان و مال کی
دی سے در پے رہتے تھے اب ایک دوسرے کے محافظ و امین بن گئے۔ یہ علمی اور اصلاحی تحریک ہی آپ کی سب سے بڑی
ت تھی، اس لیے کہ امت محمدیہ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ اصلاح معاشرہ کیلئے کام کرے کیونکہ جسم
ملمانوں پر اللہ کی طرف سے جو فرائض عائد کیے گئے ہیں ان کا مقصد بھی پاکیزگی کی فضا پیدا کرنا ہے۔ سب سے اہم فریضہ
کا مقصد بھی "برائی اور بے حیائی کا قلع قمع کرنا ہے": [1]

حضرت فقیر بابا کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے بہت سے اہل قلم نے آپ کی شخصیت کو موضوع گفتگو بنایا
۔ ان میں اہم شخصیت میاں شمس الدین کاکاخیل کی ہے جنھوں نے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "مناقب و جمال خان"
نام سے تحریر کیا ہے جو پشتو زبان میں ہے جس میں فقیر بابا کے خاندانی تعارف کے ساتھ ساتھ آپ کے ولی اللہ ہونے اور
حب طریقت و شریعت کی حیثیت سے عوام کی اصلاح کا ذکر ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"فقیر بابا ظاہر و باطن کے اعتبار سے ولی کامل، ہر قسم کی بدعات سے پرے اور شریعت محمدی
صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مکمل پیروکار تھے۔" [2] "ترجمہ"

ی منقبت میں خوشحال خان خٹک کی گرفتاری، والدہ کا فقیر بابا سے ملاقات کرنا اور ماں بیٹے کی دلچسپ اور سبق آموز
گفتگو کا ذکر ہے جس کے بعد والدہ نے فرمایا:

"اے بیٹے! چونکہ ابھی تک میری آنکھوں پر دنیاداری کا پردہ پڑا تھا، تمہارے مقام سے
ناآشنا تھی، اس لیے دل پریشان تھا۔ اب جبکہ تم نے مجھے اپنے مقام سے آگاہ کر دیا ہے تو تمام مشکلیں
دھل گئیں اور میں تمہاری فکر سے آزاد ہو گئی اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا اپنا یا ہوا راستہ ہی صحیح اور پائیدار ہے [3] ترجمہ۔

سلسلہ چشتیہ کے یہ عظیم صوفی خٹک قوم کے معزز فرد، صوفیائے سرحد کی عالی مرتبت شخصیت
ا جمادی الاول ۱۱۱۶ھ میں اس دنیا سے اٹھ گئی لیکن اپنے پیچھے وہ یادگاریں چھوڑ گئی جو رہتی دنیا تک ان کا نام روشن

[1] القرآن ۲۹: ۴۵ (نماز کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر یعنی نماز بے حیائی
اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے)۔ [2] کاکاخیل شمس الدین مناقب و فقیر بابا۔ مخطوطہ مملوکہ انجمن اتحاد جمال خیل
پشاور، صوبہ سرحد پاکستان۔ [3] ایضاً حاشیہ ۲

رکھیں گی خصوصاً آپ کی مایہ ناز تصنیف "تذکرۃ الاولیاء"۔ آپ کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس پر کندہ اس قطعہ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے :

چو رفت از جہاں اہل کرامت خدیو ـــــ بجزق "آمد ز عالم" غدیو لہ

آپ کے مزار کے سامنے ایک برساتی نالہ ہے۔ اس کی مغرب جانب آپ کی چلہ کشی! روایت ہے کہ جب آ[پ] ذکر فرماتے تو درخت بھی آپ کا ساتھ دیتے ہوئے جھومنے لگتے اور ایسا کیوں نہ ہو اس لیے کہ درخت بھی زمین وآسم[ان] میں پائی جانے والی مخلوق ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

"الم تران اللہ یسبح لہ من فی السمٰوٰت والارض والطیر صافات کل قد علم صلاتہ"[۲]

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے، سب نے اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان رکھی ہے۔)"

بس بات صرف یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے مقصد کی یاد دھانی کرائی ہے اور حضرت فقیر بابا نے یہ یاد دھانی نہ صر[ف] انسانوں کو کراتے ہوئے ان کی اصلاح کی بلکہ حجر و شجر بھی آپ کی پاکیزہ زندگی کا ساتھ دینے لگے حقیقت یہ ہے کہ آپ جیسی شخصیات بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہیں بقول حضرت علامہ اقبال :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ؞ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ان ہی دیدہ وروں میں حضرت فقیر بابا چشتی بھی ہیں جن کے مخطوطات تصوف پر بحث کرتے ہوئے انھیں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

ـــــ سوال و جواب ـــــ

ڈاکٹر رحمت علی خان : "خیر البیان" کا ایک نسخہ سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد میں بھی ہے۔

لہ ایضاً حاشیہ ۳ ۲لہ القرآن ۲۴:۱۲۴۔

حالنامہ نسخہ علیگڑھ کا پہلا ورق

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم و تمم بالخیر

الحمد للہ حمداً کثیراً بعدد اکثر لا یعلم احد عن حساب اکبرہ
الا اللہ اکبر والصلوٰۃ علی خاتم الانبیاء والمرسلین و علی
آلہ واصحابہ اجمعین بعد این فقیر حقیر علی محمد ابن ابابکر
محمد ظاہری مرید و خادم خاندان بایزید انصاری قدس اللہ
سرہ العزیز میگوید کہ بعضی از محبان مخلصان کہ رعایت
مراعات خاطر عاطر ایشان از جملہ لوازمات و واجبات
دانستہ چون ازین فقیر التماس داشتند کہ حالنامہ پیر دستگیر
کہ از تدابیر دوران و تسامح ناسخان تغیر و تبدیل بعبارت
روی راہ یافتہ و صحیحش بتمامت بدل گشتہ و نیز سوانح حقائق
فرزندان

حالنامہ نسخہ علیگڑھ کا دوسرا ورق

فرزندان و احوال بزرگان پیر دستگیر قدس سرہ و دیگر از احوالات
کہ در سینۂ ظہور جلوہ گر آمدہ چنانچہ شمشیر گرفتن و رفتن ایشان
بجانب بیستور و بیتراہ و کابل وغیرہ از سوانحات کہ در انضباط
نمایدہ ازین نسخۂ شریف را ایں عرضست و از طبع زکیہ بتمام کہ مفتح
ابواب معانی مغلقہ و کاشف اسرار پردہ فاتر مسدود اند
بدیہہ نسبت کہ بتعمق عمیق و بالغ دقیق تطبیق دادہ تصحیح
نمایند و ارادت مع تقاضای ایشان بسمع قبول اصغا نمودہ
بموقف اجابت مقرون گشت امید توفیق حق و ما توفیقی
الا باللہ العلی العظیم و ہو حسبی و نعم الوکیل و آخر از تمامت
ناقلان معتبر استماع گشتہ بضبط تحریر در رشتہ نظم تقریر آوردہ
شد ہم از سمت سخن پیرائی و ہم از تکالیف کلام آرائی
در حیز ارقام مرتسم گشت تا بفہم بستہ این تردد نمایند متعلمان
صورت معانی روشن و ہویدا نمایند و بثواب آن
نائل بہرہ مند گردد الثواب حسن عند اللہ و اتمہ
حسن الثواب و السلام علی من اتبع الہدی ابیات از بود

کلثوم ابوالبشر
شعبۂ اردو و فارسی
ڈھاکہ یونیورسٹی ڈھاکہ

بنگلہ دیش کے دو اہم مخطوطات

سبحات

ڈھاکہ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں تصوف کے موضوع پر مخطوطات کا ایک قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔ اس ذخیرہ میں چند مخطوطات شائع ہو چکے ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں، ان میں چند نادر مخطوطات بھی موجود ہیں۔ انھیں میں "سبحات" نامی ایک غیر مطبوعہ نادر نسخہ بھی ہے۔ جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے شاید اس نام کا کوئی نسخہ دنیا کے کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔ نام کے لحاظ سے یہ واحد قلمی نسخہ ہے ہو سکتا ہے یہ مخطوطہ کسی اور نام سے کسی کتب خانہ کی زینت ہو۔

اس مخطوطہ میں کل ۳۴ اوراق ہیں اس کی تقطیع ۷½" × ۵½" ہے۔ جدید مشینی کاغذ پر لکھا ہوا یہ مخطوطہ خوشخط نستعلیق میں ہے۔ کہیں کہیں عربی عبارت کو خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔ مخطوطہ کافی بہتر حالت میں ہے۔ عنوانات کو لال روشنائی میں لکھا گیا ہے۔ مخطوطہ پر کہیں پر بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے اور نہ ہی مصنف کا نام ہے۔ غالباً انیسویں صدی کے اواخر یا بیسویں صدی کے شروع میں اس مخطوطہ کو نقل کیا گیا ہوگا۔

مخطوطہ کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی ہے۔ اس ضمیمے میں مقدس مقامات مثلاً مکہ شریف، مدینہ شریف، کعبہ، بیت المقدس اور سرندیپ کی پاکی و تقدس کو بیان کرنے کے بعد ان کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے

اس رسالہ میں علم حاضرات اور تصوف کے درجوں کو متعین کیا گیا ہے۔ وحدت الوجود اور ممکن الوجود پر بحث کی گئی ہے۔ دیباچہ میں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ چند معانی اور تفسیریں اس نے کسی سے اخذ نہیں کی ہیں اور نہ ہی ان باتوں کے بیان کرنے میں وہ کسی کا مقلد ہے۔ اس کتاب میں اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے تاثرات اور جذبات کے حسب منشا تحریر کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نادر و عارف علم نے اُسے یہ توفیق عطا کی ہے کہ وہ اس رسالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ مخطوطہ کی چند تمہیدی سطریں ملاحظہ فرمایئے:

"سُبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا و لا معرفت لنا الا ما الھمتنا، انک انت العلیم الحکیم" و الصلوٰۃ والسلام علیٰ وسیلۃ الوجود و وسیلۃ الشہود محمد نبیہ الکریم و آلہ و اصحابہ و اولیائہ افضل التسلیم"۔ اما بعد این کلمۂ چند است مسمّیٰ بسبحات در ذکر معار

کہ فقیر در اخذ و بیان آں مقلد و ناقل ہیچ احدی نیست بلکہ متاثر و مخصوص است باستقلال وعدہ آں از تجلی الہی علی
محیط علوم و اسرار ست و بعد ہذا اگر درایں معارف با بعض اکابر توارد است زہی سعادت و اگر تفرد است عنایت۔"

ان تمہیدی سطروں کے بعد مصنف نے "سبحہ" کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا "سبحہ" ہے تسبیح کے دانہ کا۔ اس کے علاوہ بقول ڈاکٹر حبیب اللہ اس کے دوسرے معنی "گلاب کی لڑی" کے ہے

Each topic is here called سبحہ or bead of the roasary.

اس مخطوطہ میں کل ۱۶۷ سبحات ہیں۔ ہر سبحہ تصوف کے موضوع سے متعلق ہے مضمون اور کتاب کے عنوا میں بڑی مماثلت ہے۔ ہر ایک مضمون تسبیح کا دانہ ہے۔ اور تسبیح کے دانوں کی طرح ہم انھیں زبانی یاد کر کے روحانیت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچ سکتے ہیں جس طرح گلاب کی لڑیاں اپنی خوبصورتی اور دلفریبی میں یکتا ہیں، اسی طرح اس نسخہ کے ا اقوال اپنی رعنائیوں کا جلوہ سمیٹے ہوئے ہیں۔ نسخہ کے تمام سبحات کا مرکزی خیال یہاں پیش کر رہی ہوں تاکہ قار کو اس مخطوطہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

یہ حقیقت مسلم ہے کہ انسان نیستی سے ہستی کی طرف پہنچا ہے یعنی پہلے انسان کا کوئی وجود نہ تھا بعد میں ! تخلیق کیا گیا۔ اس لیے ہمیں اس بات سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں کس وسیلے سے آیا اور اس کے بعد وہ کس وسیلے سے معدوم ہو گا۔ کیا وہ ذاتاً وجود میں آیا ہے؟ یا طبعاً اس کا وجود ہوا ہے؟ یہ سوال کافی اہم ہے۔ اسے ہم حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی "انسان برای زندگی کردن در این دنیا آمد یا بہ امر وسیلۂ دیگری زندگی می کند و می میرد" اس تین مرحلے قابلِ غور ہیں۔ دور، تسلسل اور انتہا۔

خداوند تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ اس کی ذات مستقل ہے۔ اُسے کسی دوسرے وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ اس میں کوئی عیب و نقص نہیں ہے۔ اس کے برعکس انسان کو ممکن الوجود کہا جاتا ہے۔ یعنی "از ذات خود ہیچ چیزی ندارد و ہر چہ دارد از غیر است و در ہمہ چیز محتاج بہ غیر است"۔

اشیائے موجود کو ہم صرف عقل کے ذریعہ دریافت کر سکتے ہیں کیونکہ حواسِ ظاہر مثلاً چشم و گوش صرف محسوسات کا ادراک کرتے ہیں۔ معقولات کا درک ان کے حد سے باہر ہے۔ حواسِ ظاہرہ، چشم اور گوش کے ذریعہ اشیا کو مرکزِ دماغ تک پہنچا چونکہ خدا کا وجود کامل اور مطلق ہے۔ اس لیے وہ کسی قید و شرط زمان و مکان کا محتاج نہیں ہے جب ہم اس حقیقت سے واقف ہم پر واجب ہوتا ہے کہ اس کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کو بیان کریں۔ تاکہ ذات باری کے تمام حقائق ہم پر بخوبی ظاہر ہو جا اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی صفت "وجوب لذاتہ" ہے یہ صفت دنیا میں کسی کی نہیں ہے اور نہ ہو گی۔ اس کی ذا

م ہے، اور اس کا وجود عین ذات ہے۔ خدا مرکب نہیں ہے۔ کیونکہ مرکب اجزا کا محتاج ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ بدون جسم
خداوند عالم است بہر چیز گذشتہ و آیندہ و حال آنچہ ظاہر و پیدا و آنچہ در باطن و مخفی است ہمہ در پیش او واضح و
پیدا است:" یہ صفات ثبوتیہ ہیں جو صرف واجب الوجود خدا میں موجود ہیں۔

شیخ عبدالکریم "عشق" کو مظہر علم کا درجہ دیتے ہیں۔ بقول ان کے "ارادہ تابع علم است و علم نشان دہندۂ
پیدا کنندہ عشق است۔" علم ہی سے عشق آشکارا ہوتا ہے۔ جب ہم محبوب کے عشق میں گم ہو جاتے ہیں تو ہم پر
بے خودی کا اثر طاری ہو جاتا ہے۔ اور ہم اپنے اصل الوجود کو پا لیتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت ہماری روح یا نفس ناطقہ
بر و سلوک کی طرف حرکت کرتی ہے اور کمال عشق یہی ہے کہ ہم ہر شے کو دیکھنے کے بعد اس کے جمال احدی اور کمال احدی
میں گم ہو جائیں۔ مثل عاشق حقیقی انسان معشوق کی رضا کا خواہاں ہوتا ہے۔ معشوق کی خوشی اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتا ہے
معشوق کے لیے وہ دنیا کے مشکل ترین کام کے کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتا گویا محبوب یا معشوق کی خوشی اس کی اپنی خوشی
ہوتی ہے اس لیے انسان کو چاہیئے کہ وہ تمام شیطانی اعمال اور پلیدی سے دور رہے۔ لباس حسنہ اور فضائل کے جامے
سے خود کو آراستہ کرے اپنی عقل و فراست سے اعلیٰ اور زشت میں فرق محسوس کرے۔ ظہور عبارت یہی ہے کہ انسان اصلو
بے خود کو اور اپنے نفس کو ہر آلودگی سے پاک رکھے عین ذات خدا ہی ہستی میں گم ہو جائے۔

اس کے بعد مصنف نے وحدت کے دو جہت بتائے ہیں۔ (۱) ذات معلومہ۔ (۲) ذات معلومیت ذات۔
احد اور واحد کا ایک ہی مطلب ہے یعنی وحدت، جب مرتبۂ احدیت سالک پر واضح ہو جاتا ہے تو وہ تمام تجلی کو ذات
تجلی کہتا ہے۔ اس کے تمام اعمال کا ربط خدا سے ہو جاتا ہے۔ یہی مرتبۂ احدیت منشار جمیع سلوب مبداء جمیع صفات سلبیہ
مرتبۂ احدیت مقام عالی است۔ اسے واحدیت پر برتری حاصل ہے۔ مقام وحدت تک پہنچنے کے لیے تین راستے ہیں۔

مرتبۂ وحدیت کے بعد کا درجہ الوہیت کہلاتا ہے مگر بعض لوگ واحدیت اور الوہیت میں کوئی فرق نہیں کرتے
ہیں ان کے نزدیک احدیت ہی الوہیت ہے۔ کچھ عالم الوہیت کو تین دائرہ میں منقسم کرتے ہیں۔ (۱) دائرہ شیون (۲) صفات
اور (۳) دائرہ اسماء۔

غرض کہ عرفان و تصوف کے عناصر سے یہ مخطوطہ بھرپور ہے۔ آیات قرآنی یا حدیثوں کے ذریعہ عرفان اور
تصوف کی توضیح کی گئی ہے۔ نماز، روزہ اور ان کی جزئیات پر بھی تفصیلی معلومات اس مخطوطہ میں موجود ہے۔ مکارم و
محاسن اخلاق کا بیان بھی اس مخطوطہ میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

(۲)

الجانب الغربی

محی الدین ابن العربی (متوفی ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) نے صوفی عقاید پر جو اعتراضات کیے تھے ان کی تردید اور ان اعتراضات کے جواب میں لکھی ہوئی یہ کتاب ہے۔ مصنف نے اپنا پورا نام ورق ۲ب میں اس طرح درج کیا ہے "ابوالفتح محمد بن مظفرالدین محمد بن حمیدالدین عبداللہ الصدیق" مگر شیخ المکّی کے نام سے وہ معروف تھے۔ مصنف علی عبداللہ محمد بن علی المغربی کے مرید تھے۔ دیباچہ میں انھوں نے تحریر کیا کہ "السلطان بن السلطان ابن السلطان سلطان سلیم خان بن یزید خان بن محمد خان کی خواہش پر انھوں نے کتاب لکھی (ورق ۳ب) اور اپنے استاد محمد بن العربی کے نام پر یہ کتاب منسوب کی۔ اس کتاب کا پورا نام "الجانب الغربی فی حل مشکلات الشیخ محی الدین محمد بن العربی" رکھا۔

یہ کتاب دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ہر باب کو دو نوع پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر نوع کئی فصل میں منقسم ہے۔ خاتمہ بھی تین فصل پر مبنی ہے۔ کاتب محمد ابوبکر ساکن چتوڑ میں جنھوں نے حبیب اللہ کے حکم سے ۲ جمادی الاوّل ۱۸۴۴ء/۱۲۶۰ھ کو اس کتاب کی نقل کی۔

باب اول : درذکر اشکالاتی و اعتراضاتی کہ علماء قشری و مشائخ قشری کردہ اند۔ بسبب آن او را از گمراہان شمردہ اند۔

باب دوم : در اجوبہ آن اعتراضات بلسان عقل و شرع۔

خاتمہ : در ذکر بعضی از مناقب شیخ و ذکر بعضی از مشائخ او و سلسلۂ او۔

باب اوّل : در ذکر اشکالات و آن دو نوع است

نوع اول : آنست کہ بنای او بر وحدت وجود است کہ آنرا توحید ذاتی گویند۔

نوع دوم : آنست کہ بنای او بر امور مختلف واقع است و مناسب آنست کہ اعتراضات را در فصل دیگر جمع سازیم۔

فصل اول : در ذکر اعتراضات کہ بوحدۃ وجود تعلق ندارند۔ اینجا ہشتم اعتراضات اند۔

فصل دوم : در اعتراضات کہ بوحدۃ وجود تعلق دارند۔ اینجا شانزدہم اعتراضات اند۔

باب دوم : در اجوبۂ شرعیہ و عقلیہ بدان ایدک اللہ تعالیٰ بر وجہ ایدک اللہ کہ جوابات وین اشکالات بر وجہی باید۔

کتاب کے ۱۲۱ اوراق ہیں۔ تقطیع ۷½×۵½"۔ نستعلیق خط۔ عربی اقتباسات خط نسخ میں تحریر ہیں۔ عنوانات وخط کشیدہ، بخط سرخ۔ مشینی تیار کردہ کاغذ اور کچھ کرم خوردہ۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی
شعبۂ تاریخ
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

صوفیہ ہند کا ایک نادر تذکرہ

"معارج الولایت"

ہندستان کے صوفیا اور مشائخ کے تذکروں کی جو روایت سید محمد کرمانی المعروف بہ میر خورد نے قائم کی تھی، اس کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ کی محدثانہ بصیرت اور رجال اور اسناد کے تحقیقی پیمانوں نے ایک واضح اور متعین شکل دیدی۔ ان کے بعد لعل بیگ، محمد غوثی، الہدیا چشتی، بدرالدین سرہندی، علی اکبر اردستانی، عبدالرحمٰن چشتی وغیرہ نے صوفیہ کے تذکرے مرتب کیے اور گو عقیدت مندی کہیں کہیں تحقیقی طلب کو شکست دیتی رہی لیکن پھر بھی تلاش اور جستجو نے ان تذکروں کو تاریخ کا ایک اہم ماخذ بنا دیا۔ اور تاریخ کے بدلتے ہوئے نظریات کے پیش نظر، جس میں توجہ دربار سے زیادہ عوامی زندگی کی طرف ہے، ان کی افادیت اور مقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔ شیخ معین الدین عبداللہ الخویشگی کی "معارج الولایت" اس لٹریچر میں ایک اہم مقام رکھتی ہے اور اس مقالہ میں اسی کا تعارف کرانا مقصود ہے۔ یہ تذکرہ ہندستان کے کم و بیش ۵۰۰ مشائخ کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل چہارشنبہ رجب ۱۰۹۴ھ (مطابق ۱۶۸۳ء) کو اورنگ آباد دکن میں ہوئی۔

ہندستان کی تاریخ میں گیارھویں صدی ہجری اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ بیشتر صوفی تذکرے اسی زمانہ میں ترتیب دیے گئے تھے۔ ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء میں "ثمرات القدس" (لعل بیگ)، ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء میں "گلزار ابرار" (محمد غوثی)، ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء میں "جواہر فریدی" (علی اصغر چشتی)، ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء میں "سیر الاقطاب" (الہدیا چشتی)، ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں "زبدۃ المقامات" (محمد ہاشم بدخشی)، ۱۰۴۲ھ/۱۶۲۲ء میں "مجمع الاولیاء" (علی اکبر اردستانی)، ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء میں "حضرات القدس" (بدرالدین سرقندی)، ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں داراشکوہ کی "سفینۃ الاولیاء" اور "سکینۃ الاولیاء"، اور جہاں آرا کی "مونس الارواح" اور ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء میں "مرآۃ الاسرار" (عبدالرحمٰن چشتی) مرتب کی گئیں۔ بہ اعتبار تاریخ تدوین "معارج الولایت" سب سے موخر ہے۔ لیکن افادیت اور استناد میں اس کا درجہ صرف "اخبار الاخیار" کے بعد ہے۔ کوئی دوسرا تذکرہ ترتیب و افادیت میں اس کا ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

گیارھویں صدی ہجری کو ہندستان کی ثقافتی اور فکری تاریخ میں بعض اعتبار سے سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس دور میں نئے مکتب فکر، نئی مذہبی تحریکیں اور نئے سماجی نظریات وجود میں آئے۔ روحانی سلاسل کی تنظیم اور فکر میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اور یہ فکری ہیجان اس قدر نمایاں ہو گیا کہ ایک فرانسیسی سیاح برنیر بھی اس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ان حالات میں مختلف خانوادے اپنی تاریخ اور روایات کے تحفظ کی طرف رجوع ہوئے اور نتیجہ میں تذکروں کی تدوین میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار ہوا۔

معین الدین عبداللہ نے "معارج الولایت" کی تدوین کا کام مخدوم زادہ شیخ محمد بن شیخ اجمیری بدایونیؒ کی فرمائش پر شروع کیا تھا۔ اور تقریباً تیس سال اس کی ترتیب و تالیف میں صرف کیے تھے۔ یہ مدت بہت طویل نظر آتی ہے لیکن اگر ماخذ کی تلاش میں مصنف کی جستجو پیش نظر ہو تو اندازہ ہوگا کہ قرون وسطیٰ کا کوئی دوسرا مصنف اس طرح اور اس وسیع پیمانے پر یہ کام انجام نہ دے سکا تھا۔

"معارج الولایت" دس اجزا پر (جن کو مصنف نے رکن کا نام دیا ہے) مشتمل ہے۔ رکن اول میں چشتیہ سلسلہ کے پانچ خواجگان خواجہ اجمیریؒ، قطب صاحبؒ، بابا فریدؒ، شیخ نظام الدین اولیاؒ، اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا تفصیلی حال درج ہے۔ رکن دوم میں خواجہ اجمیریؒ کے خلفا اور اولاد کا ذکر ہے پھر تیسرے، چوتھے، پانچویں رکن میں علی الترتیب ان مشائخ کے خلفا کا تذکرہ ہے۔ ساتویں رکن میں متفرق چشتی بزرگوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ آٹھویں رکن میں سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ کا ذکر ہے۔ نویں میں متفرق مشائخ کے حالات درج ہیں۔ آخری رکن میں مجاذیب اور صوفی خواتین کا تذکرہ ہے۔ عورتوں کے تذکرے شامل کرنے کی ابتدا شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی کے زیر اثر ہوئی تھی۔ مولانا جامی نے "نفحات الانس" میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" میں خواتین کا حال درج کرکے اس روایت کو تقویت پہنچائی اور غلام معین الدین عبداللہ نے اسی کا اتباع کیا۔

غلام معین الدین عبداللہ خویشگی المعروف بہ خلیفہ جی کا قصور کے ایک معروف خانوادہ علم و ارشاد سے تعلق تھا۔ ان کا علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علم معرفت اور اصلاح باطن کی طرف بھی رجحان تھا۔ فارسی شعر اور ادب سے بھی دلچسپی تھی اور "عبدی" تخلص کرتے تھے۔ ایک دیوان بھی اپنی یادگار چھوڑا تھا۔ ولادت ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء کے لگ بھگ ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ قصور میں درس و تدریس کا کام انجام دینے کے بعد دہلی، اورنگ آباد، گجرات وغیرہ کا رخ کیا اور ہر جگہ مشائخ کی صحبت میں پہنچے۔ احمد آباد میں شاہ سراج الدینؒ اور شیخ عبدالرحمٰن رفیعؒ سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ شیخ عبدالرحمٰن رفیعؒ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ تیس سال تک

دور ز فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم ان کے غور و فکر کا مرکز رہی تھیں۔ دوسرے اور مشائخ جن سے غلام معین الدین عبد اللہ کو فیض صحبت کا موقع ملا، شیخ پیر محمد لکھنویؒ، مولانا خواجہ علیؒ، شیخ محمد رشید جونپوریؒ، اور شیخ عبد اللطیف برہانپوریؒ تھے۔ شیخ محمد رشید جونپوریؒ آخر عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر کے شیخ اکبرؒ کی تصانیف پر گوشہ نشیں ہو گئے تھے۔ شیخ عبد اللطیفؒ نقشبندی سلسلہ کے شدید ناقدین میں تھے۔ ان سب صحبتوں نے معنی کے افکار و رجحانات کا رخ متعین کیا۔

غلام معین الدین کو تصنیف و تالیف سے بڑی دلچسپی تھی۔ انھوں نے بعض کتابیں درسی ضروریات کے پیش نظر لکھی تھیں، مثلاً گلستاں کی شرح "بہارستان"، بوستاں کی شرح "تحفۂ دوستاں" اور شرح دیوان حافظ، نزہتہ الارواح حسینی کی شرح "راحۃ الاشباح" اور "لوائح جامی" کی شرح "روائح"۔ بعض کتابیں تصوف کے مسائل سے متعلق تھیں مثلاً "ملقین المریدین"، "فوائد العاشقین"، "مقصود السالکین"، "حصول الوصول" وغیرہ۔ ملک محمد جائسی کی اکھراوٹ کی فارسی شرح بھی "حروف عالیات" کے نام سے انھوں نے لکھی تھی۔ بہت سی تصانیف اب نایاب ہیں۔ "معارج الولایت" وغیرہ میں ان کے نام ملتے ہیں۔ جو تصانیف موجود ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبدی نے اس دور کے مذہبی رجحانات، بالخصوص اختلاف عقائد و نظریات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ اخوند درویزہ (م ۱۰۴۸ھ) کے افکار، مہدوی فرقہ کے نظریات، بھگتوں کے حالات سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔

"معارج الولایت"، غلام معین الدین عبد اللہ کا تصنیفی شاہکار ہے۔ مصنف نے اس کی ترتیب اور تالیف میں قرون وسطی کے مذہبی لٹریچر بالخصوص تصوف سے متعلق تصانیف کو کھنگال ڈالا تھا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے بعد غالباً کسی صوفی تذکرہ نگار نے اتنے متنوع مواد سے اس پیمانے پر استفادہ نہیں کیا۔ بعض کتابیں جو ان کو اس وقت دستیاب تھیں اب بالکل ناپید ہیں۔ مثلاً "انوار المجالس" (ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاؒ) مرتبہ خواجہ محمد بن مولانا بدر الدین اسحاقؒ، یا "تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار" (ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء) مرتبہ عزیز الدین صوفی یا خلاصۃ اللطائف مصنفہ مولانا علی جاندار، یا ضیاء الدین برنی کی صلوٰۃ کبیر، عنایت نامہ الٰہی وغیرہ۔

غلام معین الدین عبد اللہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کتابوں کے طویل اقتباسات اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت میں پیش کرتے ہیں۔ اس طرح بعض نایاب کتابوں اور دستاویزات کو انھوں نے محفوظ کر دیا ہے۔ حضرت مجدد صاحب کے نظریات کے خلاف بعض علماء نے جو فتوی دیا تھا اس کو غلام معین الدین عبد اللہ نے مکمل طور پر، علماء کے نام کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔

غلام معین الدین عبداللہ مسلک کے اعتبار سے چشتی تھے اور وحدت الوجود پر ایمان رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا تعصب مجدد صاحبؒ کے مخالفین کی ہمنوائی سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اورنگ زیب نے نقشبندی اثرات کے تحت شیخ کے رسالہ تسویہ کو جلانے کا حکم دیا تھا۔ عبدی نے نہ صرف اپنے سلسلے کے افکار کی مدافعت کو ضروری سمجھا بلکہ نقشبندی سلسلہ کے مخالفین بالخصوص سید محمد برزنجی کے خاندان سے، نقشبندیوں کی مخالفت میں لٹریچر جمع کیا۔ اورنگ آباد اس زمانہ میں نقشبندی مشائخ کے زیر اثر تھا اور شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے اپنے مرید اور خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو چشتیہ سلسلہ کی بعض روایات کو ملتوی کر دینے کی ہدایت کی تھی۔ غالباً اورنگ آباد کے اس ماحول نے "عبدی" میں ایک ردعمل کی کیفیت پیدا کر دی جو شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے تذکرہ میں کافی نمایاں ہے۔

قطع نظر اس فکری عصبیت کے، غلام معین الدین عبداللہ نے جن بزرگوں کا بھی حال لکھا ہے تحقیق و دیانت کا دامن نہیں چھوڑا۔ سید محمد مہدی جونپوریؒ کے متعلق مہدی موعود ہونے کے دعوے کو بہتان بتاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کے افکار کی سمت وہی ہے جو تذکرہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے۔ ملک محمد جائسی کی کتابوں سے طویل اقتباسات دیے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ سید محمد مہدیؒ کو "مہدی ہادی" مانتے تھے نہ کہ مہدی موعود"۔ اکبر نے ان کو دربار میں بلایا تھا۔ انھوں نے طویل عمر پائی تھی۔ لکھا ہے کہ پستہ قد اور حقیر جثہ تھے۔ کبیر کے حال میں لکھتے ہیں کہ وہ شیخ تقی کے مرید تھے۔ ان کے کلام کا مطالعہ غلام معین الدین نے کیا تھا اور یہ رائے قائم کی تھی۔

"اگر بہ انصاف در کلام او بینی جواہر ولآلی حقائق واسرار بیابی کہ مثل آن درکلام دیگرے کمتر تواں یافت"

جہاں تک مشائخ متقدمین کا تعلق ہے ان کا دست طلب و تحقیق ہر اہم ملفوظ، مکتوب اور دیوان تک پہنچا ہے۔

"معارج الولایت" کے مندرجہ ذیل نسخوں کی نشاندہی محمد اقبال مجددی نے اپنی فاضلانہ تالیف "احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری" میں کی ہے۔

(۱) نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ مملوکہ مولوی غلام رسول

(۲) نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر

(۳) نسخہ ذخیرہ حافظ محمود شیرانی (ناقص)

(۴) چند اجزا ملکیت کرنل خواجہ عبدالرشید

اسٹوری نے PERSIAN LITERATURE (p.1011) میں اس کتاب کے مخطوطات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

راقم الحروف کے ذخیرۂ کتب میں معارج الولایت کا ایک نہایت خوشخط نسخہ ہے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور غالباً مکمل ترین نسخہ ہے۔ پہلی جلد ۸۲۵ صفحات پر، دوسری جلد ۴۴۲ پر مشتمل ہے۔ کل ۱۲۶۷ صفحات ہیں، سائز بڑا ہے، ہر صفحہ پر ۱۷ سطریں ہیں۔ کتابت ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں نذر محمد نے کی تھی۔

یہ نسخہ دیوان اللہ جوایا صاحب سجادہ نشین درگاہ بابا فریدؒ کی نگرانی میں راقم الحروف کے جدامجد منشی ارشاد علی صاحب نے تیار کرایا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں میرے دادا مولوی فرید احمد صاحب نظامی نے اپنے برادر نسبتی سید رشید احمد صاحب رضوی مصنف اعلان سیادت فریدی کے ذریعہ اس کی طباعت کا انتظام کرانا چاہا تھا، اور ایک اعلان "اشتہار خزانہ معرفت" کے عنوان سے جاری کیا تھا۔ ان کا ارادہ اس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا تھا۔ کتاب کی ضخامت کے پیش نظر ۱۰ جلدوں میں دس رکن شائع کرنا تجویز ہوا تھا۔ لیکن یہ پروگرام شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور معارج الولایت آج تک اشاعت کی منتظر ہے۔

سوال و جواب

● منظر حسین بھاگلپوری : بحر ذخار صوفیوں کا ایک اہم تذکرہ ہے۔ جسکا نسخہ مجھے فرنگی محل میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا جسکا دوسرا نسخہ کاکوری میں ہے۔ جس میں تقریباً ۲۳۰۰ بزرگوں کے حالات ہیں۔ یہ بارھویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے۔۔۔ تجلی نور جس میں چشتی صوفیا کا ذکر ہے اور اس کا تعلق جونپور سے ہے۔

● جواب: صورت یہ ہے کہ اور تذکرے تو بہت سے لکھے گئے وہ یا تو کسی ایک مقام تک محدود رہے یا کسی ایک سلسلے تک۔ ایک بات یہ تھی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس میں سے کسی مصنف نے بھی اتنے اقتباسات نہیں دیے جتنے غلام معین الدین عبداللہ نے دیے (صاحب معارج الولایت) اور اسکی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ یہ بہت سی کتابیں اب ضائع ہو چکی ہیں۔ مثلاً ضیاء الدین برنی کی جن کتابوں کے حوالے اس نے دیے ہیں یا شیخ نظام الدین اولیا کے جن ملفوظات کا ذکر کیا ہے وہ اب نہیں ملتے۔ معین الدین کے متعلق فتوی کو پورا Quote کر دینا حالاں کہ اس کے اندر اس کی مخالفت شامل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس سے بہت سی اہم دستاویزیں محفوظ ہو گئی ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے بزرگ تھے۔ جنھوں نے حدیث کے اصولوں پر مشائخ کے حالات ترتیب دینے کی کوشش کی اور ان کی کوشش یہ تھی کہ اصول اسناد اور اسماء الرجال کے پورے اصول وہ نافذ کر دیں چنانچہ انھوں نے تمام موضوع کتابوں کو Reject کر دیا ہے، کہہ دیا ہے کہ وہ ساری کتابیں موضوع ہیں اس لیے انھوں نے اس کے حوالے نہیں دیے۔ غلام

ن الدین عبداللہ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد ہیں سب سے پہلا صحبہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا رکھتا ہوں کہ
بں ایک طرح کی Precedence بھی حاصل ہے، ان کے بعد کسی شخص نے اتنے وسیع پیمانے پر اس پورے لٹریچر کو
ن نہیں کیا اور کھنگالا نہیں ہے۔

اس کے نسخوں کے متعلق بھی یہ ذہن میں رہے کہ مکمل نسخہ کہیں نہیں ہے اور اقبال مجددی نے بھی میرے ہی نسخے
ر کیا ہے لیکن تفصیل معلوم نہیں تھی جو میں نے اس وقت بیان کر دی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی اہمیت کیا ہے۔

جناب محمود حسن قیصر: غلام معین الدین عبداللہ خویشگی کے جو حالات آپ نے بیان کیے ہیں، وہ حالات آپ نے
اں سے لیے ہیں۔ اس کے ماخذ کا ذکر آپ نے نہیں کیا۔

جواب: انھوں نے خود اپنے احوال لکھے ہیں اس کتاب میں۔ اور ان کے اوپر پاکستان میں اقبال مجددی صاحب نے پوری
کتاب لکھی ہے، گو "معارج الولایت" تک وہ نہیں پہنچ پائے ہیں اور ان کا جو Assessment میں نے کیا ہے کہ
مدی وہ ہے کہ جب خیالات میں ایک Crisis پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ زمانہ وہ ہے جب فرانسیسی سیاح برنیر لکھتا
جسکو ہندوستان کے فکری Crisis کا علم نہ ہونا چاہیئے تھا، وہ لکھتا ہے کہ اسوقت وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی
بحث ہے اس نے تمام ماحول کو متاثر کر دیا ہے تو ہمارا مصنف جو ہے وہ اس پورے ماحول سے متاثر ہے۔ دوسری بات
ہے کہ وہ اورنگ آباد میں رہا ہے اور اورنگ آباد کی کیفیت یہ تھی کہ شاہ کلیم اللہ نے اپنے ایک مرید شاہ نظام الدین اورنگ آبادی
خط میں لکھا تھا کہ "اس وقت اورنگ آباد نقشبندی سلسلے کا مرکز بن چکا ہے اور یہ کہ وہاں چشتیہ سلسلے کے بعض اہم
رسم مثلاً سماع وغیرہ بالکل بند کر دیا جائے ورنہ وہاں بہت جھگڑا پیدا ہو جائے گا۔" تو اس پورے ماحول نے اس پر اثر کیا ہے
Reflect ہوتا ہے۔ یہ باتیں وہ ہیں جنکی طرف میں نے اس میں خاص طور پر اشارہ کیا ہے تاکہ اس کتاب کی افادیت
کا پتہ چل سکے۔

ڈاکٹر اکبر حیدری: آپ نے ص ۲ پر لکھا ہے کہ یہ مدت بہت طویل ضرور ہے لیکن اگر مآخذ کی تلاش میں مصنف
جستجو پیش نظر ہو تو اندازہ ہوگا کہ قرون وسطیٰ کا کوئی دوسرا مصنف اس طرح کا، اور اس وسیع پیمانے پر یہ کام انجام
دے سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے کشمیر میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ اکبر کے زمانے میں، حضرت شیخ حمزہ مخدوم
کشمیریؒ، ان کے بھائی تھے۔ شیخ علی رینہ۔ انھوں نے دسویں صدی ہجری میں "تذکرۃ العارفین" نامی ایک کتاب لکھی اور اس
کا قریب ۔۔۳ سے زائد عرفاء کا تذکرہ ہے جو عبداللہ خویشگی سے پہلے ترتیب دیا گیا ہے کیوں کہ وہ (عبداللہ خویشگی) گیارہویں
صدی کے تھے اور یہ (رینہ) دسویں صدی ہجری کے۔ کیا آپ کی نظر سے وہ تذکرہ گزرا ہے؟

جواب: یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جس کا حوالہ نہ دیا گیا ہو، وہ پیش نظر نہ ہو، لیکن وہ تذکرہ صرف خطۂ کشمیر کے صوفیا
کا ذکر کرتا ہے کیوں کہ میری نظر میں کشمیر میں لکھا جانے والا کوئی ایسا تذکرہ نہیں ہے جس میں پورے ہندستان کے صوفیا
کو Include کیا گیا ہو۔ جس تذکرے کا آپ نے حوالہ دیا وہ کتنا دور Cover کرتا ہے؟ اور اس میں کس کس کا تذکرہ ہے؟

ڈاکٹر اکبر حیدری: اس تذکرے میں کشمیر کے علاوہ صوفیاء کا بھی تذکرہ ہے۔

جواب: مرآۃ الاسرار بھی کافی ضخیم تذکرہ ہے اور اس سے قبل لکھا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ لوگوں نے ایک آدھ کو All
India Prespect نہیں رکھا ہے کہ . . . سے لیکر دکن تک پہنچ گئے۔ اور مجھے یہ Doubt ہے کہ میں نے
سب کے تذکرے دیکھے ضرور ہیں لیکن اس وقت جو کہ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ اس لیے میں آپ کو کوئی Catagorical
جواب نہیں کہہ سکتا لیکن کشمیر کے تذکروں میں ہوتا یہ ہے کہ ایک ایک دو لائن کے اندر ختم کر دیا۔ تمام ہندستان کا تذکرہ اگر
کسی Saint کا ذکر آ بھی گیا ہے تو سب سے بڑی اور اہم بات اس میں یہ ہے کہ جب لکھے تو اس کا All India
Prespectiv ہو یعنی انھوں نے (عبداللہ خویشگی) جو لیا ہے وہ ملک گیر ہے۔ دہلی سے لیکر دیوگیر، دولت آباد اور اورنگ آباد
تک کا Prespective ہے۔ اور ادھر پورا پنجاب، ادھر حسام الدین مانکپوری، اور نور قطب عالم پنڈوی سب آگئے ہیں
اس کے اندر۔ اور انھوں نے ان سب کے متعلق جو لٹریچر ہے وہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ دیکھیے جونپور کے محمد رشید جونپوری
جو یہ سب عالم تھے اپنے زمانے کے، ان سب کے یہاں رہکر انھوں نے کتابیں جمع کی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے
بے "قصور" چھوڑا ہوگا اس وقت سے اپنا ماخذ جمع کرنے میں لگے رہے ہوں گے۔

ڈاکٹر اکبر حیدری: کیا سفینۃ الاولیا، سکینۃ الاولیا، اور مرآۃ الاسرار، شائع ہو چکی ہیں۔

جواب: سفینۃ الاولیا صرف شائع ہوئی ہے۔ جہاں آرا کی مونس الارواح چھپ گئی ہے۔

جناب شاہ اسمٰعیل وجناب منظر حسین: سکینۃ الاولیا بھی شائع ہو گئی ہے۔

جواب: اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ متن نہیں۔

جناب شاہ اسمٰعیل: جی نہیں متن بھی شائع ہو گیا ہے۔

جواب: اس کی خبر مجھے نہیں ہے۔

ایک صاحب: مرآۃ الاسرار کافی ضخیم تذکرہ ہے اور اس کا اصل نسخہ بخط مصنف (شیخ عبدالرحمٰن چشتی) مدرسہ
مظاہر العلوم سہارنپور کے قطب خانے میں ہے۔ یہ تذکرہ بھی کافی مفصل ہے۔ اس میں کشمیری صوفیا ہندستانی اور ایرانی صوفیا
کا بھی تذکرہ ہے اور طویل تذکرہ ہے۔

● جواب: ملاۃ الاسرار کا کافی قدیم نسخہ میرے پاس ہے۔ اس میں تین چار باتیں ہیں جو اس کی اہمیت کو کم کردیتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں سارے مشائخ کا حال انھوں نے لیا ہے۔ ہندستان کے باہر کے بھی صوفیا کا ذکر ہے اور اس میں تحقیق نہیں کی ہے یعنی جو باہر کے مشائخ ہیں ان کا تذکرہ فریدالدین عطار کی "تذکرۃ الاولیا" سے لیا ہے جو بعض جہتوں سے مشکوک ہوگئی ہے۔ خیر! ہندستان کے باہر کے مشائخ کا جو تذکرہ ہے وہ بھی زیادہ اہم نہیں ہے اور ہندستان کے مشائخ کا تذکرہ تو بالکل قابل اعتبار نہیں ہے سوائے اس کے کہ صابریہ سلسلہ کی ایک محدود شاخ، جس سے انکا تعلق تھا، اس کا بڑا اچھا Account ہے۔

● ڈاکٹر رحمت علی خاں: ثمرات القدس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

● جواب: یہ لعل بیگ کی ہے اور یہ کوئی شہزادہ تھا اور اسی زمانے میں یہ خاص بات ہوئی کہ اس زمانے میں بعض شہزادوں کو تصوف سے ایک دلچسپی پیدا ہوئی لیکن اس کا معیار کچھ زیادہ اونچا نہیں ہو پایا سوائے ایک دارالشکوہ کے۔ دارالشکوہ کے ہاتھوں معیار اونچا ہوگیا کیوں کہ وہ تصوف سے بنیادی طور پر دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے بعض ایسی باتیں بھی کہیں جو دوسرے نہیں کہہ سکتے تھے مثلاً یہ کہ مجدد صاحب کو Defend کیا اس نے جہانگیر کے مقابلے میں۔ لیکن یہ ہے بڑی عمدہ کتاب۔ میرے علم میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک پاکستان میں ہے اور دوسرا رامپور میں ہے۔

● ڈاکٹر رحمت علی خاں: ایک قدیم نسخہ ہمارے پاس بھی ہے (سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد میں)

● جواب: لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ان کتابوں یعنی تذکروں میں عقیدت نے شکست دیدی ہے تحقیق کو۔

● ڈاکٹر عابد رضا بیدار: اگلا مقالہ شروع کرنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ "معارج الولایت" کے مصنف خویشگی کے جو حالات پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے مآخذ کے سلسلے میں فاضل مقالہ نگار نے فرمایا کہ اس کے دو مآخذ ہیں۔ ایک اقبال مجذوی کی کتاب اور دوسرا خود مخطوطہ۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ نظامی صاحب نے یہ جملہ کہاں سے لیا ہے "شیخ عبدالرحمٰن زبیع، شیخ محی الدین ابن عربی کے تصانیف کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ تیس سال تک شب و روز فتوحات مکیہ، فصوص الحکم ان کے غور و فکر کا مرکز رہی تھی"۔

● جواب: یہ تو ہر تذکرہ میں مل جاتا ہے۔

● ڈاکٹر عابد رضا بیدار: میری حقیر رائے یہ ہے کہ یہ اس مصنف پر ڈال دیا جائے، جس نے ایسا جملہ لکھا ہے ورنہ آپ پر اس کی ساری ذمہ داری ہوگی۔

● جواب: میں اسکو Defend کرسکتا ہوں۔ جہاں تک شیخ اکبر کی کتابوں کا تعلق ہے ہندستان کے اندر شیخ علی ہمائی سے لیکر جو گجرات میں تھے اور شیخ علی ہمدانی اور بنگال میں بھی کچھ لوگ۔ یہ لوگ ایسے تھے جنکو ان تصانیف سے اتنقدر دلچسپی تھی کہ شب

فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ انھی کے مطالعے میں دیتی تھی۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کا تو یہ عالم تھا کہ انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں وہ ب اسی پر لکھی ہیں اور مقصد یہ ہے کہ جب کسی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص شب و روز قرآن کے مطالعے میں معروف ہے تو ہ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمام اور چیزوں کو ثانوی حیثیت دینے کے بعد اس کو مرکزی چیز بنا لیا۔ چنانچہ کوئی شخص تیس سال س اس طریقے سے کرتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ایک زمانے میں درس و تدریس کا کام کیا لیکن اخیر ں علیحدہ بیٹھ کر بالکل اپنی کتابوں میں لگ گئے تھے۔ یہ تو ہوتا ہے کہ مصنف کے اوپر مختلف دور ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر کی کتابوں کا طالعہ اتنا مشکل کام تھا اس کے لیے۔۔ نیز یہ کہ شروع دور میں ان کتابوں کی جو شرحیں لکھی گئیں وہ عربی میں لکھی گئیں۔ اور اس کا قصد یہ تھا کہ وہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر رہیں۔ لیکن اس کے بعد جب فارسی کی شرحیں شروع ہوئیں تو وہ عبدالقدوس گنگوہی ے زمانے سے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جگہ سے انا الحق کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اگر اس پورے Conflict کو پڑھا جائے فو یہ بڑا دلچسپ ہے۔ اسلیے کہ یہ برزنجی سے Influenced ہے۔ برزنجی نے مجدد صاحب کے خلاف جو تحریک شروع کی تھی۔ ہ پوری Consolidate کر دیتا ہے۔ خویشگی کو Consolidate کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وحدۃ الوجود کے جتنے مبلغ ہیں ہندستان میں ان سب سے اس کا رابطہ قائم ہو۔ مسودے تک کا سب سے عمدہ حال اسی "معارج الولایت" میں ہے۔ کسی کا ہاتھ ان کتابوں تک نہیں پہنچا ہے جہاں اس کا ہاتھ پہنچ گیا ہے۔ اس میں اخوند درویزہ کے حالات اور ان کی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے چونکہ مصنف "قصور" کا تھا اور وہ بھی خویشگی۔ خویشگی بھی افغانستان کا ایک قبیلہ ہے اس لیے افغانوں کے متعلق وہ کافی Sympathetic رویہ اپناتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ (مصنف) ہندی کا بھی عالم ہے اس لیے کبیر اور جائسی وغیرہ کی کتابوں پر جو اپنی رائے دیتا ہے اس سے اس کی ہندی کی معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ بھگتی Saints کا زمانہ ہے۔ اس کے اثرات بھی مصنف پر معلوم ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان کے جو استاد ہیں اس میں وہ مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً میں نے بتایا ہے کہ وہ شیخ تقی کا ذکر کرتا ہے جو کبیر کے استاد اور پیر تھے۔

جہاں تک وحدۃ الوجود کے قائل ہونے سے ہی اسکی ساری فکر بنی ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ لوگ جو وحدۃ الوجود کے مبلغ رہے ہیں انھوں نے پوری پوری عمریں گزار دی ہیں۔ شاہ عبدالرحمٰن موجد کا ذکر آیا تھا۔ ان کی پوری عمر اسی میں گذر گئی تھی ۔

جناب شبیر احمد خاں غوری
دودھپور، علیگڑھ

تسویہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی شروح و جروح

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے مولانا عبد الحی کلکشن میں تصوف کے کوئی سات رسالوں کا ایک مجموعہ ہے (نمبر تصوف ۹۸/۹ھ لغایت ۷۵/۱۴۱ھ) متنی تنقید (Textual Criticism) کی رو سے مستند اور قابل اعتنا نسخہ کے منجملہ اور امور کے یہ بھی شرط ہے کہ وہ کسی جلیل القدر عالم کے مطالعہ میں رہ چکا ہو، اور یہ مجموعہ مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے پیش ن[ظر] رہا ہے، چنانچہ شروع کے سادہ ورق پر ان کی یہ تحریر ملتی ہے۔

"فی تصرف ابی الحسنات محمد عبد الحی اللکنوی ابن مولانا عبد الحلیم۔ المرقوم سنہ ۱۲۸۶ھ"

مولانا عبد الحیؒ کے پیش نظر رہنے کے باوجود اس سے استفادہ پتھر سے تیل نکالنے سے کم مشکل نہیں ہے۔ کتابت انتہائی سقیم ا[ور] کم از کم اس کم سواد کے لیے عسیر القراءۃ ہے۔ پھر بھی بمصداق ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ اپنے مقدور بھر ان رسائل کا مختصر تعار[ف] کرا رہا ہوں۔ و باللہ التوفیق:

۱۔ ان میں سے تیسرا رسالہ (نمبر ۷۵/۱۴۱ھ) شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کا "رسالہ تسویہ" ہے۔ ان کی عظمت فکر مسلم ہے۔ تص[وف] کے اسرار و رموز کی توضیح میں دستگاہ عالی کی بنا پر وہ "ابن عربی ثانی" کہے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی شخصیت متنازعہ فیہ ہے، چنا[نچہ] مولانا عبد الحی حسنی نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"الشیخ العالم الکبیر العلامہ محب اللہ ۔۔۔ افترق الناس فیہ الی مذاهب فمنهم من یقول انه کان عارفا کبیرا صاحب المعارف الصحیحة والمواجید الصادقة ومنهم من یقول انه کان عارفا ولکنه اخطأ فی التعبیر حتی وقع فی اودیة الزندقة والالحاد۔ ومنهم من یقول انه کان من الأضلال"

مگر یہی اختلاف آراء ان کی بزرگی اور عظمت فکر کی دلیل ہے۔

تسویہ کے نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں، بلکہ اس کی بعض شروح طبع بھی ہو چکی ہیں۔ اس لیے مرقوم الصدر تبصرہ غیر ضروری تھا۔ مگر چونکہ یہ رسالہ باقی رسائل کا "اولاً وقبولاً" متن ہے اور ان کے مصنفین کی تشریحی اور تنقیدی عبارت[ی] سرگرمیاں اسی محور کے گرد حرکت کرتی ہیں اس لیے اس کا اجمالی تعارف مستحسن تھا۔ زیر نظر مجموعہ کے اس رسالہ میں چار اور رسائل ہیں۔ پہلا اور دوسرا رسالہ تسویہ کی شروح ہیں۔ دونوں کے آخر میں ترقیمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں

تابت ۱۲۴۳ھ جو اتفاق سے کاتب دراصل مصنف اگر یہ ان کی خود نوشت تصانیف ہیں تو نام رکن الدین ابن شیخ عبداللہ ہے۔

۲۔ پہلے رسالہ (نمبر ۵۶۸) کے آخر میں حسب ذیل ترقیمہ ہے:

"تمت الرسالة المسماة بالتسوية من شيخ المحقق والعالم المدقق الشيخ محب الله الٰه آبادي يوم الاربعاء الاول الثاني عشر من شهر شوال سنه ثلث واربعين ومائتين بعد الالف من الهجرة ... ابن الشيخ عبدالله"

خیر یہ کل درج اس رسالہ میں ۱۱ اوراق ہیں۔ حمد و نعت کے بعد ایک اصولی نکتہ بیان کیا ہے کہ بطور اسے ظن السلیم حق المقدور قائل کے قول کو نیک محمل پر محمول کرنے کی کوشش کی جائے الا یہ کہ اس کی بد باطنی بے نقاب ہو جائے اور اسے وجہ صواب تک نہ لوٹایا جاسکے۔ شیخ الٰہ آبادیؒ کے رسالہ تسویہ کی کچھ ایسی کیفیت ہے کہ ان کے عقیدت مند اس پر کیوں گرفت کرتے ہیں؟ ان کے منکرین اس سے حجت پکڑتے ہیں اور جو لوگ خالی الذہن ہیں وہ اس سے تشویش خاطر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے ان اقوال کی توجیہ اس انداز سے کی ہے کہ ان کے کلام کو نیک محمل پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے۔ معہذا مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ صاحب کلام میری اس تاویل سے راضی ہو جائے اور نہ ہی ظاہر کلام کے قبول کرنے پر اعتماد کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اما بعد فان من شأن الشرع الواجب الامتثال هو حسن الظن بالرجال والحمل لكلامهم على الوجه الصحيح والصواب ما لم يتحققوا من سوء الحال المنقلب وكانت مقالتهم الى المعرفة ... وان رسالة التسوية للشيخ المدقق الٰه آبادي زاد الله ... في مراتب تلك المعاني قد وقعت بحيث يستنكرها معتقد الشيخ ويتمسك بها منكروه ويتحير بها من هو خالي الذهن ثم ينكره. فعلت مذاق التوجيه للحمل كلامه على حسن محمل ... مع عدم وثوقي برضا صاحب الكلام والاعتماد على قبول ظاهر الكلام."

پھر انھوں نے منطقیوں کے انداز میں وجود کے مصادیق ثلثہ کی توضیح کی ہے۔ بعد ازاں "تسویہ" کی لفظاً لفظاً شرح کی ہے۔

۳۔ دوسرے رسالہ (نمبر ۵۶۹) کے آخر میں جو ترقیمہ ہے وہ اس طرح ہے:

"تمت الرسالة المتعلقة بالتسوية للشيخ محب الله الٰه آبادي بيد الفقير ...... ابن الشيخ عبدالله ركن الدين"

رسالہ میں پچیس اوراق ہیں۔ کوئی دیباچہ نہیں ہے اور فوراً "الحمد لمن وجد بكل ما وجد" کی شرح سے رسالہ کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ تو یقینی امر ہے کہ دونوں رسالے ایک ہی کاتب کے لکھے ہوئے ہیں، مگر مصنفوں کی شخصیت پردۂ خفا میں ہے۔ اس باب میں جو چیز کاتب اور مصنف کی حیثیت کے مفروضہ کی صحت میں قادح ہے یہ ہے کہ دونوں رسالوں کا انداز توجیہ مختلف ہے۔ پہلے رسالہ میں یہ انداز بتایا گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے گا قائل کے اقوال کو نیک محمل پر محمول کیا جائے گا۔ مگر دوسرے

میں وہ بعض اوقات ماتن کے اقوال پر کھلی ہوئی نکتہ چینی فرماتے ہیں شیخ محب اللہ الہ آبادی کے قول:

"فلو انما کانت حقیقۃ من الحقائق۔ فما کان موجود من الموجودات کما قال الشیخ العربی فی الفص العیسوی ولولاہ ولولانا لما کان الذی کانا"

کی شرح کرنے کے بعد بدیں طور تبصرہ فرماتے ہیں:

"والمصنف ذھب مذھبا ھو مذھب الحکماء او مذھب للمتکلمین او ھو مذھب الصوفیہ۔ وان کان قد اقتبس ببعض اقوال الشیخ ابن العربی فی بعض المقالات والشیخ وان کان یذھب الی وحدۃ الوجود لکنہ لا یصل الی التمثیلات الضعیفہ الی الکفر العام المحض الذی لیس فیہ رائحۃ الایمان اصلا۔ لا علی مذھب العقلاء ولا علی مذھب العرفاء واعاذنا اللہ من سوء الظن باللہ"

۴۔ چوتھا رسالہ ملا محمود جونپوری کا "حرز الایمان" ہے جو شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے رسالہ تسویہ کے رد و ابطال میں ہے۔ ملا محمود کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، ان کا "شمس بازغہ" مسلم ہندوستان کی فلسفیانہ تفکیر کی مثل اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ اس فلسفیانہ عبقریت سے قطع نظر انھیں اپنے موضوع (وحدت الوجود کے رد و ابطال) پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جن کا علم و فضل محتاج بیان نہیں ہے اور جو کسی علمی مناظرے میں کسی حریف سے نہیں ہارے، اگر ہارے تو ملا محمود جونپوری سے اسی مسئلہ وحدت الوجود پر مناظرے میں اور حسب روایت امام الدین ریاضی انھوں نے بکمال فراخدلی اس کا یہ کہہ کر اعتراف کیا کہ "حدیث است۔ تار و پود سخن را چناں بستہ کہ سخن دیگراں در پیش او ستار نسج عنکبوت است"۔ ایک غیر معلوم الاسم راوی نے رسالہ کی روایت کی ہے اور سند میں انھیں انتہائی شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے۔

"قال مخدومنا ومولانا افضل المتاخرین اکمل المتبحرین جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول وارث علوم الانبیاء والمرسلین الواصل بفضل اللہ ولطفہ الی حق الیقین ملاذ العلماء ملجا الفضلاء قدوۃ الوفاء المحققین خصصہ اللہ بین العلماء بالجمع بین کرامات الدین والعمر (؟) لسعادات الکونین"

اس سند سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب نے یہ رسالہ اس وقت لکھا تھا جب ان کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال تھی:

"وھو فی سن ثمان عشر ومقل"

اس رسالہ کی ابتدا حمد و نعت سے ہوتی ہے مگر ایک نرالے انداز میں:

"نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہ"

الاطهار واصحابه الاخیار ۔

رفساد زمانہ کا شکوہ ہے جس کا اختتام علماء سوء کے ساتھ ساتھ بگا بھگت قسم کے پیروں کے سب وشتم پر ہوا ہے ۔ ن

ت اُن کی فکری بےراہ روی پر بلکہ ان کی اخلاقی کمزوریوں پر بھی :

" ان تاملت المنتمین الی الاربعیة والرفاعیة ما رأیت اکثرهم الا جهلاء کافرین فی حجر التقلید ... فی تیه الضلال

وان تفتش عن الدعاوی النهایة فی الغایة ما وجدت الا انهم الا ... لعقائد الزنادقة ... الی

طرق الضلال ینکر العبودیة ویدعی الالوهیة تارة ویهمل الشریعة ... الاباحة اخری ... فی تحقیق التوحید

بامور شرک ... ونفی الصانع صریح ... استشم المامور ... المعصیة واستفسد ... فی کسب

الاوراق علی الوجه الضلال واستیسر ... بصریح المقال ... "

اگرچہ ملا صاحب نے تصریح نہیں کی مگر ظاہر ہے کہ ان کا روئے سخن کس کی جانب ہے، پانی وہیں مرے گا جہاں پر نشیب ہو۔

بعد ازاں رسالہ کی وجہ تصنیف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے بعض مخلص احباب نے ان ملاحدہ و زندگاں کے اوہام و ظنون فاسدہ کے رد میں ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی اور جب میں نے بعض وجوہ سے اپنی معذوری ظاہر کی تو انھوں نے اس بات پر محمول کیا کہ خود میں بھی ان عقائد فاسدہ کا معتقد ہوں ۔ مجبوراً مجھے یہ رسالہ لکھنا پڑا جو چار حصوں میں منقسم ہے : تاصیل، تفصیل، حصم اور ختم ۔

پیش نظر نسخہ کی سقیم اور عسیر القراۃ کتابت ان اجزاء اربعہ کے محتویات کا خلاصہ دینے سے مانع ہے میں پڑھ ہی نہیں سکا، سمجھنے کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر کوئی نسخہ مل گیا تو پھر انشاء اللہ المستعان کسی اور صحبت میں اس فریضہ کو بھی انجام دوں گا۔

۵ ۔ ساتواں اور آخری رسالہ (۵ < ۴ / ۱۵) رسالہ "تسویہ" پر خواجہ خورد کی شرح ہے ۔ اس کا نام "القول السدید" ہے جس میں ۱۹ اوراق ہیں ۔ امام رازی نے شیخ بو علی سینا کے "الاشارات و التنبیہات" کی جو شرح لکھی تھی وہ "شرح" سے زیادہ "جرح" کی مستحق ہے ۔ کچھ ایسی ہی کیفیت خواجہ خورد کے "القول السدید شرح تسویہ" کی ہے ۔ بایں ہمہ انھوں نے سنجیدگی اور شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ۔ علمائے راسخین فی العلم کی جماعت سے تعلق رکھنے کے ناطے تسویہ میں مذکور بعض اقوال سے ان کا کھٹکنا فطری تھا اور انھوں نے ان پر تعقب کیا ۔ اور ان تعقبات سے شیخ محب اللہ کے عقیدت مندوں کا برافروختہ ہونا بھی اتنا ہی فطری تھا ۔

شیخ محب اللہؒ نے "تسویہ" کا اختتام قرآن حکیم کی آیات کریمہ پر کیا ۔ خواجہ صاحب نے ان کے بارے میں تبصرہ کیا ہے ۔

" لا ینبغی للمصنف ... ذکر هذه الکریمات فی مقام التعریض ... العلیة ... علی الوجه الذی ذکر فی الرسالة

وانحصار وجود هو الوجود العالم فلله فی معتقداتی حتمهم بل فی حق نفسه علی الله عنه"

ظاہر ہے عینیت حق و عالم اور وجود معبود کا عالم میں انحصار جو قدیم یونانی فلسفیانہ فکر میں رواقیہ یا Stoics کا مذہب رہا تھا نیز اس قسم کے مبتدعات جن کا ایک اجمالی گوشوارہ مولانا عبدالحی حسنیؒ نے نزہۃ الخواطر میں شیخ علی اکبر حسینی مودودی سے نقل کیا ہے' اس قسم کے اقوال ہیں جن سے ذمہ داران شریعت کا بیزار و نفور ہو جانا فطری تھا۔ خواجہ خوردؒ کو بھی اپنی اس شرعی ذمہ داری کا احساس تھا۔ اس لیے اس خلوص و وداد کے باوجود جو انہیں شیخ محب اللہ کے ساتھ تھی' بعض مسترشدین و طالبانِ ہدایت کے تنبہ کے لیے یہ شرح لکھی۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر انھیں یہ رسالہ شیخ محب اللہ کی زندگی ہی میں مل جاتے تو وہ ان تعقبات کو انھیں بھیج کر ان کی وضاحت پر متنبہ فرماتے۔

"واللہ انی لمن الناصحین لمطالبین لاحوالہ الصالحۃ والمناصحۃ الحسنۃ و کنی لارضی بھذا التصنیف منہ وقد وصل الی بعد فاتہ ولو وصل الی فی ایام حیاتہ لارسلتہ الیہ مع بحث علی تحقیق جملۃ المتشابہات متوہماتھا الظاہرۃ مما لا طاقۃ لنا القبولہ تقلیداً"

اس نکیر و گرفت نے شیخ محب اللہ کے عقیدت مندوں میں جو رد عمل پیدا کیا' اس کی شدت ظاہر ہے۔ انھیں اتش بیان غالی عقیدت مندوں میں ایک صاحب شیخ حبیب اللہ ساکن پٹنہ تھے۔ انھوں نے "القول السدید" کا رد لکھا۔ اسی طرح انھوں نے ملا محمود جونپوری کے رسالہ "حرز الایمان" کا رد لکھا جس پر اس مجموعہ کا پانچواں رسالہ مشتمل ہے۔ مصنف نے اس کا کوئی نام نہیں رکھا' مگر کاتب نے اسے "رسالہ شیخ حبیب اللہ ساکن پٹنہ در برابر حرز الایمان" کا عنوان دیا ہے۔ اس کا نمبر ہے تصوف ۱۴۲ اور اس میں ۸ اوراق ہیں۔ ناقد نکتہ چین کے انداز تنقید و تردید کی نوعیت ذیل کے تعقب سے معلوم ہو گی۔ ملا محمود نے "کشف حال وصل سر" کے زیر عنوان لکھا تھا:

"واذ تدلہ لم لک ان الجاعل یفیض نفس الماہیۃ"

یہ وہی مذہب ہے جسے مسلم العلوم کے شارحین نے جاعل "الکلیات والجزئیات" کی توضیح میں قول مختار بنایا ہے یعنی جاعل محض ماہیت کو وجود سے متصف نہیں کرتا بلکہ خود اس نفس ماہیت کو بھی جعل فرماتا ہے۔ مزید توضیح موضوع سے دور لے جائے گی۔ اس سے شیخ حبیب اللہ چراغ پا ہو جاتے ہیں اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"ارے او جاعل کے نفس ماہیت کو فیض بخشی کا کیا مطلب ہے اگر تیری یہ مراد ہے کہ جاعل متجلی ہوتا ہے اور زندہ

ناسے ہے جیسا کہ ارباب وجود کا مسلک ہے ....اور جو ان کی کتابوں میں متقرر ہو چکا ہے تو پھر یہ ماہیت عین جاعل سے جدا کر
ماکی غیر او راس وقت وہ بات ثابت نہیں ہوتی جس کا تو نے قصد کیا تھا۔

" اور اگر تیری یہ مراد ہے کہ جاعل نے ماہیت کو ابداع فرمایا اور عدم سے وجود میں اختراع فرمایا اس معنی کر کہ وہ
شے محض اور نفی خالص تھی .... اور اسے لاشی محض سے وجود میں لایا اور عدم صرف سے اس کے نفس کو جعل کیا .... تو
بالکل بے معنی بات ہے اور سلامتی طبع اسے قبول نہیں کرتی۔ اس کے ساتھ یہ ایسی شق ہے جس کے عرفاء اور ارباب شہود
میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہیں .... ان ارباب شہود کا مسلک تو یہ ہے کہ عدم صرف جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اس کا تو ظاہر
میں وجود ہی محال ہونا ممکن ہے۔ ان عرفاء ارباب شہود کا کہنا تو یہ ہے کہ وہ امر جسے اہل ظاہر ایجاد کہتے ہیں، وہ نہیں ہے مگر
صرف ان حقائق کا اظہار جن کی عین حقیقت پہلے ہی ثابت تھی اور کسی ظاہر کرنے والے کا ظاہر کرنا بھی نہیں بلکہ خود ان حقائق کا
ظاہر ہو جانا ہے اور وہ امر جسے اہل ظاہر اعدام لکھتے ہیں وہ جاعل کا ان حقائق کو چھپا دینا ہے بلکہ خود ان حقائق کا چھپ جانا ہے"
اس سے زیادہ آتش بیانی سے انھوں نے خواجہ خوردؒ کے خلاف کام لیا ہے۔ اس کا اظہار اس مجموعے کے چھٹے رسالہ
میں ہوا ہے جس کا نمبر ہے تصوف $\frac{۳۲۰}{۱۴}$ ۵۔ اس میں ۱۲ ورق ہیں۔ اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ صرف سرورق
پر اتنا لکھا ہے:

رسالہ شیخ محب اللہ ساکن پٹنہ در برابر شرح تسویہ خواجہ خورد۔

اس کے آخر میں حبیب اللہ صاحب نے جس انداز طعن و تشنیع کا اظہار کیا ہے اسے کسی طور پر بھی مناسب نہیں کہا جا سکتا
خواجہ خوردؒ کے تنقیدی افادات کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں مگر ان کا زہد و اتقا اور ان کی ثقاہت مسلم ہے۔
انھوں نے شیخ محب اللہ کے افکار و افادات پر جو گرفت کی وہ ان کے تصلب فی الدین کا متقضا تھی، اور اگر انھوں نے
یہ لکھا کہ " واللہ انی لمن الناصحین لہ " تو اس اظہار نصیحۃ للمسلمین کو حماقت بتانا والعاذ باللہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ جسارت ہے
اور ان کی اس قسم کو جو ان کے خلوص نیت کی موکد تھی شیطان لعین کی اس قسم کے مماثل قرار دینا جو اس نے حضرت آدم
و حضرت حوا کو حکم الٰہی لاتقربا ہذہ الشجرۃ کی خلاف ورزی پر اکسانے کے لیے کھائی تھی کہ:

" فوسوس لهما الشيطان ليبدي لهما ما ووري عنهما من سوآتهما وقال ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة الا ان تكونا
ملكين او تكونا من الخالدين وقاسمهما انى لكما لمن الناصحين فدلّٰهما بغرور "

انتہائی دریدہ دہنی ہی ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس پر بغلیں بجانا کہ یہ شیخ کے اقوال نکیر و گرفت کے عذاب کی پیشگوئی ہے
کہ جس طرح شیطان ابلیس نے حضرت آدم و حضرت حوا کو حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرنے پر قسم کھا کر اکسایا تھا

مصنف نے قول سدید کی بھولے بھالے عقیدت مندوں کو تمنیت حق بالعالم" کے عقیدے سے جسے شیخ محب اللہ ـــ متعدد آیات کریمہ سے ثابت کیا ہے، شیطان ابلیس کی طرح گمراہ کر رہے ہیں ۔ فرماتے ہیں:

" لا یخفی علی من تامل فی ما عرضت تحقیق ... ان مقاصد الشارح رضی اللہ عنہ" الی ان الناصحین لہ مقتبس من مقالة ابلیس الغوی الملعون لآدم وحوا انی لکما من الناصحین فاقتباسه منه تصدیق من اللہ وتنبیہ رب ذکر فی حق الطالبین لینتبہوا وتعلموا ان الشارح کالزاعم فی الانکار... والرد علی القول الحق المبین انما هو اغوا ابلیس نعوذ باللہ علیه وطرده وبعده عن الحق وتکذیب الصادق وهو قد قال انا لنعلم ان منکم مکذبین وانه الحق الیقین "

یہ انداز طعن و تشنیع ممکن ہے دین دار علما کو زیب دے تو زیب دے لیکن کم از کم مشائخ کے لیے کسی طرح مستحسن نہیں ہو سکتا ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن
اجمل خاں طبیہ کالج
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حلوای ظہور اور چند دیگر مخطوطات

راقم الحروف کے ذاتی ذخیرہ میں تصوف کے ۴۰ مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان میں افضل الفوائد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیا مکتوبہ ۱۷ محرم ۱۲۸۸ھ۔ لوائح عبدالرحمن جامی، قصیدہ منصور حلاج۔ قصیدہ شیخ فریدالدین عطار (ترقیمہ کے مطابق قصیدہ منقبت) حضرت شاہ محمد یونس ؒ (تجارہ والے) نے ۱۳ جمادی الاول ۱۱۹۴ھ/ ۱۷۸۰ء میں بمقام بیجوا متصل کالوٹہ ریاست الور نقل کیا ہے اور قصیدہ عطار ان کے والد گرامی حضرت شاہ محمد شعیب ؒ کے حسب ارشاد ۱۰ ذی قعدہ ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء کو نقل کیا گیا ہے۔ رسالہ وجودیہ از گفتار شیخ فریدالدین عطار، مکاتیب پانزدہم، مکاتیب تصوف (۱۸ مکتوب ہیں جو مولانا مظفر کے نام ہیں اس کی کتابت محمد علی نے ۱۶ رجب ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۹ء کو احمد نگر میں برائے حافظ جلال الدین کی ہے) اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث مکتوبہ ۲۲ ربیع الاول یکشنبہ ۲ جلوس محمد شاہ مطابق ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء۔ رسالہ در تصوف نامعلوم الاسم اور تصوف کے مسائل وحدۃ الشہود وغیرہ پر ایک مختصر رسالہ کے علاوہ درج ذیل اہم ترین مخطوطات ہیں۔ جن کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

حلوای ظہور

حلوای ظہور' فارسی زبان میں شاہ ظہور محمد بن شیخ محمد حسینی الہ آبادی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے ان کے مرید شاہ نور محمد عرف شیخ نادر علی بن شیخ فیض اللہ ساکن عالم نگر المعروف نے اپنے پیر کی وفات کے بعد خمسہ جلوس احمد شاہ مطابق ۱۱۶۵ھ) میں شروع کرکے ستہ جلوس احمد شاہ (۱۱۶۶ھ/ ۱۷۵۲ء) کو مکمل کیا ہے۔ اس کی ترتیب کے لیے مولف نے کسی تحریری یادداشت وغیرہ سے مدد نہیں لی ہے۔ بلکہ جیسا کہ کتاب کے آخری ورق میں تصریح موجود ہے یہ مجموعہ تمام تر شیخ نور محمد نے اپنے حافظہ کی مدد سے مرتب کیا ہے۔

پیش نظر نسخہ نستعلیق شکستہ آمیز ناہموار خط میں لکھا گیا ہے۔ سال کتابت بروز پنجشنبہ ۵ ذی الحجہ جلوس عالمگیر ثانی اور کاتب کا نام سیف الدین ولد شاہ محمد ہے۔ کتاب کے آخر میں مولف کا ترقیمہ کاتب نے بعینہ نقل کیا ہے جس سے یہ سمجھنا بعید از عقل نہ ہوگا کہ کاتب نے جس نسخہ سے نقل حاصل کیا ہے' وہ بظاہر نسخہ مولف ہی تھا۔ نسخہ میں جابجا کتابت کی اغلاط کاتب کے کم خواندہ ہونے کی غمازی کرتی ہیں۔ مولف کی عبارات سے بھی یہ اشارہ ملتا

ہے کہ وہ بھی کم سواد شخص تھا۔

مولف کے بارے میں اس کتاب سے کچھ نہیں معلوم ہوتا سوائے اس کے کہ وہ صاحب ملفوظات شیخ ظہو
کا ایک عقیدت مند مرید ہے۔ البتہ شیخ ظہور محمد کے بارے میں کہیں کہیں ذکر ملتا ہے۔ پوری کتاب کی ورق گردانی کے بع
جو حالات ملتے ہیں انھیں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ :

شاہ ظہور محمد کے پدر بزرگوار شاہ فتح محمد الہ آبادی رسول پوری بھی بڑے پایہ کے صوفی تھے۔ ان کا خاص
وصف توکل تھا۔ اپنے مریدوں اور فرزندوں کو بھی وہ اس کی تعلیم دیتے رہے اور انھیں طلب دنیا سے روکتے رہ
اس سلسلے میں مندرجہ ذیل واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ شاہ ظہور محمد نے ارشاد فرمایا کہ

"اس فقیر نے سات آٹھ ماہ سپاہ گری کا پیشہ بھی کیا ہے۔ میں ایک امیر کی سرکار میں نوکر تھا اور میرے پاس دو
گھوڑے بھی تھے۔ وہ امیر میری بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے مصاحبین اور بخشی بھی مجھ سے اخلاص و محبت سے پیش
آتے تھے۔ مدت مذکورہ یعنی سات آٹھ ماہ بعد حضرت پیر و مرشد (شیخ فتح محمد) نے ایک خط مجھے بلانے کے لیے لکھ
اور اپنے قلمدان میں رکھ دیا کیوں کہ کوئی شخص موجود نہ تھا جس کے ذریعہ مجھ تک وہ خط روانہ کیا جاتا۔ لیکن والدہ ما
سے فرمادیا کہ میں نے اسے بلایا ہے اور غالباً دو تین روز میں آجائے گا اسی روز ان کی ملاقات کا شوق میرے دل پر
غالب ہوگیا اور یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ امیر مذکور، اس کے بخشی اور مصاحبوں کے بے حد اصرار کے باوجود میں و
نہ ٹھہرا اور نوکری چھوڑ کر گھر چلا آیا۔ حضرت نے بے انتہا شفقت فرمائی اور وہ خط قلمدان سے نکال کر مجھے دیا اور پورا واقعہ
بیان کیا۔ اس کے بعد علی الصباح میرے گھوڑے ایک شخص کے حوالے کر دیے کہ نخاس لے جائے اور جس قیمت
پر بھی فروخت ہو سکیں فوراً بیچ کر چلا آئے۔ اور فقیر سے فرمایا کہ چند روز تم یاد خدا میں مشغول رہو اور تصوف
اشغال مجھ سے سیکھ لو۔ اس کے بعد اگر تم چاہوگے تو اس کام کے لیے میں تم کو دوسرے گھوڑے خرید کر دے دوں گا
فقیر مجبور ہو کر خاموش ہوگیا۔ ان کے فرمانے کے مطابق دس روز تک اعتکاف میں بیٹھا اور تمام اذکار و اشغا
سیکھے۔ اعتکاف سے نکلنے پر انھوں نے خرقہ عنایت فرمایا جس کو بیقرار ہو کر فوراً پہن لیا ..." (ص ۱۶۹-۱۷۰)

شیخ فتح محمد کی صفت ترک و توکل پر ذیل کے واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ شیخ ظہور محمد نے فرمایا "جب
حضرت پیر و مرشد (شیخ فتح محمد) نے دنیا کو ترک کر کے یاد الٰہی شروع کی تو والدہ صاحبہ سے فرمایا اگر تم میرے ساتھ رہ
چاہو تو تم بھی اسباب دنیا کو چھوڑ دو، موٹا کپڑا اور سوکھی روٹی اختیار کرو۔ اور یہ پسند نہ ہو تو اپنی اولاد کو لے کر علیحدہ ہو
تمہاری اولاد تمہاری خدمت کرے گی۔ والدہ صاحبہ نے بھی دنیا کو ترک کر کے اسی وقت موٹے کپڑے کا لباس پہ

لیا اور ان کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ کچھ مدت کے بعد گھر میں آگ لگ گئی اور جو کچھ بچا تھا وہ آگ کی نذر ہو گیا۔ حضرت پیر و مرشد نے سجدہ شکر ادا کر کے فرمایا کہ خدا کے فضل سے اب پورے طور پر ترک دنیا حاصل ہو گیا۔ (ص ۴۰)

شاہ ظہور کی تاریخ ولادت اور تعلیم وغیرہ کے بارے میں کتاب خاموش ہے۔ البتہ ان کے دہلی اور اجمیر وغیرہ کے بعض سفروں کا ذکر ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۲ تا ۲۴ پر یہ واقعہ ملتا ہے۔

"فقیر ترک دنیا کرنے کے بعد تلاش معاش کے لیے دہلی گیا تھا۔ وہاں کے اکثر امرا میرے معتقد ہو گئے تھے اور میرے ساتھ بہت زیادہ نشست و برخاست رکھتے تھے کہ حضرت پیر و مرشد کا رقعہ پہنچا جس میں تحریر تھا کہ عزیز من اہل دنیا کی صحبت سم قاتل ہے۔ فوراً اجمیر پہنچ کر حضرت خواجہ کی زیارت کے بعد یہاں واپس آؤ۔ فقیر نے رقعہ پڑھتے ہی اجمیر جانے کا ارادہ کر لیا اور لوگوں کے روکنے کے باوجود پیدل اجمیر کی طرف چل دیا۔ راستہ میں بہت تکلیف اور رنج برداشت کرنا پڑا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ ہر منزل پر ٹھہرنے کا ارادہ کرتا تھا لیکن جب صبح ہوتی تھی تو حضرت خواجہ کی توجہ سے پھر قوت بحال ہو جاتی تھی۔ اور میں پھر آگے چل پڑتا تھا۔ بالآخر اجمیر پہنچ کر زیارت کی۔ ریاضت واذکار و اشغال میں مشغول ہوا اور خواجہ اجمیر کی توجہ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا.... تین ماہ اجمیر میں قیام کے بعد وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔ اجمیر میں ایک مالدار شخص تھا جو وہاں کے دوسرے سب لوگوں کے بعد مجھ سے وابستہ ہوا تھا اس کو میرے اس ارادہ سے بہت رنج ہوا۔ ادھر میں نے ارادہ کیا کہ صبح وطن مراجعت کروں۔ ادھر اس عزیز نے رات کو حضرت خواجہ سے کہا کہ حضرت بڑی تلاش کے بعد ایک باکمال درویش سے ملا ہوا تھا، وہ بھی کل رخصت ہو جائے گا اور میں ناقص رہ جاؤں گا۔ اسی وقت اس نے حضرت خواجہ کو خواب میں یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ میں نے ابھی اسے رخصت نہیں کیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص تو اطمینان سے سوتا رہا اور میں روانہ ہوا۔ لیکن جیسے ہی شہر سے باہر نکلا کچھ بدشگونی پیش آگئی۔ لوگوں نے کہا آج نہ جائیے۔ فقیر نے ان کی بات نہ سنی اور چل پڑا۔ جب دو کوس کا فاصلہ طے کر چکا تو سواری کی دونوں رکابیں الگ ہو گئیں اور دوسری جانب سے آنے والے لوگوں نے بتایا کہ راہ میں خطرہ ہے۔ مجبوراً لوٹ گیا۔ ادھر وہ شخص جب سو کر اٹھا تو سید صابری قیام گاہ پر آیا اور مجھے نہ پا کر بہت افسوس کیا اور کہا تعجب ہے کہ خواجہ نے مجھے بشارت دی تھی۔ پیر صاحب چلے گئے اور میں ملاقات سے بھی محروم رہ گیا۔ وہ اسی افسوس میں تھا کہ میں دو کوس کی مسافت سے واپس پہنچا۔ اس کو اطلاع ہوئی تو خوش خوش دوڑ کر آیا اور رات کے خواب کا قصہ سنایا۔ آخر فقیر تین ماہ مزید اجمیر میں مقیم رہا۔ پھر وطن آ کر پیر و مرشد کی مسرت کا باعث ہوا۔ انھوں نے مجھ پر بہت توجہ فرمائی اور کہا کہ اب تم ترک دنیا میں پختہ ہو گئے ہو کیونکہ دنیا

ب کا خطرہ تم نے دل سے نکال دیا ہے" (ص ۲۲ تا ۲۴)

سفر دہلی کا ایک اور قصہ کتاب کے صفحہ ۱۳۱ پر تحریر ہے جس میں ہستی اور نیستی کے مفہوم پر مفصل بحث ہے۔
بحث امجد علی خاں صدر الصدور دہلی کے مکان پر بعض دوسرے صوفیا کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ اس میں یہ
بھی ہے کہ امجد علی خاں شاہ ظہور محمد کے معتقد تھے۔ پہلے سفر دہلی کی طرح یہ سفر بھی شیخ فتح محمد کی زندگی میں پیش
یا تھا اور مقصد صرف دہلی کی سیاحت تھا۔

ترک دنیا اور اختیار درویشی کے متعلق شاہ ظہور محمد کا بیان ہے کہ "میرے دل میں اس کا ذرا بھی
شوق نہ تھا پیر و مرشد (شیخ فتح محمد) نے زبردستی مجھے دنیا سے الگ کیا اور میرے دل میں شوق پیدا کر کے مجھے
عالم درویشی میں لائے۔ اور لذت فقر سے آشنا کیا۔" (ص ۱۷۱)

اوپر کی سطور میں ذکر آچکا ہے کہ شاہ ظہور محمد نے سپاہ گری کا پیشہ اختیار کیا تھا' جسے ان کے والد نے
اور ان کے پیر و مرشد بھی تھے' چھڑا دیا تھا۔ اس کے بعد ذریعہ معاش کا معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ ان کی پریشاں حالی'
افلاس اور اس کے بعد خوش حالی اور بادشاہ وقت کے تعلقات کا پتہ ذیل کے واقعہ سے چلتا ہے۔ بقول مولف
شاہ ظہور محمد نے ارشاد فرمایا کہ :

'حضرت پیر و مرشد نے اپنی وفات سے دو سال پہلے فقیر کو خرقہ سجادگی عنایت فرما دیا تھا اور مجھ کو اہل و عیال
کے ہمراہ خانقاہ میں چھوڑ کر خود مع متعلقین دریائے گنگا کے پار اپنے آبائی وطن رسول پور جا کر مقیم ہو گئے تھے۔
کبھی کبھی بطور مہمان تشریف لاتے تھے اور چند روز قیام کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس
کی دکان ہے' میں تو مہمان ہوں۔ ادھر اپنا حال یہ تھا کہ محض توکل پر کام چل رہا تھا۔ ایک پیسہ کی بھی مستقل آمدنی نہ تھی۔
کبھی کبھار اگر پیر و مرشد کو کچھ میسر ہوتا تھا تو فقیر کی خبر گیری کرتے تھے اور کبھی کبھی تین چار پیسے بھیجتے تھے۔ فقیر کو کبھی
خشک روٹی کبھی جو کی روٹی نصیب ہوتی تھی۔ اور کبھی ہم سب صرف بے نمک کا ساگ کھاتے تھے۔ اکثر فاقہ ہوتا تھا
دس سال تک مع متعلقین اسی طرح گزر بسر ہوتی تھی اور پیر و مرشد کی توجہ سے استقامت حاصل تھی۔ مدت مذکورہ کے
بعد آں حضرت کی زبان کی تاثیر کے سبب اور خدا کے فضل سے نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم معتقد ہو گیا اور الہ آباد
میں اپنے قیام کی مدت تک اکثر نذر و نیاز بھیجتا رہا۔۔۔۔ جب وہ دہلی گیا تو فقیر کو بھی اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔۔۔۔ کچھ مدت
کے بعد میں نے رخصت چاہی تو نواب نے کچھ روز مزید قیام کے لیے اصرار کیا۔ اور مجھے اطلاع کیے بغیر محمد شاہ بادشاہ
سے میری خوب تعریف کر کے بادشاہ کو میرا مشتاق بنا دیا اور ملاقات کا وقت مقرر کرا دیا۔ مجھے اس امر کی کوئی خبر نہ تھی۔

نے چند روز بعد پھر رخصت کی اجازت کے لیے رقعہ لکھا۔ نواب نے جواب دیا کہ میں خود آرہا ہوں اور خود آکر فقیر کو
اہ کے پاس سے جاکر بڑا اہتمام رکھا دیا۔ بارہ سو روپیہ خرچ کے لیے مع ایک گاؤں بادشاہ سے درخواست کرکے مجھے دلائے" (ورق ۱۴۹)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ظہور محمد کو آخر میں نوابوں اور خود بادشاہ کا تقرب حاصل ہوگیا تھا۔
جاگیر بھی مل گئی تھی۔ ان کے مریدوں میں میاں بدی (بدیع؟) اور میاں شرف الدین عظیم آبادی کے نام ملتے ہیں۔
ب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ ظہور محمد کے ایک صاحبزادہ علی امجد تھے جو شاہ ظہور محمد کی وفات کے تیسرے روز
اُدامرار کے مجمع میں اپنے باپ کے جانشین تسلیم کیے گئے۔

شاہ ظہور محمد کی وفات ۴ شعبان ۱۱۶۵/۵۲-۱۷۵۱ھ کو واقع ہوئی۔ مولف نے اس کو اس طرح نظم کیا ہے ؎

ظہور اللہ در ذات خدا شد   ولی کامل ازیں عالم جدا شد
چہارم ماہ شعبان بود کین غم   کہ گویا بر مریدان کربلا شد
چو پرسیدم زہاتف سال تعریف   ندا از غیب شد "نور خدا شد"
۱۱۶۵ھ

اس کتاب کو مرتب نے مندرجہ ذیل ۲۷ "بیان" (ابواب) پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ توبہ و استغفار' ۲۔ مذمت دنیا' ۳۔ ترک دنیا' ۴۔ اسلام و ایمان و احسان از روی حدیث' ۵۔ مذاہب ا
۔ اوصاف بیعت' ۷۔ اوصاف پیر' ۸۔ طریق بیعت' ۹۔ خدمت و حضوری بہ پیر' ۱۰۔ آداب پیر' ۱۱۔ یقین و اعتماد بہ پیر
۱۲۔ فوائد کہ از پیر بہ مرید می رسد' ۱۳۔ احوال مرید' ۱۴۔ اعمال ظاہر' ۱۵۔ ادعیہ قضائی حاجات و تعویذات رفع علل و
بلیات' ۱۶۔ اذکار و اشغال' ۱۷۔ مجاہدہ و محاسبہ و نفی خاطر' ۱۸۔ تصور برزخ' ۱۹۔ معرفت دل و کشف قبور وغیرہ۔
۲۰۔ معرفت مراتب ذات و صفات و ظہور صفات و مشاہدۂ ذات' ۲۱۔ عشق' ۲۲۔ سماع' ۲۳۔ شطحیات' ۲۴۔
اوصاف درویش' ۲۵۔ گذران فقرا' ۲۶۔ قدری احوال بعضی از بزرگان' ۲۷۔ متفرقات۔

جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا ہے۔ کتاب کا مرتب چنداں خوش سواد نہیں معلوم ہوتا' تاہم اس نے از راہ عقیدت اپنے مرشد کے ملفوظات کا یہ مجموعہ ترتیب دے کر ہند فارسی صوفیانہ ذخیرہ میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ یہ مجموعہ جیسا کہ اس کے مضامین کی فہرست سے اندازہ کیا جاسکتا ہے ایسے اکثر مضامین پر حاوی ہے جو بالعموم صوفیا کی تحریر و تقریر کا موضوع رہے ہیں۔ اس لحاظ سے تصوف کی کم کتابیں ایسی ہیں جو اس طرح جامع انداز میں ترتیب دی گئی ہوں۔

کتاب میں جا بجا آیات قرآنیہ' احادیث قدسیہ' واقعات صوفیا سے استدلال کیا گیا ہے۔ لیکن طرز استدلال وہی ہے جو عام طور پر سادہ لوح صوفیا استعمال کرتے رہے ہیں۔ کہیں کہیں صاحب ملفوظات کے حوالے سے اس دور

کے بعض نوابین اور امرا کا ذکر آگیا ہے، جس سے اس عہد کے امرا کے کردار اور ان کے صوفیا سے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ مرتب لکھتا ہے کہ شاہ ظہور محمد نے ارشاد فرمایا کہ :

"دیوان احسن خاں کے گھر فجر کی نماز کے بعد کھانے کا قاعدہ تھا۔ اور شام کو دو روٹی اور دال لوگوں کو دی جاتی تھی۔ نواب صاحب خود بھی یہی کھاتے تھے۔ بعض دنوں میں کھانے کا وقت تہجد کے بعد مقرر ہوتا تھا اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ دن میں صرف ایک مرتبہ زوال کے وقت کھانا کھاتے تھے۔ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں کھاتے تھے۔ اور تمام رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ درآں حالیکہ نواب صاحب کے گھر میں ہر وقت کھانا تیار رہتا تھا۔ اور جس وقت بھی کوئی درویش ان کے گھر پہنچتا تھا اس کو کھانا کھلاتے تھے۔ (ص ۲۴۳)

ملفوظات کی کتابوں میں بالعموم تاریخوں کا التزام ہوتا ہے۔ لیکن حلوای ظہور میں نہ کہیں کسی واقعہ کی تاریخ مذکور ہے اور نہ ملفوظات کی تاریخیں ضبط کی گئی ہیں۔ البتہ ہر نئی بات لکھنے سے پہلے مرتب نے "ارشاد شد" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس طرح کی بعض دوسری کتب میں بھی ملتے ہیں۔ اور گو کہ مرتب نے ۲۷ عنوانات کے تحت ایک ایک موضوع سے متعلق اقوال یکجا لکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی کتاب کے بیانات منتشر ہیں۔ اور ایک موضوع کے ذیل میں دوسری غیر متعلق باتیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ کتاب کا اسلوب زبان و بیان اور معیار انیس الارواح اور راحت القلوب کے مرتبہ کو بہر حال نہیں پہنچا اور بحیثیت مجموعی یہ ایک اوسط درجہ کا مجموعہ ملفوظات ہے، اور یہ بات اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ اس میں شاہ ظہور محمد کے اقوال سے زیادہ مرتب کتاب شاہ نور محمد کی خوش عقیدگی اور مضمون آفرینی کی کرشمہ کاریاں شامل ہیں۔ اور تصوف کی کتابوں میں یہ بات نئی نہیں ہے۔

بظاہر یہ اس کتاب کا واحد نسخہ معلوم ہوتا ہے اور شاہ ظہور محمد کے سلسلے کے صوفیائے کرام کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ کتاب کا نام تاریخی "حلوای ظہور" ہے۔ جس سے ۱۱۶۶ عدد برآمد ہوتے ہیں جو کتاب کی تالیف کے اختتام کا سال ہے۔ مرتب نے اس کو نظم میں اس طرح لکھا ہے۔

گشت ایں مضمون چوں حلوای شیر ہر کہ بلند او شود روشن ضمیر
شد تمام الفاظ آنحضرت ز نور گفت ہاتف سال او حلوا ظہور

مخطوطہ میں "حلوا ظہور" لکھا ہے، جو بظاہر کاتب کی بے توجہی کا نتیجہ ہے کیوں کہ اس صورت میں اس سے صرف ۱۱۵۶ھ برآمد ہوں گے جب کہ مرتب کی تصریح کے مطابق ۱۱۶۶ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی ہے۔ غالباً مرتب نے یہ مصرع یوں لکھا ہوگا۔ "گفت ہاتف سال حلوای ظہور"

صفحات کی تعداد ڈھائی سو ہے نسخہ پر راقم الحروف کے ایک بزرگ فصیح الدین خاں کی ۱۲۹۲ھ کی دو مہریں لگی ہوئی ہیں۔

قر الانوار و مرادات الاسرار

دیباچہ سے ظاہر ہے کہ مولف رسالہ سید اکبر بن سید حامد قتال مشہور بزرگ سید باقر بن عثمان بخاری کے ض یافتہ ہیں۔ جن کا تعلق مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی اولاد سے ہے۔ رسالہ سے سید باقر کی تصانیف اہر البخاری، خمس الانوار، اکبر جلالی کا پتہ ملتا ہے۔

یہ مجموعۃ اللہ الصمد کی فضیلت میں ہے، جسے مؤلف نے برائے افادۂ عام جمع کیا ہے۔ ۲۷ ابواب پر مشتمل اس مختصر فارسی رسالہ میں اسم اللہ الصمد پڑھنے کی مختلف ترکیبوں اور فضیلتوں کا بیان ہے۔ اس سے جو دینی نیوی فوائد اور برکات ظہور میں آتے ہیں انہیں بھی درج کیا ہے۔ مثلاً اس کے پڑھنے سے جمال رسالت پناہ، کشف قبور، اجابت دعا، تسخیر خلائق اور دوسری حاجات حاصل ہوتی ہیں۔

اس رسالہ میں سید باقر کی کتاب باقر الانوار و اسرار الذات کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید اکبر نے اپنے رسالہ کا نام اس سے مستعار لیا ہے۔ سنہ کتابت موجود نہیں ہے۔

مرآۃ العاشقین

محمد وفا کی اس تالیف سے مطلوب یہ ہے کہ طالب اپنی ذات کو خدا سے جدا نہ سمجھے۔ جوہر عشق اور خدا کی ذات میں فنائیت ہی عرفان ہے۔ ابلیس کو جوہر عقل حاصل تھا۔ اس نے حکم رب العزت سے انکار کیا۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ اگر اس کو عرفان حاصل ہوتا تو حضرت آدم میں اسے دو مراد کھائی نہ دیتا۔ آیت نفخت فیہ من الروحی۔ یہ دو جوہر ہر آدمی میں موجود ہوتے ہیں۔ بعض غفلت سے فراموش کر دیتے ہیں اور بعض کو اس کے فضل سے مقصود حاصل ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب کے اندر جوہر عشق موجود تھا۔ حضرت یوسف نے انہیں اپنے لیے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت یعقوب اور ابلیس کے قصہ میں یہ فرق ظاہر ہے۔ اگر دل خودی کے غبار سے پاک ہے تو حقیقت آدم جاننے میں اسے دیر نہیں لگتی۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ عارفوں پر یہ عیاں ہے خلقت العالم لکم و خلقتکم لی پورے رسالہ میں یہی مضمون دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

صحائف المعرفت

ایک مقدمہ، تین صحیفہ، دس فصل اور دس وصل پر مشتمل ابو عبداللہ عبدالرزاق بن احمد نے اس رسالہ میں فردوس المواعظ، درس الشریعۃ، تفسیر حقائق جیسی کتابوں کے علاوہ ابوبکر شبلی، خواجہ سری سقطی، ابو سعید، فضیل بن عیاض

جیسے مشائخ داتقیا کے حوالے اور فرمودات پیش کیے ہیں۔

فرائض پنجگانہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد کے اہتمام، اصحاب مجاہدات کے طریق عمل، توبہ، توکل، قناعت، صبر و رضا، آداب و شرائط ذکر، فضیلت صدقہ، طریق توجہ، مراقبہ، شرائط مرید وغیرہ موضوعات پر لکھا ہے۔ کتابت بروز جمعہ ۲۶ رمضان ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء۔

رسالہ تصوف

میر سید محمد عرف سید شمس الحق قادری دہلوی ابن سید عباد اللہ بلخی ابن سید یعقوب بلخی سلسلہ مارہرہ کے خلفاء میں ہیں۔ سلسلہ اس طرح ہے شمس الحق قادری عن شاہ محمد غوث عن سید شاہ آل احمد مارہروی اچھے صاحب (۱۱۶۰-۱۲۳۵ھ) عن سید شاہ حمزہ مارہروی (۱۱۳۱-۱۱۹۸ھ) عن سید شاہ آل محمد مارہروی (۱۱۱۱-۱۱۶۴ھ) عن سید شاہ برکت اللہ (۱۰۷۰-۱۱۴۲ھ)

رسالہ میں اشغال مراقبہ، پاس انفاس قادریہ، پاس خواجگان چشت کو بیان کیا ہے۔ مراقبہ کی چار صورتیں تحریر کی ہیں جن سے کشف القلوب، کشف القبور اور فنا فی اللہ کا حصول ہوتا ہے۔ آخر میں اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی فاتحہ کی تاریخیں اور شجرہ قادریہ مرقوم ہیں۔ اس رسالہ کے ساتھ ایک اور رسالہ ناقص الطرفین مجلد ہے۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات میں مختلف تعویذ اور نقش تحریر ہیں۔

نگارستان مسلمان

شاہ محمد شعیب (۱۱۳۸-۱۲۱۱ھ/۱۷۲۵-۱۷۹۶ء) ابن شیخ عبدالواحد (وفات ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء) ابو العلائی سلسلہ کے صاحب نسبت و کمال بزرگ ہیں۔ تجارہ ریاست الور میں ان کی خانقاہ مصدر فیوض و برکات تھی۔ ان کی کتابیں مثلاً اذکار الابرار احوال الاخیار (یہ خود نوشت سوانح بھی ہے) تصوف و عرفان کا گنجینہ ہیں مثنوی توصیف تجارہ بھی ان کی تصنیف ہے۔ میر مسلمان میاں محمد شعیب کے فاضل استاد ہیں یہ عالم ربانی اور شیخ وقت تھے۔ ان کے مکتوبات و رقعات میاں شعیب نے اپنے صاحبزادہ (شاہ محمد یونس) کی تعلیم کے لیے مرتب کیے ہیں تاکہ کمالات صوری و معنوی اور فوائد دینی و دنیوی حاصل ہوں۔

میر مسلمان (وفات ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء) بن عبدالغنی خان (وفات ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) ابن عبدالرحیم خاں باشندگان دہلی میں عزت و حرمت میں مشہور رہے۔ ان کے دادا عبدالرحیم خان کا شمار عالمگیر کے مقربین و معتمدین میں تھا۔ وقت مجرئی و سلام شرف ہمکلامی حاصل ہوتا تھا۔ عالمگیر نے ایک رقعہ میں ان کے پسران کے بارے میں

ہدایت اللہ خاں کو حکم دیا ہے کہ ان کا خاص خیال رکھا جائے۔

نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ یہ خود شاہ محمد شعیب کے دست مبارک کا رقم کردہ ہے۔

تحفۃ القادریہ

شاہ ابوالمعالی قادری کا نسبی تعلق سادات کرمان سے ہے۔ ان کے جد امجد سید فیض اللہ ۸۹۹ھ/۱۴۹۳ء میں ہندوستان آئے اور اوچ میں قیام کیا۔ شاہ ابوالمعالی ۹۶۰ھ/۱۵۵۲ء کو شیر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ داؤد سے بیعت و خلافت پائی۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء میں لاہور میں انتقال کیا۔

باغ ارم، زعفران زار، مونس جان ان کی تصانیف میں ہیں۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کی کتاب تحفۃ القادریہ سوانح شیخ عبدالقادر میں ایک مستند کتاب ہے۔ یہ ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ آخری باب حضرت کی اولاد کے ذکر میں ہے۔

کتابت ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء، کاتب عبدالشکور۔

مناقب غوثیہ

شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات و مناقب میں محمد صادق شہابی کی اہم کتاب ہے۔ یہ ۱۴ منقبتوں پر مبنی ہے۔

وہبِ زبیر

یہ رسالہ مشائخ کبار کے طریقوں سے ثابت اذکار، اشغال، مراقبات، تصورات اور مشاہدات کی اقسام کے بیان میں ہے۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ فصل اول در اذکار و اشغال، فصل دوم در مراقبات و مشاہدات و تصورات وغیرہ، فصل سوم در بیان لطائف ستہ۔ اس فصل میں بہت سے وہب ہیں۔

سلسلۂ مجددیہ و نقشبندیہ کی تعلیمات و ہدایات کے سلسلہ کی ۱۱۸ صفحات کی نہایت اہم تصنیف ہے۔ خواجہ محمد زبیر خواجہ محمد نقشبند ثانی کے پوتے ہیں۔ نقشبند ثانی خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے تھے۔ یہ رسالہ خواجہ محمد زبیر کے مرید قطب الدین محمد اشرف سرہندی نے ۱۱۷۳ھ/۱۷۶۰ء میں مرتب کیا ہے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور رضا لائبریری رامپور میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔

رسالہ شاہ غلام علی

عبداللہ علوی بٹالوی معروف بہ شاہ غلام علی (وفات ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء) دہلی میں سلسلہ مجددیہ کے شیخ وقت تھے۔ ان کے ذریعہ اس سلسلہ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر میں بھی غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ اس عہد کے خانوادہ مجددیہ کے اراکین مثلاً شاہ ابوسعید، شاہ احمد سعید اور شاہ رؤف احمد رافت سب ان سے شرف بیعت و خلافت رکھتے تھے

شاہ کریم اللہ کے اجازت ناموں کے صفحات کی تعداد ۱۲ ہے۔ سید عبدالرحمٰن بن سید منیض اللہ قادری سجادہ نشیں بغداد کا عطا کردہ قادری سلسلہ کا اجازت نامہ بھی شامل ہے جو ۱۲۰۹ھ کو حافظ محمد ناصر کو دیا گیا ہے۔ اس کے نیچے شاہ کریم اللہ کی مہر ہے۔ سید عبدالرحمٰن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف میں تھے۔

رسالہ شاہ کریم اللہ

اس رسالہ میں انھوں نے بتایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت چھ اصولوں پر موقوف ہے ایک مقام تلقین بیعت، دوسرا مقام ادب، تیسرا استقامت، چوتھا مشاہدہ، پانچواں عزلت، چھٹا زہد۔ طریقہ قادریہ کی اساس و بنیاد میں یہ چھ اصول کارفرما ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر سالک کو معرفت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد حافظ ناصر خاں کو طریقہ قادریہ میں منسلک کرتے ہوئے انھوں نے اوپر تک سلسلہ کے بزرگوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ آخر میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی وصیت درج ہے۔ عربی عبارت کے ساتھ اس کا فارسی ترجمہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ دونوں عبارتیں عمدہ خط نسخ و خط نستعلیق میں لکھی ہوئی ہیں۔ صفحات کی تعداد ۲۶ ہے۔

رسالہ تصوف

عالمگیر کے عہد کی تصنیف ہے۔ مقدمہ میں القاب و آداب کے ساتھ اس کا نام لیا گیا ہے۔ انیس نصیحتوں کے بعد لکھا ہے کہ سالک کو تصفیہ و تزکیہ میں مشغول رہنا چاہیے اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے اسما سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے بعد طالبان صلاح و تقویٰ کے لیے اوراد و وظائف بیان کیے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا تذکرہ ان کے اقوال اور ارشاد کردہ وظائف خاص طور پر مذکور ہیں۔ جس سے مولف کی قادری نسبت پر روشنی پڑتی ہے۔ پوری کتاب میں سالک کو ہدایات دینی، نماز اور دوسری عبادتوں کی ادائیگی کی تلقین اور مخصوص اعمال کی انجام دہی کا شوق دلایا گیا ہے۔ راقم کے خاندانی ذخیرہ کی کتاب ہے۔ جد محترم حکیم سید کرم حسین کے قلم سے جگہ جگہ حواشی تحریر ہیں۔

رسالہ در تصوف

اس رسالہ میں مطابقت بر اعمال اور متابقت بر اخلاق پر زور دیتے ہوئے استقامت کو شیوۂ سلف کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اذکار کے لیے ملاومت ضروری ہے۔ مختلف ادعیہ و اذکار مثلاً صبح کی دعا، گھر سے مسجد جاتے وقت کی دعا، دوسرے اوقات کی دعائیں، مختلف نفل نمازیں، نماز کے بعد کے اذکار، ورد حفظ الایمان بعد ہر نماز، استخارہ

درود آداب قضائے حاجت وغیرہ باچھے انداز میں لکھا ہے۔ ۱۱۲ صفحات ہیں نسخہ ناقص الآخر ہے۔

علامات امام مہدی (علی بن حسام الدین متقی)

ظہور مہدی کا تعلق خالص شیعی عقائد سے ہے۔ اہل سنت کے پاس بھی اس سے متعلق روایات ملتی ہیں وہ شیعی ظہور مہدی سے مختلف تصورات کی حامل ہیں لیکن بنیادی طور پران کا تعلق اہل تشیع کی روایات ہی سے ہے ظہور مہدی کو قرب قیامت کی نشانیوں میں سے سمجھا گیا ہے۔ چار مختلف فصلوں کے اس رسالہ میں مؤلف علی بن حسام الدین ہیں ان علامات و نشانیوں کو بیان کیا گیا ہے جو امام مہدی کے بارے میں احادیث میں مذکور ہیں۔ نورالدین علی بن حسام الدین معروف بہ علی متقی وفات ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء برہان پور کے والے تھے۔ ہندوستان میں سلسلہ شاذلیہ کے مشہور بزرگوں میں شمار ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف علامات امام مہدی کا ایک نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی ہے۔

رسالہ در احوال خواجہ معین الدین

مختصر فارسی رسالہ ہے۔ سیر العارفین، انیس الارواح، راحت القلوب اس کے خاص مآخذ ہیں کتابوں کی روشنی میں نہ صرف خواجہ معین الدین چشتی کے حالات درج کیے ہیں۔ بلکہ خواجہ بزرگؒ کے اقوال کی معارف پرور باتیں بھی اس میں آگئی ہیں۔

۱۱ صفحہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء موافق ۱۶ جلوس شاہ عالم اس کی کتابت ہوئی ہے۔

رسالہ در احوال خواجہ شمس الدین ترک

خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے شمائل و مناقب میں چند صفحے کا رسالہ ہے۔ اس کی کتابت بھی اسی قلم سے ہے جس قلم سے درج بالا رسالہ ۱۱۸۸ھ میں لکھا گیا ہے۔

کشف القناع در بیان اباحۃ سماع

شیخ فاضل ابوالخیر محمد سالم بن سلام اللہ بن شیخ الاسلام حنفی بخاری دہلوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ہیں۔ اساتذہ وقت سے درسیات کی تکمیل کی۔ حج بیت اللہ اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف شاہ علی حکیم کے مرید و خلیفہ تھے مشہور چشتی بزرگ شیخ کلیم اللہ جہان آبادی سے دو واسطوں سے سلسلہ تھا متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ راقم کے ذخیرہ میں ان کی گیارہ کتابیں محفوظ ہیں۔ جن میں ایک رسالہ دریا بھی ہے۔ ان کے علاوہ ان کی دو کتابوں ترجمہ حزب البحر اور نورالایمان کے نام بھی ملتے ہیں۔

ترجمۃ الزہر، مرتجات اور مرآۃ الحقائق ہیں ان کا ذکر ہے۔ ان کی تصانیف مثلاً اصول الایمان ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء
مصنف کی حیات میں طبع ہوئی ہے۔

کشف القناع ایک مختصر رسالہ ہے یہ مقدمہ، خاتمہ اور چار فصل پر مشتمل ہے، مقدمہ کے مطابق مسئلہ سماع جس طرح علما کے ہاں مختلف فیہ ہے اسی طرح صوفیا کے ہاں بھی اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض اس کی حرمت اور کراہیت کے قائل ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ جواز کے دائرہ میں آتا ہے۔ بعض توقف کرتے ہیں۔ مؤلف سماع کے قائل ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں کہ عقل کی روشنی سماع کا جواز پیش کرتی ہے۔ سماع صوت حسن سے عبارت ہے اور جس طرح باصرہ کے لیے خوبصورت شکلوں کا دیکھنا، شامہ کے لیے خوشبوؤں کا سونگھنا، ذائقہ کے لیے لذات مرغوبہ کا کھانا اور لامسہ کے لیے ملائم و نرم اشیاء کا چھونا درست ہے تو سامعہ نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کے لیے صوت حسن کی ممانعت کی جائے۔ اباحت سماع پر انھوں نے اس آیت سے استنباط کیا ہے الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ہداہم اللہ واولئک ہم اولوا الالباب ——— اسی طرح انھوں نے متعدد احادیث پیش کی ہیں کہ جب آنحضرت کے سامنے گانا گایا گیا تو آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

مؤلف نے غنا کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ غناء سادہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابوعبیدہ ابن جراح، حسان بن ثابت، مغیرہ بن شعبہ، حضرت عائشہ صدیقہ اسی طرح تابعین اور فقہاء امت اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ قسم دوم غنا بآلات مثلاً دف، طنبور، طبل وغیرہ۔ علماء مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح کا اعلان دف کے ذریعہ سنت ہے۔ بعض علماء نے اس کی حرمت کا بھی لکھا ہے۔ قسم سوم غناء بالمزامیر علماء مشہور اور مذاہب ائمہ اربعہ میں اس کی حرمت ہے۔

نور الابصار (محمد سالم)

مؤلف رسالہ محمد سالم نے اپنے مختلف سلسلے اور شجرہ ہائے طریقت تحریر کیے ہیں۔ ان شجروں کے پڑھنے سے بزرگان سلسلہ سے ربط و محبت اور ذوق و شوق کی خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد سالم شیخ علی الحکیم کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ شیخ علی الحکیم شیخ حامد سعید کے اور وہ شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کے خلیفہ تھے اس طرح دو واسطوں سے ان کا تعلق سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ کلیم اللہ جہان آبادی (وفات ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) سے ہے۔

حسن العقیدۃ محمد سالم

اس رسالہ میں ان عقائد کا ذکر ہے جو ایک مسلمان کے لیے نہایت ضروری اور لازمی ہیں۔ ان پر اعتقاد کے

دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی عدم واقفیت اور ان میں کمی ایمان کے لیے خوف ہے جیسے معرفت عظمت نبی و صداقت امور معاد۔ دوسری وجہ یہ کہ ان سے عدم واقفیت ایمان میں ضرر کا باعث نہیں ہوتی مثلاً انبیاء کی فضیلت۔ رسالہ میں جن عقائد سے گفتگو کی گئی ہے ان کا زیادہ تعلق خواص اور اہل تصوف سے ہے مثلاً عالم حادث ہے، ہر شے خالق ہے۔ بعض معروف خدا کی کہ ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ آنحضرت کے بعد ابوبکر صدیق کا اثبات خلافت نص صریح اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ چاروں خلفاء علی الترتیب خلیفہ برحق ہیں اور یہ عقیدہ اہل سنت کے یقینیات میں سے ہے۔ اگر انبیاء اختیار حق کریں گے تو حق کا ظہور کہاں اور کیسے ہو سکے گا۔ دعا اگر حضوری قلب اور تضرع و زاری سے کی جائے تو ضرور مستجاب ہوگی۔ اسی طرح اور دوسرے اعتقادات تحریر کیے گئے ہیں۔

اس کی ترتیب میں تکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث، نقایہ شیخ جلال الدین سیوطی، شرح فقہ اکبر شیخ علی قاری کے علاوہ ضابطۃ العقائد شیخ عصمت اللہ سہارنپوری سے مدد لی گئی ہے۔

لطائف الاسرار (محمد سالم)

مؤلف نے اس رسالہ میں ان اعمال و تعویذات کو جمع کیا ہے جو انہیں اپنے شیخ شاہ علی حکیم اور سید عبدالوارث سے حاصل ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ شیخ حامد حید کے خلفاء میں ہیں۔ مؤلف کو سید عبدالوارث سے بھی استفادہ کا موقع ملا تھا اور یہ ان کے عبادری بھی تھے۔ اس رسالہ میں فال کے طریقے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

اس مجموعہ کا آخری رسالہ "بیان ضوابط سلاطین و ضوابط وزارت و دیگر منصب داران اہل خدمت" سے متعلق ہے۔ اور یہ بروز چہارشنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کا مکتوب ہے۔

طریقۃ السلام (محمد سالم)

فضائل و آداب اولیاء و مشائخ اس رسالہ کا موضوع ہے۔ احادیث و اقوال علماء اور کتب معتبرہ کے ذریعہ ان کے فضائل و آداب پر لکھا گیا ہے۔ بعض آیات قرآنی سے بھی استشہاد کیا گیا ہے۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ والآخرۃ۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

رسالہ دس فصل اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

درجات العلیٰ (محمد سالم)

علماء کے فضائل سے بے خبری اور غفلت سے متاثر ہو کر اس رسالہ میں عوام کو ان کے فضائل سے آگاہ کیا ہے

اہل علم کے فضل و توقیر کو آیات و احادیث سے ثابت کیا ہے۔ رسالہ آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ اصول الایمان کے
ہے ان کا ایک رسالہ جو آنحضرت اور اہل بیت کی محبت کے بیان میں ہے طبع ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ مقدمہ، پانچ فصل اور
تمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں رسالہ کے ماخذ کا تذکرہ ہے۔ ان میں صواعق محرقہ ابن حجر مکی، تفسیر در منثور جلال الدین سیوطی
ع صغیر مناوی، مدارج النبوۃ، تکمیل الایمان، جامع البرکات عبد الحق محدث دہلوی، تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبد العزیز
یرہ۔ اہل بیت میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کی محبت اور فضیلت اور خاتمہ میں سادات
تعظیم و تکریم کو سعادت قرار دیا ہے۔

ریقۂ سنیہ فی فضل الاصحاب ذوی المناقب العلیہ (محمد سالم)

فاضل ترین اصحاب اور بزرگ ترین احباب خلفاء اربعہ کے فضائل و مناقب کتب احادیث کی روشنی میں درج کیے
گئے ہیں۔ آخر میں اہل بیت کے فضائل کا بھی اضافہ ہے۔ عام اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق اصحاب رسول اور اہل بیت
دونوں سے محبت ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

یہ رسالہ برائے پاس خاطر مرزا یوسف بیگ عرف مرزا مینا بیگ لکھا گیا ہے اور یہ ایک مقدمہ چار وصل اور خاتمہ پر مشتمل ہے

ڈاکٹر عبدالباری
شعبہ عربی فارسی یونیورسٹی
الٰہ آباد

انس الابرار و طریق الاخیار

یہ عربی مخطوطہ چھٹی صدی ہجری کے مشہور عربی ادیب و مورخ ابوالفرج ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کے صاحبزادے ابو عبداللہ محمد ابن ابی الفرج کی تصنیف ہے۔ کتاب مذکور کو مولانا آزاد لائبریری کے حبیب گنج کلکشن (مرقومہ ۲۱/۴۸) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سطور کی تعداد ۲۱، اور اوراق ۱۳۵ ہیں۔ عمر بن عثمان بن عمر البجمی نے خط نسخ میں ۶۴۳ میں اس کی کتابت کی ہے۔ سرورق پر ایک صوفی بزرگ محمد بن عمر البلالی جو مسلکاً شافعی اور طریقت کے سلسلوں میں نقشبندی کی مہر اور دستخط مورخہ ۱۱۷۲ھ موجود ہے۔ انہی بزرگ کی ایک مختصر تحریر صفحہ ۵ کے حاشیے پر نظر آتی ہے جس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ کتاب ان کے ذاتی مطالعے میں رہی ہے اور ان کی ملکیت ہے۔

تصوف سے متعلق اس سیمینار کے موقع پر سید محمد حسن قیصر امروہوی صاحب نے مولانا آزاد لائبریری کے مخطوطات کی فہرست مرآۃ التصوف کے نام سے مرتب کی ہے۔ اس میں صفحہ ۱۴۵ پر اس مخطوطے کو قدیم اور نادر کہا گیا ہے لیکن مصنف ابن الجوزی کے صاحبزادے ابو عبداللہ محمد کی جگہ خود ابن الجوزی کو بتایا گیا ہے۔ یہی غلطی خود حبیب گنج کلکشن کے کیٹلاگ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خود مخطوطہ ہذا کے سرورق پر کاتب نے مصنف کا نام ابو عبداللہ محمد لکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابن الجوزی کی تصنیفات میں اس کتاب کا کہیں ذکر نہیں ملتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ابن الجوزی کے انشا سے اس مخطوطے کی تحریر بہت حد تک جداگانہ ہے۔

تصوف کے فن پر عربی میں اور کسی عرب عالم کے ہاتھوں لکھے مخطوطات کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ خصوصاً فارسی مخطوطات کے مقابلے میں تو یہ تعداد اور بھی کم نظر آتی ہے۔ اس پس منظر میں ہندوستانی کتب خانوں اور ذاتی ذخیرۂ کتب میں عربی مخطوطات کی گراں قدری کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اس مخطوطے کا تعلق حبیب گنج کلکشن سے ہے جو صوفیائے کرام اور بزرگان دین سے تعلق رکھنے والے صاحب ذوق اور صاحب نظر عالم کا ذخیرہ ہے۔ اس کلکشن میں تصوف سے متعلق تقریباً ۴۲ عربی مخطوطات مذکور ہیں۔ ان میں سے چند بلاشبہ نادر ترین مخطوطات ہیں۔ "انس الابرار" بھی انہی نادر ترین مخطوطوں میں سے ایک ہے۔ میرے علم تک یہ مخطوطہ ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔

اس مخطوطے کا تعلق چھٹی صدی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تصوف کا شہرہ شروع ہو چکا تھا اور اس فن سے متعلق تصنیف و تالیف کا سلسلہ دراز ہو چکا تھا۔ لیکن بحیثیت مجموعی

بغدادی اور ان جیسے اکابر صوفیا کے اقوال و افکار کے اثرات زیادہ نمایاں تھے۔ طریقۂ تصوف میں شریعت اور حقیقت کا جو امتزاج پایا جاتا تھا "انس الابرین" میں بھی اس امتزاج کی جھلک ملتی ہے۔ احادیث شریفہ کی اچھی خاصی تعداد کتاب میں مذکور ہے۔ مصنف ابن الجوزی کے اس گھرانے سے تعلق رکھتا ہے جسے علم و ادب کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی بلند مقام حاصل رہا ہے۔ اسے تصوف سے قلبی لگاؤ ورثے میں ملا تھا۔

اس مخطوطے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں تصوف سے متعلق عربی اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ تصوف سے متعلق عربی میں اشعار کمیاب ہیں۔ عربی شاعری میں پہلے قابلِ ذکر صوفی شاعر کی حیثیت سے ابن الفارض کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد محی الدین ابن العربی کا زمانہ رہا ہے۔ ہمارے مصنف ابو عبداللہ محمد کا زمانہ بھی تقریباً ابن الفارض کا ہی زمانہ ہے۔ گویا ابو عبداللہ بھی اس ابتدائی زمانے سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ جب عربی شاعری میں تصوف پر مبنی اشعار بہت زیادہ نہیں پائے جاتے تھے، ایسے عربی اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے جو سلوک و آداب سے متعلق ہیں۔ عربی ادب میں یقیناً ان اشعار کی بڑی قدر و قیمت ہوگی۔

جہاں تک کتاب کی تالیف کے مقصد کا تعلق ہے مصنف نے مقدمے میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل محرک باری تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "ذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین" اور ہم سب جانتے ہیں کہ کلام پاک میں "ذکر اللہ" کو سب چیزوں سے بڑا بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف کی نگاہ میں تذکار المومنین و تنبیہ الغافلین کا ایک خاص مقام ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم کی درج ذیل احادیث شریف کو ـــــ یعنی تمہاری ذات سے فردِ واحد کا ہدایت یافتہ ہو جانا تمہارے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، تمہارے پند و نصائح کے ذریعہ ایک بھائی کا ہلاکت سے نجات پا لینا اس سے بہتر ہے کہ وہ تمہارے صدقات کے ذریعہ فقر و فاقہ سے نجات پائے۔ پس نظر رکھتے ہوئے مصنف نے کوشش کی ہے کہ زہد کی کسی ایک جہت کا بھی وصف بیان ہونے سے نہ رہ جائے، وعظ کے کسی باب کی بھی شرح چھوٹنے نہ پائے اور انبیائے متعلق مروی اہم واقعات جمع ہونے سے رہ نہ جائیں۔

اس کے علاوہ مصنف نے ایک طرف تو اس بات کا التزام و اہتمام کیا ہے کہ ان مذکورہ بالا چیزوں کی حتی المقدور وضاحت و تشریح ہو جائے اور دوسری طرف اس کا خیال بھی رکھا ہے کہ صرف انہی بیانات "شیوخ" احادیث" خلفا کے خطبے، عابدوں کے اقوال، زاہدوں کے امثال، اولیاء کے اسرار اور صلحاء کے طریقوں اور پند و نصائح کو لیا جائے جو خود مصنف کی کسوٹی پر صحیح اترتے ہوں۔ مزید برآں مصنف نے طوالت کے خوف سے اس پند کو مختصر بیان کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہمیں تصوف کے فن میں اس مخطوطے کی قدر و قیمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

جناب غلام یحییٰ انجم
ریسرچ اسکالر
[illegible]
ہمدرد

ملا صدرا کا رسالہ

"وحدۃ الوجود" ایک جائزہ

صاحب اعیان الشیعہ کے قول کے مطابق جن چار عبقری شخصیتوں کو الٰہی فنون کا مدار بطور خاص فلسفہ و کلام ستون سمجھا جاتا ہے ان میں معلم ثانی ابو نصر فارابی (متوفی ۳۳۹ھ تقریباً) شیخ رئیس بو علی سینا (۳۷۰ ـ ۴۲۸ھ) خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۷ ـ ۶۷۲ھ) کے بعد چوتھے ملا صدرا محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر غلو کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً میں یہ کہہ دیتا کہ علمی اعتبار سے ملا صدرا کی حیثیت مذکورۃ الصدر حضرات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے خاص کر مکاشفہ اور عرفان و وجدان کے معاملے میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔[1]

چنانچہ ان کی عبقریت کے اعتراف میں قوم نے انہیں "صدر المتألہین" اور "صدر المحققین" کا خطاب دیا۔ اس جلیل القدر شخصیت کا سنہ ولادت تقریباً ۹۸۰ھ ہے کیونکہ انہوں نے ۱۰۵۰ھ میں ساتویں بار حج سے واپسی میں ستر سال کی عمر پا کر وفات پائی۔

علمی نشو و نما کے متعلق اتنا ملتا ہے کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار ابراہیم بن یحییٰ الشیرازی القوامی سے حاصل کی جس کی تکمیل اصفہان جا کر ان دو نابغۂ روزگار شخصیتوں سے کی جن کا سکہ معقولات کی دنیا میں اب تک مانا جاتا ہے یعنی شیخ بہاؤ الدین محمد العاملی (ولادت ۹۵۳ھ وفات ۱۰۳۱ھ) اور میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) جو نظریہ حدوث دہر کے بانی ہیں اور جن کی شان میں اختلاف کرنے کے باوجود ملا محمود (متوفی ۱۰۶۲ھ) جیسے فلسفی اعظم ہندوستان شمس بازغہ میں فرماتے ہیں:

"خیرۃ اللہ الیقوی بالصورۃ السابقیۃ مع توغلہ فی سیاحۃ ارض الحقیقۃ و توسطہ فی مساحۃ بحر الحکمۃ و وجودہ فی اعماق ثری الملائ باقدام الانظار الغائرۃ و عروجہ عن اطباق سماء الملکوت بقوادم الافکار السافرۃ"[2]

انہی موخر الذکر استاد کی صحبت میں ملا صدرا نے عمر کا بیشتر حصہ گذارا اور انہیں کی روش پر چل کر اعلیٰ علم و فضل حاصل کیا

---

[1] محسن امین اعیان الشیعہ ۴۲/۱۰۰ — [2] ملا محمود شمس بازغہ ص ۲۵۳

ارح شہرت دوام حاصل کی کہ آپ کے بارے میں کہا جانے لگا۔

"انہ اجل فلاسفۃ العصر الاموی شانا واعظمہم خطرا حتی لقد بلغ من دقۃ البحث وعمق التفکیر وطرافۃ التحقیق مبلغا فی منزلۃ تالی بعد منزلۃ کل من ارسطو وابن سینا"[1]

بس ذروہ فضل وکمال پر موصوف فائز تھے متاخرین میں کسی سے ان تک رسائی ممکن نہ ہو سکی اور متقدمین میں سے کم ہی اس مرتبے سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ صاحب روضات لکھتے ہیں۔

"کان فائقا علی سائر من تقدم من الحکماء الباذخین والعلماء الراسخین الی زمن مولانا الخواجہ نصیر الدین منقحا اساس الاشراق بما لا مزید علیہ ومفتحا ابواب الفضیلۃ علی الطریقۃ الشاء والرواق"[2]

اس قول کی روشنی میں فلاسفہ متقدمین ومتاخرین دونوں کے درمیان ان کی شخصیت روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔

اس عبقری روزگار نے اپنے وقت عزیز کا بیشتر حصہ درس وافادہ کے علاوہ کتب ورسائل کی تصنیف میں بھی صرف کیا جن کی تعداد بعض سوانح نگاروں کے قول کے مطابق ۴۲ بتائی جاتی ہے۔ ان میں شرح ہدایت الحکمۃ "صدرا" کے نام سے مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول ہے دوسری کتاب "اسفار اربعہ" ہے جو شیخ کی "شفا" محقق طوسی کی "تجرید" امام رازی کی "محصل" میر باقر داماد کے "افق المبین" کے دوش بدوش فلسفہ کی منتخب ادبیات عالیہ میں شمار ہوتی ہے چنانچہ اس کتاب کی عظمت کے بارے میں محقق شیخ محمد حسین الاصفہانی (متوفی ۱۳۶۱ھ) فرماتے ہیں۔

"لو اعلم احدا یفہم اسرار کتاب الاسفار لشددت الیہ الرحال للتلمذ علیہ وان کان فی اقصی البلاد"[3]

تیسری اہم تصنیف شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول (۵۵۰ - ۵۸۶ھ) کی حکمۃ الاشراق جس کی علامہ قطب الدین شیرازی (۶۳۴ - ۷۱۰ھ) نے شرح لکھی تھی اس کا حاشیہ ہے جو حکمت اشراق کے موضوع پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب وتصوف جس کا خاص اور اہم موضوع "وحدت الوجود" ہے ملا صدرا نے اس کی تعلیم دی ہے اور اسی موضوع کے تحت متعدد رسالے لکھے ہیں۔ انہی میں سے ایک "رسالہ وحدت الوجود" جو خوش قسمتی سے مولانا آزاد لائبریری کے یونیورسٹی کلکشن میں فارسیہ مذہب وتصوف ۲۴۹ نمبر کے تحت محمد محسن عباسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جس پر سنہ کتابت ۱۳۱۸ھ مندرج ہے۔ رسالہ زیادہ طویل وضخیم نہیں ہے مگر اس ایجاز واختصار میں "ماقل ودل" کی شان پیدا ہے ذیل میں مطالب بحوثہ کا خلاصہ دیا جا رہا ہے جس سے اس کی مرتبت و اہمیت ہویدا ہوگی رسالہ کی ابتدا اس حقیقت حقہ سے ہوتی ہے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور تمام علمی وعملی سرگرمیوں کی غایت الغایات

---

[1] دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۲۷۹/۳) مطبوعہ تہران [2] خوانساری، روضات الجنات ص ۳۳۱ [3] محسن امین اعیان الشیعہ (۱۰/۴۴)

ہے یعنی صانع عالم کے وجود پر یقین جسے زبان شرع میں ایمان باللہ کہتے ہیں مصنف رسالہ فرماتے ہیں۔

"بدان وفقک اللہ تعالیٰ کہ جمیع عقلاء اتفاق دارند برآں کہ عالم موجود را صانعی ثابت و متحقق است"

پھر نظریہ وحدت الوجود کے اثبات میں مصنف نے عقلی و برہانی دلائل بھی دیے ہیں اور اس عقیدہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے قرآنی شواہد سے بھی استشہاد کیا ہے لیکن اس باب میں زیادہ اہم اول الذکر ہے یعنی نظریہ وحدۃ الوجود کا عقلی و برہانی دلائل سے اثبات، مصنف نے توضیح مقصد کے لیے اس سے پہلے ایک خاصی طویل تمہید دی ہے جس کے دو جزو ہیں، پہلا جز تین افادات پر مشتمل ہے۔

۱۔ افادہ اول کا کہنا ہے کہ ایمان باللہ ایک کائناتی حقیقت ہے جس پر جملہ عقلائے روزگار کا اتفاق ہے اور یہ عقیدہ ان کے قلوب میں اس درجہ راسخ ہے کہ بداہت کی حد تک پہنچ گیا ہے یعنی اتنا ہی بدیہی (Apriori) ہے جیسا کہ یہ حقیقت کہ کل اپنے جزء سے بڑا ہوتا ہے۔

۲۔ افادہ دوم کا کہنا ہے کہ اس عقیدہ کی ہمہ گیری کے باوجود باری تعالیٰ کی کنہ و حقیقت ہنوز پردۂ خفا میں ہے

راز ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود۔

۳۔ افادۂ سوم ایک تاریخی توجیہ ہے جو مفکرین عہد اسلام کی جماعت بندی سے متعلق ہے اس کی رو سے حصول معرفت باری کے دو طریقے ہیں استدلال یا کشف و شہود ـــــ پھر طالب معرفت یا کسی نبی کا پیرو ہوگا یا انبیاء و مرسلین کی اتباع سے بے نیاز ہوگا اس کے نتیجے میں مفکرین کی چار جماعتیں ظہور میں آئیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جو استدلال سے کام لیتے تھے متکلمین کہلائے۔

۲۔ لیکن اتباع رسول کے باوجود جو حضرات ریاضت و مجاہدہ اور کشف و شہود پر اعتماد کرتے تھے صوفیاء کرام کہلائے۔

۳۔ اتباع رسول سے بے نیاز ہو کر جن لوگوں نے نظر و استدلال سے کام لیا وہ حکماء مشائین کہلائے۔

۴۔ اور اگر موخر الذکر نے مجاہدہ و مکاشفہ پر بھروسا کیا وہ حکماء اشراقین کہلائے۔

ظاہر ہے یہ وہی تقسیم ہے جو حاجی خلیفہ (۱۰۱۷ھ-۱۰۶۷ھ) نے کشف الظنون میں حکمۃ الاشراق کے تحت دی اس لیے یا تو مصنف نے اس کے لیے حاجی خلیفہ کی خوشہ چینی کی ہے یا حاجی خلیفہ نے مصنف سے استفادہ کیا ہے یا پھر کسی تیسرے مشترک ماخذ کے رہین منت ہیں۔

دوسرے جزو کے افادات میں مرکزی حیثیت "موجود مطلق" کے تصور کی توضیح و تبیین کی ہے کیوں کہ نظریہ کا سنگ بنیاد یہی تصور ہے۔

وجود مطلق کے تصور کا تجزیہ کیا ہے اور کس طرح اس نے ارتقا کے منازل طے کیے اور پھر کس طرح یہ اسلامی فکر میں داخل ہوا بالخصوص صوفیہ کی فکری سرگرمیوں میں جن کے گراں منزلت نمائندے شیخ اکبر تھے جو اسلامی فکر میں اس عقیدے کے بانی یا لااقل ممثل اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل ایک تفصیلی جائزے کی مقتضی ہے مگر چونکہ اس عاجز کی عرض داشت کا مقصد صرف اس رسالہ کا تعارف کرانا ہے اس لیے دوسری تفصیلات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

بہر حال مصنف نے اس پوری بحث کا آغاز "وجود" کے مختلف مفاہیم و مصادیق کے ذکر سے کیا ہے۔ انھوں نے وجود کے صرف دو مصداق بتائے ہیں۔

۱۔ معنی مصدری جس کا مفہوم بودن یا شدن ہے یعنی ہونا۔

۲۔ دوسرا مفہوم وہ امر ہے جس کی بنا پر کوئی موجود ہوتا ہے۔

اس معنی کر وجود واجب کا بھی ہوتا ہے اور ممکن کا بھی۔ لیکن واجب تعالیٰ میں یہ وجود عین ذات باری ہوتا ہے مگر ممکن میں اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس طرح حسب تصریح شرح مواقف (الموقف الثانی المرصد الاول المقصد ثالث) اس باب میں تین مذہب ہیں: ۱۔ امام ابوالحسن الاشعری (۲۷۰ھ/ ۳۳۰ھ) اور معتزلہ میں سے ابوالحسین البصری (متوفی ۴۳۶ھ) کا کہنا ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں ماہیت (یا ذات) کا عین ہوتا ہے مگر حکماء کہتے ہیں کہ واجب میں تو عین ماہیت ہوتا ہے مگر ممکن میں غیر ماہیت۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ واجب اور ممکن دونوں میں وجود و ماہیت ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں اور وجود ماہیت پر زائد ہوتا ہے۔ مگر مصنف رسالہ نے ان مذاہب ثلاثہ میں سے صرف دو مذہبوں کو بیان کیا ہے۔ ازاں بعد انھوں نے اسم "اللہ" کے مسمّی کو متعین کیا ہے کہ:

اللہ عَلَم ہے ذات واجب الوجود کے لیے جو جمیع صفات کمالیہ سے متصف اور تمام سمات نقص و شین سے منزہ ہے۔

اس کے بعد اس ذات پاک کے باب میں جو اللہ کا مسمّی ہے تین مذاہب بیان کیے ہیں: متکلمین کا، حکماء کا اور صوفیائے کرام کا۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ذات نمبر ۱ جزئی حقیقی ہے نمبر ۲ خارج اور ذہن دونوں میں بسیط ہے اور نمبر ۳ اس کی صفات اس پر زائد ہیں (یہاں مصنف رسالہ وحدۃ الوجود نے جمہور علمائے علم کلام سے اختلاف کیا ہے کیوں کہ جب معتزلہ وغیرہ صفات کو عین ذات مانتے ہیں اشاعرہ لا عین ولا غیر کہتے ہیں۔)

حکماء کا بھی یہی مسلک ہے مگر وہ صفات کو عین ذات گردانتے ہیں۔ لیکن صوفیائے کرام کا مسلک جو تفصیل چاہتا ہے۔ مصنف نے اس باب میں ان کے تین فریق گردانے ہیں اور اس تفریق کا منشا واجب کے ساتھ ممکن کا اعتبار ہے چنانچہ ایک فریق متکلمین و حکماء کی طرح واجب تعالیٰ کو بھی جزئی حقیقی سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ جمہور اہل شریعت کی طرح ممکن کو بھی حقیقی

سمجھتا ہے جیسا کہ انھیں یک طرح واجب اور ممکن کو ایک دوسرے کا مغایر و مباین دوسرا فریق ممکن کو واجب تعالیٰ کا جزو حقیقی سمجھتا ہے مگر ممکن کا وجود نفس الامری نہیں سمجھتا بلکہ سراب کی طرح اسے محض گردانتا ہے، یا بالفاظ دیگر۔

ذات واجب نے صور متعددہ اور اشکال مختلفہ میں خود کو ظاہر کیا ہے۔ پس خارج میں ہو یا ذہن دونوں میں صرف وہی ذات موجود ہے۔ سب دوسرے موجودات جنھیں عرف عام میں ممکنات کہا جاتا ہے سو وہ معدوم محض ہیں اور ان کی موجودیت محض وہمی و خیالی ہے۔

لیکن اس تقدیر پر شریعت ہو یا قانون عمومی (Public Law) دونوں کے اوامر و نواہی باطل قرار پاتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود ہی نہیں تو پھر وہ کسے حکم دے رہا ہے کہ نماز پڑھ یا نیک کام کر اور کسے منع کر رہا ہے کہ برے کام نہ کر اور کسی کو قتل نہ کر۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اس لیے ایک تیسرا فریق کھڑا ہوا اور اس نے کلی و جزئی اور عینیت و غیریت کے امتیاز ہی کو ختم کر دیا ان کے نزدیک واجب تعالیٰ شانہ جزئی حقیقی نہیں ہے بلکہ وجود مطلق ہے لا بشرط شئی ہے یعنی اس میں کوئی قید و تقیید نہیں ہے رہے وہ موجودات جنھیں عرف عام میں ممکنات سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دوسرے فریق صوفیا کی طرح وہمی و خیالی نہیں ہیں بلکہ وہ بھی واقعۃً میں موجود ہیں مگر اسی واجب تعالیٰ کے اسی وجود (وجود مطلق) کے ساتھ۔

اسی طرح تمام موجودات (یا عرف عام کے ممکنات) عین باری تعالیٰ ہیں اور اسی کے وجود کے ساتھ موجود ہیں اور وجود مطلق لا بشرط شئی ہے اس نئے مذہب کے اختراع کے ساتھ انھوں نے اس معاشرتی اشکال کو مندفع کر دیا جو دوسرے فریق کے یہاں ممکنات کو اوہام و خیالات سمجھنے سے پیدا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے نیکی و بدی کا امتیاز ہی مٹ رہا تھا اور اباحیت مطلقہ کی ترویج و اشاعت کا راستہ صاف ہو رہا تھا۔

اس لیے انھوں نے اس وجود مطلق لا بشرط شئی کے ظہور کے لیے دو مرتبے اختراع کیے۔

۱۔ مرتبہ اطلاق جس میں وہ جملہ قیود و شرائط سے خالی اور متعالی ہے۔ اس مرتبہ میں وہ وجود مطلق معبود ہے، اور

۲۔ مرتبہ تقیید جس میں وہ تعینات و تشخصات سے متصف ہوتا ہے۔ یہاں وہ عابد و بندہ اور معبود حقیقی کے جملہ اوامر و نواہی کے بجا لانے کے لیے مکلف ہے اس طرح انبیاء و رسل کی بعثت و ارسال اور کتب مقدسہ الٰہیہ نزول و انزال کی ضرورت و افادیت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

وحدت الوجود یا Pantheism کی اس توجیہ کی رو سے عابد و معبود اور آمر و مامور میں واجب تعالیٰ

اطلاق میں وجود مطلق سے متصف ہے مگر ممکنات مرتبہ تقیّد میں اس سے متصف ہیں مصنف فرماتے ہیں کہ:

"مخفی نہ رہے کہ اس حیثیت میں وجود کا شعور بڑے سخت مجاہدہ اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔"

"وایں حیثیت مخفی می ماند و بعد مجاہدہ و ریاضت منکشف می شود"

اس کے بعد وہ وحدت شہود کی حقیقت بتاتے ہیں یہ ایک مخصوص کیفیت کا نام ہے جس کے نتیجے میں دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اس نور کے بریق و لمعان میں عرش سے لے کر فرش تک جملہ ماسوای باری تعالیٰ اسی طرح چھپ جاتے ہیں جس طرح سورج کی روشنی میں دوسرے ستارے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح ماسوائے باری تعالیٰ جملہ ممکنات موجودہ حقیقتاً موجود ہیں مگر وحدت الشہود کی رو سے عارف کی نظر میں نابود محض ہو جاتے ہیں۔ اور اسے صرف ذات باری تعالیٰ شانہٗ ہی کا شعور باقی رہ جاتا ہے۔

یہ تمہید تھی جسے مصنف علام نے نظریہ وحدت الوجود کی عقلی توجیہ کے لیے قائم کیا تھا انھوں نے اس طول طویل تمہید کا خلاصہ آخر میں بدیں طور دیا ہے۔

اللہ۔ علم ہے ذات واجب الوجود کے لیے۔ اور اس ذات کے بارے میں اختلاف ہے۔

۱۔ حکماء و متکلمین کے نزدیک یہ ذات مستجمع الصفات جزئی حقیقی ہے اور جملہ موجودات حقیقۃً موجود ہیں اور واجب تعالیٰ سے مباین و مغائر ہیں۔ ۲۔ صوفیاء کرام کے اس باب میں دو گروہ ہیں۔

(الف) ایک گروہ واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی قرار دیتا ہے اور موجودیت کو صرف اسی ذات واجب تعالیٰ میں منحصر گردانتا ہے رہے ممکنات تو وہ واہمۂ محض ہیں اور ان کا وجود اعتباری ہے۔

(ب) دوسرے گروہ کے نزدیک واجب الوجود کی حقیقت وجود مطلق ہے جو نہ عام ہے نہ خاص اور تمام شرائط قیود سے منزہ متعال ہے۔ رہے ممکنات (یا عالم خارجی) تو وہ بھی اسی وجود مطلق کے ساتھ موجود ہیں (مگر مرتبہ تقیّد میں) اس طرح واجب و ممکن من وجہ عین یکدیگر ہیں اور من وجہ ایک دوسرے کے غیر و مباین۔

مصنف اسی توجیہ کو اختیار کرتے ہیں کیوں کہ یہ جامع شریعت و طریقت ہے اور سر مو جادۂ مستقیم سے متجاوز نہیں ہے۔ اس خلاصہ مقال کے بعد انھوں نے نفس مسئلہ یعنی نظریہ وحدت الوجود کے اثبات کو لیا ہے مگر یہاں انھوں نے منطقی ثبوت کے بجائے تمثیل سے کام لیا ہے۔ اور واجب تعالیٰ کو وجود مطلق ثابت کرنے کے لیے موجودات کے مراتب وجود کی صف بندی (Classification) کی ہے اس کے لیے انھوں نے پہلے اشیاء منورہ کے اشراق و درخشانی کی صف بندی کی ہے کہ ان اشیاء منورہ کی نورانیت میں تین مراتب ہیں۔

مرتبہ اوّل جیسا کہ ایسی روشن چیزیں جو نور سے منور ہوں جبکہ نور کسی غیر سے حاصل کیا ہو جیسے وہ زمین کہ وہ نور سے روشن ہوتی ہے جسے وہ سورج سے حاصل کرتی ہے۔ منوریت کا ادنیٰ ترین مرتبہ ہے۔

ظاہر ہے اس مرتبہ میں شئے منور سے نور کا انفکاک ہٹنا خارجاً جائز و واقع ہے ہم یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ زمین موجود ہو مگر اندھیری ہو کہ اس کی روشنی معدوم ہو اور واقعتاً بھی ایسا ہوتا ہے رات کے وقت زمین موجود ہوتی ہے مگر اندھیری اور نور سے خالی۔

مرتبہ دوم۔ شئے منور ایسے نور سے روشن ہو جو خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہو کسی غیر سے حاصل و مستفاد نہ ہو یا بہ الفاظ دیگر شئے میں نور نہیں ہوتی۔ اس کی مثال خود سورج ہے کہ اس کی روشنی خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہے بایں ہمہ سورج اور شئے ہے اور اس کی روشنی شئے دیگر۔

اس طرح یہ نور آفتاب خارج میں آفتاب سے جدا اور منفک نہیں ہو سکتا مگر چونکہ نور آفتاب کا غیر ہے اسلئے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر ذہناً نور کا آفتاب سے انفکاک ممکن ہے اگرچہ خارج میں یہ جائز نہیں۔

مرتبہ سوم۔ شئے منور خود اپنے ہی نور سے روشن ہو اور اپنی نورانیت میں کسی اور چیز کی محتاج نہ ہو اس کی مثال خود نور کی ذات سے ہے کہ اپنی ذات ہی کی بنا پر منور ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں ظاہر و عیاں ہے اور اپنے ظہور کے لیے کسی دوسرے نور کا جو اس کے کسی غیر سے حاصل ہو محتاج نہیں ہے۔ اس نور کا انفکاک خود سے نہ خارجاً جائز و ممکن ہے اور نہ ذہناً کیونکہ کوئی شئے اپنی ذات سے منفک نہیں ہو سکتی۔

ان مراتب سہ گانہ کا ایک مرتبہ پھر گوشوارہ دیتے ہیں۔

مرتبہ اوّل میں وہ روشن چیز منور بالغیر ہوتی ہے جیسا کہ زمین جو سورج کے نور سے منور ہے یہاں تین چیزیں ہیں زمین روشنی اور آفتاب اور تینوں باہم متغائر ہیں۔

مرتبہ دوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے جیسا کہ آفتاب منور بالذات ہوتا مگر وہ نور غیر سے حاصل ہوتا ہے یعنی نور سے اس مرتبہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں آفتاب اور نور جو دونوں باہم مغائر و متباین ہیں۔

مرتبہ سوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس نور سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود اس کی ذات ہی ہوتی ہے یعنی نور۔ اور یہ مرتبہ افضل ترین مرتبہ نورانیت ہے۔

اسی تمثیل کی بنیاد پر مصنف نے موجودات کی صف بندی کی ہے۔

مرتبہ اوّل میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اسے موجد سے حاصل ہوتا ہے اس مرتبہ میں تین چیزیں ہیں موجود

وجود اور موجود اس مرتبہ میں موجود اپنے وجود سے خارجاً نیز ذہناً منفک اور جدا ہو سکتا ہے۔

مرتبہ اوسط میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اس کی ذات کا مقتضی ہوتا ہے جس طرح متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ جو بذات خود مقتضی وجود ہے۔ اس مرتبہ میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں۔ موجود مقتضی اور وجود جو اس موجود حقیقی (واجب الوجود) کا مقتضی ہے اور ان دونوں میں خارجاً انفکاک ناممکن ہے اگرچہ ذہناً ممکن ہے۔

مرتبہ اعلیٰ میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو خود ذات موجود کا عین ہوتا ہے۔ یہ وجود نہ اس موجود عالی کا غیر ہے اور نہ اس کے غیر سے مستفاد ہے اس لیے اس مرتبہ میں نور کی طرح ایک ہی چیز ہے یعنی وجود مطلق اور اسی طرح یہاں بھی وجود مطلق کا خود اپنے وجود سے انفکاک خارجی اور ذہنی دونوں میں محال اور ناقابلِ انفکاک ہے اور یہ موجودیت کا افضل ترین مرتبہ ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ عقل حاکم ہے کہ واجب تعالیٰ مراتب وجود کے ساتھ متصف ہو اور موجودیت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ بنفسہٖ و بذاتہٖ موجود ہو یعنی اپنی ہی ذات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری اشیاء کی موجودیت اسی کی محتاج ہو۔ اور موجود بنفسہٖ وجود مطلق ہے جس کی تفصیل اوپر گزری۔

پس واجب تعالیٰ عین وجود مطلق ہے جو مرتبہ اطلاق میں معبود اور مرتبہ تقیید و تنزل میں عابد ہے۔ آخر میں ہم تمام استدلال کا خلاصہ بدیں طور بیان کرتے ہیں۔

• چاہیے کہ واجب تعالیٰ اتم و افضل ترین مراتب وجود سے متصف ہو مگر وہ اتم و افضل ترین مرتبہ موجودیت صرف وہ وجود ہے جو بنفسہٖ و بذاتہٖ موجود ہے جو اپنی موجودیت میں کسی دوسری شے کا محتاج نہیں ہے۔ پس حقیقتاً واجب نہیں ہے مگر وجود مطلق جو موجود بنفسہٖ ہے اور باقی جملہ اشیاء اسی سے موجود ہوتی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ واجب الوجود وجود مطلق ہے جو بنفسہٖ موجود ہے اور باقی دوسری اشیاء اسی وجود سے موجود ہیں جیسا کہ نور جو بنفسہٖ روشن ہوتا ہے اور تمام دوسری اشیاء اس سے روشن ہوتی ہیں۔ اپنے موقف کو زیادہ مستحکم بنانے کے مصنف نے رسالہ کا اختتام شواہد قرآنی سے کیا ہے مگر ان کی تفسیر و تاویل میں اہل شریعت سے اختلاف ہو سکتا ہے اس لیے ان کے بیان سے صرف نظر کرنا ہی مستحسن ہوگا آخر میں صاحب اعیان الشیعہ کے اس تبصرہ کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے مصنف کی فلسفیانہ کتابوں کو دینی اور دینی کتابوں کو فلسفیانہ بنا ڈالا ہے "فعد من کتبہ الفلسفیۃ کتبا دینیا وعد کتبہ الدینیۃ کتبا فلسفیۃ" اور یہ واقعہ ہے کہ اس طرح کی کلام کو زندہ کرنا تجربہ ایسا نہ تو شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے اور نہ حکیمانہ تحقیق میں کوئی کوتاہی رہنے پائے اپنی جگہ ایک اہم علمی ضرورت کا درجہ رکھتا ہے جس کے لیے بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

رسالهٔ وحدت الوجود

بدان وفقك الله تعالی که جمیع عقلا اتفاق دارند بر این که عالم موجود را صانعی ثابت و متحقق است و شهرتش
بدرجه رسیده که از جمله بدیهیات شده و نیز اتفاق دارند بر این که معرفت کنه واجب از طاقت بشر و ملک بیرون است
کما قال عَلَیْهِ السَّلَامُ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ و ظاهر است که سعادت عظمی برای نفس ناطقه معرفت واجب
است بقدر طاقت بشریه و طریق تحصیل این معرفت یا نظر و استدلال است و یا ریاضت و مجاهده و اهل نظر اگر متبع کلام
نبی باشند فَهُمُ الْمُتَکَلِّمُوْنَ وَ اِلَّا فَهُمُ الْحُکَمَاءُ الْمَشَّائِیُّوْنَ و اهل ریاضت و مجاهده اگر متبع نبی باشند فَهُمُ
الصُّوْفِیَّةُ الْمُتَشَرِّعُوْنَ وَ اِلَّا فَهُمُ الْحُکَمَاءُ الْاِشْرَاقِیُّوْنَ و نیز مصرح است که لفظ وجود گاهی اطلاق کرده
میشود بر معنی مصدری که تعبیرش در فارسی بودن و شدن است و این امر اعتباری است و گاهی اطلاق کرده میشود بر وجود
خارجی که عبارت از وجود ما به الموجودیه است یعنی وجودی که بسبب آن جمیع اشیا موجود اند و این وجود در واجب
عین ذات است یعنی ذات همان وجود است و وجود امر زائد بر ذات نیست چنان که در ممکن این وجود زائد بر ذات
است یعنی ممکن را ذاتیست و وجود امر دیگر است که او را عارض شده و معنی اول یعنی معنی مصدری نه عین نه غیر زیرا که امر اعتبا
ری است (یعنی وجود ما به الموجودیه نزد بعضی عین ذات و نزد بعضی غیر و وجود مصدری صلاحیت این عینیت و غیریت
ندارد زیرا که امر اعتباری است) و ایضاً بدان که الله عَلَمٌ است برائی ذات واجب الوجود که جامع جمیع صفات
کمال باشد و منزه از صفات نقصان و این ذات که لفظ الله برائی او موضوع شده نزد متکلمین عبارتست از
جزئی حقیقی بسیط در خارج و ذهن و جمیع صفاتش زائد بر ذات اند و انفکاک آنها از ان محال و جمیع عالم که عبارت از
ماسوی الله است موجود واقعی و نفس الامری هستند و با واجب مباین و غیر محض چه غیریت در واجب و ممکن بدیهی است
و آن ذات نزد حکیم هم جزئی حقیقی و بسیط است و همه ممکنات موجود اند حقیقةً و با ذات واجب مغایر محض لیکن صفات عین
ذات اند پس فرق در مذهب حکیم و متکلم این است که حکیم صفات را عین ذات میداند و متکلم غیر و نزد متکلم جمیع عالم حادث
است و نزد حکما بعضی اشیا قدیم اند مثل افلاک و عناصر و غیره و ماسوی اینها حادث و هر دو متفق اند بر این که ممکن موجو

عبارت بین القوسین عبارت حاشیه است. تغییر جمله متقدم. از غلطی کتابت شامل متن گردید - ۱۲

است حقیقةً و مباین واجب و معنی زیادت صفات بر ذات که مذهب متکلمین است این است که ذات چیزی دیگر
و صفت چیزی دیگر مانند سیاهی و جامه چنانکه علم ما (علم ما[1] یعنی چیز دیگر و زائد بر ذات منضم بذات ما) طیفوا نیست
هم چنان علم واجب غیر ذات واجب یعنی در علم زید ذات ما کافی نیست ما دام که صفت یعنی "صورت علمیه" با یشتم
بذات ما نشود علم زید حاصل نشود و عینیت صفات باذات عبارتست از کافی بودن ذات در آثار صفات چنانکه
واجب را سمع و بصر بلا وساطت آله حاصلست هم چنان علم جمیع ممکنات بلا انضمام کدام صفت حاصلست
جمیع صوفیه اتفاق دارند برین که صفاتش عین ذات اند بمعنی عینیت ذات با صفات لکن بعضی از صوفیه واجب الوجود را جزئی حقیقی گفته
مثل متکلم و حکیم و ممکن را مباین واجب و موجود واقعی میشمارند بعضی ایشان واجب را جزئی حقیقی میگویند و ممکنات
و موجودات را موجودات نفس الامریه نمی شمارند بلکه نزد ایشان همه وهم و خیال است مثل سراب و ذات واجب در
صور متعدده و اشکال مختلفه خود را وا نموده و همان ذات در خارج و ذهن موجود و موجودات معدوم محض و موجودیت
ایشان وهم و خیال و این هم وحدت وجود است لیکن برین تقدیر امر و نهی و بعثت رسل باطل می شود زیرا که ممکنات که ادها
و خیال انصلاحیت این امور نمیدارند و این مسلک خلاف کتاب و سنت است و نزد بعضی از صوفیه واجب الوجود
وجود مطلق است که دران هرگز کدامی قید نباشد و جمیع موجودات در واقع موجود اند لیکن بهمان وجود واجب یعنی جمیع موجو
در مرتبه خود بوجود واقعی دارند لیکن موجودیت ایشان بهمان وجود مطلق است که آن واجب است و همین است معنی وحدت
وجود و نزد ایشان یعنی نزد صوفیه قائل وحدت وجود واجب تعالیٰ جزئی حقیقی نیست بلکه وجود مطلق[2] است و تمامی ممکنات عین ا
هستند و بوجود او موجود اند و آن وجود مطلق قابل تقییداست پس آن وجود مطلق در مرتبه اطلاق (یعنی در مرتبه خلو
معبود و در مرتبه تقیید[4] عابد پس حاصل شد فرق در عابد و معبود یعنی آن وجود مطلق دو مرتبه دارد اطلاق و تقیید در اول معبود و در ثانی عابد
آن وجود مطلق در مرتبه اطلاق حکمی دارد که در مرتبه تقیید یافته نمی شود چه در مرتبه اول معبود و حی و لمیت است و عذاب دہندا

---

[1] عبارت حاشیه است کما سبق۔ ۱۲

[2] یعنی مفهوم واجب الوجود کلیست و مصداقش جزئی یعنی امر که برو این مفهوم صادق می شود جزئی حقیقی است
یعنی قابل تعدد و تکثر است و مفهومش کلی یعنی قابل تعدد و تکثر نیست۔ ۱۲

[3] یعنی وجود خالی از قیود۔ ۱۲

[4] یعنی همای وجود وقتیکه از مرتبه اطلاق تنزل نمود و در مرتبه تقیید آمد عابد شد۔

مرتبهٔ ثانیه یعنی تشبیه با وجود تعلق صفات با مخلوقات بهر حیثیت با معانی بشریت وصف ناقص است و بتدریج همه این حیثیت ها
پیمانه و بعد با همه وجه صفات منکشف می شود و معنی وحدت شهود آن که بقلب عارف نوری پیدا می شود که در آن نوعیت ماسوی
الله از عرش تا فرش منکشف نمی گردد و اگرچه همه اشیاء موجود اند چنان که جمیع ستارگان موجود اند وقت طلوع شمس مخفی می شوند و در وقت
معدوم نیستند خلاصه این که الله اعلم است ذات واجب الوجود را و درین ذات اختلاف است نزد حکماء و متکلمین تعدد ذات جزء
حقیقی است و میان ممکنات و جمیع ممکنات موجود حقیقةً و نزد بعض صوفیه واجب جزئی حقیقی و میان ممکنات و ممکنات
موجود و اتی هستند و نزد بعضی از صوفیه واجب جزئی حقیقی و موجودیت منحصر در ذات واجب و ممکنات اعتبارات و خیالات و نزد بعضی
واجب وجود مطلق است و آن وجود نه عام است و نه خاص مبرّا از جمیع قیود است و تمام عالم موجود باین وجود است و باه
من وجه عین و من وجه غیر و این مسلک جامع شریعت و طریقت است و شرح از جادهٔ مستقیم تجاوز نمی دارد۔

دلائل وحدت وجود۔ — اشیاء منوّره در نورانیت سه مرتبه دارند یعنی هر چیز که روشن است از سه مرتبه
نباشد اول این که روشن باشد بنوری که مستفاد و حاصل از غیر است چنان که زمین که روشن است از نور آفتاب و این مرتبه ادنی
مراتب است و درین مرتبه زوال نور از منور ذهناً و خارجاً جائز و ممکن است زیرا که تاریکی زمین بعد زوال نور آفتاب ممکن و واقع دوم
شئ منور روشن باشد بنوری که این نور مقتضای ذات منور است یعنی ذات منور آن نور را می خواهد و آن نور از چیز دیگر سوای آن
حاصل نیست لیکن آن نور غیر آن منور است چنانکه جرم آفتاب که روشن است بنور خود و نور آن از غیر حاصل نیست بلکه ذات آفتاب نور را می
و آن نور از آفتاب در خارج ممتنع الانفکاک است چون که غیر آفتاب است تصور یکی بغیر دیگری ممکن است و این مرتبه از مرتبه اول فوقیت دارد
درین مرتبه انفکاک نور و منور در ذهن ممکن است و در خارج جائز نیست و در مرتبه اولی انفکاک در ذهن و خارج جائز است
سوم این که منور بذات خود روشن باشد و در روشنی خود محتاج بجزء دیگر نباشد چنان که ذات نور که بذات خود بر دیده
ظاهر و پیدا است و در ظهور خود بنور دیگر که از غیر حاصل شود یا مقتضای ذات باشد محتاج نیست و الا لازم الدور
و این مرتبه بالاتر از هر دو مرتبه است زیرا که درین مرتبه انفکاک نور از منوّر ذهناً و خارجاً ممتنع است چه منور عین نور
از نفس خود منفک نمی شود خلاصه این که منور یا منور بالغیر است چنان که وجه ارض که از آفتاب روشن است درین مرتبه
است منور یعنی وجه ارض و نور و آفتاب و هر سه باهم متغایر یا منور بالذات است بنوری که آن نور غیر منور است چنانکه

سله ای الیا له که تا به همان وجود است لیکن تقیید زائل شده ۱۲ سله من وجه الخ یعنی ازین رو که احکام و آثارات به
مغائر اند ۱۲

منور بنور است و دریں مرتبه دو چیز است یکی آفتاب دوم نور و هر دو باهم متغایر با منور بالذات است بخلاف آنکه آن نور عین منور
است و دریں مرتبه جز یک چیزی حاصل نیست و آن وجود نور است و خود منور و چنانکه اشیای منوره را در نورانیت
سه مرتبه هستند هم چنان موجود را در موجودیت سه مرتبه اند یکی ادنی و دیگر اوسط سیوم اعلی موجود ادنی آنکه
موجود باشد بوجود یکه از غیر حاصل باشد مانند ماهیات ممکنه که وجود ایشان غیر ایشانست و حاصل است از موجد
دریں مرتبه هر سه امر متغایر باشند موجود و وجود و موجد و انفکاک و جدائی وجود ازین موجود در ذهن خارج ممکن بلکه متحقق
است موجود اوسط آنکه موجود باشد بوجود یکه این وجود مقتضای ذات باشد چنانچه واجب الوجود بمذهب متکلمین
که بذات خود مقتضی وجود است و دریں مرتبه دو چیزی که موجود مقتضی دوم موجود مقتضی و انفکاک در خارج ممتنع
است اما در ذهن جائز است و این مرتبه از اول بالاتر است زیرا که دریں مرتبه انفکاک وجود از موجود در خارج ممتنع اما
ذهن جائز است بخلاف اول که انفکاک وجود از موجود در خارج و ذهن جائز است بلکه وافع و موجود اعلی آنکه موجود باشد
بوجود یکه عین موجود باشد و وجودیکه عین ذات موجود است نه غیر ذاتش و نه از غیر مستفاد و انفکاک وجود ازین محال
در ذهن خارج ممتنع است چنانکه نور بذات خود روشن است و نورانیت دیگر اشیاء بنور است هم چنان وجود بذات خود
موجود و موجودیت دیگر اشیاء بهمان وجود است و عقل سلیم حاکم است که واجب تعالی بر اعلی مراتب موجودیت باشد
و اعلی مراتب موجودیت این است که موجود بنفسه باشد و موجودیت دیگر اشیاء باو باشد و موجود بنفسه نیست مگر
مطلق پس واجب عین وجود مطلق باشد که در مرتبه اطلاق وجود او در مرتبه صفت تقیید و تنزل عابد است خلاصه این که واجب باید که بر اتم مراتب موجودیت
باشد که ماورا و آن ممکن و متصور نباشد و اتم مراتب موجودیت یافته نمی شود مگر در وجود یکه او موجود بنفسه است و در موجودیت
خود بدیگر اشیاء احتیاج ندارد بخلاف دیگر اشیا که در موجودیت خود بوجود دیگر احتیاج دارند پس حقیقت واجب نیست مگر وجود
مطلق که موجود بنفسه است و جمیع اشیاء آن موجود بسبب ثابت شد که واجب الوجود مطلق است که بنفسه موجود است و موجودیت دیگر
بهمان وجود است چنانکه نور منور بنفسه است و تمامی اشیا بآن روشن این است دلیل عقلی در اثبات وحدت وجود و
از شواهد قرانیه بیه مذکوری شود قال الله تعالی "هو الاول والاخر والظاهر والباطن" (الحدید)
و در این آیه حصر صفات اربعه در واجب است و آن حصر صحیح نیست مگر بر تقدیر وحدت وجود زیرا که بر تقدیر وجود غیر او
هم یکی از صفت این صفات اربعه متصف خواهد شد و این مبطل حصر است و این معنی متبادر است و دیگر تاویلها است قال
تعالی "اینما تولوا فثم وجه الله" یعنی هر جا که روی آرید پس آنجا ذات حق است و بودن ذات حق هر جا ممکن نیست مگر
که غیر الله با وجود نیست و الا هر جا ذات حق نباشد قال تعالی "اذا سألک عبادی عنی فانی قریب" د

از قرب و معیت نیست مگر احاطهٔ ذاتیه که آں عبارت از اتحاد وجود است قال الله تعالی الله معکم اینما کنتم یعنی معیت هم عبارت از احاطهٔ ذاتیه است کما قال لبید الا کل شیءٍ ما خلا الله باطل[1] و قول علی علیه السلام هم برین حق دلالت دارد مع کل شیءٍ لا بمقارنة و غیر کل شیءٍ لا بمزایلة یعنی الله تعالی با جملهٔ اشیاء نه عین محض است که تفاوت تعین هم نداشته باشد بلکه عین اشیاء است لیکن فرق اعتبار تعین است و میز آنها الغیریت بحث و قول صدیق اکبر رض ازین قبیل است مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَأَیْتُ الله فِیهِ[2] کذا نقل فی الکتب المعتبرة و الله اعلم و علمه اکمل و اتم سبحانک ما عرفناک حق معرفتک فقط۔

بفضل خداوند ابالفضال و ببرکت ذات رسول برحق و نبی مقبول این رسالهٔ وحدة الوجود از دست فقیر سراپا خطا و تقصیر در مدت چند ایام که در بعض اوقات از آن صرف کتابت نموده شد صورت اختتام پذیرفت و بتاریخ ۱۹ محرم الحرام سنه ۱۳۱۲ قبل انتصاف خلعت اتمام گرفت الکاتب العاصی الآسی محمد محسن العباسی جعله الله فی جنت القائم والراسی من مکناء البلدة المعروف و المشهور امهی الجور کبیر۔

---

[1] شعر۔ الا کل شیءٍ ما خلا الله باطل — و کل نعیم لا محالة زائل
این شعر لبید است و رسول علیه السلام تعریف این شعر کرده و فرموده احسن کلمة قالها لبید و بعضی هم را حدیث گویند۔

[2] و رأیتُ اللهَ فیهِ۔

ا ب فضیل احمد قادری
ایجوکیشن ریسرچ فیلو، پٹنہ

مولانا آزاد لائبریری

میں

تصوّف کے دو اہم مخطوطات

① سرور الصدور و نور البدور

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ڈالی اور ان کے خلفا نے اسے پروان چڑھایا۔ خواجہ معین الدینؒ کے دو اہم خلفا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور صوفی حمید الدین ناگوری تھے۔ اول الذکر نے دہلی کو اپنا مستقر بنایا اور سلسلے کی ترویج کی۔ مؤخر الذکر ریاست راجپوتانہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ بڑی سادہ زندگی تھی۔ ایک بیگھہ زمین تھی جس کی کاشت کرتے تھے۔ ایک چادر باندھتے تھے اور دوسری کمر سے اوپر پڑی رہتی تھی۔ بیوی کو دوپٹہ میسّر نہیں تھا۔ سبزی کھاتے تھے اور گوشت سے پرہیز تھا۔ کبھی نذر و فتوح قبول نہیں فرماتے اور فقر میں فخر محسوس کرتے۔ زبان ہندوی میں گفتگو فرماتے۔ الغرض شیخ ناگوری کی زندگی خالصتاً ہندوستانی تھی۔ اور اس سرزمین کی سادگی کی مظہر بھی۔

شیخ ناگوری نے طویل عمر پائی۔ آپ کا وصال ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء میں ہوا۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کے صاحبزادے شیخ عزیز الدین سعید کا انتقال ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے اپنے پوتے شیخ فرید الدین محمود کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ شیخ فرید الدین کے ایک صاحبزادے نے شیخ ناگوری کے ملفوظات مرتّب کیے اور اس کا نام سرور الصدور و نور البدور تجویز فرمایا۔ ذخیرہ حبیب گنج میں اس کا ایک نسخہ ہے، اس کا نمبر ۲۱ ہے، اوراق ۹۴ ہیں اور سطور ۱۷ ہیں جسے ۱۳۰۱ھ میں مولانا انوار الحق دہلوی نے نقل کرایا تھا اور ناگور سے ایک نسخہ منگوا کر اس کی تصحیح فرمائی تھی۔ کتاب پر جگہ جگہ حاشیوں پر مولانا کی تحریر موجود ہے:

" این یک مقدمہ از کلمات طیبات شیخ بزرگ قدس اللہ روحہ العزیز از ابتدا برای تیمن و تبرک نبشتہ شد بعد ازین فوایدی کہ از لفظ مبارک و نفس متبرک شیخی و مخدومی و والدی سلطان سلاطین المشائخ قطب الاولیاء قدوۃ الاصفیا، اسوۃ السالکین، امام المحققین ہادی المریدین، ملک المفسرین، ختم المذکرین، تاج الملوک والسلاطین وارث الانبیاء والمرسلین فرید الحق والملۃ والشرع والدین محمود بن سعید بن محمد الصوفی السعیدی افاض اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان واسکنہ اللہ

علی درجات الجنان مع النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین کہ شنیده است از فصیح و دقائق و امثال و حکایات و لطائف و نکات و رموز و اشارات و صریح و کنایات تہ چند انگار شنیده شده است از آن بہشت۔ ۔ ۔ اما ہمان مقطعی از در خاطر فاتر گنجیده است و فہم قاصر آنجا رسیده است و معلوم شده و در دل یاد مانده۔"

چند اقتباسات

مجلس اوّل۔ الخامس من جمادی الاولیٰ سنہ سبع و عشرین و سبعمائة در خواندن قرآن و ترغیب می کردند در آن فرمودند کہ ما تمام است روز بخدمت شیخ در خواندن مشغول می بودیم و یک ساعت بیکار نمی بودیم و از اوّل تا آخر در خدمت شیخ بوده می شد۔ ہرگز در مجلس ایشان ذکر دنیا نبودی و احوال و حکایات دنیا شنیده نشدی۔ فرضی اتفاق کہ ہم ایشان ذکر دنیا نکردندی یا یاران دیگر ہم فرمودند کہ را چہ حال بودی کہ ذکر دنیا کردی۔ ہمین فائده بودی کہ از خدا و رسول می فرمودند و یاران می شنیدند۔[1]

فرمودند کہ می گویند جد ما بزرگ مردی مستغرق بود۔ چون والد شیخ محمد الصوفی بود در فترت کفر از لاہور در دہلی آمد این مرد اگر او خبر شود پلا ہم در دہلی چنانکہ می بودند تا شیخ بزرگ فرمودی قدس الله روحه کہ اوّل کسی کہ از بعد اسلام در دہلی زاده شده من بودم مسقط الراس شیخ در دہلی است۔ شیخ را ہم بارہا آنند خدمتگاه کہ در دہلی روند۔ ما را کہ در دہلی آوردند۔ مگر میراث ایشان رسید۔ مگر جدم ہم جد شیخ بزرگ دختر خود را گفته بود گلوا منجم بود کہ ای دختر این بار تو فرزند نرینہ بزاید و آورد۔ شیخ کہ در شکم بود و نشان گفته بود کہ فلان فرزندی بخواهد بود۔ نیمہ اندام او سبز خواهد بود و سینہ بیرون آمده و سینہ او پر علم خواهد بود۔ اما بعد نقل من بزاید از گفته بعضی کہ مادر شیخ این سخن بشنید۔ نزدیک خانہ پدر حوضی بود۔ خود را در ان حوض انداخت و گفت کہ من فرزندی چہ خواہم کرد کہ بعد از پدر خواہد آمد۔ و لیکن ہمچنان از حوض بسلامت بیرون آوردند۔ و بعد از چند ماه شیخ متولد شد ہمچنان کہ جد ایشان نشان داده بود کہ فرزند نرینہ و سینہ بیرون و نیمی اندام سبز ما ہم می دیدیم کہ نیمی اندام مبارک ایشان سبز و سینہ گشاده و بیرون آمده بود۔[2]

بعد از ان در بندگی جده علیها رحمة الله علیها می فرمودند کہ بغایت عورتی عالی ہمت و صاحب کرامت بود۔ سخن ضمیر ہم بگفتی و حاجتمندان را دستگیری کردی۔ جوال پر بود۔ پسر خوانده وقتی ملکی در سفر گرفتار آمد۔ از این جوال را بہانه بگرفت و مال از وی او طلب نمود۔ جوال بخدمت جده آمده و شد بسیار داشت۔ بخدمت ایشان در آن حال بیامد گفت بی بی این ملک مرا گرفته است و می خواهد کہ مصادره کنید۔ شما چہ می گویید کہ من از در خلاص خواہم یافت یا مال بخواهد ستد۔ میگویند این

۱۔ سرور الصدور ورق [illegible]، ۲۔ ایضاً ورق [illegible]

ت بی بی بر سر جغرات نشسته روغن می کشید۔ فرمود که خلاص نخواہد بود بلکه ہمه مال تو نخواہد گرفت۔ بقال گفت ہ، با زگیاں گوۃ
ته یعنی این ساعت چک (چکی) میزوند بر جغرات وچک برای آن زنند تا روغنی که در جغرات باشد ہمه را بکشند تو ہم ازین
ت آمدی حال تو نیز این باشد، چنانکه درین جغرات روغنی نخواہم گذاشت مال تو ہمچنان ملک نخواہد گذاشت[۱] ... "

" و ہم وصیت شیخ قدس اللہ روحه العزیز است که بر روح من چیزی نخواہید۔ باید که گوسفند پید گفتم باباگو
لوتہ از بازارگاہ بخریم، فرمودند ہمه باشد آنقدر که شما از بازار نخرید۔ ایشاں بجای آں گوسفند دیگر کشته عرض این
ہ است نخواستند که از برای ایشان جان بجان شود[۲]"

واین ہم شیخ بسیار گفتی لقد احسن اللہ فیما مضیٰ کذلک یحسن فیما بقی وصیت ہمه را این پسندہ
ست که جدہ علیه الرحمة یا والد علیه الرحمة فرمودہ است که عزیز: " بھلو ہوئیں، برُ دمت ہوئیں سب کو پیار موئیں"

ولہذا ازین زحمت از بصحبت بیدل شدہ بودہ که سلطان محمد بن تغلق شاہ خلق را اولی گردِ تغلق
راف ہمه در شہر آورد۔ خدمت مخدوم العالم را نیز طلب شدہ در رحمت و بخشش بی نہایت مشرف گشته۔ و برای کار خ
لہ سلطان محمد دختر خونبیه شیخ را دادہ و برای کار خیر در دولت آباد فرستادہ وکار خیر کردہ در شہر آمدہ مرحمتہا شدہ
ر ولایت ناگور یافته یک صدہ انعام شدہ چندگہ درین نعمت و راحت بودہ وآخر الامر برحمت حق تعالیٰ رسیدہ[۳]"

" شاید که حق تعالیٰ ولی را یا کسی را پیدا آرد که عمارتی و مقامی برای درویشان بکنید بدہ۔ این سودای که ناگور
دارد و ہیچ شہری این سواد ندارد۔ دہلی ہم ندارد واجمیر ہم ندارد وکسی قدر ناگور چه داند که چیز است[۴]۔

دوہرہ: اوکہنہ بھن دھن گئی دوہی برہین ∴ اوکہند دیک بجانئی بار نہ بھجی تین

الفاظ ہندوی در سرور الصدور: تغال، کھیچڑی، کھٹ، چک یا چکی[۵]

اشعار حمید الدین ناگوری:

مست شدی جستن خمار چیست ∴ بسته شدی گفتن اسرار چیست[۶]

تا نه خری عشق بجای حمید ∴ رفتن بیہودہ ببازار چیست

سرور الصدور میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آئے ہیں۔

عوارف المعارف، تفسیر زاہدی، کشف المحجوب، تعریف بدری، مشارق الانوار، احیاء العلوم، منہاج العابدین

---

[۱] "سرور الصدور" ورق ۴۴ (الف)۔ [۲] ایضاً ورق ۴ (ب)۔ [۳] ایضاً ورق ۳۰ (الف)۔ [۴] ایضاً ورق ۳۲ (ب)۔ [۵] ایضاً ورق ۴۶ (الف)۔ [۶] ایضاً ۴۶ (ب)۔

فوائد الفواد، تفسیر کشاف، تفسیر مدارک، تفسیر مقاتل، کیمیائے سعادت، تمہیدات عین القضاۃ، مقامات ابو سعید، نہج البلاغت،
قوت القلوب، فصوص الحکم۔

② احسن الشمائل

دوسرا اہم مخطوطہ شیفتہ کلکشن میں ہے، جس کا نمبر ۵۷ ہے اور کتاب کا نام احسن الشمائل ہے
یہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے حالات میں ان کے مرید خواجہ کامگار خاں کی تصنیف ہے جو مصنف نے مولانا
ضیاء الدین نخشبی کی شہرۂ آفاق تصنیف چہل ناموس کی طرز پر لکھی ہے۔

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی (م ۱۰۲۷ء) پورب کے رہنے والے تھے اور اوائل شباب میں دہلی جاکر ش
کلیم اللہ جہان آبادی کے مرید ہوئے اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شاہ صاحب کو شاہ نظام الدین سے ایک خاص لگاؤ
اور شاہ نظام الدین کو اپنے پیر و مرشد سے والہانہ محبت۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی نے چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت
شاہ نظام الدین کو دکن روانہ فرمایا۔ جہاں وہ مختلف مقامات پر سلسلہ کی ترویج میں مشغول رہے اور بالآخر او
میں مستقل قیام فرمایا۔

اٹھارہویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ شاہ کلیم اللہ کی قیادت میں ہوئی، مگر اس سلسلے کی نشر و
اشاعت میں شاہ نظام الدین نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان کی شخصیت بڑی پرکشش تھی اور زندگی ب
شاہ و گدا سب سے برابری سے ملتے اور چھوٹے بڑے سب کو گھر سے ہوکر خوش آمدید کہتے۔ ایک اندازے کے مطابق ان
کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

شاہ نظام الدین نے شادی بہت دیر میں کی، کئی صاحبزادے پیدا ہوئے، جن میں سے شاہ فخر ا
نے سلسلے کی قیادت فرمائی اور اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں ایک عظیم مذہبی اور سماجی انقلاب پ
آپ نے اورنگ آباد کو چھوڑ کر دہلی کو اپنا مستقر ٹھہرایا۔

نسخہ احسن الشمائل: اوراق ۸۲، سائز ۸×۱۲، ۱۵×۲۱، سطور ۱۶، سنہ کتابت ۱۱۹۹
ھ/ ۸۵-۱۷۸۴ء کاتب کا نام درج نہیں ہے۔

احسن الشمائل سے چند اقتباسات:

کلمۂ سی و ہفتم: " اخوی محمد نور الدین طال عمرہ نقل فرمودند کہ روزے کہ بخدمت حضرت پیر و مرشد
بودم مذکور حضرت قطب الاقطاب شاہ کلیم اللہ جیو سلمہ اللہ تعالیٰ بیان حضرت صاحب مدظلہ فرم

ب الاقطاب هرگاه مجلس سماع می فرمودند که غیر از یاران مشغول دیگری در محفل حاضر نبود بمناسبت بزرگی شان بگاه از
ل‌مان رای تشانندکه اجنبی را نگذارند. روزی مجلس بود بطرف خود خطاب کرده فرمودند که مرا برای نگهبانی در حرم شد
در خانه مبارک نشستم یکبارگی یاران را شوق غالب شد. نعره های پر شوق و سوز و گداز میزدند مردم همسایه در راه
ای چند که در آن راه عبوری کردند استاده می شدند تا بعد یکه تو چه چاه شیعت کس گرد آمدند و از من استفسار کردند که اینچه
درد و غوغا است گفتم که مجلس سماع است و این آواز صاحب حالان و سوخته جانان است که به شوق و درد الهی از سینه پر سوز بر می آرند.

کلمهٔ چهل و یکم: " اخوی محمد نور الدین طال عمره نقل فرمودند که روزی بخدمت حضرت صاحب مد ظله حاضر بودم
این نقل از زبان مبارک تقریر فرمودند. در ایام پیشین مردی بود عالم در برهانپور میان فیضو نامی که تحصیل علم ظاهری نموده بود
مغرور بجا نظیر بوده از فضیلتی که داشت مغروری تمام بهم رسانیده. با فقرا آنجا معتقد نمی شد. عزیزی صاحب کمال که اسم ایشان
شاه بهگری بود نیز در آن شهر تشریف داشتند نظر بر قابلیت و استعداد آن شخص نموده اکثر در خاطر ایشان می گذشت که اگر همچنین عالمی
در طریق طلب حق قدم نهد و بهره گیرد اکثر خلایق از این مرد فیض باطنی حاصل نمایند. چنانچه از علم تعلق الله تعالی به سند تربیت همین شخص بسیار
موقع بجاست. چون نصیب آن نبود آن عزیز عالم هرگز سر ارادت با یشان فرو نمی آورد. در عرصه دیگر هم در برهانپور بودند ایشان هم در حق آن
عالم این اراده داشتند صحبت عزیزان با آن شخص فائده نمی بخشید.

باب هشتم: " سبب تالیف این رساله احسن الشمائل. شبی از شبهای صیام چشم از خواب گشوده بزیارت کعبه و احرام
بسته بودم. حجرة الاسود سویدا غلب خیال می پوشیدم و چون طایفان گرد حرم می گردید... چنینی در عبادت خوش آیین و بزبان قلم سحر
آفرین که در چشم نظاره بین این کترین درآمده تقریر و تحریر نماید چنانچه احتراز این تماشای شادکام و مقبل المرام گشته تا عاشقان
سودای این یوسف جمال از استماع آن اوصاف سرور و خرسندی کردند. در عالم شوق و غلبهٔ ذوق دعای خیر در حق این عاصی
نمایند.. چون مقصود درین رساله بیان شمائل حضرت پیر و مرشد بود، باحسن الشمائل موسوم ساخته.

باب نهم: " در اوصاف شمائل حضرت پیر و مرشد طریقه آنحضرت مشتمل است. بر سیزده فصل... فصل اوله
در وصف موی عنبرین... فصل دوم: در توصیف حلیه شریف مایل بطول است... فصل سیوم: در توصیف جبین. فصل چهارم:
در توصیف ابرو. فصل پنجم: در توصیف بینی. فصل ششم: در وصف چشم و مژه و نگاه. فصل هفتم: در توصیف رخسار.
فصل هشتم: در توصیف لب. فصل نهم: در توصیف زنخدان. فصل دهم: در توصیف سماع و گوش. فصل دوازدهم:
در توصیف ساعد و دست و ناخن. فصل سیزدهم: در توصیف سینه. فصل چهاردهم: در توصیف کمر و زانو و ساق.
فصل پانزدهم: در توصیف رفتار. فصل هیزدهم، تمام الکتاب مشتمل بر مناجات بدرگاه واهب العطیات..

ڈاکٹر محمد انصار اللہ
شعبۂ اردو
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رسالہ چہار انواع اور دیگر مخطوطات

بلگرام کے ایک نہایت اہم علمی خاندان کے ایک بزرگ میر اویس گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں گذرے ہیں جن کے والد قصبہ بلگرام کی سکونت ترک کرکے مارہرہ (ضلع ایٹہ) میں چلے آئے تھے۔ انھیں میر اویس کے صاحبزادے "صاحب البرکات شاہ برکت اللہ" ہیں جو فارسی میں عشقی اور قدیم اردو (ہندی) میں پیمی تخلص کرتے تھے۔

شاہ برکت اللہ عشقیؔ [illegible] ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء میں انھوں نے وفات پائی۔ وہ اپنے وقت کے بڑے صاحب علم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ ان کا شمار سلسلۂ قادریہ کی نہایت اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے بلکہ ایٹہ، بدایوں اور ریحلی کے علاقوں میں سلسلۂ قادریہ کا رواج انھیں کے فیض سے ہوا۔ شاہ برکت اللہ عشقی کے محمد طفیل بدایونی نے برکات مارہرہ میں اور غلام شبر بدایونی نے مدائح نوری میں درج کیے ہیں۔ زبان اردو سے متعلق ان کی خدمات کا ذکر راقم نے اپنی کتاب تاریخ اقلیم ادب کے دوسرے حصے میں مختصراً کر دیا ہے۔ یہاں تصوف کے موضوع سے ان کے ایک چھوٹے سے رسالے "چہار انواع" کا تعارف مقصود ہے جس کا مخطوطہ راقم کو اپنے کرم گستر جناب فرخ جلالی کی عنایت سے دیکھنے کو ملا۔ جناب فرخ نے ہی اس کے ایک اور نسخہ کی بھی نشاندہی کی جو مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے۔ (مرآۃ التصوف ص ۵۹، ۳۶۲)

رسالہ چہار انواع فارسی زبان میں ہے۔ مخطوطہ درمیانی سائز کے کل سولہ صفحوں پر مشتمل ہے۔ کسی صفحہ پر اٹھارہ اور کسی پر کسی قدر شکستہ خط میں لکھی گئی ہیں۔ ترقیمہ اس طرح ہے:

"تمت تمام شد بقلم عاصی پُر معاصی احقر العباد بندہ غلام معبود قادری چشتی بخط بد خط مورخہ ماہ ذیقعدہ تاریخ ۱۶ بجاے ۱۲۱۰ سنہ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم"

اس عبارت کی رو سے نسخۂ ہٰذا کی کتابت مصنف کی وفات کے پہلے دو سو برس کے بعد ہوئی تھی لیکن اس کی اہمیت یہ ہے کہ ایسے نسخے کی نقل ہے جو مصنف کی زندگی میں لکھا جا چکا تھا چنانچہ نسخۂ ہٰذا کے کاتب نے قدیم ترقیمہ کو بھی نقل کر لیا ہے جو اس طرح ہے:

"تمام شد در بندر [illegible] نسخہ چہار انواع من تصنیف غفر وقلبی دین و دنیا میر صاحب شاہ برکت اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ

س عبارت کے لکھنے والے نے اپنا نام اور تاریخ کتابت نہیں لکھی لیکن شاہ صاحب کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ تعالیٰ" شامل کرکے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ نسخہ ان کی زندگی میں یعنی ۱۲۴۲ھ سے پہلے کسی وقت لکھا ہوگا۔ کاتب نے شاہ صاحب کو "متبلق" کہہ کر ان سے اپنی عقیدت اور نسبت کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔ مولانا آزاد لائبریری کے نسخہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔
رسالہ چہار انواع کے کاتب اول کے اندراج کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس سے اس رسالے کے نام کا پتا چلتا ہے۔ خود متن میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔

نسخۂ ہذا کے کاتب نے شروع میں بطور عنوان یہ الفاظ لکھے ہیں: "یا صاحب البرکات خذ بیدی"

رسالہ چہار انواع کی ابتدا ان لفظوں سے ہوتی ہے:

"سبحان ذی الملک والملکوت۔ صاحب نے معنی این فقرہ کہ ذی الملک والملکوت است در مدح انسان منسوب ساختہ..... واین تاج بر سر مبارک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم منور و متجلی است۔ انا احمد بلا میم۔"

قرآن پاک کی مذکورہ آیت کو "مدح انسان" سے منسوب کرنا اور "انا احمد بلا میم" کا نقل کیا جانا اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ رسالہ چہار انواع کے تمام مضامین اور مباحث انھیں امور پر مبنی ہیں۔ مصنف کے ذہن میں اس سلسلے کے بعض سوال پیدا ہوئے اور بعض سوال مختلف وقتوں میں لوگوں نے اس سے دریافت کیے تھے۔ ان کے پس منظر میں اس نے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے۔ چنانچہ شروع میں ہی اس نے اس بارے میں لکھا ہے:

"بعدہ میگوید فقیر برکت اللہ کہ از مدتے اسولۂ چند در خاطر جا یافتہ بود و سیاحان وارد و صادر نیز استفسار اقوال حقایق کہ معانی آن جز دلِ آگاہ نتواند فہمید در میان آوردند..... سوال و جواب نام ساختہ ساز بہر عقلاء و پردہ ہمہ گفتگو عقاید و مذاہب کہ مردمان با خود ہا مکابرہ دارند کسے سنی و کسے رافضی و یکے خارجی و دیگرے شیعہ ہر کس بجائے میرود واز دلایل بطریقے راہے می گیرد، آنچہ صدق و راستی و راہ مستقیم بر کدام از ینہا محمول توان کرد جواب این عاجز بہ کتب عقاید و مذاہب آگہی ندارد و گاہے خبر کسے نہ کردہ کہ ازان محبت شود لیکن توجیہے کہ دل آرمیدہ مندی حاصل کردہ و بران مستقیم است این است کہ ہر چہار یار کبار ایمان بحضرت سرور ی سالار کونین صلی اللہ علیہ وسلم آوردند و مسلمان شدند و ہمہ او ضاع و اطوار او در خود ثبت کردند۔ پس بدان از راہ محبت اینہا نبودند مگر ذات او صلی اللہ علیہ وسلم بحکم فنا فی الرسول مجنوں پیش لیلی خود را نیافت پس چنین کسان اگر از جان روند عجب مدار خبردار شو و بیخبر مشو۔ المقصود صدق محمد جسم یافتہ آنرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گویند و عدل محمد صورت گرفتہ آنرا عمر رضی اللہ عنہ خوانند و حیاے محمد تشخص یافتہ آنرا عثمان رضی اللہ عنہ نامند و وجود علم محمد در جلوہ آمدہ آنرا علی رضی اللہ عنہ دانند۔ پس فی الحقیقت اوست کہ

بچہار صفت خود گشتہ :

اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ برکت اللہ عشقی (رحمی) نے تمام معاملات کو چار نوع میں تقسیم کرکے بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی مناسبت سے رسالہ کا نام "چہار انواع" مقرر کیا ہے۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ وہ مختلف مسائل کا حل کتب عقاید و مذہب کی روشنی میں پیش کرنے کے بجائے ان کی توضیح و تشریح اس طرح کریں گے کہ اس کو بجز "دل آگاہ" کے کوئی نہ سمجھ سکے گا۔ انھوں نے پورا رسالہ اسی طور پر مکمل کیا ہے چنانچہ اس کے آخر میں بھی کہتے ہیں۔

"بجوش و خروش آمدم، باز بہ ہوش رسیدم۔ للہ الحمد و کرمہ، تخرج الحی من المیت۔ من فہم فہم"۔

رسالہ چہار انواع میں مصنف نے میر عبدالواحد بلگرامی کی شرح نزہت الارواح کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اور یہ بات قا ذکر ہے کہ میر عبدالواحد شاہ برکت اللہ کے خاندانی بزرگوں میں سے تھے۔ شرح مذکور کے حوالے سے اس حقیقت کی بھی غمازی ہ ہے کہ عقاید کے معاملے میں شاہ برکت اللہ کا نقطۂ نظر وہی تھا جو ان کے اسلاف کا تھا۔ انھوں نے اس نقطۂ نظر کی توسیع و ترو کیلئے فارسی اور ہندی (قدیم اردو) میں متعدد کتابیں لکھ ڈالیں۔ رسالہ "چہار انواع" بھی انھیں میں سے ایک ہے۔ خوشی کی با ہے کہ اب شاہ صاحب کی علمی خدمات کی طرف توجہ عام ہوتی جارہی ہے چنانچہ ان کے ایک رسالہ عوارف ہندی کو می دوست ڈاکٹر سید محمد امین نے مرتب کیا ہے جو شاہ صاحب کے اخلاف میں سے ہیں۔ ڈاکٹر وارث کرمانی نے اپنی کتاب e Forgotten Dream میں شاہ صاحب کے فارسی کلام کے انتخاب کو بھی شامل کیا ہے۔

قصہ چہار برادر (چھوٹا سائز) کا ایک نسخہ ـــــ خان بہادر قاضی عیاض علی خان نبیرۂ مولوی رحما علی خان، دیوان میں محفوظ ہے۔ اقتباس: ارباب تصوف و اولی الالباب تعریف سر این حالات را باز نما قصہ چہار برادر در علم تصوف حضرت قطب الاقطاب ممتاز واقف اسرار حضرت بے نیاز میران سید محمد گیسو د روح اللہ روحہ"۔ کاتب اور رسالے کے نام کا کہیں اندراج نہیں۔ تاریخ کتابت بھی نہیں۔

سعادۃ الکونین: اسی کتاب میں سعادۃ الکونین کا بھی ایک نسخہ محفوظ ہے جس کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے: "بتا پانزدہم شہر ذی قعدہ سنہ یکہزار و دو صد و بست و نہ ہجری مرقوم شد۔ مطابق سنہ ۱۱ جلوس اکبر شاہ تمت تمام تم بالخیر"۔ کاتب، مقام کتابت اور مصنف کا نام نہیں معلوم۔

ڈاکٹر محمد ذکی
شعبۂ تاریخ
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تصوّف کے تین اہم مخطوطات

(۱) رشد نامہ

شیخ عبد القدوس گنگوہی رُدولی میں پیدا ہوئے، اور آخر عمر میں گنگوہ میں سکونت پذیر ہو گئے جہاں ۹۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۱] شیخ کا تعلق سلسلۂ صابریہ سے ہے جو چشتی سلسلے کی ایک شاخ ہے۔[۲]

شیخ موصوف کی کئی تصنیفات ہیں۔[۳] ان ہی میں سے ایک "رُشد نامہ" بھی ہے۔ اس کتاب کا مرکزی مضمون توحید ہے۔ شیخ مسلکِ وحدت الوجود کے حامی تھے اور انھوں نے اسی نقطۂ نظر کی تشریح و توضیح میں یہ کتاب لکھی ہے۔ اپنے مسلک کی تائید میں قرآن کی متعدد آیات، احادیث، مشائخ کے اقوال اور شعرا کے اشعار نقل کیے ہیں۔

کتاب کی چند اہم خصوصیات

(۱) نظریۂ وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ نے وہی مشہور و معروف تشبیہات اختیار کی ہیں جو اس ذوق کے لوگ عام طور پر دہراتے رہتے ہیں (مثلاً دریا اور قطرہ، موج اور دریا، بادل، بارش اور پانی سب ایک ہی حقیقت کے مختلف روپ ہیں، ہر جگہ اور ہر چیز میں وہی ہے ہمہ اوست وغیرہ)

(۲) اس سلسلے میں قرآن کریم کی آیات کی تفسیر صوفیوں کے مذاق پر کی ہے، اور ظاہری الفاظ سے ہٹ کر باطنی معنی لیے ہیں۔ مثلاً مسجد حرام سے مراد دل ہے۔ ایمان بالغیب تقلید ہے اور افضل ایمان وہ ہے جو ظاہر و باطن کی آنکھ سے مشاہدے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

(۳) احادیث نقل کرتے ہوئے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

۱؎ شیخ کے تفصیلی حالات ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے "لطائف قدوسی" میں بیان کیے ہیں جو دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوئی تھی۔ ۲؎ صابریہ سلسلہ شیخ علی صابر سے منسوب ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ ان کے کچھ حالات گلزار ابرار [illegible] فارسی) ۲۲۴، ۲۲۳، میر خورد کی "سیر الاولیاء" [illegible] ۱۱۸ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی "اخبار الاخیار" [illegible] ۳؎ ان کی تصنیفات [illegible] انوار العیون وغیرہ بھی دست یاب ہیں [illegible]

(۴) بعض مشہور مسائل پر کلام کیا ہے جیسے [illegible]

(۵) سینہ کو قطبی یعنی وضو کو ... بنیاد قرار دیا ہے۔

(۶) بکثرت مشہور شاعر مسعود بک کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

(۷) مصنف خود ہندی کے شاعر بھی تھے "الکھ داس" تخلص تھا۔ بہت سے فارسی اشعار کے ہم معنی ہندی ترجمے بالالتزام نقل کیے ہیں۔

"رشد نامہ" کی اہمیت

بلا شبہ رشد نامہ میں شیخ موصوف نے اپنے عقاید اور جذبات کا اظہار کیا ہے لیکن خود شیخ کی شخصیت اپنے عہد کی آئینہ دار ہے۔ اس اعتبار سے ان کی تصنیف اہم ہے، کیونکہ اس میں ہم ہندوستان کی تاریخ کے ایک نہایت اہم دور کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ ایک ایسے عہد کی جس کی اہم خصوصیات قابل توجہ ہیں۔

(۱) شیخ عبدالقدوس کا زمانہ وہ ہے جب کہ ہندوستان سیاسی، معاشی اور مذہبی بحران سے گزر رہا تھا۔ ترکوں کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی، سیاسی وحدت پارہ پارہ ہو گئی تھی، اسی کے ساتھ مشائخ کا روحانی نظام بھی بکھر چکا تھا۔ ہر طرف ایک بے چینی تھی، ایک خلا تھا جسے پُر کرنے کے لیے مختلف سمتوں سے کوشش ہو رہی تھی۔ گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال اور دوسرے علاقوں میں صوبائی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں میں ایک طرف تو اپنے اپنے مذہب کا احیا کر رہے تھے اور دوسری طرف کچھ لوگ مختلف فکری دھاروں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(۲) یہ وہ دور تھا جس میں ایک طرف مہدوی تحریک سید محمد جونپوری (۱۴۴۳ء - ۱۵۰۵ء) کی قیادت میں زور پکڑ رہی تھی، تو دوسری طرف بنگال میں چیتنیہ (۱۴۸۶ء - ۱۵۰۲ء) کی تحریک ہندو مذہب کا احیا کرنے میں مشغول تھی، اور عبداللہ شطاری (وفات ۱۴۸۵ء) کا شطاری سلسلہ ہندو فکری دھاروں سے ہم آہنگ ہو رہا تھا[1]، اور

(۳) کچھ نئے مذہبی رجحانات تکمیلی مراحل طے کر رہے تھے جن کا سارا زور اس پر تھا کہ مذہب کی ظاہری تمام رسوم بے معنی اور موجب فساد ہیں، ان کو ترک کر کے مذہب کی روح کو اختیار کیا جائے۔ یہ نظریہ بھگتوں کی قیادت میں سارے

---

[1] محمد غوث (۱۴۸۵ء - ۱۵۶۲ء) گوالیاری کا تعلق اسی سلسلے سے تھا۔ انھوں نے جنگلات میں عرصہ تک سخت ریاضتیں کیں اور غالباً وہیں ہندو جوگیوں سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ بہرحال انھوں نے اپنی تصنیفات میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کم از کم شطاری طرز ذکر جوگیوں کے دھیان وغیرہ سے بہت قریب ہے، صرف ناموں کا فرق ہے۔ موصوف نے مشہور سنسکرت کتاب امرت کنڈ سے متاثر ہو کر بحر الحیات تالیف کی تھی۔ ملاحظہ ہو [illegible] (علی گڑھ قلمی نسخہ) اور بحر الحیات (مطبوعہ) دہلی ۱۳۱۱ھ

ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر رہا تھا۔ اس کے علمبردار بھی بیشتر شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ہمعصر تھے، مثلاً کبیر (۱۴۴۰ تا ۱۵۱۸ء) نانک (۱۴۶۹ء - ۱۵۳۹ء)، دھنّا (ولادت ۱۴۱۵ء) اور پیپا (ولادت ۱۴۲۵ء) وغیرہ۔

یہ تمام فکری اور مذہبی دھارے اس وقت کے ذہنی ساحلوں سے ٹکرا رہے تھے، اور ظاہر ہے شیخ عبدالقدوس بھی کسی نہ کسی حد تک ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ان کی صدائے بازگشت شیخ کے دوہروں میں بھی سنی جا سکتی ہے۔

(۴) اس کتاب کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس میں تصوف کا جو روپ ہمیں دکھائی دیتا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے جو خواجہ معین الدین چشتی کے عہد سے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے عہد تک رہا تھا۔ مثلاً ان مشائخ کے حالات میں ہمیں وحدت الوجود کا رنگ نظر نہیں آتا۔ یہاں تصوف نہایت سادہ، عوام سے بہت قریب تھا، شریعت پر زیادہ زور تھا، قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی کو معنویت کی قربان گاہ پر نہیں چڑھایا جاتا تھا۔ ظاہر و باطن میں ایک توازن تھا۔ جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے اس قول سے ظاہر ہے:

"ہر چہ علماً بہ زبان دعوت کنند، مشائخ بہ عمل دعوت کنند۔"[۱]

(۵) اگر ہم "رُشد نامہ" اور اس عہد کی اسی نوع کی دوسری کتابوں کا بغور مطالعہ کریں تو اُن عوامل کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو بہ تدریج تصوف کے فکری نظام میں داخل ہوتے رہے اور بالآخر اسے عوام یہاں تک کہ شریعت سے بھی دور لے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں تصوف ایک تنِ مردہ ہو کر رہ گیا، اصطلاحات کے شکنجوں نے اس کی روح کو نچوڑ ڈالا اور ہر طرف اس پر غبار ہو گئے۔

(۶) ان مہلک عوامل میں سے چند یہ ہیں:

(۱) قرآن و حدیث کے الفاظ اور احکام کی معنویت پر اتنا زور دیا گیا کہ عمل کی اہمیت بہت کم ہو گئی۔ جب ایک بار یہ کہہ دیا گیا کہ:

؎ من مست خرابات نمازی کہ گزارم ۔۔۔ دردی نہ قیامی نہ رکوعی نہ سجودی

تو پھر بہت سے نام نہاد صوفیوں نے "نمازِ عجبی"[۲] ہی کو اصل نماز قرار دے دیا اور رفتہ رفتہ خود کو شریعت کی گرفت سے آزاد کر لیا، اور پھر اس پر علماء کا شدید ردِّ عمل ہوا اور تصوف سے بدگمانی بڑھتی چلی گئی، چنانچہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک مسلمانوں کو ذلیل و کمزور کرنے کے لیے اس کے دشمن نے یہی بہتر سمجھا کہ اسے نظامِ خانقاہی میں پختہ تر کر دے۔

(۷) اس طرح اگرچہ یہ صدا بھگتوں کے سُروں سے ہم آہنگ تو ہو رہی تھی لیکن تھی شریعت سے باہر۔

---

[۱] سیرالاولیاء، ۳۲۱۔ [۲] قرونِ وسطیٰ کے بھگتوں اور سنتوں نے بھی اسی پر زور دیا ہے کہ مذہب کی ظاہری رسوم

(۸) ایک اور مہلک اقدام یہ ہوا کہ بعض مشائخ نے احادیث نقل کرتے ہوئے اسناد اور حوالے کا اہتمام نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دروازہ کھل گیا اور جس نے جو بات اپنے مسلک کے مطابق پائی حدیث کے نام سے جعلی کر دی۔

(۹) ایک مہلک عنصر یہ داخل ہو گیا کہ "مقام احسان" کی جگہ "فنا فی اللہ" نے لی جس کے ڈانڈے نروان سے تو جا ملے لیکن اسلام کا تصور توحید مجروح ہو گیا، اور "وصل و وصال ہجر و فراق" کی باتیں کرتے کرتے غیر محتاط مشائخ نے وہ باتیں بھی کہہ دیں جو بارگاہ الٰہی کے شایان شان نہیں تھیں، یعنی ہوش پر جوش غالب آگیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "مرشد نامہ" اور اس قسم کی تصوف کی دوسری کتابوں سے ہمیں تقابلی مطالعے میں مدد مل سکتی ہے۔ اور اس طرح اُن راہوں کی نشان دہی کی جا سکتی ہے جن سے وہ عناصر اس میں داخل ہوئے ہیں جنھوں نے اسے حقیقت سے دور اور غیر مقبول بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے، اور جن پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے[۱]۔

(۱۰) "مرشد نامہ" کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس میں شیخ موصوف کے بکثرت دوہرے موجود ہیں جن پر ہندی شاعری اور اردو زبان کے ارتقا سے دلچسپی رکھنے والے بھی توجہ دے سکتے ہیں۔

۲ رسائل و ملفوظات شیخ حمید الدین و شیخ فرید الدین ناگوری

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں محفوظ یہ مخطوطہ شیخ حمید الدین ناگوری (خلیفہ شیخ معین الدین سجزی) ان کے پوتے[۲] شیخ فرید الدین اور ان کے بعض دوسرے فرزندوں کے حالات زندگی سے متعلق ہے۔ مصنف کا نام اگرچہ کہیں درج نہیں تاہم اتنا بالکل واضح ہے کہ ان رسائل اور ملفوظات کو شیخ فرید الدین کے کسی فرزند نے مرتب کیا ہے[۳]۔ متن سے اتنا بھی ظاہر ہے کہ ترتیب کا یہ کام ۷۴۲ھ کے آس پاس ہوا ہے۔

موجودہ نسخہ کسی قدیم مخطوطہ سے نقل کیا گیا ہے۔ کاتب ہیں محمد انوار الحق دہلوی قادری اور ان کے بعض متعلقین رسالہ

---

[۱] اس لیے دورِ انحطاط کی صوفیانہ تحریروں سے استفادہ کرنے میں ذرا احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ پھر تصوف کی بحثیں چھڑ جائیں اور روحانیت کا احیا ان ہی قدیم بحثوں کی نذر ہو جائے جس نے تصوف بیزاری کو جنم دیا تھا۔

[۲] بعض حضرات نے شیخ فرید الدین کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ شیخ حمید الدین صوفی سوالی کے فرزند و خلیفہ تھے لیکن مذکورہ مخطوطے میں جا بجا شیخ فرید کا پوتا قرار دیا گیا ہے، شیخ فرید الدین محمود خلف شیخ عزیز الدین عرف عبد العزیز بن سعید بن حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی ناگوری۔ دوسرا ماخذ بھی دیکھیے۔

[۳] کیونکہ آخری رسالہ "سرور الصدور" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ مؤلف نے یہ حالات اپنے والد شیخ فرید الدین سے سن کر لکھے ہیں۔ شیخ فرید الدین کے کئی بیٹے تھے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سے بیٹے نے لکھے ہیں۔

اُن ہے۔ سرورق پر مخطوطے کا نام "سرور الصدور" درج ہے اور قدیم نسخے پر بھی یہی عنوان ہے یعنی سرور الصدور و نور البدور ملفوظ شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کا ہے لیکن درحقیقت یہ مختلف رسائل، مکتوبات اور ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ۱۳ رسائل پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں:

	مصنف یا مرتب	صفحات
۱۔ مراتب شریعت	از شیخ حمید الدین ناگوری	۲۰
۲۔ رسالہ در سہ گروہان بندگان برگزیدہ	منسوب بہ شیخ حمید الدین ناگوری	۴
۳۔ اصول الطریقہ	"	۱۰
۴۔ رسالہ در سماع	"	۲۰
۵۔ رسالہ در سلوک	"	۸
۶۔ " "	"	۱۰
۷۔ مکاتیب	"	۱۸
۸۔ منظومات	"	۲۸
۹۔ رسالہ در جواب سوالات	"	۸
۱۰۔ تاریخ بنائے روضہ (شیخ حمید الدین و فرمان محمد بن تغلق)		۶
۱۱۔ مکاتیب و منظومات	منسوب بہ شیخ فرید الدین محمود	۶۲
۱۲۔ شجرۂ بندگان چشت	"	۱۴
۱۳۔ سرور الصدور و نور البدور	حالات شیخ حمید الدین و شیخ فرید الدین	۹۰

اور ابتدا میں [illegible] تیس صفحات پر مشتمل کاتب محمد انوار الحق کا مبسوط مقدمہ ہے۔ کاتب نے تصحیح بھی کی ہے اور کہیں کہیں اعراب بھی لگایا ہے۔ اصل نسخہ ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل تھا، موجودہ نسخہ تین سو سے کچھ زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۱؎ مذکورہ مخطوطہ کے شروع میں کاتب کا ایک مقدمہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کاتب، محمد انوار الحق نے ایک قدیم نسخے سے یہ نسخہ نقل کیا ہے جو کتب خانہ شاہ نور محمد سجادہ نشین و خلف شاہ نجم الدین صوفی چشتی متوطن قصبہ جھجھنوں علاقہ شیخاواٹی از اقطاع راجستھان میں موجود تھا۔ پہلی کتابت ۱۳۰۱ھ میں ہوئی مگر بعد میں کاتب کو ناگور سے ایک اور نسخہ بھی مل گیا اس سے مقابلہ کیا، تصحیح کی اور پھر ۱۳۰۹ھ میں کتابت سے فراغت ہوئی۔ کتابت میں کاتب مذکور کے بعض فرزندوں اور احباب نے بھی مدد کی ہے۔

اس مجموعہ میں شیخ حمیدالدین ناگوری سے منسوب رسائل و مکتوبات وغیرہ ایک تہائی کے بقدر ہیں، اور شیخ فریدالدین بلکہ بیانات ان کے بھائیوں اور فرزندوں کے حالات اور دوسری عبارتیں دو تہائی حصہ پر مشتمل ہیں۔

کتاب کی خصوصیات اور اہمیت اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کے ایک نہایت ہی اہم دور کا آئینہ دار ہے، یعنی شیخ معین الدین اجمیری سے شیخ نظام الدین اولیا تک اور سلطان التمش سے سلطان محمد بن تغلق تک، یہ کتاب یقیناً اس عہد کی مکمل تاریخ نہیں، لیکن اس طویل سفر کی اہم منزلوں کا ضرور نشان دہی کرتی ہے۔

اس کتاب میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح شیخ معین الدین چشتی سرزمین ہند میں داخل ہوئے اور انھوں نے اجمیر میں اسلام کے روحانی نظام کی بنیاد ڈالی، پھر ان کے خلفاء کس طرح شیخ معین کے دوسرے علاقوں میں آباد ہوئے۔ پھر شیخ قطب الدین بختیار کاکی شیخ فریدالدین گنج شکر اور شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے خلفاء کی قیادت میں یہ روحانی نظام ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا، سندھ سے بنگال تک اور دہلی سے دولت آباد تک کوئی اہم شہر ایسا نہ تھا جہاں ان بزرگوں کے قدم نہ پہنچے ہوں اور ان کی خانقاہیں قائم نہ ہوئی ہوں۔

دوسری طرف اس کتاب میں سلطان التمش کا بھی ذکر ہے جو سلطنت دہلی کا بانی کہا جاتا ہے۔ جس وقت التمش ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار و نظام کی بنیادیں استوار کر رہا تھا ٹھیک یہی وقت تھا جب خواجہ معین الدین چشتی اسلام کے روحانی نظام کی اساس رکھ رہے تھے، اور پھر بلبن کا ذکر ہے اور آخر میں سلطان محمد بن تغلق کا جس کے عہد میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی اور شیخ نظام الدین اولیا کا معاصر فرماں روا تھا۔

ان ملفوظات سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ دونوں نظام ساتھ ساتھ ابھرے، ایک دوسرے کے تعاون سے مستحکم، بام عروج تک پہنچے اور پھر آپس میں ٹکرانے لگے، مجروح ہوئے اور پھر دونوں کے انحطاط کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔

یہ دونوں تصویریں ہم اس کتاب میں صاف صاف دیکھ سکتے ہیں، تقریباً چار نسلوں یا دو سو سال کا مدوجزر عروج و زوال سب یہاں منعکس ہو گیا ہے

اس عہد کے صوفیہ، ان کے افکار و اعمال اور ان کی کاوشوں کے بارے میں معلومات کا یہ ایک مستند ماخذ ہے کیونکہ ان حالات کو بیان کرنے والے شیخ فریدالدین ہیں جو اپنے دادا شیخ حمیدالدین ناگوری کے خلیفہ ہیں، اپنے چشم دید واقعات کر رہے ہیں، جو اپنے دادا سے سنا ہے بتا رہے ہیں، اور ان بیانات کو قلم بند کرنے والے شیخ فرید کے بیٹے ہیں جو اپنے والد زندگی کا ستائیس سال سے گہرا مطالعہ کر رہے ہیں۔

جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے قران ۲۱ رسالوں کے عنوانات سے ظاہر ہے کہ تصوف کے تمام بنیادی مسائل تفصیل کے ساتھ زیر بحث آگئے ہیں، مثلاً تصوف کے معنیٰ، مقاصد، راہیں، صوفیوں کی منزلیں، سالک کے مقامات عبادات، دنیا کی حقیقت، عشق الٰہی، وحدت الوجود کی وضاحت، اشارے، اور سماع پر تفصیلی بحث، مشائخ کی روزمرہ کی زندگی، ہمعصر مشائخ سے ان کے تعلقات، سلاطین سے روابط اور ان کی نوعیت، ان تمام امور پر مفصل بحث ہوئی ہے اور بہت سے مسائل سوال وجواب کی صورت میں زیر بحث آگئے ہیں۔ مشائخ کے علمی کارناموں کے چرچے بھی ہیں، ان کی شعری تخلیقات اور نثری نمونے بھی ہیں، دوہرے بھی ہیں اور خطوط بھی، جو ان کے عقاید اور عملی کاوشوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان اوراق سے سلاطین دہلی کے کارناموں پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مشائخ سے کس نوع کے تعلقات رکھے اور ان دونوں کے حق میں کیا نتائج نکلتے رہے۔

کہیں کہیں معاشی بحران کا بھی ذکر ملتا ہے جس میں معاشیات کے شائقین کے لیے دلچسپی کا سامان ہو سکتا ہے۔
اس کے علاوہ ان اوراق میں بعض سلاطین دہلی کے فرامین کی نقلیں ہیں، مشائخ کے نام جو خطوط انھوں نے بھیجے ہیں، وہ فرامین جن میں جاگیریں یا زمینیں دی گئی ہیں یا تعمیر کے لیے رقم دی گئی ہے ان کی نقلیں ہیں، خلافت نامے اور شجرے بھی ہیں۔
مختصر یہ کہ اس مجموعہ میں تقریباً دو سو سال کی عکاسی ہے، تاریخی جھلکیاں ہیں۔ شاہی خطوط و فرامین ہیں، مسائل تصوف ہیں، مباحث شریعت و طریقت ہیں۔ اوراد و وظائف ہیں؛ دعائیں اور مناجات ہیں، خلافت نامے اور شجرے ہیں، وعظ اور نصیحت ہے، امثال وحکایات ہیں، لطایف و نکات ہیں، اور رموز و اشارات بھی اور اس عہد کے مشائخ کی عملی زندگی کے نمونے بھی۔

(۳) گلزار ابرار

"گلزار ابرار" عہد وسطیٰ کے علماء وصوفیاء کا ایک ضخیم تذکرہ ہے۔ جس میں تیرہویں صدی سے لے کر سترہویں صدی کے اوائل تک کے تقریباً چھ سو علماء وصوفیاء کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح اس عہد کے ہندستان کی تہذیبی تاریخ کے مطالعہ کے لیے یہ ایک اہم ماخذ ہے۔
محمد غوثی شطاری ابن شیخ حسن بن موسیٰ احمدآبادی اس اہم تصنیف کے مولف ہیں۔ ۱۵۳۴ء میں ہمایوں کی گجرات مہم کے بعد جو حالات پیش آئے اس کے نتیجے میں شیخ حسن ترک وطن کر کے مالوہ چلے گئے تھے اور مانڈو میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مولف شیخ موسیٰ کے منجھلے صاحبزادے تھے جن کی پیدائش ۱۵۵۴ء میں ہوئی تھی۔

پانچ سال کی عمر میں آپ کو مقامی مدرسہ میں داخل کرایا گیا، جہاں آپ نے قرآن کی تعلیم کے بعد فارسی کی تعلیم کا آغاز کیا۔ لیکن بدقسمتی سے گیارہ سال کی عمر میں ہی ۱۵۷۵ء میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا اور آپ کا خاندان معاشی بدحالی کا شکار ہوگیا۔ چنانچہ آپ کو اپنے خاندان کی کفالت کے لیے کسب معاش میں لگ جانا پڑا۔ لیکن آپ نے اپنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ سترہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوگئی، لیکن شدید معاشی پریشانیوں کے باوجود آپ نے اپنی تعلیم نہیں چھوڑی آپ گجرات کے ایک شطاری صوفی، شیخ سراج الدین کے حلقہ تلمیذ میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے گجرات چلے آئے۔ جہاں احمدآباد کے مشہور شطاری بزرگ شیخ وجیہ الدین علوی کی نگرانی میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ ۲۱ سال کی عمر میں ۱۵۸۶ء میں آپ مانڈو لوٹ آئے۔

احمدآباد سے واپسی کے چار سال بعد ۱۵۹۰ء میں آپ نے "گلزار ابرار" کی تالیف کا قصد کیا۔ آپ کے احباب نے آپ کی ہمت افزائی کی چنانچہ ۱۶۰۲ء میں آپ نے کام کا آغاز کر دیا اور تقریباً ۱۶۱۳ء میں کتاب کا تیسرا اور آخری حصہ تیار کر لیا۔ آپ نے اپنی زندگی کی اس اہم تالیف کو حکمراں بادشاہ جہانگیر کے نام معنون کیا۔

"گلزار ابرار" کے چار نسخے دستیاب ہیں :-

(۱) پہلا نسخہ ببلیوتھیکا لیوڈسیانا Bibliothica Luidesiana جو اب جون ریلینڈس لائبریری مانچسٹر میں ضم ہوگیا ہے، میں ہے۔ یہ ۱۰۷۸ھ/۶۸-۱۶۶۷ء کا کتابت کردہ ہے۔ یہ مکمل نسخہ ہے اور پاکیزہ نستعلیق میں کتابت ہے۔ اس نسخے کی ایک روٹوگراف کاپی مسلم یونیورسٹی کے علیگڈھ کے شعبہ تاریخ کی سیمینار لائبریری میں محفوظ ہے۔

(۲) دوسرا نسخہ بخارا میں محفوظ ہے۔ جس کی تاریخ کتابت بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا نسخے کی ہے (ملاحظہ اسٹوری کی پرشین لٹریچر جلد ۱، حصہ ۲، ص ۹۸۴)۔

(۳) تیسرا نسخہ جو ۱۷۴۲ء کا مکتوبہ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں محفوظ ہے۔

(۴) چوتھا نسخہ سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے جو غالباً ۱۷۴۴ء کا مکتوبہ ہے۔ اآخری چند اوراق ناقص ہیں۔

تیسرا اور چوتھا نسخہ تقریباً ملتا جلتا ہے۔

مؤلف نے اپنی اس تالیف میں پانچ قسم کے لوگوں کی سوانح پیش کی ہے :-

۱۔ اصحاب تحقیق :۔ وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی کے حامل ہیں۔

۲۔ دانشمندان :۔ (علماء)

۳۔ سلوک :۔ یعنی وہ لوگ جو روحانی پاکیزگی کے لیے ریاضت میں مشغول ہیں۔ تارک الدنیا۔

۴۔ زہد :۔ صوفیا، درویش۔

۵۔ مجذوب :۔ جو خدا کے عشق میں گم ہیں۔

آپ نے اپنی تالیف کو چار چمن (حصوں) میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے تین حصے تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں صدی کے صوفیاء و علماء کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں۔ چوتھے حصے میں سولہویں صدی اور سترھویں صدی کی پہلی دہائی کے علماء و صوفیاء کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مولف معاصر یا اس کے ہمعصر ہیں۔

صوفیا اور علماء کے حکایت و آثار کیلئے مؤلف نے مستند تذکروں، ملفوظات اور مکتوبات کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ مثال کے طور پر جامی کی "نفحات الانس" شیخ علی ہجویری کی "کشف المحجوب" شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف" میر خورد کی "سیر الاولیاء" میر حسن سجزی کی "فوائد الفواد" شیخ جمال کی "سیر العارفین" عبدالحق محدث دہلوی کی "اخبار الاخیار" شیخ نور الدین کی "جامع الحکایات" مولانا محمد قاضی کی "سلسلۃ العارفین" مولانا عبدالغفور کی "تکملہ" شیخ کمال الدین حسین کی "اصول الانوار" شیخ ابوالمعالی کی "رسالہ محمدیہ قادریہ" میر عبدالحیٔ کی "کتاب جامع" پیر محمد حسن کی "تذکرہ اولیاء" شیخ فرید کی "سرور الصدور" شیخ حمید الدین سوالی کے ملفوظات، عزیز الدین صوفی کی "تحفۃ الابرار" (شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات)۔ خواجہ شیخ علی کی "درر نظامی" (نظام الدین اولیاء کے ملفوظات)، ملفوظات چراغ دہلی (غالباً حمید قلندر کی خیر المجالس) مولانا علیم کابلی اور شرف الدین شہدی کے "تذکرے" اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور نور قطب عالم کے مکتوبات۔

ان تصنیفات کے علاوہ آپ نے ان صوفیاء علماء کی متعدد تصنیفات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جن کی سوانح گلزار میں شامل کی گئی ہیں۔ آپ نے بہت سی تصنیفات مثلاً علی پیرو اور سید زین العابدین کے رسائل، گیسو دراز کی تصنیف مثلاً "معدن المعانی" "جواہر خمسہ" اوراد، کلید مخازن، ضمایر بصایر اور محمد غوث شطاری کی بحر الحیات، تفا مثلاً تبصرہ رحمانی (شیخ علی پیرو)، بحر مواج (قاضی شہاب الدین عمر دولت آبادی) نور النبی (شیخ کمال الدین حسین) سیا (مولانا معین الدین واعظ) مجمع البحار (شیخ طاہر) سے متعدد اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔

دینی و مذہبی ادب کے علاوہ آپ نے متعدد سیاسی تواریخ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ تاریخ کی چند کتابیں جن کا حوالہ دیا ہے یہ ہیں:۔ "طبقات ناصری" (منہاج سراج)، "تاریخ فیروز شاہی" (ضیاء الدین برنی)، "تاریخ محمدی بہامخانی)، "مآثر محمود شاہی" (مولانا شمس الدین محمد زیرک)، "طبقات محمود شاہی" (مولانا عبدالکریم)۔

آپ کو متعدد ایسے مآخذ بھی یقیناً میسر آئے ہیں جو ہمارے لئے دستیاب نہیں، یا تو وہ برباد ہو گئے یا حجاب تنگ پردہ خفا میں ہیں۔ تحریری شکل میں جو بھرپور مواد آپ کو حاصل ہوا اور جس سے آپ نے استفادہ کیا اس کے علاوہ آپ نے متعدد خلفا کے ورثاء، شاگردان اور احباب سے بھی اطلاعات اکٹھا کیں۔ ان لوگوں سے آپ نے رابطہ قائم کیا اور دیگر معتمد اشخاص سے بھی اطلاعات حاصل کیں۔ آگرہ، احمدآباد اور متعدد دیگر مقامات کے سفر کے دوران بھی آپ نے اپنی تالیف کیلئے اطلاعات اکٹھا کیں۔

<u>"گلزار ابرار" کی خصوصیت اور اہمیت :-</u> آپ کی تصنیف بہت فصیح اور سلیس فارسی میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نامانوس اور مشکل الفاظ، نیز نئی تشبیہیں اور خود ساختہ تکنیکی اصطلاحات و محاورات کے استعمال سے احتراز کی پوری کوشش کی ہے۔ بسااوقات آپ نے وضاحت کے لیے کافی لمبی عبارتیں لکھی ہیں جبکہ محض چند جملے اظہار مطلب کے لئے کافی ہو سکتے۔ بہرحال آپ نے جو کچھ اطلاعات فراہم کی ہیں۔ وہ جامع درست اور مستند ہیں۔ آپ نے اپنے اسلاف مثلاً میر خورد اور میر حسن سجزی کی طرح تذکرہ نگاری کے تمام اصولوں کی پوری پابندی کی ہے اور وسیع معلومات کو بڑی خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے ہم عصر اور قریبی دوستوں میں سے تھے۔ آپ ان سے اور ان کی تصنیف "اخبار الاخیار" سے بھی یقیناً متاثر ہوئے ہوں گے

آپ نے فضول قسم کی اور افسانوی باتوں کی، جو لوگ عموماً صوفیا سے منسوب کر دیتے ہیں، بڑی احتیاط سے چھان پھٹک کی اور صرف ان باتوں کو لیا جو معقول اور مستند تھیں۔ اس طرح آپ کی تالیف ایسی افسانوی اور فضول قسم کی مبالغہ آمیز باتوں سے یکسر پاک ہے جو عموماً بعد کی اسی قسم کی تالیفات میں پائی جاتی ہیں۔

"گلزار ابرار" کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مؤلف ہر طرح کے نسلی اور فرقی تعصب سے پاک ہے۔ اس نے مختلف سلسلوں کے صوفیا کی خوبیوں اور کارناموں کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سراہا ہے اور چشتی، قادری، سہروردی، فردوسی، مغربی، نقشبندی شطاری صوفیا کی زندگی اور ان کے کاموں کا بڑی غیر جانبداری سے جائزہ لیا ہے۔

یہ تالیف گرچہ بنیادی طور پر شطاری سلسلہ کا ایک اہم مآخذ ہے تاہم اس میں ہندوستان کے ان تمام اہم تہذیبی اور ثقافتی مراکز کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جہاں مختلف سلسلوں کے صوفیا اور علماء نے اپنی تعلیمی اور دینی درسگاہیں قائم کی تھیں مثلاً دہلی، لاہور، ملتان، احمدآباد، چمپانیر، تہروالہ، اجودھن، اجین، مانڈو، برہان پور، دیوگیر، گلبرگہ، جونپور، آگرہ، بدایوں، کالپی، میرٹھ وغیرہ۔ اس تالیف میں صوفیا اور علماء کی عوامی اور نجی زندگیوں پر، عوام کے ساتھ ان کے روابط پر، حکمرانوں اور سلاطین کے ساتھ ان کے تعلقات پر، ان کی تعلیمی سرگرمیوں پر، ان کے ادبی کارناموں پر، روحانی مدارج پر، گجرات، مالوہ، جونپور وغیرہ کی نوزائیدہ حکومتوں کی تہذیب و ثقافت کو مالا مال کرنے کے سلسلے میں ان کے کارناموں پر اور ہندو بیرونی

ولیت اور حلقۂ اثر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

وسیع سماجی تعلقات اور امرا، علما، صوفیا، تجار اور عوام ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ مؤلف کے روابط نے اسے
بیع النظری بخشی تھی وہ اپنے معاصرین کی زندگی کو سمجھنے اور ان کا بغور مطالعہ کرکے ان کی زندگی کی صحیح عکاسی کرنے
ں کیلئے بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ حقیقتاً اس تالیف کا یہ حصہ نہایت ہی اہم، مفید اور مستند ہے جو اس کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔

علما و صوفیا کی سوانح کے علاوہ "گلزار ابرار" میں کچھ مغل امرا مثلاً مرزا عزیز کوکا اور عبدالرحیم
ن خاناں کے کردار اور ان کی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مؤلف نے ہمایوں، اکبر اور دیگر حکمرانوں کی متعدد
ت اور عام زندگی پر ان کے جو اثرات مرتب ہوئے ان کی تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔

نظام تعلیم، طریقہ تعلیم، پڑھائے جانے والے مضامین اور مختلف درجوں کے تعلیمی نصاب اور کتابیں جو
دستانی علما نے لکھیں۔ ان تمام باتوں کی تفصیلات، ساتھ ہی ہندستانی علما، سرزمین عرب کے اسفار
ر دیگر اسلامی مراکز سے علما و صوفیا کی ہندستان آمد کا حال بھی "گلزار ابرار" میں ملتا ہے

مختصر یہ کہ محمد غوثی شطاری کی یہ تالیف، عہد وسطیٰ کی تہذیبی تاریخ کا ایک ایسا اہم ماخذ ہے جسے
نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)
(ترجمہ: ڈاکٹر سلیم الدین احمد)

جناب عشرت علی قریشی
مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ

مولانا آزاد لائبریری کے دو اہم مخطوطات

(۱) ملفوظات شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی

مؤلف: شاہ محمد ابن شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی (مخزونہ ذخیرۂ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ) اوراق ۱۴۳، فی ورق ۱۵ سطریں، کتابت نستعلیق، کاتب شیخ بہادر ابن دولت خاں لاہوری سنہ ۱۰۴۲ ہجری شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات کا سب سے زیادہ قدیم اور مکمل نسخہ ہے۔

اس کے دو مزید نسخے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن میں سے ایک نیشنل میوزیم پاکستان میں ہے۔ (نمبر ۲۶/۲۱) یہ نسخہ خط نسخ میں میر ابو القاسم طباطبائی کا کتابت کردہ ہے۔ سنہ کتابت ۱۲۵۰ھ ہے۔ یہ نسخہ ایک کا حصہ ہے اور ورق ۴۹۳ تا ۵۲۰ پر ہے۔ دوسرا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے (نمبر ۱۳۴۲ (۱)): ہے (ورق ۶۷ تا ۷۶) مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ اس کا اور کوئی دوسرا نسخہ کہیں بھی دستیاب نہیں ہے۔

جیسا کہ مخطوطہ کے نام سے ظاہر ہے یہ شیخ وجیہ الدین احمد العلوی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ شیخ وجیہ الدین ہندوستان کے ایک مشہور صوفی تھے جن کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا ہے۔ شیخ کا اصل نام سید احمد تھا لیکن لقب وجیہ الدین سے مشہور ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ یہ نویں شیعہ امام (م ۹۲۰ھ) کے بیٹے محمد عزیز کے خلیفہ تھے۔ ۹۹۱ھ میں ان کے اجداد میں سے ایک سید بہاء الدین مکی عرب سے آئے اور محمد آباد (چمپانیر) میں سکونت اختیار کی۔ گجرات کا سلطان ان کے علم و فضل سے کافی متاثر ہوا کافی مدد کی۔ آپ نے گجرات ہی میں شادی کی اور چمپانیر ہی میں اپنی وفات تک رہے۔ ان کے بیٹے کو سلطان مظفر خاں نے پتری کا قاضی مقرر کیا تھا جب سے یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی رہا۔ ان کے امام الدین کھمبات (Khanbat) کے قاضی مقرر ہوئے۔ سید امام الدین کے بیٹے شاہ نصر اللہ کے والد تھے۔ ان کی والدہ کا نام بوجی تھا جو شاہ شہاب الدین کی صاحبزادی تھیں۔

شیخ وجیہ الدین چمپانیر میں محرم ۹۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ جیسا کہ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف ہے لیکن مرآۃ احمدی میں ان کی تاریخ پیدائش کو لفظ "شیخ" سے نکالا گیا ہے جس کے مطابق ۹۱۰ھ سا

پاتی ہے۔ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب مصنف تاریخ صوفیائے گجرات کی تحقیق کے مطابق تاریخ پیدائش ۲۲ر ر ۹۱۰ھ ہے۔

شیخ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور ۲۰ سال کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہو کر تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ انھیں استاذالاساتذہ اور ملک المحدثین کے نام سے پکارا جانے لگا۔ وہ ایک مستند فقیہ بھی تھے۔ اور ان کا فتویٰ اپنے موضوع پر آخری فتویٰ مانا جاتا تھا۔ شیخ نے ۹۴۴ھ میں "مدرسہ عالیہ" میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس مدرسے سے اپنی وفات تک منسلک رہے۔

آغاز زندگی میں شیخ کا تعلق گرچہ مختلف سلاسل طریقت سے رہا اور انھوں نے متعدد صوفیا (مثلاً حضرت شاہ عثمان چشتی، حضرت امام الدین ترکی وغیرہ) کی پیروی کی لیکن بالآخر انھوں نے شیخ غوث محمد گوالیاری، مصنف جواہر خمسہ، کی شاگردی اختیار کی۔ شیخ غوث محمد نے انھیں اپنا خلیفہ بنایا اور انھیں شطاری سلسلہ کا پیر مقرر کیا۔ چنانچہ شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے بعد ہندستان میں سلسلۂ شطاریہ کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف کے مطابق شیخ وجیہ الدین کی وفات بروز اتوار ۲۹ صفر ۹۹۸ھ میں ہوئی۔ مصنف نے لکھا ہے کہ قرآنی آیت "ولھم جنّٰت الفردوس نزلا" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ خزینۃ الاصفیا میں بھی یہی تاریخ وفات دی گئی ہے اور مندرجہ ذیل شعر سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

نیز داں سال رحلت آں شاہ　　　صاحب حق سخی وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین نے متعدد اہم کتابوں پر شرح و حواشی لکھے ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۹۷ تک پہنچتی ہے۔

زیر بحث مخطوطہ شیخ وجیہ الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ ذیل میں آپ کے چند ملفوظات مختصراً بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ شریعت اور طریقت :- شیخ کا کہنا ہے کہ وہ شریعت پر یقین رکھتے ہیں جو ان کے لیے واحد حقیقت ہے نہ کہ طریقت پر۔

۲۔ تنہائی میں ذکر :- جب حقیقت کا متلاشی تنہائی میں ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا ہے تو باطن کی تمام خرابیوں اور نقائص سے پاک ہو جاتا ہے اور اسے تمام اعلیٰ خوبیاں اور انسانی کردار کی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۔ زیادتی اکل و شرب :- حقیقت کے متلاشی کو معمولی و سادہ کھانے کی اور صرف ضرورت بھر کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بار کسی نے مشورہ دیا کہ عبادت کی غرض سے زیادہ قوت حاصل کرنے کے لیے خوش ذائقہ اور اچھا کھانا کھانا چاہیے، تو شیخ نے کہا کہ خوش ذائقہ اور مزے دار کھانا عموماً زیادہ کھا لیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں عبادت میں کمی آ

بـستی پیدا ہو جاتی ہے۔

ـ **روحانی سلسلۂ نسب** :- اپنے روحانی سلسلۂ نسب کے متعلق شیخ کا کہنا تھا کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلعم سے براہِ راست روحانی روشنی حاصل کی تھی۔ حضرت علیؓ سے یہ روشنی سلطان العارفین بایزید بسطامی اور ان سے شیخ بـ(...)ث محمد کو حاصل ہوئی جنھوں نے پھر اسے شیخ وجیہ الدین کو پہنچایا۔

ـ **مُردہ شخص کو مُرید کی حیثیت سے قبول کرنا** :- شیخ فرماتے تھے کہ دوسرے صوفیا کے برخلاف وہ مردوں کو بھی اپنا مُرید بنانا منظور کرتے ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے ان کے مُردہ شاگرد اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

۶۔ **استخارہ کی مذمت** :- کیا ہر کام کو شروع کرنے سے قبل استخارہ کر لینا بہتر ہے؟ اس سوال کے جواب میں شیخ نے فرمایا کہ استخارہ میں جو کچھ آتا ہے تو اس کے بارے میں استخارہ کرنے والا شخص یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس نے خود اس کام کے اچھے یا بُرے انجام کے بارے میں پہلے ہی معلوم کر لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے سوال کیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ بدنصیب کون ہے تو خدا نے جواب دیا کہ وہ جو خدا پر غلط اور جھوٹے الزام عاید کرتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے مزید سوال کیا کہ خدا پر کون جھوٹا اور غلط الزام عاید کر سکتا ہے تو خدا نے ارشاد فرمایا کہ وہ جو استخارہ کرتا ہے اور خدا کے فضل اور رحمت کا طلبگار نہیں ہوتا۔ کاغذ کے دو ٹکڑوں پر، ایک پر کرو، اور دوسرے پر نہ کرو، لکھ کر استخارہ کرنا سخت منع ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیشہ سنّت کی ہی پیروی کرنی چاہیے جس سے ہی اسے فائدہ پہنچے گا۔

۷۔ **وحدۃ الوجود** :- شیخ کا کہنا تھا کہ جو وحدۃ الوجود پر یقین نہیں رکھتا۔ اسے زیادہ سے زیادہ ذکر و فکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو حقیقت اس پر ضرور روشن ہوگی اور وہ وحدۃ الوجود کو قبول کرے گا۔

۸۔ **دل میں غیر اللہ کے خیال کو لانے سے بچنا** :- شیخ کا کہنا تھا کہ حقیقت کے متلاشی کو اپنے دل و دماغ میں خدا کے علاوہ کسی کا خیال نہ لانا چاہیے۔ اسے ہر لمحہ خدا کے حضور حاضر رہنا چاہیے اور اس سے باہر کبھی قدم نہ نکالنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں اسے ہمیشہ خدا ہی کے خیال میں ڈوبا رہنا چاہیے اس لیے کہ خدا کے ذکر و فکر میں ڈوبا رہنا بہترین تقویٰ ہے اور تمام کاموں میں سب سے اچھا کام ہے۔

۹۔ **قناعت** :- شیخ کا کہنا تھا کہ انھیں کھانے اور کپڑے کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ انھیں کھانے کی صرف اس لیے تھی کہ وہ عبادت کرنے کے لیے قوت حاصل کر سکیں اور کپڑے کی اس لیے کہ وہ اپنا ستر چھپا سکیں۔

۱۰۔ **باطن کو درست اور مہذب کرنے کیلیے صرف سجدے کافی نہیں ہیں** :- ایک بار شیخ کو ایک شخـ

بارے میں بتایا گیا کہ وہ لگاتار روزے رکھتا ہے اور نفل نمازیں پڑھتا ہے تو شیخ نے کہا کہ وہ شخص اپنے باطن سے واقف نہیں ہے۔ شیخ نے مزید کہا کہ حقیقت کے کچھ متلاشی اپنے باطن تک پہنچنے کے لیے اپنے ذہن وصلاحیت پر ہی قناعت کر جاتے ہیں اور ذکر و فکر کے ذریعہ اس کی اصلاح و درستگی کی کوشش نہیں کرتے چنانچہ وہ درجہ کمال تک پہنچنے میں ناکام رہ جاتے ہیں اور اسرار و رموز کے کشف میں اعلیٰ مدارج تک پہنچنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

۱۱ عقل و دانش سے متعلق کتابیں ایمان کو مضبوط کرتی ہیں :- شیخ کا کہنا تھا کہ عقل و دانش سے متعلق کتابیں مثلاً شرح مواقف، ایمان کو مضبوط کرتی ہیں۔ لیکن ایک بار جب ان کے ایک شاگرد نے شیخ کو بتایا کہ ایسی کتابوں کے مطالعہ نے اس کے دماغ میں شک و شبہ پیدا کر دیا تو شیخ نے بار بار اس سے تقاضا کیا کہ وہ مطالعہ کو ترک کر دے۔

۱۲ شطاری سلسلہ تصوف :- ایک بار شیخ نے کہا تھا کہ شطاری سلسلہ تصوف تمام صوفی سلسلوں میں سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ سودمند ہے۔

۱۳ درجہ کمال حاصل کیے بغیر درویش کو درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا کام نہیں کرنا چاہیے :- شیخ کا مشورہ تھا کہ درجہ کمال حاصل کیے بغیر صوفی کو درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں مشغول نہ ہونا چاہیے جس طرح سے علماء ملک کی دفاع و حفاظت کا کام مسلح افواج کے حوالے کر دیتے ہیں اور خود درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں اسی طرح سے حقیقت کے متلاشی کو چاہیے کہ وہ خدا کے ذکر و فکر میں ڈوب جائے اور درس و تدریس کے کاموں کو علماء کے لیے چھوڑ دے اس لیے کہ درس و تدریس کی طرف متوجہ ہو جانے سے اسرار و رموز کے کشف میں مزاحمت پیدا ہوتی ہے اور خدا تک جانے والے مسافر کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۴۔ شیخ کی ولایت کا اثر :- شیخ نے انکشاف کیا تھا کہ چار ہزار ایک سو اشخاص انکی ولایت سے مستفید ہوئے تھے اور ان کی رہنمائی میں پاکی و تقویٰ کے راستے کے مختلف مراحل طے کر کے درجہ کمال تک پہنچے تھے۔

۱۵۔ شیخ علی متقی کا درجہ :- شیخ کی نظر میں شیخ علی متقی کا بڑا درجہ تھا۔ ایک بار شیخ نے کہا کہ وہ انسان کے بھیس میں فرشتہ ہیں۔ شیخ نے مزید کہا کہ شیخ علی متقی کے تقویٰ کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھر شیخ کے مطابق شیخ متقی روحانیت میں درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکے تھے گرچہ اپنی عبادت و ریاضت کے ذریعہ انھوں نے اپنے اندر کشف باطن کی صلاحیت پیدا کر لی تھی۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)

② ملفوظات شیخ مرتعش

ایک مشہور صوفی بزرگ ابو محمد عبداللہ بن محمد نیشاپوری (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) جو شیخ مرتعش کے نام سے معروف ہیں ان کے ملفوظات پر مشتمل یہ مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری کے حبیب گنج کلکشن (نمبر ۲۱/۳۱۱ - ۳۱۲ تصوف) کی زینت ہے (اوراق ۸، کتابت نستعلیق)۔

آغاز: "الحمد للہ ... بدان اے طالب صادق کہ حضرت شیخ مرتعش چنیں می فرمایند کہ صدآں بود۔"

اس نسخہ کے ساتھ "اقسام راہ حق" نامی ایک نسخہ مجلد ہے۔ نسخہ میں کتاب کا نام نہیں دیا ہے۔

شیخ مرتعش کے ملفوظات پر مشتمل صرف ایک نسخہ جس کا نام "مرشد السالکین" ہے نیشنل میوزیم پاکستان میں دستیاب ہے (نمبر (نیشنل میوزیم ۱۹۶۹-۱۲۷، اوراق: ۱۴۲ تا ۱۴۷)۔

شیخ کی پیدائش نیشاپور میں ہوئی لیکن انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بغداد میں گزارا۔ آپ شیخ ابو حفص کے شاگردوں میں سے تھے، اور آپ نے کچھ وقت حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابو عثمان کی صحبت میں بھی گزارا تھا۔ شیخ کے دوستوں میں ابو سہل محمد بن سلیمان صعلوکی (م ۳۶۹ھ)، ابو بکر محمد بن علی بن حمدان فرا نیشاپوری (م ۳۷۰ھ) اور ابو القاسم ابراہیم بن محمد محمویہ، جو شیخ شبلی کے شاگردوں میں سے تھے، قابل ذکر ہیں۔ شیخ نے آخر عمر میں مکہ کے مضافات میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ "نفحات الانس" میں ان کی تاریخ وفات …۳ھ لکھی ہے جبکہ یافعی صاحب محاسن الاخبار وغیرہ کے مطابق ربیع الاول ۳۲۶ھ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

ابو نصر سراج، صاحب کتاب اللمع (م ۳۷۰ھ یا ۳۷۸ھ) جن کا اصل نام عبداللہ بن علی الطوسی تھا اور جو طاؤس الفقرا کے نام سے مشہور تھے، آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ رباعی کے عظیم شاعر شیخ ابو سعید بن ابو الخیر (م ۴۴۰ھ) بھی جن کا اصل نام فضل اللہ تھا، آپ ہی کے شاگرد تھے۔

شیخ مرتعش نے کافی سفر کیا تھا، وہ روزانہ ایک ہزار فرسخ، ننگے سر اور ننگے پیر سفر کیا کرتے تھے اور کسی جگہ بھی دس دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔ گرچہ آپ نے تیرہ بار حج کیا تھا لیکن انھوں نے افسوس ظاہر کیا تھا کہ ان کے سارے حج ان کے نفس کی خواہش کے غلام تھے اور اس میں خدا کی مکمل اطاعت نہیں تھی۔ جب لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ "ایک بار ان کی ماں نے انھیں ایک کنویں سے ایک کٹورا پانی لانے کو کہا تھا، جس میں انھیں کچھ دقت محسوس ہو رہی تھی ماں کے اس حکم کی بجا آوری میں اس معمولی پریشانی نے انھیں یہ باور کرا دیا کہ ان کے تمام حج نفس کی تسکین و خوشی کے لیے تھے، نہ روحانی پاکیزگی یا خدا کی رحمت کی حصول کے لئے۔"

کہا جاتا ہے کہ ایک بار شیخ بغداد کی ایک سڑک سے گذر رہے تھے کہ پیاس لگی، انھوں نے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا ان پانی کی درخواست کی۔ ایک خوبصورت لڑکی گھر سے ایک گلاس پانی لائی۔ جیسے ہی شیخ نے اس لڑکی کو دیکھا وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور گھر کے سامنے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد گھر کا مالک باہر آیا اور اس نے شیخ سے دریافت کیا کہ وہ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ اس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گئے ہیں جو ان کے لیے ایک گلاس پانی لائی تھی۔ وہ آدمی شیخ کو جانتا تھا اور ان کی روحانی حیثیت سے واقف تھا۔ اس نے فوراً اپنی لڑکی کا ہاتھ شیخ کی نکاح میں دیدیا۔ رات میں شیخ اپنی دلہن کے پاس گئے لیکن اس پر ایک نظر بھی ڈالے بغیر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو زور زور سے رونے لگے انھوں نے اپنے شادی کے کپڑے اتار دیے اور دوبارہ اپنا خرقہ پہن لیا۔ پھر انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور باہر چلے آئے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ان کے دل پر یہ انکشاف ہوا کہ پہلی سرسری نگاہ نے تو انھیں ان کے ظاہری لباس سے بے لباس کر دیا تھا، اور اب دوسری نگاہ انھیں باطنی طور پر خدا کی پہچان کے باطنی لباس سے بھی بے لباس کر دے گی۔

ایک بار شیخ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص خدا کا دوست کیسے بن سکتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ خدا کا متلاشی ان چیزوں سے نفرت کرکے جو خدا کو ناراض کرنے والی ہیں، خدا کا دوست بن سکتا ہے، اور وہ چیزیں جو خدا کو ناراض کرنے والی ہیں وہ دنیا کی لالچ اور نفس کی خواہشات ہیں۔ کسی نے شیخ سے ایک آدمی کے بارے میں بتایا کہ وہ پانی پر چل سکتا ہے تو شیخ نے جواب دیا کہ وہ ایسے ایک آدمی کو جانتے ہیں جو نفس سے مقابلہ کرتا ہے اور نفس کی مخالفت کرتا ہے۔ مزید انھوں نے کہا کہ یہ شخص پہلے شخص سے زیادہ برتر ہے۔

شیخ کی وفات ۳۲۸ھ/۹۳۹ء میں ہوئی۔

شیخ کے ملفوظات ان کے شاگردوں میں سے کسی نے جمع کیے ہیں، جن کا نام مخطوطہ میں نہیں ہے۔ شیخ کے ملفوظات تصوف کے متعدد مدارج کا تذکرہ ہے۔ شیخ کی نگاہ میں صوفی وہ ہے جس کے جسم و جان میں اور قول و عمل میں مکمل یکسانیت ہو۔ (قول آنجا کہ قدم، قدم آنجا کہ قول، دل آنجا کہ تن، تن آنجا کہ دل) جو اپنے باطن، دل یا روح کے خلاف نہ کام کرے نہ ایک لفظ ہی منہ سے نکالے اور جو ہمیشہ خدا کے سامنے حاضر و ناظر رہے۔ دوسرے الفاظ میں صوفی وہ ہے جس کی روح یا جسم دل کی آنکھیں خدا سے ملاقات کے لئے اس درجہ کی مشتاق ہوں، جہاں اس کی اپنی شناخت ختم ہو جائے اور وہ مکمل طور خدا کی شناخت میں گم ہو جائے۔ "میں" اور "تم" کی کوئی تفریق باقی نہ رہے۔ "دوئی" کے سارے پردے اٹھ جائیں اور غیب سارے اسرار و رموز اس کے لیے بے نقاب ہو جائیں۔ شیخ نے "سلوک" کے تین درجے بیان کیے ہیں۔ پہلے درجے میں

اوقات اپنے آپ میں معدوم ہوتا ہے اور خدا کی حاضری سے غائب ہوتا ہے اور بسا اوقات خدا کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور
نہ آپ سے غائب ہوتا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو کلی طور پر بھول جاتا ہے یا مدہوش ہو جاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں جو کیفیتیں
"وجود و عدم" کہلاتی ہیں۔ شیخ کے مطابق "سلوک" کی راہ کے مسافروں کا یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں صوفی کے لیے
کسی بھی طرح مناسب نہیں کہ ایک شیخ کا کردار ادا کرنا شروع کر دے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا شروع کر دے
یا کسی بھی ایسے کام میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے جو اس کی توجہ کو آگے بڑھنے اور تصوف کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے سے
روک لے۔ اس کی ساری کوشش اس بات کے لیے وقف ہونی چاہیئے کہ وہ وجود کی ان دونوں کیفیتوں یعنی جسمانی طور پر موجود
اور خدا کے حضور حاضر کو ساتھ ساتھ لے کر چل سکے۔ وجود کی یہ دونوں کیفیتیں ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو جانی چاہیئے کہ پھر
یہ اس سے آگے کے درجے تک پہنچنے میں مددگار ہو سکیں۔ تصوف کا یہ درجہ "ثم نسبت نفسک" (فنائے وجود بشریت) کہلاتا
ہے۔ اور یہ درجہ رسول اللہ صلعم کی سنت کی پوری پوری پابندی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ سلوک ہی خدا تک پہنچانے والی چیز
ہے جس کی راہ کے سب سے بڑے رہنما رسول اللہ صلعم ہی تھے۔ "فنائے وجود بشریت" کے درجے تک پہنچنے میں کامیابی "فنا الفناء" کے
درجے تک پہنچنے میں مدد کرتی ہے جو بالآخر صوفی کو "حضور حاضر دکھنا حاضر" کے اعلیٰ درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ یہاں صوفی کا جسمانی
وجود اور اس کی دنیاوی ضرورتیں اس کے اندر اس کے خدا کے درمیان کسی پردے یا رکاوٹ کا سبب نہیں بنتے۔ چنانچہ شیخ کے
مطابق اس درجے پر پہنچ جانے کے بعد ہی صوفی کو لوگوں کی اصلاح اور ان کی رہنمائی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اب اسے ان
اسرار و رموز کو واشگاف کرنا چاہئے جو اس پر ظاہر ہوئے ہیں۔ اب صوفی کی زندگی رسول اللہ صلعم کی درج ذیل احادیث
کی مکمل نمائندہ بن جاتی ہے :-

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ اَعْرِفْ نَفْسَكَ يَا اِنْسَانُ تَعْرِفْ رَبَّكَ۔ اَعْرَفُكُمْ بِنَفْسِهِ اَعْرَفُكُمْ بِرَبِّهِ"

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)
(ترجمہ: ڈاکٹر وسیم الدین احمد)

ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن ندوی
ادارۂ علوم اسلامیہ
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

علی گڑھ کے دو بلگرامی مخطوطات

(۱) انیس المحققین

خط: نستعلیق و نستعلیق شکستہ، اوراق: ۹۲، سطریں: ۱۵، سائز: ۶، ۶ × ۴، ۱۰، کاتب: احمد علی، سنہ کتابت: ۱۲۶۶-۱۲۹۰ھ، لوح مطلی و منقش، چند اوراق مجدول بہ سبز و زرد، عنوانات وغیرہ بخط شنگرف، عبارات عربیہ بخط نسخ (حبیب گنج ذخیرہ ۵۱۴/۲۱ فارسیہ تصوف)۔

انیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی کی ایک ایسی تصنیف ہے جس کا ذکر نہ تو مصنف نے اپنے حالات کے ضمن میں کسی جگہ اپنی تصانیف کو بیان کرتے ہوئے کیا ہے اور نہ بعد کے لکھنے والوں نے ان کی حیات آثار اور کارناموں کو شمار کرتے وقت بتایا ہے کہ ان کی طویل تصانیف کی فہرست میں یہ کتاب بھی شامل ہے جو مسائل و مہمات تصوف سے متعلق ہے۔ اصل کتاب کی دریافت راقم ایں حروف کی ہے جو سبحۃ المرجان کی تحقیق و تحشیہ کے کاموں کے دوران واقع ہوئی۔ اس کی تفصیل سبحۃ المرجان کے محقق نے مقدمے میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے نہیں دی، صرف فارسی تصانیف کو بتاتے ہوئے نام گنا دیا ہے۔

نام کتاب: اس طرح کے نام علما کی تصانیف و ملفوظات کے ذیل میں بھی ملتے ہیں۔ انیس الارواح جو حضرت خواجہ عثمانی ہارونی اور خواجہ معین الدین چشتی کی طرف منسوب ہے یا انیس الصالحین جو حضرت امام الدین (۱۱۰۵ھ) کی ہے یا انیس ال[illegible] جو گویا انیس المحققین کا ہم معنی نام ہے تصوف کی کتابیں ہیں۔ عاشق صادق کی رسائی حق تک ہوتی ہے ورنہ کوچہ گردی ہر کس و ناکس کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے۔ جب عاشق صادق تپ تپا کر اور مختلف منازل سے گذر کر عشق حقیقی کی شراب ناب سے متوالا ہو جاتا ہے تو اس کا دوسرا نام محقق ہو جاتا ہے اس لیے تلاش حق کے متوالوں کا یہ نام نیا نہیں ہے۔ حضرت سعدی شیرازی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

علم سے حق تک انسان کی رسائی نہ ہوئی اور وہ اپنی ذات کی حقیقت کو نہ پہچان سکا تو روشنی طبع اس کے کیا کام آئی بلکہ اس کی ذات کے لیے وبال بن گئی۔ ایسے علم سے باز آئے یہاں سے تو جہل بہتر ہے۔ جانور لا علم ہے کہ اس کے اوپر کیا بوجھ لادا گیا ہے اس لیے اس کے نزدیک اینٹ، پتھر اور دانش و خرد کا مظہر کتابیں یہ تمام یکساں ہیں کہ بوجھ ہی تو ہیں۔ علم کی روشنی ناممکن کیسے ہو اگر چہ بوجھ بن گئی اور فکر و فہم کو راہ یاب نہ کر سکی بلکہ تاریکی میں یہ ایسے ہی پڑے رہے تو مقصد علم حاصل نہ ہوا کہ ضلالت سے ہدایت کی طرف جا سکیں چنانچہ سعدی شیرازی نے یہ شعر اسی ذیل میں پیش کیا ہے ؎

نہ محقق بود نہ دانش مند　　چار پائے برو کتاب چند

دانش مند سے عام اہل علم و خرد مراد ہیں اور محقق سے ایسی ذات والا صفات جو حق جوئی کے لیے سرگرداں اور پریشان ہو اور اس کیلئے ہر طرح کی مصیبتیں اور آلام روزگار برداشت کرے اور جو جتن ممکن ہو سکے وہ اس کی خاطر کر گزرے۔ شعر بالا میں محقق کا مرتبہ دانش مند سے پہلے دکھایا گیا ہے کہ یہی مقصود زندگی ہے۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بوالہوی است۔

کتاب کی داخلی شہادت بھی یہی بات سامنے رکھتی ہے کہ آزاد بلگرامی نے مختلف پیرایۂ بیان میں "حَ قَ قَ" کے مادّے سے حق رسی کے جملہ پہلوؤں کو اجاگر کرنا چاہا ہے:

(۱) مقدمہ کتاب میں حمدلہ کی سطروں میں ایک جگہ لکھتے ہیں: الحمد للہ الذی کل یوم ھو فی شانٍ۔ واولیاءہ الذین نری اللہ قلوبھم بحقائق الایمان۔

(۲) ایک دوسری جگہ اس مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "شائقین و معتقدین" اس کتاب کے مطالعہ کے لیے بیتاب تھے۔ "و زمرۂ آرزو منداں کہ در اخذ ایں کلمات حقائق گنجور ناصبور بودند۔" دیکھیے لفظ "حقائق" کا استعمال محقق کی نسبت سے ہے۔

صوفیا کی اصطلاح میں ایسے انسان جو "حقائق اشیا" کے ادراک کے بعد نفسِ حق تک رسائی حاصل کر لیں، وہ محقق ہوئے۔ صوفی شاعر سعدی شیرازی نے بھی اسی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ محقق کیلئے علم و عرفان کے جملہ وسائل کی تحصیل ضروری ہے جو لفظ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتاب رمز ہے اُن تمام جدید و قدیم تجربات اور علوم و فنون کا جو انسانی حسیات اور وجدان کے نتیجے میں حاصل ہوتا رہا ہے اور خود یہ انسان ان پر کاربند ہو کر انسانیت کی باگ ڈور سنبھالتا رہا ہے۔ رہا آج کل کا رو وہ بھی "حقائق اشیاء" کی دریافت سے متعلق جزوی معنی کو متضمن ہے، اگرچہ جدید ہے۔ پوشیدہ شئی اور عام علم کے ذہن و فکر سے اوجھل ہو اس کی کھوج بھی محقق کا کام ہے۔ عربی میں اس لفظ کا مادّہ وسیع معنی پر مشتمل ہے جس کو

ہی ابھی اشارہ کیا گیا چنانچہ اس کتاب "انیس المحققین" میں حق جوئی تسلی اور تشفی کے سامان مہیا کیے گیے ہیں۔

مغلیہ دور صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں خصوصاً اور دیگر متمدن ممالک میں عموماً بڑے
تزک و احتشام کا مظہر تھا۔ اس کے زیر حکومت علوم و فنون کی آبیاری بھی ہوئی، فقرا اور درویشوں کی پذیرائی بھی عین عروج
بلکہ اضمحلال کے ابتدائی زمانوں تک ان قدسی نفوس کی ذات بابرکات سے علم و فضل کے سوتے پھوٹے، تشنگانِ فکر و فہم کو سیرابی
نصیب ہوئی اور ان کی راحتِ جان و روح کے لیے سامان مہیا ہوئے۔ دوئی کی بو نہ تھی کہ ریاست اور گرجا میں کوئی نمایاں
تفاوت محسوس ہوتا۔ گو مغلیہ دور کے نصف آخر میں مغربی ممالک اپنی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرنے میں نمایاں ہوئے اور سامانِ
عیش کے لیے منڈیوں کی تلاش میں سرگرداں پھرے، پھر انھوں نے قدیم ڈگر سے انحراف کر کے نئی راہیں کھوج نکالیں۔ معاشی
اور معاشرتی ڈھانچہ ان کا بدلنے لگا اور دور نزدیک کی آبادی میں موثر ہوئے۔ مشرقی فکر کو سینہ سے لگانے والے متمدن ممالک میں ہندوستان
اہم مقام رکھتا تھا۔ غالباً یہ سرزمین کچھ ایسی ہے کہ اثر پذیر تو خواہی نخواہی ضرور ہوتی ہے مگر اپنے رنگ کی آمیزش بھی کرتا جاتا ہے۔
اور کر دیتی ہے۔ مغربی فکر اور ایجاد کی تیز و تند ہواؤں سے ہندوستان متاثر تو ضرور ہوا اور یہ کام جہانگیر کے عہد سے شروع ہو گیا تھا
لیکن ہندوستانی طرزِ زندگی کی نمایاں خصوصیات اپنی انفرادیت قائم رکھتی ہوئی اور روح و فکر کو سمیٹتی ہوئی آگے قدم بڑھاتا جا
تھی یا سی ہندوستان میں قدیم زمانے سے ترک دنیا کی تعلیم دی جاتی تھی، جوگ، تپسیا اور زہد خشک کا رواج بہر نوع فرض کفایہ
کے طور پر آبادی کے کچھ افراد میں اور زندگی کے کچھ ایام میں پایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ دولت معبود بھی تھا جس کی پرستش
کے لیے تیوہار منایا جاتا تھا۔ اور اس کے حصول کی خاطر جا و بے جا ہر طرح کا عمل برادرانِ ہند کام میں لاتے تھے۔ دین و دنیا کی تقسیم
بہر صورت اس وسیع و عریض سرزمین کی پرانی روش کا راز اور محبوب طرزِ سیاست تھا ہم جو یورپ کو ریاست اور گرجا کے خانوں میں
منقسم دیکھتے ہیں وہ دیر کی بات ہے۔ اس سے پہلے مشرقی ممالک ہی سے یہ ملک اپنے نظام حیات کے طور پر اس طرزِ زندگی کو اپنا
چکا تھا جس کے نتیجے میں وہ ہمہ گیر اجتماعیت یہاں مفقود تھی جس کا مطالبہ اسلام کرتا ہے اور مثالی طور پر قائم کر کے زہروان منزل
رواں دواں کشمکشِ زیست سے عہدہ برآ ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے قرآن کی رو سے تمام آسمانی ادیان ایک ہی شجرۂ طیبہ
شاخیں ہیں نتیجتاً ان کے پھل بھی ایک ہی شکل و صورت کے اور کمیت و کیفیت کے لحاظ سے ہم جنس ہیں۔ ہندوستان کی صورت
کچھ مختلف تھی آسمانی کتابوں کے پیش کردہ زندگی کا پرتو خال خال مل جائے تو مل جائے ورنہ عام طور پر فکر و عمل کا انداز
اور تضاد اس قدر تھا کہ صورتِ وحدت کی تلاش فی الاصل جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ گراں بار تھا مگر اسلام کے
علما اور صوفیا نے کمر ہمت باندھی اور منزل بہ منزل آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ کون مورخ کہہ سکتا ہے کہ انھیں اس فریضہ

تذکرے سے متعلق جب بات آئےگو وفقرائے فضلا، علما اور وقت کے گفتگو کی کامیابی ہوئی نہیں کامیابی میں دہی تا
ہوگی۔ بروقت گفتگو متعلق سے مضامین کے کتاب اس لیے اس نہیں۔ ممکن ہرگز سے ں
سے لیکر زمانے قدیم اثرات کے حالات معاشرتی و معاشی سماجی سیاسی کہ ہوا لیے اس پر اور تذکرہ کا دور مغلیہ
بلکہ ان کیا نہیں نظر صرف سے ان نے اسلام ہیں۔ رہے بنتے سے نوعیت مختلف پر زندگیوں کی انسانوں تک دور موجودہ س
تک کو قوت کی کرنے اخذ کے نتائج میں روشنی کی مشاہدات و تجربات اور ہے دی دعوت کی پرکھنے اور جانچنے کے امور
تابعین تبع تابعین صحابہ اور ہیں ملتی بھی میں پاک سیرت نظیریں کی اس اور ہے بھی میں پاک قرآن بات یہ ہے جاتا دیکھنا
تک دوسروں وہ کی حاصل روشنی جو سے فروزاں شمع کی پاک سیرت اور مجید قرآن نے راشدین خلفائے تھا۔ چکا بھی میں دور کے
و ماحول بات یہ مگر ہے آتی نظر مدھم روشنی یہ بظاہر میں جس آیا دور کا تابعین تبع اور تابعین بعد کے اس پھر رہے۔ جاتے پہنچ
کی اسی رہی۔ ہوتی اجاگر میں حیثیتوں مختلف وہ پھوٹی روشنی جو سے اعظم نیر ورنہ ہے ہوتی محسوس پر بنا کی وسعت کی معاشرہ
حقہ شریعت اور فساد و فتنہ ہوئے ابھرتے کے دور امویہ اور ہوئے افروز جلوہ العزیز عبد بن عمر کہ ہے کرشمہ کا کرنوں روشن
ہے۔ نہیں سے حیثیت کی فرد کسی کام کا ان کہ ہے لینی سمجھ بات یہ کی۔ کوشش کامیاب بڑی نے آپ کی روکنے کو انحراف سے
ہے کرتا روشن کو چراغوں دوسرے طرح کی چراغ جلتے جو ہے گری جلوہ ایک کی باقیات و آثار کے رضی کرام صحابۂ جماعت اس بلکہ
نے انھوں سے حیثیت کی حکمران اور سپاہی باک بے باعمل عالم ایک کہ تھی ضروری کتنی بات یہ متعلق سے بحث موجودہ
بنا کر منبع سے جس اور ہے مدار کا معاملات و عبادات کی اسلام پورے پر جس کیا منتخب لیے کے فرمانروائی اپنی کو "احسان" اس
حدیث و قرآن لیے کے مسائل آمدہ پیش کہ دی کر ثابت بات یہ لیے کے تک دنیا رہتی کی اسلام نے اس ہے۔ جاتا ہو تر خوب سے خوب
ہم شجاعت اور مایہ نقصان وہ گیا کیا اختیار مفر اگر سے اس ہے سکتی ہو پیدا عمل خوبی و حسن ریاست کوئی کے کر تلاش حل سے
جو لیے کے عمل و فکر کی دنیا اور پھوٹے سوتے کے فنون و علوم جو میں دور اسلامی کے بعد کے اس ہوگا۔ معنی ہم کا
دعا بھی کو تقوی و زہد کے ان ساتھ کے صلاحیتوں کی دینے انجام اور سلجھانے کو معاملات کے العزیز عبد بن عمر میں ان گئیں
جا وہ کیا فراہم موقع لیے کے دہی انجام کی حدیث خدمت اور کی افزائی ہمت کی وغیرہ حنیفہ امام مالک، امام نے اس ہے۔
کے دور متعلقہ میں بنانے معیاری کو تربیت اور ساخت انکی پھوٹے۔ سوتے کے تقوی و زہد سے زندگیوں کی جن محدثین
ہوئی تدوین و جمع کی حدیث میں صدی تیسری اور دوسری کہ ہے چکی ہو دور اب فہمی غلط یہ ہے۔ اثر کا حالات سماجی و
کرنا لے جائزہ تنقیدی کا مجموعوں اور ذخیروں انفرادی کے احادیث محدثین کہ کیا مجبور نے حالات سماجی و سیاسی
کرا سپرد کو لوگوں میں شکل کی مجموعوں بڑے بعد کے پھٹکنے چھانے انھیں اور کریں دور کو اثرات مضر کے روایتوں شدہ کار

جملہ تھا ایک یک دو ایک صدی کے بعد نہیں ابھر آئے بلکہ یہ بھی اسی ترقی پذیر تسلسل کی کڑیاں ہیں جو سرورِ کائنات کی حیاتِ تابناک سے ہی انسانی زندگی کے مختلف میدانوں میں شروع ہو گئی تھیں۔ اس طرح صوفیائے کرام اپنا سلسلہ حضرت صدیق رضؓ اکبر اور حضرت علی حیدر رضؓ تک ملاتے ہیں۔ دراصل ان میں بھی وہی عمل احسان مشترک ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔ احسان طلبی کا عمل اسلام کا مطمح نظر ہے جو انسانی زندگی کے ہر معاملے میں ظہور پذیر ہوتا ہے چاہے حکمرانی ہو، رعایا پروری ہو، یا تابعداری اور خدمت گزاری کے معاملات ہوں۔ ہندوستان کے صوفیائے کرام نے ہندوستان کے مزاج کو اچھی طرح جانا پہچانا پھر اسی لحاظ سے دین کی اشاعت کا کام انجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان حکمرانوں کا پورا پورا تعاون فروغِ اسلام کے لیے ملا ہوتا تو عجب نہیں کہ پورا ہندوستان حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا ہوتا گو یہ بات سب حکمرانوں کے متعلق نہیں کہی جا رہی ہے لیکن ان میں سے اکثر ہندوستان میں اپنے مآلِ کار سے بے خبر رہے۔ مغلوں کے دور میں ہمایوں کے فوراً بعد جن کے ہاتھوں میں زمامِ کار آئی وہ عیش پرستی کے لیے نت نئی راہیں ڈھونڈھ رہے تھے۔ الا ماشاء اللہ اور انھوں نے اس کی خاطر اپنی عقل کا استعمال بھی کیا اور کامیاب بھی رہے ظاہر ہے کہ صوفیائے اپنا وطیرہ نہیں بدلا اور عملاً ان سے علیحدگی اختیار کی اور اپنے حسنِ عمل خدا پرستی و خدا ترسی کے ذریعہ عوام میں نفوذ کرنے کی کوششیں کیں۔

یہ حالات تھے جن سے ہندوستان کا صوفی گزر رہا تھا خصوصاً جو صحیح المشرب صوفیا تھے انھوں نے حالات سے سمجھوتا تو نہیں کیا مگر نفسیاتی طور پر ان سے صرفِ نظر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کتاب "انیس المحققین" انھیں مقامی حالات کا عکس اور مسلمانی معاشرے کے چند در چند پہلوؤں کا آئینہ دار ہے اس کے ساتھ ساتھ مسلمان خواص و عوام جن حالات میں گرفتار تھے اس کی غمازی بھی کرتی ہے مختصراً ان حالات سے متعلق جو اندرونِ کتاب بطور شواہد ملے ہیں ان کا ذکر آپ کے گوش گزار ہے۔

مجالسِ صوفیاء:- حال حال تک اس سلسلے کی شمعیں جو تیرگیٔ فکر و ذہن کو کافور بنا رہی تھیں ہم جیسوں کے مشاہدوں میں بھی آئی ہیں۔ عوام کا جو ہجوم ہوتا تھا اور ان جیسی ذات والاصفات سے فیوض و برکات حاصل کرنے کی جو کوششیں کام میں لائی جاتی تھیں، اگر وہ کل کی بات تھی تو آج کی بھی بات ہو سکتی ہے۔ آزاد بلگرامی شاہ لدّھا سید لطف اللہ سے بیعت تھے اور شاہ لدّھا کے مرشد سید احمد کالپی تھے اور انھوں نے اپنے پدر بزرگوار سید محمد سے تحصیلِ علم و فیض اور خلافت حاصل کی۔ انیس المحققین کے مطابق آزاد بلگرامی نے شاہ لدّھا سے اس وقت بیعت کی جب ان کی عمر نو سال کی ہو گئی تھی پھر بھی شاہ لدّھا مجالس تعلیم و تربیت میں اس طرح جلوہ فرما ہوتے کہ سامعین و حاضرین کو بے خود و وارفتہ بنا دیتے یہ تاثر و کیفیت اتفاقی نہ تھی بلکہ ان مجالس کا یہ محکم اور استوار رنگ تھا شاہ لدّھا کی سخن آفرینی، خوش بیانی کی رنگینی پیرایۂ ادائے مطالب میں سکون و اطمینان کچھ اس طرح کا ہوتا کہ شرکاء متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے زبان بند

ایسا مناسب حال ہوتا کہ نثر در دل نگاری کا حامل کلام بن جاتی۔ اس نثر کی کچھ مجلسوں کا ذکر کرتے ہوئے آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

> "سخن را در کمال خوبی و رنگینی و ملیانت ادا می فرمودند و بحسن ادا و فصاحت کلام و تنقیح عبارت دل ہائے سامعان می ربودند" ص ۳۶

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا طریقہ ارشاد عوام و خواص کے لیے ایسا تھا کہ ہر شخص مستفید ہو سکتا تھا پھر اس میں علم و فضل کی رنگ آمیزی ایسی ہوتی کہ اس سے فضلاء عصر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ آزاد بلگرامی جیسا یگانۂ روزگار بھی ان کی مجلسوں سے بہرہ ور ہوتا اور مجلس کی دل ربائی دل گیر بن جاتی۔

ان ایام میں صوفیا کی مجالس سے فائدہ اٹھانے کے دو طریقے عام طور پر رائج تھے۔ اوّل ان شیخ صحبتوں کی نشست و برخواست اور مجلسوں سے استفادہ ہوتا جو زندہ اور قائم تھے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا اور دوسری صورت مجلس استفادہ کی وہ ہوتی جو کسی عظیم شخصیت کے مزار پر حاضری سے ہوتی اور ان کی سیرت و آثار کے استحضار کے ساتھ استفادے کی کوشش ہوتی۔ کسی ایسے صوفی کے ساتھ جس کی طرف مرجوعہ عام ہوتا وہاں پہونچ کر اس کے ساتھ دیگر حضرات بھی مراقب ہوتے گو اس دور میں کسی جاہل اور مزار پرست صوفی کا وجود ممکن نہ تھا اور نہ وہ مسند رشد و ہدایت پر فائز ہو سکتا تھا پھر بھی یہ پُر خطر راہ تھی اور رہے اور اس سے استفادہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔

میر سید محمد کالپی کا بھی حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کے مزارِ پاک پر حاضر ہو کر مراقب ہوتا اسی نوع کے استفادے کی خاطر تھا اور اپنے مسلک کے قیاس کے ساتھ خود کو اپنی روش پر قائم رکھا اور اپنے مسلک کے مطابق جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہونے ان کے نامور صاحبزادے اور خلیفہ مجاز سید احمد کالپی نے بھی اس طریقے کی پیروی کی مگر ان دونوں میں جو ذوق سلوک کا اختلاف تھا وہ یہاں نمایاں ہو گیا۔ سید احمد کے حالات میں مقصد اول کے تحت آزاد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " از مزارِ خواجہ بزرگ بہ اجمیر رخصت شدند۔ فرمودند کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ مارا رخصت نمودند و دستار بر سر سید احمد بستند و فرمودند کہ مجلس ما کرم سازند۔ از ایں جا است کہ آں جناب در سماع و سرود و وجد بسیار متوغل بودند باوجودیکہ حضرت قطب الاولیاء (سید محمد) نہایت تشرع داشتند۔"

آزاد بلگرامی کی تاریخ نویسی کا وہ رنگ یہاں بھی ظاہر ہو گیا ہے جو ان کی تحریر کی خوبیوں میں سے ہے۔ تصوف کے دو مختلف مسلکوں کی طرف اشارہ کر کے تاریخ کا کمال کہ بھی پیش کر رہے ہیں اور اس وقت کے سماج اور معاشرہ کو بھی سامنے لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ باپ بیٹے میں ذوقی اور فکری اختلاف ہے۔ پیر و مرشد کے درمیان طریقہ

وسلوک کا اتحاد نہیں مگر منزل ایک ہے جہاں مختلف راہوں سے گذر کر شاں کشاں رہروان عشق و مستی پہونچنے کا جد و جہد کیا ہیں یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے اختلافات کسی منازعہ کی شکل نہیں اختیار کرتے بلکہ ذوق و وجدان کی حدود میں محصور رہتے ہیں۔

سید احمد کی مجلسوں کا رنگ کچھ اور ہی تھا جس کی تفصیل سماع و سرود کے ذکر میں آرہی ہے۔ سید احمد نے علوم و فنون کی تعلیم سید افضل الہ آبادی سے متوسطات تک حاصل کی تھی بعض اونچے درجے کی کتابیں بھی پڑھی تھیں مگر آپ نے اپنے والد بزرگوار سید محمد سے علوم و فنون کی تکمیل کی بالآخر بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے طبعی رجحان کے بنا پر حضرت خواجہ چشتی کے طریقہ مجلس کو اختیار کیا تھا اگرچہ اس قسم کا رجحان اپنے زمانہ طالب علمی میں بھی رکھتے تھے۔ اس بات کو میر غلام علی آزاد نے تفصیل سے لکھا ہے اور در پردہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ علما و فقرا جو وسیع المشرب ہیں جو اختلافات ان کے اندر رونما ہوتے ہیں وہ جزوی حیثیت رکھتے ہیں انہیں اپنی مناقشات کی بنیاد نہ بنانا چاہیئے۔

سماع و سرود :۔ سماع و سرود سے متعلق علما و فضلا باہم اختلاف رکھتے رہے ہیں کچھ تو قطعاً اس کے جواز کے قائل نہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس کے جواز کے قائل تو ہیں مگر شروط و قیود کے ساتھ جن کا پورا ہونا بنظر انصاف مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خود انیس المحققین میں ایک جگہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ شیخ افضل الہ آبادی میر سید احمدؒ کی مجلس میں اس لیے شریک نہیں ہوتے تھے کہ وہاں سرود کا بازار گرم تھا ان دونوں کے درمیان مراسلت رہی بالآخر محمد افضل سید احمد کے اصرار پر کالپی تشریف لے گئے جب یہ کالپی حاضر ہوئے تو ان کے کمال تشرع کی وجہ سے سید احمد نے اپنی مجلس میں سماع موقوف کرا دیا۔ آزاد لکھتے ہیں کہ تین دن تک ان پر سکوت طاری رہا۔ بھوکے پیاسے رہے اور غذا نہ لی۔ چوتھے دن شیخ افضل سے ملاقات ہونے پر قطب الاولیا سید محمد کے مریدوں کی ملامت کا ذکر فرمایا۔ اس دن جب جب ملاقات ہوئی تو ان کی ملامت کا ہی ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کے بعد سے عصر کی نماز تک، عصر کے بعد مغرب تک پھر مغرب بعد بھی اسی ملامت کا ذکر شروع کر دیا شیخ افضل نے اس کا علاج یہ دیکھا کہ قوالوں کو سرود سرائی کی اجازت دے دیں چنانچہ آپ نے بلایا اور انہیں سرود سرائی کا حکم دیدیا "فرمودند چرا بکار خود مشغول نمی شوند"۔ اس وقت جو قوال سامنے آیا اس کے متعلق آزاد نے لکھا ہے کہ اپنے پیشہ سے توبہ کر کے سید احمد کی ارادت میں داخل ہو گیا تھا۔ قوالی شروع ہو گئی اور وجد و حال کا جو لازمہ تھا وہ مجلس پر طاری ہو گیا۔ آزاد آگے چل کر لکھتے ہیں:

"خاطر آنجناب خوش وقت شد۔ فرمودند کہ میاں جیو من سرود بکنم۔ رومال و تسبیح در دست گرفتند الحمد للہ گفتند و در حاضران اثر کرد و شمع از خود افتادند۔ حضرت سید الاولیا میر شاہ لدھا قدس سرہ فرمودند کہ از مشاہدۂ کیفیت حضرت سلطان الاولیا شیخ نیز در رقت آمدند و بے اختیار برخاستند"

شیخ محمد افضل حضرت سید احمد کے استاد خاص تھے۔ سید محمد نے اپنے فرزند سید احمد کی تعلیم و تربیت کا کام انھیں کے
سپرد کیا تھا۔ وہ اپنے اس ورع و تقوی کے ساتھ مسلک کی اختلافی کے باوجود ضبط نہ کر سکے اور رقت طاری ہو گئی قصداً مجلس سے
اٹھ کر چلے گئے۔ یہ روایت کسی عام مرید کی نہیں بلکہ سید لطف اللہ شاہ لدھا بلگرامی جیسے ایک بڑے عالم و صوفی کی ہے جن کے متعلق
ہم جان چکے ہیں کہ کسب فیض انھوں نے سید احمد سے کیا تھا اور خود سرود و سماع کا ذوق نہیں رکھتے تھے اس لیے بیان میں شائبۂ
مبالغہ نہیں اور نہ عقیدت مندی سامنے آئی ہوگی۔ ایک اور جگہ اس طرح کے سماع و سرود کے سلسلے میں آزاد لکھتے ہیں:

"ہم دراں ایام شیخ عبدالحکیم موہانی با شیخ افضل در خلوت کہ ثانی نہ بود گفتند کہ حضرت قطب الاولیاء
در وقت غلبۂ شوق لفظ اللہ بر زبان می رانند و در سامعان سرایت می کرد و بے خود می ساخت و بر می خاستند
و حضرت سلطان الاولیاء راستادہ می شوند و حرکت دوریہ تیزی کنند و مردم ناخوش می شوند و شیخ محمد افضل
را تکلیف کردند کہ ایں جناب را ازیں فعل باز دارید۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ذی علم صوفیا اور عوام میں بھی سرود میں رقص کی کیفیت کا پیدا ہو جانا قبول و نامنظور تھا۔ ظاہر ہے کہ
سید احمد کے مریدین کے ساتھ ساتھ وہ حضرات بھی تھے جنھوں نے سید محمد کے زمانے کو دیکھا تھا اور شریعت کی پابندی ان
میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ علما اور صوفیا نغمہ کے ساتھ اشعار کے سننے کو قطعاً جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ آثار و سنن سے ثابت
ہے۔ اشعار میں جو اثر اندازی کا پہلو ہے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مگر جب یہ ساز کے ساتھ ہو تو پھر قباحت شروع ہوتی ہے اور
یہ اثر انگیزی مختلف پہلو اختیار کر جاتی ہے ان میں سے یہ رقص بھی ہے اس کا پہلا حملہ ذہن پر ہوتا ہے اور فوراً قلب متاثر ہو
ہے۔ دوسری بات جو اس سے معلوم ہوئی وہ متشرع صوفیا کی محبوبیت ہے اور ان سے لوگ اس کی توقع رکھتے تھے کہ شرع
کے ساتھ جو غیر شرعی حرکات و اعمال آمیزش پا جائیں انھیں یہ صوفیا دور بھی فرما دیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ ا
وقت مختلف مسلک کے صوفیا ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے چنانچہ آزاد نے لکھا ہے کہ:

"سلطان الاولیاء بعد رسیدن ایں شاں سرود موقوف داشتند اما تا سہ روز طعام نہ خوردند و در
ایں روزہا ہر مرتبہ کہ با شیخ ملاقات می شد شکایت می کردند۔" ص ۱۲

کلمات مؤتلفہ میں جو شیخ خوب اللہ کی تصنیف ہے یہ واقعہ ذرا سا تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔ آگے چل کر آزاد نے
کے غیر شرعی ہونے کو حکم بتاتے ہوئے عالمگیر کے تشرع کی شکل میں پیش کر کے لکھتے ہیں جس سے آزاد کی فکر اور ان کا تعامل بھی
ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بہ سبب تشرع عالمگیر بادشاہ سرود سخت ممنوع بود یکے از مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ کہ از

بمصاحبان سلطان بود این خبر بہ سلطان رسانید پادشاہ شخصے را برائے منع فرستاد۔ سلطان الاولیاء بہ سیدنا آں شخص سرود موقوف داشتند و فرمودند کہ تواضع ما قبول نمائید و نعرہ زدند آں شخص بے ہوش شدہ بزمین افتاد و سلطان الاولیاء بدستور در سماع و سرود مشغول شدند۔ آں عزیز بخدمت پادشاہ رفتہ سرگزشتہ خود عرض نمود پادشاہ باور نہ کرد۔" ص۱۴

عالمگیر کو یقین نہیں ہوا مگر اسے یہ خواہش بھی ہوئی کہ اس کی تحقیق و تصدیق ہو ایک دوسرے شخص کو جو ان معاملات میں سخت گیر تھا پھر بھیجا غالباً اس میں قاصد کا امتحان بھی مقصود تھا اور اس کی اس صفت کو جو مناظرانہ تھی آزمانا بھی۔ آزاد آگے چل کر لکھتے ہیں:

" محمد امین خاں ایرانی کہ بہ تشرع جد و جہد تمام داشت و بہ ایں طائفہ متنازع بود فرستاد"

یہ بھی آئے اور ایک نعرہ میں بیہوش ہو گئے۔ جب واپس وہاں پہونچے تو بادشاہ کو پہلے سے خبر مل چکی تھی بادشاہ نے مسکرا کر فرمایا " دیدی کرامات سنیاں گفت بلے جہاں پناہ دیدم۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علمائے فضلا اور متشرع صوفیا میں سماع و سرود نہ محبوب تھا نہ رواج پذیر اور یکہ دکا ایسی مثالیں کہیں ملتی ہیں تو علما ان پر معذوری کا پردہ ڈالتے ہیں۔

"مسئلہ ہمہ اوست و از ہمہ اوست" شیخ محب اللہ الٰہ آبادی نے جب رسالہ "تسویہ" لکھا تو اس وقت علمائے میں رد و قبول کے سلسلے چلے جن کا شاہجہاں کے یہاں بحث کی اور فتوے علمائے حرمین ہوئے (الف) ایسے علما جو ہمہ اوست کے صوفیانہ فلسفے کو دین حنیف کے خلاف سمجھتے تھے مطمئن ہوئے۔ عالمگیر خود بڑا عالم اور پابند شرع فرمانروا تھا۔ اس لیے اس نے ہندوستان کے علماء کو جمع کیا اور ان کے عقائد کی تصدیق کرنی چاہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے صوفیا جن کے عقائد سے عالمگیر بادشاہ مطمئن نہ تھا ان میں سید احمدؒ کا نام بھی تھا اس حقیقت کو اجاگر کر کے آزاد لکھتے ہیں:

" بحضور خود طلب داشتن تا از عقائد ہر کدام استعلام نماید و حسب الامر بادشاہ اسامی فقیراں را بر کاغذ ثبت کردہ از نظر شاہی گزرانیدند۔ نام نامی آں جناب ہم دراں طومار مرقوم بود۔"

اس عبارت سے دو باتیں واضح ہو کر سامنے آتی ہیں اول یہ کہ فقراء کے نام ایک دفتر میں درج تھے۔ ظاہر ہے فقیروں سے مراد وہی ہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ از خود رفتہ حضرات۔ دوسری بات یہ کہ اس میں سید احمد کا بھی نام تھا یعنی یہاں لوگوں میں تھے جو از خود رفتہ ہونے میں مشہور ہو گئے تھے اور ظاہر شریعت کے بعض امور کی پابندی نہیں کر سکتے تھے۔ میر سید احمد کے والد بزرگوار نے بھی یہی بات مزاح کے انداز میں کہی تھی۔ جب سید احمد نے عنفوان شباب میں

سرہند کی محفلوں سے دلچسپی کا اظہار کیا اور بعض عقائد میں اختلاف کرنے لگے تو سید محمد نے افہام و تفہیم سے کام لینا چاہا مگر بات ردّ و قبول کی حد تک پہونچی جس کی وجہ سے سید محمد کو کہنا پڑا کہ سید احمدؒ با من طالب علمی می کند۔[۱] (۱۱ الف) بعضوں کا کہنا ہے کہ یہ سوال و جواب شیخ افضل الہ آبادی اور سید احمدؒ کے درمیان ہوا تھا۔

شاہ لدّھا کے مکاتیب میں اکثر "ہمہ اوست و از ہمہ اوست" کی تشریح و توضیح ملتی ہے ان خطوط کے علاوہ جو مستقلاً چوتھی فصل میں مذکور ہیں ایک مکتوب بالتفصیل شاہ لدّھا کے حالات کے ساتھ بھی درج کیا ہے جس میں پیر وقاؔ برزور ہے اور ہمہ اوست و از ہمہ اوست کے فرق کو واضح کیا گیا ہے چنانچہ تحریر ہے:

" آں کہ وجودِ حضرت جلّ و علیٰ چناں کہ واجب است پرستش او نیز بر بندہا واجب و فرض، و ہم چنانکہ ذات پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض خیر و صلاح است۔ تبعیت احکام او ہم موجب حکمت است و فلاح۔ اما کسانیکہ بر ایں قدر اکتفا کردہ اند و ہمی مرتبہ را کمال شمردہ اند البتہ بوئے از حقیقت نبردہ اند۔ اولئک کا لانعام بل ہم اضل اند چہ قوتِ انسانی مقتضا آنست کہ ایں کس در فکرِ حقیقت ہر شے خصوص در طلبِ ماہیت حضرتِ باری بیفتد کہ ایں ہمہ موجودات از کجاست و آں چیست و کیست مردانِ خدا کہ سالہا ریاضت شاقہ کشیدند و فرش تا عرش بیہودہ لا موجود الا اللہ می گویند۔ و بآیۃ و حدیث ثابت می کنند .... لکن مقلدانِ زمانہ کہ ظاہر خود را چوں محققاں آراستہ دارند پیر و مرشد گردیدہ بے چارہ عالمِ راہ گمراہ کردند۔ سبحان اللہ شریعت کہ بہ طبیعت او باید مقبول شد، مردود می کردند۔ کلمۃ الحق بگوش ایشاں باید رساند و بسا فقیران ایں عہد کہ خود را بایزید و جنید وقت می شمارند چوں خوب دریافتہ می شود۔ جز از توحید نہ دارند، نی صاحب وحدت اند و نی طالب وحدت۔ انصاف چناں می خواهد، فقیر کہ بر وحدت وجود قائل نہ باشد او را نہ فقیر تواں گفت و نہ پیر و فقیر بلکہ از سلسلۂ فقر بدر باید کرد ...... سالک راہِ حقیقت را ہر قدم لغزشی لاحق می شود چنانچہ گاہِ منسوب بہ کفر و گاہِ متہم بدہری گردد لیکن خدا رس آنست کہ اگر صد شلنگ بزند یک قدم از جادۂ شریعت بیروں نہ نہند۔ (۱۴ الف)

ہزار بار تواں کرد با خدا شوخی   ولے زدم نہ تواں زد بہ مصطفےٰ گستاخ

الحاصل فقیر کسے است کہ موحد و محقق باشد بلکہ آدم ہمانست کہ تقرر وحدت وجود شود اگر عزیزاں توحید موقوف بر حال داشتہ اند حیف وحدتی کہ موقوف بر حال و قال باشد۔ وحدت در ذاتِ خود الآ کمالات است ماکہ خود را نہ شناختہ باشیم از ماست کہ بر ما است۔ الخ

آں کہ من سرگشتۂ روئیم منم ۔ حکما بدلائل ثابت کردہ اند کہ وجود ایں جاں موالید ثلاثہ از امتزاج عناصر اربعہ ہست

یہ ایک طویل مکتوب ہے جس میں مختلف انداز سے تصوّف کے بنیادی مسائل کے ساتھ عطرِ تصوّف کا ذکر ہے۔

اوّل :۔ صاحبِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر رشتہ استوار نہ ہوا تو حاصل زیست کہاں اس لیے خدا سے اگر کوئی منحرف ہو جائے تو بندے اور پروردگار کے درمیان معاملہ ہے۔ مگر اس کے محبوب کے ساتھ تعلق استوار نہ ہوا اور ذکرِ خیر کے وقت دمِ گداز کا مظاہرہ نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔

دوم :۔ شاہ لدّھا نے موحّد اور محقق اسی کو تسلیم کیا ہے جو وحدت وجود کا مقر ہو بلکہ اسے آدمیت کی نشانی بتائی ہے چنانچہ کوئی وحدت جو حال و قال پر موقوف ہو وہ وحدت نہیں جگہ جگہ اس مکتوب میں تصوّف کے نقطے بیان کیے ہیں اور فلسفے کی زبان مستعار لی ہے جیسے آپ کلامی گفتگو بھی کہہ سکتے ہیں اسی مکتوب میں ایک خالص فلسفیانہ بحث کر تصوّف کے بعض مسائل سے لاکر دیکھنے کی کوشش کی ہے جہاں فلکِ اوّل و فلکِ دوم کو اسی طرح درجہ بدرجہ جسم کل سے اور جسم کل عقل کل سے یہاں تک کہ واجب الوجود تک یہ بحث منتہی ہوتی ہے اس لیے جو شے بھی وجود میں آئی اور لباسِ امکاں میں جلوہ گر ہوئی وہ واجب الوجود کے علاوہ کچھ نہیں یعنی لاموجود الّا اللہ۔

کشف و کرامات :۔ عام طور سے اہلِ تصوّف کشف و کرامات کو کوئی خاص مقام نہیں دیتے۔ آزاد بلگرامی نے اس طرح کے واقعات انیس المحققین میں مختلف مقامات پر تحریر کیے ہیں اور تاریخی طور پر حوالہ بھی پیش کیا ہے تاکہ سنی سنائی باتوں سے امتیاز ہو سکے سید احمد نے اپنے ایک خاص خط میں شیخ افضل کو لکھا تھا کہ سید محمد کالپی نے دو کوزہ زہر آلود پانی نوش فرمایا ان پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا صرف کچھ زبان متاثر ہوئی حالانکہ وہ پانی ایسا تھا جس کے زہر سے زبان کو پارہ پارہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ اسی طرح سلطان الاولیا سید محمد کالپی کے ذکر میں ایک جگہ اور لکھتے ہیں یہ حوالہ طویل ہے لیکن پوری کہانی آزاد کی زبانی سن لیجئے :

" و از آں جملہ آنست کہ روزی مسافر پیش آں حضرت آمد و عرض کرد کہ من بارادۂ دریافت شرفِ خدمت از فلاں جائی آمدم چوں بہ سرائے سپہر کھٹ کہ موضع ایست بر یک منزل از کالپی رسیدم بخاطر گزشت کہ بیرونِ سرائے نماز خواندہ داخل شوم پس نماز عصر را بیرونِ سرائے خواندہ بوظائف واوراد مشغول شدم و بعد نماز مغرب ہم بہاں حال بودم تا آں کہ دروازہ بستہ شد ہر چند مساعی کردم و فریاد و فغاں نمودم کسے در نہ کشاد۔ ناچار بیرون دروازۂ سرائے ماندم و التجا بحضرت آوردم کہ برائے ملازمت حضرت شما

آئیم و گرسنہ بخانقاہ می مانم تبرّک باید گرفت ناگاہ دیدم کہ کسے می آید و شمع با او ہمراہ دست و با خود طعام دارد نزدیک من آمدہ طعام بمن عنایت فرمود تا سیر خوردم و مرا تسلی دادہ برخواست امروز کہ بہ حال خدمت رسیدم ہماں صورت سراپا معنی دیدم۔"

سرائے میں انھیں کھانا پہونچانا اور تسلی دینا وغیرہ وغیرہ سن کر جو حضرت سید محمد نے فرمایا وہ بات دراصل سننے کی ہے۔ انسان کی فکر کبھی کبھی مثالی شکل میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور اسی کو اصطلاحی زبان میں واہمہ کہتے ہیں۔ اس واہمہ کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں جو سوئے ظن اور حسن ظن پر بھی قائم ہوتی ہیں عام لوگ اسے کچھ اس انداز سے رکھتے ہیں کہ اصل بات چھپ جاتی ہے۔ میر غلام علی آزاد نے یہ واقعہ پیش کر کے ذہن نشین کرانا چاہا ہے کہ ذہن کی استواری کے ساتھ ایسے واقعات کی تاویل ہونی چاہیے آزاد نے سید محمد کے جواب کو جو تحریر کیا ہے وہی اس واقعے کی جان ہے اور ان کے اس جواب کی روشنی میں سینکڑوں واقعات کی تعبیر و تشریح کی جا سکتی ہے۔ لکھا ہے:

"فرمودند یاران واقف اند کہ من شب کہ در ہمی جا بودہ ام جائی نہ رفتہ ام شما صورتِ اخلاص خود را دیدہ اید۔"

حقیقت یہ ہے کہ محبت اور اخلاص میں جب ذہن و فکر پر کچھ چیزیں مستولی ہو جاتی ہیں تو وہ کبھی مثالی شکل بن کر نظروں کے سامنے آتی ہیں۔

اس طرح کے کشف و کرامات کا ذکر شاہ لدھا کے تذکرے میں بھی ہے۔ آزاد نے سید احمد کے بعض کشف و کرامات کا ذکر بھی کیا ہے اور مولانا رومی جو سعد الدین کاشغری کے اصحاب کبار میں سے تھے تطابق دینے کی کوشش کی ہے کے علاوہ جو مکاتیب ہیں ان میں حکایتوں کے پیرایہ بیان میں تصوف کے بعض ایسے مسائل آئے ہیں جن کو عام فہم انداز میں مسترشدین کی تربیت کے لیے پیش کیا گیا ہے تربیت کے بعض پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے محی الدین عربی کے اس نوشتے:

"ایت سبعین ولیا یعبدون اللہ تعالیٰ بالوہم والخیال منھم جنید البغدادی قدس سرہ۔"

کو لکھ کر شاہ لدھا اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہیں پھر اس کی تاویل کرتے ہیں کہ انسان سے اگر تمام وہم دور ہو جائے اور وہم ایسا رہ جائے جس کا تعلق بندہ اور خدا کے درمیان ہو تو وہ محمود ہے۔ اس طرح ہوتا تو کم ہے لیکن صرف ایک ہو کسی کے ساتھ رہ جائے تو وہ انسان کامل ہوگا۔ محی الدین ابن عربی کے قول پر تنقید کرتے ہوئے شاہ لدھا یوں فرماتے ہیں مکتوب الیہ کو اس کی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں:

"در این باب چہ عرض نماید کہ این چنین بزرگ دار را این چنین نوشتہ اگر از راہ تعریف فرمودہ خیر کہ

بایۂ وہم وخیال بعض بزرگاں بس بلند داشتہ اند کہ جمیع توجہات را زائل می گردانند و یک وہم می نمایند و اگر

آں وہم وے بہ حق آوردہ است انسان کامل است کہ در وہم و خیال او غیر حق نماندہ است ؂۳۔الف)

اس طرح چوتھی فصل میں شاہ لدّھا کے جو خطوط جمع کیے گئے ہیں وہ تربیتی نقطۂ نگاہ سے بڑے اہم ہیں اور تصوّف کے مسائل کو پیچیدہ تشریحات سے الگ کرکے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ ہوا نفس کتاب کا جائزہ جو تصوف سے متعلق تھا شاہ لدّھا کی طرح کا درویش اور عالم باعمل زمانہ کے رواجات سے بھی متاثر نظر آتا ہے۔ چنانچہ خطوط میں سلام کے جواب میں کلام کرنے سے پہلے کئی مقامات پر "بندگی قبول شود" کا فقرہ ملتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ تہذیبی اثرات جب صوفیوں کو بھی متاثر کر جائیں تو اسمٰعیل شہید کا تیر و تبر کیوں نہ حرکت میں آئے؟ اسی طرح سید محمدؒ بڑے متشرع اور متبحر عالم فاضل یادِ الٰہی میں شب و روز گزارنے والے درویش تھے مگر انھوں نے بھی بعض ایسی چیزیں کہیں جن کا اثر عوام پر لازمی طور سے شرع کی منشا کے خلاف ہوگا۔ اور وہ عوام کو اصل سے دور بھی کر سکتا تھا۔ حضرت مجدّد سرھندی نے تعظیمی سجدہ کرنے کے جواز کا فتویٰ ہونے کے باوجود انکار کر دیا تھا جو حالات کا تقاضا تھا اور عزیمت کے عین مناسب۔ سیّد محمدؒ نے اجمیر کی حاضری پر حضرت خواجہ کی قبر مطہّر پر سر رکھدیا تھا یہاں پر ماحول کو پاک کرنے کے لیے شاہ اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

(۲) الفرع النابت من الاصل الثابت

نام مصنف: میر محمد یوسف بلگرامی (۱۱۱۹/۱۷۰۷ - ۱۱۷۲/۱۷۵۸) کاتب: مؤلف۔ سنہ تالیف: ۱۱۶۲/۱۷۴۸ (اگر معلوم ہوتا ہے کہ اخیر کا حصّہ کچھ وقفہ کے بعد لکھا گیا ہے اور ایک ہی قلم کا ہے۔) اوراق بڑے سائز میں: ۷۰۔ آزاد لائبریری، ذخیرہ سبحان اللہ ۹۲/۶۷۰۵۷ فارسیہ۔ متوسط الخط، سطریں ۱۹، کچھ اوراق ۲۶ سطروں میں۔

مغلیہ دور کے نصف آخر میں تصوف کے اختلافی مسائل میں سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر کافی خامہ فرسائی کی گئی ہے چنانچہ اس دور کے تاریخ تصوف کے مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان کے صوفیہ وحدۃ الوجود کے قائل ہوں یا نہ ہوں مگر محی الدین ابن عربی کے اس فلسفیانہ اور متصوفانہ فکر کی تاویل کرنا چاہتے تھے جس کی بنا پر خانقاہوں کی فضا خواہی نخواہی طور پر متاثر ہوئی اور زلف دراز کے خم و پیچ کی طرح تاریک رہ کر الجھی رہی۔ سلجھانے کی بہتری کوششیں ہوئیں مگر یہ مسائل جہاں تھے وہیں رہے اور اسلام کی صراط مستقیم پر کچھ زیادہ پیش رفت نہ ہو سکی۔ گو مسئلۂ وحدۃ الشہود ایک نئے طریق میں سامنے آیا مگر بعد میں فقیہانہ انداز طبیعت نے اس پر بھی دھبہ لگا دیا۔ ایک نئے مناظرانہ بحث کا آغاز ہوا جس کے لئے عقلی اور نقلی دلائل کی از سر نو تلاش شروع ہو گئی۔

اکبر کے دور کے بعد ہندوستان میں صوفیائے کرام نے ایک نئی روش اختیار کی وہ یہ تھی کہ دین اسلام کو جلد دیگر آلائشوں سے پاک وصاف کیا جائے اسی لئے علمائے حق پرست نے شریعت اور طریقت کی دونوں راہوں کو نئے طور پر استوار کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اکبر کے دین الٰہی نے جو مفترات مسلمان معاشرے پر چھوڑا تھا ان سے پاک صاف کرنے میں جن علماء نے حصہ لیا ان میں حضرت مجدد سرہندی کو اہم مقام حاصل ہے انھوں نے تصوف کو ایک تحریک کی شکل میں پیش کیا اور اس طرح لاکھوں کروڑوں انسانوں میں رام و رحیم کے فرق کو واضح کرنے کیلئے نمایاں کارنامے انجام دیے اس وقت ہندوستان میں وحدۃ الوجود کا صوفیانہ فلسفہ قوائے فکر و ذہن کو معطل کر رہا تھا اور اسلام کا انقلابی کردار بڑی حد تک ماند پڑ گیا تھا حضرت مجدد صاحب کی یہ تحریک عوام علماء اور صوفیاء ہر طبقے میں اثر انداز ہوئی جس کے نتیجے میں مغلیہ دور کے اس حصے میں اس فلسفیانہ تصوف کی فکر کو مختلف نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی چنانچہ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کی فارسی زبان میں متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں مولانا و مخالفت دونوں کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ ملا محب اللہ الٰہ آبادی نے جب تسویہ لکھا تو ان کی اس حکیمانہ کوشش سے بھی علماء کا ایک طبقہ مطمئن نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کے صوفی علماء نے "ہمہ اوست و از ہمہ اوست" پر اظہار خیال کیا۔ مگر ایک نادر مثال ایسی بھی ہے جو شریعت و طریقت کو صرف قرآن و حدیث کی روشنی میں مثبت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

"الفرع النابت من الاصل الثابت" اس راہ کی ایک بڑی اہم اور دقیق کوشش ہے۔ میر سید محمد یوسف (۱۱۱۶ - ۱۱۶۲ھ) آزاد بلگرامی کے خالہ زاد بھائی جو عمر میں صرف سات مہینے چھوٹے تھے اور تحصیل علم و فضل میں ہم سبق طریقت و شریعت کے مجمع البحرین آزاد بلگرامی نے ان کی اس حیثیت کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کے تذکرے میں ان کے گن گائے ہیں جو ہم عمری اور معاصرت کے باوجود ان کے مقام بلند کو اجاگر کرتا ہے۔ انھوں نے بھی قلم اٹھایا اور یہ کوشش کی کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں صحابہ کرام اقوال اور صوفیائے عظام کے ملفوظات اور معمولات سے اس مسلک کے مختلف پہلوؤں کو واضح اور مبرہن کر سکیں۔ آزاد بلگرامی "الفرع النابت من الاصل الثابت" کے اتمام کی ایک قطعۂ تاریخ لکھی ہے۔ جو کتاب کی اصل روح کو واضح کرتی ہے۔ آزاد نے اس کتاب کی توصیف میں "متین و لطیف" ہونے کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"(میر محمد یوسف) در ۱۱۶۲ھ اثنین و ستین و مائۃ و الف کتاب تالیف نمودہ باسم الفرع النابت من الاصل الثابت مشتمل بر چہار اصل و خاتمہ در تحقیق مسئلہ توحید مختار و وحدت شہود است تحریرش بسیار متین و لطیف واقع شدہ و مطالب بلند و مقاصد ارجمند فراہم آوردہ[1]"

تاریخ بھی نفس کتاب پر ایک اجمالی تبصرہ ہے۔ اس سے کتاب کے گراں مایہ ہونے کی ایک وقیع شہادت ملتی ہے۔ خود اس میدان کے یکہ شہسوار تھے۔ بعض صوفیہ کے تذکروں میں اپنی اس صلاحیت اور ذوق تحقیق کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ ان کی ش

۱؎ مآثر الکرام ص ۹۸ / ۱ اس میں "اصل" بغیر لام معرفہ کے ہے مگر کتاب میں "الاصل" پر لام تعریف داخل ہے اور یہی صحیح ہے۔ مآثر الکرام مطبوعہ میں کتابت کی

میر یوسف عزیز معرکسال	از جام معرفت کشیدہ رحیق
کرد در وحدت شہود رقم	نسخۂ تازۂ بفکر عمیق
از احادیث و از کلام اللہ	کرد اثبات حق زہے توفیق
ہست ایں نقش دلنشیں الحق	یادگارے زخامۂ تدقیق
سال تالیف ایں کتاب خرد	گفت شمع مجالس تحقیق

۱۱۹۲

شمع مجالس تحقیق کے مادہ سے ۱۱۹۲ھ نکلتا ہے یہی بات مولّف کتاب نے اپنے انداز میں مقدمے میں تحریر کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "ایں کتاب را الفرع الثابت من الاصل الثابت نام کردم لمولفہ۔

ایں نسخہ کہ فرع ثابت او را شدہ نام	ماخوذ از آیات و حدیث است تمام
یوسف گوید ز ہجرت خیر انام	در الف و صد و شصت و دوم یافت نظام

اس قطعہ کے بعد تالیف کتاب کا مقصد لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"و نیز باقتباس ایں آیۃ کریمہ کے در رد مذہب طائفہ وجودیہ است، تاریخ معنوی برائے اتمام ایں کتاب مستطاب برآوردم، "ان الانسان لکفور" (۱۱۹۲ھ)

کتاب کو ایک مقدمہ چار اصل اور خاتمے پر منقسم کرکے مرتب کیا ہے۔ یہاں پر اس کے ذیلی عنوانات کا درج کر دینا جب توضاحت ہوگا مصنف نے عنوانات کو قائم کرتے وقت کچھ ضروری اشارے بھی کئے ہیں جن سے نفس مضمون کی نوعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

(۱) مقدمہ: در بیان بعض امور کہ دانستن آں ضروری است۔

(۲) اصل اوّل: در بیان مذہب طائفہ وجودیہ کہ وجود ممکن را با ذات واجب تعالیٰ عین و متحد گردانیدہ قائل بوحدۃ وجود شدہ اند۔

(۳) اصل دوم: در بیان آیات و احادیث و اقوال بعض صحابہؓ و اقوال مشائخ کہ طائفہ وجودیہ بہ عینیت حق سبحانہ با مخلوقات بداں حجت می کردند۔ (اس عنوان کے ذیل میں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ سیاق و سباق سے الگ کرکے لوگوں نے دلیلیں لی ہیں جو اصلاً دلیل نہیں بن سکتی۔)

(۴) اصل سوئم: در بیان مذاہب طائفہ شہودیہ کہ وجود ممکن را مغائر حقیقی با ذات واجب تعالیٰ می دانند و می گویند کہ مادۂ عالم را حق سبحانہ بہ صنع ابداعی کہ مادہ و مثال و زمان را نمی خواہد قسم کرفیکون مطابق علم قدیم خود اختراع فرمودہ و بہ وحدت شہود کہ عبارت از فنائے حال است نہ فنائے ذات مانند ہوستارہ در نور آفتاب قائل اند۔

(۵) اصل چہارم : در بیان آیات واحادیث واقوال بعض صحابہؓ واقوال مشائخ کہ مؤید توحید شہودیہ ..... اند

(۶) خاتمہ : در بیان تحقیق وثبوت رویت جمیع مومنین بہ چشم سر حق سبحانہ تعالیٰ را۔

واضح رہے کہ احقر نے کتاب کے عنوانات کو مؤلف کے الفاظ سے لیکر اختصاراً پیش کیا ہے تاکہ اصل مباحث کا بعینہ اندازہ ہو جائے ورنہ یہ عنوانات کہیں کہیں کسی قدر تشریحی بھی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا مقصدِ تصنیف کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کی کچھ آیتیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ان دو آیتوں کا پیش کر دینا ان کے مقاصد کی وضاحت کے لیے کافی ہوگا۔

"فإن تنازعتم في شيءٍ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر"۔ اور آیۃ "فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما۔

ان آیتوں کو پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ توحید وجودی اور توحید شہودی کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے ہیں وہ صاف اور واضح ہیں۔ اگر کچھ آیاتِ قرآنی اور احادیث صحابہ کے متنوں پر غور کیا جائے تو توحید شہودی کی دلیلیں مل سکتی ہیں اور کتاب وسنت سے ان کی مطابقت ہو سکتی ہے گویا بالفاظ دیگر توحید شہودی کا قرآن وسنت سے استنباط ممکن ہے مگر توحید وجودی کا فلسفۂ تصوف قرآن وسنت کے سراسر خلاف ہے اور اس کو آیات قرآنی واحادیث نبوی کے سیاق وسباق کو پیش نظر نہ رکھ کر نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے مصنف کتاب نے دوراز کار نکتوں سے گریز کرتے ہوئے اصل معانی کی طرف توجہ دلانا چاہا ہے چنانچہ اس امر کو ان الفاظ میں سید یوسف لکھتے ہیں:

"این فقیر بعد تأمل در معنی آیات قرآنی واحادیث صحاح دید کہ توحید شہودی را اگر با کتاب وسنت مطابقت دہند جمع می توانند شد بخلاف توحید وجودی کہ مخالفتِ تمام با کتاب وسنت دارد و چون منطوق لازم الوثوق آیہ عظیمہ و مستقیمہ کہ اُمرتَ ولاتستطیع اھوائھم وقل آمنت بما انزل الله من کتاب۔

ایک دوسری آیت سے استدلال لیتے ہیں "قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وما أنا من المشركين" مضمون حدیث شریف۔ "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" کہ بخاری ومسلم بروایت عائشہؓ روایت کردہ اند۔ وقول مشائخ اہل تحقیق واصحاب دیانات کہ فرمودہ اند کل حقیقۃ ردتھا شریعۃ فھی زندقۃ۔"

کتاب میں اکثر مقامات پر اضافے اور حواشی بھی درج ہیں۔ (۲) کتابت کے وقت جو عبارت چھوٹ گئی تھی حاشیہ پر درج کر دی گئی ہے۔ (۳) بعض الفاظ کی تشریح بھی حاشیے پر بعد میں کی گئی ہے۔

پوری کتاب ایک ہی خط میں ہے اور یہ عام تحریر کا خط ہے اور اس قدر گنجلک ہے کہ حروف پر حروف ہوتے ہیں یا بد خط اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں' الا ماشاء اللہ۔ صحت کا اہتمام بھی ہے۔

میں جو سستم ظریفی کی گئی ہے اس کا ذکر کر دینا بہت ضروری ہے۔ ایسی اہم کتابوں کی جلد سازی میں کمال احتیاط برتنا چاہیئے پر جو عبارتیں مصنف نے اضافے کے طور پر یا مسودہ سے تبییض کے وقت چھوٹ گئی ہیں حاشیے پر لکھا ہے جلد ساز کے وقت احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے جا بجا عبارتوں کی ابتدا کٹ گئی ہے جو فی الحال بمشکل تمام بڑے تامل اور غور کے بعد اکثر مقامات پر تسلسل میں عبارت پڑھی جا سکتی ہے ممکن ہے زمانہ گزرنے پر اور مختلف حضرات کے مطالعہ میں آنے کے بعد ان ابتدائی کٹے حروف کا ذہن و فکر کیلئے سجھ لینا بھی مشکل ہو جائے۔

بعض عناوین:۔ اس کتاب میں مختلف تصوف کے مسائل کے بیان نیز وحدت وجودی اور وحدت شہودی کے بیان کے وقت مصطلحات کی تشریح و توضیح قرآن وحدیث کی روشنی میں اور مشائخ کے اقوال ملفوظات سے مدد لے کر کی گئی ہے چنانچہ کچھ یہ عناوین ہیں :۔ "بیان روح و نفس و قلب، بیانِ عقل، وجہ تسمیہ قلب بقلب، حقیقتِ ایمان وغیرہ۔

بعض صوفیانہ مصطلحات کی تشریحیں بھی کی گئی ہیں اور ان کی تشریحات میں بڑا دل پذیر اور مؤثر انداز اختیار کیا گیا ہے آپ کے ملاحظہ کے لیے چند یہ ہیں۔

(۱) یاد کرد: عبارت است از ذکر زبان و دل۔

(۲) بعض گشت: آنرا گویند کہ ذاکر ہرگاہ ذکر کلمہ طیبہ را عقبِ آں گوید۔

"الٰہی انت مقصودی و رضاک مطلوبی"

(۳) نگاہ داشت: عبارت است از مراقبت و محافظت خواطر

(۴) یاد داشت: عبارت است از دوام حضور با حق سبحانہ بر سبیل ذوق۔

(۵) ھوش در دم: ہر نفس کہ خارج شود باحضور باشد از غیر غفلت۔

یہاں اپنی توجیہ کے لئے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کا قول نقل کیا ہے۔ اسی طرح سفر در وطن، نظر بر قدم، خلوت در انجمن، وقوفِ زمانی، وقوف عددی، وقوف قلبی کی اصطلاحات کی تشریح و توضیح کی ہے دیکھئے اصل

خاتمہ:۔ اس کتاب کے اخیر میں لکھتے ہیں:" ھذا تمام الکلام فی ھذا المرام ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا"

دیکھا آپ نے ان تمام دقیق اور عمیق بحثوں کے بعد بھی جو ان کے علم و فضل کے مظہر ہیں اپنی عبدیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ اسی ذات واحد کو سمجھتے ہیں۔

اس کتاب کے آخر میں ایک سادہ صفحہ چھوڑنے کے بعد ۹ صفحہ پر مشتمل خاتمہ لکھا ہے جو عربی زبان میں ہے اور سطروں پر مشتمل ہے اور ہر سطر تقریباً ۸ انچ کی ہے۔ اس خاتمے پر لکھتے ہیں۔ "وھا انا اختم ھذا الاصل بکلام یکون لھذا المقام" یہ حاشیہ پر لکھا ہے۔ "خاتمہ اصل ثالث" گویا یہ اصل ثالث کا ضمیمہ ہے کتاب میں ترقیمہ درج نہیں۔ ہاں مقدمہ کتاب میں جیسا کہ ذکر ہوا سال تصنیف مرقوم درج ہے۔ خط پوری کتاب میں ایک طرح کا ہے اور یقیناً مولف کے ہاتھ سے کتاب تبییض ہوئی ہے۔ راقم حروف ان کے حروف بدبیعا کے نسخۂ خدا بخش میں دیکھ چکا ہے اور علی گڈھ میں بھی ان کی نقل کردہ کتابوں سے یہ حروف ملتے جلتے ہیں خدا بخش کے نسخۂ مذکور میں Brocklemann نے میر غلام علی آزاد، میر محمد اور میر یوسف کے حروف کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا ہے۔

میری معلومات کی حد تک اور ایڈ نبرگ کے ترتیب کردہ فہرست کتب میں اس کا کوئی دوسرا نسخہ مذکور نہیں۔ چونکہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے اس لیے بھی یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا کوئی دوسرا نسخہ نہ ہوگا۔ فی الحال کم سے کم یہ ہونا چاہیئے کہ اس کا مائکروفلم تیار کرا لیا جائے تاکہ یہ وقیع و دقیق و متین کتاب زمانہ کے دست برد کا خدانخواستہ شکار نہ ہو جائے۔ یہ کتاب اگر دوسری زبانوں میں منتقل کی جائے تو عالمی دلچسپی کے لئے اچھا مواد فراہم ہو۔ مناقشانہ اور مناظرانہ طرز کلام سے قطعاً گریز کیا گیا ہے اور موضوع بحث کے مختلف پہلوؤں کو علمی انداز میں پیش کرنے کی بڑی کامیاب کوشش ہے۔ طنز و تعریض مولف کے رشحاتِ قلم کی حدود سے خارج ہے۔ اس لئے مثبت انداز تکلم ہے۔

یہ علمی انداز گو اس دور میں عام نہ تھا لیکن اس کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مصنف نے طریقت و شریعت کو متوازن انداز میں مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ کی بعض مصطلحات کو بھی عام فہم بنایا ہے۔

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
اجمل خاں طبیہ کالج
مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

ذخیرۂ جلالی کے چار اہم مخطوطات

تشویق السالکین

رسالہ تشویق السالکین، علامہ آخوند ملا محمد تقی مجلسی طاب ثراہ ابن مقصود علی (متوفی ۱۰۷۰ھ و مدفون در مسجد جامع اصفہان) کا تصنیف کردہ ہے۔ میرے والد مرحوم و مغفور حکیم سید محمد ریاض الدین حسین صاحب ہمدانی الجلالوی نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ ایک قدیم مخطوطہ سے نقل فرمایا تھا اور اس کو تشریحات سے محشیٰ فرمایا تھا۔

یہ رسالہ اس طریقت سے متعلق ہے کہ جس پر انبیائے کرام، سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، حضرات ائمہ معصومین علیہ السلام، تابعین و تبع تابعین اور جملہ عارفین و صوفیائے حقہ عامل رہے ہیں۔ اس رسالہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جن کتب کا حوالہ پیش فرمایا ہے وہ ان آیات قرآنیہ و اذکار و ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہیں جو تعقیبات نماز پنجگانہ، اعمال ہفتہ و ماہ و سال، اعمال اربعین و چلہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن اعمال و اوراد کو اختیار فرما کر عارفین نے سلوک و عرفان حق تعالیٰ کی منزلیں طے فرمائی ہیں۔ وہ دین اور دنیا میں ہمیشہ کامیاب رہے اور نجات اخروی حاصل فرمائی جو اصل مقصد حیات انسانی ہے۔

اس رسالہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ثابت و واضح فرمایا ہے کہ علمائے شیعہ اثنا عشریہ بھی تصوف حقہ کے قائل اور اس پر عامل رہے ہیں اور اعمال صوفیہ و عرفانیہ سے انہوں نے استفادہ فرمایا ہے اور اپنی کتب میں ان کو نقل فرمایا ہے۔ چونکہ یہ ایک مختصر رسالہ ہے لہذا تمام تر ہدیہ ناظرین ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ نَبِیَّاءَہٗ وَ اَوْلِیَاءَہٗ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلَائِقِ وَ الْاُمَمِ خَصَّصَ سَرَائِرَھُمْ الْخَصَائِصَ الْحَقَائِقِ وَ الْحِکَمِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ مُفْخِرِ الْعَرَبِ وَ الْعَجَمِ

وعلیٰ سید الاولیاء وعلیٰ آلہ کبریاء الاکرم وعلیٰ اللہ واقتباعہ الصادقین الیٰ طریق الاقوم۔

اما بعد اس طرح عرض کرتا ہے محتاج غفران و رضا ء پروردگار محمد تقی مجلسی صاحبان فہم و بصیرت پر پوشیدہ نہ رہے کہ جن و انس کی ایجاد کی علت غائیہ شناخت حضرت رب العزت ہے چنانچہ آیہ وافی ہدایہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ای لیعرفون۔ اس پر شاہد ہے۔ اور معرفت کا سب سے اقرب طریقہ طریقہ حقہ رضویہ، ذھبیہ، معروفیہ مرتضویؑ ہے جس کو طریق تصوف و حقیقت بھی کہتے ہیں اور وہ مراد ہے تحصیل قرب و معرفت رب العالمین سے بطریق زہد و ریاضت اور قطع تعلق خلقت سے اور عبادت رکھنا عبادت کی۔

الحال ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جن کو شریعت سے کوئی خبر ہے نہ طریقت کا کوئی اثر ہے اور وہ اس طریقۂ حقہ کا انکار کرتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ ان کو آیات و اخبار ائمہ اطہار پر وقوف حاصل نہیں ہے اور نہ ان میں فکر و تدبر کر سکتے ہیں اور نفس و غذا کی پیروی کرتے ہیں جس کا باعث حسد و عناد و تعصب ہے اگرچہ مشہور ہے کہ چمگادڑ اگر وصل آفتاب کی خواہش نہیں کرتی تو بازار آفتاب کی رونق بھی نہیں کھوتی۔ لیکن چونکہ ان کا انکار اس نعمت عظمیٰ سے بعضوں کی محرومی کا باعث ہوتا ہے لہٰذا اس فقیر محمد تقی مجلسی سے بعض دوستوں نے التماس کیا کہ اس طریقہ کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ لکھا جاوے تاکہ شیعیان امیر المومنین اس سعادت سے بے نصیب نہ رہیں لہٰذا ان کے سوال کے ایجاب میں باوجودیکہ ایک مبسوط کتاب جس کا نام "مستند السالکین" ہے لکھی ہے اس میں ہر باب سے مجملاً کچھ بیان ہوتا ہے اور اللہ سے مدد اور توفیق طلب کی جاتی ہے۔

زبدۂ خلاصۂ نسل انسان کہ انبیاء ہیں۔ سب یہی طریق رکھتے تھے جیسا کہ کتب اخبار اور قرآن مجید اور احادیث ائمہ پر ناطق ہیں۔ منجملہ جن کے حدیث ابن مسعود ہے جو مکارم الاخلاق (مصنفہ شیخ ابو نصر الحسن بن ابی علی الطبرسی) وغیرہ میں کتب شتی سے مندرج ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابن مسعود کو ہدایت کی کہ اے پسر مسعود بہ تحقیق کہ خدائے تعالیٰ نے موسیٰؑ مناجات و مکالمات کا شرف بخشا جب کہ دیکھا کہ انھوں نے ترہ کے ساگ کو اپنے پیٹ پر بوجہ لاغری کے باندھ رکھا ہے اور نہیں کیا جب کہ حالت میں موسیٰؑ اس دیوار کے نیچے سے گذرے جہاں کہ طعام کھا رہے تھے۔ اے مسعود اگر تو چاہے تو تجھ دوں حال نوحؑ نبی اللہ سے کہ نو سو پچاس برس کی زندگی میں جبکہ صبح ہوتی تھی کہتے تھے شام مجھکو نہ ہوگی (یعنی زندگانی کا وثوق اعتبار نہ کرتے تھے) اور لباس ان کا پشم تھا اور خوراک ان کی جو۔ اور اگر تو چاہے تو تجھکو حضرت یحییٰؑ کے حال سے خبر دوں کہ لباس درخت خرما کی چھال تھی اور خوراک انکی درختوں کے پتے۔ اور اگر تو چاہے تو خبر دوں حضرت عیسیٰؑ کے سے اون کا عجب حال تھا ہمیشہ کہتے تھے کہ روٹی اور سالن میرا گرسنگی (بھوک) ہے اور سالن میرا خوف خدا ہے اور لباس اور سواری میری دونوں پاؤں میرے اور چراغ میرا رات میں چاند ہے اور جاڑے میں میرا لحاف آفتاب ہے اور

بزہ پہاڑ اور جو کچھ کہ چار پائے کھاتے ہیں اور رات مجھ پر آتی ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور دنیا میں مجھ سے زیادہ صاحب دولت کوئی نہیں ہے۔ اے ابن مسعود آتش جہنم اس شخص کے واسطے ہے کہ مرتکب حرام کا ہووے اور بہشت اُس شخص کے واسطے ہے کہ جو ترک حرام کرے لہٰذا تجھے لازم ہے کہ ترک حرام کرے اور زُہد کو اپنا شعار کرے دنیا میں تیرے زہد پر خدائے تعالیٰ ملائکہ پر مباہات کرتا ہے اور رحمت کرتا ہے تجھ پر جبار عالم اور یہ ہے طریقہ زہد کے ہر درجہ میں اور ترک دنیا میں (یعنی جتنا تو زہد کرے گا اُسی قدر قُرب خدا وندی تجھ کو حاصل ہوگا) اس مختصر رسالہ میں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ اور حضرت سید المرسلین کہ فخر و باعث کل موجودات تھے ان کی گرسنگی اور زہد اور ریاضت اور گوشہ گیری اور ترک دنیا قبل بعثت غار حرا میں اور پتھر کا پیٹ پر باندھ لینا اور پاؤں پر اون حضرت کے ورم آجانا کثرت قیام شب سے اور باقی ریاضتیں آنحضرت صلعم کی بے حد مشہور ہونے کی وجہ سے محتاج بیان نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت امیر المومنین کی ریاضات شاقہ اظہر من الشمس ہیں چنانچہ علامہ حلی علیہ الرحمہ کتاب شرح تجرید بحث امامت میں فرماتے ہیں کہ جوتا اُن حضرت کا کھال کا اور ٹوپی کھجور کی چھال کی رکھتے تھے اور روٹی کو سالن سے بہت کم کھاتے تھے اور اگر کھانے پر رغبت ہوتی تھی تو نمک اور سرکہ سے کھاتے تھے اور اگر تکلف کیا تو سبزی یا دودھ سے کھاتے تھے اور گوشت بہت کم کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے پیٹ کو حیوانات کی قبر نہ بناؤ۔ اور دنیا کو سب نے طلاق دے رکھی تھی۔ اور کتاب الحلیہ الکافی میں نقل ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حضرت امیرؑ آنحضرتؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے کھانے میں اور یہ صفت رکھتے تھے خود روٹی اور سرکہ کھاتے تھے اور آدمیوں کو روٹی اور گوشت کھلاتے تھے اور اسی طرح کتاب مذکور میں نقل ہے علان سے کہ راویاں حضرت صادقؑ سے ہے کہا اوس نے کہ ایک رات سونے کے بعد حضرت کی خدمت میں گیا دیکھا میں نے کہ دسترخوان بچھایا گیا اور اس میں سرکہ، زیتون اور گوشت تھا۔ گوشت کو آنحضرت نے اوٹھا دیا اور میرے آگے رکھ دیا اور خود سرکہ و روغن زیتون کھایا اور گوشت کی طرف رغبت نہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ ہے طعام میرا اور طعام جملہ انبیاء اور اوصیاء کا اور اسی طرح ہر امام کا یہی طریقہ تھا۔ چنانچہ حال اور سیرت اون کی کتب اخبار میں مذکور ہے۔

اور اسی طرح اصحاب صُفّہ جو کہ فرقہ اوّل درویشوں سے ہیں اُن کا بھی یہی مسلک تھا مانند سلمان اور ابا ذر و سلمان وغیرہ کے چنانچہ بعض تفسیروں میں مذکور ہے کہ اکابر قبیلہ مضر حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصحاب صُفّہ کو لباس کہنہ و بوسیدہ پہنے ہوئے انتہائی تقرب میں دیکھا تکبر کی وجہ سے اون کو انکی ہمنشینی ناگوار ہوئی اور چنانچہ انھوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ ہم بزرگ قوم ہیں اور یہ لوگ نادار ہیں۔ ہم کو ان کی ہمنشینی ننگ و عار ہے لہٰذا یہ التماس ہے کہ جس وقت ہم آپ کی مجلس میں آویں یہ لوگ نہ ہوں۔ آنحضرت نے اس وجہ سے کہ اون کا قبیلہ بہت بڑا تھا حتیٰ کہ عرب میں کثرت سے افراد

ما اوران کا ایمان لانا موجب قوت اسلام تھا۔ لہذا نظر تالیف قلوب اونکے اون کے سوالوں کا رد کرنا مناسب نہ سمجھا اور جواب
بلا توقف فرمایا۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ " واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجہہ ولا تعد عیناک
عنہم ترید زینۃ الحیٰوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ہواہ وکان امرہ فرطا وقل الحق من ربکم
فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا " یعنی اے رسولؐ صبر دے اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جو کہ اپنے
پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی رضاجوئی کرتے ہیں اور اپنی نگاہ کو اون لوگوں پر سے نہ ہٹا کیا تو زینت و زندگانی دنیا کو
چاہتا ہے اور نہ فرمانبرداری کر اوس شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ پیروی کرتا ہے خواہش
نفسانی کی اور اوس کا کام برباد اور تباہ ہے کہدے اے رسولؐ کہ حق میرے پروردگار سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے
اور جو چاہے کافر ہو جائے بہ تحقیق کہ ہم نے ظالموں کے واسطے جہنم کو بنایا ہے۔ اور اسی طرح کتاب کافی میں حضرت صادقؑ سے
منقول ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ کوئی چیز حضرت رسولؐ کی خدمت میں لائے اور حضرت نے اوس کو فقراء و مساکین اہل صفہ
میں سے ایک جماعت پر تقسیم کیا لیکن وہ اسی قدر نہ تھی کہ تمامی اہل صفہ کو کافی ہوتی خیال ہوا کہ شاید دوسروں کو ملال ہو اون کے
پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں اپنے پروردگار سے اور اے اہل صفہ تم سے عذر چاہتا ہوں اس لیے کہ ایک چیز
میرے واسطے آئی تھی میں نے چاہا کہ تم کو تقسیم کر دوں لیکن اتنی نہ تھی کہ سب کو مل جاوے لہذا تم میں سے بعضوں کو میں نے مخصوص
کر لیا جن کی جزع و بے تابی سے خوف تھا۔

الغرض اصحاب صفہ کی فضیلت محتاج بیان نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک کو صُفّی کہتے ہیں یعنی منسوب بہ صُفّہ
یہاں تک کہ کثرت استعمال سے صوفی ہو گیا یہاں بقدر حاجت شیخ ابو سعید سہروردی وغیرہ وجہ تسمیہ یہ بتلاتے ہیں کہ اکثر چونکہ پشمینہ
پوش رہتے تھے اون کو صوفی کہتے تھے اور جناب امیرؑ کا وہ قول ہے جو ان لوگوں میں مشہور ہے۔ کتاب عوالی میں شیخ ابن ابی جمہور
احسائی اکابر علمائے شیعہ سے بحوالہ آنحضرت صلعم فرمایا ہے کہ "تصوف" کو "صوف" سے لیا ہے اور اس میں تین حرف "صاد" کو صبر
سے اور "واو" کو وفا سے اور "فا" کو فقر و فنا سے لیا ہے۔ اور اسی طرح اکابر علمائے شیعہ متقدمین اور متاخرین سے جو واقف ا
زیادہ تر طریقۂ اہل بیت اور ان کی متابعت پر رہتے ہیں اور اس زمانہ کے علما تو سب یہی مسلک رکھتے ہیں۔ مثل علامۃ البشر
قدوۃ المحققین نصیر الملۃ والدین دیہدو محقق شیخ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمۃ مصنف شرح اشارات و دیوان و مثنوی و کتاب اوا
الاشراف و در رود طوسی) اعلم شیعہ بلکہ تمام بنی آدم میں بعد انبیاء و اوصیاء اون کے مانند دریائے زخار علوم کا نہیں ہوا ہے
علم میں بہت سی تصنیفیں اور علم کلام میں متعلق ذات و صفات الٰہی و دلائل عقلی و نقلی سے بیان فرمایا ہے کافی ہے اس
زیادہ علم کلام میں کسی کو میسر نہیں پس اگر کوئی ترقی کرے تو اس کو چاہیے کہ ریاضت شاقہ کرے اور نفس امارہ کو قید کر

اور روحانیات خیالات کو چھوڑے تاکہ خدا اس کے دل کو نور ہدایت سے منور کرے تاکہ مجاہدہ نفس سے انوار ملکوتیہ اور آثار جبروتیہ مشاہدہ کرے اور اس کے دل پر پوشیدہ حقیقتیں روشن ہوں۔ لیکن یہ لباس ایسا نہیں ہے جو ہر صاحب قدسے قد و قامت کے واسطے تیار کیا گیا ہو۔

اسی طرح ورّام کندی (شیخ ورّام کندی مصنف کتاب مجموعہ ورّام) اکابر علمائے شیعہ نے مجاہدۂ نفس و زہد و ریاضت اور بیان خصائل نیک اور صفات ہائے بد اور ان کا علاج اون احادیث کے ساتھ لکھا ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

اسی طرح نقیب نقبائے آل ابی طالب سید رضی الدین علی ابن طاؤس قدس سرّہ (مصنف مہج الدعوات و کتاب اقبال و کتاب جمال الاسبوع بکمال العمل المشروع و رسالہ محاسبۃ النفس و مجتنی و مرتب توقیعات جناب صاحب الامر علیہ السلام) اکابر علماء جن کے فضائل و مناقب کتاب رجال میں مذکور ہیں مسلک زہد و ریاضت کا رکھتے تھے جیسا کہ شیخ شہید اوّل رحمۃ اللہ کتاب اربعین میں اون کے فضائل شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد اور صاحب کرامات و کمالات تھے اور اونکے قول و فعل و ریاضات و خارق عادات اور ان توقیعات کی بابت جو حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے ان پر فرمائی ہیں اس قدر مشہور ہیں کہ حاجت بیان نہیں۔

اسی طرح سید محمود آملی صاحب نفائس الفنون جو کہ علامہ حلّی قدس سرّہ کے ہمعصر اور علمائے شیعہ کے فاضلوں میں سے تھے کتاب مذکور میں اصطلاحات صوفیہ اور آداب سلوک اور اقسام مکاشفات اور اطوار اور مقامات مفصل تحریر فرمائے ہیں۔

اسی طرح سید حیدر بن علی الحسینی) آملی (مصنف کتاب جامع الانوار در تحقیق صوفیہ و جامع الاسرار و جامع الحقائق و شرح فصوص مسمّی بنص النصوص و کتاب الکشکول فیما جریٰ علی آل الرسول و رسالہ رافعۃ الخلاف در توقف شاہ ولایت در دفع منافیان ثلاثہ از جہت عدم ناصر بودہ۔) صاحب تفسیر بحر الابحار نے ہزار ہزار شعر دلائل اور احادیث اہل بیت میں درج کیے ہیں اس بیان میں کہ وہ شیعہ جو صوفی نہ ہو شیعہ نہیں ہے اور جو صوفی کہ شیعہ نہ ہو صوفی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں دیکھا میں نے کہ جہاں طالبان علم شیعہ اور ناقصان صوفیہ میں جھگڑا ہے اس کتاب کو میں نے لکھا کہ معلوم ہو کہ تصوف طریقہ مرتضویہ ہے اور تصوف اور تشیع کے ایک معنی ہیں اور یہ مخالفت بوجہ نادانی و کم علمی ہے بے عقلی فریقین کی وجہ سے۔

اسی طرح قدوۃ المحدثین شیخ ابن فہد حلّی علیہ الرحمہ ریاضت اور عزلت اور انقطاع خلق کے بارے میں عدۃ الداعی وغیرہ کتب مشہور تحریر فرما چکے ہیں۔

اسی طرح شیخ ابن ابی جمہور الاحسائی (مصنف کتاب مجلی و موجز و مہذب بارع و عوالی اللآلی وغیرہ) فاضل علمائے شیعہ نے حقیقت تصوف و تحقیقات و تدقیقات کتاب مجلی المرات میں جو علم کلام میں لکھی ہیں یا ادراج میں آپ نے خرقہ اولیہ سلسلہ

مشائخ صوفیہ کی معرفت ائمہ ہدیٰ سے بیان کیا ہے اور کتاب عوالی اللآلی میں احادیث معتبرہ اور تصوف کی تعریف نقل کی ہے اور شیخ شہید ثانی (مصنف کتاب منیۃ المریدین و اسرار الصلوٰۃ وغیرہ) روسائے ملکوت سے مشہور ہیں۔ کتاب منیۃ المریدین میں فرماتے ہیں کہ ظواہر شریعت نماز روزہ دعا تلاوت قرآن وغیرہ جو علمائے متقدمین نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اس کو حاصل کرے۔ عبادت میں سے اور بھی چیزیں ہیں جن کا معرفت واجب و لازم ہے کیونکہ اعمال غیر واجبہ میں سے جو کچھ کہ مکلف پر لازم ہیں صرف وہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی ہیں جن کی معرفت واجب تر ہے تعلق رذالت سے تطہیر نفس مثل کبر و ریا و حسد و کینہ وغیرہ اور یہ تکالیف کتب وغیرہ میں نہیں مل سکتی ہیں۔ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور پروردگار کی رضا جوئی۔ طالب علم کو چاہیئے کہ اول اپنے باطن کو پاک کرے نفسانی خواہشات سے اور صفات جہلات شیطانی سے تاکہ نیت خالص اور اخلاص تمام سے طلب علم میں مشغول رہے۔ بعد مجاہدۂ نفس صاحبانِ دل کی طرف رجوع کرے اگر صاحبان دل کو نہ پاوے تو گوشہ گیری اور تنہائی اختیار کرے۔ حصول عالم علوم رسمیہ کے بعد چاہیے کہ تحصیل علم حقیقت کی طرف رجوع کرے جو کہ تمام علوم کا نتیجہ ہے اور شیخ علیہ الرحمۃ کی تحریص و رغبت تصوف پر اس سے زیادہ ہے۔ اسی طرح میر نور اللہ (مصنف مجالس المومنین احقاق الحق، مصائب النواصب، الصوارم المحرقہ فی نقد الصواعق المحرقہ وغیرہ) کی تصانیف اثبات مذہب شیعہ میں مشہور ہیں اور سلسلہ نوربخشیہ سے ہیں اور کتاب مجالس المومنین میں دلائل قویہ سے ثابت کرتے ہیں کہ جملہ مشائخ مشہور شیعہ تھے اور یہ اہل بیت علیہم السلام کا طریقہ تھا۔ اور کتاب مصائب النواصب میں جو کہ رد کتاب نواقض الروافض میر مخدوم شریف نے لکھی ہے شیعوں پر طعن کیا ہے اور شیعوں کو بطلان کی دلیل دی ہے کہ وہ اولیاء کے منکر ہیں علمائے کوئی صوفی نہیں، صاحب دل نہیں، کشف و معرفت حال سے خبر نہیں رکھتے۔ میر نور اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دلائل خلاف حق ہیں اور یہ افترا ہے کیونکہ تصوف شیعہ کا طریقہ ہے بلکہ عین تشیع ہے۔ دلائل قویہ اور تفصیل سے بیان کیا ہے کہ علمائے شیعہ سے کوئی اس طریقہ کا منکر نہیں تھا بلکہ سب صوفی ہوئے ہیں۔ اور شیخ بہاء الدین محمد عاملی علیہ الرحمہ (مصنف مثنوی نان و حلوہ و مفتاح الفلاح و کشکول بہائی) اُن کے کلام تصوف میں ایسا کون ہے جس نے نہ سنے ہوں اور ان کے دل پر نقش نہ ہوا ہو۔ رسالہ نان و حلوہ جو مثنوی میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

علم رسمی سر بسر قیل است و قال نہ از و کیفیت حاصل نہ حال
طبع را افسردگی بخشد دوام مولوی باور نہ دارد این کلام

غزلیں اور تصنیفیں مثل حاشیہ تفسیر قاضی دار العین و تفسیر قاضی بیضاوی در حاشیہ تفسیر بہائی عربی مطبوعہ وغیرہ تصوف میں بہت مشہور ہیں۔

یہ طائفہ ہمیشہ اپنے خرقہ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نسبت دیتا ہے۔ اس طریقہ کو طریقہ مرتضویہ کہتے ہیں۔ علامہ حلّی علیہ الرحمہ شرح تجرید بحث امامت میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت سے متواتر منقول ہے کہ آنحضرت سید سردار ابدال ہوئے ہیں۔ چہار طرف سے ابدال آنحضرتؐ کی خدمت میں آداب سلوک و ریاضت و طریقہ زُہد وغیرہ سیکھنے آتے تھے اور اوسی کتاب میں ذکر ہے فضیلت ائمہ علیہ السّلام میں کہ اونھوں نے علم و زہد و فضل و گوشہ گیری و ترک دنیا کو اس قدر حاصل کیا تھا اور لوگوں میں پھیلایا تھا کہ فضلاؤ مشائخ ان کی خدمت و بندگی پر فخر کرتے تھے جیسا کہ شیخ ابو یزید بسطامی اس بات کا فخر کرتے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے گھر میں سقہ تھے اور شیخ معروف کرخی قدس سرہ العزیز شیعۂ خالص حضرت امام رضا علیہ السلام کے تاحیات دربان تھے (شرح تجرید الاعتقاد المسمّٰی بہ کشف المراد وغیرہ مصنفہ علامہ حلّی)۔

علّامہ حلّیؒ کتاب منہج الکرامت میں جس جگہ حضرت امیر علیہ السلام کی مفاخرت کا ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ علم طریقت حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منسوب ہے اور تمام صوفی اپنے خرقہ کو آنحضرت سے نسبت دیتے ہیں جس کی یہ تفصیل ہے۔ کہ شیخ ابن ابی جمہور الحساوی علیہ الرحمہ جو کہ بزرگان علمائے شیعہ سے ہیں کتاب مجلی المراۃ میں روایت کرتے ہیں حضرت رسالت پناہ سے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معراج کے واسطے لے گئے۔ جب میں بہشت میں داخل ہوا دیکھا میں نے وسط بہشت میں ایک قصر جو کہ ایک دانۂ یاقوت سرخ کا تھا۔ جبرئیلؑ نے اس کو کھولا اور میں اس میں داخل ہوا اس میں ایک مکان سونے کا دیکھا پس وہیں اس میں داخل ہوا۔ دیکھا اوس گھر میں ایک صندوق جو کہ نور کا تھا اور اس میں قفل بھی نور کا پڑا تھا پوچھا میں نے کہ اے جبرئیلؑ کیا چیز ہے یہ صندوق اور اس میں کیا ہے پس جبرئیلؑ نے جواب دیا یا حبیب اللہ اس میں سِرّ خدا ہے جو کسی کو عطا نہیں ہوتا ہے سوائے اس کے جو اس کا حبیب ہو۔ پس کہا میں نے کہ کھولو اس کو میرے واسطے جبرئیل نے جواب دیا کہ میں بندہ ہوں خدا سے مانگئے تاکہ وہ مجھکو اذن کھولنے کا دے۔ پس میں نے سوال کیا جانب خداوندی سے ندا آئی کہ اے جبرئیل کھولدے اس کو۔ پس جبرئیل نے کھولا دیکھا میں نے اوس میں فقر اور خرقہ کو۔ پس عرض کیا میں نے کہ اے میرے سید و مولا یہ کیا چیز ہے جانب عرش سے ندا آئی کہ اے محمدؐ ان دو چیزوں کو میں نے تیرے اور تیری اُمّت کے واسطے اختیار کیا ہے جبکہ ان کو میں نے پیدا کیا تھا اور یہ دونوں چیزیں کسی کو نہیں دیتا ہوں جس کو دوست نہیں رکھتا ہوں اور ان دونوں چیزوں سے عزیز کسی چیز کو نہیں رکھتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے ان دونوں چیزوں کو عزیز رکھا اور پہنا اور متوجہ مقام اوادنیٰ ہوئے جب معراج سے واپس ہوئے اوس فقر اور خرقہ کو بحکم خدا جناب امیرؑ کو دیا۔ جناب امیرؑ نے اوس پر اس قدر پیوند لگائے فرماتے تھے کہ پیوند لگاتا ہوں اور سینے والے سے شرم آتی ہے (اس قدر پیوند لگے ہیں) اسی طرح جناب امیر المومنین نے جناب حسنؑ کو پہنایا اور اسی طرح ہر امام سے پہن کر جناب صاحب الامر علیہ السّلام کے پاس پہنچا وہ خرقہ معہ دیگر تبرکات انبیاء یعنی انگوٹھی

بن سلیمان، عصائے حضرت موسیٰ وغیرہ پس وہ حضرت آج قطب زمانہ اور خلیفہ معمور السموات والارض ہیں۔

مصنف کہتا ہے کہ خرقہ سے جو کہ مشائخ صوفیہ میں ہے بعینہ وہی خرقہ نہیں ہے۔ بلکہ مراد شرائطِ خرقہ پوشی ہے اُسی اکہ رسولِ خدا نے پہنا اور پہنایا تھا یعنی صاحب خرقہ اور پیر کامل سے معانی اور اسرار بقدر استعداد حاصل کرتا اور بادسکے مات اور اخلاق سے متصف ہونا خرقۂ معنویہ کا نشان ہے اور شیخ مذکور اسی کتاب میں اس گروہ کی نسبت بعضوں کی کمیل ماز یاد سے اور بعضوں کی اویس قرنی و ابراہیم ادہم بشر حافی اور سلطان بایزید بسطامی سے دیتے ہیں جو کہ حضرت امام جعفر صادق یہ السلام کے اصحاب تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام پر سلسلہ ختم کرتے ہیں اور بہت سے سلسلے جو کہ اس وقت موجود و مشہور ہیں شیخ معروف رخی سے نسبت رکھتے ہیں جیسے کہ شیخ الاعظم والقمقام المعظم شیخ صفی الدین اردبیلی (جدِ سلاطین صوفیہ ایران) مولانا رومی وغیرہ وراوں سے حضرت امام رضا علیہ السلام پر سلسلہ پہونچاتے ہیں اور ان لوگوں کا سلسلہ ائمہ تک پہنچتا ہے اور شیخ مذکور نے کتاب عوالی اللآلی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الشریعۃ اقوالی (شریعت میرا قول ہے) والطریقۃ افعالی (اور طریقت میرا فعل ہے) والحقیقۃ احوالی (اور حقیقت میرا حال ہے) والمعرفۃ راس مالی (اور معرفت میرا سرمایہ ہے) والعقل اصل دینی (اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے) والحب اساسی (اور محبت میرا اساسہ ہے) والشوق مرکبی (اور شوق میرا مرکب ہے۔) والخوف رفیقی (اور خوف میرا رفیق ہے۔) والعلم سلاحی (اور علم میرا ہتھیار ہے) ۔ والحلم صاحبی (اور حلم میرا مونس ہے)، والتوکل زادی (اور توکل میرا توشہ راہ ہے) والقناعۃ کنزی (اور قناعت میرا خزانہ ہے) والصدق منزلی (اور صدق میرا ٹھکانہ و جائے نزول ہے) والیقین ماوائی (اور یقین میری جائے پناہ ہے)

والفقر فخری (اور فقر میرا فخر ہے) وبہ افتخر علی سائر الانبیاء والمرسلین (اور اسی سبب سے میں سارے انبیاء اور مرسلین پر فخر کرتا ہوں)۔

ائمہ کی فضیلت میں شارح کبیر نے گیارہویں باب میں اکابر و مشائخ عظام کا ائمہ کی خدمت میں حاضر ہونا لکھا ہے سلطان بایزید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر سقائی کرتے تھے۔ شیخ معروف کرخی حضرت امام رضا علیہ السلام کے دربان تھے شارح نہج المرشدین نے علم تصفیۂ باطن، اسرار اور پوشیدہ علوم کا حاصل کرنا رسولِ خدا اور ان کی اولاد اور اون کے شاگردوں سے لکھا ہے۔

ابن طاؤس قدس سرہ (مصنف کتاب الطرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف و کتاب جمال الاسبوع بکمال العمل المشروع و کتاب اقبال و کتاب مہج الدعوات و مجتنیٰ وغیرہ) نے کتاب طرائف میں خرقہ مشائخ کے سلسلہ کو ائمہ تک پہنچایا ہے۔ باقی حالات صوفیائے کرام تابعین ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کا حال مجالس المومنین (مولفہ علامہ قاضی سید نور اللہ شوشتری علیہ الرحمہ شہید ثالث علیہ الرحمہ) سے معلوم ہو سکتا ہے۔

جو لوگ کہ چلّہ کشی کی عبادت کو بدعت سمجھتے ہیں اون کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلعم سے منقول ہے کہ اے ابوذر جو شخص میری مسجد کے صحن میں ایک نماز پڑھے وہ ہزار نمازوں کے برابر ہو گی اور ان سب سے افضل وہ نماز ہے کہ اپنے گھر میں اس جگہ پڑھی جائے جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے سوائے خدا کے اور احادیث فضیلتِ خانقاہ پر دال ہیں مستند السالکین (مصنفہ ملا محمد تقی مجلسیؒ مصنف رسالہ تشریق السالکین) کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اون کا یہ اعتراض کہ عبادت چلّہ بدعت ہے غلط ہے۔ بدعت کی یہ تعریف نہیں۔ احادیث فضیلت اربعین پر بہت ہیں منجملہ کے ابن فہد رحمۃ اللہ کی حدیث جو کہ عدۃ الداعی میں حضرت رسول خداؐ سے نقل کی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا جو شخص چالیس صبح خدائے تعالیٰ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرے چشمے حکمت کے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہوں اور اخبار الرضاؑ (عیون اخبار الرضاؑ) میں بھی ایسا ہی ذکر ہے اور کتاب کفر و ایمان از کافی (شیخ کلینی) میں اس کا تفصیلی ذکر ہے۔

اور ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ یہ گروہ ذکر بلند کرتے ہیں اور اچھی آواز سنتے ہیں اور یہ غنا و حرام ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر غرض ذکر بلند سے خلق کو سنانا نہ ہووے تو وہ عین عبادت ہے جبکہ کتاب ثواب الاعمال (مصنفہ شیخ صدوقؒ) میں نقل ہے کہ ذکر میں جس قدر آواز کو کھینچے گا گناہوں سے پاک ہوگا۔ اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ[1] میں نقل ہے کہ ایک شخص خدمت امام زین العابدینؑ میں آیا اور سوال کیا کہ خوش آواز لونڈی کا خریدنا اوس کی آواز کی وجہ سے جائز ہے یا نہیں حضرت نے فرمایا کچھ ڈر نہیں ہے۔ اگر تو اس کو خریدے پس بہشت کو یاد کر فافہم و تدبر والسّلام۔

شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب عظیم آبادی اثرؔ نے اپنی تالیف مصباح الظلم و ایضاح البہم میں (کہ جس کی تصحیح جناب سرکار شریعتمدار مجتہد العصر و الزمن حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ نے فرمائی ہے) فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے اثبات میں ارقام فرمایا ہے کہ فرقہ امامیہ کو باہر سے (اہل یونان اور اہل ہنود وغیرہ سے) تصوف کے لیے آنے کی حاجت نہ تھی۔ ان کا مذہب ہی روحانی پہلو رکھتا تھا۔ ان کے اماموں کی تعلیمات ہی جان تصوف تھی۔ پس جب کہ مذہب امامیہ میں روحانیات کی کوئی کمی نہ تھی تو اس فرقہ کا اپنی حالت موجودہ پر قانع رہنا فطری امر تھا عوام کی یہ ایک غلط فہمی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب امامیہ تصوف سے بے تعلق رکھتا ہے۔ مذہب امامیہ میں بھی تصوف ہے۔ مگر یہ تصوف وہ ہے جو مطابق قرآن و حدیث و تعلیم ائمہ معصومین ہے اور ایسا تصوف ہے کہ اس سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی دوسرا تصوف ہو ہی نہیں سکتا (ص ۲۱۹ مصباح الظلم و ایضاح البہم) راقم کی دانست میں بہترین تصوف پیروی خدا اور رسول و ائمہ طاہرین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔

---

[1] مذکورہ رسالہ کتب خانہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی واقع گڑھی قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز در پے مصطفیٰ

پھر آگے ارقام فرماتے ہیں۔ واضح ہو کہ فرقۂ امامیہ میں بھی تصوف ہے۔ مگر فرقہ امامیہ کا تصوف شرع محمدی کے خلاف ایک جو برابر بھی نہیں ہے امامیہ بھی اولیاء اللہ کے قائل ہیں۔ صوفی فرقہ شیعہ میں بھی گذرے ہیں۔ مثلاً صدرالدین شیرازیؒ، عبدالرزاق لاہیجیؒ، ملا حسین کاشفیؒ، حافظ رجب برسی وغیرہ۔ قاضی سید نوراللہ شوستری (شہید ثالث علیہ الرحمہ) کی کتاب مجالس المؤمنین میں تو ایک اچھی فہرست شیعہ متصوفین کی دیکھی جاتی ہے۔ ان میں قابل ذکر اسمائے گرامی یہ ہیں: محی الدین ابن العربی، امام غزالی، شیخ شہاب الدین سہروردی، نجم الدین کبریٰ، بایزید بسطامی، جلال الدین رومی، شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی، خواجہ حافظ شیرازی، فریدالدین عطار، سید اشرف الدین جہانگیر کچھوچھوی، سید معین الدین چشتی اجمیری۔ ان بزرگوں میں سے اکثر ضرورت کے وقت پابند تقیہ تھے۔ اس لیے اہل سنت نے انھیں سنی تصور کر لیا ہے۔ اس وقت بھی شیعیان صوفی طریقت موجود ہیں۔ فرقہ کشفی سید کاظم رشتی کا اور فرقہ شیخی احمد احسائی کا نام لیا ہے۔ اسی طرح ایران میں فرقہ خاکسار ہے۔ اور ابھی تک ان میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے۔ (ص ۲۲۰، ۲۲۱ کتاب مصباح الظلم و ایضاً البہم)۔ جناب مولوی محمد باقر صاحب موسوی الصوفی بڈگامی کتاب اختر درخشاں میں صوفیائے شیعہ کی حقانیت کے اثبات میں ارقام فرماتے ہیں۔ ایرانی دماغ نے عربی ذہن کی بہ نسبت تصوف اور باطنیات کو قبول کر لیا تھا۔ (اختر درخشاں ص ۱۷) نیز شاہان صفویہ ایران نے تقریباً ۹۲۰ھ میں حکومت کا مذہب شیعہ قرار دیا تھا۔ (ادبیات ایران براؤن)

شیعہ فقہا میں سے متعدد ایسے گذرے ہیں جن کے ایک کف میں جام شریعت تھا اور دوسرے ہاتھ میں پیمانہ تصوف انھوں نے شریعت کے علوم اور عرفان کے رموز میں ایک حسین امتزاج پیدا کر دیا ہے۔ (اختر درخشاں ص ۴۹)

جب فقہائے کے آپسی فروعی اختلافات نفس اصول پر اثر انداز نہیں تو سلوک عرفان کیونکر ان افراد کو مرکز سے باہر کر سکتا ہے۔ جو اس کو اپنائے ہوئے ہوں۔ (اختر درخشاں ص ۵۰)

حجۃ الاسلام الحاج مولانا السید ظفر الحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر کتاب اختر درخشاں پر تقریظ کے دوران تحریر ہیں۔ "یہاں بھی ایسے ان گنت خیطے ہیں جن میں اسلاف کرام نے ابتداءً تصوف کے رنگ میں تشیع کی تبلیغ کی۔"

② اوراد سیفی مرتضوی

دعائے سیفی آیۃ من آیات اللہ ہے اور بہت سے عجائب و غرائب اسرار اس میں مستتر ہیں اور اکثر اولیاء اللہ اس سے فیض فیاض حاصل کیا ہے اور بہرہ مند ہوئے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ دعا،

یمین اللہ، قدرۃ اللہ، ید اللہ، برہان اللہ، صمصام اللہ، حرز یمانی، سہم اللہ، حرز البر، حرز المرتضوی، حرز اعظم، حرز سیفی کے نام سے بھی نامزد ہوئی ہے۔ ایک دیگر روایت میں اس دعا کو یمین اللہ، قسم اللہ، نور اللہ، وجہ الحق، قریب الحق، میثاق الحق، معدن الاکثر مثل الانوار اور شروح الاثار بھی اس کو فرمایا گیا ہے۔

دعائے سیفی مرتضوی کے ورد کا طریق، وقت اور شرائط، اشارات و اختصامات نیز ترتیب دعا اور شرائط عامل عاملان کامگار نے مختلف طور سے مقرر فرمائے ہیں۔ جس کی بنا پر مجموعہ اوراد سیفی کے مختلف نسخ و مخطوطات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اوراد سیفی مرتضوی معمول قطب العارفین سید شاہ خیرات علیؒ ہمدانی علیہ الرحمہ، بانی امام باڑہ حصار جلالی ضلع علی گڑھ و متولی اوّل وقف نواب آصف الدولہ بہادر کا ایک مخطوطہ آپ کے کتب خانہ واقع گڑھی قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ میں محفوظ ہے جس پر آپ اور آپ کی اولاد و احفاد سے سید بہاء الدین حسین و سید فخر الدین حسین و حکیم سید محمد کمال الدین حسین و حکیم سید زائر حسین و حکیم سید شجاع الدین حسین و حکیم سید عزیز الدین حسین و حکیم سید محمد ضیاء الدین حسین و سید محمد رضی الدین حسین عامل رہے ہیں۔ اس نسخہ پر دو مقامات پر سید شاہ خیرات علیؒ، سید بہاء الدین حسین اور سید زائر حسین کی مہریں ثبت ہیں۔ یہ نسخہ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کی لمبائی ۱۰ انچ اور چوڑائی ۶½ انچ ہے۔ متن دعا ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر سات سطور ہیں۔ ابتدائی ۱۶ صفحات پر آداب و شرائط دعا مذکور ہیں اور آخری صفحات پر درود شریف اور بعض دیگر اختصامات درج ہیں۔ اس کتاب کے حاشیہ پر بھی اختصامات درج ہیں۔

عم محترم جناب مولوی سید معز الدین حسین صاحب جبکہ بغرض زیارت مشہد مقدس ایران تشریف لے گئے اس نسخہ کا مقابلہ کتاب دعائے سیفی ادعیہ خطی نمبر ۹۵ در آستانہ قدس کتاب خانہ مبارک حضرت امام علی الرضا علیہ السلام طہران مشہد مقدس سے فرمایا تھا اور اضافات اس نسخہ کے حاشیہ پر درج فرمائے تھے۔ رسید کتابخانہ مبارک ۴۲۱۵ اس نسخہ کے ساتھ منسلک ہے۔

والد بزرگوار حاذق الحکما حکیم سید محمد ریاض الدین حسین صاحب قبلہ نے بھی دعائے سیفی کے چند دیگر نسخوں سے مقابلہ کر کے اضافات حاشیہ پر درج فرمائے ہیں نیز آپ نے معتبر و مستند کتب علمائے عارفین سے اختصامات ماثورہ بھی حاشیۂ کتاب پر اضافہ فرمائے ہیں۔ والد مرحوم و مغفور نے اوراد سیفی مرتضوی کو مع اسناد جداگانہ، بیاض میں لکھنا شروع کیا مگر یہ کام تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

جناب والد مرحوم نے مندرجہ نسخ اوراد سیفی مرتضوی سے استفادہ فرمایا ہے۔

۱۔ دعائے سیفی از معمول حکیم سید کمال الدین حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم مغفور۔

۲۔ دعائے سیفی شیخ محمد غوث گوالیاری مع نادعلی۔

۴۔ بحار الانوار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ۔

۵۔ دعائے سیفی از معمول حکیم سید محمد شجاع الدین حسین عرف سید دلدار حسین صاحب جلالی الہمدانی مرحوم مغفور

۶۔ اعتصامات واختتام دعائے سیفی مرتضوی از کتاب شرح جواہر خمسہ۔

نام کاتب، تاریخ و سنہ کتابت درج نہیں ہے۔ البتہ کاغذ کی نوعیت متن کے ساتھ جدید کاغذ کی جوڑ اور کتاب کی درستی سے اس کی قدامت واضح ہے۔ نیز اس نسخہ میں دو مقامات پر سید شاہ خیرات علی نام کی دو مہریں ۱۲۲۷ھ کی ثبت ہیں جن سے واضح ہے کہ یہ نسخہ قطب العارفین سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ کے ورد میں رہا ہے۔ اور بزرگوں سے یہ روایت ہے کہ متن دعا سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ ہی کا تحریر کردہ ہے۔

مختصر یہ کہ اوراد سیفی مرتضوی کا یہ نسخہ نہایت معتبر اور مستند ہے۔ نیز شرائط دعوت، اشارات و اعتصامات ماثورہ کے اعتبار سے ایک مکمل نسخہ ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ دعائے سیفی کے دیگر نسخوں اور مخطوطات جو ہندوستان و بیرون ہند کتب خانوں میں محفوظ ہیں کی مدد سے اس کو ایڈٹ کر کے شائع کیا جائے تاکہ مسلمین و مومنین کرام ان اوراد کے ورد اور ان کے خواص کے فیوض و برکات حاصل فرمائیں۔

۳ اوراد فتحیہ

یہ اوراد حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ نے اپنے مریدوں کے لیے مرتب فرمائے ہیں اور خانقاہ معلی سرینگر کشمیر میں ان کا ورد جاری ہے۔ اوراد فتحیہ کا ایک قلمی نسخہ بطریق عقائد مذہب شیعہ اثنا عشری کتب خانہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی علیہ الرحمہ واقع گڑھی قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ میں محفوظ ہے یہ ایک قدیم مخطوطہ ہے۔ اس کے خاتمہ پر حسب ذیل عبارت تحریر ہے:

"تمت ہذہ اوراد ائمہ کہ مشہور بہ فتحیہ احقر العباد اضعف الناس بر حمو برحمت پروردگار واحمد مختار وآل الاطہار و صحبہ الکبار صلی اللہ علیہم اجمعین امام بخش بنی اسرائیل کرلوی"

امام بخش کاتب نے جس قدیم نسخہ اوراد فتحیہ سے یہ نسخہ نقل کیا ہے اس کا آخری ورق بھی آخر میں منسلک ہے جو کے آخر میں تحریر ہے:

"بید فقیر حقیر خاکپائے جمیع سادات و شیخان عطاء اللہ غفر اللہ لہ و الجمیع المومنین والمومنات بجا طرداشت میر صاحب سید جمال علی جیو تحریر یافت بروز یکشنبہ"

اس نسخہ پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے لیکن نشان کتابت و کاغذ کی نوعیت سے نسخہ کی قدامت واضح ہے۔ یہ نسخہ

خوردہ ہے لیکن متن صاف جلی قلم سے تحریر کیا گیا ہے، لہٰذا صاف پڑھا جاتا ہے۔ اشارے مثلاً سہ و چہار مرتبہ سی و سہ مرتبہ۔ پس بگوید دو بار وغیرہ سرخ روشنائی سے تحریر کیے گیے ہیں۔ ابتدا ریا فتاح سے کی گئی ہے اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر ہے۔ بسم اللہ کے بعد سہ مرتبہ گوید لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علی ولی اللہ۔ آخر حقاً حقاً تحریر ہے۔ اصل دعا رباون (۵۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحات کی لمبائی ۹" چوڑائی ۶½" ہے۔ اصل متن کی لمبائی ۶" چوڑائی ۳½" اور سطور فی صفحہ سات ہیں۔

عقائد صفحہ ۴۳ تا ۴۴ حسب ذیل طور سے درج ہیں۔

رضینا باللّٰہِ تعالیٰ ربّاً وبِالاِسلامِ دِیناً ومحمّدٍ صلّی اللّٰہُ علیہ وآلہٖ وسلّم نبیّاً و رسولاً وبامیرِالمومنین علی ابن ابی طالب اماماً وبفاطمۃ وبالحسنِ والحسینِ وزینِ العبادِ علیٍّ والباقرِ محمّدٍ والصادقِ جعفرٍ والکاظمِ موسےٰ الرضا علی والتقی محمدٍ والنقی علیٍّ والزکیِّ العسکریِّ الحسنِ والمہدیِّ الہادیِ ائمّۃً واماماً وبالقرآنِ کتاباً وبالکعبۃِ قبلۃً وبالصّلوٰۃِ فریضۃً وبالمومنین اِخواناً صلوٰاتُ اللّٰہِ علیہم اجمعین

اوراد فتحیہ کا یہ قلمی نسخہ کشمیر کے مروجہ مطبوعہ نسخوں سے باعتبار عقائد مختلف ہے۔ اور اس سے واضح ہے کہ اوراد فتحیہ کا رواج اہل سنت میں عقائد اہل سنت کے مطابق اور شیعہ صوفیہ و عارفین میں بطریق عقائد شیعہ رواج ہوا۔

جلالی ضلع علی گڑھ میں جہاں سادات ہمدانی ہمایوں کے وقت سے آباد ہیں، اوراد فتحیہ بطریق مذہب شیعہ اثنا عشری مروج ہے اور اس قدیم مخطوطہ سے ماخوذ ہے۔

جلالی ضلع علی گڑھ میں اوراد فتحیہ کا یہ قدیم ترین مخطوطہ ہے جو سید عطا اللہ کے مخطوطہ کی نقل ہے۔ سید عطاء اللہ ہمدانی حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ کی نسل سے ہیں جیسا کہ نسب نامہ سادات جلالیہ موسومہ بہ خلاصۃ الانساب مرتبہ جناب افضل العلماء مولانا سید کرم حسین صاحب قبلہ مجتہد اعلیٰ اللہ مقامہ سے واضح ہے جو حسب ذیل ہے۔

سید عطاء اللہ ابن سید کمال الدین ابن سید احمد ابن سید عمر ابن سید محمد ابن حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ۔

(۴) مقباس المصابیح

تصوف سے مراد طریقت ہے، اور طریقت اس علم کو کہا جاتا ہے کہ جس میں حقوق عبودیت اور شرائط ریاضت بیان کئے جاتے ہیں اور اس علم کو سلوک بھی کہا جاتا ہے اور راہ طریقت میں جو سعی کرے اسے سالک کہتے ہیں اور اس علم کا نتیجہ عرفانِ حق تعالیٰ ہے۔

ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ رسالۂ اجوبہ میں حقیقت و بطلان طریق صوفیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم فرماتے

۔ جاننا چاہئے کہ راہ دین ایک ہے اور حق تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھیجا ہے اور آخر میں ایک شریعت قرار دی ہے لیکن
ان عمل اور تقویٰ کے مراتب میں مختلف ہوتے ہیں اور اہل اسلام کا ایک گروہ جو کہ ظاہر شرع شریف نبوی پر عمل کرتے
، اور سنت و مستحب کے حامل نہیں اور مکروہات و مشتبہات کو ترک کرتے ہیں اور امور دنیا میں توجہ نہیں کرتے
، اور ہمیشہ اپنے وقت کو عبادت و اطاعت میں صرف کرتے ہیں اور اکثر خلق سے جنکی معاشرت کہ باعث تضیع اوقات
ہے کنارہ کش رہتے ہیں ایسوں کو مومن، زاہد، متقی کہتے ہیں اور صوفی کہلاتے ہیں کیوں کہ وہ اپنی پوشش میں
باقی غربت اور فاقہ کی وجہ سے صوف (اون) پر قناعت کرتے ہیں جو کہ سخت سے سخت اور سستی سے سستی پوشش
۔ اور یہ لوگ خلاصۂ نسل انسان ہیں لیکن چوں کہ ہر جماعت میں ایسے لوگ بھی داخل ہو جاتے ہیں کہ ان کو ضائع کر
ہے ہیں اور ایسے لوگ شیعہ، سنی اور زیدی وغیرہ سب میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح صوفیوں میں شیعہ، سنی اور ملحد ہوتے ہیں
صوفیا سے اہل حق بھی کئے اور ہیں اور اس پر اکثر شہادتیں وارد ہیں۔ ملا محمد باقر نے رسالۂ اجوبہ میں بعض
یہ سے حضرت سلطان العارفین و برہان الواصلین شیخ صفی الدین نور اللہ برہانہ، سید بزرگوار علی بن طاؤس علیہ الرحمہ
فہد حلی، شیخ زین الدین رضوان اللہ علیہ کا ذکر خاص طور سے کیا ہے کہ جن کے تصانیف دقائق و حقائق صوفیاء میں
مند ہیں۔ نیز آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ طریقۂ خاص شیعیان اہل بیت علیہم الصّلوٰۃ والسلام ہمیشہ ریاضت و مجاہدت
رخدا و ترک دنیا و بیزاری، شہرتوں سے رہا ہے اور طریقۂ صوفیہ حقہ ان کا طریقہ ہے۔ صوفی صافی ضمیر اہل تشیع
یح و تہلیل اور توحید حق تعالیٰ اور توسل اولاد ائمہ مہدیٰ کے ساتھ وابستہ رہے اور کوئی بیہودہ و خلاف شریعت طریقہ
میں نہیں ہے۔ حضرت شیخ صفی الدین رضوان اللہ علیہ نے اپنے مقالات میں اکثر جگہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ
بعت شریعت مقدسہ کریں اور ان باتوں سے کہ جو مخالف شریعت ہیں پرہیز کریں۔

ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے طریقۂ اذکار و ادعیہ ماثورہ کا انتخاب کتاب "مقباس المصابیح" چراغوں کا فانوس
، پیش فرمایا ہے اور یہ ایک گرانقدر تصنیف عرفان حق تعالیٰ میں ہے۔

ملا محمد باقر بن علامہ آخوند محمد تقی مجلسی علیہ الرحمہ (۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۸ء) اعلم وقت، فقیہ، محدث اور
صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں آپ کا مزار پُر انوار اصفہان میں جامع عتیق کے بقعہ میں واقع ہے اور مرجع خلائق
۔ آپ کی تصانیف میں عرفان و تصوف سے متعلق اعمال و اوراد و ادعیہ کا گرانقدر ذخیرہ موجود ہے۔ اخبار و احادیث
پ کی جامع و مفصل کتاب "بحار الانوار" ایک بحر ذخار ہے جو لآلی آبدار سے مملو و مرصّع پچیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور
کا خلاصہ "مقباس المصابیح" ہے جس میں علامہ مجلسی نے تعقیبات نماز سے متعلق مستند اوراد و وظائف کا انتخاب پیش کیا ہے

"مقباس المصابیح" کا ایک نستعلیق مخطوطہ کتب خانہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی، (واقع امام بارگاہ سید خیرات جلالی ضلع علی گڑھ وقف نواب آصف الدولہ بہادر) میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ تین سو چھتیر (۳۷۶) صفحات پر مشتمل ہے اس کی لمبائی ۸-۱ انچ اور چوڑائی ۵ انچ ہے۔ عناوین سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے کاتب کرم علی ہیں جنہوں نے اس نسخہ کی کتابت بمقام آستانہ سرائے میر تحصیل پھول پور ضلع اعظم گڑھ میں کی ہے۔ کتابت ششم ربیع الاول ۱۲۰۷ھ کو مکمل ہوئی ہے۔ اس کی جلد چرمی ہے اور بوسیدہ ہے۔

کتاب "مقباس المصابیح" کا مقصد تالیف علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"اما بعد خامہ تغیر آثار، خادم اخبار ائمہ اخیار محمد باقر بن محمد تقی حشر ہما اللہ مع موالیہما الاطہار بر الواح قلوب صافیہ وعقول زاکیہ سالکان مسالک عبادت و دعاء و طالبان قرب جناب حق جل وعلا می نگارد کہ چوں اشرف عبادات بدنیہ نماز است وتعقیبات ماثورہ را در تکمیل صلوٰۃ مدخلی عظیم است و ایضاً موجب رفع درجات و حط سیئات وحصول مطالب درجات می گردند و ہیچ راہ از طرف قرب رفع الدرجات بدعا و مناجات نمی رسد و کتب و رسائل کہ درین مطلب تدوین شدہ، محیط بہمہ آنہا نیست و بسیارے از آنہا کہ باسانید صحیحہ منقول گردیدہ ایراد نمودہ اند و بعضے از آنہا کہ ایرا نمودہ اند خصوصیتی بتعقیب مطلق صلوات ایراد نمودہ اند چوں ایں قاصر جمیع آنہار ادر کتاب بحار الانوار بہ طریق متعدد ایراد کردہ ام بخاطر ماتر رسید کہ اکثر آنہارا در رسالۂ جدا جمع کنم، بفارسی احادیث آنہارا ترجمہ نمایم تا عامہ خلق ازاں بہرہ تواند شد و در ضمن نقل ہر یک آثار نصیحت و قوت ہر یک بحسب سند می شود کہ اگر ناقدہ بعیر خواہد کہ بعضے را اختیار نماید معیار زاداند و دعاہائے صبح وشام وسائر ساعات لیل ونہار را اضافہ نمودم و بر دو ۲۰ فصل مرتب کردہ شدم و چوں ادعیہ را از کتب معتبرۂ علمائے سلف رضوان اللہ علیہم ومصابحہا کہ در دعا ر تالیف نمودہ اند اقتباس بمقباس المصابیح"

مذکورہ تحریر کی روشنی میں واضح ہے کہ علامہ مجلسی نے اس کتاب میں جملہ تعقیبات نماز پنجگانہ نیز صبح وشام ہر گھڑی میں ورد کرنے کے لیے اذکار و ادعیہ کتب معتبرہ علمائے سلف رضوان اللہ علیہم سے اخذ کر کے جمع فرمائے اور اس لحاظ سے یہ مجموعہ اوراد برائے سلوک وعرفان الٰہی نیز رفع درجات انسانی وحصول مطالب وحاجات کافی ووافی ہے۔ اور آیہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" کے مطابق ہے۔

کتب سلوک وعرفان حق تعالیٰ میں یہ کتاب نہایت مستند ومقبول ہے اگر اس کتاب کا ترجمہ زبان اردو میں ہو جائے تو یہ عرفان وسلوک کی منزل میں اردو داں حضرات کے لیے نہایت مفید ومقبول ہوگی۔

تقسیم وترتیب کتاب :۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو دس فصول پر تقسیم کیا ہے۔

● فصل اوّل :۔ در فضیلت تعقیب و شرائط و آداب آں۔ صفحہ ۱۲ ● فصل دوم :۔ در بیان تعقیبات است کہ مستحب است کہ بعد از ہر نماز خواندہ شود صفحہ ۵۳ ● فصل سوم :۔ در تعقیب مخصوص فریضۂ ظہر۔ صفحہ ۹۱ ● فصل چہارم در تعقیبات مخصوص نماز عصر صفحہ ۹۸ ● فصل پنجم :۔ در تعقیب مخصوص فریضۂ مغرب صفحہ ۱۱۱ ● فصل ششم در تعقیب مخصوص نماز خفتن صفحہ ۱۳۶ ● فصل ہفتم :۔ در تعقیبات نماز صبح صفحہ ۱۴۹ ● فصل ہشتم :۔ در بیان فضیلت وکیفیت سجدۂ شکر صفحہ ۲۱۵ ● فصل نہم :۔ در بیان دعا ہا کہ در صباح و مسا باید خواند صفحہ ۲۲۵ ● فصل دہم :۔ در دعا ہا کہ در ساعات روز باید خواند و دعا ہائے ہر روز کہ خصوصیت بساعتے ندارد۔ صفحہ ۲۴۸

مذکورہ دس فصول میں علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے سلوک و عرفان حق تعالیٰ سے متعلق منتخب اوراد، آیات قرآنیہ، اذکار اور ادعیہ انتخاب فرمائے ہیں۔ اگر انکو معانی و مطالب کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ذخیرہ و تصوف حقہ کا ایک نادر خلاصۂ انتخاب ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حقیقت تعقیب کی وضاحت فصل اوّل میں اس طرح فرمائی ہے۔ واما حقیقت تعقیب ظاہرش آنست کہ قرآن و دعا و ذکر کہ متصل بہ نماز واقع شود عرفاً داخل تعقیب باشد ولیکن افضل آنست با وضو باشد و نشستہ باشد رو بقبلہ و بہتر آنست کہ بر ہیئت تشہد نشستہ باشد و سخن نگوید در اثنائے تعقیب خصوصاً عقب نماز شام و بعضے گفتہ اند کہ بہتر آنست کہ جمیع شرائط نماز در تعقیب رعایت کند و ظاہر آنست کہ بعد از نماز مشغول قرآن و دعا و ذکر باشد ثواب تعقیب فی الجملہ داشتہ باشد اگرچہ در راہ رفتن باشد و در روایتے است کہ تا وضو داری ثواب تعقیب داری۔

مصادر و مراجع :۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں جن مصنفین و مصنفات سے استفادہ فرمایا ہے اور اوراد و ادعیہ اخذ فرمائے ہیں انکی فہرست حسب ذیل ہے۔

● بحار الانوار :۔ علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ ● کافی :۔ شیخ محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمہ ● ابن ابوالحسن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ مجتہد اعظم قم ● مشایخ طوسی :۔ شیخ نصیر الدین محقق طوسی مع الاشرف و اشارات وغیرہ۔ ● بلد الامین :۔ مصنفہ شیخ ابراہیم بن علی بن الحسین بن محمد العاملی۔

کفعمی ● مصباح کفعمی :۔ (جنت الواقیہ وجنت الباقیہ معروف بہ مصباح کفعمی) ● سید ابن طاؤس :۔ سید رضی الدین علی ابن طاؤس مصنف مہج الدعوات وجمال الاسبوع واقبال ولہوف وغیرہ ● علامہ حلیؒ :۔ مصنف شرح تجرید المسمی بکشف المراد ومنہاج الکرامت وغیرہ ● شیخ طبرسیؒ :۔ شیخ رضی الدین ابی نصر الطبرسی مصنف مکارم الاخلاق وغیرہ ● شیخ مفیدؒ :۔ مصنف کتاب مجالس وغیرہ ● سید ابن باقی :۔ مصنف کتاب اختیار وغیرہ ● دیلمی :۔ مصنف اعلام الدین ● سید ابن طاؤس :۔ کتاب فلاح السائل وغیرہ ● شیخ طوسی :۔ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی مصنف مصباح التہجد وکتاب مجالس وغیرہ ● عدۃ الداعی :۔ مصنفہ جمال السالکین احمد بن فہد حلی علیہ الرحمہ ● محمد بن ہارون :۔ در مجموع الدعوات ● عیون اخبار الرضا :۔ محمد بن علی بن الحسین معروف بہ شیخ صدوقؒ ● فقہ الرضاؑ ● ابن ادریس :۔ محمد بن احمد بن ادریس الحلی فخر الدین ابو عبد اللہ العجلی مصنف کتاب السرائر الحاوی لتحریر الفتاوی و مختصر بیان الشیخ الطوسی۔ ● شیخ شہید علیہ الرحمہ ● شیخ ابن فہد :۔ شیخ احمد بن محمد ابن فہد حلی جمال السالکین مصنف عدۃ الداعی ● مہج الدعوات :۔ ● شیخ تلعکبری :۔ مصنف مجموع الدعوات ● کشف الغمہ (کشف الغمہ فی معرفت الائمہ مصنفہ علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح الاربلی) ● امالی :۔ شیخ طوسی ● ثواب الاعمال ● محاسن ● قطب راوندی :۔ شیخ سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسن المعروف بالقطب الراوندی۔

مذکورہ مصادر و مراجع تمام تر سلوک و عرفان حق تعالیٰ اور تصوف حقہ سے متعلق ہیں اور اس اعتبار سے کتاب "مقباس المصابیح" ان اوراد و وظائف اور اذکار الٰہی کا ایک نادر خلاصہ ہے کہ جن پر عارفین و سالکین حق تعالیٰ عامل رہے ہیں۔

●●

ڈاکٹر ظفر الاسلام
شعبۂ اسلامیات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

ارشاد الطالبین

(شیخ جلال الدین تھانیسری)

عہد وسطیٰ کے صوفیا کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ تصوف سے دلچسپی لینے والے لوگوں کے لیے بالعموم اور اپنے شاگردوں کی تعلیم کے لئے بالخصوص رسالے یا کتابیں تالیف کیا کرتے تھے۔ یہ کتابیں مختلف عنوانات کے تحت جن سے ان کی تالیفات کے اصل مقاصد کا اظہار ہوتا ہے پائی جاتی ہیں، مثلاً آداب الطالبین، ہدایت الطالبین، ارشاد الطالبین، مصباح الطالبین، آداب المریدین، ارشاد المریدین، انوار السالکین، ارشاد السالکین وغیرہ۔ ان تالیفات میں سے "ارشاد الطالبین" کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں "ارشاد الطالبین" نام کے پانچ[1] مخطوطے ہیں جو مختلف مصنفین کے ہیں یعنی شاہ برہان الحق شاہ کبیر شطاری، مخدوم آخوند درویش ننگرہاری (م ۱۶۳۹ء)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۸۱۰ء) اور شیخ جلال الدین تھانیسری بن محمود العمری[2] (م ۱۵۸۲ء) جن کا تعلق سلسلہ چشتیہ کی صابری شاخ سے تھا۔

شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۱۴۵۶-۱۵۳۷ء) کے اہم شاگردوں اور ممتاز خلفا میں سے تھے۔ شیخ گنگوہی کے ساتھ آپ کے گہرے تعلقات کا ثبوت مکاتیب قدوسیہ سے ملتا ہے جس کے زیادہ تر خطوط کے مخاطب شیخ جلال الدین ہیں۔

مولانا آزاد لائبریری میں شیخ جلال الدین کے رسالہ "ارشاد الطالبین" کے تین نسخے ہیں جن میں سے دو ذخیرہ سلیمان (تصوف فارسیہ نمبر ۱۰/ ۱۱۰، اور ۱۱/ ۱۱۱) اور ایک یونیورسٹی کے ذیلی ذخیرہ (نمبر ۲۰) میں ہے۔ ذخیرہ سلیمان کے نسخے ۱۸۶۴ء اور ۱۸۰۸ء کے مکتوبہ ہیں۔ یونیورسٹی ذخیرہ کے نسخہ پر تاریخ کتابت درج نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے قدیم نسخہ ہے۔ اس بات کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ ذخیرہ سلیمان کے ایک نسخے میں کاتب (سراج الدین قادری پانی پتی) نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس نے اسے اپنے روحانی استاد سید غوث علی شاہ قادری پانی پتی (م ۱۸۸۰ء) کے نسخے سے نقل کیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یونیورسٹی ذخیرہ کے غیر مطبوعہ نسخے کی جلد کے ساتھ تذکرہ غوثیہ کا ایک نسخہ بھی شامل ہے جو

---

[1] علاوہ یونیورسٹی ذخیرہ میں (نمبر ۳۲/ ۷، اور ۱۵۱) اور دو ذخیرہ سلیمان میں (نمبر ۱۱/ ۱۱۱، اور ۱۲/ ۱۱۲) اور ایک نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ نمبر ۱/ ۷۰ میں ہے۔ [2] ذخیرہ سلیمان میں مخطوطہ ارشاد الطالبین کے نسخہ (نمبر ۱۱/ ۱۱۱) میں آپ کے والد کا نام حمید درج ہے۔ "نزہۃ الخواطر" کے مصنف نے غلطی سے محمود لکھ دیا ہے حالانکہ اصلاً یہ ان کے چچا کا نام ہے جیسا کہ خود شیخ جلال نے اپنے رسالہ ربیع الاولی "ذخیرہ شیفتہ (نمبر ۲۲/ ۲۶ ورق ۷، ب) میں لکھا ہے۔

خوش کی سوانح ہے۔ یہ ان کے شاگرد گل محمد شاہ کی تصنیف ہے۔ اس طرح یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یونیورسٹی ذخیرہ کا یہ نسخہ وہی نسخہ ہے جس سے ذخیرہ سلیمان کے نسخہ کو نقل کیا گیا جس کا حوالہ اس نسخہ کے کاتب نے دیا ہے

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ قدیم چشتی صوفیا کی طرح آپ سیاسی حکمرانوں سے تعلقات رکھنے کے خلاف نہیں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کم سے کم دو بار آگرہ کے شاہی دربار میں تشریف لے گئے تھے۔

شاہی دربار میں پہلی بار آپ شیخ عبدالقدوس[1] کے ایما پر ان کے فرزند کے ساتھ ہمایوں کے دربار میں بادشاہ سے عطیہ کی درخواست لے کر گئے تھے[2]۔ دوسری بار آپ تھانیسر کے عطیہ پانے والوں کا مقدمہ لے کر ۱۵۷۱ء میں اکبر کے دربار میں تشریف لے گئے تھے[3]۔ خود اکبر بھی ۱۵۸۱ء میں کابل جاتے ہوئے ابوالفضل کے ساتھ شیخ جلال کی خدمت میں آیا تھا اور تصوف سے متعلق چند اصولوں پر آپ سے گفتگو کی تھی[4]۔

شیخ جلال کا انتقال ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ/ ۹ جنوری ۱۵۸۲ء میں تھانیسر میں ہوا[5]۔ نظام تھانیسری، عبدالشکور قاضی محمد اور سلیم کیرانوی آپ کے قابل ذکر شاگردوں میں سے تھے۔ شیخ عبدالبشیر آپ کے اکلوتے بیٹے تھے جو غوثی شطاری کے مطابق آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے[6]۔ "ارشاد الطالبین" کے علاوہ "رسالہ ردِ بیع اراضی[7]" اور "رسالہ تفسیر والتین[8]" آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

بہت سے ماخذوں میں ان کے ایک "مکتوبات کے مجموعہ" کا بھی حوالہ ملتا ہے[9] لیکن ہمیں ایسا کوئی مجموعہ مخطوط یا مطبوعہ کسی شکل میں بھی دستیاب نہیں ہوا۔ "تذکرۂ اولیائے ہند" کا مصنف "ارشاد الطالبین" کو ان کے مکتوبات کا مجموعہ بتاتا ہے[10]۔ جو ظاہر ہے غلط ہے۔ "نزہۃ الخواطر" کے مصنف نے "ارشاد اللطیف" نامی ایک تصنیف کو آپ سے منسوب کیا ہے[11]۔ لیکن کسی اور تذکرہ نگار نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے نہ ہی معروف لائبریریوں کے کیٹلاگ میں ایسے کسی مخطوطہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

---

[1] شیخ کی مکمل سوانح کے لیے ملاحظہ ہو۔ اعجاز الحق قدوسی کی تذکرہ شیخ عبدالقدوس، پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی۔ [2] مکتوبات قدوسیہ ۱۳۰۷ھ، مکتوب نمبر ۱۷۰، ص ۳۲۹۔ [3] بدایونی "منتخب التواریخ" ص ۷۰۔ [4] ابوالفضل "اکبرنامہ" کلکتہ ۱۸۸۶ء جلد سوم ۳۴۱-۳۴۲، معتمد خان، اقبال نامہ جہانگیری لکھنؤ ۱۲۱۶ھ، ص ۳۴۵۔ [5] آپ کی پیدائش کا سال مذکور نہیں۔ آپ کی عمر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے گرچہ اس میں بھی اختلاف ہے۔ کہیں ۱۱۰، کہیں ۹۶، کہیں ۹۵، اور کہیں ۹۲ سال لکھا ہے۔ [6] غوثی شطاری گلزار ابرار (مخطوطہ) ورق ۲۷۲ ب [7] اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے ذخیرہ شیفتہ میں محفوظ ہے۔ [8] عربیہ نمبر ۲۴/۲۶۔ اس تصنیف کے تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ "اراضی ہند کی شرعی حیثیت عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں" (برہان دہلی)، مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۲۰-۳۳۔ [9] نسخے کے لیے ملاحظہ ہو کیٹلاگ، انڈیا آفس لائبریری ۱۹۳۴ء (۸) ۱۸ جلد ۱ حصہ ۲، ص ۱۷۔ [10] مثال کے طور پر "اخبار الاخیار" ص ۲۲۵، "گلزار ابرار" (مخطوطہ) ورق ۲۷۳ ب "الف ص ۳۷۶"، "الثقافۃ الاسلامیہ" ص ۲۷۹۔ [11] محمد اختر ڈبائیوی "تذکرہ علمائے ہند" دہلی ۱۹۰۷ء، ص ۹۱-۹۲۔ [12] ... کے ایک مخطوطہ میں (نمبر ۱۱/۱۱۱، ورق ۱ ب) اس کی وضاحت ملتی ہے۔

"ارشاد الطالبین" میں ۲۰ فصلیں ہیں۔ یہ رسالہ اصلاً مؤلف کے استاد اور مرشد شیخ عبدالقدوس (جن کے بارے میں مؤلف نے خود رسالہ کے آغاز میں واضح کر دیا ہے) کے ملفوظات اور تعلیمات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے بیشتر حصّہ میں تصوف کے اصول و ضوابط، ذکر کی اہمیت اور اس کے مختلف طریقوں، مراقبہ اور ورد کا بیان ہے، ساتھ ہی تقرب الٰہی کے سلسلے کی خاص عبادتوں اور ریاضتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید براں اس میں معرفت حق، مرشد کی اہمیت، شریعت کی پیروی کے سلسلہ میں صوفی کے فرائض، قرآن کی تعلیمات کی اہمیت اور عام لوگوں، صوفیاء اور علماء کے مختلف طبقات جیسے چند اہم مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں۔

معرفت حق پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے، شیخ جلال الدین فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد یہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے قرآن کی مشہور آیت کی تفسیر اسی نقطۂ نظر سے پیش کی ہے۔ آپ کی نظر میں وہی لوگ سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں جنھیں یہ دولت حاصل ہو گئی ہے۔ ("ارشاد الطالبین" اوراق ۱ ب - ۲ الف)۔ ایک روحانی مرشد سے منسلک رہنے کی ضرورت پر بھی آپ کی رائے بالکل واضح ہے کہ شریعت کی اتباع کرنے والے اور شریعت اور طریقت کے تقاضوں سے پوری طرح واقفیت رکھنے والے کسی شخص کی "ہدایت و صحبت" کے بغیر ایک طالب حق کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا بہت مشکل ہے۔ (ورق ۲ ب) اس بات کی تائید بھی انھوں نے قرآن کی ایک آیت سے کی ہے۔ شریعت کی اتباع کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تصوف کے راستے کا پہلا قدم ہے۔ آپ کے خیال میں شریعت کے فرائض نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی ادائیگی، خدا کی محبت اور فرماں برداری کی روح ہے اس لیے کہ یہ باتیں انسان کی باطنی و خارجی پاکیزگی کا باعث بنتی ہیں اور اسے گناہ اور برائیوں سے باز رکھتی ہیں (ورق ۲ ب)۔ سالک یا طالب کے لیے دوسری اہم بات جو شیخ جلال نے بتائی ہے وہ ہے دل کو بری عادتوں اور غلط قسم کے جذبات مثلاً حسد و جلن، دشمنی، غرور، لالچ، دنیاوی چیزوں کی لالچ اور جاہ و مرتبے کی خواہش سے پاک و آزاد رکھنا۔ (اوراق ۲ ب، ۲ - ۳ الف) یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ جلال کے خیال میں شریعت اور طریقت کا اصل مقصد نفس کی پاکیزگی اور باطن کو اچھائیوں اور اعلیٰ اقدار سے سنوارنا ہے۔ (ورق ۳ الف) آپ کے خیال میں شریعت اور طریقت میں فرق کو چھلکے اور گودے کی حیثیت سے واضح کیا جا سکتا ہے (ورق ۳ ب)۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ آپ نے باطنی بیماریوں کے علاج کے لیے جو نسخہ تجویز کیا ہے وہ قرآن کی تعلیمات ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت آپ نے استعارۃً اس طرح کی ہے کہ انسان مریض ہیں، خدا کے پیغمبران ڈاکٹر ہیں اور قرآن مختلف قسم کی ادویہ کا خزانہ ہے۔ (اوراق ۳ ب - ۵ الف) یہاں وہ قرآن کی آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں بھی وہ اس دوا کے استعمال کے سلسلہ میں ایک روحانی مرشد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلعم کے

معجزوں کے آنے کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ (اوراق ۴ ب۔ ۵ الف و ب)۔ شیخ جلال یقیناً مسلم علماء کی اس متفقہ رائے سے متفق تھے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں جیسا کہ واضح طور پر یہ بات ایک حدیث میں آئی ہے، لیکن وہ علماء کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی علمائے آخرت اور علمائے دنیا۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث علماء آخرت کے سلسلے میں ہے۔ (ورق ۵ الف)۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ صوفیا کو بھی علماء آخرت کے طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ مزید برآں علماء کے مختلف طبقوں کے سلسلے میں آپ نے جو بحث کی ہے اس سے سیاسی حکمرانوں کے ساتھ آپ کے رویہ کے دلچسپ پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ علماء جو حکمراں بادشاہ (ملوک) کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور ان سے تعلق رکھتے ہیں علماء دنیا ہی کا ایک حصہ ہیں (ورق ۵ الف)۔ اس طرح قدیم چشتی صوفیا کی طرح آپ سیاسی حکمرانوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے حامی نہیں۔

بہرحال جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ آپ کم از کم دو بار شاہی دربار میں تشریف لے گئے تھے اور یہ کہ آپ نے اکبر سے ملاقات کی تھی جب وہ آپ کے پاس تھانیسر ابوالفضل کے ساتھ گیا تھا تو اس روشنی میں آپ کے خیال اور عمل میں ایک تضاد ملتا ہے۔ مزید برآں اپنی کتاب "رسالہ در بیع اراضی" میں مغل ہندستان میں غیر منقولہ جائداد کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے آپ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ایسے معاملات میں جو فقہا کے درمیان مختلف فیہ ہیں، حکمراں بادشاہ کو اس میں اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ آپ نے اپنی اس رائے کا اظہار تقریباً اسی انداز میں کیا ہے جیسا کہ اکبر کے دور حکومت میں جو مشہور "محضر" ہوا تھا اس میں درج ہے۔[1] میرے خیال میں اس تضاد میں تطابق کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ شیخ جلال کے بارے میں یہ کہا جائے کہ آپ ان علماء کے مخالف تھے جو بادشاہوں کا تقرب حاصل کیا کرتے تھے اور دربار کے کارندوں کا ایک حصہ بن گئے تھے۔ چنانچہ بسا اوقات حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے شریعت کے قوانین کا لحاظ کیے بغیر اپنی آرا کا اظہار کیا کرتے تھے۔ آپ معقول مقاصد کے لیے یا عوام کے مفاد میں حکمرانوں سے ملاقات کے مخالف نہیں تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ آگے چل کر ریاست اور اس کے نمایندوں کے سلسلے میں چشتی صوفیا کے رویہ میں ایک تبدیلی رونما ہوئی تھی اور وہ اس مسئلہ پر اتنی زیادہ سختی سے کاربند نہیں تھے جتنی سختی سے قدیم صوفیا رہے تھے۔

جہاں تک تصوف کے بنیادی اصولوں کے سلسلہ میں شیخ جلال کے خیالات کا تعلق ہے تو جیسا کہ ارشاد الطالبین سے پتا چلتا ہے آپ نے معرفت، محبت الٰہی، غور و فکر، تقرب الٰہی اور عبادت کو محض رضائے الٰہی و وسیلہ حق کا ذریعہ بنانے پر زور دیا ہے۔ (اوراق ۵ الف ب، ۶، ۷ الف ب)

---

[1] ان کے رسالے کی روشنی میں شیخ جلال کے خیالات کے تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو میرا مقالہ جو "برہان" (دہلی) مارچ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔

ان اصولوں کی حصول کے لئے آپ نے متعدد قسم کے اذکار، اوراد و وظائف اور خدا کی یاد میں اپنے دل کو مستقل طور پر مشغول رکھنے کے لئے مختلف طریقے تجویز فرمائے ہیں (اوراق ۱۰ الف - ۱۳ ب، ۱۸ ب - ۲۶ ب)۔ ان کے خیال میں ان اصولوں کی پابندی کرنے والے صحیح معنوں میں صوفی ہیں۔ آپ نے تصوف کے اصول و اعمال کی وضاحت بار بار مختلف مثالوں کے ذریعہ کی ہے اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذہبی طبقہ کے جو مختلف گروہ ہیں ان میں سب سے زیادہ برتر صوفیا کا گروہ ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہی گروہ خدا کا محبوب اور اس کا مقرب گروہ ہے۔ اس بات کا اظہار اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے طالب حق کے مختلف طبقات علماء اور عوام الناس کا تذکرہ کیا ہے اور ہر طبقہ میں صوفیا کو اس طبقہ کے دیگر لوگوں پر فائق رکھا ہے۔ (اوراق ۳ ب - ۲۷ الف ب) مثال کے طور پر آپ نے جانوروں، فرشتوں اور نبیوں سے مشابہت کی بنیاد پر عوام کو تین بڑے طبقے میں منقسم کیا ہے۔ وہ لوگ جو نبیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، ان کی تعریف آپ نے اس طور پر کی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقصد صرف خدا ہے اور جن کے دلوں میں ذکر الٰہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو دنیاوی چیزوں سے اپنے دل کو موڑ کر مکمل طور پر خدا کے عشق میں ڈوب گئے ہیں۔ (ورق ۲۷ ب) ظاہر ہے ایسے لوگوں سے ان کی مراد صوفیا سے ہے۔

تصوف کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث اور متعلقہ مواد پر خوبصورت طرز بیان کے نقطہ نظر سے ارشاد الطالبین ایک اہم رسالہ ہے۔ ایک اہم اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مصنف نے قرآن اور حدیث کے حوالے بکثرت دیے ہیں اور اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذوں کی بنیاد پر ہی اپنے نظریات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ——— ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتاب کو تدوین و تعارف کے ساتھ شائع کیا جائے۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)
(ترجمہ: ڈاکٹر سلیم الدین احمد)

●●

اقبال صابر
ریسرچ اسکالر
شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

رسائل الارشاد

رسائل الارشاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی ریسرچ لائبریری کی زینت ہے۔ اس مخطوطہ میں سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیمات اور طریقۂ عبادت و ریاضت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس طرح یہ تصوف کے مسائل سے متعلق نقشبندی نقطۂ نظر کو سمجھنے کیلئے ایک اہم ماخذ ہے۔

اس تصنیف میں سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق صوفیا کے عبادت و ریاضت اور روحانی تجربات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید برآں دوسرے سلسلوں سے تعلق رکھنے والے صوفیا کی عبادت و ریاضت پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس میں ایک طرف روحانی ارتقا کے تمام مدارج بحث کی گئی ہے اور دوسری طرف نقشبندی سلسلے کے بنیادی اصول و ضوابط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مخطوطہ کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں مختصراً توحید کے دونوں پہلوؤں یعنی توحید وجودی اور توحید شہودی پر بھی بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں روحانی ارتقا کے تمام اہم مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس طرح تصوف بالخصوص سلسلۂ نقشبندیہ پر ایک زبردست تصنیف ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے طالب علم کیلئے ایک اہم ماخذ ہے۔

یہ مخطوطہ سید خلیفہ ابراہیم نقشبندی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب سید محمد خلیل اللہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتب کا تعلق اٹھارہویں صدی کے نصف اول یعنی محمد شاہ کے زمانے سے ہے۔ مرتب نے غالباً ان ملفوظات کو اپنے چچیرے بھائی میر داد شاہ سے جو آپ کے پیر بھائی بھی ہیں، جمع کیا تھا۔ میر داد شاہ سید شاہ ولایت اللہ کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔

مخطوطہ ۵۴ اوراق پر مشتمل ہے جس کا سائز ۲۹ × ۲۰ سینٹی میٹر ہے اور ہر ورق پر سترہ سطریں ہیں۔ نسخہ کچھ کرم خوردہ ہے لیکن قابل قرأت ہے۔ کتابت کی غلطیاں بہت کم ہیں۔

اگرچہ کتابت فارسی زبان میں ہے لیکن جابجا عربی جملے بھی استعمال کیے گئے ہیں اور قرآن کی آیتیں بھی کثرت سے نقل کی گئی ہیں۔ کتابت خط نستعلیق میں ہے اور عربی اقتباسات پر لال سطریں کھنچی ہوئی ہیں۔ ساتھ ہی عنوانات اور دوسری اہم باتیں بھی لال روشنائی میں ہیں۔ عبدالکریم سندیلوی اس کے کاتب ہیں اور تاریخ کتابت ۴ ربیع الثانی ۱۲۷۳ھ (مطابق ۲۸ اپریل ۱۸۵۶ء) ہے۔

کتاب چار ابواب جن کو "ارشاد" کا نام دیا گیا ہے، پر مشتمل ہے اور آخر میں "خاتمہ" ہے۔ ہر ارشاد کو گیارہ سوالات میں منقسم کیا گیا ہے۔ اس طرح پوری کتاب ۴۴ سوالات پر مشتمل ہے:

پہلا ارشاد درج ذیل سوالات پر مشتمل ہے:

• پیر اور مرید اور ان کے درمیان رشتہ • پیر اور مرید کے درمیان فرق • جذب محمود اور مذموم: وہ مدارج جن سے ایک صوفی

کو گننا پڑتا ہے ۔ ٭ مرید اور پیر کے درمیان تعلقات ٭ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی کیفیتیں ٭ علما و زاہد کی اہمیت ٭ ایک صوفی کے اعلیٰ مقامات ٭ عبد اور معبود ٭ مخلوق اور بندہ ٭ خدا کی صفات اور ٭ خدا کے بڑے فرشتے جبرئیل، اسرافیل، میکائیل اور عزرائیل کے حالات۔

دوسرے ارشاد میں درج ذیل سوالات پر بحث ہے:

جسم ٭ روح ٭ قلب مجازی ٭ قلب حقیقی ٭ روح مجازی ٭ روح حقیقی ٭ واقف ٭ سالک ٭ واصف ٭ معترف ٭ عارف ٭ جاہل ٭ عاشق ٭ واصل ٭ جذب کامل ٭ صاحب مقام ٭ صاحب دائرہ ٭ صاحب منزل ٭ صاحب شریعت ٭ صاحب طریقت ٭ صاحب حقیقت ٭ صاحب معرفت ٭ عالم ناسوت ٭ عالم ملکوت ٭ عالم جبروت اور ٭ عالم لاہوت۔

تیسرے ارشاد میں درج ذیل سوالات ہیں۔

صاحب شہود ذات ٭ صاحب شہود صفات ٭ صاحب شہود اسماء ٭ صاحب شہود عالم اشغال ٭ احدیت ٭ وحدت ٭ واحدیت ٭ مقام تمکین ٭ سکر سہو ٭ بیہوشی ٭ ہوشیاری ٭ مکاشفہ قلبی ٭ مکاشفہ روحی ٭ مکاشفہ سری ٭ نبوت ٭ ولایت ٭ روز حساب ٭ سر شہود ٭ سر قلب ٭ جنت ٭ اور دوزخ۔

اور چوتھے ارشاد میں درج ذیل سوالات زیر بحث آئے ہیں جو نقشبندی سلسلے کے اصول و ضوابط سے متعلق ہیں:

ہوش در دم ٭ نظر بر قدم ٭ سفر در وطن ٭ خلوت در انجمن ٭ یاد کرد ٭ بازگشت ٭ نگاہ داشت ٭ یاد داشت ٭ وقوف زمانی ٭ وقوف عددی ٭ وقوف قلبی ٭ خاتمہ۔

آخر میں جو خاتمہ ہے اس میں توحید، وحدت وجود اور وحدت شہود کے نظریوں پر دلچسپ بحث ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)

(ترجمہ ڈاکٹر سلیم الدین احمد)

جناب سید یوسف کمال بخاری
اردو اکادمی بھوپال

بھوپال کا مخطوطہ سلک السلوک اور دیگر نوادر

بھوپال کی مولانا آزاد سینٹرل لائبریری کی جب میں نے چھان بین کی تو ۲۰ مخطوطات تصوف کے موضوع پر نظر سے گذرے جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔ ۱۔ مثنوی درویش مصنف ضیا نخشبی تاریخ ۱۰۲۲ھ، ۲۔ انشاء خلیفہ مصنف خلیفہ شاہ محمد، ۳۔ تحفۃ المجانین، ۴۔ رسالہ خواجہ عبداللہ انصاری تاریخ تصنیف ۱۱۴۸ تاریخ نقل ۱۳۱۲ھ، ۵۔ راحت العباد، ۶۔ شمس المجالس مصنف عبداللہ انصاری، ۷۔ مناقب الاولیاء، ۸۔ انیس العارفین مصنف حبیب اللہ، ۹۔ زاد المسافرین مصنف علی محمد تاریخ تصنیف ۹۲۹ھ تاریخ نقل ۱۰۳۴ھ، ۱۰۔ مکتوبات احمدی مصنف حضرت یحییٰ منیری، ۱۱۔ مکتوبات یحییٰ منیری مصنف حضرت یحییٰ منیری، ۱۲۔ مفتاح المعادن، ۱۳۔ محب الطالبین مصنف محمد عاقل تاریخ تصنیف ۱۰۷۹ھ، ۱۴۔ نزہت الارواح تاریخ تصنیف ۱۱۶۱ھ، ۱۵۔ اقوال صوفیہ مصنف وحید الدین تاریخ تصنیف ۱۱۰۴ھ، ۱۶۔ حسنات العارفین، ۱۷۔ کتاب سلک السلوک مصنف ضیاء الدین نخشبی ۱۸۔ رشد المجالس مصنف عزیز اللہ، ۱۹۔ صحائف اسرار مصنف صالح محمد کرمانی تاریخ تصنیف ۱۳۱۱ھ

ان ہی مخطوطوں میں چند ایک اہم اور غیر مطبوعہ قلمی کتابیں ہیں۔ راحت العباد، شمس المجالس، انیس العارفین، محب الطالبین، نزہت الارواح اور حسنات العارفین میری نظر میں سب سے اہم رسالہ سلک السلوک ہے۔ چنانچہ سلک السلوک پر تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اول و آخر مکمل ہے ورنہ عموماً ناقص الطرفین ہوتے ہیں۔ اس کا طول ۸ اور عرض ۶ ہے۔ درمیانی سائز کی کتاب ہے ۱۷۶ اوراق پر مشتمل ہے دولت آبادی کاغذ پر تحریر ہے اور تین سو سال پرانی تحریر معلوم ہوتی ہے خط نستعلیق۔ مگر کھردرے خط میں لکھا ہوا ہے۔ ترقیمہ موجود ہے۔ ابواب کو تصوف کی اصطلاح سلک میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کا نام سلک رکھا ہے۔ ایک سو اکیاون سلکوں میں اس رسالہ کو منسلک کیا ہے اور اس طرح اس مجموعہ کا نام سلک السلوک رکھا ہے۔

ایک سو اکیاون سلوک میں سے ابتدائی ۵۰ میں درج ذیل کرتا ہوں تاکہ ایک اندازہ ہو سکے کہ کس قسم کے سلوک اس فہرست اور اس رسالہ میں جگہ پا سکے ہیں۔ سلک اول میں توبہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

سلک دوم بباید دانست کہ یکی از اصطلاحات این علم مقام است۔ بفتح المیم، سلک سوم بباید دانست کہ یکی از اصطلاحات این علم تواجد است، سلک چہارم بباید دانست کہ یکی از اصطلاحات این علم حالت الحال است، سلک پنجم بباید دانست کہ یکی از اصطلاحات این علم وجد است، سلک ششم قبض و بسط است، سلک ہفتم علم الیقین است، سلک ہشتم لوائح است، سلک نہم محو و اثبات است، سلک دہم صحو و سکر است، سلک یازدہم تلوین و تمکین است، سلک دوازدہم لسانِ حالت و بیان، سلک سیزدہم کمالیت است بباید دانست سالک تا راہ معرفت را سلوک میکند و در اصطلاحِ سلوک یکی را سالک خوانند و دوم را واقف۔

سلک چہاردہم بباید دانست کہ یکے از اصطلاحات ہرچہ از آدمی بر خرقِ قاعدہ اصلی ظاہر کردد ائمہ این علم آنرا چہار مرتبہ نہادہ اند مرتبہ اول معجزہ گویند مرتبہ دوم را کرامت مرتبہ سوم را معونت مرتبہ چہارم را استدراج سلک پانزدہم بباید دانست کہ نفس آدمی شہوانی است و سیر انسانی ملکوت الضار و روح نورانی است۔

سلک شانزدہم معلوم عالمیان و مفہوم آدمیان باد سلک ہفدہم اہل بصیرت بدیدہ باطن آں بینند کہ اہل ظاہر ہرگز آں نخواہند دید۔ سلک ہژدہم بباید دانست کہ خلق بر چہار نوع اند یکی آنست کہ در دنیا ہم در عقبیٰ فراخ روزی است آنرا صالح می گویند و دوم آنست در عقبیٰ و در دنیا ہم تنگ روزی است ہو الکافر و الفقیر سیوم آنست کہ در دنیا فراخ روزیست اما در عقبیٰ تنگ روزیست و ہو کافر الغنی چہارم آن کہ در دنیا تنگ روزی است و در عقبیٰ فراخ روزیست و ہو المومن الفقیر۔ سلک نوزدہم بباید دانست کہ بعضے مردمان از خدا تعالیٰ دنیا خواہند و بعضے عقبیٰ و بعضے از ہر دو را۔ سلک بیستم بباید دانست کہ ہرچہ از دنیا دادند بر دو نوع است نوعی آنست کہ او پیش تو خواہد رفت نوعی دوم آنست کہ تو پیش از و خواہد رفت۔

سلک بیست و یکم مردان دین و جوانمردان یقین گویند چشمے کہ صفت گریہ دارد ہرگز جانب خندہ نہ بیند۔ سلک بیست و دوم در بیانِ علم الیقین، عین الیقین و حق الیقین۔ سلک بیست و سیوم در بیان قول و فعل است سلک بیست و چہارم ای قدم در راہ مردان نہادہ زنانی کہ درین راہ مردانہ وار رفتند۔ سلک بیست و پنجم در شراب عشق الہی است سلک بیست و ششم در بیان تضاد عشق و عقل است۔ سلک بیست و ہفتم در معرفت الہی بعضے مردمان احرام از برائے کعبہ بندند و بعضے از برائے رب کعبہ۔ سلک بیست و ہشتم در بیان مردمان دنیا سلک بیست و نہم بیان معراج است سلک سی ام در بیان ضعف انسان کہ ہیچ مخلوق ضعیف تر از انسان نیست۔ سلک سی و یکم در بیان صحبت زندگانی کہ سالک را از مشغولی حق مانع باشد سلک سی و دوم در بیان سہ اقسام خلق است سلک سی و سوم

دربیان استغراق یاد محبوب سلک سی و چہارم دربیان فلسفہ رنج و راحت سلک سی و پنجم دربیان مراتب انسان در نظر خدا سلک سی و ششم دربیان فلسفہ صبر است سلک سی و ہفتم دربیان رزق است سلک سی و ہشتم دربیان ظلم است لیکن ظلم بر نفس خویش تذکرہ شد سلک سی و نہم دربیان بندگی انسان و فلسفہ عبودیت سلک چہلم دربیان اتقاء۔

سلک چہل و یکم دربیان فلسفۂ یقین۔ سلک چہل و دوم دربارہ اسباب و علل دنیا است سلک چہل و سوم دربارہ دنیا کہ بر سہ اقسام است جزوی بمومن دارد جزوی بمنافق و جزوی بکافر سلک چہل و چہارم دربارۂ سہ مصاحب است یکی تا بقبض روح باشد دوم تا بلب گور سیوم تا قیامت سلک چہل و پنجم دربارہ خوردن گوشت کہ از یاد اللہ غافل می کند۔ سلک چہل و ششم دربیان اطلاق محبت کہ بر کسے درست آید کہ او از محبوب ہیچ تمنا ندارد سلک چہل و ہفتم دربیان باز ماندن از معصیت است۔ سلک چہل و ہشتم دربیان حق عبودیت و حق ربوبیت است سلک چہل و نہم دربیان اجابت توبہ۔ سلک پنجاہ دربیان آں کہ با خداوند تعالیٰ باشد آں خوش است و خوشی کہ با غیر باشد آں غرور است۔

اسی طرح ۱۰۱ سلک بیان کیے ہیں بحر طریقت کے غواصوں کے لیے ایک قابلِ قدر شرح ہے۔ آخر میں آخری سلک یعنی ایک سو ایک و نویں سلک کی تفصیل بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ جن کی برکت نفس و قدم سے بقائے ملک ہے ان کے مناقب بیان کیے گئے ہیں۔

بیان کیا ہے کہ مردانِ دین کے قدموں کی برکت سے بقائے عالم ہے کہتے ہیں کہ تین سو انسان اللہ تعالیٰ کے وہ بندے ہیں کہ جن کے دل حضرت آدم کے دل ہیں اور ستر لوگ ایسے ہیں کہ جن کے دل حضرت نوح کے دل کی مانند ہیں یعنی از آفتاب روشن تر اور چالیس لوگ ایسے ہیں کہ ان کے دل حضرت ابراہیم کی طرح ہیں اور پانچ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے دل حضرت جبرئیل کی طرح ہیں اور تین لوگ ایسے ہیں کہ ان کے دل حضرت میکائیل کی مانند ہیں اور ایک دل ایسا ہے کہ حضرت اسرافیل کے دل کی طرح ہے۔ چوں کہ ان میں سے ایک بہتر اور برگزیدہ تر ہے جب ان میں سے کوئی ایک مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان تین جسموں میں سے ایک کو اس کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے اور اس کے بعد اگر تینوں میں سے کوئی ایک مرتا ہے تو پچھلے ملا کر پانچوں میں سے ایک کو اس کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اسی طرح پانچوں میں سے کوئی ایک مرتا ہے تو پچھلے جوڑ کر ساتوں میں سے کسی ایک کو اس کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح ساتوں میں سے جب کوئی مرتا ہے تو پچھلے سب جوڑ کر چالیسوں میں سے ایک کو اسکے درجہ پر پہنچا دیتا ہے اور جب ان چالیس لوگوں میں سے کوئی مرتا ہے تو ستر تسلیم ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک اس کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اور جب ستر لوگوں میں سے کوئی مرتا ہے تو وہ تین سو بن جاتے ہیں اور ان میں کا ایک اس کے

درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور اگر ان میں ہوں سے کوئی مرتا ہے تو عام مخلوق سے ایک تین سو کے درمیان لایا جاتا ہے اور مطلقاً اس کو ان تین سو کا نقبا پکارتے ہیں کیوں کہ وہ نقیبان امت ہیں اور ان ستر کو نجبا کہتے ہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں اور ان چالیس کو ابدال کہتے ہیں کیوں کہ وہ بدل انبیا ہیں اور ان سات کو اخیار کہتے ہیں کیوں کہ وہ بہتر خلق ہیں اور ان پانچ کو عمدا کہتے ہیں وہ ستون عالم ہیں۔

چنانچہ قوام خانہ ستون سے ہوگا کیوں کہ قوام عالم ان سے تھا اور وہ تین لوگ ہیں اوتا کیوں کہ وہ دنیا کے میخ ہیں۔ لطیفہ: دنیا اور معمار دنیا ہیں۔ اور اس ایک کو غوث کہتے ہیں کہ وہ فریاد رس عالمیاں ہے جب دنیا میں حادثہ ظاہر ہوتا ہے وہ تین سو دعا کرتے ہیں۔ اگر دفع نہیں ہوتا تو وہ ستر دعا کرتے ہیں پھر بھی راحت میسر نہیں آتی تو وہ چالیس کرتے ہیں پھر خاطر خواہ آرام نصیب نہیں ہوتا تو وہ سات دعا کرتے ہیں پھر وہ پانچ دعا کرتے ہیں پھر وہ تین دعا کرتے ہیں پھر بھی اگر ان میں سے کسی کی دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا تو وہ ایک دعا کرتا ہے۔

ایسا کہتے ہیں کہ نقبا کا ہونا مصر اور اس کے نواح میں ہے اور نجبا کا ہونا مغرب اور اس کے نواح میں اور ابدال کا ہونا ملک شام اور اس کے نواح میں ہے اور اخیار کا ہونا حجاز اور اس کے گرد و نواح میں ہے عمدا کا ہونا تمام دنیا اور اطراف عالم اور روئے زمین پر ہے اور اگر وہ دریا ہیں تو اوتاد ہند میں مسلمانوں درمیان مستغرق ہیں اور غوث مکہ میں کعبہ کی مجاوری کے لیے ہے۔

فخر دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک بندگان زندہ پوش وہ ہیں کہ جن کا خلق سے جڑا ہے لیکن وہ مخلوق سے قطعی توقع نہیں کرتے بلکہ اپنے اللہ سے خواستگار ہوتے ہیں اور اپنے حال پر رہتے ہیں اور اللہ کی قربت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں "اے خالق نوش و نیش وای رازق شاہ و درویش بندگان کہ تو انہ ایشاں خوشنودی وا ایشاں از تو خوشنود کہ خفتگان خواب غفلت را انتبا ہی کرامت کن و بہ عالم جہالت را خلعت علم و طاعت بپوشاں و تشنگان بادیۂ ضلالت را شربت عنایت بنوشاں بحق النبی"۔

ضیاء الدین نخشبی مصنف رسالہ خود عظیم شاعر بھی تھے ہر ملک کے آخر میں بیان کو اپنے قطعات سے کیا ہے۔ ان کے قطعات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اپنا تخلص قطعہ کے شروع میں پہلے لفظ کے طور پر کیا ہے پورے رسالہ میں یہ خصوصیت نمایاں ہے ان کے اشعار ایک مسلم الثبوت شاعر اور پختہ مشق کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شعیب اعظمی
شعبۂ فارسی
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

عثمان نقشبندی کا رسالہ عشقیہ

رسالہ عشقیہ[1] ایک گمنام نقشبندی صوفی مسمیٰ بہ عثمان نقشبندی کی تصنیف ہے جو ۱۷×۱۰ کے سائز پر تقریباً ۵۳۴ صفحات یعنی ۲۶۷ اوراق (Folio) پر مشتمل ہے اور نستعلیق کا معمولی نمونہ ہے چونکہ اس نسخہ کے آخری چند اوراق غائب ہیں اس لیے تلاش بسیار کے باوجود ترقیمہ کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ ہاں نسخہ کے بیشتر اوراق کی ورق گردانی سے اور متن کے مطالعہ سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اس کے مصنف نے اس کی تصنیف ۱۱ ویں صدی ہجری میں کی ہوگی۔ شروع کی سطریں اس بات کی مظہر ہیں کہ مصنف عثمان پہلے غوث الثقلین کے خلیفہ شیخ جلال کے مرید ہوئے۔ ان دونوں سے فیضیاب ہونے کے بعد نقشبندی پیر ولی کوہی کی صحبت میسر آئی اور فقط تین دن کی قلیل مدت میں لطف خاص سے مشرف ہوگئے اپنے ان پیر کوہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی تحریر و تقریر کا احاطہ کرنے کے لیے صدیاں درکار ہیں۔ سب سے آخر میں وہ خواجہ باقی باللہ سے نسبت ارادت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے چنانچہ کہتے ہیں:

خادم الفقراء عثمان بی نوا کہ ریزہ چیں خوان اخوان الصفا ہست بل خاک جرعہ نوش بزم خلان الوفا والارض من کاس الکرام نصیب ہمیشہ در دریزۂ استمداد از دلہا نمودہ والتماس دستگیری از پای مردی مرداں کردہ و در جستجوی این دولت دتگ و پوئی این سعادت از عالم اقدام و از رستگان نیک و نام کحل الجواہر دیدہ، دیدہ بر وقت حال حسب حال است: دولت فقر خدایا بمن ارزانی دار ؛ کین کرامت سبب حشمت تمکین نیست۔

مصنف رسالہ عشقیہ کے حالات زندگی اور دیگر آثار کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ ان کی نثری عبارت اور جگہ جگہ موزوں اشعار کے نمونوں سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ عثمان نقشبندی سلسلہ کے عقیدت مند اور سچے پیرو تھے اور اپنے مشائخ، مرشدین اور مشاہیر نقشبند کی تعلیم سے بخوبی واقف تھے چنانچہ اپنی اس دولت پر ایک جگہ فخریہ کہتے ہیں:

در ضمیرم جز حضور یار نیست — چون بسودای جہانم کار نیست
ہر طرف نقش جمالش ظاہر است — ہیچ جائی نیست کان دلدار نیست

---

[1] یہ مخطوطہ ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں موجود ہے اور شمار نمبر ۲۰۸ ہے ہر صفحہ ۱۵ سطری ہے اور تقریباً ہر سطر میں ۱۵ ا[illegible]

آں چناں محو خیالش گشتہ ام | کم خبر از خویش و از اغیار نیست
مفلس ما ست گنج ایزدی | فقر ما را فخر آمد عار نیست
گشتہ عثمان خاک راہ نقشبند | کز وجودش در جہاں آثار نیست

اگرچہ عثمان نے اپنے وجود کے آثار سے انکار کیا ہے لیکن ان کا رسالہ عشقیہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ ایک سچے نقشبندی صوفی تھے، وہ فقر و درویشی کا مکمل نمونہ تھے۔ خدا کی ذات سے بے پناہ عشق اور درویشی اور فقیری کی زندگی سے والہانہ لگاؤ کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"این رسالہ مسمیٰ بہ عشقیہ در بیان معرفت شد تا عشاق را با ابن الفتی باشد ای عاشق دیوانہ افسر دولت سلطنت کونین بر فرق فقیر نہادہ اند چہ بحقیقت است و فنا صفت خالق و اکمل علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ با آں بزرگی فقر اختیار کردہ و بداں افتخار نمودہ و گفتہ اللھم احیینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی یوم القیامۃ فی زمرۃ المساکین الٰہی دولت فقر نصیب کن!"

اپنی اس تصنیف کو عثمان نے جن چیزوں کا موضوع بنایا ہے انھیں بہت واضح کردیا ہے اور جس طرح چار عنصر انسانی وجود کے لیے ضروری ہیں اسی طرح صوفی ہو یا عارف، فقیر ہو یا شیخ، ان سب کا وجود چہار آتش سے قائم ہے چنانچہ اس رسالہ کی غرض و غایت عثمان کی زبان میں ملاحظہ ہو:

"ای درویش دل ریش تا بر چہار آتش گداختہ نگردی پختہ نشوی۔ اول آتش فقر دوم آتش محبت سوم آتش دم، چہارم آتش از غم روزی بیغم بودن یعنی توکل ای درویش تا ازیں چہار عقبہ در نگذری ترا عاشق نخوانند۔ این تحفۃ القلوب و ہدیۃ الارواح بچہار فصل مفصل شد و ہر فصل بچہار باب مبوب گشت و ہر باب بکلام ربانی و حدیث مصطفوی و اہل اللہ کشایش یافت تا دوستان لائق و عاشقان صادق ازین بہرہ بگیرند۔"

چنانچہ پورا رسالہ چار فصلوں میں اس طرح تقسیم ہے۔

فصل اوّل: در بیان فقر و تسلیم و توکل و ذکر

فصل دوم: در نہایت سلوک، خصال درویشاں، ریاضت اہل اللہ و نصائح و رضائی خالق۔

فصل سوم: در خاموشی و عزلت، ذوق و محبت عشق، اشتیاق جوانمردی و تواضع و مہربانی۔

فصل چہارم: در تضرع، فی التضرع، فی النار و فی النصیحت و فی الخاتمہ۔

عثمان نے انھیں چار فصلوں کے ہر چہار ابواب میں جو عنوانات متعین کیے ہیں وہ تقریباً تمام مشہور سلسلے کے

صوفیا اور خصوصاً نقشبندیہ سلسلہ کی تعلیمات و تربیت کا روشن جز ہیں اور عثمان ان سب پر تفصیل لکھنے سے پہلے اپنے آپ کو ان عنوانات کی تفسیر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ مثنوی میں مناجات کے بعد چند اشعار میں بندہ اور خدا کی حقیقت بیان کرتے ہیں اور اپنا حال یوں لکھتے ہیں:

در طلب در بدر ہمی رفتم   دم بدم یار یار می گفتم
ناگہاں فتح باب در بکشاد   غیر او ہر چہ بود رفت از یاد
وھو فی انفسکم در ہر دو   افلا تبصرون می گفتم
نحن اقرب الیہ شد بیقین   ہست حبل الورید لاتنک بیں
فاذکرونی چو در ضمیر آمد   اذکرک دم بدم تعین آمد
فیض قدسی رسید از درگاہ   کل شیٔ فثم وجہ اللہ
مژدہ در ہر طرف شدہ یاہو   وحدہ لاشریک الا ہو
دلم از شوق بس کہ شیدا شد   وحدہ لاشریک گویا شد
بیخود از نام او چناں شدہ ام   کہ عیاں گشتہ من نہاں شدہ ام
من نیم، من نیم، خدا حاضر   اولاً، آخراً خدا ناظر
چون ز خود رفتم و بقا دیدم   ہر طرف سو بسو لقا دیدم
نیست در مہر دو کون غیر از نیاز   لیس فی الدار غیرہ دیار
باطنش غیب و ظاہرش پیدا   در ظہور و بطون خداست خدا
ہست عثمان دوست دار نبی   دوست دار چہار یار نبی

عثمان فقر کے شیدائی ہیں۔ "الفقر فخری" پر نازاں ہیں۔ فقر ہر شخص کو میسر نہیں یہ راہ سلوک کا سرچشمہ ہے، اخص اور اخص الخاص دوست کا حصہ ہے۔ حضرت ابراہیم کو مال و دولت، حضرت سلیمان کو بادشاہت اور حضرت یوسف کو حسن مگر محمد اور ان کی امت کو فقر۔ فقر نے تسلیم کا راستہ دکھایا اور تسلیم نے توکل کا پیشہ اختیار کرایا اور بہترین عمل یعنی ذکر خدا کی توفیق دلوائی۔ ذکر لا الہ الا اللہ کی وہ حقیقت ہے جس سے دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عثمان ان تمام عبادات، ریاضات اور مراتب کو درجہ بدرجہ بیان کرتے ہیں۔ قرآنی آیات

[illegible] حکایات سے مسائل

موضوعات کو موثر بناتے ہیں اور اشعار سے دلگداز بناتے ہیں۔ انھوں نے ہر باب اور ہر موضوع کو انھیں مندرجہ بالا طریقوں سے بیان کرتے ہوئے مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں پیغمبروں یا حضرت محمد صلعم کی بشیر سعد یقین حضرت علی کے روایات اور واقعات تحریر کیے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث قدسی کو درویشوں کے حال و احسان کے بیان کرتے وقت یوں پیش کیا ہے۔

یا احمد ان لی عبادا اذا اشتاقوا سکروا واذا سکروا طربوا [illegible] اخلصوا واذا اخلصوا وصلوا واذا وصلوا اتصلوا واذا اتصلوا لا فرق بینی وبینهم" اسی طرح ایک دوسری حدیث قدسی محمد غزنوی کا صحرانوردی کرنا، گھاس کھانا مگر خدا کی تلاش اور دیدار سے باز نہ آنے کی کوشش پر لکھی ہے اور عارف اور سالک کو یہ حدیث یاد دلائی ہے۔

من طلبنی وجدنی ومن وجدنی عرفنی ومن عرفنی احبنی ومن احبنی عشقنی ومن عشقنی عشقته ومن عشقته قتلته ومن قتلته فانا دیته۔

عاشقان حقیقی اور عارفان باللہ بقول عثمان "آنچہ در عالم صورت می نگرند تجلی صفات اوست ہو الاول والآخر ہو الظاہر ہو الباطن فعل ایشان فعل حق، گفتار ایشان گفتار حق و حقیقت اینہا عین حقیقت" ہے عثمان طالب راہ حقیقی سے مخاطب ہیں طلب تو طلب حق است و عشق تو عشق مولیٰ بیک چشم خود را نیست بگردان و بچشم دیگر حق را حاضر بنگر۔

با دوست کنج فقر بہشت است و بوستاں بی دوست خاک بر سر جاہ و توانگری
تا دوست در کنار نباشد بکام دل از ہیچ نعمتی نتوانی کہ برخوری

لیکن اس کے لیے صبر کی بے پایاں ضرورت ہے وہ صبر "اگر بر سرت ارہ رانند چوں ذکریا دم برنیاری واگر در آتش اندازند چوں خلیل سوئی دیگر قدم برنیاری و چون گوشت و پوست ترا قوت کرمان سازند چوں ایوب صابر باشی" ذکر حقیقی آسان نہیں ہے اور جو صاحب تسلیم و رضا بننا چاہتا ہے اسے حق کی محبت کا درد ہونا چاہیے، مست الست ہونا چاہیے بے غم ہونا چاہیے، وقت کا قدر دان ہونا چاہیے اور صحیح مرشد کا پیرو ہونا چاہیے اور عثمان ہی کی زبان میں:

"باید کہ برضائی حق سبحانہ و تعالی راضی باشی تا حق تعالی از تو راضی باشد و بدینوسیلہ در زمرہ صادقان داخل شوی ولسعادات فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی مشرف گردی و در مقام فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر عزت یابی و بتعظیم فقد فاز فوزاً عظیما معزز شوی۔"

رضا بداده بده و ز جبیں گره بکشائی کہ بر من و تو در اختیار نکشاد است

عثمان نثری نصائح پر ہی اکتفا نہیں کرتے اور دوسرے شعرا کے کلام سے ہی اسے مستند نہیں کرتے بلکہ خود اپنے اشعار سے بھی موثر اور دلنشیں بناتے ہیں۔ اگرچہ مشتاقان خدا کو شیخ ہروی اور شاہ قاسم کے اشعار سے سرمست کر چکے ہیں لیکن خود اپنے کلام کا جادو بھی چلاتے ہیں:—

تاتوانی تاتوانی تاتوان　　جاں فشانی جاں فشانی جاں فشان
ذرہ ذرہ خدا یابی اگر　　کامرانی کامرانی کامران
گر بروں آئی ز غمہائے جہاں　　شادمانی شادمانی شادمان
چوں فنا گردی بقا یابی بحق　　جاودانی جاودانی جاودان
در فنا فانی شوی باشوق ہو　　پہلوانی پہلوانی پہلوان
گر نداری زندگی شوق یار　　ہست نامت در شمار فردگان
دم بدم عثمان ز چشم از سوز دل　　خون فشانی خون فشانی خون فشان

اس کے لیے حضرت ابوہریرہ کی طرح سحر خیز ہونا پڑے گا شبلی کی مانند بغداد کے بازار میں سرِ حقیقت بیان کردینے کی جرأت کی ضرورت ہوگی اور حاتم اصم کی وصیت پر عمل کرنے والا بننا پڑے گا، سلطان ابراہیم کی مانند ذلت و رسوائی کی انتہا کو پہنچنا ہوگا۔ غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی کی مانند حیرت و استعجاب کی منزلیں طے کرنی ہوں گی۔ شیخ شرف الدین کے بقول من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ کا مفہوم سمجھنا ہوگا سیف الدین باخرزی اور مولانا روم کے اشعار پڑھے گا تب عثمان کی غزل کا مفہوم واضح ہوگا۔

دلا اندر رہِ عشق خود ندانی　　جگر خوار یست ہر دم جان فشانی
بیا در بند جان در عشق بازی　　اگر خواہی حیات جاودانی
تو دریائی درونت ہست گوہر　　بدست آری چو غواصی توانی
چو غواصان بدریا اندرون شو　　بدر کن کسوت دنیائے فانی
چو یونس گر تو باشی مرد غواص　　بر آری دُر ز بحر بی کرانی
کلیم اللہ بطور عشق بر شد　　بشد بیخود ز حرف لن ترانی
چو عشق از جان آدم شد ہویدا　　برون آمد ز ملک انس و جانی
خلیل اللہ بعشق حق تعالیٰ　　کند قربان ہمیں محبوب جانی
چو یوسف ہر کہ آمد صادق این جا　　بود سلطان ملک دو جہانی
بدہ عثمان جان خود بجانان　　اگر خواہی تجلی دل نہانی

عثمان کے خیال میں فقر ہی سے خدا کی محبت میں اخلاص پیدا ہوتا ہے بشر حافی کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کھیاں عادت

میں مخفی ہو رہی تھیں اور سخت برہم تھے۔ منصور حلاج کی مثال دی ہے کہ قتل کے بعد بھی جلی ہوئی راکھ کے ذروں سے اور دریا میں بہنے والے پانی میں مل جانے کے بعد تک انا الحق کی صدا آتی رہی۔ بقول منصور حلاج "فقر راصور تیست ہرکجا ظہور نماید نقاب از جمال خود کشاید رخش ہستی تمام البشریت بسوزد" اور وہ وقت بھی آیا کہ "در فقر بسوخت خود را ندید وہرکہ از خود رفت با حق پیوست"۔

ہوش در دم و نظر در قدم و خلوت در انجمن و سفر در وطن کے بارے میں بھی مثنان نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ سیر و فی الارض کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ بڑے عارفوں اور صوفیا کے سفر اور ان کے مصائب کا ذکر کیا ہے یعنی "بعدم فرزانگی بگسلی، بند دیوانگی در یاب، سرنہان را طواف کن گرد جہان را آمد و ویزہ مردی و صاحب تجربہ در دشوی مبدیلہ مغارات و مزارات و مقابر و منار بر رخسارہ زرد شود و دنیا بر دل تو سرد شود" خواجہ یوسف ہمدانی، شیخ علی دقاق، عبد الرحمان اسحاق، سلطان ابراہیم اور دوسرے مشاہیر صوفیا کے سفر اور مصائب کے ذکر کے بعد اپنے اشعار سے انکو مستند کیا ہے اور اسکے استناد کے لیے پیر انصار کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

دلا دو کار میکن در نظر ہا کہ در راہ تو می بینم خطر ہا
کشا از خواب غفلت چشم باطن بگوش و ہوش تو گویم خبر ہا
نگر در خلق گورستان فگندہ زنیک تیر اجل جملہ سپر ہا
بسا شاہان مہرو بند در خاک کز ایشان در جہاں ماندہ اثر ہا
معاصی زہر قہر است و نمودہ بکام نفس تو ہمچون شکر ہا
گذرگاہیست ایں دنیائی فانی نباید مرد عاقل زیں گذر ہا
چو در پیش است مرگ ای پیر انصار تماشائی جہان کن در سفر ہا

یہ سفر عبرت حاصل کرنے اور رنج و بلا سہنے کے لیے ہے۔ درویش کو از روئے اخلاص اس سے مفر نہیں ہے۔ عا
متعدد نثری واقعات کے بیان کرنے کے بعد اپنا منظوم مفہوم پیش کرتے ہیں:

اگر خواہی ز حق ای دل کشایش بباید داد اول ترک آسایش
برنج و محنت و غم یار بودن ز شادی جہان بے زار بودن
چو آں درویش بجز غم نیست مرہم بجز غم را بشادی دو عالم
بباید توشہ ایں راہ زاری جگر خواری دہر دم بے قراری

چو گوئی شو بچوگان رضایش | در کشور و قدر و قضایش
بیا ای دل رہا کن عیش و عشرت | بنہ سر در رہ چوگان قدرت
بیا عثمان دل از کونین برکن | اگر می بایدت اصلی مسکن

لیکن عثمان یہ بات ذہن نشین کراتے ہیں کہ ان سب کے ساتھ حقیقت اور شریعت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کلام خدا وحدیث مصطفوی و سخنان مشائخ اور صحبت صالحین و ترک لذات نفسانی و خواہش گلی اندر بدر کردن و مرگ یاد کردن لازم است: خواجہ محمد پارسا کے "رسالہ القدسیہ" میں خواجہ انصار کا ایک اقتباس یوں نقل کیا ہے۔

"سرمایہ عمر را در طلب کردن طلا' احمر حقیقت نباید فرسود و با نقرہ ظاہر شریعت قناعت باید نمود کہ آنچہ در دار الضرب این دو این دو جوہری امام اعظم ابو حنیفہ کوفی و امام شافعی المطلبی ہست رحمۃ اللہ علیہ بسکۂ قبول رسیدہ و فردا در دکان صرافی قیامت رائج در آن خواہد بود"

چنانچہ طمع، قناعت، ورع، سخا، عدل، توکل سب میں حقیقت اور شریعت کو پیش نظر رکھنا لازم ہے اور پھر اس صورت میں عثمان اپنے ابیات کے ذریعہ درویش کی نظر میں حضوری قلب، رضائے الٰہی اور فنا اور بقا کی کیفیات کی اہمیت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

بیاد حق دلا می باش ہر دم | بدین مصطفیٰ می باش ہر دم
فنا اندر فنا می باش فانی | بقا اندر بقا می باش ہر دم
بفرمان قضا سر بر نداری | رضا اندر رضا می باش ہر دم
توکل با خدا کن در ہمہ حال | ز غیرش باغنا می باش ہر دم
حضوری در حضوری باش بے خود | بجنش مبتلا می باش ہر دم
بہجر عشق ہر دم جان فرو کن | بآہ و نالہا می باش ہر دم
ز شوق عشق جانان بی خور و خواب | چو ماہی ضیر مائی باش ہر دم
یقین اندر یقین میدار محکم | امان اندر امان می باش ہر دم
فدا کن ہر چہ ہست در راہ جانان | وفا اندر وفا می باش ہر دم
بدرد عشق دایم باش رنجور | شفا اندر شفا می باش ہر دم
ملامت در سلامت خویش را کن | سلامت دایما می باش ہر دم

بچوگان ارادت راضی می باش　　بدا بدا اندر می باش ہر دم
حظوظ نفس را بگذار عثمان　　بکا اندر بکا می باش ہر دم

غرض ان نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر عشق میں سرشار ہو کر فقیر علم الیقین اور حق الیقین اور عین الیقین کی منزلیں طے کرتا ہے پھر کہیں جا کر فمن یہدی اللہ فہو المہتد کے قابل ہوتا ہے شیخ عبداللہ سری سقطی اور شیخ جنید بغدادی کی روایتیں اس کا شاہد ہیں شیخ نظام الدین قطب العالم کے بقول شیخ الاسلام فرید الدین نے حضور صلعم کی نماز معکوس کی اتباع میں کنوئیں کے اندر چلہ معکوس کیا اور خواجہ نظامی سمرقندی نے سکندر نامہ میں صلوٰۃ معکوس کا ذکر کیا ہے۔ پھر بھی مطمئن نہ تھے اور خسرو حافظ اور مسعود بیگ کے اشعار کے نمونوں کو پیش کرنے کے بعد عثمان اس غیر اطمینانی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

دردا کہ دریں واقعہ بسیار دویدیم　　در خود نرسیدیم بجائی نرسیدیم
بسیار دریں بادیہ شوریدہ برفتیم　　بسیار دریں واقعہ مردانہ جہیدیم
گر نعرہ زناں معتکف صومعہ بودیم　　گر رقص کناں گوشہ خمار گزیدیم
کردیم ہمہ چیز دلی ہیچ نکردیم　　دیدیم ہمہ چیز دلی ہیچ نہ دیدیم

خاموشی و عزلت یہ سب ہے لیکن عزلت میں اور خاموشی کے ساتھ "زبان خود را از سخن لایعنی نگہدارد۔ خاموشی دولتیہ بیکراں، عزیمتی است در ہر دو جہاں سلامتی است از شر فتنہای جہان و قربت و نزدیکی حق سبحانہ بیہودہ گفتن و دروغ نگوئی، بجز درد ملال کوششی نمائی و خود را در گوشہ آور" عثمان نے یہ کلمات حضرت عبداللہ عامر، حضرت سفیان اور حضرت رابعہ بصری کی زبان سے کہلائے ہیں۔ نجم الدین رازی، رومی، عراقی، حافظ اور اپنے اشعار مولانا علاؤ الدین، شیخ عبدالکریم اور مولانا سعدالدین کے حوالے نقل کیے ہیں۔

ذوق و محبت یہی عزلت اور خاموشی ذوق اور محبت کی تشریح کرتی ہے۔ بقول کسی "در ہر دو عالم نعمت و کمال کرم و تمام سعادت و بہترین کار ذوق و محبت کرد گار دان اگر شیر مردی و شہبازی بجز ایں کار مپرداز" سلطان بایزید بسطامی اور شیخ جنید بغدادی نے یہی کیا۔ توکل، قناعت رضائے حق عثمان کے اشعار کا بیشتر حصہ ہیں۔

در توکل کوشش ہین در آیتہ　　قول در قرآن و ما من دابتہ
پس قناعت پیشہ کن ای بوالفضول　　حسبۃ اللہ بگذر از طمع و فضول
در نظر مردان، مردان صفا　　کل شیءٍ ھالک الا خدا
نحن اقربنا فہم لا تبصرون　　وال یقین لا شک وہم لا یبصرون

گفتہ عثمان اگر آری بگوشش　　　　در فنائی غیر حق ہردم بکوشش

عثمان اس نکتہ پر بھی بہت زیادہ زور دیتے ہیں کہ راہ عشق اختیار کرنا معمولی چیز نہیں ہے، کھیل نہیں ہے — عاشقان خدا لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کا نشان ہیں ہر چند زلال آب حیات معرفت مالا مال می نوشند تشنہ تر گردند در آرزوی جرعہ دیگر در خروش اندو خوف و اندوہ آں عارفاں نباشد کہ آں آب حیات معرفت منقطع شود۔ از نہاد ان ہل من مزید بر آید یعنی بیار بیار بدہ سوختم ؛ عثمان خود اپنی غزل میں اس کیفیت کا دعوی کرتے ہیں۔

خوش وقت آں کساں کہ شبان روز در روز و شب　　　　در شوق او بیاں شبان روز در روز و شب
نالند ہمچو نی و گدازند ہمچو موم　　　　فارغ نیند زماں شبان روز در روز و شب
غرند ہمچو رعد و شتابند ہمچو باد　　　　برند دواں دواں شبان روز در روز و شب
لرزند ہمچو بید ز یاد غم فراق　　　　پرند زماں زماں شبان روز در روز و شب
مستند ز جام عشق طلب می کنند جام　　　　گویند بدہ دہاں شبان روز در روز و شب
از شوق روئی یار ندارند خبر ز جان　　　　فارغ ز این و آں شبان روز در روز و شب
دایم براہ او بتکاپوئی می روند　　　　فرصت نہ یکزماں شبان روز در روز و شب
عثمان شتاب در پی شان دم اسپ گیر　　　　برہیچ بان نماں شبان روز در روز و شب

عاشق خدا اس دریائی بیکراں کے غواص اور شناور ہیں ۔ غیروں کے لیے عریاں ہیں۔ اور لباس فخر سے آراستہ ہیں سفیان ثوری کی مانند خدا کے خوف اور عشق رسول میں جگر چاک ہیں سا انا الحق، سبحانی ما اعظم شانی اور من رانی فقد رائی الحق نمونہ ہیں۔ ابراہیم خواص، شبلی، حسن بصری، معروف کرخی کی حکایات کے ساتھ فصوص الحکم، عماد فقیہ کرمانی، حافظ، عطار، شرف الدین یحیی منیری اور عبد القدوس گنگوہی کی عبارتیں، اشعار اور ملفوظات سے شہادت ملتی ہے کہ اسی قسم کے عرفاء کوہ دشت کی سیر کرتے ہیں۔ اپنی عبادت گاہوں میں حضور صلعم کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ خضر سے ملاقی ہوتے ہیں۔ بہشت اور ۱۸ ہزار عالموں کا راز جانتے ہیں۔ ولی اور قطب الاقطاب کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں۔ از مشرق تا مغرب سیر کرتے ہیں بلکہ ہفت آسمان و زمین عرش و تحت الثری تک دیکھ لیتے ہیں یہی اشتیاق و جوانمردی عثمان کی آرزو ہے۔ ملاحظہ ہو:

ای شاہ شاہ شاہ لقا با گدا نما　　　　ای ماہ ماہ ماہ وفا با گدا نما
از محنت فراق چہ گویم درد دل　　　　از شربت وصال عطا با گدا نما
در دم ز حد گذشت ندانم چہ کنم　　　　از مرہم لقا و شفا با گدا نما

دریاب حال دل و بی جبر و بی قرار — دین در دعا ضما با گدا نما
هستم گدای کوی تو خواہم لقائی تو — منتاہا جمال خود زسخا با گدا نما
ہم حاضری و ناظری در کل کائنات — انوار ذات عز و علا با گدا نما
عثمان مدام از تو ترا خواہد از کرم — اورا بخود کشش و زعنایت لقا نما

تواضع و مہربانی : شب بیداری، تہجد، طاعت و عبادت خدا اور خلق کے ساتھ تواضع اور مہربانی کا سبق حضور نے پڑھایا ہے اور اللھم احیینی فقیراً و امتنی فقیراً و احشرنی یوم القیٰمۃ فی زمرۃ المساکین کی دعا تمام عرفا کے لیے نشان راہ ہے۔ اویس قرنی نے جب حضرت عمرؓ سے نصیحت کی فرمائش کی تو خدا رسول کی محبت کے لیے طاعت اور عبادت کے ساتھ تضرع، تواضع اور درد خلق اللہ کو جاننا اور برتنا لازم قرار دیا۔ سیر الی اللہ کے ساتھ سیر فی اللہ بھی ضروری ہے۔ حضرت جنید بغدادی، شیخ ابو الحسن نوری، شیخ بہلول اور شیخ شبلی خلیفۂ وقت کی سزا کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کیوں لے جانا چاہتے تھے صرف اس لیے کہ عجز و زاری اور تضرع کا سراپا تھے۔ حضرت آدمؑ کی تضرع و زاری دنیا کو گلزار بنا گئی۔ حضرت یونسؑ کی ندامت پر قوم نے آگ کے طوفان سے نجات پائی۔ غرض بقول عثمان :

"ہر چند عارف در کمالیت رسد شکست دنیا زبیشترش بود نہایت مراتب در قرب حق ہمیں شکست دنیا ناست۔ ہر کرا شکست دنیا نا است در عجز است و ہر کرا عجز است در درد است، محبت است آں کہ را محبت است سوز است آں کہ را کہ سوز است گداز است آں کہ را گداز است در ذوق است آں کہ را ذوق است ایمان است الایمان ذوق و شوق و انا غریق فیہما۔"

عارف کی اس خصوصیت کو عثمان کے عاشقانہ و عارفانہ اشعار میں اس طرح پایا جاتا ہے :

گر دوست دار غفی دائم بشوق او باش — در محنت و فراغت قائم بشوق او باش
گر قدر عجز و زاری دانی بزرگواری — بل مرد شہسواری دائم بشوق او باش
محبوب حق بگردی شب روز گر بگردی — دندر زمانہ فردی دائم بشوق او باش
شبہا ہزاری آور با عجز و نالہ می بر — و زما سوز بگذرد دائم بشوق او باش
گر نیست از محبت گردی مدار فکرت — جاوید گشت عمرت دائم بشوق او باش
گر وقت صبح خیزی و ز دیدہ اشک ریزی — در ملک جان عزیزی دائم بشوق او باش
از درد بیقراری و زنالہا و زاری — خود را برون نیاری دائم بشوق او باش

از درد وز محبت گردد نزول رحمت — یابی عطائی قربت دائم بشوق او باش

بہتر ز عجز و زاری تحفہ دگر نداری — در بارگاہ باری دائم بشوق او باش

دیوانہ وار عثمان پیوستہ زار و نالان — با عجز و سوز و افغان دائم بشوق او باش

ے : غم خلق اللہ بخور، غم غیر حق مخور، دل را دریاد او خراب کن زیارت کعبہ و گور بزرگان چہ معنی دارد :

دریاب دل خراب کہ دل حج اکبر است — بر گور مردگان بزیارت چہ می روی

دل را خراب کردہ نہ نیکو بود مدام — دل عرش خالق است بکعبہ چہ می روی

ثمان گنجینۂ آخرت کی دولت کے خواہشمند ہیں فنا کے لیے وقت کی اہمیت، مراقبہ کی فضیلت اور توشۂ آخرت کی تیاری کی تلقین کرتے ہیں اور دنیاداری کو فراموش کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ شیخ فضیل، شبلی، شیخ عبداللہ تستری، حضرت جنید بغدادی کے فرمودات اور حکیم سنائی تاج الاولیاء کے اشعار کے ذریعہ منکر نکیروں سے نپٹنے اور پل صراط سے بآسانی گذر جانے کا طریقہ بتاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت کو برداشت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کا یہ اقتباس نقل کرتے ہیں۔ کوئی محبت میں مردانہ وار داخل ہونے اور خوشی میسر ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ سالک کے سامنے نور و ظلمت کے ۷۰ ہزار پردے اٹھا دیتے ہیں، اسفل سافلین سے عرش علیین پہ پہنچاتے ہیں۔ عارف کی شان ہی کچھ اور ہو جاتی ہے اور بقول عثمان از درختی بشنود انی ان اللہ و گاہی از حیوانی بشنود اشہد انک لا الہ الا اللہ و گاہی از انسانی شنود انا الحق و گاہی از دیگری شنود سبحانی ما اعظم ثانی تا بجدی کہ نطق اشیا معلوم گردد۔ اور عثمان نے یہ سب بتا کر اپنے کسی عزیز شاعر کا یہ قطعہ نقل کیا ہے :

مرغان او ہر آنچہ از آن آشیان پرند — بس بی خودند جملہ و بی بال و بی پرند

شہباز حضرت اند و دو دیدہ بدوختہ — تا جز بروئی دوست بکونین ننگرند

زاں میل بہشت دانہ جنت نمیکنند — کہ مرغزار عالم وحدت ہمی چرند

ساقی شراب صاف تجلی چو در دہد — خمخانہ وجود بیکدم فرو خورند

زاں سوئی دامن حدثان سر برآورند — وقتی کہ سر بجیب تحیر فرو برند

جز مسکن جلال نسازند آشیاں — چوں زین نشیمن بشریت بر دن برند

چنانچہ وصال حاصل ہوتا ہے پھر فنا اور بقا کی منزلیں آجاتی ہیں۔ چرا و چوں کی گنجائش نہیں رہتی ہے مستغرق عبدیت ہو جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ قول و فعل ہر چیز میں تمام مخلوقات پر غالب آجاتا ہے۔ اس کا

فضل نفعل حق ہو جاتا ہے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ فی کلام القدیم فعل القدیم واللہ غالب علی امرہٖ کی بات صادق ہو جاتی ہے اور عثمان نے اس باب کا خاتمہ اپنے ان منظوم اشعار پر کیا ہے:

عاشق دیوانہ ام آد بیاری حبیب　　　از ہمہ بیگانہ ام آد بیاری حبیب
ای نظرت آفتاب بر من مسکین بتاب　　　جان و جگر شد کباب آبیاری حبیب
ای دل و دین جان من درد تو درمان من　　　ذکر تو سامان من آدبیاری حبیب
زان لب شیرین شکر بارہ دُرّ و گہر　　　ساز مرا بہرہ ور آدبیاری حبیب
چند کشی کشتہ را عاشق آشفتہ را　　　بیدلم و بی نوا آدبیاری حبیب
ای شہ مسکین نواز لطف کن سر فراز　　　با من مسکین نواز آدبیاری حبیب
دم بدم انتظار یک نظر و اگذار　　　عاشقم و خستہ زار آدبیاری حبیب
ای تو کسے بیکساں مونس بے چارگان　　　غم خورہ آوارگان آدبیاری حبیب
حکم ترا بندہ ام نزد تو شرمندہ ام　　　زار و سرافگندہ ام آدبیاری حبیب
وقت شبابم گذشت کار بنیامد ز دست　　　پشت ز غمہا شکست آدبیاری حبیب
روز و شبم انتظار دمبدمم بیقرار　　　دیدہ چو ابر بہار آدبیاری حبیب
بر دل عثمان غریب رحمت خود کن قریب　　　زانکہ تو ہستی مجیب آدبیاری حبیب

اس رسالہ کا خاتمہ نصیحت کے باب پر ہوتا ہے۔ طرح طرح کی حکایتوں انبیاؑ صحابہ اور بزرگ مشائخ کے واقعات بیان کر کے نصیحت کو اثر انگیز بنایا ہے۔ سوز موسیٰ، رجا عیسیٰ، ترس یحییٰ، صبر ایوب، بکار مہتر شعیب و آہ ابراہیم و خلق محمدیؐ کا واسطہ دے کر عراقی کے اور سعدی کے ناصحانہ اشعار کے بعد اپنے دلنشین اشعار یوں لکھے ہیں۔

بہر دم حضوری خدا خوشتر است　　　بحکم الٰہی رضا خوشتر است
دمادم بزن تیغ لا انفس را　　　بریں نفس شیطان غذا خوشتر است
بیاد خدا باش ہر دم حضور　　　حضور خدا را لقا خوشتر است
غنیمت شمر فرصت وقت را　　　کہ عجز و نیاز و دعا خوشتر است
اگر دست رس باید ت ای عزیز　　　حوائج فقیران روا خوشتر است
یکی دم باخلاص آور بدست　　　کہ اخلاص از آنجا خوشتر است

بدہ جاں بجانان چو عثمان شتاب　　　　ز لذات عالم رہا خوشتر است
فنا در فنا شو بیاد خدا　　　　بس آنکہ بقا در بقا خوشتر است

غرض یہ رسالۂ عشقیہ کئی طرح سے گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے اس میں کرامتوں اور خرق عادات کی لایعنی داستانوں کے بجائے حقیقت شریعت اور طریقت کے وہ آداب برتے گئے ہیں جو خدا، رسول، دیگر انبیا، صحابۂ کرام مشاہیر صوفیا اور بزرگوں کی سیرت بیان کر کے صوفی کو، سالک کو، عارف کو صحیح معنوں میں راہ تصوف پر بے خطر گامزن ہونے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ مردان خدا اہل اللہ اور اہل دل کو فقر، صبر، رضا، توبہ، قناعت، توکل اور محبت خداوندی سے سرشار ہونے کی مثالیں دی گئی ہیں اور پھر فنا اور بقا کے مدارج پر پہنچ جانے کی بشارت سے مشرف کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اپنی علمی اور ادبی خوبیوں کے لیے بھی ممتاز اور منفرد کہا جا سکتا ہے تفسیر، حدیث اور اخبار و روایت کے بعد علوم اسلامی کے میدان میں معروف اسلامی مفکرین مصنفین اور فارسی کے مسلم الثبوت شعرا کے موزوں اور برمحل اشعار کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں مولانا روم، شاہ قاسم انوار، عین القضاۃ ہمدانی، خاقانی، سعدی، حافظ، خسرو، عراقی اور ظہیر جامی، ناصر خسرو، احمد جام، مسعود بیگ کے متصوفانہ اشعار اور عاشقانہ کلام کے صد ہا نمونے اس صوفیانہ عشقیہ رسالہ کی جان ہیں۔ یہی نہیں اس عہد تک خانقاہ اور مدارس میں مطالعہ کی جانے والی کتابوں کا ذکر ملتا ہے عین المعانی، رسالہ قدسیہ خواجہ محمد پارسا، سکندر نامہ، فصوص الحکم، اسرار العارفین، رسالہ قشیریہ مولوی مجلس کے علاوہ مکتوبات عین القضاۃ، مکتوبات خواجہ پارسا، مکتوبات عبد القدوس، مکتوبات شرف الدین یحییٰ منیری اور مکتوبات شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی کے اقتباسات ہیں۔

عثمان خواجگان نقشبند کے سلسلے کے مرید تھے غوث الثقلین حضرت عبد القادر جیلانی کے بعد خواجہ بہاء الدین نقشبند اور خواجہ محمد پارسا نقشبندی کے اقوال اور کلمات جا بجا صفحات میں ستاروں کی مانند روشن اور درخشاں ہیں عثمان خود شاعر تھے دیگر شعرا میں مولانا جامی نقشبندی کا کلام بار بار لائے ہیں اور پھر اس کے بعد اپنا کلام ضرور پیش کیا ہے۔ مندرجہ بالا صفحات میں ان کے شعری نمونوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کو صوفیانہ موضوعات پر سادہ اور موثر انداز میں شعر کہنے پر کس قدر کمال حاصل تھا۔ عثمان نے کئی جگہوں پر فارسی کلام کے ساتھ ساتھ ہندی دوہروں کو بھی پیش کی ہیں۔ یہ دوہرے ان کے اپنے کلام کا حصہ ہیں۔ اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عثمان کا یہ عشقیہ رسالہ اس دور کی تصنیف ہے جب ہندی، کھڑی بولی، قدیم اردو اور دکنی زبان کی ابتدا ہو رہی تھی۔ امیر خسرو، بو علی قلندر پانی پتی نے اس زبان کے پودے کی آبیاری کی تھی مگر عثمان کے دوہرے اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ان کی روایت ہی کا فیض تھا کہ بکٹ کہانی عاشورنامہ

کر بل کتھا جیسی اولین کتابیں وجود میں آسکیں۔

اس تصنیف کا ذکر جب تک کسی اور مخطوطے میں نہ مل جائے یا عثمان نقشبندی کے مفصل حالات کہیں اور نہ مل جائیں یا مثنویہ کا کوئی اور مکمل مخطوطہ حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک یہی کہنا کافی ہوگا کہ عثمان نقشبندی کا یہ رسالہ گیارھویں صدی ہجری یعنی ۱۶ ویں صدی عیسوی کے آخر یا ۱۷ ویں صدی کی ابتدائی تصنیف ہے۔

بہرحال نثری حیثیت سے بھی یہ تصنیف اپنا ایک درجہ رکھتی ہے۔ بامحاورہ زبان مقفیٰ اور مسجع عبارت اور انشا پردازی کے بیشتر نمونے اس کتاب میں جابجا ملتے ہیں۔ صرف ایک نمونہ پر اکتفا مناسب ہے۔ لا الہ الا اللہ کا کلمہ عثمان کیلئے ہر نعمت سے بہتر ہے۔ معشوق حقیقی کے ذکر کے فوائد میں ان کا قلم یوں گہر بار ہے:

الا اللہ کلمہ الیست کہ بدرقہ راہ طالبانست و سرمایہ درویشانست مرہم جراحت دردمنداں است کشندہ عاشقانہ ست مونس مشتاقاں است دوای درد دل مسکینانست زنجیر شیفتگاں است شربت بردہانست ہم نشین بیدلانست آتش دل دیوانگاں است انیس بیکسانست و دوست بی نامانست، یار بی نشانانست مراد بی مرادانست۔

ایک صوفی باصفا کی حیثیت سے عثمان نقشبندی نے اپنی اس تصنیف کی کامیابی کے لیے دعا مانگی ہے اور پڑھنے والے کے لیے دونوں جہاں کی نعمتوں سے نوازے جانے کی اور مخصوص بندوں میں شمار کیے جانے کی دعا کی ہے اور ان اشعار پر خاتمہ بالخیر کیا ہے۔

"از بہر خدا اللہ ہر سوختہ محبت و مشتاق دیدار پروردگار کہ دریں اوراق نظر کند و ایں شکستہ بدعا رخیر ایمان یاد آورد دعا کہ سبحانہ حق تعالی بدلۂ آں نصرت ہر دو جہاں روزی گرداند و از زمرہ خاصاں دریں آیۃ داخل اند واللہ یختص برحمتہ من یشاء گرداند آمین و رب العالمین"

مدتی شد کہ من غم زدہ سودائی — میکشم یار فراق و ستم تنہائی
جرعہ ز ہر غریبی چو شکر می نوشم — از کف ساقی دور فلک مینائی
مدتی شد کہ بپابوس تو دارم ہوسی — جگرم خون شد و ایں راز نگفتم بکسی

ڈاکٹر محمود الحسن
ضلع بستی، یوپی

جامعہ ملیہ کی لائبریری
میں
شیخ محمود چشتی کی تین اہم تصانیف

میرے پاس اس وقت تین رسالے، جو حجم میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، موجود ہیں۔ یہ رسالے چشتی نسبی سلسلے کے ایک صوفی شیخ محمود چشتی کے ہیں۔

شیخ محمود کی پیدائش کے سال کا علم نہیں ہو سکا مگر وہ پاک پٹن میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا نام خواجہ علم الحق تھا جو خود بھی صوفی تھے۔ شیخ محمود نے اپنی فارسی و عربی کی تعلیم غالباً باپ سے حاصل کی تھی، بعد میں انھیں کے مرید اور خلیفہ و سجادہ نشین ہوئے اور سید محمد گیسو دراز اور شیخ ابوالفتح سے بھی خلافت حاصل کی تھی۔ سہروردیہ سلسلے کی خلافت شیخ قاضن سے حاصل کی تھی اور اس کے علاوہ شطاریہ سلسلے میں شیخ عزیز اللہ متوکل اور رکن الدین سے نسبت حاصل کی تھی۔ مغربی سلسلہ شیخ احمد کھٹو اور شیخ عزیز اللہ وغیرہ سے حاصل کیا تھا۔ ان سلسلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کئی صوفی رشتوں سے منسلک تھے اس گیرائی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اہم سلسلوں کے روحانی اقدار کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں قابل اعتماد اطلاعات حاصل نہیں ہو سکیں تاہم تصنیف پر قدرت اس بات کی غماز ہے کہ انھیں فارسی و عربی دونوں زبانوں پر درک تھا۔ انھوں نے عربی کی عبارتیں بطور استشہاد کے اپنے رسالوں میں نقل کی ہیں۔ یہ احمد آباد چلے گئے تھے۔

شیخ محمود نے اپنے ہی پیشۂ آبا کو اپنایا یعنی تصوف میں گہری نظر پیدا کی اور اس فن کے نظری پہلوؤں پر اپنی باطنی تناسخی تجربات کے ذریعہ روشنی ڈالی اس سلسلے میں انھوں نے چار رسالے تصنیف کیے۔ میرے علم کے مطابق پہلا رسالہ "معرفت سلوک" ہے۔ جو لکھنؤ سے منشی نولکشور نے ۱۸۸۲ء میں طبع کر دیا تھا۔ یہ رسالہ خاصا ضخیم ہے جس کا قلمی نسخہ اس مجموعہ رسایل میں بھی شامل ہے۔ باقی تین رسالے یعنی "کشف المقامات" "مفتاح النور" اور "اشارۃ المعانی" ہیں۔ معرفت سلوک کی کتابت ۱۱۲۱ھ میں ہوئی ہے مگر اگلے تین رسالوں میں سال کتابت کا اندراج نہیں ملتا۔ کشف المقامات اور مفتاح النور کے اوراق پر نہ تو سال کتابت ہی درج ہے اور نہ کاتب کے نام کا اندراج ملتا ہے۔ لیکن آخری رسالہ اشارۃ المعانی کے آخر میں کاتب کا نام درج ہے جو محمد حیات پڑھا جاتا ہے اس کی کتابت ایلور نامی قصبہ میں ہوئی ہے۔ قلم کی یکسانی جو بالی شکستہ ہے یہ رائے قایم کرنے میں مدد دیتی ہے کہ دیگر دو رسالوں کی کتابت بھی محمد حیات نے کی اور غالباً ایلور ہی میں کی تھی۔ سال کتابت کا معاملہ زیادہ محتاج توجہ ہے۔ دراصل اس معاملے میں قیاس سے مدد لی جا سکتی ہے، اس کے لیے مناسب بنیاد بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر جو کاغذ استعمال ہوا ہے وہ پہلے رسالے سے آخری رسالے تک ایک ہی نوعیت اور حیثیت کا ہے۔ کاغذ کی قدامت بھی ایک ہی معلوم ہوتی ہے۔ خارجی شواہد میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ سارے نسخوں کی جلد بندی ایک ہی ساتھ ہوئی ہے۔ سب کی سلائی مضبوط دھاگے کے ذریعے خاصا حاشیا چھوڑ کر ہوئی ہے۔ زمانے نے جو داغ چھوڑے ہیں وہ سب ایک ہی دور کے معلوم ہوتے ہیں۔ نیز سارے اوراق کا سائز ایک ہی ہے جو ہم زمانی اطرف مثبت شہادت ہے۔ غرض کہ اندرونی اور خارجی شواہد کی بنا پر اگر یہ رائے قایم کی جائے کہ چاروں رسالے ۱۱۲۱ھ ، دوران ہی نقل کیے گئے ہیں تو اختلاف کی زیادہ گنجایش باقی نہیں رہتی۔

ان تینوں رسالوں کے نسخے کسی اور جگہ موجود ہیں اس کے بارے میں فی الحال کسی قطعیت کے ساتھ کہنا میرے لیے مشکل ہے۔ بنیادی وجہ تو یہی ہے کہ یہ رسالے منقول ہیں اور مصنف کے عہد سے تقریباً دو سو سال بعد کے ہیں اس لیے ان کے نادر ہونے کا شبہ تو اٹھتا ہی نہیں، البتہ میں نے ان تمام فہرستوں میں ان رسالوں کے وجود کے بارے میں دیکھا جو مجھے دستیاب تھیں یہ کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ اس مسئلہ کے علاوہ اس بات کی بھی گنجایش ہے کہ یہ رسالے جنھیں میں غیر مطبوعہ سمجھ رہا ہوں وہ بس طباعت کے مرحلے سے بھی گذر چکے ہوں۔

شیخ محمود کا پہلا رسالہ جو زیر بحث لاتا ہوں وہ "کشف المقامات" ہے۔ اس رسالے کا آغاز حمد و ثنا سے ہوتا ہے یعنی الحمد للہ الذی ھو القایم بذاتہ دمقوم العالم والآدم ...... پھر متن کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

" اما بعد چناں گوید خادم و مرید و مرشد زماں صاحب ذوق و وجدان محبوب الرحمٰن المخصوص لعنایت اللہ الملک السبحانی امی بندگی حضرت شاہ برہان قطب الآفاق قدس اللہ سرہ ایں حضرت شاہ میرانجی شمس العشاق قدس سرہ

العزیز و آنحضرت مرید حضرت شاہ کمال الدین یابانی قدس سرہ العزیز و آن حضرت مرید از حضرت شاہ جلال الدین مغربی قدس اللہ سرہ العزیز و آنحضرت از مرید حضرت سید السادات رفیع الدرجات عاشق شہباز الجانب مبین الحقیقۃ مولانا زین الحق والدین امام العارفین زبدۃ العاشقین مشرق رب العلمین السید الصادق الولی الاکبر خواجہ صدر الدین ابو الفتح بندگی حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز المفتقر الی اللہ المعبود۔"

اس اعتراف عقیدت کے بعد شیخ نے اس ذہنی ماحول کا ذکر کیا ہے۔ جو اس رسالے کی تصنیف کا باعث ہوا۔ دیگر اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ سید محمد حسینی گیسو دراز کے مزار پر گئے جہاں انھیں اپنے ارادے کی تائید حاصل ہوئی۔ آگے چل کر انھوں نے اس مثالی مقصد کا ذکر کر کے یعنی دیدار حق کے بعد ان مدارج کا ذکر کیا ہے جو اس راہ میں سالک کو پیش آتے ہیں۔ سلوک کے مدارج کو طے کرنے میں دل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اسی لیے وہ انسان کامل کے دل کو جام جہاں نما سے تعبیر کرتے ہیں اس تشریح میں یہ رباعی نقل کرتے ہیں ؎

جام جہاں نما دل انسان کامل است مرآۃ حق نما بحقیقت ہمیں دل است
دل مخزن خزاین سر الٰہی است مقصود ہر دو کون دل جو کہ حاصل است

یہ دل کن صفات کا حامل ہو اسی کی تشریح میں وہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان شیوخ کا بھی ذکر کرتے ہیں جن سے انھیں اپنے روحانی فیوض سے فایدہ پہنچا یا۔ آخر میں جو رباعی انھوں نے پیش کی ہے اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

آن کاملان کہ با دل خود حق رسیدہ اند اول قدم ز دنیا و دین برکشیدہ اند

شیخ محمود کا یہ ۴۳ ورقی رسالہ تصوف کے فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جو ظاہر ہے معنوی نقطۂ نظر سے ممکن ہے اپنے اندر قدرت نہ رکھتا ہو مگر اپنے استدلال اور انداز فکر میں انفرادیت کا حامل ہے۔

ان کا دوسرا رسالہ جو اس مخطوطہ کا جز ہے یعنی مفتاح النور ، صرف ۱۰ اوراق کا ہے صوفی فکر کے مجموعی خاکے میں نور کا ایک خاص مفہوم ہے۔ اس رسالے کا آغاز وہ عنوان کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح کرتے ہیں :

"الحمد للہ الذی نور السموات والارض و نور الانوار و نور الارواح و نور العالم والآدم والصلوٰۃ علی محمد رسولہ النبی الذی نور الحق المطلق قال النبی اول ما خلق اللہ نوری و انا من نور اللہ و کل شئی من نوری۔"

اس کے بعد متن کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں نور کے مفہوم کو جیسا کہ انھوں نے سمجھا اور صوفی فکر میں سمجھا و سمجھایا جاتا تھا اس کو پیش کیا ہے۔ "اما بعد بر ضمیر منیر طالبان حق واضح باد کہ ہر چند خدائے تعالیٰ ذات خود آفریدہ است اول نور است و از ان نور جملہ عالم ظہور است زیرا کہ ذات حق خود عین نور است پس از نور چہ آید جز نور پس در ظاہر و باطن ہم

ت نوراست در عالم روحانی و یا جسمانی نوریعنی آن شئی است و بخود خود نمائی کند و خود بخود ده باشد وحد
ده او حاجت بدیگری نه افتد که او محل روشن است بدین اشارت وجودات عالم همه عالم نوراست"۔

اس نور کا جس کا ظہور وہ سارے عالم مادی کا محسوس کرتے ہیں تعلق اس مادہ سے تخلیق کے ذریعہ قایم ہے وہ خود کوئی ایسی
ت نہیں ہے جو خود بخود موجود ہو۔ آگے چل کر شیخ جب اس خیال کی تشریح کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس نور کی معرفت دل کے ذریعے ہوتی
ہے۔ اس کی معرفت اسی وقت ممکن ہے جب آدمی نور کامل یعنی خدا اور رسول جنھیں آفتاب و ماہتاب کا درجہ حاصل ہے پر یقین
ہے۔ اس حقیقت کا ادراک کرنے کے بعد ہی انسان کے قلب کو نور کا شعور ہوگا۔ انھوں نے اس خیال کو مختلف انداز سے
ن کیا ہے اور اس کی تائید میں شعرار و صوفیا کے اقوال نیز آیات قرآنی و احادیث نقل کیا ہے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں:

" اے طالب این کار فقیری راہ خدا است صفاد کار است تا صفا کما حقہ نشود روی نماید"

شیخ محمود کا تیسرا اور آخری رسالہ "کشف المعانی" ہے جو ۱۲ اوراق ہے۔ اس کا مواد جیسا کہ عنوان سے پتہ چلتا ہے بعض
صفی اصطلاحات کی تشریح پر ہے۔ شیخ نے اپنے انداز سے ان پر روشنی ڈالی ہے، ظاہر ہے یہ اصطلاحات نئے نہیں ہیں، بلکہ
صوفیا نے اپنے اپنے باطنی احساسات اور ذہنی سمتوں کے فرق کے ساتھ ان پر اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے وہ
س صوفی حدیث کو لیتے ہیں کہ کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اُعرفَ فخلقتُ الخلقَ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آگے چل کر
لکھتے ہیں، "اوّل ما خلق اللہ نوری و آخرہ آدم"۔ آدم کی تخلیق کے پیچھے یہی راز پنہاں ہے کہ اس کے ذریعہ خداوند تعالیٰ نے
اپنی منشاء کو اس کائنات میں جاری کیا جس کی ذمہ داری کو انسان نے اپنی نادانی سے قبول کر لیا۔

اس خیال کے بعد وہ اللہ کی معرفت جسے وہ امانت الٰہی کا نام دیتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اللہ جو
تمام اشیاء پر حاوی ہے بالخصوص انسان پر جو ذات و صفات کا مرکب ہے، انسان کی ذات و صفت مستعار ہے اللہ
کی ذات سے۔ آگے چل کر اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ خدا کی معرفت و محبت الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس معرفت کو
حاصل کرنے میں انسان مادہ سے جس قدر اور جس درجہ آزاد ہوگا۔ اسی حد تک اسے یہ معرفت حاصل ہوگی اس سلسلے میں
عبادۃ و تزکیۂ نفس کی بڑی اہمیت ہے۔ عبادت و تزکیۂ نفس کے عمل میں داخل ہونے کا صوفیا کا ایک متعین نظم ہے۔ اس نظم کو
اپنانے اور اس پر سختی سے عمل کرنے سے آدمی معرفت الٰہی کے مقصد کی طرف آگے قدم اٹھاتا ہے۔ ظاہر ہے جب وہ اسی راہ کی
پابندی و سلوک میں وقت گذارے گا تو اسے ان ذریعوں سے اجتناب کرنا پڑے گا جو معرفت کے لیے پردہ بن جاتے ہیں۔ یعنی
غیر مذہبی علوم سے اسے سخت اجتناب کرنا ہوگا۔ اس خیال کی تائید میں یہ شعر نقل کرتے ہیں ؎

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث ہر کہ خواند غیر ازین گردد خبیث

اسی مضمون کو اشعار کے ذریعہ مزید پھیلاتے ہیں۔ آگے چل کر تزکیۂ نفس کی راہ سخت ریاضت کو توفیق الٰہی سے وابستہ رکھتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے ایسا وقت آئے جب شریعت کی پابندی محض رسم بن جائے اور اس کے عمل میں جس روح کی ضرورت ہے وہ باقی نہ رہے ایسی صورت حال ظاہر ہے ناپسندیدہ ہے جس سے انھوں نے پناہ مانگی ہے۔ اسی ضمن میں نبی صاحب کے قول کو نقل کیا ہے۔ مثنوی کے اشعار بھی نقل کیے ہیں مزید لکھتے ہیں اگر طالب معرفت کے دل میں طلب کی تڑپ ہے اور وہ اس میں مخلص ہے تو خدا اپنی مہربانی اور مرشدان کامل کی عنایت و برکت سے اس معرفت کی کرن کو انسان کے دل پر نازل کر دیتا ہے کیونکہ ایسے انسان نے اپنے نفس کو ریاضت شاقہ کے ذریعے اس قابل کر لیا ہے کہ یہ اپنے رب کو پہچان لے۔ اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انسان حقیقت ذات و صفات کو پہچانے جب وہ اپنی شناخت کرے گا تو پھر حق کی معرفت حاصل ہو جائے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ابن آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس ٹکڑے میں دل، دل میں روح اور روح میں راز راز میں نور اور نور میں میرا وجود میرا نور اللہ کا نور ہے۔ اس کے بعد نور کی تشریح کرتے ہوئے اس حدیث کو نقل کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور و روح پیدا کیا۔ روح و نور ایک ہی معنی میں ہیں پھر بھی عارفوں نے ان دونوں میں تمیز پیدا کیا ہے۔ "باطن روح نور است و ظاہر نور روح"۔ انسانی روح و نور کی اس وجودی حیثیت کو عرش الٰہی سے مربوط کیا گیا ہے۔ اس کیفیت کی تائید میں کئی اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

لیکن ان مراتب کا شعور کوئی آسان کھیل نہیں چنانچہ یہ کھیل بغیر مرشد کامل کے کھیلا جانا مشکل ہے۔ مرشد کی رہبری کا ایک رویہ ہوتا ہے جس کی ابتدائی ذکر سے ہوتی ہے قرآن میں آیا ہے فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ ایک دوسری آیت کا ٹکڑا فاذكروني اذكركم۔ جب ذکر الٰہی یا دوسرے لفظوں میں ذکر نور ہوگا تو پھر دل معرفت نور الٰہی کا مرکز بن جائے گا اور جو دل ذکر الٰہی کا مرکز ہو تو پھر اس پر روحانی ارتقا کے تمام مدارج کشف ہوں گے جیسا کہ نبی صاحب نے فرمایا ہے۔ "الشريعة اقوالي، والطريقة افعالي والحقيقة احوالي والمعرفة رأس مالي والعقل ديني والحب اساسي والشوق مركبي والخوف رفيقي والعلم سلاحي والحلم صاحبي والصدق منزلي واليقين ماوائي والتوكل ردائي والقناعة كنزي والفقر فخري وبه افتخر على سائر الانبياء۔"

صوفی حدیث کے بعد شیخ محمود فقر کی تعریف کرتے ہیں جس کی تائید اس شعر سے کرتے ہیں۔ ؎

بہر آنکہ باخداوند گشت واصل   او ذوق فقر فخری کرد حاصل

خدا میں مل جانا یعنی فنا فی اللہ ہو جانا ایک مقام ہے اس مقام پر پہنچ جانے سے مقام فقر حاصل ہوتا ہے۔ شیخ نے وصال کا تعلق کیفیتوں اور صفات کے ذریعہ کیا ہے اس سلسلے میں یہ قطعہ نقل کرتے ہیں۔ ؎

فانی ز خود و بدوست باقی   این طرفہ کہ نیستند و ہستند

این طائفہ اند اصل توحید باقی کہ ہم اند خود پرستند

اسی خیال کو معنی کے ایک نئے پہلو سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ رباعی نقل ہے۔ ؎

آن کاملان کہ بادل خود حق رسیدہ اند اول قدم ز دنیا و دین برکشیدہ اند

آنگاہ گشتہ اند عدم از وجود خویش از جام ہستیش می وحدت چشیدہ اند

فنا فی اللہ کا شعوری ارتقار ایک ایسے نفسیاتی مقام تک لے جاتا ہے جہاں سالک راہ ذات خدا کو محبوب کی شکل میں جلوہ گر خیال کرنے لگتا ہے۔ ما رأیت شیئاً الا رأیت اللہ فیہ؛ اسی مفہوم کو اس شعر کے ذریعہ ادا کرتے ہیں۔ ؎

آن لطافت کہ ہست در معنی صورتش صد ہزار می بینم

پس بہر صورتے کہ می نگرم از ہمہ وجہہ یار می بینم

اس مشاہدۂ حق کا ذریعہ بغیر مادی محبوب کے یعنی رسول کے مشکل ہے یعنی رأیت ربی بربی و عرفت ربی لربی پہلے رب سے مراد نبی صاحب ہیں۔ اسی نکتہ پر پہنچ کر یہ رسالہ کشف المقامات ختم ہو جاتا ہے۔ آخر میں یہ عبارت ہے:

"یھدی من یشاء الی صراط مستقیم صراط الذین انعمت علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا ذالک الفضل من اللہ وکفی باللہ علیما غیر المغضوب علیھم والا الضالین۔"

جناب مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
دار العلوم دیوبند

کتبخانہ دار العلوم دیوبند کے چند اہم مخطوطات تصوف

(۱) فصل الخطاب

خواجہ پارسا صاحب کا نام محمد بن محمد بن محمود الحافظی البخاری ہے، ان کی کتاب "فصل الخطاب" کا قلمی نسخہ کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں اچھی حالت میں ہے، مسائل تصوف اور قرآن و حدیث کے معارف پر مشتمل ایک عمدہ کتاب ہے، اولیاء اللہ کے واقعات اور تذکرے بھی درمیان درمیان میں مصنف نے نقل فرمائے ہیں۔ پارسا ان کا نام ان کے مرشد حضرت شاہ نقشبندؒ نے رکھا تھا۔ اور پہلی نظر پڑتے ہی یہ نام تجویز فرمایا تھا، اس کا واقعہ مورخین نے اس طرح لکھا ہے:

"در روز اول کہ خواجہ پارسا بخدمت خواجہ نقشبند حاضر شد، خواجہ اندرون خانہ خود تشریف داشت، بر دہلیز دروازہ رفتہ دستک زد، و خود بیرونِ در ایستاد، دریں اثنا خادمان از کنیزان حضرت شاہ از بیرون اندرونِ خانہ بخدمت خواجہ رسید، خواجہ از وے پرسید کہ بیرون در کیست، عرض کرد کہ شخصے بصورت متقی و پارسا بیرونِ در ایستادہ است فرمود کہ فی الحقیقت پارسا است و نام او پارسا خواہد بود، بعد ازاں بیرون تشریف آورد، گفت کہ نام شما پارسا نہادیم، انشاء اللہ اسم بامسمیٰ خواہید بود، از آں روز خواجہ محمد مخاطب بخطاب پارسا گشت و ہمیں نام اشتہار یافتؒ" (سفینۃ الاولیاء ص ۹۹)۔

خواجہ پارسا پہلے دن جب شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوئے، دستک دے کر باہر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں خواجہ کی ایک خادمہ باہر سے آکر میں داخل ہوئی، حضرت شاہ نقشبندؒ نے دریافت فرمایا کہ باہر سے کس نے دستک دی ہے، کون ہے؟ اس نے عرض کیا ایک متقی پارسا صورت باہر کھڑا ہوا ہے اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ خادمہ کی بات سن کر آپ نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ واقعی وہ شخص پارسا ہی ہے اور اب اس کا بھی پارسا ہی ہوگا، اسی نام سے لوگ اسے یاد کریں گے۔ چنانچہ آپ اندر سے باہر جب تشریف لائے تو خواجہ محمدؒ سے فرمایا کہ آج سے تمہارا رکھتے ہیں، تم انشاء اللہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوگے، ہوا بھی ایسا ہی، سبھوں نے ان کو اسی پارسا کے نام سے یاد کرنا شروع کر دیا اور اسی نام سے مشہور ہو اصل نام خاص خاص لوگ ہی جانتے تھے، عوام و خواص میں خواجہ پارسا کے نام ہی سے پہچانے جاتے تھے،

خواجہ پارساؒ کے بہت سارے کشف و کرامات مشہور ہیں، زیر نظر کتاب آپ کی ہی تصنیف لطیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے آپ نے یہ کتاب بڑی توجہ اور محنت سے لکھی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ پارسا کا مطالعہ بہت گہرا تھا اور وہ عمدہ کتاب کتب حدیث، اور قرآن پاک کی آیتوں کے حوالے سے لبریز ہے، تاریخی واقعات نے اس کو اور بھی آئینہ کر دیا ہے، خود اس کتا

...ذرا مختصر کیا جائے، لکھتے ہیں:

"اما بعد فيقول العبد الفقير الى الله تعالى الودود محمد بن محمد بن محمود البخاري وفقه الله عز وجل لما يحبه ويرضاه من القول و العمل ورزقه ... ما ... عليه خصائص الطائفة۔"

... تمہید کے بعد فرماتے ہیں:

"بدانکہ اللہ عزوجل بیامرزد ما و شما را ... کہ مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کبرائے دین و مقتدایان اہل یقین اند، جامعان اند میان علوم ظاہر و علوم باطن، و ارباب احوال و اصحاب کمال اند، عقاید صافیہ ایشان بنا بر اصول صحیح مستخرج است از کتاب و سنت و اجماع امت و مؤید است بدلائل نقلیہ و شواہد عقلیہ۔"

... کا حاصل یہ ہے کہ مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم دین کے بڑے لوگوں اور اہل یقین کے پیشواؤں میں ہیں، یہ علوم ظاہر اور علوم باطن دونوں کے جامع ہیں، اور ارباب احوال اور اصحاب کمال میں ان کا شمار ہے۔ ان کے عقاید کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق پاکیزہ اور ستھرے ہیں، جن کی دلائل نقلیہ سے تائید ہوتی ہے اور جو شواہد عقل سے ثابت شدہ ہیں۔

مشائخ طریقت کی خواجہ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور مدح و ستائش کی ہے، اور ان کے مراتب عالیہ کو ذہن نشین کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ لکھا ہے کہ یہ مومنوں کے طبقہ خواص سے تعلق رکھتے ہیں، اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر مضبوطی سے عمل پیرا ہیں، بدعات و خرافات سے کوسوں دور ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ راہ سلوک طے کرنے والے صوفیا و مشائخ کا بڑا مرتبہ ہے اور ان کے احوال قابل رشک ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ پر جتنا مضبوط اعتماد ہوتا ہے، عوام کے لیے اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ زیر نظر فصل الخطاب نامی کتاب، مصنفہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک مسلمان کے پڑھنے کے لائق ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا بکثرت حوالہ ہے، صحاح ستہ کی حدیثیں جگہ جگہ حوالہ میں پیش کرتے ہیں، تفسیروں میں معالم التنزیل امام بغوی، تفسیر امام رازی، حقائق التفسیر کا حوالہ ہر ہر مسئلہ پر آپ دیکھیں گے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ والوں کی نگاہ دوررس و دوربیں ہوتی ہے، اور تخلیق انسانی کا منشا کو ان حضرات نے خوب سمجھا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ عمل میں سبھوں سے آگے نظر آتے ہیں، زہد و تقویٰ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی ڈالی نہ گئی ہو۔

کتاب میں ایک جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بحث کرتے ہوئے یہ آیت شریفہ نقل فرمائی ہے ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر۔ اس آیت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"کلمہ مِنْ در آیت برائے تبعیض، امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ است، باداء بعض از دیگران ساقط شود، و دیگر معنی تبعیض در آیت آنست کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کار ہر کس نیست، کار کسی است کہ معروف را از منکر داند، و مراتب مشروعات تا مشروعات بشناسد، و ترتیب در امر و نہی نگاہ دارد، اگر بنرمی مقصود حاصل شود، درشتی نکند۔"

فرماتے ہیں کہ ولتکن منکم امۃ میں من صرف ہمارے تبعیض کے لیے آیا ہے تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے، بلکہ اگر کچھ لوگ بھی اس فریضہ کو ادا کرلیں گے تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے، گویا یہ فرض کفایہ ہے بعض لوگوں پر ہی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ من تبعیض کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کچھ شرائط و قیود ہیں جن میں یہ شرائط پائی جائیں گی، وہی اس فریضہ کو ادا کرنے کے اہل قرار پائیں گے، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص ایسا ہو جس کو معروف و منکر کی تمیز حاصل ہو کہ بھلی بات کون سی ہے اور بری بات کسے کہتے ہیں اور وہ کیا ہے؟ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص جائز و ناجائز کو جانتا ہو۔ کہ کہاں امر بالمعروف کرنا چاہیے، اور کہاں منکرات سے منع کرنا چاہیے۔ تیسری شرط یہ بھی ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ نرمی اور محبت سے مقصد حاصل ہو رہا ہے تو ایسی جگہ میں سختی اور درشتی ہرگز اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جب تبلیغ دین کے لیے روانہ فرماتے تو نصیحت کرتے، ایک دفعہ دو صحابی کو روانہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، "بشّروا ولا تنفروا، یسّروا ولا تعسروا" تم دونوں خوشخبری سنانا یعنی ایسی باتیں کہنا کہ ان کو رغبت ہو، نفرت پیدا نہ کرنا، یعنی ایسی بات نہ کرنا کہ وہ تم سے نفرت کرنے لگیں یا دین سے ان میں نفرت پیدا ہو جائے۔ مخاطب کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا، دشواری اور سختی میں ڈالنے کی سعی نہ کرنا، اس طرح کہ دین اور دینی باتوں سے وہ خوش ہوں۔

ہمارے اس ملک ہندوستان میں صرف صوفیاء اور اولیاء کرام نے اشاعت دین کا فریضہ غیر مسلموں میں پورے طور پر ادا کیا، ان کا معاملہ ان کے ساتھ انس و محبت کا رہا، اسی لیے ان کے ہاتھوں پر بکثرت لوگ ایمان لائے۔ عام لوگوں کی طرح پہلے مرحلے میں ہی ان کے عیوب گنانا شروع نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح بیجا تنقید و تبصرہ نہیں کرتے بلکہ اس سے گریز کیا کرتے تھے۔

خواجہ محمد پارساؒ امر بالمعروف کے سلسلہ میں آگے لکھتے ہیں:

"واگر داند کہ عاصی بکفر درافتد، بگذارد، و نیت او طلب رضائے خدا تعالیٰ باشد، و اعزاز دین حق باشد، و شفقت بر عاصی، صبر و حلم ورزد، از غضب انواع شوائب طبع خود را دور دارد، و از ہیں راہ چیزی باو رسد تحمل کند، و امر بالمعروف والنہی عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک در آیت دیگر فرمود۔"

یعنی اگر یہ اندازہ ہو کہ کسی گنہگار کو امر بالمعروف کریں گے، تو اس کی زبان پر اس کے جواب میں ایسے جملے آجائیں گے، جس سے اس پر کفر عاید ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں اس کو نہ چھیڑے، کہ خدانخواستہ وہ کفر تک نہ پہنچ جائے اور اس کی عاقبت بننے کے بجائے خراب ہو جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو اس فریضہ تبلیغ و تذکیر کو ادا کر رہا ہے۔ وہ ریا، شہرت اور ستائش کی طلب سے کوسوں دور رہے، اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور دین حق کو اعزاز بخشنا ہو، اپنی عزت و شوکت کا شائبہ قلب میں نہ آنے پائے چونکہ یہ مرحلہ بڑا نازک ہوتا ہے لہذا غصہ اور غضبناکی سے اپنے کو بچائے رکھے اور اس راستے میں اگر کوئی اذیت پیش آئے تو اس کو

کرے، اس لیے کہ قرآن پاک میں آیاتِ تصوف و اخلاق متشابہات ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"کتاب اللہ علی اربعة اشیاء العبارة والاشارة واللطائف والحقائق فالعبارة للعوام والاشارة للخواص واللطائف للاولیاء والحقائق للانبیاء"

اللہ کی کتاب میں چار چیزیں ہوتی ہیں، عبادت، اشارہ، لطائف اور حقائق، عبارت عوام کے لیے ہے کہ وہ سمجھ کر عمل کرے، اور ظاہر معنی کو اختیار کرے، اشارہ خواص امت کے لیے ہے، جس کو علماء کرام اور ارباب فضل و کمال سمجھ اور اس میں غور و فکر کرتے ہیں، تیسری چیز لطائف ہے، جو اولیاء کرام کے لیے مخصوص ہے، وہ اپنے ذوق کے مطابق اس سے لذ ہوتے ہیں اور چوتھی چیز حقائق ہے ان کا تعلق انبیاء کرام سے ہوتا ہے، کہ ان کے پاس براہ راست وحی آتی ہے۔ اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے۔

ایک جگہ ایک حدیث نقل کی "ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب"، کہ رب العالمین خود پاک و صاف ہے اور وہ پاک و صاف ہی چیز کو قبول فرماتا ہے اسکے بعد لکھتے ہیں کہ رب العالمین نے حلال و پاک کے استعمال اور کھانے کا ج کرام کو حکم فرمایا ہے اسی طرح مومنوں کو بھی حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا" یہ انبیاء کے لیے ہے۔ مومنوں کے لیے ارشاد ہے: "یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم"۔ پھر وہ حدیث نقل کی ہے جو پیتا اور پہننا اوڑھنا بھی حرام کے طور پر ہوتا ہے اور وہ حرام غذاؤں سے پیٹ بھرتا ہے پھر وہ دعا کے لیے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے اور کرتا ہے مگر اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ حلال غذا سے محرومی ہوتی ہے اور حرام غذا سے دلچسپی۔

پوری کتاب اسی طرح کے عمدہ مضامین سے بھری ہوئی ہے۔ سخت سے سخت دل آدمی بھی ان مضامین کو بعد سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اسے اس زندگی میں کیا کرنا چاہیے، اور ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس پر کیا ذمہ دا ہے اور ان ذمہ داریوں کا ادا کرنا کس قدر ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ پوری کتاب میں کتاب و سنت کے حوالے سے ہی لکھا گیا جو کچھ لکھا گیا ہے، پھر دلآویز حکایتیں لائے ہیں اس کا پوری کتاب میں اہتمام ہے، جہاں اور جس کتاب سے مضمون اخذ کیا، اس کا حوالہ ظاہر کر دیا ہے۔ پوری کتا اوراق میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں۔ کاغذ موٹا چکنا لگا ہوا ہے جدولیں خوشنما ہیں، یہ نسخہ ۱۰۰۲ھ کا کتابت شدہ اور اس نسخہ سے منقول ہے، جو مصنف کے زمانہ ۸۰۹ھ کا کتابت شدہ تھا۔

خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ سمرقند میں ایک حدیث کا حوالہ دیا، حاسدین نے وہاں کے بادشاہ کو تھا کہ خواجہ پارسا صحیح حدیث نقل نہیں کرتے ہیں، چنانچہ جب آپ نے کسی مسئلہ میں ایک حدیث نقل کی تو وہاں کے علما

احوالہ دکھائیں، وہ سمجھ رہے تھے حوالہ دکھانا ان کے بس میں نہیں ہے، خواجہ نے ان علما کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر فلاں
ین یہ حدیث دکھا دی جائے تو آپ مان لیں گے۔ سبھوں نے کہا ضرور تسلیم کریں گے، آپ مراقب ہو گیے، پھر سر اٹھا کر شیخ
لام عصام الدین کو خطاب کر کے فرمایا، تم اپنے کتب خانہ سے فلاں کتاب لے آؤ، وہ فلاں جانب کی الماری میں اتنی کتابوں
رکھی ہے، شیخ الاسلام کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اپنے ایک خادم سے کہا فلاں الماری میں فلاں جگہ کتابوں کا ڈھیر ہے۔ اس میں
یک کتاب ہے لے آؤ۔" وہ گیا اور لے آیا۔ حضرت خواجہ نے کتاب کھول کر وہ حوالہ دکھا دیا۔ لوگ حیرت زدہ رہ گیے اور
ن کے خلاف میں پروپگنڈہ کرنے والوں کی زبان بند ہو گئی۔ وہاں کا بادشاہ بہت خوش ہوا اور معتقد ہو گیا۔

۹۰۸ھ میں آپ نے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ عمر ۷۲ سال پائی۔

⑦ کلمات الحق

بارھویں صدی ہجری میں تصوف کا کافی چرچا تھا، اور بہت سارے اہل اللہ ہندوستان کے مختلف شہروں
ں اپنی خانقاہوں کے اندر بیٹھے ہوئے تزکیہ قلوب اور تصفیہ باطن کی خدمت انجام دے رہے تھے، اور لوگ
ور دراز سے چل کر ان کے پاس پہونچتے تھے، اور ان کی خدمت میں رہ کر فیض باطن حاصل کرتے تھے، اس دور میں
ہت ساری کتابیں اس فن میں لکھی گئیں اور لوگوں نے ان کا مطالعہ کیا، جس سے ان کے باطن کی اصلاح ہوئی۔

علم تصوف میں ایک مسئلہ وحدت وجود اور وحدت شہود کا بھی ہے، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وحدت وجود کے
ائل تھے، اور ان کے پیروکاروں نے اسی کی اشاعت کی لیکن بعد میں صوفیا وحدت شہود کے قائل ہوئے، اور اس
ی اشاعت شروع کی، اخیر دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ وحدت شہود کا اپنے مکتوبات میں
ذکر کیا، اور آپ کے ماننے والوں میں اس کا کافی چرچا ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے کسی نے دریافت کیا کہ ان میں کون سا قول راجح ہے، اور
ان دونوں مسئلوں کی حیثیت کیا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اسکے جواب میں ایک لمبا خط لکھا جس میں ان دونوں نظریات
کی وضاحت فرمائی، اور یہ ثابت فرمایا کہ دونوں نظریے الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں، صرف تعبیر کا فرق ہے۔
یہ رسالہ وحدت وجود و وحدت شہود کے نام سے اس زمانہ میں پھیل گیا۔

اسی دور میں ایک جید الاستعداد معقولی عالم دین مولانا سید غلام یحییٰ بہاری (م ۱۱۸۸ھ) بھی تھے، جو علم معقولات
میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، اور لکھنؤ میں ان کی درسگاہ طلبہ کا مرجع عام بنی ہوئی تھی، مولانا کا درس کافی مقبول تھا، اور مختلف

گزشتہ بالا کم وبیش کرسال کے درس میں مشغول رہے تھے انھوں نے اپنے زمانہ تدریس میں میرزاہد رسالہ پر ایک قیمتی حاشیہ "سواد الہدی الی الیل و الدجی" کے نام سے تصنیف کیا تھا جو علماء وقت میں بہت زیادہ مشہور بھی ہوا اور مقبول بھی اس سے ان کی شہرت میں کافی اضافہ ہوا اور میرزاہد رسالہ کے ساتھ حاشیہ مولانا غلام یحیی بہاری عام طور پر پڑھایا جانے لگا۔

مولانا غلام یحیی بہاریؒ پر ایک ایسا دور آیا کہ باوجود اس کے کہ وہ مشہور و مقبول استاذ تھے۔ انکی درسگاہ کا عام طور پر چرچا تھا، سب سے کنارہ کش ہو کر مرشد کامل کی تلاش میں دہلی پہنچے اور وہاں کے مشہور و مقبول بزرگ حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۵ ھ) سے منسلک ہو گئے اور کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہے، پہلے ان کا خیال تھا کہ چھ ماہ میں راہ سلوک طے ہو جائے گی اور وہ پھر واپس ہو کر تدریس کے فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہو جائیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔ ان کا جی وہاں لگ گیا اور راہ سلوک کی ساری منزلوں کا طے کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا۔

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک بڑے اونچے پایہ کے عالم دین تھے، لہٰذا ان کی مجلسوں میں علمی گفتگو ہوتی رہتی تھی، جس میں مولانا غلام یحیی بہاری رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک ہوا کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ بھی مرشد کے کہنے پر علمی مباحث میں حصہ لیتے تھے، ذہین و ذکی بھی تھے، اور علم معقولات پر عبور رکھتے تھے، اس لیے خوب بولتے تھے ایک دفعہ "وحدت وجود اور وحدت شہود" کا مسئلہ بھی سامنے آیا، اور اس پر بھی مرشد کی مجلس میں بحث ہوئی، مرشد نے فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا اگر تم ان مسائل پر اختصار کے ساتھ کوئی رسالہ تحریر کر دیتے، طبیعت میں علمی ذوق تو تھی ہی، آمادہ ہو گئے، اور ان مسائل پر ایک عمدہ رسالہ تحریر فرما دیا، اسکا نام مولانا موصوف نے "کلمات الحق" تجویز فرمایا، کوئی شبہ نہیں یہ رسالہ بہت ہی جاندار ہے، اور وحدت وجود اور وحدت شہود کے مسائل کو نکھار کر رکھ دیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ مولانا نے بغیر نام لیے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ کی کہیں کہیں سے عبارت لے کر اس پر تنقید کی، یعنی حضرت شاہ نے دونوں میں تطبیق کی جو سعی فرمائی تھی اس کو انھوں نے تسلیم نہیں کیا اور دونوں کے فرق کو واضح کیا، اس اتحاد کے قائل نہیں ہوئے، جس کا ذکر حضرت شاہؒ نے اپنے رسالہ میں کیا تھا۔

مولانا غلام یحیی بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے حمد و نعت کے بعد اپنے اس رسالہ کو یہاں سے شروع کیا ہے "۔ا

محرر ایں مطالب علیا و عبارات نارسا فقیر غلام یحیی کہ از آغاز شباب بعد تحصیل علوم منقول و معقول با چند از طلبا در مقام لکھنؤ بہ تعلیم و تدریس مشغول بود کہ ارادہ ازلی ہمت حق طلبی را بر او مسلط گردانید و قائد توفیق بجانب قبلہ حق پرستاں قدوۂ حقیقت شناساں دائرۂ ارشاد و ہدایت صاحب اندراج النہایہ فی البدایہ حضرت مرزا جان جاناں حبیب الرحمٰن رسانید و در محروسہ دہلی ملازمت گرامی یافتہ بکسب کمالات طریقہ عالیہ مجددیہ کہ بنا آں بر اتباع شریعت

سنیہ محمدیہ است علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ملتزم گردید۔"

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نوجوانی سے پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت غالب آئی، اور تدریسی فرائض چھوڑ کر دہلی آگیا اور حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں رہنا طے کر لیا، جہاں کمالات طریقہ مجددیہ کے حصول میں منہمک ہو گیا یہ طریقہ سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت مرزا جان جاناں کی مجلس خاص میں روز و شب علمی مباحث چلتے رہتے تھے، اور حضرت اقدس ان مسائل پر روشنی ڈالا کرتے تھے، ہم شرکار مجلس اس گفتگو میں برابر بغرض استفادہ شریک رہتے تھے، بعض مواقع میں حضرت کے ایماء سے مجھے بھی کبھی کبھی بولنا پڑتا تھا، اور حضرت اسے پسند بھی فرماتے تھے۔

ایک دن وحدت وجود اور وحدت شہود کا مسئلہ مجلس میں آگیا اور اس مسئلہ خاص میں صوفیاء متقدمین و متاخرین کا باہم جو اختلاف ہے، اس کا تذکرہ بھی آیا، حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کرتے تھے کہ ان مسائل پر کوئی مختصر واضح تحریر مرتب ہو جائے تو بہت بہتر ہے، مولانا نے اس کو اپنے لفظوں میں اس طرح ادا کیا ہے۔

"ازاں جملہ سخن در مسئلہ توحید وجودی و شہودی نیز میرفت و ذکر اختلاف محققین از متقدمین و متاخرین صوفیاء در آں باب بمیاں می آید و اکثر اشارت تمام اشارت بتحریر نسبدہ ایں مطالب و خلاصہ ایں مآرب بتغیر می فرمودند"

گویا رسالہ کلمات الحق کی تالیف از خود نہیں کی بلکہ اپنے مرشد عالیمقام کے حکم سے قلم اٹھانا پڑا، اور دنیا جانتی ہے کہ ایک مرید کا فرض ہوتا ہے کہ پیر کی فرمائش پوری کرے، بالخصوص اس وقت جبکہ وہ خالص علمی مسئلہ ہو، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو علم معقولات پر پوری دسترس حاصل تھی، اور وہ ان کا طبعی مسئلہ بن گیا تھا۔

اور کوئی شبہ نہیں کہ مسئلہ وحدت وجود و شہود کا معقولات سے گہرا تعلق ہے، اور سچ پوچھیے تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ تطبیق سے اختلاف کی وجہ علم معقولات میں غلو یا مہارت تامہ بنا جس میں مولانا بہاری کا ذہن ڈھل گیا تھا، آگے تحریر فرماتے ہیں:

"بحسب الامر در سنہ ہزار و صد و ہشتاد و چہار ہجری بتالیف ایں رسالہ کہ مشتمل است بر تبصرہ در مسئلہ و تکملہ و مسمی بکلمات الحق موفق شد، امید از مستعدان منصف کہ از معائب و مناقص ایں بضاعت مزجات اغماض فرمایند بلکہ اصلاح آں نمایند و فقیر بدعاء خیر بخوانند۔"

ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا ذہن کبر و فخر سے بہت دور ہے، اور اس کا بھی اعتراف ہے کہ بشریت کی وجہ سے غلطیوں کا بھی امکان ہے، لہٰذا اس کی اصلاح فرمائیں۔

مصنف کی اس عبارت سے [illegible] واضح ہے کہ انھوں نے یہ تصنیف رسالہ ۱۱۸۳ھ میں لکھا ہے جو لوگ مولانا غلام یحییٰ کی وفات ۱۱۸۰ھ [illegible] عبارت سے اس کی تردید ہوتی ہے، اندازہ یہ ہے کہ یہ ۱۱۸۸ھ ہے کیونکہ [illegible] اور خلق خدا آپ کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتی رہی ۔

رسالے کے [illegible] مصنف نے اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ وحدت وجود اور وحدت شہود کا مسئلہ عقائد ضروریہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک خالص کشفی اور علمی مسئلہ ہے للہٰذا ان مسائل پر زیادہ رد و قدح کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور نہ عوام کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہے، اس سے دلچسپی اگر صوفیا اور اہل علم لیتے ہیں تو ان کی شان کے مطابق ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بہت اختصار کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ دراصل ان مسائل کا تعلق حادث و قدیم کے درمیان جو ربط خاص ہے اس ربط خاص سے ہے اور یہ ایک کیفیت ہے جو مشائخ اور صوفیا پر وارد ہوتی ہے، مولانا موصوف کے الفاظ یہ ہیں ۔

"باید دانست کہ مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود از مسائل عقائد دینیہ ضروریہ کہ بنائے ایمان و اسلام بر آنہا باشد نیست، زیرا کہ اینہا ہر دو مسئلہ متعلق اند بکیفیت ربط حادث بقدیم، و آنچہ از ظاہر کتاب و سنت در کیفیت این ربط ثابت شدہ ہمین قدر ہست و بس کہ این عالم بتمامہا حادث است و مصنوع او تعالیٰ شانہٗ و صانع است و قدیم"

یعنی کتاب و سنت سے بس اس قدر ثابت ہے کہ سارا عالم حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور رب العالمین پیدا کرنے والا ہے اور قدیم ہے للہٰذا ان دونوں میں تعلق عینیت کا نہیں ہو سکتا ہے بلکہ غیریت کا ہوگا ۔

مؤلف موصوف نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ وحدت وجود کا مسئلہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے اور انھوں نے اور ان کے ماننے والوں نے اس مسئلہ پر بہت کچھ اہل علم کے ذہن نشین کرنے کے لیے لکھا ہے، اور عام طور پر اسی زمانہ کی کتابوں میں اس مسئلہ پر بحث بھی ملتی ہے ۔ اور وحدت شہود کا مسئلہ اولاً علاء الدولہ حضرت سمنانیؒ کے دور میں پیدا ہوا اور اخیر میں اس کی اشاعت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہوئی ۔

"توحید وجودی از زمانہ شیخ اکبر و اقران و اتباع ایشان رضی اللہ عنہم بابید شیوع یافتہ کتب و رسائل در تحقیق مبادی و مقاصد این مسئلہ مدون گشتہ ـــــ و توحید شہودی از حضرت علاء الدولہ سمنانی اولاً و از حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما اخیراً تدوین یافتہ ۔"

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بھی کھول کر بیان فرما دیا ہے، ان دونوں مسئلوں کا تعلق اولیاء اللہ کے مکشوفات سے ہے راہ سلوک کے طے کرنے والوں میں کچھ پر وحدت وجودی منکشف ہوا اور کچھ بزرگوں پر وحدت شہودی کا ظہور ہوا۔

اس کائنات اور مخلوقات کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے بعض بزرگوں کی نظر میں وجودی ہے اور بعضوں کی نظر میں شہودی یعنی بعضوں کے یہاں کائنات مخلوقات میں ذات خداوندی پائی جاتی ہے اور بعضوں کے نزدیک مخلوقات وممکنات میں فیضان خداوندی پایا جاتا ہے۔

پس مسلم ہے کہ ساری کائنات رب العالمین کے پیدا کرنے سے وجود کی نعمت سے مستفیض ہوتی ہے خود بخود وجود کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوتی۔ لیکن وحدت وجود اور وحدت شہود کا حقیقت کیا ہے؟ موصوف نے واضح کر کے لکھا ہے کہ یہ اولیاء اللہ کے مکشوفات ہیں یہ کوئی عقاید دینیہ کا مسئلہ نہیں ہے۔

"پس نیست مگر این کہ از مکشوفات اولیاء اللہ است کہ بعض ایشاں را در اثنائے سیر وسلوک وحدت وجودی مکشوف شود بعض آخر وحدت شہودی واضح گشتہ"

اسے بھی واضح فرمایا ہے کہ ان مسائل کا تعلق عہد صحابہ، عہد تابعین یا تبع تابعین سے نہیں ہے بلکہ بہت بعد میں یہ مسائل صوفیائے کرام میں پیدا ہوئے، متقدمین کی کتابوں میں یہ مسائل کہیں نہیں ملتے ہیں۔

"واز صحابہ وتابعین واتباع ایشاں رضوان اللہ علیہم اجمعین وہم چنیں از قدمائے صوفیاء کہ اہل صحو وافاقہ بودند تکلم نکرد بیکی ازیں ہر دو مسئلہ تصریحاً بہ ثبوت نرسیدہ"

صوفیاء متقدمین میں بھی مراحث یہ مسائل وحدت وجودی وشہودی نہیں ملتے ہیں۔ مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ امت کا مقصد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی ہے کہ دنیا وآخرت کی فلاح اسی سے وابستہ ہے اور الحمد للہ سنن نبویہ میں کوئی گنجلک قطعاً نہیں ہے، جو چاہتا ہے کہ وہ سعادت سرمدی سے نفع اندوز ہو تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ بس وہ اپنا تعلق کتاب وسنت سے رکھے ان مسائل صوفیانہ میں نہ الجھے، اور نہ اپنا وقت ضائع کرے۔

"نمی دانند کہ اتباع کمال اعظم امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم است وفوز سعادت سرمدی باد متعلق است"

ضمنی طور پر آپ نے یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ طالب حق کو چاہیے کہ کسی ایسے کامل ومکمل شیخ کی صحبت اختیار کرے جس کا ظاہری حال کتاب وسنت کے مطابق ہو اور اس کا باطن غیروں پر موثر ہو، اس راہ کے لیے اکسیر اعظم اسی طریقہ کو جانے، انشاء اللہ اس کی صحبت اور ظاہر کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے سے حق دلوں میں راسخ ہو جائے گا اور اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔

"پس طالب حق را باید کہ اگر دست دہد صحبت شیخ کامل ومکمل کہ ظاہرش موافق کتاب وسنت باطنش موثر باشد اکسیر اعظم داند واز فیض صحبتش مراد واضح سازند، بہاں مختار خود گرداند"

اسی کے ساتھ مولف محترم نے اس کی بھی تاکید کی ہے کہ کسی فرقہ پر زبان طعن وتشنیع ہرگز دراز نہ کرے کہ یہ روی کا خدا لیے ثابت ہوگا

ولیکن باید کہ زبان طعن و تشنیع بطرف ثانی نکشاید :

موصوف کا یہ علمی رسالہ بڑی تقطیع کے ۱۴۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اوپر جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ بات ذہن نشین ہو چکی ہوگی کہ مصنف معتدل المزاج تھے اور کسی سے ان کو کوئی شکایت نہ تھی۔ اور اس مسئلہ کو انھوں نے علمی بحث تک محدود رکھا ہے۔

لیکن جب یہ رسالہ کلمات الحق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی کی نظر سے گزرا، اور یہ دیکھا کہ رسالہ ہذا میں ان کے والد بزرگوار کے رسالہ پر تنقید و تبصرہ ہے، تو انھوں نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا، اور ۱۴۴ صفحات کے رسالہ کا جواب ۲۴۶ صفحات پر لکھا، اس کا نام انھوں نے "فیض الحق معروف بہ دفع الباطل" ایک طرف مولانا بہاری کا یہ اختصار و ایجاز ہے اور دوسری طرف شاہ رفیع الدین دہلوی کا اطناب، یہ دونوں بزرگ علم و عمل میں ممتاز تھے۔ مولف کلمات الحق کے شیخ حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی اس رسالہ پر توقیع بھی ہے وہ بھی پڑھنے لائق ہے اور اس سے بھی مولانا غلام یحییٰ بہاری کی عظمت علم کا ثبوت ہوتا ہے، توقیع حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ

"نحمدہ و نصلی علی رسولہ۔ سرگروہ علماء فحول وجامع علوم معقول و منقول سید غلام یحییٰ اوصلہ اللہ الی ما یتمنی کہ نسبت اخوت طریقہ بایں ہیچمداں یعنی جان جاناں دارند بحسب ایمائے ایں فقیر رسالہ مختصرہ در تصویر مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود تحریر نمودہ از نظرم گذرانید، مدا حق آنست کہ ایں ایجاز قدر کافی است بہ بیان وافی جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ اما آنکہ عرض بہ تطبیق فرمودہ است کہ توفیق بین الکشوفین اگرچہ خالی از تکلفی نیست، لیکن متضمن مصلحت عمدہ است، و ہی لا اصلاح بین الفئتین العظیمتین۔ فرحم اللہ عبد الضعیف ولم یتعسف والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

اس توقیع میں حضرت مرزا صاحب نے مولانا بہاری کے ایک بڑے عالم دین ہونے کی بات کہی ہے، کہ وہ جماعت علماء میں رکھتے ہیں اور علم معقول و منقول دونوں میں بلند مقام کے مالک ہیں، دوسری یہ بات بھی فرمائی ہے کہ مولانا موصوف کے سلسلہ میں داخل ہیں، تیسری بات یہ کہ انھوں نے یہ رسالہ حضرت والا کے ایماء سے تحریر فرمایا ہے، چوتھی بات یہ کہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر کافی و وافی ہے، اور اسے وہ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

اس کے بعد اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ مولف نے ان دونوں مسئلوں میں تطبیق دینے کو ضروری نہ سمجھا کیونکہ دونوں مکشوفات ہیں اور تطبیق کی صورت تکلف سے خالی نہیں ہے، باقی تطبیق دینے میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے اور دو عظیم الشان جماعتوں کی اصلاح، تاکہ اختلاف کی کوئی بات زبان پر نہ آسکے، یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تطبیق کی جد و جہد فرمائی ہے، اور دونوں نظریات میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنا چاہا ہے۔

مولانا سید غلام یحییٰ بہاری باڑھ ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے، اور ان کی تعلیم سندیلہ ضلع لکھنؤ میں ہوئی؛

ناؤں کا نام مولانا باب اللہ جونپوری ہے اور جس مدرسہ میں تعلیم پائی اس کا نام مدرسہ منصوریہ تھا۔ بڑے ذہین تھے اور علم تصوف سے طبعی مناسبت تھی۔ ابتدا میں بیعت حضرت شیخ بدر عالم ساداموی سے ہوئے تھے اور آخر میں حضرت مرزا جان جاناں سے رو ہیں سے خلافت حاصل ہوئی۔ اور اس کے بعد لکھنؤ واپس ہو کر ارشاد و بیعت کی خدمت میں مشغول ہوئے اور بہت سے عام وخواص آپ سے مستفیض ہوئے۔ اس زمانہ میں آپ کا قیام پیر محمد لکھنوی کی خانقاہ میں رہتا تھا جو شیخ محمود قلندر کی بیٹے کے اس تھی۔ شیخ غلام علی دہلوی نے مقامات مظہریہ میں لکھا ہے کہ حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں رہ کر انھوں نے اپنی محنت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئے وصل الی السر ووصل الی التجلی الذاتی الدائمی فاستخلفہ الشیخ ثم اشتغل فی المراقبۃ والتلقین الذکر واشاعۃ الطریقۃ والترک الاشتغال بالتدریس حتی ذہل من العلوم الحکمیۃ۔

اور آپ کو تجلی ذاتی دائمی تک وصول حاصل ہو گیا۔ شیخ نے خلافت سے نوازا۔ اس کے مراقبہ اور تلقین ذکر میں دن رات مشغول ہو گئے اور سلسلہ کی اشاعت فرمائی اور تدریس اور تعلیم کا سلسلہ ترک فرمایا۔

علم معقول سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا عبدالحی فرنگی محلی اپنے حاشیہ میر زاہد سے بھی مناسبت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک دفعہ بعض طلبہ اس حاشیہ کا مشکل مقام حل کرنے کے لیے پہنچے، تو آپ اس کے حل پر قادر نہ ہو سکے۔

کلمات الحق کے علاوہ حاشیہ میر زاہد رسالہ اور حاشیہ حمد اللہ بھی آپ نے تصنیف فرمایا۔ لکھنؤ میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں پیر محمد لکھنوی کی خانقاہ میں دفن کیے گئے۔

(۳) مرصاد العباد من المبدأ الی المعاد

تاتاری فتنہ تاریخ کا نمایاں باب ہے، اس فتنہ نے مسلمانوں کی آبادی کو تہ و بالا کر دیا تھا کتنے ہی مسلمان ممالک برباد ہو گئے، اور وہاں کے باشندے خاک و خون میں ڈوب گئے، ہزار ہا مسلمان غلام اور باندی بنائے گئے۔ جس طرف نگاہ اٹھتی آگ و خون کی بارش موسلادھار برستی نظر آتی تھی، مسلمانوں کے لیے بڑا سخت اور نازک وقت تھا۔

زیر نظر کتاب کے مصنف عبداللہ نجم الدین صوفی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ پیدا ہوئے خوارزم میں اور وفات پائی بغداد میں، ان کا سنہ پیدائش ۵۶۴ھ ہے اور سنہ وفات ۶۵۴ھ، اس طرح وہ کم و بیش نوے سال زندہ رہے، اپنے زمانہ کے مشہور عالم ربانی شمار ہوتے تھے، صاحب کشف و کرامات تھے، علم میں اونچا مقام تھا، اور اپنی زندگی میں کئی کتابیں انھوں نے تصنیف کیں اور ماشاء اللہ ساری کتابیں معیاری ہیں، اس فتنہ تاتار کے زمانہ میں یہ سیر و سیاحت میں تھے، اور اسی دوران ان کو بتایا گیا کہ تاتاری فتنہ آپ کے شہر کو بھی لوٹ رہا تھا۔ ابتدا میں ...

مقابلہ کیا" لیکن تاتاری سیلاب انھیں بہا لے گیا، اور سارا شہر برباد ہوگیا" اور ان کے سارے اعزہ و اقارب بھی شہید کرڈالے گئے" انھوں نے اسی کتاب میں جس کا تعارف کرانا چاہتا ہوں، لکھا ہے کہ صرف شہر رے میں سات لاکھ آدمی یا تو قتل و شہید ہوگئے" یا ان کو گرفتار کرلیا گیا" "یک شہری رَی کہ مولد و منشا ایں ضعیف است قیاس کردہ اند کہ کم و بیش ہفت صد ہزار آدمی بقتل آمدہ است و اسیر گشتہ" (مرصاد العباد) اپنی اسی کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں:

"در تاریخ سنہ سبع عشر و ستمائۃ لشکر مخذول کفار تتار خذلہم اللہ و دمرہم استیلا یافت بر آں دیار آں فتنہ و فساد و قتل و اسیر و ہدم و حرق کہ از آں ملاعین ظاہر شد، ہیچ عصر در بلاد کفر و اسلام نشان ندادہ است و در ہیچ تاریخ نیامدہ"

یہ واقعہ بھی ہے کہ تتاری فتنہ نے مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچایا، اس کی پوری تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، جس شہر میں پہنچے اسکو تباہ و برباد کرکے چھوڑا۔

"در شہور سنہ ثمان عشر و ستمائۃ بہ راہ اربیل و بر عقب ایں ضعیف خبر جاں رسید کہ ملاعین در مرحم و اخراہم شہر ہولالہ رسیدند و اہل آں بقدر وسع کوشیدند، چوں طاقت مقاومت نماند کفار دریافتند و شہر بستند خلق بسیار را شہید کردند و اقربا ایں ضعیف کہ در شہر بودند شہید کردند" (مرصاد العباد)

یہ حالات تھے جن سے مصنف دو چار تھے" آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا کیا حال ہوگا جب وطن و مسکن مالوف منقطع ہوگیا اور وہاں واپسی کی کوئی امید باقی نہیں رہی" تو کچھ دنوں عراق کے مختلف شہروں میں پھرتے رہے" اور حالات کا جائزہ لیتے رہے، بالآخر یہ طے کرلیا کہ اب ایسے شہر میں قیام اختیار کیا جائے جہاں اطمینان بخش زندگی مل سکے" اور وہاں کوئی بھی ایسا جھگڑا رگڑا نہ ہو جس سے چین اور سکون ناپید ہو جائے" اور کوئی علمی کام کا موقع باقی نہ رہے" چنانچہ طے یہ کیا کہ شہر قیصریہ میں قیام مناسب ہوگا" یہاں وہ ماہ مبارک رمضان میں پہنچے اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کردیا" اور لوگوں کے مطالبہ پر فارسی زبان میں یہ کتاب لکھی" چونکہ مصنف تتاری فتنہ سے کافی متاثر تھے" رجوع الی اللہ ایسے وقت میں کافی ہوتا ہے" چنانچہ یہ پوری کتاب اس کا مظہر ہے" خود تحریر فرماتے ہیں۔

"چوں امید از وطن و مسکن مالوف منقطع شد، صلاح دین و دنیا در آں دید کہ مسکن در دیاری سازد کہ در آں اہل سنت والجماعت باشند و از آفت بدعت و ہوا و تعصب پاک باشند......و در آں دیار بادشاہ دیندار و حق اہل فضل شناسد"

اس کتاب کے نام سے کتاب کا مضمون ظاہر ہے "مرصاد العباد من المبدأ الی المعاد" دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی سرمدی زندگی کا نقشہ سامنے آجائے" انسان کی پیدائش سے لیکر موت تک کے حالات پر روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے اور اس میں مصنف بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ انسان پیدا ہوکر نشو و نما حاصل کرتا ہے" پھر جب عاقل و بالغ ہوتا ہے" اور اس پر گھر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو قدرتاً فکر معاش

میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ دنیا میں خوشگوار زندگی حاصل ہو سکے اور بڑا محور و مرکز انسان کا یہی فکر معاش ہوتا ہے، اور آخیر میں آخرت کا دھیان آتا ہے اور بعض نیکوں کو جوانی سے ہی آخرت کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔

پوری کتاب پانچ ابواب اور چالیس فصلوں پر مشتمل ہے، خود لکھتے ہیں:

"بر جملگی کتاب پنج باب و چہل فصل می افتد"

مصنف کے حالات زندگی تاریخ کی کتابوں میں بہت مختصر ملتے ہیں، ان کی اس کتاب سے البتہ تھوڑی تفصیل معلوم ہوتی ہے "معجم المولفین" میں صرف اس قدر ہے "مطلہ بخارزم و توفی بغداد ومن آثاره مرصاد العباد من المبدأ الی المعاد" (جلد ۴ص ۲۱۲) "شذرات الذھب" میں ہے "وکان حافظاً غزیر العلم صاحب المقامات والکرامات" (جلد ۵ ص ۲۶۵) ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

باب اول در دیباچہ مشتمل بر سہ فصل، باب دوم در مبدأ موجودات مشتمل بر پنج فصل باب سوم در معاش خلق مشتمل بر بست فصل، باب چہارم در بیان معاد نفوس مشتمل بر چہار فصل، باب پنجم در بیان سلوک و طریق مختلف آں مشتمل بر ہشت فصل۔

(۴) مکتوبات حضرت شاہ خوب اللہ الٰہ آبادی

ہندوستان نے مختلف دور میں بڑے بڑے اولیا اور صوفیا کو جنم دیا، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور وہ بن سنور کر اپنے دور میں آفتاب و ماہتاب بن کر آسمانِ علم و عرفان پر چمکے اور ملک و ملت کو اپنے فیض و برکات سے مالا مال کیا۔

ان صوفیائے کرام میں ایک شیخ محمد یحییٰ معروف بہ شاہ خوب اللہ الٰہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ) بھی ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اپنے چچا محمد افضل (م ۱۱۲۴ھ) کی خدمت میں ہوئی، جو خود ایک باخدا بزرگ تھے، اور بہت سارے عوام و خواص آپ سے متعلق تھے، درسیات ختم کر لینے کے بعد شاہ خوب اللہ اپنے استاذ مکرم اور چچا شیخ محمد افضل سے بیعت ہو گئے، اور ان کی خدمت بابرکت میں رہ کر انھوں نے مدارج سلوک طے کیے، اور اپنے مرشد سے خلافت پائی، اور مرشد کی وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین قرار پائے۔

شاہ خوب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ تمام مشاغل کے باوجود تصنیف و تالیف سے غافل نہ ہوئے، اور وہ مریدان باصفا جو اہل علم تھے، ان کے کچھ دریافت کرنے پر مکتوب کی صورت میں مضامین عالیہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھ کر ان کی رہنمائی فرمائی، اور اہل علم مریدوں نے ان خطوط کو ضائع نہ ہونے دیا، بلکہ مکتوب الیہم سے لے کر کتابی صورت میں جمع کیا تاکہ آنے والی نسل بھی ان سے مستفید ہو سکے۔

شاہ خوب اللہ صاحب الٰہ آبادی کے خطوط کی چار جلدیں، مورخین لکھتے ہیں کہ تیار ہوئیں، خاکسار کے پیش نظر

اس کی تیسری جلد ہے، جو کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے ذخیرہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔

خطوط پر کچھ لکھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ شاہ خوب اللہ کا علم میں کیا درجہ تھا؟ اور ان کی سوہ ہستی کس بزرگ نے کی۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) اپنی کتاب مآثر الکرام میں لکھتے ہیں:

"شیخ محمد یحییٰ المعروف بہ شیخ خوب اللہ الہ آبادی برادر زادہ حقیقی و داماد و سجادہ نشین شیخ محمد افضل بحر مواج علوم شریعت و طریقت بود" (جلد ۱ص ۲۱۲)

یعنی شیخ خوب اللہ علوم شریعت و طریقت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے، علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، جس طرح ان کی نگاہ علوم دینیہ پر وسیع و عمیق تھی، اسی طرح علوم باطنی کے بھی باکمال شناور تھے، یہ بھی لکھا ہے۔

"مدتہا مدارج سلوک در نوردید و بشرف کمال و تکمیل عروج فرمود، بخلافت و دامادی شیخ اختصاص یافت و بعد از تحال شیخ نائب مناب گشت و قبول عظیم یافت۔" (ایضاً)

زمانہ تک مدارج سلوک طے کرنے میں انھوں نے محنت و مشقت سے کام لیا اور کمالات باطنی و ظاہری کے لیے جدوجہد جاری رکھی، اور بالآخر اپنے شیخ سے خلافت بھی پائی، اور شیخ کے داماد ہونے کا شرف بھی حاصل کیا، اور اپنے دور میں عوام و خواص دونوں طبقوں میں مقبول ہوئے۔

شاہ خوب اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے خوارق عادات (کرامتیں) بھی ظاہر ہوئیں، چنانچہ عوام کے لیے یہ چیزیں اور بھی رجوع عام کا باعث بنیں۔ مولانا غلام علی آزاد نے لکھا ہے:

"و خوارق عادات بسیار سرزد و علوم ظاہر و باطن شانے بلند داشت۔" (ایضاً)

یہ تیسری جلد باون مکتوبات اور ۳۴۳ صفحات پر مشتمل ہے، یہ سارے خطوط کافی لمبے لمبے ہیں، مختصر دس پانچ سطروں کا کوئی خط نہیں ہے، یہ ان کے علوم دینیہ میں وسعت نظری اور جامعیت کی دلیل ہے۔ مولانا آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے:

"و کتب و رسائل کثیر تصنیف کرد۔"

اس جلد کے مرتب شاہ خوب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید محمد اسلم صاحب ہیں، اور مرتب کے تمہیدی جملوں سے ظاہر ہے کہ یہ جلد شیخ کی زندگی میں مرتب ہوئی ہے، تمہید کے الفاظ یہ ہیں۔

"شیخنا و مولانا و مرشدنا حضرت شیخ محمد یحییٰ المعروف بخوب اللہ، متع اللہ المسلمین بطول بقاء و بقاء اولادہ الکرام واقف مواقف علوم و احوال دینیہ و کاشف اسرار و رموز معارف یقینیہ۔"

متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کا جملہ واضح دلیل ہے کہ شیخ زندہ سلامت تھے، اور مرتب ان کے کشف و کرامت اور علم د

عرفاں سے اچھی طرح واقف و باخبر تھے۔

"امابعد میگوید مفتقر الی اللہ الاکرم محمد اسلم عفی اللہ عنہ، عن سیاٰتہ و تجاوز عن تقصیراتہ، دو جلد مکتوبات مبارکہ آنجناب فیضیاب جمع نمودہ اند، من ہم نقل مکاتیب دیگر کہ بدیگر ان شرف صدور یافتہ گرفتہ، جمع کنم، و عنوان جلد سوم مکتوبات مقدس آیات موسوم نمایم"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کے مکتوبات کی دو جلدیں اس تیسری جلد سے پہلے مرتب ہو چکی تھیں، اور ان کی زندگی ہی یہ تیسری جلد بھی انکے ایک مرید نے مرتب کر ڈالی، یہ خطوط مرتب نے مکتوب الیہم سے لے کر جمع کیا تھا۔

کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خوب اللہ صاحب کے خطوط اہل علم کے مطالعہ کے لائق ہیں، بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو تصوف سے لگاؤ اور رغبت ہے، باقی جنکو تصوف سے دلی رغبت نہیں ہے وہ ان خطوط کو پڑھ کر زیادہ خوش ہوں گے کیوں کہ ان کا تعلق روح کی اصلاح اور عمل صالح سے ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک خط کی چند سطریں نقل کی جاتی

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ فرزند دینی محب و مخلص یعنی خواجہ محمد عاصم سلمہ اللہ تعالی بمرضیات ایزدی موفق باشند ای فرزند می دانی کہ مرضی رب قدیر عز اسمہ چیست و چگونہ، شاہد را انجا تب راہ نیست، تمیز دانستن آن اینست کہ بدانی کہ امور دی کہ دوران ہا مضائے رسول خدا علیہ الصلوۃ والسلام ارتکاب آن موجب رضائے حق جل جلالہ است"

پھر اس مضمون پر آیات قرآنی اور حدیث نبوی سے استشہاد پیش کرتے چلے گئے ہیں مرتب محمد اسلم صاحب نے اسے کو ۱۱۳۹ھ میں جمع کیا ہے، پرانے قاعدہ کے مطابق ہر خط کے شروع میں مکتوب الیہ کا نام اور بقدر تعارف ہے اور خط کے موضوع کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔

خطوط کے مطالعہ کے بعد اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ شیخ کی نظر کتاب اللہ پر بہت وسیع تھی، اس جلد سید علی اکبر اجملی الہ آبادی کی مختصر تحریر اور ان کے دستخط ہیں جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ غازی پور و بنارس کے دوران دس دنوں میں اس جلد کا میں نے مطالعہ کیا، دستخط کے نیچے تاریخ کی جگہ رجب ۱۲۴۳ھ ہے، اس جلد ۱۸۲ اوراق ہیں، ہر صفحہ میں (۲۷) سطریں ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے "الشیخ الامام العالم الکبیر العلامہ العباسی الہ آبادی کے ساتھ تعارف کرایا ہے، اور لکھا ہے۔

"احد فحول العلماء لم یکن فی عصرہ و مصرہ مثلہ فی سعۃ العلم وکثرۃ الافادۃ" (ص ۴۰۴ جلد ۶)

یہ اپنے دور کے بڑے علما میں تھے اور انکے زمانہ میں ان کے شہر کے اندر کوئی دوسرا عالم اس درجہ کا نہیں تھا جس کا علم وسیع بکثرت ان سے فائدہ حاصل کرتے ہوں، ان کے مکتوبات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

[illegible]

مکاتیب کے علاوہ دوسری تصنیفات بھی ہیں جیسے آخذ الاعتقاد، اغاثۃ القاری فی شرح ثلاثیات البخاری، اخراج الخبا، شرح الوصایا، بسط الکلام فی وفیات الاعلام، ترتیب الاوراق، توضیح النفحۃ الکلام المفید ان کے علاوہ دسیوں کتابیں آپ کی اور ہیں ۱۷ محرم ۱۰۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۴ھ میں انتقال فرمایا ان کے شیخ علامہ محمد افضل الہ آبادی سید پور ضلع غازی پور ۱۰۳۸ھ میں پیدا ہوئے، درسِ فراغت کے بعد تدریس کے فرائض انجام دینے لگے یہ بھی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ۱۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

⑤ مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

امام الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا نام نامی علمی دنیا میں آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہے، اس وقت برصغیر کے علماء کرام کے جس قدر بھی مکتب فکر ہیں، سب کا تعلق حضرت شاہ صاحب سے قائم ہے اور سب کا علمی نسب نامہ حضرت شاہ صاحب سے جاکر ملتا ہے۔

ہندوستان بلکہ پورے برصغیر میں علم حدیث کا چرچا باضابطہ آپ کی ذات سے شروع ہوا ہے، آپ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) بھی اپنے دور میں صف اول کے علماء میں شمار ہوتے تھے، مگر حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شہرت ان سے بھی زیادہ ہوئی، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دور میں کتاب و سنت کی جو عظیم خدمات آپ نے انجام دی ہیں اس کی کوئی مثال نہیں، ہندوستانی علماء کرام میں قرآن پاک کا فارسی ترجمہ سب سے پہلے آپ نے کیا جو زبان اس وقت کی سرکاری اور دفتری زبان تھی، اور عوام و خواص دن رات کا کام اسی زبان میں انجام دیا کرتے۔ پھر آپ نے حجۃ اللہ البالغۃ، ازالۃ الخفا، شرح تراجم ابواب بخاری، امام موطا کی شرح مسوّی و مصفّی اور دوسری بلند پایہ کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کو ملک و بیرون ملک کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور علماء نے ان سے بھرپور استفادہ کیا

آپ کے چار صاحبزادے تھے، آپ کے بعد انھوں نے علوم دینیہ کی خدمت انجام دی، بڑے صاحبزادے عبدالعزیز محدث دہلوی تھے، (م ۱۲۳۹ھ) علم حدیث کی اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے، اور آپ نے بھی بہت ساری کتابیں لکھیں، شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ) اور شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۳۰ھ) ان دونوں صاحبزادوں نے سب سے پہلے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا، ایک نے تحت اللفظ ترجمہ کیا اور دوسرے نے بامحاورہ، ساتھ ہی انھوں نے مختصر اردو تفسیر بھی لکھی، چھوٹے صاحبزادے شاہ عبدالغنی کی کوئی علمی خدمت سامنے نہیں، مگر قدرت نے ان کے صاحبزادے شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی (م ۱۲۴۶ھ) سے بڑی اہم خدمت لی، اور ان کی کافی شہرت ہوئی، حضرت سید احمد بریلوی

شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں جہاد کیا' اور کئی مرتبہ کتابیں لکھیں' اس طرح خاندان ولی اللہی کا بوجھ اپنے سروں پر اٹھا لیا۔

انہی حضرت ولی اللہ محدث دہلوی کے خطوط کا ایک قلمی مجموعہ کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں محفوظ ہے' اس مجموعہ میں ۲۸۲ خطوط حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں' اور ۴۳ خطوط آپ کے پدر بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم کے ہیں' یہ نسخہ کتب خانہ دار العلوم میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری کے کتب خانہ کے ساتھ آیا ہے' المکتوبات کا یہ مجموعہ دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

مولانا محمد عاشق صاحب پھلتی (م ۱۱۸۷ھ) کے فرزند ارجمند مولانا عبد الرحمٰن (م ۱۱۶۸ھ) کی محنت و خدمت کا یہ ثمرہ ہے' جو اس صورت میں یکجا ہمارے ہاتھوں میں پہونچا ہے' اور یہ مجموعہ حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں تیار کیا گیا ہے' مولانا عبد الرحمٰن ابھی اسی کام میں ہمہ تن مصروف تھے کہ ان کا آخری وقت آگیا اور وہ راہی ملک بقا ہوئے' ان کے والد بزرگوار نے اس مجموعہ کو ضائع نہ ہونے دیا بلکہ اس کی حفاظت فرمائی اور حضرت صاحب کے مزید کچھ خطوط شامل کر کے امت پر احسان کیا' اس مجموعہ کی تمہید میں لکھتے ہیں :

" اما بعد فقیر احمد عباد اللہ الخالق محمد عاشق واضح می نماید کہ ولد مرحوم عبد الرحمٰن غفر اللہ وادخلہ الجنان بجمع و تالیف مکتوبات مبارکات حضرت مرشد الانام' قطب العصر فرد الزمان حضرت شیخ ولی اللہ مد اللہ ظلالہ العالی فی الدعالی چوں بمکتوب اثنین و ثمانین بعد المأتین رسید' در سنہ یک ہزار و یک صد و شصت و ہشت داعی اجل لبیک گفت۔ پس ایں فقیر آں جلد بہماں مکتوب شروع نمود حسبی اللہ و نعم الوکیل "۔

یعنی جو خط حضرت شاہ صاحب نے مولانا محمد عاشق صاحب کو ان کے فرزند دلبند عبد الرحمٰن مرحوم کی موت پر لکھا تھا' اس خط کو اس مجموعہ کے ابتداء میں منسلک کر دیا ہے' اور پہلا مکتوب اسی کو قرار دیا ہے' چنانچہ اس کا عنوان یہ ہے۔

" مکتوب اوّل بنام مولانا تعزیت ولد مغفور مرحوم شرف صدور یافت" اس مکتوب کی چند ابتدائی سطریں یہ ہیں۔

" حقائق آگاہ عزیز القدر' سجادہ نشین اسلام شیخ محمد عاشق سلمہ اللہ تعالیٰ' از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام محبت ..... خبر وحشت اثر رسید' ندانم کہ بر آں چہ نویسم زیرا کہ حادثہ واقع شدہ کہ در عالم البشریہ حادثہ شدید تر ازاں نمی باشد' خیر آنکہ آں کہ مسئلہ آنعزیز در دینیات علم الشان است' ہم برائے ایشاں یاد دادہ شود" (مکتوبات شاہ ولی اللہ)

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب کا یہ مجموعہ ان کی زندگی میں ۱۱۶۸ھ میں تدوین پایا' اوّل مرتب کا اثنائے ترتیب ہی کے زمانہ میں انتقال ہو گیا' تو مرحوم کے والد بزرگوار نے اس کو نظر ثانی کر کے مرتب کیا۔

اس مجموعہ میں زیادہ خطوط اصلاحی ہیں اور تصوف اور زہد و اتقاء سے متعلق ہیں' مکتوب الیہم یعنی جن کے نام خطوط

ہیں اور متعدد ہیں زیادہ خطوط مولانا محمد عاشق صاحب کے نام ہیں جو آپ کے عزیز شاگرد تھے اور ان کے علاوہ ان حضرات کے نام ہیں۔

۱۔ محمد ابراہیم مدنی، ۲۔ تاج محمد، ۳۔ عبداللہ، ۴۔ شاہ نوراللہ، ۵۔ خواجہ محمد صالح، ۶۔ محمد فضل اللہ، ۷۔ خواجہ محمد حاجی، ۸۔ حکیم ابوالوفا، ۹۔ نجیب الدولہ، ۱۰۔ مجد الدولہ ان میں سے بھی ہر ایک کے نام کئی کئی خطوط ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی خطوط کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے، جس کو عرصہ ہوا لیکن تصوف سے متعلق میری معلومات کی حد تک شائع نہیں ہوا ہے۔

حضرت شاہ صاحب اپنے دور کے سب سے بڑے عالم دین اور مرجع خلائق تھے، آپ کا کوئی خط علمی معلومات سے خالی نہیں ہے۔

افسوس یہ ہے کہ اس مجموعہ کا بیشتر حصہ کیڑوں نے کھا رکھا ہے یا ایسا کر دیا ہے کہ اس کا پڑھنا اور سمجھنا مشکل ہو گیا ہے، اس مجموعہ میں حضرت شاہ صاحب کے کچھ مختصر رسالے بھی مختلف موضوع پر ہیں، ساری چیزیں کارآمد ہیں لیکن اس پر کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اخیر میں حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خطوط بھی ہیں۔ وہ بھی ایک قیمتی ذخیرہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور سارے خطوط علمی نایاب خزانوں سے معمور ہیں۔

شیخ محمد عاشق پھلتی، جن کے نام بیشتر خطوط ہیں آپ کے ممتاز شاگرد اور پھوپھی زاد بھائی تھے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ [illegible] میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں کے اساتذہ اور علماء سے حدیث کی اجازت حاصل کرنے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رہے، حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچا، نہ علم میں اور نہ معرفت میں، یہ شاہ صاحب کے کامل علم و معرفت کے آئینہ تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مولانا محمد عاشق کے شاگردوں میں ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے، یہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت کا زمانہ تھا، ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) سے حاصل کی اور پھر متوسطات و اعلیٰ تعلیم بھی اپنے والد ہی کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، والد سے ہی بیعت ہوئے اور مدارج سلوک طے کیا، شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے بھی علم حدیث میں استفادہ کیا۔

پھر ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے، اور مسلسل دو سال رہے، اور محمد طاہر مدنی سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور یہاں آکر درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا، تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام تمام میں مہارت حاصل کی۔

اس دور کے تمام علماء کرام نے آپ کی مدح و ستائش کی اور آپ کی علمی روحانی خدمات کے معترف ہوئے۔

۱۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی اور آپ کے صاحبزادوں اور سارے خاندان کی تدفین درگاہ شاہ ولی اللہ (مہندیان) میں ہوئی، تفصیلی حالات نزہۃ الخواطر جلد سادس کا مطالعہ فرمایا جائے۔

ڈاکٹر عبدالرزاق فاروقی
صدر شعبہ
گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ

شوامل الجمل در شمائل الکمل

"شوامل الجمل در شمائل الکمل" بیدر دکن کے ایک مشہور بزرگ حضرت ابوالفیض من اللہ کی تصنیف ہے۔ حضرت ابوالفیض خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) کے پوتے تھے۔

فارسی زبان کا یہ نسخہ ۲۸۰ اوراق پر مشتمل ہے اور ہر ورق پر ۱۲ سطریں ہیں۔ زبان سادہ اور سلیس ہے۔ نسخہ سترہویں صدی کا مکتوبہ ہے۔ اگرچہ نسخہ فارسی زبان میں ہے لیکن کاتب نے عربی خط میں کتابت کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سترہویں صدی میں فارسی عربی خط میں بھی لکھی جاتی تھی۔ مزید یہ کہ یا تو نستعلیق کا رواج بعد میں شروع ہوا یا جو لوگ نستعلیق کو پسند نہیں کرتے تھے وہ عربی خط میں لکھا کرتے تھے۔

یہ کتاب تصوف کی تعلیمات پر مشتمل ہے چونکہ مصنف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے پوتے ہیں اس وجہ سے آپ بھی چشتی سلسلے کے صوفی ہیں۔

اس نسخے کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ بہمنی سلطنت کی بنیاد ۳، اگست ۱۳۴۷ء میں پڑی۔ ۱۴۲۲ء میں فیروز شاہ کے انتقال تک اس کا دارالسلطنت گلبرگہ رہا۔ جب احمد شاہ بہمنی سلطنت کا حکمراں بنا تو دارالسلطنت گلبرگہ سے بیدر منتقل ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور ان کے ہزاروں مریدین جو گلبرگہ کی خانقاہ سے متعلق تھے، پریشانی میں پڑ گئے۔ گیسو دراز کے پوتوں، حضرت یداللہ حسینی اور ابوالفیض من اللہ حسینی کے درمیان بھی اختلاف رائے ہو گیا کہ آیا انہیں گلبرگہ کی خانقاہ ہی میں رہنا چاہیے یا حکومت کی مدد کی حصول کے لیے بیدر منتقل ہو جانا چاہیے۔

اس کتاب میں بادشاہ کی حمایت کے سلسلے میں ایک مسلمان کے کیا فرائض اور اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں اس پر گہرائی سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف کتاب کا خیال ہے کہ اسلامی اصولوں کا تعلق محض خانقاہ سے علیحدگی یا اس میں شمولیت ہی سے متعلق نہیں ہے۔ بہمنی سلطنت کی تاریخ میں احمد شاہ بہمنی کا دور حکومت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ احمد شاہ نے نہ صرف اپنے بھائی فیروز شاہ کو تخت سے اتارا بلکہ اس نے گوا اور وجے نگر کے خلاف اعلان جنگ بھی کیا تھا۔ بہمنی فوجیں دارالسلطنت سے باہر تھیں اور ایران اور عراق سے آنے والے غیر ملکی باشندوں نے 'ملکی' اور 'آفاقی' کا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔ اس مشکل وقت میں آپ کی تعلیمات نے یقیناً احمد شاہ کی پالیسیوں کی حمایت میں گرانقدر رول ادا کیا ہوگا۔

تصوف کے نقطۂ نظر سے روزمرہ کی زندگی سے متعلق ابوالفیض جیسے بڑے صوفی کے نظریات کیا تھے۔ اس مخطوطے سے اس دلچسپ پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے تصوف کو ایک طریقۂ زندگی کی حیثیت سے اپنانے کا تصور دے کر ایک نیا رخ اور ایک نیا نقطۂ نظر پیش کیا تھا۔ تصوف کا مطلب یہ نہیں کہ ان سماجی اور سیاسی ذمہ داریوں سے جو ایک مسلمان پر عائد ہیں خواہ وہ کسی خانقاہ سے منسلک ہو یا نہیں، علیحدگی اختیار کر لی جائے۔

مخطوطہ دس ابواب پر مشتمل ہے مگر کسی باب کا کوئی مخصوص عنوان نہیں دیا گیا ہے۔ صرف باب اول، باب دوم، باب سوم وغیرہ لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس طرح جن موضوعات پر بحث کی گئی ہے ان کیلئے بھی موضوع، نام یا عنوان نہیں دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوالفیض نے اپنے وعظ اور تبلیغ کے دوران جن باتوں کو لکھوالیا تھا یہ انہیں کا ایک مجموعہ ہے۔ مخطوطہ کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جہاں اس عہد کے سیاسی واقعات پر بحث کی گئی ہے۔ آپ نے احمد شاہ، اس کے درباریوں اور فوجیوں کو کافی اہمیت دی ہے۔ اس طرح یہ مخطوطہ چشتی سلسلے کے ایک صوفی جن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے ملتا ہے، کی سیاست پر اور تصوف سے متعلق معلومات کی ایک دستاویز ہے۔

میرے خیال میں اگر اس مخطوطے سے ان بحثوں کو جو اس عہد کی سیاست اور تاریخی واقعات سے متعلق ہیں، الگ کر لیا جائے تو یہ مخطوطہ عہد وسطیٰ کے کرناٹک کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ بن جائے گا۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)
(ترجمہ: ڈاکٹر سلیم الدین احمد)

ڈاکٹر پروین رخسانہ
گلبرگہ یونیورسٹی

ارشاد الطالبین

(سید محمد حسینی گیسو دراز)

میں جس مخطوطہ کو اہلِ نظر اصحاب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں وہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ سے منسوب ہے مشائخ چشت میں حضرت موصوف کی شخصیت کافی جانی پہچانی ہے۔ آپ کو دکنی کے اولین ادیبوں میں بھی شامل کیا جاتا ہے۔ ان کے اکثر تذکرہ نگار یہ بتلاتے ہیں کہ آپ کی عمر شریف ۱۰۵ سال کی تھی اور اتنی ہی کتابیں اور رسائل بھی آپ سے منسوب کیے جاتے ہیں مثلاً رسالہ شکار نامہ، رسالہ "دل آرام" وغیرہ وغیرہ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپکے ارشادات کو آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت اکبر حسینی اور دیگر ارادت مند ترتیب دے لیتے تھے۔ ایسے ہی مرتب کردہ رسالوں میں سے ایک "ارشاد الطالبین" بھی ہے۔

"ارشاد الطالبین" نہایت مختصر رسالہ یا مقالہ ہے۔ یہ صرف ۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ روضہ شیخ علاالدین جنیدی الگو شریف کے سجادہ نشین صاحب کے ذاتی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے

(۱) میرے نزدیک اس کی یہ اہمیت ہے کہ یہ غیر مطبوعہ ہے۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ نہایت اچھی حالت میں ہے۔ ہر چند اس کے دو صفحات کے کنارے تباہ ہو گئے ہیں۔ (۳) تیسری اہمیت یہ ہے کہ مختصر انداز میں حضرت خواجہ گیسو درازؒ کی تعلیمات اس رسالہ میں مل جاتی ہیں۔

حکایات اور تمثیلات کے ذریعہ بیان کو طول نہیں دیا ہے۔ اس کے بجائے ہر بیان کی بنیاد یا تو قرآن شریف کی متعلقہ آیت پر ہے یا اس بیان سے متعلق حدیث شریف کو تائید میں پیش کیا ہے۔

اس مخطوطہ میں حسب ذیل Topics یا موضوعات پر خواجہ گیسو درازؒ کے ارشادات عالیہ ہمیں ملتے ہیں۔

(۱) عرفان (۲) ایمان (۳) اسلام

ان تین باتوں کی تشریح نہایت مختصر مگر جامع انداز میں ہے اس کے بعد (۱) مقام ناسوت (۲) مقام ملکوت (۳) مقام جبروت ان امور کی تشریح کے بعد (۱) ذکر سری (۲) ذکر خفی سے متعلق طالب کو ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔

(۱) اصل مخطوطہ نواب صاحب کلیانی ضلع بیدر کے ذخیرہ کتب میں ہے۔

(۲) میں نے جس نسخہ سے استفادہ کیا ہے وہ کلیانی والے نسخہ کی نقل ہے۔

(۳) کلیانی والے نسخہ پر ۱۲ شعبان ۱۲۵۸ھ کے ساتھ ساتھ کتب خانہ اسٹیٹ کلیان محفوظ است لکھا ہے۔

ارشاد الطالبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ب العالمین علیٰ کل حال وکل حین

ہ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ

اجمعین ہ

ما بعد بدانکہ این رسالہ ایست ارشاد الطالبین در خانوادہ چشت

زحضرت بندگی مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز چشتی

قدس اللہ سرہٗ العزیز برائے طالب صادق فرمودند کہ اول سہ مرتبہ بدا

یکے عرفان دوم ایمان سوم اسلام۔ عرفان آنکہ اول یقین بر خدای تعا

چناں بیارد کہ ہست دانا و توانا و قادر و مالک بر ہمہ عالم از قدرت خود

ہیچ باب عاجزی در خداوندی او نیست و او را بر قدرت وصفت و حکم

شناسد این عرفان شد بعدہٗ بر وایمان آوردن لازم است وایمان چگو

بیارد چنانچہ در قرآن مجید فرمودہ است اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی

مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ برحکم آنچنانکہ آنخداوند تعالیٰ ہرچہ خواہد کند
واگر نخواہد قہر کند واگر خواہد لطف کند قال النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الایمانُ
بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ دریں باب حضرت شاہ میرانجی شمس
قدس اللہ سرہٗ دہرہ فرمودہ اند دُہرہ
انبیدکرے سو ہووے صحیح یہی بوجھ ایمان کرنار ہنا بھوگ
در دانستن شک نباشد بعد ازاں تسلیم باید کرد کہ معنی ا
فرمودہ است سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہ عبارتست برحکم لَا
محمد رَسُوْلُ اللّٰہِ تسلیم چناں باشد کہ ہرچہ خدای تعالیٰ بریہ
است بطاعت وعبادت ومعرفت ہمہ را بجا آرد بر شرع محمدی صلی
علیہ وسلم مستقیم باشد قولہ تعالیٰ مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
اَطَاعَ اللّٰہَ یعنی ہر کہ طاعت رسول کرد او طاعت خدا کرد یعنی برحکم خدا و رسو
تسلیم باشد تا اسلام حاصل شود بداں اے طالب اگر ایں قدر معرفت
در دل حاصل آید دل او در راہ باطن روشن شود گر ایمان با عرفان و اسلام
در دل طالب قرار گیرد بعد ازاں بر ذکر مشغول گردد تا او را حالت نماید انشاء اللہ
تعالیٰ بعد ازاں ذکر شروع کند بر طالبان صادق ذکر اول بر اعضائے ظاہر
اسم اللہ ثابت کند برحکم وَاذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا

در هر دمی و در هر رگے بدیدن وشنیدن بحرکت وسکنت در هر حال مقام
اللہ موجود نماید و در ظاهر زبان وگوش وچشم و دست وقدم خواه ساکن
باشد تا در یں حال صفات مقام ناسوت حاصل
گویند که حدیث نبی صلی اللہ علیه وسلم ذکر اللسان
رجلی است بعد ازاں ذکر قلبی چنانچه در دل شروع کند
صلی اللہ علیه واله وسلم ذکر القلب وسوستہ
ن جز یاد اللہ هیچ چیز نماید وبجز او کسے را نداند اللہ اللہ
پنهان قرار دارد که مستغرق شود ومست گردد تا همه غیر را فراموش
ینجا مقام ملکوت حاصل شود انشاء اللہ تعالی بعد ازاں ذکر روحی شروع
بر حکم حدیث نبی صلی اللہ علیه واله وسلم ذِکرُ الروح مشاهدة آں
ر روحی تعلق بروح است که نور خدا تعالی مشاهده کند بریں طریق که
اول در باطن نظر باطن بر مشاهدهٔ پیر عین بعین صورت ظاهر مرشد را
ببیند تا ازاں تصور صورت ظاهر در نظر باطن کشاده شود ونور را مشاهده کند
ازاں نور خدای تعالی را ببیند بصورت باطن کسی را که توفیق بخشد دریں
مقام جبروت حاصل شود قوله تعالی یَهدی اللهُ لِنورِهٖ مَن یَشاءُ
بعد ازاں ذکر سری شروع کند بر حکم حدیث نبی صلی اللہ علیه وآله وسلم
اِنَّ ذِکرَ سِرّی مُعاینة یعنی سری محل محبت است تا دریں مشاهده

نور در دل بندہ گردد و در جان بندہ لقای حضرت رب العالمین
زیادہ شود و بروے اشتیاق و عشق روی نماید اینچنانکہ از خودی خود بخود
شود و طاقت نیارد تا مطلق محبت محبوب را بیند در بہ حالت
حاصل شود و حال بسیار و اسرار بے شمار پیدا آید
لقای جمال عنایت شود و صاحب ولایت گردد انشا
ازاں ذکر خفی باید و وصل ذات بدست آید بر حکم حدیث
آلہ وسلم الذِّكْرُ الْخَفِيُّ مُغَايِبَةٌ یعنی خود را در فنا
کند و ایں از ارادت خدای تعالیٰ است کہ محبت و عشق او
جذبہ کند وے را باید کہ در خود مخفی کند تا وصال ذات را بیابد تا اند
توحید حقیقت و مقام قرب حاصل شود کہ در توحید حقیقت
لَا رَبَّ وَلَا عَبْدَ است در اینجا از خودی خود چناں فدا شود کہ
نداند من و ما تو و از ذوق او پر شود در ہر طرف روی او نماید قولہ تعالیٰ
فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ خیر حال او شود در اینجا کمال حالت
ظہور ذات و صفات معاینہ کند و تسلی شود انشاء اللہ تعالیٰ۔
در بیان مقام سیر و طیر بدانکہ طالب باید کہ بوجود روحانی سیر بکعبہ و طیر
بر عرش برابر پیر خود نماید تا شیطان راہ نزند اینجا اشارتست کہ

هرکہ عارف باشد فہم کند و ہر عبادت کہ کند بوجود نورانی کند نیت بوجود خاکی
ندارد و ایں سیر طریقت است چوں طالب را سیر و طیر حاصل شود یعنی
... ت پدید آید پنہاں نماند و سیر حقیقت آنکہ لقای پیر خود
ر ذاتِ خدای تعالیٰ موجود بعین ذاتِ مطلق را
بداند و طالب صادق را دل آئینہ شود تا در پیر خود
باید و در خود تصور کند بر شاہد خود و عارف تسلیم شود
باید اوست چوں بر اعضا شاہد روح است و دریں
ہمہ و بے ہمہ ذاتِ خدا حاصل شود منتہی و کامل گردد درمیان
... اللہ جمع شود مقام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حاصل آید و محبوب
گردد انشاء اللہ تعالیٰ

تمت

منقول از رسالہ ارشاد الطالبین کہ در
کتب خانہ اسٹیٹ کلیانی
محفوظ است

المرقوم
۱۲ شعبان ۱۳۵۸ھ

ڈاکٹر سید وحید اشرف
مدراس یونیورسٹی مدراس۔

جنوبی ہند کے دو اہم مخطوطاتِ تصوف

(۱) ملفوظات محمد مخدوم ساوی

جس وقت شمالی ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے شریعت و طریقت کی بزم آراستہ کی انھیں دنوں جنوبی ہند میں محمد مخدوم ساوی (م ۱۱۶۶ھ) نے یہاں کی فضا کو علم و عرفان اور نور ہدایت سے منور کر رکھا تھا۔ محمد مخدوم جنوب میں عبدالحق ساوی اور دستگیر کے القاب سے معروف ہیں۔ آپ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو تک بتائی جاتی ہے۔ کتب خانہ دیوان صاحب باغ مدراس میں ان کی بیس کتابوں اور رسائل کے نسخے ملتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں سے ایک بھی اب تک شائع نہ ہو سکی۔ اس مختصر مضمون میں راقم الحروف نے آپ کے ملفوظات کا تعارف کرایا ہے لیکن ملفوظات پر کچھ کہنے سے پہلے کے حالات کے بارے میں ضروری اطلاعات خارج از بحث نہ ہوں گی۔ محمد مخدوم ساوی کی پیدائش گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں بیجاپور میں ہوئی۔ صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔ تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے یعنی ۱۱۶۳ھ، ۱۱۶۵ھ اور ۱۱۶۶ھ۔ اگر تاریخ وفات کم سے کم یعنی ۱۱۶۳ھ بھی مان لی جائے تب بھی یہ ممکن ہے کہ آپ کی پیدائش بارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہوئی ہو۔ مدت حیات بھی نامعلوم ہے۔

سلسلۂ نسب کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں دو مختلف روایات ملتی ہیں۔ مخدوم ساوی کے بیٹے محمود ساوی نے اپنا سلسلۂ نسب بیجاپور کے عادل شاہی خاندان سے ملایا ہے انھوں نے اپنا سلسلۂ نسب یوں تحریر کیا ہے:

"اما بعد میگوید فقیر الی اللہ شاہ محمود ساوی ابن محمد مخدوم ساوی القادری و ہو من اولاد یوسف عادل شاہ ساوی بیجاپوری ابن سلطان مراد و ہو من اولاد سلطان عثمان الترکان جد السلاطین الروم"

آخری جملہ جد السلاطین الروم کی ترکیب بھی محل نظر ہے۔ ممکن ہے اس میں کاتب کا کچھ تصرف ہو۔ یہ تحریر جس رسالہ میں ہے اس کا نام ہے دعا انبیا فی حصول جمیع الدعا اور اس کا سنِ تالیف ۱۱۹۹ھ ہے اس کا قلمی نسخہ دیوان صاحب باغ مدراس میں ہے۔

لیکن مخدوم ساوی کے عزیز ترین خلیفہ سید ابوالحسن قربی (م ۱۱۸۶ھ) نے ملفوظات شیخ مخدوم ساوی

تمہید میں ان کے آباؤ اجداد کا تعلق سادہ سے بتایا ہے جو کبھی وہاں سے منتقل ہو کر بیجاپور میں متوطن ہو گیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

• بدانکہ حضرت شیخ ما در اصل از شہر سادہ اند و اجداد ایشان از آن جا برآمدہ بہ بیجاپور مسکن اختیار نمودند۔ ایشان درآنجا متولد شدہ، چون جوان شدند طلب الٰہی دامن گیر شدہ در شہر بسونت (نزد نظام آباد) بخدمت تاج المحققین زبدۃ المدققین شیخ تاج الدین قدس سرہ آمدہ مدتی در خدمت ایشان بود، بکمال عرفان فائز گردیدہ، بعد وفات ایشان بخواہش سیادت پناہ و نجابت دستگاہ شاہ میر قدس سرہ متوجہ کرناٹک شدند و در دارالسرور میلاپور کہ بر ساحل دریا چشمہ سور است سکونت فرمودند۔ واکثر طالبان از جمیع اقالیم آمدہ بحضور پر نور مشرف شدہ تو بہ از الحادی از جاہای دیگر حاصل داشتہ بہرہ ای از عرفان الٰہی موافق نصیب ازلی یافتند۔ (تمہید ملفوظات)

سید ابوالحسن قربی ۱۱۴۷ھ میں مخدوم ساوی کی ارادت میں داخل ہوئے۔ (تمہید ملفوظات) اور اس کے بعد اکثر اوقات مرشد کی خدمت میں رہتے تھے۔ ملفوظات سے شیخ ساوی کے بعض ذاتی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا۔ مخدوم ساوی کے بیٹے محمود ساوی کے بیان پر اعتماد کیا جائے جو اپنا سلسلۂ نسب عادل شاہی خاندان سے بتاتے ہیں یا ان کے عزیز ترین خلیفہ قربی کا بیان جو ان کے آباؤ اجداد کا تعلق مقام سادہ سے بتاتے ہیں جو ایران میں ہے۔ ہمارے نزدیک قربی کا بیان لائق اعتبار ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیٹے نے دانستہ طور غلط بیانی سے کام لیا ہے بلکہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ بیٹے کو صحیح اطلاع نہ مل سکی۔ اس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے ہمارے قرائن حسب ذیل ہیں۔

عبدالحق ساوی نے تین شادیاں کی تھیں۔ ان کے بیٹے شاہ محمود نے والد کے انتقال کے ۳۲ سال بعد ۱۱۹۹ میں اپنا رسالہ لکھا یعنی جب وہ باشعور ہو چکے تھے۔ کسی نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ شاہ محمود کس بیوی کی اولاد سے تھے۔ قرینہ یہ بتاتا ہے کہ وہ آخری بیوی کی اولاد سے ہوں گے اور غالباً زمانۂ بلوغ میں انھوں نے والد کا زمانہ نہ پایا ہو۔ ان کی معلومات بربنائے شہرت ہوگی یعنی بطور افواہ جیسا کہ اب تک مشہور ہے۔ اس ملفوظ کی اطلاع اس کی اشاعت سے پہلے کسی کو نہ تھی۔ یہ راقم کی دریافت ہے۔ قربی نے جو کچھ لکھا ہے وہ خود اپنے مرشد سے سن کر لکھا ہے۔ قربی خود ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ محض کسی افواہ پر اعتماد کر لینا ان جیسے بزرگ کے لیے زیب نہیں دیتا۔ (قربی کے حالات کے مشہور شاگرد باقر آگاہ نے اپنی کتاب "مناقب تحفۃ الحسن" میں بیان کیے ہیں۔)

دوسرے یہ کہ اگرچہ محمود ساوی کا بیان ہے کہ ان کے والد کی پیدائش شاہی گھرانے میں ہوئی لیکن مخدوم ساوی کی ابتدائی زندگی جس افلاس اور تنگدستی میں گزری ہے اس سے یہ یقین نہیں ہوتا کہ وہ کسی امیر گھرانے میں ہوئے کہ عادل شاہی حکومت کا خاتمہ ۱۰۹۷ھ میں ہوا۔ اسی کے آس پاس مخدوم ساوی کی تاریخ پیدائش ہو سکتی

عادل شاہی حکومت کے انقراض کے فوراً بعد یہ تنگدستی نہیں آسکتی تھی۔ مخدوم ساوی کی ابتدائی زندگی میں معاشی دشواریاں اور افلاس کا حال خود ان کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے (لفظ ۱۲)

تیسرے یہ کہ نام کے ساتھ ساوی کی نسبت بھی بلاوجہ نہیں ہے۔ البتہ یہاں ایک بات کھٹکتی ہے کہ ساوہ کے رہنے والے ساوجی کہلاتے ہیں جیسے سلمان ساوجی لیکن محمد مخدوم کو ساوی کہنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چوں کہ ان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی اور یہاں کے لوگوں کو ساوجی کا علم نہ رہا ہوگا اس لیے ساوہ کی نسبت سے وہ ساوی مشہور ہوگئے۔ پھر ساوجی کے مقابلہ میں ساوی زیادہ سہل الادا ہے۔ اسی عدم واقفیت کے سبب ساوی کے بجائے کہیں کہیں یہ لفظ محمد مخدوم کے نام کے ساتھ ساوائی بھی ملتا ہے۔

حضرت قربی کے بیان سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں عربی کی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے شیخ ساوی نے اپنے مرشد تاج الدین سے سلوک کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اسکے بعد حضرت شاہ میر سے عربی کی تحصیل مکمل کی۔ اس طالب علمی کے زمانہ میں استاذ خود طالب علم کا جس قدر لحاظ کرتے تھے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت مخدوم ساوی سلوک کے بہت سے مدارج طے کر چکے تھے البتہ سلوک کی تعلیم اور عربی کی تعلیم دونوں جاری تھیں اور مرشد کے انتقال کے بعد بھی عربی تعلیم کچھ دنوں تک جاری رکھی۔ ملفوظ میں ہے۔

"می فرمودند کہ در خدمت شیخ قدس سرہ بتوکل می گزرانیدم و حالت شیخ نیز بفقر و فاقہ بنہایت رسیدہ بود من نیز بہمان حالت در خانہ ایشان می بودم و پیش شاہ میر علیہ الرحمہ برای خواندن علم عربی می رفتم، شش ماہ بود کہ در خانہ فاقہ سہ و چہار روزی گذشت و کسی را اطلاع براین حالت نبود، شاہ میر را بساند نیوی بسیار بود و با من محبت کامل و مودت مفرد می داشت چنانکہ ساعتی بے دیدن من آرامی نداشت و من ہمیشہ برای تعلیم علوم پیش او آمد و رفت می داشتم و در آن ایام در بدن من بسبب فقر لباس نبود جز دامن نیمہ کہنہ نخود کہ کفنی آں ساختہ بودم و در پا کفش ہم نبود، وقتیکہ نزد ایشان میرسیدم پا را شستہ بر بساط می آمدم" (لفظ ۱۲)

بعد میں شاہ میر ہی کے اصرار پر مخدوم ساوی آرکاٹ آگئے اور شاہ میر خود اپنے شاگرد کے حلقۂ ارادت میں آگئے۔

مخدوم ساوی نے مدراس میلاپور محلہ میں اپنا مستقر بنایا لیکن سیر و سیاحت میں بھی کافی وقت گذارا۔ سفر کی مدت اور تاریخ کا ذکر نہیں ہے۔ بعض کتابیں ملا یا میں لکھیں، شمال میں دلی اور لاہور کے سفر کا پتہ ملفوظ سے چلتا ہے۔ سفر کا اصل مقصد بزرگوں سے ملاقات کرنا اور ان سے استفادہ کرنا تھا۔ لاہور میں ایک بزرگ محمد سعید سے ملاقات کا موقع ملا۔ مخدوم ساوی نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ ملفوظ میں ہے۔

"درشہر لاہور قدوۃ المحققین محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ بیان جامع در توحید فرمودند کہ عقل مبہوت میشد و روح از التذاذ تمام مسرور و محظوظ گشت، بعد اتمام فرمودند کہ شما بوطن خود بروید و بجای خود ساکن شوید" (الفاظ ۶۲) لیکن شاہ ولی اللہ یا مظہر جانجاناں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

مدراس میں مخدوم ساوی کا زمانہ نواب محمد علی والاجاہ کا زمانہ ہے، نواب والاجاہ آپ کے نہایت معتقد تھے۔ آپ کی وفات کے بعد مزار پر انھوں نے ایک گنبد تعمیر کرایا۔

مخدوم ساوی کی ساری تصانیف تصوف پر ہیں ۔ ان کی تصانیف جو موجود ہیں اور مدراس میں کتب خانہ دیوان صاحب باغ میں محفوظ ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ رسالہ میزان المعانی، ۲۔ رسالہ غایت التمثیل، ۳۔ رسالہ بیان واقعی، ۴۔ دلیل محکم، ۵۔ رسالہ طریقۃ القویم فی طلب صراط المستقیم، ۶۔ رسالہ اصطلاحات صوفیہ، ۷۔ رسالہ جوامع الاسرار، ۸۔ رسالہ صحبت، ۹۔ کشف الایمان، ۱۰۔ رسالہ فیض، ۱۱۔ رسالہ ولایت، ۱۲۔ رسالہ مفاتیح الغیب، ۱۳۔ رسالہ حیات السالکین، ۱۴۔ رسالہ مفتاح التفاسیر، ۱۵۔ رسالہ زاد الطالبین، ۱۶۔ رسالہ حیات جاں، ۱۷۔ رسالہ غنیمت الوقت، ۱۸۔ رسالہ قبض و بسط، ۱۹۔ رسالہ در تنزلات ۲۰۔ رسالہ سلوک و تصوف۔

اگر چہ ان کتابوں میں تصوف کے وہی مسائل ملتے ہیں جنھیں عام طور پر صوفیہ بیان کرتے ہیں اور ان کتابوں کو دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان پر سید اشرف جہانگیر کے ملفوظات لطائف اشرفی کا گہرا اثر ہے۔ انھوں نے کئی جگہ لطائف اشرفی کا ذکر بھی کیا ہے۔ خصوصاً وحدۃ الوجود پر ان کی کتاب دلائل محکم لطائف اشرفی ہی سے مستفاد ہے لیکن بعض پیچیدہ مسائل کی تشریح میں مخدوم ساوی نے کچھ مختلف طریق استدلال اختیار کیا ہے جس سے ان کی ذہانت اور ژرف بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان مسائل میں خاص وحدۃ الوجود، تجدد امثال و حرکت جوہری اور مسئلہ کُلُّ شیءٍ فی کُلِّ شیءٍ ہے۔

وحدۃ الوجود پر لکھنے کا سبب یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اس مسئلہ کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا تھے۔ صوفیہ نے ابتک جو اس مسئلہ کی توجیہات کی ہیں وہ لوگوں کی عقلوں میں آتے نہ تھے اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق ان سے مفہوم نکال لیتا تھا۔ ملفوظات ہی سے ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی روح کو خدا کہتا تھا اور کوئی خالق و مخلوق میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا۔ مخدوم ساوی نے ایسا طریق استدلال اختیار کیا ہے جس سے عام لوگوں کو گمراہی سے بچایا جاسکے۔ مخدوم ساوی کا یہ کارنامہ سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ان کی کتابیں تو نہ چھپ سکیں لیکن ان

خلفاء نے ان کی تعلیمات کو عام کیا۔ ان خلفاء میں حضرت قربیؒ کا نام سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ حضرت قربیؒ نے ان کی شرح میں خود متعدد مختصر رسالے لکھے اور اپنے مرشد کے اقوال کو مزید تشریح کر کے لکھا۔ یہ رسالے دائرۃ حضرت مکان ویلور سے شائع ہوئے ہیں۔

مخدوم ساویؒ نے تصوف کے جن مسائل کو اپنی مختلف کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے وہ مسائل اجمال کے ساتھ ملفوظات میں بھی آ گئے ہیں اور چونکہ جامع ملفوظات ابوالحسن قربیؒ خود ایک نہایت ذہین اور رسیدہ بزرگ تھے اس لیے ملفوظات میں مسائل کی زیادہ تشریح و توضیح کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے ان مسائل کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے مخدوم ساویؒ کی دوسری کتابوں کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے اس کے ساتھ ان کے شارح ابوالحسن قربیؒ کے رسائل بھی ملفوظات کی تفہیم میں معاون ہوں گے۔

وحدت الوجود، تجدد امثال و حرکتِ جوہری اور "کلُّ شیءٍ فی کلِّ شیءٍ"

ان تینوں مباحث کا تعلق وجود سے ہے یعنی آج سائنس کے موضوعات کا محور ہے اس پر صوفیہ بہت پہلے کشفی اور نظری طور پر بحث کر چکے ہیں۔ ہر عملی تجربہ سے پہلے کوئی نظریہ ذہن میں آتا ہے اور سائنس اپنے تجربے اس کی تصدیق یا تردید کرتی ہے۔ سائنسی انکشافات 'ایٹم' انرجی وغیرہ کا وجود کائنات کی وحدت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اسی طرح "کلُّ شیءٍ فی کلِّ شیءٍ" کا مطلب مخدوم ساویؒ نے یہ بتایا ہے کہ ایک وجود میں جو مراتب پائے جاتے ہیں وہ مراتب کائنات کی ہر شے میں پائے جاتے ہیں۔ درخت میں بھی قوت سماعت ہے اور پتھر میں بھی وہ مراتب ہیں جو انسان میں ہیں۔ سائنس ابھی صرف اتنا تصدیق کر سکی ہے کہ درختوں میں بھی جان ہے۔ گویا صوفیہ کے انکشافات سے ابھی سائنس بہت پیچھے ہے اور صوفیہ کے انکشافات سائنس کے لیے نظری استدلال فراہم کرتے ہیں۔

یہاں اس پر پوری بحث کا موقع نہیں ہے۔

تجدد امثال اور حرکت جوہری بھی بہت قدیم مسئلہ ہے جس پر حکماء متکلمین اور صوفیہ نے بھی بحثیں کی ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شے ایک آن بھی اپنی ایک حالت پر نہیں ہے اس میں ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اس نظریہ کے وجود کا سبب یہ ہے کہ ثبات صرف خدا کو ہے اور وہ غیر متغیر ہے اور ہر حادث ہر آن متغیر ہے۔ اس اصول کو تسلیم کرنے میں بہت سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن کے جواب متکلمین اور صوفیہ نے دیئے ہیں۔ مخدوم ساویؒ نے بھی اس مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد اس پر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ حرکت جوہری لازمی نتیجہ ہے تجدد امثال کا۔ یہ حرکت دو طرح کی ہوتی ہے اور اسی حرکت پر زندگی کا مدار ہے۔ صوفیہ کے اہم مسائل

ہیں یہ مسئلہ بھی ہے اب سائنس دانوں کو دعوت فکر دیتا ہے۔

اسی طرح صوفیہ بہت پہلے کہہ چکے ہیں کہ مادہ کو فنا نہیں۔ عدم کا لفظ مجازی ہے کوئی شے اس طرح معدوم نہیں ہوتی کہ اس کا وجود بالکلیہ ختم ہو جائے بلکہ صرف اپنی شکل بدل دیتی ہے۔ سائنس بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔

غرضیکہ وجود کے بارے میں صوفیہ کے نظریات جتنے پہلے اہم تھے، سائنسی دور میں ان کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی ہے۔ ملفوظ میں تصوف کے ان اہم مسائل کے علاوہ کچھ ایسے بیانات بھی پائے جاتے ہیں جن کی افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خود مخدوم ساوی کے حالات کے بارے میں اس میں کچھ اطلاعات ملتی ہیں جو اس ضمن میں مستند ترین ہیں۔ بعض دوسرے بزرگوں کے بارے میں بھی کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اب ہوگی دکا غرسب کے اخلاق بگڑ چکے ہیں اور سچ بات لوگ سننا بھی نہیں چاہتے۔ اب اگر کوئی طاقت سے ان کو درست کر سکا تو نہا ورنہ حالات اور ابتر ہو جائیں گے اور آخر کار یہی ہوا یعنی سلطان ٹیپو جیسے لوگ کامیاب نہ ہو سکے اور انگریزوں کا تسلط بڑھتا گیا۔

کتاب کی زبان اور انداز بیان ادبی نقطہ نظر سے قابل توجہ نہیں ہے لیکن موضوعات کی اہمیت میں زبان و بیان حارج نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ کتاب شائع کی جائے تو بغیر شرح و وضاحت کے اس کی اشاعت زیادہ مفید نہ ہو سکے گی۔ نسخہ ملفوظ میں کل ۷۰ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ میں سترہ سطریں ہیں۔ مسودہ بڑی تقطیع پر ہے۔ ہر قول کو لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کل ۹۴ لفظ ہیں۔ اس کا واحد نسخہ کتب خانہ دیوان صاحب باغ مدراس میں محفوظ ہے مسودہ کے آخر میں یہ ترقیمہ ہے

تمت بالخیر ملفوظ شریف حضرت جد امجد حضرت مخدوم شاہ ساوی القادری قدس اللہ سرہ العزیز تالیف شاہ ابوالحسن قربی بتاریخ ہفدہم جمادی الثانی ۱۲۳۹ھ سید بہاء الدین۔

۲ جواہر السلوک

جواہر السلوک ویلور کے مشہور بزرگ سید محی الدین نقوی الملقب بہ قطب ویلور کی تالیف ہے۔ قطب ویلور کے جد امجد سید ابوالحسن قربی ۱۱۳۲ھ میں اپنے والد کے ہمراہ بیجاپور سے ویلور آئے۔ یہاں انھوں نے فخر الدین مہکری اور اس کے بعد مخدوم ساوی سے سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں اردو و فارسی شاعری اور سلوک کی تعلیم میں قربی کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔ ان کے بیٹے سید عبد اللطیف ذوقی بھی ایک بلند پایہ صوفی اور شاعر تھے۔ قربی نے ۱۱۸۶ھ میں اور ان کے بیٹے ذوقی نے ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی۔ ذوقی کے بیٹے قطب ویلور تھے جن کی تالیف جواہر السلوک کا تعارف پیش نظر ہے۔

جواہر السلوک فولس کیپ سائز کے ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں چالیس ابواب ہیں ہر باب کو فائدہ کے نام سے موسوم کیا ہے ہر فائدے کے تحت مزید فصلیں ہیں کتاب کا ایک چوتھائی حصہ یعنی دس فوائد چھپ چکے ہیں۔ راقم کی نظر سے یہی دس مطبوعہ فوائد گذرے ہیں۔ ان فوائد کو دیکھنے سے نیز کتاب کی ابتدا میں ابواب کی تفصیل پر ایک نظر ڈالنے سے پوری کتاب کے طرز کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

یہ کتاب امیر الدولہ بہادر کی فرمائش پر لکھی گئی جیسا کہ مصنف نے خود اس کی تصریح کر دی ہے۔ مصنف کا بیان ہے کہ قارئین اس میں میرا کوئی کارنامہ نہ سمجھیں اور مجھے سفرہ چین سے زیادہ مرتبہ نہ دیں اور نکتہ چینی بھی نہ کریں کیونکہ یہ نکتہ چینی اور عیب جوئی اکابر پر ہوگی نہ کہ مجھ پر یہ صحیح ہے کہ مولف نے تصوف کی بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور انھیں کے مطالب کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے لیکن ان مطالب کی تفہیم و ترتیب میں مولف نے جس شعور اور ژرف بینی کا ثبوت دیا ہے وہ آسان کام نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا صوفی ہی کر سکتا ہے جو راہ طریقت کا سالک ہو مسائل کے تحلیل و تجزیہ کی پوری صلاحیت رکھتا ہو اور اپنے مخاطب یعنی جن لوگوں کے لیے اور جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی ہے ان کی فہم کے مطابق طرز تفہیم اختیار کر سکتا ہو۔ اپنی خاکساری کے باوجود مولف کو ان دشواریوں اور ان مقتضیات کا پورا احساس تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"ایں جواہر یست چند در سلوک معنوی کہ در سلک حروف و کلمات منسلک گردید و فوائد یست بلند در سیر و سفر انسانی کہ از مکمن غیب بجلوہ گاہ شہادت رسید، مقاصد ایں فوائد تا دست دارد مطلوی اسناد مطوی است و رعایت افہام عوام در وی مرعی"

ترجمہ: "سلوک معنوی میں یہ چند جواہر ہیں جو حروف و کلمات کی لڑی میں پرو دیے گئے اور یہ سیر و سفر انسانی میں بلند فوائد ہیں جو نہاں خانہ غیب سے جلوہ گاہ شہادت میں لائے گئے ہیں' ان فوائد کے مقاصد حتی المقدور اسناد پر مبنی ہیں۔ اس میں عوام کے فہم کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔"

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے اہم کتب تصوف مندرجہ ذیل ہیں۔

فصوص الحکم و فتوحات مکیہ (ابن عربی)' حل الرموز (عز الدین عبد السلام)' الانسان الکامل (عبد الکریم الجیلی)' عوارف المعارف (شہاب الدین سہروردی)' شرح فصوص (قیصری)' شرح قصیدۂ فارضیہ' مکتوب شیخ احمد سرہندی' تبصرۃ المبتدی (صدر الدین القونیوی)' اشعۃ اللمعات (جامی)' شرح فصوص الحکم (جامی)' شرح فصوص الحکم (محب اللہ الہ آبادی)' گلشن راز (محمود شبستری)' شرح گلشن راز موسوم بہ مفاتیح الاعجاز' مثنوی مولانا روم' فتوح الغیب (حضرت شیخ عبد القادر جیلانی)' عشرۃ الوصول (شیخ نجم الدین کبریٰ)' الطاف قدس' مکتوب قدس' حسن عقیدہ

اور ہمعات (شاہ ولی اللہ دہلوی) عقائد صوفیہ اور فتح الطریق (شیخ فتح محمد محدث برہانپوری) تفسیر عزیزی و فتاویٰ عزیزیہ (عبد العزیز محدث دہلوی)۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں جواہر السلوک کا کیا مقام ہے اور اس کی وہ کیا خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب تصوف کی اہم کتاب بن گئی ہے۔ اس کے لیے ہمیں ان اہم کتب تصوف کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو جواہر السلوک سے پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

ہندوستان میں لکھی گئی تصوف کی اہم ترین کتابوں میں کشف المحجوب، فوائد الفواد، مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، لطائف اشرفی، مکتوبات شیخ احمد سرہندی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کشف المحجوب میں مسائل تصوف کے جزئیات کو علیحدہ علیحدہ ابواب کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ مکتوبات شیخ احمد سرہندی اور شیخ منیری میں تصوف کے مسائل پر نہایت عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی تصانیف ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تصوف کے بعض مسائل پر الگ الگ کتابیں لکھی ہیں اور ایک کتاب میں سلوک کی مختلف حالتوں اور مدارج کا بیان کیا ہے۔ لطائف اشرفی تصوف کے مختلف سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے جو دراصل مصنف کے ملفوظات ہیں جنھیں ان کے ایک مرید نے جمع کر دیا اور پھر موضوعات کے اعتبار سے مواد کو مرتب کر دیا۔ اس لیے بڑی حد تک یہ تصوف کی ایک مرتب کتاب ہے لیکن اس میں بھی ہر باب ایک علیحدہ کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی دوسرے اکابر صوفیہ نے بہت سی کتابیں تصوف کے مختلف مسائل پر لکھی ہیں۔ لیکن جواہر السلوک سے پہلے کوئی ایسی کتاب نظر نہیں آتی جو فنی اعتبار سے اس طرح مرتب ہو کہ اس کا ہر باب دوسرے باب سے بتدریج مربوط ہو اور اس طرح کتاب فنی حیثیت رکھتی ہو۔ قطب ویلوری کا یہ بہلا کارنامہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے مسائل کو اس طرح مربوط و مرتب کر دیا ہے کہ ان کی کتاب فن تصوف پر ایک جامع کتاب بن گئی ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب بڑی حد تک عام فہم بن گئی ہے یہی نہیں بلکہ تصوف کے اکثر دقیق مسائل کو بھی عام فہم بنا دیا ہے۔

صلاحیتوں اور ذوق کے مراتب کے سبب انسان کے مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ ہر انسان اپنی فطری استعداد کے مطابق ہی ترقی کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کتاب میں پہلا باب انسان کے مراتب پر ہے۔ دوسرا باب معرفت نفس پر ہے کہ روحانی ترقی معرفت حق پر موقوف ہے اور معرفت حق معرفت نفس پر موقوف ہے۔ پھر یہ معرفت بغیر اخلاق حسنہ کے حاصل نہیں ہو سکتی ہے اس لیے اس کے لیے نفس کو تمام برائیوں سے پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں جو کوشش کرنی پڑتی ہے اسے روحانی سفر سے تعبیر کیا ہے اور تیسرے باب کو انواع سفر سے تعبیر کیا ہے۔ چوتھے باب میں

ان روحانی مسافروں کی اقسام بتائی ہیں۔ پھر چند ابواب میں اس سفر پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ اس طرح بحث آگے بڑھتی جاتی ہے۔ ہر بحث کو ایک فائدہ کے تحت بیان کیا ہے اور ہر فائدہ دوسرے فائدے سے مربوط ہے۔ اس میں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، تجدد امثال، مقامات سلوک، ولایت وغیرہ پر بھی بحثیں ہیں۔ ابتدائی ۸۰ فوائد میں علمی اور نظری بحثیں ہیں اس کے بعد عملی فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ آخر میں سلوک کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح پوری کتاب اس طرح مربوط ہے کہ فن تصوف پر یہ ایک ایسی جامع کتاب بن گئی ہے کہ بطور نصاب پڑھنے پڑھانے کے لیے یہ کتاب بہترین موزوں ترین کتاب ہے یا اگر کوئی شخص تصوف کو سمجھنا چاہے تو سب سے پہلے اس کتاب کا مطالعہ سب سے زیادہ معاون ہوگا۔

اس کتاب میں مؤلف نے اپنے نظریات نہیں پیش کیے ہیں۔ اس کے دلائل متقدمین کے اقوال پر مبنی ہیں منقولات کے علاوہ بقدر ضرورت معقولات کو استعمال کیا ہے۔ جہاں تک وجودی مسلک کا تعلق ہے قطب ویلور کا خانوادہ محمد مخدوم ساوی سے متاثر ہے جو کہ وجودی تھے اور مخدوم ساوی پر سید اشرف جہانگیر کا گہرا اثر تھا چنانچہ مخدوم ساوی کی کتاب "دلائل محکم" میں وجودی نظریہ پر ساری بحث لطائف اشرفی سے ماخوذ ہے اور اس کتاب کے حوالے بھی اس میں ملتے ہیں۔ البتہ مخدوم ساوی کا خاص کارنامہ یہ نظر آتا ہے کہ عینیت اور غیریت کے ثبوت کے لیے انھوں نے نیا طریقہ استعمال کیا اور اس کے لیے انھوں نے کچھ نئی اصطلاحیں بھی وضع کیں۔ ان کے اس طریقہ استدلال کو ان کے مرید اور خلیفہ سید ابوالحسن قربی نے قبول کیا جو ساٹھی قربیا میں منقول ہے اور سلسلہ بہ سلسلہ خانوادۂ قطب ویلور میں منتقل ہوتا رہا۔

سوال و جواب

● جناب شمس الدین ... یہ حضرت خواجہ مخدوم کے فرزند تھے اور اورنگ زیب نے اپنی بہن کا نکاح بھی ان سے کر دیا تھا۔ چنانچہ اورنگ زیب کی وہ شہزادی کشمیر میں ہی کسی مزار کے قریب ہی مدفون ہیں۔ تو یہ گنج سعادت نہیں ہے، گنج سعادت ہے۔

●●

شاکرہ بیگم
جامعہ عثمانیہ لائبریری، حیدرآباد

معرفۃ السلوک

یہ نسخہ طبع ہو چکا ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

عام طور سے صوفیائے کرام حضرت علیؓ کے اس قول کے پابند تھے "یہ دیکھو کہ کیا کہا گیا ہے یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے!" یہی وجہ ہے کہ صوفیا کے اقوال، ملفوظات اور تصانیف دور دراز علاقوں میں مل جاتے ہیں۔ مگر خود ان کی ذات، نسب، پیدائش کی تاریخ، تعلیم، پیشہ، وصال کی تاریخ اور جائے تدفین کے بارے میں کم تر معلومات محفوظ رہتی ہیں۔ یہی بیجاپور کے معروف سلسلہ صوفیا خانوادہ چشتیہ امینیہ کا ہے۔ اس سلسلے کے بزرگوں کے ہزاروں ہزار مرید اور عقیدت مند دکن کے گوشہ گوشہ میں موجود تھے اور عام طور سے اس سلسلہ کی ہدایت تھی "اللہ محمدؐ کے راز و رمز کے باتاں کسی نامحرم سے نا بولنا بولیں گے تو ہوئینگے دعیں گے سو دیوانہ ہوئیں گے ان کو دیوانے بھی نا کرنا اپنے کا فریبی نا ہونا"[1] اس احتیاط کے باوجود اس سلسلہ کے اکابر کی تصانیف کے نسخے آج بھی نہ صرف دکھن بلکہ سارے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں بھی دستیاب ہیں گر ان رسالوں کے مصنفین کی ذات بابرکات کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ انھیں اکابرین میں ایک نام شیخ محمود چشتی المعروف بہ محمود خوش دہاں کا ہے جن کی تصنیف معرفت السلوک کا تصوف کی کتابوں میں ایک اہم مقام ہے۔

اس کتاب کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ آج اہم کتب خانوں میں اس کے نسخے محفوظ ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل کتب خانوں میں اس کے نسخے ملتے ہیں۔

(۱) جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد (۲) ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد (۳) کتب خانہ سالار جنگ، حیدرآباد (۴) ڈاکٹر حسینی شاہد صاحب، حیدرآباد (۵) اکبر الدین صدیقی صاحب، حیدرآباد (۶) نیشنل میوزیم کلکتہ مطابق فہرست نظام الدین احمد کاظمی صفحہ ۱۲۹ پیش کردہ سمینار (۷) کتب خانہ خانقاہ پھلواری شریف، بہار (۸) رضا لائبریری رامپور (۹) آصفیہ حیدرآباد (مطابق فہرست مرتبہ) (۱۰) خدابخش لائبریری پٹنہ، پیش کردہ سمینار (۱۱) پاکستان،

---

[1] سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ مصنفہ ڈاکٹر حسینی شاہد ۲۷۰ و صفحہ ۳۰

رست مخطوطات مرتبہ :۔ احمد منزوی (۱۲) کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند، مرتبہ :۔ تنویر احمد علوی، پیش کردہ سیمینار۔

کتاب کی اہمیت کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تصنیف سے تقریباً ڈھائی سو سال بعد اور آج سے ۲۰۰ سال پہلے، ۱۱۱۰ھ میں ایک صاحب دل ولی اللہ قادری علا متوفی ۱۱۵۰ھ نے اپنے والد شاہ حبیب اللہ قادری (خود بھی معروف صاحب) کے حکم سے اس کا ترجمہ کیا۔ تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیے۔

کتاب کی مقبولیت اور اہمیت کا تیسرا ثبوت یہ ہے کہ یہ کتاب دو بار طبع ہو چکی ہے[1]۔ دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۸ء میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شایع ہوا جس میں پہلے ایڈیشن کی اشاعت کا ذکر ہے۔ دوسری اشاعت کو اب پورے ستاسی سال ہو چکے ہیں اور برسوں گزرے یہ اشاعت سے باہر ہو چکا ہے۔ ۸۷ سال کی مدت ایک مطبوعہ کتاب کو نایاب (RARE) بنانے کے لیے کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی یہ بے حد اہم و کارآمد کتاب اب گم شدگی کی منزلوں میں پہنچ چکی ہے۔ مصنف کے مرتبہ اور کتاب میں اصول سلوک و تصوف کی تشریح و تفہیم زبان کی سلاست اور انداز بیان کی دل نشینی کے لحاظ سے یہ مخطوطہ اس قابل ہے کہ آج کے سیمینار میں شامل کیا جائے۔ پوری صحت، ترتیب و تشریح کے ساتھ شایع کیا جائے اور دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔ مخطوطہ کی تفصیل سے آپ سب بھی اسی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانہ میں مخزونہ معرفت السلوک کی تفصیل ڈاکٹر محمد غوث کی تیار کردہ فہرست مخطوطات (غیر مطبوعہ) کے مطابق حسب ذیل ہے :۔

نشان داخلہ ۷۵۲، مجموعہ نمبر :۔ قف۔ تبویب نمبر :۔ ۲۹۷،۲۹۲۔ مخطوطہ کا نام :۔ معرفت السلوک (ورق ۲ ب)۔ مصنف کا نام :۔ شیخ محمود چشتی (ورق اب)، عرف خوش دہان ترقیمہ۔ موضوع :۔ تصوف، سلوک۔

مشمولات :۔ اس میں مشہور مقولہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی تشریح کی گئی ہے۔ کتابیاتی تفصیل :۔ نثر شکستہ آمیز واضح نستعلیق جس کو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ تقریباً صحیح، اوراق ۱۵، سایز :۔ ۸ × ۵ ½، سطور :۔ فی صفحہ ۱۸۔ عنوانات سرخ ہیں۔ دستی چکدار کاغذ کیڑوں سے کسی قدر نقصان پہنچا ہے۔ مرمت شدہ مجلد۔

کاتب :۔ شاہ غلام اسداللہ۔ تاریخ کتابت :۔ یکشنبہ ۸، شوال۔ ۱۲۱۰ ہجری مطابق ۱۷۹۵ء مقام کتابت کا اندراج نہیں ہے۔

آغاز :۔ حمد بے غایت و شکر بے نہایت بر واجب الوجود فیرا کہ ممکن الوجود را در دائرہ ممتنع الوجود پیدا کرد۔

اختتام :۔ تا او را در علم معرفت و وحدت خود بر یابد جملہ تماشائی علم را ظاہر و باطن خود را نجاید بدستے حبیب خود کہ

---

[1] صاحب سلسلہ جنہوں نے اردو نثر کی عمدہ خدمت کی ہے ... مصنفہ اکبر الدین صدیقی، ۱۹۷۶ء ... معرفت السلوک اکبر الدین صدیقی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۸ء

محمد الرسول اللہ علیہ وسلم صلی الہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ترجمہ۔ تمام شد نسخہ معرفت السلوک من تصنیف حضرت شاہ محمود خوش دہاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز یکشنبہ ہشتم شوال المکرم۔ سنہ یک ہزار دو صد دہ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲۱۰ ہجری ؐ۔

ماخذ، ہم عصر اور بعد کے تذکروں میں بھی محمود خوش دہاں 'محمود چشتی اور محمود دکھنی کے نام سے مصنف کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔ (تفصیل کتابیات میں شامل ہے) شجرہائے سلسلہ میں نام شامل ہے۔

عبدالجبار ملکاپوری کے تذکرہ محبوب ذی المنن حصہ دوم میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ موجودہ ماخذ میں نور رسنہ ادارہ ادبیات کی مخطوطات کی فہرستوں میں موجود مخطوطات کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل کتاب میراں جی خدا نما میں خوش دہاں اور خدا نما کے رشتہ پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اکبرالدین صدیقی نے جو خانوادہ امینیہ کے اکابر کی کتابوں کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ خوش دہاں کے بارے میں بر موقعہ لکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ حمیدالدین رسالہ محمود خوش دہاں مطبوعہ کراچی، سخاوت مرزا (اردو نامہ کراچی) عبدالقیوم تاریخ ادب اردو، فہرست اردو، انجمن ترقی اردو پاکستان۔ قاموس الکتب حصہ اول (انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۶۱ء) میں بھی ان کا ان کی تصانیف کے نام ملتے ہیں۔ معرفت السلوک کے علاوہ مصنف کی اور کتابیں بھی مختلف کتب خانوں میں موجود زیادہ تفصیلی اور اجمالی کام ڈاکٹر حسینی شاہد کا ہے۔ اپنے مقالہ میں قابل مصنف نے تلاش بسیار مستند ماخذوں سے دہاں کے حالات، تصانیف اور تصوف کی تفصیل بہم پہنچائی ہے۔

<u>پس منظر</u>:۔ گیارھویں صدی ہجری کا زمانہ ہے۔ عادل شاہی دکن کے ایک بڑے حصے پر حکمراں ہیں یہ حکمراں سمندر پار سے افراد اور خیالات کو درآمد کر رہے ہیں اور دوسری طرف مقامی تہذیب سے رشتہ استوار کر دکھنی کو سرکاری زبان بناتے ہیں۔ لباس اور رہن سہن میں دکھنی تہذیب و ثقافت کو اپناتے ہیں۔ سیاست میں ا اشتراک کرتے ہوئے حکومت دہلی سے ٹکر لے رہے ہیں۔ دہلی کی روحانی سیاست و تاجداری باقی ہے۔ دہلی کے نصیرالدین کے مرید و خلیفہ سید محمد حسینی گیسودراز کا فیض جاری تو ہے مگر خانوادہ میراں جی روحانی اجتہاد بھی شروع کر بیجاپور کے میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم اور امین الدین علی اعلیٰ دیس کی دھرتی یا یہاں کے خیالا استوار کرتے ہوئے خانوادہ امینیہ چشتیہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ جس میں خالص اسلامی توحید کی ہندوستانی فلسفہ و رنگ آمیزی کی گئی ہے سنسکرت اصطلاحوں کو عربی اصطلاحوں کے نگینوں میں جڑ دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد

ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات فارسی جامعہ عثمانیہ ایڈیشن مرتبہ ڈاکٹر محمد غوث دیگر مطبوعہ سنہ سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ ڈاکٹر حسینی شاہد

نکمیت عمل کی تانون اور برہان صوفہ کی تلاوت الوجود نے بیجاپور کی ذہنی تربیت میں برابر کا حصہ لیا ہے۔[۱]

محمود خوش دہاں معرفت السلوک کے مصنف اسی خانوادہ امینیہ چشتیہ کے اکابر میں سے ہیں شجرہ نسب ان طرح ہے[۲]۔

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی

سید عبدالقادر یوسف

بدرالدین بدر عالم

شاہ سید مصطفیٰ قادری معشوق الہٰی — میراں شاہ ابوالحسن قادری — میراں شاہ سید قاسم قادری — صاحبزادی[۳]

بی بی جمال بنت شمس الدین ملتانی — (زوجہ: شیخ داؤد قریشی)

بی بی میمونہ زوجہ برہان الدین جانم — شیخ محمود چشتی

امین الدین علی اعلیٰ

اس شجرہ کے مطابق وہ سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کی اولاد تھے۔ ان کے نانا بدرالدین بدر عالم کے والد سید
قادر یوسف بغداد سے دکھن آئے اور بیدر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ محمود خوش دہاں کے پدری سلسلہ کی تفصیل ابھی سامنے نہیں
ہے۔ روضۃ الاولیا مصنفہ ابراہیم زبیری کے مطابق وہ اپنے نانا کے مرید تھے[۳] اور صاحب مشکوٰۃ شاہ غلام علی کے مطابق
قادریہ اپنے ماموں شاہ ابوالحسن سے ملی تھی[۴] ان کی زندگی کا ابتدائی دور بیدر میں بسر ہوا لیکن بعد میں بیجاپور چلے آئے۔ شاہ
الدین جانم سے خانوادہ چشت میں بیعت و خلافت حاصل کی۔ اس بارے میں مشکوٰۃ النبوۃ روضۃ الاولیا تذکرۃ القادری ،
رحمانی اور سیر محمدی متفق ہیں کہ ان سے قادریہ اور چشتیہ دونوں طریقے چلے ہیں۔ وہ رشتہ میں سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ کے ماموں
پیر تربیت اور استاد صحبت تھے۔ ان کا سلسلہ بیعت حسب ذیل ہے۔ شاہ محمود، شاہ میراں جی شمس العشاق، شاہ کمال الدین
، شاہ جمال الدین مغربی، سید محمد حسینی گیسو دراز[۵]

خوش دہاں ان کا لقب تھا۔ ایک روایت یہ مشہور ہے کہ لقوے کی وجہ سے ان کا منہ کسی قدر ٹیڑھا تھا۔ ایک بار

سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ۔ ڈاکٹر حسینی شاہد۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش ۱۹۷۲ء ص ۱۱۔ [۲] سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ مصنفہ
حسینی شاہد ص ۱۲۳ بحوالہ خلاصۃ الارشاد۔ [۳] روضۃ الاولیا مصنفہ ابراہیم زبیری مخطوطہ ۲۴۶ تذکرہ کتب خانہ آصفیہ
اور نٹل مینسکرپٹ لائبریری اے۔ پی)۔ [۴] مشکوٰۃ النبوۃ مصنفہ شاہ غلام علی مخطوطہ ۱۹۰ تذکرہ کتب خانہ آصفیہ (حال اورنٹل مینسکرپٹ
لائبریری اے۔ پی)۔ [۵] معرفت السلوک جامعہ عثمانیہ ۲۰۴۲۶ تف

برہان الدین جانم نے محمود کو بلانے کی ہدایت کی۔ پوچھا گیا کیا کہہ دہاں کو، جواب ملا انہیں خوش دہاں کو تبھی سے ان کا لقب خوش دہاں ہو گیا[۱]

دوسری روایت[۲] یہ ہے کہ انھوں نے کم عمری میں امین الدین علی اعلیٰ کو کچھ نصیحت کی ان کی ناخوشی کے نتیجہ میں چہرہ کچھ ٹیڑھا ہو گیا بعد میں اپنی ماں کی سفارش سے انھوں نے معاف کر دیا اور دعا دی جس کی وجہ چہرہ ٹھیک ہو گیا[۳] ڈاکٹر حسینی شاہد کو اس روایت سے اختلاف ہے وہ اس لقب کی وجہ شیخ محمود چشتی کی خوش کلامی کو ثابت کرتے ہیں۔

محمود خوش دہاں اپنی تصنیف معرفت السلوک میں اپنا نام یوں لکھتے ہیں: "الراجی فقیر حقیر لطف معبود محمود خوش دہاں"۔

مستند ماخذوں کے مطابق محمود خوش دہاں باخدا، خوش سیرت، نیک سیرت، صاحب کرامات و مکاشفہ تھے۔ ان کی توجہ اور صحبت کی برکت سے اکثر گمراہ راہ راست پر آ گئے اور طلبہ باخدا ہو گئے۔ روضۃ الاولیا کے مطابق یکے از بزرگواراں و عارفانِ صاحب دل تھے۔ پیدائش کا سنہ دستیاب نہیں ہوا۔

وفات:۔ محبوب ذی المنن حصّہ دوم ص۹۶۷ مصنفہ عبدالجبار ملکاپوری کے مطابق ۹۶۵ھ۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر حسینی شاہد کو وفات کے دو مادہ تاریخ ملے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) کلید طریقت بہ لطف معبود ۱۰۲۶ھ (بیاض کتب خانہ کچی محل بیجاپور)۔

(۲) محمود خوش دہاں نام مبارک (بیاض کتب خانہ کچی محل بیجاپور)

مزار: مجمع الانساب کے مطابق ان کا مزار اسی ٹیلے پر ہے جس پر حضرت امین الدین کی درگاہ واقع ہے۔ جنت ماٰل (غالباً جنت معلیٰ کے نام پر) اس جگہ کا نام تھا۔

اولاد:۔ ان کے ایک صاحبزادے کا پتہ چلا ہے۔ جن کا نام شیخ مصطفیٰ تھا جو صاحب علم، صاحب تصوف اور شاعر تھے۔

خلفاء:۔ شیخ حسن گوشہ نشین، شیخ صدرالدین، شیخ نصیر اللہ، سیف اللہ، شیخ نورالدین، متین خاں، سید صدر بخاری، میراں جی خدانما، سید محمد، شیخ احمد برقع پوش، سید ہاشم، شیخ مصطفیٰ۔

تصانیف:۔ (۱) معرفت السلوک (جامعہ عثمانیہ، سالار جنگ لائبریری۔ اے۔ پی مینسکرپٹ لائبریری، ادارہ ادبیات، نیشنل میوزیم وغیرہ وغیرہ)۔ (۲) علم الحیات (ادارہ ادبیات اردو جلد چہارم ص۲۱۵)۔ (۳) خلاصۃ الارشاد (درگاہ شریف بیجاپور) رویۃ الحق (ڈاکٹر حسینی شاہد، ادارہ ادبیات اردو جلد دوم ص۹۲) کشف الحقائق رسالہ نور ملو، العاشقین، مناجات، اسرار الحق، تاکل رسالہ تصوف (حمیدالدین شاہد کا مرتب کیا ہوا کراچی انجمن ترقی اردو۔ جامعہ عثمانیہ

---

[۱] روضۃ الاولیا مصنفہ ابراہیم زبیری۔ [۲] مشکوۃ النبوۃ مصنفہ شاہ غلام علی۔ [۳] سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ مصنفہ ڈاکٹر حسینی شاہد ص۱۲۳

مکمل موجود ہے مگر مصنف کا نام موجود نہیں) کشف المقامات (جامعہ عثمانیہ) رسالہ محمود (نمبر ۱۱۱۶ ادارہ ادبیات اردو حصہ پنجم صفحہ ۲۹۱)۔

معرفت السلوک کا موضوع ہے۔ امین الدین علی اعلیٰ کی شخصیت اپنے خانوادے کی قد آور شخصیت ہے۔ انھوں نے تصوف میں اجتہادی خیالات شامل کیے جس میں ہندوستانی روحانیت کا رچاؤ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا طریق ان کے والد شاہ برہان الدین جانم کے خیالات کا پر تو تھا۔ محمود خوش دہاں لکھتے ہیں کہ معرفت السلوک ان کے خیالات میں بلکہ ان کے پیر دستگیر کے خیالات میں "بجز متابعت خود راہ نمی پویم"[۱]۔ معرفت السلوک کے بغور مطالعہ سے نئے تخیلات کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ مصنف کے الفاظ میں: خانوادہ چشت (اہل بہشت) کے مسلک کے مطابق ان کے مرشد برہان الدین جانم (جن کا نام وہ بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں) نے جو کچھ فرمایا تھا اس کو قلم بند کر دیا ہے۔ مصنف کے الفاظ میں ان کے پیر دستگیر نے من عرفہ نفسہ کو بطرز خوب اور بطور مرغوب بیان فرمایا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ان کے مرشد شاہ برہان الدین جانم کا ارشاد کردہ تصوف و سلوک ہے خوش دہاں کے الفاظ میں[۲]:

"اما بعد چنیں گوید کمترین مریداں و کبترین طالبان و خادم خاکسار درگاہ شاہ مریداں طالبان دستگاہ مقبول حضرت اللہ اکمل الاولیا و افضل الاتقیا صدر نشین محفل محمد مصطفےٰ صلی اللہ صاحب شریعت و طریقت بحر الحقیقت و معرفت ہدی دین و ہادی المومنین والسالکین والمسلمین امام العاشقین والعارفین کامل الانسان محقق زماں مظہر ذات و صفات۔ سبحانا اعنی بندگی حضرت شاہ برہان معظم شاہ میراں جی شمس العاشقین محبوب رب العالمین قدس اللہ سرہم العزیز صاحب مقام شاہ پور الفقیر والمستقر الی اللہ المعبود شیخ محمود چشتی طیب اللہ انفاسہ معروض می دارد"

جانم کی تصنیف کلمۃ الحقائق[۳] شائع ہو چکی ہے۔ معرفت السلوک کا اس سے مقابلہ معلومات آفریں ہوگا۔

معرفت السلوک کی فارسی رواں ہے۔ مسائل کی واضح تفہیم کی گئی ہے کہ معمولی فارسی پڑھے ہوئے اشخاص بھی اسے سمجھ سکتے ہیں نقشوں سے موضوع کی مزید وضاحت ہوئی ہے۔

اس دور میں دکھنی زبان مستحکم ہو گئی تھی اور دکھنی الفاظ میں فارسی اسماء و افعال کی بہتات ملتی ہے مگر معرفت السلوک کی فارسی پر دکھنی کا اثر نامعلوم ہے۔ کتاب برہان الدین جانم کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے جیسا کہ ان کے نام کے ساتھ قدس سرہ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم امین الدین علی اعلیٰ کا نام یا تذکرہ اس میں نہیں ملتا اور نہ ان کے بیان کردہ پانچ عناصر جنہیں گن والے تصوف کا صراحت سے ذکر ہے۔

معرفت السلوک میں بیان کردہ منازل سلوک کی تشریح ڈاکٹر حسینی شاہد نے اجمال سے دل نشیں الفاظ میں

---

[۱] "معرفت السلوک" مخزونہ جامعہ عثمانیہ [۲] ایضاً [۳] "کلمۃ الحقائق" مرتبہ اکبر الدین صدیقی

کی ہے۔ اس کا ایک خلاصہ اس کتاب کو سمجھنے کے لیے پیش ہے[1]۔ شائع شدہ نسخہ اصل کتاب معرفت السلوک (مخزونہ جامعۂ عثمانیہ) سے لیا گیا ہے۔

معرفت السلوک میں وجود کے چار مراتب بیان کیے گئے ہیں جو چار وجوہ اور چار دائروں میں محیط ہے۔ (۱) واجب الوجود (۲) ممکن الوجود (۳) ممتنع الوجود (۴) عارف الوجود۔ سالک کا روحانی ارتقا ان وجودوں میں ہو جاتا ہے۔ اس سلوک کو ایک نظام کی صورت میں مرتب کرنے اور لوازم و شرائط کی بکھری ہوئی کڑیوں کو جوڑنے ان میں ربط تسلسل، توحید و ہم آہنگی پیدا کرنے سالک کی سہولت کے لیے مزید لوازم و شرائط کا اضافہ کرنے، ہر مرتبہ کے اشغال تجویز کرنے اور ان سب کو درجہ بدرجہ متعین کرنے کا سہرا برہان الدین جانم کے سر ہے۔ اصطلاحیں جانم کی ہیں قلب روح اور توحید کا ذکر بھی جانم کا ہے۔ عالم، عاشق، واصل، عارف، تجرید، تفرید کی اصطلاحیں بھی جانم کی ہی وضع کردہ ہیں۔ ہر مرتبہ کے ہفت شغل بھی انھیں کے بیان کردہ ہیں اور یہ سب مربوط انداز میں محمود خوش دہاں کے الفاظ میں بہ وجہ احسن اور طریق روشن تر سے بیان ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر حسینی شاہد کا کہنا ہے کہ جانم اور حضرت امین کے تصوف اور سلوک کو سمجھنے کیلئے خوش دہاں کے رسالہ معرفت السلوک کا مطالعہ ضروری ہے۔ خوش دہاں نے اپنے پیر کے نظام فکر کو اس قدر مرتب منظم اور مربوط انداز میں سپرد قلم کیا ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد ان کی تحریروں کے مطالب پوری طرح اور حضرت امین کے تعلیمات کے مفاہیم بڑی حد تک آئینہ ہو جاتے ہیں "معرفت السلوک" کے مطالعے کی روشنی میں ایک مبتدی بھی جانم اور حضرت امین کے تصوف کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے رسائل کے موضوع اور مضامین کو متعین کر سکتا ہے۔ انھوں نے ہر مرتبے ان کے شرائط اور لوازم کو بڑی شرح اور بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کے ربط کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ ان کا منطقی اور معنوی تسلسل واضح ہو گیا ہے اور ان مدارج سے پردے ہٹ گئے ہیں جن پر جانم اور امین کے نظام السلوک کی عمارت کھڑی ہے۔ صوفیائے متقدمین نے حدیث قدسی "ان فی جسد آدم لمضغۃ" کا نظریہ پیش کیا ہے۔ یعنی سالک کو معرفت من عرف کے لئے نفس، دل روح اور نور کے مراتب سے گذرنے کی تلقین کی ہے لیکن ان کی روش عجیب اور غریب الامثال (بقول خوش دہاں) ہے سالک کے لیے ضروری ہے کہ وجود کے چار مراتب کو ——— اپنے وجود میں پہچانے۔ فقد عرف ربہ کے اسرار پانچویں مرتبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ذات کا مرتبہ ہے جس کو واحد الوجود کہا جاتا ہے

<u>واجب الوجود</u>:۔ صوفیہ متفقہ طور پر خدا تعالیٰ کے وجود کو واجب الوجود کہتے ہیں جو اپنی ذات قائم ہے اور مخلوقات کو الفرض کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف جانم نے چند مشابہات کے سوا اس اصطلاح کو وجود خاکی

---

[1] سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ مصنفہ ڈاکٹر حسینی شاہد ۱۹۷۶ء ص ۲۲۲۔

لیا ہے اس لیے کہ یہ جسمانی وجود روحانی وجود کے لیے لازم اور واجب ہے اور اس کو لازم الوجود کا ہم معنی ٹھہرایا ہے
ی مثال "جیوں چاول کا موڑ پھوٹتا ہوے سوں تعلق ہے ہوسنے باج موڑ پھوٹتا نہیں۔" ذات کے اظہار کے لیے
خاکی لازم اور واجب ہے۔ اس لیے بندہ کے لیے واجب الوجود کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

معرفت السلوک میں ہر وجود کے تمام لوازم و شرائط کی تفصیل کا پتہ چل جاتا ہے۔ یعنی ہر وجود کا موکل، اس
ہے، اس کا قلب، نفس، فہم، توحید، راہ، ذکر، منزل، شہادت اور صفت شغل جن میں متعلقہ حروف سے خیال ہونے
جائیں شامل ہیں۔

معرفت السلوک میں عناصر کے گن بھی بیان کئے گئے ہیں مگر ان کی تعداد امین الدین علی اعلیٰ کی بتائی تعداد سے کم ہیں
کے پانچ، آب کے چار، آتش کے تین، باد کے دو، خاک کا ایک یعنی کل پندرہ (اس کی تفصیل و تشریح ڈاکٹر حفیظ شاہد
یف سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ ص ۱۸۹ پر دی گئی ہے) خاکی کو برہان الدین جانم عنصر نہیں تصور کرتے بلکہ چند عناصر کا
ایک کا ایک گن مانتے ہیں۔ اس کے برخلاف امین الدین علی اعلیٰ پانچ عناصر اور پچیس گن کو مانتے ہیں۔

<u>ممکن الوجود:۔</u> دوسرا وجود ممکن الوجود بھی جسم خاکی کا ہی عکس ہے۔ اس حالت میں وجود کو تمام لوازم وجود
کلیہ ترک کرنا ہوتا ہے۔ جب کبھی اس کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ ممتنع الوجود میں بدل جاتا ہے۔ ممکن الوجود قائم بالغیر
م میں حرکت پیدا کرتا ہے۔

<u>ممتنع الوجود:۔</u> وجود کے اس مرتبہ کو ممتنع الوجود اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں کسی شئے کو وجود نہیں ایک
اور فراموشی ہے لیکن اس تاریکی سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ اس ظلمت سے چشمہ حیواں رواں ہوتا ہے اشیا نیست
نا ہیں۔ نہ یہ اپنے سے قائم ہے اور نہ قائم بالغیر اس مرتبہ کو ذات کی نسبت سے لامکاں کہتے ہیں۔ ورنہ صفات
ت سے یہ تمام اشیا کا امکان ہے۔ تمام موجودات و ممکنات اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ممکن الوجود کے بعد اس کا درجہ
اس میں روح قدسی ہے جو پرتو ذات حق ہے یعنی ممتنع روح قدسی ہے۔

<u>عارف الوجود:۔</u> اس میں ہستی اپنا آپ ادراک کرتی ہے اور تمام ہستیوں سے منزہ ہوتی ہے۔ یہ
ہستی سے آپ قائم ہے وجود کے دوسرے مرتبے اس کے تابع اور محتاج ہیں۔ یہ مرتبہ سب مرتبوں سے مخفی ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ کی ہستی کا شبہ مثل و اطلاق رکھتا ہے۔ وجود کا یہی مرتبہ دراصل نور محمدی ہے ہر شئے کا اصل یہی ہے
ای طرف ہر ایک کو لوٹنا ہے۔ کنت کنزاً مخفیا کا نشان اسی سے ملتا ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اسی سے عبارت ہے۔

<u>واحد الوجود:۔</u> وجود کے جس مرتبہ کے لئے خاتون اعظمیہ کی اصطلاح واحد الوجود استعمال ہوتی ہے

دوسروں کے ہاں مرتبہ توحید، مرتبہ ذکر خفی، مرتبہ مقام قرب، مرتبہ فنا مطلق، مرتبہ وراء الورا، مرتبہ احدیت، مرتبہ ملکی مصطلحات استعمال کرتے ہیں۔ معرفت السلوک میں ایک دائرے کے ذریعہ مراتب وجود اور ان کے لوازم کے متداول اصطلاحوں کو پیش کیا گیا ہے جس سے بیک نظر تمام اصطلاحوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔

بحیثیت مجموعی اس سے مطالعہ کی حد تک سلوک امینیہ چشتیہ کا مقصد سالک (واجب الوجود) کو مرتبہ عارف الوجود تک پہنچانا ہے۔ وجود کا یہ درجہ دراصل نور محمدی ہے۔ محمود خوش دہاں کے الفاظ میں: "سالک را باید کہ علی الدوام ترقی از حق سبحانہ تعالیٰ خواہد تا بمرتبہ محمدی علیہ السلام برسد" دوسرے الفاظ میں خاکی جسم والے واجب الوجود کو نوری وجود عارف الوجود تک پہنچانا ہے۔ معرفت السلوک کے اس نظریہ ارتقا کے مطالعہ کے ساتھ مجھے ڈاکٹر رضی الدین کی کتاب "اقبال کا فلسفہ زمان و مکاں" کی یاد آجاتی ہے (طبع دوم ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۴۳-۲۴۲) جس میں انھوں نے مادہ اور نور توانائی کے بارے میں جدید ترین نظریہ کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ اقبال کے فلسفہ زمان و مکاں کی تفہیم یوں کرتے ہیں۔

"اپنے نظریہ اضافیت کی بنا پر آئن سٹائن نے بتایا ہے کہ توانائی بھی ایک وجود رکھتی ہے جس کو عرف عام میں وزن کہا جاتا ہے آئن سٹائن نے ثابت کیا ہے کہ مادہ اور توانائی دو مختلف اشیا نہیں بلکہ ایک ہی شے کی دو مختلف شکلیں ہیں جس طرح برف اور پانی ایک ہی شے کی دو مختلف حالتیں ہیں۔ نظریہ اضافیت اور کوانٹم نظریہ نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کائنات کی ہر شے میں دوئی پائی جاتی ہے۔ ایک ہی شے کبھی ذرہ کے خواص کا اظہار کرتی ہے کبھی موج کے خواص کا۔ مادہ اور توانائی میں کوئی اساسی اختلاف نہیں۔"

اس جدید انکشاف نے مادیت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ مادہ پرستوں اور دہریوں کا خدا کی ہستی کے خلاف یہ استدلال تھا۔ ایک غیر مادی خالق مادہ اشیا کو کس طرح پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن اب ہم جانتے ہیں مادہ اور توانائی میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے "اللہ نور السموات والارض" نور کا یہی تصور معرفت السلوک میں بیان کردہ وجود کے آخری مرتبہ میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔

رضی الدین صاحب کی کتاب کو لکھے گئے ۳۰ سال گزر چکے ہیں۔ اس دوران سائنس نے کئی جستیں بھریں اور چھلانگیں لگائی ہیں۔ جدید ترین سائنٹفک نظریات کے تقابلی مطالعہ کی آج روح آدم کو ضرورت ہے۔

معرفت السلوک کا ترجمہ: معرفت السلوک کی اہمیت کے پیش نظر تصنیف کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد اور آج سے [illegible] سال پہلے ۱۳۰۴ھ میں حیدرآباد کے ولی اللہ قادری (متوفی ۱۱۵۷ھ) جو خود بھی صاحب دل

بزرگ تھے اپنے والد شاہ حبیب اللہ قادری (جو عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کی اولاد میں تھے اور خود بھی صاحب دل و کشف کرامات بزرگ تھے) کے حکم سے معرفت السلوک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ولی اللہ قادری چند سال تک گلبرگہ کی رنگین مسجد میں مقیم رہے پھر حیدرآباد آئے۔ ایک روز خواب دیکھا کہ چلنے سے پاؤں تھک گئے ہیں۔ صبح میں مریدوں سے تعبیر پوچھی کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اتفاق سے اسی روز ایک امیر صندل خاں مرید ہونے کے لیے آئے اور پالکی نذر دی اور کہاروں کی تنخواہ بھی اپنی سرکار سے مقرر کر دی۔ ارکاٹ کے نواب انورالدین خاں اور محمد علی والاجاہ ولی اللہ قادری کے معتقد تھے۔ نظام الملک آصف جاہ ۱۱۳۷ھ میں حیدرآباد آئے تو ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ حیدرآباد کے مشائخین و علما بھی ان کے علم و فضل کے باعث ان کی عزت کرتے تھے۔ ولی اللہ قادری نے ۲۹ محرم، ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ اور حیدرآباد سے باہر باغ گوردھن سے متصل بالائے چبوترہ مدفون ہوئے۔ بعد میں نواب محمد علی خاں سراج الدولہ والاجاہ نے ان کی قبر کا احاطہ سنگ سیاہ سے بنا دیا۔

ولی اللہ قادری نے کئی رسالے بھی لکھے جن میں سے اب تک صرف معرفت السلوک کا پتہ چلا ہے[۱]۔ اردو معرفت السلوک کے کسی نسخہ کا کسی اور کتب خانہ میں اب تک پتہ نہیں چلا سوائے ادارہ ادبیات کے نسخے کے اور قاموس الکتب حصہ اول کے حوالے فہرست کتب خانہ سردار الحکما کے۔

زور صاحب کے مطابق یہ عہد آصفی کی اردو نثر میں پہلی کتاب ہے۔ اس مترجم معرفت السلوک میں ولی اللہ قادری نے سبب تالیف/ترجمہ بیان کیا ہے۔ جس کا اقتباس پیش ہے۔ اس سے کتاب کی زبان و بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ "بولتا ہے کم ترین مریدوں اور واپس ترین شاگرد جاروب کش درگاہ عالی ہور بارگاہ لاابالی عاجز فقیر الحقیر محمد ولی اللہ قادری کہ حکم کیے مجکوں حضرت شہباز ولایت معدن ہدایت آفتاب عالم تاب بزرگ اولیا کے بڑے اتقیا کے ہور صدر نشین محمد مصطفیٰ کے صاحب شریعت ہور طریقت کے دریا حقیقت و معرفت کے وارث محمد رسول اللہ حضرت شاہ حبیب اللہ قادری باقی رکھے اللہ تعالیٰ انھوں کوں ہمارے سر اور انکھیاں پر جب تلک کہ آفتاب چمکتا ہور چمکتا ہے کہ کتاب معرفت السلوک جو تصنیف حضرت پناہی ہور شیخ الشیوخ بندگی معروف شیخ محمود بلطف معبود قدس سرہ العزیز کی ہے۔ فارسی زبان میں سو اوسے ہندی زبان سو بیان کر ہور آیت ہور حدیث کے معنی یک یک عیاں کرتا کب تک ایسے طالبان حق کے ہیں جو دونا عربی جانتے ہیں ہور نا فارسی پچھانتے ہیں ولیکن اپنے مطلوب کی طلب میں سچے ہیں ہور ظاہر عالم کی نظر میں کچھ ہیں"[۲]

---

[۱] زور، محی الدین قادری۔ فہرست مخطوطات ادارہ ادبیات اردو۔ جلد سوم ص ۲۸ - ۱۲۵

[۲] معرفت السلوک مخزونہ ادارہ ادبیات اردو۔

ولی اللہ قادری اپنے مندرجہ بالا بیان میں اپنی زبان کو ہندی کہتے اس بارے میں ڈاکٹر زور لکھتے ہیں کہ ترجمہ کی زبان اپنے عہد کی فصیح و بلیغ اردو (جو در اصل دکھنی ہے) ہے[1]

<u>آغاز کتاب :-</u> صفت اور سراپا بے غایت اور فکر کرتا بے نہایت ثابت ہے۔ اوس واجب الوجود کوں جو ممکن الوجود کوں ممتنع الوجود کے دائرے میں پیدا کیا ہور اپنے واجب الوجود کوں اس دونوں وجود سوں موجود ہور ظاہر کیا۔ بزرگ ہے بزرگی اوس کی ہور عام ہے۔ نعمت اوس کی اختتام۔ اس تے اوپر مذکور ہوا ہے۔ اس روشن سلوک وجوداں کا دائراں کی تمام شرطاں سات ہور منزلاں ہور باتاں ہور مقاماں کی۔ تمام معرفت سات بجا لیا وے تا و حضرت حق سبحانہ جواد ارحم الراحمین ہے۔ اپنے تمام کرم سوں ہور قدیم احسان سوں سالک کو جذبہ اپنی محبت کا ہور عشق کا بخشے یا اوس کوں اپنی معرفت کے علم میں ہور وحدت میں لیجاوے ہور تمام اپنے ظاہر ہور باطن کے عالم کے تماشے دکھلا دے اپنے حبیب کی دوستی سوں۔"

یہ نسخہ بڑے اہتمام سے واضح نستعلیق میں بڑی تقطیع پر لکھا گیا ہے پہلے صفحہ کے اوپری حصے کو سنہرے نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی میں درج ہیں۔ عربی آیتوں پر بھی سُرخی میں خط کھینچے گئے ہیں۔ اس نسخہ کے کاتب شیخ غلام علی بیدری ہیں جنھوں نے مصنف کے قریبی زمانے میں ہی یا زندگی ہی میں اس کتاب کو نقل کیا ہے ترقیمہ میں غالباً سال کتابت لکھنا فراموش کر گئے۔ غالباً وہ مترجم ولی اللہ قادری ہی کے مرید تھے۔ کتاب اپنے ذاتی استعمال کے لیے نقل کی ہے۔ ترقیمہ حسب ذیل ہے:

" تمام ہوئی یہ کتاب پیر کے دن تیسرے پہر کے وقت اکیسویں[۲۱] تاریخ ماہِ مبارک رمضان کے مہینے کی حق سبحانہ تعالیٰ کے کرم ہور فضل ہوں۔ پڑھنے ہارا اور لکھن ہارا۔ اس کا کمینہ بندہ سب بزرگ واراں کا ہور نہ تھا غلام سارے بڑیاں کا غلام علی کاتب رہنے ہارا محمد آباد بیدر کا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان نصیب کرے اور بخشے سارے گناہاں اس کے ہور اوس کے ماں باپ کے ہور بہبود کرے۔ سینہ اوس کا اپنے ذوق ہور شوق سوں صدقہ اپنے حبیبؐ کا جو محمد رسول اللہ ہیں، درود ہو بھیجو اللہ تعالیٰ کی اون کے ہور اوپر آل ہور اصحاباں اون کے۔"

کتاب میں ۸۵۔ اوراق ہیں۔ سائز ۷" × ۱۲" سطریں ۱۲ فی صفحہ

---

[1] فہرست ادارہ ادبیات اردو حصہ سوم ص ۱۲۵ - ۱۲۶

صفحہ ٦ معرفت السلوک

عالم	واجب الوجود	عارف
	مؤکل میکائیل	
	روح نامیہ	
مراقبہ	قلب مصفہ	فنا
	نفس امارہ	
تجرید	توحید اقوالی	تفرید
	فہم قیاس	
	راہ شریعت	
مشاہدہ	ذکر جلیہ	حال
	منزل ناسوت	
	شہادت مبدا	
	ہفت خصل	
عاشق	ی ا ص و ن م ل ک	واصل

صفحہ ١٨ معرفت السلوک

عالم	ممکن الوجود	عارف
مراقبہ	مؤکل اسرافیل	
مراقبہ	روح متحرکہ	فنا
	قلب منیب	
	نفس لوامہ	
	فہم وہم	
تجرید	توحید افعالی	تفرید
	راہ طریقت	
	ذکر قلبی	
مشاہدہ	منزل ملکوت	حال
	شہادت وجدا	
	خصل ہفت	
عاشق	ق ف ش غ ع ظ ط ص	واصل

صفحہ ٢٦ معرفت السلوک

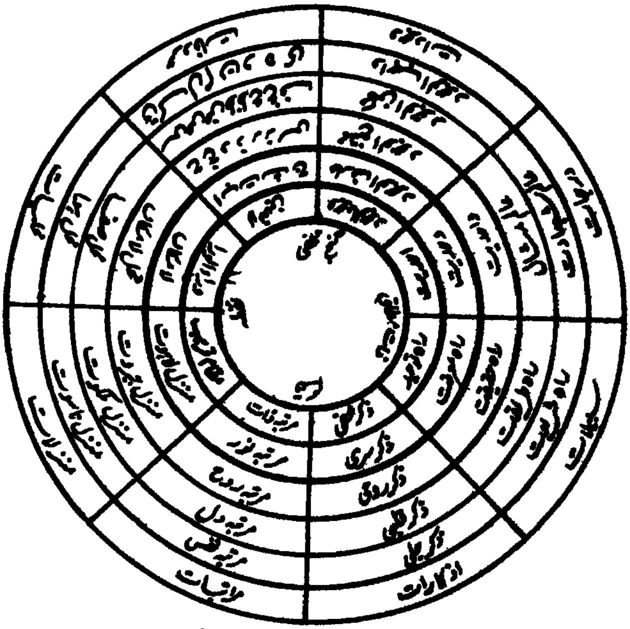
عالم	ممتنع الوجود	عارف
	مؤکل عزرائیل	
	روح ناطقہ	
	قلب سلیم	
مراقبہ	نفس مطمئنہ	فنا
	فہم کمال	
تجرید	توحید احوالی احوالی	تفرید
	راہ حقیقت	
	ذکر روحی	
	منزل جبروت	
مشاہدہ	شہادت محمدا	حال
	ہفت خصل	
عاشق	ض ح س ز ر ذ د	واصل

صفحہ ٢٧ معرفت السلوک

عالم	عارف الوجود	عارف
	مؤکل جبرئیل	
	روح قدسی	
مراقبہ	قلب شہید	فنا
	نفس ملہمہ	
	فہم آگاہ	
تجرید	توحید ذاتی	تفرید
	راہ معرفت	
	ذکر سرّی	
	منزل لاہوت	
مشاہدہ	شہادت شہدا	حال
	خصل ہفت	
عاشق	خ ج ح ث ت ب ا	واصل

معرفت السلوک کے مطبوعہ نسخے:۔ معرفت السلوک دوبار زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔ پہلے اڈیشن کے بارے کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ دوسرا اڈیشن ۱۸۹۸ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا جس میں پہلے اڈیشن کا ذکر ہے۔ اس دوسرے اڈیشن کو بھی شائع ہوئے پورے ستاسی سال ہوچکے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ حیدرآباد میں اکبرالدین صدیقی صاحب کے پاس موجود ہے۔ اس کے سرورق پر حسب ذیل عبارت طبع ہوئی ہے۔

۔ بہ عون صانع مکین و مکان و فضل خلاق زمین و زمان رسالہ عزیز الوجود کہ در والہگانی نکات معارف تصوف و سلوک بے ہمتا و بے نظیر است یعنی شرح ارشاد حضرت امیرالمومنین حیدر کرار من عرف نفسہ فقد عرف ربہ دافع ریب و شکوک مسمےٰ "رسالہ معرفت السلوک"۔ از تصنیف سالک مسالک حق پژوہی شاہ شیخ محمود خوش دہاں چشتی مرید خاص اکمل الاولیا افضل الاتقیا عارف شریعت و طریقت واقف حقیقت و معرفت بندگی حضرت شاہ برہان منتظر شاہ میراں جی۔ در مطبع نامی منشی نول کشور بہ طبع مزین مقبول جہاں شد۔



<u>**کتابیات:۔**</u> (۱) ابراہیم زبیری محمد روضۃ الاولیا مخطوطہ ۲۶۶ تذکرہ، کتب خانہ آصفیہ (حال A.P.Orien- tal MSS Library Hyderabad (۲)۔ امین الدین علی اعلیٰ سید شاہ خلافت نامہ بابا شاہ حسینی ملوکہ سید امین الدین قادری جاگیر دار (۳) غلام علی شاہ، مشکوٰۃ النبوۃ مخطوطہ ۱۹۰ تذکرہ کتب خانہ آصفیہ (A.P.Oriental MSS Library) (۴) محمود خوش

دہاں، خلاصہ ارشاد مخطوطہ درگاہ شریف بیجاپور۔ (۵) محمود خوش دہاں کے خلفا سید میران حسینی، خداوند ہادی میران جی خدانما
اور تحت نشین کے شجرے (متذکرہ ڈاکٹر حسینی شاہد۔ سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ ۱۹۵۳ء) (۶) محی الدین قادری، سید محی الدین
(۷) عبدالجبار ملکاپوری۔ محبوب ذی المنن حصہ دوم ص ۴۹۶ (۸) بیاض کتب خانہ درگاہ شریف بیجاپور۔ (۹) بیاض کتب خانہ
کچی محل بیجاپور۔ (۱۰) بشیر الدین، واقعات مملکت بیجاپور حصہ دوم ص ۲ (۱۱) مقبرہ درگاہ امین الدین علی اعلیٰ کا کتبہ (متذکرہ
حسینی شاہد، سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ۔ (۱۲) شجرہ خلفائیہ مرتبہ سید محمد قادری۔ (۱۳) خلافت نامہ مخزونہ درگاہ شریف بیجاپور
(۱۴) خلافت نامہ بابا شاہ حسینی مخزونہ جامعہ عثمانیہ (شامل کتاب ص ۱۶۰) (۱۵) محمود خوش دہاں۔ رسالہ نور (۱۶) محمود خوش دہاں
رویت الحق مملوکہ حسینی شاہد۔ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو (۱۷) محمود خوش دہاں کشف الحقائق (۱۸) محمود خوش دہاں
مخزونہ ادارہ ادبیات اردو جلد چہارم ص ۲۱ (۱۹) محمود خوش دہاں۔ معرفت السلوک (مختلف نسخوں کی تفصیل مضمون میں شامل
ہے) (۲۰) محمود خوش دہاں رسالہ محمود مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حصہ پنجم ص ۱۱۶ (۲۱) محمود خوش دہاں صلواۃ العاشقین۔
(۲۲) محمد ولی اللہ۔ ترجمہ معرفت السلوک مطابق قاموس الکتب (۲۳) محمد ولی اللہ ترجمہ معرفت السلوک مخزونہ کتب خانہ درگاہ
ہاشم پیر بیجاپور (متذکرہ ہاشم علی۔ میران جی شمس العشاق۔ (۲۴) برہان الدین جانم۔ کلمۃ الحقائق مرتبہ اکبر الدین صدیقی (۲۵) ہاشم
کتب خانہ درگاہ ہاشم پیر (متذکرہ ہاشم علی۔ میران جی شمس العشاق (۲۶) حمید الدین شاہد، رسالہ محمود خوش دہاں (مخزونہ
گشتی کتب خانہ حیدرآباد)۔ (۲۷) "رسالہ تصوف" مخزونہ کتب خانہ آصفیہ (متذکرہ رسالہ محمود خوش
(۲۸) زور، سید محی الدین قادری، تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو حصہ دوم، سوم، چہارم، پنجم۔ (۲۹) حفیظ قتیل
میران جی خدانما۔ (۳۰) مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان جلد اول ص ۱ افسر امروہوی (۳۱) سخاوت مرزا، مضمون اردو
کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۶۲ء شیخ محمود چشتی کی نظم و نثر (۳۲) عبدالقیوم، تاریخ ادب اردو مرتبہ عبدالقیوم کراچی۔ (۳۳)
اکبر الدین صدیقی۔ چراغ، مضمون اصحاب سلسلہ بندہ نواز کی علمی خدمات ۱۹۷۰ء (۳۴) اکبر الدین صدیقی کشف ا
(۳۵) ہاشم علی۔ میران جی شمس العشاق۔ شالیمار پبلیکیشنز۔

از رحمت علی خاں
انچارج مخطوطات
سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

معرفۃ السلوک اور مجمع البحرین[1]

معرفۃ السلوک یوں تو ایک مختصر رسالہ ہے جو ۴۴ اوراق پر حاوی ہے اور بظاہر اس میں مشہور احادیث قدسیہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" اور "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" کی تشریح کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ یہ کتاب چھپ بھی گئی ہے، لیکن جیسے جیسے قاری رسالے کو پڑھتا جاتا ہے' اس کی حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ مختصراً اس کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

اس میں پہلی بار پانچ عناصر کا ذکر ہے چار مشہور عناصر یعنی آگ' ہوا' پانی اور خاک تو سبھی کو معلوم ہیں لیکن مصنف نے ایک نئے عنصر "باؔد" کا ذکر کیا ہے اور ہمارے خیال سے ہندو دھرم کا اثر ہے کیونکہ اس کے مطابق دنیا کی مخلوق کا وجود پانچ تتوؤں یا پانچ بھوت سے ہوا ہے۔ یہ پانچواں عنصر جس کو "باؔد" کا نام دیا گیا ہے "آکاش" ہے یعنی مادی فنا سان ہی پانچ عناصر یا صفتوں سے انسان وجود میں آیا ان عناصر کا کامل گیان ہی معرفت ہے اسی طرح ہر عنصر کی اپنی خوبیاں ہیں۔

دوسری اہم بات یہ کہ وجود کی چار قسموں کو بالکل نئے طریقے سے پیش کیا گیا ہے یعنی تمام صوفیہ کی متفقہ رائے ہے کہ واجب الوجود خدا کی ذات ہے مگر اس رسالہ کا دعویٰ ہے کہ واجب الوجود خود انسان ہے کہ جس کے بغیر روح عالم غیب سے عالم شہود میں نہیں آسکتی۔ روحانی وجود کے لیے لازم ہے کہ جسد خاکی میں آئے۔۔۔ اس کے بعد ممکن الوجود ہے یعنی روحانی جسم۔ ہمارے خواب اور ابدی نیند اسی کی محتاج ہیں۔ اس مرتبے میں آنے کے بعد انسان راہ شریعت سے عمل کر کے منزل طریقت پر پہنچ کر بالآخر منزل ملکوت کو پالیتا ہے۔ تیسرا مرتبہ ممتنع الوجود ہے یعنی دور خود فراموشی۔ یہ لا الٰہ الا اللہ کی منزل ہے۔ اس میں انسان راہ حقیقت سے ہوتا ہوا منزل جبروت پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقام منصوبہ ہے۔ چوتھا درجہ عارف الوجود کا ہے اس میں انسان اپنے آپ کو جان کر خدا سے مشابہ کرتا ہے۔ مذکورہ بالا سارے وجود اس کے تابع ہیں۔ ذات الٰہی سے کلام اور اس کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اس میں انسان راہ معرفت سے ہوتا ہوا منزل لاہوت میں فائز ہو جاتا ہے۔ یہ انا کی خطرناک منزل ہے جس سے گزرنے کے بعد ہی کامیابی قرب حاصل ہوتی ہے۔ آخری مرتبہ واحد الوجود کا ہے یعنی درجہ ذات الٰہی اور یہ درجہ محض خدا کی خوشنودی پر منحصر ہے۔ یہ مقام قرب ہے۔

---

[1] یہ مضمون [illegible] [illegible] کی اہمیت کے پیش نظر یہ مقالہ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

اگلا اہم نکتہ یہ ہے کہ خدا نے خیر، شر اور اختیار تینوں کو پیدا کیا۔ اب بندہ جو بھی عمل اختیار کرے وہی اس کی ذمہ داری ہوگی۔ روح کی غفلت دور کرنا ہمارا فرض ہے۔ اسی سلسلے میں ذکر، مراقبے، مشاہدے اور ضرورت مرشد پر بھی زور دیا ہے۔ اس رسالے کا کمال یہ ہے کہ مصنف نے ہر مسئلہ پر مکمل بحث کی ہے اور منطقی اور معنوی دلائل سے ثبوت پیش کیے ہیں۔

اس رسالے کے مصنف حضرت شیخ محمود چشتی خوش دہان بیدری و بیجاپوری ہیں جو خود حضرت برہان الدین جانم کے مرید خلیفہ ہیں۔ خوش دہان نے معرفۃ السلوک شاید ۹۹۰ تا ۱۰۲۶ھ کے درمیان ترتیب دی مگر مخطوطے کی کتابت ۱۱۷۰ / ۱۷۵۶ء میں ہوئی ہے بمقام رستم آباد۔ اس کا کیٹلاگ نمبر ۳۳۳۲ ہے۔

اس میں مصنف نے بڑے دلچسپ اور دلنشین انداز میں روحانی زندگی کے مراتب کا ذکر کیا اور بتلایا ہے کہ کس طرح راہ شریعت اور مقام شیطانی سے ترقی کرتے ہوئے سالک اعلیٰ سے اعلیٰ تر منزل واحد الوجود تک پہنچتا ہے۔ ہر مقام و مرتبے کی کیفیات، اس کے خطرات، مشاغل، موکل، نفس ان کا بیان ہے۔ اسی نظام تصوف کو ان کے مرید سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ نے مزید واضح اور صاف کیا۔ کسی بھی مخطوطے کی ترتیب اور اشاعت سے قبل ہمارے لیے یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ ہماری آج کی ضرورت کیا ہے؟ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ دور اخلاق کے تنزل، باہمی نفرت اور فسادات کا دور ہے۔ اس باہمی نفرت اور غلط فہمیوں کو اس طرح بھی دور کیا جا سکتا ہے کہ ہم دو یا اس سے زیادہ اہم قوموں کی یک جہتی کو اجاگر کر کے پیش کریں۔ کتاب کے ساتھ اس کا ترجمہ ہندی، اردو اور انگریزی میں بھی ہو۔ ہر قوم اور مذہب کے افراد کو علم ہوگا کہ ہم کتنی فضول اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے آپس ہی میں ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ ایسی ہی ایک تالیف کا ذکر ہو چکا ہے، مزید اور ایک مخطوطے کا ذکر میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اس امر کی وضاحت ہو جائے کہ تصوف نے جہاں ہندوستانیوں کو متاثر کیا وہیں اس نے ہندو مت اور خصوصاً بدھ مت کی تعلیمات کو اپنایا بھی!

مجمع البحرین — شہزادہ دارا شکوہ ابن شہنشاہ شاہ جہاں کی ایک مختصر تصنیف ہے جس میں بتایا ہے کہ فلسفۂ ویدانت اور اسلامی تصوف میں کس قدر اشتراک موجود ہے۔ مصنف نے پہلی دفعہ کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ تصوف کی اولین تشریح اپنشدوں میں ملتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دونوں کی منزل ایک ہے یعنی خدا یا با الفاظ دگر منزل قرب لیکن زبان و بیان کی الجھنوں، تشریحات و تفاسیر اور غلط فہمیوں نے حقیقت کو اتنا گہرا کر دیا ہے کہ دونوں قوموں اور مذہبوں میں ایک عظیم خلیج حائل ہو گئی ہے۔ لہٰذا کوشش یہ کی گئی

ہندو کے خیالات کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کی سچائی اور عظمت کا پتہ لگایا جائے۔ اور یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے
جب تقابلی مطالعہ کیا جائے۔

مثال کے طور پر دارا شکوہ نے عنصر کا بیان کیا ہے۔ ہندو پانچ عناصر کو مانتے ہیں یعنی آکاش، باد، آتش،
آب، اور خاک۔ موخر الذکر چار تو مسلمان صوفی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ رہ گیا آکاش تو اہل شریعت کے نزدیک یہ
عرش اکبر ہے۔ چت آکاش (عرش) کو فنا نہیں اور اس سے وجود میں آیا عشق جس کے قریب ہیں ساری دنیا ہے
اسی عشق سے جو آتما یعنی "روح محمدی" نکلی اور یہ ساری تفسیر ہے۔ "کنت کنزاً مخفیاً" کی تمام چیزیں فنا کے گھاٹ
اتر جائیں گی بجز مہا آکاش یعنی ذات خداوندی۔ اسی طرح وہ بھی حواس خمسہ کو مانتے ہیں اور ہم بھی۔ جو ہندی تصوف
میں دھیان ہے وہ ہمارے یہاں "پاس انفاس" ہے۔ حواس باطنی کا بھی یہی حال ہے۔ عقل و دل کی لڑائی ہ
دو تصوف میں جاری ہے۔ ہو الاول ہو الآخر ہو الظاہر ہو الباطن اور اللہ الصمد دونوں کے پاس مشترک ہ
حتیٰ کہ روح القدس یعنی جبرئیل امین دونوں جگہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کا اوم ہمارا ذکر ہو اللہ ہے
میکائیل اور اسرافیل کو بھی وہ لوگ مانتے ہیں مگر اوصاف خداوندی کے ساتھ۔ ہمارے یہاں جو خدائی صفا
جلال اور جمال ہیں وہ ہندو تصوف میں غلط فہمی یا آسانی تبلیغ کے لیے خود خدا بنا دیے گئے ہیں۔ منازل نا
و جبروت و ملکوت و لاہوت کو دونوں مذاہب کے صوفیہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور ازلی ابدی اور نور کو بھی دونو
مانتے ہوئے دیدار الٰہی پر یقین رکھتے ہیں۔ اللہ کے کئی اسمائے حسنیٰ دونوں جگہ مشترک ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ی
اور ہر صفت کو اوتار قرار دیتے ہیں جس سے شرک کا واضح تصور ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب مسلمان
یا فرشتوں کا ذکر کرتے ہیں تو انھیں دیوتا یا اوتار نہیں قرار دیتے مگر بے حد محدود کر دیتے ہیں۔ وحی، حور و ں اور
کا اقرار ہر دو کرتے ہیں۔ ہم سات سیارے اور سات آسمان مانتے ہیں مگر ہندو رشی یہ اضافہ کرتے ہیں کہ وہ آ
جس میں یہ سارے آسمان اور سیارے ہیں آٹھواں آسمان ہے یعنی فلک ثوابت ہو سکتا ہے کہ یہ آٹھواں آ
ہمارے "کرسی" کا تصور ہے۔ لیکن سات طبقات زمین دونوں مانتے ہیں۔ البتہ ہندو صوفی جنت و دو
کو الگ سے نہیں تسلیم کرتے ہیں بلکہ دنیا میں ہی انھیں قرار دیتے ہیں۔ اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ او
جواب دونوں کے یہاں برابر ہے۔ قیامت بھی دونوں کے پاس قدر مشترک ہے۔ "ہر شے میں حقیقت
کار فرما دیکھنا" دونوں مذاہب کے صوفیا کا مذہب ہے۔ "شرک" بھی دونوں کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ معر
الٰہی دونوں جگہ اعلیٰ کارنامہ ہے۔ برہما حضرت جبرئیل کے مشابہ ہیں دونوں مانتے ہیں کہ ایک الٰہی دن ہمارے کئی ہزار سال کے مساو
"معرفۃ السلوک" اور "مجمع البحرین" کے قطع نظر، دونوں مذاہب کے صوفیائے کرام کی زندگی پر

بد ۸ ذی قعدہ ، ۹۰۵ھ کو مرزا کاشغری کا انتقال ہوا۔ کتاب میں اس کی موت اور بعد کے واقعات نہیں ملتے ہیں۔ اس
ے کتاب کا سال تصنیف صفر، ۹۰۵ھ اور شوال ، ۹۰۵ھ کے درمیان قرار دیا جا سکتا ہے۔

کتاب کا صرف ایک نسخہ دستیاب ہے اور وہ بھی میر شمس الدین کے خاندان کے ایک بزرگ' آغا سید یوسف
بی کے کتاب خانے میں محفوظ ہے' راقم کے پیش نظر یہی نسخہ ہے۔

کتابوں میں میر شمس الدین کے حالات ناکافی بلکہ نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں۔ کشمیری تذکرۂ صوفیا کا بھی یہی حال ہے۔
یشوستری نے مجالس المؤمنین میں ان کا ذکر نہایت ہی مختصر بیان کیا ہے۔ تحفۃ الاحباب میں ان کے نام کے ساتھ یہ القاب
ج ہیں :

"حضرت قطب المتحققین، مکمل الکاملین، مرقی الواصلین، آفتاب فلکِ سیادت، خورشید سپہر دورِ حالِ ولایت، مظہر آثار معارفِ الہیٰ، منبع مناشر حقائق نا متناہی، حامی قواعد شریعت مصطفیٰ ....

بود دریں گنبدِ فیروزہ فام قطب زماں شمس فلک احترام
محرمِ رازِ حرمِ کبریا می رسم و روشِ اولیا
عارفِ حق، شیخ ولایت پناہ سینۂ او مخزنِ اسرارِ حق ۔"

ٖمس الدین موسوی سید اور امام موسیٰ کاظم کی ۲۴ ویں پشت میں تھے۔ موضع کنِ متصل سولغان میں پیدا ہوئے' والد
بزرگوار کا نام درویش ابراہیم تھا۔ میر موصوف سلطان حسین مرزا والی خراسان کی طرف سے پہلی مرتبہ ۸۸۲ھ میں بطور سفیر
شمیر آئے تھے۔ یہاں انہوں نے کوہ مارانکے دامن میں ایک وسیع خانقاہ اور عبادتگاہ تعمیر کی وہ خانقاہ میں چلہ کشی اور اد و اذکار میں معروف
ہتے تھے۔ اس زمانے میں شیخ الاسلام ملا اسمٰعیل کبروی کا کشمیر میں طوطی بول رہا تھا۔ میر عراقی نے ان کے خلیفوں کو اپنا گرویدہ
یا' یہاں آٹھ سال کے عرصے تک اپنے نقوش چھوڑ کر جب ۸۹۰ھ میں خراسان واپس چلے گئے' تو وہاں سلطان حسین مرزا
ملازمت ترک کر دی۔ اس کے بعد خراسان میں سید محمد نوربخش (متوفی ۸۶۹ھ) کے فرزند ارجمند شاہ قاسم فیض بخش کے
ں رہنے لگے۔ اور ان کے دوش بدوش نوربخشیہ تحریک چلانے میں پیش پیش رہے۔ پھر بارہ سال کے بعد دوسری مرتبہ ۹۰۲ھ
اپنے پیر و مرشد شاہ قاسم فیض بخش کی ہدایت کے مطابق تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بڑے جاہ و جلال اور تزک و احتشام
، درویشوں کے ایک بڑے قافلے کے ہمراہ عراق سے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ مخدرات' اطفال اور خاندان کے دوسرے لوگ
لوں اور عماریوں میں سوار تھے۔ جب خراسان پہنچے تو خیمے نصب کئے۔ اور تھوڑی دور آگے بڑھے تو سامنے سے :

" مردے پیدا شد با محاسنی سفید نورانی وجاہتے در غایت صباحت وجوانی و چوں نزدیک من رسید سلامے

باو کردم۔ جواب سلام باز دادہ، پرسید کہ از کجا می آئید؟ گفتم از عراق آمدہ ام۔ باز پرسید کہ قصد بکجا دارید؟ گفتم کہ بکشمیر خواہم رفت باز پرسید کہ بکشمیر چہ کار دارید و بکدام می روید؟ گفتم کہ حضرت شاہ قاسم فیض بخش کہ فرزند ارجمند حضرت امام محمد نور بخش است، مرا بولایت کشمیر جہت ارشاد مردم آں ممالک وایں دیار فرستادند۔"

ں بزرگوار نے میر شمس الدین کی حق میں دعائیں دیں اور کہا کہ تمہارے رشد و ہدایت سے کفار مذہب اسلام قبول کریں گے ر تمہاری کوششوں سے دین اسلام کی اشاعت و ترویج ہوگی۔ بزرگ نے کچھ نصیحت بھی کی۔ معلوم ہوا کہ بزرگوار جناب معز تھے۔ میر موصوف اسی سال شیو راتری کے دن بارہمولہ کشمیر پہنچے۔ یہاں پر بابا اسماعیل اور دوسرے صوفیوں نے ان باشایان شان استقبال کیا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ لوگ سلطان زین العابدین کی غیر اسلامی پالیسی کی وجہ سے اب بھی کفر و الحاد اور لوگوں فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ علماء برائے نام مسلمان ہیں۔ لوگوں کا ایمان متزلزل ہو رہا ہے تو انھوں نے اس کا سدِ باب کیا اور نوربخشیہ تحریک کا دائرہ وسیع تر کرنے لگے۔ ان کی تحریک میں سلاطین، وزراء، امراء کے علاوہ صوفیوں اور درویشوں کی ایک بڑی جماعت شامل ہو گئی۔ انھوں نے ہر قصبے ہر گاؤں اور ہر محلے میں مسجد مکتب بنائے اور مؤذن و مبلغ مقرر کئے جو مردوں اور عورتوں کو تعلیم اسلام کا درس دیتے تھے۔

میر شمس الدین جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے میدان جنگ کے بہترین اور آزمودہ کار سپاہی تھے۔ جب لڑتے تھے تو کوہ گراں کی طرح رزم گاہ میں قدم گاڑتے تھے اور مانند شیر ببر کفار گو سفنداں پر حملہ کرتے تھے۔ ان کے مرید جان کی بازی لگا کر ان کے ارد گرد پروانوں کی طرح رہتے تھے اور تیر و شمشیر اور سنان کے پھل خوشی خوشی کھا لیتے تھے۔ کیا مجال تھی کہ ان کا بال بیکا ہونے دیتے۔ جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تھے میدان سے قدم ہٹانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی لڑائی ۹۱۲ھ میں زال ڈگر سری نگر میں ہوئی یہ کفار کا مرکز تھا اور یہاں باہر سے لوگ آ کر برے کاموں کا ارتکاب کرتے تھے۔ جب لڑائی میں دشمن کا صفایا کیا گیا تو پھر زال ڈگر کا نام اسلام پور رکھا گیا۔ لڑائی میں دوسرے درویشوں کے علاوہ ملک موسیٰ دینہ ملک علی رینہ، میر سید بدلا، قاضی محمد قدسی اور مصنف تحفۃ الاحباب کے والد مولانا جمال الدین بھی تھے۔ یہ لوگ اس معرکۂ عظیم میں زخمی بھی ہو گئے تھے۔ قاضی محمد قدسی درویش ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ انھوں نے زال ڈگر کی جنگ سے متاثر ہو کر ایک طویل مثنوی کہی جو تحفۃ الاحباب میں شامل ہے۔ چند شعر یہ ہیں ؎

آں مرشدِ مقتدائے اَنام — آں زبدۂ اولیائے ایام
آں بحرِ معارف و معانی — آں عارفِ سرِّ آسمانی

آں شمس کہ نورِ معرفت یافت — از مطلعِ نوربخش برتافت
تا آں کہ ز ہجرتِ محمدؐ — ہفتاد و سہ سال رفت و ہفتصد
سلطانِ ممالکِ معانی — شاہ ہمداں علیؓ ثانی
ہم رایتِ شرع را برافراخت — ہم آیتِ کفر را بر انداخت
تاریخ چو شد صد و چہل سال — زد شرعِ نبی یقرع فال
شیخے کہ شیخ ثانی آمد — ثانی، علی ثانی آمد

ہر سال دراں مقام سہ بار — جشنے شدے از طریق نجار
چوں از سن نبیؐ مرسل — شد نہصد و سیزدہ مکمل
فرمود عمارتے دراں جا — زیبا و مزیّن و دل آرا
می خواست طہارت ہمانا — کز حکمت صانع توانا
پس آمد و برو اصل خاکش — زآلائش کفر ساخت پاکش

میر شمس الدین عراقی نے خانقاہ میر سید علی ہمدانی کو جس کی بنیاد سلطان سکندر بت شکن نے اپنے عہد میں ۷۹۶ھ میں سید محمد ہمدانی فرزند سید علی ہمدانی کے ہاتھوں رکھوائی تھی اور جو بہت ہی مختصر عمارت تھی اس کو از سرِ نو تعمیر کر کے کافی وسعت بخشی۔ خانقاہ کے ساتھ ایک لنگر بھی تھا جس میں روزانہ صوفیوں درویشوں اور دوسرے لوگوں کے لیے بڑی مقدار میں کھانا اور گوشت پکتا تھا۔ خانقاہ اب تک جہلم کے کنارے مرجع خاص و عام ہے۔ اس کا سارا انتظام میر شمس کے ہاتھ میں تھا جاروبؒ کے تقرر اور برخاستگی اور انصرام و اہتمام سے متعلق تمام امور انھی کے حدِ اختیار میں تھا۔ وہ خانقاہ کے مختارِ کل تھے سلطان محمد شاہ نے ایک فرمان کے تحت انھیں خانقاہ کے کُلّی اختیارات دیے تھے۔

میر موصوف نے تولیت کے زمانے میں درویشوں اور صوفیوں کی ایک جماعت کو خانقاہ ہمدانیہ میں کئی برس تک اربعین میں بٹھایا اور ایک عالم فاضل اور صوفی صافی مولانا حاجی شمس کو جماعت کا پیشوا مقرر کیا تھا۔ انھیں آئینِ تصوف کے تحت خرقۂ کبود اور عمامۂ سیاہ تفویض کیا تھا۔ وہ حاجی کے ظاہر و باطن سے واقف تھے۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کیلئے خاص توجہ فرماتے

خانقاہ زڈی بل اور سفرِ بلتستان :

جب پہلی مرتبہ میر عراقی بطور سفیر کشمیر آئے تھے تو انھیں موضع زڈی بل سری نگر کی آب و ہوا خداداد اللہ ترحمۃ کے اعتبار سے مرغوب آئی تھی اور وقتاً فوقتاً وہاں جایا کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہاں کوئی خانقاہ یا مسجد بھی

تعمیر ہو۔ اس زمانے میں ملک موسیٰ رینہ صاحبِ اقتدار تھے جو بعد میں وزیر اعظم ہوئے تھے۔ انھوں نے خانقاہ کی تعمیر کیلئے اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ یعنی اراضی، مکانات، باغات، نقد و جواہرات اور بیش بہا زیورات میر موصوف کو تحائف و ہدایا کے طور پر پیش کئے۔ وہ اور درویشوں کی ایک جماعت جن میں مولانا سلمان خواجہ نقشبندیہ، حضرت بابا علی، مولانا محمد امام، مولانا نصرت، مولانا سعید، مولانا جمال الدین پدر مصنف تحفۃ الاحباب، مولانا خلیل اللہ، مولانا قاضی محمد قدسی، مولانا عثمان گنائی، مولانا سیف اور مولانا عبدالرحمٰن قابلِ ذکر ہیں، وارد کشمیر ہوئے۔ خود میر عراقی اپنی مخدرات، اولاد اور سامان سمیت ملک موسیٰ رینہ کے گھر میں اترے۔ انھوں نے درویشوں کے لیے ایک سرائے بنائی۔ باغ وغیرہ بھی لگوائے اور خانقاہ کی تعمیر میں مصروف رہے اور اس کا سنگِ بنیاد ۹۰۲ھ میں ہی ڈالا گیا۔ تحفۃ الاحباب میں سال تاریخ اس طرح درج ہے ؎

چو بتائید کردگار علی | حیّ قادر حکیم لم یزلی
نور بخشِ قلوبِ اہلِ صفا | ہادیٔ سالکانِ راہِ ہدیٰ
قاسمِ فیض و واہبِ توفیق | رہنمائے معارجِ تحقیق
طلعت افروزِ شمسِ دینِ نبی | شمسہ افرازِ کاخِ مطلبی
در بلاد ممالکِ کشمیر | حرست من طوارق اللّٰہ میر
غوثِ اعظم امام روئے زمین | قطبِ آفاق شیخ شمس الدین
پرتو شمع نور بخش افروخت | دیدۂ حاسدانِ منکر سوخت
ہمتِ ایں بزرگِ صاحب جہر | فی الحقیقت بغیر منت غیر
خانقاہے چناں عمارت کرد | گر فرشتہ درو زیارت کرد
بر رواقش نوشتہ روح الامین | سال تاریخ کاشف امتین (۹۰۲ھ)

بر در ایں مقام ہمچو بہشت
خلّد اللہ ذوالبقا، نوشت

خانقاہ کی تعمیر میں سلطان محمد شاہ اور ان کے وزیر اعظم سید محمد بیہقی نے بھی اول اول دلچسپی کا اظہار کیا لیکن بعض ملا کو میر عراقی کی بڑھتی ہوئی شہرت و ہر دلعزیزی پسند نہیں آئی۔ انھوں نے ان کی مخالفت کرنا شروع کی۔ اس پر وہ کارِ تعمیر ادھوری چھوڑ کر تبت یعنی لداخ (بلتستان) ساٹھ درویشوں کے ساتھ چلے گئے۔ یہاں اشاعتِ اسلام میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ وہاں کے بودھ راجا، امرا اور عوام کو مشرف بہ اسلام کیا۔ لداخ میں چند ماہ قیام

کے بعد جب ملک موسیٰ رینہ ۹۰۷ھ میں سید محمد بیہقی کے انتقال کے بعد وزیر ہوئے تو انھوں نے باعزت طور پر انھیں تبت سے واپس بلالیا۔ ان کی واپسی پر سلاطین کشمیر امرأ اور وزرأ نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور انھیں بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ زڈی بل میں اتارا۔ موصوف نے پھر خانقاہ کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ اور ایسی پر شکوہ اور وسیع عمارت بغیر ستون کے تعمیر کی جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں تھی۔ خانقاہ ایک بڑے احاطے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ارد گرد ایک مضبوط حصار بنائی گئی تھی اور یہ خانقاہ "نوربخشیہ" کے نام سے ۹۱۰ھ میں مکمل ہوئی۔ ایک مشہور صوفی اور منجم مولانا کمال الدین گنائی نے تاریخ اتمام "شیخ" کہی۔ خانقاہ کی پوری تفصیلات تحفۃ الاحباب میں درج ہیں۔ بقول مصنف:

"مردم از اقطار و اکناف و از جوانب و اطراف می آمدند۔ و آں خانقاہِ منور را می دیدند و می گفتند کہ چندیں بلاد و امصار گشتیم و تمام ممالک و دیار کہ مسافرت نمودیم ہیچ جا عمارتے بایں روشنی و ہوا و خانقاہے بایں نور و صفا نہ دیدیم۔ و حضرت امیر شمس الدین آں را بہ خانقاہ نوربخشیہ موسوم ساختند۔ و مردم اقارب و احباب می گفتند کہ بمجرد تماشا دیدنِ ایں منزلِ منور معلوم و مفہوم می شود کہ خانقاہ نوربخش است۔"

قاضی محمد قدسی نے میر شمس الدین کی فرمائش پر ۹۴ شعر کی ایک مثنوی "سلسلۃ الذہب" کے نام سے نظم کی تھی جو خانقاہ کی دیواروں پر مشائخ عظام اور اولیائے کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ ملا ولی گنائی اور ملا حاجی گنائی سے کتبہ کرائی۔ یہ دونوں درویش فن خطاطی خاص کر ثلث نویسی کے ماہر تھے۔ مثنوی کے چند شعر یہ ہیں ؎

عارفِ حق، ولی، روئے زمین　　　قطبِ آفاق، شیخ شمس الدین
قبلۂ خلق و قدوۂ اقطاب　　　شدہ قاسم شہِ بلند جناب
نوربخش آں محمد ثانی　　　غوث اعظم امام ربانی
نسبتِ او بآفتاب ہدا　　　خواجہ اسحاق، زبدۃ الشہدا
نسبتِ او بہ پیر ربانی　　　قطبِ عالم، امیر ہمدانی
ذاتِ او منبع معانی داں　　　نام او را علی ثانی داں
نسبت او بہ قطب یزدانی　　　شیخ عالی علاء سمنانی
نسبت او بہ مرشدِ دینی　　　عبدالرحمن اسفرائینی
نسبت او بہ سالکِ والا　　　شیخ عالم علی بن لالا
نسبت او بہ بونجیب آمد　　　آنکہ در کارِ دیں لبیب آمد

نسبتِ او بہ عارفِ عالی — شیخ دین احمد است غزالی
نسبتِ او بہ شیخ ابوبکر است — کہ ز قیدِ تردد و شک رست
نسبتِ او بہ پیرِ ربّانی — شیخ ابوالقاسم است جرجانی
نسبتِ او بہ مرشدِ مطلق — شیخ عمار یاسر است الحق
نسبتِ او بہ معدنِ عرفاں — مرشدِ راہ، شیخ ابو عثمان
نسبتِ او بہ عارفِ رحمٰن — بوعلی پیرِ رود باری داں
نسبتِ او بہ مقتدائے انام — شاہِ عالی رضا امام ہمام
نسبتِ او بہ موسئ کاظمؓ — کہ رشد احکامِ شرع را ناظم
نسبتِ او بہ حجتِ ناطق — جعفر بن محمد صادق
نسبتِ او بہ کاملِ ماہر — مظہرِ حق محمد باقر
نسبتِ او بہ مجمعِ ستائش — قدوۃ الاولیا حسین شہید
نسبتِ او بابن عم رسول — وارثِ مصطفیٰ و زوجِ بتول

خانقاہ پہنچنے تک تین بڑے دروازے تھے۔ (۱) باب الطریقت (۲) باب الشریعت۔ (۳) باب السلام زائرین، خانقاہ کا طواف مسجد حرم کی طرح کرتے تھے۔ اس میں روزانہ نماز پنجگانہ ہوتی تھی اور صوفی اکابر خلوت نشینی میں درود وظائف میں ہمہ تن محو رہتے تھے۔ خود میر موصوف، خانقاہ میں باب الطریقت کے بائیں طرف اپنی نشست گاہ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں سلاطین و امرا اور عوام قدمبوسی کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ خود میر عراقی کا قول تھا کہ جو کوئی مومن مخلص ہماری خانقاہ کی زیارت کرے، اس نے گویا حج بیت اللہ انجام دیا۔ چنانچہ تحفۃ الاحباب میں درج ہے کہ:

"صوفی بود از صوفیان آنحضرت، و او را دغدغۂ زیارت بیت اللہ پیدا شدہ و برائے زادِ راہ و خرجیاتِ سفر خود پارۂ زر جمع کردہ پیش آنحضرت آمدہ، رخصت و اجازت طلبید۔ آنحضرت فرمود کہ برائے زاد و خرجی راہ چیزے داری؟ گفت: این قدر مبلغ زر برائے خرجی راہ جمع دارم۔ آنحضرت فرمود کہ برو آں زرہا را پیش من بیار۔ آں صوفی چوں مخلص خاص و مریدِ با اخلاص بود۔ فی الحال رفتہ و آں زرہا را پیش نظرِ آنحضرت حاضر ساخت، و آنحضرت فرمود کہ ایں زرہا پیش من بنہ و ہر روز خانقاہِ ما را ہفت طواف بکن۔ خدائے تعالیٰ ترا ہر روز ثوابِ بیت اللہ خواہد داد۔ و در دیوانِ اعمالِ تو ہر روز یک حج ثبت خواہد کرد۔ و ایں سخن آنحضرت بعینہٖ سخنِ حضرت بایزید بسطامی است کہ در کتاب

مسطور و مشہور است:

میر شمس الدین کی قیادت میں خانقاہ زڈی بل میں صوفیوں اور درویشوں کی بہت بڑی جماعت رہتی تھی۔ یہ سب کے سب عالم و فاضل اور صاحب نظر تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔

مولانا جمال الدین، پدر مصنف تحفۃ الاحباب، مولانا سلطان، مولانا عثمان، مولانا سیف، ملّا عبدالرحمن، مولانا کمال، مولانا جنید، مولانا زیرک، مولانا بابا شمس گنائی، مولانا حاجی بایزید، مولانا خلیل اللہ، مولانا میر حسین، مولانا حضرت بابا، ملّا درویش قاضی محمد قدسی، مولانا سید احمد، مولانا سعید، مولانا سعداللہ، ملّا محمد پیر، ملّا محمد امام، خواجہ رفیق، مولانا سید افضل، مولانا حافظ محمد کیانی، مولانا ملّا حسن عودی، ملّا دلو صوفی، مولانا حاجی علی صوفی جمال تاج الدین خادم، مولانا محمد گنائی، مولانا مرد، مولانا حافظ بصیر، مولانا امیر سید بدلا۔

تمام صوفی میر موصوف کی سربراہی میں خانقاہ میں چلّے میں بیٹھتے تھے اور سالکان تربیت پاتے تھے۔ مدّتِ چلّہ کے بعد وہ درویشوں کے اجلاس میں حاضر ہوتے تھے اور پھر انھیں حجرے کے باہر خانقاہ میں بٹھا کر چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد رات کے پچھلے پہر خانقاہ میں آکر نماز پڑھتے، بعد نماز اوراد فتحیہ پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔ تحفۃ الاحباب میں ان کے اذکار اور دوسری سرگرمیوں کے بارے میں منقول ہے کہ:

"بعد از فراغ اوراد بیرون می آمدند و جماعت صوفیان که بکار باغ و باغات اشتغال داشتند سرکار بہای نمودند و وقت نماز پیشین باز بخانقاه در آمده نماز بجماعت می گزارد و از وظائف باقیہ فارغ شده، باز بیرون برآمده تا نماز دیگر بار مردمی که بزیارت و ملاقات آنحضرت می آمدند صحبت می داشت و بحرف و حکایات و کلام و کلمات اشتغال می نمود و باز به نماز دیگر بجماعت حاضر شده می گزاردند و به اوراد عصر می نشست و بعد از نماز شام و خفتن بخلوة خود می در آمد و بعد از طعام دعائے ختم طعام آنحضرت می خواند و بعد از ادائے چند تسبیح و وظیفه بحجرۂ بیرونی می رفت و در سه پاس آخر بخلوت اربعین می در آمد و برین نہج و طریقه قریب پانزده شانزده سال گزارده و در این اربعینا درویشان قواعد و آداب ارباب خلوت و ارکان شرائط اہل خلوت محافظت می نمودند و آنحضرت قواعد احکام مرعی می داشت و تمام اہل اربعین و سائر درویشان چله نشین در حرکات و سکنات بحکم "موتوا قبل ان تموتوا" مانند الموتی و بمعنی اموات بودند و با هیچ کس سخن جز بضرورت نمی کردند۔ و اگر به ضرورت سخن بکسی می کردند مانند مریض غیرت سخن بطریق نجوی می گفتند و هرگز آواز بلند نمی کردند۔"

ہر نئے لوگ پہلی مرتبہ نوربخشیہ طریقہ اختیار کرتے تھے ان کے لیے لازم تھا کہ وہ تمام رات خانقاہ میں محو عبادت رہیں۔ انکو غزالی بسطامی اور جنید کی کتابوں کے اقتباسات سنائے جاتے تھے۔ مصنف کتاب ایک مشہور درویش اور ماہر موسیقی مولانا ملا حسن عودی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ خانقاہ نوربخشیہ میں صوفی اور درویش محفل سماع جوش و خروش سے منعقد کیا کرتے تھے اور وہ اپنی اصطلاح میں اسے سنت رسولؐ کہتے تھے۔ ایک مرتبہ رات میں مولانا سید افضل اور مولانا حافظ محمود کیانی جو بے مثل خوش آواز اور غزل خوان تھے حالت وجد میں تھے اسی وقت ایک عرب میر شمس الدین کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ موصوف اپنے حجرے سے برآمد ہوئے اور محراب خانقاہ میں اس عرب کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے۔ انھوں نے ملا حسین کو جن کے ذمہ ساز بجانے کا کام بھی تھا بلایا اور حکم دیا کہ تمام صوفیوں کو محفل سماع میں بلالاؤ۔ ملا عودی نے قاعدہ و آداب کے مطابق "بسم اللہ" کی آواز بلند کی اور تمام صوفیا حاضر ہوئے۔ پھر ملا عودی سے کہا گیا کہ تم شیخ عرب کو برائے سماع اٹھاؤ۔ عرب نے سر ہلا کر اٹھنے سے انکار کیا۔ پھر ملاؔ نے پوری قوت سے دونوں ہاتھوں سے اس کو اٹھالیا۔ اس نے میر موصوف کو بھی اٹھالیا اور پھر دونوں پر وجد میں حال کی کیفیت طاری ہوئی اور:

"ہر دو شیخ پر شوق و ذوق در میان اہل سماع مانند نیرین در میان ثوابت و سیارات می گردیدند و چون سبز پوشان صوامع گردون و ازرق لباسان خوانق بے ستون رقصہا و گردش ہا می نمودند و جملہ درویشان عالی شان مانند روشنان آسمان و تمام صوفیان ملک صفات چون نیرات سموات دایرات بعضے از مشرق روے بہ مغرب داشتند و بعضے از مغرب بطرف مشرق قدم سماع بری داشتند و جمعے از شمال بجنوب می گشتند و برخے از جنوب بہ شمال می گزشتند"

یہ وجد و سماع کی محفلیں خانقاہ میں میر شمس الدین عراقی کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے میر دانیال نے بھی جاری رکھی تھیں۔ وہ بھی صوفیوں کی صدائے بسم اللہ سنتے ہی وجد میں آتے تھے اور ان پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ یہی حال حضرت بابا علی اور دوسرے درویشوں کا رہتا تھا۔ بقول مصنف کتاب:

"حضرت شیخ دانیال و حضرت بابا ہم در وجد و سماع بدرویشان عالی شان موافقت نمودند و چنان وجد و سماعی بہ سوز و گداز و شوق و نیاز واقع شدہ کہ در غلغلۂ جوش و خروش اہل اللہ از صوامع ملک و ملکوت درگزشتہ و ولولۂ شوق و ذوق درویشان را بہ سماع کروبیان رسیدہ و حضرت شیخ شہید و حضرت بابا اگرچہ در اول سماع و ابتدائے تواجد با تمیز و با ہوش بودند اما در اثنائے وجد و سماع آنچنان بے خود و بے ہوش شدند کہ بجز ارباب فنائے حقیقی کسے را آن بے خودی دست نمی دہد بجز از سکران شراب طہور لایزالی

آں مستی و بے ہوشی دیدہ نمی شود۔

جب میر موصوف کسی درویش کو نائب یا خلیفہ بناتے تھے تو اس کے لئے ایک خاص رسم انجام دی جاتی تھی۔ انھوں نے ۷۰۹ھ میں تبت جانے سے قبل حضرت بابا علی کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ رسم یہ تھی کہ اپنا عمامہ سیاہ یا طاقیہ سرخ ان کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ یہ تاج کرامت ہے جو حضرت سلیمان نے ہدہد کے سر پر رکھا اور پھر ان کا عمامہ اپنے سر پر رکھا۔ یہ بھی فرمایا کہ تم کو اب اجازت ہے اپنے مریدوں کی بیعت قبول کرو۔ اس کے بعد خانقاہ میں مریدوں اور درویشوں نے ان کے ہاتھ بیعت کی پھر چلے میں بیٹھ گئے۔

خانقاہ زڈی بل میں صوفیوں اور درویشوں کو طہارت اور پاکیزگی کے آداب بھی سختی سے سکھلائے جاتے تھے۔

چنانچہ کتاب میں لکھا ہے کہ ایک درویش مسمیٰ تاج الدین میر عراقی کے لنگر خانے میں بیس سال سے زیادہ باورچی تھے اور ہمیشہ "لا یمسہ الا المطہرون" کے حکم کے مطابق باوضو پکاتے تھے اور بغیر وضو کسی برتن یا کھانے پینے کی چیزوں حتیٰ کہ ہیزم لکڑ کو بھی نہیں چھوتے تھے۔ اس طہارت و پاکیزگی کے باوجود میر موصوف درویش کو زدوکوب کرتے تھے

میر شمس الدین کا انتقال ۲ رمضان ۹۳۲ھ کو ہوا۔ مادۂ تاریخ وفات "یا ہادی المفضل" ہے اپنی خانقاہ میں دفن ہیں۔ ان کی خانقاہ کے آثار اب تک موجود ہیں۔ مرزا حیدر کاشغری نے حرم مسجد کی طرح اس کا طواف کیا تھا اور اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ۹۵۴ھ میں اسے نذر آتش بھی کیا۔

سوال و جواب

● **ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی** : پروفیسر محمد شفیع نے بھی اورینٹل کالج میگزین میں اس کا تعارف کرایا ہے کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور ماخذ ہے ؟

● **جواب** : پروفیسر محمد شفیع نے بھی تعارف کرایا لیکن جس نہج سے میں نے تعارف کرایا ہے وہ اس تعارف سے مختلف ہے۔ انھوں نے تاریخی واقعات بیان کیے ہیں۔ ہم نے تصوف کے ایک نئے رنگ کو پیش کیا کہ وہ کیا کرتے تھے اور ان کا مقصد کیا تھا

● **ڈاکٹر محمد ذکی** : شیخ موصوف کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کی خانقاہ کی زیارت کرنا گویا حج اکبر ہے۔ یہ کن صاحب کا قول ہے۔ ؟

● **جواب** : یہ خود مصنف نے لکھا ہے۔ اور اس زمانے میں سیاست کی غرض سے بادشاہ تک وہاں جاتے تھے۔ طواف کرتے تھے۔ وہ دوسرے صوفی کی طرح نہیں تھے۔ انھوں نے اپنی شناخت آپ بنائی اور ایک سے ایک کارنامے انجام دیے۔

● جناب شمس الدین : یہ تو آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ان سے پہلے یعنی میر شمس الدین عراقی سے پہلے بہت پہلے جناب میر سید علی ہمدانی تشریف لائے تھے۔ اور ڈاکٹر صوفی کے ذہن میں بھی یہ بات ہے کہ میر سید علی ہمدانی کو اثنا عشری ہمدانی کہتے ہیں۔ وہ بھی غار نشین نہیں تھے، وہ بھی اپنے وطن کو چھوڑ کر شمس الدین عراقی ہی کی طرح بہت جگہ گھومے۔ خصوصاً کشمیر میں انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی۔ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے بھی مبلغین کشمیر سے باہر کے تشریف لائے وہ یقیناً غار نشین نہیں تھے

● جواب : میں نے یہاں ریشیوں کا ذکر کیا اور رشی لوگ غاروں میں رہتے تھے۔ اللہ کی نعمتوں سے محروم رہتے تھے۔ گھاس، پات کھاتے تھے، اور کہتے تھے نفس کشی، اور میں اس نفس کشی کو خودکشی سمجھتا ہوں۔

● جناب محمد احمد : اس خانقاہ کا حکومت کے ساتھ کیا رویہ تھا ؟

● جواب : جب میر شمس الدین عراقی کا انتقال ۹۳۰ھ میں ہوا تو ان کے انتقال کے بعد ۹۴۷ھ میں مرزا حیدر کاشغری نے حملہ کیا۔ اب جب دیکھا کہ یہاں سب لوگ نوربخشی ہیں تو بغرض سیاست وہ وہاں گئے اور سجدہ کیا اور جب ضرورت پڑی، اپنی ضرورت پوری ہو گئی تو اس خانقاہ کو نذر آتش بھی کیا۔

●●

ڈاکٹر شمس الدین احمد
شعبۂ فارسی
کشمیر یونیورسٹی سرینگر

حضرت شیخ یعقوب صرفی کی دو اہم تصانیف

(۱) رسالہ ذکریہ

حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ ۹۲۸ھ میں سرینگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کشمیر کے ایک مشہور و معروف صوفی شاعر اور عالم شمار ہیں۔ آپ کا اصلی نام یعقوب تھا، صرفی آپ کا تخلص تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے القاب میں حضرت ایشان، "شیخ گنائی" اور "جامی" ؟ شامل ہیں۔ صرفی تخلص رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ ہدایت اپنے گرامی استاد حضرت مولانا رضی الدین نے فرمائی جن کے بارے میں آپ فرماتے ہیں ؎

به رسم تخلص به نظم کلام — مرا صرفی آن نامور ماند نام
به سن صغیرم بکبری نظر — مرا در تصوف شده راهبر [2]

چونکہ آپ کو علم صرف و نحو پر ید طولیٰ حاصل تھا اس لیے آپ کے استاد گرامی نے آپ کو صرفی تخلص رکھنے کی ہدایت کی۔[3]

"ایشان"[4] وسط ایشیائی محاورہ میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی علامہ کے ہیں۔ اور چونکہ آپ نے اس زمانے کے یعنی فقہ، حدیث، تفسیر، فلسفہ، منطق، عروض اور تصوف وغیرہ میں پوری دستگاہ پا کر بین الاقوامی شہرت پائی تھی جس کے نتیجے میں یہ لقب پایا۔

شیخ کے لقب سے مشہور ہونے کے بارے میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ آپ ابتدائی زندگی سے زاہد و پرہیزگار تھے۔ بلکہ اور خدا شناسی کا جذبہ آپ کے دل میں بچپن ہی سے موجود تھا۔

"گنائی" آپ کو شاہان وقت کی طرف سے خطاب ملا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے خاندان کو خوشنویسی اور رسائل [illegible] کمال حاصل تھا۔ گنائی سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور گن سنسکرت میں قلم کو کہتے ہیں اور گنائی منشی کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ خواجہ

---

[1] تاریخ کبیر مصنف حاجی محی الدین مسکین۔ (ص ۱۷۰)، ب۔ فتوحات الکبرویہ از عبدالوہاب نوری ص ۲۱۹۔ (ج) "تاریخ حسن" حصہ سوم ۱۹۲۔

[2] مقدمہ [illegible] تصنیف مولوی محمد شاہ سعادت [illegible] ص ۱۱ [illegible] [3] مغازی النبی [illegible] ص ۱۰۔

[3] اپنے دیوان اشعار میں صرفی اس تخلص کے بارے میں اپنی زندگی کو راہ عشق میں صرف کرنے پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

چون کرد صرف راه تو نقد حیات خویش — یعقوب راز عشق تو صرفی شدست نام

[4] ڈاکٹر محی الدین صوفی اپنے تحقیقی مقالہ کشیر میں اس کے بارے میں یوں لکھتا ہے کہ "ایشان" کا لفظ ترکستان میں [illegible] استعمال کیا جاتا ہے۔ [illegible] مرشد یا پیر شیخ "الدرویش" [illegible] جلد اول ص ۲۴۱ [illegible] اس لقب کا استعمال ہوتا تھا

نے اپنی تصنیف میں گنائی کا مفہوم سمجھانے کے لیے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ :

" گنائی در عرف آنزمان فروشندہ رائی گفتند۔ از مشق ابتدائی ہمیں لقب بود" [1]

ہاشمی کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نسبتاً ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس خاندان کی نسبت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس خاندان کے افراد حضرت ہاشم بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اپنا نسب نامہ پہنچاتے ہیں۔ اس پہلو کی طرف کشمیر کے ایک معروف شاعر مولانا عبدالوہاب شائق نے درج ذیل اشعار میں اشارہ کیا ہے :

زہی مظہر لطف پروردگار　　　در علم و عمل عارف نامدار
از احفاد ہاشم کہ آن نیک خو　　　بدہ ابن فاروق اعظم نکو
ز شیخ حسن بود این خوش نسب　　　کہ اعیان کشمیر بکش لقب

حضرت مرزیؒ بچپن سے ہی علم و عرفان کے شائق تھے جس کے نتیجے میں انھوں نے ابتدائی عمر میں ہی قرآن مجید کو حفظ کر لیا اور مروجہ علوم میں سرگرم عمل رہے اور اپنے زمانے کے فاضل استاد ملا محمد آکنی کے درس میں شریک ہوئے۔ ملا محمد آکنی مولانا عبدالرحمن جامی کے مشہور و معروف فارغ التحصیل شاگردوں میں سے تھے۔

مولانا مرزی سات سال کے تھے کہ شعر کہنے لگے اور اپنے والد بزرگوار جو اپنے زمانے کے اعلیٰ پایہ کے عالم خوشنویس اور شاعر تھے اسے شعر کی اصلاح لینے لگے۔ خود فرماتے ہیں ؎

چو در سال ہفتم نہادم قدم　　　ز طبعم روان گشت شعر عجم
پدر کردی اصلاح اشعار من　　　باصلاح بودی مددگار من [2]

اس کے علاوہ ان سے اپنی ابتدائی تعلیم بھی پائی جس کے بارے میں کہتے ہیں ؎

پدر بسکہ مشفق بمن بودہ است　　　ز علم و آداب فرمودہ است
بہ تعلیم خود بندہ را کرد خاص　　　ز تشویق استاد مکتب خلاص [3]

حضرت مرزی جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو والد بزرگوار نے ان کو زمینداری کا کام سنبھالنے کے لیے گاؤں بھیج دیا اور گاؤں میں رہ کر جوانی کا زمانہ عیاش نوجوانوں نے آگھیرا لیکن والد نے خبر پاکر مرزی کو تنبیہ کی اور والد کی طرف سے ہوئی ملامت پر اپنی ندامت اور مایوسی کا اظہار کیا اور بہت ہی عاجزی اور انکساری کی حالت میں خانقاہ معلیٰ میں نماز ادا کی پھر شاہ ہمدانؒ کا فیض ہوا اور اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور اُسی وقت سے دل میں علم و عرفان حق کا شوق پیدا ہوا جس کے زیر اثر اپنے ملک

---

[1] واقعات کشمیر از خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔ [2] مغازی النبی از مرزی۔ [3] ایضاً

۲۳۴

سفر کی ٹھانی اور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ باتہال کے راستے خراسان اور ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوئے۔ بدخشان، بلخ، اور بڑے شہروں سے ہوتے ہوئے سمرقند میں پہونچے اور شیخ کمال الدین حسینؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر روحانی تربیت حاصل کی جس کا ذکر عرفیؔ نے مسلک الاخیار میں ان اشعار میں کیا ہے ؎

بار چون در خدمت او یافتم — روی دل از غیر خدا تافتم
چون نظری کرد بایں خاکسار — زورقم بمحیط آمد از کنار
تا آمده زورق بمحیط المستقم — بلکه محیط آمده در زورقم
محو بدریا شده ام قطره وار — بلکه محیط است مرا در کنار

حضرت عرفیؔ ان کی خدمت میں رہ کر ہی عارف کامل بن گئے، حتیٰ کہ آپ اپنی روشن ضمیری کو انہی کا صدقہ سمجھتے ہیں۔ ریاض و چلہ کشی کے بعد ہدایت اور ارشاد کی اجازت پاکر وطن واپس آگئے۔ اپنے مرشد سے ملنے کا دوسری بار جب شوق پیدا ہوا تو پھر سمرقند پہونچے معلوم ہوا کہ آپ کے مرشد حج بیت اللہ کے لیے چلے گئے تھے۔ اپنے پیر و مرشد کی جدائی اور فراق نے انھیں اس قدر بیقرار کر دیا کہ وہاں سے سیدھے خانہ کعبہ کی راہ لی تاکہ اپنے مرشد کی خدمت میں مشرف ہونے کے ساتھ ساتھ فریضۂ حج بھی ادا ہو۔ وہاں پہنچ کر مشہور محدث ابن حجر مکی سے درس حدیث کی سند حاصل کی۔ ابن عربی کی فصوص الحکم شیخ محمد حسن شافعی مکیؒ سے درساً پڑھی اور شیخ فتح اللہ مدنیؒ سے فتوحات مکیہ کے اسرار و رموز سیکھے۔ واپسی پر ہندوستان کے علماء اور صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے جس کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

سیاحت بہ عالم بسی کردہ ام — ملاقات با ہر کسی کردہ ام
درین راہ ہر جا کہ بودہ است کس — نگاہی از و کردہ ام ملتمس

اس بات سے خود ہی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عرفیؔ صغر سنی سے ہی عرفان حق کے طلبگار تھے۔ اپنے معاصر علماء اور صوفیاء کی رہنمائی میں آپ ایک بلند پایہ سالک بن گئے تھے۔ ملک سے باہر دیگر ممالک کی سیر و سیاحت کے دوران صوفیائے کرام اور علمائے عظام کی صحبت میں رہ کر آپ نے علم صوری اور علم معنوی پر دسترس حاصل کی، جس کے نتیجے میں آپ ایک عالم، فاضل، شاعر، ادیب، محدث اور عارف کی صورت میں سامنے آگئے۔ حضرت عرفیؔ نے اپنی زندگی کے دوران کئی منظوم اور منثور تصانیف باقی ہیں جن میں سے بیشتر تصانیف تصوف سے متعلق ہیں۔ خمسۂ نظامیؔ کی تقلید میں آپ نے مسلک الاخیار، وامق و عذرا، لیلیٰ و مجنون، النبی اور مقامات مرشد جیسی مثنویاں رشتۂ تحریر میں لائی ہیں۔ اس کے علاوہ شرح ثلاثیات بخاری، شرح صحیح بخاری، الحاوی، حاشیہ توضیح، رباعیات، شرح رباعیات، تفسیر مطالب الطالبین، شرح اربعین، روائح، دیوان عرفی، تعریفات پر بہ سوالیا

مناقب الاولیا، تفسیر صرفی (فارسی) اور رسالۂ ذکریہ بھی آپ کی تصانیف میں شامل ہیں۔

حضرت شیخ نے ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی اور "فخر الامام" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ سرینگر کے محلہ زینہ کدل میں دریائے جہلم کے کنارے پر آپ کا جسد مبارک سپرد خاک کیا گیا۔ جو یہاں کے عقیدت مندوں کی مقدس زیارت گاہ مانی جاتی ہے اور یہ زیارت گاہ حضرت ایشان صاحب کے نام سے لوگوں میں مشہور ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۷۵ سال بتائی جاتی ہے جس کا ذکر آپ کے شاگرد خاص خواجہ حبیب اللہ حبیؒ نے اس شعر میں کیا ہے۔ ؎

یافتم بہر سال تاریخش   پنج و ہفتاد سالہ آن شاہ[1]

سر دست میرا موضوع بحث رسالۂ ذکریہ ہے جو کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں زیر نمبر اندراج (۲۷) موجود ہے حضرت صرفیؒ کے دیگر تصانیف کے چند قلمی نسخے بھی اس شعبے میں موجود اور محفوظ ہیں۔

رسالۂ ذکریہ کشمیر یونیورسٹی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں زیر نمبر ۲۰۰۰ موجود ہے۔ اس کے کل اوراق ۴۶ یعنی ۹۲ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ کی سطروں کی تعداد اوسطاً ۱۵ ہے لیکن صفحۂ اول کے سطروں کی تعداد صرف گیارہ اور صفحۂ آخر کے سطروں کی کل تعداد آٹھ ہے اور ہر سطر کے الفاظ کی تعداد اوسطاً ۱۲ ہوتی ہے۔ نسخے کی کتابت آج سے ۸۲ سال پہلے کی گئی ہے اور رسالہ کتابت غرۂ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ ہے۔ نسخے کا سائز ۶" × ۸" ہے۔ جلد پر نیلے رنگ کا کپڑا اور پچھلا لگا ہوا ہے۔ اس نسخے کے کاتب کا نام میر محمد سعید اندرابی ہے اور رسم خط نستعلیق ہے جس کو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔

مصنف نے یوں تو یہ نسخہ فارسی نثر میں لکھا ہے مگر عبارت میں اکثر جگہوں پر اشعار بھی لائے ہیں۔ جا بجا اور جگہ جگہ مصنف نے اپنی رباعیات بھی درج کی ہیں اور بعض جگہوں پر مصنف کی اپنی غزلیں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ منظوم بھی کہلایا جا سکتا ہے اور منثور بھی۔ اس کے علاوہ مصنف نے اس میں کئی جگہوں پر عربی عبارت بھی درج کی ہے جو بعض جگہوں پر خود اس کی اپنی عبارت ہے اور اکثر جگہوں پر دوسری کتابوں سے بھی نقل کی گئی ہے۔ کئی جگہوں پر آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ اور صحابۂ کبار اور بزرگان دین کے اقوال زریں بھی درج کیے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر نسخے کا نام منثور عربی اور فارسی رسالہ رکھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جس کے لئے یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ رسالہ مذکور کے آخری صفحات پر بیشتر عربی عبارت ہی درج ہے جو احادیث نبوی اور بزرگوں کے اقوال زریں سے منقول ہے۔

مصنف نے کتاب کا آغاز حمد رب العالمین کی یاد میں ان اشعار سے کیا ہے ؎

مرا یاد تو یا رب قوت جان باد   بہ ذکر تو دلم رطب اللسان باد

چہ در ظاہر چہ در باطن ہمیشہ   دلم را نام تو ورد زبان باد

---

[1] رسالۂ تصوف ص ۷۔ (دیوتی)

بہرجا و بہر وقت و بہر حال　　زبان ما بذکر تو روان باد
ز درد و محنت عشقت ہمیشہ　　دلم پُر خون و چشم خونفشان باد
دل پُر خون صد چاکم دمادم　　زیاد تو بفریاد و فغان باد
وجود ہر چہ جز مذکور باشد　　زپیش دیدہ ما ذاکر نہان باد
چو از ذکر تو خوشتر نعمتی نیست
بکام مرغی بیچارہ آن باد

رسالہ ذکریہ کا موضوع جیسا کہ اس کے دیباچہ سے ظاہر ہے چند اذکار و مراقبات پر مشتمل ہے جو انھوں نے صوفیائے کرام، علمائے عظام اور سالکانِ راہِ حق سے اپنے سفر کے دوران سیکھے اور پھر ان پر عمل پیرا ہوئے۔ عین عبارت یوں ہے :

" این سطری چند است بعضی منثور و بعضی منظوم بقلم نیاز مسطور نامہ ایجاد مرقوم در بیان بعضے از اذکار و مراقبات در اثنای اسفار از صاحبدلان و ذوی الابصار بایں فقیر حقیر خاکسار یعنی گوشہ نشین زاویہ مسکنت و فقیری یعقوب صرفی ابن حسن کشمیری اصلح اللہ تعالیٰ شانہما و سامہما شانہما رسیدہ و این فقیر کثیر التقصیر اکثر آنرا بجد و اہتمام تمام ورزیدہ ہر یکی خاصیتی و تاثیری دیگر در اضمحلال آثار امکانی و کشف حقائق معانی در خور حال بقدر استعداد دیدہ ہائی امیدواری چنان است فیوض و برکات این مراقبات و اذکار شامل حال سائر اخوان، طریقت شعار کرد "

اس کے بعد نسخۂ مذکور میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بندۂ مومن کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اُس ذات احدیت کو پہچاننے کے بعد اس کی تعظیم اس کے لیے لازمی ہے، اگرچہ اللہ نے کئی عالم پیدا کیے اور ان میں کئی قسم کی مخلوق پیدا کی مگر بنی آدم کی تخلیق کا مقصد محض یہی تھا کہ یہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے شعور تفکر عطا کیا اپنے خالق کو پہچاننے کی کوشش کرے جن کے بارے میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

" تعظیم معرفت حق تعالےٰ مقصود است از ایجاد عالم و شناسائی او مراد است از خلقت بنی آدم "

کتاب کے موضوع سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مومن کے لیے یادِ حق کے دو طریقے ہیں۔ " اذکار و مراقبات " یعنی ذکر جلی اور ذکر خفی اور جو شخص ذکر لا الٰہ الا اللہ سے محروم رہا اور جس کے دل میں شیطانی وسوسوں کا نقش پڑا ہو اس کے دل کی مثال ایک زنگ آلود آئینے کی ہے اور وہ معرفت حق سے ہمیشہ محروم اور نا امید ہوتا ہے۔

در چشم دلت چو نقش اغیار بود　　نظارۂ روی یار دشوار بود
ہرگز نبود بہ ہیچ روی عکس پذیر　　مادام در آئینہ زنگار بود

اس کے علاوہ جو شخص ذکر "اللہ" یا "لا الٰہ الا اللہ" کا ورد کرے اس کے دل کا زنگ اسی کلمۂ طیبہ کے بار بار ورد کرنے سے چھٹ جاتا ہے اور مقامات فقر و فنا حاصل کرنے کا ذریعہ بس یہی "لا الٰہ الا اللہ" ہے جس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مفتاح در رمز این فقر و فنا جز گفتن لا الٰہ الا اللہ نیست"

مصنف نے دینی اور شرعی نقطۂ نگاہ سے اس طریق معرفت کے لیے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے جو یہ ہیں (۱) افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ سے مراد کلمۂ طیبہ کا اعادہ کرنا اور دل میں اس کو جگہ دینا (۲) فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی خدا کہتا ہے تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کرتا ہوں (۳) اِنِّی قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یعنی میں قریب ہوں جب کوئی پکارتا ہے۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں صوفیا کا یہی نظریہ اور خیال ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ وہ ذکر کے سبب رب السموات والارض کے قریب پہونچے اور اس کے سوا کسی کو اپنا معبود اور خالق تصور نہ کرے۔ اور ایک صوفی کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ظاہری اور باطنی دونوں صورتوں میں ہمہ تن معروف ذکر رہے۔ جو تمام صوفیا نے آزما کے اپنایا ہے اس مختصر سے رسالے میں حضرت صرفی اپنے محبوب حقیقی سے غافل نہ رہنے کی سخت تلقین کرتے ہیں:

"یک لحظ چشم از مشاہدہ محبوب حقیقی نپوشی و یکدم شراب غفلت از خم کثرت ننوشی و یک لحظ از مقصود اصل غافل نہ باشی و یک ساعت بماسوی او مایل نشوی و یک نفس از ذکر او باز نمانی و ریاض رضوان و نعیم جاودانی جز مجالس ذکر ندانی و شرف مجالسۂ اہل و اصحاب ذکر از دست نگذاری و صحبت ارباب جمعیت غنیمت شماری"

رسالہ ذکریہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت صرفی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جس زہد و تقویٰ اور ذکر و مراقبہ کو اپنا شغل بنایا تھا اور جس کے زیر اثر اپنے حقیقی محبوب کے عشق و محبت نے اُن کے دل کو اس قدر گھیر کر ان کو ہر دو جہاں سے بے نیاز کر رکھا تھا، یہ کہنا پڑا ؎

صرفیا از ہر دو عالم فارغم تا شدم دیوانہ و شیدائے عشق
مساز جز بدل خویش منزل ام عشق بہ عشق کوش خوش عالمی است عالم عشق

اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا کہ حضرت صرفی نے اس رسالے میں ذکر جلی اور خفی کو اپنانے کا ذکر کیا ہے جس کے دائرے میں شریعت اور طریقت دونوں آتے ہیں۔ ایک جگہ "احد نا صراط المستقیم" کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ راہ صراط مستقیم کا مقصد یہی ہے کہ حضرت اللہ کے حکم کے علاوہ حضرت رسولؐ کی سنت کی اطاعت اور پیروی کر کے زندگی کے ہر قدم پر اس کو مشعل راہ بنائے۔ اور کئی مفسرین کے حوالے سے السنت والجماعت کے گروہ کو راہ مستقیم اپنانے والا گروہ قرار دیا ہے اور ان اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

گر خود نسبت عبادت نبود — باللہ عبادت تو عبادت نبود

راہ صراط مستقیم گویند — جز مذہب سنت و جماعت نبود

اسی نسخے میں آگے چل کر بعض مفسرین کے حوالے سے سنت رسول مقبول صلعم ترک کرنے والے گروہ یعنی شیعہ فرقے کو اہل بدعت قرار دیا ہے۔ مفسرین کا حوالہ دینے کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کی روشنی میں بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری اُمت کے بہتّر گروہ ہو جائیں گے جن میں سے صرف ایک جماعت راہ مستقیم پر گامزن رہے گی وہ وہی گروہ اور جماعت ہے جو خدا کے حکم اور میری سنت کی اطاعت اور پیروی کرے گی اس کے ماسوا باقی سب بدعتی ہیں سہ

ہر کسکہ ز تبعیت او گردن تافت — در گردن خویش طوق از لعنت یافت

حضرت صرفیؔ نے جہاں اس نسخے میں ایک صوفی کو یادِ حق میں ہشت پہر محو رہنے کی تلقین کی ہے۔ وہاں اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ وہ حلال کی روزی کھائے اور کم مقدار میں غذا کھائے۔ اور ایسی چیزوں کو ہاتھ نہ لگانے کی تلقین کی ہے جو خلاف سنت ہوں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ مشائخ، علماء اور فضلا کو حلال کی روٹی ملنے کے باوجود بھی بادشاہوں کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان کے دسترخوان کے کھانے سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ ان کے دلوں میں شیطانی وسوسہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ جو شاید "نفی خاطر" کا باعث بن جائے اور ایک سالک کو اس سے بچنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے:

"آنکہ بہ نفی خاطر چہار رکعت نماز گذارد و در ہر رکعتی، فاتحہ با چہار قل قرأت کند و در سجدہ بعد فراغ ہفت بار یا حیّ یا قیوم برحمتک استغیث آنکہ در ہر نفسی مراعات دل از اہم مہمات داند و ہمیشہ محاسبہ انفاس برخود واجب و لازم گرداند...... آنکہ دایم در صلوٰۃ القلب قیام نماید انشاء اللہ العزیز خواطر بالکلیہ منتفی شود"

اور اسی کے ساتھ وصف الصلوٰۃ القلب کا طریقہ یہ بتایا ہے:

"نیت بہ این طریق کند، نویت ان اودی رکعت، بوجہک الکریم الباقی انت الباقی لا الٰہ الا انت الباقی اللہ اکبر آنگاہ ارکان صلوٰۃ یعنی قرأت و رکوع و سجود بدل ادا کند و ہر چہ داند بخواند پس سلام بسوی قبلہ دہد۔"

نفی خاطر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تکبیر کعبہ قایم نشستہ گذارد و در قرأتش بعد از فاتحہ قل ھو اللہ احد بسیار بخواند بشرط فرد باشد نہ زوج، پس سلام سوی قبلہ دہد و محققان کبار فرمودند کہ نماز را خواص بسیار است و فواید بے شمار۔"

طریق نفی و اثبات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تصوف کے اور طریقوں میں سے یہ طریقہ بھی ہمیں نے مشائخ عظام اور صوفیائے کرام

سیکھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ وہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ ہے یعنی "کچھ بھی نہیں ماسوائے اللہ کے" اور اس کی تعریف میں فرماتے ہیں "این کلمہ طیبہ سکنجبینی است کہ مرکب از سرکہ نفی و شکر اثبات تا مادۂ صفرائی نسیان را کہ بیماری فی قلوبہم مرضٌ از اصبت قلع کندہ ملت کفر و مذلان بصحت ایمان و ایقان تبدیلی یابد۔"

فرماتے ہیں کہ اس کلمہ طیبہ کے اپنانے کے کئی طریقے ہیں جن میں سے ایک طریقہ ذکر "چہار ضرب" ہے جو آنحضرت صلعم سے گزر کر کئی سلسلوں سے ہوتے ہوئے حضرت شاہ ہمدانؒ اور پھر حضرت مخدوم کمال الدین حسین خوارزمی تک پہونچا اور جنھوں نے اس کی تعلیم و تربیت بندہ حقیر کو دی۔ طریقہ یہ ہے کہ "ذکر رو بہ قبلہ کردہ مربع بنشیند داول فاتحہ و آیۃ الکرسی برای ترویح ارواح مشائخ سلسلہ شریفہ...... اسرار ہم بخواند ودہ بار درود بحضرت رسالت مآبؐ فرستند چشم خود فرو بندد و احضار شیخ کند پس اللہ گویان بہ شدّ و مدّ بہ پستان چپ اشارہ کند...... و بدل محمد رسول اللہؐ بگوید و احضار صورت خود کردہ معنی لا الٰہ الا ہو اللہ تصور کند..."

اسی طرح اس کے اور بھی طریقے بھی بیان فرماتے ہیں جو رسالہ مذکور میں درج ہیں۔ ذکر جلی اور ذکر خفی کے علاوہ حضرت مرقیؒ نے ذکر حلقی کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کے سات مختلف طریقے بتائے ہیں "طریق اول۔ ذکر جلی و ضرب جلی کہ آنرا ذکر سہروردیہ گویند دوم ادای خفی و ضرب خفی کہ آنرا ضرب چشتیہ گویند۔ سوم ادای جلی و ضرب خفی کہ آنرا ذکر انفاسیہ گویند۔ چہارم ادای خفی و ضرب جلی کہ آنرا ذکر احمدیہ گویند۔ پنجم ادای وہمی و ضرب وہمی کہ آنرا ذکر اسرافیلیہ گویند۔ ششم ادای خفی و ضرب وہمی کہ آنرا ذکر عزرائیلیہ گویند۔ ہفتم ادای وہمی و ضرب خفی کہ آنرا محبوبیہ و مطلوبیہ نامند و حلقیہ و قاب قوسیہ خوانند۔" اور ذکر حلقی جس کے یہ سات طریقے ہیں اس کو بذات خود میکائیلیہ و مرشدیہ کہتے ہیں۔

حضرت شیخ مرقیؒ کے اس مختصر سے رسالے میں ابھی تک جن اذکار کا ذکر ہوا وہ محض قرآن و حدیث کی روشنی میں ملتے ہیں اور ان میں محض اللہ کی ذات کو واحد اور شاہد جان کر اُسی سے مدد حاصل کرنا مطلوب ہے۔ مگر بعض ایسے وظائف بھی درج ہیں جن میں خدا کے سوا دوسروں کو بھی مدد کے لیے پکارا جاتا ہے مثلاً یا احمدؐ یا محمدؐ یا علیؓ یا فاطمہؓ یا حسنؓ یا حسینؓ یا جبرئیلؑ یا روح القدس کا نام لے کر مقصد دل پورا ہوتا ہے۔ ایک جگہ پنج تن کا ذکر کیا ہے جس کو ذکر قلندریہ کہتے ہیں۔ اس ذکر کا طریقہ یہ ہے: "یا حسنؓ میان زانو، یا حسینؓ بر ناف۔ یا فاطمہؓ بر کتف راست و یا علیؓ بر کتف چپ یا محمدؐ گویان در خود ضرب کند۔" اور جس کے زیر اثر ان کی ارواح قدس حاضر ہو کر اس شخص کو امداد کر کے اس کا مقصد دل پورا کرتی ہیں۔

اسی طرح کا ایک اور وظیفہ بھی درج کیا ہے جس سے کمانے والے شخص کو کشف القبور اور کشف الارواح حاصل ہے۔ وظیفہ یہ ہے "یا روح اللہ یا روح القدس یا روح الامین یا جبرئیل۔"

ذکر جہر یعنی اللہ تعالے کو آواز دے کر پکارنے سے قرآن اور حدیث نبوی اور اقوال مشائخ کی رُو سے مانع نظر آتے

ایک جگہ قرآن کریم کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں :

* سورہ الاعراف واذکر ربک تضرعاً وخیفۃ ودون الجہر وادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ

اور نبی کریم صلعم کی عظمت اور شان کو برقرار رکھنے کے واسطے اور آپ کی تعظیم کے واسطے قرآن مجید کے حوالے کی روشنی میں بھی ذکر جہر کو ناجائز قرار دیا ہے۔ یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون جس کا مفہوم یہ ہے " اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ یہ لوگ رسولِ خداؐ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں اور درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے ان کے لیے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم (القرآن سورہ الحجرات مدنی ۴۹ اور پارہ ۲۶ ص ۱۱۰ آیت ۲، ۳)۔ اسی طرح حضرت صمدیت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خضوع اور خشوع کی حالت میں یاد کرنا امر خداوندی بھی ہے اور فرمانِ رسولؐ مراقبہ کے بارے میں جیسا کہ قبلاً بھی ذکر ہوا کہ اس کتاب کی بنیاد دو اہم باتوں یعنی ذکر اور مراقبہ (ذکر جلی اور ذکر خفی) پر رکھی گئی ہے۔ حضرت مرقیؒ نے اس ذکر کو صوفی کے لیے بہت ہی اہم قرار دیا ہے اور اس کی تاثیر اور اس کی عظمت کے بارے میں امام ابوالقاسم قشیریؒ کے فرمودات کو یوں قلمبند کیا ہے :

" المراقبہ علم العبد بدوام واطلاع الحق علیہ اشارہ بہمین مراقبہ است" بقول حضرت خواجہ بزرگ " از طریق نفی و اثبات اعلیٰ و اقرب است، از طریق مراقبہ بمرتبہ وزارت و تعرف در ملک ملکوت رسد۔"

اسی طرح اور بزرگوں کے اقوال بھی مراقبہ کی عظمت کے بارے میں نسخہ مذکور میں قلمبند کیے ہیں۔

تنقیدی تبصرہ

رسالہ ذکریہ کی عبارت سادہ، رواں اور واضح ہے۔ اس کے جملوں میں ایجاز و اختصار پایا جاتا ہے جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اس میں فارسی کے علاوہ عربی عبارت بھی پائی جاتی ہے اور مصنف نے جہاں کہیں بھی عبارت قلمبند کی ہے وہ بالکل مختصر جملوں میں پیش کی ہے۔ مگر اس کے برعکس احادیث نبویؐ کے علاوہ بعض صحابہؓ اور بزرگؒ کے عربی اقوال کو بھی نقل کیا اُن میں طولِ کلام کی وجہ سے پیچیدگی آتی ہے اور قاری کو مفہوم کے سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ مصنف نے بیشتر عربی عبارت دوسری کتابوں سے مستعار لی ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے نسخہ ذکریہ کو ترتیب دیتے وقت قرآن، حدیث اور تصوف کی دوسری کتابوں کا بغور مطالعہ کر کے ان سے استفادہ کیا ہے جس سے اس میں اضافہ ہوا ہے اور جہاں کہیں بھی قرآن و حدیث کے علاوہ ایک صوفی کو شریعت اور طریقت کی تعلیم دیتا ہے وہاں ساتھ

معنفوں کے نام اور ان کی تصانیف کا بھی حوالہ دیتا ہے یعنی جوبات پیش کی ہے اس کے لیے جگہ جگہ دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی پیش کی ہے۔ اس کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ مصنف نے بیشتر جگہوں پر نثر کے ساتھ اشعار بھی درج کیے ہیں جس سے عبارت کی چاشنی بڑھ گئی ہے۔ اور ایک جگہ سعدیؔ کا شعر بھی تمثیلاً پیش کیا ہے۔ مثلاً تصفیۂ دل اور بعبارت قلبی کے حاصل کرنے سے متعلق سعدیؔ کا یہ شعر لایا ہے سہ۔

سعدیؔ حجاب نیست تو آئینہ پاک دار　　　زنگار خوردہ کے بنماید جمال دوست

سادہ نویسی کی مثال یہ ہے:

"اگر با این ہمہ مندفع نشود چند نوبت بجہر گوید۔ واللہ را مدّ و بد و بدل فرو برد و ہمان قدر مشغول کند کہ ملول نشود۔ چون ملول نشود بس کند آنکہ طعام و شراب بی اشتہا نخورد و در وقت خوردن نیت شہوت و ہوای نفس نکند"

یا یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"یک ساعت از مقصود اصلی غافل نباشی یک ساعت بما سوی او یل نشوی و یک نفس از ذکر او باز نمانی و شرف مجالست ذاکر از دست نگذاری و صحبت ارباب جمعیت غنیمت شماری"

اس نسخے کی ادبی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی خامیوں کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔ اس کے باریک اور عمیق مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مصنف نے اس میں ایک ایسا واقعہ قلمبند کیا ہے جس سے راقم کو اتفاق نہیں ہے۔ اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کیا ہے اور وہ دعا جو حضرت موسیٰ سے منسوب ہے یوں ہے

یعنی اے اللہ مجھے حضرت محمد صلعم کی امت میں سے اٹھا[1] دوسری بات یہ کہ حضرت مرزیؒ نے "ذکر جہر" کو رسالہ ذکریہ میں جابجا قرآن

---

[1] (الف) صحیح بخاری، ترمذی اور مسلم شریف میں اس طرح درج ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پیغمبر آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں آسمان سے اتر کر مکہ شریف کی سرزمین پر دوبارہ ظاہر ہونگے (جو مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق آسمان پر زندہ ہیں) اور یہ زمانہ امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ امام مہدیؑ کے پیچھے مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھیں گے۔ اور آخر کار مدینہ منورہ میں حضرت عیسیٰؑ امام مہدیؑ کے پہلو میں دفن ہونگے دراصل یہ اسی دعا کا اثر ہوگا جو آپ نے اللہ سے منظور مانگی تھی۔ یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ جہاں تک حضرت مرزیؒ کے تبحر علم اور عالم ہونے کا تعلق ہے اس سے کسی بھی عالم اور فاضل کو انکار نہیں جیسا کہ ہم اس مضمون کے ابتدائی صفحات میں اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت مرزیؒ عربی اور فارسی زبان کے اعلیٰ پایہ کے عالم تھے اور انھوں نے عربی اور فارسی زبان میں کئی کتابیں لکھی جن کو عربی اور فارسی ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے اس لحاظ سے ایسے عالم جید کا یہ حدیث حضرت موسیٰ سے منسوب کرنا بھی کوئی تعجب انگیز بات نہیں ممکن ہے (باقی حاشیہ ص۲۴۲)

و احادیث کی رو سے ممنوع قرار دیا ہے لیکن اس نسخے کے آخر میں اس حقیقت کی تردید کی ہے اور بعض بزرگوں اور صوفیوں کے اقوال کے پیش نظر ذکر جہر کو درست قرار دیا ہے۔ عین عبارت یہ ہے[1]:

" آنچہ در ذکریہ فارسیہ فرمودہ اند قرار داد ندو معتقد برآں حضرت ایشان نیست زیرا کہ حضرت ایشان ذکر جہریہ جائز داشتہ اند و عربیہ بار تقاع صوت واضح کردہ اند کا مینست آنچہ در رسالۂ اورادیہ گفتہ دلیلی وافی و برہان شافی و حق آنست ذکر جہر ہم جائز است ولیکن ذکر خفی اجر و افضل و اعلیٰ است کما قال حضرت علیؒ "

مصنف نے اس مختصر سے نسخے میں مندرجہ ذیل مشائخ کے اقوال زرین اور انہیں کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

(۱) رسالۂ ذکریہ فارسیہ از حضرت امیر کبیرؒ (۲) رسالۂ اورادیہ عربیہ از حضرت امیر کبیرؒ (۳) تفسیر زاہدی ابو الفتاح (۴) سیر الاحکام (۵) فصوص الحکم شیخ محی الدین ابن عربی (۶) در تکملہ نفحات الانس جامی از عبد الغفور لاری (۷) تصانیف سید علاؤ الدولہ سمنانی (۸) لطائف قشیری (۹) ملا التفسیر (۱۰) علاؤ الدولہ سمنانی کا رسالہ اجر الوحی فی ذکر الخفیہ (۱۱) امام ابو القاسم قشیری (۱۲) نوادر الفتاوی۔

مصنف نے ان کا نام مذکورہ نسخے میں مختلف جگہوں پر پیش کیا ہے۔

(۲) مسلک الاخیار

حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ کی اگرچہ متعدد تصنیفات ہیں لیکن ان کے خمسہ کو ان کی تقریباً تمام تر تصنیفات پر

بقیہ حاشیہ ص۲۴۱ کا:۔ کہ انھوں نے اپنے مطالعہ کے دوران کسی شرعی کتاب میں یہ حدیث دیکھی ہوگی اور چونکہ راقم کی نظر اتنی وسیع نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ البتہ اتنا تو ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ناقل نے نسخہ مذکور کو نقل کرتے وقت عیسیٰ کے بجائے "موسیٰ" لکھا ہوگا۔ (ب) ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب" جلد اول کے صفحہ ۴۹۳ میں اس واقعہ کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک پیغمبر خدا کا پیغام اپنے بندوں تک پہنچا کر اس دنیا سے رحلت کر جائے اور پھر وہ آرزو کرے کہ وہ کسی آنے والے پیغمبر کی امت بن جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں زندہ ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بننا چاہتا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دنیا میں دو دفعہ آئے خدا نے کہیں اس امر کی توضیح نہیں کی ہے حدیث وضعی ہے۔

[1] اندازہ ہوتا ہے کہ کاتب نے یہ عبارت حضرت صرفیؒ کی دیگر تصانیف سے ذکر جہر کی تائید میں بطور ثبوت پیش کی ہے۔

ی حاصل ہے۔ یہ خمسہ انھوں نے نظامی گنجوی کی تقلید میں کہا ہے۔ اس میں مسلک الاخیار، وامق عذرا، لیلیٰ مجنوں، مقامات مرشد اور مغازی النبیؐ پانچ مثنویاں ہیں۔

مسلک الاخیار سے اس کی تاریخ تصنیف نکلتی ہے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صرفیؔ فرماتے ہیں:

"در ختم ایں رسالہ کہ مسمیٰ است بہ مسلک الاخیار کہ ایں عبارت ہم ایں مختصر را نام است و ہم تاریخ اختتام"[1]

حسب ذیل شعر سے اس مثنوی کے مکمل ہونے کی تاریخ نکلتی ہے ؎

مسلک الاخیار چو کردم رقم نام رسالہ شد و تاریخ ہم[2]

مسلک الاخیار سے بحروف ابجد سنہ ۹۹۲ھ اخذ ہوتا ہے یعنی صرفیؒ نے یہ مثنوی اپنی وفات سے ریباً دس سال پہلے مکمل کی تھی۔

کشمیر کے میر واعظ خاندان سے حاصل شدہ شیخ یعقوب صرفیؔ کی پانچ مثنویوں پر مشتمل ایک ہی جلد سا یہ خمسہ نہایت خوش خط نستعلیق میں کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں زیر شمارہ ۲ محفوظ ہے نسخے کے بتدائی ۶۰ ۱۲ اوراق پر مثنوی مسلک الاخیار درج ہے۔ نسخے میں سنہ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں بتہ کاغذ، روشنائی، اس کی ساخت اور قدامت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مخطوطہ کی کتابت تقریباً ل سو پچاس سال قبل کشمیر میں ہو چکی ہوگی۔ کاغذ کشمیری عمدہ برنگ سفید، ہر صفحہ چار ستونی، ہر صفحے میں تقریباً ۲۱ ۔ ۲۵ سطریں، جلد چمڑے کی برنگ خاکی، نسخے کی لمبائی ۱۱½ اور چوڑائی ۶½ (۲۰×۵ ر ۲۹) ہے۔

مسلک الاخیار کے کل اشعار کی تعداد تخمیناً ۱۸۰۰ ہے اور اس مثنوی کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سرِ خط منشور عطائی عظیم[3]

مثنوی کے آخری دو شعر یہ ہیں ؎

مسلک الاخیار چو کردم رقم نام رسالہ شد و تاریخ ہم
وفقنی اللہ بختم الکلام ایدنی رحمۃ و السلام[4]

مسلک الاخیار بحر رمل مسدس محذوف مقصور میں ہے اور اس کا وزن مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی معنوی کی طرح فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہے جو کہ فارسی ادب میں عام طور پر عرفانی اور متصوفانہ مثنویوں کے لیے

۱، ۲۔ مسلک الاخیار ص ۵۲ ۔ ۳۔ مسلک الاخیار ص ۱۔

گویا جس علم کا درس صرفی اپنے ان اشعار میں دیتے ہیں معرفت حق تعالیٰ کا زینہ قرار پاتا ہے لیکن اس معرفت کو حاصل کرنے کی غرض سے راہ سلوک پر گامزن ہونے کا سرمایہ ایک سالک کے ہاتھ فقط عشق ہے یہی وجہ ہے کہ سالک بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہے کہ خون جگر سے لبریز معرفت کا ساغر پی کر خدا کے ہی عشق میں مست و مدہوش رہے۔

یارب از اندوہ خودم شاد کن ملک دلم راز غم آزاد کن
بادہ ام از خون جگر بس بود ساغرم از دیدۂ تر بس بود
عشق تو خواہم کہ بود کار من ہم نفس و مونس و غمخوار من
عشق تو خواہم کہ بود دین من ملت من کیش من آئین من[1]

معرفت کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ اگر سالک کے ہاتھ میں معبود کی بے پناہ مہر و محبت اور عشق ہے تو سلوک کے مدارج طے کرنے کے لیے سالک ایک ایسے پیر و مرشد کی رہنمائی کا طالب ہے جو اس کو اس راستے میں بھٹکنے سے نجات دلا سکے یہی وجہ ہے کہ صرفی اپنے مرشد کی والہانہ محبت اور فنا فی مرشد کو یوں بیان کرتے ہیں۔

بودہ ام اندر رنگ و پو روز و شب پای ز سر کردہ برای طلب
عاقبت از عالم غیبم ندا آمد کای طالب راہ فدا
راہ نمائیکہ تو داری ہوس ہست ہمیں مرشد خوارزم و بس[2]
جانب آں میکدہ اور رہنماست خاک رہش خوشتر از آب بقاست[3]

جب ایسے مرشد کی رہنمائی سے صرفی بہرہ ور ہو جاتے ہیں تو کرسی فلک کو زیر پا رکھ کر سراب میں آب حیوان ڈھونڈ کر اسے پیدا کرنے کی مساعی میں عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

بس کہ شدم مست شراب سرود گشت مسادی رہ نزدیک و دور
بر فلک صدر نشاندم قدم پای ز شادی بزمین کم زدم
گر بنمودی برہش قحط آب آب خضر یافتمی از سراب
قائد توفیق مرا رہنما شد سوی آن قبلۂ ارض و سما[4]

---

[1] تحقیقی مقالہ "اکبر اور جہانگیر کے دور میں کشمیر کا فارسی ادب" از محمد صدیق ص ۳۰۳
[2] مسلک الاخیار ص ، [3] مسلک الاخیار ص ۱۵ کشمیر میں اکبر اور جہانگیر کے دور کا فارسی ادب ص ۳۰۴
[4] مسلک الاخیار ص ۱۶

جب صرفی نے اپنے پیر طریقت کے روحانی کمالات کے طفیل تدریجاً تصوف کے منازل طے کیے اور عطار "سیمرغ" کا ادراک کرنے میں کامیاب ہو گئے تو دنیا کے ذرے ذرے میں اسے قدرت کے ہی جلوے نظر آئے۔ فطرت کے رنگ ڈھنگ میں اسی کا راز مضمر دکھائی دیا اور لالے کی حنابندی میں قدرت کی ہی دلربائی نظر آئی۔ یہی وجہ ہے کہ صرفی کبھی عاشق وار اپنے سینے کو شرحہ شرحہ کرنے لگے اور کبھی پروانہ وار فطرت کے دستوں کو سینے سے لگاتے رہے اور عندلیب وار اپنی حساس طبیعت سے درد بھرے نغموں کو یوں الفاظ کا جامہ پہنانے لگے۔

ای ز تو آموختہ معشوق ناز	وی ز تو اندوختہ عاشق نیاز
در رخ معشوق جمالت عیاں	راز غمت در دل عاشق نہاں
سینۂ عشاق ز سوزت کباب	دیدۂ معشوق ز مہرت پر آب
شمع کہ پروانہ صفت سوختہ	آتش عشقت بدل اندوختہ
لیلیٰ از اندوہ تو مجنون عشق	قیس ز سودای تو مفتون عشق
پیرہن گل بہوای تو چاک	بلبل نالاں ز غمت دردناک
سنبل از اندوہ تو در پیچ و تاب	در قدح لالہ می از خون ناب
لالہ کہ داغت بدلش جا گرفت	از غم تو دامن صحرا گرفت[1]

صرفی فصاحت کلام سے بخوبی آشنا ہیں اس لیے وہ مسالک الاخیار کے اشعار میں فصاحت کو کسی بھی طرح نظر انداز ہونے نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک فصاحت شعر و شاعری کی جان ہے اور یہی وہ ذریعہ ہے جو کلام کے موثر بننے میں مددگار ثابت ہوتا ہے لیکن صرفی کی نظر میں کلام کی استواری کے لیے تنہا فصاحت کلمہ یا کلام ہی ضروری رکن نہیں بلکہ مفہوم و معنی کی استواری بھی اشد ضروری ہے گویا فصاحت اور مفہوم و معنی کی مضبوطی اور تخیل کی بلندی کلام کے ضروری اجزا ہیں فرماتے ہیں ؎

گر سخن لفظ نباشد فصیح	کی بود آں نزد سخندان صحیح
عاری از اسباب فصاحت سخن	نزد خواص است چو صورت ز تن
تن سخن و معنی خوش جان آں
غیر فصاحت نبود قوت جاں[2]

۵۰

---

[1] مسالک الاخیار ص ۱۶

[2] ایضاً ص ۱۸

جناب شاہ احمد حسین نعیمی سلونی
سلون، رائے بریلی

حضرت شاہ پیر محمد سلونی
کے
ملفوظات و مکتوبات

حضرت شیخ پیر محمد سلونی دسویں صدی ہجری کے آخر ۹۹۶ھ میں قصبہ سلون میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ عبدالنبی جونپور سے ترک وطن کر کے سلون تشریف لائے اور یہیں اپنے سسرال اعزا کے اصرار پر مقیم ہو گئے۔ آپ کے اجداد فاروقی النسل ہیں اور سلسلہ نسب قاضی حمیدالدین ناگوری سے جا ملتا ہے۔ آپ کا نسب نامہ مندرجہ ذیل ہے۔

شیخ پیر محمد بن عبدالنبی بن ابوالفتح بن مولانا اللہ داد بن منّ اللہ بن شیخ بہاؤالدین جونپوری بن خلق اللہ بن شیخ مبارک بن شیخ احمد بن ابوالخیر بن نصر اللہ بن شیخ محمود بن شیخ محمد بن قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ۔

دسویں صدی ہجری ہندوستان میں مغل حکومت کے عروج کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں اودھ کے قصبات کی بڑی اہمیت تھی اور ہر بڑے قصبہ میں ایک مدرسہ اور خانقاہ تھی، سلون، مانکپور، امیٹھی، خیرآباد، جائس، دیوہ، بلگرام وغیرہ اس عہد کے بڑے قصبات ہیں جہاں مدارس کے علاوہ خانقاہیں موجود تھیں، اور اس وقت کے سلاطین، امرا ان مدارس کے اساتذہ اور خانقاہوں کے مشائخ سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے۔

حضرت پیر محمد نے عمر کی ابتدائی منزلیں طے کرنے کے بعد حصول علم کی غرض سے مانکپور کا سفر کیا اور اس کے لیے تمام مساعی وقف کر دیں یہاں تک کہ بحث و اشتغال میں اونچے درجے کو پہنچ گئے، قیام مانکپور کے زمانے میں ایک روز اپنے مدرسے کو جا رہے تھے کہ راستے میں شیخ عبدالکریم مانکپوری سے ملاقات ہو گئی، آپ مخدوم شیخ حسام الدین مانک پوری کی اولاد امجاد میں اور ان کی خانقاہ عالم پناہ کے سجادہ نشین تھے، شیخ عبدالکریم نے شیخ پیر محمد سے پوچھا "کون سی کتابیں پڑھتے ہو" تم کہا" ہدایۃ الفقہ اور تفسیر بیضاوی" شیخ نے فرمایا میرے پاس آجاؤ میں تمہیں پڑھاؤں گا۔ لیکن شیخ پیر محمد چونکہ شیخ عبدالکریم کے مرتبہ علم و مقام سے واقف نہ تھے لہٰذا ان کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور سیدھے مدرسے چلے گئے۔ لیکن جب استاد سید احمد کی خدمت میں پہونچے تو نہ استاد پڑھانے پر قادر اور نہ شاگرد پڑھنے پر، چنانچہ استاد جناب سید احمد شاگرد کو ہمراہ لیکر شیخ عبدالکریم کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے معذرت و معافی کی درخواست کی۔

بعد ازاں شیخ پیر محمد سلونی چھ مہینے شیخ عبدالکریم مانکپوری سے وابستہ رہے اور ان سے باقاعدہ ہدایہ اور بیضاوی کا درس لیا اور ساتھ میں طریقت و سلوک سے بھی مستفیض ہوئے۔

شیخ عبدالکریم نے شیخ پیر محمد کو تصوف و طریقت کی منزلیں طے کرانے کے بعد سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سراجیہ میں خلافت خاصہ عطا فرمائی اور اپنے سگے بھتیجے شاہ بایزید کی موجودگی میں اپنا خرقہ کلاہ عصا اور سجادہ مخدومہ عطا فرمایا، اور مندرجہ ذیل کلمات ارشاد فرمائے۔ ؎

تجی گریم کے از عالم جدا باشی — بہر جائیکہ باشی، با خدا باشی
ہمی خواہم کہ ہمچو خاک گردی — مگر در زیر پائے پاک گردی
ہزاراں در دو در ہزاراں سپاس — کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

شیخ پیر محمد کو شیخ عبدالکریم مانکپوری، سلون میں مقیم کر کے خود مانکپور سے بنگال و آسام کی طرف تشریف لے گئے، روانگی کے وقت جانشین کو دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پیرن رسنا تھام کے کر مسکینی بھیس — میٹھے بول نے چلو سبھی تہار ادیس

۱۰۷۰ھ میں شیخ عبدالکریم کا انتقال ہوگیا، آپ کا جنازہ آسام کے قصبہ کامروپ سے مانکپور لایا گیا جہاں روضۂ حضرت شاہ حسام الحق قدس اللہ سرہ کے پائیں مدفون ہوئے۔ آپ کے انتقال کا قطعہ تاریخ ذات اللہ ہے

شیخ پیر سلونی ہندوستان کے مشہور مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں اور سلسلہ نظامیہ چشتیہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت اخی سراج (م ۷۵۸ھ) کے خلیفہ خاص شیخ علاؤالحق گنج نبات (م ۸۰۰ھ) اور ان کے نامور فرزند و جانشین شیخ نور قطب عالم پنڈوی کے روحانی سلاسل کی عظیم ترین کڑی ہیں۔ آپ اپنے عہد کی نہایت موثر شخصیت تھے اور دعوت و ارشاد و تلقین میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔ آپ کے وعظ و نصیحت اور توجہ خاص سے بے شمار غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ اس دور میں سنیاسیوں کا ایک گروہ ہندوستان میں برابر گشت کر رہا تھا، شیخ پیر محمد سے بھی ان کی گفتگو ہوئی شیخ نے ان سے پوچھا "تم کس کی عبادت کرتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔" یہ سنکر شیخ پیر محمد نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اس کی اچھائیاں بیان کیں جس سے متاثر ہو کر وہ لوگ مسلمان ہو گئے، بہر حال شیخ پیر محمد سلونی نے عمر بھر تلقین و ارشاد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ آپ نے اپنے علم کے تقریباً تین سو علماء کی تربیت کا فریضہ انجام دیا جن میں سید عبدالستار علی پوری مولف فوائد کرخیہ، سید سعد اللہ سلونی ثم

شاہ اشرف سلونی، سید علاؤالدین سندیلوی، سید عبدالدین بریلوی، شیخ ابوالنجیب قلندر امیٹھی، شیخ معزالدین کرہری بہاری اہم ترین حضرات ہیں۔ بادشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کو شیخ پیر محمد سلونی کی نیکی، صلاح و تقویٰ کا علم ہوا تو ان کی خدمت میں اشتیاق ملاقات کا رقعہ بھیجا جو مندرجہ ذیل ہے۔

"سالک مسالک طریقت واقف مواقف حقیقت زاد عرفانہٗ بعد اہداء سلام مسنون خلاصۃ المرام آنکہ دریں وقت ہمت والا معروف بہ استیصال فجرہ دکن است، رسیدن ما بدولت اقبال برائے ملاقات آن زبدۃ العارفین معتذرست اگر خود برائے زیارت پیران خود کہ در دہلی آسودہ اند تشریف آرند استفادہ برکات از ملاقات آں ملکی صفات کردہ آید والسلام۔"

حضرت شیخ پیر محمد سلونی نے اس خط کا جو جواب ارسال فرمایا وہ مندرجہ ذیل ہے:

"شاہان دین پناہا، فقیر را این حوصلہ نماندہ، این دہقانی را با بزم سلطانی چہ کار؟ گاہے گاہے کسی از راہ کرم می آید، در کرم باز است و کرم ما نیاز است کریمی دارم کہ چوں گرسنہ می شوم مہمانی می کند و چوں می خسپم پاسبانی می کند و چوں گناہ کنم مہربانی، کریم بالبس باقی ہوس۔"

غیر معمولی استغنا اور شان فقر محمدی سے بھرپور اس خط کے ملنے کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی عقیدت بہت بڑھ گئی جو بعد میں آپ کے خلفاء اور آپ کی خانقاہ سے بھی قائم رہی۔ سلطان اورنگ زیب نے حضرت شیخ پیر محمد کی خدمت میں ایک گاؤں کا فرمان بھیجا جس میں لفظ "مدد معاش" کا استعمال نہیں کیا گیا ہے، اس بات سے حضرت شیخ کے مرتبہ عالی کا پتہ چلتا ہے۔ ورنہ مغل عہد حکومت کے اکثر فرامین میں لفظ "مدد معاش" کا ذکر ملتا ہے اور ماسوائے اس فرمان کے شاذ و نادر ہی کوئی فرمان ایسا ہوگا جس میں "مدد معاش" کا ذکر نہ ہو۔

حضرت پیر محمد سلونی کی خدمت میں بھیجے جانے والے اس فرمان پر انگریزی میں ایک مقالہ ہسٹری کانگریس ۱۹۷۰ء منعقدہ والیئر میں میرے چھوٹے بھائی سید ظہیر حسین جعفری نے پیش کیا تھا جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں موجود ہے۔ ۱۰۹۹ھ میں محرم الحرام کی ۲۱ تاریخ کو نبوی کمالات کی حامل یہ ذات رفیق اعلیٰ سے جا ملی اور اپنے پیچھے عشق و محبت، صدق، اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی روشن شمع خانقاہ سلون میں چھوڑ گئی۔ آپ کے خلفاء و جانشینوں نے اس شمع سے کئی شمعیں روشن کیں اور اس میں کامیاب رہے۔

حضرت پیر محمد سلونی نے اپنا خرقہ ولایت شاہ اشرف سلونی کو عطا فرمایا۔ آپ کے انتقال کی قطعہ تاریخ "ذات محمد" ہے۔

حضرت شیخ کے خلیفہ ارشد سید عبدالستار علی پوری نے آپ کے ملفوظات کا مجموعہ بزبان فارسی "فوائد کریمیہ" کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اس میں چالیس مجالس ہیں اور فوائد الفواد کے طرز پر جمع کی گئی ہیں تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل یہ نسخہ قلمی ایک نقل اس کی میرے پاس خانقاہ سلون کے کتب خانے میں ہے دوسرا نسخہ پاکستان میں ہے حضرت شیخ کی تعلیمات کا دوسرا مجموعہ

رحمیہ کے نام سے سید عبدالستار صاحب مسل پوری نے مرتب کیا ہے۔ یہ نسخہ بھی قلمی ہے اور فارسی زبان میں ہے۔ ان کے علاوہ
حضرت شیخ پیر محمد سلونی نے اپنے عہد میں علما اہل کو خطوط لکھے تھے۔ اس کا ایک نسخہ قلمی میرے یہاں خانقاہ سلون میں ہے دوسرا
نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے حبیب گنج کلکشن میں ہے۔

ملفوظات اور تعلیمات کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے یہ بات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صاحب ملفوظ و مکتوب
کی شخصیت کو پہلے سمجھنا چاہیے، ان کی نفسیاتی کیفیت سے واقفیت حاصل کی جائے، ان احوال و واردات کو سمجھنا چاہیے جو عام
سطح کے انسانوں کو نہیں پیش آتے ہیں بلکہ اس خاص ذہنی و فکری آگینے کی پیداوار ہوتے ہیں جس کو پتھر سے کچلا جاتا ہے اور اس
کی چمک گھسنے اور پسنے کے بعد ہی نمودار ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مسئلہ خالص نفسیاتی بنتا ہے اور نفسیات کے مطالعہ سے یہ بات
سامنے آتی ہے کہ یہ حضرات صاحبان ملفوظ و مکتوب نہایت ذکی، ذہین، حساس اور نازک طبع ہوتے ہیں۔ مصائب و مشکلات
ریاضات و مجاہدات سے ایک خاص قسم کی نفسیات وجود میں آتی ہے۔ جس کے ادراکات و احساسات کسی ایک حالت پر قائم
نہیں رہتے ہیں بلکہ اس کے اضطراب و بے قراری میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، چنانچہ اس خاص قسم کی نفسیات کا میلان جب
علم کی طرف ہوتا ہے تب حکمت و دانائی اور رموز و نکات کے وہ گوہر نایاب نکال کر باہر لاتی ہے جو کیفیت و کمیت ہر لحاظ
سے اہل علم کی سطح سے بلند و برتر ہوتی ہے۔ اور جب دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے تو اثر و
تاثیر کے علاوہ محیر العقول کارنامے انجام پاتے ہیں جنھیں دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے ہیں اور کبھی اس کا میلان احساس برتری کی
طرف ہوتا ہے تو اس کے اظہار میں ایسی ایسی تعبیرات اور تاویلیں سامنے آتی ہیں جن میں شرعی حدود و قیود کا بھی پاس لحاظ نہیں
ہوتا ہے بلکہ توحید کے نازک مقامات تک سامنے آجاتے ہیں۔

قدرت کے اس نفسیاتی نظام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے مزاج کو طاقتور بنانے اور عام انسانی
گروہوں کو فائدہ پہونچانے کے لیے اس کا وجود ناگزیر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تاریخ ان بلند و بالا شخصیتوں سے محروم رہتی
جنھوں نے اپنے عظیم الشان کارناموں سے تاریخ انسانی کو زندگی اور تابندگی بخشی ہے لیکن تجربات سے یہ بات بھی سامنے آتی
ہے کہ یہ خاص قسم کی نفسیات اپنے رجحانات میں ہمہ وقتی عدل و توازن نہیں برقرار رکھ سکتی ہے، یہ صرف انبیاء کرام
کا حصہ ہے جن کے قول و عمل میں ہمیشہ عدل و توازن ملے گا۔

ہم عاجز و بے بضاعت انسان اتنا جانتے ہیں کہ جن صوفیا بزرگوں کی نفسیات اور ان کے ملفوظات زیر بحث
ہیں انھوں نے انبیاء کے اسوہ حسنہ سے غذا حاصل کی ہے اور اس سے اپنی نفسیات کو پروان چڑھایا اور عالم انسانیت
کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔

اب ہم فوائد کریمیہ کی مجالس میں سے ایک مجلس کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت قدوۃ العارفین نے فرمایا ہے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملنے کے بہت سے طریقے ہیں اور سب سے بہتر طریقہ
ول موتوا قبل ان تموتوا کا ہے۔ یعنی مر جاؤ قبل اس کے کہ تم کو موت آئے، یہ طریقہ تمام طریقوں کا جامع ہے۔ اس کلام
ف سے دس اصول نکلتے ہیں، اصل اول توبہ اور خدائے عز وجل کی جانب رجوع ہے، دوسری اصل زہد یعنی پرہیزگاری اور
یا کی محبت اور اسکی چیزوں کی خواہشات کی محبت سے نکلنا اور بچنا ہے تیسری اصل توکل اور بے نیازی ہے اور وہ باہر آنا
، اپنی طاقت اور حول سے اور اپنے جملہ امور کو خالق کارساز کے سپرد کر دینا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ گناہوں سے بچنے
ر عبادت کی قوت اللہ کی مدد سے بغیر نہیں ہو سکتی ہے یہ ہی توکل کرنے والوں کی غذا ہے۔ افوض امری الی اللہ یعنی میں اپنے
کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، نیک لوگوں کا اسی پر بھروسہ ہے۔ ؎ خدا خود میر سامان است ارباب توکل را!

، دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش — من بستہ ام حنائے توکل ز پائے خویش

ی اصل قناعت ہے اور یہ خواہشات اور شہوتوں کو چھوڑ دینا ہے جیسا کہ موت آنے پر یہ سب چیزیں چھوٹ جاتی ہیں، پانچویں
ل عزلت یعنی گوشہ نشینی ہے، چھٹی اصل ملازمت الذکر ہے اور یہ اللہ کے سوا ہر چیز سے نکل جانا ہے جیسا کہ موت سے ہوتا ہے۔
ذکر ربک اذا نسیت، یعنی جب تو اللہ کے سوا سب چیزوں کو بھول جائے تو اللہ کو یاد کر، ساتویں اصل توجہ الی اللہ بالکلیہ ہے۔ اس
مراد یہ ہے کہ جو چیز غیر اللہ کی طرف بلائے اس کو بھول جائے اور چھوڑ دے جیسا کہ موت کے ساتھ ہوتا ہے اور ماسوائے خدائے بزرگ
برتر کے کوئی چیز محبوب و مقصود نہ رہ جائے۔ "لا معبود الا اللہ لا مقصود الا اللہ لا مطلوب الا اللہ لا محبوب الا اللہ
لا موجود الا اللہ لا الہ الا اللہ" آٹھویں اصل صبر ہے اور وہ نفس کی لذتوں کو چھوڑ دینا ہے جیسا کہ موت سے ہوتا ہے، حضرت قدوۃ
العارفین اس مقام پر ایک نکتہ تحریر فرماتے ہیں "اعلم ان الشہوات تصیر الملوک عبیداً والصبر یصیر العبید ملوکاً الا تری فی قصۃ یوسف
زلیخا، یعنی خواہشات نفسانی بادشاہوں کو اپنا غلام بنا دیتی ہیں، اور صبر کی صفت یہ ہے کہ وہ غلام کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ کیسی اچھی
ت فرمائی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "ولمن صبر وغفر ان ذلک من عزم الامور" یعنی جس نے صبر کیا اور اپنے نفس
لذتوں کو چھوڑ دیا اور معاف کیا تو یہ کام ہمت کے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فرمایا ہے "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" صبر اور
از سے مدد چاہو" نویں اصل مراقبہ ہے اور وہ اپنی خودی سے نکل جانا اور رضاءً مولیٰ کی مرضی پر راضی ہو کر اپنی خودی کو
رک کر دینا ہے یہ وہ اصول ہیں جن پر کاربند ہو کر وصال باری تعالیٰ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت زبدۃ العارفین نے ایک دوسری مجلس میں
رمایا کہ گذشتہ مشائخ صوفیا نے ننانوے ۹۹ منزلیں سلوک کی قرار دی ہیں اور وہی اسمائے الٰہی کے اعداد ہیں اور ہمارے چشتیہ پیران
بہشتیہ اور پاکیزہ خصلت والوں نے پندرہ منزلیں سلوک کی مقرر فرمائی ہیں اور اس فقیر نے تین منزلیں اختیار کی ہیں پہلی عزل

"حاسبوا قبل ان تحاسبوا" ہے یعنی اپنے اوقات کا حساب کر، اس سے پہلے کہ تم سے حساب مانگا جائے "بروز قیامت"۔ دوسری منزل "من استوی یوماہ فی الدین فھو مغبون" یعنی جس کے دو دن برابر رہے اور ترقی نہ کی، وہ ٹوٹے اور گھاٹے میں رہا۔ تیسری منزل "عبادت الفقیر نفی الخواطر" ہے یعنی فقیر کی عبادت خطرات کا مٹانا ہے، انہیں اعمال سے سالک کا کام پورا ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ پاک چاہے گا۔ حضرت قدوۃ العارفین نے ان تین منازل سلوک کی تشریح فرماتے ہوئے فرمایا حق کے طلب کرنے والے کے تین کام ہیں۔ پہلے اپنا حساب خود کرنا چاہیے کہ اپنے اندر شرع کی منہیات اور قول و فعل میں نفس کی خواہش کی کوئی چیز نہ باقی رکھے، حاسبوا قبل ان تحاسبوا "حساب دینے کا طریقہ یہ ہے کہ صبح سے سونے کے وقت تک جو کچھ کہے اور کرے یاد رکھے اور جو بات خلاف شرع اور نفس کی خواہشات کی نظر آئے اسکو اپنے سے دور رکھے، چالیس روز تک اس طریقے پر مداومت کرنے پر حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے۔

دوسرے طریق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دین کے کاموں میں زیادتی کی کوشش کرے یعنی نماز، روزہ، نفل، تلاوت قرآن مجید اور ذکر باری تعالیٰ زبان و دل سے جتنی انسانی طاقت ہو بجا لائے، چاہیے کہ چالیس روز تک اس پر مداومت کرے۔ اور شکر بجا لائے "من استوی یوماہ فی الدین فھو مغبون" چاہیے کہ ہر روز عبادت میں زیادتی کا قصد کرے۔ اسی لیے کہ مشائخ کرام کے نزدیک دو روز کا برابر رہنا نقص ہے۔

تیسرے طریق تخلیۂ باطن کے متعلق فرمایا ہے کہ باطن کو غیر حق کے خطرات سے خالی کرنا ناگزیر ہے اگرچہ وہ خیالات اچھے ہی کیوں نہ ہوں اور اپنے اندر ظاہری و معنوی ذکر کو ثابت رکھے اور مراقبوں کے چلوں پر مداومت کرے تاکہ خداوند کے لائق ہو جائے اور اس کا شمار طالبوں کے زمرہ میں ہو اس لیے کہ طالب رضائے الٰہی کا کام بس اتنا ہی ہے اس کے بعد فضل خداوندی پر منحصر ہے۔

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین — بیشک اللہ محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا

پاک شو رو خدا وند گیر — گرچہ پلیدم زمن این پند گیر

خطرات کی نفی کے لیے حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں، "ان اللہ خلق آدم علی صورتہ و من رآنی فقد رای الحق" اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے جس نے مجھ کو دیکھا پس اسے حق تعالیٰ کو دیکھا"

گر نشان ذات خواہی صورت انسان ببیں — ذات حق را آشکارا اندر خندان بہ بیں

مرشد طریقت کی صورت جو ظاہر میں دیکھی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ پاک کا دیدار ہے۔ مٹی اور پانی کے درمیان میں بہر حال تنہائی میں جو ظاہر ہوتا ہے حق تعالیٰ کا دیدار ہے مٹی اور پانی کے پردے کے بغیر، انسان کی صورت اللہ پاک کی

کا مظہر ہے جیسا کہ شعر میں ہے ؎

مظہر تام غیر انسان نیست　　　　کہ ہمہ کون را مسخر کرد

اللہ پاک کا پورا مظہر انسان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جس نے ساری دنیا کو مسخر کر لیا ہے "ان الانسان سری وصفتی" انسان میرا بھید اور میری صفت ہے۔ یہ کلام قدسی ہے اور جو خوش قسمت کہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور قول و فعل و حال میں ان کی پیروی کرتا ہے۔ ان کے جمال کی روشنی اس کے دل کے آئینے میں چمک اٹھتی ہے اور ان کے چہرے کی رونق کی وجہ سے اپنے کو عین مرشد پاتا ہے۔ جو فیض و بخشش مشائخ کو پہونچتی ہے۔ طالب کو بھی پہونچتی ہے اور جو ذوق ان سے ظاہر ہوتا ہے طالب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر صدیق کی بابت فرمایا ہے "ما صب اللہ فی صدری شیئاً الا صببتہ فی صدر ابی بکر" ترجمہ:۔ میرے سینے میں اللہ پاک نے جو کچھ ڈالا اس کو میں نے ابو بکر صدیق کے سینے میں انڈیل دیا ہے اور حضرت علی کے متعلق فرمایا ہے "انا مدینۃ العلم و علی بابہا"

بہر حال انسان کامل کو دیکھنے سے اللہ پاک کی یاد آتی ہے اور اولیاء اللہ کی نشانیوں میں یہ آیا ہے۔ اذا رؤوا ذکر اللہ جب وہ دیکھے پڑیں خدا یاد آئے۔ حضرت برہان العاشقین فرماتے ہیں اپنے ایک مکتوب میں کہ شیخ کی صورت کا مشاہدہ مجھ پر اس قدر غالب رہتا ہے کہ ان کی شکل کے علاوہ کوئی چیز آنکھوں کے سامنے نہیں آتی ہے۔ ؎

در ہر چہ نظر دارم غیر از تو نمی بینم　　　　غیر از کسے باشد حقا کہ محال است

جس چیز پر نظر ڈالتا ہوں تیرے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، تیرے سوا اور کوئی ہو خدا کی قسم یہ ناممکن ہے۔

جناب قدوۃ العارفین امواج کریمہ میں فرماتے ہیں کہ شروع میں جب مرشد کی صورت پر نظر ڈالتا ہر طرف و مقام پر حاضر پاتا تھا۔ اسی وجہ سے بیتابی میں مبتلا ہو کر بھاگتا تھا اور کسی کونے میں جا پڑتا تھا، وہاں بھی آنکھ کھولتا تو موجود پاتا تھا یہاں تک کہ اس حالت کو پہنچا کہ اگر آنکھ بند کروں تو موجود، اگر آنکھ کھولوں تو مرشد کو موجود پاؤں۔

امواج کریمہ میں ایک دوسری جگہ جناب قدوۃ السالکین نے فرمایا کہ ایک طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک بیعت کی، آپ نے شغل برزخ کی تعلیم دی، وہ شغل اس پر ایسا ظاہر ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ تشریف لے گئے، وہ سچا طالب آپ کی صورت شریفہ کے تصور میں وہیں بیٹھا رہا، لوگوں نے اس طالب سے کہا آنحضرت یہاں سے اٹھ کر چلے گئے ہیں، تم بھی اٹھو، اس نے کہا کہاں تشریف لے گئے؟ اب بھی میرے سامنے موجود ہیں، سبحان اللہ! کامل کی تعلیم کس قدر اثر رکھتی ہے اور جو بزرگان دین فنافی الشیخ کے طریقے سے پورا حصہ پاتے ہیں اور لا موجود الا الشیخ کا نعرہ لگاتے ہیں وہ اسی منزل میں فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے جام نوش فرماتے ہیں۔

قطب العارفین جناب خواجہ پیر محمد سلونی فرماتے تھے کہ خدا من کریم من ما و من کریم من مسعود کریم من مقصود من کریم من پیر من کریم من رسول من کریم من حق۔ مقصود یہ ہے کہ پیر کی صورت میں مشغولی اس راستے میں اصل الاصول ہے اور غلطہ حو تجلی تک لانے والا ہے

ہر کس کہ کمال اولیا را نہ شناخت　　دین نعمت خاص بے بہا نہ شناخت

پس شکر نہ گفت وحب ایشاں نہ گزید　　میداں بہ یقین کہ او خدا را نہ شناخت

حضرت قدوۃ العارفین اپنی تعلیمات میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی ولایت کا خاص فرمان ہے، جس کو ذکر کی توفیق بارگاہ خداوندی سے دی گئی اسے ولایت کا فرمان عطا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے: "واذکر ربک اذا نسیت" (اس وقت اپنے رب کو یاد کرو جس وقت کہ اپنے نفس اور اللہ کے سوا ہر چیز کو بھلا دو) اور نفس کا بھلانا اس کی مخالفت کرنا ہے اور نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "قد افلح من زکّٰها" جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اس کے بعد مراقبہ کرے یعنی دل کی حفاظت کرے تا اللہ پاک کے سوا کسی کا خیال دل میں نہ آوے سے

پاسبانِ دل شو اندر کل حال　　تا نیاید ہیچ دزد آنجا محال

(ہر حالت میں دل کی حفاظت کرو　　تا کہ کوئی چور دل میں داخل نہ ہو سکے)

ہر خیال غیر حق را دزد داں　　ایں ریاضت سالکاں را فرض داں

(اللہ کے خیال کے علاوہ ہر خیال کو چور سمجھو　　ریاضت سالکوں کو فرض ہے)

حضرت پیر محمد سلونی نے اسرار کریمیہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا جو بھی گفتگو کی جائے وہ لہو و لعب ہے اور جس خاموشی میں اس کا خیال نہ ہو وہ سہو ہے۔ کبھی کریم کے ذکر میں کبھی کریم کے فکر میں بسر کرے تاکہ اللہ پاک کی طرف سے فیض ظاہر ہو لیکن یہ چیز خبردار دل والے کو حاصل ہوتی ہے سے

یک چشم زدن غافل از آں ماہ نباشیم　　ترسم کہ نگاہے کند آگاہ نباشیم

اس چاند سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتا ہوں کہ جس وقت میری طرف نظر کرے تو میں غائب رہوں اس مقام پر آ کر حضرت قدوۃ العارفین فرماتے ہیں: "الرفیق ثم الطریق والموصل الی المطلوب ھو اللہ الکریم" یعنی پہلے ساتھی رہنما پھر راستہ اور مطلوب و مقصود تک پہونچانے والا وہی کریم ہے سے چہ قدر راہ فنا ہموار است۔

فنا کا راستہ اتنا ہموار اور برابر ہے کہ اس پر آنکھیں بند کر کے بے خطر چل سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کلمات میں نے حضرت پیر محمد سلونی کے ملفوظات اور مکتوبات سے ملخص کر کے آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔

ڈاکٹر یعقوب علی خاں
کوٹہ، راجستھان

مولانا ضیاء الدین جے پوری کے ملفوظات

۱- فوائدُ ضیائیہ

فوائد ضیائیہ راجستھان کی مذہبی اور سماجی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس میں اٹھارہویں اور ۱۹ ویں صدی کے صوفیا کے گرانقدر اور دلچسپ حالات ملتے ہیں اس میں صوفیا کی خانقاہوں اور ان کی سماجی زندگی سے متعلق بہترین معلومات ہیں۔

اس مخطوطہ میں شریعت طریقت حقیقت، معرفت حب الٰہی، دیدار الٰہی، روح کی ماہیت، خدمت خلق اور جبر و اختیار کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے ساتھ ہی موسیقی (سماع) اور پیر و مرید کے تعلقات پر بھی بحث کی گئی ہے۔

مخطوطہ ۱۰۲ مجلسوں پر منقسم ہے۔ یہ ایک نادر مخطوطہ ہے جو ابھی تک پردہ خفا میں ہے۔ اس میں مولانا ضیاء الدین کے روحانی مرشد اور ان کے خلفا کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

اس مخطوطہ کے مولف سید مہدی علی حسین ہیں جو مالدہ (بنگال) کے رہنے والے تھے اور مولانا ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ انہیں مولانا ضیاء الدین نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کے اقوال اور ملفوظات کو نوٹ کر لیا کریں۔ مولانا خود اسے دیکھ لیا کرتے تھے۔ مولانا اسے کرامات کی کتاب بنانا نہیں چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ سید مہدی علی کے قلم پر سختی سے نگرانی رکھا کرتے تھے۔ آپ نے وقت کی قدر و قیمت پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ یہ ایک درویش کی سب سے زیادہ قیمتی شئے ہے جس سے اسے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ (ورق ۱۶)

مولانا کو اپنے پیر و مرشد سے شدید محبت تھی جس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ جب کبھی مجلس میں گانے والے ان کے مرشد کی تعریف میں گانا گاتے تو آپ محویت کی عالم میں ایک ہی شعر کو بار بار گانے پر اصرار کرتے اور اپنے پیر و مرشد کی خوبیوں کے حصار میں گم ہو جاتے۔

مولانا کہتے ہیں کہ خدا جابر بھی ہے اور اسکی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ بڑا رحم دل اور معاف کرنے والا بھی ہے چنانچہ اسکی رحمتیں مسلسل انسان پر نازل ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ دونوں باتیں جداگانہ انداز میں ساتھ ساتھ نازل ہوتی رہتی ہیں جس کی بنا پر ایک مومن ہمیشہ امید و یاس اور خوف و رجا کی حالت میں رہتا ہے۔ (ورق ۱۹)

مولانا کو اپنی پاک اور فقیرانہ زندگی دینی اور سماجی معاملات میں سادگی، انسان دوستی، بے غرضی، محبت وغیرہ

اضافات ہات اور اونچ نیچ جیسے مسلک نظام نے صدیوں سے اس ملک کو اپنے آپ میں جکڑ رکھا تھا، کے مکمل اعراض کی بناء پر عوام کا اعتماد حاصل تھا۔

مولانا سماجی خدمت پر زور دیا کرتے تھے۔ آپ اپنے شاگردوں کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ جنگلوں کا رخ نہ کریں بلکہ سماج میں رہیں اور پریشان حال لوگوں کی کلفتوں اور مصیبتوں کے بوجھ کو برداشت کریں (ورق ۱۱۲-۱۱۵)۔ ایک صوفی کو اپنی روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک اس ارادے سے پہنچنا چاہئے کہ وہ اپنے شاگردوں اور اپنے اردگرد کے لوگوں کو مخفی علوم کی تعلیمات سے آراستہ کر سکیں۔ (۴۳)

مولانا اپنے یہاں آنے والوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور مسلمانوں کو بالخصوص ان لوگوں کو جنکے ساتھ کسی نہ کسی حیثیت سے آپ کا کوئی تعلق تھا انسانیت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کا اپنے ساتھیوں اور احباب کے ساتھ ایسا ہی مشفقہ تعلق تھا جیسا ایک ماں کا اپنے بچے کے ساتھ ہوتا ہے۔

چشتی سلسلے کے صوفیا کے نزدیک پیشہ کی حیثیت ایک آلائش کی ہے انکا کہنا ہے کہ آدمی کے پاس صرف وہ چیزیں ہونی چاہئے جو بالکل ضروری اور ناگزیر ہیں مثلاً ستر پوشی کے لیے کپڑے، بقیہ چیزوں کو بانٹ دینا چاہئے ان کا قول ہے کہ اصل خوشی خرچ کرنے میں ہے نہ کہ جمع کرنے میں۔ (ورق ۱۹۰)

مولانا کا خیال تھا کہ دولت کو جمع کرنے کا مطلب خدا پر ایمان اور بھروسہ کی کمی ہے اور توکل کے اصول کی تردید ہے (ورق ۱۹۱-۱۹۵) جے پور اور ٹونک کے حکمراں مولانا کی خانقاہ کے مرید تھے۔ ٹونک کا نواب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنی ٹوپی تلوار مولانا کے قدموں میں ڈال کر آپ کا مرید ہوا تھا۔ مہاراجہ جے پور پرتاپ سنگھ کا صدر نشین بہاری صوفیا پر اعتقاد رکھتا تھا چنانچہ وہ مولانا کی خدمت میں ہر دوسرے دن آیا کرتا تھا۔ (۲۱۰)

جب مولانا کا انتقال ہوا تو پورے جے پور شہر میں تین دنوں تک سوگ منایا گیا۔

۲- مرآۃ ضیائیہ

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے چشتی سلسلے کی تاریخ میں مرآۃ ضیائیہ ایک اہم تصنیف ہے یہ مولانا ضیاءالدین جے پوری کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ مولانا ضیاءالدین جے پوری، شیخ نظام الدین اورنگ آبادی جن کی کوششوں سے شمالی میں سلسلہ چشتیہ کا فروغ ہوا کے روحانی خلیفہ شیخ فخرالدین دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔

مرآۃ ضیائیہ کے مولف شیخ رحمت علی شاہ تھے جنکے اسلاف حیدرآباد کے نوابوں کی فوجی ملازمت میں رہے

رحمت علی مولانا کی روحانی شخصیت سے بہت متاثر تھے چنانچہ مولانا کے جے پور میں سکونت اختیار کرنے سے قبل ان کے پاس وہ دہلی آگئے۔ یہ تالیف مولانا ضیاالدین کی خانقاہ میں مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔ مولانا کی خانقاہ چہار دروازہ رام گنج جے پور میں ہے۔ میرے خیال میں مرآۃ ضیائیہ کا یہ واحد نسخہ ہے جو محفوظ ہے

اس مخطوطہ میں مولانا ضیاالدین کے حیات و آثار پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب نبی اکرم حضرت محمد صلعم سے ملتا ہے۔ مخطوطہ میں آپ کی تعلیم، حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف میں آپ کی گہرائی و گیرائی روحانی علم و عرفان کے اعلیٰ مدارج اور خدا تک پہنچے، آپ کے شوق، شاہ فخرالدین کی شاگردی اختیار کرنے اور شاہ فخرالدین کی جانب سے آپکو سند خلافت عطا ہونے اور عشق الہی کی آگ کو روشن کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے انہیں جے پور بھیجے جانے کی ساری تفصیلات درج ہیں۔ مزید اس میں اس بات کی تفصیل بھی درج ہے کہ شاہ فخرالدین اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کس طرح کرتے تھے اور انہیں ممتاز صوفیا کی صف تک کس طرح پہنچا دیتے تھے۔ گرچہ مولانا ایک چشتی صوفی تھے تاہم انہیں اپنے استاد کی اجازت حاصل تھی کہ وہ نقشبندی قادری اور سہروردی سلسلے سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اپنے حلقۂ شاگردان میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس مخطوطہ میں مولانا کی بزرگی، انکے اکتسابات روحانی، ان کی پاکیزگی قلب، ان کی سادہ اور فقیرانہ زندگی، انکے توکل اور انکی خانقاہ میں آنے والوں کے ساتھ انکے مشفقانہ برتاؤ اور انکی بھرپور مدد کے بارے میں بھی اشارے ملتے ہیں۔ ساتھ ہی اس مخطوطہ میں یہ بھی درج ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کو کس شفقت و محبت سے بتاتے تھے اور انہیں کس طرح عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کی اور خدا پر بھروسہ کرنے کی ایسی صلاحیت و خوبی پیدا کرنے کی نصیحت فرماتے تھے کہ خدا کا قرب حاصل ہو سکے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ کر دائمی خوشی حاصل ہو سکے۔

اس مخطوطہ میں مولانا کے خانقاہ کی سماع کی مجلسوں کی تفصیلات بھی درج ہیں۔ آپ سماع پر اصرار کرتے انکا کہنا تھا کہ "سماع" سننے والوں کے دل کو متاثر کرتا ہے اور ان میں محبت کا چراغ روشن کرتا ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں چشتی صوفیا کی روایت کی پابندی کی تھی چنانچہ ہر منگل اور سنیچر کو سماع کی مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔

یہ کتاب عالم اسلام میں تصوف کے ارتقاء کی تاریخ پر ایک اہم تصنیف ہے۔ راجپوتانہ کی سماجی اور تہذیبی زندگی پر ساتھ حیدرآباد اور ٹونک کے نوابوں کی زندگی پر بھی بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں اس ردعمل کا تذکرہ بھی ہے جسکا اظہار جے پور میں مولانا ضیاالدین کی سکونت پذیری کے نتیجہ میں غیر مسلموں میں ہوا۔

یہ تصنیف عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے علم و فضیلت کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ جو مضامین کی ہمہ گیری کے ساتھ جامعیت کا بھی حامل ہے۔

(انگریزی سے تلخیص و ترجمہ
ترجمہ: ڈاکٹر سلیم الدین احمد)

جناب قاضی اطہر مبارکپوری
مبارکپور، اعظم گڑھ

اخبار الاصفیا

ہندوستان کے علما و مشائخ کی مستقل سوانح نگاری کا سلسلہ آٹھویں صدی میں شروع ہوا، اور ان کے حالات میں کتابوں کی طرف خصوصی توجہ کی گئی، امراء و سلاطین کی سرپرستی میں لکھی جانے والی تواریخ و طبقات کی کتابوں میں جن علما و مشائخ اور دانشوروں کے حالات درج کیے گئے، ان کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے شاہی دربار سے تھا، یا وہ غیر معمولی شخصیت رکھتے تھے ان کی سوانح نگاری میں احوال و ظروف کی رعایت ہوتی تھی اور ایک خاص نقطۂ نظر سے ان کے حالات درج کیے جاتے تھے اس لیے ان کی شخصیت کے اصل خد و خال سامنے نہ آسکے، اور جب خود طبقۂ علما و مشائخ میں تذکرہ نویسی کا ذوق پیدا ہوا تو بڑی حد تک یہ کمی پوری ہو گئی۔

چونکہ اس دور میں علم و دانش کے مقابلہ میں زہد و تصوف کا مزاج و رواج عام تھا۔ اس لیے دانش گاہوں اور مدرسہ پر خانقاہی رنگ چھایا ہوا تھا، اور تذکرہ نگاروں نے علما کو بھی صوفیہ کے رنگ میں پیش کیا، اصحاب درس علما اور دانش بھی اس دور میں عام طور سے کسی نہ کسی روحانی سلسلہ سے منسلک ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے اہل درس اور صاحب تصانیف علما کے کارناموں اور خدمات اور ان کی درسگاہوں اور مدرسوں کی تفصیلات بہت کم سامنے آسکیں، اور صوفیہ و مشائخ کے احوال و افکار کشوف و کرامات اور ان کی خانقاہوں اور مزاروں کی تفصیلات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

ابتدا میں یہاں کے اہل علم و فضل کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں شیخ محمد بن مبارک کرمانی متوفی ۰ ، کی سیر الاولیاء اور شیخ شعیب جمال منیری متوفی ۸۰۲ھ کی مناقب الاصفیاء قابل ذکر ہیں، شیخ وجیہ الدین بن سید نظام الدین نے ۹۲۶ھ میں ایک ضخیم کتاب مصباح العاشقین لکھی، نیز اس دور میں اور کئی کتابیں اسی موضوع پر مرتب کی گئیں، جن عام طور سے صوفیہ اور مشائخ کے احوال تھے، حتیٰ کہ دسویں صدی کے آخر میں شیخ عبدالحق محدث متوفی ۱۰۵۲ھ نے ۹۹۹ عالمانہ اور محققانہ انداز میں اخبار الاخیار تصنیف کی، اور شیخ عبدالقادر عیدروس گجراتی متوفی ۱۰۳۸ھ نے النور السافر عن

میں لکھی جا سکتی ہیں کہ یہ دونوں کتابیں یہاں کے علما کے حالات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار کے علاوہ مشائخ کے حالات میں دو اور کتابیں انوار الجلیہ اور زاد المتقین لکھیں۔

ان کتابوں کے بعد گیارھویں صدی میں علما و مشائخ کے حلقہ میں تذکرہ نویسی کا عام سلسلہ چل پڑا، اور متعدد علمی اور روحانی خانوادوں اور سلسلوں پر بہت سی کتابیں معرضِ وجود میں آگئیں۔ اسی دور میں شیخ عبدالصمد بن افضل محمد انصاری اکبرآبادی نے ۱۰۱۴ھ میں اخبار الاصفیا لکھی، شیخ محمد بن حسن غوثی مندوی نے ۱۰۲۲ھ میں گلزار ابرار لکھی، مرزا محمد صادق ہمدانی نے ۱۰۲۳ھ میں کلمات الصادقین لکھی، شیخ الہدیہ بن عبدالرحیم کیرانوی نے ۱۰۳۶ھ میں سیر الاقطاب لکھی، شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے ۱۰۴۵ھ میں مرآۃ الاسرار لکھی، نیز انھوں نے مرآۃ الولایت اور مرآۃ المداری لکھی، جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں نے ۱۰۴۹ھ میں مونس الارواح لکھی، شیخ غریب اللہ بن کبیر الدین احمد قادری نے ۱۰۵۰ھ میں ملفوظات قادریہ گجرات لکھی، مولانا شاہ ابوالخیر شاہ ابو سعید فاروقی نے ۱۰۶۰ھ میں شیر و شکر لکھی، شیخ نظام الدین احمد بن محمد صالح صدیقی نے ۱۰۶۵ھ میں کرامات الاولیا لکھی اسی زمانہ میں محمد دارا شکوہ متوفی ۱۰۶۹ھ نے سفینۃ الاولیا اور سکینۃ الاولیا لکھی، ان کتابوں کے علاوہ گیارھویں صدی میں بہت سے ارباب علم و فضل کے تذکرے مرتب ہوئے اور متعدد طرق و سلاسل میں علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی گئیں، ذیل میں گیارھویں صدی کے ابتدائی دور کی ایک اہم کتاب اخبار الاصفیا (فارسی) کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب کے مصنف شیخ عبدالصمد تیمی انصاری اکبرآبادی علم و فضل میں مجمع البحرین اور نجیب الطرفین بزرگ ہیں، شیخ عبدالصمد بن شیخ افضل محمد متوفی ۱۰۳۱ھ بن شیخ یوسف متوفی ۹۹۴ھ بن شیخ عبداللہ دانشمند متوفی ۹۴۴ بن شیخ یعقوب بن شیخ نصیر الدین تیمی انصاری اکبرآبادی کے آبا و اجداد علم و فضل اور مشیخت میں صفِ اول کے بزرگ میں سے ہیں۔ شیخ نصیر الدین سلطان بہلول لودی کے ابتدائی دور سلطنت میں ملتان سے آگرہ آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہ روحانیت و مشیخت میں علوئے مرتبت کے ساتھ صاحب درس و تدریس اور نامور عالم دین تھے، فقہ فتویٰ میں خاص مہارت و شہرت رکھتے تھے۔ شیخ عبدالصمد کے جد مادری شیخ مبارک بن خضر ناگوری متوفی ۱۰ ہیں اور ان کے صاحبزادے ابو الفیض فیضی اور ابوالفضل جیسے اہل علم و دانش اور فضلائے روزگار ان کے ماموں ہیں۔ ابوالفضل نے اپنے خواہرزادہ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی تھی۔

شیخ عبدالصمد کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ عنفوانِ شباب سے ان کو بزرگوں کے احوال و اقوال سے شغف تھا اور پاک و ہندوستان کے حالات لکھنا چاہتے تھے مگر ادب مانع تھا، ایک صاحب دل متوکل بزرگ نے اس کی ترغیب بھی دی، اور باوجود حالات کی ناسازگاری کے اس کام سے مانع رہی یہاں تک کہ سلطان جہانگیر کی تخت نشینی ۱۰۱۴ھ کے وقت یہ کام

ہوا اور جس کام کو دوسرے اہلِ قلم سالہا سال میں انجام نہیں دے سکتے تھے مصنف نے تھوڑی مدت میں اسے پورا کر دیا۔ مصنف اس کتاب کو دانشورانِ دشوار پسند کے ذوق و معیار کے مطابق لکھنا چاہتے تھے، مگر چونکہ مقصود ذکرِ "احوالِ مشائخِ ہندوستان" تھا اس لیے نگارش میں مقدمات صرف رنگ آمیزیٔ انشا پر اکتفا کیا اور اپنی نکتہ دانی و سخن طرازی پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ایسے معانی کی تلاش میں رہے جو بعض سخن اور مزاجِ سخن کو دیکھ کر عباراتِ سقیم و معانیٔ عقیم کا علاج کرے مگر ناکامی رہی اس لیے خود ہی یہ کام بھی کیا اور "احوالِ اولیائے ہندوستان" مرتب کر کے اس کا نام اخبار الاصفیا رکھا، ہندوستان کے بزرگوں کا تذکرہ اس واسطے بھی لکھا کہ جس قدر اولیا و اتقیا اس اقلیم میں آسودۂ خواب ہیں دوسرے شہروں میں ان کا نشان نہیں ملتا ہے۔ خصوصاً مصر السعادۃ آگرہ میں جو چہار دانگ ہندوستان کا مرکز اور مصنفِ کتاب کا وطن ہے۔

۹۹۹ھ میں دہلی میں شیخ عبدالحقؒ نے اخبار الاخیار تصنیف کی اور اس کے پندرہ سال کے بعد آگرہ میں شیخ عبدالصمد نے اخبار الاصفیا لکھی، دہلی اور آگرہ کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ دونوں مصنف معاصر بھی ہیں، عجب کیا ہے کہ اخبار الاخیار کے تتبع اور تاسی میں اخبار الاصفیا لکھی گئی ہو۔ اس کا انداز بڑی حد تک اخبار الاخیار سے ملتا جلتا ہے، دونوں کتابوں کے تقابلی مطالعے کے بعد اس کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اندازِ بیان بڑا دلکش اور سادگی میں رنگینی لیے ہوئے ہے۔ دشوار پسندی سے بچنے کے باوجود انشا و عبارت میں لطیف رنگ آمیزی اور ہلکے پھلکے بدائع و صنائع کی آمیزش نے بڑا حسن پیدا کر دیا ہے، مناقب و فضائل کے ذکر میں عقیدت مندانہ غلو کے بجائے واقعیت ہے۔ پوری کتاب میں ۲۶۰ سے زائد علما و مشائخ کا ذکر ہے جن کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ تذکروں کی ترتیب زمانی ہے یعنی سنین کے اعتبار سے تقدم و تاخر ہے۔ ابتدا میں تبرکاً حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا ذکرِ خیر ہے اس کے بعد پہلا تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ متوفی ۶۳۳ھ کا اور آخری تذکرہ سید احمد بہاریؒ متوفی ۱۰۱۵ھ کا ہے۔ اس کے بعد چند معاصر بزرگوں کے حالات ہیں۔ عام طور سے تذکروں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ بعض تذکرے خاصے طویل ہیں۔ کئی اہم تذکروں میں صاحبِ تذکرہ کے بعض مکتوبات نقل کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں فوائد الفواد اور بعض دوسروں کے حوالے ہیں اور عام طور سے "گویند" اور "نقل است" لکھ کر واقعات درج ہیں۔

اخبار الاصفیا کا میرا مملوکہ قلمی نسخہ متوسط سائز کے ۱۵۶ ورق یعنی ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے بخطِ فارسی ہر صفحہ میں پندرہ سطریں ہیں۔ خط مناسب ہے۔ اس کے کاتب اور مالک شیخ ناصر الدین محمد بن نظام الدین احمد بن محمد عبداللہ نظام الدینی ہیں، تاریخ کتابت روز چہارشنبہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۱۶۰ھ بمقام ارکاٹ، جنوبی ہند ہے۔ ●

ڈاکٹر سید محمد عزیز الدین حسین
شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

اسرار یہ کشفِ صوفیا

اسراریہ کمال محمد سید واسطی کی تالیف ہے۔ کمال محمد سید واسطی نے اس کام کا آغاز اپنے شیخ خواجہ محمد عبیداللہ کے ایما پر کیا تھا۔ اس کی تکمیل میں ایک سال کا وقت لگا تھا۔ اس کا نسخہ نیشنل میوزیم دہلی کی زینت ہے۔

مؤلف نے اس کتاب میں اپنی سوانح سے متعلق کوئی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے تاہم ورق ۱۸۶ پر اپنی زندگی کا ایک خاکہ دیا ہے جس کے مطابق اس کی پیدائش ۳، ربیع الاول ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء کو یعنی مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں ہوئی۔ مقام پیدائش کا تذکرہ نہیں دیا ہے۔ مؤلف کے والد کا نام سید جمل تھا۔ شجرۂ نسب میں جیسا کہ دستور تھا ماں کا نام درج نہیں کیا جاتا تھا چنانچہ کتاب کے آخر میں مؤلف کا جو شجرۂ نسب درج ہے اس میں مؤلف کی ماں کا نام نہیں ملتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ شجرۂ نسب میں ماں کا نام کیوں محو کر دیا جاتا تھا؟ مؤلف کی بسم اللہ کی رسم ۱۶۱۱ء میں نو سال کی عمر میں ہوئی۔ یہ رسم مہرولی (دہلی) میں خواجہ بختیار کاکی کے مزار سے متصل مسجد میں شاہ عالم کے ذریعہ ادا ہوئی۔ مؤلف نے ۱۶۱۳ء میں گیارہ سال کی عمر میں روزہ رکھا اور ۱۶۱۸ء میں سولہ سال کی عمر میں اپنے شیخ خواجہ محمد عبیداللہ سے اس کا تعلق پیدا ہوا۔ اپنے خاندان کا جو شجرہ مؤلف نے دیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا نسب خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ مؤلف نے صرف سولہ سال کی عمر تک کا اپنا خاکہ دیا ہے۔ اس کے بعد پھر کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ اس نے سفر کیا کیا اور کہاں زندگی بسر کی۔

کمال محمد نے اسراریہ کی تالیف ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء میں شروع کی یعنی اپنی عمر کے اندازاً ۵۵ ویں سال میں، مغل بادشاہ شاہجہاں کے دورِ حکومت میں۔ اس کی تکمیل ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں ہوئی۔

یہ تالیف ان صوفیا کے تذکرے پر مشتمل ہے جن سے مؤلف بلاواسطہ یا بالواسطہ واقف تھا۔ اس نے اس میں معاصر اور غیر معاصر سبھی صوفیا کی شمولیت کی ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے صرف اپنے سلسلے کے صوفیا کا تذکرہ ہی نہیں کیا، بلکہ چشتی، سہروردی، نقشبندی اور دیگر سلسلے کے صوفیا کا تذکرہ بھی شامل کیا ہے۔ اس نے غیر مسلم صوفیا مثلاً نارائن بیراگی وغیرہ کا بھی تذکرہ شامل کیا ہے۔ ساتھ ہی اس تذکرہ میں صرف مرد صوفیا کے حالات ہی نہیں بلکہ صوفی عورتوں کے حالات بھی کتاب کے آخری باب میں، شامل کئے گئے ہیں۔ اس میں تقریباً ۲۰۳ صوفیا کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) خواجہ محمد عبیداللہ (۲) خواجہ حسام الدین احمد (۳) شیخ نرتضیٰ (۴) شیخ الٰہداد (۵) شیخ حسین (۶)
خواجہ عبداللہ (۷) خواجہ محبت اللہ (۸) خواجہ نعمت اللہ (۹) خواجہ برکت اللہ (۱۰) خواجہ سلام اللہ (۱۱) خواجہ غلام بہاء الدین محمد سعید (۱۲)

خواجہ عبد القدیر (۱۳) خواجہ محمد عاشق (۱۴) شیخ الہ داد (۱۵) شیخ رستم (۱۶) شیخ تعشق (۱۷) حافظ جلال الدین (۱۸) سید احمد (۱۹) شیخ محمد
(۲۰) شیخ نعمت اللہ (۲۱) خواجہ محمد صادق (۲۲) خواجہ محمد تقی (۲۳) شیخ رفیع الدین (۲۴) میر محمد نا (۲۵) شیخ جعفر (۲۶) شیخ ہاشم (۲۷) شیخ ابابکر
(۲۸) شیخ محمد طاہر (۲۹) شیخ موسیٰ (۳۰) شیخ عثمان (۳۱) شیخ محمد سعید (۳۲) شیخ محمد معصوم (۳۳) شیخ محمد مکی (۳۴) سید قطب الدین (۳۵) محمد
صادق (۳۶) حافظ صادق (۳۷) شیخ بھکاری (۳۸) شیخ علی (۳۹) خواجہ محسن (۴۰) خواجہ عبد المنعم (۴۱) خواجہ جمالی (۴۲) خواجہ ابو الخیر (۴۳)
خواجہ فولاد (۴۴) شاہ منیر (۴۵) خواجہ ابو الوسک (۴۶) شیخ جلال (۴۷) سید نظر محمد (۴۸) شیخ عبد الحق (۴۹) مولانا شبیر محمد (۵۰) شیخ
عبد اللہ (۵۱) شیخ پیر (۵۲) شیخ قطب عالم (۵۳) خواجہ محمد (۵۴) خواجہ عبد الرزاق (۵۵) محمد شریف (۵۶) شیخ محمد یوسف (۵۷) شیخ
عبد الوہاب (۵۸) شیخ عبد الرحمان (۵۹) شیخ عبد المنعم (۶۰) خواجہ سراج الدین (۶۱) خواجہ جمال (۶۲) شیخ نور الحق (۶۳) مولانا حسن
(۶۴) محمد حافظ (۶۵) شیخ سلیم (۶۶) شیخ منظم (۶۷) شیخ جلال (۶۸) شیخ بہاء الدین (۶۹) مولانا عوض وجیہ (۷۰) میر ابراہیم
(۷۱) شیخ بدیع الدین (۷۲) شیخ آدم (۷۳) شیخ وجیہ (۷۴) شیخ عثمان (۷۵) شیخ عثمان (۷۶) شاہ بدیع الدین (۷۷) شیخ عبد المجید
(۷۸) شیخ رکن الدین (۷۹) شیخ امین (۸۰) شیخ وزیر محمد (۸۱) شیخ شاہ محمد (۸۲) شیخ شاہ محمد (۸۳) شیخ جالو (۸۴) شیخ شاہ محمد (۸۵)
شیخ احمد (۸۶) شیخ صالح (۸۷) شیخ حبیب (۸۸) شیخ عبد الوہاب (۸۹) شاہ حسین (۹۰) شیخ سراج الدین (۹۱) سید غلام محمد (۹۲)
میر اخلاص (۹۳) میر محمد مراد (۹۴) شیخ حاجی محمد (۹۵) شیخ ابو القاسم (۹۶) سید احمد (۹۷) سید محمد (۹۸) میر محمد جان (۹۹) حافظ صالح
(۱۰۰) سید محمد (۱۰۱) سید بدھ (۱۰۲) میر ابراہیم حسین (۱۰۳) شیخ اشرف (۱۰۴) خواجہ محمد محسن (۱۰۵) شیخ جلال (۱۰۶) سید عظمت اللہ
(۱۰۷) شیخ فاضل (۱۰۸) شیخ عبد الکریم (۱۰۹) شیخ تاج الدین (۱۱۰) شیخ جمال (۱۱۱) ابو رضا (۱۱۲) شیخ محمد (۱۱۳) شیخ یار محمد (۱۱۴) شیخ
کریم اللہ (۱۱۵) شیخ قاسم (۱۱۶) شیخ اللہ بخش (۱۱۷) حاجی میر درست (۱۱۸) میر جونہ (۱۱۹) شیخ درست (۱۲۰) میر صالح (۱۲۱) شیخ جان
(۱۲۲) سید یوسف (۱۲۳) شیخ عیسیٰ (۱۲۴) شیخ حسن (۱۲۵) شیخ حسین (۱۲۶) شیخ ہلالی (۱۲۷) عبد الوحید (۱۲۸) شیخ محمود (۱۲۹) شیخ
بہاء الدین (۱۳۰) شیخ اسماعیل (۱۳۱) سید جعفر (۱۳۲) شیخ احمد (۱۳۳) شیخ عبد الرحیم (۱۳۴) محمد مقیم (۱۳۵) شیخ عبد الوحید (۱۳۶) شیخ
ابدال (۱۳۷) شیخ منور (۱۳۸) شیخ عیسیٰ (۱۳۹) عبد اللطیف (۱۴۰) سید ابا یار (۱۴۱) سید شرف الدین (۱۴۲) شیخ عبد الحکیم (۱۴۳) شیخ
طیب (۱۴۴) شیخ فتح اللہ (۱۴۵) غوث عالم (۱۴۶) شیخ حسین (۱۴۷) طالب (۱۴۸) شیخ دوست (۱۴۹) شیخ داؤد (۱۵۰) شیخ فرح
(۱۵۱) شیخ بایزید (۱۵۲) سید ضیاء الدین (۱۵۳) شیخ عبد العزیز (۱۵۴) سید شان محمد (۱۵۵) شیخ محمد (۱۵۶) محمد صالح (۱۵۷) عالم
(۱۵۸) ابو المکارم (۱۵۹) شیخ مصطفیٰ (۱۶۰) شیخ ابراہیم (۱۶۱) شیخ ابراہیم (۱۶۲) شیخ نور محمد (۱۶۳) شیخ نور محمد (۱۶۴) شیخ عبد الوحید
شیخ عطا محمد (۱۶۶) شیخ حمید الدین (۱۶۷) شیخ نظر علی (۱۶۸) شیخ حسین محمد (۱۶۹) شیخ شاکی (۱۷۰) خواجہ عطاء اللہ (۱۷۱) شیخ محمود
شیخ عبد الرحیم (۱۷۳) شیخ بایزید (۱۷۴) شیخ حبیب محمد (۱۷۵) شیخ قائم محمد (۱۷۶) شیخ محمد (۱۷۷) شیخ جان محمد (۱۷۸) شیخ کریم

۱۱) شیخ محمد (۱۸۰) شیخ پیر محمد (۱۸۱) شیخ حاتم (۱۸۲) عبداللطیف (۱۸۳) سید غریب (۱۸۴) سید صادق (۱۸۵) شیخ ابو تراب (۱۸۶) فیروز (۱۸۷) شیخ رفیع (۱۸۸) شیخ بدرالدین (۱۸۹) درویش مجہول (۱۹۰) شاہ جیوانی (۱۹۱) شاہ دولہ (۱۹۲) شاہ جہانگیر (۱۹۳) نے الہ بندہ (۱۹۴) شاہ پرویز (۱۹۵) بیکا (۱۹۶) نارتن بیراگی (۱۹۷) شاہ آدم (۱۹۸) شیخی (۱۹۹) بی بی ساتی (۲۰۰) بی بی سہیل (۲۰۱) بی راجہ (۲۰۲) بی بی فقیرا (۲۰۳) بی بی بدحال۔

اس مخطوطہ میں ان صوفیا کے حالات درج کیے گئے ہیں جو درج ذیل قصبات سے تعلق رکھتے تھے: سنبھل، حسن پور، امروہہ، سرسی، سہارن پور، مرادآباد، بلگرام، ردولی، فریدآباد، میرٹھ، ہرگانوں، بدایوں، بجنور، گوپامئو اور سندیلہ۔

اس تالیف میں صوفیا کے تفصیلی حالات درج ہیں، کہاں کہاں گئے، کن کن لوگوں سے ان کا تعلق رہا، کن کن قصبات میں انھوں نے درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے، ان کے شاگردوں کا نام کیا تھا اور ان کے مرید کون کون تھے۔ چنانچہ اس مخطوطے سے عہد وسطیٰ کے ان مراکز کی تاریخ و ترقی کے مطالعے میں کافی مدد ملے گی۔ مخطوطے کے آخر میں اس نے حاتم سنبھلی کے ان اشعار کو نقل کیا ہے جو انھوں نے اس شہر کی تعریف میں کہے تھے۔ انھوں نے سنبھل کو دوسرا بخارا سے تشبیہ دی ہے۔ انھوں نے سنبھل کے ۱۲ صوفیا کے حالات لکھے ہیں۔ میرے خیال میں سنبھل کے اتنے صوفیا کا تذکرہ کہیں اور نہیں ملے گا۔

مخطوطہ ۴۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ مخطوطے کا سائز ۱۰×۸ ہے۔ ہر ورق پر ۱۴ سطریں ہیں، کتابت خط شکستہ میں ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں اس لیے ایسا لگتا ہے کہ یہ مولف کا خود نوشت نسخہ ہے۔ مخطوطات کے کیٹلاگ میں اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔

اہم سلسلہ صوفیا پر اور عہد وسطیٰ کے صوفی تحریک کے مراکز پر تو مواد مل جاتے ہیں لیکن، اس مخطوطہ میں علاقائی یا مقامی نوعیت کے اہم صوفیا اور اہم مراکز پر روشنی ڈالی گئی، اس لحاظ سے اس مخطوطہ کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)

از مودود اشرف
ریسرچ اسکالر
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

مکتوبات سید شاہ اشرف جہانگیر سمنانی کا ایک نادر قلمی نسخہ

مخدوم صاحبؒ کے مکتوبات گرامی کا مطالعہ تصوف اور تعلق مع اللہ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس میں صوفی کے قلب کا سوز و گداز بھی ملتا ہے اور تحقیق و تدقیق کی چاشنی بھی۔ خطوط کا بڑا حصہ اسی موضوعات کی توضیح و تشریح پر مبنی ہے۔ اس میں تصوف کے باریک مسائل کو اپنے طور پر بھی سمجھایا گیا ہے اور علماء وقت کے تقاضے پر بعض صوفیہ کی دقیق باتوں اور ان کے مشکل اشعار کی عقدہ کشائی بھی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو مخدوم صاحبؒ نے جو خط تحریر کیا ہے وہ دراصل ان کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ فصوص الحکم میں فرعون کے بارے میں جو اشارات ملتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ خط طویل بھی ہے اور اعتدال کا بہترین نمونہ بھی۔ اسی طرح قیام الدینؒ کے جواب میں جو خط رقم کیا گیا ہے اس کا عنوان ہے "در حل ابیات مشکلہ بطریق ارباب تصوف و اصحاب تعرف"۔ غرض خاصی تعداد میں ایسے خطوط ملتے ہیں جو علماء وقت کی طرف سے تصوف سے متعلق اٹھائے گئے اعتراضات یا اشکالات کے جواب میں ہیں۔ اس سے اس مخطوطہ کی علمی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

تعارف مصنف مخدوم سید اشرف جہانگیرؒ کی ذات ستودہ صفات مجموعہ کمالات تھی آپ اپنے وقت کے جید عالم، پائے کے محقق اور اعلیٰ درجہ کے صوفی تھے۔ مورخین نے ان الفاظ میں آپ کی صفات کو رقم کیا ہے:

"آپ یگانۂ روزگار تھے۔ شان رفیع ہمت بلند کرامات وافر کے مالک تھے۔ سلطان المشائخ کے بعد شیخیت اور ہدایت کے سلسلہ کو آپ نے از سر نو زندہ کیا۔ حقائق بیانی میں آپ کلام الٰہی، احادیث نبوی، اقوال مرتضوی اور اصحاب کرام کے ترجمان تھے۔" (مرآۃ الاسرار)

گلزار ابرار کے مصنف محمد غوثی شطاری تحریر فرماتے ہیں:

"کشف و کرامات اور منازل مقامات کے آپ مالک تھے۔ آپ کے بیان سے عرفان کا آب حیات بہتا

تھا اور آپ کے دل سے شوق و محبت کی آگ کے شعلے اٹھتے تھے۔ (لطائف اشرفی جلد اول)

ملک محمود جائسی فرماتے ہیں،

"در مدیقین است محوری مسلم دو کس بہ سبب ترک سلطنت بر جستہ اولیا اللہ فضیلت دارند حضرت سلطان العارفین ابراہیم بن ادہم و سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی بکچھوچھوی قدس سرہ" (اشرف سمنانی شمیم اشرف)

آپ کا نام سید محمد اشرف یا سید اوحد الدین اشرف لقب جہانگیر تخلص اشرف تھا اور شہرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے نام سے ہوئی جائے ولادت سمنان (ایران) تاریخ پیدائش ۷۰۹ھ جائے وفات روح آباد کچھوچھہ (فیض آباد یوپی) سال وصال ۸۰۸ھ یا ۸۳۲ھ کے قریب۔

تعلیم | حافظ قرآن، قاری قرأت سبعہ، عالم معقول و منقول۔

تربیت | اس مبارک کام میں تین اکابر صوفیہ کا نام سرفہرست ہے۔ ۱۔ شاہ علاؤالدین علاء الحق ۲۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔ ۳۔ میر سید علی ہمدانی۔

بیعت و خلافت | شاہ علاؤالحق کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے وہیں خلافت میں جہانگیر کا خطاب فی البدیہ آپ نے یہ شعر کہا ؂

مرا از حضرت پیر جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر

تصنیف و تالیف | نزہۃ الخواطر جلد ثالث میں ۲۲ کتابوں کا نام بنام ذکر ملتا ہے شمیم اشرف۔ اشرف سمنانی نامی کتاب میں ۲۹ رکتابوں کا ان کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

تفسیر قرآن نور بخشیہ فصوص الحکم کی شرح، خود حضرت کا ایک دیوان مرآۃ الحقائق کنز الدقائق وغیرہ فارسی میں مختصر رسائل بھی ہیں اور ضخیم کتابیں بھی ان میں سے کچھ موجود ہیں کچھ نا پید۔

مکتوب گرامی | مکتوبات کا یہ مجموعہ جناب سید شاہ ظفر الدین اشرف سجادہ نشین درگاہ کچھوچھہ شریف کے ذاتی ذخیرہ میں موجود ہے۔ وہیں اس کے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلا مجموعہ مقدمہ مکتوبات اور ان کے گرانقدر اضافات پر مشتمل ہے۔ ان اضافات کا تعلق تاریخ انساب اور اسماء الرجال سے ہے۔

مقدمہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین کا کام دو اصحاب کے ہاتھوں مختلف ادوار میں ہوا ہے۔ اس کے جامع اول حضرت نظام الدین یمنی جو خلیفہ و مرید حضرت اشرف جہانگیر تھے۔ انھوں نے پہلا آپ نے جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس کا آخری شعر یہ ہے ؂ چو مکتوبات جمع آمد ... [illegible]

مکتوبات کے جامع ثانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے جانشین اول حضرت حاجی شاہ عبدالرزاق صاحبؒ تھے۔ آپ نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس کا آخری شعر اس طرح ہے ؎

چوں مکتوب ثانی یافت ترکیب ۔۔۔ پے تاریخ مکتوبات آمد ۔۔۔ ۸۶۹ھ

گویا پہلی بار اس کی ترتیب و تدوین مخدوم صاحبؒ کے حیات میں ہوئی اور دوسری بار آپ کی رحلت کے بعد شاہ عبدالرزاقؒ کی وفات سے صرف چند سال پہلے ہوئی۔

مقدمہ میں مختصر مکتوبات کی کل فہرست موجود ہے۔ ساتھ ہی نمبر شمار مکتوب الیہ کا نام اور خط کے موضوع کو بھی درج کر دیا گیا ہے۔ فہرست اس انداز میں رقم کی گئی ہے۔

مکتوب پانزدہم بجانب شیخ الاسلام گجراتی از خلفا اثنا عشریہ مشتمل بر بودن سالک در راہ حق و آراستن خود را بکار لحق از طہارت ظاہر و باطن و مشغول در راہ سلوک و نزدے از اذکار و دیدن انوار اگر چہ از وضو او باشد۔ خط کے مضمون کے اعتبار سے عنوان مفصل بھی ہے اور مختصر بھی۔ جیسے مکتوب بست سوئم در جواب نامۂ سلطان ابراہیم کہ استفسار معنی بیت حضرت امیر خسرو دہلوی کردہ اند۔

مکتوبات کے اختتام پر مرتب ثانی کے قلم سے جو اضافات ملتے ہیں، مقدمہ میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے اور فہرست بھی دیدی گئی ہے چنانچہ مرتب ثانی شاہ عبدالرزاقؒ تحریر فرماتے ہیں "در مکتوبات از خامہ ۔۔۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ کہ از پرتو ولایت خویش صادر شدہ بندہ را دراں تصرفے نیست اما ہرجا کہ سلاسل مشائخ و دوائر اکابر ۔۔۔ و ذکر الانساب و طبقات ملوک مذکورہ بعد از تتبع و پیروی کتب صوفیہ و رسائل طائفہ بتخصیص در لطائف و تواریخ چنانچہ طبری و طبقات ناصری و امثالہا یافت در دوائر و جداول درج کردہ۔ اگر در میان قلم سہوے رفتہ باشد قلم اصلاح دریغ ندارند"۔ حاصل کلام یہ نکلتا ہے کہ مکتوبات کی حد تک کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے۔ نیز اپنے اضافات میں مرتب نے اپنے ماخذ کو بھی بیان کر دیا ہے۔

اضافات کی فہرست جو خود مرتب نے تحریر کی ہے اس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

"خاتمہ مشتمل بہ اندراج سلاسل مشائخ و اندراج آسامی روات کتب بر سبیل دوائر ملوک مجدول و تواریخ ازمانی کہ از زمان خواجہ رشید الدین کردہ ۔۔۔۔ سلاسل اولیاء روزگار از خلفاء الراشدین الی یوم الآخر ساختہ ۔۔۔ تتمہ مشتمل بحر الانساب مکمل بہ اسماء متبرکہ انبیاء و مرسل و اولوالعزم تا خاتم النبیین صلعم و ذکر حکماء پیش از بعث علیہ السلام آسامی خلفاء الراشدین و التابعین و تبع التابعین و خلفاء بنو عباسیہ و بنو امیہ۔"

گویا اس اضافے کا زیادہ تر تعلق تاریخ انساب اور اسماء الرجال سے ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

سوانح کے ضمن میں خود مخدوم صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی سفر کے واقعات تصانیف کا ذکر غیرہ اس طرح آ گیا ہے کہ کتاب کب اور کن حالات میں لکھی گئی کچھ روشنی اس پر بھی پڑتی ہے چنانچہ مرتب نے لکھا ہے کہ "فتاویٰ اشرفیہ میری درخواست پر تحریر کی گئی۔" مخدوم صاحبؒ کی تصانیف کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا گیا ہے۔

"القصہ در ہر علم حضرت قدوۃ الکبریٰ را تالیفات بتخصیص در علم تصوف"

اس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی یہ پہلی مرتب سوانح ہے جسے آپ کے جانشین اول نے قلمبند کیا۔

کتاب کے آغاز میں ایک طویل نظم ہے جو سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس میں مخدوم صاحبؒ کی جدائی کو درد بھرے انداز میں رقم کیا گیا ہے۔ اس کے تین اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

کجا است تخت سلیماں کہ بر ہوا میرفت   نشاں نہ ماند بعالم کلاہ دارا را
اگرچہ دین و دل و عمر صرف تو کردم   نہ قدر پیش تو شد ایں متاع اعلیٰ را
کنوں جانست بلب آرزوئے دیدار است   کہ دیدن تو کند دفع کہنہ غم ہا را

یہ مخطوطہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سجادہ نشینوں کی ملکیت رہا ہے کیونکہ کتاب کے آخر میں تملیک کی جگہ یہ تحریر ملتی ہے۔ "مالک مکتوب شریف ہذا فقیر حقیر سید حسین ....." آگے اسی قلم میں تحریر ہے کہ، "خطائے رفتہ در کتاب صحیح آنکہ او صلاح الدین اشرف بن ابراہیم شاہ۔" پھر مخدوم صاحبؒ کا پورا شجرہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے آگے پھر اسی قلم میں یہ تحریر ملتی ہے: "نسب نامہ حضرت قدوۃ الکبریٰ شاہ حاجی عبدالرزاقؒ" اس ضمن میں ان کا مکمل شجرہ قلمبند کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ حسینؒ تملیک میں جن کا ذکر آیا ہے یہ حضرت شاہ عبدالرزاقؒ کے جانشین تھے۔ اغلب یہ ہے کہ آپ کی جانشینی کے بعد یہ گرانقدر مخطوطہ انھیں وراثت میں ملا ہوگا۔ اور اب بھی یہ سجادہ نشین کی ملکیت ہے۔ اگر یہ تخمینہ ہے تو اس مخطوطہ کی قدامت پانچسو سال سے زیادہ ٹھہرتی ہے کیونکہ شاہ عبدالرزاقؒ کا وصال ۸۷۲ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد ہی شاہ حسینؒ جانشین قرار پائے۔ گویا یہ مجموعہ تین اکابر وقت کی بیش قیمت تحریر کا ایک دلکش مرقع ہے۔

مکتوبات پر محمد غوثی شطاری کا تبصرہ | آپ کے مکتوبات بھی ہیں جن میں درویش مسلک کی حقیقتیں دقیقے کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں عرفان کی کونسی ایسی گفتگو ہے اور ولولہ پیدا کرنے والی کونسی ایسی باتیں ہیں جو ہر ایک مکتوب کی سطر سطر میں نہیں ہیں خدا کرے یہ مکتوبات دوستوں کے مطالعہ سے گذریں۔ (اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، لاہور ص ۱۴۵)

لے بانوے مکتوبات مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں طبع ہو چکے ہیں۔

مکتوب شریف کا ایک اقتباس اے عزیز پیش از وصول اجل تأمل کردن و بمہلت دنیا مغرور شدن نہ دلیل سعادت بود مگر خطاب ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ بگوش جان تو نرسیدہ است من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا ہیچ خوف نہ داری واز تہدید اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون ہیچ اندیشہ نمی کنی واز توبیخ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب ہیچ یاد نمی آری فاما من طغیٰ وآثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی المأویٰ ہیچ انتباہ نمی گیری... بلسان صدق واخلاص برخوان کہ انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت حنیفا تا نقاش اسرار وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیأت از خزائن الطاف ان اللہ غفور الرحیم بر تو کشف شود...

پروفیسر فضل الحق انصاری
شعبۂ فارسی
کشمیر یونیورسٹی

ملا شاہ اور انکی مثنویاں

ملا شاہ بدخشی مشہور بزرگ میاں میر (م ۱۰۴۵ھ) کے شاگرد تھے۔ یہ وہی میاں میر ہیں جنہوں نے گولڈن ٹمپل (Golden temple) کی بنیاد ڈالی تھی اور جو داراشکوہ کے روحانی رہنما و استاد تھے۔

بحر زخار کے مطابق ملا شاہ کے والد کا نام قاضی عبدی تھا لیکن اپنی ایک مثنوی میں آپ نے اپنے والد کا عبد احمد اور والدہ کا خاتون لکھا ہے۔ بدخشاں سے آپ کشمیر آئے اور یہاں تین سال قیام کر کے لاہور چلے گئے جہاں آ شاہ میر کی شاگردی اختیار کی اور پھر ان کے ممتاز ترین خلیفہ بن گئے۔ لاہور کی آب و ہوا آپ کو راس نہ آئی۔ لہٰذا جہانگیر نے اپنی زندگی ہی میں انہیں چار ماہ لاہور میں اور موسم بہار کے آغاز سے آٹھ ماہ کشمیر میں رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ شاہ میر کے انتقال کے بعد وہ مستقل طور پر کشمیر میں سکونت پذیر ہو گئے جہاں ہری پربت پہاڑ پر داراشکوہ نے ان ایک عمارت بنوا دی تھی جس کا نام میر محل تھا لیکن بعد میں وہ میری محل کے نام سے مشہور ہو گئی۔ داراشکوہ کے قتل اورنگ زیب نے بلوا بھیجا لہٰذا جب وہ لاہور پہنچے تو اپنے محافظین سے اجازت لے کر اپنے پیر کی قبر پر گئے جہاں سے وہ نہیں لوٹے۔ جب انہیں تلاش کیا گیا تو انہیں اورنگ زیب کے نام ایک خط کے ساتھ وہاں مردہ حالت میں پایا گیا۔

بحر زخار کے مطابق ان کا انتقال ۱۰۷۲ھ میں ہوا۔

ملا شاہ کے صوفیانہ خیالات متنازع فیہ رہے ہیں۔ درج ذیل شعر ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔

پنجہ در پنجۂ خدا دارم   من چہ پروای مصطفیٰ دارم

لیکن جیسا کہ بحر زخار کے مصنف نے لکھا ہے کہ جب ایک شخص نے اس شعر کے بارے میں ان سے دریافت انہوں نے جواب دیا کہ اس شعر کو ان سے منسوب کرنا سوائے الزام تراشی کے اور کچھ نہیں۔ ان کے شعری مجموعوں مطالعے سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا شعر ان کا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ہمیشہ ہی رسول اللہ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے ہیں۔

راشد کی تصانیف بہت کم دستیاب ہیں اور جو مطبوعات کے مطابق موجود ہیں ان کی شہرت بھی محض
بمبئی اور یورپ میں محدود ہیں بلکہ کہیں کہیں صرف محض ان کی ایک قلمی نسخہ ان کے پوتے میری
تحقیق ہے کہ میرے پاس ان کی سات مثنویوں کا کلی سیٹ موجود ہے یہ ۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے جس کے ہر صفحہ
پر ۲۵ سطریں ہیں۔ اور ہر سطر میں دو دو اشعار ہیں اس طرح یہ سات مثنویاں بیس ہزار پانچ سو سے زائد
اشعار پر مشتمل ہیں۔ یہ نہایت اہم اور نایاب نسخہ ہے کہ پوری دنیا میں راشد کی تصنیف کا یہ مکمل واحد نسخہ ہے
زیر بحث یہ راشد کی تصانیف کا سب سے قدیم نسخہ ہے اور راشد کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخے سے انھیں کے زمانے
میں نقل کردہ ہے جیسا کہ نسخہ کے سرورق پر لکھا ہے۔

"من واردات قطب الاقطاب غوث الآفاق قدوۃ المتقین برہان العاشقین
عارف باللہ محبوب الحضرت ... شاہ ... رحمۃ اللہ تعالیٰ از روی نسخہ اصل کہ بخط مبارک
حضرت تحریر یافتہ است مقابلہ نمودہ شد"

پہلی مثنوی کا آغاز درج ذیل نثری عبارت سے شروع ہوتا ہے۔

"حمد رب العالمین و نعت الانبیاء المرسلین خصوصاً ... این کتاب الکتاب حمد و نعت"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منتخب بالا عبارت تمام مثنویوں کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہے مذکورہ بالا عبارت کے بعد
اصل مثنوی شروع ہوتی ہے۔ صفحہ ۲ تک ۱۰۵ اشعار حمد کے ہیں صفحہ ۳۹ سے نعتیہ کلام شروع ہوتا ہے جس کا آغاز
درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے۔

"شروع در تمہید نعت ..... و اصلاح سخن در حضور کوشید"

نعت کے اشعار صفحہ ۴۴ سے شروع ہوتے ہیں پہلے مختلف انبیا مثلاً آدم (۱۲۶) علیہ السلام حضرت
شیث، نوح، ادریس، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ہود، صالح، شعیب، موسیٰ، یوشع، خضر
عیسیٰ، سلیمان، الیاس، عزیر، یونس، ایوب، یحییٰ، لقمان، زکریا، الیاس، یسع، ہارون اور خالد علیہم السلام
کی شان میں اشعار کہے گئے ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۵۵ سے رسول اللہ کی شان میں اشعار ہیں۔ جن کی تعداد ۴۴۰

۱۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں کلیات راشد (فارسی) مشتمل ہے جلد اول تصنیف ... پر مشتمل ہے جبکہ جلد دوم و سوم مثنویات، غزلیات، قصائد
رباعیات کے کلام پر مشتمل ہے ... جلد دوم ص ۱۱۱ ... اور ... کلام ...
... ص ... (ملاحظہ)

صفحہ ۱۵ سے منقبت کے اشعار شروع ہوتے ہیں جن میں خلفائے راشدین اور ائمہ معصومین کی منقبت بیان کی گئی ہے
صفحہ ۲۷ سے صوفیا کی تعریف میں اشعار ہیں ان صوفیا کی تعداد جن کی شان میں اشعار کہے گئے ہیں پندرہ ہے۔ چند کے
نام یہ ہیں: حضرت بایزید، جنید، شبلی، منصور، شیخ عطا، مجد الدین، بہاء الدین زکریا، بوعلی (قلندر؟) ابوسعید
خراز، مولانا روم، شیخ عبد القادر، شیخ محی الدین عربی اور چند مزید جن کے نام مخطوطے کے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے
پڑھے نہ جا سکے۔ صفحہ ۵۷ سے تصوف کی مختلف کیفیات پر روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً سلوک جس کے تحت شاعر نے توبہ، توکل
تحمل، صبر اور رضا پر روشنی ڈالی ہے اس کے بعد پھر سلوک باطنی پر بحث ہے جس کے تحت عالم مثال، عالم ملکوت
عالم جبروت، عالم لاہوت اور انسان کامل جو ملا شاہ کے مطابق وہ ہے جس کے اندر مذکورہ چاروں عالم موجود ہوں
ہیں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد آخر میں کشف کے مختلف پہلوؤں مثلاً کمال زہد، کمال سلوک، کمال مع
وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مثنوی درج ذیل رباعی پر ختم ہو جاتی ہے۔

حمد و نعت و منقبت و تعریفم — حق باز بیان و ختم این تصنیفم
در سال ہزار و پنج تمام — شد شش گنج چیست ذکر تکلیفم

صفحہ ۸۰ پر اس کا نام "رسالہ حمد و نعت" بتایا گیا ہے جو ۱۰۵۵ھ میں مکمل ہوا۔

دوسری مثنوی صفحہ ۸۲ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۱۷۲ پر ختم ہوتی ہے۔ خاتمہ ایک رباعی پر ہوتا ہے جس کے
بعد ایک ترقیمہ ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مثنوی بھی ۱۰۵۵ھ میں مکمل ہوئی۔

یہ مثنوی پوری کی پوری عرفان اور تصوف سے بحث کرتی ہے۔ ملا شاہ نے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔
اشعار کے بعد درج ذیل عنوانات کے تحت اشعار ہیں: سخن افلاک، سخن زمین، سخن شاہ، سخن انبیا، حرف اصحا
صفحہ ۸۹ سے توحید پر بحث ہے جس پر "تعریف توحید" "سر شیدن وحدت"، "نوبت توحید" کے ذیلی عنوانات کے تحت رو
ڈالی گئی ہے۔ صفحہ ۸۸ سے "بیان معرفت" کے عنوان سے اشعار ہیں جس کے تحت "حروف معرفت" "تعریف عارف" او
معرفت سے بحث کی گئی ہے صفحہ ۱۰۱ سے تنزیہ کا باب شروع ہوتا ہے جس کا مطلب مختلف عنوانات اور مختلف مثا
واضح کیا گیا ہے صفحہ ۱۰۳ سے "بیان تشبیہ" کا آغاز ہوتا ہے جس کے تحت "بیان حرف عین" "بیان جمع تنزیہ و تشبیہ" بیان
عنوانات سے بحث ہے۔ صفحہ ۱۰۴ سے الٰہیات کا باب شروع ہوتا ہے جو "بیان ربوبیت" کے عنوان سے ہے جس م
چند اشعار کشمیر کے بارے میں بھی ہیں جو "چو لکھ در شہر کشمیر بسیار وقت بودیم بنام اللہ" کے عنوان کے تحت ہی
کے بعد مختلف فصلیں ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں: بیان عظمت، بیان جلال، بیان جمال، بیان یقین

بیان تمکین، بیان عشق، بیان صحو، بیان وصال۔ صفحہ ۱۱۹ پر یہ عنوان ہے۔ بیان ہفت و ہشت صفت کہ علم و قدرت دارادت و بصر و سمع و کلام و تکوین و حیات باشد ۔ بیان علم، اس کے تحت بیان علم الیقین، بیان عین الیقین اور بیان حق الیقین کے بیانات ہیں۔ پھر تینوں قسم کے علوم کو درج ذیل عنوان کے تحت واضح کیا گیا ہے۔

"مثال علم الیقین و عین الیقین و حق الیقین در دو آتش و روی آتش و حقیقت آتش" اس کے بعد صفحہ ۱۲۴ پر بیان قدرت، صفحہ ۱۲۷ پر بیان بصر، صفحہ ۱۲۹ پر بیان سمع، صفحہ ۱۳۱ پر بیان کلام، صفحہ ۱۳۳ پر بیان تکوین، صفحہ ۱۳۴ پر بیان حیات ہے۔ بیان حیات کو پھر قسم اول حیات، بیان بر نفخ کان ان، اور قسم دوم حیات میں منقسم کیا گیا ہے صفحہ ۱۴۴ پر بیان ایمان اور صفحہ ۱۴۷ پر بیان زہد ہے، جس کے بعد بیان تقوی، بیان ورع، بیان طلب، بیان مجاہدہ، بیان مشاہدہ، بیان محویت، بیان معیت ہے۔ ان میں سے بیشتر کو پھر چھوٹی چھوٹی ذیلی فصلوں میں بھی منقسم کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۶۳ پر بیان بقا ہے جس کے تحت "بیان فنا بعد از بقا" بیان بقا بعد از فنا وغیرہ پر بھی بحث ہے۔

یہ مثنوی بدایت اور نہایت پر "بیان نہایت اور بیان بدایت" کے عنوان کے تحت بحث کر کے ختم ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۱۷۳ پر مثنوی کے خاتمہ پر درج ذیل ترقیمہ ہے۔

"گفتم تاریخ سال او ختمیہ کردم نامش رسالہ شاہیہ
اصلاح کن از فضیلت واحیہ کر رفتہ ز دست و ..."

آغاز و انجام رسالہ شاہیہ و رسالہ حمد و نعت و انجام رسالہ نسبت در سال ہزار و پنجاہ و پنج شد۔"

تیسری مثنوی صفحہ ۱۷۶ سے شروع ہوتی ہے۔ حمد و نعت کے بعد ذات اور ذات مطلق پر بحث کی گئی ہے ذات اور صفات کے درمیان تعلق کو مختلف مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۸۲ پر شریعت کی تعریف "در تعریف شریعت غرای رسول اللہ صلعم" کے عنوان سے بیان کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے کہ کیوں "اہل" اس کی تعریف و تشریح مختلف انداز سے پیش کرتے ہیں اور توحید کا صحیح مطلب سمجھے بغیر "اہل توحید" کو طنز کا نشانہ بنا ہیں۔ ان امور پر سیر حاصل گفتگو کے بعد وہ صوفیا کو مشورہ دیتے ہیں کہ انھیں "ذات مطلق" کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے صفحہ ۱۸۸ سے علم اور جہل کی فصل شروع ہوتی ہے۔ جس پر نظم و نثر دونوں میں بحث کی گئی ہے اور ان لوگوں کی بھی کی گئی ہے جو خود تو الٰہیات کا علم حاصل نہیں کرتے لیکن ان صوفیا سے بغض و عناد رکھتے ہیں جو معرفت کی منزل حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔

چوتھی مثنوی علم اور اشیاء پر بحث کرنے کے لیے مختص کی گئی ہے جس میں درج ذیل عنوانات کے تحت بحث کی گئی

در تعریف گوش شنوی، در تعریف چشم بینا، در تعریف قلم، در صفت زمین... در صفت زبان، در تعریف عقل۔ ۲۲۰ تا ۲۲۱ پر علم اور خدا پرستی پر مختصر بحث کی گئی ہے جس کا آغاز درج ذیل عبارت سے ہوتا ہے

"سخن آنست کہ جمیع برانند کہ ایزد تعالیٰ را علمی نیست با شیا پیش از کون آن و تعالیٰ

اشیا را بذات خود است نہ بعلم زائد در حقیقت سخن زیادتی رقم کردہ باشند۔"

صفحہ ۲۲۸ پر فکر "سگ" اور "سیپی" پر بحث کرنے کے بعد علم کے تعلق سے انسان پر بحث کی گئی ہے اور یہ کہ تمام کائنات اس کی "تربیت" کے مطابق طے کیا جانا چاہیے۔ اور یہ کہ ہر انسان کو اس کے علم کے مطابق پہچانا جا سکتا ہے۔ اس نظم کا آخری حصہ علم کے مختلف پہلوؤں کے بیان پر مبنی ہے۔

پانچویں مثنوی بھی حمد سے ہی شروع ہوتی ہے جس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "شرع" کے اصول و ضوابط کی بہر صورت پیروی کرنی چاہیے اور انسان کو ہمیشہ خدا کی مرضی کے آگے جھک جانا چاہیے۔ اس کے بعد "وحدت" اور "کثرت" پر بحث ہے جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"بدانکہ روز و شب کثرت شد در ہفتہ و ہفتہ وحدت این دو روز اینہا ہمہ کثرت شد در ماہ

و ماہ وحدت این ہمہ کثرت شد در سال و سال وحدت این ہمہ باز این ہمہ کثرت شد در قرن و قرن

وحدت این ہمہ باز این ہمہ کثرت شد در دہر و دہر وحدت این ہمہ سر سری و سرمایہ این همہ است۔"

صفحہ ۲۶۹ سے "حکایت چہار عنصر" شروع ہوتی ہے اس کے بعد علم کی مختلف شاخوں کی تعریف "فضل بحث العلوم" کے عنوان کے تحت کی گئی ہے۔ اس فصل میں ہر علم کی مختلف شاخوں پر مثلاً صرف، نحو، حکمت، ہیئت، معرفت، عالم، حقائق اشیاء، صفات، تکلیف، افعال بد، عذاب قبر و آخرت، معانی، بیان، بدیع، طب، فقہ اور فقہ، حدیث و تفسیر وغیرہ پر الگ الگ بحث کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۷۸ تا ۲۹۰ مختلف پہلوؤں کا بیان ہے ۲۹۰ سے ساقی نامہ شروع ہوتا ہے لیکن صفحہ ۳۰۰ پر "تعریف شہیدا شہید" اور "شمن شرب" کے ذیلی عنوان کے بعد شہید حقیقی پر بحث ہے۔ صفحہ ۳۱۱ تا ۳۲۲ پر خود نوشت سوانح پر مبنی اشعار ہیں جس کے بعد لیلیٰ اور مجنوں عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔ پھر علم کی مختلف شاخوں پر دوبارہ بحث ہے۔ صفحہ ۳۴۳ پر ترقیمے کی عبارت جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مثنوی میں چھ ہزار اشعار ہیں اور جو ۵۵۰ اصناف مکمل ہوئے۔

چھٹی مثنوی ایک چھوٹی مثنوی ہے جو صفحہ ۳۶۷ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۳۸۰ پر ختم ہو جاتی ہے مثنوی کے اشعار زیادہ تر اخلاقیات سے متعلق ہیں مخطوطہ کا یہ حصہ بہت زیادہ کرم خوردہ ہے اور اسے پڑھنا

تعریفوں کو مزید قابل التفات بنایا گیا ہے۔

ساتویں مثنوی صفحہ ۲۳۷ سے شروع ہوتی ہے اور اسی مثنوی پر صفحہ ۲۴۳ پر مخطوطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس مثنوی ...تی وحدت کی معیت کا بیان ہے جو انسان پر اس کی پیدائش کے ساتھ ہی نازل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ...یچ عنوانات میں مثلاً نہال وحدت و گوہر، کان وغیرہ کی مدح 'مزید برآں' 'ازل' اور 'ابد' کی مدح اور 'در تعریف ...ں' 'تعریف سبز در تعریف قرار' وغیرہ۔ یہ حصہ بھی کرم خوردہ ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا یہ مخطوطہ مختلف حیثیتوں سے بڑا اہم اور نادر ہے۔ یہ مصنف کے زمانے کا مخطوطہ ہے اور ...کے اصل مسودے سے نقل کردہ ہے۔ اس میں مصنف کی ساتوں مثنویاں موجود ہیں اور سبھی کی صحت یقینی ہے۔ اپنے ...ع کے اعتبار سے یہ ثنائی کی حدیقۃ الحقیقت سے کسی طرح بھی کم نہیں اور یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ شاعر ...یثیت سے ملا شاہ غیر معروف ہے صرف اس وجہ سے کہ ان کی مثنویاں دستیاب نہیں۔ چنانچہ اس مخطوطہ کی تدوین ...ا چاہیے اور اسے شائع ہونا چاہیے۔ اشاعت کے بعد میرا خیال ہے کہ اس کی حیثیت مثنوی معنوی کے برابر ہو جائے گی۔

(انگریزی سے ترجمہ و تلخیص)

ترجمہ: ڈاکٹر سلیم الدین احمد ●●

ب شاہ امین اللہ
خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے نوادر

کتب خانہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کو بڑی کثرت کتب بالخصوص مخطوطات کی وجہ کر اہمیت حاصل ہے مخطوطات کے اس گرانقدر سرمایہ میں تصوف کی ایک سو سنتالیس کتابیں ہیں، ان میں سے چند اہم کتابوں کا تعارف حاضر ہے۔

سب سے پہلے فصوص الحکم کی حل و تشریح اور اشکالات و جوابات پر مبنی کتاب "تحلیل المعضلات" سے متعلق تفصیلی باتیں۔

یہ کتاب پھلواری شریف کی بلند پایہ علمی شخصیت ملا امر اللہ جعفری پھلواروی المتوفی ۱۱۶۸ھ کی تصنیف ہے۔ ملا امر اللہ ایام شباب میں بغرض تعلیم وطن سے کافی دور دہلی تشریف لے گئے (وہاں ان کا رشتہ تلمذ کن اساتذہ سے قائم ہوا اور وہ کس طرح تعلیمی مراحل سے گزرے پھلواری کی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔) تعلیمی دور ختم کرنے کے بعد درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت دین کی غرض سے وہ دہلی ہی میں مقیم ہو گئے، مقدمہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہاں مصائب سے بھی دوچار ہوئے اور اسی حالت میں کتاب کی تصنیف بھی ہوتی رہی، شاید یہی خستہ حالی سبب بنی ہوگی کہ بعض قول کے مطابق وہ محمد شاہ کی فوج میں ملازم ہو گئے، مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ۲۰ محرم ۱۱۶۸ھ کو ہوا اور مقبرۂ حضرت نور الدین ملک یاریراں میں مدفون ہوئے۔

وہاں ان کی دینی و علمی خدمات کیا کیا تھیں تاریخ کے اوراق ان تفصیلات سے خالی ہیں، صرف یہی ایک کتاب "تحلیل المعضلات" سامنے آئی ہے لیکن اس کے مقدمہ میں انھوں نے اپنی ایک اور تصنیف "اشعۃ ربانیہ" کا بھی تذکرہ اس طرح پر کیا ہے۔ "ولما فرغت عن تالیف رسالۃ اشعۃ ربانیۃ فی [illegible]" گویا یہ رسالہ وحدت الوجود کے اثبات و تائید میں تھا۔

یہ کتاب "تحلیل المعضلات" وہاں کی کسی لائبریری سے برٹش لائبریری لندن منتقل ہو گئی، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اپنے سفر لندن کے دوران جب لائبریری تشریف لے گئے تو اس کتاب پر ان کی نظر پڑی، مصنف کے نام کے

پھلواروی البہاری وطناً لکھا دیکھ کر وہ بہت متحیر ہوئے، واپس آنے کے بعد اپنے استاد حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی سے بذریعہ خط اس کتاب کا تذکرہ کیا اور مصنف کے تفصیلی حالات بھی دریافت کیے، پھلواری کے اکابر اس کتاب کی نقل کے لیے اس وقت سے کوشاں رہے۔ بالآخر ۱۳۰۸ھ میں جناب مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری مدظلہ کی سعی سے اس کتاب کی نقل حاصل کر لی گئی، کتب خانہ مجیبیہ میں یہی منقول نسخہ موجود ہے

یہ کتاب عربی میں ہے اور علامہ محی الدین ابن عربی کی فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کے بعض ادق مضامین اور پیچیدہ و مبہم عبارتوں کے حل و تشریح پر مشتمل ہے اور ان اشکالات و شبہات کے دفع کرنے پر محیط ہے جو ابن عربی کے مختلف اقوال سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ کتاب چار مضامین کو محتوی ہے جن میں پہلا مقدمہ ہے۔ اس میں مصنف وجہ تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں بہت زمانہ تک ان کتابوں کی تلاش و جستجو میں مشغول رہا جو معضلات تکفیریہ کی تحلیل میں اہل عرفان نے لکھی ہیں چنانچہ اپنے بعض سفر کے دوران اس موضوع پر بعض کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا لیکن کوئی ایسی کتاب جو اس موضوع پر جامع ہو اور علماء رسمیہ کی طرف سے ابن عربی پر لگائے گئے الزامات سے اہل خرد کو خاموش کر سکے، نہیں ملی۔ شاید اسی تشنگی نے انھیں اس تصنیف پر آمادہ کیا۔ فرماتے ہیں "فاردت تحلیل تلک المعضلات تحلیلاً عجیباً وتسہیل ہولاء الوہمیات تسہیلاً غریباً" اس کے بعد اپنی تصنیف کی تکمیل اور اس کی خوبیوں کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں "کہ باوجود خستہ حالی کے تشنگان علم کے لیے سیرابی کا سامان اور زبان درازوں کے لیے دوسروں سے بے نیاز کرنے والی طاقت کا سامان آگیا" مقدمہ کے آخر میں مصنف اپنی کتاب کو صمصام اللہ علی امیر الامراء کے نام سے معنون کرتے ہیں۔

مقدمہ کے بعد معضلات ابن عربی اور اس کی تحلیلات کا بیان ہے جو اصل وجہ تصنیف ہے، کتاب جن خوبیوں کی حامل ہے ان میں سے ایک مصنف کا اسلوب بیان بھی ہے جو عام شارحین فصوص سے منفرد ہے، پہلے وہ ان دشوار فہم عبارتوں کو نقل کرتے ہیں جو مورد اشکال ہیں بعد میں الاعضال لکھ کر اشکالات و شبہات کا تذکرہ کرتے ہیں پھر التحلیل لکھنے کے بعد ان سارے شبہات کا محققانہ انداز میں جواب دیتے ہیں، کتاب دو حصوں میں منقسم ہے قسم اول اور قسم ثانی۔ قسم اول میں ان معضل اور مبہم عبارتوں کی تحلیل و تشریح ہے جو مسائل وحدت الوجود سے متعلق نہیں ہیں قسم ثانی میں وحدت الوجود سے متعلق ان عبارات کی تحلیل و توضیح ہے جن پر اشکالات و شبہات وارد کیے گئے ہیں۔

قسم اول کی ابتداء مصنف فصوص الحکم کی ایک عبارت سے اس طرح پر کرتے ہیں "ما قال الشیخ الاکبر فی فص آدم وهو للحق بمنزلة انسان العین من العین الذی یکون النظر" یہاں شیخ اکبر نے اللہ کے نزدیک انسان کو انسان العین کے مرتبہ میں کہا ہے، انسان العین اکثر

کے سیاہ حصے کو کہتے ہیں جس سے دیکھا جاتا ہے۔ ابن عربی کے اس قول سے کیا شبہات پیدا ہوتے ہیں صاحب تحلیل الفصوص نے اس طرح تذکرہ کیا ہے "[illegible]" اس قول سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ انسان ایک آلہ ہے نظر حق کے لیے دوسروں پر گویا اللہ تعالیٰ کا بصیر ہونا انسان پر موقوف ہے جو بظاہر موہم کفر ہے۔

مصنف کتاب نے اس عبارت فصوص کے صحیح مفہوم کو بہت خوبی سے واضح کیا ہے فرماتے ہیں کہ "انسان کامل ہے وجود عالم کے لیے حدیث میں ہے "[illegible]" اس حدیث کی روشنی میں انسان کامل وجود عالم کا سبب وجود کا سبب ہوا تو اسکی طرف اللہ تعالیٰ کی نظر کرنے کا بھی وہ سبب بنا گویا انسان علت غائی ہوا اللہ کی نظر کرنے کے لیے دوسروں پر جس طرح آنکھ علت غائی ہے دیکھنے کے لیے، اسی علت کی وجہ کر شیخ اکبر نے انسان کے لیے بمرتبہ انسان العین کہا ہے۔

مصنف اس تفصیلی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں "[illegible]" اسی طرح فصوص کی ایک عبارت جس میں عبادت کا صدور دونوں جانب سے ہونے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے "[illegible]" بظاہر اس قول سے علامہ ابن عربی پر الزامات کا دروازہ کھل جاتا ہے، مصنف تحلیل نے اس عبارت فصوص کو بہت خوب تذکرہ کیا ہے اور ان الزامات کا جواب دیا ہے جو ابن عربی پر وارد کیے گئے ہیں، پہلے الاعضال لکھ کر اس اشکال کا تذکرہ کرتے ہیں "[illegible]" اس عبارت سے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا حمد و عبادت لازم آتا ہے اور یہ کفر صریح ہے، اس کے بعد مصنف تحلیل نے عبارت فصوص سے اشکال کو اس طرح دور کیا ہے کہ الزامات تکفیر سے پوری طرح محفوظ رہے، فرماتے ہیں "[illegible]" حمد اظہار کمال ہے یعنی کسی کے کمال کا اظہار کرنا یہ حمد ہے، آگے فرماتے ہیں "اولیاء جو اللہ کے مقرب بندے ہیں جب امر حق کی کامل بجا آوری کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور انھیں ان کے مقاصد میں تو یہ قبولیت اور کامیابی دراصل بندے کے اس کمال کا اظہار ہے اور یہی اظہار کمال معنی حمد کو شامل ہے، اسی طرح اور انجاح مطلوب بھی بلاشک اطاعت ہے، مصنف نے اس قول کی تائید میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اطاعت عبد و دونوں کا ذکر ہے "[illegible]" حضور سے ابو طالب کو جواب میں فرمایا "اے میرے چچا اگر آپ اس کی اطاعت کریں تو آپ کی اطاعت کریگا، مصنف اس تحلیل کے آخر میں فرماتے ہیں "[illegible]"

اشکال پیدا نہیں ہوتا ہے اور نہ شیخ اکبر پر کوئی الزام وارد ہوتا ہے۔

کتاب کی قسم ثانی ابن عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود پر اشکالات و جوابات سے متعلق ہے۔ اس کی ابتدا شیخ اکبر کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔ "سبحان من أظهر الأشياء وهو عينها" مصنف نے اس کے اشکالات و شبہات کو واضح کرتے ہوئے تفصیل میں اس کا تفصیلی جواب دیا ہے جو چند اوراق پر پھیلا ہے۔ بحث کو ختم کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں "اعلم جعلنا الله وإياك من أهل التجلي من الشهود الأكبر [illegible] أن يعلم [illegible] بين الواجب تعالى [illegible] بعلم الأجل [illegible] ما ذكر في النتيجة الثالثة" اس کے بعد آخر میں لکھتے ہیں "هذا [illegible] الكلام [illegible] الإيمان لا الكفر والإلحاد۔"

کتاب کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف علامہ ابن عربی کے غالی عقیدت مند اور ان کے فلسفۂ وحدت الوجود سے نہ صرف متاثر ہیں بلکہ اس کے پرجوش حامیوں میں سے ہیں۔ اسی جذبہ کے تحت کتاب میں جابجا ابن عربی کے شایان شان عقیدتمندانہ کلمات لکھے ہیں۔ ایک جگہ مقامات ولایت اور صاحب مراتب کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف نے ان کو خاتم الولایت میں خاتم الصغیر شمار کیا ہے، "الخاتم الولاية [illegible] الشيخ الأكبر أبو عبد الله محي الدين بن عربي [illegible] علي ابن أبي طالب كرم الله وجهه [illegible] آخر الزمان"

کتاب کے آخر میں خاتمہ ہے جس میں مصنف نے خود کو شیخ اکبر کا خادم کہا ہے، اور اپنے آپ کو علامہ ابن عربی کے گنجینۂ معارف کے اشکال کے تالوں کو اخلاص کی کنجیوں سے کھولنے کا ذریعہ بتایا ہے، بظاہر اسی خدمت سے ان کا اشارہ اسی حل اشکالات کی طرف ہے، فرماتے ہیں "فافتح أقفال إشكال خزائن معارفه بمفاتيح الإخلاص" اور یہ کھولتا ہے خزائن معارف کے اشکال کے تالوں کو اخلاص کی کنجیوں سے

اور اس خاتمہ میں تین فصلیں ہیں، فصل اول میں فضائل شیخ اکبر اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے۔ ایک جگہ آپ کی فضیلت ان الفاظ سے کرتے ہیں: "إنه قدس سره خاتم الولاية [illegible] الفضيلة [illegible] عند أهل المعرفة"۔ مصنف کے نزدیک شیخ اکبر کو جو درجہ خاتم الولایۃ الخاصہ حاصل ہے وہ اہل عرفان کے نزدیک عظیم فضیلت کی علامت ہے۔ اسی ذکر فضائل میں مصنف نے علامہ ابن عربی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے درمیان ملاقات کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ کہ شیخ سہروردی جب مکہ تشریف لائے تو شیخ اکبر سے بھی شرف ملاقات کے لیے حاضر ہوئے مگر ان دونوں کے درمیان نہ کوئی مخاطبت ہوئی اور نہ کوئی مکالمہ ہوا۔ پھر کچھ دیر کے بعد دونوں علیحدہ ہو گئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی سے لوگوں نے دریافت کیا: "ما تقول في الشيخ محي الدين ابن عربي" [illegible] اور جب محی الدین ابن عربی سے لوگوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے متعلق

گیا تو فرمایا "تزلفت مولاه مذ لئن ستته من ارسالی تقاصبا" اور بعض روایت میں اس طرح ہے "تزلفت طمستاهن فعبطعا من لاستته" فصل ثانی میں شیخ اکبر کے سلاسل روحانی کا تذکرہ ہے، اس میں چند شیوخ کے نام ہیں اور ان کے لباس خرقہ کا ذکر ہے۔

فصل ثالث میں شیخ اکبر کے عقائد کا بیان ہے جو بطریق اجمال ہے بقول مصنف "تحلیل المعضلات" ولو شرحت عبارة الشیخ الاکبر فی ہذا الباب یجر الی الطول، اس میں پانچ عقائد ہیں جو بہت مختصر مضمون کے ساتھ ہیں، ان میں پہلا ہے "اعتقاد الشیخ الاکبر فی الباری تعالےٰ" یعنی ذات باری تعالےٰ میں، دوسرا نبوۃ میں ہے۔ تیسرا عالم کے متعلق ہے۔ چوتھا حشر و نشر کے بارے میں ہے۔ پانچواں امور اخرویہ میں ہے اور چھٹا تکلیف شرعی کے بیان میں ہے۔ اس اعتقاد کا مضمون تکلیفات شرعیہ کے سقوط کی نفی پر ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر بندۂ مومن خواہ وہ ولی کامل ہو یا عارف مشاہد یا صاحب تجلی "لا یصل قط مرتبة یسقط التکلیف" ایسے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے جہاں اس سے تکلیف شرعی ساقط ہو جائیں، مگر غیر عاقل، مجنون اور صاحب جذبہ تو مستثنیٰ ہیں، اس کے بعد شیخ اکبر کے یہ الفاظ نقل ہیں۔ وکان معتقد غیر ہذا یکون کافرا وملحدا او زندیقا۔

خاتمہ کے بعد وصیت ہے اس میں مصنف نے قارئین اہل عرفان سے التماس کیا ہے کہ وہ بعد حمد و ثنا شبہ سے اس کتاب پر غور کریں، اگر اس میں کچھ مخالف دینیہ کی باتیں پائیں تو تعجب نہ کریں اور سمجھیں کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے، اور درگزر سے کام لیں، اس لئے کہ عفو و درگزر اور چشم پوشی رحمٰن کی صفات سے ہے، اس کے بعد مصنف نے اپنے کرا بواب فتوحات، مصنفات غزالیہ اور مولفات رازیہ کی طرف مراجعت اور مطالعہ کا مشورہ دیا ہے اور ان کتابوں کو بہترین اخوان کہا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ملا امر اللہ جعفری کا علامہ ابن عربی کے ساتھ جس نظریاتی تعلق اور عقیدت کا ہوتا ہے یہ کوئی تعجب خیز نہیں ہے اور نہ وہ اس میں تنہا ہیں اکثر صوفیائے کرام بھی اس بادہ پیمائی میں شریک اور اپنے فکر میں علامہ ابن عربی کے افکار و خیالات سے بہت زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔ خاص کر فلسفہ "وحدۃ الوجود" کو ان لوگوں کے ہاں ایک بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔

ہر چہ آید در نظر غیر تو نیست یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

کتب خانہ کی دوسری اہم کتابوں میں ملفوظات و تصنیف حضرت مخدوم حسام الدین مانکپوری بھی ہے ایک ملفوظ "رفیق العارفین" سے موسوم ہے، اس کے جامع سالار محمد بن محمد عراقی ہیں۔ سنہ تحریر ۱۲۱۴ھ درج ہے، اس کا اخبار الاخیار میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی کیا ہے۔ اس میں چالیس فصلیں ہیں، پہلی فصل توبہ سے متعلق ہے اور فصل فوائد متفرقہ پر مشتمل ہے۔ دوسرا ملفوظ "جامع الفوائد" کے نام سے ہے، مرتب کون ہیں یہ واضح نہیں ہے۔ اگرچہ سرو

ظات حضرت حسام الدین مانکپوری تحریر ہے مگر مطالعہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ چند بزرگوں کے ادعیات و وظائف مجموعہ ہے لیکن اس کا زیادہ حصہ حضرت حسام الدین مانکپوری کی تعلیمات و اذکار پر ہی مشتمل ہے۔ مقدمہ کے الفاظ سے بھی اسی طرح ظاہر ہوتا ہے "مدتے عزم داشتم کہ وردے مختصر از اوراد مشائخ کبار رضی اللہ عنہم بجہت بعضے احباب واز اب علم التقاط کنم و بعضے فوائد کہ در حضرت ملک رفعت اعلیٰ شیخ الاسلام شیخ حسام الدین مانکپوری از زبان مبارک شنیدہ راستہ شدہ است"۔ کتاب میں سنہ تحریر درج نہیں ہے۔

تیسری کتاب "انیس العاشقین" ہے۔ یہ حضرت حسام الدین مانکپوری کی تصنیف ہے، اس میں اسرار و معارف کی باتیں، تصوف کی تعریف اور بزرگوں کے اقوال اور ان کے مقامات کا تذکرہ ہے، مقدمہ میں مصنف نے خود کو اس طرح ظاہر کیا ہے: "فقیر حقیر خاکپائے صغیر و کبیر حسام طالب العلم یکے از خاکروبان آستانہ قطب العالمین شیخ نور الحق والدین" اس کے بعد وجہ تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے جب طالبان دین کو معرفت و محبت رب العالمین میں چست و چالاک دیکھا تو شوق ہوا کہ عاشقان صادق اور طالبان حضرت خالق کے لیے ایک رسالہ تصوف و حقیقت کی معرفت میں لکھنا چاہیے "کہ از تصوف چیست و اول صوفی در جہاں کہ شد و خرقہ و مقراض از سنت کیست و عشق چیست و عاشق کیست" ان سب باتوں کو مصنف نے چار فصلوں میں بیان کیا ہے، فصل اول در بیان معرفت تصوف و حقیقت آں فصل دوم در بیان محض عشق و ماہیت آں فصل سوم در بیان صفت عاشق و سیر آں، فصل چہارم در بیان وصول الی اللہ۔

کتاب کا سنہ تحریر ۱۰۷۲ھ ہے۔ ناقل کا نام ہے سید حبیب اللہ عبید اللہ خلیل اللہ بیجاپوری، کل کتاب شخص واحد کا تحریر کیا ہوا معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ ناقل نے ناموں کے درمیان بن یا ولد کا لفظ حذف کر دیا ہے۔

دوسری نادر کتابوں میں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی ہے، اس کا سنہ تحریر ۱۰۲۵ھ ہے یعنی حضرت مجدد الف ثانی کے انتقال سے نو برس قبل لکھی گئی ہے، اس میں تین سو تیرہ مکتوبات ہیں۔ اس کے جامع ہیں یار محمد بدخشی طالقانی اور کاتب کا نام ہے عبد الحی، مکتوب اول کا عنوان اس طرح شروع ہوتا ہے "مکتوب اول در بیان احوالی کہ مناسبت باسم الظاہر دارند و ظہور قسم خاص از توحید" یہ کتاب حضرت شاہ نعمت اللہ قادری پھلواروی کی خریدی ہوئی ہے، جلد پر خریداری کی تحریر بطور یادداشت شکستہ کاغذ پر اس طرح ہے: "عرض داشت مکتوبات حضرت احمد سرہندی قدس سرہ ماہ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ بمعرفت میاں عزیز اللہ صاحب ساکن چٹگام خریدہ شد" اگرچہ یہ مکتوبات طبع ہو چکے ہیں لیکن اس کی ترتیب و تحریر خود حضرت کی خانقاہ میں اور ان کی حیات میں ہوئی۔ اس لیے اس کے نادر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد
شعبۂ فارسی
پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ

مجموعۂ رسائل کے مشتملات کا ایک تعارف

مجموعۂ رسائل کتاب خانۂ خدا بخش کے قلمی ذخیرے کا حصّہ ہے جو موضوع تصوف پر لکھے گئے متنوع رسائل پر محتوی ہے۔ اس مجموعہ میں کل تیرہ رسائل ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے: رسالۂ سر قضا و قدر و رسالہ خیر (۲) رسالہ اخص الخواص (۳) رسالہ در بیان توحید (۴) لطائف المعانی (۵) رسالہ در بیان معرفت (۶) رسالہ در بیان ذات وجہ نفس باری تعالیٰ (۷) شعبۃ القادریہ (۸) نسخۂ مرقعہ حضرت شاہ کلیم اللہ (۹) فوائد رکنی حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری (۱۰) رسالہ در بیان معرفت شاہ ابوا... (۱۱) رسالہ والدیہ خواجہ عبید اللہ احرار (۱۲) تعبیر نامہ خواب منظوم (۱۳) امواج البحار الانہار شاہ رکن الدین عشق مندرجہ بالا رسائل میں سے سات کی بابت اس مضمون میں تعارف پیش ہیں ان میں وہ رسالے جو کبھی چھپ چکے ہیں ان کو میں نے اپنے مطالعہ کا مورد نہیں بنایا ہے۔ ان رسالوں نے چھوڑ دیا ہے جو ناقص اور نامکمل حال میں ہیں۔ ان رسالوں میں حضرت مخدوم شرف الدین کا رسالہ فو... حضرت مخدوم حسن دائم جشن پسر حضرت حسین نوشہ توحید کا رسالہ لطائف المعانی زیور طبع سے آراستہ ہو چکے رکنی کا بیشتر حصہ ترجمہ کی صورت میں سید شاہ محمد شفیع فردوسی کی کاوش سے ۱۹۲۷ء میں رسالۃ الامین بہار شر... چھپتا رہا ہے۔ مخدوم حسن دائم جشنؒ کی تصنیف لطائف المعانی ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۰۰ھ محلہ گوبند عطار پٹنہ سے شائع ہوا تھا۔ لیکن مطبع نے سہواً اس تصنیف کو حضرت مخدوم شرف الدین سے تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ حضرت مخدوم حسن دائم جشن کی تصنیف ہے جس کا ثبوت مخدوم شاہ... مناقب الاصفیا سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ شعیب لکھتے ہیں: "شیخ الاسلام شیخ حسن ابن شیخ حسین بلخی ر... آوردہ است و درجات و ترقیات سالکان را پنج درجہ نہادہ اند" یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کاتب سید مسیح اللہ نے لطائف المعانی کے علاوہ رسالہ اخص الخواص، رسالہ در بیان توحید، رسالہ در بیان ذات وجہ نفس باری تعالیٰ کو بھی مخدوم حسن دائم جشن کی تصنیفات بتایا ہے۔ ان نسـ... میں کاتب نے من تصنیف حسین نوشہ توحید لکھ کر چھوٹ جانے کی علامت سات سطر کے او...

کیا ہے۔ اس طرح کاتب شیخ اللہ نے مندرجہ بالا رسائل کو مخدوم حسن دائم جشن برنوشہ توحید کی تصنیفات بتایا ہے، لیکن کاتب کا یہ انتساب مشکوک ہے۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ کے مؤلف معین الدین دردائی نے ان رسائل کو یعنی قضا وقدر، توحید اخص الخواص اور رسالہ معرفت کو حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید کی تصانیف کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ البتہ لطائف المعانی کو حسن دائم جشن کی تصنیف بتایا ہے۔ سید مسیح اللہ کے یہ مکتوبہ نسخے بہت قدیم نہیں ہیں۔ یہ نسخے تیرھویں صدی ہجری کے نصف دوم کی مختلف تاریخوں میں لکھے گئے ہیں اور ممکن ہے کہ معین الدین دردائی نے ان رسالوں کے قدیم تر نسخوں کو دیکھ کر تصنیفات کی فہرست مرتب کی ہو۔ اس لیے میں کاتب کے واضح اشارات کے باوجود لطائف المعانی کو چھوڑ کر مندرجہ بالا رسائل کو حضرت حسین نوشہ توحید کی ہی تصنیفات سمجھتا ہوں

نسخۂ مرقومہ میں تصنیف شاہ کلیم اللہ دہلوی ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ اقسام صلوٰۃ کے فواید کی بابت لکھا گیا ہے۔ اقسام صلوٰۃ کو صاحب رسالہ نے اوراد پہ مقدم رکھا۔ اس میں نماز کی دوسری قسموں کے علاوہ نماز برائے صحت النفس، نماز برائے ادائے حاجات، نماز حفظ الایمان، صلوٰۃ العاشقین، نماز طول العمر، نماز رضا مادر و پدر، نماز برائے صفائی دل اور نماز عشق کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مشائخ کبار کے معروف اوراد و اذکار کو اس رسالے میں شامل کیا گیا ہے۔ مجھے اس رسالے کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اسلئے اسے میں نے تفصیلی تعارف کے لیے منتخب نہیں کیا ہے۔ شجرۃ القادریہ اور حسین نوشہ توحید کا رسالہ در بیان ذات و جملہ نفس باری تعالیٰ ناقص حالت میں ہیں۔ رسالۂ منظوم تعبیرنامۂ خواب چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس منظوم رسالے کے مصنف کا پتہ نہیں چلتا۔ ترقیمہ پر بھی تصنیف کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ رسالے میں مختلف اشیا کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر منظوم پیرایہ میں پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً دیدن ماہ وخورشید و... درخواب کی تعبیر اس طرح پیش کی گئی ہے۔

بخواب ار ماہ و خورشید است بر آید شقاوت باز گردد دولت یا بد
رسد بسیار نعمت از خداوند دگر در خانہ آید نیک فرزند

اسی طرح دیدن حج کردن بہ خواب، نماز کردن بہ خواب، زندہ بصورت مردہ، مردہ بصورت زندہ، لعل و جواہر، گریہ کم درخواب، پسل سعید درخواب، دیدن خود را پران درخواب وغیرہ کی منظوم تعبیریں اس رسالے میں ملتی ہیں۔ اب میں سات رسالوں کی بابت قدرے تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جنکو میں نے اس مقالے میں ہدف بررسی بنایا

(۱) رسالہ توحید دربیان توحید :-

حضرت حسین نوشہ توحید کا لکھا ہوا مختصر رسالہ توحید کے اسرار و رموز پہ محتوی ہے۔ حضرت نوشہ توحید حضرت
عزالدین بلخی کے فرزند اور حضرت مولانا مظفر بلخی کے برادرزادہ تھے۔ تاریخ تولد کا پتہ نہیں چلتا جائے پیدائش ظفرآباد ہے۔
حضرت توحید مولانا مظفر بلخی کے تربیت یافتہ تھے اور ان کے خلیفہ بھی ہوئے۔ حضرت نوشہ توحید اپنے وقت کے اکابر علماء
میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا مظفر بلخی کے علاوہ حضرت نوشہ نے مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے بھی اکتساب
فیض کیا تھا۔ حضرت مظفر بلخی کے بعد خانقاہ فردوسیہ بہار شریف کے سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۴ ذی الحجہ ۸۴۴ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت توحید نے بھی اپنے نیاگان کے نقش قدم پہ چل کر تصنیف و تالیف کی دنیا میں بیش بہا آثار چھوڑے
ہیں مکتوبات کے علاوہ تصوف کے مختلف موضوعات پہ گراں مایہ رسایل ہیں مثلاً حضرات خمس، رسالہ توحید، رسالہ دربیان
ہشت خبر رسالہ اخص الخواص اور گنج لایخفیٰ۔ حضرت توحید فارسی کے ایک معروف و ممتاز شاعر تھے۔ ان کے دیوان
کے قلمی نسخے دستیاب ہیں پیش نظر رسالہ رسالہ توحید خاص، حضرت نوشہ توحید کے علمی تبحر اور روحانی عرفان و آگہی کی
نشان دہی کرتا ہے رسالے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے "آنچہ سوال کردی کہ چندیں سخن در توحید خاص بنویسی قلم گرفتم
و بتائید ربانی در کتاب آمدم تا شمہ اجابت سوال تو کنم و زبیخ شک و شبہ از دامن یقین تو باب تحقیق بشویم"

حضرت توحید بیان کرتے ہیں کہ موحدوں کی نظر میں موجودات کی دو نوعیتیں ہیں عالم صورت اور عالم معنیٰ،
عالم صورت ظاہر ہے اور عالم معنیٰ کا تعلق باطن سے ہے۔ غیر صورت کے معنی کو دیکھنا، سمجھنا محال ہے۔ ظاہر و باطن میں جملہ
صورتیں الٰہی ذات ایزد متعال کی ہے۔ نور باری تعالیٰ واحد ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو گوناگوں کسوتوں اور
پیراہنوں میں ظاہر کیا ہے لیلیٰ کی صورت میں بھی وہی ہے جو مجنوں کی نگاہ بن کر جمال لیلیٰ میں خود اپنے آپ کو دیکھ رہا
ہے۔ بس اس دنیا میں جسے بھی تم دوست رکھتے ہو وہ الٰہی نور کبریائی کی علامت ہے جس نے تمہارے قلب میں
رقت و گداز کی کیفیت پیدا کی۔ اس کی تجلیات کے رنگ و نور کی صورتیں حد و حساب کے احاطے سے بیرون ہے
لیکن توحید کے نکات کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود شناس ہوا اور دل کے چمنستان کی سیر کی ہو۔ صوفی وہ ہے جو نمکزار حقیقت
میں گر کر نمک بن گیا ہو "عوام گاو و خراند و صوفیان باخبراند، متصوفان راهند و صوفیان رسیدگان حق اند" توحید
کی بابت حضرت نوشہ فرماتے ہیں "توحید مطلق آن ست کہ چیزی از چیزی و کاری از کاری و آہی ناہی جدا نکنی" جب
اپنا رخ ایک سمت کروگے تو اپنی پشت دوسری طرف کرنی ہی ہوگی۔ مسلمان حقیقی وہ ہے جو توحید مطلق کے مقام
پہنچا ہوا ہو اور وہ جو توحید مقید کی وادیوں میں سیر کر رہا ہو وہ مسلمان مجازی ہے۔

حجاب نورانی اور حجاب ظلمانی کی بابت لکھتے ہیں کہ نماز و روزہ تلاوت قرآن لذت عبادت اگر کوئی قرب
وب میں حائل ہوں تو یہ حجابہائے نورانی کی مثال ہیں اور حجابہائے ظلمانی ہوائے نفس کی نجاست و خواہشوں کی پیروی
ہے۔ محبوب سے تغافل و بے توجہی سالک کو حجاب کی نکبت و نحوست سے قریب کر دیتا ہے۔ سالک کو غفلت
سے توبہ کرنی چاہیے تاکہ وہ دوئی کی قید سے باہر آجائے اور توحید مطلق کے خلوت کدہ میں اس کی رسائی ممکن ہو سکے۔

دوی را نیست رہ در حضرت تو ہم عالم توئی و قدرت تو

ساحت دل سے دوئی کی پرچھائیاں محو و معدوم ہو جاتی ہیں اور یہ جب شعشۂ وحدت سے جگمگا اٹھتا ہے تو اس
کی زبان اس طرح گویا ہوتی ہے۔

روزت بتو بودم و نمیدانستم شب باتو غنودم و نمی دانستم
ظن بردہ بودم کہ من من بودم من جملہ تو بودم و نمی دانستم

اختتامیہ اشارہ اس طرح ہے: ازحضرت شاہ حسن پسر مخدوم شاہ حسین نوشۂ توحید قدس سرہٗ تمام شد۔

(۲) رسالہ دربیان معرفت:

حیات و کائنات کی معرفت کے موضوع پہ دس صفحات پہ مشتمل یہ رسالہ افکار و معانی کے اعتبار سے نہایت
وقیع و پرارزش ہے۔ رسالہ کا آغاز حمد و درود و صلوٰۃ کے کلمات کے بعد اس طرح ہوتا ہے: بدانکہ سخن چند در معرفت
عالم از دانش و فہم خود در قید کتاب آرم و گویم کہ اتفاق جملہ سالکان است، وجود عالم و بدایت و نہایت چنیں است
کہ در تحریر آید"

صاحب رسالہ کہتے ہیں کہ عالم ملک، ملکوت اور جبروت سے عبارت ہے۔ ملک موجودات حسی کا نام ہے۔
ملکوت موجودات عقلی سے عبارت ہے اور جبروت جوہر اول کا نام ہے۔ ملک و ملکوت جبروت کے لیے وجہ کی منزلت
رکھتے ہیں۔ جوہر اول کو اصطلاحاً ابو الارواح اور احمد بھی کہتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہوا ہے اور جو کچھ ہونے کو ہے وہ اسی جوہر
اول کی وجہ سے ہے۔ جوہر اول بسیط اور اپنے آپ مالامال ہے۔ حد و نہایت سے منزہ ہے پھر اس جوہر اول کی دو
شاخیں ہوئیں ایک شاخ سے عالم ارواح کی تخلیق ہوئی اور دوسری شاخ سے بدایت عالم اجسام کا امر انجام پذیر ہوا۔
اس طرح جوہر اول کی تجلی نوع سے ہوئی۔ تجلی لطیف، تجلی کیفیت۔ آسمان و زمین پہلے پیوستہ تھے۔ یعنی جوہر اول
کی دونوں شاخیں جڑی ہوئی تھیں۔ ان کو جدا کر دیا گیا۔ اور اشیاء عالم کی تخلیق آپ سے کی گئی۔ وجعلنا من الماء کل شیٔ
جوہر اول جب یکجا اور ناشگفتہ تھا وہ ایک دوات کی مثال تھا پھر شگفتہ ہو کر دوات و قلم کی جداجدا حیثیتوں

ا آیا۔ ایک شاخ سے چہار امہات وجود میں آئیں جو طبایع اربعہ یعنی حرارت و رطوبت و یبوست و برودت اور
ے شاخ سے اقلام اربعہ کی تخلیق کی گئی یعنی عناصر اربعہ آب و آتش، خاک و باد۔ اقلام اربعہ اور طبایع اربعہ
ہار عناصر کی خاصیتوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اربعہ عناصر کوزۂ خالی کی مثال ہے اور طبایع نور آفتاب کی
رح جس کی شعاعوں سے چمک کر یہ کوزہ حیات و حرکت کی علامت بنا۔ وہ شاخ جس نے صورت عنصری اختیار
لی اس کا میلان اسفل کی جانب ہے اور اس کی طلب میں دوزخ ہے اور یہ نامرضی ہے اور وہ شاخ جس نے پیکر طبعی
ختیار کیا اس کا رجحان اعلیٰ کی جانب ہے اور اس کی آرزو میں بہشت ہے اور یہ مرضی ہے۔

پس اگر کسی سالک پہ صفات شاخ عنصری غالب ہو اور صفات شاخ طبعی مغلوب ہو تو یہ سالک شیطان
ہے جس نے عبودیت کو ربوبیت پہ مستولی کر لیا ہے۔ محبوب ازلی اپنی خلوت گاہ میں اکیلا تھا' نام سے بے نیاز
کیوں کہ نام امتیاز کے لیے ہوتا ہے تاکہ ایک کو دوسرے سے جدا کیا جا سکے اور یہاں دوئی کا وجود نہیں تھا
لیکن اپنے حسن و رعنائی کے تماشا کے لیے قبائے جبروت پہن لی اور وہ کچھ اور تھا مگر اپنے آپ کو کچھ اور دکھایا
اب نام کی ضرورت پیدا ہوئی اور احمد کے نام سے موسوم ہوا۔ پھر دوسری قبا پہنی جس کا نیم حصہ سفید اور نیم سیاہ
تھا اور دو ناموں سے موسوم ہوا۔ محمد و ابلیس، حق و باطل، نور و ظلمت بہشت و دوزخ وحدت و کثرت۔

آں دہان پر نمک بر ہیچ کس پیدا نبود خندہ ای کردی و شوری در جہاں انداختہ

ہر شئے جو مرضی کی بنا پر وجود میں آتی ہے اس کی نسبت محمد سے ہے اور جو شئے نامرضی کی علامت ہے اس کا تعلق ابلیس
سے ہے آخر میں صاحب رسالہ صحابہ کی فضیلت کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ حضرات محمد کے تمثل و تصور کو عالم جبروت کے آئینہ
میں دیکھتے تھے اور ہم بدنصیب لوگ تمثل محمدی کو ابلیس کے آئینہ میں دیکھتے ہیں لیکن نگاہ حق میں وحدت کو کثرت کی
صورتوں میں بھی دیکھ لیتی ہے، موم اپنے مختلف الوان و اوضاع میں بھی موم نظر آتا ہے۔ یہ اہل کمال
کا شیوہ ہے، اس قلمی نسخے کے کاتب بھی سید محمد اسحاق بن سید مسیح اللہ بن سید تیم اللہ ہیں۔

(۴) رسالۂ قضا و قدر (حسین نوشہ توحید):

رسالۂ قضا و قدر گیارہ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس نسخے کے سرورق پر ابتدائی کلمات اس طرح منا
یف از مخدوم شاہ حسن پسر حسین نوشہ توحید قدس سرہ بہاری" اور صفحۂ اول پر کاتب کا ابتدائی اشارہ اس طرح
این رسالہ مسمیٰ بہ قضا و قدر رمز خیر و شر از حضرت حسن خلف مخدوم شاہ حسین نوشہ توحید بلخی قدس سرہ خلیفہ حضرت
مولانا مظفر بلخی خلیفہ مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز" اور صفحۂ آخر پر کاتب کے اختتامیہ کلما

طرح لکھے ہوئے ہیں: "تمام شد ایں رسالہ باسرار قضا وقدر وخیر وشر من تصنیف شاہ حسن پسر حضرت دوم حسین نوشہ توحید بلخی بہاری قدس سرہ بخط خام سید محمد اسحاق ولد سید مسیح اللہ بن سید تمیم اللہ مرحوم فرزندان سید احمد جاجنیری قدس سرہ واقع تاریخ ۴ ذی قعدہ سن ۱۲۹۰ ہجری مطابق ماہ چیت ۱۲۸۵ فصلی روز شنبہ۔

یہ رسالہ پانچ تمہیدات پہ محتوی ہے۔ تمہید اول فی بیان حقیقۃ الخیر والشر تمہید ثانی فی بیان حکمۃ فی خلق الشر تمہید ثالث فی بیان اخراج الشر من حد الرضا، تمہید رابع فی بیان اختیار عبد وافعالہ اور تمہید خامس فی بیان حکمۃ الانقیاد۔

موضوع تحریر کا آغاز اس طرح ہوتا ہے "ایں رسالہ ایست در سر قضا وقدر ودر رمز خیر وشر کلمات و اشارات از حکمت آں سوال کردی، اکنوں چنانکہ زباں بہ وقت املا کند بگویم وگرد شبہت از دامن یقینت بشویم۔ خدائے تعالیٰ می فرماید قل کل من عند اللہ خیرا کان او شرا (آپ کہہ دیجیے کہ تمام چیزیں اللہ کی طرف سے آتی ہیں خیر ہو یا شر) وجای دیگر فرمود ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" (جو اچھائی تمہیں ملتی ہے وہ اللہ کی جانب سے اور جو برائی تمہیں ملتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے)

ان دونوں آیات مذکورہ میں جو ظاہری تناقض وتضاد نظر آتا ہے اور اس کے سبب جو قاری کے دل میں شکوک وشبہات رونما ہوسکتے ہیں ان کو صاحب رسالہ نے بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ معنوی حقائق کو روشن کرکے دور کردیا ہے۔ جبریہ وقدریہ وثنویہ عقاید کی بنیاد اس وجہ سے پڑی کہ ان کے پیرووں نے ان آیتوں کے معنوی رموز کو نہیں سمجھا۔ صاحب رسالہ کہتے ہیں کہ ان مذاہب میں بعضوں نے بندہ کے اختیار کو سلب کرلیا ہے اور بندہ کے فعل کو خدا کا فعل سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک جو شر بھی انسان سے سرزد ہوتا ہے اس میں وہ بے اختیار ہے لہٰذا مواخذہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو بندہ کے فعل کو یکسر بندہ سے ہی متعلق کرتے ہیں۔ اور تصور کرتے ہیں کہ بغیر خلق خدا کے اس سے کوئی بھی فعل وجود میں آتا ہے۔ اور کچھ لوگ اثبات خالقین، کرتے ہیں۔ ایک خالق کو خیر سے منسوب کرتے ہیں اور دوسرے سے شر کو متعلق ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ خیر وشر میں تضاد ہے اس لیے خیر آفریں شر آفریں نہیں ہوسکتا۔ پھر خیر وشر کے مسئلہ کی بابت صاحب رسالہ مدلل پیرایہ میں آیات قرآنی کی روشنی میں طریق اہل سنت وجماعت کو حق ثابت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جملہ اشیاء بندہ فعل بندہ، خیر وشر کا خالق ذات باری تعالیٰ ہے۔ لیکن اس کے ہر فعل میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ جملہ مخلوقات عالم خواہ وہ برنبای خیر ہوں یا برنبای شر ہوں الا میں حکمت ایزدی شامل ہے۔ کیوں کہ جس فعل میں حکمت نہیں وہ فعل

عبث ہے اور عبث سوز کا نتیجہ ہے اور باری تعالیٰ سوز سے یکسر منزہ ہے۔ اور حکمت فی نفسہ خیر ہے۔ لیکن
وہ شر جو حکمت کے خلاف ہو وہ حکیم کا فعل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ شر کی حقیقتوں کو بغیر حکمت کے وجود میں نہیں
لاتا اور حکمت فی نفسہ خیر ہے لہٰذا خلق شر شر نباشد۔ جس طرح خلق ظلم ظلم نہیں ہوتا۔ قال اللہ تعالیٰ ان اللہ
لا یظلم مثقال ذرۃ۔ اگرچہ ظلم مخلوق ہے لیکن خلق ظلم کے سبب خدا کو ظالم نہیں کہہ سکتے کیونکہ ظلم کی خلقت میں حکمت پوشیدہ
لہٰذا شر نظر الی الخلق شر نباشد نظر الی الکسب شر بود' اور خلق کا تعلق خدا سے ہے اور کسب کا تعلق بندہ
سے حکمت فی خلق الشر کے بیان میں کہتے ہیں کہ اگر شر کا وجود نہ ہو تو خیر کی صفت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ یعنی اظہار خیر شر
کے وجود پر موقوف ہے۔ مصنف نے خیر و شر کی نسبت کو خد و خال کے تعلق کی مثال سے مبرھن کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ
اگرچہ خال کوئی حق نہیں رکھتا لیکن خد سے خال کو جدا کر دیا جائے تو قبح پیدا ہوگا۔ لہٰذا وہ شی جو فی نفسہ قبیح ہے دوسری
کی آرائش حسن و جمال کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ شر اس طرح مظہر خیر ہے۔ اسی طرح ناز کبریا کے ظہور و نمود
لیے نیاز کا وجود ضروری ہے۔ اشیأ عالم نیاز کی صورتیں ہیں جو تجلی ناز کبریائی کو قبول کرنے کے لیے عالم ظہور میں
آتی ہیں۔ نیاز اگرچہ بہ نفس خود قبیح ہے لیکن جب وہ تجلیات ناز کو قبول کرتا ہے تو حسن ہو جاتا ہے اخراج الشر
عن الرضا کے زیر عنوان صاحب رسالہ کہتے ہیں کہ شر مکروہ ہے اور خیر محبوب شر بہ نفس خود کراہیت رکھتا ہے اور
وہ مراد محض نہیں ہو سکتا بلکہ وجود خیر کے ظہور کا ایک وسیلہ ہے۔ خیر مراد محض ہے اس لیے یہ مرضی ہے لیکن شر نا
ہے، مکروہ ہے اور بہ نفس خود مراد نہیں ہے۔ لیکن وجود مکروہ قبول حسن کا محل ہے اسلیے اس کی خلقت میں حکمت
اختیار العبد فی افعالہ کی بابت کہتے ہیں کہ ایزد متعال نے ذوی العقول کو مختار بنایا ہے۔ اختیار ان
کی جبلی فطرت ہے جس طرح آگ کی خاصیت میں گرمی ہے۔ یہ اختیار کی لیاقت عقل کی بدولت ہے جو خیر و شر
مابین ممیز ہے۔ اگر عاقل اختیار کی نفی کرتا ہے تو گویا وہ اشیا کی حقیقتوں سے انکار کرتا ہے۔ مختار کو خیر و شر
مابین امتیاز کرنا لازم ہے۔

اور آخر میں حکمۃ الانقیاد کے رموز کی عقدہ کشائی کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ خداوند عالم انسان
عالم قول سے عالم فعل میں لایا ہے اور اسے مختار بنایا ہے تاکہ سعادت و شقاوت جو مقدر ازل میں ہیں انکے
وساطت سے ظہور میں آئے لہٰذا اس دنیا میں انسان کو فعل سے رستگاری نہیں اور فعل بغیر ارادہ کے ظاہر
اور ارادہ علم کے تابع ہے۔ انسان جب تک کوئی چیز جانتا نہیں اس کی بابت ارادہ نہیں کر سکتا اس لیے علم
کو جانتے ہیں۔ شریعت کے ضوابط و اصول اسی بنا پر بنائے گئے اور فرائض اسی وجہ سے انسان پر عائد کیے گئے تا

الادہ انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہی رہے۔

(۴) رسالہ اخص الخواص :-

یہ رسالہ چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔ نسخہ کے آخر پر کاتب کے اختتامیہ اشارات اس طرح مندرج ہیں،

رسالہ اخص الخواص من تصنیف حضرت مخدوم شاہ حسن خلف حضرت مخدوم شاہ حسین نوشہ توحید بلخی بہاری قدس سرہ العزیز بتاریخ ۲۳ شہر ذیقعد ۱۲۸۴ ہجری مطابق ۱۱ رچیت ۱۲۷۵ فصلی روز پنجشنبہ ۱۹، مارچ ۱۸۶۸ء بخط خام سید محمد اسحاق ولد سید مسیح اللہ۔

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مخدوم شاہ حسن دائم کی تصنیف ہے جو حضرت شاہ حسین نوشہ توحید کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ اس رسالے میں مسئلہ وحدت الوجود کے دقیق رموز و غوامض کو مختلف دلائل و براہین کے ذریعہ واشگاف کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کا موضوع دقیق و عمیق ہے مصنف نے اسے عرفاء خاصان میخانۂ تصوف کے لیے لکھا ہے۔ عامیان اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ وحدت الوجود کے نکات کے افہام کے لیے صاحب رسالہ نے خواجہ فریدالدین عطار، جلال الدین رومی اور فخرالدین عراقی کے بہت سے اشعار شواہد کے طور پر پیش کیے ہیں۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "بنام خدا کہ یک بود و یک است و یکہ نو احد بود بلکہ خود ہمہ اوست شاید گفت" اس کے بعد خواجہ عطار کا مندرجہ ذیل شعر بطور مثال لایا گیا ہے۔

وجودی ندارد کسی جز کہ من   منم بود و باشم ہمیشہ منم

رسالہ کی غایت و مقصود کی بابت حضرت توحید لکھتے ہیں " این رسالہ را اخص الخواص نام نہادہ شد تا سالکان و متصوفان درگاہ بہ یقین دل مطالعہ کنند حق تعالیٰ بہ فضل عظیم سبب وصول شان گرداند"۔

ابتدا میں تخلیق کائنات کا مقصود بیان کیا گیا ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے "اگر تو نبودی ای محمد ہر آئینہ نمی آفریدمی آسمانہا را"۔ کہتے ہیں کہ سالک راہ عشق پہ گامزن رہ کر ایک ایسا وقت پہنچ پاتا ہے جب اس کی بصیرت حجابات ماسوا سے یکسر وارستہ ہو جاتی ہے۔ تخلیق عالم کے متعلق کہتے ہیں ایزد باری نے یہ چاہا کہ وہ اپنے جمال کا مشاہدہ کرے اور یہ بغیر آئینہ کے ممکن نہیں تھا لہذا کیہان اعظم کی تخلیق ہوئی غرضیکہ کائنات کو معرض وجود میں لانے میں حکمت یہ تھی کہ یہ جمال معشوق ازلی کے انعکاس کے لیے آئینہ بن جائے۔ رسالہ اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت داؤد نے مراقبہ انتہا کو پہنچنے کے بعد حق تعالیٰ سے سوال کیا "خلقت الخلق تو ندا آئی ... کنت کنزاً مخفیاً"

ان اعرف الخلق ——— یعنی اے رب تو نے خلق کو کیوں کر پیدا کیا پس سراپردۂ کبریا سے یہ آواز سنی کہ میں ایک گنج نہاں تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اپنی چاہت کے لیے میں نے عالم کی تخلیق کی۔ کائنات ایک پیکر بےجان کی مثال تھی۔ مرآت جلا جب اسے عطا کیا گیا تو یہ مرئی ہو گئی اور اس طرح یہ انوار ایزد متعالی کا مظہر بنی۔ جب یہ عالم آب و گل معرض خلقت میں آ چکا تو باری تعالیٰ عالم میں منضبط ہو گیا جس طرح جسم میں روح منضبط ہے۔ چنانچہ آیت قرآن حکیم شاہد ہے... وفی انفسکم افلا تبصرون ۔ نور محمدی کو حق تعالیٰ نے اپنی ذات سے معرض وجود میں لایا۔ پھر وہ نور محمدی دو نیم ہو گیا۔ ایک نیم سے خداوند عالم نے عرش و کرسی، لوح و ملک و ارواح کی تخلیق فرمائی اور نیم دیگر کو لطافت سے کثافت کے حال میں لایا اور اس سے زمین اور اجسام عالم کو عالم وجود میں لایا۔ اس طرح نصف لطیف سے ارواح کی تخلیق فرما کر اسے اجسام کی جان کا موجب بنایا نفخت فیہ من روحی اور لا وجود الا اللہ کے یہی مفہوم ہیں۔

گویم بہر زباں و بہر گوش بشنوم　　　ایں طرفہ تر کہ گوش و زبانم پدید نیست
چوں ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمیں منم　　　مانند در دو عالم از انم پدید نیست　(عراقی)

باطن وجود میں اس طرح وہی نور ہے اور علم و ارادت و قدرت اسی نور کی بدولت ہے، بینائی، شنوائی، گویائی، طبیعت و خاصیت، افعال و اشیا اسی نور کے سبب ہے۔ یہ صفات وحدت ایزدی سے بہ عین عالم موصوف ہے۔ از روی باطن حق تعالیٰ وحدت کی صفت سے موصوف ہے۔ لیکن از روی ظاہر کثرت کی صفات سے موصوف ہے۔ از روی حقیقت وہ ایک ہے لیکن تجلیات کے اعتبار سے وہ بے حد و حساب ہے عالم کے یہ جلوہ ہای صد رنگ، یہ ہر آن بدلتی صورتیں تجلیات باری تعالیٰ کی امواج نغشاں ہیں۔ ہر آن وہ شئی جو موجود ہے معدوم ہوتی ہے اور اور پھر اس کی مثال اسی آن میں وجود اختیار کرتی ہے۔ حق تعالیٰ کی مثال ایک دریائی بیکراں کی ہے اور یہ صور و نقوش عالم اس دریا کی لہریں ہیں۔ دریا میں جس طرح لہروں کا سلسلہ ٹوٹتا نہیں اسی طرح حق تعالیٰ کے انوار کی تجلیات عالم پہ پیہم جاری ہیں۔ عراقی کہتے ہیں:

آفتابی بر ہزاراں آبگینہ تافتہ　　　ہر یکی بر وصف خود رنگ دگر ہا یافتہ
جملہ یک نورست لیکن رنگہای مختلف　　　اختلافی در میان ایں و آں انداختہ

پس جس نے اپنے آپ کو پہچانا خدا کو پہچانا۔ پھر کہتے ہیں کہ اسما و افعال کی حیثیت اضافی ہے۔ اگر وجود باطن کو سمجھنا چاہتے ہو تو اضافتوں کو ترک کرنا ہوگا۔ وحدت حق تعالیٰ کے افہام کے لیے موم کی مثال پیش کرتے ہیں کہتے ہیں

کہ موم اصل ہے لیکن اس سے لعبت ساز مختلف صورتیں بنا لیتا ہے۔ اور مختلف اسموں سے یہ صورتیں مسمٰی ہو جاتی ہیں۔ تو وہ خود گوسفند و آہو ہے یہ صورتیں موسوم ہوتی ہیں لیکن اگر ان صورتوں کو محو کر دو تو یہ وہی موم ہے جو پہلے تھا۔ صفات غیر کا اسی طور ظہور ہوتا ہے۔ اور اختلافات رونما ہوتے ہیں۔

عطار کہتے ہیں :

همان لحظه کز غیر بینی خطا است یقین دان که در هر دو گیتی خدا است
هر چه بینی ذات پاک او بود این چنین دیدن ترا نیکو بود

پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رایت الشیئ کما ھی یعنی دیدم من چیز را چنانچہ آں چیز است یا مارایت شیئاً الا رایت اللہ فیہ یعنی ندیدم چیزی را مگر آں کہ دیدم خدای را در آں چیز میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

خواجہ شفیق سے مروی ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ان سے توحید کے معنی بیان کرنے کو کہا۔ خواجہ نے شکر منگوائی اور اس شخص سے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا شکر ہے۔ خواجہ کے حکم سے اس مرد نے شکر سے کچھ صورتیں بنائیں، گائے، گھوڑا، ہرن وغیرہ کی صورتیں۔ خواجہ نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے۔ اس مرد نے صورتوں کا الگ الگ نام بتایا۔ خواجہ نے جملہ صورتوں کو مٹا دینے کو کہا اس شخص نے ایسا ہی کیا اور پھر خواجہ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے کہا کہ شکر ہے۔ خواجہ نے کہا توحید کا بیان میں نے تمام کر دیا۔

آخر میں کہتے ہیں کہ ایک ہی نور ہے جس کے لمعات سے سارا عالم روشن ہے۔ وہی قدیم بھی ہے حادث بھی ظاہر بھی ہے باطن بھی، ساجد بھی ہے مسجود بھی، شاہد بھی ہے مشہود بھی، حامد بھی ہے محمود بھی۔

منم عاشق خویشتن غیر من کسی نیست اندر میاں جز کہ من
دو گیتی چو آئینہ ساختم یقیں داں کہ در ہر دو گیتی منم

اگر کلاہ فقر سر پر رکھنا چاہتے ہو تو چار ترک کو ہمیشہ یاد رکھو، ترک دنیا، ترک نفس، ترک دین اور ترک خویش۔

(۵) رسالہ در بیان مراتب فنا :

یہ مختصر رسالہ خواجہ ابوالعلی نقشبندی کے باطنی دقت و تامل کا نتیجہ ہے۔ خواجہ ابوالعلی میر ابوالوفا حسینی کے صاحب زادے تھے۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ خواجہ صاحب کی پیدائش ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ ہجری میں ہوئی تھی جد بزرگوار میر عبدالسلام سمرقند سے ہندوستان آئے تھے۔ راجہ مان سنگھ جب حاکم بنگالہ ہوا تو خواجہ صاحب سرہزاری

کے درجہ پر ممتاز تھے۔ بعد کو ترک امارت کر کے عبادت میں مشغول ہوئے۔ اجمیر پہنچ کر روحانیت خواجہ معین الدین سے اویسی طریقہ پر فیضان حاصل کیا۔ بعد کو خواجہ امیر عبد اللہ سے بیعت ظاہری بھی کی۔ خواجہ صاحب کی وفات جمعہ ۹ صفر ۱۰۶۳ ہجری مطابق ۱۲ جنوری ۱۶۶۱ء میں اکبرآباد میں ہوئی وفات کے وقت ان کی عمر اسّی سال کی آگرہ میں کربلا کے قریب مدفون ہیں۔ حضرت ابوالعُلیٰ خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد میں ہیں

خواجہ صاحب نے فنا کے مراتب و مقامات کا جائزہ بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ لیا ہے نکات کے اثبات کے لیے مختلف شاعروں کے حسب حال اشعار بھی شواہد کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ واجب الوجود اور درود بر پیغمبر محمد صلی اللہ تعالیٰ کے بعد خواجہ صاحب اس رسالے کے موضوع و مقصد کی یا طرح رقمطراز ہیں "اما بعد می گوید فقیر حقیر دل شکستہ و از خود رستہ ابوالعُلیٰ احرار الحسینی کہ این رسالہ ایست در مراتب فنا و وصول الی اللہ تعالیٰ، ہر طالبی کہ بدیں طریق سلوک نماید و سعی بلیغ پیش گیرد امید قوی است کہ بہ مقصد وصول بہ حق است مشرف گردد"

خواجہ صاحب فنای اعظم کے تین مراحل بتاتے ہیں۔ اوّل فنا فی الافعال دوم فنا فی الصفات فنا فی الذات:

فنا فی الافعال سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے اختیار اور جمیع عالم کے تصور سے باہر ہو جائے ا حرکات و سکنات و افعال کو اس سے پہلے جو اپنی ذات اور دوسروں سے منسوب کرتا تھا انہیں حق سے منسوا اپنے افعال کو حق سے اس طرح نسبت کرے جس طرح مردہ کی حرکات کی نسبت غسال سے ہوتی ہے۔ ہر حال میں با حرکت کو کسی سے منسوب ہرگز نہ کرے۔ ایسا کرنا صاحب رسالہ کی نظر میں شرک ہے۔

تاوک اندر کمان خود دارد | شاہدان را بہانہ در ابرو

فنا فی الصفات کا مفہوم یہ ہے کہ سالک اپنی جملہ صفات اور دوسروں کی صفات کو حق کی صفا اپنی اور دوسروں کی تمام صفتوں کو مثلاً علم و ارادت، قدرت اور سمع و بصر و کلام کو حق سے منسوب کرے اور

گویم بہر زباں و بہر گوش بشنوم | این طرفہ تر کہ گوش و زبانم پدید نیست

اس سلسلے میں خواجہ صاحب نے حضرت بایزید بسطامی سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت بایزید جب بہ حق ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ بایزید تم نے میرے لیے کیا لایا۔ حضرت بایزید نے کہا کہ خدا لے کر آیا ہوں۔ حق تعالیٰ نے کہا کہ اس رات کو یاد کرو جب تم نے دودھ پیا تھا اور تم درد شکم میں مبتلا

ب درویش نے جب تم سے درد شکم کا سبب دریافت کیا تو تم نے کہا "شب شیر خوردہ بودم بنا بریں شکم درد می کند" اصطلاح
م نے درد شکم کی نسبت شیر سے کی پھر بھی کہتے ہو کہ توحید لایا ہوں۔ خواجہ ابو العلا کہتے ہیں جب حضرت بایزید نے ایک
سبت غیر حق سے اپنا جام توحید توڑ ڈالا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ طریق توحید پر چلنے والے نسبتوں کو یکسر
ترک کر دیتے ہیں۔

نکو گوئی نکو گفتست بے لذات کہ التوحید اسقاط الاضافات

فنائی الذات کے معنی یہ ہیں کہ سالک اپنی ذات اور تمام عالم کو خدا کی ذات سمجھے اور یہ یقین کے ساتھ تصور کرے کہ
حق تعالٰی نے مرتبۂ اطلاق سے نزول فرمایا اور اس طرح اس عالم کے اشکال متنوعہ میں ظاہر ہوگیا ہے۔

ہر چہ بینی یار است اغیار نیست غیر او جز وہم و جز پندار نیست

خواجہ صاحب معرفت فنا کے کچھ اصول بتاتے ہیں۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اصول وضوابط کی پیروی کرے
تاکہ خداشناسی اور وصول الی اللہ حاصل ہوسکے۔ اول یہ کہ سالک کو چاہیے کہ عالم کو ایک آبگینہ فرض کرے جس میں
عکس رخ معشوق ازلی کا وہ ہر آن مشاہدہ کرتا ہے۔ اس خیال میں اسے اس درجہ سرگرم ہونا کہ مایل اور متوجہ
ہونا چاہیے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی اس کا دیدہ و دل تماشائی حق سے غافل نہ ہونے پائے۔

ای خنک حالی کہ در ہر آئینہ دید روی یار خود ہر آئینہ

اگر وہ متصلاً اس خیال میں غرق رہے گا تو اسے گوناگوں لذتیں حاصل ہوں گی پھر اسی مقام سے برتر مقام پر جا پہنچے گا
جہاں وہ تمام عالم کو حق کے قریب پائے گا اور یہ تصور کرے گا کہ یہ سب حق ہے جو ان انگنت صورتوں اور شکلوں
میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ پس سالک کو چاہیے کہ اسی تصور میں وہ پیہم ڈوبا رہے اور کوئی لمحہ بھی اس خیال سے
خالی نہ رہے۔ اس لیے قیل و قال کے جھمیلے میں نہیں الجھنا چاہیے تاکہ اس کا دیدہ و دل تصور جاناں میں ہر
آن مستغرق رہے۔ پھر اس مقام سے ترقی پا کر بہتر مرتبہ کو پہنچے گا جہاں وہ اپنی ہستی کو مٹانے کی سعی کرے گا
اپنے وجود کی نفی اور اثبات حق کی کوشش کرے گا۔ آنکھیں موند کر سالک یہ تصور کرے کہ میں جسے میں سمجھ
رہا تھا وہ میں نہیں بلکہ میں حق ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ اس خیال میں مواظبت و مداومت کی
صورت پیدا کرے اور اپنے آپ کو یکسر بھول جائے خود کو اور عالم کو حق جانے اور حق دیکھے۔ جب اسے
ایسے تصور کی سعادت نصیب ہوگی تو یہاں تک کہ اپنے آپ کو وہ بھلا دے گا تو سمجھو کہ حجاب اٹھ گیا اور
وصول میسر آیا۔

بیخودی' از خود رفتگی اور نیستی کا مفہوم یہی ہے اور طالبانِ حق کا مقصود و مطلوب یہی ہے۔ جو اس مقام کو پہنچا اسے فنا فی اللہ حاصل ہوا۔

صوفی وہ نہیں جو چلّے کھینچے اور خلوت گزیں ہو کر ریاضتوں میں اپنے اوقات صرف کرے صوفی وہ ہے جو فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل کرے۔ اس رسالہ کے صفحۂ آخر پر کاتب کے اختتامیہ اشارے اس طرح ہیں:

فقط بتاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی مطابق ماہ اگھن ۱۲۶۵ فصلی روز یکشنبہ بخط خام سید مسیح اللہ ولد تمیم اللہ بن سید ساون بن سید محمد یوسف بن حاجی سید شمس از فرزندان سید احمد جاجنیری قدس اللہ سرہ العزیز و ساکن محلہ شاہ علی من محلات قصبہ بہار

(۶) نسخۂ والدیہ:

نسخۂ والدیہ خواجہ عبید اللہ احرار کے روحانی غور و فکر کے مطالب و مفاہیم پر مشتمل ایک گراں قدر رسالہ ہے۔ اس مختصر رسالہ میں سلوک کے مراتب عالیہ اور وصول الی الحق کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ خواجہ احرار اپنے پدر بزرگوار کے حکم پر اس رسالہ کو معرض تحریر میں لائے تھے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کی پیدائش ۲۴ رمضان ۸۰۶ ہجری میں بخارا میں ہوئی۔ خواجہ محمد یعقوب چرخی سے خلافت پائی تھی۔ خواجہ صاحب سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک جلیل القدر صوفی تھے۔ بابر بادشاہ کا دادا سلطان ابوسعید پا پیادہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ بابر کے والد عمر شیخ کو بھی خواجہ احرار سے بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ عبید اللہ احرار کے اخلاف میں سے ایک بزرگ خواجہ اکبر کے زمانۂ سلطنت میں ہندوستان آئے تھے۔ ۲۱ ماہ ربیع الاول ۸۹۵ ہجری میں بروز شنبہ وفات پائی۔ مرقد مبارک سمرقند میں ہے۔

اس رسالہ کے سبب تحریر کی بابت خواجہ صاحب ابتدا میں اس طرح لکھتے ہیں:

"این مختصر آں بود کہ والد این فقیر بنا بر حسن ظنی کہ ایشاں را بایں فقیر بود امر کردند کہ باید کہ برای ما چیزی نویسی از سخنان اہل اللہ کہ عمل بہ آں سبب وصول مقامات عالیہ و حصول علوم حقیقت کہ خارج از طور نظر و استدلال است گردد"

خواجہ صاحب آداب ربوبیت کو فرض جانتے ہوئے اپنے پدر بزرگوار کے حق میں عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اولین اثر ان کی وساطت سے ہے اور امر پدر بزرگوار کو امر حق تعالیٰ سمجھ کر اس کی تعمیل کو واجب سمجھتے ہیں پھر خوانندگان رسالہ سے عجز و انکسار کے احساسات کے ساتھ التماس کرتے ہیں کہ اس رسالہ میں جو کچھ بھی تحریر ہوا ہے

اس کا باعث و موجب ان کو نہ سمجھیں اس لیے کہ حق تعالیٰ کے قبضہ تصرف میں ان کی مثال قلم و دست کاتب جیسی ہے۔ ایسا وہ کریں گے تو اہل اللہ کے اس زمرہ میں شامل ہوں گے جنہوں نے بلا واسطہ حق تعالیٰ کے علوم حاصل کیے۔

کہتے ہیں کہ عبادت سے مراد معرفت ہے۔ عبادت کا تعلق گرچہ اعمال ظاہر سے بھی ہے لیکن اعمال ظاہر کو معرفت کے تابع ہونا ضروری ہے۔ معرفتاً قولِ حق تعالیٰ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کو اپنے سلوک کا شعار بناتے ہیں، ان کی عبادات میں اعمال ظاہر و اعمال باطن ممزوج ہوجاتے ہیں۔ اس طرح ان کے اوراد و وظائف معرفت کے تابع ہوتے ہیں اور معرفت کا حصول متابعت پیغمبر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ متابعت پیغمبر کی تین صورتیں ہیں، قولی، فعلی اور حالی۔ متابعت قولی یہ ہے کہ خلاف شرع کوئی بات زبان پر نہ لائے۔ دروغ و ایذا رساں کلمات سے اجتناب کرے اور تلاوت قرآن اور متابعت شریعت کی ترغیب و تشویق کے لیے اپنی زبان کا استعمال کرے، اور فعلی متابعت یہ ہے کہ اپنے اعمال ظاہری کو شریعت سے قریب کرے اور آداب و سنن کو کسی طرح ترک نہ کرے۔ اور اپنے دست اور سایر جوارح سے برادران مومن کی معاونت کرے۔ خصوصاً ان فقیروں اور درویشوں کی اعانت ہونی چاہیے جن کی توجہات علی الدوام جانب حق ہوتی ہیں۔ ان کے قلوب گرچہ آئینہ جمال حق ہیں لیکن تقاضای بشریت کے سبب اکل و شرب مسکن و لباس کی احتیاج بھی در پیش ہوتی ہے جس سے اس کے مرات دل میں غبار پڑ جاتا ہے اور اس کے سبب وہ مشہور جمال محبوب سے دور ہوجاتے ہیں۔ صاحب دولت کو ان کی احتیاجات بشری کی کفایت و کفالت کرنی چاہیے۔ مرتبہ نفس میں پیغمبر صلعم کی متابعت یہ ہے کہ جو ہوا و ہوس خلاف شرع ہو اس کی مخالفت کی جائے اس حال پر مداومت ثابت رہے گی تو سالک کا نفس متابع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس سے مناسبت حاصل کرسکے گا۔ اور مناسبت کے مقدار کے مطابق ان کے نفس کی صفات سے کچھ جذب کرے گا۔ جس طرح فتیلے میں بارود ہوتی ہے اور اس بارود کے واسطے سے اسے آگ سے مناسبت ہوتی ہے فتیلہ میں جیسی اور جتنی بارود ہوگی آگ کے مطابق اس پر اثر انداز ہوگی۔

سالک کی متابعت جب کمال کو پہنچتی ہے تو حق تعالیٰ اسے اپنا بنا لیتا ہے اور اسے اپنے اسرار کا محرم بناتا ہے لیکن حق تعالیٰ کی یہ دوستی سالک کا صفات نبوی سے اتصاف کے سبب ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ خود کے بجز کسی کو دوست نہیں رکھتا۔ وہ صاحب جمال ہے اور دوستی اس کی اپنے حسن و جمال سے ہے جسکا وہ خود مشاہدہ چاہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے مرات انبیاء و اولیا میں مختلف قدروں کی استعداد بخشی اور بعض کو بعض پر اس کے آئینہ استعداد کے مطا

فضیلت عطا کی۔ محمد رسول کریم کا آئینۂ استعداد جمیع انبیاء سے افضل تر تھا اس لیے ذات و اسماء و صفات کی تجلیات کا
ظہور سبھوں سے زیادہ ان کی ذات کے واسطے سے ہوا اور اسی بنا پر رسول کریم کی امت کو خیر امۃ کا مرتبہ حاصل ہوا۔

غرضیکہ رسول کریم کی متابعت کے بغیر سالک کسی مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا اس لیے ضروری ہے کہ سالک ان کی
متابعت علی حسب کمال حاصل کرے اس طرح کہ اس کا دل غیر حق سے تعلق نہ رکھے لیکن علائق و عوائق سے انقطاع کا
طور پر بغیر محبت کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اگرچہ محبت ایک وہبی سعادت ہے لیکن سالک اگر سعی کرے تو اس
ظہور محال نہیں۔ لیکن اس سعادت کا حصول ایک طریقہ پر منحصر ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ ابتداءً وہ محبوب کا ذکر کرے اور ایک
لحظہ کے لیے بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہے۔ اس کا قلب خیال غیر سے یکسر خالی ہو جائے اور صرف اندیشۂ جا
اس پر حاوی ہو جائے۔ اور اس حال کو قائم و دائم رکھنے کی سعی کرے۔ یہاں تک کہ ایسی صورت پیدا ہو جائے
اس کا دل جملہ لذات سے بیگانہ ہو جائے اور ہر آن ذکر جاناں کی لذتوں سے حظ حاصل کرتا رہے۔ اس کا دل محبو
کی یادوں میں ہر آن اس طرح مشغول رہے۔ چنانچہ اگر تکلفاً اپنا دل کسی اور سے وابستہ کرنا چاہے تو یہ ممکن نہ ہوسکے
ایسے مرتبہ پر پہنچ کر اس کی گویائی شنوائی اور بینائی کا مرجع محبوب ہوگا اور اس طرح اسے ہر آن حضوری کا مرتبہ
ہوگا۔ اسی صورت میں اشتغال ظاہری علاقہ معنوی کے لیے مانع نہ ہوگا۔ اس کا باطن حق سے پیوستہ ہوگا اور مشا
مناجات کے حال میں ہوگا۔ جس صاحب دل کا حق سبحانہ تعالیٰ سے ایسا رشتہ استوار ہو جاتا ہے تو اس کی روح
بند کالبد سے آزاد ہو جاتی ہے تو اسے اتصال حاصل ہوتا ہے۔ اس کا دل اگرچہ معرض حیات میں حق تعالیٰ۔
نہایت قریب رہتا ہے لیکن تقاضای بشریت کے سبب ایک حجاب حائل رہتا ہے، روح کا انقطاع وا
جب جسم سے ہو جاتا ہے تو اسے اتصال بے مانع حاصل ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ خواجہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ
محبت محبوب کے نام کا ذکر و ورد کرنے سے ہوتا ہے۔ اور ذکر لا الٰہ الا اللہ جملہ اذکار میں افضل ہے۔ یہ کلمہ
اثبات سے مرکب ہے۔ کائنات کے نقشہائے رنگ رنگ سالک کے لیے حجاب کے اسباب ہیں۔ ان
میں اثبات غیر مترشح ہوتا ہے اور حق کی نفی ہوتی ہے۔ سالک اگر حضوری چاہتا ہے تو اسے ماسوا کو ترک کر
ذکر لا الٰہ میں مشغول ہونے سے غیر حق کا اشتغال اس کے دل سے دور ہو جائے گا اور الا اللہ کے ورد
مشاہدہ حق حاصل ہوگا۔ لیکن اس مشغولیت میں مداومت ہونی چاہیے اس درجہ کہ اگر کبھی سہواً غافل
اور پھر اسے یاد آئے تو وہ ایسا محسوس کرے کہ اس نے ایک دریشی بہا گم کر دیا ہے۔ جب سالک کا ا
سے منقطع ہو جاتا ہے تو متصلاً وہ حق تعالیٰ سے راز و نیاز کے عالم میں پہنچتا ہے اس کے دل پر عشق حق کا ایسا ا

ںشق کا ایسا مفرد نتیجہ ظہور میں آتا ہے کہ ذاکر کی ہستی موہوم مذکور کی حقیقی ہستی میں گم ہوجاتی ہے، یہ وہ مقام ہے
اں ذاکر عین مذکور ہوجاتا ہے۔ کانئی علاللاجبہ کا راز اس پر منکشف ہوجاتا ہے آخر میں ان مراتب کے
مول کے لیے خواجہ احرار، ہمنشینی معاشرت و محاورت با مردان حق کو بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ان کی توجہ سے سالک کی
ابعت ثابت اور استوار رہے۔ (تمام شد نسخۂ والدیہ من تصنیف خواجہ عبداللہ احرار)

(۷) امواج البحار فی سرالانہار (مولانا رکن الدین عشق)

مولانا رکن الدین عشق کا یہ رسالہ ۶۱ صفحہ پر مشتمل ہے ۵ر امواج اور ۵ر انہار کے تحت عنوان اس رسالہ کی طبقہ بندی کی گئی ہے۔ بزرگان سلف کے اقوال وارشادات کو مصنف نے انہار کے طبقات میں شامل کیا ہے اور اپنے واردات قلبی اور لمعات ذہنی کو امواج کے ابواب میں رکھا ہے۔

شیخ رکن الدین عشق ۱۱۲۷ھ میں اپنے نانا شاہ محمد فرہاد ابوالعلائی کے گھر میں دہلی میں متولد ہوئے۔ ان کے والد شیخ محمد کریم فاروقی تھے۔ عشق دبخت کے ایک جلیل القدر شاعر تھے۔ ان کے اشعار اردو پر محیط ہیں، کلیات حیات وشاعری پر تحقیقی تبصرہ کے ساتھ ڈاکٹر قریشہ حسین سابق پرنسپل مگدھ مہیلا کالج کی کوشش سے زیور طبع سے آراستہ ہوچکا ہے۔

شیخ رکن الدین علوم ظاہری میں کامل دسترس رکھنے کے باوجود علوم باطنی سے بھی بطریق احسن بہرہ مند تھے۔ حضرت عشق سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ طریقۂ ابوالعلائیہ کی تعلیم عشق کو مولانا برہان الدین خدانما سے ملی تھی۔ حضرت عشق کی روحانی تربیت ان کی ذاتی توجہ سے ہوئی۔ ان کی رہنمائی میں حضرت عشق نے مراتب سلوک کے اسرار ودقایق سے آگہی حاصل کی اور بارہ سال کی مدت تک حضرت عشق مولانا برہان الدین کی کامل شخصیت کے گوناگوں محاسن ومکارم سے استفاضہ کرتے رہے۔ بعد کو حضرت مخدوم منعم پاک سے رشتہ روحانی کے زیر اثر طریقۂ فردوسیہ کی بھی تربیت حاصل کی۔ حضرت عشق ایام شباب میں احمد شاہ درانی کی فوج کے ہاتھوں قتل وکشتار اور غارت گری کے واقعات سے بددل ہوکر شہر دہلی کو ترک کرکے مرشد آباد چلے آئے اور یہاں نواب میر قاسم کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے، کچھ دنوں تک اطمینان وعافیت کی زندگی گزارتے رہے۔ بعد کو زمانے کے بدلتے ہوئے تیور نے عشق کو عیش وعافیت کی زندگی سے یکسر بے پروا بنا دیا۔ ان کی طبیعت میں تبدیلی رونما ہوئی اور ترک ملازمت کرکے دیار وطن کی طرف لوٹ آئے۔ مولانا رکن الدین عشق کی تصانیف میں اردو کلیات، ایک دیوان فارسی اور تصوف کے موضوع پر چند رسالے تھے۔ لیکن کلیات اردو اور رسالۂ امواج البحار کے علاوہ دوسری

تصنیفیں نہیں ملتی ہیں حضرت رکن الدین کی تاریخ وفات مرزا فدوی کے قطعہ تاریخ کے مطابق ۱۲۰۳ ہجری متعین ہوتی ہے۔

رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے "الحمد للہ رب العالمین سبحان من ہستی موہوم عاشقان را از تجلی احدیت نیست گردانیدہ ودوئی موحدان را از نور وحدت پوشانیدہ ونظری عنایت کرد کہ وجود واحد مشاہدہ نمودند و کاملان را خلعتی از ہستی خویش بخشیدہ کہ در فرق وجمع خود را مشاہدہ فرمودند والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین" یہ رسالہ مولانا رکن الدین کے وسیع وعمیق مطالعات اور وجدانی وروحانی ملاحظات کا نتیجہ ہے۔ اپنے ذہن وقلب کے ترشحات کو موصوف نے بڑے ہی وجد آفریں اور دل انگیز انداز میں پیش کیا ہے۔

سبب تصنیف کی بابت مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

> قوالی در عرس امیر علیہ السلام چند شعری از مثنوی مولوی معنوی قدس سرہ بزبان راندو معانی آن بر قلب پرتو افگند پیش احبان گفتہ شد مکرر بزبان آوردند کہ در قید تحریر باید آورد وتا محو را بحسن باید کرد چنانچہ از کاوش مکرر ایشان تسطیر نمودم وسنبان قلم فکر را بہ صفحہ دل بسودم وایں را مسمیٰ بہ امواج البحار فی سر الانہار نہادہ ہر عبارتی کہ از بزرگان سلف در آوردیم نہر گفتیم وہرچہ از دریای قلب موج زدہ موج گفتیم الیوم سنہ یک ہزار ویک صد وہشتاد ہجری وتاریخ بست ودوم ماہ رمضان المبارک است بزمان وقت املا کردہ می آید۔

مندرجہ بالا عبارت سے مستنبط ہوتا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی کے کچھ برگزیدہ اشعار کے معانی ومفاہیم حضرت رکن الدین کے آئینہ قلب پر منکشف ہوئے تھے ان کو موصوف اپنے اعزہ واحباب کے پیہم تقاضا واصرار پر معرض تحریر میں لائے اور اس نتیجہ فکر کا نام "امواج البحار فی سر الانہار" رکھا۔ اس عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۱۸۰ ہجری کی تصنیف ہے، لہٰذا موصوف نے اسے اپنی وفات سے ۲۳ سال پہلے قلمبند کیا تھا۔

پہلے عرض کیا گیا کہ مولانا نے لفظ "امواج" کے تحت اپنے قلبی مشاہدات ومحسوسات کو بیان کیا ہے اور "انہار" کے زیر عنوان بزرگان ومشائخ کے کلمات کو نقل کیا ہے۔ حضرت عشق فرماتے ہیں کہ راہ تقرب الی اللہ میں جو بھی فیض دیوانگی ہے وہ بیگانگی ہے۔ شورش ایک دولت عظمیٰ اور فضیلت کبریٰ ہے۔ شورش وبیخودی ایک ہی شے ہے صرف مراتب کا فرق ہے۔ بیخودی کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں خودی شریک نہ ہو اور شورش و وجد میں بھی خودیٔ وجود باقی نہیں رہتا۔ شورش زدہ شخص سے جو حرکات ظہور میں آتے ہیں وہ دراصل اس کے باطن پر غلبات مخفیہ سبب ہوتے ہیں۔ حضرت فریدالدین عطار وجد وشورش کے حال کو آگاہی کا مرتبہ سمجھتے تھے اور خواجہ محمد پارسا

نے اسے استغراق کہا ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار شرح مقامات میں لکھتے ہیں کہ جسے نسبت ذوقیہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ ایک جگہ مطمئن و مقیم نہیں رہ سکتا۔ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں مومنوں کی حرکات ظاہرہ کس چیز کا نتیجہ ہے از خود رفتہ ہونے سے کیا فائدہ ہے اس کا جواب حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے:

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی تا بی خبر بمیرد در عین خود پرستی

واذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم ای اضطرب قلوبہم کا مفہوم بھی یہی ہے۔

غرضیکہ شورش و دیوانگی تمام اشغال و اکساب کا نتیجہ ہے اور اس کا نتیجہ حصول حق تعالیٰ ہے۔ حدیث نبوی سے بھی استنباط ہوتا ہے کہ شورش و وجدان مشاہدہ تجلی کے سبب ظہور میں آتا ہے۔ مشاہدہ تجلی سے انسان حیران ہو جاتا ہے۔ تجلیات ہیچوں کو عرفا نے چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ تجلی علمی عینی ۲۔ تجلی وجودی ۳۔ تجلی شہودی ۴۔ تجلی علمی اعتقادی۔

تجلی علمی عینی اشیاء موجودات کی صورتیں معلومات و موہومات کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔ تجلی وجودی اشیاء موجودات کی صورتوں میں شواہد کے پیکر میں ظاہر ہوتی ہے تجلی شہودی ارباب تجلی کی نظر شہود کی وساطت سے ظہور میں آتی ہے۔ تجلی علمی اعتقادی فکر کے پردے اعتقادات مقیدہ کی صورتوں میں اصحاب قلوب پر ظاہر ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ رسول اکرم انسان کامل ہیں۔ ذات محمد اسم اللہ کا مظہر کل ہے۔ اور ذات و مرتبہ کے مطابق اسی انسان کامل کا ظہور جمیع اسمای عالم میں ہوا ہے۔ جمیع مراتب موجودات جو اسماء الٰہی کے مظاہر ہیں وہ انسان کامل یعنی ذات محمد کا مظہر ہیں۔

ز احمد تا احد یک میم فرق است جہانی اندراں یک میم غرق است

اور حرف میم چالیس عدد پہ محتوی ہے اور مراتب موجودات اگرچہ از روی جز یہ بے حد وحساب ہیں لیکن از روی کلیہ مجموع ہیں اور چہل مراتب پہ محتوی ہیں اور یہ چہل مراتب مظہر حقیقت محمدی ہیں اور رسول کریم من حیث الحقیقت جملہ مراتب میں ظاہر و متجلی ہیں۔ اس طرح جمیع مراتب کونیہ اجزائی محمدی ہیں اور یہ چہل مراتب اس طرح ہیں۔ عقل کل جو تعین اول اور روح اعظم ہے جسے ام الکتاب بھی کہتے ہیں، نفس کل جو لوح محفوظ ہے جسے کتاب مبین کہتے ہیں۔ ہیولی جو کتاب مسطورہ ہے جسے ورق منشور کہتے ہیں، طبیعت کلیہ جو اسما و افعال کے مبداء و آثار ہیں۔ فلک اطلس جو عرش ہے کرسی جو فلک ثوابت ہے۔ فلک ہفتم، فلک ششم، فلک پنجم، فلک چہارم، فلک سیوم، فلک دوم اور فلک اول زحل جسے کیوان کہتے ہیں مشتری جس کا نام برجیس بھی ہے، مریخ جسے بہرام کہتے ہیں۔ آفتاب جو نیر اعظم ہے، ناہید جو زہرہ

ہے۔ تیر جس کا عطارد نام ہے قمر جو نیر اصغر ہے، حمل ثور جوزا، سرطان، اسد سنبلہ میزان عقرب، قوس جدی، دلو، حوت، کرہ نار، کرہ ہوا، کرہ آب، کرہ خاک، جماد نبات، حیوان، انسانی حقیقت کل انسان کامل کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس بہ صورت عالم صغری توئی، پس بہ معنی عالم کبری توئی۔

جامی کہ میُ دو کون را جاست منم　　　　وآں قطرہ کہ صد ہزار دریاست منم

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کتاب ارشاد الطالبین کے حوالہ سے حق تعالیٰ کے ظہور کی بابت فرماتے ہیں کہ جب ذات کبریا نے چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے اور اپنی صفات کا مظاہرہ کرے تو اس نے اپنے نور کو عالم کی تمثیلات کی وساطت سے ظہور میں لایا اور خود کو خلعت کا لباس پہنایا۔

چو اظہار گشتن ہمی خواستم　　　　صفتہای خود را خود آراستم

نور مذکور کا تعلق عالم لاہوت سے ہے۔ عالم جبروت میں آ کر کسوت جبروتی اختیار کیا اور اپنا نام ارواح رکھا پھر عالم ملکوت میں آ کر اپنا نام قلب و جسم رکھا۔

کہتے ہیں کہ اگرچہ حق تعالیٰ کا وجود صورت و شکل و رنگ سے بے نیاز ہے لیکن وجود حقیقی کا ظہور کسوت اشیا موجودات کی وساطت سے ہوا ہے۔ جس طرح کلام الٰہی حرف و صوت، ترکیب سے منزہ ہے لیکن قرآن کریم میں کلام حق مسطور ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں اسی طرح وجود عالم موجودات کی بابت کوئی انکار کرے کہ یہ اس کا وجود نہیں تو وہ منکر حق ہوگا۔ لیکن حق تعالیٰ نے عالم موجودات کے تمثلات میں اپنے آپ کو ظاہر کیا تو اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔

وھو الآن کما کان لا یتغیر دفی ذاتہ بحدوث الاکوان　　(وہ اس وقت بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے۔ موجودات کے تغیر کے سبب) کا یہی مفہوم ہے۔ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عالم عبارت ہے عین واحد میں اعراض مجتمعہ سے حقیقت ہستی یہی ہے اور اس میں ہر آن تبدل و تجدد درو نما ہوتا رہتا ہے ہر لحظہ ایک عالم معدوم ہو جاتا ہے اور اسی آن اسکی مثال وجود میں آجاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ بل ھم فی لبس من خلق جدید　　(بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے محض بے دلیل شبہ میں ہیں) کا یہی معنی ہے۔ کشف عوالم کی بابت لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالغفور نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہے کہ کشف عوالم کسی کو ہوتا ہے اور کسی کو نہیں بھی ہوتا ہے اور ان دونوں میں بہتر مرتبہ کس کا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ سلوک کی دو نوعیتیں ہیں ایک ترتیب السلوک ہے اور ایک توجہ وجہ قائم

کی طریق ہے ۔ تراتیب السلوک میں کشف عوالم ضروری ہے اور توجہ بوجہ خاص کی طریق میں کشف عوالم ضروری نہیں۔ سالک کو اگر توجہ بوجہ خاص حاصل ہے تو اسے کشف عوالم نہیں بلکہ کشف حقائق نبیہ حاصل ہوتا ہے اور وحدت وواحدیت اس پہ مشہود ہوتی ہیں۔ چونکہ بہ وجہ خاص اسے توجہ حاصل ہوتی ہے اس لیے اپنے آئینہ قلب میں وہ اسی ذات بیچوں اور اس کی احاطت کا تصور کرتا ہے اور اس طرح عوالم کو غیر سمجھ کر اس سے اجتناب کرتا ہے لہٰذا ایسی اشیا' جنکو اس نے ترک کر دیا ہو ان کا انکشاف اس پہ نہیں ہوتا وہ ہر آن حقائق ذات باری اور اس کی وحدت وواحدیت میں مستغرق رہتا ہے ۔

حضرت مسعود محمود نے مرات العارفین میں بیان کیا ہے کہ وحدت کا مفہوم یک دیدن ہے ۔

بخدا غیر خدا در دو جہان چیزی نیست　　　بی نشان است کزو نام و نشان چیزی نیست

اور واحدیت یک شدن کو کہتے ہیں :

منم در جملہ موجودات پیدا　　　منم در کسوت آدم ہویدا

سماع کی بابت حضرت رکن الدین لکھتے ہیں صاحبان وجد وحال سماع کے دلدادہ ہوتے ہیں بلکہ اسے عبادات میں شمار کرتے ہیں صرف اس بنا پر کہ سماع شورش و دیوانگی کا سبب ہوتا ہے لیکن یہ درست نہیں کہ بغیر سماع کے شورش و دیوانگی کی صورت قریب نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سالک صادق کے اندرون قلب میں آتش شوق کی چنگاریاں اس طرح دبی ہوتی ہیں جیسے خاکستر کی تہہ میں آگ۔ جو ہوا کی موجوں سے شعلہ زن ہو جاتی ہے۔ سماع کی مثال موج ہوا جیسی ہے جو سالک کے قلب کی دبی چنگاریوں کو التہاب آسا بنا دیتی ہے۔ لیکن آتش کا وجود نہ ہو تو ہوا کی یہ لہریں کسے ہیجان میں لائینگی۔ پس ضروری ہے کہ آتش شوق کی آرزو ہونی چاہیے۔ جس سالک کو یہ آگ میسر نہیں اسے مرشد سے رجوع کرنا چاہیے۔ مرشد روحانی طبیب ہوتا ہے وہ اس مرض کا علاج بتائے گا اس سلسلے میں شیخ اکبر قدس سرہ نے درست فرمایا ہے کہ جس شخص کا وجدان سماع پر موقوف ہو اس کا قلب بیمار ہے جس کا علاج ضروری ہے وانہ دلوا کو بس ایک ہو کافی ہے ۔ اس رسالے میں انہار کی فصلوں کے تحت مصنف نے جن مشائخ کے اقوال زریں کو نقل کیا ہے ان میں حضرت خواجہ حسن بصری، خواجہ عبداللہ احرار، شرف الدین یحییٰ منیری، امام غزالی، شیخ محی الدین عربی، مولانا عبدالغفور زیادہ معروف ہیں ۔

تمام شد این نسخہ بتاریخ ستم ذی قعدہ ۱۲۷۴ ہجری روز شنبہ وقت چاشت نسخۂ امواج البحار فی سر الانہار تصنیف قدوۃ الکاملین زبدۃ العارفین وخلاصۃ الواصلین سر حلقۂ صوفیان اہل یقین حضرت مولانا شاہ رکن الدین الملقب بہ عشق قدس سرہ بخط خام بیرنگی شاہ المعروف مسیح اللہ ولد نسیم اللہ بن سید بساون متوطن محلہ شاہ گلی من محلات قصبہ بہار ہر کہ خواند دعا طمع دارم زانکہ من بندۂ گنہگارم ۔

حکیم خالد جاوید شمسی
لٹریری ریسرچ یونٹ (یونانی)
ہمدرد نگر، دہلی

کتب خانہ خانقاہ عمادیہ، پٹنہ کے دو اہم مخطوطات

(۱) وجود العاشقین

سید محمد حسن الحسنی بندہ نواز گیسو دراز کی تصنیف وجود العاشقین کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ عمادیہ پٹنہ میں محفوظ جس کا سال تصنیف "دوشنبہ بوقت چاشت تاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ احد جلوس حضرت ظل سبحانی فرماں روائے کارکشا ظل اللہ" ہے۔ صفحہ کا سائز: ۹"×۵" متن کا سائز: ۷"×۳"، تعداد اوراق ۹ ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سپاس بے حد ستائش بے عدد بر قادر مطلق و عالم بر حق و جانان و عاشق صاحب جملہ جہاں در و دبے قیاس مر احمد حق شناس را کہ محب درگاہ و محبوب شہنشاہ و معین العاشقین و مفید المحققین و آل المقربین باد علی آلہ الامجاد سخن چند از عشق بے پایاں خاک و صعوت جان پاک در قلم آورده میشود تا محباں را محبت بیفزاید و دوستاں را دوستی نماید عبارت کا متن اس بات پر شاہد ہے کہ یہ نسخہ بندہ نواز کی ذاتی تصنیف ہے۔

آخری عبارت اس طرح ہے: "ایں مختصر را وجود العاشقین نام نہادہ بر تصنیف سید محمد حسن الحسینی بندہ نواز گیسو دراز تمام رسید روز دوشنبہ بوقت چاشت تاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ احد جلوس حضرت ظل سبحانی فرمانروا کارکشا عالم کرنائی ظل اللہ"۔

پورے رسالے میں عشق، عاشق اور معشوق کے بارے میں خبریں دی گئی ہیں۔

اے عزیز دریں جہاں ... سہ خبر است عشق، عاشق، معشوق معتبر ایں دیگر ہمہ فانی وایں ہر سہ باقی و عبادت ظاہر را خلق نامند و باطن را خالق وایں ہر دو در ذات برابر اند ... بکرم خود در صفات فرق می نمایند چنانچہ احد حرف است الف عشق حی عاشق و دال معشوق۔ و توحید ہر سہ مانند دریا و موج و کف در حقیقت ہر سہ دریا است۔

کتاب جا بجا کرم خوردہ ہونے کے باعث کہیں کہیں پڑھی نہیں جا سکی تاہم ورق گردانی کے ذریعے کچھ چیدہ چیدہ عبارات نقل کی جاتی ہیں

عشق آتشست و چوں افروختہ شود ہر چہ کہ غیر حق باشد آں را بسوزاند [1]

"عشق سہ حرف است عین نفی نمودن عقل و شین نفی کردن شرم و شرک و قاف نفی نمودن قالب چو

"عشق غالب آید ایں ہر سہ خبر فنا گرداند [2]

عقل و وہم روح و جان و علم و ہر پنج را حقیقت گویند و ایں ہر پنج پنج پنج شاخ ظاہر شدہ انداز عقل

بینائی و از وہم شنوائی و از روح گویائی و از علم دانائی و از جان توانائی ایں را طریقت نامند [3]

"ایں درخت فنا است کہ بقا گویند وجہ اللہ و ذات اللہ نامند فلسفے ما بہ فنا سر کشید باقی شد فنا فنا شدہ

یعنی در ایں بقائے ما وجہ ربک ذو الجلال والاکرام و ایں فنا بمعنی بقا است [4]"

"پس اے عزیز او خود بخود نگر است چنانچہ بزرگے فرمودہ اند

اے خدا چوں توئی غم و شادی تہمت ما و تو چہ بر بادی [5]

مخطوط کا اختتام کلام منظوم پر ہوتا ہے اشعار بغیر کسی نسبت کے نقل کیے گئے ہیں اس لیے اغلب یہ ہے کہ یہ اشعار حضرت بندہ نواز کے ہوں گے نظم سے پہلے ایک قطعہ بھی ہے۔ جس قدر پڑھا جا سکا نقل کیا جاتا ہے۔

سلطان اول چوں سایہ بر ما انداخت چوں مہ پرتو بلاغ و صحرا انداخت
.... بر بزم حال اہل دل را نا اہلاں را وعدہ وعدہ بفردا انداخت

عشق گوہرے بہا و بے نشاں بہر عشقش ہر دم تو جاں فشاں
عشق تخم و نخل گشتہ گلعذار عشق نور و عشق نار و عشق دار
عشق آتش عشق باد و آب و خاک در حقیقت عشق باشد جان پاک
عشق اول عشق آخر جاوداں با وجود خود بسازد دائما
عشق در صورت حال خود نمود ایں ہمہ عالم ز عشقش رو نمود
بود ایں عالم ز نور او شدہ از نمود خویش ما و تو شدہ
ما و تو فانی و او قائم مقیم بود او قائم ہمیشہ مستقیم

اور یہیں یہ مخطوطہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

---

[1] ورق ۱۲ الف سطر ۱۲ ۔ [2] ورق ۱۲ ب سطر ۱ ۔ [3] الف سطر ۱۲ ۔ [4] ورق ۱۳ الف سطر ۱۲ ۔ [5] ورق ۱۴ سطر ۱۲

(۲) نادر نکات

اسی خانقاہ عمادیہ (پٹنہ) کے ایک نادر نسخے مسمّٰی بہ "نادر نکات" کے بارے میں جو ۵ء۳ × ۸ء۹ اور ۸ء۸ × ۳ سائز کے گیارہ اوراق پر مشتمل ہے۔ خط شکستہ میں یہ کرم خوردہ نسخہ جادو داس کا مرتبہ ہے۔ کتاب کا نام اندر کو لکھا ہے۔ آغاز: کتاب بسم اللہ سے شروع ہوتی ہے لیکن درمیانِ کتب کوئی مذہبی نسبت نہیں ملتی۔ مرتب و کتاب کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات اندرونِ کتاب موجود ہیں۔

"ارفع درجات فائض فضل کمالات نادر نکات زبدۂ ارباب حقائق و حال پیراستہ از قیل و قال ...

ہوش افزا لال دیال است: زمین سجدہ دم بدم لال راپہ کز دیا فتم نشۂ حال را، بہ سعادت مرید با اخلاص و معتقد تمام اختصاص عقیدت اساس جادو داس مہیرہ ساکن اکبر آباد دارا شکوہی کہ دم و قدم بادشاد مرشد شاد است از لطف نیک نہادان صاحب سخن عرصۂ سخن وری از قبیح ... عفو والتماس دارد نام و خطاب این نسخہ نادر نکات یعنی نکتہ ہائے نادر انتخاب کہ بر زبان حقیقت ترجمان رفتہ رفتہ پذیر گشت از دو عالم فقط کہ بر لوح صافی از سواد قلم و زبان بر آں نہاد"

چوتھے صفحہ پر مندرجہ ذیل عبارت سبب تالیف کو ظاہر کرتی ہے۔

"مخزن انوار سبحانی، معدن رحم رحمانی، پیشوائے گروہ انسانی راز دار رموز یزدانی واقف رمز ربانی....
سوامی لال دیال دہیان پور آستانی کلانور مکانی من مضافات صوبہ دار السلطنت لاہور بہ پنجاب کہ برصفائے آب و تاب در عالم و عالمیان عیان است و از غایت و نہایت امن المنی است از آنجا کہ نواب قدس جناب مقدس القاب حقائق پژوہ محمد دارا شکوہ عرف شاہ بلند اقبال صاف صفت درویش دوست بودند خصوصاً بخدمت سراسر سعادت ایشاں نیازمندی می داشت کمترین بندہائے عقیدت اساس جادو داس مہتری مہیرہ متوطن صوبہ اکبر آباد شرف غسل خانہ آن بارگاہ علیا بود و نسبت مریدی بصدق محبت و مودت اعتقاد بخدمت آں مرشد مرید نواز داشت و بخلوت خانہ والا قیام می خود و امر لازم الاذعان شدہ بود کہ ہرگاہ انجمن آرائے زبدۂ ارباب حقیقت و حال باخند جواب و سوالے کہ درمیان آید سر رشتہ آنرا بوجود احسن نگاہ دارد ہند بر طبق حکم حکیم ارفع درجات کہ جانہائے معتقدان عقیدت اندوز فدائے آں باد گہر ماہ مجلس سعادت بزم افروز گشتہ آنچہ شنیدہ می نوشت و در بیاض خاص می نگاشت۔

اں تصنیف کی نشاندہی مندرجہ ذیل متن سے ہوتی ہے۔
"چنانچہ روز لیست کہ جشن و بہار روزگار است چہارم بہمن ماہ ... سنہ بیست و یکم جلوس سمبت مانوس عہد ظل سبحانی و صاحب قران ثانی حضرت شاہ جہانی بود زبدۂ ارباب حقائق و حال الخ"
ابتدائی چار اوراق مقدمہ کے طور پر ہیں جس میں مرتب نے حقیقی تصوف کے بارے میں دلکش خیالات کا اظہار کیا ہے واردات قلب کو الفاظ کے پیرایے میں بیان کرنا ممکن نہیں یہ وہ دنیا ہے جہاں سخن ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔
"چوں رہ روان سبیل حقیقت و معرفت آنچہ گفتہ اند کردہ اند و آنچہ کردہ اند نگفتہ اند، دریں صورت از محبت نیک سیرت مطلوب۔

زہے برتا کے دریائے مبرم ... کہ مجرم شود از لفظ محرم
جموشیدن بجائے نکتہ داں را ... شفا انگیز بر ہر مرض جبرم

"دراصل گویائے حروف از لفظ واقع شد ... اما ہر سخن داخل سخن و نہ ہر زبان سخنور سخن دانی بسیار است و سخن بے شمار۔"
بلکہ روح کی گہرائیوں کا ساتھ دینے سے عقل بھی قاصر ہو جاتی ہے۔
"ہر چند مہر سکوت بر زبان دانشوراں مخزن اسرار است کہ عقل از راز نقل نکند با وجود آنکہ حقیقت را ارم سازاست بل چراغ ہم از دم فروغ گیرد چوں افروزشد دم نامحرم است ... الخ"
قومی مذہب سے بے نیاز ہو کر "انسان" اور "انسانیت" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں علوم عقلی پر روحانی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مرقوم ہے۔
"و آشنائی آنست کہ آں را بینائی گویند و عالم از بیں علم و عمل نابینا است و الا آشنائی آن است کہ کار آشنایان را باعث مزید درجات خود اند و خود را آشنا خوانند نہ آشنائی کہ از فروغ خود صفائے نداشتہ باشد حالانکہ روشنائی آں ست کہ دیگر آدمیم بر محر میست کہ از اذیت دست دہد نہ کہ انسانیت را از دست دہد انسان را انسانیت و آدم را آدمیت مطلوب است و بغیر از دیں خصلتے انسانیت بہ نسبت حیوان را شریف از و باید دانست معذور یست۔"
اصل متن ان سوالات و جوابات پر مشتمل ہے جو لال دیال کے بارے میں سنے گئے ہیں۔
"گفتم و گفتا یعنی سوال و جواب با صواب ... طرفین و فریقین کہ قواعد فقر است مشہود بضمیر منیر صاف"

سیر تاں .... مکشوف بادر ذکر سوال و جواب :
سوال و جواب مختلف مجلسوں کے حوالوں سے دیے گئے ہیں ملاحظہ ہو۔

مجلس اوّل

گفتم کہ اوّل و آخر فقر چیست : گفتا اوّل فنا و آخر آں بقا۔ گفتم کہ سر بلندی فقر چیست : گفتا کہ سر نگنو۔ گفتم کہ خردمندی فقر چیست : گفتا کہ دل بجز دلبر ما ہیچکس نہ بندی۔ گفتم کہ توانائی فقر چیست : گفتہ ناتوانی۔ گفتم کہ ناتوان مبنی در فقر چیست : گفتا کہ خود توانائی۔ گفتم کہ روسیاہ در فقر چیست : گفتا کہ خود گفتم کہ رنگینی در فقر چیست : گفتا خدادانی۔ گفتم کہ روشنائی فقر چیست : گفتا کہ مستغرق مراقبہ حق و بہ گفتم کہ بر سر فقر چیست : گفتا کہ سایۂ خدا۔ گفتم کہ پیش فقر چیست : گفتا کہ پیش ہر کس رزق است۔ گفتم کہ ہر کس چیست : گفت کہ موت الخ۔

خط منکسست کے متن میں بے شمار چھوٹے چھوٹے سوال و جواب چھپے ہوئے ہیں جس کی گنتی کے بالاستیعاب مطالعے سے ہی ممکن ہے تاہم اس ذیل میں گوناگوں مسائل زیر بحث آتے ہیں۔
فقر، کاہلی فقر، خدمت پسیر، زہد و خوری، گوشہ نشینی، توکل، وجود، معاش، لالچ، مفلسی، شجاع مجلس آرائی، عبادت و ریاضت، جلال و جمال، ثواب و عذاب، بدعت وغیرہ وغیرہ۔

اشتباہ آخری (غالباً پانچویں) مجلس میں سود کے بارے میں ایک دلچسپ سوال اور اس کا جواب ملاح گفتم کہ قرض قرض چیست : گفتا کہ ادائے قرض۔ گفتم کہ اگر نماند : گفتا عاقبت مرض است و در پریشانی گفتم کہ گرفتن دام و گرفتن بودن بر اہل اسلام حرام است و بر مردم ہنود حلال چوں حلال شدہ گفتا کہ بر ہنو از حرام است۔ گفتم کہ چوں میگرند : گفتا کہ رواج یافتہ ایں ہمہ از بے خبری است گفتم کہ رواج از گفتا کہ در ملت خود بہر عذاب مکافات خیرات و عبادات است و ریاضات گفتہ اند کہ از و زاہل قرض کہ غیر آزادی مالک نجات عاقبت نیست و سود چوں حرام محض است بجہت تاکید ادائے اس معین بر آں بمقد و رنگاہ دار ند و الحال عالم در غفلت شعار خود ہا ساختہ در روزگار قرار دادہ "۔ اور بس یہ مخطوطہ ختم ہوجاتا ہے۔

نوٹ : مذکورہ بالا مخطوطہ ایک مجموعہ میں مجلد کیا گیا۔ دیگر مشتملات کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ تینوں کے کاتب مختلف ہیں
۱۔ فصوص الحکم ۲۔ رسالہ حق نما ۳۔ نسخہ وجود العاشقین۔

ز ذکی الحق
پٹنہ

طرب المجالس

ایک تعارف

> احمد منزوی کی فہرست مشترک کے مطابق یہ مخطوطہ طبع ہو چکا ہے
> تاہم اسکی اہمیت کے پیش نظر یہ مقالہ شائع کیا جارہا ہے ۔

"قرآن کریم میں صوفی کا اسم کہیں نہیں آیا ہے۔ اس اسم کو ترک کر کے اس کے لیے لفظ مقرب استعمال اگیا ہے معلوم ہونا چاہیئے کہ مقرب کے لیے لفظ صوفی بلاد اسلامیہ شرقی و غربی میں کہیں استعمال نہیں ہوتا بلکہ صرف رسمی یوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی جس نے صوفی کا لباس پہن لیا وہ صوفی کہلانے لگا۔ بہت سے مقربین حضرات ادعرب، ترکستان اور ماوراءالنہر میں اس وقت موجود ہیں۔ اور وہ صوفیا کے نام سے مشہور نہیں ہیں کیونکہ وہ رسمی وفی کا لباس نہیں پہنتے . . . پس یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ صوفیا سے ہماری مراد حضرات مقربین الہٰی ہیں[1]۔"

حضرات! مذکورہ چند جملے جو پیش کیے گئے وہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی (ولادت ۵۴۱ھ، وفات ۶۳۲ھ) کی تصنیف "عوارف المعارف" سے ماخوذ ہیں۔ نفس مطلب بہت ہی واضح ہے، ان پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اس مقالے کی ابتدا مذکورہ جملوں سے کی گئی ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ صوفیا اور مقربین الہٰی کی نسبت واضح ہو جائے۔ اسلامی معاشرے میں لفظ "تصوف" "قربت الہٰی" یا مقربین الہٰی کی نسبت کے سبب تقدس کا حامل رہا ہے۔ ایسی کل تصانیف جن کا تعلق تصوف کی پاکیزہ اور اصلاح نفس کی عمدہ تعلیمات سے ہے۔ ہمارے قابل فخر ورثے ہیں۔ ہمیں اس ورثے کی قدر کرنی چاہیئے۔ تصوف سیمینار کی غرض اسی اعتراف قدر اور احساس تقدس کا اظہار ہے۔ راقم الحروف کے ذاتی ذخیرہ کتب میں تصوف سے منسلک ایک مخطوطہ "طرب المجالس" مکتوبہ ۸۹۶ھ ہے۔ اس قلمی نسخہ کی اہم خصوصیات پیش خدمت ہیں۔ "طرب المجالس" کے مصنف کا نام میر حسینی سادات ہے۔ ان کا سال ولادت ۶۰۰ھ[2] اور سال وفات ۷۱۷، ۷۱۸/۷۱۹ھ[3] ہے۔ "گنجینہ سہروردی" میں

---

[1] "عوارف المعارف" از حضرت شہاب الدین سہروردی، صفحہ ۱۵۶، ۱۵۷، ترجمہ اردو۔ ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ [2] گنجینہ سہروردی مطبوعہ ۱۳۰۷ھ صفحہ ۸۹ [3] ایضاً صفحہ ۹۰۔

ولادت اور وفات کے قطعات تاریخ درج ہیں، اور حاشیہ پر مختصر احوال بھی پیش ہوئے ہیں!

"نام وے حسن بن سید عالم بن ابی الحسن و اصلش از گردیز است و از علمائے وقت بود، و ارادت بخدمت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی داشت، شاعر اجل است کتاب کنز الرموز و زاد المسافرین و نزہت الارواح، و روح الارواح و صراط مستقیم و دیوان حسینی منظوم و کتاب گلشن راز از تصانیف وے است۔ بعد تکمیل در ہرات مامور شد و مزارش در ہرات است۔"

سیکڑوں سال قبل کے اکثر فقہائے دین، علمائے عظام اور شعرائے کرام کے اصل نام، جائے ولادت، سنہ ولادت اور سال وفات کے بارے میں مختلف روایات اور متضاد بیانات نقل ہوتے رہے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ القاب کو نام کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ میر حسینی سادات کے سلسلے میں بھی اس طرح کے اختلافات ملتے ہیں۔ تحقیق کے مرد میداں اس طرح کی اختلافی گتھیوں کو سلجھانے کے اہل ہیں۔ آج کی اس صحبت میں حضرت میر حسینی سادات کی طرف ایک تصنیف "طرب المجالس" مکتوبہ ۸۹۶ھ کے مندرجات کی نشاندہی منظور ہے۔ پیش نظر نسخہ کی عبارت خاتمہ اس طرح ہے:

"فرغ من تحریر ہذا الکتاب بہاء الدین بن مرشد بن محمد درویش فی شہر رجب المرجب ۹۶"

کتاب زیر نظر کے آخری صفحہ کے حصہ زیریں (بجانب دست راست) کے ایک گوشہ پر شاہجہاں بادشاہ کی مہر ہے اور اس کے قریب ہی ۲ نادر عرض دیدہ تحریر ہے۔ (عرض دیدہ ۹ محرم سنہ ہشتم ربیع الاول سنہ ۹ ذی قعدہ) صفحات کی جملہ تعداد ۲۲۸ ہے۔ یعنی ۱۱۴ اوراق ہیں۔ ہر صفحہ پر ۱۴ سطریں درج ہیں۔ تقطیع خرد، قلم سطلا، و مذہب ہے۔

"طرب المجالس" یعنی پیش نظر نسخہ کا صفحہ اول و دوم مطلا ہے۔ ان دونوں صفحات پر صرف ۸ سطریں تحریر ہوئی ہیں۔ مذکورہ دو صفحات کے باقی ماندہ حصے نقش و نگار سے مزین ہیں اور جو مطلا ہیں کے پہلے دو صفحات کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد و ثنائی مر خلاق جل جلالہ، و عم نوالہ، آں صانعی کہ ذرۂ خاک کثیف را از حضیض مرکز جہل طبیعت بہ نظر لطف دائرہ نقطہ علم گردانید آں مبدعے کہ قطرۂ آب ضعیف را در قعر دریائے ظلمت بشریت بنور رحمت صدف، در معرفت ساخت جسم سقیم حیوانی مزاج را از دار الشفا کرم بواسطہ عقل صحیح مرتبہ انسانی بخشید نفس خسیس شیطانی صفا

ازکار خانہ فضل بمدد روح قدس مسرت ملکی ازلی داشت صحیفہ دل را کہ دفتر آیات..... یہ

"طرب المجالس" کے مرکزی موضوع کی طرف میر حسینی سادات کا یہ اشارہ قابل توجہ ہے:

"بتوفیق حق فصلے چند در بیان آمد کہ شرف انسان بر جمیع حیوانات معین و مقرر شود، از روے تحقیق نہ از روے تقلید ارباب خرد را معلوم گردد کہ مردم بمجرد صورت از حقیقت انسانی نصیب نیابند، آن بہ تبدیل اخلاق و اوصاف و اصل و فرع آنرا روش اصناف خلق نسبت داده اند تا در حقیقت و مجاز این معانی ہیچ دقیقہ مہمل نماند۔"

میر حسینی سادات، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور ان کے ارشد خلفا میں تھے۔ وہ سلسلہ سہروردیہ کے مسلک تھے۔ حضرت زکریا ملتانی شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ میر حسینی سادات خود بھی بلند مرتبہ شخصیت کے مالک تھے ڈاکٹر فروغ حکمت نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"میر ہرات یکے از گرانمایہ ترین حکیمان و عارفان و ادیبان پارسی زبان ایران است.....

..... بر پیشوایان و پیران خام دین ظاہر خردہ گرفت و نکوہش و ملامت نمود، در مذمت "علماے مجازی و فقراے صوری" در کتاب طرب المجالس کہ گران ترین نامہ عالی او در حکمت و دانش و خردمندی و روانی، و فضائل آدمی در از رہائی آفرینش جہان، و ہم چنین سرزنش و نکوہش برادضاع اجتماعی و سیاسی زمان است........ میر مخصوصاً در کتاب طرب المجالس در سخن از اصول اخلاق و ملکات پسندیدۂ انسانی، در چند فصل خاص، بنکوہش سران طبقات اجتماع، از امیران و عاملان و زاہدان و واعظان می پردازد، و آشکارا نیک و بد خوئی و کردار ایشان را خردہ ہائے گران می گیرد، .... سربسر سخنانش با آیات قرآنی و اخبار و احادیث، اما بر موازین اندیشہ ہاے خردمندی حکیمان کہن ایران، و یونان، و نو افلاطونیان و خداوندان دانشہائے عقلائے اسلامی مستدل است۔"[1]

"طرب المجالس" پند و نصیحت، اور اخلاقیات کے موضوع پر ایک عمدہ کتاب ہے۔ فارسی زبان میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن انشا اور انداز پیشکش کے اعتبار سے سعدی شیرازی کی گلستان و بوستان کے ہم پلہ ہے، سعدی شیرازی اور میر حسینی سادات دونوں طریقت سہروردیہ سے وابستہ تھے۔ سعدی شیرازی

[1] رہنمائے کتاب جلد ہفتم سال ۶۵-۱۹۶۴ء تہران، ایران

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کیا اور آدمی کو انسان بنانے کی فکر میں اپنی پوری زندگی صرف کی۔ میر حسینی سادات نے بھی "طرب المجالس" کے اندر "مردم کامل" کا بلند مرتبہ حاصل کرنے کیلئے تبدیل اخلاق کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا ہے۔ اس تصنیف کی مختلف فصلوں میں درج ذیل عنوانات سے بحث کی ہے۔ آغاز و آفرینش عالم، حقیقت دنیا، صفت دنیا مذمت و فضیحت اہل دنیا، آفرینش ابلیس، احوال ابلیس، آفرینش انبیا، آفرینش علمائے شریعت، آفرینش مشائخ طریقت در صفت علمائے مجازی در صفت فقرائے صوری، در صفت مذکران حقیقی در آفرینش امرا در قوت امارت، در بیان امرائے عادل، در صفت عوام الناس، در صفت زمان، در شرف فضیلت انسان جمیع حیوانات، اسی سلسلے میں چند دلچسپ ذیلی عنوانات قابل ذکر ہیں۔ مثلاً مناظرہ شیر با حکیم حجاز، مناظرہ مور با حکیم شام، مناظرہ روباہ با حکیم ترک، در مناظرہ عنکبوت با حکیم روم، مناظرہ طاؤس با حکیم ہند، مناظرہ ہمامی با حکیم خراساں، اس میں اخلاقیات کے موضوعات جدا جدا زیر بحث آئے ہیں۔ مثلاً علم، حلم، حیا، جود، عفو، صدق، عدل، شفقت، تواضع اس طرح اوصاف ذمیمہ سے بھی بحث ملتی ہے۔ مثلاً ہوا، عجب، کبر، حسد، بغض، حرص، بخل، اسراف، ریا، طمع، وغیرہ۔

آدمی کو انسان بنانے کے سلسلے میں اہل تصوف نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ایک حقیقت اور ان سے انکار ممکن نہیں۔

"طرب المجالس" کے موضوعات و عنوانات کی نشاندہی کے بعد آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ طرب المجالس کے دیگر نسخے کہاں کہاں دستیاب ہیں۔ میرے محدود علم میں اس اہم کتاب کے دیگر نسخے درج ذیل ہیں۔

(۱) ایک نسخہ لافیر وز لائبریری میں ہے۔ اس کا سال کتابت ۱۲۰۷ھ ہے۔

(۲) دوسرا نسخہ کتب خانہ انڈیا آفس میں ہے۔ اس نسخہ میں سال کتابت شاید نہیں ہے

(۳) تیسرا نسخہ برلن میں ہے، اس کا سال کتابت ۸۲۰ھ ہے۔

(۴) چوتھا نسخہ مصر کے کتاب خانہ الخدیویہ میں ہے۔

(۵) پانچواں نسخہ کتاب خانہ مجلس شورای ملی میں ہے۔

(۶) منتخاب فارسی از طرب المجالس تالیف منشی یوسف علی ہے۔ یہ مطبوعہ ہے او

ع ہوئی، سال طباعت ۱۸۶۴ء ہے۔
اہل علم و فن جمع ہیں، ان سے گذارش ہے کہ اگر "طرب المجالس" مطبع نہیں ہوئی ہے تو خاکسار کو اس کی
ع پہنچا ہیں، شکر گذار رہوں گا۔ مضمون کی طوالت کے خیال سے میر حسینی سادات کی دیگر تصانیف کا ذکر نہیں
یا ہے۔ میرا مقصد صرف "طرب المجالس" کے سلسلے کی معلومات فراہم کرنا تھا۔ اور اس سلسلے کی معلومات
ما کرنا بھی خاکسار کا ایک مقصد تھا۔ امید ہے کہ اہل علم اور اہل بصیرت حضرات میری رہنمائی فرمائیں گے۔
یں یہ عرض کر دوں کہ "طرب المجالس" کے مذکورہ ۶ نسخوں کی اطلاع مجھے کتب خانہ خدا بخش کی
لف فہرستوں سے حاصل ہوئی ہے۔

●●

پروفیسر سید حسن
پٹنہ

رسالہ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری

آج سے تقریباً تیس سال پہلے صوفیانہ لٹریچر کی کئی کتابیں ایران میں شائع ہوئیں، اور ان کی طباعت و اشاعت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی، اس رجحان کو دیکھ کر اہلِ علم حضرات کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا اگر کہیں یہ رجعت پسندانہ رجحان نہ ہو اور لوگوں میں خانقاہی زندگی کا میلان نہ پرورش پانے لگے، اسی اندیشے کے تحت ایران کے ایک موقر رسالے (رہنمائے کتاب) نے پانچ برس بعد ایک سوال شائع کیا وہ یہ کہ متونِ صوفیانہ کی طباعت و اشاعت اور ان کا مطالعہ مضر ہے یا مفید، رسالے نے اپنے قارئین کو اس مسئلے پر اظہار رائے کی دعوت دی، چنانچہ ایران کے کئی نامور ادیبوں اور دانشوروں نے اس بحث میں حصہ لیا اور ان میں سے اکثر نے رائے ظاہر کی کہ بعض اعتبار سے صوفیانہ لٹریچر کی اشاعت مفید ہے کیوں کہ ادبیات متصوفہ سے نہ صرف اخلاق حسنہ کی تعلیم و تبلیغ ہوتی ہے بلکہ ادبیات فارسی کی تاریخ میں بھی ان کی خاص اہمیت ہے۔

یہ تمہید میں نے اس لیے قلم بند کی ہے کہ اس کے پیش نظر اس وقت صوفی ادب کے اہم مخطوطات کو متعارف کرنے کی خاطر جو سیمینار ہو رہا ہے وہ یقینی فائدہ مند ثابت ہوگا اور ہم سیمینار کا منصوبہ تیار کرنے اور اس کی تنظیم کرنے والوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب، میرا یہ مختصر سا مقالہ جس کی طرف سامعین کرام کی توجہ منعطف کر رہا ہوں ایک مختصر سے رسالے سے متعلق ہے یہ رسالہ ہرات کے مشہور عارف اور معروف صوفی حضرت خواجہ عبداللہ انصاری سے متعلق ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری شافعی مسلک کے پیرو تھے اور ہرات میں انھوں نے اپنے مریدوں کا ایک بڑا حلقہ بنا لیا تھا جن کو وہ روزانہ صوفیانہ عقاید کا درس دیا کرتے تھے، حضرت انصاری آٹھویں صدی ہجری کے سر برآوردہ عارف باللہ تھے، ان کا مزار مبارک ہرات میں واقع ہے، یہ شہر تیمور صاحبقران کے بیٹے شاہرخ مرزا کے زمانے میں علم و ادب کا مشہور مرکز تھا اور اس سے علاقۂ صحبت و ملازمت میں مشاہیر شعرا، ادبا اور اہل علم و ہنر اکٹھا تھے۔ ہرات پہلے مملکت ایران میں شامل تھا لیکن اب وہ مملکت افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے جو ملک کے مشرقی سرحد پر واقع ہے۔ سنہ ۱۹۷۶ء کے اپریل مہینے میں حکومت افغانستان نے حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ کے سال ولادت کا جشن منایا اور اس موقع پر بیرون افغانستان کے دانشوروں کو شرکت کے لیے دعوت دی، ہندوستان کے انڈین کاؤنسل فور کلچرل ریلیشنز نے مجھے بھی نمائندۂ ملک بنا کر شرکت کے لیے بھیجا تھا، چنانچہ میں نے اس سیمینار میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور مہمانوں کو جب ہرات لے جایا گیا تو

بھی ان کے ساتھ ہرات گیا اور وہاں حضرت خواجہ پیر انصار اور ان کے جانشیں بزرگوں کے مقبروں کی زیارت کی اور ان پر فاتحہ پڑھا۔ واپس آنے پر حضرت خواجہ کے متعلق میں نے ایک مبسوط مضمون لکھا تھا جو اعظم گڑھ کے رسالہ معارف کے دو شماروں میں (ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء) شایع ہوا ہے لہٰذا اس مضمون کو طول نہ دینے کی خاطر میں ارباب سیمنار کو اس مضمون کے مطالعے کی طرف بشرطیکہ وہ اس سے دلچسپی رکھتے ہوں توجہ مبذول کراتا ہوں جو مقالہ اس وقت آپ کے زیر سماعت ہے وہ بہت ہی مختصر ہے کیوں کہ حضرت پیر انصار کے ایک مختصر رسالے کے متعلق تحریر ہوا ہے۔ یہ رسالہ کتابخانہ خدا بخش پٹنہ کی ملکیت ہے اس نسخے کا ACC NO 305-8 ہے اس میں ۱۳ صفحات ہیں اور ہر صفحہ ۱۳ سطروں پر مشتمل ہے تقطیع چھوٹی ہے کاغذ اور انداز تحریر سے شکستہ خط میں ہے بات واضح ہوتی ہے کہ یہ مخطوطہ ستر ھویں صدی میں استنساخ ہوا ہے' افسوس یہ کہ اگرچہ اس میں ایک ترقیمہ آخر میں موجود ہے لیکن اس میں تاریخ کتابت تحریر نہیں ہوئی ہے۔ ترقیمہ کا مضمون یہ ہے۔ تمام شد رسالہ عبداللہ انصاری بتقلم (ناخوانده) میر قاضی میاں صاحب خداوند نعمت فیاض دوراں فیض رسان عالیان میر نجیب اللہ خاں صاحب دام اقبالہ و افضالہ ...... مرقوم بخط خام شکستگی ...... (ناخوانده) تمام یافت۔

می نویسم آں چہ دیدم درکتاب عاقبت اللہ عالم بالصواب

میں نے اس رسالہ کو ارباب نظر اور اہل علم کے سامنے اس لیے متعارف کرنے کی جسارت کی کہ اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ یوں تو پیر انصار متعدد رسالوں کے مولف ہیں' ان کی مشہور تصانیف میں "منازل السائرین" ایک مشہور صوفیانہ تالیف ہے' اور ایک اہم کتاب "طبقات صوفیہ" ہے جو ہروی لہجے میں لکھی گئی ہے اور جسے حضرت نے املا کرایا تھا' اس کتاب کو حضرت جامی نے فارسی میں ترجمہ و ترمیم کر کے مرتب کیا اور اس کا نام نفحات الانس رکھا۔ حضرت خواجہ کی ایک خاص مشہور مقبول "مناجات" تالیف ہے کابل میں جشن ولادت کے موقع پر خواجہ کی بعض تالیفات طبع کر کے ان کی کاپیاں مہمانوں میں تقسیم کی گئیں' چنانچہ مناجات خواجہ کا بھی ایک مختصر ایڈیشن شایع کیا گیا تھا' خدا بخش لائبریری میں بھی چند وصلیوں میں خواجہؒ کی مناجات خوب صورت خط میں مرقوم ہیں' لیکن جو مناجات زیر نظر رسالے میں موجود ہیں وہ نہ تو کابل کے مطبوعہ رسالے میں درج ہیں اور نہ وصلیوں پر مرقوم ہیں اس لحاظ سے میں نے اس رسالے کو اپنے مقالے کے لیے منتخب کیا ہے

حضرت خواجہ انصار ہروی کی مناجات نہ صرف یہ کہ روحانی و عرفانی کیفیت کی حامل ہے' ان میں جو الحاح و زاری کا انداز ہے ان کی دل انگیزی و اثر آفرینی ناقابل تقلید ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کے اعماق قلب سے نکلی ہوئی صدا ہے جو آفریدگار کی درگاہ میں لگائی گئی ہے اس روحانی و عرفانی خصوصیت کے علاوہ مناجات کی ادبی اہمیت بھی ہے' چھوٹے چھوٹے جملے' ہم آہنگ ٹکڑے اور موزوں الفاظ سے پڑھنے اور سننے والوں کا دل بے اختیار کھنچا چلا جاتا ہے۔

مخطوطہ زیر نظر کے شروع میں سات اشعار ہیں جو ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں

ای ز دردت بیدلان را بوی درمان آمده یاد تو مر عاشقان را مونس جان آمده

صد ہزاران ہمچو موسیٰ مست در ہر گوشۂ رب ارنی گو شدہ دیدار خوبان آمدہ
سینہ ہا بینم زسوز ہجر تو بریان شدہ دیدہ ہا بینم ز درد عشق گریان آمدہ
عاشقانت نعرۂ الفقر فخری می زنند بر سر کوی ملامت پای کوبان آمدہ
صد ہزاران عاشقان سرگشتۂ بیم و امید در بیابان محبت اللہ گویان آمدہ
پیر انصار از شراب شوق خوردہ جرعہ ای ہمچو مجنون گرد عالم مست و حیران آمدہ

ان اشعار کے بعد نثر کا حصہ شروع ہوتا ہے نمونہ تحریر ملاحظہ ہو:

۴۳ ای کریمی کہ بخشیدہ عطایی و ای حکیمی کہ پوشیدہ خطائی و ای صمدی کہ از ادراک ما جدائی و احدی کہ در ذات وصفات بی ہمتائی و ای خالقی کہ راہ نمائی و ای قادری کہ خدائی را سزائی کہ جان ما را روشنائی خود دہ و چشم ما را بینائی خود دہ و دل ما را صفا
تحریر کا ہر جگہ یہی انداز ہے۔ اکثر مقامات پر رباعیاں نقل کی گئی ہیں۔ ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

یارب دل ما را از رحمت جان دہ دردی ہمہ را بصابری درمان دہ
این بندہ چہ داند ہر چہ می باید خواست دانندہ توئی ہر آنچہ خواہی آن دہ

ایک دعا ملاحظہ ہو۔

۴۴ الٰہی عذر ما بپذیر بر عیب ما منگر، الٰہی عمر خود را برباد کردم ۴۵ اس کے بعد رباعی ذیل۔

پیوستہ دلم دم رضای تو زند جان در تن ہر نفس برای تو زند
بر سر خاک ما گیاہی روید ہر برگ بوی وفای تو زند

ایک مقام پر یہ رباعی نقل ہوئی جو خیام سے منسوب ہے۔

من بندہ عاصیم رضای تو کجاست تاریک دلم نور صفای تو کجاست
من بد کردہ ام تو بد مکافات دہی آن مزد بود لطف و عطای تو کجاست

میری رائے ہے کہ اگر مناجات خواجہ کا کوئی مکمل ایڈیشن شایع ہو تو اس مذکورہ بالا رسالے مشتملات کو بھی [illegible]
کیا جائے۔

از سید شمیم منعمی
خانقاہ منعمیہ قمریہ
پٹنہ سٹی، پٹنہ

الہامات منعمی

الہامات منعمی زبان فارسی میں ۱۰۰ الہامات پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ موضوع تصوف ہے۔ وجہ تصنیف بزبان مصنف۔

"اکثر اوقات کہ جذبات الوہیت بر انیت من غالب می آمد از خود بیخود می شدم و در جلوۂ فیض خلوت می یافتم از افاضۂ روح القدس بقدر استعداد من تلمیذ الرحمٰن واردات علم لدنی رحمانی بر دلم می شد و در سینۂ مخزینہ می ساختم بر صفینہ آوردم و بالہامات منعمی موسوم کردم۔ تا یادگار بر صفحۂ روزگار باشد از حضرت مجیب الدعوات و سامعین آں کلمات امید قبول دارم"۔

مصنف نے سنہ تصنیف کے لیے قطعہ تاریخ بھی کہا ہے ؎

انشا ر کلام دل کہ از فیض صمد — با فضل محمدی شدہ مستند
از در گہہ فیاض خداوند احد — الہام الغیب یافت تاریخ خرد

الہام الغیب سے سنہ تصنیف ۱۱۲۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

اب تک میرے علم میں الہامات منعمی کے چھ نسخے ہیں۔[1] تین نسخے خدا بخش لائبریری میں ہیں، ایک نسخہ خانقاہ قادریہ اسلام پور میں ہے، ایک نسخہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہے اور ایک نسخہ خانقاہ منعمیہ قمریہ آستانہ حضرت مخدوم منعم پاکؒ میتن گھاٹ میں ہے۔

خدا بخش لائبریری کے تین نسخوں میں ایک نسخہ خوش خط نستعلیق میں ہے۔ اس نسخہ کو میں اپنے مقالہ میں نسخہ اول سے تعبیر کروں گا۔ نسخہ اول میں حاشیہ سونے کے پانی سے بنایا گیا ہے۔ الہام کی ذیلی سرخیاں بھی سنہرے حروف میں ہیں بہ نسبت دیگر نسخوں کے نسخہ اول زیادہ صحیح اور واضح ہے۔ پورے نسخے میں نہ کہیں پر کاتب نے اپنا نام دیا ہے اور نہ سنہ کتابت اور نہ ہی کاتب نے مصنف رسالہ موصوف پر کوئی روشنی ڈالی ہے۔ بقول خدا بخش خان صاحب:

---

[1] مقالہ کی تیاری کے بعد طبع شدہ فہرست کے ذریعہ تین (۳) اور نسخوں کا علم ہوا۔ پہلا نسخہ نیشنل لائبریری میں، دوسرا نسخہ آصفیہ میں اور تیسرا نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔

"گمان قوی است کہ بخط شاہ عزالدین خوشنویس است کہ یکی از مسترشدان حضرت منعم پاک قدس اللہ سرہ العزیز بودند"
لیکن حضرت منعم پاکؒ اور ان کے مسترشدین میں تلاش بسیار کے باوجود ابھی تک شاہ عزالدین کا نام کہیں نہیں ملا ہے۔ مشائخین سلسلۂ منعمیہ میں ایک نام حضرت سید شاہ عزالدین حسین کا ملتا ہے۔ ان بزرگ کی کئی نقل کردہ کتابیں خانقاہ میتن گھاٹ میں موجود ہیں۔ ممکن ہے نام کے لکھنے میں تسامح ہوا ہو۔

لیکن محمد علی خاں انصاری نے اپنی تصنیف "تالیف محمدی" میں ایک شاہ اعزالدین فیض رقم قدس سرہٗ کا تذکرہ کیا ہے۔ جو محمد اشرف کے بیٹے تھے۔ اور ان کو بیعت شاہ ناصر نقشبندیؒ سے تھی۔ ان کی خوشخطی کی صاحب تالیف محمدی نے کافی تعریف بھی کی ہے۔ ان کا زمانہ بارھویں صدی ہجری تھا لیکن ان کا کوئی ارادتی تعلق مخدوم منعم پاکؒ سے بھی تھا اس کی کوئی سند نہیں ملتی ہے۔

نسخۂ اول کے ابتدا میں ایک سادہ صفحہ کے درمیان میں ایک قدیم کاغذ کا ٹکڑا چسپاں ہے جس پر نوشتہ عبارت خط شکستہ میں ہے اور پوری کتاب کے خط سے مختلف ہے۔ عبارت یہ ہے:

" اشارات چند بعبارات سودمند آوردہ شد از صاحب بعرفان اولوالابصار چشم اصلاح دارم۔ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند + آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ"

اس عبارت کے بارے میں خدابخش خاں صاحب "محبوب الالباب" میں لکھتے ہیں کہ:

"بر ورق اول این نسخہ عبارتی است بخط شکست پر زور از قلم حضرت مصنف"

کتب خانہ خدابخش میں جو دو اور نسخے ہیں ان میں عبارت مذکورہ نہیں ہے۔ پھلواری شریف اور خانقاہ منعمیہ کے نسخوں میں بھی یہ عبارت نہیں ہے۔ لیکن خانقاہ اسلام پور کے نسخہ کے شروع میں یہ عبارت موجود ہے۔

خانقاہ اسلام پور کا نسخہ مکمل ہے لیکن الہامات کے شمار میں نسخۂ اول کے پہلے الہام کو مقدمہ میں شامل کر دیا ہے جس کی وجہ کر ۹۹ الہام ہوتے ہیں۔ اس نسخہ پر بھی نہ تو کاتب نے اپنا نام لکھا ہے اور نہ سنہ کتابت۔ شاہ عبدالقادر صاحب سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور مصنف انوار ولایت کے زمانہ میں جب خانقاہ کے کتب خانہ کو از سر نو ترتیب دیا گیا تو ہر مخطوطہ پر کتب خانہ کی مہر لگائی گئی۔ اس مہر میں بھی کاتب اور سنہ کتابت کا خانہ خالی ہے۔ ہاں مصنف کے خانہ میں حضرت مخدوم منعم پاکؒ لکھا ہے۔ یہ نسخہ تقریب ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں ۹ سطریں ہیں۔

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا نسخہ چھوٹے سائز کے ۱۷۱ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں گیارہ سطور ہیں۔ یہ الہامات منعمی کے ساتھ اسی مصنف کے دو اور رسالے ایک ہی کاتب کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ یہ بالترتیب الہامات منعمی کا

نسخی اور تشاہدات منعمی ہیں۔ مکاشفات کے اخیر اور مشاہدات کے شروع میں دو دو مہریں ہیں۔ پہلی مہر جو شاید دوسری سے قبل کی ہے بالکل غیر واضح ہے، یا غیر واضح کر دی گئی ہے۔ لیکن دوسری مہر بہت صاف ہے اور پہلی مہر سے بڑی ہے۔ اس میں "محمد وصی احمد نعمتی پھلواروی (فلواروی)" کندہ ہے۔ ہر رسالے کے مادہ تاریخ تصنیف کو حاشیہ میں مع سنہ تصنیف کے لکھا گیا ہے اور اس کے اوپر تینوں رسالہ میں یہ لکھا ہوا ہے:

"سنہ انتقال حضرت شاہ محمد منعم ۱۱۸۵ھ"

مکاشفات کے اختتام میں یعنی اختتام جلد میں یہ عبارت نوشتہ ہے:

"این جلد رسالہ ثلثہ الھامات و مشاہدات و مکاشفات منعمی بوجہ الارشاد بملک نقیرات بحضور پر نور اقدس مرشدی و مولائی حضرت سیدنا و مولانا شاہ محمد علی حبیب صاحب مدظلہ العالی نذر گردانیدم گر قبول افتد زہے عز و شرف التحریر بتاریخ پنجشنبہ ہفتم ماہ مبارک رمضان ۱۲۹۰ھ"

لیکن یہ نسخہ بھی کاتب کے نام اور سنہ کتابت سے محروم ہے۔ لیکن اس کے اوراق اس کی قدامت کے شاہد ہیں۔ الھامات منعمی کا پہلا ورق پوری کتاب سے مختلف حرف میں ہے اور اس کا کاغذ بھی دوسرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ پہلا صفحہ ضائع ہو گیا ہو تو بعد میں کسی دوسرے نے اس کو مکمل کیا ہو۔ اس نسخہ میں وہ تمام الھام موجود ہیں جو نسخہ اول خدا بخش خانہ میں موجود ہیں یعنی یہ بھی مکمل نسخہ ہے۔

میتن گھاٹ خانقاہ منعمیہ قمریہ کا نسخہ عمدہ کاغذ پر خوش خط نستعلیق میں ہے، نسخہ اول خدا بخش، پھلواری شریف اور اسلام پور کے نسخوں میں الھامات منعمی کے خاتمہ کے بعد ایک مختصر سا مضمون ہے۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ یہ بھی الھامات ہی کا جز رہا ہے) جسے میتن گھاٹ کے نسخہ میں لکھنا ضرور شروع کیا گیا ہے لیکن اختتام سے تقریباً ۲۷ سطور قبل ہی لکھنا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس نسخہ میں بھی نہ تو کاتب کا نام ہے اور نہ سنہ کتابت۔ لیکن ایک بات جو بڑی توجہ طلب ہے وہ یہ کہ خدا بخش لائبریری میں الھامات منعمی کا جو دوسرا نسخہ ہے اس کا خط اور خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ کے نسخہ کا خط بالکل ایک ہے یہاں تک کہ سطریں، کاغذ اور روشنائی بھی بالکل یکساں ہے، اور یہی نہیں بلکہ دونوں نسخوں میں الھامات کے بعد والا مضمون تقریباً ۲۷ سطروں کے لیے نامکمل ہے۔ میتن گھاٹ خانقاہ منعمیہ کی خاندانی روایت کے مطابق یہ اعلیٰ حضرت سید شاہ قمر الدین حسین منعمی برکاتی رو کے صاحبزادے حضرت سید شاہ مبارک حسین قمری منعمی خواہش عظیم آبادیؒ کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے اس کی تصدیق خانقاہ موصوفہ میں کاتب موصوف کی نوشتہ دوسری کتابوں کے خط کے موازنہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ اس نسخہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جیسا کہ دوسرے تمام نسخوں میں الھام کے شروع ہونے پر الھام لکھا گیا ہے۔ لیکن اس

نسخہ میں ہر الہام کے شروع میں الہام کی ذیلی سرخی نہیں لکھی گئی ہے صرف ہر الہام کے شروع میں ہلکا سا خلا ہے۔ شاید اس خلا میں سرخ روشنائی سے الہام لکھنے کا ارادہ رہا ہو جو کسی وجہ سے پورا نہ ہو سکا واللہ اعلم۔

خدا بخش لائبریری میں الہامات منعمی کا جو تیسرا نسخہ ہے اس کے ساتھ دو اور رسالے ہیں، حضرت سیدنا امیر ابوالعلی نقشبندیؒ کا رسالہ فنا و بقا اور رقعہ یا مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری فردوسیؒ تینوں رسالے ایک ہی کاتب کے حرف میں ہیں۔ لیکن دیگر نسخوں کی طرح اس میں بھی نہ تو کاتب کا نام ہے اور نہ سنہ کتابت لیکن اختتام رسائل کے بعد دو صفحات میں شجرہ لکھا گیا ہے پہلے صفحے میں سیدنا امیر ابوالعلی الحسہ براسطہ مخدوم منعم پاکؒ حضرت شاہ یحییٰ علی نوآبادی خلیفۂ مخدوم شاہ حسن علی منعمی تک کا شجرہ غلط ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ دوسرے صفحے میں مخدوم منعم پاک، مخدوم حسن علی منعمی اور شاہ یحییٰ علی کے خلفاء کے اسمائے گرامی ہیں ان دونوں صفحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب کا ارادتی تعلق حضرت شاہ یحییٰ علی منعمیؒ سے تھا۔ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آگے بھی صفحات رہے ہوں گے جو امتداد زمانہ کی نذر ہو گئے کیوں کہ اخیر جملہ یہ ہے:

"حضرت شاہ قمر الدین داناپوری اگرچہ بیعت نداشتند مگر روزے چند در حلقہ حضرت شاہ یحییٰ علی ورزاں بعد لیس از ....."

اس نسخہ میں ۹۲ الہام ہیں، یہ کاتب کا اپنا نمبر شمار ہے۔ نمبر ۹۲ الہام بھی نصف کے قریب نقل کیا گیا ہے۔ یہ نمبر ۹۲ الہام نسخہ اوّل خدا بخش کا الہام نمبر ۹۹ ہے۔ یہ نسخہ یہیں تک ہے۔ یعنی اس کے آگے یا تو لکھنا چھوڑ دیا گیا ہے یا صفحات ضائع ہو گئے ہیں۔

الہامات منعمی میں الہامات کے سلسلہ کے شروع ہونے سے پہلے ایک مختصر خطبہ یا مقدمہ ہے جو اس طرح ہوتا ہے:

"الحمد لمن اصطفیٰ انبیاء علی سائر المسلمین بالعلم علم الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ وتابعیہ اجمعین"

اب تک تحقیق شدہ تمام نسخوں میں یہ عبارت اور پورا خطبہ بلا کم و کاست موجود ہے۔ لیکن خدا بخش خاں نے اپنی کتاب "محبوب الالباب فی تعریف کتب الکتاب" میں اس عبارت کو مندرجہ ذیل فرق یا اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"الحمد لمن السماء حمد لمن اصطفیٰ علی سائر المسلمین بالعلم علم الاولین والآخرین"..... الخ

خدا بخش لائبریری کے نسخہ اوّل کے مطابق پہلا الہام قطعہ تاریخ کے بعد سے شروع ہوتا ہے یعنی "یا رب افضل لما انت اہلہ ولا تفعل بنا ما نحن اہلہ"۔ خدا بخش لائبریری کے نسخہ سوم میں اسے مقدمہ کے ساتھ

کر دیا گیا ہے۔ جبکہ خانقاہ مجیبیہ کے نسخہ میں اسے الہام مناجات کی سرخی دی گئی ہے۔

خدابخش کے نسخہ نقل اور پھلواری کے نسخے کے الہام نمبر ۱۰ کو بھی نسخہ سوم میں نمبر ۵ کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

پھلواری اور خدابخش لائبریری کے نسخہ اول میں تیسرا الہام "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی" سے شروع ہوتا ہے۔ خدابخش لائبریری کے نسخہ سوم میں اس الہام کو پہلا الہام شمار کیا گیا ہے۔

پانچویں الہام میں مثنوی کے کچھ اشعار ہیں، خدابخش کے نسخہ اول میں اسے صرف مثنوی لکھا گیا ہے جبکہ نسخہ سوم میں مثنوی المصنف اور نسخہ پھلواری میں اسے لمؤلفہ لکھا گیا ہے۔

نسخہ اول کا الہام نمبر ۱۷، ۲۱ اور ۴۱ پھلواری شریف کے نسخہ میں بھی علیحدہ الہام ہے جبکہ نسخہ سوم خدابخش میں الہام نمبر ۱۷ کو ۱۶ کے ساتھ الہام نمبر ۲۱ کو ۲۰ کے ساتھ اور الہام نمبر ۴۱ کو ۴۰ کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

نسخہ سوم میں الہام نمبر ۲۱ کا ایک شعر غائب ہے جبکہ یہ شعر نسخہ اول، پھلواری اور متن گھاٹ وغیرہ میں موجود ہے

نسخہ سوم میں الہام نمبر ۲۶ بالکل ہی غائب ہے۔

ان واضح تر فرقوں کے علاوہ مختلف جگہوں پر چھوٹی چھوٹی پھیر بدل دیکھنے کو ملتی ہے جو انشاء اللہ کسی تفصیلی مقالے میں تفصیل سے پیش کروں گا۔

خوشگو اپنے "سفینہ" میں، صمصام الدولہ اپنے "مآثر الامرا" میں اور نظامی بدایونی "قاموس المشاہیر" جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ الہامات منعمی منعم خاں خانخاناں کی تصنیف ہے۔ جبکہ شاہ عبدالقادر صاحب منعمی اسلام پوری "الزاد و لایت" اور "تحفات نانیہ" میں، شاہ امین احمد ثبات بہاری "فردوس المنعمی" "روضۃ النعیم" میں، مولوی حبیب اللہ عمادی "تذکرۃ الصالحین" میں، شاہ محمد کبیر ابو العلائی داناپوری "تذکرۃ الکرام" میں، خدابخش خاں صاحب "محبوب الالباب" میں، مولانا عبدالحی "نزہۃ الخواطر" میں اور شاہ حسین الدین احمد منعمی گیاوی "ابوالعلائی فیضان" میں رقمطراز ہیں کہ الہامات منعمی حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک دہلوی ثم عظیم آبادی کی تصنیف ہے۔

منعم خاں یا بروایت سراج الدین علی خاں آرزو منعم بیگ، سلطان بیگ برلاس کا بیٹا تھا۔ اس کا باپ سلطان بیگ اکبرآباد کا کوتوال تھا۔ شروع ہی سے سلطانی خدمات سے متعلق رہا کہتے ہیں کہ شروع شروع میں روح اللہ خاں میر بخشی عالمگیر کے مصاحبین میں شامل ہوا پھر بہادر شاہ محمد معظم کے دورِ شہزادگی میں ہی شہزادہ سے متعلق ہو گیا یہاں تک کہ اپنی خدمات شبانہ روز سے شہزادہ کو خوش کر دیا۔ شہزادہ نے وعدہ کر لیا کہ بہ وقت تخت نشینی اسے عہدۂ وزارت دیا جائے گا۔ چنانچہ حسب وعدہ بہادر شاہ نے تخت نشینی کے بعد عہدۂ وزارت عطا کیا۔ ۱۱۱۹ھ میں اعظم شاہ کے خلاف بہادر شاہ کی طرف سے جی جان سے لڑا یہاں تک کہ فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں منعم خاں کافی زخمی ہوا کہتے ہیں کہ آدھی رات کو بہادر شاہ کے حضور میں پہنچا تو

زخم شدید کی وجہ کر اسے غش آگیا۔ اسی مہینہ یعنی ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو اسے خانخاناں بہادر ظفر جنگ کا خطاب، سات ہزاری ذات سات ہزاری سوار اور بادشاہ کے حضور سے ایک کروڑ روپیہ نقد اور ایک کروڑ روپیہ کا ساز و سامان مرحمت ہوا۔

سلطنت تیموریہ کے آغاز سے کسی امیر کو اتنا بڑا عطیہ نہیں ملا تھا۔

تیسرے سال بہادر شاہی میں اسے نوبت بجانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ چوتھے سال بہادر شاہی میں اسے بقول اللہ لہ گرو بندا بیراگی یا بقول صاحب سیر المتاخرین گورو گوبند کے دفع شر اور گرفتاری کے لیے شہزادہ رفیع الشان کے زیر سر روانہ کیا گیا۔ اس مہم میں گرو جی کی چالاکی کے سبب منعم خان کو دھوکا ہوا، جس کی شرمندگی اور غصہ کی وجہ کر وہ بیمار ہو گیا کہتے ہیں کہ سلطان کی جانب سے مورد عتاب بھی ہوا۔ بیماری روز بروز ترقی ہی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ دماغی مادہ ڈھلنے کان کے راستے بہنے لگا اور لاھور میں اسی زمانہ ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

مخدوم شاہ محمد منعم پاکؒ صوبہ بہار کے قصبہ بچھہ ضلع مونگیر کے صوفی خاندان میں باختلاف روایت رمضان یا شعبان میں تولد ہوئے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت مخدوم شاہ شمس الدین حقانی اپنے زمانہ کے مشہور بزرگوں میں تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد قصبہ باڑھ آئے اور یہاں حضرت دیوان ابو سعید محمد جعفر بن مبارک پیر جلال قادریؒ کے حلقہ درس و ارشاد میں شامل ہو گئے۔ تکمیل علوم ظاہری کے بعد جناب جعفر قادری کے صاحبزادے حضرت دیوان سید خلیل الدین قطبی قادریؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، پھر خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے۔ چونکہ آپ کا استعداد عالی تھا لہٰذا بمطابق اجازت پیر و مرشد ۱۲ لگ بھگ دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور کہتے ہیں کہ تقریباً ۱۲ سالوں تک دار الخلافہ کے مختلف مدارس علمیہ سے متعلق رہے اسی میں آپ نے اپنے واردات قلبی کو جو کہ الہام، کشف اور مشاہدے کی شکل میں تھے سفینہ کی شکل دیا چنانچہ ۱۱۱۹ھ میں مکاشفات منعمی، ۱۱۲۰ھ میں الہامات منعمی اور ۱۱۲۲ھ میں مشاھدات منعمی عالم وجود میں آئی۔

پھر شاہ فرہاد ابوالعلائی قدس سرہ کے شہرۂ فیاضی کو سنا، طبیعت مائل ہوئی۔ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کے ہو رہے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے جانشین حضرت سید اسد اللہ ابوالعلائی کی خدمت میں حاضر رہے۔ یہاں تک کہ منظور نظر اور اس بارگاہ سے بھی جوہر شناسی کے بعد خرقہ خلافت عطا ہوا اور جانشین نامزد کیے گیے۔ شاہ اسد اللہ کے وصال کے بعد مسند پر بیٹھے۔ ایک عالم آپ سے سیراب ہوا۔ قطبیت کے مرتبہ پر فائض رہے۔ ۱۱۶۲ھ میں عظیم آباد منتقل ہو گئے اور یہاں بدیع الدین عالمگیری المعروف بہ ملا میتن کی مسجد میں سجادہ بچھایا۔ علمائے عصر اور صوفیائے زمانہ نے آپ کی طرف رجوع کیا اور مستفید ہوئے۔ خلفاء اور مریدین کی تعداد کثیر ہوئی۔ شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی، مخدوم شاہ حسن علی، مولانا رضا، صوفی دائم اللہ ڈھاکوی، شاہ غلام حسین داناپوری، شاہ بسا دن عظیم آبادی، شاہ وجیہ اللہ طالب عسنا

شاہ محمد عظیم دہلوی اور شاہ غلام حیدر غازی پوری مشہور خلفا میں ہیں۔ باختلاف روایت ۱۱ یا ۱۲ یا ۱۳ رجب ۱۱۰۵ھ کو وصال فرمایا۔

منعم خاں خدمات سلطانی سے وابستہ کوتوال کا بیٹا تھا۔ اس نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور جیسا کہ مختلف تذکروں میں اس کی سوانح سے ظاہر ہے کہ اس نے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب کی تگ و دو میں زندگی گزاری۔ ایک روایت یہ ملتی ہے یعنی سراج الدین علی خاں آرزو مجمع النفائس میں لکھتے ہیں کہ "تحصیل علوم در مدرسہ جناب افادت مآب ولایت دستگاہ حضرت کلیم اللہ قدس سرہ نمود" اور تب اردوئے عالمگیری سے وابستہ ہوا۔ اگر یہ حضرت کلیم اللہ شاہجہاں آبادی ہیں تو ان کا کوئی مدرسہ یا خانقاہ ۱۱۰۱ھ سے قبل دہلی میں تھا یا نہیں؟ اس کی سند نہیں ملتی ہے۔ کیوں کہ حضرت شیخ کلیم اللہ قدس سرہ خود ۱۱۰۱ھ کے بعد بیعت ہوئے ہیں (بقول ظہور الحسن شارب) اور تب سجادہ بچھایا ہے۔ اور اس دور میں منعم خاں پختہ عمر رہا ہوگا اور ظاہر ہے برسرِ روزگار تھا تب "تحصیل علوم در مدرسہ" کیا معنی؟

اور جن لوگوں نے اس کو تصوف سے متعلق بتایا ہے یا میدانِ تصوف کی عملی و قولی شخصیت بتایا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ الہامات منعمی کو اس کے نام کے ساتھ فٹ کرنے کے لیے اس کی حیات میں ایسا پہلو پیدا کیا گیا ہے۔

یہ بڑی قابلِ غور بات ہے کہ بارہویں صدی ہجری سے آج تک جتنے بھی تذکرے تصوف سے متعلق یا صاحبانِ تصوف کے لکھے گئے ان میں بحیثیت صوفی یا بحیثیت مرید یا خلیفہ منعم خان خانخاناں کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ منعم خان کا تذکرہ یا تو امرا کے تذکرے میں ملتا ہے یا کسی ادبی تذکرے میں۔ صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں:

"وہ (منعم خان) کسبی کمالات کا بھی مالک تھا کہ جس کو قابلیت اور استعداد سے تعبیر کرتے ہیں۔ تصوف کا بھی ذوق رکھتا تھا۔ اس نے ایک رسالہ الہامات منعمی کے نام سے لکھا تھا۔ اس کے مطالب کچھ زیادہ عمدہ نہ تھے۔ بعض نکات کو حسبِ حال برجستہ اشعار میں بیان کیا تھا۔ بعض چرب زبان معترضین نے الحاد کا اور بعض نے دعویٰ معراج کا اتہام لگایا حالانکہ ان باتوں سے وہ بالکل بری ہے۔ جیسے الہام میں کہ بہشت کی سیر اور وہاں سے عرش کے نیچے تک پہنچنے کا بیان کیا ہے اور اس میں لفظ رویا کا استعمال کیا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم لفظ الہام کو اولیا کے لیے مخصوص سمجھیں تو بے معنی دعویٰ ہے اور اس سے بے ادبی کا گمان ہوتا ہے۔"

الہام کا مطالعہ یہ ثابت کر دیتا ہے یہ کوئی تصوف کا ذوق رکھنے والا نہیں لکھ سکتا ہے بلکہ یہ بے معنی دعویٰ ہے بلکہ بے ادبی ہے یہ ایک بلند مرتبہ ولی اللہ کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ اب جہاں تک اس کے مطالب کے عمدہ نہ ہونے کا سوال ہے تو یہ ایک طرف الہامات کو دیکھیے اور دوسری طرف منسوب مصنف کو جن کے بارے میں خود صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں کہ:

"اگرچہ وہ رفاہ کوش اور کم آزار تھا لیکن اس کو مریض اور لالچی بہت تھا چاہتا تھا کہ میرا نام دنیا میں باقی رہے" تو خود بہت اچھے مطالب بُرے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ الہامات منعمی کے مصنف نے خود کو اتنا زیادہ مخفی رکھا ہے جو تصوف میں انتہائے انکسار کی معراج ہے کہ آج اس کتاب کی تصنیف کے ایسے دعویدار بھی نکل آئے جو شہرت اور نام کے بھوکے تھے۔ جب کہ پوری الہامات ترکِ سادگی اور راہِ سلوک کے طے کرنے میں مندرجہ بالا خواہشات سے قطع تعلق کی تعلیم دے رہی ہے۔

صاحب مجمع النفائس کے مطابق منعم خاں شیخ محمدی سے بیعت تھا۔ ممکن ہے کہ وہ ان حضرت سے بیعت ہوا ہو اس کے برعکس حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاکؒ ایک صوفی خاندان میں پیدا ہوئے صوفیانہ ماحول میں تعلیم پائی، گھر سے صوفی زادہ نکلے اور صوفی و صافی نکلے۔ تصوف کی دنیا میں رہے۔ بیعت ہوئے، خرقۂ خلافت عطا ہوا۔ سجادہ پر بیٹھے، ایک عالم سیراب کیا۔ دنیائے تصوف میں ان کا بلند مقام ہے۔ صوفیائے عصر نے ان کو تسلیم کیا۔ وہ حیات تھے تو صوفی کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے اور بعد وصال ایک خاص صوفیانہ روش، مزاج اور تعلیمات ان کی یادگار ہیں۔

ان باتوں کے علاوہ کچھ الہام کا تخاطب بھی صاحب الہام کی شخصیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اکثر الہام میں مریدوں اور سالکانِ راہِ شریعت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جس سے صاحب الہام کا شیخ وقت اور مرشد مریداں ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الہام نمبر ۵ سے اس طرح شروع ہوتا ہے "در مدرسۂ علمِ ظاہر عمری صرف کردم، یا فتی نیافتم" مخدوم منعم پاکؒ کے احوال میں "کیفیت العارفین" شاہ عطا حسین فانی منعمی گیاوی لکھتے ہیں:

"تا مدت دوازدہ سال در مدرسہ ہائے بصحبت عالمانِ ظاہر حاضر بودہ علم آموختند و در سینۂ گنجینۂ دیں کتب فقہ و فرایض اندوختند آخر الامر چون از دنیا پسیدہ طبع و دخفتند فرمن ناموس را در آتش حقیقی سوختند۔"

الہام نمبر ۲۲ پر مخدوم شاہ شرف یحییٰ منیری کا تذکرہ آیا ہے۔ جبکہ پورے رسالے میں کہیں پر کسی بھی بزرگ کا نام نہیں ہے سوائے اس کے کہ کثرت سے حافظ شیراز اور مثنوی مولانا روم کے اشعار استعمال ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے صرف مخدوم کا تذکرہ مصنف سے مندرجہ ذیل رابطہ کی وجہ کر ہے جو مخدوم منعم پاکؒ کے بارے میں شاہ عطا حسین فانی منعمی گیاوی نے لکھا۔

"وہم باعث قیام در ولایت وہم جواری حضرت مخدوم شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کہ از آنحضرت عقیدت واثق بود و بسیار عقیدہ مالا یحل از روح طیبہ حضرت مخدوم الملک طے یافت فیض روحی بودہ۔"

الہامات منعمی اور مشاہدات منعمی میں یہ درود شریف بھی موجود ہے۔ "اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل محمد"

بعد کلمہ ثانی العقد یہ درود شریف سلسلۂ منعمیہ میں شامل وظیفہ ہے۔ بلکہ بعض نے اسے درود سلسلۂ منعمیہ کہا ہے۔
د شریف مخدوم کے دست خاص کے لکھے ہوئے دیگر سفینوں میں بھی موجود ہے۔

العامات منعمی میں تقریباً ۲۰۰ اشعار شامل ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ اشعار مکرر کر استعمال ہوئے ہیں۔

العامات منعمی کے موضوعات کے صف میں بحث حقائق الاشیا نزد اصل تصوف مسئلہ تشبیہ اور ولح انسانی نزد اہل
ت اور تجرد واشغال نمایاں ہیں۔

سالک طریقت کی ہدایت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ای سالک طریق ہدایت در اول سلوک محنت خلوت و مجاہدات و ریاضات باید کشید و تنہائی
و گرسنگی و درد و الم و محنت و غم باید ساخت والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا تا غول نفس سرکش از طریق
بر نخیزد سالک بیچارہ منزل مقصود نرسد

نفس خود را کشش جهانی زنده کن خواجه را کشته است او را بنده کن

لا واللہ ان یکون لصاحب النفس الیہ سبیلا۔ اخر کار اے عزیز از خود تا بحق دو قدم راہ بیش نیست قدم
اول از خود گذشتن و دوم بحق پیوستن دع نفسک و تعال ع تو خود حجاب خودی حافظا از میاں برخیز
تا کل از خود نگذری بکل نرسی تا محو از خود داری بوی از خدا نیابی المکاتب عبدالحق علیہ دریم والسلام"

صاحب العامات منعمی تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تصوف خود را صاف کردن است یعنی صاف کردن نیت و قول و فعل خود از ماسوی
اللہ و ایں مرتبہ حاصل می شود بقرب نوافل و فرایض و مرتبہ کہ از قرب نوافل و فرایض برتر است
قلم در بیانش نامحرم و کاتب محرم و ہو العلیم الحکیم"

●●

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق
شعبۂ فارسی
ایچ ڈی جین کالج، آرہ

جواہر الانوار

جواہر الانوار علم تصوف میں ایک بیحد اہم و پر ارزش رسالہ ہے جس کے مصنف بستان ابوالعلائیہ کے گل شاداب ہمارے اعلیٰ حضرت میر سید شاہ قمر الدین حسین فردتی البرکاتی المنعمی ہیں جن کی پیدائش آج سے دو سو سال قبل اسی شہر عظیم آباد میں ہوئی تھی۔ آپ حضرت سید شاہ شمس الدین حسین داناپوری قدس سرہٗ کے فرزند تھے اور حضرت سید شاہ عبدالمنان قادری دہلوی کے نواسے۔ رسالہ جواہر الانوار تقریباً پونے دو سو سال قبل کی تصنیف ہے مگر اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوا۔ خدا بخش لائبریری، ندوۃ العلماء کے علاوہ اس خانوادے کے اکثر گھرانوں میں اس کی نقلیں محفوظ ہیں، مثلاً خانقاہ منعمیہ قمریہ پٹنہ، خانقاہ سجادیہ داناپور، خانقاہ منعمیہ گیا وغیرہ۔ خدا بخش کا نسخہ بخط مصنف ہے۔ پیش نظر نسخہ ملا ہے کہ سید شاہ محمد امین داناپوری قدس سرہٗ کے دست خاص کا نقل شدہ ہے۔ شاہ محمد امین، مصنف جواہر الانوار کے بھانجے اور سید شاہ واجد حسین داناپوری کے صاحبزادے ہیں۔ یہ نقل ۱۲۷۳ھ کی کتابت شدہ ہے۔

جواہر الانوار اپنے موضوع و مواد کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں ۲۵ جوہر ہیں اور ہر جوہر کے تحت تصوف کے نکات و مسائل شرح و بسط سے بیان ہوئے ہیں مثلاً جوہر، در بیان توجہ مبتدیان و طریق نشستن آنہا، در بیان کیفیات، جوہر در بیان صاحب کیفیت، جوہر در بیان اوقات معمولات سالکان، جوہر در بیان واردات، جوہر در بیان مراقبہ، جوہر در بیان اذکار و جوہر در بیان سماع و آداب آں وغیرہ۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ شغل و مراقبہ، ذکر و ضرب با نشست و برخاست نیز دیگر طرق و وظائف طریقت و تصوف میں جو پیش آتے ہیں ان کی عملی تصویر لفظوں میں کھینچ کر رکھ دی ہے مثلاً طریق ذکر با شراکت دست "چوں لا گوید ہر دو دست بردارد و دستک زند چنانچہ ہر دو دست برابر سینہ خود آرد و چوں الٰہ گوید ہر دو دست را بالائے زانو بردو بقوت دستک زند الا اللہ را باز دست بالا بردہ بطور اول دست بر دست زند و اگر خواہد ہر دو دست بر ہر دو زانو ضرب دہد و کلمۂ آخر گوید باز اعادہ نماید و اگر خواہد از اسمائے الٰہی باین طور بعمل آرد۔"

"دیگر طریق ذکر بوسیلۂ ہر دو پائے استادہ شود و پائے راست را بردارد و گوید لا و پائے چپ را برداشتہ تمام ضرب دہد و الٰہ گوید و باز اعادہ کند و اگر خواہد پیش و پس نماید و اگر خواہد یکجا ایستادہ ذاکر باشد و دو ہر دو ...

افق دارد... مگر بہرحال تنہائی ضرور است "

"چہار زانوی نشیند و انگشتان پای راست را بزانوے چپ می برند و انگشتان چپ را طرف راست در گ ہردو انگشتان بقوت گیرد و ہردو دست را بر زانو نہد ولا را از زانوے چپ بدور آرد و از دوش راست بر دل بزور بر قلب ضرب رساند و دیگر اینکہ دو زانو نشستہ لفظ لا را از ناف بردارد و بدماغ رساند و از آنجا لفظ یفۂ روحی ضرب دہد و الا اللہ را بر قلب اگر خواہد از لطیفۂ روحی کشیدہ کند و بر قلب صنوبری رساند "

الغرض مصنف نے پاس انفاس، اثبات ذات، نفی اثبات تصور الہ ترکیب ذکر اسم اللہ، ذکر خفی و جہری وغیرہ ورت سے بحث کرتے ہوئے اس کے مجرب اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔

مصنف جواہر الانوار تصوف میں مسلکاً وجودی مع الشہودی تھے آپ نے ان دونوں نظریوں کی خوبصورت تطبیق کی ہے۔ اب میں کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ موحد۔ فرماتے ہیں

"باید دانست در مقام مراقبہ و مشق توحید و معمولات اوقات کہ بحسب ظاہر خلاف کتب ماتقدم کردہ ام است کہ بسبب اتفاقات بسیار کہ از تفرد حضوری شیخ خویش شدہ و بوجود اتفاق ایجادی گشت آن مفید شد... ہمیں طور موحد نوع دیگری گردیدم"

وہ لکھتے ہیں کہ ان کے استاد مولانا سید شعیب الحق مسافر وحدت الوجود کے قائل تھے اور بطور تقلیدی شہود فقط تے لہٰذا آٹھ برس ان کی صحبت میں آپ بھی ویسا ہی تقلیدی عقیدہ رکھتے تھے اور بزرگان عرفان کے حلقے میں آجانے بھی وحدت الوجود پر دل سے یقین نہ ہوتا تھا مگر آخر الامر صاحب دعویٰ ہوئے چند سال بعد شہودیوں کا عقیدہ دل پر آیا اور مدت تک یہی حال رہا کہ وحدت الوجود کفر معلوم ہوتا تھا۔ پھر شیخ کے طفیل ان مہلکات سے نجات پائی اور وجود مع الشہود دل پر ثابت ہوا۔ جوہر شانزدہم میں توحیدات کے بیان میں توحید ذاتی اور توحید صفاتی سے نہایت عقلی، منطقی ناتوحید کی عملی بحث کی ہے جو یقیناً ندرت و انفرادیت کی حامل ہے۔ ۷۲ سال کی عمر میں جواہر الانوار کے مصنف نے ۵۵۵ھ میں بکیفیت نتقال فرمایا۔ اس مصرعہ پر آپ کو وجد ہوا تھا "ترے در پہ جو بیٹھے تو خوب ہوا کہ شاکش دیر و حرم سے چھٹے" وفات سے یر پہلے امیر خسروؒ کے اس شعر کی تشریح بیان فرمائی جو نبی بخش قوال نے حضرت ولی نعمت کی فرمائش پر شروع کر دی تھی:

سلطان خوباں میرود ہر سو ہجوم عاشقاں ۔۔۔ چابک سواراں یکطرف مسکین گدایاں یکطرف

ب کیفیت العارفین لکھتے ہیں کہ "حضرت میر قمر الدین ملیکہ قدس سرہٗ خود ایں شعر بزبان شریف آوردند و بکیفیت در آمدند و معنی ن فرمودند اے عزیزان سلطان خوباں چیست یعنی روح است چوں روح از جسم بردہ ہر سو ہجوم عاشقان گردد ہجوم عاشقاں مراد اعضائے ہست چابکسواراں یکجانب مسکین گدایاں یکجانب چابکسواراں مراد از اعضائے رئیسہ و مسکین گدایاں از غیر موروثہ رئیسہ مراد است"

(کیفیت العارفین ص ۲۹۶) ●●

ڈاکٹر عبدالرشید
شعبۂ عربی
پٹنہ یونیورسٹی۔

خلاصۃ السلوک فی نیل الرفعۃ والسموک

یہ کتاب حاجی بن سعید القیسی کی تالیف ہے۔ کتاب کے خطبہ میں مؤلف نے اپنا نام اسی طرح درج کیا ہے۔ تذکرہ کی بہت سی کتابوں میں تلاش و جستجو کے باوجود مؤلف کی زندگی کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ کشف الظنون اور ایضاح المکنون وغیرہ میں اس کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ رضا لائبریری رامپور، جامعہ ہمدرد اور آندھرا پردیش کے ایک کتابخانہ میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ خدا بخش لائبریری میں اس کے دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ ۲۱۵۹ نمبر کے تحت محفوظ ہے مگر یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ وائل پیپر دونوں جانب چپکانے کی وجہ سے اکثر صفحات ناقابل خواندہ ہیں۔ اس نسخہ کے کاتب عبدالرحیم بن شیخ فتح محمد ہیں، سنہ کتابت ۱۱۱۵ھ ہے۔ ٹائیٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے "مکتوبہ ۱۱۱۵ھ عہد جلوس عالمگیر الغازیا" اور ترقیمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر اورنگ زیب کے مسند نشینی کے ۴۷ویں سال میں اس کی کتابت ہوئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس نسخہ کی کتابت ہندوستان ہی میں ہوئی ہے تحریر بہت باریک مگر خوشخط ہے۔

دوسرا نسخہ ۴۲۹۱ نمبر کے تحت محفوظ ہے حروف نسبتاً جلی ہیں اور خوشخط ہے۔ ۷۹ اوراق پر مشتمل ہے — سنہ کتابت مذکور نہیں ہے۔ صفحہ عنوان پر چار قدیم مہریں ہیں۔ دو مہر محو کردہ ہیں۔ ایک مہر میں "عبدالوہاب" اور دوسرے مہر میں غالباً "محمد واصل" درج ہے۔ کتاب کے آخر میں ملک الیاس بن شیخ داؤد کا نام درج ہے۔ پہلا نسخہ دوسرے نسخہ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے۔

پوری کتاب ۵۸ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وبعد فقال المفتقر الی رحمۃ اللہ القدیر حاجی بن سعید القیسی غفر اللہ لہ ولطالبیہ انی اخلصت ھذا الکتاب من الحقائق لیکون ذریعۃ الی معرفۃ الدقائق وسمیتہ خلاصۃ السلوک فی نیل الرفعۃ والسموک۔ ورتبتہ بنیف خمسین بابا

حمد و صلوٰۃ کے بعد مؤلف نے اپنا نام اور کتاب کا نام بتلایا ہے۔ پھر حسب ذیل ۵۸ ابواب بیان کیے ہیں — ۱۔ عقل کے بیان میں، ۲۔ عقلا کے بیان میں، ۳۔ علم کے بیان میں، ۴۔ علما کے بیان میں، ۵۔ معرفت کے بیان میں، ۶۔ عارف کے بیان میں، ۷۔ نیت کے بیان میں، ۸۔ ادب کے بیان میں، ۹۔ زہد کے بیان میں، ۱۰۔ زاہد کے بیان میں۔ ۱۱۔ ورع کے بیان میں، ۱۲۔ محبت کے بیان میں، ۱۳۔ شوق کے بیان میں، ۱۴۔ عشق کے بیان میں، ۱۵۔ وجد کے بیان میں، ۱۶۔ جوع کے بیان میں، ۱۷۔ ریاضت کے بیان میں، ۱۸۔ مجاہدے کے بیان میں، ۱۹۔ خوف کے بیان میں، ۲۰۔ رجا کے بیان میں، ۲۱۔ توبہ کے بیان میں، ۲۲۔ انابت کے بیان میں، ۲۳۔ فقر کے بیان میں، ۲۴۔ غنا کے بیان میں، ۲۵۔ قنوت کے

بیان میں ۲۶۔ رضا کے بیان میں ۲۷۔ اخلاص کے بیان میں ۲۸۔ یاد کے بیان میں ۲۹۔ عزلت کے بیان میں ۳۰۔ خلوت کے بیان میں ۳۱۔ اولیاء کے بیان میں ۳۲۔ کرامت کے بیان میں ۳۳۔ توکل میں ۳۴۔ تواضع میں ۳۵۔ قناعت میں ۳۶۔ استقامت میں ۳۷۔ امر بالمعروف میں ۳۸۔ بلا میں ۳۹۔ قرب میں ۴۰۔ عبودیت میں ۴۱۔ یقین میں ۴۲۔ تقویٰ میں ۴۳۔ اکل حلال میں ۴۴۔ ذکر میں ۴۵۔ تفکر میں ۴۶۔ فراست میں ۴۷۔ دنیا میں ۴۸۔ حرص میں ۴۹۔ حسد میں ۵۰۔ تصوف میں ۵۱۔ مراقبہ میں ۵۲۔ حسن خلق میں ۵۳۔ بکاء میں ۵۴۔ ارادہ میں ۵۵۔ غض بصر میں ۵۶۔ حریت میں ۵۷۔ رزق میں ۵۸۔ حفظ جوارح میں۔

مذکورہ بالا ابواب سے یہ بات واضح ہے کہ مؤلف نے اپنی اس مختصر کتاب میں تصوف کے اکثر و بیشتر بنیادی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ یہ گفتگو بہت مفید اور ایسے دلچسپ انداز میں کی گئی ہے جس سے پڑھنے والے کے دل و دماغ میں عمل کا شوق اور داعیہ پیدا ہو۔ تصوف کے پرپیچ اور نزاعی مسائل پر مؤلف نے ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جس کے پڑھنے پر کسی طرح کی الجھن یا خلجان محسوس نہیں ہوتا۔

پوری کتاب احادیث، آثار صحابہ اور صوفیا کرام کے ملفوظات سے بھری ہوئی ہے۔ بہت سے محدثین نے فضائل پر مشتمل احادیث کے جمع کرنے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا ہے۔ عام طور پر یہی حال تصوف کی کتابوں میں ذکر کردہ احادیث کا ہے۔ مگر ہمارے مؤلف نے کافی احتیاط سے کام لیا ہے۔ پھر بھی بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں جن پر گفتگو کی جا سکتی ہے کہیں کہیں انبیاء سابقین کا بھی تذکرہ ملتا ہے، مثال کے طور پر تیسرے باب میں (جو علم سے متعلق ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے:

"قال عیسیٰ علیہ السلام: عجبت لقانع بالجهل ويعلم أن الله تعالى لا يقبل الاعمال الا بالعلم" مجھ کو جہالت پر قناعت کرنے والے انسان پر حیرت و تعجب ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا ہے جس کو علم کی روشنی میں نہیں کیا گیا ہو۔ اسی باب میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

وقال بعض السلف: اوحى الله تعالى الى داؤد عليه السلام فقال يا داؤد ان الزهد لا يصلح الا بالعلم كما ان الجسد لا يصلح الا بالروح والعلم لا يصلح الا مع العمل كما ان الزرع لا يصلح الا بالماء۔

بعض سلف نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی اور ارشاد فرمایا کہ اے داؤد زہد بغیر علم کے صحیح نہیں ہو سکتا جس طرح جسم بغیر روح کے صحیح نہیں ہوتا اور علم بغیر عمل کے درست نہیں ہوتا جس طرح کھیتی پانی کے بغیر ٹھیک نہیں ہو سکتی۔

چوتھا باب علماء کے بیان میں ہے اس باب میں حضرت لقمان علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے "وقال لقمان اقتدوا بعلم العلماء ولا تقتدوا بفعلهم واقتدوا بفعل الزهاد ولا تقتدوا بجهلهم"

حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم علماء کے علم کی اقتدا کرو اور ان کے ہر عمل کی اقتدا نہ کرو، اور اور تم زاہدوں کے عمل کی اقتدا کرو اور ان کے جہالت کی اقتدا مت کرو۔

معرفت کے باب میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ روایت ملتی ہے "وفی الخبر ان داؤد علیہ السلام ناجی ربه فقال ما جزاء من عرفك وسلم نفسه اليك فقال الله تعالى يا داؤد جزاءه عندی شیئان ان اجعل البلاء قیده والصبر صیدا له"

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے سرگوشی کی اور دریافت کیا کہ: اس شخص کو کیا پاداش ملے گا جس نے تمہاری معرفت حاصل کی اور اپنے نفس کو تمہارے حوالہ کر دیا۔ باری تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اے داؤد میرے نزدیک اس کا بدلہ دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ ابتلاء و آزمائش کو میں اس کی بیڑی بنا دوں گا اور دوسری یہ کہ صبر کو اس کا شکار بنا دوں گا۔ آخری باب میں جو "حفظ جوارح کے بیان میں ہے" یہ عبارت ملتی ہے۔

"وعن یحیی بن کثیر قال قال سلیمان بن داؤد صلوات الله علیهما ثلاثة اذا كن فی بیت الا نزعت منه البركة الخيانة والزنا والسرقة"

یحییٰ بن کثیر سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں جب کسی گھر میں پائی جاتی ہیں تو فرشتہ رحمت اس گھر سے الگ کر دیے جاتے ہیں، خیانت، زنا اور چوری۔

اس کتاب میں چند اسرائیلی واقعات بھی مذکور ہیں۔

صحابہ تابعین اور صوفیاء کرام میں حسب ذیل شخصیتوں کے اقوال بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو درداءؓ، جعفر بن محمد الصادقؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، حسن بصریؒ، شبلیؒ، ابو یزید البسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، ذوالنون مصریؒ، السری سقطیؒ، ابراہیم بن ادہمؒ، فضیل بن عیاضؒ، سہل بن عبداللہ التستریؒ اور ابو بکر الواسطیؒ وغیرہ۔

کتاب کی ترتیب کے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ مؤلف نے ہر باب یا ہر عنوان کے ضمن میں تین فصلیں قائم کی ہیں، فصل اول میں ہر عنوان کی تعریف بیان کی گئی ہے اور فصل دوئم میں صفات محمودہ کیلئے فضائل اور صفات مذمومہ مثلاً حرص و حسد وغیرہ کے لیے مذمت بیان کیے ہیں۔ اور اس فصل میں بالعموم احادیث، آثار اور ملفوظات صوفیاء سے استدلال کیا ہے، فصل سوئم میں اشارات ہیں۔ فصل دوئم کی طرح اس فصل میں بھی احادیث و آثار اور ملفوظات اور کہیں کہیں مختلف واقعات پیش کیے گئے ہیں جن سے ہر عنوان کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

نمونہ کے طور پر اب ہم مختلف مقامات سے چند ابواب نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب کی صحیح تصویر ہمارے سامنے

ہیں
باـ۔ اس کتاب کا پہلا باب عقل سے متعلق ہے اور اس باب کی تینوں فصلیں بہت دلچسپ اور معلوماتی ہیں
ں لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اسی باب کو پیش کیا جائے۔

باب اول عقل کے بیان میں | فصل اول تعریفات: اہلِ عقل کا قول ہے کہ عقل ایک ایسا نورانی جوہر ہے جس کو اللہ
نے دماغ میں پیدا کیا اور اس کا نور قلب انسانی میں رکھا تاکہ وہ غائب اشیاء کا ادراک کر سکے۔
اہلِ زبان نے عقل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ عقل ایک ایسی دولت ہے جو صاحب عقل کو دنیا کی
ملامت اور آخرت کی لغزش سے بچاتی ہے۔ ایک حکیم صاحب کا قول ہے کہ عقل روح کی حیات ہے اور روح جسم کی حیات ہے۔

دوسری فصل فضیلت کے بیان میں | نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جب عقل کو پیدا کیا تو
اس سے فرمایا کہ اے عقل بیٹھ جا تو بیٹھ گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ کھڑی ہو جا تو کھڑی ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ سامنے آ تو آ گئی پھر ارشاد
ہوا کہ پیچھے چلی جا تو چلی گئی، پھر ارشاد ہوا کہ بول تو بول پڑی، پھر ارشاد ہوا کہ چپ تو چپ ہو گئی پھر ارشاد ہوا کہ دیکھ تو دیکھنے لگی۔
تو پھر ارشاد ہوا کہ ڈر تو ڈر گئی، پھر ارشاد ہوا کہ سمجھ تو سمجھ گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ تمام مخلوقات پر میری عزت وجلال عظمت
کبریائی اور قدرت کی قسم میں نے کوئی ایسا مخلوق پیدا نہیں کیا جو تمہارے مقابلہ میں میرے نزدیک زیادہ مکرم ہو، تجھی
سے میں پہچانا جاتا ہوں۔ تجھی سے میں عبادت کیا جاتا ہوں اور تجھی سے میں اطاعت کیا جاتا ہوں۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا ارشاد ہے کہ انسان کا قوام یا اصل جوہر اس کی عقل ہے اور اس شخص کا کوئی دین
نہیں جس کا قوام مفقود ہو۔ بعض صحابہ کرام کا ارشاد ہے کہ قابل مبارکباد ہے وہ شخص جس کی عقل اس کا امیر ہو اور ہوائے
نفس اس کا اسیر ہو۔ ایسا شخص دنیا میں عزیز اور آخرت میں شریف ہوگا۔ قابلِ ہلاکت وبربادی ہے وہ شخص جس کی عقل
اس کا اسیر ہو اور ہوائے نفس اس کا امیر ہو۔ ایسا شخص دنیا میں ذخیرہ اندوز اور آخرت میں خسارہ والا ہوگا۔

دوسرا باب عقلا کے بیان میں | فصل اول تعریف میں: اہل معرفت کا قول ہے کہ عاقل وہ ہے جو اپنے رب سے خوف
کھائے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے ـــــ کہا گیا ہے کہ عاقل وہ ہے جو قدم رکھنے سے پہلے قدم رکھنے کی جگہ کو
دیکھ لے ـــــ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عاقل وہ ہے جو اپنی دنیا کو آخرت کے لیے قربان کر دے۔

فصل دوئم فضیلت کے بیان میں | نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے کہ جس کی زبان سچی ہو، جس کی خاموشی دیر
تک رہتی ہو اور جس کے شر سے لوگ محفوظ ہوں وہ عاقل ہے۔ اگرچہ وہ کتاب اللہ کو پڑھنا نہیں جانتا ہو۔
حضرت جعفر بن محمد الصادق کا ارشاد ہے کہ آدمی کی سعادتمندی کی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا دشمن
عقلمند ہو اور ... دشمن عقلمند نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے حضرت جعفر کی مراد ان کا نفس ہے۔

حضرت ابودرداء کا قول ہے کہ عاقل وہ ہے جو اپنے سے بڑوں کے لیے تواضع اور انکساری کرے اور اپنے سے کمتر کی تحقیر و تذلیل نہ کرے۔ اپنے فضل کو اپنی زبان سے سقاے رہے یعنی اپنے فضل و شرافت کا اظہار اپنی زبان سے کرکے اپنے منہ میاں مٹھو نہ بنے۔ اور لوگوں کی شان کے مطابق ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

فصل سوئم اشارات کے بیان میں: عاقل وہ ہے کہ جو دنیا کو ترک کردے اس سے پہلے کہ دنیا اسکو ترک کرے۔ قبر کو آباد کرے اس سے پہلے کہ وہ اس میں داخل ہو اور اللہ کو راضی کرے اس سے پہلے کہ وہ اس سے جا ملے۔

اہل معرفت کا قول ہے کہ جب کسی آدمی میں علم عمل اور ادب تینوں چیزیں جمع ہو جائیں تو اس کو عاقل کہا جائیگا اور جب کوئی صاحب علم با عمل نہ ہو یا صاحب علم با ادب نہ ہو یا ادب کے ساتھ با عمل ہو مگر وہ صاحب علم نہ ہو تو وہ عاقل نہیں ہوگا۔

۴۴واں باب تقوی کے بیان میں فصل اول تعریف میں: جعفر الصادق نے فرمایا کہ تقوی یہ ہے کہ تم اپنے دل میں خدا کے سوا کسی اور کو نہ دیکھو۔ کہا گیا ہے کہ تقوی یہ ہے کہ تم اپنے باطن کو خدا کے لیے ٹھیک اسی طرح سے آراستہ کرو جس طرح تم اپنے ظاہر کو مخلوق خدا کے لیے آراستہ کرتے ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ تقوی خدا کے علاوہ ہر شے کو ترک کر دینا ہے۔

فصل دوئم فضیلت میں: علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ دنیا میں لوگوں کے سردار سخی لوگ ہوتے ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار متقی لوگ ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی۔ فرمایا کہ اللہ کا تقوی اور حسن خلق۔

فصل سوئم اشارات میں: بیان کیا گیا ہے کہ بعض صوفیاء سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کب تقوی کے مقام تک پہنچتا ہے تو فرمایا کہ جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس کے دل کی تمام چیزیں اگر ایک طشت میں ڈال دیا جائے اور اس طشت کو پورے بازار میں پھرایا جائے تو اس کو طشت کی کسی چیز سے شرم و حیا محسوس نہ ہو۔

اور نصر آبادی کا قول ہے کہ نفس کا توشہ تقوی ہے قلب کا توشہ معرفت ہے اور روح کا توشہ محبت ہے۔ پس جو شخص تقوی کو حاصل کرے تو وہ دنیا سے الگ ہونے کا مشتاق ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یقیناً آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقوی اختیار کرتے ہیں کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے ہو۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ تقوی دن کا روزہ رکھنا اور رات کا قیام کرنا اور دونوں کے درمیانی اوقات کو عبادت میں ملانا نہیں ہے بلکہ تقوی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ترک کرنا اور اس کے فرض کردہ اشیا کو ادا کرنا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد اس کے فضل و کرم سے فیضیاب ہوا تو وہ خیر کی طرف خیر کا اضافہ ہے۔ ●●

ب عطا خورشید
خانقاہ منعمیہ منقعلہ روڈ، رامساگر گیا

خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ گیا
کے
چند اہم مخطوطاتِ تصوف

دقیقۃ السالکین

حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی ابوالعلائی قدس سرہٗ داناپور کے ایک مشہور صوفی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۲۲ رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ کو پھلواری شریف میں ہوئی۔ آپ کے والد کا سایہ ایام طفولیت ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ آپ نے درسیات کی تکمیل اپنے چچا حکیم سید شاہ مراد علی قدس سرہٗ سے کی۔ اور اپنے جد امجد سید شاہ غلام حسین داناپوری قدس سرہٗ خلیفۂ اکمل حضرت مخدوم منعم پاکباز قدس سرہٗ سے پندرہ سال کی عمر میں بیعت کی۔ پیر و مرشد کے وصال کے بعد اپنے بڑے ماموں حضرت سید شاہ قمرالدین حسین قدس سرہٗ جو کہ حضرت رکن الدین عشق قدس سرہٗ کے جانشین حضرت شاہ ابوالبرکات قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے، کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور علوم باطنیہ اور راہ سلوک و اشغال کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۲۹ سال کی عمر میں ۱۲۵۰ھ میں حج کے ارادے سے سیاحی اختیار کی۔ اثنائے راہ میں مختلف بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے رہے اور فیض سے معمور ہوتے رہے۔ ۱۲۶۴ھ میں وطن واپس لوٹے اس کے بعد ۱۲۶۵ھ میں شہر گیا میں تشریف لائے اور حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی رح کی روحانیت کے اشارے سے اسی شہر میں خدمت خلق پر مامور کیے گئے اور یہیں ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت سید شاہ عطا حسین قدس سرہٗ کو ابتدا ہی سے تصنیف و تالیف کا ذوق تھا۔ چنانچہ مختلف موضوعات پر آپ کی ۳۵ اردو و فارسی تصنیفات ہیں۔ کچھ تو زمانہ کی دستبرد سے ضائع ہو گئیں اور کچھ آج بھی خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ (گیا) میں موجود ہیں۔ ابھی تک آپ کی صرف تین کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں (۱) کنزالانساب (۲) مثنوی ہمرتی اور (۳) کیفیت العارفین' بقیہ تمام تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ انہیں غیر مطبوعہ تصانیف میں ایک تصنیف "دقیقۃ السالکین" ہے جو اس وقت میرا موضوع ہے۔

علم تصوف اور اس کے متعلقات پر یہ ایک مبسوط کتاب ہے۔ جہاں تک راقم السطور کی واقفیت ہے۔ یہ ایک ہی نسخہ ہے جو خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ (گیا) میں خود مصنف کے دست خاص کا لکھا ہوا موجود ہے اس لیے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نسخہ ۲۰۴ اوراق پر مشتمل ہے اس کی لمبائی ″۱۱ اور چوڑائی ″۷ ہے۔ مسطر ۱۹ سطری ہے اور خط شکستہ

میں تحریر ہے۔ سنہ کتابت کہیں بھی درج نہیں ہے لیکن مقدمہ اور سبب تالیف کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۳۰ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔ آپ نے اپنے اردو سفرنامہ ہدایت المسافرین جو کہ ۱۲۳۰ھ سے ۱۲۴۲ھ کے درمیان تکمیل کو پہنچا ہے میں اس کتاب کا جابجا ذکر کیا ہے اور سبب تالیف کے ضمن میں اس بات کا واضح طور پر اشارہ کیا ہے کہ یہ کتاب اپنے صاحبزادہ سید معظم عرف عطا قطب الدین کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھی ہے جن کی پیدائش ۱۲۲۰ھ میں ہوئی تھی الحاصل یہ کہ یہ کتاب ۱۲۴۰ھ کے بعد لکھی گئی ہے مگر انجام کو کب پہنچی اس کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے کتاب کے آخر میں "بسبب طوالت کتاب بسیار رموز نوشتہ نہ شد" لکھ کر مضمون کو ختم کر دیا ہے۔

زیر نظر کتاب ایک مقدمہ اور ۲۲۹ دقیقہ جات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ ایمان و اسلام کے بیان میں ہے۔ اس کی ابتدا قرآن پاک کی آیت ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سے ہوتی ہے۔ اس آیت کے بعد اس کی تفصیل میں یہ بات لکھی گئی ہے اس عالم میں دو طرح کی جماعتیں ہیں ـــــ جن اور انسان' دونوں فریق میں کافر اور مومن بھی ہیں۔ اس تفسیر میں مصنف موصوف فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر مخلوق ذکر الٰہی میں ہمیشہ مصروف رہتی ہے اس لیے انسان کو بھی یاد الٰہی سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ نیز ایمان اور اسلام کے مفہوم کو واضح کیا کہ ایمان کے معنی محفوظ ہونے کے ہیں اور اسلام کے معنی اللہ کے آگے سامنے سر جھکا دینے کے ہیں۔ فاضل مصنف نے اسلام کے پانچ بنیادی احکام کی تصریح کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ اسلام میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اہلسنت والجماعت کے عقائد پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام صحابہ کرام کے مقامات کو متعین کیا ہے اور خلفائے راشدین سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث کو یکجا کر دیا ہے۔ پھر اہل سنت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اہل سنت صرف پنجتن پاک تک ہی محدود نہیں بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات' نیز آپ کے چچا' پھوپھی اور ان کی اولاد حتٰی کہ آپ کے غلام بھی اہلبیت میں شامل ہیں۔ اولیاء اللہ سے متعلق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا طریقہ عمل جداگانہ ہوتا ہے ورنہ اصل ایک ہی۔ بعدہٗ فاضل مصنف نے اس بات کی تلقین کی کہ احکام شریعت کے حصول کے بعد انسان کو چاہیے کہ طریقت کی راہ تلاش کرے پھر مصنف مذکور نے بیعت ہونے کی تلقین کی اور بیعت کی قسمیں بتائی ہیں اور مقدمہ کے آخر میں اذکار و اشغال کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

یہ کتاب تصوف کی مشہور و معروف کتابیں جو عہد قدیم سے دائر و سائر ہیں ان میں اپنی ترتیب اور مضامین کے اعتبار سے ایک مزید اضافہ ہے اور اس راہ کے سالکین کے لیے ایک ہدایت نامہ اور دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض خاص خاص نکات جو اس کتاب میں دیے گئے ہیں وہ بغور مطالعہ کے مستحق ہیں اس لیے کہ اکثر و بیشتر مقامات

ہے میں جو بہت ہی دقیق مضامین پر مشتمل ہیں اور ان کی تشریح کے لیے کسی کامل درویش کے تعاون کی ضرورت ہے علاوہ ازیں ان ہدایات جو اذکار و اشغال کے سلسلے میں دی ہیں۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں مختلف سلاسل کی خصوصیات کو بھی الگ الگ دقیقوں کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب مختلف سلاسل کے سالکین کے لیے بھی مشعل راہ بن گئی ہے۔

یہ کتاب ۲۲۹ دقیقہ جات پر مشتمل ہے اور ہر دقیقہ اپنا ایک الگ موضوع رکھتا ہے جس کی تفصیل اس وقت ممکن نہیں۔ المختصر یہ کہ اس کتاب میں سر بیعت، اقسام توبہ، اقسام مریدی، اصلیت شجرہ پیران، جذب و سلوک، بیان توجہات، قبض و بسط، وجد و حال، تجرید و تفرید، ذکر و فکر، حیات و ممات اور دیگر اصطلاحات تصوف اور مختلف سلاسل کے اذکار و اشغال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز فیوضات کی ان ساری کیفیات اور مشاہدات کو بھی بیان کیا ہے۔ جو مصنف موصوف کو بزرگوں کے مزارات سے حاصل ہوئے ہیں۔

حضرت سید شاہ عطا حسین قدس سرہٗ کے تصنیفی کارناموں کی ابتدا ۱۲۶۰ھ سے ہوتی ہے۔ یہ وہ عہد ہے جبکہ پرانی قدروں کا زوال شروع ہو چکا تھا اور جدید اذہان نئی قدروں کے فروغ کی طرف مائل و کوشاں تھے۔ اسی ضمن میں انشا پردازی بھی آتی ہے۔ اس عہد میں جو تصنیفات و تالیفات منظر عام پر آ رہی تھیں وہ صنائع و بدائع اور رنگین عبارت آرائی سے پر تھیں۔ فقرے مقفع و مسجع ہوا کرتے تھے۔ قافیہ پیمائی پر خاص زور تھا۔ اس دور کے جدید اذہان کو ایسی تحریروں نے بغاوت کرنے پر اکسایا۔ چونکہ یہ انداز تحریر حصول مقصود میں سد راہ بنتا تھا۔ کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مصداق تھا یعنی الفاظ زیادہ اور مفہوم مختصر۔ یہی وجہ تھی کہ دانشمند اہل قلم نے اس روش کو بدلنا مناسب سمجھا اور سلیس نگارش کی طرف مائل ہوئے اور نتیجہ کے طور پر بالکل سادہ اور سلیس طرز کی تحریریں منظر عام پر آئیں جس کے نمونے ہمیں سرسید وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ یہ انقلاب صرف اردو ہی میں نہ تھا بلکہ فارسی انشا پردازی بھی انھیں مراحل سے گزر رہی تھی۔ فارسی انشا پردازی میں بھی دونوں رجحانات کے افراد موجود تھے۔ حضرت سید شاہ عطا حسین قدس سرہٗ کا شمار بھی انہیں انشا پردازوں میں ہے جو رنگین عبارت آرائی، صنائع و بدائع اور مقفع و مسجع عبارت پر جان دیتے تھے مثال کے طور پر دقیقۃ السالکین کی عبارت کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"اے عزیز سماع سریست از اسرار الٰہی، نباشد ہر کس و ناکس را ازیں آگاہی مکتوم ست دریں رموز نامتناہی، صوفیان ذی وجد دریں بحر ذخار بجویائی، اسرار شناوری نمایندگاہی، در بحث حلت و حرمت اباحت متکلمین را صورت تقصیر تباہی، اینہا نشنیدہ صفت سرود بہ اندرون و آنہا طرب انگیز بآواز معازف و ملاہی، باوجود آنکہ در علم بہتر بعد دہر دلیت آخر مقام گشتہ شدند حریفا، در تقرید بجامی نوانند کوس مناہی علما ظواہر آخر چوں

عکسِ متجستن آواز آہنگ ہر کس و ناکس و صوفیان انداز جوانمردان مردسپاہی الحاصل کیفیت حقیقت این نمی گنجد درمیان کاغذ و سیاہی لذت خوردن لوز و جوز چہ داند کسان راہی۔"

مذکورہ بالا عبارت اور اس کے انداز تحریر سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ فاضل مصنف نے زبان و بیان کے ساتھ ساتھ انداز تحریر کو ایک نیا انداز بخشا ہے جو متصوفانہ تصنیف کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ خواجہ میر دردؔ کے والد خواجہ عندلیب کی تصنیفات میں بھی یہی انداز ہے لیکن حضرت موصوف نے ایمائیت اور رمزیت سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی منفرد روش نکالی ہے، دقیقۃ السالکین کی یہ طرز تحریر دوسری تصانیف سے منفرد نظر آتی ہے اور یہی اس کی امتیازی و انفرادی شان ہے۔

ملفوظاتِ حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی ابوالعُلائی دانا پوری ثم گیاوی قدس سرہٗ

ملفوظات کے جمع کرنے کا ذوق صوفیائے کرام میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ یوں تو ہر سلسلہ میں بزرگوں کے ملفوظات کی کمی نہیں ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ بزرگان چشت نے اس کی طرف کافی توجہ دی ہے۔ خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ سے سید محمد بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہٗ تک کے تمام خواجگان چشت نے اپنے اپنے پیروں کے ملفوظات کو جمع کیا ہے۔ ملفوظات کے جمع کرنے کا محرک دراصل ان اصحاب کرام کی سنت ہے جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کیا ہے۔

حضرت سید شاہ عطا حسین قدس سرہٗ صوبہ بہار کے ایک بافیض چشتی بزرگ تھے آپ کا حلقہ رشد و ہدایت بہت ہی وسیع تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں کی تربیت اپنی لقا و صحبت کے علاوہ مکتوبات کے ذریعہ بھی کی ہے۔ ان کے صحبت یافتہ خلفا میں ایک خلیفہ حضرت سید ندرت حسین بردوانی قدس سرہٗ تھے جنھیں ان کے مرشد نے اپنے ملفوظات کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ سید شاہ ندرت حسین قدس سرہٗ حضرت غوث الاعظم محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے خلف اکبر سیدنا سیف الدین عبدالوہاب کی اولاد و امجاد سے ہیں۔ آپ ۱۲۵۸ھ میں بمقام سید پور ضلع بردوان میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچے تو اپنے وطن سے علیحدہ ہو کر علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد پہلے حافظ حاجی جمال الدین بہاری سے نقشبندیہ مجددیہ طریقہ میں بیعت کی۔ پھر پیر کے حکم کے مطابق ۱۲۹۵ھ میں حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر تجدید بیعت کی اور سلوک طریقہ ابوالعلائیہ کے حصول میں مشغول ہوئے اور کامل ۱۶ سال تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ مرشد کے وصال کے بعد ۱۳۱۱ھ میں اپنے شہر بردوان میں مسند ارشاد پر متمکن ہوگئے۔ ۶۲ سال کی عمر میں ۱۳۲۱ھ کو آپ واصل بحق ہوگئے۔

سید شاہ ندرت حسین قدس سرہٗ کو ابتدا ہی سے تصنیف و تالیف کا ذوق تھا۔ آپ کی تین تصنیفات کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ ۱۔ دستور المرشد ۲۔ مولود نبی اور ۳۔ ملفوظات عطائی جو کہ اس وقت میرا موضوع ہے۔

صفحہ پر ۱۸ سطریں ہیں اور کسی صفحہ پر ۲۵ سطریں بھی ہیں۔ نسخہ پر کاتب کا نام کہیں بھی درج نہیں ہے لیکن بہ قرینہ غالب یہ نسخہ مرتب کے دست خاص کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ نسخہ کے صفحۂ اوّل و آخر پر ان کی مہر موجود ہے جس میں السید ندرت حسین چشتی حنفی المنعمی اور ۱۳۰۰ھ مذکور ہے۔

زیر موضوع کتاب "ملفوظات عطائی" دراصل حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی قدس سرہٗ کی ان چالیس پاکیزہ مجالس کی یادگار ہے جنہیں جمع کرنے کی ہدایت خود سید شاہ عطا حسین قدس سرہٗ نے اپنے خلیفہ سید شاہ ندرت حسین قدس سرہٗ کو دی تھی۔ چنانچہ مقدمہ کتاب میں سبب تالیف کے ضمن میں مرتب موصوف فرماتے ہیں:

"ایماد اجازت بہ تسطیر ملفوظات خود نمودہ فرمودند کہ در طریقۂ چشتیہ ما بزرگان طریقت اکثر ملفوظات
پیر خود را قلم بند نمودہ اند۔"

"ملفوظات عطائی" ۵ سال کے طویل عرصہ میں ترتیب دی گئی۔ اگرچہ فاضل مرتب ہر روز اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن بہ سبب طوالت تمام مجالس کو آپ نے جمع نہیں کیا ہے بلکہ ان تمام مجالس میں سے صرف چالیس[40] اہم مجالس کا انتخاب کر لیا ہے۔ پہلی مجلس ۱۷ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ کی ہے اور چالیسویں مجلس ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۰۵ھ کی ہے۔ ان چالیس مجالس کی تقسیم اس طرح ہے کہ ابتدائی بیس مجالس ۱۳۰۰ھ کی ہیں۔ اس کے بعد کی ۵ مجالس ۱۳۰۱ھ کی ہیں۔ پھر تیرہ مجالس ۱۳۰۲ھ کی ہیں۔ بقیہ ایک ایک مجلس ۱۳۰۴ھ اور ۱۳۰۵ھ کی ہے۔

"ملفوظات عطائی" کی تمام چالیس مجالس کا بالتفصیل جائزہ لینا تو اس مختصر وقت میں ممکن نہیں لہٰذا میں مختصراً چند مجالس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

پہلی مجلس میں تقویٰ اور مراقبہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ مراقبہ بھی رسمی طور پر کرتے ہیں بس ذرا دیر گردن جھکائی اور اٹھ گئے حالانکہ مراقبہ ایسا ہونا چاہیے کہ دل میں چسپیدگی پیدا ہو جائے اور اس وقت تک مشغول رہے جب تک ذوق و شوق نہ پیدا ہو جائے۔ پھر اسی مجلس میں آپ نے تقویٰ کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے لیے سب سے بدترین گناہ زنا کاری ہے اور پھر زنا کی تفصیل بتائی کہ زنا کی چار قسمیں ہیں ــــ زنائے شریعت، زنائے طریقت، زنائے حقیقت اور زنائے معرفت۔ زنائے شریعت دراصل قربت کا نام ہے اور زنائے طریقت چھو لینے کو کہتے ہیں۔ زنائے حقیقت وہ کہ شہوت کی نظر سے دیکھے اور زنائے معرفت وہ ہے کہ دل میں زنا کا خطرہ پیدا ہو۔ لیکن حد صرف زنائے شریعت میں ہے۔ نیز اسی ضمن میں آپ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام سے باہم گفتگو کے وقت میں نے سنا تھا کہ ابدال سے طاقت مجامعت چھین لی جاتی ہے۔

دوسری مجلس تنظیم اوقات سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ جو کام تنظیم اوقات کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے اس میں استحکام اور پائداری ہوتی ہے جو لوگ منظم زندگی گذارتے ہیں ان کے کام رکے نہیں رہتے ہیں اور پابندی کے ساتھ انجام پاتے رہتے ہیں چنانچہ اعمال کے سلسلے میں یہ ایک حدیث بھی ہے کہ "بہتر کام وہ ہے جو مختصر ہی ہو مگر پابندی کے ساتھ بلا ناغہ انجام دیا جائے" اور یہ چیز بغیر تنظیم اوقات کے حاصل ہو نہیں سکتی۔ اس لیے اولیاء اللہ نے اوقات کی تنظیم پر بہت زور دیا ہے چنانچہ یہ مجلس بھی اسی نکتہ کی موشگافی کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "سالک اور طالب کو چاہیے کہ رات و دن اپنے اوقات کو مقرر کرلے۔ صرف بقدر ضرورت امور دنیا اور جتنی حاجت ہے معاش کے حصول میں مشغول رہے باقی اوقات کو مولا کی یاد اور آخرت کے کام میں خرچ کرے۔"

تیسری مجلس میں مرتب موصوف لکھتے ہیں کہ میں نے پیر و مرشد سے عرض کیا کہ اہل خدمت کسے کہتے ہیں اور انھیں کون سا کام سپرد کیا جاتا ہے؟ جواب میں فرمایا کہ اہل خدمت اس کو کہتے ہیں جسے کسی شہر یا جس جگہ وہ رہتا ہے اس کے ظاہری و باطنی خبرگیری کا کام تفویض کیا جاتا ہے بعض شہر میں صرف ایک ہی اہل خدمت رہتے ہیں بعض میں زیادہ رہتے ہیں۔ اسی گفتگو کے ضمن میں آپ نے آگے فرمایا کہ میرے مرشد کے زمانہ میں عظیم آباد میں تین اشخاص اہل خدمت تھے دو شخص مجذوب اور ایک فرشتہ صفت میرے مرشد سید شاہ قمرالدین حسین منعمی عظیم آبادی قدس سرہٗ سالک تھے۔ چنانچہ میرے مرشد (سید شاہ قمرالدین حسین قدس سرہٗ) فرماتے تھے کہ اس شہر پٹنہ میں تکیا شاہ ایک جوتا سینے والے اور ایک دوسرا شخص اہل خدمت ہیں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ چنانچہ جب میرے مرشد کا وصال ہوا تو تکیا شاہ بہت روئے ایک دن مجھے دیکھ کر کہا "سوتن چلا گیا اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکے گا۔" دوسرے سال تکیا شاہ مجذوب بھی رحلت فرما گئے۔

بارھویں مجلس میں فرماتے ہیں کہ: "جو شخص پیر کا نکالا ہوا ہو اس کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے کیونکہ پیر نائب نبی ہوتے ہیں اور نبی نائب خدا ہوتے ہیں لہٰذا وہ مرید خدا کا راندہ ہے اور یہ بھی پیر و مرشد نے فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے مرید سے ناراض ہو جائے تو مرید کو پیر کے تفضلات سے ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے تعلق قلبی کو پیر کے ساتھ قائم رکھنا چاہیے کیوں کہ یہی چیز اس کے لیے آئندہ پیر کی شفقت و کرامت کا سبب بنے گی۔"

پینتیس ویں مجلس کا تعلق حضرت کے خاص مکاشفہ سے ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنے مخصوص کے سامنے ہی مناسب سمجھا ہے اور اسی میں ایک پیشنگوئی بھی ہے۔ اس مجلس میں اس بات کا اظہار ہے کہ حضرت کو خضر علیہ السلام سے ملاقات کا اکثر اتفاق ہوا کرتا تھا چنانچہ وہ مؤلف کتاب سے فرماتے ہیں کہ تم کو اخبار سے خبریں ہوجاتی ہیں لیکن ہم کو حضرت خضر علیہ السلام کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جب تک کوئی کامل شخص پٹنہ

راشہر کے لیے رنگ برنگ کا کپڑا پہنے ہوئے میری جگہ پر نہیں آئینگے میں استعمال نہیں کروں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرا بیٹا بھی میری جگہ پر اس خدمت کے لیے نہیں بیٹھے گا۔

یہ تو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ رنگ برنگ کا کپڑا پہنے ہوئے آنے والے صاحب خدمت کون بزرگ تھے۔ لیکن نئی بات تو ضرور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا بیٹا میری جگہ پر جانشین نہیں ہوگا چنانچہ آپ کے صاحبزادہ قطب الدین آپ کے زمانہ حیات میں ہی رحلت فرماگئے اور اسی چیز کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔

"ملفوظات عطائی" نہ یہ کہ حضرت سید شاہ عطا حسین قدس سرہٗ العزیز کے لیل و نہار کو ظاہر کرتا ہے بلکہ خود رتب کی زندگی اور ان کی سوانح حیات کے مختلف گوشوں کو واضح بھی کرتا ہے جن کا تعلق حصول بیعت تعلیم اور اجازت وخلافت سے ہے۔

رسالہ جنونیہ (فارسی) مصنفہ محمد وفا : ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اپنی گراں قدر تحقیقی تصنیف "اردو نثر کا آغاز وارتقا" میں رسالہ جنونیہ کو اردو کی پہلی تصنیف گردانا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اس کا واحد نسخہ بیجاپور کے سرکاری عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ دوسرا نسخہ جو راقم کے پیش نظر ہے کتب خانہ خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ (رام ساگر، گیا) کی ملکیت ہے۔ یہ نسخہ نامکمل ہے۔ آخر کے صرف ۵ اوراق محفوظ ہیں۔ کتاب کا خاتمہ اس جملہ پر ہے ۔

"تمت این رسالہ المسماۃ بہ جنونیہ"

پیش نظر نسخے پر نہ تو مصنف کا نام درج ہے اور نہ ہی کاتب کا سنہ کتابت بھی کہیں درج نہیں ہے۔ لیکن اسی نسخے کے ساتھ کچھ دوسرے نسخے بھی ایک ساتھ مجلد ہیں جو ایک ہی کاتب کے نقل کردہ ہیں۔ دیگر نسخوں پر سنہ کتابت ۱۱۶۸ھ درج ہے اس لیے بہ قرین اغلب "رسالہ جنونیہ" کی سنہ کتابت ۱۱۶۸ھ ہے۔

رسالہ جنونیہ میں اردو اقوال کی تشریح فارسی میں کی گئی ہے۔ پیش نظر نسخہ میں صرف ۹ اقوال کی تشریح ہے۔

اس نسخے کا پہلا قول: "بات کی بات خرافات کی خرلغات یعنی جائے سخن سخن است و جائے خرافات خرافات است۔ معنیش آں باشد کہ نزدیک عارف ہر سخن کہ عوام الناس ظاہری شود خواہ نیک خواہ بد ایشاں ہمہ راست می شوند"

مکتوبات شاہ حسن علی (مصنفہ حضرت سید شاہ حسن علی منعمی عظیم آبادی قدس سرہٗ) پیش نظر نسخے پر کاتب کا نام کہیں بھی نہیں ہے اور نہ سنہ کتابت ہی درج ہے۔ یہ نسخہ ۲۷ اوراق پر مشتمل ہے مسطر کی کوئی پابندی نہیں رکھی گئی ہے۔ نسخہ کی لمبائی ۹½" اور چوڑائی ۶" ہے۔ نسخہ کے درمیانی ۸ اوراق نہایت ہی کرم خوردہ ہیں جس کی وجہ کر مکتوبات کا صحیح شمار نہ ہوسکا۔ بہ قرین اغلب اس نسخہ میں ۹۰ سے زیادہ مکاتیب ہیں۔ جس میں ایک مکتوب شیخ سعادت علی کے نام اور دو شیخ بدیع الدین کے نام ہیں بقیہ تمام مکاتیب حکیم شاہ فرحت اللہ منعمی کریم چکی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کے نام ہیں۔ تمام

مکاتیب میں آپ نے مکتوب الیہ کو برخوردارمن، برادرمن حسن دوست اور برخوردار نورچشم شاہ فرحت اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ جیسے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ کسی بھی مکتوب میں تاریخ نہیں ہے کچھ مکتوبات میں آپ نے ہندی دوہرے بھی لکھے ہیں۔ آپ کا ایک اردو مکتوب بنام حسن دوست بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔

معمولات اشرفی (مصنفہ حضرت سید شاہ عطا حسین منعمی داناپوری ثم گیاوی قدس سرہٗ) راقم کے پاس اس کتاب کے دو نسخے ہیں۔ پہلا نسخہ مصنف کے دست خاص کا تحریر کردہ ہے جو کہ ۱۲۶۳ھ کا تصنیف کردہ ہے۔ دوسرا نسخہ سید رضی الدین حسین بیتھوی کا نقل کردہ ہے جو ۱۲۶۵ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ پہلا نسخہ ۵۰ اوراق پر مشتمل ہے مسطر ۹ سطری ہے اور لمبائی "½ ۷ چوڑائی "½ ۴ ہے۔ دوسرا نسخہ ۲۵ اوراق پر مشتمل ہے مسطر ۱۳ سطری ہے اور لمبائی "۹ اور چوڑائی "۶ ہے۔

مصنف نے اپنے مرید و خلیفہ مولوی سید عبدالفتاح المشتہر میر اشرف علی حسینی رح کی تعلیم کی غرض سے رسالہ کو تصنیف کیا اور "معمولات اشرفی" نام رکھا۔ اس رسالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ہر دو حصوں کو صدف کا نام دیا۔ پہلے صدف میں اپنے معمولات کی نمازوں کی ترکیب بتائی اور دوسرے صدف کو ۷ گوہروں میں تقسیم کیا اور ہر گوہر میں اذکار و اشغال و مراقبات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اصطلاحات سلوک کی بھی تفصیل بتائی ہے۔ اور جا بجا اپنے سلاسل کے بزرگوں کے واقعات کے ساتھ ساتھ اپنے تجربات بھی بیان کیے ہیں۔

امواج البحار فی سر الانہار (فارسی) پیش نظر نسخہ میں مصنف کا نام کہیں بھی درج نہیں ہے یہ نسخہ ۱۵ اوراق پر مشتمل ہے اور مسطر ۱۶ سطری ہے۔ نسخہ کی لمبائی "½ ۱۱ اور چوڑائی "½ ۶ ہے۔ نسخہ پر ناقل کا نام بھی مرقوم نہیں ہے۔ یہ رسالہ ۱۱۸۴ھ میں تصنیف کیا گیا ہے۔ زیر نظر رسالہ دراصل حدیث نبویؐ "اول ما خلق اللہ نوری" کی تفسیر ہے یعنی مصنف نے تصوف کے اس نکتہ کی تفصیل بیان کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر کائنات اور خلاصۂ موجودات ہیں اور باعث تخلیق کائنات ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام کائنات ارضی و سماوی کا تفصیلی ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام اشیاء دینی و دنیاوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جلوہ گر ہے۔

مرأۃ الحقیقت (فارسی) مصنفہ شمس الدین محمد، پیش نظر نسخہ نامکمل ہے اس لیے سنہ کتابت کا پتہ نہ چل سکا۔ اوراق کی تعداد ۶۹ ہے اور مسطر ۱۶ سطری ہے۔ نسخہ کی لمبائی "½ ۱۱ اور چوڑائی "½ ۶ ہے۔ نقل کرنے میں کچھ اوراق چھوٹ گئے ہیں اور چھوٹنے کی وجہ اصل کتاب کی کرم خوردگی ہے جیسا کہ ناقل کتاب نے اپنی تحریر میں جا بجا اس کا اظہار کیا ہے۔

"مرأۃ الحقیقت" کے مصنف شمس الدین محمد ولد شیخ محمد بنیانی الچشتی القادری ہیں۔ جنھوں نے اپنے صاحبزادہ سید ابراہیم کی تعلیم کی غرض سے اسے تصنیف کیا۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، پانچ حقائق اور ایک خاتمہ پر مبنی ہے۔ مقدمہ علم

کی تحقیق اور اس ضمن میں سوال وجواب اور اس کے مشکل حل کے بیان میں ہے۔ حقائق کے ضمن میں پہلی حقیقت وحدۃ الوجود کے بیان میں دوسری حقیقت وحدۃ الوجود کی عقلی اور نقلی دلائل کے بیان میں تیسری حقیقت وحدۃ الوجود کی تمثیلات کے بیان میں چوتھی حقیقت اہل وحدت کے احوال کے بیان میں اور پانچویں حقیقت روح کے نقل کے بیان میں ہے۔

اور خاتمہ دراصل اس شعر کی تشریح ہے ؎

زدریائے شہادت چوں نہنگ لا برارد ہو   تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

دستور العمل (فارسی) مصنفہ حکیم شاہ فرحت اللہ منعمی المخاطب بہ حسن دوست کریم چکی قدس سرہٗ

پیش نظر نسخہ، ۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ مسطر ۱۵ سطری ہے۔ نسخہ کی لمبائی ''۹.۱ اور چوڑائی ''۶ ہے۔ ناقل سید رضی الدین حسین یعقوبی ہیں۔ اور سنہ کتابت ۱۲۶۶ھ ہے۔

حکیم شاہ فرحت اللہ منعمی قدس سرہٗ نے اپنے فرزندوں اور مسترشدوں کو تعلیم کی غرض سے جو خطوط لکھے تھے۔ وہ حضرت سید شاہ قمرالدین حسین منعمی عظیم آبادی قدس سرہٗ کے پاس موجود تھے۔ ان مکتوبات کو سید شاہ عطا حسین منعمی قدس سرہٗ نے ترتیب دے کر کتابی صورت دیا اور ''دستور العمل'' نام رکھا۔ اس میں گیارہ مکتوبات شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً حضرت شاہ فرحت اللہ قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادہ حکیم مظہر حسین صاحب اور مرید عنایت حسین صاحب اور شاہ فضل علی صاحب کو لکھے تھے۔ ان مکتوبات میں تصوف کے مختلف نکات اور منازل مثلاً ایمان، عشق، فقر، عناد وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے۔

اپنے صاحبزادہ حکیم مظہر حسین صاحب کو جو خطوط آپ نے لکھے ہیں اس میں انہیں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی ہے۔ اور سلوک کے منازل کی تفصیل بتائی ہے۔ نیز اسی ضمن میں آپ نے یہ بتایا ہے: ''اے عزیز! سالک کی باتیں سالک ہی کو بتائیں اور اسی پر ظاہر کریں جب تک سلوک سے وابستہ نہ ہوا سے ہرگز نہ بتائیں کہ ایسے لوگ صادق الطریقت ہوتے ہیں۔''

اپنے مرید عنایت حسین صاحب کو مراقبہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: (مراقبہ کے دوران) اپنے آپ کو فراموش کردیں اور فقیر کو یاد رکھیں اپنے تمام جسم وجان کو فقیر کا جسم وجان سمجھ کر مشغول ہوں۔ جس قدر ایسا خیال غالب آتا جائے گا اپنی فراموشی حاصل ہوگی اور خود فراموشی ہی کامیابی کی ضامن ہے۔''

الغرض اسی طرح آپ نے اپنے مریدوں کو دیگر خطوط کے ذریعہ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ ●●

پروفیسر شاہ عطاء الرحمن عطا کاکوی
سلطان گنج، پٹنہ

مرآۃ المحققین

جس طرح ایک ہی نام کے کئی اشخاص ہوتے ہیں، ایک ہی تخلص کے کئی شاعر ملتے ہیں اسی طرح ایک ہی نام کی کتابیں کئی اشخاص کی ہوتی ہیں اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کتاب ایک ہی ہے مگر کئی اشخاص کی طرف نادانستہ منسوب کر دی گئی ہے۔ اکثر و بیشتر نہ جانے کتنے مخطوطات ہیں جن کی نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم۔ اسی لیے اس کی شناخت مشکل ہے۔

فہرستوں میں نام کتاب کے ساتھ اگر کتاب کی ابتدا کی عبارت اور انتہا کی عبارت بھی بالالتزام لکھی جائے تو فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ مرآۃ المحققین ان ہی کتابوں میں سے ایک ہے۔ فہرستوں کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس کے مصنف وہی حضرت ہیں جو محمود شبستری کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی مثنوی "گلشن راز" مشہور و معروف کتاب ہے جو نصاب میں رہی ہے۔ محمود شبستری در اصل اسی کتاب کے سبب سے مشہور و معروف ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی مصنف کی اگر کوئی کتاب از حد مقبول ہو گئی تو اس کی اور تصانیف بھی جو در خور اعتنا ہوتی ہیں پس پشت پڑ جاتی ہیں۔ گلشن راز کی تابناکی نے ان کی دیگر تصانیف کی شہرت کو مدھم کر دیا۔

محمود شبستری کے عام حالات دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کی ولادت شبستر (قریب تبریز) میں ہوئی۔ وفات ۷۲۰ھ میں ہوئی۔ اپنے وقت کے بڑے صوفی فلسفی اور متبحر عالم سمجھے جاتے تھے۔ لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے اور اپنے شبہات پیش کر کے حل کرتے تھے۔ میر حسینی سادات ایک مشہور بزرگ (زاد المسافرین والے) بھی ان سے مستفید ہوئے ہیں۔ فلسفیانہ اور متصوفانہ الجھے چند سوالوں کے ذریعہ بحران سے استصواب کر کے ان کے سامنے پیش کیا۔ یہ سوالات نظم میں تھے اس لیے کہا جاتا ہے کہ شبستری [illegible] تمام مسائل کے جواب بھی انھوں نے اشعار میں دیے۔ بیان کی قلمی کرامت تھی۔ فلسفہ اور غامض مسائل کی تشریح نظم میں بیان کر دینا بھی ایک کارنامہ ہے۔ یہ مثنوی زیادہ ضخیم تو نہیں مگر نہ جانے صدہا نے اس کے اشعار کتنے ہیں ہزار کے قریب بتائی ہے جو نا قابل قبول ہے۔ خیر یہ تو [illegible] کی بات ہوئی، اب آئیے اصل موضوع کی طرف۔

شبستری نے بہتیری کتابیں لکھی ہیں جن میں اکثر ناپید ہو گئی ہیں مگر چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔

حق الیقین، رسالۂ شاہد، سعادت نامہ، منہاج العارفین اور مرآۃ المحققین۔

کتاب کا تعارف :- مرآۃ المحققین کا جو نسخہ خدا بخش میں ہے وہ صرف ۴۲ اوراق پر مشتمل ہے سطور ۱۵۔ خط نستعلیق، متن کتاب یا دیباچہ میں کہیں مصنف کا نام نہیں مگر ترقیمہ میں یہ عبارت ملتی ہے: "تمام شد نسخہ مرآۃ المحققین من تصنیف شیخ العارف محمود شبستری در آباد اکبر آباد بتاریخ پانزدہم شہر ذیقعدہ ۱۱۲۰ھ بخط فقیر میر محمد علی حسینی"

موضوع کتاب :- خود مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے۔

این کتابیست در معرفت نفس وعلم خداشناسی بواسطہ دیدن صنایع بدایع و عجائب و غرائب قدرت او در عالم ظاہر و باطن۔ این را مرآۃ المحققین نام نہادم بجہت آنکہ مرآۃ آئینہ روشن باشد تا خود را بتوانند دیدن۔ خود را بتوانند دیدن و از خودشناسی بخداشناسی توان رسید (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ):

بقول اکبر داناپوری:-

یہ جو صورت ہے مری صورت جاناں ہے یہی   یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے سامان ہے یہی

اس کتاب میں ۷ ابواب ہیں۔

(۱) دربیان نفس طبیعی، نباتی و حیوانی و انسانی (۲) دربیان صورت تخلیق کائنات (۳) دربیان موجودات: ممتنع الوجود و واجب الوجود و ممکن الوجود (۴) دربیان حکمت تخلیق کائنات و آدم (۵) دربیان عناصر اربعہ و مبداء و معاد (۶) دربیان عالم ظاہر و باطن (آفاق و انفس) (۷) برابر کردن تن مردم بہ عالم۔

اس کے مختلف نسخے :- ہندوستان میں تقریباً بڑے کتب خانوں میں اس کے نسخے ملتے ہیں۔ مثلاً سالار جنگ میں ان کے ۵ نسخوں کا حوالہ ہے مگر عجیب بات ہے کہ فہرست نگار نے عنوان کو نصیر الدین طوسی سے منسوب کر دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو غلط طور پر عزیز نسفی یا حضرت گیسو دراز گلبرگہ سے منسوب کر دیا گیا ہے یہ سب اطلاعات غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

آندھرا پردیش کے اسٹیٹ سنٹرل لائبریری میں اس کے تین نسخے ملتے ہیں۔ فہرست نگار نے اس کے مصنف کا نام خلیل اللہ بتایا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس فہرست میں ایک کتاب مرآۃ التصوف بھی ہے اس کا مصنف بھی خلیل اللہ ہے فہرست نگار کو مغالطہ ہوا۔ (ابتدا و انتہا ندارد)

دو اور نسخے جو وہاں ہیں فہرست میں مصنف کا نام ندارد ہے۔ ایک نسخہ دانش گاہ بمبئی میں بھی ہے مصنف کا پتہ نہیں پاکستان میں اس کتاب کے ۲۲ نسخے مختلف مقامات میں ہیں۔ مثلاً اسلام آباد گنج بخش ۵، کراچی میوزیم ۹، کراچی ... آباد ۱، لاہور پنجاب پبلک لائبریری لاہور، دیال سنگھ اٹک ۱، خیرپور ۲، شیخوپورہ ۳، ملتان ۱، راولپنڈی ۱۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حقیقتاً اس کتاب کا اصل مصنف کون ہے جبکہ مصنف نے متن کتاب میں کہیں اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔

اس لیے مختلف کاتبوں نے مختلف نام ترقیمے میں لکھ دیے۔ جن حضرات کے نام اس کے مصنف کی حیثیت سے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) نصیر الدین طوسی (۲) بوعلی سینا (۳) شاہ ولی اللہ کرمانی (۴) مخدوم شرف الدین بہاری (۵) وغیرہ۔

وحید ا نے مرآۃ المحققین کو شبستری کی تصنیف بتایا ہے۔ طوسی اور رازی کے یہاں کوئی تصنیف اس نام کی ان دونوں نام سے منسوب نہیں۔ جناب احمد منزوی اور عارف نوشاہی نے پاکستانی مخطوطوں کے تعارف میں اس کتاب کو محمود شبستری سے منسوب کیا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

ایک اطلاع یہ ملتی ہے کہ شیخوپورہ (پاکستان) میں اس نام کی جو کتاب ہے اس کی ابتدا دوسری ہے اور مصنف کا نام اسی طرح اسلام آباد کے ایک کتب خانے گنج بخش کا جو نسخہ ہے اس کی ابتدا مختلف ہے۔ اور اس کے متعلق مشار ہیں۔ یہ اطلاع ہے کہ تین چھاپ ہو چکے ہیں اس لیے قیاس یہی ہے کہ یہ کوئی دوسرا نسخہ ہے جو طوسی کے نام سے چھپا ہے۔

ان شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرآۃ المحققین جس کی ابتدا یہ ہے:۔

"حمد بےحد و ثنای بےعد حضرت ذو الجلال را ..." محمود شبستری کی تصنیف سمجھی جا سکتی ہے تا آنکہ کوئی دوسری روایت اس کے خلاف نہ مل جائے۔

یہ ایک مختصر رسالہ اس قابل ہے کہ اس کی تدوین و ترتیب کی جائے۔

●●

ر علی ابدالی
اہ قادریہ
لاہور نامندہ

کتب خانۂ خانقاہ قادریہ اسلامپور

کے

دو اہم مخطوطات

۱) مصطلحات المتصوفین

حضرت شاہ فرزند علی صوفی منیری اردو اور فارسی میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ان کی اردو نظم و نثر پر تحقیقی مقالات بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن ان کی فارسی نظم و نثر پر اب تک کام نہیں ہوا ہے۔ مصطلحات المتصوفین کا ذکر تو ان کی تصانیف کے سلسلے میں کیا گیا ہے لیکن اب تک اس سلسلے میں تفصیلات نہیں پیش کی گئی ہیں۔ یہ کتاب چونکہ خالص تصوف کی اصطلاحات سے متعلق ہے اس لیے مختصراً اس کا تعارف کرا رہا ہوں۔

کتاب کا نام مصطلحات المتصوفین ہے۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی لیکن ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ اصل نسخہ کی نقل ہے جس کی کتابت مصنف کے صاحبزادے شاہ اسد اللہ منیری نے ۱۳۲۱ھ میں کی ہے۔ اس کتاب میں کل ۶۸ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں۔

مصنف کا مطالعہ خاصہ وسیع تھا۔ ان اصطلاحات کی تشریح کرنے میں انھوں نے بڑی محنت کی ہے اور بزرگان دین کی کتابوں اور اقوال سے استفادہ کیا ہے اور جا بجا ان کا حوالہ دیا ہے۔ ان اصطلاحات کے سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

"از خزائن خواطر قدسیہ و معادن جواہر انسیہ یعنی انفاس متبرکہ و کتب معتبرہ بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فراہم آمد" ص۳

آگے چل کر ان اصطلاحات کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں:

"این اصطلاحات نہ چناں است کہ لفظے تراشند و از لفظ سوے معنی روند بلکہ معنی در روے مقدم است کہ از معنی سوے لفظ آمدند و منقول است از مشائخ کبار سلف کہ موافق است بآیات و احادیث و متعلق است باحوال و مقامات و معنی لطیف دارد و عبارت شریف و چوں کلمات مجذوبان نیست کہ مدعایش برگزیدہ و الفاظش منکر و ناپسندیدہ باشد" ص۶

اس کتاب میں ۲۳۲ اصطلاحات کے معنی لکھے گئے ہیں یا ان کی تشریح کی گئی ہے لیکن شاید ان تمام اصطلاحات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو صوفیائے کرام کے یہاں مستعمل ہیں۔ مصنف کی وسعت معلومات کی داد دینی ہی ہوگی لیکن کہیں کہیں پر تشریح کرنے کے بجائے اصطلاح

اور لغوی معنی دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کی تصانیف، ملفوظات اور مکتوبات کے حسین نوشہ توحید بلخی، مخدوم حسن بلخی، مخدوم احمد لنگر دریا بلخی، حضرت قاضن شطاری، پیر محمد لکھنوی، شیخ الشیوخ شہاب الدین اور امام ربانی حضرت سید علی ہمدانی جیسے اکابر صوفیائے کرام کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور مثنوی مولانا روم، خواجہ فرید الدین عطار، ملا عبدالرحمٰن جامی اور حافظ کے علاوہ سرمد کے اشعار بھی جا بجا لکھے گئے ہیں۔

اب آیئے دیکھا جائے کہ صوفی منیری نے ان اصطلاحات کی تشریح کس طرح کی ہے۔ آب حیات کی تشریح ان الفاظ میں کرتے:

"کنایہ از شرب عشق و شرب محبت است کہ زندگی عاشقاں بداں است و بقا از مدِ آں۔ حافظ علیہ الرحمۃ راست شعر

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

و نیز اشارات از کلام معشوق و چشمہ حیوان دہن او" صلا

اخلاص کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں: "اخلاص آں است کہ از غیر حق تبرا کند و روئے بحق تعالیٰ آرد و ہر کارے کہ کند در سینہ از خلق کند و بمدح و ذم ایشاں التفات نماند قولہ تعالیٰ الا للہ الدین الخالص۔

خلق را چوں ز پیش بر داری کہ در رہ درست ایں بود اخلاص

خویش را از میانہ برگیری ایں بود صدق و صفِ خاص الخاص

ہر کارے کہ در و نیت ہمہ للہ باشد خالص است و اگر آمیختہ اغراض نفسانی ست خالص نیست اگر نیت ہمہ نیک است ہمہ ثواب ہمہ بلاست ہمہ عذاب است و اگر مخلوط است ثواب بر قدرِ نیت صالحہ باشد" صلا

پیرِ خرابات پیرِ مغاں اور پیرِ میکدہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"عبارت از پیر و مرشد است بدیں اعتبار کہ مرید را ترکِ رسوم و عادات و بخراب کردن و شکستن نفس مدارد وی فرمائد پیرِ خرابات گویند و بدیں نظر کہ شرابِ عشق بمریدانِ صادق می دہد پیرِ مغاں و پیرِ میکدہ گویند"

تزکیہ کے معنی اس طرح بیان کرتے ہیں: "پاک کردن نفس از افعال و اوصافِ ذمیمہ مثل حسد و بغض و کینہ و ریا و بخل و عجب و غیرہ"

توحید کے معنی یوں لکھتے ہیں: "خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ از توحید پرسیدند گفت یقین است گفتند چگونہ گفت حرکات و سکنات خلق فعل خدائے است کسے را با او شرکت نیست" صلا۱۳

صوفی کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: "کسیکہ بدل رسیدہ باشد و فانی فی اللہ و باقی باللہ گردیدہ" صلا۲۶۳

۱) مکتوبات مخدوم شاہ حسن علیؒ

مخدوم شاہ حسن علیؒ کے مکتوبات کا ایک نسخہ کتب خانہ قادریہ اسلام پور میں موجود ہے۔ اس کے دو اور نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ ایک نسخہ خانقاہ منعمیہ رام ساگر گیا میں اور دوسرا خانقاہ قمریہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی میں ہے۔ لیکن یہ دونوں نسخے نامکمل ہیں۔ پیش نظر نسخہ میں ۱۰۸ صفحات ہیں۔ جامع کا نام درج نہیں ہے۔ کتابت ماسٹر عبدالرحمٰن اشرف پوریؒ نے کی ہے لیکن سنہ کتابت نہیں لکھا ہے۔ اور نہ یہ لکھا ہے کہ اس کی نقل کہاں سے کی گئی ہے۔ گمان ہے کہ اسی نسخہ سے اس کی کتابت کی گئی ہے جو مخدوم شاہ محی علی نواآبادی خانقاہ میں تھا لیکن اب وہاں اس کتاب کا کوئی نسخہ نہیں ہے۔ مخدوم شاہ حسن علیؒ کے مکتوبات کا یہ مجموعہ اسی سبب سے اہم ہے اس میں ایک خط اردو میں ہے اور جابجا اردو کے اشعار لکھے گئے ہیں۔ اردو کا وہ خط شائع ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس مجموعہ میں ۱۲۱ مکتوبات شامل ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

حکیم شاہ فرحت اللہ الملقب بہ حسن دوست کے نام .... ۱۰۴ مکتوبات

شیخ سعادت علی کے نام .... ۱ مکتوب

مولوی عبدالغنی پھلواروی کے نام.......................... ۱ مکتوب

مولوی عمادالدین حسین کے نام .... ۱۹ مکتوبات

مکتوبات دراعمال .... ۵ مکتوبات

کُل ۱۳۰ مکتوبات

القاب سے پتہ چلتا ہے کہ مکتوبات دراعمال حکیم فرحت اللہ کریم چکی الملقب بہ حسن دوست کو لکھے گئے ہیں۔ ص۱ سے ص۸۲ تک خطوط ہیں۔ ص۸۲ سے ص۹۱ تک ملفوظات ہیں۔ ص۹۲ پر مخدوم شاہ حسن علی کے وصال کا وقت تاریخ اور سنہ لکھا گیا ہے۔ ص۹۳ سے ص۹۴ تک یعنی آخری دو صفحات میں حکیم فرحت اللہ کریم چکی کے بیس اشعار مراقبہ پر لکھے گئے ہیں۔

صوفی دائمؒ شاہ متوطن عظیم پورہ ڈھاکہ کو چھوڑ کر جو آپ کے برادر طریقت تھے سارے مکتوب نگار آپ کے مرید یا معتقد تھے۔ ان مکتوبات میں ان لوگوں کو نصیحتیں کی گئی ہیں یا تصوف سے متعلق بات لکھی گئی ہے۔ اب میں چند مکتوبات کا اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مکتوب بست و یکم بنام حسن دوست؛

" وقت را غنیمت شمار و کار آخرت راز و دزود کیند وگرنہ در این راہ راہزن بسیار اند اکثر ہمراہ

اند و خبردار باشند از نقص افضل بشر کہ نام پاک آں محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام است امیدوار را بندہ ہم جلوہ گر خواہد شد۔" ص ۱۳

دوسرے مکتوب میں وہ بھی حسن دوست کے نام ہے (مکتوب ۶۸) تحریر کرتے ہیں:

"ہر کہ از خود میرد و واللہ مولیٰ میشود۔ لیکن علم مولیٰ شدن نہ باشد چنانچہ قطرہ بہ دریا میرد و بہ دریا نامی شود علم دریا شدن نباشد علم و جہل ہر دو خوب نیست۔" ص ۲۹

شاہ حسن دوست کے نام اکہتر ویں مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اول توحید خیالی میشود بعد ازاں صفاتی بعد ازاں ذاتی روح دیدن می گویند روح را روح دید باشما دیدند ہنوز علم باقی است خود را خود سجدہ کردم سجدہ کہ کرد کرا کرد و دیگر درمیان نہ بود۔" ص ۳۱

۸۶ ویں مکتوب میں شاہ حسن دوست کو لکھتے ہیں:

"باوجود نافرمانی بندہ حق تعالےٰ مہربانی می کند ہمہ چیز می رساند۔" ص ۴۹

مولوی عبدالغنی پھلواروی کے نام حضرت محی الدین ابن عربی کا قول ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

"از حضرت محی الدین عربی ادراک ذات باری رامی فرماید کہ سالک را نہ دراں دار خواہد شد و نہ دریں دار درست و کسے را کہ می شود نہ دراں دار نہ دریں دار و نہ خودی باشد و نہ خدا من حیث ہو ہو حق ثابت شدہ گم دید دراں حالت نہ خودی باشد نہ خدا دراں چہ دخل علم معلوم کجا چوں مفارقت دراں مقامے چنانچہ علیہ السلام می فرماید انا احمد بلا میم۔" ص ۵۹

مولوی عمادالدین حسین کے نام گیارہویں مکتوب میں لکھتے ہیں: "عاشق چیست از خود رفتن و معشوق شدن بلکہ نہ عاشق و معشوق ہر دو یگانہ می نویسم دریں مقام بی مار اگذر نیست

زمیں و آسماں کو تو آخر عدم ہے ٭ یہ دونوں سے باہر ہمارا قدم ہے

دوبرا یاد آیا سو کو لکھے کس کو لکھے یہاں دوئی ذرا نہ سماوے ٭ یہاں تو ایک ہی ایک ہے سو ہیں لکھا نہ جاوے۔" ص ۴۴

ا ب محبوب حسین
خدا بخش لائبریری۔ پٹنہ

زبدۃ التصوف و ارشاد سلوک التعرف

یہ نسخہ خدا بخش لائبریری کے قدیم خطی نسخوں میں سے ایک ہے سنہ کتابت ۸۷۷ ہجری ہے۔ اس نسخہ کی دو خصوصیت لائق ذکر ہے۔ ایک یہ کہ مخطوطہ مؤلف کے دست خاص سے مرقوم ہے۔ دوسری یہ کہ یہ واحد نسخہ ہے۔ کسی لائبریری کے کیٹلاگ میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ان دو خصوصیت کے پیش نظر یہ ایک قیمتی مخطوطہ ہوا۔ مخطوطہ دیکھنے میں تو مختصر معلوم ہوتا ہے، صرف ۸۳ اوراق پر محتوی ہے۔ اور سائز بھی چھوٹا ہے مگر تصوف کے اصول نظریات اور اصطلاحاتِ صوفیا پر یہ ایک جامع نسخہ ہے۔

اس میں تصوف کے مباحث بہت تفصیل سے درج ہیں۔ اٹھاسی ابواب پر یہ مباحث پھیلے ہوئے ہیں تصوف کے اتنے کثیر مباحث کا بیان اس مختصر نسخہ میں آگیا ہے کہ اب تصوف اور صوفیا پر کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جس کا ذکر چھوٹ گیا ہو۔ ہر مبحث کی ابتداء کلام مجید کی آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال کو جگہ دی گئی ہے۔

مزید خصوصیت اس مخطوطہ کی یہ ہے کہ دوسری صدی سے چھٹی صدی ہجری تک کے صوفیاء کرام کے اقوال تصوف کے ہر مضمون پر اس میں موجود ہیں۔ اس واسطے تصوف کے کسی مضمون کے حوالہ کے لیے یہ ایک مفید مخطوطہ ہے۔ مجموعی طور پر ایک سو صوفیاء کرام کے اقوال مختلف مسائلِ تصوف سے متعلق اس نسخہ میں درج ہیں۔ مخطوطہ کے مؤلف محمد بن ہندوشاہ بن محمد الدامغانی ہیں۔ کسی کیٹلاگ میں اس مخطوطہ کا اور اس کے مؤلف کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ مخطوطہ کے ٹائیٹل پیج پر کسی صاحب نے (جو مؤلف کے ہمعصر معلوم ہوتے ہیں) اس مخطوطہ کو شیخ شمس الدین محمد الدامغانی کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر ترقیمہ پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ محمد بن ہندوشاہ بن محمد الدامغانی کا ہے اور خود مصنف کے قلم سے ہے۔ تاریخ لکھی ہے ہے ۲۶ رمضان المبارک ۸۷۷ھ۔ کچھ مضامین کی فہرست ملاحظہ کے لیے پیش کی جاتی ہے:

معرفت اور عارف کا بیان اور علم و معرفت کے درمیان فرق۔ تصوف کے اصول اور ان کے علوم۔ تصوف کے اصول اور صوفی۔ تصوف میں داخل ہونے کی برکت اور صوفیاء کے ساتھ صحبت اختیار کرنے کی برکات۔ ایسے لوگوں کا بیان جو صوفیت اور ان کے طریقہ کے مشابہ ہیں۔ فرقہ ملامتیہ کا بیان۔

اولیا کی شناخت کس طرح کی جائے گی اور ان کے وجود سے کیا برکت ہوتی ہے، اس کا بیان۔ ان سے جو کرامتیں صادر ہوتی ہیں اور وہ ان کرامات کے ظاہر ہونے سے خوف کھاتے ہیں، اس کا بیان۔

کرامات کا غلط دعوی کرنے والے اولیاء ان کے مکر اور استدراج۔ اپنے کسی قول یا عمل سے توبہ کرنا اور اس سے رجوع کرنا۔ اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا۔ مجاہدہ اور ریاضت کا بیان۔ سماع کا بیان جو صوفیاے کرام میں رائج ہے۔ صوفیاء پر غم و اندوہ کی کیفیت جو طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد گریہ وبکا، فطری طور پر ہوتا ہے اس کی توضیح و تشریح۔ صوفیاء کے دلوں میں جو خوف و خشیۃ الٰہی اور خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے اس کا بیان۔ ورع و تقویٰ اور زہد کا بیان اور مراقبہ کی کیفیت ظاہر کرنا۔ صوفیاء کی خاص اصطلاحیں مثلاً اخلاص، توکل، تسلیم، صبر و رضا و شکر، حیا، صدق، ایثار، خلق، تواضع، انبساط، ارادۃ، آداب، یقین، قرب، انس، ذکر اور علم لدنی کی تفصیل و تشریح اور اس کی حقیقت کا بیان۔

علم مجہول کی وضاحت، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے درمیان فرق اور ہر ایک کی وضاحت و تشریح۔ حکمت، بصیرت، فراست، سکینۃ، طمانیت اور شوق وغیرہ جیسی تصوف کی اصطلاحات کی وضاحت کرنا، تواجد اور وجد میں فرق۔ مکاشفہ اور مشاہدہ میں فرق۔

باب چوالیس میں خلق سے متعلق آیت کریمہ سے ابتدا کرنے کے بعد مؤلف نے لکھا ہے۔ آیت کریمہ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ اس آیت کے تحت جناب رسالت مآب کی ایک حدیث کی ہے: آنحضرت ؐ نے حکم فرمایا مکارم اخلاق پر عامل ہونے کے لیے اعمال ظاہری و باطنی میں، مخلوق سے غلطیاں ہو جاتی ہیں ان سے درگزر کرتے رہنا، اخلاق کے بلند پایہ امور کی طرف توجہ دلاتے رہنا اور جو لوگ اس پر اعتراض کریں اور نہ تسلیم کریں ایسے جاہلوں سے تعرض نہ کرنا، یہ سب آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل۔

حضرت رسالت مآب ؐ سے مروی ہے کہ آپ نے جبریل سے اس آیت کریمہ کے مفہوم سے متعلق سوال کیا۔ جبریل نے بتایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ تم سے قطع تعلق کریں، تم ان کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آیا کرو، ان لوگوں کو دیتے لیتے رہنا اور بخشش کرتے رہنا اختیار کرو۔ اور جو تم کو محروم رکھتے ہیں اور تم پر ظلم کریں

سے پیش آتے ہیں ان کو معاف کرتے رہنا اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی سے برتاؤ کرنا یہی آیت کریمہ کا مفہوم ہے۔

باب چھیالیس میں تصوف کے اوصاف میں سے ایک صفت تواضع کی توضیح و تشریح کی ہے۔ اپنے خاص طریقہ کے مطابق آیت کریمہ سے ابتدا کی ہے۔

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا الخ بتایا کہ "ہون" کے معنی سکینہ، خشوع اور وقار ہیں۔ بعض صوفیائے نے فرمایا ہے کہ تواضع میں زیادہ مفید وہ ہے جو آدمی کے اندر سے کبر و نخوت کو نکال دے اور غیظ و غضب مردہ کر دے۔ ایک صوفی نے تواضع کی انتہا یہ بتائی ہے کہ جب آدمی اپنے گھر سے نکلے تو جس پر بھی نظر پڑے اسے اپنے سے بہتر خیال کرے۔ تصوف کے باب میں یقین بھی ایسی صفت ہے جس کا پایہ بلند ہے۔ مؤلف زبدۃ نے آیت کریمہ ہی سے ابتدا کی ہے: واعبد ربك حتى ياتيك اليقين ط

اس کے بعد حضرت جنید بغدادی کا قول نقل کیا ہے کہ جس کا علم یقین کے ساتھ نہ ہو اور یقین خوف کے ساتھ' اور خوف عمل کے ساتھ اور عمل ورع کے ساتھ' اور ورع اخلاص کے ساتھ اور اخلاص مشاہدہ کے ساتھ نہ ہو تو وہ شخص ہلاک ہونے والوں میں سے ہے یعنی وہ تصوف کی راہ میں ہلاک شدہ شمار کیا جائے گا۔ مؤلفِ زبدۃ نے ایک باب علم اور علماء اور عامل بالعلم پر قائم کیا ہے اور جو عمل میں کمی کرنے والے ہیں ان کو بھی اس باب میں شامل کیا ہے۔ ابتدا بحث کی حسب دستور آیت کریمہ سے کرتے ہیں:

وَعَلَّمَكَ مالم تكُن تعلم ۵ اور تجھ کو سکھا دیا سب کچھ جو تو نہیں جانتا تھا۔

سفیان بن عیینہ ایک تابعی ہیں ان کا قول مؤلف نے نقل کیا ہے کہ علم نام ہے باتوں کو سن لینے کا پھر اسے ذہن میں محفوظ کر لینا پھر اسے خوب سمجھ لینا پھر اس پر عمل کرنا' اور سب کے آخر میں اس کو پھیلانا یعنی دوسروں تک اس علم کی باتوں کو پہنچانا۔ مولف ابوالحسین الوراق کا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ مفید علم اللہ تبارک تعالیٰ کے احکامات کا علم اور اس کے منہیات کا علم' پھر ان چیزوں کا جاننا جن کا باری تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور جن سے خوف دلایا ہے پھر جو اشیاء ثواب و عذاب سے متعلق ہیں اور علوم میں سب سے بلند پایہ اللہ تبارک تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا علم ہے۔ مؤلف نے علم لدنی سے بھی بحث کی ہے۔ معمول کے مطابق آیت کریمہ سے ابتدا ہے فوجدا عبداً من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا ۵ اس سلسلہ میں مؤلف نے بیان کیا ہے کہ علم لدنی تصحیح عبودیت کی میراث ہے۔ یعنی جس بندے کی عبادت صحیح طور پر انجام پانے لگتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی وراثت میں علم لدنی عطا فرماتا ہے اپنے خاص بندوں کے لیے یہ فضل و کرم ہوتا ہے۔

علم الاستنباط اور علم لدنی میں فرق ہے کہ علم الاستنباط میں ظن و ریب کو پورا پورا دخل ہوتا ہے اور علم لدنی رموز و اسرار پر بلا شک و شبہ محکم اور قطعی طور سے علم کا ذریعہ ہوتا ہے۔ چھپی ہوئی باتوں سے، جن شمار غیب اور پوشیدہ حقائق سے ہے علم لدنی ان سے پردہ ہٹا دیتا ہے اور ان کو ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ ایسے بندا کے لیے ممکن ہے جو اپنے کو مناہی اور مخالفات سے باز رکھتے ہیں اور معروف امور پر برابر کاربند رہے ہوں۔

تصوف کے باب میں طمانیت کی بھی اہمیت ہے۔ آیت کریمہ ہے، الذین آمنوا وتطمئن قلوبہم بذکر اللہ، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اس آیت کے تحت مؤلف نے قلوب کو چار صنفوں میں تقسیم کر دیا۔

قلوب العامۃ، قلوب الخاصۃ، قلوب العلماء۔

قلوب العامۃ یہ تو مطمئن ہوتے ہیں اللہ پاک کے ذکر سے، اس کی تسبیح اور حمد سے اور اس کی تعریف نعمت اور عافیت پانے پر۔ قلوب الخاصۃ اللہ کے ذکر سے ان کے اخلاق، توکل، شکر و صبر سے قلب الکاملہ پایا جائے گا۔ قلوب العلماء یہ اطمینان پاتے ہیں، صفات، اسامی اور نعت سے، یہ ملاحظہ کریں گے جو ظاہر ہوگا۔ رہے موحدین کے قلوب، تو کسی حال سے ان کے دل کو طمانیت نہیں حاصل ہوتی۔

جناب محمد سعید احمد شمسی
مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ
پٹنہ

الداء والدواء

ایک سو چھبیس صفحات ۱۸ فصول اور ایک باب پر مشتمل اس کتاب کے کئی نام ہیں یعنی الداء والدواء، الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی اور الجواب الشافی لمن سأل عن الدواء الشافی اس کے صرف تین نسخے زمانہ کے دست برد سے محفوظ رہ سکے ہیں۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ، قاہرہ اور برلن کے کتب خانوں میں ان کو دیکھا جا سکتا ہے۔

پیش نظر نسخہ خط نسخ میں ملتا ہے۔ سنہ تالیف نامعلوم، کاتب کے نام اور تاریخ کتابت پر بھی دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ کتاب کا نام سنتے ہی سامع کا ذہن علم طب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ کیٹلاگ میں مندرجہ مختصر تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی جھاڑ پھونک کی کتاب ہے جس میں سورۂ فاتحہ کے خواص و تاثیرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کے مصنف محمد بن ابی بکر الزرعی المعروف بہ ابن قیم جوزی ہیں آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب شمس الدین ہے۔ آپ بتاریخ ۷، صفر ۶۹۱ھ کو عالم وجود میں آئے اور ساٹھ سال کی عمر پا کر ۱۲، رجب ۷۵۱ھ مطابق ۱۳۵۲ء میں واصل بحق ہوئے۔

اس دور میں اسلامی معاشرہ گوناگوں اضطراب و بے چینی میں مبتلا تھا۔ اندرونی پریشانیوں اور بیرونی حملوں کے سبب قومی زندگی خطرہ میں تھی اور نظام سلطنت کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہو چلا تھا لیکن علمی ترقی اپنے عروج پر تھی۔ مختلف علوم و فنون پر بے شمار تصانیف و تالیفات لکھی گئیں۔ اسی مردم خیز ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں اور لا کلام شریعت، علم عربیہ، علم کلام اور تصوف کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ تصوف پر آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں۔

۱۔ مدارج السالکین ۲۔ عدۃ الصابرین ۳۔ ذخیرۃ الشاکرین ۴۔ الفوائد ۵۔ روضۃ المحبین ۶۔ نزہت المشتاقین ۷۔ الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی۔

مصنف نے اپنی اس کتاب یعنی الداء والدواء میں امراض و مصائب اور ابتلاء و آزمائش پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، گناہ و معاصی کو اس کا سبب قرار دیا ہے اور اس کے عواقب و نتائج پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

تیرہویں صدی کی یہ تصنیف جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، چند سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، کتاب کا ابتداء

" ایک شخص مصائب و آلام میں مبتلا ہے۔ یہ بات علم میں آچکی ہے کہ اگر مرض میں اضافہ ہی ہوتا گیا تو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی بربادی سے دوچار ہو جائے گی" سائل نے علامہ سے اس کے دفعیہ کی صورتیں اور علاج و معالجہ کی طرف درخواست کی ہے۔ سوالوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ شریعت مطہرہ میں یاس و ناامیدی کفر ہے خدا تبارک تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔ خواہ وہ مرض جسمانی ہو یا روحانی یا قلبی، اپنے اس دعوے کی دلیل کے طور پر آیات، حدیث نبوی اور افعال صحابہ پیش کرتے ہیں۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: باری تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض اس سے واقف ہیں اور بعض ناواقف ارشاد باری ہے۔ وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين۔ متعدد روایتوں سے بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام نے مار گزیدگی کا علاج سورۂ فاتحہ سے کیا ہے"

مختصر یہ کہ آیات واذکار اور ادعیہ سے ہر مرض کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے خیال میں دعا سب سے بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے" آپ کے نزدیک دعا کی قبولیت کے حسب ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ حمد و ثنا سے ابتدا کیجائے، ۲۔ دعا ایسی ہو جو بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کر سکے۔ ۳۔ خاطر جمع کیجائے، ۴۔ اور بندہ کو اس کی اجابت کا یقین کامل ہو۔ ۵۔ اکل حرام، ظلم اور ذنوب کے ارتکاب سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے، ۶۔ زود اثری کے لیے الحاح و زاری اور اوقات اجابت ضروری ہے۔

علامہ ابن قیم اس کے بعد کسی فرقہ کا نام لیے بغیر معرکتہ الآرا بحث کا آغاز ایک سوال قائم کرکے کرتے ہیں۔ فطری طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اگر مدعو یہ مقدرات میں سے ہو، تو وہ اٹل ہے اس کا عمل پذیر ہونا دعا پر موقوف نہیں ہے، ایک طبقہ کا اسی پر عمل ہے۔

اس خیال کو علامہ جہل و ضلالت سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی بنا پر تمام اسباب کا ابطال لازم آئے گا۔ بھوکا اور پیاسا رہنا ہی اگر مقدر ہو چکا ہے تو پھر کھانا پینا عبث ہے صاحب اولاد ہونا ہی اگر ہے تو تزویج کی کیا ضرورت ہے؟

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دعا صرف عبودیت کا اظہار ہے۔ حصول یا عدم حصول مطلوب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قضائے حاجات کی علامت ہے یعنی خدا جب کسی بندہ کو دعا کی توفیق دیتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس کی حاجت پوری کر دی گئی۔

علامہ ان مختلف اقوال کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "دراصل ان مقدرات کو اسباب سے مربوط کر دیا گیا ہے اور دعا ان اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ حصول مقصود کو دعاؤں پر منحصر کر دیا گیا۔ لہٰذا اس کو بے فائدہ کہنا درست نہیں ہے۔ اسباب میں سے کوئی بھی سبب دعا سے زیادہ مفید اور حصول مطلب کے لیے زیادہ پر اثر نہیں ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے " من لم یسأل اللہ یغضب علیہ " یعنی اللہ کی رضامندی اس سے سوال میں ہے۔ صحابہ کرام بھی اس کے ذریعہ استعانت کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے لیے معاصی اور گناہوں سے احتراز ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت دونوں ہی میں اس کے دور رس نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

انسان اکثر کبھی خدا کے عفو پر بھروسہ، کبھی توبہ کی توفیق اور بسا اوقات مقدرات سے احتجاج و اکابرین کے اقوال و افعال سے غلط استدلال کے سبب نفس کے مغالطہ میں پڑ جاتا ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ارتکاب معاصی کے بعد قلب مغفرت گناہوں کے اثرات کو زائل کر دیتی ہے، بعضوں کا کہنا ہے کہ خدا غفور الرحیم ہے۔ اس لیے جس قدر چاہو گناہ کیے جاؤ۔ ایک گروہ کہتا ہے۔ گناہوں سے پرہیز حماقت ہے۔ کچھ افراد کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا گیا۔ اللھم انی اعوذبک من العصمۃ ۔ علامہ ابن قیم اس مکتبۂ فکر کے حامیوں کو احمقوں کے خطابات سے نوازتے ہوئے صرف یہ فرماتے ہیں کہ یہ خیالات ان کے ہیں جنھوں نے انسان کو مجبور محض قرار دیا ہے۔

بعض فرقوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے کہ یہ نقد ہے اور وہ ادھار۔ اس کا ذرہ ذرہ مفقود ہے اور اس کا موعود۔ لذات متیقن ہیں اور لذت دنیا عقبیٰ مشکوک اور شک یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔

ابن قیم کے نزدیک ایسے خیالات فاسد ہیں۔ علامہ نے ایسے خیالات کے حامل اشخاص و گروہ سے بہائم کو افضل قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ان عقلمندوں سے بہائم زیادہ ہوشیار ہیں۔ کیونکہ وہ کم از کم ایسی جگہوں سے ضرور اعراض کرتے ہیں جہاں کچھ بھی مضرت کا اندیشہ ہو۔

النقد خیر من النسیہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت درست ہو سکتا ہے جب دونوں اجرت میں مساوی ہوں۔ بصورت دیگر نسیہ ہی بہتر ہے۔ بنا بریں دنیا، آخرت سے بہتر کیسے ہو سکتی ہے۔

اسباب امراض: ابن جوزی کے نزدیک تمام امراض و مصائب اور ابتلا و آزمائش کا سبب معاصی گناہ ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے سبب قلوب و ابدان میں ہونے والے نقصانات و امراض کا کما حقہ اندازہ لگانا بہت ہی دشوار اور ناممکنات سے ہے۔ حرمان علم، نقصان رزق، تاریکی قلب، ضعف و نقاہت، عمر میں کمی اور برکتوں کا جاتا رہنا ادنیٰ مثالیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انسان جب پوشیدہ طور پر گناہ کرتا ہے تو اس پر ذلت و رسوائی مسلط کر دی جاتی ہے۔

نتائج معاصی۔ علامہ نتائج معاصی کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔ ایک گناہ دوسرے گناہ کو جنم دیتا ہے معاصی کی طرف طبیعت مائل ہو جاتی ہے اور توبہ و استغفار سے گریزاں رہتا ہے۔ آہستہ آہستہ ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ توبہ بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔ احساس قبح جاتا رہتا ہے، انسان معاصی پر فخر کرتا ہے اور اس کے برملا اظہار کو ہنر لگتا ہے۔ ایسا شخص قابل عفو نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے۔ میری امت کا ہر شخص بخشا جائے گا۔ لیکن گناہوں کا برملا کرنے والے قابل عفو نہیں ہیں۔ بندہ خدا اور اس کے رسول کی لعنتوں کا مستحق ہو جاتا ہے اور انبیاء و ملائکہ کی دعاؤں سے مستفید نہیں

عقوبات معاصی۔ علامہ نے ان پر بہت ہی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک گناہوں کی سزا حسب درجات عام وہ فرماتے ہیں "ان کے عقوبات میں سرفہرست یہ ہے کہ احساس عبرت پذیری مفقود ہو جاتی ہے۔ حیا کی قوت ضعیف سے ضعیف ہوتے ہوتے اصالۃً ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ وہ مادہ حیات ہے جس کو ہر چیز کی اصل ہونے کا شرف حاصل ہے ارشا د ہے "الحیا خیر کلہ" اللہ کی عظمت و وقار کا خوف دل سے اٹھ جاتا ہے پھر کونسی چیز مانع معصیت ہوگی کہ بندہ اللہ کے دائرہ سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

قلب اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ ذنوب کے سبب اس کی یکسوئی میں کمی آجاتی ہے اور بتدریج ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً خدا سے تعلق باقی نہیں رہ پاتا ہے۔ مختصر یہ کہ گناہوں سے قلوب مردہ ہو جاتے ہیں۔ معاصی سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں اور انسان بلا و معصیت میں گرفتار ہو جاتا ہے کقولہ تعالیٰ وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ا الآیۃ اور علی ابن طالب فرماتے ہیں۔ ما نزل بلاء الا بذنب۔ خدا گنہگاروں کے قلوب میں رعب اور خوف پیدا کر دیتا ہے وہ ہمیشہ مرعوب خائف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ بندگی و طاعت اللہ کا ایسا قلعہ ہے، جس میں جو بھی داخل ہوا، دنیا و آخرت عقوبات سے مامون و مصئون رہا۔

قلب صحت مند نہیں رہ پاتا غذا اور دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے کیونکہ قلوب میں ذنوب کی تاثیر امراض کی تاثیر کی طرح ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بصیرت قلبی جاتی رہتی ہے۔ علم کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور ہدایت کے راستے محجوب۔ یہ اللہ کے نزدیک سقوط جاہ و کرامت اور سقوط قدر و منزلت کا بھی سبب ہے اس کا مرتکب ہمیشہ شیطان شہوت کا بندہ اور خواہشات کا غلام بنا رہتا ہے۔ اسمائے مدح و شرف سلب ہو جاتے ہیں اور اسمائے ذم و ذلت ایسی صورت میں مومن، محسن اور متقی وغیرہ اسمائے مدح و شرف کے بجائے فاسق، فاجر اور عاصی وغیرہ اسمائے پکارا جاتا ہے۔ نقصان عقل بھی اس کے خواص میں سے ہے۔ خدا نے اہل معصیت کو دنیا و آخرت میں اسفلین میں اور اس کے لیے ذلت و رسوائی مقرر فرمائی ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ جعل الذلۃ والصغار علی

اسباب امراض، نتائج و عقوبات معاصی کے بعد علامہ ابن قیم جوزی نے اپنی اس تصنیف میں عقوبات ذنوب کی
ہوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کو دو قسموں میں منقسم کیا ہے یعنی شرعی و تقدیری پھر اختصار سے ہر ایک کی مختلف قسموں پر سیر
حاصل عالمانہ گفتگو کی ہے۔ مصنف نے مفاسد کے اعتبار سے بھی ذنوب کی درجہ بندی کی ہے اور اس کے دو درجے قرار دیے
ہیں یعنی ایک وہ جس کا تعلق مامور کے ترک سے ہے اور دوسرا وہ ہے جو محظور کے فعل سے متعلق ہے۔

مصنف کے نزدیک مجموعی طور پر ذنوب کی دو قسمیں ہیں صغائر و کبائر۔ آخر الذکر کو تعداد میں منحصر کیا جا سکتا ہے لیکن
اس کی تحدید میں اختلاف ہے۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ان کی تعداد چار ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک سات اور عمرو بن العاص
نے نو بتائی ہے۔ بعضوں نے گیارہ کہا ہے اور کچھ افراد نے ستر بیان کی ہے۔

گناہ صغیرہ و کبیرہ کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ جس کی ممانعت قرآن کریم سے ثابت ہو وہ کبیرہ ہے اور جسے
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ صغیرہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک جس پر لعنت و وعید آئی ہو وہ کبیرہ ہے
نہیں تو صغیرہ۔ اس طویل ترین تمہید کے بعد مصنف اس کتاب کی اکیسویں فصل میں سائل کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اگر مبتلا، اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتا ہے تو اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور عمل صالح اختیار کرے، سیئات
کو حسنات سے بدل ڈالے غض بصر، حفظ فرج اور معاملات و مقالات میں صدق سے کام لے۔ خدا اس کے گناہوں کو معاف
کر دے گا کیوں کہ خود اس کا فرمان ہے ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ تو پھر اس کی رحمت سے ناامید کیوں ہوا جائے۔ لا تقنطوا
من رحمة الله، ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم"

مختصر یہ ہے کہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ہی کامرانی و کامیابی کی ضامن ہے، اس کے لیے قرآن و حدیث کا علم
ضروری ہے تاکہ خیر و شر میں امتیاز پیدا ہو سکے اور شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزاری جا سکے۔ علامہ ابن قیم کے نزدیک
سنت پر عمل کرنا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کا اتباع
ہی درحقیقت تمام امراض جسمانی و روحانی کا واحد علاج ہے اور اسی مقصد کے ابراز کے لیے الداء والدواء کی تصنیف
علامہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

حکیم محمد حسین خاں شفا
کیٹلاگر رضا لائبریری،
رامپور

رضا لائبریری، رام پور میں تصوّف کے دو اہم مخطوطات

(۱) رسالہ در علم سلوک

کتب خانہ رضا کے یکتا نادر مخطوطات تصوف میں ایک فارسی مخطوطہ شاہ ابو اسحاق قادری لاہوری حضرت شیخ ابو داؤد بندگی شیر گڑھی کا بھی ہے۔ یہ فہرست مخطوطات فارسی نمبر ۹۱۸ فن سلوک پر درج ہے۔

اس کا نام رسالہ در علم سلوک المعروف بہ ناطقہ ہے (ایک نسخہ علی گڑھ میں مجہول المولف ہے مراۃ) جو ۳۴ اوراق اور چند دیگر رسائل کے ساتھ مجلد ہے۔ اگرچہ دوسرے اس مجموعہ میں شامل رسائل مختلف الخط ہیں لیکن نمبر مسلسل پڑے ہوئے ہیں۔ جس کی رو سے ورق ۷۵ سے شروع ہو کر ۱۰۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس رسالہ کا سنہ کتابت اور مصنف کا سنہ وفات اس کی رو سے ایک ہے (دیگر تذکرہ نگاروں نے اس سے اختلاف کیا ہے) یعنی ۴۷ وہ ترقیمہ میں قطعہ تاریخ مع دن ماہ اور سنہ مذکور ہے۔ کاتب مصنف کا عقیدت مند ہے۔ نام کو "نور اللہ مرقدہٗ" اور دیگر تعظیمی کلمات کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ پختہ خط شکستہ اور زبان ادق ہے۔ یہ مکمل متن ہے، جو حمد و نعت سے شروع ہو کر ترقیمہ پر ختم ہوتا ہے۔

شاہ ابو اسحاق کا سلسلہ قادریہ کے مشاہیر صوفیا میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن ان کی شہرت عالم و محدث کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ ان کی خانقاہ دینی درسگاہ تھی جو آج مدرسہ اسحاقیہ کے نام سے مشہور ہے اور مرجع شاہ صاحب اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے بخلاف سماع نہیں سنا کرتے تھے اگرچہ جواز کے قائل تھے۔ انھوں نے اس رسالہ میں ایک باب سماع سے متعلق قائم کیا ہے۔ اور مشہور روایت حضرت عائشہ کے مکان پر دف پر انصار بچیوں کے گانے کی پیش کی ہے۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ سماع کے اہل ظاہر یعنی علما حرمت کے قائل ہیں۔ اور اہل باطن مشروط حلت کے قائل ہیں۔ تذکرہ صوفیا اور تاریخ لاہور سے متعلق اکثر کتابوں میں شاہ صاحب کا ذکر ملتا ہے کنہیا لال نے تاریخ لاہور میں، مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیاء میں نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کوئی بھی تذکرہ نگار شاہ صاحب کے اس رسالہ سے باخبر نہیں معلوم ہوتا جبکہ اپنے موضوع مندرجات کے اعتبار سے یہ رسالہ بہت اہم ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے متوسطین کی طرح آ

کتاب کا مطالعہ رکھا ڈنگ کے ساتھ متن تیار کیا ہے۔ اور اس کو ۲۲ ابواب میں تقسیم کرکے ہر باب کو "نطق" کا
ہے۔ جس میں تصوف کی علمی و عملی تعلیمات، ریاضات، اخلاق و آداب، احوال اور مقامات سلوک سے متعلق فوائد
کا احاطہ کیا ہے۔ زورِ بیان اور عبارت آرائی کے لیے اکثر جگہ اپنے اور کہیں دوسرے شعراء کے اشعار سے
ہے۔ بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے قرآن، حدیث، لمعات، کیمیائے سعادت، مجموعہ مجالس، رسالہ مکیہ، نزہت
ارواح، تفسیر مدارک، تفسیر زاہدی، مقصد اقصیٰ، عوارف المعارف، لوائح جامی وغیرہ سے جگہ جگہ حوالے دیے ہیں
ہ صاحب کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ اور دقت نظر پر دال ہیں۔ اس رسالہ میں شاہ صاحب نے تصوف کے بارے
دی گئی باتیں کہنے کے مقابلے میں اپنے خیالات کو مدلل، مختصر، مربوط اور سلیقے سے ادا کرنے اور ذہن نشین کرانے پر توجہ دی ہے۔

اس رسالے کے عنوانات علی الترتیب اس طرح ہیں۔

۱۔ باب اول یعنی نطق اولیٰ در بیان توبہ، ۲۔ نطق دوم در بیان خوف، اسی طرح نطق اور باب کی تکرار کے ساتھ
رجا، ۴۔ دنیا، ۵۔ فقر و نامرادی، ۶۔ در طلب طالب و شوق غالب، ۷۔ در بیان گرسنگی، ۸۔ بیداری شب ۹۔
خاموشی و فوائد، ۱۰۔ بیان خلوت، ۱۱۔ در بیان نوم، ۱۲۔ ضرورت مرشد، ۱۳۔ در بیان پیر بمنزلہ طبیب، ۱۴ بیان عشق،
در بیان سماع، ۱۶۔ در بیان مشاہدہ، ۱۷۔ در بیان رویت، ۱۸۔ در بیان نور، ۱۹۔ در بیانِ نفس، ۲۰۔ در بیان روح،
در بیانِ معرفت، ۲۲۔ در بیان توحید۔

تعلیماتِ تصوف سے متعلق یہ جامع متن ہے جس میں طریقت شریعت کے زیر اثر ہے۔

۲) الشواہد المودودیہ

کتب خانہ رضائیہ کے عربی مخطوطات میں تصوف سے متعلق ایک نادر مخطوط مصنف اہم مخطوطہ "الشواہد المودودیہ"
کا ہے۔ اس کے مصنف علی اکبر الحسینی المودودی[1] ہیں۔ جن کا ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔
یہ کتاب قدرے کرم خوردہ، خط نستعلیق میں ۱۲ سے ۱۵ سطری مسطر پر ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ نمبر اندراج ۲۸۱۷
اور نمبر فن کتاب ۲/۱۷۲ ہے۔
کتاب ہندوستانی اور کہیں کہیں فارسی میں ہے۔ اول سے ناقص، سیاہ و سرخ روشنائی سے لکھی گئی ہے۔ مصنف مجدد الف
ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی اصلاح تصوف کی تحریک سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں توحید، اقسام توحید، توحید کے اثرات

---

[1] علی اکبر مودودی متخلص بہ بیدی کی شرح نفحات الانس موسومہ بہ کاشفات کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری میں ہے جس کا سال تصنیف ۱۱۹۸ھ ہے۔

نظریاتی اور عملی طور پر انسانی افعال و اقوال (جس کو مصنف نے توحید حالی اور توحید قالی سے تعبیر کیا ہے) پر بحث کی ہے اس کتاب میں وحدۃ صاحب وجد و حال، کشف، ذوق، الہام وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ منہیات تصوف اور صوفیاء میں پھیلی ہوئی عملی و نظری خامیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اثنائے بحث میں شیخ اکبر ابن عربی کے اقوال اور فصوص الحکم، و فتوحات مکیہ کے حوالے اور شیخ محب اللہ الہ آبادی کا بھی تذکرہ آیا ہے۔

کئی جگہ مصنف نے اپنے بزرگوں اور تاریخی شخصیتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ علی اکبر حضرت خواجہ قطب الدین مودودی چشتی متوفی ۵۲۷ھ کی اولاد میں سے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"انی قد کنت فی مجلس عرس جدنا و امامنا و مولانا قطب اللہ والدین المودودی چشتی رضی اللہ عنہ"

ص ۷، پر لکھتے ہیں "روزے با جمع کثیر در مجلس شریف حاضر بودم مد ظلہ العالی۔ نواب اللہ یار خان بن حافظ الملک الشہید التماس نمود کہ انچہ در دین نوشتہ است" نواب اللہ یار خان روہیلکھنڈ کی مشہور شخصیت ہیں جن کا انتقال ۱۲۴۸ھ میں ہوا۔

خطبہ: النشاۃ الطبیعۃ علی الحقیقۃ اخلاقاً اور اس کے بعد "فی تفسیر الشیخ الکبیر صدر الملۃ والدین قدس سرہ۔"

ترقیمہ: واللہ الموفق والمعین وایاہ نعبد و بہ نستعین۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں صوفیا و تصوف روہیلکھنڈ کی تاریخ و خاندان مودودیہ پر کام کرنے والوں کے لیے یہ مخطوطہ بہت دلچسپ ہے۔

حسین آزاد
پبلک لائبریری رامپور

رامپور کے دو اہم مخطوطات

(۱) تذکرہ بزرگان رامپور

تذکرہ بزرگان رامپور از سید شمس الدین رامپوری رائل سائز کے ۲۸ صفحات پر مشتمل ایک مختصر سی تصنیف ہے جس میں کل ۴۳ بزرگوں کے حالات ہیں لیکن تقریباً ۱۵ ایسے صوفیاء کرام کے حالات بھی ہیں جو دوسرے شائع شدہ اور غیر شائع شدہ تذکروں میں درج نہیں ہیں۔ اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری میں اور دوسرا صولت پبلک لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔

رامپور کے ابتدائی دور کے دو بزرگوں حافظ شاہ جمال اللہ صاحب (۱۲۰۹ھ) اور ان کے خلیفہ حضرت شاہ درگاہی کے حالات پر مجمع الکرامات نام کی ایک کتاب حضرت شاہ درگاہی کے خلیفہ امام الدین خاں نے لکھی ہے جو رضا لائبریری میں پائی جاتی ہے۔ ۲۰، ۲۵ سال قبل مولانا حامد حسن قادری سے اس کا ترجمہ کروا کر شائع کر دیا گیا تھا جو کسی بھی وجہ سے عوام میں نہ پھیل سکا لیکن ترجمہ پر میکش اکبرآبادی نے اپنی کتاب فرزند غوث الاعظم میں جو رامپور کے ایک بزرگ سید شاہ بغدادی کے حالات میں تصنیف کی ہے مولانا حامد حسن قادری کے اس ترجمہ پر سخت تنقید کی ہے کہ مولانا نے جگہ جگہ متن کی عبارتوں کو چھوڑ کر کئی اہم واقعات کو پوشیدہ رکھنے کی سعی کی ہے جو ناگوار حد تک محسوس ہوتی ہے۔ اصل متن ابھی تک غیر شائع شدہ ہے۔

ایک اور اہم کتاب مولانا حفظ اللہ کی بیت المعرفت ۱۲۲۳ھ ہے۔ اس کے رضا لائبریری میں تین نسخے ہیں اور ایک سید ابو علی میاں رامپوری کے ذاتی کتب خانہ میں بھی دیکھا گیا۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے اپنے ایک مضمون شائع شدہ اسلام اور عصر جدید میں اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اشاعت کی سفارش کی ہے۔ اسی ذیل کا ایک تذکرہ تاریخ عجیبہ کے نام رضا لائبریری کے مخطوطات کی فہرست میں موجود ہے جس کے مصنف سید نثار علی رامپوری ہیں۔

مطبوعہ جن خاص تذکروں میں صوفیائے رامپور کے حالات پائے جاتے ہیں ان میں امیر مینائی کا انتخاب یادگار اور احمد خاں شوق رامپوری کا کاملان رامپور (۱۹۲۹ء) ہے۔

لیکن میں نے صرف جس تذکرہ کا تعارف کرایا ہے اس میں ۱۵ صوفیائے کرام ایسے نظر آتے ہیں جو کسی بھی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرہ میں شامل نہیں ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ کاملان رامپور کے مولف کے پیش نظر یہ تذکرہ نہیں رہا حالانکہ یہ قبل کا ہے۔

اس تذکرہ کا مولف اپنے وقت کا کوئی بڑا عالم یا ادیب نہیں تھا۔ ریاست میں کسی معمولی عہدہ پر ملازم تھا۔ ملازمت نہ رہی تو اللہ کے توکل پر زندگی بسر کی اور لاولد فوت ہو گیا۔ یہی تنہا کام اس کی یادگار ہے۔

وعظ و تبلیغ، عادات و صفات اور ظاہری علوم جو عام طور پر تصانیف کے ذریعہ نمایاں ہوتے ہیں ایک طے شدہ ضابطوں کے تحت بیان کر دیے جاتے ہیں اور قارئین اپنے اپنے نقطۂ نظر کے تحت کسی ایک نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رامپور میں چند مزارات ایسے بھی ہیں کہ جن کے متعلق دوسرے تذکروں میں ابھی تک ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا تھا لیکن اس تذکرہ میں کسی قدر تعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ چپ شاہ میاں اور ٹاٹ شاہ میاں وغیرہ کے مزاروں کو تعمیر ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں اور عوام میں ان حضرات کا تاریخی اعتبار سے کوئی تعارف نہ تھا۔

ایک یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ نوابین رامپور نے صوفیاء کی قدر و منزلت میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان کے افکار و اشغال کو پنپنے اور پھلنے پھولنے کا خوب خوب موقع دیا۔ بہت سی باتیں قابل تحریر ہیں لیکن تصوف کی یہ حقیقت تو بہت ہی واضح ہے کہ روہیلکھنڈ میں اور خصوصاً رامپور میں اس تحریک نے قومی مزاج و کردار کو معتدل بنانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔

(٢) بیت المعرفت

مولانا حفظ اللہ کی پیدائش بدایوں کی ہے تقریباً دو سو سال قبل رامپور تشریف لا کر مولانا رستم علی صاحب (١٢٤٢ھ/١٨٢٦ء) کے شاگرد ہوئے اور بقیہ زندگی رامپور ہی میں گذار دی سلسلہ قادریہ کو فروغ دیا ١٢٧٧ھ/١٨٦٠ء میں رامپور کے ایک دیہات ستورہ میں انتقال فرمایا، اور وہیں مزار شریف ہے۔

مصنف نے اپنی اس تصنیف (١٢٣٣ھ) میں اپنا پورا نام حفظ اللہ عباسی الہاشمی القادری لکھا ہے۔ ان کے لڑکے سید منیر علی بھی اپنے وقت کے بڑے عالم اور بزرگ گذرے ہیں۔

بیت المعرفت کے تین نسخے رامپور میں موجود ہیں ایک سید امجد علی میاں رامپور کے ذاتی کتب خانہ میں اور دو نسخے رضا لائبریری میں ہیں جو بخط کریم بخش اور بخط محمد فیاض خط نستعلیق میں ہیں۔ سید امجد علی میاں کا ذاتی نسخہ ٣٧٦ صفحات پر مشتمل ہے جس کا سائز ۸ × ۱۴ ہے اور فی صفحہ ١٥ سطریں ہیں۔

اس میں حالات آنحضرتؐ، حالات خلفائے اربعہؓ، حالات ائمہ مذاہب اربعہ اور حالات بزرگان قادریہ تحقیقی انداز میں لکھا ہے۔ اصل مقصد اس تصنیف کا یہ ہے کہ مصنفؒ شاہ بلاقی صاحب مراد آبادی اور مولانا رستم علی صاحب اور ان کے خاندان کے بزرگوں کے حالات زندگی قلمبند کرنا چاہتا ہے اور اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتا ہے۔ ان شخصیات پر کسی دوسری جگہ اتنے مستند حوالہ کے ساتھ کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ اس تذکرہ کی اشاعت صوفیہ کرام کے تذکروں میں یقیناً ایک اضافہ ہوگا۔

ذخیروں کا مختصر تعارف

جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار کے شرکا سے درخواست
کی گئی تھی کہ کچھ اہم مخطوطات / کسی اہم مخطوطے کا بھرپور تعارف
کرائیں اور —— اپنی دسترس میں موجود ذخیروں کی فہرست
عنایت کریں۔ یہ حصہ ثانی الذکر شق پر مشتمل ہے ۔ یعنی
پورے ذخیرہ میں تصوف پر جو مخطوطات ہیں انکا تعارف با

ڈاکٹر کلیم سہسرامی
راجشاہی یونیورسٹی، بنگلہ دیش

بنگلہ دیش کے نوادر

رسالۃ الشہداء (تذکرہ) از پیر محمود شطاری ابن عاقل محمد فرخاری، مرتبہ ۱۲۰۴ء شاہ اسمٰعیل غازی کے حالات سے متعلق، شاہ اسمٰعیل کے مقبرے، مقام کانٹادوار، ضلع رنگ پور میں دستیاب ہوا۔ آخر میں ایک قطعہ گیارہ اشعار پر مشتمل ہے جسے کسی شاعر خضری نے کہا ہے۔ (فل اسکیپ سائز۔ صفحات ۱۴)

قطعے کے آخری دو شعر یہ ہیں:

شب جمعہ بشارت یافت خضری   ز لطف شاہ اسماعیل غازی
زد حش یافتہ فقر حقیقت   بروں شد ز دو از کوی مجازی

G.H. DAMANT نے اسی کا تذکرہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل، جلد ۴۳، ۴، ۱۸۷۴ء میں کیا ہے اور متن بھی پیش کیا ہے۔ کاتب لا معلوم۔

رباعیات شاہ محمد اجمل: ـــــ شاہ محمد اجمل کی رباعیات کا مجموعہ خط نستعلیق، کرم خوردہ، ۲۰ اوراق۔ اس کے موضوعات تصوف، تصور باری تعالیٰ اور اس کے جلوے ہیں۔ شاعر نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور شاہ خوب اللہ سے اپنی عقیدت کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً

آں غوث زمانہ قطب اقطاب جہاں   یکتا با ذات حق عیاں و پنہاں
می گفت سخن میاں توحید وجود   ز انساں کہ بپیش عقل آمد آساں

کاتب و تاریخ کتابت نامعلوم۔

۱۔ **انتخاب رسالۂ اجازت نامہ:** ـــــ صوفیانہ عبادت و ریاضت کے متعلق ہدایات، مصنف نامعلوم، ۴ اوراق (۱ الف ـ ۴ ب)

۲۔ **انتخاب از رسالہ حضرت شاہ مدار:** ـــــ بقول کاتب حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے رسالے کے اقتباسات ہیں، جن کا تعلق معرفت خدا اور ریاضت خودی سے ہے۔ ۱½ اوراق

۳۔ انتخاب از رسالہ خواجہ بہاء الدین نقشبند: — نقشبندی سلسلہ تصوف کے بانی کے ملفوظات کے مختصر اقتباسات مرتبہ شاگرد مصنف موسوم بہ یعقوب ابن عثمان۔ ان اقتباسات کا موضوع ریاضت و عبادت ہے۔ پندرھویں صدی میلادی ۲½ اوراق (۵ب تا ۷ب)

۴۔ انتخاب از رسالۂ توحید: — مصنف لا معلوم ۱ ورق (۸ الف-۸ب) عبادت و معرفت سے متعلق مختصر نوٹ جن کی بنیاد زیادہ تر ہندوؤں کے عقائد پر ہے اور اعضای انسانی سے انکا عارفانہ تعلق بتایا گیا ہے۔

۵۔ رسالہ اسرار المشائخ: — ایک صوفی جہانگیر یوسف کے رسالے کا انتخاب، صوفیانہ عملیات اور سانس کو کنٹرول کرنے کے مختلف طریقوں سے بحث کی گئی ہے، ۹ فصلیں ہیں، لیکن پہلی ۳ فصلیں موجودہ رسالے میں نہیں ہیں۔ ۱½ اوراق (۱۲۱ الف-۱۲۲ الف)

۶۔ رسالہ وجودیہ: — مصنف لا معلوم، تاریخ ندارد تخلیق وجود سے متعلق مختصر اقتباس ۲½ اوراق (۱۲۳ب-۱۲۵ب)

۷۔ شش چیز جامی: — حضرت جامی کی تحریروں کا اقتباس تصوف سے متعلق مرتب نامعلوم ½ اوراق (الف ۱۲ الف)

نوٹ: یہ تمام مذکورہ رسالے ایک ہی ساتھ مجلد ہیں، کرم خوردہ و بوسیدہ۔ ان اقتباسات میں سے بعض کے آخر میں ۱۷ سے ۲۷ جمادی الاول ۱۰۸۵/۱۶۷۴ تک کی تاریخیں درج ہیں۔

بیسر نامہ: — (حضرت فریدالدین عطار) صوفی شاعر کی ایک مختصر مثنوی تصوف و معرفت سے متعلق تاریخ و کاتب لا معلوم، نستعلیق، کسی قدر کرم خوردہ، آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

من بغیر تو نہ بینم در جہاں — قادرا، پروردگارا جاوداں (ضخامت؟)

وفات نامہ: — (الف) پہلی اور دوسری دونوں مثنویوں کا موضوع ایک ہی ہے۔ ڈھاکہ کے ایک بزرگ صوفی محمد دائم جو محلہ عظیم پور میں آسودۂ خاک ہیں، ان کی وفات سے متعلق ہے۔ موصوف کی تاریخ وفات ۲۹ رجب ۱۲۱۴/۱۷۹۹ بیان کی گئی ہے، موصوف کے داماد اور شاگرد شاہ صوفی مدد علی کے ایما پر لکھی گئی ہے پہلی مثنوی کے مصنف کا نام تخلص حافظ ہے اور تاریخ تکمیل ۱ رمضان ۱۲۱۵/۱۸۰۰ ہے۔ آغاز اس طرح ہوتا ہے:

پس از حمد خدای پاک قادر — کہ از وصفش زبانہا گشت قاصر

(ب) دوسری مثنوی کے مصنف کا نام اور تاریخ تصنیف درج نہیں۔ ۲۹½ اوراق (۶۰ الف-۸۹ الف)

آغاز اس طرح ہوتا ہے :

- آں چہ فرخ بود ایام سعود   دو و دہ شہر رجب تاریخ بود

۱. کبریت احمر (تذکرہ) ـ حالات و ملفوظات حضرت خلیق الرحمٰن قادری شطاری معروف بہ شاہ باگھو (متوفی ۲۹ ذی القعدہ ۱۱۶۵ھ/۱۸ اکتوبر ۱۷۵۲ء) جو ضلع راج شاہی کے ایک دیہات باگھا میں مدفون ہیں۔ اسی کتاب میں حضرت کے خاندانی افراد، اقربا اور تلامذہ کا بھی تذکرہ ہے۔ اس کتاب کے مصنف ان کے ایک مرید شاہ نوری ابن شیخ عبداللہ ابن شیخ غلام علی بنگالی ہیں جو جہانگیر نگر، ڈھاکہ کے باشندے تھے۔ جن کا مقبرہ ڈھاکہ کے محلہ ماگھ بازار میں اب بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ تاریخ آغاز ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء، تاریخ تکمیل رمضان ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۶ء۔ کتاب میں ایک مقدمہ، ۳ منزل اور ایک خاتمہ ہے۔

ابتدا اس طرح ہوتی ہے: "نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔۔۔ الخ۔ می گوید بندہ نحیف و ضعیف، قلیل البضاعت و حقیر قلیل الاستطاعت، خاک پای درویشان احقر العباد عاصی بے سرو سامان، فقیر نوری ابن شیخ عبداللہ ابن شیخ غلام محمد بنگالی۔۔۔ کہ شبی در عشرۂ اواخر ماہ رمضان المبارک در سن یکہزار و یک صد و ہشتاد و ہشت از ہجرت نبوی۔۔۔۔ الخ ـــــ"

کاتب و تاریخ کتابت درج نہیں، ۲۶ اوراق (۱۵۴ ب - ۲۲۱ الف)

۲. نامعلوم رسالہ : ـــــ (مصنف غالباً نوری بنگالی) رسالے کا نام درج نہیں، تصوف کے موضوع پر مختصر سا رسالہ ہے۔ اعضاء انسانی کے مختلف حصوں کی خصوصیات اور مدارج۔ تصوف کی مختلف منزلوں سے متعلق، صدر الدین احمد نے اس رسالے کے مالک میر عزت علی (باشندۂ ڈھاکہ محلہ مہاوت ٹولی) کے لیے نقل کیا۔ تاریخ تکمیل ۸ جیٹھ ۱۲۵۵ بنگلہ سنہ۔ ۸ اوراق (۲۲۱ ب - ۲۲۹ الف)

۱- رسالہ تصوف : ـــــ مصنف اور رسالے کا نام کاتب کا نام اور تاریخ تحریر درج نہیں، خدا کی وحدانیت اور اس کی صفات اس رسالے کا موضوع ہے ۷½ اوراق (۱ ب - ۸ ب)

۲. رسالہ عبادت : ـــــ رسالے کے مرتب، مصنف کا نام اور تاریخ تحریر درج نہیں، دن اور رات کے مختلف اوقات میں عبادات کا بیان۔ نامکمل ۹½ اوراق (۹ ب - ۱۸ ب)

۳- شرح آیات رباعیات : ـــــ عہد شاہ عباس اول کے صوفی شاعر سحابی (متوفی ۱۰۱۰ھ/) کی رباعیات کی شرح۔ سحابی کا اصل نام کمال الدین تھا، بقول صاحب صحف ابراہیم وہ شستر میں پیدا ہوا تھا

زندگی کے آخری چالیس سال نجف اشرف میں عسرت اور گوشہ نشینی میں گزارے۔ عبدالصمد خاں انصاری کے ایما پر اور اسی کی سرپرستی پر میں عنایت اللہ بلگرامی نے سحابی کی دو سو رباعیات کی شرح لکھیں۔ مصنف کے دست و قلم سے اس پر ساتویں ربیع الاول ۱۱۰۴/۱۶۸۹ درج ہے۔ لیکن ناقل کا نام نہیں ہے۔ پہلے رباعی درج کی گئی ہے، اس کے بعد اس کی تشریح لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں منظوم حمد و نعت ہے۔ ۵ ھ۱۷ پ اوراق ۱۹۱واب - ۷۵ ب، خط شکستہ، کافی کرم خوردہ، سرخ وسیاہ جدولیں بنی ہوئی ہیں۔ سرخ روشنائی سے عنوانات بھی قائم کیے گئے ہیں۔

رسالۂ عمل: دراصل ایک بیاض ہے علی دلاور، دلاور پوری (باشندہ ضلع میمن سنگھ) کی جس میں مختلف عبادات و اسمائے حسنیٰ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں (ورق ۸ الف - ۱۴ الف) مشہور صوفی میر سید علی ہمدانی کے "رسالہ اوراد فتحیہ" کی شرح کا مختصر اقتباس ہے جس کے مصنف محمد جعفر جعفری ہیں۔

○

اس فہرست کی تیاری میں پروفیسر اے بی ایم حبیب کی فہرست سے بھی مدد لی گئی ہے۔

- ارشاد الطالبین : شیخ جلال الدین بن قاضی محمد فاروق لجی تھانیسری۔
- اولیاء ڈھاکا : حکیم حبیب الرحمٰن۔
- رسالہ خلاصۃ العارفین :
- سبحات : :
- شرح الفصوص الحکم : محمد حسین سلہٹی۔
- الطریقۃ المحمدیہ :
- مفتاح الفتوح : شرف الدین ابو محمد ابو عبدالرحمٰن عیسیٰ۔
- مقاصد السالکین : ضیاء اللہ۔
- مکاتیب ھدایت : محمد مقیم۔
- ملفوظات (حضرت اویس قرنی، رابعہ بصری، جنید بغدادی)۔
- ملفوظات رکنی : امام الدین راجگیری۔
- منتخب المعروف : محمد معروف حنفی قادری۔
- مرشد الطلاب (عربی) : زین الدین بن المعبری الفنانی۔

جناب فرخ جلالی
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ایک اور مشرقی کتاب خانہ

میں

تصوف پر چند کمیاب کتابیں (ایک اجمالی جائزہ)

سرسید نے ابتدا میں اپنی تحریک کا مستقل مرکز الٰہ آباد کو قرار دیا یعنی سائنٹفک سوسائٹی کا مرکز الٰہ آباد ہوتا تو یوپی اور بہار کے وسط میں ہوتا مگر ۶۵-۱۸۶۴ء میں عنایت اللہ خاں رئیس بھیکم پور نے ایک تجویز پیش کی کہ سائنٹفک سوسائٹی کا مرکز علی گڑھ قرار دیا جائے سرسید نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔

عنایت اللہ خاں کے والد داؤد خاں تھے جو ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں صدر الصدور تھے لیکن اپنی وسیع زمین داری اور ریاست کی وجہ سے ملازمت سے الگ ہوگئے سرسید نے علی گڑھ کی تعلیمی تاریخ میں ان کا محبت سے ذکر کیا ہے[1]۔ داؤد خاں کے بڑے بیٹے کا نام غلام احمد خاں تھا جو علمی مزاج رکھتے تھے مگر چنداں مشہور نہیں ہوئے مگر غلام احمد خاں کے بیٹے اور داؤد خاں کے پوتے نواب مزمل اللہ خاں بہت مشہور ہوئے۔

غلام احمد خاں کی نواسی کی شادی نواب حبیب الرحمٰن خاں صدر یار جنگ سے ہوئی۔ نواب صدر یار جنگ کا مشرقی کتاب خانہ بہت مشہور ہے اور مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات کا حصہ ہے۔

نواب مزمل اللہ خاں مرتبہ کے لحاظ سے یوپی میں وزیر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے فارسی کے شاعر تھے فارسی کا دیوان طبع ہوچکا ہے سنجر طہرانی سے بھی استفادہ رہتا تھا۔

نواب مزمل اللہ خاں کا ایک بہت اچھا کتاب خانہ تھا جس میں ان کے دادا کے زمانہ سے کتابیں جمع ہو رہی تھیں ہندوستان کے ارباب علم اور اصحاب ذوق سے ان کے گہرے مراسم تھے مگر انھوں نے اپنے کتاب خانہ کی کوئی تشہیر نہیں کی۔ ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا جوان بیٹوں کا ان کے سامنے انتقال ہوچکا

۱۔ ملاحظہ ہو راقم کا مضمون مشمولہ تہذیب الاخلاق ۳ ۱۹۸۰ء (ریحانہ جاوید) جس میں عنایت اللہ خاں کا اہمیت کے ساتھ ذکر ہے۔

۲۔ ملاحظہ ہو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔

تھا۔ نو برس کے ایک صاحب زادے نواب رحمت اللہ خاں شیروانی ان کے جانشین ہوئے۔ ایک بڑی ریاست جس میں سو سے زیادہ گاؤں کی زمین داری اور کئی کارخانے بھی تھے۔ سرکاری انتظام میں الجھ کر خورد برد ہو گئے۔

نواب رحمت اللہ خاں جب بڑے ہوئے تو انھوں نے سب سے پہلے کتاب خانہ کی دوبارہ تنظیم کی۔ قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی فہرست سازی کی گئی سیکڑوں قلمی کتابوں کا اضافہ کیا۔ نواب رحمت اللہ خاں شیروانی نے کتابوں کے ذخیرہ کو بڑھانا شروع کیا نواب رحمت اللہ خاں شیروانی فارسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں اور ان کی عربی بھی کافی اچھی ہے ان کی فارسی شاعری کا ذوق بہت اعلیٰ ہے مگر کتاب خانہ میں مختلف علوم کا ذخیرہ ہے۔ قلمی کتابیں شاید بارہ سو سے زائد ہیں۔ ان میں تصوف پر سو سے زائد کتابیں ہیں تصوف پر کافی کتابیں طبع ہو چکی ہیں فی الحال مندرجہ ذیل کتب کی فہرست پیش خدمت ہے۔

ترجمہ عوارف المعارف۔ داؤد خطیب اوراق ۵۰۴ سطور ۱۷ نستعلیق مکتوبہ ۱۰۴۳ھ

اس میں سندھ کے آزاد بادشاہ تاج الدین ایاز کا ذکر ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں ہے ڈاکٹر نذیر احمد نے انڈو ایرانیکا میں مضمون لکھا ہے یہ تیسرا نسخہ ہے نجیب برغشی کا دوسرا ترجمہ ہے اس کا نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ میں ہے۔

چشتیہ نظامیہ۔ عمر الدین طالب سطور ۱۱ کاتب خواجہ سلامت اللہ احراری مکتوبہ ۱۳۰۲ ہجری نستعلیق سید محمد یحییٰ چشتی گنگوہی کے لیے لکھا گیا۔

حسنات العارفین۔ دارا شکوہ اوراق ۹۹ سطور ۱۱ کاتب سید اکبر شاہ جیو۔ مکتوبہ ۱۲۶۱ھ

حق نما۔ دارا شکوہ اوراق ۴۹ سطور ۱۳ مکتوبہ ۱۲۶۰ھ

خلاصہ الفاظ جامع العلوم (ملفوظات مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت) علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی اوراق ۲۳۳ سطور ۲۳ کاتب بدر الدین محمد مکتوبہ ۱۰۷۰ھ دولت آباد۔ اس کا اردو ترجمہ ملفوظ المخدوم کے نام سے ۱۸۸۱ء میں مطبع انصاری میں چھپا۔

۳۹۴۔ خلاصہ اسرار در کشف مشرب شطار۔ صوفی بن جوہر۔ اوراق ۶۲۔ مکتوبہ ۱۰۲۹ھ

راحت روح۔ حیدر علی کاتب حیدر علی۔

تعلیم ولیہ: بجواب رسالہ از محمد موسیٰ مانک پوری (بجواب ولیہ)

حیات الابرار۔ عمر فدا حسین مرادآبادی اوراق جلد ۱، ۲۰۵ جلد ۲، ۱۸۸ جلد ۳، ۳۸ قریب چار ہزار افراد کی تاریخ وفات اور جائے مدفن۔

رسالہ فی التصوف سید محمد گیسو دراز بندہ نواز اوراق ۸ سطور ۱۳ کاتب: بدرالدین بن محمود قریشی مکتوبہ ۱۰۶۸ھ
مقام کرمودیلی ، بیدر۔
رسالہ تصوف اوراق ۶۸
رسالہ در بیان ترتیب اشغال رگ معین الدین چشتی، اوراق ۵
۴۴۴ رسالہ ذکر۔ تاج العارفین تاج الدین
۱۰۹۹ رسالہ عینیہ در جواب رسالہ ولیہ۔ حافظ محمد موسیٰ مانکپوری اوراق ۸ سطور ۱۳
۱۰۹۷ زرادی۔ فخر الدین زرادی تعداد سطور ۱۳ خط نسخ
۴۹۸ رسالہ در معرفت ذات۔ بوعلی قلندر
رسالہ ذکر الٰہی
۱۰۱۱ رسالہ بندگی۔ خواجہ معین الدین حسن سجزی سطور ۱۳ کاتب محمد ذکر اللہ قادری مکتوبہ ۱۲۶۵ھ
۱۰۲۷ رسالہ در احوال شیخ عبدالقدوس گنگوہی، عبدالستار انصاری سطور ۱۳
۵۷۰ سطعات = شاہ ولی اللہ سطور ۲۱
۲۷۷ سراج المنیر۔ محمد شریف ابن شمس الدین محمد سال تصنیف ۱۰۲۰ھ کتابت ۳ جلوس عالم شاہی سطور ۱۳
کاتب ظالم سنگھ۔
۶۴۲ شرح لمعات۔ شیخ نظام الدین بلخی اوراق ۸۷ سطور ۱۵ مکتوبہ ۱۲۷۰ھ
۲۵۱ شرح نزہت الارواح۔ عبدالواحد شاہدی بلگرامی اوراق ۱۸۸ سطور ۱۹ مکتوبہ عبدالمجید
۱۰۲۶ انوار العیون۔ عبدالقدوس گنگوہی۔
۹۱ فتح العزیز۔ عبدالعزیز اوراق ۴۳۸ سطور ۱۶
۲۲۴ قواعد طریقت۔ عبدالحق محدث اوراق ۱۵ سطور ۱۵ کاتب بدیع الدین
۴۹۴ کرامت وجودیہ۔ فرید الدین گنج شکر اوراق ۸ سطور ۱۳ قلب کا رنگین خاکہ
۱۰۲۸ لطایف قدوسی۔ شیخ رکن الدین سطور ۱۳ مکتوبہ ۱۳۱۲ھ (مطبوعہ)
۸۲۹ مطلوب المومنین۔ مرسل نظام سطور ۱۲ برائے مبتدیان
۸۵۶ مظہر العجائب۔ میر سید علی قادری

۶۸۶ معرفت القلوب (رسالہ عشقیہ) حمید الدین ناگوری۔

۴۶۱ مکتوب بنام خواجہ معین۔ قطب الدین بختیار کاکی۔

۴۹/۷ مرغوب القلوب (نظم) مرغوب القلوب نام کا ایک مخطوطہ نثر فارسی میں

۵۷۲ مطلوب السالکین۔ ملا محمد مہر جان تصنیف کا سنہ ۱۰۶۰ھ

۱۰۰۵ منافع القلوب یا رسالہ فارغ شاہ

۱۰۱۶ نصائح صاحب البرکات۔ برکت اللہ عشقی

۴۹۲ نور العاشقین۔ برہان الدین (غریب)

۴۴۳ رسالہ دوایر۔ بشاید غزالی

۶۵۱ وسیلۃ الطالبین

۶۹۷ اسکند یازدہم شری بھاگوت۔ (تصوف) سری کرشن

۱۰۳۰ اطوار در حل اسرار۔ ترجمہ جوگ بشسٹ سار

۱۰۷۵ صوفی جوہر بن جھنجھانوی

۶۹۵ کشف الانوار (تصوف) سوال و جواب شبو اور پاروتی۔ دوسرا نسخہ سبحان اللہ

۶۹۳ نسخہ سوالات جوابات بابا لعل و دارا شکوہ

دوسرا نسخہ ذخیرہ اٹاوہ مولانا آزاد لائبریری

۲۹۴ محیط معرفت۔ بینی رائے ستی داس

ڈاکٹر رحمت علی خاں
انچارج مخطوطات
سالار جنگ میوزیم حیدرآباد

سالار جنگ میوزیم میں تصوف کے چند اہم مخطوطات

عربی مخطوطہ

۱۔ رسالۂ تصوف از نجم الدین کبریٰ (متوفی ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء) اس رسالے میں مشہور و مقبول حدیث "موتوا قبل ان تموتوا" پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے (کیٹلاگ نمبر ۸۱۳)

۲۔ مقالات جنید بغدادی (متوفی ۲۹۸ھ/۹۱۱ء) اس پر ایک بار پھر اسلیے غور کرنا چاہیے کہ موضوع اولین صوفیاء میں سے ہیں اور اُس زمانے سے اس زمانے کے تصوف میں کافی فرق آیا ہے (کیٹلاگ نمبر ۱۵۸۶)

۳۔ التعرف فی مذہب التصوف: از محمود بن اسحاق الحنفی (متوفی ۳۸۰ھ/۹۹۰ء) کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے اس کی کتابت بھی سترھویں صدی عیسوی کی ہے (کیٹلاگ نمبر ۱۵۸۸)

۴۔ تبیان الطریق فی اہل الحلم: از علی بن سلطان محمد یہ ایک تنقیدی جائزہ ہے احیاء العلوم غزالی کی مختصر پر۔ پندرھویں صدی عیسوی کی تالیف معلوم ہوتی ہے۔ کتابت سترھویں صدی عیسوی کی ہے (کیٹلاگ نمبر ۱۶۰۶)

۵۔ معارف فی شرح العوارف: از عبدالقدوس خراسانی (متوفی ۹۳۵ھ/۱۵۲۸ء): ایک تفصیلی شرح ہے، عوارف المعارف (شہاب الدین سہروردیؒ) کی۔ اہم اس لیے ہے کہ سکندر شاہ لودھی کے زمانے میں ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے (کیٹلاگ نمبر ۱۶۱۵)

۶۔ الافاضات الاحمدیہ فی شرح الحقیقۃ المحمدیہ: یہ دراصل تفسیر ہے شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی تصنیف "الحقیقت المحمدیہ" پر از محمد دائم سندوبی سولھویں صدی عیسوی کی ہندوستانی تحقیق ہے (کیٹلاگ نمبر ۱۶۲۵)

۷۔ شرح العقائد الصوفیہ: از شیخ فیروز اکبرآبادی (متوفی مابعد ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء) یہ ایک کتاب عقائد الصوفیہ پر ایک اضافہ ہے۔ دیگر کتب تصوف سے مقابلے و تصحیح کے لیے بڑی عمدہ تالیف ہے (کیٹلاگ نمبر ۱۶۳۸)

۸۔ کشف الغین عن کلام اہل العین یا در الثمین: ابو محمد حافظ محمد یوسف سورتی کی تالیف ہے جس میں بڑی عرق ریزی سے مشہور و مستند ۱۲۵ کتب صوفیہ سے اہم اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔ یہ

۵۸-۱۵۱۷ء/۱ سے قبل کی تالیف ہے (کیٹلاگ نمبر ۱٦۴۰)

۹- الجوابات المرتبہ: اس رسالے میں محمد بن صدیق ساقی نے عفیف الدین عبداللہ المغربی کے چند سو
سوالات کے مدلل جوابات تحریر کیے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی کا مخطوطہ معلوم ہوتا ہے (کیٹلاگ نمبر

۱۰- الرسالۃ المفیدۃ فی الاسرار الخفیہ: از احمد بن محمد قاسم (متوفی ۷۰۰ھ/ ۱۹۱۱ء) ایک مختصر
رسالہ ہے جس میں تصوف کے رموز بتلائے گئے ہیں (کیٹلاگ نمبر ۴/ ۱٦۴۸)

فارسی مخطوطات

۱- مقامات و مقالات خواجہ عبداللہ انصاری (متوفی ۱۰۸۸ھ/ ۴۸۱ء) یہ مناجات اور نصائح
ایک مخطوطہ ہے جس میں حکایات کے ذریعہ صوفیہ کے مختلف احوال و اقوال کی تشریح کی گئی ہے۔ ا
تصوف اور اس کے صفات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ تصحیح و مقابلے کے لیے بہترین چیز ہے (کیٹلاگ نمبر ۰

۲- درر نظامی- ملفوظات کا اچھا مستند نسخہ ہے دہلی میں اس پر کام ہو رہا ہے۔

۳- جامع محمدی جہانیان جہاں گشت چونکہ صدیوں کے فاصلے سے ہمیں دستیاب ہوا ہے لہذا مستند نہیں

۴- تحفۂ شاہی- از تقی (اندازاً ۷۷-۱۳۷٦ھ/ ۸۲-۸۷۲ء) تصوف کے مختلف احوال پر نایاب
جس میں وجد، کشف اور حال وغیرہ پر بحث ہے۔ کتابت ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۷۵ء کی ہے شاہان ایران کا مخطوطہ ہے (کیٹلاگ

۵- بدیع الانشاء- از سید علی خطاط (متوفی تقریباً ۹۵٦ھ/ ۱۵۴۷ء) یہ اکبر اعظم کے ایک امیر شاہ ابوا
زمانے کا ترتیب شدہ نسخہ ہے جس میں صوفیا کے ان شطحیات و اقوال کو جمع کیا گیا ہے جو بظاہر تو
خلاف ہیں لیکن باطن میں ان کے معانی کچھ اور ہوتے ہیں۔ قدیم مخطوطہ ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۳۱

٦- رسائل محمد بن محمود دہدار فانی شیرازی (متوفی ۱۰۰۸ھ/ ۱۰۰٦ء) بھی اہم ہیں کہ ان میں عقائد
سے بحث کی گئی ہے۔

۷- مکتوبات شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی پر بھی کام ہو سکتا ہے کہ کئی غیر مطبوعہ مکتوبات ہمارے یہاں

۸- تسلیۃ المصاب از عبدالحق محدث دہلوی: اس میں تصوف کے اسرار و رموز بیان کیے گئے ہیں (کیٹلاگ نمبر

۹- معرفت السلوک از شیخ محمود چشتی۔ (تصوف ۱۸۵ کیٹلاگ نمبر ۲۲۴۳)

۱۰- مجمع البحرین از محمد دارا شکوہ (متوفی ۱۰٦۹ھ/ ۱٦۵۸ء) X تصوف ۵۱۲ کیٹلاگ نمبر ۲۲۴۳)

۱۱- خیر البیان از میاں روشن بایزید (متوفی بعد از ۹۸۲ھ/ ۱۰۷۹ء) اس لیے اہم ہے کہ اصل کتاب

ا اس کا ترجمہ فارسی پشتو اور ہندی میں دیا گیا ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۳۴۶)

ا۔ مراد المریدین و مرام المرادین: از مراد (متوفی بعد از ۱۲۷۵/۱۰۸۶) اس لیے اہم ہے کہ اس میں
نت اس کے آداب شرائط وغیرہ اور حقیقی خلافت پر بحث کی گئی ہے۔ سو سال بعد کا نسخہ ہمارے یہاں ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۳۴۵)
ا۔ کلمات عالیات حقہ از ارادت خاں واضح (متوفی ۱۷۱۶/۱۱۲۸ھ) تصوف کے ان مخطوطات میں
، جنہیں درس تصوف کے نصاب میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں علم و عمل کا ایک وسیع دائرہ دیا گیا ہے
ارے پاس خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا نسخہ موجود ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۳۶۰)
ا۔ مجالس کلیمی از محمد کامگار ملفوظات کا ایک اچھا نمونہ ہے۔
ا۔ ملفوظات شاہ نظام الدین اورنگ آبادی از محمد کامگار، یہ بھی اس سلسلے کی ایک چیز ہے۔
۔ رسالہ عینک بو قلمون از ابوالحسن (متوفی بعد از ۱۷۳۵/۱۱۰۷ھ) اس میں تصوف کا حدیث کی روشنی میں
ئزہ لیا گیا ہے۔
۔ معدن الاسرار از اعظم الحسینی (متوفی بعد از ۱۷۷۷/۱۱۹۱ھ) اس میں تصوف کے اشغال خطرات نفس وہم
سں انفاس بیعت سلوک اور سماع کے جواز و عدم جواز پر سیر حاصل بحث ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۳۷۵)
۔ ہفت جناں از یوسف محمد شاہی۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اس نسخے میں خواب، حقیقت انسانی،
س، وحی اور قوائے ظاہر و باطن پر بحث کی گئی ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۳۹۴)
۔ اساس المعرفۃ از کمال الدین صدیقی: اس میں تصوف و صوفیا کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اصل اور نقل
فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جبر و اختیار، حقائق اور دقائق کے عنوان سے
، اوست و وحدت الوجود کو ثابت کیا گیا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کا نسخہ ہے (کیٹلاگ نمبر ۲۴۰۱)
۔ مجموعہ: اس میں تصوف کے تین اہم و نادر مخطوطات جمع ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:
الف۔ طوالع الشموس از شمس الدین، یہ تصوف کے ان مخطوطات میں سے ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں
، ابتدائی دور میں لکھے گئے اس میں اسماء الحسنیٰ کی تفصیل، شرح و خواص ہیں۔ ب۔ سلوک المصطلح
بنفیر الحسن: اس میں حقیقت روح کا بیان ہے۔ ج۔ المقصد الاقصیٰ از عزیز نسفی۔ اس میں تصوف
کے اصول بتلائے گئے ہیں۔ کتابت ۱۷۰۵/۱۱۸۰ کی ہے اور خط بہار میں تحریر ہے جو خالص ہندوستانی
سم الخط ہے۔ (کیٹلاگ نمبر ۲۴۱۴)

جناب اعجاز ترمذی
شیعہ ڈگری کالج۔ وکٹوریہ اسٹریٹ۔ لکھنؤ ۳

کتاب خانۂ ناصریہ لکھنؤ کے بعض عربی مخطوطات

۱۔ <u>ذوارف شرح عوارف</u> (۲۱) ناقص الاوّل تعداد اوراق ۳۱۲۔ لیکن ناقص الاوّل ہونے کے سبب ورق ۸۸ سے ابتدا ہوئی ہے عوارف المعارف کی یہ شرح ہے۔ شارح کا نام شیخ علی پیر گجراتی ہے اصطلاحات تصوف ان کے درجات اور اقسام کا تفصیلی ذکر ہے مثلاً ایک جگہ اقسام بکا کو لکھا ہے جن کو اس صورت سے تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ بکاء الفرح ۲۔ بکاء الخوف ۳۔ بکاء الوجدان۔ اس قلمی نسخے میں مختلف حدیثیں جو آئی وغیرہ سے مروی ہیں، بھی درج ہیں اور موضوعات سے متعلق آیات قرآنی بھی ہیں نفس، روح وغیرہ کے متعلق تفصیلی بحث ہے۔ تجلی، زہد، توکل، استغنا، فنا، یقین اور اخلاق صوفیہ کے بارے میں بھی بہت تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

۲۔ <u>رسالۂ ارواح</u> (۲۳) یہ عربی مخطوطہ ۱۱۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ مصنف شیخ روزبہان اور کاتب کا نام نور محمد صدیقی ہے۔ روح کے سلسلہ میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے اس سے متعلق آیات، احادیث، ارشادات اور اقوال ہیں ایک جگہ حضرت عباس سے روایت ہے کہ روح جب جسم سے نکل جاتی ہے تو جسد مر جاتا ہے۔ ابوبکر ابن سعد کہتا ہے کہ روحوں کو نور سے خلق کیا گیا ہے روح ایک سر مخفی ہے جس سے خدا کے علاوہ کوئی واقف نہیں۔ ابن ریوندی کہتا ہے روح جسم لطیف ہے۔ مذکورہ نسخے میں عقل پر بھی بحث ہے۔ اطبا کہتے ہیں کہ مقام عقل دماغ ہے لیکن اہل معرفت قلب کو مقام عقل قرار دیتے ہیں۔

۳ <u>رسالۂ برزخیہ</u> (۵۲-الف) یہ مجلد عربی نسخہ ہے سائز ۲۲½×۱۳ سینٹی میٹر حوض ۲۱×۸ سطر ۱۵۔ خط شکست میں۔ مرأۃ العارفین فی ملتمس زین العابدین کے ساتھ منسلک ہے مصنف کا نام الشیخ فخر الدین بن محمد العزیز ہے۔ سنہ تصنیف گیارہویں صدی ہجری۔ آخری صفحہ پر مصنف کا نام اور سنہ تصنیف درج ہے۔ جیسا کہ رسالہ کے نام ہی سے ظاہر ہے یہ برزخ کے موضوع پر ہے، اس رسالہ میں برزخ کی تعریف اس طرح ہے کہ وہ ایک مستقل عالم ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے اور وہ قرارگاہ ارواح ہے۔ اس ضمن میں دنیا، برزخ، آخرت، ہیم، ملک، ملکوت، جبروت اور جسم، نفس، روح پر روشنی ڈالی ہے۔

۴ <u>رسالۂ توحید وجود</u> (۳۶ عربی) اوراق آٹھ سطور ۱۷ سائز ۲۴×۱۴ سینٹی میٹر حوض ۱۸×۱۰½ —

مصنف و کاتب اور سنہ کتابت نامعلوم ہے۔ مخطوطہ کرم خوردہ ہے لیکن متن محفوظ ہے۔ اس رسالہ میں مختلف پیرایوں سے فلسفیانہ انداز میں وجود خدا کو ثابت کیا گیا ہے اور جگہ جگہ پیغمبر اسلام کے بعض ارشادات جو معرفت الٰہی سے متعلق ہیں بھی موجود ہیں۔ اس کتاب میں عشق حقیقی یعنی عشق الٰہی کے مدارج اور فلسفوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۵ رسالہ دربیان وحدت (۲۰) حرف ۵ سائز ۲۵×۱۶ سینٹی میٹر عرض ۱۶×۹ سینٹی میٹر اوراق ۸، سطریں ۲۱۔ اس نسخے پر کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ یہ سیاہ روشنائی سے خط نسخ میں لکھا ہوا ہے اور کرم خوردہ ہے یہ رسالہ چار فصلوں پر مشتمل ہے ۱۔ وحدت و کثرت کی ماہیت ۲۔ اقسام وحدت ۳۔ وحدت حق ۴۔ وحدات کونیہ۔ اس رسالہ میں ذات و صفات اللہ کی بحث ہے نیز اس مسئلہ پر بھی مدلل بحث ہے کہ اس کے تمام صفات عین ذات ہیں۔ رسالہ کے آخر میں عربی کی ایک مجہول الاسم کتاب کا ورق شامل ہے۔ وہ ورق معلّقاً اور خط نسخ میں تحریر ہے۔ سب سے آخر میں دو اوراق ایک فارسی کتاب کے بھی شامل ہیں۔

۶ رسالۂ روائح (۳۰) ناقص الآخر عربی مخطوطہ ہے اوراق ۵ سائز ۲۳×۱۴ سینٹی میٹر اور عرض ۱۸×۸ سینٹی میٹر سطریں ۱۹ خط نستعلیق مائل بہ شکست میں تحریر ہے۔ مصنف کا نام محمد بن ابی سعید الحسینی ہے صفحات کرم خوردہ ہیں لیکن اصل عبارت محفوظ ہے۔ کاتب اور سنہ کتابت نامعلوم ہے۔ موجودہ رسالہ میں ۴۱ روائح ہیں۔ رائحہ کا عنوان شنگرفی روشنائی سے لکھ کر نصیحت آمیز کلمات تحریر ہیں۔ مثلاً رائحہ: جس نے چشم بصیرت اور اعتبار سے اپنے نفس کی طرف دیکھا اس کے سامنے اسرار ظاہر و باطن نمایاں ہو گئے اور جس نے ایسا نہ کیا اس نے کسی شے کی معرفت نہ حاصل کی۔ تصوف کے موضوع پر یہ بہت ہی کار آمد اور مفید رسالہ ہے۔

۷ شرح دُرر غزالی (۲۷) ناقص الاول عربی مخطوطہ ہے۔ اوراق ۱۲۱ سطریں ۱۸۔ سائز ۱۹×۱۱ سینٹی میٹر عرض ۱۴×۶ سینٹی میٹر کتابت بہ خط نستعلیق۔ کوئی ترقیمہ موجود نہیں ہے۔ یہ نسخہ ورق ۹ (ب) سے شروع ہوا ہے اور اول کے گیارہ اوراق خستہ اور کرم خوردہ ہیں آخر میں رسالہ درۃ الفاخرہ کے تین صفحات بھی شامل ہیں۔ اس مخطوطہ میں حقیقت واجب الوجود ممکن الوجود پر بحث کی گئی ہے، مباحث زمان و مکان، علم عین ذات واجب ہے اور اسی قسم کے دوسرے مباحث بھی موجود ہیں۔

۸ شرح کتاب کہف و رقیم (۳۰) یہ مجلد عربی مخطوطہ ۳۰۳ اوراق پر مشتمل ہے سائز ۲۶×۱۰ سینٹی میٹر اور عرض ۱۹×۱۰ سینٹی میٹر ہے سطریں ۲۵ ہیں۔ اس مخطوطہ کے پہلے اور آخری ورق (الف) پر امجد علی شاہ، واجد علی شاہ شاہان اودھ اور کتب خانہ سلیمان جاہ کی مہریں ثبت ہیں۔ نسخہ خط نسخ میں سیاہ روشنائی سے تحریر ہے۔ بعض

جگہوں پر بیچ بیچ میں شنگرفی روشنائی کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ کتاب بہت خستہ ہے۔ شرح کے علاوہ اس میں اصل نسخہ بہ تحفہ رقیم کے بھی دو نسخے شامل ہیں۔ علامہ محمد قلی کے اس نسخے پر دستخط ثبت ہیں اور غرہ ربیع الاول ۱۲۶۲ھ تاریخ پڑی ہے۔ اس مخطوطہ میں معرفت الٰہیہ وغیرہ اور معرفت وحقیقت کے بارے میں قرآن واحادیث کے آئینہ میں بحث کی گئی ہے۔

۸ <u>مصباح الانس</u> (۶۷) یہ عربی مخطوطہ سیاہ روشنائی سے بہ خط نسخ و نستعلیق مائل بہ شکست لکھا ہوا ہے۔ ضخامت ۱۵۶ اوراق سائز ۲۰×۳۰ سینٹی میٹر حوض ۲۲×۱۳ سینٹی میٹر سطریں ۲۳۔ مصنف کا نام محمد بن حمزہ کاتب کا نام اور سنہ کتابت معدوم ہے۔ یہ بڑے سائز میں تصوف کی اصطلاحوں پر مبنی ایک بھرپور کتاب ہے البتہ تجلید میں غفلت کی بنا پر بعض اوراق بے ترتیب ہوگئے ہیں اور ورق اول ناقص ہے۔ اس میں مقاما قرار دے کر بحث کی گئی ہے اور فصل کے بجائے اصل لکھ کر نئے موضوعات پر مباحثہ کیا گیا ہے۔ لوح قلم عرش کرسی عقل وغیرہ کی تخلیق اور اول کون وغیرہ کی بھی بحث ہے۔ پہلے ورق پر علامہ حامد حسین متوفی ۱۳۰۶ھ کی مہر موجود ہے

۱۰ <u>نفحات الربانیہ</u> (۶۸) یہ ناقص الطرفین عربی مخطوطہ ہے ضخامت ۱۴۲ اوراق سائز ۲۲×۱۴ سینٹی حوض ۲۴×۸ سینٹی میٹر سطریں ۱۹۔ مصنف کا نام محمد بن اسحٰق ہے۔ نسخہ کرم خوردہ اور بہت شکستہ حالت میں ابتدا میں علامہ اعجاز حسین بن علامہ مفتی محمد قلی کی ایک تحریر ہے جس پر تاریخ ۲۰ شعبان المعظم ۱۲۶۸ھ لفظوں میں تحریر ہے جبکہ علامہ اعجاز حسین کا دور ۱۲۵۰ھ کا ہے جیسا کہ ان کی مہر "الملک للہ" پر تحریر ہے اس لیے غالباً تحریر میں ایک لفظ یعنی دو سو کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔ مخطوطے کے موجودہ ورق اول (الف) پر علامہ حامد حسین کی مہر بھی ثبت ہے۔ اس مخطوطہ میں صفت محبت معینہ امور میں اجماعاً اور فرادیٰ علم شہود درجات فقر معرفۃ الحق اسرار الاولیہ مع بعض اقسام اللہ سر الٰہی کون و مکان کثرت، وحدت، غایت وغیرہ کا تذکرہ ہے، وجوب امکان اور بہت سے دوسرے مسائل تصوف اصطلاحات کی تفصیلی بحث ہے۔

مقالے کے اختتام پر یہ اطلاع دیدینا بھی ضروری ہے کہ بعض مفید اور کار آمد مخطوطے جو شامل فہرست تھے ان کا تذکرہ اس مقالے میں اس لیے نہ ہو سکا کیونکہ تجلید کے سلسلے میں اپنی جگہ پر موجود نہ تھے۔ آخر میں یہ عرض کر دینا بھی اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ اس مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں برادر معظم محترم ادیب و محقق جناب کاظم علی خاں صاحب صدر شعبہ اردو ڈگری کالج لکھنؤ اور علامہ ادیب الہندی نے بڑی مدد فرمائی اور مجھ کو مفید مشوروں سے نوازا۔ میں ہر دو حضرات کا تہِ دل سے شکر گزار

ڈاکٹر کاظم علی خاں
۲۰۱ وکٹوریا اسٹریٹ، لکھنؤ

کتاب خانہ ناصریہ لکھنؤ کے بعض فارسی مخطوطات

اس مقالے کی تیاری کے لیے جب میں نے جنوری و فروری ۱۹۸۴ء میں کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ کا جائزہ لیا تو اس زمانے میں بعض مخطوطات جلد بندی کے سلسلے میں متعلقہ ادارے میں موجود تھے لہٰذا اس مقالے میں صرف ان مخطوطات کا تعارف کرایا گیا ہے جو جائزہ کے وقت کتب خانے میں دستیاب تھے۔ اس مقالے کے علاوہ میں نے تین اہم مخطوطات پر علاحدہ علاحدہ تین مختصر مقالے بھی لکھے ہیں۔ کاظم علی خاں

۱ تا ۳۔ انوار الحکمۃ و دیگر رسائل (۲)[سلہ]: تصوف کے تین مختلف رسائل پر مشتمل یہ قدرے کرم خوردہ مجلد مخطوطہ فارسی زبان میں ہے اس کی مجموعی ضخامت ۴۲ اوراق ہے اس میں رکابوں کا قدیم طریقہ ملتا ہے اوراق نمبر کسی نے بعد کو درج کیے ہیں۔ اس کا خط نستعلیق مائل بہ شکست ہے۔ تحریر اوراق کے دونوں جانب سیاہ و روشنا ہے تقطیع ۲۰ × ۱۲ سینٹی میٹر اور حروف ۸ × ۱۵ سینٹی میٹر ہے مسطر ۱۵ سطری ہے۔ ترقیمہ ورق ۴۲ سے پتہ چلتا ہے کہ ان تینوں رسائل کی کتابت سنہ ۱۲۰۱ھ میں تمام ہوئی تھی اور کاتب کا نام حافظ محمد حسین تھا۔ یہ جلد بہ تفصیل ذیل تین رسائل پر مشتمل ہے۔

(۱) انوار الحکمۃ۔ اوراق ۱ تا ۱۰ (ب) کتب خانے کا ریکارڈ اسے امام محمد غزالی کی تصنیف قرار دیتا ہے لیکن مولانا شبلی کی کتاب الغزالی (ص ۴۱ تا ۴۳) میں امام محمد غزالی کی کتابوں کی فہرست میں انوار الحکمۃ کا نام نہیں ملتا لہٰذا یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ رسالہ امام محمد غزالی کی تصنیف ہے یا کسی اور شخص کے قلم سے ہے۔

(۲) رسالۂ حسن دمشق۔ اوراق ۱۰ (ب) تا ۱۹ (ب)

(۳) رسالۂ تحفۃ الاخوان۔ اوراق ۱۹ (ب) تا ۴۲۔ یہ ایک عربی رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے اس میں ایک مقدمہ، دس ابواب اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمے میں چار فصلیں اور خاتمے میں تین فصلیں ہیں۔ ان رسائل میں تصوف کی اصطلاحوں پر مباحث اور اقوال و نصائح ملتے ہیں۔

سلہ ہر مخطوطے کے عنوان کے بعد قوسین میں اس کا وہ نمبر درج کیا گیا ہے جس کے ماتحت وہ ناصریہ کے مخطوطات تصوف کی فہرست میں تلاش کیا

۴ — ترجمۂ اظہار الخفیہ در تصوف کے موضوع پر یہ دراصل ایک عربی رسالے "اخبار مصطفویہ" کا فارسی ترجمہ اس کی تقطیع ۱۴ x ۲۱ س م، حوض ۹½ x ۱۸ س م اور ضخامت ۵۰ اوراق ہے۔ ترمیم وہونے کے باعث مترجم کا نام اور زمانہ کتابت نامعلوم ہے۔ ابتدا کے اندراجوں سے پتہ چلتا ہے کہ نسخہ ناصریہ میں ۱۴ ربیع الاول کو آیا تھا۔ مخطوطہ کبھی کتب خانہ سلیمان جاہ کی ملکیت میں بھی رہا تھا۔ جیسا کہ اس کی ابتدا میں ثبت ایک کی مہر سے ظاہر ہوتا ہے مخطوطے کے آخر میں کتب خانۂ امجد علی شاہ کی مہر بھی ثبت ہے۔ امجد علی شاہ ۱۲۵۸ھ تا ۱۲۶۳ھ تک اودھ کے حکمراں رہے تھے۔ چوں کہ رسالہ ترجمہ ہے لہذا اس کی زیادہ اہمیت نہیں۔

۵۔ چہل مجلس (۱۲) خط نستعلیق میں سیاہ روشنائی سے مرقوم اس فارسی مخطوطے کی ضخامت ۱۳۱ اوراق تقطیع ۱۲ x ۱۱½ س م نیز حوض ۷٫۰ x ۱۵ س م ہے۔ اس میں تصوف کے مختلف مسائل پر چالیس مجالس ہیں کا عنوان شنگرفی روشنائی سے درج کیا گیا ہے۔ پہلی مجلس کا زمانہ ۷۲۴ھ ملتا ہے جو اس کے مصنف کے حیات سے مطابقت رکھتا ہے اس کے مصنف علاؤ الدولہ سمنانی نے ستر برس کے سن میں ۲۲ رجب ۷۳۶ھ کو وفات پائی تھی (دیکھیے قاموس المشاہیر جلد دوم: نظامی بدایونی۔ بدایوں طبع ۱۹۲۶ء ص ۸۰ تا ۸ مکمل ہے مگر اس کا ترقیمہ ورق آخر سے کاٹ دیا گیا ہے، لہذا اس کا کاتب اور سنہ کتابت نامعلوم رہ

۶۔ رسالہ در توحید مع شرح (۲۸) سولہ اوراق پر مشتمل یہ مختصر فارسی رسالہ سیاہ روشنائی سے لکھا ہو کا خط نستعلیق مائل بہ شکست اور تقطیع ۱۴ x ۲۴ س م ہے متن میں رسالہ اور حاشیے میں شرح ہے۔ ترقیمہ مصنف و کاتب کا نام اور سنہ کتابت نامعلوم ہے۔ تصوف کے اس مختصر رسالے میں توحید پر مباحث

۷ تا ۸۔ رسالہ یعقوب بن عثمان غزنوی در سیرت بہاء الدین نقشبندی (۲۹) یہ رسالہ صرف تیرہ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کی روشنائی سیاہ، خط نستعلیق اور مسطر ۱۹ سطری ہے۔ اس کی تقطیع س م اور حوض ۱۰ x ۱۹ س م ہے۔ رسالے کے مصنف کا نام یعقوب بن عثمان غزنوی ہے۔ اس میں بہاء الدین نقشبندی کی سیرت بیان کی گئی ہے۔ بہاء الدین نقشبندی مشہور ولی اور نقشبندیہ سلسلے کے بانی تھے نے ۷۹۱ھ میں بمقام حرفہ (ایران) وفات پائی تھی (قاموس المشاہیر جلد ۱ ص ۱۳۹)

اسی جلد میں مذکورہ رسالے کے بعد ورق ۱۰۹ سے ورق ۲۴۴ تک ایک اور فارسی کتاب بھی منسلک سید محمد حسنی حسینی کے مکاتیب ہیں۔ اس مخطوطے کا خط نستعلیق اور روشنائی سیاہ ہے۔ اس کا مسطرہ ۱۵ سطری اس میں مکاتیب سے قبل ایک مفصل مقدمہ بھی شامل ہے۔ مکاتیب میں تصوف کے مختلف مباحث

مخطوطے میں جن بزرگ کے مکاتیب ہیں ان کا نام سید محمد حسنی حسینی پڑھا جاتا ہے۔ احتمال ہے کہ یہ سید محمد حسینی شاید وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر قاموس المشاہیر جلد اول (ص ۲۰۹) میں آیا ہے۔ اگر میرا یہ قیاس مزید تحقیق سے درست ثابت ہوا تو ان کی تاریخ وفات ۱۶ شوال ۸۱۶ھ، ولدیت سید نجم الدین اور مدفن ہرات میں ہے۔

اسی جلد میں ورق ۲۲۵ (ب) سے ایک اور عربی رسالہ شروع ہو کر ورق ۲۳۸ پر تمام ہوتا ہے۔ یہ رسالہ تصوف کے موضوع پر نہیں ہے۔

۹ و ۱۰۔ رسالۂ غایۃ الامکان و شرح کلمات کیمیائے سعادت (۳۱):۔ اس جلد میں دو رسائل ہیں۔ پہلا فارسی رسالہ ۲۵ اوراق پر مشتمل ہے اول اور آخری ورق کے علاوہ باقی اوراق کے دونوں جانب تحریر ہے۔ اس کا خط نستعلیق اور مسطرہ ۱۵ سطری ہے اس کی تقطیع ۱۸ × ۲۷ س م نیز حرض ۸ × ۱۶ س م ہے مخطوطہ قدیم اور کرم خوردہ ہے۔ اوراق کا سلسلہ کتابوں کے پرانے طریقے پر ہے۔ سر ورق پر شنگرفی روشنائی سے جو فارسی عبارت لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مخطوطہ بابا افضل کاشانی[1] کی تصنیف ہے۔ اس کی کتابت ۱۶ رشوال ۱۰۷۲ھ کو مکمل ہوئی تھی اور یہ کتاب کتب خانۂ سلطان شمس الدین محمد شاہ صفوی وزیری بہادر خاں میں رہ چکی ہے۔ اس میں تصوف، روح اور مکان کے مباحث ہیں۔ اسی جلد میں (ورق ۲۶ ب تا ۴۴) ایک مختصر فارسی رسالہ شرح کلمات کیمیائے سعادت بھی شامل ہے جس کا خط گذشتہ رسالے سے مماثل ہے یہ خواجہ افضل الدین کاشانی کی تالیف ہے اس میں کیمیائے سعادت کے چند کلمات کی شرح کی گئی ہے اس میں چار عنوانات کے تحت خود شناسی، حق شناسی، معرفت دنیا اور آخرت شناسی کا ذکر ہے

۱۱۔ رسالہ مبداء و معاد (۳۲) آٹھ اوراق کا یہ مختصر فارسی رسالہ خط نستعلیق میں سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا ہے پہلا اور آخری ورق سادہ ہے۔ بقیہ اوراق پر دونوں جانب تحریر ہے اس کی تقطیع ۱۵ × ۲۲ س م نیز حرض ۹ × ۱۵ س م ہے مسطر یکساں ہونے کی بجائے کہیں ۱۵ سطری ہے اور کہیں ۱۶ سطری ہے۔ کاغذ بوسیدہ و کرم خوردہ ہے۔ ترقیمہ نہ ہونے سے سنہ کتابت نامعلوم۔ اس کے مولف شیخ نصیر الدین طوسی مشہور شیعہ عالم تھے اور ان کا زمانۂ حیات ۱۱ جمادی الاول ۵۹۷ھ سے ۱۸ ذی الحجہ ۶۷۲ھ تک جاری رہا تھا (قاموس المشاہیر جلد دوم ص ۲۶۰) اس رسالے میں مبداء و معاد کے موضوع پر مباحث ہیں۔

---

[1] بابا افضل کاشانی مشہور شاعر بھی تھا اس نے رباعیات بہت لکھی تھیں اور اس کی دوسری تالیفات بھی تھیں یہ سلطان محمود غزنوی کا مصاحب تھا محمود غزنوی کا دور حکومت ۳۸۷ھ سے ۴۲۱ھ تک جاری رہا اقتباس حوالہ قاموس المشاہیر جلد اول ص ۲۱۲، قاموس المشاہیر جلد دوم ص ۳۰ لیکن وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ زیر تبصرہ تصنیف اسی شاعر کی ہے یا اس کے کسی ہم نام دوسرے شخص کی ہے۔

۱۲۔ شطحیات روزبہان (۴۴)۔ اس فارسی مخطوطے کی تقطیع ۱۵×۲۲ س م اور مسطرہ ۱۵ سطری ہے۔ یہ خطِ نسخ میں سیاہ روشنائی سے تحریر ہوا ہے عنوانات شنگرفی روشنائی میں ہیں۔ مخطوطہ ناقص الاوّل ہے اس کے عربی ترقیمے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کتابت ۲۲ ربیع الآخر ۸۳۱ھ کو تمام ہوئی تھی اور اس کے کاتب کا نام احمد بن محمد بن محمود تھا۔ کتاب کے آخری حصے میں یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ یہ تصنیف پنج شنبہ ۳ ربیع الآخر ۵۷۰ھ کو اس کے مصنف نے ۴۸ سال کے سن میں مکمل کی تھی۔ اس میں تصوف کے مختلف موضوعات پر اہلِ طریقت کے اقوال وغیرہ ہیں۔ شطحیات سے مراد ہیں اہلِ طریقت کے وہ کلمات جو شریعت کے خلاف ہوں (مہذب اللغات جلد ہفتم ص ۱۵)

۱۳۔ غایۃ البیان فی درایۃ المکان والزمان (۵۴)۔ خطِ نستعلیق میں سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا یہ فارسی رسالہ ۴۲ اوراق پر مشتمل ہے اس کی تقطیع ۱۴×۲۴ س م نیز مسطرہ ۱۴ سطری ہے ترقیمہ نہ ہونے کے باعث اس کے مصنف و کاتب کا نام اور زمانۂ کتابت نامعلوم ہے اس رسالہ میں ایک ابتدائیہ اور چند فصلیں ہیں اس میں زمان و مکان کے موضوع پر مباحث ہیں۔[1]

۱۴۔ کشف الحقائق (۵۵)۔ یہ فارسی مخطوطہ ۱۳۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کی تقطیع ۱۲×۱۸ س م اور جدول ۷×۱۳ س م ہے۔ اس کا مسطرہ ۱۴ سطری ہے۔ خط نستعلیق مگر مائل بہ شکست ہے روشنائی سیاہ ہے لیکن عنوانات شنگرفی روشنائی میں ہیں۔ حوض کے چوگرد سنہری اور سیاہ جدولیں ہیں اور بعض اوراق خوشنما سنہری کام سے مزین ہیں۔ ترقیمے سے پتہ چلتا ہے یہ مطلّا و مذہب مخطوطہ ۲۵ شعبان ۱۱۰۶ھ کو کشمیر میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ اس کے مولف شیخ عزیز تھے۔ اس مخطوطے میں تصوف سے متعلق صوفیوں کی روایتیں وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔ مخطوطہ بہ تفصیلِ ذیل دس رسائل اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے:۔

(۱) پہلے رسالے میں وجودِ خداوندی پر گفتگو ہے (۲) دوسرا رسالہ بیانِ انسان میں ہے (۳) تیسرا رسالہ سلوک کے باب میں ہے (۴) چوتھے رسالے میں توحید کا بیان ہے۔ (۵) پانچواں رسالہ معاد پر ہے (۶) چھٹے رسالہ میں دنیا و آخرت کا ذکر ہے (۷) ساتواں رسالہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے بیان میں ہے (۸) آٹھویں رسالے میں

---

[1] علامہ اقبال کے خطبات میں فخرالدین عراقی کے رسالہ زمانیہ کا ذکر آیا ہے مولانا امتیاز علی عرشی نے ایک مقالے میں اس رسالہ کے صحیح نام اور اصل مصنف کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ وہ مقالہ اس وقت راقم کے پیشِ نظر نہیں ہے لیکن امکان ہے کہ یہ وہی رسالہ ہو جس کا ذکر عرشی صاحب نے کیا ہے۔

مجید پر گفتگو ہے (۹) نواں رسالہ اسلام و ایمان کی حقیقت کے بیان میں ہے (۱۰) دسواں رسالہ صاحب شریعت
خلق ہے خاتمہ کتاب میں ختم نبوت و ختم ولایت کا بیان ہے۔

کنز الہدایات (۷۰) رجسٹر کتب خانہ میں اس رسالے کی زبان عربی بتائی گئی ہے مگر یہ رسالہ فارسی میں ہے اس کے
مصنف محمد باقر بن شرف الدین لاہوری عباسی حسینی تھے ترقیمے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کاتب کا نام سیّد عبدالواحد
سیّد محمد جان ابن سیّد محمد صادق الحسنی الحسینی تھا۔ رسالے کا سنہ کتابت نامعلوم ہے۔ رسالہ خاصہ قدیم اور
کرم خوردہ ہے۔ کاغذ بہت خستہ ہے کاغذ کا رنگ گلابی ہے اس کی روشنائی سیاہ ہے۔ عنوانات شنگرفی روشنائی
میں ہیں۔ خط نستعلیق مسطر ۲۳ سطری اور ضخامت ۱۹ اوراق ہے اس کی تقطیع ۱۴ × ۲۴ س م نیز حوض ۸ × ۱۷
س م ہے۔ اس رسالے میں مجدّد الفِ ثانی کے مکاتیب کا خلاصہ وغیرہ شامل ہے۔ مجدّد الفِ ثانی یعنی شیخ احمد
سرہندی کا زمانۂ حیات ۹۷۱ھ سے صفر ۱۰۳۴ھ تک تھا (قاموس المشاہیر جلد اوّل ص ۷۰)

۱۔ مفتاح الجنان (۶۹) اس فارسی مخطوطے کی تقطیع ۱۴ × ۲۲ س م، حوض ۹ × ۱۶ س م نیز مسطر ۱۱ سطری
ہے۔ حوض کے چوگرد شنگرفی روشنائی سے جدولیں کھنچی ہیں۔ اس کا خط نسخ اور روشنائی سیاہ ہے۔ عنوانات کے لیے شنگرفی
روشنائی استعمال ہوئی ہے۔ مخطوطہ ناقص الطرفین ہے اور اس میں اوراق ۲۲۳ ہی ہیں۔ تحریر اوراق کے دونوں جانب
ہے۔ ترقیمہ نہ ہونے سے اس کے مصنف و کاتب کا نام اور زمانۂ کتابت نامعلوم ہے۔ ابتدائی ورق پر بانی کتب خانہ
مفتی محمد قلی صاحب (متوفی سنہ ۱۲۶۰ھ) کے قلم کی دستخطی عبارت موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب میں
صوفیوں سے منسوب مختلف حکایات و روایات لکھی گئی ہیں جن میں سے بعض شیعی مسلک کے منافی ہیں۔

۲۔ مکاتیب شیخ محمد چشتی (۲۷)۔ اس کی زبان فارسی، ضخامت ۵۲ اوراق، مسطر ۲۱ سطری، خط
نستعلیق، روشنائی سیاہ، تقطیع ۱۲ × ۲۱ س م نیز حوض ۷ × ۱۷ س م ہے اس کرم خوردہ مخطوطے میں رکابوں
کا قدیم سلسلہ ملتا ہے اس میں شیخ محمد چشتی کے متعدد مکاتیب ہیں۔ آخری خط کے خاتمے پر غرۂ ماہ ربیع الاوّل
سنہ ۱۰۱۶ھ کا اندراج ملتا ہے جس سے مکتوب نگار کے زمانۂ حیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے خطوط پر تاریخیں
درج نہیں۔ پہلے خط کی پیشانی پر شنگرفی روشنائی سے یہ عنوان مرقوم ہے:-

"مکتوب دربیانِ سفرِ باطن و واردات آں"

ان مکاتیب میں مکتوب نگار نے کشف و سلوک معنوی کے سلسلے میں مشائخ کے احوال و اطوار
وغیرہ بیان کیے ہیں۔

۱۸۔ مکاتیب قطب الدین (۴۳) اس مخطوطے کی زبان فارسی، تقطیع ۱۳×۲۲ س م، روشنائی سیاہ ضخامت ۸۴ اوراق، مسطر ۲۱ سطری، عرض ۷×۱۶ س م زیر خط نسخ ہے عنوانات شنگرفی روشنائی میں ہیں۔ نسخے میں رکابوں کا قدیم طریقہ ملتا ہے۔ مخطوطہ بہت قدیم، بوسیدہ و درست شدہ ہے۔ ترقیمہ ندارد اور زمانۂ کتابت نامعلوم ہے۔ مخطوطہ قطب الدین کے جن مکاتیب پر مشتمل ہے ان میں تصوف کے مختلف موضوعات پر گفتگو ملتی ہے جن میں جابجا آیات و احادیث کے حوالے بھی ہیں۔ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں چند عربی و فارسی مخطوطات، تصوف کی رد میں بھی ہیں جن کے متعلق اس مختصر مقالے میں کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہیں۔ تصوف کے اس پہلو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کتب خانے سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔

۱۹ گنجِ سعادت :- کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ کا یہ مُطلّا و مذہّب فارسی مخطوطہ خوش نما سنہری کام سے مزین ہے فہرست کتب خانہ میں اس کا نمبر ۲ ہے اس کی تقطیع ۱۷ × ۲۰ سینٹی میٹر ہے اور عرض کی ناپ ۱۰ ¼ × ۱۹ سینٹی میٹر ہے عرض کے چوگرد سنہری سیاہ اور نیلی جدولیں بتاتی ہیں کہ مخطوطہ خاص اہتمام کے ساتھ تیار کیا گیا تھا مخطوطے کی ضخامت ۱۸۰ اوراق اور مسطر ۱۲ سطری ہے۔ پہلے اور آخری ورق کو چھوڑ کر بقیہ اوراق کے دونوں جانب تحریر ہے۔ اس کا خط نستعلیق اور روشنائی سیاہ ہے عنوانات کیلئے شنگرفی روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ مخطوطہ ابتدا میں مُطلّا و مُذہّب ہے۔ مخطوطے کے دیباچے ورق ۲ (الف) سے علم ہوتا ہے کہ اس کے مولف معین الدین نقشبندی تھے جو خواجہ خاوند محمود کے فرزند تھے معین الدین نے زیرِ تبصرہ کتاب گنجِ سعادت دراصل امام محمد غزالی کی مشہور کتاب کیمیائے سعادت کی تحریک پر لکھی تھی جیسا کہ ورق ۲ (ب) کے اندراجوں سے ظاہر ہے امام محمد غزالی نے ۴۵۰ھ سے جمادی الآخر ۵۰۵ھ تک اپنے ۵۵ سالہ دورِ حیات میں مختلف اسلامی علوم و فنون پر محدود چند اہم کتابیں لکھی تھیں ان میں کیمیائے سعادت تصوف کا وہ یادگار کارنامہ ہے جس کی تابناکی کو صدیوں کی گرد بھی معدوم کرنے سے قاصر رہی ہے[1]۔ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ کے مخطوطاتِ تصوف کی فہرست میں نمبر ۳۱ پر ایک اور رسالہ بھی موجود ہے جس میں کیمیائے سعادت کی شرح ملتی ہے[2]۔ معین الدین کی گنجِ سعادت بھی ان کتابوں میں شامل ہے جو امام محمد غزالی کی کتاب

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو الغزالی: مولانا شبلی نعمانی۔ اصح المطابع آسی پریس لکھنؤ متن ص ۵، ص ۲۲ ص ۴۱ تا ۴۴ ص ۴۸ تا ۴۹ نیز ص ۲۶۶ [2] رسالہ غایۃ الامکان و شرحِ کلماتِ کیمیائے سعادت (قلمی) مخزونۂ کتب خانۂ ناصریہ لکھنؤ۔ اس قلمی نسخے پر راقم الحروف کے اسی مقالے میں گفتگو کی گئی ہے۔

[3] بحوالۂ قاموس المشاہیر جلد دوم: مرتبہ نظامی بدایونی۔ نظامی پریس بدایوں طبع ۱۹۲۶ء ص ۲۵ تا ۲۶

بیائے سعادت کے زیر اثر لکھی گئی تھیں۔ معین الدین کی کتاب گنج سعادت ١٠٧٣ھ کی تالیف ہے جیسا کہ
کے سال تالیف کے مندرجہ ذیل مادۂ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے ؎

ہاتفی گفت بے ریا بشمار — ہست این تحفۂ معین الدین
(ریا = ٢١١ ؛ ١٠٧٣ = ٢١١ − ١٢٨٤)

ورق ٣ (الف) کے اس شعر کے مصرعۂ آخر کے اعداد ١٢٨٤ میں سے لفظ "ریا" کے اعداد یعنی ٢١١ کا تخرجہ نے
سال تالیف ١٠٧٣ھ برآمد ہوتا ہے۔ ورق ٣ (ب) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہ عہد اورنگ زیب معرض وجود
میں آئی تھی۔ مغل حکمراں اورنگ زیب کا عہدِ حکومت ١٠٦٨ھ سے ١١١٨ھ تک جاری رہا تھا۔

گنج سعادت کے ترقیمے (ورق ١٨١۔الف) سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کتابت چہارشنبہ ٢٥ رمضان
١٠٨٤ھ کو مکمل ہوئی تھی گویا یہ مخطوطہ کتاب کی تالیف ١٠٧٣ھ کے گیارہ سال بعد ١٠٨٤ھ میں تیار
ہوا تھا۔ یہ مخطوطہ بہ تفصیلِ ذیل ایک دیباچے، چار ارکان، ایک خاتمہ اور ایک ختم خاتمہ پر مشتمل ہے: پہلا رکن
عقائدیات وغیرہ کے باب میں ہے۔ دوسرا رکن فقہ پر مشتمل ہے۔ تیسرے رکن میں فضائل و خصائص اور معراج
معجزاتِ رسول اسلام کا بیان ہے۔ چوتھے رکن میں تصوف و اخلاق صوفیہ کا بیان ہے۔ خاتمہ میں سلاطین کے
عدل و احسان وغیرہ کا بیان ہے۔ ختمِ خاتمہ رحمت و مغفرت وغیرہ سے متعلق احادیث پر مبنی ہے۔

جواہرالاسرار: ۔ کتب خانۂ ناصریہ لکھنؤ کے مخطوطاتِ تصوف کی فہرست میں نمبر ١ پر جواہرالاسرار کا جو قلمی
نسخہ ملتا ہے وہ فارسی زبان میں ہے اور اس کی تقطیع ١٣ × ٢٣ سینٹی میٹر ہے۔ اس کی ضخامت ١٩٠ اوراق ہے مگر یہ
چار ابتدائی اوراق سے محروم ہے۔ تحریر اوراق کے دونوں جانب سیاہ روشنائی میں ہے لیکن عنوانات وغیرہ کے لیے
شنگرفی روشنائی استعمال کی گئی ہے اس کا خط نستعلیق ہے تحریر جوہن کے علاوہ کہیں کہیں حاشیوں پر بھی ملتی ہے مخطوطہ
چوں کہ چار ابتدائی اوراق نہ ہونے کے باعث ناقص الاوّل ہے لہذا اس کے مولف کے نام کو اس کے متن میں
داخلی شہادتوں کی بنیاد پر تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ مولف کے نام کے مسئلے کو ہم خارجی شواہد کی مدد سے بھی
حل کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم کو کسی کتب خانہ میں جواہرالاسرار کا کوئی دوسرا مکمل نسخہ مل سکے۔ مخطوطاتِ تصوف
پر اس یادگار سمینار میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے دانشوروں کے سامنے اس مسئلے کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا
جواہرالاسرار کے ترقیمے سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس کی کتابت عبدالوہاب صاحب یوسف الہاشمی نے
بانزدہم محرم ١٠٥٦ھ (مطابق ٥ ارجنوری ١٦٤٦ء) کو بہ مقام ملکاپور مکمل کی تھی (ورق ١٩٠ ب) یہ شاہ جہاں کا عہد
حکومت تھا۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ ملکاپور بہار میں واقع ہے اور عہد جہاں گیری کی کتاب تحفۃ الافغانیہ (١) (فہرست الشا

ملا کاپوید میں تحریر کی گئی تھی ۔ (دیکھئے تاریخ شاہجہاں ، مصنفہ ڈاکٹر بی پی سکسینہ ۔ مترجمہ ڈاکٹر سید اعجاز حسین ۔ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی طبع ۱۹۸۷ء ص ۱۲) مخطوطے کے ورق ۸۴ کے حاشیے کی تحریر کے خاتمہ پر ابوالفضل مبارک عفی عنہ " کا اندراج ہے جس کے متعلق کسی نے لکھا ہے : "خطِ ابوالفضل بن مبارک" میرے نزدیک نظریے کو قبول کرنے میں قباحت یہ ہے کہ اس مخطوطہ کی کتابت جب ۱۰۵۹ھ میں مکمل ہوئی تو اس وقت فضل بن مبارک زندہ ہی نہ تھے ۔ ابوالفضل نے جمعہ ۴ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ کو بعہد اکبر اعظم وفات پائی دیکھیے (۱) انگریزی کتاب " اکبر دی گریٹ مغل" ؛ وی ۔ اسمتھ طبع ۱۹۶۲ء ص ۲۳۶ ۔ (۲) قاموس المشاہیر اول ؛ نظامی بدایونی ۔ نظامی پریس بدایوں طبع ۱۹۲۲ء ص ۳۵ تا ۳۶) ان حالات میں میرے نزدیک عبارت کا ابوالفضل کے خط میں ہونے کے بجائے مخطوطے کا کاتب عبدالوہاب یوسف الہاشمی کے خط میں ہونا دہ قرین قیاس ہے لیکن وثوق کے ساتھ اس مسئلے کا فیصلہ مزید تحقیق کا طالب ہے ۔ اگر ابوالفضل بن مبارک کوئی مصدقہ تحریر دست یاب ہو تو اس سے مذکورہ عبارت کو ملا کر دیکھنا بھی بہتر ہوگا میرے نزدیک بھی ممکن ہے کہ جواہر الاسرار کا یہ مخطوطہ جس نسخے سے نقل ہوا ہو اس کے حاشیے پر ابوالفضل نے اپنی تحریر میں کوئی عبارت درج کی ہو جسے زیر تبصرہ مخطوطے کے کاتب نے نقل کر دیا ہو ۔ جواہر الاسرار کے اس قلمی نسخے میں ابوالفضل کا حوالہ جس انداز سے آیا ہے اس کے پیش نظر اس امر کی بھی تحقیق ہونا چاہیے کہ ابوالفضل کے قلمی آثار میں کہیں جواہر الاسرار کا حوالہ بھی آیا ہے یا نہیں ۔ اس فارسی مخطوطے میں بعض مقامات پر ہندی دوہرے بھی مرقوم ہیں (مثلاً ورق ۷۹ ب وغیرہ) فارسی تحریروں میں ہندی دوہروں کا استعمال ایک ایسی روایت ہے ابوالفضل کے زیر اثر مغل حکمراں اکبر کے دور سے جاری ملتی ہے اور عہد اکبری کے مشہور ہندی شاعر عبدالرحیم خانخاناں نے بھی اس روایت کو تقویت دی تھی (اکبر دی گریٹ مغل ص ۳۰۲ تا ۳۰۶)

جواہر الاسرار دس فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں روح ، نفس اور باطن کے اسرار و اقسام کا بیان ہے دوسری فصل مشائخ کے منظوم کلام کے رموز و اسرار کے باب میں ہے ۔ باقی فصلوں میں بھی تصوف کے مختلف مباحث ہیں ۔

برہان المرتاضین کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ کے مخطوطات تصوف کی فہرست میں نمبر ۴ کے ماتحت فارسی زبان میں برہان المرتاضین کا جو قلمی نسخہ دست یاب ہوا ہے اس کے متعلق ضروری امور درج ذیل ہیں :

یہ مخطوطہ نستعلیق خط میں سیاہ روشنائی سے لکھے ہوئے ۱۱۳ اوراق کو محیط ہے ۔ اس کی تقطیع ۱۱×۷ انچ ہے

اور حوض ۷×۱۲ اینچ میٹر ہے اس کا مسطرہ ۱۵ سطری ہے۔ تحریر اوراق کے دونوں جانب ہے۔

ورق ۱۰۳ نیز ورق ۱۱۲ (ب) سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس مخطوطے کے مولف کا نام علی نقی تھا اور اس نے ۱۵ ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ یوم شنبہ (از روئے تقویم مطابق ۹ نومبر ۱۷۱۷ء) کو وفات پائی تھی۔

اوراق ۱۱۲ (ب) نیز ۱۱۳ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مخطوطے کے کاتب کا نام قطب الدین محمد الحسینی الشیرازی تھا اور اس کی وفات ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔ کاتب کی وفات کا علم اس قطعہ تاریخ سے ہوتا ہے جو اس مخطوطے کے ورق آخر پر کسی دیگر شخص کے خط میں مرقوم ملتا ہے۔

مذکورہ قرائن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس مخطوطے کی کتابت اس کے مولف کی وفات (۱۱۲۹ھ) کے بعد مگر کاتب کی وفات (۱۱۴۳ھ) سے قبل مکمل ہوئی ہوگی۔ ورق ۱۰۲ (ب) کے بعض مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مخطوطے کا مولف شیعی عقائد کا پیرو تھا۔ تصوف کا موضوع فرقۂ شیعہ کے افراد کی دلچسپی کا مرکز کم ہی رہا ہے۔ ان امور کے پیش نظر زیر تبصرہ مخطوطہ اس لیے اہم ثابت ہوتا ہے کہ اس کی مدد سے ان شیعہ علماء و مجتہدین کی نشاندہی ہوتی ہے جو تصوف کے مسلک پر تھے مزید برآں اس میں ائمہ اثنا عشر سے صوفیوں کے استفادات کا بیان بھی ملتا ہے۔ مقدمے میں مولف کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مخطوطہ ایک مقدمے پانچ فصلوں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

مقدمہ:۔ اس میں تصوف کے معنی کی تحقیق اور منشائے تصوف وغیرہ کا بیان ہے۔

پہلی فصل:۔ اس میں آواز و غنا کے موضوع پر مباحث ہیں۔

دوسری فصل:۔ اس میں تصوف کی اصطلاحوں مثلاً جہر و خفا پر گفتگو کی گئی ہے۔

تیسری فصل:۔ یہ فصل خوف، رغبت و رہبانیت وغیرہ کے باب میں ہے۔

چوتھی فصل:۔ یہ فصل ائمہ معصومین (اثنا عشر) سے صوفیوں کے استفادات کے ذکر پر مشتمل ہے

پانچویں فصل:۔ اس میں سلسلۂ تصوف اور امام علی رضا کے موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

خاتمہ:۔ اس میں ان شیعہ علماء و مجتہدین کا ذکر ہے جو تصوف کے مسلک پر تھے۔

●●

جناب صلاح الدین محمد ایوب
صدر کتب خانہ اماتی - مدراس

کتب خانہ اماتی اور اس کے نادر مخطوطات

اس کتب خانہ کی شہرت " احکام اہل الذمہ " ابن قیم الجوزیہ کی اشاعت کے بعد عرب دنیا میں ہوگئی جب کہ پروفیسر صبحی صالح نے دمشق سے ببانگ دہل کہا کہ دنیا کے واحد ترین نسخہ مدراس سے ایڈٹ کیا ہوں۔ " غریب الحدیث " کو دائرۃ المعارف العثمانیہ نے چار جلدوں میں شایع کی۔ "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" جمال الدین المزی کی کتاب بارہ جلدوں میں بھیونڈی سے شایع ہوئی ہے اور ہمارا نسخہ بے حد کارآمد ہوا۔ پروفیسر یوسف ذکریا بغداد سے آئے موسیقی کے مخطوطات کی تلاش میں اور انھوں نے کہا کہ قاہرہ کا نسخہ ناقص ہے اور ہمارے کتب خانہ کا نسخہ دنیا کا نفیس ترین نسخہ ہے اور مائکروفلم لے گئے۔

عرب دنیا نے ان کتابوں کی بدولت ہمارے کتب خانہ کو بہت جلد پہچان لیا تو پھر ہمارے وطن والے بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ جیسا کہ کہنی مثل مشہور ہے گھر کی مرغی دال برابر۔ مدراس یونیورسٹی کے شعبہ عربی و فارسی و اردو نے بھی دلچسپی لی۔ ریسرچ اسکالرز کو اس خزانے سے جواہر اور موتی چننے کے لیے مدد کرنے لگے۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن صاحب کو جو شہرت حاصل ہوئی اسی کتب خانہ کی وجہ سے اور اس خاندان کی تاریخ لکھنے پر جو خانوادہ قاضی بدرالدولہ کے نام سے مشہور ہے۔ ڈاکٹر وحید اشرف صاحب جو یہاں تشریف فرما ہیں اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کبھی کبھار اس کتب خانہ کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشتے ہیں

کتب خانہ اماتی خاندان شرف الملک کی تنظیم جدید ہوئی ہے۔ یہ کتب خانہ اور دیگر چھوٹے چھوٹے کتب خانوں کا مجموعہ ہے۔ اسی کے ساتھ کتب خانہ مدرسہ محمدی بھی ہے اور اسی احاطہ میں کتب خانہ رحمانیہ بھی ہے۔

اس کتب خانہ کی تاریخ بیان کی جائے تو کافی طویل ہوگی۔ لیکن اصلاً اس کا سلسلہ نویں صدی ہجری کے آغاز سے ہی ہو جاتا ہے جب کہ ہمارے خاندان کے بزرگ فقیہ عطا احمد (گجرات) ملا مخدوم مہائمی (بمبئی) ملا خلیل اور ملا حبیب اللہ بیجاپوری، قاضی محمود (گروہ) نظام الدین احمد کبیر بیجاپور خاص شہرت کے حامل ہیں۔ عادل شاہی دور اور رنگ زیب کے دور وغیرہ میں یہ خاندان کافی شہرت کا حامل رہا پھر بیجاپور سے آرکاٹ آیا اور آرکاٹ سے مدراس۔ یہاں نوابان والاجاہ نے اس خاندان کی قدر افزائی کی۔ چنانچہ محمد غوث جنہیں شرف الملک کا خطاب

دیا گیا تھا۔ نواب والاجاہ کے ہاں دیوان تھے ایک بار نواب صاحب نے انگریزوں کے ساتھ کسی معاملہ کو سلجھانے کے سلسلے میں ایک لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا لیکن اس کے بجائے محمد غوث نے نواب صاحب سے کہا کہ وہ انھیں قاموس مجد الدین فیروز آبادی کا نسخہ دے دیں جو سلاطین ترک کے پاس سے ہوتے ہوئے نواب صاحب کے کتب خانہ میں پہنچا تھا۔ نواب صاحب نے بخوشی انھیں عنایت فرمادیا۔ نویں صدی ہجری سے لے کر آج تک خاندان کے افراد تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں۔ خود اس کی اگر ایک فہرست تیار کی جائے تو کافی ضخیم ہوگی۔ میرے والد محترم جو گورنمنٹ چیف قاضی آف مدراس ہیں انھوں نے اس کو مرتب کر لیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تالیفات کا ذکر بھی آگیا ہے جو انھوں نے اردو، عربی، انگریزی کے علاوہ ترکی، جرمنی اور فرانسیسی زبان میں لکھے ہیں خاندان کے افراد جس کتاب کو اہم تصور کرتے تھے اور اپنے ذاتی مکتبہ میں نہیں پاتے تھے اپنے ہاتھ سے نقل کر کے کتب خانے میں داخل کر لیتے تھے اسی طرح جب حج کے لیے جاتے تھے تو وہاں سے نادر مخطوطات کو خرید کر لاتے تھے کیوں کہ علم ہی ان کی غذا ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ یہاں مخطوطات کا بے بہا ذخیرہ ہے۔ اب آیئے کتب خانہ اماتی شرف الملک مدراس کے نادر مخطوطات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی گفتگو ختم کر دوں۔

عوارف المعارف :۔ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد ابن عبداللہ السہروردی۔ کتاب اور کتاب کے مولف محتاج تعارف نہیں۔ مولف کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی ہے اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مولف نے صفحہ اول پر اپنے ہاتھ سے لکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں اپنے شاگرد تاج المعالی کو درس دیا ہے اور اس کو روایت کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس کتاب کے قدیم ترین ہونے کی کاغذ کے ماہرین نے کاغذ کو دیکھتے ہوئے تصدیق کر دی ہے اور خط عربی کے ماہرین نے اس خط کو دیکھ کر ساتویں صدی ہجری کے مخطوطہ کی تصدیق کر دی ہے اب اس کا دوسرے نسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد مولف کے شاگرد کے حالات زندگی پر اگر کچھ روشنی پڑ جائے اور منظر عام پر آجائے تو یقیناً ایک بہتر کام ہوگا۔

الرایات لخلفاء الراشدین والصوفیۃ العظام :۔ مختلف فنون کے رسائل کے مجموعہ کی جلد میں اس کو شامل کر دیا گیا ہے اس میں ۲۳ جھنڈوں کی تشکیل ہے آخر صفحہ کا نام، سنہ ڈرائنگ موجود نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے پر محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ خلفاء راشدین کے جھنڈے ہیں پھر ائمہ اطہار اور مشہور صوفیائے کرام کے اکثر کے حالات جھنڈوں کے نیچے مختصراً دیے گئے ہیں معہد المخطوطات العربیہ کویت کے مندوب نے اس کتاب کو کافی غور سے دیکھا اور اس کی طباعت کے بارے میں سوچا گیا۔

ـاب شعائر اللہ خاں
ـوری باغ —— رامپور

رامپور میں
تصوف کے چند اہم مخطوطات

یہ چند مخطوطات جن کا میں تعارف کرا رہا ہوں ان میں سے دو (۱) وہب الزبیر (۲) وہب الجمال حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کے سلسلہ سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ کے آخری مشہور بزرگ حضرت حافظ شاہ جمال اللہ (م ۱۲۰۹ھ) رام پور میں آئے تھے۔

روہیل کھنڈ میں سلسلہ مجددیہ کی نشر و اشاعت حافظ جمال اللہ سے کافی ہوئی۔ حافظ جمال اللہ حضرت شاہ محمد زبیر مجددی (م ۱۱۵۲ھ) کے خلیفہ سید قطب الدین محمد اشرف حیدر حسینی (م ۱۱۶۸) سے بیعت تھے۔ ان کے دور تک سلسلہ مجددیہ کی فارسی میں یہ آخری کتب ملتی ہیں جو سلیس فارسی میں ہیں اور اس پر ہندوی اثرات غالب ہیں اس کے بعد اردو کا دور آجاتا ہے اور پھر سلسلۂ مجددیہ کی کوئی کتاب فارسی میں نہیں ملتی —— ان کتب میں مجدد صاحب کی تعلیمات اور نظریات سے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ وہب الزبیر۔ مصنف قطب الدین محمد اشرف حیدر حسینی بن سید عنایت اللہ سائز ۲۰×۲۲ صفحات ۵۴ سطور ۱۲۔ خط روشن نستعلیق۔ کاتب رام پور کے مشہور زود نویس میاں جان خاں۔ مصنف نے اپنے پیر و مرشد شاہ محمد زبیر مجددی کے نام پر اس کتاب کو معنون کیا ہے۔ اس کا سال کتابت ۱۲۵۲ھ ہے۔

رامپور میں اس کے دو نامکمل نسخے ملتے ہیں جو کتب خانہ جامع العلوم فرقانیہ میں موجود ہیں۔ لیکن کاتب نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ یہ نسخے کیوں پورے نہیں لکھے گئے۔ اس کا ایک نسخہ مواہب محمد زبیر کے نام سے پاکستان میں بھی موجود ہے اور دو نسخے رضا لائبریری رامپور میں پائے جاتے ہیں۔ رضا لائبریری کے نسخۂ اول میں ۴۹ صفحات ہیں سال کتابت نہیں ہے۔ نسخۂ دوم کا سال کتابت ۱۱۷۴ھ ہے اور ۶۵ صفحات ہیں۔ خانقاہ منعمیہ گیا میں بھی ایک مکمل نسخہ موجود ہے۔

۲۔ وہب الجمال۔ مصنف عبدالحمید قادری سائز ۲۰×۲۲ صفحات ۴۴ کتابت روشن نستعلیق سطور ۱۷۔ سال کتابت ۱۲۵۲ھ کاتب میاں جان خاں۔ اس کتاب کے مصنف عبدالحمید حافظ شاہ جمال اللہ کے مرید ہیں اور انہیں کے نام پر اس کو معنون کیا گیا ہے۔ مصنف کا حال زیادہ نہیں ملتا سوائے اس کے کہ ان کا ایک

کتاب نسخہ اورلا دیلی ہے جو ۲۰×۲۲ کے سائز میں ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے تعداد سطور ۱۸ ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد علی خاں اثر رامپوری نے کیا ہے لیکن غیر مطبوعہ ہے یہ ترجمہ ۱۴×۲۲ کے سائز میں ہے اس کے ۴۴ صفحات ہیں اور سطور کی تعداد ۱۴ ہے کاتب عبدالواسع حنفی ہیں۔

۲۔ اسرار العاشقین۔ اس کے مصنف شاہ محمد سرور صدیقی ہیں جو شیخ عبدالواحد کے برادر زینی ہیں ۱۱۶ صفحات اور ۱۴ سطور کی کتابت ہے خط نستعلیق اور سائز ۱۲×۱۸ ہے اس کے کاتب کرامت اللہ لکھنوی ہیں جو محلہ اکبری دروازہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے ۷ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو اس کی کتابت کی ہے جو کہ احمد شاہ کے سنہ جلوس کا چھٹا سال ہے۔ یہ نسخہ رام پور کی خانقاہ زیارت خرما کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس کے تنہا وارث محمود شاہ نسیم ہیں۔ فہرست عمومی کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آصفیہ میں بھی اس کا ایک نسخہ پایا جاتا ہے لیکن انھوں نے مصنف کو فیروز صدیقی لکھا ہے جو کہ تحقیق کا متقاضی ہے۔

یہ نسخہ تصوف کے اسرار و رموز کا ایک نادر مرقع ہے جس کے مآخذ معتبر کتب پر مبنی ہیں۔ جو مصنف کے عمیق مطالعہ اور وسیع النظری کا بین ثبوت ہے۔

۴۔ تحفۃ القادریہ۔ حضرت شاہ ابوالمعالی محمد مسلمی کی تالیف ہے جو ۱۴×۱۸ کے سائز میں ہے۔ ۴۹ صفحات ہیں اور ۱۷ سطور۔ خط پاکیزہ نستعلیق ہے۔

کتاب میں حضرات قادریہ کے اوصاف حمیدہ معتبر کتب سے انتخاب کر کے لکھے گئے ہیں اور انھیں مختلف ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے کتاب میں چند مقامات پر منقبتی نظمیں ہیں جو مصنف کی ہیں منظومات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ابوالمعالی شاعر بھی تھے اور مسلمی تخلص کرتے تھے۔

کتاب کے ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاتب کا نام محمد اسلم ہے جنھوں نے غلام محی الدین خاں جی کی فرمائش پر ۱۶ رمضان ۱۲۰۱ھ کو اس کی کتابت مکمل کی ہے۔

یہ نسخہ بھی خانقاہ خرما رام پور کے ذخیرۂ محمود شاہ میں پایا جاتا ہے۔ تصوف کی یہ مشہور کتاب ہے اور اس کی کافی نقلیں ہوئی ہیں جس سے کتابت میں بہت سی غلطیاں راہ پاگئی ہیں اس لیے ایڈیٹنگ کے وقت مندرجہ ذیل نسخے نظر میں رکھے جائیں۔ ۱۔ نسخہ پھلواری شریف۔ ۲۔ نسخہ فرقانیہ رامپور۔ ۳۔ نسخہ شاہ ابوالخیر دہلی ۴۔ نسخہ ظل الرحمٰن علی گڑھ۔

۵۔ درمجالس۔ مصنف، سیف ظفر بخاری ۲۴۸ صفحات خط شکست۔ کاتب منیر الحسن سہارنپوری ۲۳ ابواب ہیں آخری شیخ ابوسعید ابوالخیر کے تذکرہ کے لیے وقف ہے۔ (یہ معلومات برادرم ظہیر اللہ خاں کی فراہم کردہ ہیں)

جناب شوکت علی خاں
ٹونک، راجستھان

عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں محفوظ تصوف کے چند اہم مخطوطات

آداب الصوفیہ (عربی) آداب الصوفیہ ایک نایاب اور غیر مطبوعہ مخطوطہ ہے جس کا حوالہ بروکلمین، کشف الظنون اور الاعلام[1] میں بھی دیا گیا ہے لیکن اس کے نسخے ہندوستان میں کہیں نہیں ہیں اور نہ ہی کسی جگہ پتہ چل سکا ہے۔ زرکلی نے وثوق سے بتایا ہے کہ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین بن موسیٰ الازدی السلمی نیشاپوری المتوفی ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء صوفی علماء میں سے ہیں۔ امام ذہبی نے آپ کو شیخ الصوفیہ لکھا ہے۔ ان کی تصانیف ایک سو سے زیادہ ہیں۔ تبیان میں ہے کہ وہ حافظ و زاہد تھے۔ آپ باپ کی طرف سے الازدی اور نانا کی طرف سے السلمی تھے۔ موصوف نے ابتداء میں صوفیائے کرام کے آداب کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد صوفیائے عظام کے مجاہدات، واردات، آداب بندگی، ریاضت، فقر و فاقہ، امید و بیم، خوف و رجاء، اخلاق و آداب، واقعات و حکایات، فرق کرامات و معجزات، احوال و مقامات، زہد و ورع، مشاہدات، مبتدی و سالک کی صفات، سامعین و واجدین، احادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، قرآنی آیات، امثال، اقوال، وجد و حال، مستی و سرمستی، سکر و صحو اور دیگر مقامات بڑے حسین پیرایہ میں شیریں استعاروں اور رنگین کنایوں کے ساتھ عارفین و سالکین کے لیے فرمائے ہیں۔ چنانچہ قلب عارف کی کیفیت یحییٰ بن معاذ کے فرمان ذیشان کے مطابق اس طرح ہے۔

"قلوب العارف قناديل الحكمة وفتلها الزهد وزجاجها اليقين وزيتها المحبة وسراجها من نور الملكوت"

شناس کے قلوب دانائی و حکمت کی قندیلیں ہیں اور ان قندیلوں کی بتی زہد و ورع ہے۔ ان کے شیشے از عرفان و یقین ہیں، اور ان کا روغن الفت و محبت ہے اور ان کی روشنی ملکوت کا نور ہے۔ "آداب الصوفیہ" تہتر ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں کئی فصول ہیں جو مختلف آداب و اسرار پر محتوی ہیں۔

---

[1] الاعلام جلد ششم ص ۹۹ حاجی خلیفہ نے جلد ششم ص ۱۱ میں قدرے اختلاف سے بیان کیا ہے۔

مخطوطے کے آخر میں تحریر ہے کہ اس کتاب میں تمام ہزار ایک سو حکایات و اخبار ہیں یا ایک سو سے قریب اخبار اور باقی سب حکایات ہیں اور اس کتاب میں چند مہریں ہیں۔ چنانچہ اول ورق پر دو مہریں ہیں — ایک مہر میں نصر من اللہ و فتح قریب ۱۱۲۴ھ اور دوسری مہر میں محمد سلیم الدین کندہ ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر اور کتاب کی فہرست کے آغاز میں محمد سلیم الدین کے نام کی مہریں ثبت ہیں۔

شرح عوارف المعارف (عربی) عوارف المعارف شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ السہروردی متوفی ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴ء کی مذہب تصوف کی ایک طرح کی دائرۃ المعارف ہے۔ زیر نظر نسخہ اسی عوارف المعارف کی فخیم اور اہم شرح ہے، جو سید محمد حسینی گیسو دراز چشتی، خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی مرہون منت ہے جس میں عوارف المعارف کے دفتر کے دفتر کھولے ہیں۔ انقباض کو انشراح، جلال کو جمال، قال کو حال، جذب کو کیف، کیف کو مستی، سکر کو صحو، اور صحو کو استغراق کا جامہ پہنا دیا ہے۔ عوارف و معارف کی وہ نکتہ پردازیاں پیدا کر دی ہیں کہ جزئیات و مخفیات بے حجابانہ جلوہ گر ہو کر حیرت سامانیوں میں وضع ہونے لگیں۔ جہاں حیرت سامانیاں، جلوہ نمائیاں، اور نیرنگیاں انوار و تجلیات بن بن کر بکھرنے لگیں اور یوں عوارف و معارف کھلنے لگے جیسے کہساروں سے آبشار پھوٹتے ہیں یا نازک شاخوں سے شوخ غنچے چٹک اٹھتے ہیں۔

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک و تصوف کے اسرار و انوار، رموز و نکات، جزئیات و مخفیات کو عوارف و معارف میں سمویا تھا۔ ستاون صفحات تک متن کے موضوعات اور عنوانات لکھے ہوئے ہیں۔ اول صفحہ پر سرخی لکھی ہوئی ہے جو بنہایت غور و خوض کے بعد اس طرح پڑھی جاتی ہے جس سے مخطوطے کا عنوان اور شارح کا پتہ چلا ہے پھر بھی ایک جگہ ایک دو حرف محو شدہ اس طرح شنگرفی نوشتہ ہے "من شرح عوارف المعارف المسماۃ ... معارف العوارف" تصنیف حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز، عارف شاہباز، بلند پرواز قدس اللہ سرہ معارف العوارف سے پہلے کوئی حرف مقطوع نظر آتا ہے۔ اس لیے اس شرح کا نام "معارف العوارف" ہے۔ اصل کتاب کا نام عوارف المعارف ہے۔ اسی کی صوتی ہم آہنگی اور ترکیب مقلوب کا لحاظ رکھتے ہوئے شارح نے اپنی شرح کا نام معارف العوارف رکھا ہوگا، جو قرین قیاس ہے۔

۵۷ صفحات تک بالترتیب "فا" لکھ کر مواد و متن کے بارے میں سرخیاں لکھی ہیں۔ ان میں سے ذیل میں ترجمہ کیا جاتا ہے روحانیات، حضرت ابراہیم ادہم تلمیذ الامام الاعظم فی ترک تعلم الفقہ، حضرت احمد بن حنبل معنی صنوبری قلب عند الفقہاء۔ اَلْعَمَلُ بِعِلْمِ السِّیْنَا اسۃ پھر علم الوراثۃ کی بحث ہے۔ طریق اکتساب الجنان وغیرہ۔

ان صفحات کے بعد کہیں کہیں حواشی اور کاتب کے نوشتہ اشارے پائے جاتے ہیں۔ آخر سے ناقص ہے اس

یہ ترقیمہ وغیرہ غائب ہے۔ پھر بھی اصل متن سے تقابل کرنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک دو صفحات نہیں ہیں۔ اس لیے کہ آخر صفحہ ۵۶۰ پر قولہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا الخ کی بحث ہے۔

شاہ گیسو دراز نے انہیں کیفیاتِ جذب کیف سے لبساد شرح بیان فرمائی ہے۔ یہ عوارف المعارف کی عربی لاہر شرح ہے جو صرف اسی ادارے کی زینت ہے۔ اس کی ابتک کوئی کاپی دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔ انڈیا آفس کے کتب خانے میں اس کی ایک اور شرح محفوظ ہے۔ وہ بھی کافی ضخیم ہے اور ہندوستانی صوفی عبدالقدوس بن اسماعیل غزنوی متوفی ۹۴۵/۱۵۳۸ء کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ آربری نے اپنے ذخیرے کے علاوہ اس کی دوسری کاپی کہیں نہیں دیکھی اس اعتبار سے اگر انڈیا آفس میں یہ اپنی نوعیت کی انوکھی تصنیف ہے تو اس سے کہیں پہلے کی شرح ٹونک میں محفوظ ہے۔ جس کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی گلبرگہ شریف کے سجادہ نشیں نے اپنے کتب خانے کے لیے طلب کی ہے۔

ہمارے نسخے کی تقطیع کلاں ہے، بادامی کاغذ دولت آبادی دیمک خوردہ، خط عربی قدیم، آخر سے ناقص ہونے کی وجہ سے کاتب و کتابت کا صحیح پتہ نہیں چل سکا۔ پھر بھی روش تحریر اور کاغذ کی ساخت، پرداخت، قلم کی روش، دوز دامن نشست، کرسی، دانگ، سطح اور حروف کے پیمانے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کی کتابت دسویں صدی ہجری کے اواخر یا گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ حروف کی کتابت کی بھی تاریخ ہے۔ ہر صدی کی روش اور ہر صدی کے امتیازات و خصوصیات اپنی اپنی جگہ تاریخ لیے ہوئے ہیں۔ خط نسخ رواں ہوتے ہوئے بھی قلم کی مہارت نظر آتی ہے، کہیں کہیں ثلث کے آثار نمایاں ہیں۔ ہائے مدوّر اور یائے معروف اور دوسرے حروف تو نسخ کی روش لیے ہوئے ہیں، پھر بھی ر، و، د، ک وغیرہم کہیں کہیں ثلث کے زیر اثر نظر آتے ہیں۔

مخطوط کافی شکستہ، خستہ، پیوند نمودہ اور آب رسیدہ ہونے کے باوجود نہایت صاف ہے، البتہ آثار خستگی سے بہت متاثر ہے۔ کل ۵۶۰ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ ۲۱ سطری ہے۔ بہت کم صفحات پر حواشی چڑھے ہوئے ہیں بلکہ اوّل صفحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عوارف المعارف کی ۱۲ سطور کی شرح غائب ہے۔ جو ایک دو صفحے میں ہو سکتی ہے۔ عوارف المعارف کی ایک اور شرح مناظر اخص الخواص، از شیخ محب اللہ الہ آبادی مکتوبہ ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۰۲ء بھی اس ذخیرے میں محفوظ ہے۔

"ترجمۃ الکتاب" (عربی) شیخ محب اللہ الہ آبادی متوفی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء جو بابا فرید گنج شکر کی نسل سے ہیں، اس کے مصنف ہیں۔ اپنے وقت کے ممتاز عالم اور شیخ وقت تھے۔ شیخ ابو سعید گنگوہی کے خلیفہ تھے اور کثیر التصانیف تھے۔ نسخہ ہذا ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ اس کی صرف ایک کاپی انڈیا آفس کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ایک ورق آخر سے بعد میں شامل کیا گیا ہے اس لیے کاتب و کتابت کا پتہ نہیں چل سکا۔ لیکن کتابت کی روش کاغذ کی ساخت اور چند منہیات سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف

ی حیات کا نوشتہ ہے۔ ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ء میں محمد اجمل الہ آبادی نے مولوی انوارالحق بن مولوی
رعبدالحق کو دیا۔ آخری صفحہ پر مولوی انوارالحق کی مہر بھی ثبت ہے۔ مخطوطہ چار مراتب میں منقسم ہے اور اسی رعایت سے
منف نے ترجمۃ الکتاب کا ایک ذیلی عنوان المراتب الاربعہ بھی دیا ہے۔ اس طرح چار ابواب ہیں اور ہر باب میں کئی فصول
ی مرتبۂ اولیٰ عقائد سے بحث کرتا ہے۔ مرتبۂ دوم شرع سے، مرتبۂ سوم سلوک و احسان سے اور چہارم روحانی مکاشفات و
صوفیہ کے مجاہدات و مشاہدات پر مشتمل ہے۔ ان مراتب سے پہلے باقاعدہ مشکلات کی فہرست دی ہوئی ہے۔ متن سے متعلق
نہایات بھی چڑھے ہوئے ہیں۔ سلوک و احسان اور عقائد سے بحث کرتے ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری کے علاوہ اس نسخہ کا
ر کہیں درج نہیں ہے جیسا کہ آربری نے لکھا ہے No other copy appears to be recorded

not in Haji Khalifa. (Arberry 9.0 II pp.183-84)

نجار الجمال یا اخبار الجمال (فارسی) یہ ایک اہم غیر مطبوعہ تذکرہ ہے۔ جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے ــــ
ــــــــــ چند اوراق ابتدا و انتہا سے غائب ہیں، پھر بھی غائر نظر سے دیکھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے
ر مصنف کا نام محمد ستار تھا جنھوں نے اس تذکرے میں حضرت شیخ جمال شمس العارفین کو لوی نبیرہ شیخ نظام الدین المؤید کے احوال و
نساب جمع کیے ہیں۔ ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء میں بزمانۂ محمد شاہ اس کی ترتیب ہوئی ہے۔ اسی صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے ــــ
ــــــــــ یہ شیخ یار محمد بن شیخ عبدالاحد کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔ اس تذکرہ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ
کے حالات قدرے تفصیل سے درج کیے ہیں۔ حیات و تعلیمات تسبیح و تہلیل تحمید و تمجید، ریاضت نفس کشی کے واقعات و واردات
کے علاوہ کشف و کرامات اور سکر و صحو، قبض و بسط، مشاہدہ و مجاہدہ، مکاشفہ وغیرہ کے واردات بیان کیے ہیں۔ سیر الاولیا اور راحت
القلوب کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے۔ نسخہ جہاں تک پتہ چل سکا ہے ابھی تک اس کی دوسری کاپی نظر سے نہیں گزری، اس کی کتابت
ارہویں صدی ہجری میں ہونا قیاس کی جا سکتی ہے۔

سراج القلوب (فارسی) سیراب القدس یا سیراب الصدور، صوفیائے کرام کا ایک بیش بہا تذکرہ ہے۔ اس کے مصنف و
رتب کا پتہ نہیں چل سکا۔ سرسری جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرتب ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء میں پیدا ہوئے اور علی قلی خاں کے بھتیجے
ہیں اور دکن میں اکبر اعظم کے سفیر کبیر ہو کر گئے تھے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مرتب میر کلاں اسعد اور عبدالقادر بدایونی کے شاگرد
تھے۔ فاضل مرتب نے مقدمہ میں اپنے بارے میں کچھ مبہم مبہم سے اشارے دیے ہیں۔ اسی سے اتنا کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ یہ
تذکرہ کافی ضخیم اور ناقص الطرفین ہے۔ اس کا طویل مقدمہ بھی نہیں ہے۔ جس کا ذکر درمیان میں کیا گیا ہے۔ اس میں
بعثت اسلام سے لے کر عہد مصنف تک کے اکابر اصفیا کا ذکر کیا گیا ہے۔ پیش نظر نسخہ میں چار اوراق کے بعد شیخ عماد الدین

اسماعیل کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ آخر میں خواتین کا ذکر ہے جو بی بی فاطمہ سامؓ کے احوال پر ختم ہوتا ہے۔ جہاں اے اوائل میں اس ضخیم تذکرے کا صرف دوسرا حصہ ہے۔

طبقاتِ شاہجہانی (فارسی) از: محمد صادق۔ یہ کتاب شاہجہاں کے دور میں تصنیف ہوئی۔ ہندوستان میں اس کے نسخے کم ہی پائے جاتے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا نسخہ اسی سے منقول ہے۔ اسٹوریؒ نے اس کتاب کے صرف تین نسخوں کی نشاندہی کی ہے جو آصفیہ، برٹش میوزیم اور انڈیا آفس میں محفوظ ہیں۔ بڑا اہم اور نادر تذکرہ ہے۔ مرتب نے اس کتاب کو دس طبقوں پر ترتیب دیا ہے۔ ہر طبقہ کو تین بابوں پر مرتب کیا ہے۔ باب اوّل میں اس دور کے سادات و مشائخ اور اولیا و اصفیا کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دوسرے باب میں ہر دور کے علما و حکما کو اور تیسرے باب میں شعرا کو بیان کیا ہے اس طرح دسوں طبقات میں اولیا و اصفیا کا اچھا ذخیرۂ حالات جمع ہو گیا ہے۔

طبقۂ اولیٰ کے چند اولیا کے نام یہ ہیں۔ حضرت امیر سید کلالؒ خلیفہ خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ علاء الدین، مولانا نظام الدین ہروی، مولانا زین الدین ابوبکر ادیبی، شیخ امام الدین ابدال، بدیع الدین شاہ مدار وغیرہم۔ طبقۂ عاشرہ: خواجہ خداوند محمود، شیخ تاج، شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ۔ کل ۲۸، اکابر اصفیا کا ذکر ہے۔ شیخ نور تیغیؒ، خواجہ ابوالاعلیٰ احمد پر تذکرہ ختم ہو جاتا ہے۔

مظہر النور فی شرح مظہر النور (فارسی) سید قمر الدین اورنگ آبادی متوفی ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء کی تصنیف مظہر النور کی شرح ہے جو مرزا جان جاناں متوفی ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء کی توجہ خاص سے سید نور الہدیٰ بن سید قمر الدین نے لکھی۔ جن کی کتابت محمد صدر الدین نے شارح کی زندگی میں کی۔ اور بعض حواشی خود شارح کے قلم سے بھی ہیں۔

جواہر الاسرار و زواہر الانوار (فارسی) میر سید حسین خوارزمی متوفی ۹۵۶ھ/۱۵۲۹ء نے مثنوی مولانا روم کا دو جلدوں میں ترجمہ کیا ہے۔ جس کی کتابت شارح کی زندگی میں ۹۰۴ھ م ۱۴۹۸ء میں ہوئی ہے۔ مخطوطہ شاہی مہر اور تاریخی شواہد بھی موجود ہیں۔

خلاصۃ المعارف و اسرار العقائد (فارسی) سید شیخ آدم بنوری خلیفہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی کی مرتبہ ہے۔ عقائد و تصوف سے متعلق ذخیرہ ہے جو موصوف نے کتابی شکل میں اس نام سے مرتب کیا۔ ۱۱۴۹ھ کا نسخہ ہے۔ علامہ بنوری امام جعفر صادق کی اولاد میں سے ہیں۔ بنور میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں دفن ہوئے۔ ان کا اجلۂ صوفیا میں شمار ہوتا ہے۔ موصوف مریدین کی تربیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

Storey, vol.I Part II, pp.1171-72. ل

خلاصۃ المعارف میں علامہ شیخ بنوری نے عقائد تصوف . . . اسرار و معارف اصطلاحات صوفیہ، اذکار و سلوک ظاہری و باطنی پر بحث کی ہے۔

ریاض الاولیاء (فارسی) اس کا عنوان مادہ تاریخ ہے جس سے مخطوطے کا سال تصنیف ۱۰۹۱ھ/۱۶۰۹ء برآمد ہوتا ہے۔ ریاض الاولیاء بختاور خاں کا مرتبہ تذکرہ ہے، جو چار چمن پر مشتمل ہے، پہلے چمن میں خلفاء راشدین کے احوال ہیں، دوسرے چمن میں ائمہ کرام کا بیان ہے، تیسرے چمن میں اولیاء کرام کا ذکر جمیل ہے، چوتھے چمن میں فاضل مرتب نے ہندوستانی صوفیاء کرام کے حالات سے بحث کی ہے۔

تیسرے چمن میں جو اولیاء کرام کے حالات مرقوم ہیں۔ وہ تذکرۃ الاولیاء، نفحات الانس اور رشحات القدس سے ماخوذ ہیں۔ ریو نے لکھا ہے کہ مرآت جہاں نما کے مرتب نے ریاض الاولیاء کو اپنے چچا شیخ محمد بقا سے منسوب کیا ہے[1]۔ اسٹوری نے اس کی ایک کاپی آصفیہ اور براؤن کلکشن میں بھی بتائی ہے[2]۔

۱- ارشاد الناقصین و تائید الکاملین (عربی) مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ مکتوبہ ۱۲۳۱ھ محشی ایڈیشن ۱۲۶۱ھ ۲- اسرار الاحکام شرح شرعۃ الاسلام (عربی) مصنفہ محمد یعقوب بنیانی المتوفی ۱۰۹۸ھ مکتوبہ ۱۱۱۹ھ کاتب مولانا عرفان دہلوی ہندستان کے ایک مشہور عالم کے قلم سے لکھا ہوا ہے ۱۱۴۲ھ ۳- اصطلاح الصوفیہ (عربی) مصنفہ فیض الحسن انور گلشن ۱۲۷۴ھ ۴- بہجۃ الناظر المنتخب من صید الخاطر (عربی) مصنفہ محمد بن علی بن سلوم۔ مکتوبہ ۱۲۳۱ھ شارح نے صید الخاطر مصنفہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی سے اختصار کیا ہے ۵- رسالہ فی بیان آداب الشیوخ و المریدین ۱۲۱۳ھ ۶- رسالہ فی التصوف (عربی) مصنفہ شیخ تاج الدین بن زکریا القرشی مکتوبہ ۱۰۴۴ھ ٹونک ۷- سفینۃ العلوم (عربی) مصنفہ حسن بن محمد شیخ الاسلام ابوسعد المحسن بن محمد البیہقی المتوفی ۴۹۴ھ جز ثالث و رابع قدیم نسخہ ٹونک ۸- نتائج الحرمین (عربی) سید آدم البنوری۔ موصوف کے کسی شاگرد نے آپ کے ملفوظات جمع کیے تھے۔ حرمین میں آپ سے اجازت چاہی۔ آپ نے منع فرمایا اور سورۂ فاتحہ کے سلسلے میں جو ملفوظات تھے، اس نام سے ترتیب دیا گیا۔ ۹- اظہار المخفیہ (عربی) مرتب کا پتہ نہیں چل سکا اس میں تصوف کے دو تین مسئلوں کی تحقیق ہے۔ مخطوطات (فارسی) ۱۰- تحفۂ محبوب مرتبہ مولوی محمد حسن قادری بن خواجہ عبدالوہاب قادری مشتمل بر حالات شیخ حمزہ کشمیری و اصحاب و ارباب و اوراد و اشغال۔ رسالہ شرط خرقہ پوشی مصنفہ شیخ محی الدین۔ شاغل کلکشن مجامع الشیوخ، مثنوی مولانا روم مقلب بہ

---

[1] ریو جلد سوم ص ۹۸۵ [2] اسٹوری۔ جلد ۱ پارٹ ۲ ص ۱۰۱۲، ۱۹۵۳ء

سراج المعانی۔ مترجمہ مولوی حافظ سراج الرحمٰن ٹونکی، واحد نسخہ، نوشتہ تیرھویں صدی ہجری۔ ۱۲۔ رسالہ برہان الواصلین
مصنفہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ۸۲۵ھ اورکلکشن ۱۱۷۲/۸ ۱۳۔ رسالہ فوائد الاذکار از یعقوب بن عثمانی۔ اورکلکشن ۲۴۴۴
۱۴۔ تکمیل الرشاد لاہل المحبۃ والوداد از مولوی محمد عاشق پھلتی تلمیذ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی۔ ٹونک ۲۴۱
۱۵۔ شرح حدیقہ حکیم سنائی۔ مطلّا و مذہّب مینا کار، مولوی عبداللطیف بن عبداللہ عباسی بڑا نادر نسخہ ہے۔ کاتب محمد سعید
بن محمد مقیم بن عبداللہ بن شیخ حسام الدین حنفی ہیں ۱۲ شعبان سنہ ۱۲ جلوس عالمگیر کو طولیہ آصف جاہی میں جو شاہزادہ محمد اعظم شاہ
سے متعلق تھا، اس نسخہ کی کتابت شروع ہوئی۔ اسی سال کتابت ختم ہوئی۔ شیخ فیض احمد کی کوشش سے یہ نسخہ لکھا گیا۔
۱۵ جمادی الثانی سنہ ۱۹ جلوس کو مرزا نجف قلی قلعہ دار اور بھائی خان خانساماں اور محمد محمد کی توجہ سے اس کا جدول تیار ہوا۔
نسخہ بہت عمدہ ہے۔ ۱۷۔ شرح نزہۃ الارواح شیخ عبدالواحد بن ابراہیم بن خطیب بلگرامی المتوفی ۱۰۱۷ھ کاتب الیاس
بن سید علی۔ تاریخ کتابت ۵ شعبان ۱۲۱۲ھ بڑا نادر نسخہ ہے۔ ۱۸۔ شرح سوانح العشاق۔ شیخ عبدالکریم لاہوری مرید نظام اللہ
تھانیسری۔ ۲۱۔ سوانح العشاق۔ تاریخ کتابت ۱۹ جمادی الآخر ۱۱۸۴ھ ۱۹۔ کرامات الاولیاء۔ مولوی نظام الدین
احمد بن محمد صالح مصنفہ ۱۰۶۸ھ مکتوبہ ۵ صفر ۱۲۲۸ھ کاتب قادر خاں ساکن بھوپال۔ اسٹوری[1] نے اس کی ایک کاپی کی
نشاندہی آصفیہ کتب خانہ میں کی ہے۔ اس کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے۔ ۲۰۔ شخوص الحکم شرح
فصوص الحکم۔ غلام مصطفیٰ تھانیسری، نہایت مطلّا مینا کار۔ ۲۱۔ شرح اظہار المخفیہ من اخبار المصطفویہ
اظہار المخفیہ کی فارسی شرح ہے متن اور شرح دونوں بہتر ہیں۔

۱؎ اسٹوری۔ ۱۰۵۷ : نمبر ۳/۹۷۲

عمومی جائزے

تصوف کی کسی اہم نسخے کا بھرپور تعارف،
ذخیرۂ تصوف کا ڈیڑھ دو سطری تعارف، یہ کام تو
پچھلے حصوں میں ہوا۔ یہ حصہ عمومی بھی لیجیے جس میں:
(الف) کسی ذخیرہ یا کسی ایک نسخے کے بجائے چند
اشخاص کی تصانیف سے بحث ہے۔
(ب) لطائف اشرفی پر ایک بھرپور تعارف ہے
جو اس نمونے کے لیے ہے کہ کس طرح اس طور سے ہر اہم
کتاب کا تعارف کرایا جائے۔ آئندہ ممکن ہے یہ سلسلہ
جاری ہے۔ اور آخر میں ریاض صاحب کا ایک اہم
مضمون ہے جسے بار بار جگہ جگہ نقل کیا جانا چاہیے۔

جناب محمود حسن قیصر
مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

تصوف کے چند نادر مخطوطات

الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، مولانا عبدالحیٔ حسنی ندوی کی ایک بڑی مفید، مشہور اور معلوماتی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے مختلف اسلامی علوم و فنون پر جتنا مواد ان کو مل سکا ہے، مختلف عنوانات کے تحت اسے جمع کر دیا ہے۔ اس میں انھوں نے صرف ہندی علما و فضلا کے کارناموں کو گنایا ہے۔ اسلامی علوم پر اور دیگر علوم پر انھوں نے جتنے کام کیے ہیں مثلاً Astronomy، فلسفہ، ہیئت اور منطق پر جتنے کام کیے ہیں۔ اسی طرح تصوف کو بھی انھوں نے چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلا تصوف دوسرا سلوک پھر مکتوبات، ملفوظات پھر اذکار و مراقبات۔ اس طرح چار تقسیمیں کی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہندی فضلا نے اسلامی علوم و فنون پر کتنے کام کیے ہیں۔ لیکن اتنے وسیع کام کے باوجود بہت سارے مخطوطات ایسے ہیں جن پر ان کی نظر نہیں پڑی تھی۔ میں ان میں سے چند نادر مخطوطات کا تعارف کراتا ہوں۔

۱۔ شرح لوائح الاسرار :۔ اصل کتاب مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی (متوفی ۸۹۸ھ) کی ہے۔ اس کا شارح ایک ہندی فاضل شیخ فضل اللہ ہے۔ نسخہ ۱۰۸۷ھ کا لکھا ہوا ہے۔

۲۔ رموزات :۔ اس کے مؤلف شیخ عبدالجلیل بن عمر الصدیقی ہیں جن کا سنہ وفات ۱۰۱۰ھ ہے۔ نسخہ ۱۰۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے اور ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ سیر مقامات :۔ یہ رسالہ بھی شیخ عبدالجلیل بن عمر الصدیقی ہی کی تالیف ہے جو چالیس اوراق پر مشتمل ہے۔ مولانا آزاد لائبریری میں اس کے دو نسخے ہیں۔ مؤلف الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند نے عبدالجلیل مذکور کی صرف ایک کتاب "اسراریہ" کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ حقیقت حقیہ در تحقیق سخن بعض صوفیہ :۔ یہ نظام الدین بن عبدالشکور عمری تھانیسری (متوفی ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء) کی تالیف ہے۔ یہ نسخہ ۱۹ اوراق پر مشتمل ہے۔

۵۔ مبلغ الرجال :۔ یہ نسخہ ۳۷ اوراق پر مشتمل ہے اس کے مؤلف عبیداللہ بن خواجہ محمد باقی باللہ المعروف بہ خواجہ کلاں ہیں، جن کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ہوئی ہے۔ خواجہ خورد انھیں کے چھوٹے بھائی تھے جن کا انتقال ۱۰۷۴ھ میں ہوا ہے یعنی ایک سال بعد۔ یہ نسخہ ۱۰۶۶ھ میں یعنی مؤلف کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے اس کا کوئی دوسرا نسخہ میری نظر سے اب تک نہیں گذرا۔

۶۔ حقیقت الحقائق :۔ اس کے مؤلف عبدالباقی بن عبدالسلام بدخشی ہیں جو باقی باللہ کے لقب سے مشہور ہیں الکا
۱۰۱۴ھ میں ہوا ہے۔ یہ رسالہ وحدۃ الوجود کے بیان میں ہے جس میں مؤلف نے اپنے کسی مرید کو لفظ "سید" سے خطاب کر کے
اس مسئلہ کی نہایت ہی خوبی سے وضاحت کی ہے۔ یہ نسخہ ۱۲۹۰ھ کا لکھا ہوا ہے اور ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کو حقیقت تو لیم
تو کے عنوان سے رجسٹر میں اندراج کر دیا گیا ہے

۷۔ ضیائے توحید شرح کلمۂ توحید :۔ اسکے مؤلف محب اللہ بن مبارک الہ آبادی ہیں جن کا انتقال ۱۰۵۸ھ میں ہوا ہے۔
نسخہ ۱۱۶۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے پہلے ایک رسالہ "کلمہ توحید" عربی میں لکھا تھا، بعد میں
توحید کے نام سے فارسی میں اسکی شرح لکھی ہے۔ اسکا ایک دوسرا نسخہ بھی ہے جسکی لوح پر ہلکی پیلی روشنائی سے محب اللہ
الہ آبادی لکھا ہوا ہے۔

۸۔ شوارق المعرفت :۔ اس کے مؤلف شاہ ولی اللہ دہلوی بن عبدالرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ہیں۔ یہ مخطوطہ مؤلف
کے عم بزرگوار الشیخ ابوالرضا محمد (متوفی ۱۱۰۱ھ) کی سیرت و کرامات و مناقب کے بیان میں ہے۔ سنہ کتابت گرچہ درج نہیں ہے لیکن
نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ :۔ یہ بھی شاہ ولی اللہ دہلوی کا رسالہ ہے۔ یہ شیخ محمد پھلتی
تذکرے پر مشتمل ہے جن کا انتقال مؤلف کے قول کے مطابق ۱۱۲۵ھ میں ہوا ہے انکے حالات کے ذیل میں متعدد بزرگوں کا تذکرہ ضمناً آگیا ہے

۱۰۔ ملفوظات اخی جمشید راجگیری :۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ میری نظر سے اب تک نہیں گذرا ہے صاحب ملفوظات از
جمشید نویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں تھے جن کا انتقال ۸۴۰ھ میں ہوا ہے شیخ جلال الدین حسین بخاری سے مد
تک انھوں نے کسب فیض کیا۔ شیخ انھیں اخی جمشید کے نام سے پکارتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ اس
مرتب انھیں کے ایک مرید یحییٰ بن علی اصغر بن عثمان قنوجی ہیں۔ یہ ملفوظات کی جلد ۲۲۸ اوراق پر مشتمل ہے۔

سوال و جواب

● ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی :۔ مبلغ الرجال کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی موجود ہے۔ اکبر کے دور
Religious controversy نے وجودی شہودی، اکبر کا اپنا دین الٰہی اور مہدوی تحریک اور اس کے اثرات
اکبر کے دربار پر جو پڑے، اس کے بارے میں سب سے پہلے اس مخطوطے سے Information ملتی ہے اور اس کے دنیا میں اب
تک صرف دو نسخے ہیں۔ اس دور میں جو مختلف مکاتیب فکر کے لوگ تھے ان کے بارے میں بھی کافی مواد ملتا ہے۔ میرا خیال
کہ اس کتاب کو اگر آپ ایڈٹ کر دیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ●

۱

جناب عبدالحی فاروقی
ہمدرد لائبریری تغلق آباد دہلی

تصوف میں

ہندوستانی علماء و مشائخ کی کچھ اہم غیر مطبوعہ تصنیفات

ہندوستانی صوفیا نے تصوف کا جو ادبی ورثہ ہمارے لیے چھوڑا ہے اس کا خاصا حصہ شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہزاروں سے زیادہ جواہر پارے ابھی ایسے باقی ہیں جو طبع نہیں ہو سکے ہیں اگر اب بھی ان پر توجہ نہ دی گئی تو امکان ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ ان غیر مطبوعہ تصانیف میں بہت سی ایسی ہیں جن کے بارے میں آج اکثر لوگ بے خبر ہیں اور کسی تذکرے میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے چنانچہ انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ نئی دہلی نے چند سال پہلے ہندوستان میں طب اور تصوف کی غیر مطبوعہ تصنیفات کے اعداد و شمار جمع کرائے تھے اور اس طرح ایک ضخیم فہرست تیار کرائی تھی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابھی طب اور تصوف میں کتنی کتابیں ایسی باقی ہیں جو چھپ نہیں سکی ہیں اس کے ساتھ ہی اس فہرست سے یہ معلومات بھی ہوتی ہیں کہ یہ مخطوطات فی الحال ہندوستان میں کہاں کہاں موجود ہیں۔ اس فہرست کے تیار کرنے میں مختلف لائبریریوں و کتب خانوں کے مطبوعہ کیٹلاگ اور بروکلمان، مارشل و احمد منزوی کی مرتب کردہ مجلدات سے استفادہ کیا گیا ہے اور جہاں سے کوئی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ فہرست یا کیٹلاگ حاصل نہیں ہو سکا وہاں لوگوں کو بھیج کر مخطوطات کی فہرست تیار کرائی گئی ہے اور آخر میں پھر ان سب مآخذ کو سامنے رکھ کر طب اور تصوف کی غیر مطبوعہ کتابوں کی ایک جامع فہرست مرتب کی گئی ہے۔

اس مقالے میں اسی طویل فہرست سے صرف ہندوستانی مشائخ کی کچھ اہم غیر مطبوعہ تصنیفات کی نشاندہی کی گئی ہے جو آج بھی ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ امید ہے کہ اس سے تصوف کے کچھ نادر مخطوطات کا علم ہو سکے گا اور آئندہ کوئی راہ متعین کرنے میں آسانی ہوگی۔

۱۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (م ۔ ۶۳۲ھ)

حضرت خواجہؒ سے منسوب چند کتابیں غیر مطبوعہ مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں جن میں مونس الفقراء حبیب گنج کلکشن میں، گنج الاسرار رضا لائبریری میں، رسالہ عرفانی برٹش میوزیم میں اور آداب دم زدن کتب خانہ دانشگاہ تہران میں لائق ذکر ہیں۔ ان کی تحقیق و ترتیب کی ضرورت ہے۔

۲۔ قاضی حمید الدین ناگوری (م ۶۴۳ھ)

نام آپ کا محمد بن عطا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ شیخ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) کے بھی محرم راز تھے۔ بغداد سے مدینہ منورہ ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے۔ آپ کے مسلک میں وجد و سماع بہت غالب تھا چنانچہ علماء وقت نے آپ کے خلاف ایک محضر بھی تیار کیا تھا۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ آج جن تصانیف کی موجودگی کا علم ہوتا ہے وہ یہ ہیں: 'رسالہ عرفانی' اور 'خیالات عشاق' کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں 'سرور الصدور' (ملفوظات) مرتبہ ابن شیخ فرید الدین محمود حبیب گنج کلکشن میں اور 'رسالہ عشقیہ' آصفیہ لائبریری اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے۔ ہندوستان میں طبع ہو چکا ہے مگر بہت معمولی طور پر۔ ضرورت ہے کہ اس کو جدید انداز پر تصحیح اور فٹ نوٹ کے ساتھ شائع کیا جائے۔

ان میں سب سے زیادہ مقبول و مشہور تصنیف "طوالع الشموس" ہے جس میں اسماء الٰہی کی تشریح ہے۔ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اس میں بہت اونچی باتیں بیان کی گئی ہیں جو دل سے بہت نزدیک ہیں ۔۔۔۔ یہ وہ حقیقت درس کتاب ہے جس میں مضامین اسرار طریقت موج در موج اور معانی طریقت فوج در فوج لکھے ہوئے ہیں۔ اس میں سے اختصار و انتخاب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس کے تمام مضامین اپنی متانت و حرارت اور ہم شکل و شباہت میں خاص خاص موضوع رکھتے ہیں۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں اسم "ہو" کی تشریح کی گئی ہے اور اتنے زیادہ معانی لکھے گئے ہیں کہ میں انہیں دہرا نہیں سکتا۔[1] صاحب گلزار ابرار کے مطابق "سخندانی اور سخنوری میں آپ کو بہت کچھ کمال تھا آپ کی تصانیف آپ کی سخندانی کی گواہ ہیں جیسے طوالع الشموس" مشتمل بر دو جلد۔[2]"

"طوالع الشموس کے اقتباسات شیخ محدث دہلوی نے کئی صفحوں میں دیئے ہیں آج اس مخطوطہ کی ایک کاپی حبیب گنج کلکشن میں موجود ہے۔

۳۔ شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ)

آپ مشہور مجذوب و ولی تھے، آپ کی نسبت طریقت صحیح طور پر معلوم نہیں ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) کے مرید تھے اور بعض کے مطابق خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کے مرید تھے۔ لیکن ان دونوں باتوں کی صحت کا یقین نہیں ہے۔ آپ نے اختیار الدین کے نام سے عشق و محبت،

---

[1] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، محمد غوثی مندوی، ص ۳۸ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۵ھ ص ۶ اخبار الاخیار اردو ص ۶۰، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۶۳ء [2] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، غوثی مندوی ص ۳۸۔

معارف وحقائق، توحید و ترک دنیا اور طلب آخرت کی زبان میں چند خطوط لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تصنیف "حکم نامہ" کے نام سے بھی ہے۔ لیکن یہ دونوں تصنیفات ناقابل یقین ہیں اور غالب گمان یہ ہے کہ اختراعی ہیں[1]۔

ایک تصنیف "مکتوبات قلندری" کے نام سے حبیب گنج کلکشن میں ہے اور دوسری "تنکار العاشقین" کے نام سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے۔

۴۔ خواجہ ضیاء الدین نخشبیؒ (م۔ ۷۵۱ھ)

آپ بدایوں (یوپی) کے رہنے والے ایک گوشہ نشین بزرگ تھے، خواجہ حمید الدین ناگوریؒ (م ۶۴۳ھ) کے نبیرہ و خلیفہ شیخ فریدؒ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدینؒ (م ۷۲۵ھ) کے زمانے میں ضیاء الدین نام کے تین آدمی تھے۔ ایک ضیاء الدین سنامیؒ (م ۷۰۹ھ) جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے منکر و مخالف تھے، دوسرے ضیاء الدین برنیؒ (م ۷۳۸ھ) جو محبوب الٰہیؒ کے معتقد و مرید تھے اور تیسرے ضیاء الدین نخشبیؒ جو نہ منکر تھے نہ معتقد[2]۔ آپ کی متعدد تصانیف میں جن میں سے حسب ذیل کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے:

"نسخہ تحریر" سبحان اللہ کلکشن میں "ضیاء القلوب" مرشد آباد میں "تسرا پلے" محسن جامعہ ملیہ دہلی میں "چہل ناموس اکبر" رضا لائبریری میں اور "سلک السلوک" جامعہ ملیہ و اسلامک اسٹڈیز دہلی میں موجود ہے۔

آپ کی تصانیف بلحاظ مضمون ایک دوسرے سے متشابہ ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیف "سلک السلوک" ہے جو اپنی شیرینی اور لطافت کے ساتھ ساتھ حکایات وکلمات مشائخ سے پُر ہے۔ آپ کو شعر و سخن پر بھی پوری قدرت تھی۔ اپنی تصنیفات میں جابجا اشعار اور قطعات بھی درج کیے ہیں جو بہت سبق آموز اور پُر تاثیر ہیں۔ طب اور موسیقی سے بھی آپ کو بڑا لگاؤ تھا چنانچہ طب میں ابن سینا کی کتاب "القانون فی الطب" کی کتاب الکلیات کی طرز پر آپ نے بھی "الکلیات والجزئیات" نامی ایک کتاب لکھی تھی جس میں یونانی دواؤں کے فوائد و خواص اور ساتھ ہی ان کے ہندوستانی نام بھی لکھے تھے[3]۔

۵۔ شیخ نصیر الدین محمود المخاطب بہ چراغ دہلیؒ (م ۷۵۷ھ)

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ (م ۷۲۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے اور بڑے جلیل القدر عالم تھے، شیخ کی وفات کے بعد دہلی کی ولایت آپ ہی کے سپرد کی گئی۔

آپ کی کسی تصنیف کا کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ "خیر المجالس" مرتبہ حمید قلندر آپ کے ملفوظات میں مشہور ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار اردو ص۲۱۲ [2] اخبار الاخیار اردو ص۱۹۰ – تذکرہ علماء ہند رحمان علی ص۳۵ نولکشور ۱۹۱۴ء

[3] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مولانا گیلانی ص۲۱۶ مطبوعہ دہلی۔

لیکن آپ کی ایک تصنیف "رسالہ تصوف" کے نام سے آصفیہ لائبریری میں پائی جاتی ہے جو اس اعتبار سے ا
کہ اس کا حوالہ کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔

۶۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ (م ۷۸۲ھ)[1]

آپ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اور خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ (م ۷۱۱ھ) کے مرید ہیں، آپ کی تصانیف میں آپ کے مکتوبات و ملفوظات بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ مخزن المعانی نام کی کتاب آصفیہ لائبریری میں موجود ہے جس کو آپ کے مرید زین بدر عربی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ زر عرفانی کے نام سے ایک رسالہ اور ارشاد السالکین کے نام سے ایک تصنیف بھی انجمن ترقی اردو پا کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ یہ دونوں مخطوطات اہم اور نادر ہیں۔

۷۔ سید محمد گیسو دراز چشتی دہلویؒ (م ۸۲۵ھ)

شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (م ۷۵۷ھ) کے مرید و خلیفہ تھے، اپنے شیخ کی وفات کے بعد گلبرگہ لے گئے، اور وہیں وفات پائی، آپ کو شیخ سے بے پناہ محبت تھی اور انہی نے آپ کو گیسو دراز کا خطاب بھی دیا تھا۔ سلسلۂ چشتیہ کو آپ کی ذات سے بہت فروغ حاصل ہوا۔ تصوف میں مندرجہ ذیل تصنیفات کی مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں۔

آصفیہ لائبریری میں "رسالہ تصوف در اثبات توحید" "استقامۃ الشریعۃ" "آئینہ (رسائل تصوف)" "رسالہ اذکار و اثبات توحید" "اسماء الاسرار" "رسالہ عرفانی" "رسالہ راز" اور "رسالہ خاتمہ" موجود ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی میں "مکاتیب گیسو دراز" انجمن ترقی اردو پاکستان میں "شکار نامہ" "حدائق الانس" اور "شرح جام جہاں نما" موجود مولانا زید فاروقی کے یہاں "ترجمہ آداب المریدین" مصنفہ ضیاء الدین عبد القاہر سہروردیؒ (م ۵۶۳ھ) بھی موجود

۸۔ سید صدر الدین المعروف بہ راجن (راجو) قتالؒ (م ۸۲۷ھ)

آپ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشتؒ (م ۷۸۵ھ) کے بھائی تھے، خرقہ اور خلافت نے اپنے بھائی اور والد دونوں سے حاصل کیا تھا، ہر وقت استغراق اور جذب کی حالت میں رہتے تھے۔ آپ کی طرف منسوب دو کتابوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک "مجموعہ تکبیرات راجو قتال" جو رضا لائبریری میں ہے اور دوسری "تحفۃ النصائح" سعیدیہ کتب خانہ حیدرآباد میں ہے جو ۹۵۱ھ میں مرتب کی گئی تھی۔

---

[1] تذکرہ علماء ہند، رحمان علی ص ۱۰۷

۹۔ شیخ علی بن احمد المہائمیؒ (م ۸۳۵ھ)

آپ کا تعلق قوم نوائت سے تھا۔ متعدد تصنیفات آپ کی ہیں جن میں تفسیر مہائمی بہت مشہور ہے۔ تصوف میں آپ نے "زوارعت شرح عوارف المعارف" ۸۱۸ھ میں تصنیف کی جو کہ خدا بخش پٹنہ میں ہے۔ دوسری تصنیف شیخ صدرالدین قونویؒ کی کتاب "نصوص" کی شرح "الخصوص علی معنی النصوص" مرتب کی ہے۔ یہ بھی خدا بخش میں موجود ہے۔ یہ دونوں کتابیں عربی میں ہیں۔

۱۰۔ شیخ محمد غوث گوالیاریؒ (م ۹۷۰ھ)

آپ کو خرقہ خلافت شطاری سلسلہ میں شیخ ظہور حاجی حمید حضورؒ سے ملا تھا آپ کے مریدین کا سلسلہ بہت زیادہ ہے۔ آپ کی تصنیفات میں "جواہر خمسہ" اور "کنز الوحدت" کے علاوہ تصوف میں "کلید مخازن" بھی نہایت اہم اور نادر ہے جو مبداء و معاد سے متعلق ہے۔ اس میں علوی اور سفلی اشیاء کی حقیقتیں، توحید، صوفیہ کے مشرب اور کشفی تحقیق کے اصول بتائے گئے ہیں نیز ارباب فنا و بقا کے مذاق کے لیے عینی اور علمی موجودات کی شناخت کشف اور معائنہ کے ذریعہ سے ظاہر کی گئی ہے۔[۱] یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ — اس کی ایک شرح مع متن کے جامعہ ملیہ دہلی کی لائبریری میں بھی موجود ہے اور شارح کا نام خواجہ عبدالرحمٰنؒ ہے۔

۱۱۔ شیخ جلال الدین بن محمود تھانیسریؒ (م ۹۸۹ھ)

آپ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۵ھ) کے خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔ عبادت و ریاضت، ذکر و فکر اور وجد و سماع میں بہت غلو رکھتے تھے اور بڑے ذی علم بزرگ تھے۔ "تحقیق آراضی ہند" اور "ارشاد الطالبین" نامی کتابیں آپ کی معروف و متداول ہیں۔ یہ دونوں چھپ چکی ہیں۔ تصوف میں "گلزار جلالی" نامی تصنیف سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے جو نادر اور اہم ہے۔

۱۲۔ خواجہ محمد باقی المشہور بہ باقی باللہ دہلویؒ (م ۱۰۱۲ھ)

سلسلۂ نقشبندیہ کو ہندوستان لانے والے آپ ہی تھے۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد خواجہ امکنگیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور بعد تکمیل مراتب بلند مقامات پر فائز ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ ہی کے خلیفہ تھے۔ آپ کی علمی یادگار میں "شرح رباعیات باقی باللہ" ہے۔ جس میں آپ نے خود ہی اپنی ۴۹ رباعیات کی شرح لکھی ہے۔ یہ نہایت اہم اور نادر مجموعہ ہے اور مولانا آزاد لائبریری کے کتب خانے میں محفوظ ہے اسی طرح

---

[۱] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار۔ غوثی مندوی ص ۲۰۰ - ۲۹۹

یک رسالہ دربیان نماز بھی اسی کتب خانے میں ہے اور ایک رسالہ وحدت و توحید کے نام سے دار الکتب قاہرہ میں ہے۔

۱۳۔ حضرت شیخ آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ)

آپ حضرت مجدد کے خلیفہ اعظم تھے اور سلوک نقشبندیہ کی نشر و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے بے شمار خلفاء تھے، آپ کی مذہبی سرگرمیوں کی وجہ سے شاہ جہاں نے آپ کو ملک بدر کر دیا تھا چنانچہ آپ مدینہ چلے گئے اور وہیں وصال ہوا آپ کی تصنیفات میں دو بہت اہم ہیں۔ اوّل خلاصۃ المعارف مکتوبہ ۱۰۳۵ھ مولانا آزاد کے کتب خانہ میں ہے اور دوم نکات الاسرار رضا لائبریری میں محفوظ ہے یہ دونوں اہم اور نادر ہیں۔

۱۴۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ)

مشہور عالم و صوفی بزرگ تھے، شیخ ابو سعید گنگوہی سے بیعت و خلافت حاصل تھی تصوف میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے شیخ محی الدین ابن عربی سے بدرجۂ غایت عقیدت تھی۔ ۱۰۵۸ھ میں الہ آباد میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے آپ کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

"رسالہ ہفت احکام" "مناظر اخص الخواص" اور "رسالہ تسویہ" رضا لائبریری میں "رسالہ غایۃ الغایات" سبحان اللہ کلکشن میں "شرح فصوص الحکم" آصفیہ لائبریری میں اور "انفاس الخواص" خدابخش لائبریری و ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے۔

۱۵۔ میر ابوالعلا نقشبندی اکبر آبادی (۱۰۶۱ھ)

آپ خواجہ عبید اللہ احرار کی اولاد میں سے تھے اور اکبر آباد میں سکونت رکھتے تھے عوام و خواص میں مقبول تھے۔ آپ کی ایک تصنیف "رسالہ تصوف" کے نام سے دہلی یونیورسٹی میں موجود ہے اور اہم ہے۔

۱۶۔ ملا محمود جونپوری (م ۱۰۶۳ھ)

آپ علوم حکمیہ و ادبیہ میں بلند مقام رکھتے تھے پہلے اپنے دادا مولانا شاہ محمد (م ۱۰۳۲ھ) سے اور پھر مولانا محمد افضل جونپوری (م ۱۰۶۲ھ) سے تکمیل درس کیا۔ آپ نے حکمت و معانی و بیان میں اہم کتابیں تصنیف کیں۔ تصوف میں مکتوبات شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) کو مرتب کیا ہے۔ جو کافی ضخیم ہے اور سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے[1]۔ اس مخطوطہ کا حوالہ غالباً کہیں اور نہیں ملتا ہے لہذا اہم ہے۔

---

[1] علی گڑھ میں اس کے دو نسخے ہیں (ادارہ)

۱۷۔ شاہزادہ محمد دارا شکوہ قادریؒ (م ۱۰۷۰ھ)

دارا شکوہؒ ملا شاہ بدخشیؒ (م ۱۰۷۲ھ) کے مرید و خلیفہ تھے اور مشہور بزرگ میاں میر قادریؒ (م ۱۰۴۵ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔ تصوف میں کئی کتابیں ان کی مقبول و مشہور ہیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں سیاسی رقابت کا شکار ہو کر درجۂ شہادت کو پہنچے۔ آپ کی دو تصنیفات ہمارے علم میں آئی ہیں جو اب تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔ اول "حق نما" جو ۱۰۵۶ھ میں مرتب کی گئی تھی اور اب آصفیہ میں موجود ہے اور دوم "یوگ وشسشٹ والمیک" کا فارسی ترجمہ جو سر سلیمان کلکشن میں محفوظ ہے۔ دارا شکوہؒ کی دو کتابوں کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ "مجمع البحرین" کے مترجم محمد صالح بن شیخ احمد المصری الگجراتیؒ (م ۱۱۴۷ھ) ہیں یہ مخطوطہ بوہار لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔ "سفینۃ الاولیاء" کا ترجمہ جعفر صادق العیدروس الہندیؒ نے "تحفۃ الاصفیاء" کے نام سے کیا تھا جو رضا لائبریری میں پایا جاتا ہے۔

۱۸۔ شیخ پیر محمد لکھنویؒ (م ۱۰۸۰ھ)

شیخ پیر محمد بن اولیاءؒ ۱۰۲۷ھ میں ضلع جونپور میں پیدا ہوئے، مانکپور، دہلی اور لکھنؤ میں کتب درسیہ کی تکمیل کی پھر شیخ عبداللہ سیاح دکنی سے طریقہ چشتیہ میں خلافت حاصل کر کے لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور یہاں درس و تدریس اور روحانی اصلاح کا مشغلہ جاری کیا۔ بارھویں صدی ہجری میں دیار شرق کے مشاہیر علماء و مشائخ میں شمار کیے گئے۔ آپ کی تصانیف میں فی الحال تین مخطوطات کا پتہ چلتا ہے۔ "معالج الطالبین" حبیب گنج کلکشن میں "منازل اربعہ" رضا لائبریری میں اور "درجات خمسہ"[1] جواہر میوزیم میں موجود ہے۔ ان میں منازل اربعہ بہت اہم ہے شیخ صاحبؒ کی کسی مطبوعہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ہے اس اعتبار سے مذکورہ بالا مخطوطات بہت اہم ہیں اور اب یہی انکی علمی یادگار ہیں۔

۱۹۔ مرزا مظہر جانجاناں شہید دہلویؒ (م ۱۱۹۵ھ)

آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ سلسلۂ مذکورہ کے معاصر مشائخ میں سید نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱۳۵ھ) کے مرید تھے، حاجی محمد افضلؒ (م ۱۱۴۶ھ) حافظ سعد اللہؒ (م ۱۱۵۲ھ) اور خواجہ محمد عابد سنامیؒ (م ۱۱۶۰ھ) سے بھی کسب فیض کیا تھا آپ کی ایک تصنیف "لب الاسرار"[2] کے نام سے احسن کلکشن علیگڑھ میں موجود ہے۔

۲۰۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

آپ صاحب تفسیر مظہری تھے آپکا شمار علماء و اتقیاء وقت میں ہوتا ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ

---

[1] علی گڑھ میں دو نسخے ہیں۔ ابو الفیض سحر میں بھی اس نام کا رسالہ ہے (ادارہ) [2] مزید نسخے ایشیاٹک، ابو الخیر، آصفیہ، سبحان اللہ میں ہیں (ادارہ) [3] مزید نسخے ابو الخیر، ظل الرحمن اور سبحان اللہ میں ہیں۔ (ادارہ)

محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ) اور پھر مرزا مظہر جانجاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ) سے بھی روحانی تربیت حاصل کی۔ مرزا صاحب نے آپ کو علم الہدیٰ کا لقب دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ آپ کو بیہقیِ وقت کہا کرتے تھے۔ تیس سے زائد آپ کی تصانیف ہیں۔ اکثر چھپ چکی ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف تصوف میں "نجم الہدایت یا نجم الہدیٰ"[1] کے نام سے کتب خانہ ناصریہ گردیزی افغانستان میں موجود ہے۔ اس کا حوالہ کہیں نہیں ملتا ہے اس لئے اہم مخطوطہ ہے۔

۲۱۔ مولوی سراج احمد رامپوریؒ (م ۱۲۳۰ھ)

مولوی سراج احمد ولد مولوی محمد رشد ۱۱۶۷ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۷ھ میں ان کے والد رامپور آگئے۔ وہیں ساری تعلیم و تربیت ہوئی، بڑے عالم و فاضل اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حدیث میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے۔ ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ میں وفات ہوئی اور رامپور میں دفن کیے گئے۔ علم حدیث میں بھی چند تصانیف ہیں۔ خاندانِ مجددیہ کے حالات میں ایک کتاب "سیر المرشدین" بھی لکھی تھی۔[2] تصوف میں بھی آپ کی چند تصانیف کا پتہ چلتا ہے مثلاً رسالہ "فضیلت ذکر خفی" بخط مولفؒ "سلوک العارفین" بخطِ مولف اور "شراب رحیق" بخطِ مولف یہ تینوں رسائل رضا لائبریری میں محفوظ ہیں۔ "سلوک العارفین" اور "شراب رحیق" کا ذکر تذکرہ کاملان رامپور میں نہیں ہے۔

۲۲۔ شاہ غلام علی مجددی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ)

آپ تیرھویں صدی ہجری کے نامور شیخ طریقت ہیں۔ آپ ہی کے طفیل سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیمات عالم اسلام میں پھیلیں۔ آپ کی متعدد تصانیف چھپ چکی ہیں۔ ایک مخطوطہ مولانا زید فاروقی دہلوی کے کتب خانے میں "کلمات مظہری یا کمالات مظہری" کے نام سے موجود ہے جو غالباً طبع نہیں ہوا ہے۔ یہ بہت اہم اور نادر مخطوطہ ہے شاہ صاحبؒ نے اپنے قلم سے متعدد صفحات پر حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ اسی طرح "کرامات و ارشادات امام ربانیؒ" کے نام سے بھی ایک رسالہ آصفیہ لائبریری میں ہے اگر یہ رسالہ وہی ہے جو "حالات و مقامات امام ربانی" کے نام سے ہے تو یہ چھپ چکا ہے ورنہ بہت اہم ہے اور قابل تحقیق و اشاعت ہے۔

۲۳۔ میاں محمد امیر شاہ بن محمد جہانگیر شاہ رامپوریؒ (م ۱۲۹۰ھ)

آپ رامپور میں پیدا ہوئے، تعلیم سے فراغت کے بعد میاں غلام شاہؒ (م ۱۲۴۲ھ) سے مرید ہوئے، مجاہدہ و ریاضت میں مشہور تھے عوام و خواص میں بہت مقبول تھے، منشی امیر مینائی بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ تصوف میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں آپ کی تصنیف "تعلیم الخواص" مرتبہ ۱۲۷۸ھ رضا لائبریری میں موجود ہے جو کافی ضخیم ہے اسکے علاوہ "تفسیر الرموز" کے نام سے بھی ایک مخطوطہ رضا لائبریری میں ہے مگر تذکرہ کاملان رامپور میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[3] یہ دونوں نسخے اہم ہیں اور لائق اشاعت ہیں۔

---

[1] پھلواری میں نجم الہدیٰ کا ایک نسخہ بغیر تصریح مصنف ہے۔ [2] تذکرہ کاملان رامپور از احمد علی خاں شوق ص ۱۶۹ ۔ ۱۷۲ ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء [3] تذکرہ کاملان رامپور از احمد علی خاں شوق ص ۲۰ ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء

ڈاکٹر غلام مجتبیٰ انصاری

شعبۂ فارسی
بہار یونیورسٹی، مظفرپور

شاہ عنایت حسین بھاگلپوری
اپنے مخطوطات کی روشنی میں

دریائے گنگا کے کنارے شہر حاجی پور سے دو میل کی دوری پر مینا پور کے علاقہ میں صوفیوں کا ایک قدیم خاندان آباد تھا۔ اس دریا کے اتری کنارے پر ایک بہت بڑا خطہ آج بھی موجود ہے جہاں چھوٹے بڑے مقبرے اور مزارات نیز اینٹ کی بنی ایک بڑی مسجد کے کھنڈرات آثار قدیمہ کی شکل میں اپنی گذشتہ عظمت اور شان و شوکت کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ ان مزارات میں سب سے بڑا اور نمایاں مزار حضرت سید احمد پیر دمڑیا (متوفی ۹۷۲ھ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس مزار کے تقریباً سامنے متوازی خطوں میں دریائے مذکور کے دکھنی کنارے پر یعنی پٹنہ کے مشرقی حصہ میں ایک ایسا ہی مزار موجود ہے جو سید محمد پیر دمڑیا بن سید احمد کا ایک مرتفع پر واقع ہے۔ اس مزار کے متصل ایک قدیم مسجد بھی ابھی تک قائم ہے جو پیر دمڑیا کی مسجد کے نام سے مشہور رہی ہے۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ "پیر دمڑیا" کا یہ لقب دو بزرگ صوفیوں یعنی باپ اور بیٹے یعنی سید احمد اور سید محمد زین العابدین کے ناموں سے وابستہ ہے۔

پیر دمڑیا اول یعنی جناب سید احمد کے والد کا نام سید حسن دانشمند تھا جو میرٹھ اور دہلی سے ہجرت کر کے صوبۂ بہار میں وارد ہوئے اور سارن ضلع کے چھپرہ عشری محلہ میں پہنچ کر میر ملک فتح اللہ کے مشہور و معروف مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے لگے یہ میر ملک فتح اللہ سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ کی اولاد و اخلاف میں سے تھے۔ اور اپنی بزرگی اور تقویٰ کی وجہ سے عوام میں معروف و مقبول تھے۔ بقول شاہ عنایت حسین مصنف "حالات خاندان دمڑیا باباؒ" (جو درحقیقت تذکرۂ تاج العلما مع رحلت نامہ" مصنفہ خادم حسین کا تقریباً اردو ترجمہ ہے) ان بزرگ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی کے لیے پہلے سے انھوں نے جہیز وغیرہ کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ کوئی سیدزادہ کشف و کرامات کا حامل عالی خاندان کا اور صاحب علم و معرفت ملے تو اس سے صاحبزادی مذکور کو بیاہ دیں۔ اتفاق کی بات جب رات کے وقت میر صاحب کی کنیز حسب معمول طالب علموں کو کھانا دینے آئی تو اس نے دیکھا کہ سید حسن دانشمند کمرے میں ایک چوکی پر بیٹھے ہیں اور کسی درسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول

لہ حالات خاندان دمڑیا باباؒ (انشا ... تقریباً) مخزونہ کتب خانہ پیر دمڑیا خلیفہ باغ بھاگلپور از شاہ عنایت حسین

ہیں۔ سرہانے چراغدان رکھا ہے زیادہ رات گذر جانے کی وجہ سے ان پر غنودگی طاری ہے۔ نیند کی وجہ سے جب کبھی ان کا سر چراغدان پر جھک جاتا ہے چراغدان خود بخود پیچھے کی طرف ہٹ جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چراغدان کو کوئی پیچھے کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ پھر جب یہ ہوش میں آجاتے ہیں تو چراغدان اپنی جگہ پر آجاتا ہے کنیز یہ حالت دیکھ کر نہایت حیران ہوئی اور واپس جاکر میر ملک صاحب کو اطلاع دی۔ میر صاحب فوراً تشریف لائے اور اپنی آنکھوں سے اس حالت کا معائنہ کیا۔ اس وقت تو وہ خاموشی کے ساتھ واپس چلے گئے مگر جب صبح ہوئی اور سید حسن دانشمند سبق لینے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ میری ایک لڑکی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی آپ سے کر دوں۔ سید حسن دانشمند نے دست بستہ عرض کیا کہ یا حضرت! میں اپنی بیوی اور ایک بچی کو چھوڑ کر یہاں حصول تعلیم کے لیے آیا ہوں، اگر شادی شدہ نہ ہوتا تو آپ کے عدول حکمی کی جرأت ہرگز مجھ میں نہ ہوتی۔ میر صاحب نے فرمایا کہ بہت خوب! کل ہم دونوں ایک جگہ بیٹھ کر مراقبہ کریں گے اس کے بعد جیسی مصلحت ہوگی عمل کریں گے۔ غرض کہ صبح ہوئی اور سید حسن دانشمند استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں ایک ساتھ مصروف مراقبہ ہو گئے۔ حکم خداوندی ایسا ہوا کہ سید حسن دانشمند کی بیوی اور بچی دونوں رحلت کر گئیں۔ اس کے بعد انھوں نے میر ملک صاحب کی فرمائش قبول کر لی چنانچہ مبارک ساعت میں شادی انجام پا گئی۔ اس کے بعد سید حسن یہیں رہ گئے۔

اس شادی سے سید حسن دانشمند کی جو اولادیں ہوئیں ان میں سے دو لڑکے سید چندن اور سید رزاق لاولد فوت ہو گئے، باقی تین لڑکے سید احمد سید مبارک اور سید حسین نے بڑی عمر پائی۔ ان تینوں کی شادیاں بہار کے شریف خاندانوں میں ہوئیں۔ سید حسن دانشمند کی وفات ۹۴۵ھ میں محلہ مذکور یعنی حسن پور عشری میں ہوئی۔ ان کا مزار بھی یہیں ہے۔ خادم حسین نے ان کا قطعہ تاریخ وفات اس طرح لکھا ہے:

بود شاہی بکشور دانش — میر سید شدہ بدار فنا
خردم گفت دُرّ تاریخش — واصل حق شدہ سر علما[1]

صاحب قطعہ لکھتے ہیں کہ یہ وہی سید حسن دانشمند ہیں جنھوں نے ہندستان پر ہمایوں کی حکومت کو شیر شاہ کی حکومت پر ترجیح دی تھی اور ادنیٰ الذکر کے لیے دعا کی تھی کہ ہندستان کی حکومت اس کو پھر سے مل جائے چنانچہ جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھاکر ایران چلا گیا اور وہاں سے بھاری فوج کے ساتھ آکر پھر ہندستان کا بادشاہ بنا تو عقیدت میں سید حسن دانشمند کے مدد معاش کی خاطر ایک بڑی جاگیر حسن پور عشری اور ساجی پور میں عطا کی [illegible]
سید حسن دانشمند کے مذکورہ تینوں لڑکوں میں سید مبارک [illegible] عشری میں سکونت پذیر رہے۔ سید حسین [illegible]

---

[1] تذکرہ تاریخ [illegible] خادم حسین۔ (قلمی نسخہ) کتب خانہ [illegible] خلیفہ باغ، بھاگلپور۔

چلے گئے۔ اور سید احمد اپنے والد سے رخصت لے کر سیاحت کے لیے نکل پڑے۔ یہ اپنے سفر کے دوران بہت سے صوفیا اور ولیوں سے شرف نیاز حاصل کرتے رہے۔ آخر کار مینا پور حاجی پور تشریف لائے اور یہاں قیام پذیر ہو گئے۔

حضرت سید شاہ عنایت حسین کا سلسلۂ نسب سید محمد دانشمند کے لڑکے سید حسین بھاگلپوری سے ملتا ہے جو حسن پور عشری سے ہجرت کر کے بھاگلپور چلے آئے اور یہیں قیام پذیر ہوئے۔ سید شاہ عنایت حسین کی پیدائش ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۷۹۲ء میں جمعہ کے دن ہوئی جیسا کہ ان کے قلمی دیوان صفحہ ۵ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پیدائش کی یہ تاریخ غالباً کسی میر منظہر علی صاحب نے جنتری سے نکالی تھی۔ "میر منظہر علی صاحب از جنتری برآوردہ حوالہ ساختند"۔ یوم پیدائش کے متعلق بھی اسی صفحہ پر لکھا ہے: "روز جمعہ تولد سید شاہ عنایت حسین است"۔

اسی دیوان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۹۰ھ میں ہوئی مگر یہ بھی کسی دوسرے ہی کے قلم سے بعد میں لکھا گیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو ان کی زندگی کی پوری مدت ۸۸ برس (سال عیسوی کے حساب سے) ہوئی ویسے ان کے کلام سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ نہایت ضعیفی کی حالت کو پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے اکثر مقامات کا سفر بھی کیا تھا خصوصاً کلکتہ پٹنہ، حاجی پور، مینا پور وغیرہ۔ کلکتہ کے دوران قیام میں چورنگی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"ندیدم تا زمین مشتی بہ سیاحی خود را — بہ چورنگی کلکتہ بہر شاہی پرستانست"

حاجی پور، مینا پور، محلہ نون گولہ، معروف گنج، سید پور، جردھہ وغیرہ کا ذکر اپنے قلمی رسالہ "حالات خاندان پیر دمڑیا" میں اس طرح کرتے ہیں:

"حضرت سید احمد کہ لقب اونکا پیر دمڑیا ہوا اور محلہ مینا پور میں مزار مبارک اونکا ہوا یہ فقیر باقبال وہاں جا کر مشرف ہوا ہے۔ سبحان اللہ مزار شریف ایک ڈال سنگ مرمر ہے اور آپ کی اہلیہ کا مزار بھی سنگ مرمر ہے اور مینا پور ایک موضع متعلقہ مقام حاجی پور تختگاہ شاہان قدیم در ضلع مظفر پور عبور گنگ برابر شمال پٹنہ کے معروف شہر عظیم آباد ہے اور آپ کے دو بیٹے ہوئے نام بڑے صاحبزادے کا سید محمد ہے۔ یہ بھی ملقب پیر دمڑیا ہے۔ مزار ان کا شہر عظیم آباد میں جو محلہ نون گولہ اور معروف گنج معروف ہے اور اسی کو محلہ دمڑیا بھی لوگ کہتے ہیں اور چھوٹے بیٹے کا نام حضرت سید قاسم ہے۔ مزار حضرت سید قاسم کا موضع سید پور علاقہ متصل مقام جردھہ کے ہے اور مینا پور اور سید پور تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ یہ فقیر تمام بزرگوں کے مقابر پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا ہے۔" [1]

---

[1] "حالات خاندان پیر دمڑیا" (قلمی) کتب خانہ پیر دمڑیا، خلیفہ باغ بھاگلپور

سید شاہ عنایت حسین کے دیوان کا قلمی نسخہ کتب خانہ پیر دستگیر، خلیفہ باغ، بھاگلپور میں موجود ہے جس سے ان کے احوال و آثار زندگی پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ دیوان کے صفحہ ۵ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی کچھ غزلیں جو مندرجہ ذیل مصرعوں سے شروع ہوتی ہیں کسی شدّ صومیر اسی کو گانے کیلئے دیا تھا:

"غزلیاتی کہ بہ شدّ صومیر اسی نوشتہ دادہ شدہ بروایں است" ؎

۱۔ ای کہ فرخندہ لقای تو مبارک باشد

۲۔ نقد خویش چو بر عرش معلیٰ کردم

۳۔ آوازۂ مرغان چمن گشتہ بپای

۴۔ خمخانۂ عشق من صہبای دگر دارد

۵۔ نالۂ من گر اثری داشتی

۶۔ کردیم انیس خود صہبای محبت را

۷۔ من کہ مستم از می مہر شہ میم در کار نیست

۸۔ اقتدای با امام ساقی کوثر کنم

۹۔ بی طوطی ہندوستان کلام شکرستانست

۱۰۔ من رخت خویش راسوی اہل نظر دارم

اسی صفحہ پر نیچے غزل کے کچھ مصرعے درج ہیں جن کے اوپر یہ عبارت تحریر ہے:

"غزلیاتی کہ بہ خانم بائی دادہ شدہ است۔" ؎

۱۔ ساقیا مئی دہ کہ یاری طبع را خوشتر کنم

۲۔ کردیم انیس خود صہبای محبت را

۳۔ ای کہ فرخندہ لقای تو مبارک باشد

۴۔ نالۂ من گر اثری داشتی

۵۔ خمخانۂ عشق من صہبای دگر دارد

پھر اسی صفحہ پر اردو میں دو اشعار درج ہیں جن کے بغل میں "حسین" لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اشعار شاہ عنایت حسین کے طبع زاد ہیں۔ واضح ہو کہ دیوان مذکور میں فارسی کلام کے بعد شاعر مذکور کے اردو کلام بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں بہرکیف مذکورہ اشعار اس طرح ہیں: ؎

ڈھونڈت سارا جگ پھر نہ پایا ہم تیں رب ❊ پایا تو اپنی ہیں میں کہ ہم ہیں ہمیں سب رب

بھولے بھٹکے مت پھر و اور چت مت کرو اداس ہے اپنے میں دیکھو حسین سائیں تمہارے پاس

دیوان کے صفحہ ۶۲ ب پر ایک قطعہ تاریخ درج ہے جو انھوں نے اپنے والد بزرگوار شاہ اسداللہ کی وفات پر لکھا تھا اس قطعہ سے اُن کے والد بزرگوار کی وفات کی تاریخ ۱۲۰۹ھ معلوم ہوتی ہے۔ دیوان میں غزلوں کے بیشتر مطلعوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اپنے والد بزرگوار ہی کے ہاتھ پر بیعت تھے اور انھیں کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے مذکورہ قطعہ تاریخ وفات یوں ہے: ؎

"قطعۂ تاریخ وفات شاہ اسداللہ از حسین در ۱۲۰۹ھ"

شاہ اسد اللہ قطب الدین چون رحلت نمود ہر ہمہ بر سال تاریخش شدند زین خاکسار

فی المدینہ آمدہ ہیں مصرعہ از طبع این حسین یک ہزار و دو صد و چہل و چہار ہجری شمار

صفحہ ۴۶ الف پر دو قطعات اردو میں درج ہیں۔ ان دونوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے خلاف کسی دشمن نے مقدمہ دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ میں اپنی جیت کیلئے انھوں نے حضرت علی شیر خدا رضؓ سے مدد مانگی تھی۔ ؎

یا علی شیر خدا میری مدد کو پہنچو اور سفارش مری دربار خدا کے کر دو

تاکہ ہو فتح مری اور ذلالت دشمن اتنا بھی عرض مری جلدی سے اب تم سن لو

یا علی دو فتح کی مجھ کو بشارت خواب میں تاکہ ہوں میں سرخرو ہر شخص اور لعباب میں

ہم پہ مشکل سخت ہے اور آپ ہیں مشکل کشا کر دو مشکل میری آساں عالم اسباب میں

دیوان کا فارسی حصہ ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کے علاوہ اردو اور فارسی کے ملے جلے کلام بھی دیوان کے دوسرے حصے میں دستیاب ہیں۔ فارسی کی کل غزلوں کی تعداد ۱۰۲ ہے۔ پہلی غزل کا مطلع ؎

ای کہ فرخندہ لقای تو مبارک باشد چہرۂ جلوہ گرای تو مبارک باشد

ہے اور مقطع ؎ جای تو زیر قدوم اسد اللہ است حسین حمد للہ کہ سرای تو مبارک باشد

آخری غزل کا مطلع ؎ نگاہ من چو سوی گلعذار خواہد بود دل رقیب ز بس بیقرار خواہد بود

اور مقطع ؎ طرح فگند چو دیوان خود حسین کزان مگر ز من اسد یادگار خواہد بود

قصائد کی مجموعی تعداد تین ہے پہلا قصیدہ صفحہ ۸ پر ہے جس میں کل ۶۸ اشعار ہیں۔ دوسرا قصیدہ صفحہ ۱۲ پر ہے اس کے کل اشعار ۱۷ ہیں اور تیسرا قصیدہ صفحہ ۱۹ پر ہے جس میں مجموعی طور پر ۲۹ اشعار ہیں۔ رباعیات کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۱ ہیں ایک بند، دیوان کے صفحہ ۱۶ پر ہے۔ جس میں ۸ اشعار ہیں۔ صفحہ ۱۵ پر ایک سلام ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے پھر اسی صفحہ پر ایک نوحہ ہے جس میں کل ۱۴ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں دیوان کے دوسرے حصے میں قطعات کی تعداد کافی ہیں۔

شاہ عنایت حسین کا فلسفہ عشق و محبت:۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ایک صوفی اور عارف باللہ شاعر تھے۔ ان کا کلام متصوفانہ خیالات سے لبریز ہے۔ ان کے کلام میں ایک فلسفۂ عشق ملتا ہے۔ وہی فلسفہ عشق جس کا سراغ ہمیں حکیم سنائی، فریدالدین عطار اور مولانا روم کی شاعری میں ملتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کی پیدائش کا اصل مقصد عشق و محبت الٰہی ہے جس کو قرآن نے عبادت کے نام سے قرار دیا ہے۔۔۔ اس کے تعلق کا سارا مدار عشق و محبت ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں

زمین اور پہاڑ کو پیش کیا۔ سب نے انکار کیا اور ڈر گئے لیکن آدمی نے اس بوجھ کو اٹھا لیا۔ مقصد یہ ہے کہ زمین و آسمان تکلیفات شرعیہ کی قابلیت نہیں رکھتے یہ قابلیت اور صلاحیت صرف انسان کو عطا کی گئی ہے کہ جائز، ناجائز، حلال، حرام اور نیک و بد کی تمیز رکھتا ہے اور اسی بنا پر اس کے لیے شریعت کے احکام آئے۔ صوفی حضرات کے نزدیک امانت سے مراد عشق حقیقی ہے جو انسان کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اس لیے شاہ عنایت حسین کہتے ہیں کہ انسان کو عشق بازی سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسی سے آخرت کا سامان کرنا چاہیے۔ عشق ہی ایک ایسی منزل ہے جو مردانِ کامل کو پسند خاطر ہے ؎

مشو غافل حسین از عشق بازی ساز عقبا کن   کہ آن منزل شدہ خاطر پسند مرد کامل ہا

عشق کا شجر دنیا کے تمام اشجار سے ممتاز ہوتا ہے اس کی نشو و نما ازل سے ابد تک ہوتی رہتی ہے۔ عشق کا مرض کسی طبیب کے علاج کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کی دوا صرف وصل محبوب ہے، اسی سے اس کو شفا ملتی ہے ؎

شجر عشق ز اشجار جہان ممتاز است   از ازل تا بہ ابد نشو و نما ہاست درو
مرض عشق ز تدبیر طبیبست برون   وصل محبوب دوائیست شفا ہاست درو

عاشق کا دل مخزنِ اسرارِ الٰہی ہوتا ہے لیکن اسرارِ الٰہی کی گتھیوں کو سلجھانا آسان کام نہیں۔ انھیں اچھی طرح سمجھنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے جو عاشق کو اسرارِ الٰہی کے سمجھنے میں نہ صرف مدد کرے بلکہ اس کی رہنمائی بھی کرے۔ مرشد کامل کے بغیر وادیِ عشق میں بھٹکنے کا اندیشہ غالب رہتا ہے۔ مرشد کامل راہ و رسم منزل عشق سے باخبر ہوتا ہے اس لیے ایسے مرد کامل کی رہنمائی راہِ عشق میں نہایت ضروری ہے اسی لیے شاہ عنایت حسین لکھتے ہیں ؎

دل مخزن اسرار الٰہی است ولیکن   بی مرشد کامل نشود عقدہ کشا ای
تصویر نہ شد ہیئتِ اما ز کسی عارف   معنی است کہ در لفظ نیاید بنما ای
در منزل تصوف اسد اللہ است مرشد   کن پیشوا حسینا آن پیر رہنما را

عشق و محبت کی سرمستی و سرشاری عاشق کو اللہ کے ماسوا تمام دوسری اشیا سے بے نیاز کر دیتی ہے وہ ہمیشہ محبوب حقیقی کے خیال میں مستغرق رہتا ہے اور کسی لمحہ اس کے خیال سے جدا ہوتا نہیں؛ چنانچہ عشق کا نشہ ہر دم اس پر مستولی رہتا ہے اس کی وجہ سے اس کے اندر ایک قسم کی شان بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے۔ عشق کے میخانہ کا صہبا کچھ اور ہی ہوتا ہے سرمستوں کی اس شراب کا پیمانہ دوسرا ہی ہوتا ہے۔ دریائے عشق ناپیدا کنار ہوتا ہے اور اس کے ہر قطرے میں ایک مستقل دریا دکھائی دیتا ہے اسی لئے شاہ عنایت حسین فرماتے ہیں ؎

میخانہ عشق من صہبای دگر دارد   وان بادۂ سرمستان مینای دگر دارد

دریای محبت را ساحل نبود پیدا ‏ ‏ ‏ ہر قطرۂ آن دریا دریای دگر دارد

دیگر چہ سنم غواصی زین عاشق آشفتہ ‏ ‏ ‏ نشو رجنونا من طغرای دگر دارد

نقر خویش چہ بر عرش معلی دارم ‏ ‏ ‏ دل خود را بہ تجلاتش تجلی دارم

ہر زمان از تو سرودیست کہ دایم ہا ‏ ‏ ‏ قلب خویش بغیر از تو تخلی دارم

وحدت وجود کا مسئلہ بادۂ تصوف کا نشہ ہے۔ ابی سعید ابوالخیرؒ، امیر خسروؒ، شیخ بوعلی سینا، حکیم سنائی، امام غزالی، فریدالدین عطار، عراقی اور مولانا روم غرض کہ یہ تمام لوگ اسی نشہ میں سرشار تھے۔ ان کا فلسفہ ہے کہ تمام اشیاء میں وہی جاری و ساری ہے اور اسی نے ہر چیز میں حسن پیدا کر دیا ہے وہ قد میں جلوہ، زلف میں مشک، یاقوت میں آب اور مشک میں خوشبو ہے۔ عالم میں ہزاروں لاکھوں چیزیں جو نظر آتی ہیں وحدتِ محض ہیں جو کرر ہونے کی وجہ سے متعدد معلوم ہوتی ہیں۔ حقیقت میں وہی ایک کا عدد ہے جو ہزار، لاکھ اور کروڑ بن جاتا ہے حالانکہ اکائیوں کے سوا اس میں اور کوئی چیز شامل نہیں۔ ؎ ‏ ‏ این وحدت است لیک بہ تکرار آمدہ

شاہ عنایت حسین کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

نور احدی جلوہ کنانست ہر سو ‏ ‏ ‏ ہر سو کہ کنم روی ہمان سوست خدای

نیست موجود ولی انکہ ہوالموجودات ‏ ‏ ‏ در وجودم نگہی کن چہ تجلی دارم

مایۂ عشرت من غیر عدم نبود ‏ ‏ ‏ در سراپردہ دلِ خویش تجلی دارم

تصوف میں چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات اور عالم اکبر مانا جاتا ہے اس لیے صوفیانہ شاعری نے عزت نفس کا خیال پیدا کیا۔ تصوف نے بتایا کہ زمین و آسمان، کون و مکان سب انسان کے آگے ہیچ ہیں۔ تصوف نے بتایا کہ فرشتے اور افلاک انسان کا مرتبہ پہچاننے کے قابل نہیں۔ مذکورہ خیال کو شاہ عنایت حسین نے جابجا اپنے اشعار میں بڑے حسن و خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے ؎

بشنو ہر کسی عاشق ندارد رتبۂ کامل ‏ ‏ ‏ بعمر ای تعشق قیس ہم طفل دبستانست

دلم در بحر جوش اشتیاق است ‏ ‏ ‏ چو لولوی کہ در سنگ سماق است

رجای وصل از رب جلیل است ‏ ‏ ‏ دگر نہ خواہش گردونی نفاق است

معشوق کی ادائیں بڑی جان لیوا ہوتی ہیں اُس کا شعار نرالا ہوتا ہے۔ بات بات میں بہانہ تراشنا اور بے رخی برتنا اس کا شیوہ ہے۔ عاشق سے دوری اختیار کرتا ہے۔ اور مقدر کو بہانہ بناتا ہے۔ اُس سے آنکھیں چراتا ہے اور

حیا کو بہانہ بناتا ہے۔ اس کو دیکھ کر بڑبڑاتا ہے اور حمد و ثنا پڑھنے کا حیلہ گڑھتا ہے غیر کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور پاؤں پکڑ کر آبلہ پائی کا بہانہ بناتا ہے۔ مذکورہ مضامین کے حامل شاہ عنایت حسینؒ کے تغزلانہ اشعار کس قدر دلکش، حسین اور برجستہ ہیں ملاحظہ فرمائیں ؎

در بحر خویش گشت و قصارا بہانہ ساخت — در دیدہ چشم رفت و حیارا بہانہ ساخت
آن حرکت لبش بہ قدم مرحبا بود — سویم چو دید مدح و ثنارا بہانہ ساخت
ما رفت سوی غیر چو گفتم بیا بہ من — پارا گرفت و آبلہ پا را بہانہ ساخت

صوفیا کا شعار صلح کل ہے وہ ہر چیز سے محبت کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی محبت کا درس دیتے ہیں۔ دوستوں کے دل کو ستانا تو بہت دور کی بات ہے، دشمنوں کو بھی تکلیف میں دیکھنا گوارہ نہیں کرتے۔ دوستوں سے ملنا اور ان کی خاطر و مدارت کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ شاہ عنایت حسینؒ کی ایک رباعی اس سلسلے میں قابل ذکر ہے ؎

خاطر دوستان مدارات است — لذت زندگی ملاقات است
گر کسی ترک این دو چیز کند — بر حیاتش حسینؒ صیہات است

یہ مقالہ کتب خانہ پیر دمڑیا، خلیفہ باغ، بھاگلپور کے قلمی رسالوں تاج العلما مع رحلت نامہ، مصنفہ۔ "شاہ خادم حسین دمڑیائی" پٹنہ اور "کرامات خاندان پیر دمڑیا بابا" مصنفہ شاہ عنایت حسین بھاگلپوریؒ نیز ایک قلمی نسخہ "دیوان شاہ عنایت حسینؒ" کی مدد سے لکھا گیا ہے۔

تاج العلما مع رحلت نامہ کا سائز ۶×۸ ہے اور یہ رسالہ ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۹ سطریں ہیں۔ یہ رسالہ بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں لکھا گیا۔ اس کا کاغذ موٹا ہے اور تحریر نستعلیق میں ہے۔ رسالہ کتب خانہ پیر دمڑیا بابا خلیفہ باغ بھاگلپور کے نجی تبرکات میں شامل ہے۔

رسالہ "کرامات خاندان پیر دمڑیا بابا" اردو زبان میں ہے جو غالباً "تاج العلما و مع رحلت نامہ" کا ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم جیسا کہ اوپر ذکر ہوا شاہ عنایت حسین صاحب دیوان ہیں۔ رسالہ مجلد ہے اور اس کا سائز ۴×۱۰ ہے۔ یہ ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے مگر اس کے کچھ اوراق غائب معلوم ہوتے ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۱ سطریں۔ کتابت کا سنہ مذکور نہیں ہے۔ کاغذ موٹا اور بھورے رنگ کا ہے۔ اس کی تحریر لال روشنائی میں ہے۔ "دیوان شاہ عنایت حسینؒ" کی تفصیلات مقالہ کے ضمن میں درج ہیں۔

شاہ منتظر حسین
خلیفہ باغ، بھاگلپور

خاندان پیر دمڑیا بابا کی علمی روایات

حضرت ابو نجیب مولانا سید ظہیر الدین المختار زیدی والحسینی اپنے دو بھائی سید اسد الدین و سید زین الدین کے ہمراہ وارد دہلی ۹۷۶ھ مطابق ۱۲۷۹ء میں ہوئے۔ سید اسد الدین المشہور بہ آفتاب ہند نے ظفر آباد نزد جونپور سکونت اختیار کی اور وہیں آسودہ لحد ہوئے ان کا خاندان وہیں آباد ہے۔ اور سید زین الدین کی سکونت فرخ آباد میں رہی اور وہیں آسودۂ لحد ہیں۔ لیکن مولانا سید ظہیر الدین نے حضرت سید نظام الدین اولیاؒ سے چشتیہ سلسلہ میں بیعت حاصل کی اور بعہد غیاث الدین بلبن موضع بسارتن جولاں قلعہ سے تین چار کوس دکھن ہے مقیم ہوئے۔ مولانا سید ظہیر الدین کو شعر و شاعری اور تصوف سے لگاؤ تھا۔ عہد خلجیہ میں درباری شاعروں میں آپ کا شمار تھا اور تغلقوں کے عہد میں میر منشی مقرر ہوئے۔ آپ کا ایک دیوان بھی تھا اور تصوف میں "رموز المعانی" تصنیف تھی، لیکن افسوس کتب خانہ پیر دمڑیا ان کی تصانیف سے محروم ہے آپ نے سہروردیہ سلسلہ میں حضرت رکن الدین ابو الفتح ملتانی سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ آپ کی وفات تقریباً ۷۲۰ھ ہے۔ آپ کا مزار جوفی شمسی پر ہے۔ میں نے حاضری دی لیکن وہاں بتانے والا ایک سائیکل والا تھا جو صحیح طور پر نشاندہی نہ کر سکا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ اول میر سید خوند میر علاء الدین۔ آپ محمد شاہ تغلق کے ساتھ دکن کی مہم میں گئے اور وہیں گلبرگہ میں جانب غرب حسین آباد میں آپ کا روضۂ اطہر ہے دوسرے صاحبزادہ سید جعفر ملقب بہ سید عطاء اللہ دہلوی آپ نے حضرت مخدوم سید جلال بخاری جہانیاں جہاں گشت سے شرف بیعت حاصل کیا اور آپ کو ان کی دامادی کا بھی شرف حاصل ہوا۔ آپ کے صاحبزادہ سید یحییٰ ملقب بہ کرم اللہ اور ایک لڑکی تاج بی بی تھیں۔ سید یحییٰ بھی دہلی میں آسودہ لحد ہیں۔ جن کے صاحبزادہ سید حامد ملقب بہ شرف جہاں المعروف بہ سید میٹھے، آپ کا مزار مبارک موضع سردھنا ضلع میرٹھ میں عیدگاہ کے پاس ایک بلند ٹیلے پر پختہ بنا ہوا ہے۔ آپ میٹھے شاہ بخاری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے تیموری حملے کے وقت ۸۰۱ھ میں ترک وطن دہلی کیا اور چند سال بعد میرٹھ ضلع میں انتقال فرمایا۔ آپ کے آٹھ بیٹے تھے۔ سید قاسم، سید عبد المقتدر، سید محمد مخدوم، میر سید قطب محمد افضل عرف سید بودھن مسکین (بہرائچ میں آپ کا مزار مبارک اسٹیشن کے قریب ایک ٹیلے پر مشہور ہے) سید اسماعیل، سید محمود، سید جلال، سید طاہر ثانی۔

مخدوم سید قاسم کا مزار مبارک شہر میرٹھ میں محلہ قاسم پورہ میں جو آپ کے نام پر ہی آباد ہے عیدگاہ کے قریب مخدوم صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ اور سید جلال صاحب کا مزار اسٹیشن کے قریب گھنٹہ گھر کے سامنے چھتری والے

ہیر کے نام سے مشہور ہے اور آپ کے چار بھائیوں کے مزارات بھی اسی جگہ ہیں۔ مخدوم سید قاسم کے چار صاحبزادے تھے۔ اول سید حسن دانشمند جن سے خاندان پیر دمڑیا کا سلسلہ بہار میں مشہور ہے۔ دوسرے سید جمال الدین، تیسرے میر سید بار ہدیہ دونوں بھائی وادی (ضلع مظفر نگر بھوارہ وغیرہ کی طرف چلے گئے) سادات بارہا اور سادات بھوارہ انھیں کی اولاد میں ہیں۔ قرۃ العین حیدر بھوار خاندان سے میر سید جمال الدین کی اولاد میں ہیں۔ انھوں نے کار جہاں دراز ہے میں اپنے خاندان کا ذکر اور خاندان پیر دمڑیا کا بھی تذکرہ کیا ہے چوتھے میر سید سلوتی مشہور و معروف بزرگ سلون شریف ہیں جو پرتاب گڈھ کے پاس ہے۔

مخدوم سید حسن دانشمند نے حسن پورہ نزد مشرقی سیوان شہر سے ۱۲ میل جنوب صوبہ بہار کی سرحد پر قیام کیا چوسا کی جنگ کے بعد ہمایوں کو کامیابی اور بحالی تخت کی بشارت دی۔ آپ کی وفات ۹۴۶ھ مطابق ۱۵۳۹ء میں ہوئی۔ آپ کے بڑے صاحب زادہ سید احمد پیر دمڑیا مینا پور حاجی پور میں آسودۂ لحد ہیں اور سید زین العابدین عرف سید محمد پیر دمڑیا بن سید اللہ مخدوم کا محلہ نزد معروف گنج پٹنہ رہائش اختیار کی اور یہیں مدفون ہوئے اور یہ محلہ پیر دمڑیا کے نام سے مشہور ہوا۔ سید شاہ جعفر حسین "بینک روڈ پٹنہ" اس خانقاہ کے صاحب سجادہ بقید حیات ہیں۔ بھاگلپور میں سید حسین بن سید حسن سے سلسلہ قائم ہے۔ آپ کی شادی دریا خاں لوہانی (حاکم بہار) کی بھانجی سے ہوئی۔ آپ کو شاہان بنگال ۲۵۰۰ بیگہ زمین موضع سلطان پور (۱۲ میل جنوب از بھاگل پور) ملی تھی جس کی تصدیق ۱۵۷۶ء میں اکبر کی سند کے ساتھ آپ کے صاحبزادہ مخدوم سید شرف الدین علی محمد پیر دمڑیا کے نام سے حسب سابق بحال رہ گئی۔

تذکرہ خاندان بھاگلپور:۔ مخدوم سید حسین بن حضرت حسن دانشمند (سیوان) بن مخدوم سید قاسم میر شہی زیدی والحسینی دلوی واسطی کی پیدائش ۱۵۰۲ء میں حسن پورہ میں ہوئی تھی کیونکہ آپ کے والد سید حسن دانشمند میرٹھ سے بغرض تعلیم جونپور آئے لیکن ۱۴۹۲ء میں حسین شاہ شرقی جب سکندر لودھی سے ہزیمت اٹھا کے بعد صوبہ بہار آگیا تو جونپور جو شیراز ہند کہلاتا تھا، سکندر کے ہاتھوں اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس لیے سید حسن علیہ الرحمۃ بہار میں میر ملک فتح اللہ کے مدرسہ میں درس کے لیے داخل ہو گئے۔ اور یہیں ۱۴۹۵ء میں آپ کی شادی میر ملک فتح اللہ کی صاحبزادی سے ہو گئی۔ آپ کو پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ سب سے بڑے سید احمد پیر دمڑیا، مینا پور حاجی پور میں جن سے سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت صوبہ بہار میں ہوئی جن کا سنہ وفات ۹۷۲ھ مطابق ۱۵۶۴ء ہے۔ دوسرے سید مبارک جنھیں سیوان کی گدی کا شرف حاصل ہوا، اور تیسرے سید حسین ہیں چوتھے اور پانچویں صاحبزادے عہد طفلی میں فوت ہو گئے۔ ان کے مزارات والد کے پہلو میں ہیں۔ مخدوم سید حسن دانشمند کی لڑکی بی بی راجی کی شادی سید بڈھے ابن میر سید میر بار ہے کے

صاحبزادہ سے ہوئی۔

۱۵۰۰ء میں حسین شاہ شرقی کا اپنے سمدھیانہ میں جاکر انتقال ہو گیا۔ اس کی وفات کہل گاؤں ضلع بھاگلپور میں ہوئی بعدہ لاش جونپور لیجائی گئی۔ ۱۵۱۷ء میں سکندر لودی کی وفات کے بعد بہ سبب تنگ بیچی بہار وغیرہ میں فتنہ پھیل گیا جسکی سرکوبی کیلئے بابر پانی پت کی جنگ کے بعد ۱۵۲۶ء صوبہ بہار کی طرف متوجہ ہوا اور وہ بکسر آرہ تک پہونچا ساتھ ہی ہمایوں شہزادہ چھپرا کے علاقہ تک آیا۔ جہاں مخدوم سید حسن دانشمند نے اسے اس کی سلطنت کی بشارت دی تھی یہ واقعہ ۱۵۲۱ء کا ہے لیکن ہمایوں اور بابر کی واپسی کے بعد پٹھانوں اور سوریوں نے مخدوم سید حسن کو پریشان کرنا شروع کیا جس کی وجہ کر مخدوم سید حسین بھاگلپور اور سید احمد و سید مبارک حاجی پور شاہان بنگال کی حکومتوں میں جاکر مقیم ہو گئے۔

مارچ ۱۵۲۲ء میں جب مخدوم سید حسین کی شادی دریا خاں لوحانی کی بھانجی سے ہوئی اور جب وہ پرگنہ نہرا طرف بھاگلپور آئے تو شاہ بنگال نصیب شاہ نے ۲۵۰۰ بیگہ زمین موضع سلطان پور میں انھیں دی۔ موجودہ موضع سلطانپور کا رقبہ ۱۸۰۰ بیگہ ہے اور اس کے متصل ۷۰۰ بیگہ ڈودھریا کہلاتا ہے۔ لفظ ڈودھریا بابا پیر دمڑیا کے نام کی خرابی ہے۔ یہ موضع بھاگلپور اسٹیشن سے ۱۲ میل جنوب مغرب ہے۔

مخدوم سید حسین علیہ الرحمۃ کی وفات ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۴ء میں ہو گئی اور آپ کا مزار بستی کے مشرقی و جنوبی کنارہ پر چہار دیواری کے اندر خام ہے۔ محرم کی سات تاریخ کو عوام بکثرت چادریں چڑھاتے ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے صاحبزادہ سید شرف الدین علی محمد المشہور بہ پیر دمڑیا بھاگلپوری کی پیدائش جولائی ۱۵۴۴ء کو ہوئی۔ ۱۵ جون ۱۵۷۴ء یعنی ۹۸۲ھ میں جب اکبری فوجوں نے داؤد خان کو فتح پور (سبور) بھاگلپور سے ۴ میل پورب شکست دے کر اس کا سر سید عبداللہ کی معرفت آگرہ بھیج دیا تو اکبری حکم کے مطابق رمضان ۹۸۲ھ بابا پیر دمڑیا کی جائیداد حسب سابق بحال رہنے دی گئی جس کا تصدیق نامہ آج بھی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اسی سال پرگنہ نہرا عرف بھاگلپور کے تمام دفاتر عمر پور (نہرا) سے منتقل کر کے بھاگلپور لائے گئے تب ہی حضرت پیر دمڑیا بابا اپنے تمام خاندان اور دوستوں کے ساتھ موجودہ بھاگلپور اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر ۳ سے متصل جنوب آکر مقیم ہوئے اور اس جگہ کو اپنے والد کے نام پر حسین پور نام دے کر آباد ہوئے۔ موضع حسین پور خراجی و لاخراجی کا ذکر وقف نامہ اور خاتمہ زمینداری تک قائم تھا۔ اسی موضع حسین پور سے ۹۱ بیگہ کاٹ کر مولانا شہباز علیہ الرحمۃ کی کفالت کے لیے ۱۰۴۲ھ میں شاہجہاں نے دیا جو ملنا چک کے نام سے مشہور ہے جسے مولانا شہباز نے وصیت کے مطابق اپنی اولاد میں برابر کا شریک کر کے وقف کر دیا۔ اور اس کا متولی اپنے پوتے کو مقرر کر دیا تھا۔ اسی وصیت نامہ کا ذکر شجاع کی سند ۱۰۵۶ھ میں بھی ہے۔

مخدوم سید شرف الدین علی محمد پیر دمڑیا بھاگلپوری کی شادی اپنی حقیقی چچی زاد بہن یعنی دختر سید حاجی پوری سے ہوئی۔ اس طرح سید محمد پیر دمڑیا پٹنہ اور مخدوم سید قاسم حاجی پوری آپکے سالا تھے۔ پیر دمڑیا کے تھے۔ اول سید نظام الدین عرف سید حبیب جن کے نام پر موضع حبیب پور آج بھی اسٹیشن سے ایک میل جنوب موجود ہے وہیں مقیم تھا۔ دوسرے سید شمس الدین عرف میر سید میر د کلاں (جن سے خلیفہ باغ کا خاندان قائم ہے۔ حضرت پیر دمڑیا بھاگلپو بعمر ۹۰ سال ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۴ء میں ختم ہوئی۔

آپ کے صاحبزادہ میر سید میر د کلاں) کی وفات ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۵ء میں ہوگئی۔ اسکے بعد سید حسین بن میر سید وفات ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء میں ہوئی۔ ان تینوں کے مزارات موضع مجاہد پور ریلوے اسٹیشن سے پورب ریلوے پل کے نیچے آ پیر دمڑیا کے اندر ہیں۔

سید حسین ثانی بن سید میر بن حضرت پیر دمڑیا کے صاحبزادہ مولانا سید علی احمد نے خلیفہ باغ میں آکر اور وہیں مسجد، مدرسہ اور خانقاہ قائم کرکے رہنے لگے۔ ۱۰۴۲ھ میں شہر بھاگلپور میں زبردست آگ لگی تھی جو آدمی جل کر خاک ہوگئے تھے۔ اس میں خاندان پیر دمڑیا کو بھی نقصان پہونچا تھا۔ جلی ہوئی اسناد اور جلی ہوئی کتا ثبوت کے لیے آج بھی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ اور ایک شجرہ نامہ موجود ہے جس سے ان حقائق کی تصدیق ہوتی

بہر حال مولانا سید علی احمد کی پیدائش ۱۰۵۰ھ ہے کہ جس سال مولانا شہباز کا انتقال ہوا ہے، مولا کو ان کی عمر کے اٹھارھویں برس ہی جائیدادیں ملنی شروع ہو چکی تھیں کیونکہ اس عمر میں آپ صدر مدرس بن چکے کی ابتدائی تعلیم کانپور میں ہوئی تھی۔ ۱۰۷۸ھ میں مسجد کی تکمیل کرائی اور مدرسہ بھی قائم کیا۔ مسجد کی دیوار کبھی طلبا کے نقوش کا ثبوت دیتی ہیں۔ بحمد اللہ آج بھی اس مسجد میں ایک چھوٹا موٹا مدرسہ قائم ہے۔ مولانا سید کا انتقال ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء میں ہوگیا۔ آپکے صاحبزادہ میر سید بہاء الدین عرف میر سید میر زندہ پیر بہت ہی جلالی بزرگ گز ان کی وفات ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ان کے لڑکے سید اسد اللہ کا انتقال ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں ہوا۔ بعد

محمد میر کمسنی میں گدی پر بیٹھے اور ۲۷ سال گدی نشین رہے۔ ان کی وفات ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۲ء میں ہوئی۔ شاہ محمد کی وفات ۱۸۰۲ء کے بعد آپ کے صاحبزادہ سید شاہ اسد اللہ عرف شاہ چاماں مرحوم گدی نشین آستانہ خلیفہ کا دور انگریزی حکومت کے ہاتھوں کافی پریشان رہا کیونکہ اس عہد تک خاندان پیر دمڑیا بھاگلپور بہت بڑ کے مالک بن چکے تھے جس کی فہرست (کرشنی والا کاغذ) ۱۲-۱۵ فٹ لمبا آج بھی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس و ثروت، عزت و شہرت کی وجہ کر انگریزوں کو حسد اور خطرہ محسوس ہوا، اور انھوں نے طرح طرح سے پریشان کرنا

کی وجہ سے شاہ جاماں صاحب نے اپنی تمام کتابیں اپنے لڑکے سید شاہ عنایت حسین کے نام ۱۸۲۲ء میں ہبہ کر دیا ۱۸۴۴ء
میں شاہ جاماں صاحب کا انتقال ہو گیا لیکن وہ مقدمہ جو ان کے عہد میں پریوی کانسل میں تھا ۱۸۴۴ء میں شاہ عنایت حسین
صاحب ہار گئے جس کے ہرجانہ میں ہزاروں پونڈ اسٹرلنگ تاوان جمع کرنا پڑا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ۱۸۵۸ء میں جب
قحط پڑا تو شاہ عنایت حسین صاحب نے ایک ماہ تک شہر بھاگل پور کے غرباء کو اپنی جاگیر سے کھانا کھلایا جس کا ثبوت
آج بھی اخراجات کی بہی میں درج ہے۔ اور املی کا درخت جو آج مسجد کے صحن میں ہے، بیس فٹ گڑھے میں املی
کی پیالی و رکابی کا ثبوت دینے کیلئے آج بھی موجود ہے۔ جو اب احاطہ مسجد میں بھر دیا گیا ہے۔

شاہ عنایت حسین نے اپنی عمر کے نوے سال پر اپنے خاندان کی بچی کھچی جائیداد انگریزوں کے مظالم سے محفوظ
رکھنے کیلئے ۱۸۷۲ء میں رجسٹرڈ وقف کر دیا جس کا دیکھا دیکھی ۱۸۷۲ء میں ملنا چک والوں نے بھی اپنی جائیداد وقف
کر دی۔ شاہ عنایت حسین صاحب کا انتقال اسی سال ۱۸۷۲ء میں ہو گیا اور وقف نامہ کے مطابق کتابیں بھی وقف کے
اندر آ گئیں۔ انہی ریشہ دوانیوں اور انگریزوں کے ہاتھوں تنگ آ کر ان کے صاحبزادہ سید شاہ اسداللہ عرف عبداللہ
گوشہ نشین ہو گئے جس کی وجہ سے کتب خانہ کی عمارت شکستہ ہو گئی اور بہت سی کتابیں دیمک کی نذر ہو گئیں لیکن
۱۸۹۴ء میں ان کے صاحبزادہ مولانا سید شاہ نور قطب عالم عرف فتح عالم مرحوم بعد فراغت تحصیل علم از بہار شریف واپس آ کر
کتب خانہ اور جائیداد کی درستگی میں لگ گئے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ کے والد کا انتقال ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں آپ کی شادی ہوئی
اور ۱۹۰۹ء میں سید شاہ منظور حسین عرف فخر عالم صاحب پیدا ہوئے۔ شاہ فتح عالم صاحب کا وصال ۱۹۲۹ء میں ہوا

حضرت مولانا سید شاہ منظور حسین عرف فخر عالم صاحب مرحوم کی تعلیم فرنگی محل میں ہوئی۔ مولانا عبدالباری
فرنگی محلی آپ کے استاد تھے جن کی وجہ کر آپ پر کانگریس کی تحریک کا کافی اثر تمام عمر رہا۔ بعد فراغت تعلیم شہر لکھنؤ میں خواجہ
سید محی الدین مرید شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سب سے چھوٹی لڑکی سے آپ کی شادی ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ ۱۹۲۵ء
مارچ میں آپ کے بڑے لڑکے حافظ مولانا الحاج سید شاہ علی احمد شرف پیدا ہوئے جو آجکل گدی نشین ہیں اور ۲۳ ستمبر
۱۹۲۷ء کو بروز جمعہ راقم الحروف کی پیدائش سرائے معالی خاں شہر لکھنؤ میں ہوئی۔

شاہ فخر عالم صاحب مرحوم پچاس سال گدی نشین رہے۔ جائیداد کے استحکام کے ساتھ ساتھ آپ نے کتب خانہ
کو بھی جلا بخشی جو آج بہار کے عمدہ کتب خانوں میں سے ایک ہے۔ طلبا ریسرچ کی غرض سے برابر ریسرچ کیلئے آتے ہیں
۱۹۷۸ء کی ۱۷ مئی کو شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا جب سے یہ کتب خانہ میری نگرانی میں چل رہا ہے اور بحمداللہ ریسرچ
کا کام بھی جاری ہے۔ کتب خانہ کی قلمی کتابوں کی ایک فہرست میں نے کتب خانہ خدا بخش کو بھیجی تھی۔ بزرگوں کی

تصانیف بیاضات، دیوان اور ادعیہ اوراد تبرکات گدی خانہ میں علیحدہ ہیں جو عوام کی دسترس سے باہر ہیں۔
شاہ قمر عالم صاحب کی مرتب کردہ تاریخ خاندان پیر ورشا ۲ جلدیں اور مشاہیر بہار ۲ جلدیں مولانا آزاد اخبار کی روشنی میں (۰۰۰ صفحات) رسالہ نماز (۰۰ ۵ صفحات) وغیرہ اہم تالیفات ہیں۔ اس کے علاوہ سید احمد پیر دم کی بیاض سے لے کر تمام بزرگوں کی بیاضات آج بھی موجود ہیں۔

ذکر سلسلہ بیعت

مجھ سے لے کر مخدوم سید حسن دانشمند تک تمام بزرگوں نے اپنے والد سے بیعت حاصل کی۔ مجھے والد صاحب سلسلہ قادریہ میں بیعت کے لائق سمجھا لیکن باقی تمام چودہ خانوادوں کی اجازت دی۔ مخدوم سید حسن دانشمند کا بیعت دو سلسلہ سے سہروردیہ خانوادہ میں ہے اور دوسرے چشتیہ سلسلہ میں اور ایک سے سلسلہ قادریہ میں ہے لہٰذا

(الف) شجرہ پیران البقات القادری الجنیدی

۱ الٰہی بحرمت سید عبدالغفار عرف سید حسن بخاری دانشمند بن مخدوم سید قاسم میر ٹھی۔ ۲ الٰہی بحرمت مخدوم شیخ یوسف علاء بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۳ الٰہی بحرمت مخدوم شیخ علاؤ الدین بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۴ الٰہی بحرمت مخدوم سید صدر الدین راجو قتال بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۵ الٰہی بحرمت مخدوم سید السادات قطب عالم مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ العزیز۔

(ب) شجرہ پیران سہروردیہ

۱ مخدوم سید السادات سید حسن بن مخدوم سید قاسم قدس سرہ العزیز۔ ۲ مخدوم سید السادات سید محمد افضل عرف سید بڈھن سکیت بہرائچی قدس سرہ العزیز۔ ۳ مخدوم سید السادات سید اجمل بن احمد بہرائچی قدس سرہ ۴ مخدوم سید السادات قطب الاقطاب مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری قدس سرہ العزیز۔

(ج) شجرہ پیران سہروردیہ

۱ سید السادات مخدوم سید حسن بن سید قاسم میر ٹھی قدس سرہ العزیز۔ ۲ الٰہی بحرمت شیخ ابو محمد بخاری قدس سرہ ۳ الٰہی بحرمت شیخ سید جلال بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۴ الٰہی بحرمت سید محمود بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۵ الٰہی بحرمت شیخ سید رکن الدین بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۶ الٰہی بحرمت شیخ سید حامد بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۷ الٰہی بحرمت شیخ سید محمود بخاری قدس سرہ العزیز۔ ۸ الٰہی بحرمت ملک المشائخ شیخ علاء الحق والشرع والدین مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری۔

(د) شجرہ مشائخ چشت قدس اللہ سرہ العزیز

۱ الٰہی بحرمت بوقت پاک ارشاد الدین خواجہ سید حسن دانشمند بن سید قاسم۔ ۲ الٰہی بحرمت شیخ خضر ایاقی
خواجہ محمد فتح اللہ عرف سید میر ملک فتح اللہ۔ (آپ سید حسن دانشمند علیہ الرحمۃ کے استاد و خسر محترم تھے)
۳ الٰہی بحرمت خواجہ احمد عیسیٰ تاج قدس اللہ سرہ العزیز۔ ۴ الٰہی بحرمت خواجہ محمد فتح اللہ نظام الدین بدایونی ۵
الٰہی بحرمت خواجہ احمد شہاب ناگوری۔ ۶ الٰہی بحرمت نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ۔

(س) شجرہ مشائخ چشت قدس اللہ سرہ العزیز

۱ الٰہی بحرمت سید ارشاد الدین عرف سید حسن دانشمند علیہ الرحمۃ۔ ۲ الٰہی بحرمت سید نور الحق مانکپوری
قدس اللہ سرہ العزیز۔ ۳ الٰہی بحرمت سید راجہ حامد مانکپوری۔ ۴ الٰہی بحرمت شیخ حسام الدین مانکپوری
۵ الٰہی بحرمت شیخ نور قطب عالم پنڈوی قدس اللہ سرہ العزیز۔ ۶ الٰہی بحرمت شیخ علاء الحق پنڈوی قدس اللہ سرہ العزیز
۷ الٰہی بحرمت شیخ سراج الحق لکھنوتی قدس سرہ العزیز ۸ الٰہی بحرمت شیخ سید نظام الدین اولیاء د
ہلوی قدس اللہ سرہ العزیز۔

آج کل خانقاہ پیر دمڑیا کے سجادہ نشین حاجی حافظ مولانا سید شاہ علی احمد شرف عالم ندوی ہیں۔

چند کتابوں کا تفصیلی جائزہ

جلد ۱۔ مکتوبات شیخ شرف الحق والدین :- اس مجموعہ میں وہ اٹھائیس مکتوبات ہیں جو انھوں نے شیخ مظفر بلخی مرحوم کے خطوں کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ مکتوب ۲۰ سال کے عرصہ میں تحریر کئے گئے ہیں (در مدت بست پنج سال شیخ الاسلام شرف الحق والدین دائم مرائلش شیخ مظفر مرحوم جواب مراسلتی ارسال میفرمود) مرتب خطوط نے آگے چل کر لکھا ہے کہ مخدوم صاحب نے شیخ کو لکھا کہ یہ خطوط صرف تمہارے لیے ہیں کسی اور کو نہ دکھانا۔ (مکتوبات من ہمہ حل مشکلات و معاملات آں برادر است باید کہ کسی را ننماید کہ موجب سر افشاء ربوبیت کردد) کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ سر ربوبیت افشا ہو جائے۔ چنانچہ شیخ نے اپنی زندگی میں کسی اور کو ان خطوط کو نہ دکھایا اور وصیت کی کہ میری قبر میں ان خطوں کو دفن کر دیا جائے (بہنگام رحلت شیخ مظفر مرحوم وصیت کرد کہ درون کفن من نہند) چنانچہ حسب وصیت ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن قبر میں رکھنے سے یہ اٹھائیس خطوط بچے رہ گئے جو مرتب کے پاس موجود ہیں اور انھوں نے ان خطوط کو اس کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والا دین سے نفع حاصل کر سکے۔ مکتوب اول اس شعر سے شروع ہوتا ہے

بر بلا کیف قوم راحق دادہ است   زیر آں گنج کرم بنہاد است

برادر اعز مولانا مظفر سلام و دعا۔

از مآخش۔ از کاتب حروف شرف منیری مطالعہ کند و باید کہ در کار خود مردانہ بودہ از شدائد امور را کثرت سوا ابتلا و از امتحان گوناگوں در راہ سالک است۔

علم۔ مکتوب دوم .... علم معاملات نیست از علم مکاشفات و علم مکاشفات در قلم آوردن رخصۃ

صوفی۔ مکتوب سوم..... صوفی نشود صافی تا درنکشد جامی   بسیار سفر باید تا پختہ خامی

تصوف۔ مکتوب چہارم ..... وصو مکم ایماکنتم تصوف این بیت را بیت رابع می گویند جز آں سہ کہ مسلوم و مفہوم متکانت و بر حقیقت می رانند۔

توی۔ مکتوب پنجم ... (کے درمیانی حصہ سے) ای برادر توی دنفی در عالم ما است در عالم محبوب دوی نیست

حدیث۔ مکتوب ششم ... (کے درمیانی حصہ سے) حدیث کے معنی میں درج کرتے ہیں کہ "من عمل بما علم ورثہ اللّٰہ علم ما لم یعلم" خاطر جمع دارد ہمیشہ لسان راست است .... ہر کہ کل باخت کل یافت ــــــ

پردہ۔ مکتوب ہفتم ..... خواجہ عطائی کی بیت درمیان خط درج ہے۔ آنچہ تو گم کردہ گم کردہ

. . . . پردہ خود شدہ است و در پردۂ خود محجوب ماندہ۔

مسلمان۔ مکتوب ہشتم ... مسلمان آنیکہ مومن آنیکہ تو آنیکہ موحد کار برآمد مطلوب در برآمد و این کوشش دولت برآوردہ۔

روح۔ مکتوب نہم .... این چہ عجب سحرہ فرعون با ملاء در کفر ساحری غرق بر خاستہ۔ بیشتر علمائے و مشائخ اسلام ہست کہ روح جسم لطیف است و لیکن در جسم کثیف و آں تن مردم است۔

فنا۔ مکتوب دہم .... انکہ بزدلی روزی نمازی کرد در وقت شروع گفت کافر شدم و زنار بر بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر این فہم کردہ است .... القضات علیہ الرحمۃ فرمودہ است کہ در فنا ہمیشہ سالکان برابر با او در بقا متفاوت فنا بمنزلہ ..... فخر الدین و تاج الدین را سلام و دعا برسانند۔

نگاہ۔ مکتوب یازدہم .... موسیٰ علیہ السلام در طلب آتش قدم زدہ انی آنست نارا انگاہ علی القدم

مکتوب دوازدھم . . . . ہر حدیثی شورش و غوغا ئی دیگر داشت۔

انا الحق۔ مکتوب سیزدہم .... گفتہ است انا الحق گفتن منصور از تا کجائی بود۔

محبت، مکتوب چہاردہم ... بیت سہ دریا محبت بی کنار ! صبح ادہم کشتی شد صد ہزار ......

کشف، مکتوب پانزدہم ..... مولانا حمید الدین ناگوری راست رحمۃ اللہ علیہ ابیات کشف دگرگون اما بحالت

کشف ہر کہ گوید از و خطا بود .....

نظر، مکتوب شانزدہم ..... نظم "نظر در ہر چہ کردم ہمہ عالم خدا دیدم شہی باید ابدانی خود را ابن نظر کریم"

عطاء، مکتوب ہفدہم .... الصہ لا مانع لما اعطیت سے شروع ہوتا ہے۔

مکتوب ہژدہم .... چون سہ ازل طمع ابدال شود این خال قبل پامال شود

نفس، مکتوب نوزدہم ..... از خواجہ بایزید قدس اللہ نقل است انسلخت نفسی ......

قدس، مکتوب بستم ... ای برادر چون تابوت حدوث دعوی قدس و طہارت کہ حضرت عزت او را شاہد

در عالم ممتنع الوجود ....

دلیل، مکتوب بیست و یکم ... حق تعالیٰ او دلیل است بر گشادہ شدن کار و بار مردان کہ بعہد اعتقاد محتجاب

ہمیں بود ایشت ....

عشق، مکتوب بیست و دوم ... مثنویات "من یکبار عشقم تم مرض آکارم پشت پناہ فقر و پشت طمع خلام

بندہ، مکتوب بیست و سوئم .... از جانب بندہ است کہ بندہ چون خداوند را دوست داشت .....

محبت، مکتوب بست و چہارم .... برای تاکید محبت را بو دلیعی چون محبت میان بود

عقل، مکتوب بیست و پنجم ..... گر جہان جعقل را بہرہ بہی ذرہ عشقش کند دست تہی

جمال، مکتوب بیست و ششم .... آن را کہ جہان جمال باشد گر ناز کند حلال باشد۔

در عالم خویش عاشقان را گر یار دہد جمال باشد

مخالفت، مکتوب بست و ہفتم .... آنکہ خواجہ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است ہر کہ ترا مخالفت و ما را

حال بر آورد ہمیں فریاد است۔

نور، مکتوب بست و ہشتم ..... این دو حدیث ہر دل را کہ بنور خود منور گردانید ندان دل بحق معین

گشت خلوت و عزلت او را مسلم شد۔

اور اس طرح ان سطروں پر اٹھائیسواں خط ختم ہو جاتا ہے عاقبت و خاتمت بخیر باد بحرمت النبی و آلہ

الامجاد والسلام۔

جلد ۲ دوسری کتاب میں کل ایک سو تریپن خطوط ہیں۔ یہ خطوط ۷۶۹ھ میں جمع کیے گئے۔ ان کی فہرست بھی درج ہے۔ اس میں پہلا مکتوب "در راہِ دین" دوسرا۔ "در طلب علم" اور تیسرا "در نیت" چوتھا۔ "در نزول بلا" پانچواں۔ "در ترک دنیا" چھٹا۔ "در مریدی و مجاہدی کردن" ساتواں۔ "در ہمت بلند" آٹھواں۔ "در توبہ و بازگشتن بخدا تعالیٰ" نواں۔ "در بدگمانی در حق خویش و گمان نیک در حق دیگران" دسواں۔ "در محبت دنیا و مذمت آں" گیارہواں "در محبت عشق" بارہواں۔ "در وصول الی اللہ تعالیٰ" تیرھواں۔ "در اثر صحبت" چودھواں۔ "در اطاعت مرید آنچہ پیر فرماید" پندرھواں۔ "در صفت پیران و مذمت حال فضولان" سولھواں۔ "در اخلاص خود و صدق طلب" سترھواں۔ "در معجزہ انبیا و اولیا و جریان احکام خدا تعالیٰ" اٹھارھواں۔ "در دوستی و دشمنی للہ تعالیٰ".... اس طرح فہرست مرتب کرتے ہوئے مرتب نے ایک سو پینتالیسویں مکتوب میں "در بندگی و در صنو و شکر بعارف" تک فہرست لکھی ہے۔ اس کے بعد ایک سو باون تک صرف مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔ ان کی فہرست نہیں دی ہے۔ پہلا مکتوب بنام شیخ عمر ساکن قصبہ السکی "سلام و دعا از کاتب حروف مطالع فرمایند" سے شروع ہوتا ہے اور آخری خط کی سطریں اس شعر پر ختم ہوتی ہیں

ہر کہ او از دار دنیا پاک شد … نور مطلق گشت اگرچہ خاک شد

جلد ۳ میں مکتوبات بنام شیخ عمر برادر شمس الدین (رضی اللہ تعالیٰ) اور ملک خضر، مولانا کمال الدین سنوسی، شیخ سلیمان، برادر مولانا محمود وغیرہ کے نام تحریر کیے۔

جلد اول اور جلد دوم کی کتابت کسی اور کی ہے جس نے اپنا نام تحریر نہیں کیا ہے اور نہ سنہ ہی درج ہے۔ جگہ بہ جگہ رباعی۔ مثنوی، مکتوب وغیرہ کے الفاظ سرخ روشنائی سے تحریر ہیں۔ ورق کا نمبر درج نہیں تھا۔ اسے میں نے درج کیا ہے۔ البتہ ایک ورق کے خاتمہ پر دوسرے ورق کا پہلا لفظ پہلے ورق کے آخر میں تحریر ہے جس سے جزبندی میں دشواری نہ ہو۔ حروف نستعلیق ہیں۔

جلد ۳ میں سرخ روشنائی کہیں بھی استعمال نہیں ہوئی ہے۔ آخر میں کاتب نے اپنا نام عالم علی لکھا ہے مگر ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا، البتہ سنہ کتابت ۱۲۴۳ فصلی درج ہے اور اس کے ساتھ بخشش حسین ۱۲۲۸ اور سید جعفر علی ۱۲۳۸ کی مہریں ثبت ہیں۔ کتب خانہ پیر دمڑیا میں یہ کتاب کب اور کس دور میں آئی کہیں تحریر نہیں ہے البتہ سید جعفر علی حاجی پوری پیر دمڑیا خاندان کے افراد میں ایک صاحب گذرے ہیں۔

جلد ۱ تیسری کتاب میں مکتوب کی جگہ رقعہ اول دوم درج ہے (رقعات شیخ شرف الدین منیری) رقعہ اول بنام محمد لطیف اور رقعہ اس طرح شروع ہوتا ہے: "آں محمد لطیف بداند کہ جملہ عالم مظہر لطیف است پس

آں محمد لطیف را باید کہ ببینہ لطیف را بیند کہ لطیف در لطیف است گاہے لطیف است و گاہے کثیف است۔

رقعہ دوم بجانب محمد تقی آں محمد تقی بداند کہ تقی بمعنی پرہیزگار ست و پرہیز آنرا گویند کہ از خود پرہیز کند نہ کہ از دیگری از خود پرہیز کردن......

رقعہ سوم بجانب میر سید صابر آں میر کبیر سید صابر بداند کہ صابر آنرا گویند کہ از جملہ تغیرات و حادثات احوال خود را متغیر نگرداند.....

رقعہ چہارم بجانب محمد عابد آں محمد عابد بداند کہ عابد از معبود است و عبادت در شام اوست کہ عابد آمدہ است پس آں محمد عابد را باید کہ عبادت معبود بجہاں آرد کہ عابد و معبود ہر دو محو گردند نہ عابد ماند نہ معبود چوں ہر دو یکذات..... نہ خود ماند نہ خدا....

رقعہ پنجم بجانب شیخ عزیز اللہ القریشی العباسی العزیز بداند کہ بے طمع آنرا گویند کہ از خود بے طمع گردد نہ کہ از دیگرے چوں از خود بے طمع گردد نہ ایں داند نہ انکار خود را بخدا سپارد۔

رقعہ ششم بجانب سید طاہر آں سید طاہر بداند کہ طاہر بمعنے پاک و صاف بودن است یعنی پاک آنرا گویند کہ از جملہ کدورات بشریت پاک و صاف گردد کہ بوئے خودی در روں ماند۔

رقعہ ہفتم بجانب شیخ طیب آں شیخ طیب بداند کہ طیب بمعنی پاک بودن است یعنی طیب آنرا گویند کہ خود را از خود پاک دارد و لذات حواس خمسہ مطلق دور کند۔

رقعہ ہشتم بجانب میر سید شریف آں میر سید شریف بداند کہ جملہ مظہر ذات شریف است ولقد کرمنا بنی آدم در باب اوست و شریف آنرا گویند کہ خود را اکثر مخلوقات داند۔...

رقعہ نہم بجانب دوستاں مقبول راہ درویشے معہود نیست ہر سالکی را کہ سیر معہودی روئے داد فارغ از اسم و رسم شد۔

رقعہ دہم بجانب شیخ سفر العزیز بداند کہ سفر آنرا گویند کہ در ملک وجود خود سفر کند چوں سفر وجود بجا آرد آنگاہ در سفر فوائد نیست آنکہ در سفر فوائد بسیار است۔

رقعہ یازدہم بجانب عزیز اللہ آں عزیز اللہ بداند کہ مسلمان آں نیست کہ کلمہ گو مسلمان باشد مسلمانے اینست کہ بصحیح قول خود مسلمان ماند و تحقیقہ مسلم ماند....

رقعہ دوازدہم بجانب سید حسن العزیز بداند کہ حسن آنرا گویند کہ از جملہ بدیہائے خود بازگردد بحسن

نیکوے درآید بدی چہ کہ ما سوا اللہ را در بحر احدیت از دو جہان غرق سازد۔

رقعہ سیزدہم، در بیان برزخ۔ اے عزیزان برزخ بر دو نوع ست یکی صغیر دوم کبیر آنرا گویند۔

رقعہ چہاردہم، بجانب شہباز منگلی۔ چار منزل اینست ملکی ناسوت دوم ملکوت سوم جبروت چہارم لاہوت۔

رقعہ پانزدہم، بجانب قلندر بیگ آں قلندر بیگ باشد کہ قلندر آنرا گویند کہ ہمیشہ حال لاالقین گذرانند چنانچہ ذات واحد لاشریک۔

رقعہ شانزدہم، بجانب سیف خاں۔ کہ جمال آنرا گویند کہ در مرات جمال عالم جمال خود بنید زیرا کہ مقصود جمال دیدنا۔

رقعہ ہفتدہم، بجانب محمد لطیف۔ کہ محمد آئینہ لطیف است و آں سرور کائنات خود خبر می دہد۔

رقعہ ہیزدہم، بجانب شیخ نور اللہ۔ کہ جملہ عالم نور اللہ است ..... اللہ نور السموات والارض.

رقعہ نوزدہم، بجانب شیخ بہادر العزیز۔ بہادر آنرا گویند کہ دشمنان خود را بکشد و خود را بقتل ہستی رساند .....

اقتلوا انفسکم بسیف المجاہدات والمجاہدات ۔

رقعہ بستم، بجانب شیخ آدم مونگیری۔ کہ ملاقات بر دو نوع است یکے حاضری دوم غائبی حاضری آنرا گویند

رقعہ بست ویکم، بجانب شہباز خاں منگلی۔ ذکر کلمہ طیب بر چہار نوع ست یکی ناسوتی دویم ملکوتی

سیوم جبروتی، چہارم لاہوتی۔

رقعہ بست ودویم، بجانب شیخ علاؤ الدین دہلوی۔ کلمہ محمدیست باید کہ خود را بکلمہ محمدی سپارد کہ افضل الذکر

است لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔

رقعہ بست وسوم، بجانب محمد مومن۔ حق تعالیٰ در وجود آدم دو دم آفرید یکے نفی دویم اثبات

اہل صوفیہ قرار دادہ اند ۔

رقعہ بست وچہارم بجانب محمد صادق۔ در بیان توحید۔ کہ توحید بر وصفت نامندا اند یکی توحید وجودیہ دوم

توحید محمدیہ بشنو توحید وجودیہ صفت بشری بحال می ماند اگر چہ وجود حقیقی می شود۔

رقعہ بست وپنجم، بجانب دوستاں۔ در بیان دنیا۔ کہ مراد از دنیا ہستی ست و مراد از عقبےٰ نیستی پس سالک

را باید کہ از جمیع مراجات وجود برخیزد۔

رقعہ بست وششم، بجانب محمد مومن۔ در بیان چہار منزل۔ چوں اللہ تعالیٰ خواست کہ از خزانہ کنت کنزاً مخفیاً

فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف خود را ظاہر سازد۔

رقعہ بست وہفتم، بجانب میر سید حیدر۔ اللہ تعالیٰ انسانرا آئینہ صورت خویش گردانیدہ است و در حقیقت آئینہ

شدہ برصورت خویش تحریش مشابہ یمانند۔

رقعہ بست و ششم بجانب سید محمد۔ حضرت میر سید محی الدین قدس اللہ سرہ العزیز می فرماید

محی الدین نماندم شدم من ہمائے   خدایم خدایم خدائے

رقعہ بست و نہم۔ بجانب میر سید شاہرد۔ اللہ تعالیٰ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف

فرمودہ است مراد از گنج مخفی عدم است۔

یہ کتاب انتیس[29] رقعات کے بعد ان سطروں پر ختم ہو جاتی ہے۔ "ایں فرع عین اصل است و اصل عین فرع از

سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ العزیز' درباب قول حجت۔

(عنوانات جو حاشیہ پر درج ہیں' ان کی سرخی منظر حسین نے ترتیب دی ہے۔)

جلد ۲ کتاب شمارہ ۲، جلد ۱ شمارہ ۱ کا دوسرا نسخہ ہے اس لیے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

جلد ۲ کتاب شمارہ ۳، مکتوبات مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری علیہ الرحمۃ متوفی ۷۸۰ھ یہ مکتوبات

تعداد میں پینتالیس ہیں اور بجانب مولانا عز الدین تحریر کیے گئے ہیں۔

یہ نسخہ کتب خانہ پیر دمڑیا کے لیے ۱۱۱۲ھ میں بہ زمانہ میر سید میراں بن مولانا علی احمد کسی دوسرے سے مقابلہ کر کے تحریر

کیا گیا ہے۔ ان مکتوبات کا مرتب (نام کرم خوردہ ہونے کی وجہ کر دستیاب نہیں ہے) موضع سلطان پور من نواح دہلی کا رہنے

والا ہے اور اس نے یہ مجموعہ ۷۷۱ھ میں یعنی عین حیات مخدوم جہانیاں مرتب کیا۔ مرتب لکھتے ہیں کہ یہ مکتوبات در یں

طرف مولانا عز الدین رسانیدہ اجابت نمودہ در مطلوب فرزندی بر خویش واجب کردہ شد۔

مکتوب اول کی شروعات اس طرح ہوتی ہے۔ "مکتوب مقرر فرزندی باد ہمہ منشور ہا نصیحت از حضرت رسالت

محمد رسول اللہ صلی اللہ وعلی آلہ وسلم نویسند۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مکتوبات جامع نصیحت ہیں۔ کلام پاک حدیث شریف اور خلفائے کرام اولیا عظام کی ہدایات کے

دائرہ میں اتنی موثر تلقین ہے گویا مکتوب کا ایک پر بہار گلستاں ہے اور ہر خط ایک تختۂ گل معلوم ہوتا ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ

شریعت کے گلہائے تازہ کی رنگینی و پر لطف بوئی معلوم ہوتی ہے اور عشق رسول، حب خدا، اولیوں کا پرچم طریقت کی معطر فضا

سے جھلکتا معلوم ہوتا ہے۔ یہ تمام مکتوبات راہ سلوک میں چراغ راہ ہیں۔

جلد ۲ کتاب ۴ مکتوبات عبد الجلیل۔ منقول مکتوبات و رکیا الاہل اصحاب السالکین۔

مکتوب اول۔ در شناختن نفس بجانب میر سید جلال۔ ای جان من شناختن نفس عبارتست از شناختن روح....

الحمدالله علی ذلک الجلال که بدین صفت جلال جلال است ۔

مکتوب دوم :۔ دربیان تعرف ذات و بے اختیاری صفات بجانب میر سید جلال ۔

مکتوب سوم :۔ دربیان معیت عبد و رب از جانب فقیر عبدالجلیل بجانب میر سید حامد ۔

مکتوب چہارم :۔ دربیان دانستن حجاب و بستن طناب از جانب فقیر بجانب سید حامد آں دل پذیر کہ چشم ضمیر مطالعہ کند

مکتوب پنجم :۔ دربیان حقیقت محمدی بجانب ملک خواجہ ویس پس آں ملک بچشم ملک مطالعہ کند ۔

مکتوب ششم :۔ بجانب حسن صاف است ۔

مکتوب ہفتم ۔ دربیان مکاشفہ بجانب میر سید جلال مرقوم است ۔

مکتوب ہشتم :۔ بجانب فقیر نوراللہ مرقوم یافت ۔ اس خط میں "شاہ شرف بوعلی قلندر فرمودہ اندکہ تبارک و تعلی فرض خود مرا بخشندہ است و محمد رسول اللہ سنت خود بخشندہ اند ۔

مکتوب نہم :۔ بجانب میر سید حامد مرقوم است ۔ اس خط میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تشریح ہے

مکتوب دہم :۔ دربیان کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بجانب سید جلال مرقوم است ۔ لا الہ از برائے اثبات ذات است یعنی نیست ہیچ کس بجز اللہ ۔ و محمد رسول اللہ بدل اسم ذات است کہ خود بود و پیغمبر شدہ ۔ انا احمد بلا میم

مکتوب یازدہم :۔ بجانب سید حامد مرقوم است کہ حمد و محمود از حامد بدرگاہ معبود معدوم است ۔

مکتوب دوازدہم :۔ بجانب میر سید ابوالبقا تحریر یافت آں بقا باید لقا، بقا از لقا است پس بقا را باید کہ دریں عالم حدوث آں لقا بجز لقا نداند ......

مکتوب سیزدہم :۔ دوست را از دوست مرقوم دوستی با مغز و پوست روا نیست ۔

مکتوب چہاردہم :۔ بجانب عبدالمومن تحریر یافت کہ آں محمد مومن بداند کہ محمد آئینہ مومن است چوں ذات پاک بالکیف خواست کہ خود را بنید صورتے نداشت کہ دید بہ شود ۔

مکتوب پانزدہم :۔ نورالعین میر کبیر بن سید الشریفین ابنیی الحسن والحسین اخی میر سید جلال والماجد مرقوم یافت ۔

مکتوب شانزدہم :۔ بجانب حسن است ۔ چوں حسن بے حسین شد حُسن حُسن شد ۔

مکتوب ہفدہم :۔ بجانب شیخ الشیوخ است ۔ آں شیخ الشیوخ بداند کہ شناختن شیخ شیوخ شناخت شیخ شیوخ است ۔

مکتوب ہیژدہم :۔ دربیان برزخ قاب قوسین بجانب سید حامد مرقوم یافت ۔ کہ برزخ قاب قوسین بر ۲ قسم کردہ شد ۔

مکتوب نوزدہم :۔ بجانب شیخ سلطان مرقوم است ۔

مکتوب بستم :۔ از جانب ہم اسم بجا ہم اسم مرقوم است کہ لا الہ الا اللہ معلوم است قل ھو اللہ احد اللہ الصمد مفہوم است

مکتوب بست ویکم :۔ از جانب ہم اسم بجانب ہم اسم تحریر یافت۔ ملاقات بدو نوع است یکی ظاہر دوم باطنی (باب ملاقات کے لیے رقعہ مخدوم الملک کا موازنہ علیحدہ کاغذ پر مطالعہ کریں) از مستقر۔

مکتوب بست ودوم :۔ حافظ را اعلام آنکہ دراں وقت حاضر باشند۔

مکتوب بست وسوم :۔ بجانب جان بیگ مرقوم است ــ جاناں عین جان است۔

مکتوب بست وچہارم :۔ بجانب عبد المومن مرقوم است ــ حدیث المومن مرات المومن است ۔

مکتوب بست وپنجم :۔ از جانب ہم اسم بجانب ہم اسم مرقوم است آں دل پذیر ہم اسم ضمیر تصویر ضمیر ہر وجود معلوم کند . . .

مکتوب بست وششم :۔ بجانب درستار مرقوم است ۔ معدوم نیست ہر سالکی کہ از ہستی خویش معدوم نگردد . . .

مکتوب بست وہفتم :۔ بجانب عبد السلام مرقوم است کہ دانستن عبد وسلام اسلام عام است وعلم الیقین عبارت ۔ ازیں مقام . . .

مکتوب بست وہشتم :۔ عبد الحق را از جانب حق مرقوم است ۔ کہ با حق حقا کہ حق نباشد چوں بر حق باشد . . . .

مکتوب بست ونہم :۔ بجانب ایمان محمد است کہ دانستن عبد وجلیل ایمان محمد است خودش فرمودہ اند . . . .

مکتوب سی ام :۔ بجانب شیخ عبد القادر مرقوم است ۔ آں قادر بقدرت خویش چناں مقدور است

مکتوب سی ویکم :۔ بجانب میر سید حامد است ۔ معیت حامد ومحمود چناں نسبت یکتا کہ اسم عبد وجلیل در اسم عبد الجلیل نہانست۔

مکتوب سی ودوم :۔ بجانب شیخ میاں عبد الفتاح مرقوم است ۔ جانم بدل معلوم باشد کہ قرب نہ بدل مفہوم باشد بدل باید بدل کردن . . .

مکتوب سی وسوم :۔ از جانب جلیل بجانب جلیل مرقوم است ۔ آں جلیل را معلوم است کہ پیدائش عالمیاں بایک مظہر جلیل است اللہ لا الہ الا ہو . . . . . . نیست۔

مکتوب سی وچہارم :۔ باشارت از جانب جلیل بجانب جلیل است ۔ آں جلیل بداند کہ میاں جلیل وجلیل حرفی

مکتوب سی وپنجم :۔ بجانب شیخ منتہی مرقوم است ۔ راہ درویشی معلوم است وآں نیست کہ کاری از کاری تزلزل نکند وچیزی از چیزی ترغیب نکند۔

مکتوب سی وششم :۔ ملک خواجہ ویس مرقوم است ۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ می فرماید ؎

در تصوف رسم مسکین خندہ کردن بر خود است ــــ شیخ کردن خاک کردن بر سر است

مکتوب سی وہفتم :۔ بجانب میاں حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ مرقوم است ؎

غیرتش غیر در جہاں نگذاشت ــــ لاجرم عین جملہ اشیا شد

مکتوب سی و ہشتم :۔ دربیان سلوک بجانب میر سید حامد تحریر یافت۔ عزیز من سلوک عبارتست از ترک ظاہر و باطن بی ترک ظاہر چہ کہ خود را از نہی باز دارد۔

مکتوب سی و نہم :۔ بجانب شیخ جونپوری تحریر یافت کہ حقیقت آشنا آنست کہ جملہ آنست اگرچہ در بیعا المعروف۔

مکتوب چہلم :۔ دربیان سکنت بجانب حسن صاحب مرقوم است۔ سکنت آنرا گویند کہ از جملہ تخیلات بے تعین باشد یعنی نہ وصال داند نہ فصل نہ قرب۔

عبدالجلیل صاحب کون بزرگ ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ نہ ہی ان کا عہد معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی عہد اکبری و جہانگیری تک حیات تھے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بزرگ سترھویں صدی کے آخر میں گذرے ہوں۔ یا پھر اٹھارویں صدی کے اوائل میں رہے ہوں۔ مکتوبات جس کاغذ پر نقل ہے اسے دیکھتے ہوئے ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کاغذ انیسویں صدی کا ہے۔ سید شاہ عنایت حسین مرحوم متوفی ۱۸۷۲ء کے نوٹ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نام مولف و مصنف پیدا نیست۔ کتاب کرم خوردہ ہے مگر استعمال کے لائق ہے۔ موازنہ مکتوبات عبدالجلیل اور رقعات شیخ شرف الدین بہاری علیہ الرحمۃ صفحہ ۲۰۰ پر ہے اور اس میں انھیں رقعات کا موازنہ ہے جس میں بیانات کا تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے حسن، ملاقات، آلیتہ وغیرہ۔ —————— مکتوبات سید محی الدین عبدالقادر جیلانی جلد ۴ پروگریس شمارہ ۱۶۱ میں تمام خطوط اسی عزیز کرکے مخاطب کئے گئے ہیں۔ کسی خاص شخص کے نام خط نہیں ہے۔ ان مکتوبات کا شروع ان الفاظ کے ساتھ درج ہے:

"مکتوب بندگی حضرت ملک المشائخ والسادات سراج العاشقین قدوۃ المعانی شیخ محی الدین سید عبدالقادر گیلانی قدس اللہ سرہ العزیز" کاتب نے آخر میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے "بخط خام خادم الانام فدوی غلام شرف بتاریخ ہفتدہم شہر ربیع الاول ۱۸ جلوس عالم شاہ بادشاہ۔"

جلد ۴ پروگریس نمبر ۱۶۹ "مونس الفقراء" اس کتاب کے ورق پیش پر درج ہے کہ "... دعا التماسکہ در صلوات و ادعیہ قضا حاجات و کفایات مہمات مواظبت نمائی باشد کہ از سر مہمات بفضل قاضی الحاجات نجات یابد بدین تقریب سر رسیدہ بعضے فرزندان معتقدان ازیں فقیر سعید عطا اللہ عفا عنہ التماس کہ این فقیر بدان مواظبت نمودہ است اخراج کردہ خاصہ در آنوقت فرزندی رسیدہ بیک دیدہ نور امام اجل علم با عمل مولانا حسام الملت والدین کہ از مدتے بقصد ارادات و صحبت بدین فقیر پیوستہ بہ تحریر اقتراح نمودہ باعث اجابت موکد و موید گشت مستعینا باللہ تعالیٰ و متوکلا علی اللہ در اجابت آں شروع کردم نامش "مونس الفقراء" نہادم۔

(ورق ۲۱) این مجموعہ را بہ بیست و نہ فصل مرتب کردانیدم۔

فصل اول در ذکر حضور دل در نماز، ۲ در ذکر خواندن اوراد وقت سحر پیش از سنت فجر و بعد از سنت فجر و وقت رفتن بہ مسجد، ۳ ذکر اوراد و ادعیہ کہ بعد از نماز فجر ماثور آمدہ است، ۴ در ذکر نماز اشراق و ادعیہ آں، ۵ در ذکر نماز چاشت و ادعیہ آں، ۶ در ذکر نماز ظہر و نوافل و ادعیہ آں، ۷ در ذکر نماز عصر و ادعیہ آں کہ بعد عصر است، ۸ در ذکر نماز مغرب و اوابین و نوافل دیگر و ادعیہ آں، ۹ در ذکر نماز عشاء و نوافل و ادعیہ آں کہ بعد عشاء است، ۱۰ در ذکر نماز و دعا در قضائے حاجات، غایت مہمات، ۱۱ در ذکر نماز تہجد و نوافل دیگر و ادعیہ کہ بعد تہجد است، ۱۲ در ذکر نماز و ادعیہ کہ برائے دیدن ... باکمال رسول خداوند ذوالجلال حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۳ در ذکر فضائل روز جمعہ، ۱۴ در ذکر وظائف روز جمعہ و ذکر ساعت موعودہ ۱۵ در ذکر توبہ و شرائط آں، ۱۶ در ذکر ارادت و شرائط مریدی و تعریف شجرہ ... شرائط شجری، ۱۷ در ذکر بیان دلائل شرائط خلوت و عزلت، ۱۸ در ذکر خلوت و عزلت و اربعین، ۱۹ در ذکر ... ذکر، ۲۰ در ذکر اختیار ذکر و کیفیت گفتن ذکر، ۲۱ در ذکر نفی خواطر، ۲۲ در ذکر تجسس و تحقق احوال دل ۲۲ در ذکر علاج تفرقہ دل، ۲۳ در ذکر فقر و قناعت، ۲۵ تجرید و تفرید و مال و العفال، ۲۶ نفس و دل و روح و سر، ۲۷ ذکر سماع و وجد و رقص، ۲۸ ذکر شرائط و آداب سماع و ذکر تحقیق ثوب و احکام خرقہ مستور سماع، ۲۹ ذکر گرفتن فتوح و جائزہ از سلطان و غیر وی خوردن و بخشیدن آں۔"

فصل بست و ششم میں جو شجرۂ چشتیہ ورق ۸۴ الف پر درج ہے اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

"مشائخ کبار را از حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ثم ثم بایشان رسیدہ است و این فقیر را خرقہ و اجازت پیر دستگیر خود شیخ نامدار و مقتدائے روزگار شیخ علاء الحق والشرع والدین عمر اسعد لاہوری و ایشان را از قدوۃ المقتداء ... شیخ الاسلام والمسلمین شیخ سراج الحق والشرع والدین عثمان اودہی ...... اس طرح یہ سلسلہ چشتیہ اہل بہشت .... تا از سید کائنات خلاصہ موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پس ہر کہ شجرہ ارادت و اجازت ثم ثم و ثم ثم تا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبود ارادت بدوی جائز نباشد گفتہ اند۔

موازنہ رقعات شیخ شرف الدین منیری و مکتوبات عبدالجلیل کے وہ مکتوبات جن کے عنوانات ایک ہیں۔

۱۔ جلد ۵ پروگریس ص ۱۵۳، جلد ۶ پروگریس ۱۰۷۔

موضوع	شرف	جلیل
حسن	حسن آنرا گویند که از جمله بدیهای خود بار کرده بحسن نیکوئی درآید (رقعه دوازدهم)	چون حسن بی حسین شد حسن عشق شد (مکتوبات شانزدهم)
ذکر کلمهٔ طیبه	بر چهار نوع است یکی ناسوتی دوم ملکوتی سوم جبروتی چهارم لاهوتی (رقعه بیست و یکم)	لا اله از برای اثبات ذات است یعنی نیست هیچکس بجز الله (مکتوب دهم)
ذکر کلمهٔ محمدیه	کلمه محمد است باید که خود را بکلمهٔ محمدی سپارد که افضل الذکر است لا اله الا الله محمد رسول الله (رقعه بیست و دوم)	محمد رسول الله بدل اسم ذات است که خود بوده و پیدا شده (مکتوب دهم کا دوسرا جزو ہے). انا احمد بلا میم
بیان برزخ	برزخ بر دو نوعیت یکی صغیری دوم کبری آنرا گویند (رقعه سیزدهم)	برزخ قاب قوسین بر سه قسم کرده شد (مکتوب یازدهم)
راه درویشی	مقبول راه درویشی محدود نیست هر سالکی را که سیر محدودی بروی داده فارغ از اسم و رسم شد (رقعه نهم)	راه درویشی معلوم است و انیست که کاری از کاری تفریق نکند و چیزی از چیزی ترغیب نکند (مکتوب سی و پنجم)
آئینه	که محمد آئینه لطیف است و آن سوی کائنات خود خبر میدهد (رقعه هفدهم)	حدیث المومن مرآت المومن است (مکتوب بیست و چهارم)
صورت	الله تعالی آنشانرا آئینه صورت خویش گردانیده است و در آن آئینه شده بر صورت خویش خویش مشاهده می نماند (رقعه بیست و هفتم)	که محمد آئینه مومن است چون ذات پاک بیکیف خواست که خود را بیند صورتی نداشت که دیده شود (مکتوبات چهاردهم)
ملاقات	که ملاقات بر دو نوع است یکی حاضری دوم غائبی حاضری آنرا گویند رقعه بستم.	ملاقات بر دو نوع است. یکی ظاهری دوم باطنی مکتوب بست و دوم:
توحید	توحید بدو صفت نامیده اند یکی توحید وجودیه، دوم توحید محمدیه (رقعه بیست و چهارم)	الا الله معلوم است قل هو الله احد الله الصمد مفهوم است.

جلد ۱۹ پروگریس ۱۸۳ سطحیات دارا شکوہ۔ کاتب اسداللہ تعصبہ تنگیر ۱۵ مورخہ ۱۳ شوال .....

(یہ حصہ کرم خوردہ ہے)

اپنی عمر کے اڑتیسویں سال یعنی ۱۰۶۲ھ میں دارا شکوہ نے یہ کتاب تحریر کی اور وجہ تالیف کے سلسلہ میں اس نے لکھا کہ "جب لوگوں نے مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا تو میں نے مسلمانوں کے عارفوں کے ان اقوال کو جو متشابہات و شطحیات میں داخل ہیں کفر کا فتویٰ دینے والوں کی بصیرت کے لیے اس رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدین، حضرت جعفر صادق۔ حضرت ابراہیم ادھم۔ حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ۔ حضرت شمس تبریز، حضرت معروف کرخی۔ اسرافیل رحمت اللہ علیہ۔ حضرت ذوالنون مصری، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی۔ حضرت ابو علی سندی، حضرت ابو یزید بسطامی۔ حضرت ابو حفص حداد نیشاپوری۔ حضرت سہیل ابن عبداللہ تستری۔ حضرت سہیل عبداللہ حضرت ابوالحسن بنان۔ حضرت ابوحمزہ خراسانی۔ حضرت ابراہیم خواص۔ حضرت ابوالحسن نوری۔ حضرت ابو جعفر جلدی حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی۔ حضرت سمنون محب۔ حضرت امام موحد ابوبکر واسطی۔ حضرت ابوالعطا ابن عطا۔ حضرت ابو محمد مرتعش۔ حضرت ابوالحسن بزمی۔ حضرت تاج عارفاں۔ شیخ ابوبکر شبلی۔ شیخ ابوبکر ازموی۔ شیخ ابوالعباس القصاب آملی۔ شیخ ابو جعفر حداد۔ ابوالعباس سیاری۔ ابوالخیر سیاباتی اقطع جعفر جلدی۔ فارس بن عیسیٰ بغدادی۔ ابوالحسن خضری۔ ابوالخیر مالکی۔ عبداللہ خفیف۔ ابوعبداللہ صمی۔ عباس بن یوسف اشکلی۔ ابو یعقوب کوفی مظفر کرمان شاہی۔ ابوالعباس نہاوندی۔ لقمان سرخی۔ پیر ابوالفضل سرخی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری۔ شیخ الاسلام احمد جام۔ ابوالجد بستماسکی۔ احمد غزالی۔ فتحہ رحمت اللہ۔ برکہ۔ عین القضات ہمدانی۔ حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی، قطیب البیان موصلی۔ ابوالسعود سبیل۔ ابو یدہ مغربی۔ ابن العربی۔ نجم الدین کبریٰ۔ سعدالدین حموی۔ خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت فریدالدین گنج شکر۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین۔ شیخ عبداللہ بلبانی۔ مولانا جلال الدین رومی۔ شیخ صدرالدین خرنبوقی۔ شیخ شرف الدین مانی یعنی حضرت بوعلی قلندر۔ شمس الدین محمد کشی۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند۔ خواجہ عبداللہ احرار۔ بابالال موندیہ ہندو۔ پھر بعد میں اپنے دور کے بزرگوں اور پنڈتوں سے متشابہات جو سنے تھے ان کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ (نقل از نوٹس سید شاہ منظور حسین عرف فخر عالم مرحوم) جلد ۲۹ پروگریس ۱۹۲

۲ رسالہ مبداء و معاد مرتبہ عزیز بن محمد النسفی دو باب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب معرفت عالم کبیر تین اصولوں پر مبنی ہے۔ اول اہل شریعت، دوم اہل حکمت، سوم اہل وحدت۔ باب دو
عالم صغیر بھی تین اصولوں پر مبنی ہے۔ اول انسان و مراتب آں، دوئم انسان عالم صغیر است، سوم سلوک چیست
جلد ۲۷ پروگریس ۱۹۲ **رسالہ وجودیہ** مؤلفہ عبدالجلیل۔ یہ رسالہ در بیان اذکار و مراقبہ و مشاہدہ
مقامات و شرائط آنہا۔ فصل اول در شرائط۔ دوئم اذکار۔ سوم مراقبہ۔ چہارم مشاہدہ۔ پنجم مقامات۔ ششم سلوک۔
حجاب و مقام، ہشتم نیت سالک چیست۔ نہم نصیحت درویش۔ آخر کے اوراق سوختہ ہیں (بقلم شاہ فخر عالم مرحوم)
جلد ۸ پروگریس ۱۶۶ **جوابات مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری**، مرتبہ رفیع
مکتوبہ نسخہ ۱۰۷۰ھ۔ اس نسخہ میں سید یوسف محمود نے پچیس ۲۵ سوالات کئے تھے جس کا جواب حضرت مخدوم نے جو کچھ
مرتب نے ان جوابات کو مع سوال کے اس نسخہ میں جمع کر دیا ہے۔ فہرست سوال و جواب حسب ذیل ہے:
۱ روح کہاں رہتی ہے۔ ۲ جس جگہ روح رہتی ہے وہ آزاد ہے یا مقید۔ ۳ نیکوں اور شہیدوں
روحیں ایک جگہ رہتی ہیں یا علیحدہ۔ ۴ روحیں آپس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں یا نہیں۔ ۵ عذاب و ثواب روح کو
ہے یا بدن کو۔ ۶ روح کو زندگی کی خبر رہتی ہے یا نہیں۔ ۷ روح اپنے عزیزوں کی روحوں کو پہچانتی ہے یا نہیں
۸ کھانا یا تلاوت قرآن اگر کسی روح کے نام سے دیا جائے تو ان تک یہ چیزیں کس صورت میں پہونچتی ہیں۔ ۹ رو
ہے اور لوگوں پر جو روحیں مسلط ہوتی ہیں ان کی اصلیت کیا ہے۔ ۱۰ قیامت کے دن تمام اقربا ایک جگہ جمع ہونگے یا
۱۱ اگر کسی کا حق کسی پر رہ جائے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے اور قیامت کے دن کی پرسش سے بچنے کی
صورت ہے۔ ۱۲ کسی قبر کی زیارت کو جائیں تو کیا پڑھیں کیا کریں۔ ۱۳ کہا جاتا ہے کہ حرام کھانے سے دعا
نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں حرام خور دعا کرے یا نہ کرے۔ ۱۴ بسا اوقات لوگوں کو دقتوں اور خوف کا سامنا ہ
ایسا کیوں ہے۔ اور اس وقت کیا کرے۔ ۱۵ دین و دنیا کی پریشانیوں میں کیا کریں جو ان پریشانیوں سے بچا
۱۶ بعض لوگوں پر سکوت کی حالت طاری ہوتی ہے اس کے بعد وہ لوگوں کی حالتوں کو بتانا شروع کرتے ہیں یہ کیا ہے یا
۱۷ اکثر جسم کے حصے پھڑکنے لگتے ہیں اس سے اچھے و برے کے متعلق اثر لینا درست ہے یا نہیں اور ان باتوں پر عقیدہ ر
چاہیئے یا نہیں۔ ۱۸ مردوں کی روحیں جمعہ کی شب میں اپنے گھر اور قبر پر آتی ہیں یہ صحیح ہے یا غلط۔ ۱۹ مردوں سے جو
ہوتے ہیں وہ روح سے سوال ہوتا ہے یا بدن سے۔ ۲۰ مردوں سے سوالات مرنے کے بعد ہی ہوتے ہیں یا دفن
۲۱ جو لاشیں جل جاتی ہیں یا غرق ہو جاتی ہیں ان سے کس طرح سوال ہوتا ہے۔ ۲۲ جو خودکشی کرتا ہے اس کے اسلا
کیا ہوتا ہے۔ ۲۳ جو عورتیں بیوگی کے بعد یا طلاق کے بعد دوسری شادی کرتی ہیں وہ قیامت کے دن کس شوہر

ہیں گی۔ ۲۴ مُردوں سے جو خواب میں ملاقات ہوتی ہے اس سے ان ارواح پر کیا اثر ہوتا ہے۔ ۲۵ مُردوں کو جو
خواب میں کوئی دیکھتا ہے کہ تکلیف یا راحت میں ہیں! کیا یہ درست ہوتا ہے؟

جلد ۲۸ پروگریس ۱۹۲ **واردات الٰہی** مؤلفہ محمد علی بن لطف اللہ۔ اس نسخہ کے اوراق آخر میں غائب
ہیں (فخر عالم) یہ کتاب انتیس ۲۹ ابواب پر مشتمل ہے۔

۱ دربیان اول مخلوقات و افضل موجودات ۲ منزلت نبی کریم ۳ نعت سید المرسلین ۴ درامیت
آنحضرت صلعم ۵ در صفت مومن و حقیقت ایمان ۶ زیادت و نقصان ۷ حقیقت اسلام ۸ طہارت، غسل،
وضو اور نماز ۹ معرفت ذات و صفات و اسماء و افعال و اشیاء ۱۰ وطن اصلی ۱۱ لذت فراق و کیفیت وصل ۱۲
قضا و قدر ۱۳ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید و رفع اعتراض بعضے ۱۴ جملہ عالم یک صورت حق است ۱۵
حدود مراتب ۱۶ عجب و کیفیت ۱۷ ..... کرم خوردہ ۱۸ تارکیت و شناختن حلال و حرام ۱۹ احوال دنیا
۲۰ حکایت سلطان ابراہیم ادہم ۲۱ طلاق ۲۲ مقام رضا ۲۳ مرتبہ تسلیم ۲۴ تفسیر حدیث عرفت ربی
۲۵ حال عاشق ۲۶ تفسیر نفخ فی الصور فصعق ۲۷ صدور معصیت ۲۸ ذکر سماع سرود ۲۹ خاتمہ کتاب۔ افسوس
موجودہ نسخہ میں صرف باب نوع ۹ تک ہی موجود ہے۔ باقی اوراق غائب ہیں (نوٹ از فخر عالم)

جلد ۳۲ پروگریس ۲۰ **عین الحیات** مترجم محمد موسیٰ کالوانی عبدالرزاق۔ مترجم کا بیان ہے کہ مجھ کو
حضرت ابوبکر مسعود نے اشارہ فرمایا کہ میں عین الحیات جو عربی میں تھی فارسی میں ترجمہ کروں۔ کیوں کہ اس کتاب کا
عربی میں تھا جو سنسکرت سے ترجمہ کی گئی تھی جس کا ہندی نام کام دیپکا تھا۔ عربی میں ترجمہ کی حکایت
یہ نقل کی ہے لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے شہر لکھنوتی (مالدہ) کو فتح کیا اور علم اسلام وہاں گڑا تو ایک برہمن
جو وہاں کے جنگل سے نکل کر علمائے اسلام کے پاس مباحثہ کی غرض سے آیا جس کا نام بھوجو برہمن تھا۔ وہ جمعہ کے
دن جامع مسجد میں آیا اور علمائے سے سوال کیا کہ تمہارا سردار کہاں ہے۔ لوگوں نے قاضی القضات رکن الحق والدین سمرقندی
کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے ان سے سوال کیا کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ خدا کی۔ پھر اس نے
پوچھا تمہارا امام کون ہے؟ جواب ملا محمد رسول اللہ صلعم پوچھا تمہارے امام نے روح کے بارے میں کیا کہا ہے؟ جواب ملا کہ روح
کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ حکم خداوندی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ اسلام لے آیا اور بولا کہ یہی برہمائی اور کرشن
صلوات اللہ علیہما نے فرمایا ہے۔ اسلام لانے کے بعد وہ قاضی صاحب کے پاس تحصیل علم میں مشغول ہو گیا اور اتنا
علم حاصل کیا کہ اس کو فتویٰ دینے کی اجازت دی گئی۔ اسی پنڈت نے قاضی صاحب کو اس کتاب سے

مطالعہ کی طرف متوجہ کیا جو اس وقت تک ہندی میں تھی جس کو عربی میں منتقل کیا جو دس ابواب پر مشتمل ہے
باب اول :- در معرفت و کیفیت عالم خورد۔ باب دوم :- در معرفت اشرہا عالم خور
باب سوم :- کیفیت دل۔ باب چہارم :- ریاضت نفس۔ باب پنجم :- کیفیت نفس۔ باب ششم
محافظت آب منی۔ باب ہفتم :- وہم۔ باب ہشتم :- علامت موت۔ باب نہم :- مسخر گردانیدا
روحانی۔ باب دہم :- حکایت نفس۔

آخر میں لکھا ہے کہ اس کتاب کو نا اہلوں اور دنیا داروں کو پڑھنے اور دیکھنے کے لیے نہیں دیا جائے، کیونکہ ایسے لوگ اسکے مطالعہ سے ذلیل و خوار ہونگے۔ (نوٹ از فخر عالم مرحوم)

سوال و جواب

● جنابُ شاہ اسمعیل : مکتوبات عبدالجلیل کا ایک نسخہ علی گڑھ میں ہے اور وہاں عبدالجلیل عمر صدیقی کے نام سے ہے

ڈاکٹر سید وحید اشرف
مدراس یونیورسٹی مدراس

تصوف اسلامی پر ایک ہندوستانی کتاب

(لطائف اشرفی)

فارسی میں ملفوظ نگاری زیادہ تر صوفیہ کی مرہون منت رہی ہے۔ فارسی میں تصوف پر پہلی دو کتابوں[1] میں سے ایک ملفوظات ہی پر مشتمل ہے، جو طبقات الصوفیہ ہروی (امالی شیخ عبد اللہ انصاری ہروی متوفی سنہ ۴۸۱ھ) کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن امالی شیخ انصاری بھی ملفوظ کا پہلا نمونہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی اس کے نمونے ملتے ہیں[2]۔ ملفوظ نگاری کی روش ہندوستان میں سب سے زیادہ

---

[1] فارسی میں تصوف کی پہلی کتاب کشف المحجوب قرار دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکے مؤلف شیخ علی ہجویریؒ کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ مشہور ہے جبکہ شیخ عبد اللہ انصاریؒ کی وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی۔ لیکن شیخ علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں شیخ انصاری کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" استعمال کیا ہے جو ایسے اشخاص کے لیے مخصوص ہے جنکا وصال ہو چکا ہو، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ ہجویریؒ ۴۸۱ھ تک بقید حیات تھے اور شیخ انصاریؒ کی وفات آپ سے قبل ہو چکی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے سے ملاقات کا موقع نہیں ملا اور نہ ایک دوسرے کی کتاب ہی کا انکو علم ہو سکا۔ کشف المحجوب اور طبقات الصوفیہ ہروی کے صحیح سنہ تالیف بھی نہیں معلوم، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کونسی کتاب مقدم ہے اور کون موخر۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے اورینٹل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۶۳ء، تاریخ وفات ہجویریؒ از عبد الحی حبیبی)

[2] مثلاً امالی ابو علی قالی اور امالی ابو اسحاق زجاج (دیکھئے تاریخ ادبیات ایران، ج اول، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا)

مقبول ہوئی جس کی ابتداء ساتویں صدی ہجری میں حسن سجزی سے ہوئی جنہوں نے سب سے پہلے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کو فوائد الفواد کے نام سے ترتیب دیا۔ اگرچہ اس سے پہلے کے بھی کچھ ملفوظات کے نام لیے جاتے ہیں لیکن وہ مشتبہ اور ناقابل اعتبار ہیں۔ فوائد الفواد کے بعد بہت سے ملفوظات مرتب ہوئے[1]۔ آٹھویں صدی ہجری کے تصوف پر اہم ترین کتاب لطائف اشرفی ہے جو حضرت سید اشرف سمنانیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

لطائف اشرفی کا پورا نام یوں ملتا ہے: "لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی"، حالانکہ عربی ترکیب کے اعتبار سے اسے یوں ہونا چاہیے "اللطائف الاشرفیہ فی بیان طوائف الصوفیہ"۔ عام طور پر یہ لطائف اشرفی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب دو بار ہندوستان میں سید محمد اشرف حسین میاں اور سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی فیض آبادی کی کوششوں سے نصرت المطابع دہلی سے چھپ چکی ہے پہلی بار ایک جلد میں ۱۲۹۵ھ میں اور دوسری بار دو جلدوں میں ۱۲۹۸ھ میں، جو نہایت مغلوط ہے۔ اسی مغلوط نسخہ کی بنیاد پر اس کے چند لطائف کا اردو ترجمہ حکیم سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی نے کیا، جسے برکات چشتیہ کے نام سے سید محمد محدث کچھوچھوی نے رسالہ اشرفی کچھوچھہ میں بالاقساط شائع کیا تھا۔ اسی متن کا دوسرا ملخص ترجمہ سیرت الاشرف کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ان ہی نسخوں کی بنیاد پر حضرت سید اشرفؒ کی سوانح حیات پر مشتمل کئی کتابیں بھی مرتب ہوئی ہیں، جو غلط اطلاعات روایات سے پُر اور تحقیق کے معیار سے ساقط ہیں۔

اس کتاب کو حضرت سید اشرفؒ کے مرید و خلیفہ نظام الدین یمنی نے مرتب کیا۔ یمنی نے اپنا نام نظام غریب یمنی بھی لکھا ہے۔ یمنی کے لفظ سے دھوکا ہوتا ہے کہ آپ یمن کے رہنے والے تھے لیکن قیاس یہ ہے کہ آپ ایران ہی کے باشندہ تھے۔ یہ ممکن ہے کہ یمنی الاصل رہے ہوں لطائف اشرفی

---

[1] کچھ ملفوظات کا ذکر پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "خیر المجالس" کے مقدمہ میں کیا ہے۔

سے آپ کے بارے میں صرف اس قدر اطلاع ملتی ہے کہ آپ کی ملاقات حضرت سید اشرف سے یمن میں [illegible]ھ میں ہوئی اور اسی وقت سے وہ آپ کے ساتھ رہنے لگے،[1] یہاں تک کہ تیس سال کا عرصہ مسلسل آپ کی معیت میں گذرا،[2] یمنی کو فارسی اور عربی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی، لطائف اشرفی کے بعض ابواب اور تمہید آپ ہی کی تصنیف ہیں، آپ فارسی کے خوشگو شاعر بھی تھے، آپ کے متعدد اشعار لطائف اشرفی میں موجود ہیں،

نظام یمنی تمہید میں لکھتے ہیں :-

"مدتی مدید و عہدی بعید قریب سی سال در طریق قویم سبیل مستقیم آنحضرت در ملازمت معتکفان آستانۂ ارادت و ملازمان جناب مودت ہم کاسہ سکان اوی بودم"

اس تیس سال سے مراد غالباً [illegible]ھ سے [illegible]ھ تک کا زمانہ ہے جو مسلسل سفر میں گذرا، کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی آپ اپنے مرشد کے ساتھ رہے تھے، لطائف اشرفی صرف [illegible]ھ تک کے ملفوظات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد کے بھی ملفوظ اس میں شامل ہیں، نظام یمنی تمہید میں لکھتے ہیں:

"در اثنای این .... در ضمیر دل .... القا کرد کہ بعضی از انفاس نفیسہ و الفاظ متبرکہ و شمہ ای از لطائف معارف و ظرائف کواشف و احوال مقامات شریفہ و انزال کرامات عجیبہ حضرت قدوۃ الکبریٰ از بدو تا انتہا اصدار یافت .... بیان باید کرد۔"

اس میں کچھ ابواب ایسے بھی ہیں جو حقیقت میں حضرت سید اشرف کے ملفوظ نہیں ہیں اور آپ کی وفات کے بعد اضافہ کیے گئے ہیں لیکن یہ بھی آپ کے اقوال سے بالکل ہی خالی

---

[1] لطائف اشرفی ج اول ص ۲ [2] ایضاً ج دوم ص ۱۰۱

نہیں ہیں، یہ ابواب آپ کی بیماری اور وفات اور آپکے چند مشہور خلفاء کے تذکروں پر مشتمل ہیں۔[۱]

یہ کتاب ایک تمہیدی باب، مقدمہ اور ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے جنھیں لطائف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تتمہ بھی تھا جو اب نہیں پایا جاتا،

مکتوبات اشرفی (جو حضرت سید اشرفؒ کے خطوط کا مجموعہ ہے) سے پتہ چلتا ہے کہ لطائف اشرفی ۸۰۸ھ سے قبل اس نام سے وجود میں آچکی تھی اور آپکے ملفوظات کی ترتیب مختلف لطائف کے تحت دیدی گئی تھی، اگرچہ اس میں اضافہ آپ کی وفات اور اسکے بعد تک ہوتا رہا، کیونکہ ان خطوط میں لطائف اشرفی کا جگہ جگہ حوالہ ملتا ہے اور یہ خطوط ۸۰۸ھ کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں۔[۲] ان خطوط میں مریدین کو تصوف اور شریعت کے مسائل میں لطائف اشرفی سے رجوع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لطائف اشرفی آپ کی زندگی ہی میں ملک کے مختلف حصوں میں پہنچ گئی تھی، آج بھی اگرچہ اس کا کوئی قدیم اور کلیۃً معتبر نسخہ دریافت نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کے متعدد نسخے ملک کی مختلف لائبریریوں نیز شخصی ملکیت میں موجود ہیں،

کتاب کی تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ اکثر کوئی شخص کوئی مسئلہ پیش کرتا، اس کے جواب میں حضرت سید اشرفؒ جو کچھ ارشاد فرماتے نظام یمنی اس کو قلمبند کر لیتے[۳] حضرت سید اشرفؒ

---

[۱] نظام یمنی خود تمہید میں لکھتے ہیں :- " شمۂ بیان سیرت و روش مرضیہ و اصدار مقامات و خوارق عادات حضرت مخدوم زادہ زادہ اللہ تعالیٰ اعطاءہ وطوارق و ارادت حسب سجادہ کہ بعد از رحلت حضرت قدوۃ الکبریٰ صادر شدہ در ذیل ایں لطائف شریفہ و ظرایف لطیفہ در آمدہ ..... "

[۲] مثلاً مکتوب نمبر ۹، ۱۹، ۳۲، ۳۰، وغیرہ [۳] مقدمۂ مکتوبات اشرفی

کے سامنے پیش کر دیتے، آپ اس کی تصدیق فرما دیتے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیتے، اس طرح یہ کتاب آپ کی براہ راست تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ نظام یمنی تمہید میں لکھتے ہیں:-

"..... آنچہ قابلِ ضبط ذہن و حاملِ فکر ایں ممتحن بود در قیدِ کتابت آورده بنظورِ اطلاع انظار مخدومی دیجضور استماع احضار معصومی گزرانیده و از اول تا آخر ورق ورق گردانیده و بلکہ اکثر عین الفاظ شریفہ و اقوال صریحۂ ایشان با مضمون متولہ بنوک قلم رسانیده ......"

اس کتاب میں بنیادی طور پر تصوف کے مسائل پر بحث ہے، لیکن ادبی اور تاریخی اعتبار سے بھی وہ خاص اہمیت کی حامل ہے۔ تصوف اور شریعت کے مسائل کی تشریح قرآن و حدیث کی روشنی میں کی گئی ہے، اس طرح یہ کتاب اس اصول کی تفسیر پیش کرتی ہے کہ طریقت شریعت سے الگ نہیں، اپنے نظریہ کی تائید میں حضرت سید اشرفؒ نے صوفیہ اور علماء کے اقوال بھی پیش کیے ہیں، متنازعہ مسائل کے بارے میں دلائل کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کی توضیح اور عقیدۂ وحدت الوجود کی پرزور حمایت کی ہے، صوفیہ اور کچھ صوفی شعرا کے تذکروں پر مشتمل الگ الگ باب ہیں، دو ابواب تصوف کی اصطلاحات اور کچھ پیچیدہ صوفیانہ اشعار کی تشریح پر ہیں۔ اس کتاب سے امرار اور بادشاہوں سے حضرت سید اشرف کے تعلقات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے، اس طرح یہ کتاب صوفی، عالم، تاریخ ادبیات فارسی اور ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی تاریخ کے طالب علم کیلئے بھی دلچسپ اور مفید ہو گئی ہے۔

تصوف اور شریعت کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے قرآن و حدیث، فقہ اور کتب صوفیہ سے دلائل پیش کئے گئے ہیں، بعض تاریخی کتابوں کے حوالے بھی ملتے ہیں، مثلاً تاریخ طبری، طبقات ناصری، اور ترجمہ یمینی وغیرہ، ایک، مباحث ضمن میں شعرا کے کلام بھی بکثرت پیش کئے گئے ہیں، ان میں حافظ، سعدی، مولانا روم، نظامی گنجوی، ابوسعید ابی الخیر،

نجم الدین دایہ رازی، عراقی، محمود شبستری کے اشعار زیادہ نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب تصوف کی مستند کتابوں پر مبنی ہے۔ تصوف کی بعض کتابیں اسکے اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں، بعض ماخذ کی حیثیت سے دوسرے درجہ پر اہمیت رکھتی ہیں۔ اور بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن سے کچھ اقتباسات پیش کیے گئے ہیں یا ان کے حوالے دیے گئے ہیں۔ دوسری اور تیسری قسم کی کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

بزدویین از ابوالحسن علی بن محمد بزدوی، جامع العلوم از امام فخر رازی، شرح فصوص الحکم از مؤید الدین جندی، نوادر الاصول از محمد بن علی الحکیم ترمذی، اعلام الہدیٰ از شہاب الدین سہروردی (؟) تالیف حضرت بہاء الدین نقشبندی (کتاب کا نام نہیں دیا ہے)۔ فوائد الفواد مرتبہ حسن سجزی، مطلع الایمان، شیخ صدر الدین قونیوی، قواعد العقائد امام غزالی، مرصاد العباد نجم الدین دایہ، صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی، تذکرۃ الاولیاء عطار اور لمعات عراقی وغیرہ۔

وہ کتابیں جو لطائف اشرفی کے اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے:

(۱) رسالۂ قشیریہ :- تصوف اور تذکرۂ صوفیہ پر بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے جو ۴۳۸ھ میں لکھی گئی، اس کے مؤلف امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری[1] ہیں۔

---

[1] عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ النیشاپوری القشیری، بنی قشیر ابن کعب سے تھے۔ کنیت ابوالقاسم اور زین الاسلام و شیخ خراسان کے القاب سے معروف تھے۔ سلطان الپ ارسلان آپ کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ آپ ابوالمعالی جوینی استاد امام غزالی کے استاد تھے، اور شیخ ابوعلی دقاق کے شاگردوں میں تھے۔ رسالۂ قشیریہ کے علاوہ آپ کی دوسری تصانیف یہ ہیں: لطائف الاشارات، التیسیر فی التفسیر، التفسیر الکبیر۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۳۷۶ھ اور تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہے۔
(دیکھئے تاریخ بغداد ۱۱: ۸۳، المنتظم ۸: ۲۸۰، نفحات الانس ۳۱۳، لطائف اشرفی لطیفہ پانزدہم)

اس کی کئی حکایات اور بہت سے اقتباسات لطائف اشرفی میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں ۵۲ ابواب اور تین فصول ہیں، ایک فصل تذکرۂ صوفیہ پر مشتمل ہے، جن میں تراسی (۸۳) صوفیہ کے تذکرے ہیں۔

رسالۂ قشیری کے فارسی ترجمے بھی پائے جاتے ہیں، اس کا ایک ترجمہ امام قشیری کی زندگی ہی میں ان کے شاگرد خواجہ امام ابوعلی بن احمد عثمانی نے کیا تھا جس کے قلمی نسخے اب بھی موجود ہیں، اس کی زبان نہایت سقیم ہے، اس لیے اس کے سلیس ترجمہ کی طرف توجہ کی گئی اور چھٹی صدی ہجری میں ابوالفتوح عبدالرحمٰن بن محمد نیشاپوری نے اس کا دوسرا ترجمہ کیا[1]۔

اس رسالہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں، جن میں سے ایک شرح زکریا انصاری نے "احکام الدلالۃ علی تحریر الرسالۃ" کے نام سے لکھی اور دوسری سدید الدین بن عبد المعطی نے "الدلالۃ علی فوائد الرسالۃ" کے نام سے[2]۔ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں بھی ہوا ہے جو ۱۹۱۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ عوارف المعارف: یہ شیخ شہاب الدین سہروردی[3] کی تصنیف ہے، یہ کتاب بھی

---

[1] دیکھئے تاریخ ادبیات ایران ج اول از ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، القاموس الاسلامی ج ۲ از احمد عطیۃ اللہ

[3] شہاب الدین سہروردی کے نام سے دو شخصیتیں مشہور رہی ہیں، ایک عوارف المعارف کے مصنف شیخ الاسلام شہاب الدین عمر (۵۳۹ھ - ۶۳۲ھ)، دوسرے شہاب الدین ابوالفتح یحییٰ بن حبش بن امیرک جو شیخ اشراق اور شیخ مقتول کے نام سے مشہور رہیں، ان کا شمار چھٹی صدی ہجری کے اشراقی حکماء میں ہوتا ہے، اپنے فلسفیانہ افکار کے جرم میں ۵۸۷ھ میں قتل کر دیئے گئے، کتاب حکمت الاشراق، تلویحات، مطارحات، ہیاکل النور آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (دیکھئے وفیات الاعیان ۲: ۲۶۱، مراۃ الجنان ۳: ۴۳۴، اعلام النبلاء ۴: ۲۹۲ وغیرہ)

(باقی حاشیہ ص ۴۴۶ پر)

تصوف اسلامی پر بنیادی اہمیت کی حامل ہے، صوفیہ کے تمام حلقوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، حضرت سید اشرفؒ نے بھی اس کی شرح لکھی تھی، اس کا کے فارسی ترجمے بھی پڑھے تھے۔ مثلاً عز الدین محمود کاشانی کا ترجمہ موسوم بہ مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ اور نجیب الدین علی بن مزغش شیرازی کا ترجمہ معارف العوارف۔ اول الذکر ترجمہ سے لطائف اشرفی میں بہت استفادہ کیا گیا ہے، جس کا ذکر آئے گا۔

ان دونوں ترجموں کے علاوہ بھی اس کتاب کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں، جن میں سے دو سب سے زیادہ قدیم ہیں، ایک ترجمہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی وفات کے دس سال کے اندر اُچہ میں ہوا، اور دوسرا تینتیس سال بعد غالباً اصفہان میں ہوا،

اول الذکر ترجمہ سب سے قدیم ہے، مترجم کا نام قاسم داؤد ہے، یہ ترجمہ سلطان تاج الدین ابوبکر

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۲) شیخ شہاب الدین سہروردی کا شمار بزرگ ترین صوفیہ میں ہوتا ہے، آپ شافعی مسلک کے پیرو تھے، سلسلۂ نسب خلیفۂ اول تک پہنچتا ہے، اپنے چچا شیخ عبد القاہر ابوالنجیب سہروردی (م ۵۶۳ھ) سے علوم ظاہری اور باطنی کی تعلیم حاصل کی، اس کے علاوہ فقہ اور حدیث میں ابوالقاسم بن فضلان وابوالمظفر ہبۃ اللہ و معمر بن فاخر وابوذرعہ مقدسی اور ابوالفتوح طائی وغیرہ سے بھی تلمذ حاصل ہے طریق تصوف میں شیخ عبد القادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) اور شیخ ابوالسعود بغدادی (م ۵۷۹ھ) سے بھی فیض حاصل کیا، شیخ سعدی آپ کے معتقدین میں تھے، عوارف المعارف آپ کی مشہور ترین تصنیف ہے، اس کے علاوہ آپ کا ایک رسالہ "جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب" بھی طبع ہو چکا ہے، دوسری تصانیف "نخبۃ البیان فی تفسیر القرآن" اور "السیر والطیر" (رسالہ) ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ (دیکھئے وفیات الاعیان ج ۱، ص ۳۸۰، شذرات ج ۵ ص ۱۵۳، طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۴۳، وغیرہ)

(۶۳۹ھ – ۶۳۲ھ) کے حکم اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) کی اجازت سے بظاہر ۶۲۳ھ اور ۶۲۴ھ کے درمیان اُچہ میں ہوا، جو تاج الدین ابوبکر کا مستقر تھا، اس ترجمہ کا واحد نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد میں ہے،

دوسرا قدیم ترجمہ ۶۶۵ھ میں ہوا، مترجم کا نام اسمٰعیل بن عبدالمومن بن ابی منصور اصفہانی ہے، اس کا واحد نسخہ برٹش میوزیم میں نئے حاصل کیے ہوئے مخطوطات میں ہے، مترجم شیخ المشائخ زین الدین حجۃ الاسلام عبدالسلام کا مرید تھا، یہ مخطوطہ ۱۲۳ اوراق پر مشتمل اور ۶۳ ابواب (اتنی ہی تعداد عوارف میں بھی ہے) میں منقسم ہے۔[1]

عوارف المعارف کا ایک ترجمہ ظہیر الدین عبدالرحمٰن بن نجیب الدین بزغش شیرازی (م ۷۱۶ھ) کے پوتے جنید بن فضل اللہ نے بھی کیا تھا جس کا ایک مخطوطہ برلن میں ہے۔[2]

(۳) **طبقات الصوفیہ**۔ اس نام کی متعدد کتابوں کا ذکر ملتا ہے، جن میں سے دو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک عربی میں عبدالرحمٰن سُلمی[3] کی تالیف ہے اور دوسری

---

[1] دیکھئے فکر و نظر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جولائی ۱۹۶۳ء "عوارف المعارف کے قدیم فارسی ترجمے" از پروفیسر نذیر احمد [2] کیٹلاگ مخطوطات فارسی دانشگاہ کیمبرج ج ص ۸۰ [3] محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ ازدی السلمی نیشاپوری، کنیت ابو عبدالرحمٰن، خراسان کے مشہور مفسر، محدث اور صوفی تھے، ۳۲۵ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے اور ۴۱۲ھ میں وفات پائی، ۳۴۰ھ کے بعد پچاس سال سے زیادہ عرصہ تالیف و تصنیف میں گذارا، تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے، جن میں سے حسب ذیل چھپ چکی ہیں، طبقات الصوفیہ (۳۵۰ھ کے بعد کی تالیف ہے)، کتاب الاربعین فی الحدیث اور رسالۃ الملامتیہ، دوسری تصانیف یہ پائی جاتی ہیں:- حقائق التفسیر، مقدمہ فی التصوف، مناہج العارفین، رسالہ فی غلطات الصوفیہ، آداب الفقر والشرائط، بیان زلل الفقراء، ومناقب اودابہم، الفتوۃ، آداب الصحبۃ (باقی ص ۴۴۷ پر)

فارسی میں ابواسمٰعیل[1] عبداللہ انصاری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے ان کے کسی مرید نے جمع کیا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۲) السؤالات، سلوک العارفین، عیوب النفس ومداواتہا۔ الفرق بین الشریعت والحقیقت، آداب الصوفیہ، درجات المعاملات۔ (دیکھئے طبقات الصوفیہ مقدمہ نورالدین شریبہ مفتاح السعادت ج ۱ ص ۱۵۴، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۹۴، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۸)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] شیخ الاسلام ابواسمٰعیل عبداللہ بن ابی منصور محمد الانصاری ہروی ۲ شعبان ۳۹۶ھ کو ہرات میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ذی الحجہ ۴۸۱ھ میں وہیں وفات پائی، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے، جو حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہرات میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، آپکا شمار خراسان کے بزرگ ترین صوفیہ اور علماء میں ہوتا ہے، خود آپکے قول کے مطابق آپ کو تین لاکھ حدیثیں ہزار ہزار اسناد کے ساتھ یاد تھیں جنھیں آپنے تین سو محدثین سے نقل کیا تھا، آپنے نیشاپور کے قاضی ابوبکر حیری سے کوئی حدیث صرف اسلیے قبول نہیں کی کہ وہ متکلم اور اشعری مسلک سے تعلق رکھتے تھے، علم تفسیر میں آپ خواجہ امام یحیٰی عمار کے شاگرد تھے، خود فرماتے ہیں کہ اگر خواجہ عمار نہ ہوتے تو علم تفسیر میں میں لب کشائی نہیں کرسکتا تھا۔ جب آپ کی عمر ۱۴ سال کی تھی خواجہ عمار نے آپکے بارے میں فرمایا تھا "از وی بوی امامی می آید" آپ کو کم وبیش ایک لاکھ اشعار شعراء عرب کے زبانی یاد تھے، تحصیل علم سے شغف کا یہ عالم تھا کہ صبح کو ناشتہ کرکے مطالعہ وتحریر میں اس طرح غرق ہوجاتے کہ اکثر کھانے کا خیال نہ رہتا اور تحریر کے دوران آپ کی ماں آپ کے منہ میں لقمہ ڈالتی تھیں، عربی اور فارسی میں متعدد تصانیف اور اشعار آپ سے منسوب ہیں، بعض تالیفات ملفوظ کی شکل میں مدون ہوئیں، ان میں سے ایک طبقات الصوفیہ ہروی ہے، آپ کی تفسیر قرآن کشف الاسرار وعدۃ الابرار بھی چھپ چکی ہے۔

(نفحات الانس بتصحیح مہدی توحید پور ص ۳۳۱، طبقات الصوفیہ ہروی مقدمہ عبدالحی حبیبی)

جمع کیا، یہاں موخر الذکر سے مراد ہے۔ لطائف اشرفی میں اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

طبقات الصوفیہ ہروی بھی تصوف کی بہت سی کتابوں پر مبنی ہے، اس کا اصل ماخذ طبقات الصوفیہ سلمی ہے، لیکن جن دوسری کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:
تاریخ سلمی، کتاب زہد از سہل بن عاصم، کتاب احمد بن الحواری، جزو در نکتہ ہای توحید از ابوسعید ابن الاعرابی، محبت الطرائف از ابوعمر نوقانی، اعتقاد از ابراہیم خواص، اسامی مشائخ فارس از ابوعبد اللہ خفیف، لمع ابوبکر مفید، نسخ الخاص و کتاب معرفت و اربعین صوفیان از ابو منصور معمر اصفہانی، اربعین مشائخ از شیخ بوسعید مالینی، مقامات شیخ الاسلام انصاری (یہ شیخ انصاری کی تالیف تھی جس کے بہت سے مضامین ابن رجب نے طبقات الصوفیہ میں شامل کر دیے تھے) تاریخ وحکایات از ابوبکر محمد بکندی معاصر شیخ الاسلام (متوفی ۴۳۴ھ)، سیرت شیخ کبیر ابوعبد اللہ محمد بن الخفیف متوفی ۳۷۱ھ تالیف ابوالحسن علی بن محمد دیلمی شاگرد ابن خفیف، یہ کتاب اواخر قرن چہارم میں لکھی گئی اور فارسی میں اس کا ترجمہ رکن الدین یحییٰ بن جنید شیرازی نے کیا۔[1]

(۴) **کشف المحجوب**۔ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں ہے، یہ شیخ علی ہجویری[2] کی تالیف ہے۔

---

[1] طبقات الصوفیہ ہروی، مقدمہ عبدالحی حبیبی [2] ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الہجویری الغزنوی قرن پنجم ہجری کے کبار صوفیہ میں سے تھے، طریقت میں ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کے شاگرد تھے۔ ابوالعباس شقانی سے بھی کسب علم کیا، شقانی ان مشائخ میں سے تھے جو منصور حلاج کے طرفدار ول میں تھے اور جلابی نے بھی منصور حلاج کی پرزور حمایت کی ہے، انہوں نے ابوالقاسم گرگانی، ابوالقاسم قشیری اور ابواحمد المظفر بن حمدان سے بھی فیض صحبت حاصل کیا تھا، کشف المحجوب آپ کا آخری شاہکار ہے (باقی حاشیہ ص ۴۵۰ پر)

لطائف اشرفی کے بعض ابواب کشف المحجوب ہی کے بیان پر مبنی ہیں، یہ کتاب ابوسعید ہجویری کی استدعا پر لکھی گئی تھی، اس کتاب کی تصنیف میں قرآن وحدیث کے علاوہ بہت سے صوفیائے کرام کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اور ان کے حوالے دیئے ہیں، مثلاً تاریخ اہل صفا ابوعبدالرحمٰن سلمی، طبقات الصوفیہ سلمی، کتاب سماع سلمی، رسالۂ قشیریہ، کتاب محبت عمرو عثمان مکی، کتاب اللمع ابونصر سراج، تاریخ المشائخ محمد بن علی ترمذی، تصانیف پنجاہ گانہ حسین بن منصور حلاج، تصحیح الارادہ جنید بغدادی، کتاب رعایت حارث محاسبی وغیرہ۔[1]

(۵) احیاء العلوم :- یہ امام غزالی[2] کی مشہور ترین تصنیف ہے، یہ کتاب دمشق یا بیت المقدس

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۹) اس کتاب کے آپ کے متعدد منثور ومنظوم آثار کا پتہ چلتا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے۔

دیوان شعر، کتاب فنا وبقا، اسرار الخلق والمئونات، الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ، کتاب البیان لاہل العیان، نحو القلوب، منہاج الدین، ایمان، فرق فرق۔ (کشف المحجوب مقدمہ ژوکوفسکی)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] کشف المحجوب مقدمہ ژوکوفسکی۔ [2] امام ابوحامد محمد غزالی طوسی ۴۵۰ھ طوس میں پیدا ہوئے، والد محمد بن محمد بافندگی کا پیشہ کرتے تھے، ان کے دوسرے بیٹے کا نام احمد تھا، باپ کی وفات کے بعد ان دونوں نے ابوحامد احمد بن محمد راذکانی کے زیر تربیت تعلیم پائی، پھر امام الحرمین ابوالمعالی جوینی شافعی کی شاگردی اختیار کی، پینتیس سال کی عمر میں ۴۸۴ھ سے چار سال تک بغداد میں مدرسۂ نظامیہ میں درس دیتے رہے، پھر یہ شغل ترک کرکے دس سال تک شام وحجاز اور بیت المقدس میں رہے اور زہد وریاضت اور تالیف وتصنیف میں مصروف رہے، احیاء العلوم اسی سفر کی یادگار ہے ۴۹۹ھ میں طوس واپس ہوئے اور سلطان سنجر کی درخواست پر نیشاپور میں درس دینا منظور کرلیا لیکن دو سال کے بعد پھر درس وتدریس ترک کرکے طوس میں عزلت نشین ہوگئے اور وہیں ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ (دیکھئے غزالی نامہ جلال ہمائی، تاریخ ادبیات ایران ج اول ذبیح اللہ صفا، الغزالی شبلی نعمانی وغیرہ)

میں شام اور بیت المقدس کے سفر میں لکھی گئی، یہ چار حصوں میں منقسم ہے، عبادات، عادات، مہلکات اور منجیات، ہر حصہ میں دس فصلیں ہیں، شروع ہی سے اس کتاب کے مخالفین اور موافقین کی جماعتیں پیدا ہونا شروع ہوگئیں، اس کتاب کی تلخیص، تخریج، اس پر اعتراضات اور اعتراضات کے جواب میں متعدد کتابیں لکھی گئیں، اس کا خلاصہ سب سے پہلے خود امام غزالی نے المرشد الامین الی موعظۃ المتقین کے نام سے کیا، اس کے بعد ان کے بھائی احمد غزالی نے لباب الاحیاء کے نام سے اس کا خلاصہ کیا، پھر متعدد خلاصے لکھے گئے،

اس کتاب پر اعتراضات کے جواب میں سب سے پہلے خود امام غزالی نے کتاب الاملاء علی مشکل الاحیاء اور کتاب الانتصار لما فی الاحیاء من الاسرار لکھیں، اس کے بعد قطب شعرانی نے کتاب الاجوبۃ المرضیہ، ابن قیم کے اعتراضات کے جواب میں لکھی،

اس کتاب کی تائید میں اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں، اس کی نقل کردہ احادیث کی شرح میں امام زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی نے حمل الاسفار لکھی، ان کے شاگرد شہاب الدین بن حجر عسقلانی نے اس پر استدراک لکھا، تحفۃ الاحیاء فیما فات من تخاریج الاحادیث الاحیاء از شیخ قاسم حنفی، کتاب اتحاف السادۃ المتقین از سید محمد حسینی معروف بہ مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵ھ - ۱۲۰۵ھ) (یہ کتاب دوبار قاہرہ سے طبع ہوچکی ہے، پہلی بار تیرہ جلدوں میں اور دوسری بار دس جلدوں میں)، کتاب روح الاحیاء از ابن یونس وغیرہ لکھی گئی۔[1]

(۶) **فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ:** یہ دونوں کتابیں شیخ محی الدین اکبر (م ۶۳۸ھ)[2]

---

[1] غزالی از مولانا شبلی [2] محمد بن علی بن محمد ابن العربی، ابوبکر الحاتمی الطائی الاندلسی المعروف بمحی الدین، الملقب بشیخ اکبر، مرسیہ میں ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے، وہاں سے اشبیلیہ آئے اور شام،

(باقی حاشیہ ص ۴۵۲ پر)

کی تصانیف ہیں، اور دونوں تصوف کی اہم ترین کتابوں میں ہیں، فتوحات مکیہ ضخیم کتاب ہے، جو ۶۲۹ھ میں تکمیل کو پہنچی، فصوص الحکم وحدۃ الوجود پر عقیدہ رکھنے والے صوفیوں کے لیے تصوف اسلامی پر بنیادی کتاب ہے، اس کتاب کے متعلق بھی صوفیہ میں بڑے اختلافات رہے ہیں، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، اس کتاب پر مبنی حضرت سید اشرفؒ نے ایک کتاب مرأۃ الحقائق کے نام سے تالیف کی تھی جو اب ناپید ہے، نظام یمنی نے اس کتاب کے کچھ اجزاء لطائف اشرفی میں اصطلاحات صوفیہ کے نام سے شامل کیے ہیں، اس کے علاوہ بھی اس سے متعدد جگہ استفادہ کیا گیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۱) دوم عراق، و حجاز کا سفر کیا، آپ کے بعض شطحیات کی وجہ سے آپ کے بہت مخالفین پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے آپ کو قید و بند کی مصیبت جھیلنی پڑی، پھر ایک شخص علی بن فتح البجائی کی کوششوں سے قید سے رہا ہوئے، اس کے بعد دمشق میں مقیم ہو گئے اور وہیں وفات پائی، نسبت ارادت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل کی، آپ کا شمار ائمہ متکلمین میں ہوتا ہے، ذہبی نے آپ کو قدوۃ القائلین بوحدۃ الوجود لکھا ہے، آپ کی تصنیفات کی تعداد باختلاف روایت چار سو سے پانسو تک پہنچتی ہے، جن میں سے مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہو چکی ہیں:-

(۱) الفتوحات المکیہ (دس جلدوں میں) (۲) محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار (دو جلدوں میں) (۳) دیوان شعر (۴) فصوص الحکم (۵) مفاتیح الغیب (۶) التعریفات (۷) مختارہ (۸) انشاء الدوائر (۹) کنہ ما لا بد للمرید منہ (۱۰) مواقع النجوم و مطالع اہلۃ الاسرار والعلوم (۱۱) الانوار (۱۲) شجرۃ الکون (۱۳) فتح الذخائر والاغلاق (۱۴) عقلۃ المستوفز (۱۵) التجلیات (۱۶) الاربعون صحیفۃ من الاحادیث القدسیہ۔ (دیکھیے فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۴۱، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۰۸، لسان المیزان ج ۵ ص ۳۱۱، شذرات الذہب ج ۵ ص ۱۹۰، مرأۃ الجنان ج ۴ ص ۱۰۰

(۷) ترجمۂ عوارف :- اس سے مراد مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایہ ہے، اگرچہ اس کتاب کا نام لطائف اشرفی میں نہیں ملتا لیکن لطائف اشرفی کا اس کتاب سے مقابلہ کرنے پر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمۂ عوارف سے مراد ترجمۂ عزالدین محمود کاشانی[1] ہے جو مصباح الہدایہ ومفتاح الکفایہ کے نام سے موسوم ہے، اس کے بعض ابواب کی عبارتیں لطائف اشرفی میں لفظ بلفظ ملتی ہیں،

مصباح الہدایہ کا ذکر عوارف المعارف کے فارسی ترجمہ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ کتاب اس کا براہ راست ترجمہ نہیں ہے، بلکہ اس کے اکثر مضامین اس میں شامل ہیں، کہیں صرف ترجمہ ہے اور کہیں اس کے مطالب کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہیں ایجاز ہے اور کہیں اطناب، شیخ سہروردی کی بیان کردہ حکایات اور روایات کو بھی اکثر نظر انداز کر دیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب اور فصول کے قائم کرنے کا طرز بھی جداگانہ ہے،

---

[1] شیخ عزالدین محمود بن علی کاشانی (م ۷۳۵ھ) کا شمار ایران کے آٹھویں صدی ہجری کے مشہور علماء وصوفیہ میں ہوتا ہے۔ آپ سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مشہور بزرگ نورالدین عبدالصمد ابن علی الاصفہانی نطنزی (م ۶۹۹ھ) کے شاگرد اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے شیخ ظہیرالدین عبدالرحمٰن ابن شیخ نجیب الدین علی بن بزغش شیرازی (م ۷۱۶ھ) سے بھی فیض صحبت حاصل کیا۔ (نفحات الانس، تصحیح مہدی توحیدی پور، ص ۴۸۱)

شیخ نورالدین عبدالصمد اور شیخ ظہیرالدین عبدالرحمٰن دونوں ہی شیخ نجیب الدین علی بن بزغش شیرازی کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور شیخ نجیب الدین شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۳۹ھ - ۶۳۲ھ) کے شاگردوں میں سے تھے۔

(نفحات الانس ص ۴۸۰، ۴۷۷، ۴۷۳)

(۸) **چہل مجلس اور العروہ** :- العروہ کا پورا نام، عروہ لاہل الخلوہ والجلوہ ہے یہ شیخ علاء الدولہ[1] سمنانی کی تصنیف ہے، جو ۷۲۲ھ میں لکھی گئی۔ چہل مجلس شیخ علاء الدولہ سمنانی کے

---

[1] احمد بن محمد بن احمد بن محمد بیابانکی ملقب بہ علاء الدولہ و رکن الدین و ابو المکارم، سمنان کے ایک قریہ بیابانک میں ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ سال کی عمر میں ۲۲ رجب ۷۳۶ھ کو وفات پائی، اور سمنان کے قریہ صوفی آباد میں مدفون ہوئے، ان کے والد محمد ملقب بہ ملک شرف الدین غازان (۶۹۴ھ۔ ۷۰۳ھ) کے عہد حکومت میں ذی الحجہ ۶۹۳ھ سے ذیقعدہ ۶۹۵ھ تک وزارت کے عہدہ پر فائز رہے۔ چچا ملک جلال الدین اور ماموں رکن الدین صائن، ارغون خاں (۶۸۳ھ۔ ۶۹۰ھ) کے وزراء میں تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں شیخ علاء الدولہ اپنے چچا ملک جلال الدین کے توسط سے ارغون خاں کے دربار میں داخل ہوئے اور دیوانی کے فرائض انجام دینے لگے، اپنی لیاقت اور فہم کے سبب بادشاہ کے خاص منظور نظر ہوگئے۔ ۶۸۳ھ میں ۲۴ سال کی عمر میں شاہی ملازمت ترک کرکے راہ سلوک اختیار کی، ۶۸۶ھ میں شیخ عبد الرحمن اسفرائینی سے نسبت ارادت حاصل کی آپ کا شمار وقت کے مشاہیر صوفیہ میں تھا، اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں :-

هر رند که در مصطبه مسکن دارد | بوی ز من سوخته خرمن دارد
هر جا که سیه گلیم و آشفته دلی ست | شاگرد من است و خرقه از من دارد

آپ کی متعدد منثور و منظوم تصنیفات ہیں، الدرر الکامنہ میں آپ کی تصانیف کی تعداد ۳۰۰ تک بتائی گئی ہے، جن میں سے صرف یہ کتابیں پائی جاتی ہیں :-

(۱) مطلع النطق و مجمع اللفظ (عربی)، اس میں قرآن کی بعض سورتوں کی تفسیر صوفیانہ انداز میں ہے، (۲) سر البال فی اطوار سلوک اہل الحال (فارسی) مختصر رسالہ ہے، (۳) سلوۃ العاشقین ایک مختصر رسالہ ہے (۴) مشارع ابواب القدس و مراتع اهل الانس (عربی) اسکا موضوع حکمت و کلام ہے۔

(باقی حاشیہ ص ۲۰۳ پر)

ملفوظات کا ایک مختصر مجموعہ ہے جسے لشکریشیخ اقبال سیستانی نے جمع کیا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں حضرت سید اشرف خود شیخ علاء الدولہ سمنانی کی صحبت میں رہ چکے تھے، اور آپ نے ان سے سلوک کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، لطائف اشرفی میں شیخ علاء الدولہ کے جو اقوال و بیانات ہیں وہ شیخ کی دونوں مذکورہ کتابوں میں لفظ بلفظ ملتے ہیں، اگرچہ ان دونوں کتابوں کا کہیں نام نہیں لیا گیا ہے، البتہ العروہ کا نام صرف ایک جگہ آپکے مکتوب میں ملتا ہے۔

(۹) **روض الریاحین فی حکایات الصالحین**:۔ یہ امام عبد اللہ[1] یافعی کی تصنیف ہے، لطائف اشرفی میں صرف مصنف کا نام لیا ہے، تصنیف کا نام نہیں بتایا گیا ہے، لیکن لطائف اشرفی اور روض الریاحین کے تقابلی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ امام یافعی کی کتاب سے مراد روض الریاحین ہی ہے، اس کتاب کے اقتباسات لفظ بلفظ لطائف اشرفی میں ملتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۴) (۵) مناظر المحاضر للمناظر الحاضر (عربی) یہ رسالہ واقعۂ غدیر خم وغیرہ پر لکھا گیا ہے۔ (۶) العروہ لاہل الخلوۃ والجلوۃ (فارسی) تصوف پر ہے۔ (۷) چہل مجلس (فارسی) ملفوظات کا مختصر مجموعہ ہے۔

(دیکھئے العروہ فصل اول باب ششم، تاریخ گزیدہ تلخیص و ترجمۂ انگریزی از براؤن ص ۴۹۴، حبیب السیر ج ۳ ص ۴۰۲، الدرر الکامنہ ابن حجر عسقلانی، شرح احوال علاء الدولہ سمنانی از سید مظفر حیدر وغیرہ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] عبد اللہ ابن اسعد بن علی الیافعی عدن میں پیدا ہوئے، یافعی بنی یافع سے منسوب ہے، آپ شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ ۷۶۸ھ میں وفات پائی، حضرت سید اشرف نے آپ سے ملاقات کی تھی اور علمی استفادہ بھی کیا تھا، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

مرآۃ الجنان، الدر النظیم فی بیان فضائل القرآن العظیم، نشر المحاسن الغالیہ فی فضل المشائخ الصوفیہ واصحاب المقامات العالیہ، اسنی المفاخر فی مناقب الشیخ عبد القادر، روض الریاحین فی حکایات الصالحین۔

(دیکھئے الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۲۴۷، شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۱۰، طبقات الشافعیہ ج ۶ ص ۱۰۳ وغیرہ)

○

اگرچہ لطائف اشرفی میں بنیادی طور پر تصوف کے مسائل سے بحث ہے، لیکن ا
کے ضمن میں بہت سے صوفیہ کے تذکرے بھی آئے ہیں، اس کے علاوہ ایک باب صرف
کے تذکروں ہی پر ہے، جس میں ہندوستان کے صوفیہ کا بھی ذکر ہے، ہندوستان کے صوف
تذکرے کے لحاظ سے یہ کتاب قدیم ترین تذکروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے۔

لطائف اشرفی مختلف صدیوں میں تصوف اور تذکرۂ صوفیہ کی کتابوں کا ا
ہے، جس سے اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، ان میں سے دو کتابی
سے قابل ذکر ہیں، ایک نفحات الانس اور دوسری مرأۃ الاسرار۔

نفحات الانس مولانا جامی کی مشہور تالیف ہے جو ۸۸۳ھ میں مکمل ہوئی۔ اگرچہ
نے لطائف اشرفی کا کہیں نام نہیں لیا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ جامی کے پیش
یہ کتاب تھی، اور انھوں نے اس سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، اس مسئلہ پر راقم ا
نے تفصیلی بحث کی ہے، جو مجلہ معارف جنوری، فروری ۱۹۲۶ء میں شائع ہو چکی ہے

سے چند باتیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

(۱) لطائف اشرفی، نفحات الانس سے کوئی سو برس پہلے وجود میں آچکی تھی، اس کا ثبوت حضرت سید اشرفؒ کے خطوط سے ملتا ہے۔ اور اس بات کے قرائن موجود ہیں کہ اس زمانے میں اس کا ہرات تک پہنچنا بالکل ممکن تھا۔

(۲) لطائف اشرفی اور نفحات الانس میں بعض ان صوفیہ کا ذکر یکساں الفاظ میں ملتا ہے، جو حضرت سید اشرفؒ کے معاصرین و مصاحبین میں تھے، اس لیے ان صوفیہ کے تذکرے کے اصل اور قدیم ترین مآخذ کی حیثیت لطائف اشرفی کو حاصل ہونی چاہیے، نہ کہ نفحات الانس کو۔ مثلاً

(الف) شیخ ابوالوفا خوارزمی (م ۸۳۵ھ) جو مدت دراز تک حضرت سید اشرف کی صحبت میں رہے تھے، ان کے بارے میں نفحات الانس اور لطائف اشرفی میں یکساں الفاظ میں ذکر ملتا ہے،

(ب) حضرت سید اشرفؒ ایک عرصہ تک شیخ علاء الدولہ سمنانی کی صحبت میں رہ چکے تھے، اور سلوک کی ابتدائی تعلیم آپ ہی سے حاصل کی تھی، شیخ علاء الدولہ سمنانی کے بارے میں لطائف اشرفی میں جو بیانات ہیں تقریباً وہی بیان ان ہی الفاظ میں نفحات الانس میں بھی موجود ہے، اس کے علاوہ لطائف اشرفی میں مسئلۂ وحدۃ الوجود پر ایک بیان شیخ علاء الدولہ سمنانی کی کتاب العروہ لاہل الخلوہ والجلوہ سے ماخوذ ہے، مگر یہاں لطائف اشرفی کی زبان العروہ سے مختلف ہے، یہی مسئلہ نفحات الانس میں بھی منقول ہے، اور اس کی زبان لطائف اشرفی کی زبان سے ملتی ہے نہ کہ العروہ کی زبان سے۔ اگر جامی کے سامنے العروہ ہوتی تو اس کی زبان العروہ سے ملنی چاہئے تھی نہ کہ لطائف اشرفی سے۔ واضح رہے کہ حضرت

سید اشرف نے العروۃ کا ذکر اپنے مکتوب میں کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے العروۃ کا مطالعہ کیا تھا۔

(۳) شیخ علاء الدولہ سمنانی اور شیخ عبدالرزاق کاشانی میں مسئلۂ وحدۃ الوجود پر شدید اختلاف تھا۔ اس مسئلہ پر دونوں میں خط و کتابت ہوئی تھی۔ شیخ کاشانی نے شیخ علاء الدولہ سمنانی کے مرید و خلیفہ شیخ اقبال سیستانی سے مسئلۂ وحدۃ الوجود اور شیخ ابن العربی کے متعلق شیخ علاء الدولہ کی رائے دریافت کی۔ اس مذاکرے میں حضرت سید اشرف خود موجود تھے۔ اس گفتگو کی جو تفصیل حضرت سید اشرف نے بیان کی ہے بعینہٖ وہی نفحات الانس میں بھی ہے۔ اس لیے اسکے اصل ماخذ ہونے کا دعویٰ لطائف اشرفی ہی کر سکتی ہے۔

(۴) مقدمۂ نفحات الانس کی تمام عبارتیں لطائف اشرفی کے مختلف لطیفوں میں ملتی ہیں اور نفحات میں صرف ان ہی ماخذ کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر لطائف اشرفی میں ملتا ہے۔ اور جہاں ماخذ کے بارے میں لطائف اشرفی خاموش ہے، وہاں نفحات نے بھی خاموشی اختیار کی ہے؛ یہاں یہ کہنا کہ ہو سکتا ہے کہ لطائف اشرفی ہی کی عبارتیں الحاقی ہوں، محض ایک گمان ہے جو کسی دلیل پر مبنی نہیں، اور یہ یقین کرنے کے لیے کہ نفحات الانس میں لطائف اشرفی سے خوشہ چینی کی گئی ہے، قرائن موجود ہیں۔

مقدمۂ نفحات الانس کی عبارتیں لطائف اشرفی میں مربوط انداز میں کسی ایک لطیفہ میں نہیں ہیں بلکہ مختلف لطیفوں میں مختلف سوالات کے جوابات کے طور پر درج ہیں۔ اس لیے اگرچہ یہ عبارتیں منتشر انداز میں ہیں لیکن برمحل ہیں۔ ان تمام عبارتوں کو لطائف اشرفی جیسی ضخیم کتاب میں الحاقی قرار دینا بعید از قیاس ہے۔ ان تمام عبارتوں کا ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ پر ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ مصنف کی عبارتیں ہیں، اس کے برعکس نفحات الانس کا مقدمہ مرتب دینے کے لیے لطائف اشرفی کے منتشر حصوں کو یکجا مرتب کر دینا آسان تھا اور یہ [illegible]

یہ اقتباس یہ ہیں:

دوسری اہم کتاب مرآۃ الاسرار ہے جو شاہجہاں (م ۱۰۷۶ھ) کے عہد میں ۱۰۶۵ھ میں مکمل ہوئی۔ اس تصنیف کا آغاز ۱۰۴۵ھ میں ہوا۔ مولف کا نام عبدالرحمن چشتی ہے[1] جو ردولی کے رہنے والے تھے۔ مولف نے بادشاہ وقت کا نام اس طرح لیا ہے:

"تا امروز یکبار او (تیمور گورکان) سلطان العادل و باذل و عارف شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ فرمانفرما باشد و در مملکت ہندوستان متصرف است از انجمت بخطاب صاحبقران ثانی موسوم گشت" (ورق ۷)

نفحات الانس

مولف نے اپنی کتاب کے ماخذ میں ۲۸ کتابوں کے نام لیے ہیں۔ ان میں سے ایک نفحات الانس ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، ۲۳ طبقات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس نسخہ میں کل ۳۹۲ اوراق ہیں۔ شیخ عبدالرحمن چشتی بن عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدھ عباسی العلوی ردولی کے شیخ احمد عبدالحق علیہ شیخ جلال پانی پتی (م ۷۶۵ھ) کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔[2]

---

[1] معارف اس بیان میں بعض مضمون نگار سے کئی تسامح ہوئے ہیں، شیخ عبدالرحمن چشتی کا وطن ردولی تھا اور وہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے خاندان سے تھے، ان کا اصل وطن سترکھ (بارہ بنکی) تھا، ... اور ... سے بھی ... تعلق رہا ... اور شیخ احمد عبدالحق ردولوی سے ... تعلق صرف یہ تھا کہ وہ مخدوم ... ردولی کے پچھلے سجادہ نشین شیخ ... کے مرید و خلیفہ تھے، ان سے کوئی نسبی تعلق نہ تھا۔ شیخ عبدالرحمن عباس بن علی کی اولاد میں علوی تھے اور ... حضرت عمر کی اولاد سے یعنی فاروقی تھے، یہ تمام حالات مرآۃ الاسرار میں ... نہیں پڑھا یا ... کے بیان ... کیا ہے جو غلط ہے اور ... ہے، اس کا قلمی نسخہ ... میں بھی موجود ہے۔

عبدالرحمٰن چشتی نے سنہ ۱۰۳۰ھ میں خود حضرت سید اشرف کے مقبرے کی زیارت کی اور
یہاں کے بعض مشاہدات اپنی کتاب میں قلمبند کیے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ایک
بزرگ صوفی تھے۔ اس وقت کچھوچھہ میں سید حسن شریف بن سید علی بن سید محمود بن سید حاجی
بن سید جعفر عرف شاہ لاڈ بن حضرت میر سید حسین بن سید عبدالرزاق نورالعین سجادہ نشین تھے۔
(مرآۃ الاسرار، ورق ۴۰)

عبدالرحمٰن چشتی لکھتے ہیں کہ سید حسن شریف نے نماز تہجد کے وقت انھیں ایک خرقہ
عنایت کیا، جو حضرت سید جلال بخاری سے حضرت سید اشرف کو ملا تھا۔ اسکے بعد ایک
خرقہ اور عنایت کیا اور بتایا کہ یہ خرقہ حضرت سید اشرف کے زمانے سے ابتک بطور امانت
چلا آرہا تھا۔ شب میں ان کے والد سید علی نے خواب میں انھیں ہدایت کی کہ یہ خرقہ عبدالرحمٰن
کی امانت ہے۔ اسے ان کے حوالے کردو۔ (مرآۃ الاسرار، ورق ۴۱۳)

مرآۃ الاسرار وہ قدیم ترین کتاب ہے جس میں کچھوچھہ کے کچھ بزرگوں کا ذکر ملتا ہے
مرآۃ الاسرار کے علاوہ عبدالرحمٰن چشتی کی دوسری تالیفات یہ ہیں:

"مرآۃ مداری (سوانح شیخ بدیع الدین مدار)، مرآۃ مسعودی (سوانح سید سالار مسعود غازی)
اور سنسکرت سے کچھ عرفانی اشعار کا فارسی میں ترجمہ (فارسی مخطوطات برٹش میوزیم مرتبہ چارلس ریو
جلد اول ۱۸۸۳ Or)

ہندوستان میں لکھی گئی تصوف کی کتابوں میں صرف لطائف اشرفی کو یہ خصوصیت حاصل
ہے کہ وہ تصوف کے تقریباً تمام مسائل پر حاوی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بعض اور خصوصیات
بھی ہیں، جن کی بنا پر یہ تصوف کی دوسری کتابوں سے ممتاز ہے۔ تصوف کی یہ پہلی کتاب
ہے جس میں بادشاہوں کے فرائض اور ذمہ داریوں پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

---

۱ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب Some Aspects of Religion and Politics in India during 13th century P.248 میں سیر الاولیا کے حوالے سے چشتی صوفیہ کے مرشد کے بیان نقل
(دہلی حاشیہ میں ۲۴۴)

جہاں اس طرح کے انکار سے صوفیہ قطعی بے اعتنائی برتتے ہوں، حضرت سید اشرف کا خصوصیت سے اس طرف توجہ کرنا آپ کی فعال شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے ارشادات کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

"سلطنت کے امور میں رائے دینے کے لیے ایک مجلس مشاورت ہونی چاہیے جو ملک کے اصحاب رائے اور سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل ہو۔ مشورہ کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ عقلا کے مشورے سے خیر ظاہر ہو جاتا ہے، کیونکہ عقول انسانی میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے اور اختلاف رائے سے جو تدبر حاصل ہوتا ہے اس سے ان امور کی عقدہ کشائی ہو جاتی ہے جہاں تلوار کام نہیں دیتی اور اگر رائے کی احتیاج نہ بھی ہو تب بھی عوام کو مطمئن کرنے کے لیے ان کے سربرآوردہ لوگوں سے رائے لینا ضروری ہے۔"

طرز جہانبانی میں حضرت سید اشرف کی رائے موجودہ جمہوریت کے منافی ہے، ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو مجلس مشاورت کی اکثریت کے ذریعے طے شدہ رائے کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے۔ نظام یمنی لکھتے ہیں :-

"بہت سے عقلا کا خیال ہے کہ مشاورت میں نقصان ہے، کیونکہ اس سے افشائے راز ہوتا ہے، حالانکہ یہ عین کتمان ہے، کیونکہ اختلاف رائے کی موجودگی میں یہ کسی کو نہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کس رائے پر عمل کرے گا۔"

"چار چیزوں سے ملک میں فساد برپا ہوتا ہے: اول بادشاہ کے عیش پرستی سے، دوسرے مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنے سے، تیسرے مجرموں کو سزا دینے میں مبالغہ کرنے سے مثلاً ایک جرم اتنا کا مستحق ہو لیکن اسے قتل کا حکم دیدیا جائے، چوتھے رعایا پر مسلسل ظلم سے"

(بقیہ حاشیہ ص ۳) کچھ ہدایات جو ملکی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں: (۱) ملک بوزیر خدا ترس ضبط کن (سیر الاولیاء ص ۱۱)
(۲) حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میفرماید اگر برزنی دہ بلاد مملکت بنا تہ بختیہ، و از قیامت آشنا وصد تنا
"امت والی خود بگیرد" (سیر الاولیاء ص ۱۲۱)

اس کے بعد ترجمۂ اردشیر بابکان سے یہ عبارت نقل کی ہے:

لا ملک الا بالرجال ولا رجال الا بالمال ولا مال الا بالعمارة ولا عمارة الا بالعدل ولا عدل الا بالسیاسة

یعنی آدمیوں کے بغیر ملک کی کوئی حیثیت نہیں اور آدمی مال و دولت ہی سے مل سکتے ہیں اور مال و دولت ملک کی آبادکاری ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اور آبادکاری عدل و انصاف کے قیام سے ہوتی ہے اور عدل و انصاف کا قیام سیاست سے ہوتا ہے۔

بادشاہ کے روزمرہ کے مشاغل کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"بادشاہ کو صبح کی نماز کے بعد دن چڑھے تک یادِ الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے، پھر علماء اور صلحاء سے ملنا چاہیے، اور ان سے عدل و احسان کے متعلق استفسار کرنا چاہیے، اس کے بعد وزراء اور ندماء کو باریابی کا حکم دینا چاہیے، اور ان سے ان کے فرائض اور ملکی احوال کے بارے میں اطلاعات حاصل کرنا چاہیے، اس کے بعد اگر کسی دوسری مملکت کا کوئی امیر ملنا چاہتا ہو تو اسے ملنے کی اجازت دینی چاہیے لیکن حتی الامکان اس سے بالمواجہ گفتگو نہیں کرنی چاہیے بلکہ درمیان میں کوئی واسطہ ہونا چاہیے، بادشاہ کا سارا مال صرف رعایا کی بہبودی کے لیے ہے، رعایا کی بہبودی میں خدا بھی تعالیٰ

۱۔ اردشیر بابکان صوبۂ فارس میں ایک چھوٹی سی ریاست کا حاکم تھا۔ ۲۲۴ء میں اس نے اشکانیوں (۲۵۰ قبل مسیح تا ۲۲۶ء) کے خلاف بغاوت کر دی اور تھوڑے ہی دنوں میں ایران کے تمام مشرقی صوبوں پر قابض ہو گیا۔ ۲۲۶ء میں اشکانی پایۂ تخت طیسفون پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ۲۴۱ء تک بقید حیات رہا۔ اس عہد میں جو [illegible] اس کے کارناموں کے متعلق ساسانیوں کے آخری عہد میں ایک نامہ پہلوی [illegible] مرتب کیا گیا جس کا نام کارنامک [illegible] پاپکان ہے، جسے موجودہ فارسی میں کارنامہ اردشیر بابکان کہتے ہیں۔ اس کتاب کا پہلوی نسخہ [illegible] (دیکھئے تاریخ ایران ج اول ص [illegible] از سایکس (انگریزی))

نہیں کرنا چاہیے۔[1]

یہ صحیح ہے کہ دوسرے صوفیہ کی طرح حضرت سید اشرف بھی ملوکیت کے خلاف کچھ کہنے سے خاموش نظر آتے ہیں، لیکن جہاں ملوکیت کے خلاف کسی رائے کا اظہار ناممکن ہو اور اس سے بجائے اصلاح کے فساد کا امکان ہو تو صرف یہی ایک صورت رہ جاتی ہے کہ بادشاہ کی اصلاح کی جائے تاکہ مملکت اصلاح پذیر ہو سکے۔ حضرت سید اشرف بھی اسی اصول پر عمل پیرا تھے۔ ہوشنگ خاں شاہ مالوہ کے نام آپ نے جو خط[2] لکھا ہے اس سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ اس خط میں اور بھی زیادہ تفصیل سے ہوشنگ خاں کو بادشاہ کے فرائض سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ابراہیم شاہ شرقی جس کے دور کو مورخین نے عدل و سیاسی استحکام، امن اور علم و فضل میں سلطنت شرق کا سنہری دور لکھا ہے، حضرت سید اشرف کا نہایت معتقد تھا، اور آپ سے اس کی خط و کتابت بھی تھی، مکتوبات[3] اشرفی میں ابراہیم شرقی کے نام تین خطوط ملتے ہیں۔ ایک خط[4] ابراہیم شاہ کے اس سوال کے جواب میں ہے جس میں اس نے دریافت کیا تھا کہ علاء الدین خوارزم شاہ کی شکست کے کیا اسباب تھے، اور چنگیز خاں نے کیوں حملہ کیا تھا۔ دوسرا خط[5] اس کے اس خط کے جواب میں ہے جس میں اس نے بنگال کے راجہ کنس پر چڑھائی کے بارے میں اجازت طلب کی تھی۔ کنس کے مظالم حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے، اس لیے آپ نے اس کے ظلم

---

[1] لطائف اشرفی جلد دوم ص ۱۷۵ تا ۱۶۰ [2] مکتوبات اشرفی مکتوب نمبر ۷۰، یہ خط ہو[شنگ خاں] کی رسم تاجپوشی کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس کی تخت نشینی کا سال ۸۰۸ھ یا ۸۰۹ھ ہے، دیکھیے طبقات اکبری ج ۳ ص ۲۹۰-۲۹۱ اور تاریخ فرشتہ ج ۲ باب پنجم [3] مکتوبات اشرفی، مکتوب نمبر ۷۲ [4] مکتوبات اشرفی مکتوب نمبر ۴۹، یہ خط ۸۱۷ھ اور ۸۱۸ھ کے مابین لکھا گیا جو کنس کا دور حکومت ہے، کنس کے دور حکومت کے لیے دیکھیے تاریخ بنگال ج ۲ ص ۱۱۶-۱۲۹ از جادو ناتھ سرکار، نیز ... (... وحدہ اشرف)

کے قلع قمع کرنے پر اصرار کیا اور فتح کے لئے دعائیں دیں[1]۔

صوفیہ میں عام طور پر مشہور ہے کہ "بئس الفقیر علی باب الامیر ونعم الامیر علی باب الفقیر"۔ یعنی وہ فقیر بہت برا ہے جو امیر کے در پر جائے اور وہ امیر بہت اچھا ہے جو فقیر کے در وازے پر جائے، اس لیے عام طور پر صوفیہ بادشاہوں اور امیروں سے ملنا فقر کے منافی سمجھتے تھے، لیکن حضرت سید اشرف فرماتے ہیں کہ یہاں در اصل طمع سے منع کیا گیا ہے، اور وہ فقیر ہی نہیں جو طمع رکھتا ہو، کیونکہ یہ توکل کے منافی ہے، اور جہاں تک امیر کا تعلق ہے فقیر سے ملنا اسکے لیے لازم ہے، کیونکہ یہ اکتساب سعادت ہے، حضرت سید اشرف ایک صوفی کا بادشاہ اور امرا سے ملنا ضروری سمجھتے تھے، اپنے نظریہ کی حمایت مختلف دلائل سے پرزور انداز میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ یا عادل ہوگا یا ظالم۔ اگر عادل ہوگا تو اس سے ملنا عین سعادت ہے اور اگر ظالم ہے تو اس سے ملنا اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنا واجب ہے[2]۔

---

[1] جادوناتھ سرکار نے اپنی کتاب تاریخ بنگال (جلد دوم ص ۱۱۹ - ۱۲۹) میں کنس کے نام اور اسکے ظالمانہ رویہ سے انکار کیا ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ کوئی ہندو اپنے بیٹے کا نام کنس نہیں رکھ سکتا، یہ لفظ گنیش ہوگا جسے غلطی سے کنس پڑھ لیا گیا لیکن مکتوبات اشرفی جادوناتھ سرکار کے اس بیان کی تردید کرتی ہے، حضرت سید اشرف نے مکتوبات اشرفی (مکتوب نمبر ۵۳) میں شیخ نور پنڈوی کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جن میں کنس کے مظالم کا تذکرہ ہے، اس میں کنس رائے استعمال ہوا ہے، ممکن ہے کہ اس کا نام کنس نہ رہا ہو اور اسکے مظالم کی وجہ سے وہ کنس کے خطاب سے مشہور ہو گیا ہو، اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں،

چراغ دین و اسلام و ہدایت — کہ می افروختہ ہر گوشہ از نور
نشست از باد کفر کنس رائی — فروزاں حسرت احباء منصور (کذا)
[illegible]ی میرسد بہ ہر کسی جور — کہ نارد کرد شرحش خامہ مذکور۔

[2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۸

تصوف وسلوک کی راہ اور ریاضت ومجاہدہ کی مشق آپ کی عملی سرگرمیوں سے خارج نہیں تھی ۔ بلکہ آپ کا یہ نظریۂ تصوف ہی تھا جس نے آپ کو عملی زندگی میں لا کر کھڑا کر دیا تھا ۔ آپ کے خلفاء میں علماء ، صوفیہ ، امراء اور غرباء سبھی شامل تھے ، اور آپ کی تعلیم ہر ایک کے حسب حال ہوتی تھی ۔ آپ کا قول ہے کہ حشمۃ الملوک ظل من الالوہیۃ اسی لیے جب بعض بادشاہوں نے امارت ترک کر کے فقیری اختیار کرنی چاہی تو آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ دولت وجاہ راہ معرفت میں ہمیشہ حارج نہیں ہوتے[1]

آپ کے صوفیانہ افکار کا اس مضمون میں احاطہ کرنا نہ مقصد ہے اور نہ یہ ممکن ہے ، اس لیے یہاں آپ کے ان اقوال میں سے صرف چند کو پیش کر دینا نامناسب نہ ہوگا ، جو آپ کے فکری رجحان اور عملی زندگی کے رخ کو پیش کرتے ہیں ۔

تمام اکابر صوفیہ نے علم شریعت کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے لیکن آپ نے بیانتک اس کی تاکید فرمائی ہے

(۱) اگر کسی بداند کہ در عمروی بیش از یک ہفتہ نماندہ است بباید کہ بعلم فقہ اشتغال نماید چہ دانستن یک مسئلہ از علوم دین بہتر از ہزار رکعت نماز ادا است[2]

یعنی اگر کسی کو یہ علم ہو جائے کہ اس کی زندگی میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا ہے تو اسے تحصیل علم فقہ میں مشغول ہو جانا چاہیے کیونکہ علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل نماز سے بہتر ہے ۔

(۲) ولی کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ قول ، فعل ، اور اعتقاد میں رسول کا تابع ہو ،

---

[1] لطائف اشرفی ، اول لطیفہ پانزدہم [2] ایضاً

"یکی از اہم شرائط ولی است کہ تابع رسول علیہ السلام قولاً وفعلاً واعتقاداً بود۔"[1]

(۳) طریقت عین شریعت ہے

"حضرت قدوۃ الکبریٰ میفرمودند اتفاقاً در ملک روم یکی از معاندان مذہب اہل سنت وجماعت و مخالفان مشرب صناوید دین و دیانت ملاقات شد، او ترجیح طریقت کردی بر شریعت، در جواب او گفتہ شد کہ اے عزیز اگر شما یک لفظا یاد کنید کہ در شریعت نباشد ما قرأت نمایم تا کہ شریعت غیر طریقت است۔"[2]

(۴) فقراء کے لیے کسب معاش ضروری ہے۔

"مراد از قطع تعلقات و عدم تملکات کہ مشائخ فرمودہ اند مراحل ارشاد ما ترک زیادتی اموال واز خار منال است نہ آنکہ مجرد شیخ میباید کہ محتاج بود چہ آنکہ او را کہ محتاج اصحاب وطلاب است مہیا داشتن شیخ را اہم است تا تفرقہ در کار نبود و جمعیت بر بستہ بجمعیت خاطر از ممر ماکولات وملبوسات است۔"[3]

(۵) وصول الی اللہ کا مطلب کمال قرب و نیابت الٰہی ہے، نہ کہ اسکی ذات میں تصرف

"مقصود سالکان معارج تحقیق و رہ نوردان مدارج توفیق این نبود کہ در دریای احدیت مستغرق گردند و در راہ صحرای الہیت مطلق سپرند بلکہ کمال در سلوک آنست کہ سالک معین ثابتہ خود و صور علمیہ خود با حکام جاریۂ آنہا متحقق گردد چنانچہ در سلطنت مجازی کہ ہر چند قرب صوری کسی با پیش پادشاہ زیادہ بود و با وصاف حضور آگاہ مقصود آن مقرب آن نبود کہ در ذات او متصرف شود بلکہ کمال قرب و نتیجۂ وی آن بود کہ بمنصب وزارت و نیابت یا صدارت مشرف گردد

---

۱ لطائف اشرفی ج اول ص ۱۲۱ ۲ ایضاً ۳ ایضاً ص ۱۸۹

دریں منصب خاص مرفقا است ۔ پس وصول بذات صرف او بیچان تصور باید کرد۔[1]

(۲) محبت خلق عقیدہ ٔ وحدۃ الوجود کا لازمی نتیجہ ہے۔

"اظہار خوارق ایں طائفہ باختیار نفرمودہ اند مگر آنکہ از برا طمینان قلب طالب وشعار خود نساز د، چوں بر وحدت وجود رسید، تصرف ایذا برکہ کند و بار محنت بر دل کدام کس نہد"[2]

لطائف اشرفی کے کئی اور اہم پہلو ہیں جس کا مطالعہ مختلف نقطۂ نظر سے کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مضمون میں ہمارا مقصد صرف تصوف کی کتاب کی حیثیت سے اس کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالنا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) لطائف اشرفی تصوف کی مستند کتابوں پر مبنی، تصوف کی تمام بنیادی کتابوں کی جامع اور ان کے تقریباً تمام اہم مسائل پر حاوی ہے۔

(۲) لطائف اشرفی میں صوفیہ کے تذکرے بھی ہیں اور یہ کتاب ہندوستانی صوفیہ کے قدیم ترین تذکروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے۔

(۳) لطائف اشرفی تصوف اور تذکرے کی کتابوں کا ماخذ بھی رہی ہے جن میں نفحات الانس اور مرأۃ الاسرار شامل ہیں۔

(۴) یہ تصوف کی پہلی ہندوستانی کتاب ہے جس میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بادشاہوں اور امرا کے فرائض سے بحث کی گئی ہے۔

●●

---

[1] لطائف اشرفی جلد ا ص ۱۰۹ [2] ایضاً ص ۲۰

(بشکریہ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ)

پروفیسر ریاض الاسلام
پروفیسر ایمریٹس
شعبۂ تاریخ اسلامی، جامعہ کراچی

صوفیانہ ادب کے لیے ایک منہاجِ تحقیق کی ضرورت

ملفوظات اور تذکروں کے لطائف کے حوالے سے

صوفیانہ ادب میں لطیفہ کیا چیز ہے؟ دراصل کسی بھی چیز کی اصطلاحی تعریف کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لطیفہ کی تعریف کرنا بھی آسان نہیں۔ خود صوفیانہ ادب میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ اصطلاح جس معین اور محدود معنی میں استعمال کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ لطائف وہ باتیں ہیں جو صوفیہ کے ملفوظات میں یا ان کے تذکروں میں یا اصول تصوف کی کتابوں میں بطور سوانح، شخصی واردات یا بطور قصہ بیان کی گئی ہیں۔ جہاں گفتگو یا بیان غیر شخصی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور پیرایہ بیان خالص علمی ہو جاتا ہے۔ تو پھر بات "لطیفہ" کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے۔

لطائفی ادب :- یہ مضمون صوفیانہ ادب کے ان لطائف پر مرکوز ہے جو اوپر دی ہوئی تعریف کے حدود میں آتے ہیں۔ ملفوظات اور تذکروں میں خصوصاً اور اصول تصوف کی کتب میں عموماً لطائف کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بعض ملفوظات کا بڑا حصہ لطائف پر ہی مشتمل ہوتا ہے، مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات "فوائد الفواد" اور ان کے خلیفۂ اعظم شیخ نصیر الدین چراغ کے ملفوظات "خیر المجالس"۔ بعض دیگر ملفوظات کی ترتیب علوم کی شاخوں کی مناسبت سے ہوئی ہے اور ان میں لطائف کا عنصر محدود ہے۔ مثلاً مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات "سراج الہدایہ"۔ تصوف کی اصولی کتابوں مثلاً "کتاب التعرف" (کلابازی)، "کتاب اللمع" (ابو نصر سراج)، "رسالہ قشیریہ" اور "کشف المحجوب" (ہجویری) میں لطائف کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ صوفیانہ مطالعات کے فروغ کے باوجود لطائف کے خصوصی مطالعے پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ لطائف کی تاریخ پر غور کیا گیا ہے، نہ ان کے سوابق اور لواحق پر، نہ ان کی حیثیت ترکیبی پر، اور تجزیہ کا عمل تو لطائفی ادب کو چھو کر بھی نہیں گیا۔ جب صوفیانہ ادب کا ایک معتدبہ حصہ لطائف پر مبنی ہے تو لطائف کے باقاعدہ تجزیہ اور ایک منضبط منہاج تحقیق Methodology کے بغیر کس طرح حق مطالعہ ادا کیا جا سکتا ہے؟۔

لطائفی ادب کے مسئلہ پر کئی زاویوں سے نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ اس صنف کا آغاز خود ایک دلچسپ موضوع ہے۔ لطائف کی ماہیت پر نظر رکھتے ہوئے یہ گمان ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے اس کا تعلق قصص کی روایت سے ہے۔ اسلامی مذہبی ادب میں انبیاء کے قصص کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ لیکن یہ بھی ایک امر مسلمہ ہے کہ روایاتی قصص انبیاء میں معتد بہ مواد ایسی قبیل سے ہے جسے "اسرائیلیات" گردانا جاتا ہے اور جسے اب لائق اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب "قصص القرآن"

میں بہرحال اس امر پر تاسف کیا ہے کہ بعض مفسرین نے "اسرائیلی خرافات" اور "اسرائیلی ہفوات" کو قرآنی قصص کی تفسیر میں شامل کر لیا ہے۔ بہرحال صوفیانہ لطائف اور روایاتی قصص الانبیاء کے روابط کا مسئلہ تحقیق طلب ہے اور یہ مختصر مضمون اس پہلو کا اجمالی احاطہ بھی کرنے سے قاصر ہے۔

لطائفی ادب مختلف الالوان عناصر کا مجموعہ ہے۔ اس میں روحانیت اور حکمت کے ہیرے جواہر بھی ملیں گے اور جلالا لطائف کے تیز دھاری بہتر بجلی، انفاق، ایثار اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ ترین نمونے بھی اور نفس کشی اور کنبہ گریزی کے قصے بھی۔ لطف یہ ہے کہ صوفیوں کی ہمدردی صرف مسلمانوں اور صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی، ان میں جانوروں سے ہمدردی کے ایسے حیرت انگیز قصے ملتے ہیں جن میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیاباں جانوروں کی دیکھ بھال تمام عبادات اور زہد و ورع سے بلند تر مقام رکھتی ہے۔ جہاں تک لطائف میں رشد و ہدایات کے اسباق کا تعلق ہے تو صوفیانہ تعلیمات کا شاید ہی کوئی پہلو ہو جو لطائف میں کسی نہ کسی شکل میں پیش نہ کیا گیا ہو۔

لطائف میں چند عناصر ایسے بھی ہیں جن کا تواتر بھی زیادہ ہے اور انھیں علمی مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں مزید حزم و احتیاط بھی ضروری ہے۔ ان میں پہلے تو کرامات اور خصوصاً تقابلی کرامات کے لطائف ہیں۔ تقابلی کرامات سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ شیخ یہ کچھ کر سکتا ہے تو یہ شیخ اس سے زیادہ کر سکتا ہے، اگر اس کا چہرہ دیکھ کر جنت جانا یقینی ہو جاتا ہے تو اس کی بستی سے صرف گزرنا ہی اس مقصد کے لیے کافی ہے۔ تقابلی کرامات کے ساتھ تعلّی کی چاشنی آنا لازمی ہے۔

دوسرا عنصر شطحیات کا ہے۔ شطحیات وہ اقوال یا باتیں ہیں جو صوفی حضرات سکر اور جذب کی حالت میں کہہ گذرے ہیں۔ شطحیات گوئی میں بلند پایہ شیوخ بھی ہیں اور ان سے کم درجہ کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ شطحیات میں صوفیوں نے کیا کچھ نہیں کہا۔ ان شطحیات کی توضیح بھی کی گئی، اور ان توضیحات نے ایک نئی صنف کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن ایسے اقوال بھی ہیں جن پر توضیح کی چادر چھوٹی پڑ جاتی ہے۔

غرض یہ کہ تقابلی کرامات، تعلّی، شطحیات اور لطائف المجاز (یعنی عشق و محبت کے واقعات جو بسا اوقات توضیحی مثال کی طرح استعمال کئے گئے ہیں) نے لطائفی ادب کو مجموعی طور سے ایک ایسی صنف کا مواد بنا دیا ہے جس کو علمی سطح پر استعمال کرنے میں بڑی شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔

لطائفی ادب کی مقبولیت:- لطائفی ادب میں بڑی دلآویزی ہوتی ہے اور اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کا سبب بیان کرنا مشکل نہیں۔ دلیل چاہے فقہی ہو یا اصول تصوف کی ہو، اس کا سمجھنا عام آدمی کیلئے محال ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت کیلئے بھی کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن اسی بات کو لطیفہ میں لپیٹ کر بیان کر دیجئے

تو ایسا کو ہر شخص دلچسپی سے سنے گا۔ عام لوگ اس کے سیدھے سادے معنی سمجھ جائیں گے اور خاص لوگ لطیفے کی معنویت پر غور کریں گے۔ صوفیہ کا واسطہ چونکہ ہر طبقہ کے لوگوں سے ہوتا تھا اور بعض صوفیانہ سلسلے عوام سے قریبی رابطہ رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے لطائف کو اپنی تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے کے طور پر اختیار کیا اور ابلاغ کی وسیلہ کی حیثیت سے اس کی تاثیر کو حد کمال تک پہنچایا۔ بعض اکابر صوفیہ نے لطیفہ بیان کرنے کا بڑا دلنشین پیرایہ وضع کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے لطائف جو ان کے ملفوظات "فوائد الفواد" میں دیے گئے ہیں۔ ان میں بڑی دلآویزی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی شخصیت کے جمال کے آئینہ دار ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس عہد کے صوفیانہ ادب میں لطائفی عنصر کا فروغ ایک طرف مذہبی اور روحانی تقاضوں کی پیداوار تھا تو دوسری طرف لطائف نے تصوف کے ابلاغ کی ضرورت کو بھی باحسن وجوہ پورا کیا۔

لطائف کی پرکھ:۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جب لطائف کا عنصر صوفیانہ ادب میں اتنا اہم ہے تو اسے کس طرح پرکھا جائے کیا تمام لطائف کو جو قابلِ اعتبار یا قریب الاعتبار ملفوظات میں پائے جاتے ہیں، صحیح مان لیا جائے؟ کیا صحیح ماننے کے معنی یہ ہیں کہ ان لطائف کے مندرجات کو تاریخ میں گزرے ہوئے واقعہ کی طرح سمجھا جائے؟ یا اس امر کا امکان ہے کہ بعض یا بہت سے لطائف کسی خاص نکتہ کو اجاگر کرنے کے لیے وضع کیے گئے؟ مراد یہ ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ لطیفہ کی روایت صحیح ہے یعنی جن بزرگ سے منسوب ہے انھوں نے کم و بیش انہی الفاظ میں بیان کیا تھا جو ملفوظ یا تذکرہ میں دیے گئے ہیں، تو کیا یہ ضروری ہے کہ لطیفہ میں بیان کردہ واقعات کو اصلاً صحیح سمجھا جائے؟ دراصل جس طرح تاریخی واقعات پرکھنے میں اعتبار اور بے اعتباری کی کئی سطحیں آتی ہیں، اسی طرح لطیفوں میں درجہ اعتبار متعین کرنا یا کم از کم متعین کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

لطائف اور تمثالیہ:۔ یہ بات خاص طور سے توجہ اور تحقیق کے لائق ہے کہ کوئی لطیفہ تمثالیہ سے کتنا قریب ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں اس لفظ کے معنی یہ بتائے گئے ہیں "مفروضہ واقعات کا بیان، کسی اخلاقی یا روحانی بات کو بطور مثال سمجھانے کے لیے" اس معنی کے لحاظ سے تمثالیہ میں بیان کردہ واقعات مفروضہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ چیمبرز ڈکشنری میں دیے ہوئے معنی کسی قدر مختلف ہیں: "کہانی یا قصہ جس میں بیان کردہ باتیں ہیں سے ہو سکتا ہے کہ واقعتاً پیش آئی ہوں، اور جو کسی حقیقت، نظریہ کو بطور مثال سمجھانے کے لیے یا کسی ڈیوٹی یا فریضہ کو واضح کرنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے" اس دوسرے معنی میں یہ گنجائش ہے کہ PARABLE کا کچھ حصہ واقعتاً بھی صحیح ہو لیکن دونوں لغات میں زور مقصد پر ہے بیان کردہ قصہ کی صحت پر نہیں۔ لطائف کی چند مثالوں سے زیر بحث نکتہ واضح ہو جائے گا۔ رسالہ قشیریہ میں یہ لطیفہ درج ہے کہ "ایک شخص نے ایک لونڈی بطور تحفہ جیلا ابن سعید کے پاس بھیجی، اس وقت وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے

کہا کہ یہ تو بہت بری بات ہے کہ آپ نے بھی مرتے ہوئے اپنے ... اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اگر کسی وقت ایک شخص
کو دوں جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اس کا حرام ہے مگر ایک لڈو تقسیم نہیں ہو سکتی وہ سب ساتھی آدمی تھے، ہنسا، صوفی نے
ہر ایک کو ایک ایک لڈو کا نکلن دے دیا۔" یہ لطیفہ صوفیوں کے عہد رسالت کے باب میں بیان کیا گیا ہے، اگر اسے واقعہ مان لیں تو سوال
پیدا ہوتا ہے کہ صوفی موصوف کے پاس اتنی تو طاقت نہیں ہو سکتی تھی کہ پیدا کر دیتا اور اگر الفاظ کے معنی کو کھینچ تان کر کے یہ سمجھا جائے کہ
صوفی نے اتنی کثیر مقدار میں خرید کر لانے کا حکم دیا تو یہ بات بجائے خود حسن نہیں اور سوال پیدا ہوگا کہ صوفی کے پاس اتنے مال و دولت
کہاں کا ہوا؟ لیکن اگر اس لطیفہ کو تمثیلیہ PARABLE کہا جائے تو پھر اس میں جو مبالغہ کا عنصر ہے وہ بھی بجائے پر آ جاتا ہے اس
لئے کہ تمثیلیہ میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ PARABLE میں یہ بھی گنجائش ہوتی ہے کہ کوئی انوکھی بات کہی جائے جو جاذب توجہ
ہو مثلاً "رسالہ قشیریہ" ہی میں بیان ہے کہ "ایک شخص نے ایک عورت سے رشتہ کیا قبل اس کے کہ وہ اس کے گھر آئے اسے
چیچک ہو گئی اور ایک آنکھ جاتی رہی۔ مرد نے جب یہ سنا تو اس نے بھی کہا میری آنکھ میں درد ہے، پھر کہا کہ میں نابینا ہو گیا پھر
وہ عورت اس کے گھر آ گئی اور بیس سال اس کے گھر رہی، پھر مر گئی، تب اس شخص نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے کہا یہ
کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا میں نے دانستہ اپنے آپ کو اندھا بنا لیا تھا تاکہ اس عورت کو میری طرف سے کوئی فکر نہ ہو، لوگوں
نے کہا کہ تو جوانمردی میں سب پر سبقت لے گیا ہے۔"

یہ لطیفہ بھی ایثار کے تمثیلیہ کے طور سے سمجھا جا سکتا ہے۔ نہ کہ اصل واقعہ ماننے سے اشکال پیدا ہوگا۔

ایسے لطائف بے شمار ہیں جو یقینی طور پر تمثیلیہ ہیں۔ تمثیلیہ کی ایک اچھی مثال حسب ذیل ہے۔ یہ جوامع الکلم خواجہ گیسو دراز
کے "احوال و افعال و اقوال" پر مشتمل ہے اور خواجہ کی وفات کے صرف پانچ سال بعد مرتب ہوئی۔ اس میں درج ہے کہ جامع مسجد
دہلی کے سامنے سے گزر رہے تھے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قے کر رہا تھا اور اس کے منہ سے بھنگ (شراب) اور گوشت کے
ٹکڑے نکل کر باہر آ رہے تھے اور ایک خارش زدہ کتا اسے کھا رہا تھا اور جو لوگ وہاں سے گزر رہے تھے وہ اس شخص پر لعن طعن
کر رہے تھے۔ حضرت مخدوم کو اس شخص کی پیشانی پر جنت کے آثار نظر آئے، وہ جب وہاں سے چلا تو آپ اس کے پیچھے ہو لئے وہ
شخص ایک حوض پر گیا اور اس نے وضو کیا اور دیر تک خشوع و خضوع سے (نماز ادا) کرتا رہا۔ پھر اس نے دوگانہ ادا کیا۔ حضرت بندگی
مخدوم نے اسے بڑی محبت و شفقت سے پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے ناچار ہو کر بتایا کہ میں ابدال ہوں میرا نام رکن الدین ہے۔
میں یہاں سے بڑی دور ایک جگہ رہتا تھا مجھے حکم ملا کہ جامع مسجد دہلی کے دروازہ پر ایک خارش زدہ کتا ہے جو کمزوری کے
باعث چل پھر نہیں سکتا تم وہاں جاؤ، بھنگ اور گوشت خریدو اور کھاؤ اور پھر اس کے آگے کر کھلاؤ۔"

خواجہ گیسو دراز کا یہ بیان کیا ہوا ایک اور لطیفہ جوامع الکلم (مخطوطہ برٹش میوزیم) میں دیا ہوا ہے جس کی تفصیلات

بڑی دلچسپ ہے۔ اس کا اجمال یہ ہے کہ خدا نے ایک زاہد کو خبردار کیا کہ وہ شہر پر آگ کا عذاب نازل کرنے والا ہے ا شہر میں صرف ایک گھر محفوظ رہے گا اور وہ ایک فاحشہ عورت کا ہے۔ زاہد نے اس فاحشہ کے گھر جاکر پناہ لی۔ بعد میں پتہ چلا اس شہر میں ایک خارش زدہ کتا تھا۔ جسے ہر شخص دھتکار کر بھگا دیتا تھا۔ صرف اس عورت نے اس کی خبرگیری کی تھی۔ تمام ا جل کر خاک ہو گئے اور زاہد بھی اپنے زہد کے باوجود صرف اس طرح بچ سکا کہ رات فاحشہ کے سایہ حفاظت میں گذاری۔

یہ دونوں لطیفے واضح طور پر مثالیہ ہیں اور ان کا پیغام یہ ہے کہ خدا کی کمین ترین مخلوق بھی ہمدردی اور رحم کی ہے۔ دوسرے لطیفہ میں تاکید مزید اس پر ہے کہ اس ہمدردی کے بغیر عمر بھر کا زہد بے سود ہو سکتا ہے اور یہ ہمدردی ہر بھر کا عصیاں بھی قابل معافی ہے۔ پہلے لطیفہ میں یہ پیام بھی لپٹا ہوا ہے کہ بندہ کو اپنے رزق کے لیے خدا پر بھروسہ کر جو مرنہ سکتے کے لیے بھی ہزاروں میل دور سے کسی کو بھیج کر انتظام کر سکتا ہے۔

اس نوع کے لطیفے تصوف کی اصولی کتب اور تذکرہ و ملفوظ میں پائے جاتے ہیں اور ان کا مقصد ظاہر ہے یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ مذہبی کتب میں مثالیہ PARABLE کی ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، اور اکثر الہامی کتب عہد نامہ ہائے عتیق و جدید میں اسے اخلاقی سبق اور مذہبی ہدایات کے ابلاغ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس سیاق میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ صوفیانہ ادب میں بہت سے لطائف کو بطور واقعہ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ابدال سے ملاقات اور گفتگو کی جزئیات اس کی شاہد ہیں کہ انھیں بطور امر واقعہ پیش کیا گیا۔

<u>ایک اور پرکھ :۔</u> کسی لطیفہ کی اہمیت اور اعتبار کو جانچنے کے لیے ایک اور پرکھ یہ ہے کہ آیا اس لطیفے پہلے بھی آچکے ہیں؟ تلاش کیا جائے تو ایسے لطائف خاصی تعداد میں ملیں گے جن سے ملتے جلتے لطیفے پیش رفتہ آ ہیں۔ اس کی سب سے دلچسپ اور نمایاں مثال حسب ذیل ہے۔ "رسالہ قشیریہ" میں ہے کہ شقیق بلخی نے جعفر بن محمد الصا فتوت کے بارے میں معلوم کیا۔ انھوں نے شقیق سے کہا پہلے تم بتاؤ۔ شقیق نے کہا اگر (دینے والا) دیتا ہے تو ہم شکر کرتے ہیں، تو صبر کرتے ہیں۔ جعفر نے کہا کہ "ہمارے یہاں مدینہ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں۔" شقیق نے دریافت کیا کہ "اے ابن رسول! پھر کیا ہے؟" انھوں نے فرمایا "اگر دیتے ہیں تو ایثار کر دیتے ہیں، نہیں دیتے تو صبر کرتے ہیں۔" پھر شیخ الاسلام خواجہ انصاری ہروی نے "طبقات صوفیا" میں بیان کیا ہے کہ شقیق بن ابراہیم بلخی نے ایک وقت ابراہیم ادہم سے کہا کہ آپ معا طے کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ جب مل جاتا ہے تو خدا کا شکر کرتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ شقیق نے کہا کہ خر کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ابو حامد غزالی کی "احیاء العلوم" جلد چہارم میں بھی ابراہیم بن ادہم اور شقیق قدرے مختلف پیرایہ میں ملتا ہے لیکن زیادہ اہم فرق یہ کہ "بلخ کے کتے" والا فقرہ یہاں ابراہیم ادہم کہتے ہیں۔ پھر

میں جو کہ اسی قسم کا ایک جواب ایک نوجوان صوفی نے بایزید بسطامی کو دے کر انھیں لاجواب کر دیا تھا۔[۹]

یہ ایک ہی لطیفے کی چار شکلیں ہیں۔ بنیادی بات ایک ہی ہے لیکن افراد بدلتے جاتے ہیں۔ "احیاء العلوم" اور "طبقات الصوفیہ" میں افراد ایک ہی ہیں لیکن ان کے رول برعکس ہیں۔ گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ مل جائے تو شکر کرنا ورنہ صبر کرنا تو معمولی درجہ کی بات ہے، صوفی کو اس سے کچھ زیادہ کرنا چاہئے۔ صوفیوں کے اوصاف میں یہ لطیفہ ایثار کے ماتحت جگہ پائے گا۔

ایک ہی قصہ کی چار مختلف شکلیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک اصل ہوگا۔ اور بقیہ تین اس کی بدلی ہوئی شکلیں ہوں گی۔ یعنی اصل واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو باقی تین روایتیں وضعی ہیں۔ یہ امکان بھی خارج از بحث نہیں سمجھنا چاہئیے کہ اس نوع کا اصل لطیفہ ان چار لطائف سے پہلے موجود ہو! اور کوئی متجسس اسکالر جلد یا دیر میں اس کا کھوج لگائے۔ پھر یہ چاروں لطائف وضعی ہو جائیں گے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اس نوع کے اولین لطیفہ میں صرف اتنی بات کہی گئی ہو کہ قوت لایموت ملنے پر شکر اور نہ ملنے پر صبر عام درجہ کی بات ہے۔ یعنی ناکافی ہے لیکن لطیفہ نگار نے بات میں تیکھا پن پیدا کرنے کے لیے کتوں کی مثال کا اضافہ کر دیا ہو۔ اگر یہ آخری گمان صحیح ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ لطیفہ نگار نے ایک روایت کو ایک مثالیہ PARABLE میں تبدیل کر دیا۔

مماثل لطائف کی ایک اور بہت اچھی مثال "شیر و گلاب" والے لطیفے ہیں۔ اس عنوان کا پہلا لطیفہ جہاں تک میرے علم میں ہے۔ سب سے پہلے شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب "اخبار الاخیار" میں ملتا ہے جس کا رائج متن ۹۲-۱۵۹۱/۱۰۰۰ کے چند سالوں کے اندر مرتب ہوا۔ بیان ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ جب ملتان میں مستقل قیام کے لیے آئے تو شیوخ ملتان کو ان سے حسد پیدا ہوا اور انھوں نے بطور کنایت دودھ سے بھرا پیالہ شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ مراد یہ تھی کہ شہر میں کسی اور کی گنجائش نہیں۔ شیخ یہ بات سمجھ گئے اور انھوں نے دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ مراد یہ تھی کہ شہر میں اس طرح رہوں گا جیسے دودھ کے پیالہ پر پھول تیرتا ہے۔ مشائخ ملتان اس ادا کی لطافت سے حیران رہ گئے اور شیخ کے مطیع ہو گئے۔" اخبار الاخیار "بڑی تلاش و تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے اور اس کا عام انداز سنجیدہ ہے اور یہ لطیفہ لطافت سے خالی بھی نہیں۔ طبع سلیم اسے تسلیم کر سکتی ہے۔ اس کے ماننے میں اگر تامل ہوتا ہے تو اس لیے کہ یہ بات شیخ کے وصال (قریب ۱۲۶۷ء) کے قریب سوا تین سو سال بعد ضبط تحریر میں آتی ہے؛ اور اس کا استناد بھی نامعلوم ہے۔ مزید براں فضل اللہ جمالی جو اصلاً سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود شیخ کے آثار کی تلاش میں ملتان گئے تھے، انھوں نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

اب اس لطیفہ کی دوسری شکل دیکھئے۔ اللہ دیا چشتی نے خواجہ شمس الدین ترکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق پانی پت پہنچے تو انھوں نے وہاں کے بزرگ شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کو اپنے ملازم کے ہاتھ دودھ سے بھرا پیالہ سلام کے ساتھ بھجوایا۔ قلندر صاحب یہ دیکھ کر مسکرائے اور انھوں نے گلاب کا پھول جو سامنے رکھا تھا، دودھ پر ڈال دیا اور پیالہ سلام کے ساتھ واپس بھجوا دیا۔ جب یہ پیالہ واپس پہنچا تو خواجہ صاحب بھی اسے دیکھ کر مسکرائے حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میری طرف سے پیالہ شیر بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملک (یعنی علاقہ) مجھے میرے مرشد نے عطا کیا ہے اور یہ میری ولایت سے معمور (یعنی پُر) ہو گیا ہے، اور برادرم قلندر نے جو پھول ڈال کر پیالہ واپس کیا تو اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ انھیں میری ولایت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ گل کی مانند اس شہر میں رہیں گے۔ پھر لوگوں نے قلندر صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی معنی بتائے۔[12] "سیر الاقطاب" کا یہ لطیفہ مبینہ وقوعہ کے قریب تین سو سال بعد تحریر میں آیا۔ اللہ دیا چشتی نے اس کا مآخذ تو نہیں بتایا لیکن وہ پانی پت کے خاندان شیوخ سے اپنا رشتہ بتاتا ہے اور گمان ہوتا ہے کہ اگر یہ لطیفہ اس کی اپنی ایجاد نہیں تھا تو اس نے اس کی روایت اپنے خاندان والوں سے سنی ہوگی۔ یہ بات تو بہر حال ظاہر ہے کہ یہ ملتان سے متعلق لطیفہ کا ہی چربہ ہے۔ اس دوسری شکل میں شیر اور گلاب کی ترسیل میں ترتیب بدل کر لطیفہ کو ایک نئی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لطیفہ کی یہ دوسری روایت ناقدانہ نظر رکھنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم نے اپنی کتاب "بزم صوفیہ" میں ملتان والے لطیفہ کا ذکر تو نہیں کیا لیکن پانی پت والے کا کیا ہے۔[13]

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیر و گلاب کے پہلے لطیفہ کے صحیح ہونے کا امکان ہے اگرچہ اس کا استناد ضعیف ہے اور دوسرا لطیفہ ساقط الاعتبار معلوم ہوتا ہے۔

ایک اور نوع کے لطیفے جو ملفوظات اور تذکروں میں بڑے تواتر سے نظر آتے ہیں۔ ان کی جانب ایک اجمالی اشارہ کافی ہے۔ "رسالہ قشیریہ" میں بیان ہے کہ ابراہیم ادہم کو ایک وقت کشتی میں بیٹھنا تھا جس کا کرایہ ایک دینار تھا، اور ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور خدا سے کہا کہ مجھ سے رقم مانگ رہے ہیں جو میرے پاس نہیں۔ آن واحد میں تمام ریت دینار کے ڈھیر میں بدل گئی۔[14] "رسالہ قشیریہ" سے پہلے ایک ایسا ہی لطیفہ "کتاب اللمع" میں ابوالحسین بصری کے حوالہ سے ایک سیاہ فام فقیر کے بارے میں آتا ہے۔[15] اس قسم کے "دریائے زر" والے لطائف شیخ نظام الدین اولیاء[16] اور بہت سے دیگر شیوخ کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل ان لطائف کا ایک بڑا واضح مقصد تھا اور وہ یہ کہ عوام، امراء، حکام، غرض سب کو متنبہ کیا جائے کہ شیخ ان کا

قوم کے محتاج نہیں، ان کے لیے زمین اور آسمان کے خزانے کھلے ہوئے ہیں (یہ الفاظ ایک لطیفہ کی عبارت سے لئے گئے ہیں) اور کوئی شخص اگر کوئی چیز پیشکش کے لیے لاتا ہے تو اس سے شیخ کی امداد نہیں ہوتی بلکہ دینے والے کی اپنی بھلائی ہوتی ہے۔ ان لطائف کا تواتر ہی ان کا اعتبار کھونے کے لیے کافی ہے

لطائف کی زمرہ بندی :-

صوفیانہ لطائف کی اہمیت اور معنویت کو پوری طرح سمجھنے اور اعتبار و پرکھنے کے کام میں ایک طریقہ جو بے حد مفید اور موثر ثابت ہو سکتا ہے وہ لطائف کی زمرہ بندی کا اور بعض صورتوں میں ذیلی زمرہ بندی کا ہے۔ اس طریقہ کار کو اب تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ سائمن ڈگبی نے اپنے مضمون Qalandars and Related Groups میں قلندروں کے بارے میں لطائف کے چھ زمرے قائم کیے ہیں۔ یہ زمرہ بندی ایک رہنما کوشش کی حیثیت سے اہم ہے۔ لیکن لطائف کی صرف ایک نوع سے مربوط ہے۔ بطور مجموعی صوفیانہ لطائف کے لیے زیادہ وسیع بنیادوں پر زمرہ بندی درکار ہوگی۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ایک اسکالر کی وضع کردہ زمرہ بندی دوسرے اسکالر کی زمرہ بندی سے مختلف ہو سکتی ہے۔ ہر اسکالر اس کام کو اپنے نقطہ نظر، موضوع تحقیق اور مقاصد کار کے لحاظ سے ترتیب دے گا۔ البتہ اس کا امکان ضرور ہے کہ لطائف کی زمرہ بندی کے کام میں کماحقہ پیش رفت کے بعد وہ مرحلہ آجائے جب ایک بنیادی زمرہ بندی قائم ہو جائے جس میں ہر اسکالر اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری ردو بدل کر سکے۔

تصوف پر تحقیق کرنے والے علماء نے بالعموم ہر لطیفہ کو ایک وحدانیہ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہر لطیفہ کو تاریخی شہادت کی طرح مان لیا جائے تو تصوف کی عجیب و غریب تاریخ مرتب ہوگی۔ زمرہ بندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر لطیفہ کو ایک جداگانہ اکائی کی طرح رکھا اور پرکھا جائے۔ اسے اسی نوع کے لطائف کے ساتھ رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح دو باتیں تو فوراً سامنے آ سکتی ہیں۔ اول یہ کہ لطیفہ نگار کے پیشروؤں نے اس لطیفہ کو کس طرح اور کس مقصد کے لیے پیش کیا اور لطیفہ میں کون سا پیام لپٹا ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ زیر مطالعہ لطیفہ نگار نے لطیفہ کہاں سے لیا ہے، اس میں کتنا تصرف کیا ہے، اور کس مقصد کے لیے مختلف طور سے استعمال کیا ہے اور اس کا پایۂ اعتبار کیا ہے۔

یہ بات بھی زیادہ وضاحت طلب نہیں کہ مختلف بنیادوں پر مختلف زمرہ بندیاں مرتب ہو سکتی ہیں مثلاً ایک عام زمرہ بندی اس بنیاد پر ہو سکتی ہے کہ لطائف میں تاریخیت کتنی ہے، یعنی کون سے لطائف خالص یا خاصا تک تاریخی ہیں، کون سے ایسے ہیں جن میں تاریخی اور غیر تاریخی عناصر خلط ہیں، اور کون سے ایسے ہیں جو محض خیالیہ PARABLE ہیں۔ ایک زمرہ بندی موضوعاتی ہو سکتی ہے یعنی موضوعات کی اپنی اہمیت کے لحاظ سے زمروں کا

فہرست قائم کرکے ان کے ماتحت لطائف کی صف بندی کی جائے۔ مثلاً فقر کے لطائف، ورع کے لطائف، حج کے بارے میں لطائف، فتوح کے لطائف وغیرہ وغیرہ۔ ایک محدود لیکن دلچسپ زمرہ بندی ایسی ہوسکتی ہے جو علامتی نشانات کے ماتحت ہو، جیسے "شیر و گلاب" کے لطائف "دریائے زر" کے لطائف یا "لطائف المجاز" جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

راقم الحروف کی توجہ فی الوقت صوفیانہ سلسلوں کی تعلیمات اور معاشرہ اور معاش پر ان کے اثرات پر رہا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے میں نے جو زمرہ بندی کی ہے۔ اس کے کچھ عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

• انفاق، ایثار اور خیرات (داد و دہش) اور فیاضانہ مہمانداری کے وصف میں لطائف • فتوحات کے رد و قبول کے بارے میں • فتوحات کی تقسیم اور استعمال کے بارے میں • شیخ کے یا دیگر شیوخ کے جلالی انداز کے لطائف، یعنی تلطف، مہربانی، عفو، رحم کے قصے • خوابوں کی تعبیر کے قصے • ایسے لطائف جن میں گنہگار پر رحمت خداوندی کے نزول کا اور زہاد کا رحمت و نعمت سے محرومی کا ذکر ہے • کرامات کے لطائف، خصوصاً "دریائے زر" والے قصے۔ کرامات کی کئی ذیلی زمرہ بندیاں ممکن ہیں • فقر کے لطائف اور ان میں خصوصاً فاقے کے لطائف • اہل و عیال کی ذمہ داری پوری کرنے کے لطائف (ان کی تعداد زیادہ نہیں) • توکل، قناعت، زہد، تجرد، ازدواج اور کسب کے بارے میں لطائف • لطائف المجاز: حسن و عشق کے لطائف، بیشتر عشق حقیقی کے مسائل سمجھانے کے لیے • مرشد اور مرید کے روابط اور طریقہ تربیت کے لطیفے • قلندروں سے، مردان غیب سے، علماء سے، مجذوبوں سے، غلاموں سے، اور جوگیوں سے روابط کے قصے • تعلّی آمیز لطائف۔ یوں تو انکسار اور نفس کشی تصوف کے اولین اوصاف میں ہیں پھر بھی صوفیانہ لطائف تعلّی سے یکسر خالی نہیں۔ (د، ۱۔ الف، ا) • دوسرے شیوخ سے یا جوگیوں وغیرہ سے مسابقت کے قصے • یکبارگی موت واقع ہونے کے قصے • لطائف جن سے معاشی یا سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے • لطائف جن میں تاریخی مواد ہے یا نظام حکومت پر روشنی پڑتی ہے • کتابوں اور کسب علم کے خلاف اور عقل و فلسفہ کے خلاف لطائف • علم کے حق میں لطائف۔

ان زمروں کے ذیلی زمرے بھی قائم کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً گنہگاروں پر نزول رحمت کے مختلف اسباب قائم کیے جاسکتے ہیں، جن میں ایک سبب کسی انسان یا جانور سے رحم کا برتاؤ ہوسکتا ہے۔ کرامات کے ذیل میں بہت سے عنوان قائم کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً دست غیب، دریائے زر، علم غیب یا پیشگی علم، مسیحائی، بددعا وغیرہ وغیرہ غلاموں کے تعلق سے کئی ذیلی زمرے قائم کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً غلاموں کے ساتھ برتاؤ، غلاموں کو آزاد کرنا، غلام کی کمائی پر جینا، بھاگے ہوئے غلاموں کی بازیابی۔ یہ ذیلی مدیں صرف مثال کے لیے دی گئی ہیں کہ کس طرح ایک

ے کئی مدیں نکل سکتی ہیں۔

جلالی لطیفے :- جلالی نوعیت کے لطیفوں کی شیوخ کے ملفوظات اور تذکروں میں کوئی کمی نہیں۔ کسی بزرگ ے حالات میں ان کا عنصر زیادہ ہے اور کسی میں کم۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ بزرگ جو محبت شفقت اور رافت کا نمونہ ے ان کے یہاں بھی جلالی لطیفے ناپید نہیں۔ ایک دو مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ "خیر المجالس" میں شیخ نظام الدین لیاری کی زبانی یہ لطیفہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فرید کی خدمت میں ایک درویش حاضر ہوا۔ شیخ نے اسے کوئی چیز دلوادی اور ں سے واپس جانے کے لیے کہا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ شیخ وہ کنگھا مجھے دیدے۔ شیخ خاموش رہے۔ درویش نے مرہی بات کہی۔ شیخ اب بھی خاموش رہے۔ تیسری بار درویش نے آواز اونچی کرکے کہا کہ شیخ کنگھا دے تو تجھے برکت ہوگی نخ نے کہا کہ وہ برکت میں نے تیرے لئے پانی میں روانہ کردی۔ وہ درویش وہاں سے جانے کے بعد بستی کے نزدیک ک جگہ پانی میں غسل کرنے کے لئے اترا۔ پانی پایاب تھا لیکن اس شخص کا پھر کچھ پتہ نہ چلا۔[۱۸] یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہ حال کے ایک مورخ نے شیخ فرید پر اپنی تصنیف میں اس لطیفہ کو اس نقطہ پر ختم کر دیا ہے جب شیخ نے کہا "آں رکت ترا در آب رواں کردیم"[۱۹] اور درویش کے انجام کا ذکر صرف نظر کر دیا جس سے لطیفہ کی جلالی شان واضح ہوتی خیر المجالس" میں ہی بابا فرید کا ایک اور جلالی لطیفہ درج ہے کہ جس میں شیخ کے لڑکوں کی شکایت پر اجودھن کے متعرف د اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔[۲۰] "خیر المجالس" کے مؤلف نے فردوسی سلسلہ کے شیخ عماد کے دو نوجوان لڑکوں کے جمنا یں ڈوب جانے کو شیخ نظام الدین اولیاء کی کرامات سے منسوب کیا ہے۔ ان نوجوانوں نے قبلاً شیخ کے بارے میں بےادبانہ الفاظ ادا کیے تھے۔[۲۱]

جلالی لطائف کی بھی زمرہ بندی کی جا سکتی ہے جس سے ایک نوعیت کے جلالی لطیفوں کی صنف بندی سے ان کے تناظر ما قبل پر روشنی پڑ سکتی ہے اور اس طرف بھی رہنمائی ہو سکتی ہے کہ کون سا لطیفہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ شیخ کے جلال کے نتیجے میں معتوبین کے پیٹ میں درد، سر درد، بینائی کے زوال، اور اسی قبیل کی زحمت کے لطائف چشتی اور سہروردی بزرگوں کے حالات میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ بالکل ایک جیسے لطائف مختلف بزرگوں کے حالات میں ملیں تو یہ واضح اشارہ ہے کہ لطائف نگار کی کوشش تھی کہ اس کے ممدوح پیر کا پلڑا اس کمال میں نیچے نہ جائے۔ اس بات سے تو شاید زیر تحریر مضمون کے ناقد بھی متفق ہوں گے کہ جلالی لطیفوں کا درجۂ اعتبار کچھ کم ہو جائے تو تاریخ تصوف کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ لیکن "خیر المجالس" میں بیان کردہ جلالی لطائف کی صحت کو تو غالباً تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

لطائف حسن و عشق :- صوفیانہ ادب میں عشق مجازی کے قصوں کی چاشنی وافر مقدار میں موجود ہے بلکہ بعض وقات خیال ہوتا ہے کہ اس قبیل کے قصوں کا تناسب توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ کچھ قصے تو اس قسم کے ہیں جو عشق و محبت الٰہی کے نکات کو عشق مجازی کی مثال سے کرنو آموز سالکین کو سمجھانے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ پھر بعض قصے حضرات صوفیہ کے واردات مجازی کے بارے میں اور بعض غیر صوفیہ لوگوں کے بارے میں ہیں۔

صوفیانہ ادب میں لطائف اجمال کو جمع کیا جائے تو خاصی تعداد ہو جائے گی۔ یہاں ننان کا حال پھیلا کر بیان کرنا مقصود ہے اور نہ بات کو طول دینا۔ البتہ غور کرنے والے اسکالر کے ذہن میں ایک دو باتیں ضرور کھٹکیں گی۔ ایک تو یہی کہ صوفیانہ لطائف میں مجازی عشق کے قصوں کا اتنا مواد کیوں ہے۔ کیا ان کے بغیر بات کو سمجھنا بالکل نا ممکن تھا؟ اس آخری سوال کا جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ محبت چونکہ بشری زندگی میں ایک آفاقی جذبہ ہے، ہر شخص اس سے واقف ہے اور تھوڑا بہت تجربہ رکھتا ہے۔ اس لیے عشق الٰہی کے معاملات و مقامات کو سمجھانے کا کام مجاز کے حوالے سے کچھ آسان تر ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس تمام مسئلہ پر علم نفسیات کا ماہر نظر ڈالے تو عین ممکن ہے کہ اسے کوئی ایسا پہلو نظر آئے جو تاریخ کے طالب علموں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

آخر میں قارئین کی دلچسپی اور تفہیم کے لیے اس قبیل کے دو لطیفے بیان کیے جاتے ہیں۔ اولیاء کی موت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ "موت کے وقت اولیاء کی حالت وہی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی شخص بستر میں سو رہا ہو اور اس کا معشوق اس کے بستر میں آجائے اور اس آدمی کی آنکھ کھل جائے اور وہ معشوق کو اپنے بستر میں دیکھے جس کی اسے ایک عمر سے طلب تھی تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا خوشی اور فرحت حاصل ہوگی"[۲۲] اس لطیفہ میں خوبی یہ ہے کہ اس کے سنانے کی توجیہ اور مقصد آخری جملہ میں موجود ہے۔ موت کے بعد واصل بہ حق ہونے کی لذت بے حساب کی توقع کو ایک ایسی مثال سے سمجھایا گیا جسے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ ("دانی او راچہ شادی و فرحت آید")۔

دوسرا لطیفہ "رسالہ قشیریہ" سے لیا گیا ہے۔ "یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں جو شخص نااہل لوگوں میں اپنی محبت کا ذکر کرے وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے کسی سے اپنی دوستی کا دعویٰ کیا۔ اس جوان نے اس مرد سے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، میرا بھائی مجھ سے بہتر اور زیادہ حسین ہے۔ اس شخص نے سر موڑ کر اس کے بھائی کی طرف دیکھا اس لیے کہ اس وقت وہ دونوں (بھائی) چھت پر تھے۔ اس جوان نے اس مرد کو چھت سے (نیچے) پھینک دیا اور کہا کہ جو کوئی بھی مجھ سے دوستی کا دعویٰ کرے اور دوسرے پر نظر ڈالے اس کی سزا یہی ہے۔"[۲۳]

فوری موت کے قصے :- فوری موت کوئی انہونی بات نہیں۔ آجکل بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ

ا غیر معمولی صدمہ (اور بعض اوقات غیر معمولی اور غیر متوقع خوشی) کے باعث موت واقع ہو جاتی ہے۔ صوفیوں پر جو شدید
وحانی اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی رہتی تھی وہ جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے وصال
واقعہ معروف ہے۔ قوالی کے دوران قوال سے یہ شعر سن کران کی حالت غیر ہو گئی ۔

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جان دیگر است

ن روز کے مسلسل اضطراب کے بعد ان کا وصال ہو گیا۔ اس شعر کے معانی میں فنا اور بقا کے مضمون کو جس خوبصورتی
سے سمو دیا گیا ہے، اسے الفاظ کے حسن اور شعر کی غنائی تاثیر نے دوبالا کر دیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ چھوٹی بحر کا یہ شعر ان کے
یے نشتر کا کام کر گیا۔ اس واقعہ کو قبول کرنے میں اس لیے بھی تکلف نہیں ہوتا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات
فوائد الفواد" میں اس کا ذکر ہے[۲۴]۔ اور مزید یہ کہ شیخ کاکی کا انتقال فوری طور سے واقع نہیں ہوا بلکہ تین روز کی اضطرابی
کیفیت کے بعد ہوا۔ لیکن جب ہم "گلزار ابرار" میں پڑھتے ہیں کہ نہروالے کے سید احمد حامد نے جوش و خروش کی کیفیت
ں قوالوں سے وہی غزل گانے کی فرمائش کی اور جب قوال اس شعر پر پہنچے (کشتگان خنجر الخ) تو اضطرابی کیفیت بڑھ
ئی اور اذان سن کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور سجدہ میں جا کر ابدی وصال حاصل کر لیا۔ تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے
۔ آیا حضرت کاکی کے واقعہ کا چربہ تو نہیں ؟

فوری موت کا ایک عجیب و غریب واقعہ جس کا جہانگیر بادشاہ خود عینی گواہ تھا ملا علی جہرکن کا ہے۔ اس کا حال
جہانگیر نے خود اپنی تزک میں لکھا ہے[۲۶] اور اس کے بیان پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں۔ مختصراً واقعہ اس طرح ہے کہ شاہی محفل
میں قوال قوالی گا رہے تھے جس میں ٹیپ کا بند یہ مشہور شعر تھا جس کا پہلا مصرعہ شیخ نظام الدین اولیاء سے منسوب
ور دوسرا امیر خسرو سے :

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے — من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

جہانگیر نے دوسرے مصرع کے معنی پوچھے۔ ملا علی نے اس شعر سے منسوب واقعہ بیان کیا اور جب دوسرا مصرع
پڑھا تو پڑھتے ہی گر گئے اور جاں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت کاکی اور ملا علی کے واقعات کی صداقت پر شبہ
کرنے کا کوئی سبب نہیں، لیکن صوفیہ کے لطائف میں فوری موت کے واقعات کی جو کثرت ہے اس سے شبہ ہوتا ہے
کہ یہ بات لطیفہ کی تاثیر بڑھانے کے لیے تو استعمال نہیں کی گئی۔ اس قبیل کے سب واقعات اگر ناقابل یقین نہیں تو سب
قابل یقین بھی نہیں۔

<u>لطائف کا استناد اور اعتبار</u>: کتاب اللمع، طبقات الصوفیہ (ابو عبدالرحمن سلمی) اور رسالہ قشیریہ

میں بہت سے لطائف کی سند بلکہ سلسلۂ اسناد بھی دیا گیا ہے جس سے اس حد تک اطمینان ہو جاتا ہے کہ جو بات لکھی گئی کسی نہ کسی معروف ذریعہ سے مؤلف تک پہنچی ہے۔ اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ بیان کیا ہوا واقعہ بالذات صحیح ہے، لہ صحت عدم صحت کے بارے میں کم از کم مؤلف کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ابو عبدالرّ سلمی کے رسالہ " ملامتیان وصوفیان وجواں مرداں " کے فاضل مصحح ڈاکٹر ابوالعلا عفیفی نے یہ رائے بڑی مضبوطی سے ظاہر کی کہ حدیث کے معاملہ میں سلمی شائستہ اعتبار نہیں اور انھوں نے صوفیہ کے مقاصد کی تائید میں حدیثیں وضع کی ہیں[75]۔ لازماً یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حدیث کے معاملہ میں اس پایہ کے مصنفین نے یہ رویہ اختیار کیا ہے تو پھر خود صوفیہ کی روایات میں کس حا احتیاط برتی ہوگی۔ اس امر کے پیش نظر سائمن ڈگبی نے خانقاہوں کے حوالے سے جو اختراعی فضا (inventive atmosphere) ذکر کیا ہے وہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

جنوبی ایشیا کے حوالہ سے شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظ "فوائد الفوائد" مرتبہ حسن دہلوی اور کسی درجہ ک شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے ملفوظ مرتبہ حمید قلندر کو تمام ملفوظات میں سب سے مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس کوئی شک نہیں کہ ان دونوں ملفوظات کی تحریر میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور سلطان المشائخ اور چراغ د نے وہ حصے قلمزد کر دیے جن میں ان کی غلو آمیز مدح تھی یا ان کی کرامات کا ذکر تھا۔ ان تمام احتیاط کے باوجود ا میں فوق العادت واقعات کا معتد بہ مواد ملتا ہے۔ امیر خورد کرمانی کی "سیر الاولیا" میں یہ مواد کچھ اور بھی زیادہ ہے۔ "فوائ اور "خیر المجالس" میں جو واقعات سلطان المشائخ اور چراغ دہلوی کے اپنے اپنے مشاہدہ کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں ا میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لیکن ایسے واقعات جو براہ راست مشاہدہ پر مبنی ہوں ان کا تناسب کم ہے اور لطائف و واقعات دوسروں کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔

شیخ شرف الدین منیری کے ملفوظات میں لطائف کا عنصر کم ہے اور مجموعی طور سے ان کے ملفوظات کا پایۂ اعت بلند ہے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات میں مختلف الالوان لطائف ملتے ہیں اور مزید براں الحاقی مواد ک ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ "سراج الہدایہ" کے فاضل مصحح قاضی سجاد حسین صاحب نے تلاش وتجسس کے بعد ثابت کیا ہے کہ سرا میں دوسروں کی تصنیف کے رسالے کے رسالے نقل ہیں اور جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں وہ بیشتر موضوعی ہیں[76]۔ لیکن مخ کا دوسرا ملفوظ " جامع العلوم " زیادہ وقیع اور لطائف سے بھی پر ہے۔

ملفوظات کی صحت اور درجۂ اعتبار کے بارے میں کچھ ذکر مضمون کے اختتامیہ میں آئے گا۔

<u>حرف انتباہ</u> :- کچھ الزاع کے لطائف اور قصوں کی طرف سے محقق کو خصوصاً ہوشیار رہنا ضرور ی

ے اولاً تو ایسے لطیفے ہیں جنھیں مہتم بالشان الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔ اسکالر کو اس کا امکان ملحوظ رکھنا چاہیے
الفاظ برمحل نہیں کہے گئے بلکہ ان کی تراش خراش میں ایک ہنرمند لطیفہ نگار کا بھی حصہ ہے۔ یہی معاملہ ایسے لطائف
ن میں عناصر کا توازن قائم کرکے اور نوک پلک سنوار کے انھیں منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا گیا ہے۔ ایسے لطیفوں کی
ہر دور کے ملفوظات اور تذکروں میں ملتی ہیں۔ اس نوع کی ایک مثال رسالہ قشیریہ میں ملتی ہے جو حسب ذیل ہے:

" ایک صوفی کا قول ہے کہ تیس سال میری یہ حالت رہی کہ میری زبان جو کچھ سنتی دل کی طرف سے سنتی، اس کے
سال ایسے گذرے کہ دل جو کچھ سنتا زبان کی طرف سے سنتا۔"[29]

اس میں جس طرح دو باتوں کو متوازن کیا گیا ہے اس میں آورد کی کیفیت نظر آتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض اشخاص
ی معمولی مادہ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہیں وہ یادگار ہو جائے، پھر بھی محقق کے لیے سلامتی اس میں ہے کہ ایسے بیانات سے
یار رہے۔ قشیریہ ہی میں ایک عظیم صوفی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ " میں بانے[30] سال تک نفس کا لوہار رہا اور پانچ سال
ے دل کا آئینہ رہا اور ایک سال آئینہ میں دیکھتا رہا، میں نے دیکھا کہ میری کمر پر ظاہری زنار ہے، میں نے بارہ ۱۲
س زنار کو کاٹنے میں لگائے۔ پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ زنار میرے باطن میں ہے۔ پانچ سال اس کوشش میں لگے کہ
ی طرح سے کاٹوں۔ پھر تمام معاملہ کشف کے ذریعہ ظاہر ہو گیا۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو انھیں مردہ پایا۔
بانے مخلوق پر (جنازہ کی) چار تکبیریں کہیں (یعنی انھیں خیرباد کہا)"[31]۔ ن لطائف میں تعلی کا عنصر بھی نمایاں ہے
یہی کیفیت برجستہ جواب کی یا برجستہ کہے گئے الفاظ کی ہے۔ "سیرالاولیاء" میں شیخ نظام الدین اولیاؒ سے
منسوب کی گئی ہے کہ جب انھیں علاء الدین خلجی کا یہ پیام ملا کہ وہ جماعت خانہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے تو انھوں نے
کہ "میرے گھر کے دو دروازے ہیں، سلطان ایک سے داخل ہوگا تو میں دوسرے سے باہر چلا جاؤں گا"۔ اس قول
ایسے تھے کہ اس کا مشہور ہو جانا لازمی تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ امیر خورد کرمانی کی اختراع ہے۔ ہم عصر مورخ
الدین برنی جو خود شیخ کا مرید تھا اور شیخ کے حلقہ کی نمایاں شخصیتوں میں سے تھا، سلطان علاء الدین خلجی کی بدنصیبی
ر رونا روتا ہے کہ شہر میں اتنا بڑا بزرگ موجود ہے اور سلطان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس بزرگ کی خدمت میں
ہو۔ یہی بیان تاریخی ہے۔ لیکن دروازوں والی بات پر لطف تھی اس لئے اس نے قبولیت پائی، حتی کہ شیخ عبدالحق
دہلوی جیسے محتاط تذکرہ نگار نے بھی اپنے "اخبار الاخیار" میں شامل کیا ہے۔[32]

حرف آخر۔ اوپر دی ہوئی بحث میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ صوفیانہ لطائف کے ادب کو
یہ تنقید اور تجزیہ کے استعمال کرنے میں کیسی غلطیوں کا امکان ہے اور ان غلطیوں سے بچنے کے لیے کیا کیا تدابیر کی جا سکتی

ہیں۔ ان میں سب سے مؤثر تدبیر لطائف کی زمرہ بندی اور ذیلی زمرہ بندی ہے۔ زمرہ بندی کے فوائد میں اہم ترین یہ ہے کہ پچھلے ماخذ کے لطائف کا تقابلی مطالعہ کر کے لطیفہ کی قدامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اس نے بعد میں کیا کیا شکلیں اختیار کیں، اس طرح لطیفہ کا درجہ اعتبار قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مزید یہ کہ بعض انداز کے لطائف کو پرکھنے میں بڑی ہوشیاری اور استعمال میں احتیاط مزید کی ضرورت ہے۔ ان لطائف میں ایک تو وہ ہیں جو از قسم تمثیلیہ PARABLE ہیں اور دوسرے وہ جو مبہم بالشاق معلوم ہوتے ہیں۔

اختتامیہ:۔ یہ مضمون اصلاً "فکر و نظر" اسلام آباد کے اس شمارہ میں شائع ہونے کے لیے لکھا گیا تھا جو مرحوم مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن سے منسوب تھا۔ اس مناسبت کے پیش نظر مولانا کی نگارشات پر تبصرہ و تحسین کے چند جملے بے محل نہ ہوں گے۔ یہ اجمالی تبصرہ اس مضمون کے بعض پہلوؤں سے بھی مربوط ہے

راقم الحروف کی نظر میں صوفیانہ مطالعے کے سلسلہ میں مولانا مرحوم کا سب سے اہم کارنامہ ان کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے بزم صوفیہ کے آخر میں بطور ضمیمہ کے دیا ہے اور جس کا عنوان "ملفوظات خواجگان چشت" ہے[24]۔ مرحوم پروفیسر محمد حبیب نے اب سے کوئی اڑتیس سال پہلے ایک بڑے اہم اور تاریخ ساز مضمون[25] میں قدیم چشتی ملفوظات کو جعلی قرار دیا تھا۔ ان میں منجملہ دوسرے ملفوظات کے شیخ عثمان ہرونی، شیخ معین الدین اجمیری، شیخ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فرید شکر گنج کے ملفوظات جو علی الترتیب ان کے خلفائے اعاظم سے منسوب تھے، شامل ہیں۔ ان کتابوں پر پروفیسر صاحب مرحوم نے یہ اعتراض کیے کہ ان میں بے سروپا باتیں ہیں، کرامات کی بھرمار ہے اور صاحب ملفوظ سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں، جو ناقابل تصور ہیں کہ انھوں نے کہی ہوں۔ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم نے اپنے مضمون میں اسی قسم کے اعتراضات ان ملفوظات پر وارد کیے ہیں جنھیں عموماً معتبر سمجھا جاتا ہے، خصوصاً "فوائد الفواد" اور "خیر المجالس" پر۔ مولانا نے ان کا تنقیہ کر کے بالتفصیل بتایا ہے کہ ان میں بھی اسی قسم کی بے سروپا اور غیر المعقول باتیں ہیں جن کی بنا پر قدیم ملفوظات کو بے اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ شیخ نصیر الدین چراغ کے ملفوظات "خیر المجالس" (مرتبہ حمید قلندر) کے بارے میں مولانا مرحوم نے نشاندہی کی ہے کہ سید محمد گیسو دراز کے بیان کے مطابق جب "خیر المجالس" کا ایک جزو صاحب ملفوظ کو دکھایا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ "من چیزے دیگر گفتہ ام، مولانا حمید الدین چیزے دیگر نبشتہ است" اور یہ کہہ کر وہ جزو باہر پھینک دیا۔

مولانا نے "فوائد الفواد" اور "خیر المجالس" کی جو تنقید کی ہے اس سے صرف ایک بات نکل کر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان ماخذ کو حزم و احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے اور یہ موقف عالمانہ ہے، معاندانہ نہیں۔ یہ وہ بنیادی بلکہ ابتدائی احتیاط ہے جو تاریخ کے ہر طالب علم کو چاہے وہ کسی درجہ کا ہو ہر تاریخی ماخذ کے بارے میں برتنا پڑتی ہے چاہے وہ کسی

یت کا ہو۔ صوفیانہ ادب میں مثالیات، کرامات، شطحیات اور اختراعی مواد کے شامل ہونے کے باعث احتیاط مزید کا موجب ہے
پروفیسر حبیب نے قدیم چشتی ملفوظات کی تنقید کے سلسلے میں ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ "تاریخی زمانہ کے
میں کوئی کرامات نہیں ہو سکتیں"۔ ان ملفوظات قدیم میں چونکہ ایسے اشخاص کو جن کے زمانوں میں ایک صدی، دو صدی
ین صدی کا فرق ہے یکجا اور ہم کلام دکھایا گیا ہے، اس لئے اس اصول کے مطابق یہ ملفوظات لائق اعتبار نہیں۔ اس
شک نہیں کہ جس ملفوظ پر یہ اعتراض صحی ہے اور کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہے، وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گا
ل ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معیار کو مرکزی موضوع بنا کر سارے صوفیانہ ادب کی چھان بین کی جائے۔ کشف
ب میں جو تصوف کی معتبر ترین کتابوں میں ہے بایزید (وفات ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء-۸۷۶ء) کو ایک پختہ عمر کا انسان دکھایا
ہے جنہوں نے شقیق بلخی (وفات ۱۹۴/ ۸۰۹--۸۱۰) کو اس طرح کا مشورہ بلکہ ہدایت بھیجی جیسا کہ بزرگ اپنے سے خام تر
ں کو بھیجتے ہیں[36]۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ شقیق بلخی کی وفات بایزید کی وفات سے ۶۷ سال پہلے واقع ہوئی تھی۔ خود
بر المجالس" میں رابعہ بصری (وفات ۸۰۱م) اور خواجہ حسن بصری (وفات ۷۲۸م) کو ہم کلام دکھایا گیا ہے، اگرچہ
ون کی تاریخ ہائے وفات میں قریب پون صدی کا فرق ہے اور موضوع گفتگو بھی ایسا ہے کہ اس کا یہاں نظر انداز کرنا
بہتر ہے[37]۔ "جوامع الکلم" اس سے بھی ایک قدم آگے ہے۔ اس لئے کہ اس میں خواجہ حسن بصری، رابعہ بصری، ابراہیم ادھم
ات ۷۷۶، یا ۷۹۰) اور ذوالنون مصری (وفات ۸۵۹م) کو یکجا دکھایا گیا ہے[38]۔ حالانکہ اول الذکر اور آخر الذکر کے
ل ہائے وفات میں ۱۳۱ سال کا فرق ہے۔ اسی طرح "جامع العلوم" میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے روایت ہے کہ
سور حلاج (المقتول ۳۰۹/ ۹۲۲) کے قتل کا فتویٰ قاضی ابو یوسف (وفات ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) نے دیا تھا[39]۔ یہ بات بھی سالوں
تفاوت کے باعث ناممکن الوقوع ہے۔

یہ مثالیں ایسی ہیں جو اتفاقاً نظر پڑ گئیں۔ تلاش کی جائے تو اس قسم کی غلطیاں کم و بیش ان تمام ملفوظات متذکروں اور
ول تصوف کی کتب میں ملیں گی جو مقابلتاً زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہیں، اور یہی مرحوم مولانا صباح عبد الرحمٰن کے مولہ بالا مقالہ
صل سبق کہا جا سکتا ہے کہ کسی ملفوظاتی ماخذ کو مستند نہیں فرض کر لینا چاہئے اور قدیم چشتی ملفوظات کی طرح دیگر ملفوظات کو
تنقید کی خوردبین کے نیچے رکھ کر جانچنا ضروری ہے۔

-۰۰۰۰۰۰-

حوالہ جات

۱ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن۔ ناشر محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، سال ندارد (طبع چہارم)۔ ج ۱، ص ۹۵-۱۰۸، ج ۲، ص ۸۸، ۱۸۱، ۱۵۴-۱۸۰۔

Also see Fazlur Rahman, Islam, London, 1966, P. 133.

تصوفیانہ لطائف اور "اسرائیلیات" کے نکتۂ اتصال کی ایک اچھی مثال حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریہ کی داستان کا ذکر ہے۔ جو سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات "جوامع الکلم" میں دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو "جوامع الکلم" مرتبہ سید محمد اکبر حسینی۔ مخطوطہ برٹش میوزیم۔ شمارہ OR ۲۵۲۰ ورق ۱۲۶، الف و ب۔

۳۔ ابوالقاسم قشیری۔ رسالہ قشیریہ ترجمہ فارسی۔ با تصحیحات بدیع الزمان فروزانفر تہران۔ ۱۳۴۵ شمسی، ۱۹۶۶، ص ۴۰۳-۴۰۵۔ اردو ترجمہ اسلام آباد ۱۹۸۴ء (مترجم ڈاکٹر پیر حسن) اقتباس مختلف ہے۔ اس مضمون میں قشیریہ کا اردو ترجمہ دیتے وقت فارسی ترجمہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور بیشتر اسی پر انحصار کیا گیا ہے۔

۴۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی) ص ۳۵۹-۳۶۰

۵ "سیر محمدی" مولفہ محمد علی سامانی مخطوطہ فارسی نیشنل میوزیم کراچی، شمارہ ۲۶۰-۱۹۷۰ء این۔ ایم ورق ۲۷، الف و ب

۶ "جوامع الکلم" (ملفوظات سید گیسو دراز) مرتبہ سید محمد اکبر حسینی۔ مخطوطہ فارسی، برٹش میوزیم۔ شمارہ OR ۲۵۲، ورق ۲۰۰، الف و ب۔

۷ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی)، ص ۳۴۳-۳۴۴۔

۸ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی، طبقات الصوفیہ۔ تصحیح حبیبی۔ کابل ۱۳۴۱ ش۔ ص ۴۳۔

۹ غزالی۔ احیاء العلوم (اردو ترجمہ) جلد چہارم مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ سال ندارد۔ ص ۳۵۴۔

۱۰ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف، اردو ترجمہ۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۷ء۔ ص ۴۰۰۔

۱۱ Muhammad Saleem Akhtar (Editor), Kalimat al-Sadiqin of Muhammad Sadiq Dihlawi, Lahore, 1988. Editor's Introduction, PP. 83-85.

۱۲ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ "اخبار الاخیار" مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔ ص ۲۰۔

۱۳ اللہ دیا چشتی۔ سیر الاقطاب۔ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء۔ ص ۱۸۹

۱۴ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ "بزم صوفیہ" طبع سوم۔ اعظم گڑھ ۱۹۷۹ء، ص ۲۸۵-۲۸۶۔

۱۵ ترجمہ رسالہ قشیریہ (فارسی) ص ۶۷۲۔

۱۶ شیخ ابونصر سراج۔ "کتاب اللمع فی التصوف" اردو ترجمہ از سید اسرار بخاری۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور ۱۹۸۴۔ ص ۵۲۱

• حمید قلندر۔ "خیر المجالس" با تصحیح خلیق احمد نظامی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۹ء۔ ص ۲۵۷۔

Simon Digby, 'Qalandars and Related Groups (in the ...Dehli Sultanate of the Thirteenth and Fourteenth Centuries)' in Islam in Asia, The Harry S. Truman Institute for the Advancement of Peace, 1984, Vol. I, P. 81.

(الف) غزالی۔ کیمیائے سعادت، تہران خرداد ۱۳۶۴ھ۔ ص ۴۰۰۔

"خیر المجالس" ص ۲۰۲۔

Khaliq Ahmad Nizami, The Life and Times of Shaikh Farid-Uddin Ganj-i-Shakar, Aligarh, 1955, PP. 51-52.

"خیر المجالس" ص ۱۸۲۔

"خیر المجالس" ص ۲۰۳ - ۲۰۲۔

"فوائد الفواد" مرتبہ خواجہ حسن دہلوی۔ با تصحیح محمد لطیف ملک لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۴۸-۴۹۔

ترجمۂ رسالۂ قشیریہ (فارسی) ص ۵۶۸ - ۵۶۹۔

"فوائد الفواد" ص ۲۳۶

محمد غوثی شطاری ماندوی۔ اذکار ابرار اردو ترجمہ "گلزار ابرار"۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، ص ۱۵۵-۱۵۶

ملاحظہ ہو "جہانگیر نامہ" (تزک جہانگیری) بہ کوشش محمد ہاشم۔ بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۵۹ شمسی۔ ص ۹۷۔ یہ واقعہ ۱۲ محرم ۱۰۱۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۶۱۰ء کو رونما ہوا۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی، ملامتیان و صوفیان و جوانمردان (ترجمہ فارسی) تصحیح دکتر ابوالعلا عفیفی۔ کابل ۱۳۴۴ھ۔ ص ۵۷۔

Also see Fazlur Rahman, Islam, London, 1966, PP. 133-134, for the Sufis' invention of 'fanciful' and 'fictitious' hadithes.

"سراج الہدایہ (ملفوظات حسین جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت)، مرتبہ قاضی سجاد حسین۔ نئی دہلی ۱۹۸۳ء۔ پیش لفظ۔ ص ۱۲-۱۳۔

ترجمہ رسالہ قشیریہ" (فارسی) ص ۱۸۷ - ۱۸۸۔

ترجمہ "رسالہ قشیریہ" (فارسی) ص ۱۴۷۔

سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ "میر خورد"۔ "سیر الاولیا" مؤسسہ انتشارات اسلامی لاہور۔ ص ۱۴۵۔

ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی۔ بتصحیح سید احمد خان۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۸۶۲ء۔ ص ۳۶۶۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ "اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔ ص ۵۸۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ بزم صوفیہ۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ طبع سوم ۱۹۷۹ء یہ مضمون مذکورہ کتاب کے ضمیمہ میں صفحات ۶۲۱ پر دیا گیا ہے۔

۲۵ Muhammad Habib, 'Chishti Mystic Records of the Sultanate Period', in _Politics and Society during the Early Medieval Period,_ being the Collected Works of Professor Muhammad Habib, Vol. I, Edited by Prof. K.A. Nizami, New Delhi, 1974. The article referred to occurs on PP. 385-433. It appeared originally in _Medieval India Quarterly,_ Aligarh Vol. I, No. 2, October 1950.

۲۶ 'Ali b. 'Uthman al-Hujwiri, _Kahsf al-Mahjub,_ tr. R.A. Nicholson Islamic Book Foundation, Lahore, 1976. PP. 358-59.

۲۷ " خیرالمجالس ". ص ۲۰۰ - ۲۰۱

۲۸ "جوامع الکلم" نسخہ برٹش میوزیم۔ ورق ۳۲ الف و ب

۲۹ پروفیسر محمد اسلم " الدرالمنظوم کی تاریخی، مذہبی اور سماجی اہمیت " اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، صفحہ ۴ بحوالہ الدرالمنظوم، ملتان ۱۳۷۷ھ۔ ص ۱۳۳۔

بشکریہ فکرونظر اسلام آباد



ہندستان کے کتابخانوں میں

مخطوطاتِ تصوّف

فارسی و عربی

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

اس فہرست میں ہندوستان کے جن ذخیروں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کی فہرست درج ذیل ہے:

آرکائیوز الہ آباد = اسٹیٹ آرکائیوز، یوپی، الہ آباد۔
آزاد = مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ۔
آصفیہ = اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری (آصفیہ لائبریری) حیدرآباد۔
ابوالخیر = درگاہ شاہ ابوالخیر، چتلی قبر، دہلی۔
اسلام پور = خانقاہ اسلام پور، پٹنہ۔
ایشیاٹک = ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔
برق = ڈاکٹر منظور رضوی برق، سنبھلپور کا ذاتی ذخیرہ۔
بلخیہ = خانقاہ بلخیہ، فتوحہ، پٹنہ۔
بوہار = نیشنل لائبریری، بوہار کلیکشن، کلکتہ۔
بھوپال = کتب خانہ حمیدیہ، بھوپال۔
پٹنہ یونیورسٹی = پٹنہ یونیورسٹی لائبریری، پٹنہ۔
پیر دمڑیا = خانقاہ پیر دمڑیا، خلیفہ باغ، بھاگلپور۔
پھلواری = کتب خانہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔
تحقیقات = ادارہ تحقیقات اردو کلیکشن، خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔
ٹونک = عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، راجستھان۔
جامع مسجد = کتب خانہ جامع مسجد، بمبئی
جامعہ = ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
جمال پاشا = پاشا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، سیوان (بہار)۔
جواہر = مولانا آزاد لائبریری، جواہر کلیکشن، علیگڑھ۔
جیسوال = کے پی جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لائبریری، پٹنہ۔
حبیب گنج = مولانا آزاد لائبریری، حبیب گنج کلیکشن، علیگڑھ
خدا بخش = خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔
دہلی = دہلی یونیورسٹی لائبریری، دہلی۔
دیوبند = کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، یوپی

رحمانیہ = کتب خانہ رحمانیہ، مدرسہ محمدی، مدراس
رضا = رضا لائبریری، رامپور، یوپی۔
سالار = سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد
سبحان اللہ = مولانا آزاد لائبریری، سبحان اللہ کلیکشن، علیگڑھ
شانتی نکیتن = سنٹرل لائبریری، شانتی نکیتن، وشو بھارتی
شبیر عطا = کتب خانہ سلون، لکھنؤ۔
صولت = صولت پبلک لائبریری، رامپور۔
ظل الرحمن = حکیم ظل الرحمن (علیگڑھ) کا ذاتی ذخیرہ
عبدالحی = مولانا آزاد لائبریری، عبدالحی کلیکشن، علیگڑھ
عبدالسلام = مولانا آزاد لائبریری، عبدالسلام کلیکشن، علیگڑھ
علیگڑھ یونیورسٹی = مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ۔
عمادیہ = خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سیٹی۔
غوث = کتب خانہ بندہ نواز گیسو دراز، گلبرگہ۔
فتوحہ = خانقاہ بلخیہ، فتوحہ، پٹنہ۔
فرقانیہ = جامعۃ العلوم فرقانیہ، رامپور، یوپی۔
کشمیر = ریسرچ لائبریری، سری نگر، کشمیر
گیا = خانقاہ منعمیہ، گیا۔
محمدی = کتب خانہ [illegible]، مدرسہ محمدی، مدراس۔
مدراس = گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری، مدراس
مزمل = مزمل اللہ خاں لائبریری، علیگڑھ۔
ملا فیروز = ملا فیروز لائبریری، بمبئی۔
منعمی = خانقاہ منعمیہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی۔
مونگیر = خانقاہ رحمانیہ، مونگیر۔
ناصریہ = ناصریہ لائبریری، لکھنؤ۔
ندوہ = شبلی لائبریری، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
نیشنل میوزیم = نیشنل میوزیم، دہلی۔
ہمدرد = کتب خانہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، ہمدرد نگر
یوپی آرکائیوز = اسٹیٹ آرکائیوز، یوپی، الہ آباد
یونیورسٹی کلیکشن علیگڑھ = مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ

حرف آغاز

جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار کے پہلے اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۸۴ء میں جو طب مخطوطات کے موضوع پر تھا
ے بعد اس سلسلہ کا دوسرا سمینار تصوف کے مخطوطات پر مارچ ۱۹۸۵ء میں منعقد ہوا۔ اس سلسلہ کی اہم ترین کڑی کا تصوف
عربی و فارسی کے اہم مخطوطات کی جامع فہرست پیش خدمت ہے۔

یہ تصوف پر ہندستان کے غیر مطبوعہ فارسی، عربی ذخیرہ کی ایک جامع فہرست ہے جس میں معروف کتابخانوں
ے ساتھ نجی و غیر معروف ذخائر کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

سمینار میں جو فہرست بحث کے لیے پیش کی گئی تھی اس میں سمینار میں گفتگو کی روشنی میں جابجا ترمیم و اضافہ
یا گیا ہے۔

اور اب اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ ان مخطوطات میں اہم ترین کا انتخاب کرکے تدوین، اگر ممکن ہو تو ترجمے کا آغاز کیا جائے
پیش نظر فہرست میں یہ بھی عرض کر دیا جائے، بہت سے اہم نام نہیں ملیں گے محض اس لیے کہ وہ طبع شدہ
ہیں۔ یہ نکتہ بھی سامنے لے آیا جائے کہ اکثر طبع شدہ متون تو کشوری حیثیت رکھتے ہیں اور اسکے مستحق ہیں کہ انھیں بھی مدون کیا
جائے، لیکن یہ کام اتنا بڑا اور پھیلا ہوا ہے کہ ہمیں تو ترجیحات دینی ہی ہوں گی۔ اور یہ محض ترجیح ہی ہے اور طوفانی رفتار سے وقت
کے اڑتے ہوئے لمحات کا جبر ہے جو ہمیں پابند کرتا ہے کہ نو لکشور نے جابجا کتابت کی اغلاط کے ساتھ ہی سہی کچھ پیش تو کر دیا جبکہ
سیکڑوں دشاہکار ہزاروں متن جو اس قابل ہیں کہ انھیں بھی سامنے لایا جائے صدیوں سے کتابخانوں میں دفن پڑے ہیں تو پہلے
انھیں سے ملیں اور ان میں بھی اہم ترین کو، پھر طبع شدہ کا نمبر بھی آ ہی جائے گا۔

علم کی اشاعت ـــــ اگر مقصد یہ اولین ہے تاکہ اس روشنی میں ہم ایک بہتر سماج اور ایک بہتر آدم کی تشکیل
کر سکیں تو ذاتی نام اور شہرت کے خول سے نکل کے ٹیم ورک کی، مل جل کے کام کی، عادت پیدا کرنی ہوگی۔ ان مخطوطات
کی تدوین کے پیچھے یہ جذبہ کام کرنے لگا، تو مجھے امید ہے ہم سو برس کا کام چار پانچ برس میں انجام دے سکیں گے۔

اب جو باصلاحیت اسکالر بھی اس کام میں ہاتھ بٹائیں، خدابخش کی طرف سے انھیں خوش آمدید کہا جا
ہر ممکن تعاون کیا جائے گا اور اس امید کے ساتھ کہ دوسرے تمام ادارے اور افراد بھی اس کار خیر میں اسی جذبے کے س
شرکت کریں گے۔

ـــــ عابد رضا بید

ارسی مخطوطات

...ار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
-	آداب	یشیخ الکبیر	مدراس	
	آداب خلوت		پٹنہ یونیورسٹی	
	آداب الذکر	جعفر محمد ابوسعید قلندری	ایشیاٹک	
	آداب السالکین	محمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، ہمدرد، رضا	
	"	قاسم اودھی	پٹنہ یونیورسٹی، سہارنپور	
	"	مولانا محمد محسن ابن مرتضیٰ کاشی	رضا	
	آداب الصالحین		سالار	
	آداب الصدّیقین/سلسلۃ الصدیقین	احمد بن جلال الدین کاشانی	ہمدرد، خدابخش	
	آداب طریقت	خواجہ عبدالخالق	آصفیہ	
۱۰	آداب الکاملین	محمد جان	آرکائیوز الہ آباد	
	آئینۂ جمال در سراپائے سید محمد قادری	احمد بن محمد القریشی	حبیب	
	آئینۂ جہاں نما/ چراغ دین	سراج الدین حسین	آصفیہ، رضا	
	آئینہ حق نما/ آئینہ حقائق نما		رضا، آصفیہ، مدراس	
	" = شرح جام جہاں نما	ابراہیم شطاری	محمدی پھلواری، سالار	
	ابجد عشق	محمد ہروی	ایشیاٹک، آرکائیوز الہ آباد	
	ابواب المعرفت	چترل	آصفیہ	
۲-	اثبات سماع الغنا	شیخ جمال محمد	ایشیاٹک	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۴	اجازت نامہ (در مجموعہ رسائل)	امیر ہمدانی	دیوبند	
-	اجازت نامہ خلافت پیر دھڑیا		پیر دھڑیا	
	احوال شاہ پیر محمد لکھنوی	شاہ پیر محمد لکھنوی	علیگڑھ	
	اجوبہ زاہدیہ	شرف الدین یحییٰ منیری	بلخیہ	
	احتیاج نامہ	—	ایشیاٹک	
	احسن الاذکار (حالات پیران پیر)	نواب محمد علی خاں	عبدالسلام	
	احسن الاقوال ملفوظات برہان الدین غریب	حماد بن عماد کاشانی	علی گڑھ	
	احسن السیر (تاریخ خواجہ اجمیری)	محمد اکبر خاں	عبدالسلام	
	احسن القصص	شیخ محمد رضا	ابوالخیر	
	″	احمد بن عباس بخاری	سبحان اللہ	
۲۷	احسن المجالس	محمد سجاد جعفری	خدابخش	
-	احوال اولیا و درویشان		″	
	احوال سید شاہ جمال الحق معشوق ثانی		آصفیہ	
	″ ″ علیم الدین بلخی	غلام مظفر بلخی	بلخیہ	
	احوال شیخ صاحب		ارکائیوز، الہ آباد	
-	احوال و اقوال حضرت سید شاہ عبدالقادر جیلانی		آصفیہ	
-	احوال و کرامات شیخ نورالدین نورانی		علی گڑھ	
-	اخبار الاصفیا	عبدالصمد بن افضل محمد انصاری	″	
-	اخبار الابرار	محمد پناہ عطا کریمی	دیوبند	
-	اخبار الاولیا	قاضی محمد اسمٰعیل	بلخیہ	
۳۳	اخبار الجمال	راجی محمد بن راجی یار محمد	حبیب	
۷۰	اختصار حیات		ایشیاٹک	
۴	اختصار مقامات ابی سعید		رضا	
۴۸	اخص الخواص	مخدوم حسین بلخی	بلخیہ، خدابخش	

—

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۴۱	ادیب آلآداب	دین محمد باقر جار گڑھی	صولت، علی گڑھ	
	اذکار قادریہ	جمال الدین موسیٰ	ایشیاٹک	
	اذکار قادریہ قیصیہ اوشیہ	غلام شبلی پھلواروی	پھلواری	
	اذکار یحیاویہ (اذکار شیخ یحیٰ چشتی و شیخ رکن الدین چشتی)	محمد فاضل	آصفیہ	
	اراۃ الدقائق شرح مراۃ الحقائق	عبد النبی شطاری گوالیاری	خدابخش / ٹونک	
	ارادۃ العارفین وارشاد الطالبین فی سلوک العارفین	محمد بن ابی الحسن الحسینی	ٹونک	
	ارشاد الاخوان	سید اشرف جہانگیر سمنانی	علیگڑھ، شگرانوالہ	
	ارشادات حامدی (دربیان توحید)	حامد حمید	〃	
	ارشادات صاحب سوات ارشادات عزیزی	سید عبد اللہ نعیم الدین	آصفیہ، سالار دیوبند رضا	
۵۱	ارشاد خواجہ بہاء الدین نقشبندی		پٹنہ یونیورسٹی	
	ارشاد الرحمٰن		حبیب	
	ارشاد السالکین		پیرمحمد شاہ، آصفیہ ابوالخیر، پھلواری	
	〃 〃	عبد الجلیل بن صدر الدین	حبیب	
	〃 〃	ولی محمد	آصفیہ	
	〃 〃	اعظم الحسینی	سالار	
	〃 〃	بہاء الدین ناگوری	ایشیاٹک	
	〃 〃	محمد بن ابو سعید حسین	جامعہ	
	〃 〃	کریم الدین نقشبندی	مدراس	
	〃 〃	خیر الدین	ایشیاٹک	
۶۱	〃 〃	عبد الرحمٰن بن قاسم لاہوری	رضا	
۶۲	〃 〃	محمد صادق لطیفی	مدراس تحقیقات	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
[illegible]	ارشاد السالکین	خواجہ گیسو دراز	حبیب	
-	ارشاد الطالبین		پٹنہ یونیورسٹی حیدرآباد	
-	〃 〃	شاہ برہان الحق	علی گڑھ	
	〃 〃	شاہ کبیر شطاری	〃	
-	〃 〃	ناصر جمال قریشی	مدراس	
-	ارشاد العالمین	محمد رضا شطاری	رضا	
-	ارشاد المحبوبین	شمس الدین حسینی	ایشیاٹک	
-	ارشاد المریدین		آصفیہ	
-	〃 〃	حسین خوارزمی	ایشیاٹک، سبحان اللہ ندوہ	
-	ارشاد المومنین	محمد بن محمد	آصفیہ	
۷۴	اصل الحقیقۃ	فاخر الہ آبادی	ہمدرد	
-	ازالۃ الخفا عن رسالۃ الفنا	محمد افضل عباسی الہ آبادی	رضا، علیگڑھ	
-	ازالۃ القناع عن وجوہ السماع	محمد نور اللہ بن مقیم الدین	علیگڑھ، ایشیاٹک، شبلی	
	اساس المعرفت	کمال الدین صدیقی	آصفیہ، سالار جنگ	
-	انساب ثلثہ	محمد چشتی بن حسن محمد	حبیب	
-	اسباب النجات لمعرفتہ العصاۃ	شرف الدین یحییٰ منیری	بخیہ پھلواری	
-	استعداد الآخرۃ	—	〃	
	استقامۃ الشریعۃ	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ	
-	اسرار الاقطاب	حسام الدین قاضی منور صدیقی	〃	
۹۷	اسرار الاولیا		〃	
۹۸	اسرار الٰہی	زین العابدین بن حسام سمنانی	ہمدرد	
۹۹	اسرار الحق		آصفیہ	
۱۰۰	اسرار الذاکرین	اتبن بن غلام محمد ابو مسلمی المروزی	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۸۸	اسرار السالکین	شاہ احمد بن ...	ابو الخیر	
	اسرار الشہود	محمد یحیٰ بن علی جیلانی	علی گڑھ	
	اسرار الصلوٰۃ	فرحت اللہ (حسن دوست)	گنجینہ غلام	
	اسرار العارفین	شرف الدین بو علی قلندر	مدراس او ٹیل	
	اسرار العاشقین	محمد فیروز صدیقی	آصفیہ	
	اسرار العالیہ فی مناقب الوالیۃ	عبد الغفار بن عبد الجامع فرنگی محلی	جواہر	
	اسرار الغیب / اسرار المدینہ		عبد السلام	
	اسرار قمریہ (ملفوظات شاہ قمر الدین حسینی)		منعمی گیا	
	اسرار المشائخ	جہانگیر یوسف	رضا، ایشیاٹک	
	اسرار مومنین	سید شاہ قطب الدین	خدا بخش؟	
۹۷	اسرار وحی		آصفیہ	
	اسم اعظم (حالات پیران پیر)	غلام احمد	عبد السلام	
	اسمار السلطان	عبد القادر	ایشیاٹک	
	اسم اللہ بفتارہ رسائل تصوف	حضرت مخدوم قادری	آصفیہ	
	اسناد اشغال شطاریہ	ملا جعفر	ایشیاٹک	
	اشارات حامدی	کمال برہان الدین احمد حامد حمید	خدا بخش، انڈیا آفس	
	” مخدوم بہاری	شرف الدین یحیٰ منیری	” ۲، گیا	
	اشجار الجمال / اخبار الجمال	(محمد بن یار محمد - خدا بخش)	خدا بخش، ٹونک، علی گڑھ	
	اشراق النیرین	خواجہ دہدار	خدا بخش، رضا، علی گڑھ	
	اشعاب الشفق	غلام محی الدین قریشی	دیوبند	
۱۰۷	اشعۂ ربانیہ		پھلواری	
	اشعۃ اللوائح شرح اللوائح	عبد الملک بن عبد الغفور پانی پتی (بہ شیخ مال)	سالار جنگ میوزیم	
	اشغال الصوفیہ	عبد النبی بن احمد بن عبد القدوس گنگوہی	رضا	
	اصطلاحات صوفیہ	عبد الرحمٰن جامی	آصفیہ	
	اللہ ” ”	قمر الدین	”	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۴۸	اصول الایمان	محمد سالم	ظل الرحمٰن	
	اصول حافظیہ		ٹونک	
	اصول السعادت	سید محمد خواجہ عرف سید لالہ	عبد السلام	
	اصول معارف	شاہ تراب علی	ایشیاٹک	
	اصول المقصود	شاہ تراب علی	خدا بخش، آرکیوز الہ آباد	
	اصول نقشبندیہ	علی بن حسین کاشفی	علی گڑھ	
	اطلاع نفس الامری و اسرار محمدی	احمد الدین	سبحان اللہ	
	اعتبار العارفین	عظمت اللہ قادری	سالار	
	اعراس شیوخ محدیہ	محمد احمد بلگرامی	ایشیاٹک / علی گڑھ	
	اعمال شاہ پیر محمد لکھنوی = نمبر ۲۴			
۱۴۴	اعمال متفرقہ از رسالہ پاس انفاس	معین الدین اجمیری	علی گڑھ	
	افادات شاہ ولی اللہ / القول الجلی	محمد عاشق پھلتی	خدا بخش، کاکوری	
	اقتباس مشکوٰۃ ولایت	جلال ہروی	آصفیہ	
	اقرب الطرق او الم یو جد الرفیق	سید علی ہمدانی	رضا	
	اقسام راہ حق		حبیب گنج	
	اقلیم الاسلام	امام غزالی	آصفیہ	
	اقلیم الاسلام	محمد بن عبد اللہ خواجگی	دیوبند	
	اقوال بزرگاں		مغل	
	اقوال صوفیہ	وحید الدین	بھوپال	
	اقوال مرویات صوفیاء کرام		خدا بخش	
۳۴	اقوال نکات بزرگان سلف		جواہر	
	اکسیر افادت مذہب	غلام حیدر		
	اکسیر سعادت		ایشیاٹک، عبد السلام	
	اکمل الموحدین		حبیب	
۱۰	الہامات الاعظم / الہامات قدسی	سید محمد / بہاء الدین	آصفیہ، شبلی میوزیم، دہلی	
	الہامات فی بیان عزیات	محمد چشتی بن حسن محمد	حبیب	
۱۴۸	" " اسماء ذات و صفات	محمد علی اکبر فتحپوری	رضا	

ا	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
	الہامات قدسی		خدابخش ۲	
	الہامات قدسیہ	محمد بایزید قادری	رضا	
	الہامات منعمی	شاہ نعمان	نیشنل	
	الہامات منعمی	منعم خان خاناں	آصفیہ، رضا	
	الہامات منعمی	محمد منعم/منعم پاکباز	خدابخش، منعمی، اسلام پور	
	الٰہی نامہ	وحدت اللہ/گرو نانک	آصفیہ ۲	
	امثال		پھلواری	
	ام الصحائف فی تحقیق المعارف	مسعود بیگ	آصفیہ	
	امواج البحار من سر الانہار		بلخیہ، گیا	
	" "	شاہ رکن الدین عشق	منعمی، اسلام پور	
۱۴	امیر الکونین	ولی اللہ غلام قادر سروری	پھلواری	
	انیک ماقدسیق	شاہ ظہور الحق پھلواری	عمادیہ	
	انساب شرفی	شجاعت حسین طالب علی شرفی	بلخیہ	
	الانسان الکامل (ترجمہ)	اسرار الدین/نواب محفوظ خاں بہادر شہامت جنگ	مدراس، آصفیہ	
	انسان نامہ	ہمدانی	رضا	
	انس الطالبین	ابو نصر احمد	ایشیاٹک	
	انہار کرمی مناقب پیران چشت	مظہر علی راجگیری	پھلواری	
	انفاس قدسیہ	علاء الدین کاشغری	رضا	
	انفاس نفیسہ	یعقوب بن عثمان غزنوی	حبیب	
	انوار الاولیا		آصفیہ	
۱۶	انوار تجلیات	محمد حیدر	سالار	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۶۱	انوار تحقیق	علی بن طیفور بسطامی	سالار	
	" "	عبداللہ انصاری	ایشیاٹک، آصفیہ	
	انوار الحکمت	امام غزالی	مدراس، رضا، آصفیہ	
	انوار در کشف اسرار	صوفی شریف	حبیب، برٹش	
	انوار طریقہ	نور الحسن	عمادیہ	
	انوار المجالس	محمد عظیم	آصفیہ	
	انوار محمدی من فیضان احمدی	شیخ محمد تھانوی	خدابخش ۲	
	انوار مشتاق		فرقانیہ	
	انوار الہدایت / انوار الہدیٰ	برہان الدین رازالی	آصفیہ	
	انوار الثابت من اصل الثابت	میر محمد یوسف بلگرامی	سبحان اللہ	
۱۷۰	انواع عارفین		دیوبند	
	انہار ابرار	خواجہ بہاء الدین نقشبندی	آصفیہ، ندوہ	
	انہار المفاخر	محمد غوث بن ناصر الدین محمد الملکی	"	
	انیس الارواح		"	
	انیس الصالحین	امام الدین	"	
	انیس الطالبین	صلاح بن مبارک	خدابخش ۳	
	انیس الطالبین (انتخاب)	عبدالرحمن جامی	خدابخش، ابوالخیر، ٹونک	
	انیس العارفین	حبیب اللہ قنوجی	رضا، بھوپال	
	انیس العاشقین	یحییٰ بن مصطفیٰ لاہرپوری	حبیب، رضا، ٹونک، پیر محمد شاہ، عمادیہ، پھلواری	
	انیس الغرباء		خدابخش، ابوالخیر، علیگڑھ	
	" "	شاہ نور الحق	بہار، ایشیاٹک، رضا، اسعد	
۱۸۰	انیس الفقرا	قاضی حمید الدین ناگوری	رضا	

کیفیت	کتاب خانہ	نام مصنف	نام کتاب	نمبر شمار
	علی گڑھ، بھوپال	عبداللہ انصاری	انیس المریدین وشمس المجالس	۱۸۲
	خدابخش ۲	عبدالرحمن بن میر سید محمد خواجہ رسولدار قنوجی	انیس النفیس	
	ایشیاٹک		اوراد الاوراد	
	پھلواری		اوراد شیخ شہاب الدین سہروردی	
	ایشیاٹک	فتح محمد	اوراد قادری	
	پیر دریا	قاضی بن علا بن عالم منیری	اوراد مخدوم شرف الدین احمد منیری	
	ایشیاٹک	یوسف بن رکن الدین	اوراد یوسفی	
	سالار	محترم اللہ	اورنگ وحدت	
	خدابخش	عبدالحق محدث دہلوی	ایراد الہیاآت النصیحۃ فی شرح قول الرسول علیہ السلام الدین النصیحۃ	
	سالار	میاں پیر	ایمار المحققین	
			(ب)	
	رضا	احمد بن جلال الدین	باریہ	۱۹۲
	آصفیہ	فقیر حسن مرید شیخ عبداللطیف	باعث الوصول (شرح عقائد صوفیہ)	
	فضل الرحمن	سید اکبر بن سید حامد قتال	باقر الانوار	
	آصفیہ	سید المرتضیٰ زین العباد حسینی	بحار اللطائف (شرح بعض ابیات مثنوی شریف)	
	جامعۂ آصفیہ	فرید الدین عطار	بحر الاسرار	
	آصفیہ		بحر الاسرار	
	صولت	محمد بن قطب الاولیاء	بحر الاسرار والانوار	
	رضا		بحر الاسرار الحسینیہ	
	خدابخش	شیخ بہلول شطاری	بحر الانوار	۲۰۰

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۲۰۹	بحرالحقائق موسوم بہ جواہر الاسرار	حمزہ بن علی الطوسی	آصفیہ
	بحرالحقائق	قطب الدین بختیار کاکی	دیوبند
	بحرالحقائق	اللہ نور	ایشیاٹک
	بحرالحیات		مدراس
	بحرالحیات	بدرالدین بن جمیل الدین چشتی	ایشیاٹک
	بحرالحیات : ترجمہ امبرکنڈ	غوث گوالیاری	آصفیہ، عبدالسلام، ہمدرد، ہمد حوض نام، علی گڈھ
	بحرالسعادۃ	تاج الدین محمد الیاس بن محمد ابراہیم	دیوبند، رضا، ایشیاٹک
	بحرالعلم (ترجمہ عین العلم)	محمد طاہر مدرس مسجد بیگم صاحب	رضا
	بحرالمراقبات		رضا
	بدایۃ الہدایہ (ترجمہ) (امام غزالی)		آصفیہ، دیوبند
۲۱۱	بدرالضیا فی تفسیر سورۃ والضحیٰ	میر مظہر علی راجگیری	پھلواری
	برزخیہ		ایشیاٹک
	برہان الذاکرین علی المعاندین	علی اکبر مودودی	"
	برہان الربانیین		ناصریہ
	برہان العارفین	شیخ الشیوخ	علیگڈھ
	برہان العاشقین	شاہ پیر محمد	جواہر
	برہان الفقرا	محمد طاہر علی قادری	مدراس
	برہان المعرفۃ	شیخ برہان بن سید محمد برہان	رضا
	برہان وحدت اللہ	علی محمد مشرق اللہ حسینی	علی گڈھ
	بست مجالس		آصفیہ
	بشارات مظہریہ در فضائل حضرات طریقہ مجددیہ	نعیم اللہ بہرائچی	علی گڈھ ۲، ابوالخیر
	بطیخیہ (رسالہ)	احمد بن جلال الدین کاشانی	رضا
۲۱۲	بہجۃ المباہج	ابوالحسین بن حسین خیازی	علیگڈھ

ر	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
	بیاض	محمد غوث گوالیاری	علی گڑھ	
	بیاض (مولانا حسن رضا رائے پوری)		بلخیہ	
	بیاض شاہ غلام مظفر بلخی		"	
	بیاض شاہ محمد تقی بلخی		"	
	بیاض شاہ مخدوم منعم پاک		"	
	بیاض غلام حسن منعمی		منعمی	
	بیان آواز پر جبرئیل	شہاب الدین سہروردی	خدا بخش	
	بیان الاحسان لاہل العرفان		رضا	
	بیان العارفین و تنبیہ الغافلین	سید عبدالکریم	"	
	بیان واقع	مخدوم دستگیر	"	
	بیان واقع		ایشیاٹک	
	(پ)			
	پاس انفاس	صوفی شریف	علیگڈھ، رضا	
	پاس انفاس (منتخب اعمال متفرقہ)	معین الدین اجمیری	علیگڈھ	
	پاس انفاس	محمود الحسینی	سالار	
	پرتو عشق	خواجہ خورد	بلخیہ	
	پردہ برانداخت و پردگی شناخت: در توحید	خواجہ خورد	علیگڈھ، رضا، ابوالخیر	
	پیالہ مریدی		پیر دمڑیا	
	پیام عشق	محمد یار رسا	آصفیہ	
	پیران کلیر شریف	سلطان محمد	عبدالسلام	
	(ت)			
	تاریخ خاندان پیر دمڑیا		پیر دمڑیا	
	تاریخ سید سالار: غزانامۂ مسعود	عنایت حسین بلگرامی	عبدالسلام	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۲۴۵	تاریخ خرقۂ خلافت		بلخیہ	
	تازیانۂ نفس امارہ	محمد احمد بلگرامی	ایشیاٹک، علی گڑھ	
	تبصرۃ الاصطلاحات	خواجہ صدر الدین ابوالبقی	آصفیہ	
	تبصرۂ اصطلاحات صوفیاں	محمد اکبر بن سید یداللہ بن محمد الحسینی فرزند گیسو دراز	״	
	تبصرۃ الخوارقات گیسو دراز حسینی	سید حبیب اللہ بن علی اللہ محمد حسینی	آصفیہ ۲۔ حبیب	
	تبصرۃ الخوارقات	خواجہ ابوالحسن علی بن ابوالفتح محمد	آصفیہ	
	تبصرۃ المتبدی و تذکرۃ المنتہی	صدر الدین محمد القونوی	رضا، آصفیہ، ندوہ	
	تجلیات رحمانی	سید محمد ابن سید عبد الرحمن	پٹنہ یونیورسٹی، مدراس، ندوہ، ایشیاٹک، آصفیہ، سالار	
	تجلی انوار	سید نور اللہ بن جمال الدین	آصفیہ	
	تحذیر		خدا بخش	
۲۵۵	تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی	عبد الحق محدث دہلوی	״	
	تحفۃ الاحباب	برجان م—	آصفیہ، شہید، تاریخ کشمیر	
	تحفۃ الاخیار		رضا	
	تحفۂ اعظمیہ	سید احمد بن سید درویش	پٹنہ یونیورسٹی	
	تحفۂ انوار		ایشیاٹک	
	تحفۃ الجمال	شیخ جمال اللہ	خدا بخش	
	تحفۃ الجمال خزانۃ الاحوال	شاہ غفار احمد	رضا	
	تحفۂ حسینیہ فی الصلوٰۃ العلیہ	مرتضیٰ ابن محمد	״	
	تحفۃ الذاکرین	جعفر عبد السلام خالدی	آصفیہ	
	تحفۃ السالکین	حبیب اللہ بن زکی الدین	رضا	
	تحفۃ السالکین	محمد شریف	آصفیہ	
	تحفۃ السرائر		״	
	تحفۃ السرائر	محمد غزنوی	مدراس	
	تحفۃ السرائر	عبد اللہ حسینی	آصفیہ	
۲۶۶	تحفۃ الطالبین (ترجمہ شرح کبیرہ)		״	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۲۷۰	تحفۃ العاشقین	اشرف بن حسن بخاری	بلخیہ، پھلواری	
	تحفۂ غیبیہ		پھلواری	
	تحفۃ القادریہ	شاہ ابوالمعالی	ترکیہ، پھلواری، بالا[illegible]، گل الرحمن	
	تحفۃ القادریہ	شیر محمد القادری	دیوبند، خدابخش، آصفیہ	
	تحفۃ القادریہ			
	تحفۃ القادریہ	کرامت علی شاہ القادری	"	
	تحفۃ القلوب		علی گڑھ	
	تحفۃ المجانین	آزاد بلگرامی	بھوپال	
	تحفۃ المحبین	احمد بن محمد علی اصفہانی	پٹنہ یونیورسٹی	
	تحفۂ محبوب	محمد حسن بن عبدالوہاب قادری	ٹونک	
۲۸۰	تحفۂ مرسلہ	ابوسعید مبارک مخزومی	پھلواری، بلخیہ	
	تحفۂ مرسلہ		آصفیہ، پھلواری ۲	
	تحفۃ المرشد و حکایات الصالحین	عبداللہ یافعی	دہلی یونیورسٹی	
	تحفۃ المسلمین	جان محمد القادری	دیوبند	
	تحفۃ الملوک		رضا	
	تحقیقات	خواجہ محمد پارسا	خدابخش، رضا، آصفیہ، ٹونک، کشمیر	
	تحقیقات در بیان موجودات	شمسی گیلانی	آصفیہ	
	تحقیقات سرود	محمد صالح حمید	حبیب	
	تحقیقات المعانی		خدابخش	
	تحقیقات المعانی ملفوظات مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری شیخ اکمل		بلخیہ	
	تحقیق السیر سید احمد محقق	محمد احمد سیاح	حبیب	
	تحلیل المعضلات	ملا امراللہ جعفری	پھلواری	
۲۹۲	تذکرۃ الابرار	اخوند درویزہ پشاوری	رضا، [illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۲۹۴	تذکرۃ العلما		آصفیہ
	تذکرۃ الاولیا		پھلواری، دیوبند
	تذکرۃ الاولیا	حسینی واعظ کاشفی	پٹنہ یونیورسٹی
	تذکرۂ خواجہ عبید اللہ احرار		حبیب
	تذکرۂ خواجہ یوسف ہمدانی		سبحان اللہ
	تذکرۃ الشیخ والخدم	صورت سنگھ بن دولی چند	یونیورسٹی کلیکشن علی گڑھ
	تذکرۃ الفقرا	محمد اختر گورگانی	عبدالسلام
	تذکرۂ قادریہ		جیسوال
	ترتیب نقشبندیہ	جمیلی	ایشیاٹک
	ترجمان العرفان	سید نصیر الدین محمود	رضا
۳۰۴	ترجمہ آداب المریدین		رضا، ابوالخیر
	ترجمہ اصول السماع		آصفیہ
	ترجمہ اقوال واسطی		ایشیاٹک
	ترجمہ حکایات شیخ عبدالقادر		ٹونک
	ترجمہ خلاصۃ المفاخر للیافعی		حبیب، ایشیاٹک، ابوالخیر
	ترجمہ رسالہ برہان التطبیق	قاضی سید قاسم	مدراس
	ترجمہ رسالہ شہاب الدین سہروردی		عبدالسلام
	ترجمہ رسالہ مطلع الوجود	شیخ ابراہیم کردی	مدراس
	ترجمہ رسالہ مواجید وحدت وجود		آصفیہ
	ترجمہ السبعیات فی مواعظ البریات	بادشاہ خواجہ بن میر (ندیم)	رضا
	ترجمہ شہیب محرقہ فی مواعظ البریات		آصفیہ
	ترجمہ فتوح الغیب		سالار
	ترجمہ الکبریت الاحمر من علوم الشیخ الاکبر	محمد عثمان بن محمد فاروق چشتی	رضا
۳۱۶	ترجمہ کتاب تصوف	امیر محمد معصوم الملقب بہ میر سید صفا ترمذی	رضا

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۳	ترجمہ المضنون علی ..	فیض اللہ بن زین العابدین	رضا	
	ترجمہ مقامات العارفین للسہروردی		"	
	ترجمہ مقصود المرسلین	شیخ باقر بیا الغفاری	"	
	ترغیب السعادۃ علی تکثیر الصلوٰۃ	عبدالحق محدث دہلوی	پھلواری	
	ترغیب الصلوٰۃ		"	
	ترکیب رسومات بزرگاں	نصیر الدین سیہ پوش	خدابخش	
	ترکیب الصحبت وتالیف المحبت	حسن بن عبدالرزاق	رضا	
	تسبیح الصلوٰۃ و الاستخارہ		ایشیاٹک	
	تسخیر روحانیاں	پاکر پنڈت	بیر دھریا	
	تسلیۃ الاکرام من تذکرۃ مولانا خواجہ احمد	مولوی عبداللہ	ٹونک	
۳۲۰	تسلیۃ المصاب بفضل الاجر والثواب	عبدالحق محدث دہلوی	خدابخش، آصفیہ، محمدی، دیوبند	
	تسنیم المقربین فی شرح منازل السائرین	شمس الدین محمد طوسی	خدابخش، رضا	
	تصحیح مثنوی شرح مثنوی مولانا روم	میر محمد ہاشم	ٹونک	
	تعرنات جامی	عبدالرحمن جامی	علی گڑھ	
	التعرف فی علم التصوف (ترجمہ)		مونگیر	
	تعلیقات حواشی مثنوی شریف	محمد نوراللہ احراری	آصفیہ	
	تعلیقات نفحات الانس	عبدالغفور لاری	حبیب	
	تعلیمات تصوف امام غزالی		خدابخش	
	تعلیم الخواص	محمد امیر بن محمد جہانگیر شاہ	رضا	
	تعلیم نامہ محمدیہ	محمد بلگرامی	ایشیاٹک، علی گڑھ	
	تفسیر آمنت باللہ بطریق تصوف		پھلواری	
	تفسیر الرموز المعروف بہ کاشف الرموز	محمد امیر بن محمد جہانگیر شاہ رامپوری	رضا، ندوۃ، عبدالسلام	
	تفہیمہ	میر شہاب الدین ہمدانی	خدابخش	
	تقریظات	میر بشارت علی	علی گڑھ	
۳۲۱	تکمیلات	شیخ راجو قتال	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۳۴۴	تکمیل العرفان	محمد اور رضوی	حبیب، آصفیہ	
	تکملہ امام عبداللہ الیافعی	میران محی الدین	آصفیہ	
	تکملہ نفحات الانس	عبدالغفور لاری	جامعہ سہارنپور	
	تکملہ تکملات		علی گڑھ	
	تلاوۃ الوجود	منتخب الدین قادری	حبیب	
	تلادۃ الوجود	محمد یوسف ترکستانی	آصفیہ	
	تلقین	محمد رضا قادری	خدابخش	
	تلقین مریدان		دیوبند	
	تمہید عاشر		پھلواری	
	تنبیہ الاخبرہ فی علامات المحبۃ	علی بن حسام الدین	ابوالخیر	
۳۵۴	تنبیہ الاخوان	سید اشرف جہانگیر	علیگڑھ	
	تنبیہ الغافلین	سید احمد شہید رائے بریلوی	رضا	
	" "		سبحان اللہ	
	تنبیہ المومنین	ابوالمکارم الشریحی	"	
	تنویرات طیبات	ظہور الحق پھلواروی	ٹونک، عمادیہ پھلواری	
	التنویر فی اسقاط التدبیر		آصفیہ	
	توحید یہ		ایشیاٹک	
۳۵۹	التوسل فی التعین والتوکل	علی البتق	ٹونک	

نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
توفیق در تحقیق مسئلہ غیبت وغیرت		مدراس	
(ث)			
ثمرات الحیات	علی عسکری بن محمد تقی ہاتف (علی پوری)	آصفیہ، حبیب، علی گڈھ، سالار (۳) ایشیاٹک	
" "	برہان الدین جونکیسر	آصفیہ، ایشیاٹک	
ثمرات کمیہ	محمد رفیع الدین بن شمس الدین	آصفیہ، ایشیاٹک، محمدی	
ثمینہ	عباس بن شاہ عبدالرحمن سہروردی	سالار	
(ج)			
جادۃ العاشقین (ملفوظات حضرت شیخ خوارزمی)	شرف الدین حسین	سبحان اللہ	
جام جہاں نما	سید علی بن سید کمال الدین	مدراس، آصفیہ، ایشیاٹک	
جام جہاں نما الارائۃ الدقائق شرح مرآۃ الحق	عبد النبی شطاری، محمد بن فخر الدین بن یوسف	خدا بخش، ٹونک، علیگڈھ	
جامع الاسرار و منبع الانوار		ہمدرد	
۲ جامع الانوار	سید علی الدین الحسینی	آصفیہ	
جامع البطنین	محمد اعظم چشتی بہروردی م ۱۱۲۸ھ	حبیب	
جامع الحقائق	شاہ [illegible] اورنگ آبادی م ۱۱۷۵ھ	"	
جامع السوادات		خدا بخش	
جامع الشروح (شرح مثنوی)	سراج الرحمن ٹونکی	ٹونک	
جامع الطرق البربانیہ و شجرۃ النورانیہ	احمد بن محی الدین	خدا بخش	
جامع الفواد: شرح رسالہ قشیریہ		علی گڈھ	
جامع المتفرقین		دیوبند	
جامع محمدی	محمد شاہ بن محمد یوسف	سالار	
جامع المقامات	ابوالبقا ابن خواجہ بہاء الدین	آصفیہ	
الجانب الغربی فی حل مشکلات شیخ محی الدین ابن عربی	ابوالفتح محمد یحیٰ	ہمدرد، ایشیاٹک، سالار، علی گڈھ	
جاودان نامہ	افضل الدین محمد کاشی	خدا بخش، ایشیاٹک، آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۳۸۴	جفریہ	محمد صالح بن محمد باقر قزوینی	رضا
	جلاء مرآۃ العارفین	محمد صالح خیرآبادی	علی گڑھ
	جمال الصالحین	حسن ابن عبدالرزاق	خدابخش
	جواب اعتراض شیخ احمد سرہندی		آصفیہ
	جواب اعتراضات شیخ عبدالحق محدث بر مجدد الف ثانی	ثناء اللہ / شاہ غلام علی	〃 / ابوالخیر
	جواب سوال	محمد عادل قادری	آزاد
	جواب مکتوب شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری		خدابخش
۱	جوابات سوالہا		ایشیاٹک
۲	جوابات مخدوم جہانیاں	رفیع سمرقندی	پیر محمد شاہ
۳۹۳	جوامع الکلم	علی متقی	ایشیاٹک
	〃	عبدالخالق غجدوانی م [illegible]	حبیب
	جوامع الہدایت	احمد بن حسن کالپوری	علی گڑھ
	جواہر الاسرار	اسرار اللہ	حبیب
	〃	عبداللطیف بجکری	خدابخش
	جواہر الاسرار	شاہ چاند قطب عالم	پیر محمد شاہ
	جواہر الاسرار	فخرالدین حمزہ آذری	
	جواہر الاسرار		خدابخش، رضا ۲، آصفیہ، سبحان اللہ، پیر محمد شاہ، ابوالخیرات، ایشیاٹک ۳، دیوبند
	جواہر الاسرار و زواہر الانوار	کمال الدین حسین خوارزمی	ایشیاٹک، دیوبند
	جواہر الغیبی	شیخ اللہ دیا	ابوالخیر
۱	جواہر الانوار	شاہ قمرالدین ابوالعلائی	خدابخش، منشی، عماد پیر، پیر محمد شاہ
	الجواہر الثمینہ	علی متقی عبداللہ القادری	کشمیر، آصفیہ
	جواہر الحسینی	سید ابراہیم	خدابخش
۴۰۵	جواہر القرآن		ناصریہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۴۰۶	جواہر العاشقین	علی رضا شاہ	آصفیہ	
	جواہر العاشقین	رضا شاہ	"	
	جوزنیہ	محمد رضا	"	
	(ج)			
	چار پیر و چاردہ خانوادہ	زین العابدین	خدابخش، آصفیہ، شائق، تکیتی، دیوبند	
	چراغ دین	سراج الدین حسن جہان آبادی	آصفیہ، مجمع، دیوبند، پٹنہ	
	چشتیہ	محمد رفیع الدین بن شمس الدین	"	
	چشتیہ بہشتیہ ۔ فردوسیہ قدسیہ	بہاء الدین چشتی / علاء الدین چشتی	" / علی گڑھ	
	چند مکتوبات سرور و غوث پاک		علی گڑھ	
	چہاردہ خانوادہ ۔ تمبر ۴۷			
	چہل اسم باری تعالیٰ		آصفیہ	
۴۱۶	چہل مجلس	(ملفوظات علاء الدولہ سمنانی)	ناصریہ، علی گڑھ	
	(ح)			
	حاشیہ اشعة اللمعات	عبد الغفور	رضا	
	حاشیہ بدیع الزمان		ناصریہ	
	حاشیہ رسالہ معرفت الخالق والخلق	سلطان محمد علیسیری	سبحان اللہ	
	حاشیہ نصلیہ ...	شیخ جلال الدین	آصفیہ	
	حاشیہ اسعف حل بعض اللوائح	محمد بن شیخ فضل اللہ	"	
	حاشیہ نفحات الانس	عبد الغفور لاری / مہدار	عبد الحی، ابوالکلام، سبحان اللہ، آصفیہ، دیوبند، ناصریہ	
	حاشیہ نفحات		خدابخش، آصفیہ	
	حاصل الحیات	ابوالقاسم بن درویش محمد التبریزی	رضا	
	حالات حضرت شاہ علیم الدین ...	شاہ غلام مظفر ...	بلخیہ	
	حالات ... و مکاتیب شاہ عبد الجلیل		پھلواری	
۴۲۷.	حالات و مکاشفات حضرت شاہ ... صاحب شاہ فیض اللہ		آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۲۸	حب الطالبین	محمود عاقل	بھوپال
	حبل المتین فی تقویۃ الیقین	عبدالوہاب بن ولی اللہ	آصفیہ
	حبیب السرائر	حبیب علی شاہ	سالار
	حبیب الطالبین	حبیب علی شاہ	سالار
	حجۃ الحق فی دفع اعتراضات شیخ عبدالحق	شیخ محمد (نبیرۂ محمد الغفتانی)	ہمدرد
	حجۃ الذاکرین رد المنکرین	محمد شریف حسینی علوی	آصفیہ، ایشیاٹک
	حجۃ العارفین	شاہ حیات اللہ منعمی	انجمن، اسلام آباد
	حجۃ المتین (فی السماع)	محمد جان بن شیخ صدیق تاشقندی	ہمدرد
	حجۃ الہند	عمر محرابی	علی گڑھ
	حدائق الانس	خواجہ گیسو دراز	ایشیاٹک، گیسو دراز
۲۲۸	حدائق الحقائق فی کشف اسرار الدقائق	ملا معین مسکین	علی گڑھ
	حرز الشیطان رد رسالہ حرز الایمان	حافظ عنایت اللہ اکبر آبادی	رضا ۲
	حرز الشیطان		ناصریہ
	حسن الخاتمہ شرح خاتمہ گیسو دراز	اسد جعفری	حبیب
	حسن العقیدہ	محمد سالم	ظل الرحمن
	حسنات خمسہ	سید شاہ لیثی	آصفیہ
	حسنات خمس	حسین نوشہ توحید بلخی	بلخیہ
	حقائق الاعمال	محمد اعظم شاہ بن ابو المجاہد	خدا بخش
	حقائق التوحید		آصفیہ
	حقائق المعارف	ہاشم	خدا بخش
۲۲۸	حق الیقین ترجمہ مرآۃ العارفین	محمد اللہ یار حسینی	ہمدرد
	حق الیقین مع شش رسائل دیگر	مرزا ایزد بخش	آصفیہ
	حق الیقین	محمود شبستری	[illegible]
۲۵۱	حقیقۃ الاعیان در رد اشغال ربانیہ	محمد عبدالرزاق	[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۲۵	حقیقت توبہ سنت	سید حسن رسول نما	علیگڑھ	
	حقیقت محمدی		آصفیہ	
	حقیقت المحمدیہ (ترجمہ)	عبد الحمید	خدابخش سالار	
	حکایات اولیاء صالحین		آصفیہ	
	حکایات در باب درویشی	زخمی	صولت	
	حکم نامہ	بو علی قلندر پانی پتی	رضا، علیگڑھ، ایشیاٹک	
	حل سوالات سر ولایت	محمد خلیل اللہ لیثا (والد)	آصفیہ	
	حل الشکوک الواردۃ علی وحدۃ الوجود		ایشیاٹک	
	حل مثنوی (شرح مثنوی)	محمد افضل الہ آبادی	ٹونک	
	حل مشکل		ایشیاٹک	
۲۶	حل مشکلات فصوص الحکم	سید علی	جامعہ ملیہ نیشنل میوزیم/ندوہ	
	حل المغلقات		دیوبند	
	حواس خمسہ		آصفیہ	
	حوائیہ	خواجہ عبید اللہ احرار م ۸۹۵	علیگڑھ	
	حوض الحیات (ترجمہ امرت کنڈ)		خدابخش، ہمدرد	
	حیات جان	حسینی شاہ حقیقت	مدراس	
	حیات القلوب	سید محمود بن محمد الشیخانی	ہمدرد	
	(خ)			
	خاتمہ ـــــ / خاتمہ آداب المریدین	خواجہ گیسو دراز	ایشیاٹک، رضا، علیگڑھ، آصفیہ، سالار، ٹونک	
	خاصیت حرز یمانی		دیوبند	
	خزان و بہار	محمد شریف بن شمس الدین محمد	رضا	
	خزانہ جلالی	ابو الفیض بن ضیاء عباسی	ایشیاٹک	
	خزانۃ السلوک الفقراء والملوک	ضیاء الدین یوسف	سالار	
	خزینۃ العرفان	عزیز الدین قادری	حبیب	
۲۷	خطاب شاہ [illegible]	[illegible]	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
[illegible]	خطبۂ کتاب سلسلۃ الذہب	فریدالدین عطار	مدراس
	خلاصۃ الاخبار		خدابخش
	خلاصۃ الاخبار فی بیان احوال الاخیار	غیاث الدین محمد بن محمود خواندمیر	جامعہ
	خلاصۃ الاسرار در کشف مشرب شطار	صوفی بن جوہر جھنجانوی	عزل، رضا
	خلاصۃ الاعمال	پیر محمد لکھنوی	آصفیہ
	خلاصۃ الالفاظ / جامع العلوم	جلال الدین بخاری علاءالدین جو ولد علاءالدین	ایشیاٹک سوسائٹی / نیشنل میوزیم
	خلاصۃ الاوراد	شہاب الدین	"
	خلاصۃ الترجمان فی تاویل خطبۃ البیان	محمد بن محمود دہدار	خدابخش، سالار
	خلاصۃ التصانیف	امام غزالی	دیوبند
	خلاصۃ الجواہر	شیخ شہاب الدین فتح محمد	سالار
۲۸۶	خلاصۃ السلوک	ابونصر طاہر بن محمد	آصفیہ، رضا
	خلاصۃ العارفین		حبیب
	خلاصۃ فتوح الغیب		رضا
	خلاصۃ العقائد	[خواجہ نور محمد]	فرقانیہ / اسبابیہ
	خلاصۃ القادریہ	ابوالمعالی محمد	پھلواری
	خلاصۃ الکلام فی شرح اسماء النظام	محمد سالم	فضل الرحمن
	خلاصۃ لطائف الطوائف		سالار
	خلاصۃ المعارف و اسرار العقائد فی شرح الحقائق	آدم بنوری م ۱۰۵۳ھ	آصفیہ، ٹونک، آزاد، الانجمن، رضا علی گڑھ
	خلاصۃ المعارف		ناصریہ
	خلاصۃ المعانی شرح مثنوی	غلام مرتضیٰ الہ آبادی	ٹونک
	خلاصۃ المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر	عبداللہ یافعی (مصنف)	عزل، آصفیہ، مسلم یونیورسٹی، حبیب، ابوالخیر
	خلاصۃ نزہت الارواح		آصفیہ
	خوارق بندہ نواز	عبدالعزیز بن شیر ملک	حبیب
	خوارق صادقہ	محمد صادق لطیف قادری	آصفیہ، عبدالحی، ندوہ
۲۸۸	خوب ترنگ		خدابخش

نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
خیالات ذوقیہ	شہاب الدین کبیر شطاری	علی گڑھ	
خیالات عشاق		ایشیاٹک	
" "	مسعود بیگ	خدابخش، رضا	
خیرالبیان در بیان تعوذات شاہ عبدالرزاق	جمال محمد ادہمی	دیوبند، آصفیہ	
خیرالبیان	میاں روشن بایزید	سالار	
خیرالمسالک	امیر محمد طاہر بن سید غلام جیلانی	ٹونک، ندوہ	
خیرالمقال	محمد الغزالی	عبدالسلام	
(د)			
دافع الخواطر	محمود عاشق	رضا	
دافع الملحدین	ابراہیم بن فضل اللہ	ایشیاٹک، گیا	
درایات الاسرار	محمد عاشق البارہوی	رضا	
رسالہ در بیان سماع و وجد وغیرہ (باب ہنم)	محمد علی کرمانی	آصفیہ	
" در بیان طریقۂ ذکر و اذکار		خدابخش	
" در بیان عقائد صوفیہ	محمد بن ابوسعید حسینی	جامعہ ملیہ	
درجات خمسہ	پیر محمد لکھنوی	ابوالخیر، جواہر، علی گڑھ	
درجات العلیٰ	محمد سالم	فضل الرحمٰن	
الدرجات المقامات / روضۃ التواتر ...		خدابخش	
درنامہ	علی بن محمود جاندار	سالار	
درالمجالس	سیف الظفر نوبہاری	خدابخش، جامعہ، علی گڑھ، صولت، فرقانیہ، سالار	
درنامہ شرف خانی		بوہار	
درویشی نامہ		ایشیاٹک	
درایات معرفت	[illegible]	حبیب	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۵۲۲	دستور الذاکرین		پیرس عربیا
	الدعوة		ایشیاٹک
	دقائق الاخبار		دیوبند
	دقائق الاخیار	امام غزالی	حرم
	دقائق ترجمہ مرآة الدقائق شرح مرآة الحقائق		رضا
	جام جہان نما		
	دقائق الحقائق	شیخ احمد رومی /-	{ جلد دوم ایشیاٹک، رضا، پیر محمد شاہ احمد آباد، عبادیہ آصفیہ، پٹنہ یونیورسٹی
	دقائق الحقائق	عبدالرحمن جامی	سبحان اللہ
	دقائق الحقائق	دیدار	رضا
	دقائق المعانی	محمد جعفر حسینی	آصفیہ
	دقیقہ	خواجہ گیسو دراز	خدابخش
		شاہ عیسی جند اللہ	الواخیر علی گڑھ
	دل آرام		آصفیہ
۵۲۳	دل طلب	وحدت اللہ/ گرو نانک	آصفیہ ۲
	دلیل العاشقین		ایشیاٹک
	دوائر رشیدی	شیخ رشید	سالار
	دہ قاعدہ }	علاء الدولہ	رضا
	دہ قاعدہ }	سید علی ہمدانی }	{ خدابخش، حادی
	دہ مقام		مدراس
	دیباچہ فتاح التعابیر	محمد مخدوم القاری بیجاپوری	آصفیہ
	ذریعة السعادة		دیوبند
	ذکر الاسرار فی معارج الاسفار		علی گڑھ
	ذکر افضل الدین کاشانی		ایشیاٹک
	ذکر مسیر صالحان		"
	ذکر الصالحین	ابو عبدالرحمن بخاری	دیوبند
	ذکریات مخدوم الملک شاہ قطب الدین		علی گڑھ
۵۲۴	ذکریہ	عبدالرحمن جامی (؟)	ایشیاٹک

یاد	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
	(ر)			
•	راحت الروح	حیدر علی طبیب	مرحل	
	راحت الارواح و مونس الاشباح	حسن سبزواری	علیگڑھ	
	راحت الانفاس	رفیع الدین بن حسین الدین	آصفیہ	
	راحت القلوب	عبدالغنی بن مبارک سنامی	رضا، علیگڑھ	
	" "	محمد مسلم ابن محمد علی اصفہانی	رضا آصفیہ	
	راحت الواصلین	محمد فاضل	"	
	راز و نیاز	عبداللہ انصاری	عبدالسلام	
	" " مع کشف الغین فی شرح العین	شاہ نیاز احمد	"	
	رازہائے عقدہ کشا	شیخ جلال	آصفیہ	
•	رد منکرین	ملا علی محمد حقی	ایشیاٹک	
	رسالہ	عبدالقادر جیلانی	خدا بخش	
	"	محمد باقر لاہوری	سبحان اللہ	
	"	شہاب الدین سہروردی	پھلواری	
	"	نجیب الدین فردوسی	بلخیہ پھلواری	
	"	دارا شکوہ	ہمدرد	
	"	عبداللہ انصاری	جامعہ ملیہ [illegible]	
	"	بابا [illegible]	رضا	[illegible]
	"	سید حسین بادشاہ قادری	آصفیہ	
	"	[illegible]	دیوبند	
۵۱۵	"	پیر محمد حسینی	آصفیہ	
	"	حاتم اصم	علیگڑھ	
	"	حسین [illegible] توحید [illegible]	پھلواری	
	"	ابوالحسن خرقانی	ایشیاٹک	
[illegible]	"	شمس الدین علی	[illegible]	

کتب خانہ	نام مصنف	نام کتاب	نمبر شمار
"	محمد رفعت بن عتیق القرحال	رسالہ	۵۷۰
آصفیہ	ابو سعید مجددی	"	
"	ابو العلا احراری الحسینی	"	
خدابخش	—	رسالہ آداب مرید کردن و شجرہ طریقت	
آصفیہ	شیخ محمد بن شیخ محمد حسن	رسالہ آداب السماع	
آصفیہ	خواجہ گیسو دراز	رسالہ آئینہ	
پھلواری	مرزا بیدل	رسالہ آئینہ حیدری در بیان قواعد سلوک	
سبحان اللہ	محمد وارث بن نور محمد	رسالہ ابراہیمی	
خدابخش	شیخ ابو العلا احراری حسینی	رسالہ ابو العلا و الہامات صوفیا	
پھلواری	—	رسالہ اثبات الواجب	
بلخیہ	شرف الدین احمد منیری	رسالہ اجوبہ اسئلہ (کلاں)	۵۸۰
"	" "	رسالہ " " (خورد)	
خدابخش، بلخیہ، مونگیر، پھلواری، ایشیاٹک	" "	رسالہ اجوبہ	
رضا		" "	
ٹونک	علی بن شہاب ہمدانی	" "	
خدابخش		" اذکار و اوراد	
آصفیہ ۳		" " بمراقبہ اشغال	
"	شیخ محمد بن شیخ حسن محمد	" " والمراقبات	
خدابخش	جمال الدین حسینی	" ارواح العارفین	
ابوالخیر	"	" از گفتار حضرت خواجہ معین الدین سنجری	
رضا		" از گفتار گنج شکر	
آصفیہ، ٹونک		" استفتا	۵۹۱

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۵۹	رسالہ اسرار النکاح	احمد بن جلال الدین کاشانی	رضا، علیگڑھ	
	" اسراریہ	نظام الدین عمری	حرم	
	" اسم اشر	شاہ سید اسد اشر	آصفیہ	
	"	—	ایشیاٹک	
	" اشارات	شرف الدین احمد یحییٰ منیری	خدابخش، پھلواری	
	" اشغال وغیرہ	—	آصفیہ	
	" اصطلاحات/مصطلحات صوفیہ	حضرت مخدوم	آصفیہ ۲، /فرہنگ ۲ /آزاد/ مجدی عدالتی/ پٹنہ یونیورسٹی	
	"			
	" اصطلاحات صوفیہ		علیگڑھ	
	" الاعتقادیہ الامیریہ	—	سبحان اشر	
	" افادۂ عام	—	آصفیہ	
۶۰۲	" افغانیہ	—	ایشیاٹک	
	" الہامات	شیخ حسن	صولت	
	" امام فخر الدین رازی	—	سبحان اشر	
	" امامت وخلافت درخانوادۂ صوفیا واحکام بیعت	—	علیگڑھ	
	الرسالۃ الانواریہ	—	رضا	
	رسالہ ایزدشناخت	شہاب الدین مقتول	عبدالحی، رضا	
	" بابت تصور شیخ	سر سید احمد خاں	علیگڑھ	
۶۰۹	" بایزید بسطامی	—	پیر دمڑیا	

کتب خانہ	نام مصنف	نام کتاب	نمبر
جوہر ، ندوۃ العلما	شاہ علی محمد عطا اللہ	رسالہ بہ نفخ در مراقبہ	۲۲
خدا بخش	محمد عبد الحلیم سیالکوٹی	بہ مکتوب قاضی نصیر پانی پتی	"
عبد السلام	شاہ عمار	پند دل	"
رضا	—	بستہ قلم	"
آصفیہ		بسم اللہ	"
خدا بخش		بعض مصطلحات اہل تصوف	"
گنجوہ	نظام الدین اولیا	بعض نکات متعلقہ سماع و وجد	"
خدا بخش ، رضا	شیخ احمد بن جلال الدین	بلاشیہ	"
حبیب اللہ ، عزیز	محمد عبد اللہ فریدی ...	بندگی	"
خدا بخش ، جامعہ ، شیفتہ ، آصفیہ ، گنجوہ	—	بادشاہ قلندر	"
حبیب اللہ	ابو القاسم بن محمد	بیان فی مصطلحات الصوفیہ نقشبندیہ	۲۳
آصفیہ		بیعت	"
	محمد رفیع الدین	پاس انفاس	"
خدا بخش	عبد القادر ...	تاثیرات	"
...	...	تجربہ	"
آصفیہ ، ...	—	تحفہ ارشد	"
... ، آصفیہ ...	حسب اللہ ...	تسویۃ الرسوخ التوحید	"
آصفیہ ...	—	تصوف صوفیانہ ...	"
آصفیہ	—	تصوف ...	"
[illegible]	(بے مصنف) ...	رسالہ تصوف	۲۴

[illegible]

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
رسالہ تصوف	حسن جبری	خدابخش	
" "	ابوالحسن قادری	آصفیہ	
" "	شمس الحق قادری	[illegible]	
" "	عبدالحسن اشرف	آصفیہ	
" "	بایزید بسطامی	سالار	
" "	شیخ ابوالحسن خرقانی	"	
" "	خواجہ باقی باللہ	رضا	۲/ [illegible]
" "	عبدالقاہر	مخیل	
" "	خواجہ دیدار	رضا	
" "	تاج الدین احمد بن عطاء اللہ شاذلی	"	
" "	جلال یزدی	"	
" "	جلال الدین	"	
" "	امیر خسرو	"	
" "	حسام الدین	"	
" "	حسین بن حسن	"	
" "	سید علی ہمدانی	رضا	
" "	عبدالحق محدث دہلوی	آصفیہ	
" "	عبدالرحمن	"	
" "	[illegible]	[illegible]	
" "	شیخ [illegible] حبیب اللہ	رضا	
" "	" "	آصفیہ	
" "	عبدالعلی	"	
" "	[illegible]	"	
" "	[illegible]	"	
" "	[illegible]	"	
" "	[illegible]	"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۷۵۶	رسالہ تصوف	فضل اللہ بن محمد جون پوری	آصفیہ	
	" "	کمال الدین (شاگرد جامی)	"	
	" "	کمال الدین صدیقی	"	
	" "	محمد ابراہیم خلیل اللہ	"	
	" "	محمد علی رفعت	فرقانیہ	
	رسالہ تصوف / رسالہ فخر الحسن	محمد فخر الدین	آصفیہ / ابوالخیر	
	رسالہ تصوف	معین الدین چشتی	آصفیہ	
	" "	خواجہ عبید اللہ احرار	رضا	
	" "	نجم الدین عمر نسفی م ۵۳۷ھ	آصفیہ، دیوبند	
	" "	عبد الرحمن جامی	رضا	
۷۶۶	" "	ولی اللہ	ایشیاٹک	
	رسالہ تصوف و شجرات نقشبندیہ و چشتیہ	شاہ غلام علی دہلوی	آصفیہ	
	رسالہ تطبیق النفس و آفاق	عظمت اللہ	علیگڑھ	
	" تعلیمات تصوف	—	خدابخش	
	" تلقینیہ	عبد الرحمن بن ابراہیم / ریگا پہوالی	رضا، ٹونک، رضاء اسلام آباد	
	" توبہ و اراحت	ابو الحسن خرقانی	آصفیہ	
	" توحید	شرف الدین احمد منیری	پھلواری	
	" توحید / توحید خاص / وجود اول و بدایت آن	حسین نوشہ توحید بلخی	پٹنہ، خدابخش	
	رسالہ توحید	علی اکبر شاہ	آصفیہ	
۷۷۵	" "	محمد چشتی بن حسن محمد	حبیب	
	" "	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ	
	" "	ابراہیم ادہم بلخی	صولت	
	" توحید در بیان توحید خالص	حسن بن حسین نوشہ توحید	خدابخش	
۷۸۰	رسالہ جات	عبد الحق محدث دہلوی	آصفیہ	

کیفیت	کتب خانہ	نام مصنف	نام کتاب	نمبر شمار
	ابوالخیر	شاہ وجیہ الدین	رسالہ جام جہاں نما	۶۷۹
	سبحان اللہ	"	"	
	علیگڑھ	میر حسین	" جام گیتی نما	
	"	—	" جامیہ	
	رضا، ٹونک	محمود فنا/—	" جنونیہ	
	آصفیہ	میر ظہور الدین	" جواب و سوال	
	ایشیاٹک	—	" جواہر	
			" جواہر الانوار = جواہر الانوار	—
	خدابخش، رضا	فریدالدین گنج شکر	" جودیہ	
	"	رفیع الدین	" چشتیہ	
	عمادیہ	ابوسعید مبارک	" حب ایمان	۶۸۹
	پھلواری	—	" حبس نفس	
	علیگڑھ	—	" حجر المطر	
	"	خواجہ حسن بصری	" حسن بصری	
	پیر دریا	ابراہیم بن ولی اللہ	" حسینیہ	
	حبیب	خواجہ محمد دیدار	" حقائق	
	"	محمد ابراہیم خلیل اللہ	" حقیقت نوری	
	ناصریہ	—	" حلیہ جلیلہ	
	ٹونک	حیدر علی شاہ سنبھلی	" حیدری	
	آصفیہ ۲	سید قطب الدین قادری	" خانوادہ	
	"		" خانوادہ و اذکار و اشغال [illegible]	۹۹۹

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	صفحہ
۶۰۲	رسالہ خانوادہ صوفیہ	—	پٹنہ یونیورسٹی	
	" شافیہ فی اقسام السلوک	سید محمد اشرف	آصفیہ	
	" خلعت	شاہ عبدالعزیز محدث	دیوبند، آصفیہ	
	" خوارق	خواجہ عبید اللہ احرار	خدابخش	
	" حضرت خواجہ معین الدین [بنام خواجہ قطب الدین دہلوی		خدابخش، حبیبیہ	
	" خوارق قادریہ	خیرالدین محمد الہ آبادی	عبدالسلام	
	" خواص المومنین	—	پھلواری	
	" خیالات عشاق	عین القضاۃ ہمدانی	حبیبیہ	
	" داؤدیہ	سید علی بن شہاب ہمدانی	رضا	
	" در آداب طاعت	—	حبیب	
۶۱۲	" در آداب خرقۂ شیخ و مرید	مرید خواجہ عبید اللہ احرار	رضا	
	" در اثبات وجود	—	رضا، آصفیہ	
	" در احوال خواجہ شمس الدین ترک	—	[illegible]	
	" " " معین الدین چشتی	—	"	
	" " " بختیار کاکی و حمید الدین ناگوری	—	خدابخش	
	رسالہ در احوال و ملفوظات خواجہ باقی باللہ	رشیدی	ابوالخیر	
	رسالہ در اذکار و اشغال	شیخ بہاء الدین	ٹونک	
	" در اذکار قلندریہ	—	ایشیاٹک	
	" در اسرار ارادت	—	رضا	
	" در اشغال تصوف	—	"	
	" در اشغال طریقۂ قادریہ	—	خدابخش	
	" " " طریقۂ نقشبندیہ	—	"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۴۲۳	رسالہ در الہیات	محمد بن محمود دہدار	سالار	
	〃 در القاس	—	علیگڑھ	
	〃 در اوراد و وظائف	—	بلخیہ	
	〃 در ایمان	—	ایشیاٹک	
	〃 در بیان قرآن تائید قول شیخ اکبر	محقق دوانی	پھلواری	
	〃 در باب آیۂ یا اشتر	سید ابو الحسن قادری	آصفیہ	
	〃 در باب اباحت السماع	شیخ محمد چشتی	〃	
	〃 در ہدایت حال	شرف الدین احمد منیری	بلخیہ	
	〃 در بیان ابدال	—	ایشیاٹک	
	〃 در بیان اذکار سلوک	محمد امین بن نور محمد گجراتی	حبیب	
۴۳۴	〃 در بیان ارواح	خواجہ معین الدین چشتی	〃	
	〃 در بیان اسرار روح	—	موتی محل	
	〃 در بیان اشارات اشعار مثنوی رومی	—	پھلواری	
	〃 در بیان بعض اذکار و مراقبات	یعقوب بن حسن کشمیری	رضا	
	〃 در بیان بیعت و توبہ و سفر منظوم	—	خدابخش	
	〃 در بیان تربیت بزرگ	خواجہ معین الدین چشتی	علیگڑھ	
	〃 در بیان تصوف	نجم الدین عمر نسفی	دیوبند، علیگڑھ	
	〃 در بیان توجہ و الدعات	سید قطب الدین قادری	آصفیہ	
	〃 در بیان آداب و الطریقہ رفیقان	خواجہ ناصر الدین عبید اللہ	رضا	
	〃 در بیان توحید	خواجہ محمد بن خواجہ محمود شیرازی کلادہالی	〃	
	〃 در بیان چہار تکبیر	محمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، رضا	
۱۰۰۴	〃 در بیان [illegible]	[illegible]	[illegible]	
۴۳۱	〃 سالہ [illegible]	[illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۴۹۴	رسالہ دربیان دہ قاعدہ درویشیہ	سید علی ہمدانی	ٹونک	
	" دربیان ذات و وجہ نفس	—	علیگڑھ	
	" دربیان ذکر	شرف الدین احمد منیری	بلخیہ	
	" دربیان سلسلہ خواجگان	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، رضا	
	" دربیان سلسلہ صوفیہ	—	ٹونک	
	" دربیان صلوٰۃ بر رسول از خداوند کریم		آصفیہ ۲	
	" دربیان طریق سلوک و طریقت	—	حبیب	
	" دربیان طریقۂ درویشی		علیگڑھ	
	" دربیان عشق		پھلواری	
	" دربیان عشق و معشوقیت	صاحبزادہ بدلاق چشتی	"	
۵۰۴	" دربیان مراتب فنا	—	دیوبند	
	" دربیان عقل و عشق	نجم الدین احمد بن عمر خوارزمی	رضا	
	" دربیان عوالم برزخیہ	—	حبیب	
	" دربیان فرائض	عبدالرحمن جامی	آصفیہ	
	" دربیان الفقر سواد الوجہ فی الدارین	احمد بن جلال الدین کاشانی	رضا	
	" دربیان قضا و قدر	مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی	بلخیہ	
	" دربیان مراقبہ	میر سید محمود	خدابخش	
	" دربیان مسالک مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید	—	بلخیہ	
	" دربیان و تشریح کلمۂ توحید	محمد حافظ حسنی	خدابخش	
	" دربیان وجود	—	ایشیاٹک	
۵۱۴	" دربیان وحدت	—	ناصریہ	

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
،	رسالہ در بیان وصول الی اللہ	—	رضا	
	" در بیان ہشت چیز	—	بلخیہ	
	" در تاریخ نقشبندیہ	سید علی بن ابراہیم	مدراس	
	" در تحقیق چار پیرو چاردہ خانوادہ	عبدالرحمن چشتی	پھلواری	
	" در تحقیق روح وجسد	—	علیگڑھ	
	" در سلسلہ فردوسیہ	—	پھلواری	
	" در تصوف	عبدالحکیم	خدابخش	
	" در تصوف / رسالہ ابراہیم بلخی	ابراہیم ادہم	ٹونک / علیگڑھ	
	" در تصوف	عبید اللہ بن محمود شاشی	خدابخش	
	" "	شیخ محمد رفیع الدین	ہمدرد	
۶۱	" "	سیف الدین قلندر راستی	بلخیہ	
	" "	خواجہ خورد	ٹونک	
	" "	—	پیر دمڑیا ٹونک نقل الرحمن	
	" "	یعقوب چرخی	عمادیہ	
	" "	فیض اللہ	رضا	
	" "	تاج الدین شرف الدین	"	
	" "	ابوالحسن علی بن محمد بن علی الحسینی	"	
	" "	ابو اللیث سمرقندی	ہمدرد	
	" "	خواجہ اسحاق مغربی	رضا	
	" "	عبدالرزاق	مدراس	
۶۸	" "	نورالدین عبدالرحمن کسرقی الخراسانی	رضا	
	" "	عزیز بن محمد نسفی	یونیورسٹی علیگڑھ	
	" "	شہاب الدین فضل اللہ	رضا	
	" "	شیخ رشید	"	
۶۹	" "	رضی الدین ابو العلا علی بن عبد الصمد	"	

نمبر شمار	نام کتاب		نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
[illegible]	رسالہ	تصوف	امام غزالی	رضا	
	〃	〃	خواجہ عبداللہ انصاری	〃	
	〃	〃	مولانا فضولی بغدادی	〃	
	〃	〃	مخدوم جہانیاں	سبحان اللہ	
	〃	〃	فضل اللہ	〃	
	〃	〃	مفتی شرف الدین رامپوری	ٹونک	
	〃	در سلوک	عبدالرحیم ظہیر الدین	حبیب	
	〃	〃	عبداللطیف شاہ	علی گڑھ	
	〃	〃	علی اکبر مودودی	ایشیاٹک	
	〃	〃	عبدالعلی (بحر العلوم)	مدراس	
۸۰۳	〃	〃	علی حمزہ	سبحان اللہ	
	〃	〃	عین القضاۃ ہمدانی	پھلواری	
	〃	〃	معین الدین بن شاہ کبیر شطاری	علی گڑھ	
	〃	〃	نجیب الدین سہروردی	نجیبیہ	
	〃	در تصوف (مرغوب القلوب)	—	〃	
	〃	〃 از اقوال ابن عربی	—	〃	
	〃	در تصوف در رسالۂ [illegible] و چند مکتوب یحیٰی منیری		[illegible]	
	〃	در توحید	—	ایشیاٹک [illegible]	
	〃	در حقائق اسرار [illegible]	سید خیرات ابن سید غنی بن سید جلیل	رضا	
	〃	در حقیقت ابحاث [illegible]	ظہیر الدین [illegible] (مترجم)	[illegible]	
	〃	در فرقۂ پشاتیان	خلیفہ ظہیر الحق بہاری	[illegible]	
[illegible]	〃	در ذکر	—	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	[illegible]	کیفیت
۸۱۵	رسالہ در ذکر خفی	عبدالرحمن جامی	ابوالخیر	
	〃 در ذکر شیخ بہاء الدین	یعقوب بن عثمان غزنوی	ناصریہ	
	〃 در ذکر فرد نفسیہ	شرف الدین احمد منیری	[illegible]	
	〃 در ذکر [illegible] حاشیہ [illegible] ملا [illegible]	—	[illegible]	
	〃 در ذکر وجود	غلام حسین [illegible]	〃	
	〃 در ذکر وجود اول و بدایت آن و بیان معرفت عالم و نہایت آن	〃 〃 〃	〃	
	〃 در ذکر وجود مطلق		ایشیاٹک	
	〃 در سلوک	نور الدین علی بن حسام الدین	رضا	
	〃 〃	شیخ فرید	[illegible]	
	〃 〃	امیر ابو العلی اکبرآبادی	[illegible]	
۸۲۵	〃 〃	عبدالکریم [illegible]	[illegible]	
	〃 در سماع و غنا	قاضی شاہ [illegible]	[illegible]	
	〃 در شرح چہل کلمات	عبدالحلیم فرنگی محلی	〃	
	〃 در شرح دل و ماہیت آن	[illegible] ابوبکر [illegible]	[illegible]	
	〃 در شرف و بزرگی انسان کامل	شاہ [illegible] مجیب	رضا	
	〃 در شروط خلوت و طریقت	یعقوب بن حسن کشمیری	〃	
	〃 در صدق [illegible]	شرف الدین احمد منیری	[illegible]	
	〃 در ضروریات تصوف	—	[illegible]	
	〃 در طریقت	—	[illegible]	
	〃 در طریقہ بیعت	—	[illegible]	
۸۳۰	〃 در طریقہ [illegible]	خواجہ [illegible]	رضا	
	〃 در [illegible]	—	〃	
	〃 در [illegible]	[illegible]	[illegible]	
	〃 〃	[illegible]	[illegible]	
۸۳۴	〃 [illegible]	—	[illegible]	

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ
۸۴۹	رسالہ درعلم درویشی	مظفر شمس بلخی	بلخیہ
	" درعلم معرفت لاادری		آصفیہ ۲
	" درفضائل اذکار وادعیہ	خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی	رضا
	" درفضیلت خلق	سراج احمد سرہندی	"
	" درفضیلت شب معراج	فرید گنج شکر	پھلواری
	" درفقر	امام جعفر صادق	خدابخش
	" درفوائد ذکر و قوامدان	شرف الدین احمد منیری	پھلواری، بلخیہ
	" درفوائد سورۂ والتین	جلال الدین تھانیسری	خدابخش
	" درکرامات صوفیہ	—	صولت
	" درکیفیت سلوک (ترجمہ)	حسین بن علی تبریزی	خدابخش
[illegible]	" درمباحث احاطہ و معیت	شاہ علم اللہ	ٹونک
	" دربحث عدم و وجود	شاہ ابونجیب	رضا
	" درمراتب نزول و عروج	محمد ولی اللہ قادری	ایشیاٹک، جامعہ
	" درمراقبہ و مشاہدہ		ٹونک
	" درمسالک صوفیائے کبار		علیگڑھ
	" درمصطلحات صوفیہ	فخر الدین ابراہیم بن شہریار	رضا
	" درمعرفت دنیا	علی متقی	ایشیاٹک
	" درمعرفت ذات	بوعلی قلندر	علیگڑھ
	" درمعنی حروف	شاہ وجیہ الدین	ایشیاٹک
	" درمقامات سالکان	علاء الدین سمنانی	رضا
۸۶۰	" درمناقب شیخ عبدالقادر جیلانی	محمد صادق	ابوالخیر
	" درنصیحت وتبصرہ	نجم الدین کبری	خدابخش
	" درنماز	—	ایشیاٹک
۸۶۳	" دروجود آدمی	خواجہ معین الدین چشتی	دیوبند

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۸٦۱	رسالہ در وحدۃ الوجود	عبداللہ بن عبدالحکیم سیالکوٹی/--	ٹونک/پھلواری، حیدرآباد	
	" در وصول الی اللہ (ترجمہ)	نجم الدین کبریٰ	ایشیاٹک، آصفیہ	
	" درویت	—	رضا	
	" درویشی	—	خدابخش	
	" دفع اعتراضات	شاہ عبدالعزیز دہلوی	دیوبند	
	" دقائق در فکر و اشغال	—	پھلواری	
	" دقیقہ	شاہ عیسیٰ جند اللہ	آصفیہ، رضا، ٹونک	
	" دہ اصل	خواجہ محمد باقی بن قاضی عبدالسلام	رضا	
	" الذکر	تاج الدین تاج العارفین	علیگڑھ	
	" ذکر	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، رضا	
۸۷۴	" ذکر الصالحین	سوانحی	آصفیہ	
	" ذکریہ	سید علی ہمدانی	رضا، علیگڑھ، کشمیر	
	" ذوقیات	خواجہ محمد بن خواجہ محمود شیرازی کابلی	خدابخش، رضا، علیگڑھ	
	" راز	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ	
	" رزاقیہ	محمدی شاہ بریلوی	عبدالحی	
	" رشیدیہ		عمادیہ	
	" رموزات	داراشکوہ /...	ایشیاٹک، پیر دمڑیا، ٹونک	
	" رموز الواصلین		آصفیہ	
	" روح	سلطان سید عبدالرحمن/...	آصفیہ/ پیر دمڑیا	
	" "	محمد بن سلیمان بغدادی	خدابخش	
	" روضۃ الذاکرین	—	آصفیہ	
	" رؤفت احمد	رؤفت احمد	"	
۸۸٦	" رعایۃ برزخ	—	"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۸۹۴	رسالہ زبدۃ الواصلین	—	پھلواری
"	سلسلۃ الذہب	محمد محسن ابن مرتضیٰ کاشی	رضا
"	سلطانیہ	بہاء الدین ابراہیم	ایشیاٹک
"	سلوک حضرات نقشبندیہ	شرف الدین محمود زنگین نقشبندی	آصفیہ
"	سلوک	شرف الدین احمد منیری	پیر دمڑیا، مسہا
"	"	—	خدابخش، پیر دمڑیا
"	سلوک قادریہ	محمد رفیع الدین ابن محمد شمس الدین	آصفیہ ۲
"	سماع	جمال الدین	،، ، ٹونک
"	"	ابو عبد اللہ شجاع الدین	جواہر
"	سماعیہ	احمد بن جلال الدین کاشانی	ہمدرد، علیگڑھ
۸۹۵	الرسالۃ السنیۃ الشریفیہ فی کشف السر والجبروت	خواجہ محمد باقی باللہ بن قاضی عبد السلام	رضا
	رسالہ سواطع	عبد الرحمٰن جامی	آصفیہ
"	سوال وجواب	فقیر پیران	مدراس، پھلواری
"	" "	مولا بخش جی احمد	پیر دمڑیا
"	" "	—	آصفیہ، ایشیاٹک
"	" "	شاہ مدار	پیر دمڑیا
"	"	،، اعرابی کا سلطان بایزید بسطامی	آصفیہ
"	سوانح	—	قلا فیروز
"	سیر مقامات	عبد الجلیل چشتی لکھنوی	رضا، سبحان اللہ، آ
"	شارق المعرفت	ابو الفضل ناگوری	"
"	شاہ اشرف	شاہ اشرف نقشبندی	مدراس
"	شاہ باقی باللہ	—	ایشیاٹک، [illegible]
"	[illegible]	—	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۹۱۱	رسالہ شاہ رفیع الدین دہلوی	—	علیگڑھ	
	" شاہ عالم محبوب عالم	—	آصفیہ	
	" شاہ عبدالعزیز دہلوی	—	علیگڑھ	
	" شاہ غلام علی		ظل الرحمٰن	
	" شاہ محمد خاموش و رسالہ حضرت گیسو دراز	شاہ محمد خاموش	آصفیہ	
	" شرح حضرات خمس	حسین نوشہ توحید بلخی	"	
	" شرح کنت کنزاً مخفیاً	—	علیگڑھ	
	الرسالۃ الشریفۃ من مقالات خواجہ ابوالوفا	خواجہ ابوالوفا خوارزمی صوفی	رضا	
	رسالہ شطاریہ	بہاء الدین بن ابراہیم انصاری	رضا، علیگڑھ، عبدالحی، ایشیاٹک، آصفیہ، ند اسلام پورہ، ریشیہ	
	رسالہ شغل و سلوک نقشبندی	خیر الدین نقشبندی	علیگڑھ	
۹۲۱	رسالۃ الشواہد	شاہ عبداللہ بن سید عبداللطیف	رضا	
	رسالہ شواہد التجرید	—	ابوالخیر	
	رسالہ شہاب الدین دولت آبادی	—	آصفیہ	
	" شہود	فرید الدین عطار	خدابخش ۲	
	رسالۃ الشہودیہ	صادق محمد فتح اللہ	ابوالخیر	
	الرسالۃ "	شرف الدین علی النہروی	رضا	
	" "	—	تحقیقات	
	رسالہ شیخ ابوالحسن خرقانی	ابوالحسن خرقانی	آصفیہ	
	" شیخ جولہائی	—	بلخیہ	
۹۳۰	" " عبدالرزاق کاشی	عبدالرزاق کاشی	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۹۴۱	رسالہ شیخ عبدالوہاب	عبدالوہاب نوری	دیوبند	
	رسالہ صمدیہ	عبدالقادر جیلانی	پھلواری، بجنور	
	رسالہ ضاحیہ	امیر ابوالقاسم	ابوالخیر	
	رسالہ صوفی محب الدین ناگوری	صوفی محب الدین ناگوری	پھلواری	
	رسالہ صوفیہ شطاریہ	امین الدین بن سراج الدین صوفی	خدابخش	
	رسالہ طریقہ نقشبندیہ		علی گڑھ	
	رسالہ طریقہ دعوت	عبدالرزاق کاشی	آصفیہ	
	رسالہ عارف		ابوالخیر	
	رسالہ عالم صغیر و کبیر		جواہر	
	رسالہ عبدالغفور لاری	عبدالغفور لاری	آصفیہ	
۹۴۱	رسالہ عزیزان علی رامیتنی		ابوالخیر	
	رسالہ عشق حقیقی	گیسو دراز	آصفیہ	
	رسالہ عشقیہ		خدابخش	
	رسالہ عشقیہ در بیان معرفت	شیخ عثمان بیگ	خدابخش، جامعہ، پیرمحمد شاہ	
	رسالہ عشقیہ/عشقیہ/رعایات العشاق	حمید الدین ناگوری	نیشنل، آصفیہ، جامعہ ۲، فرقانیہ، عمادیہ، مہندا، علی گڑھ، دیوبند، جواہر، ایشیاٹک، ٹونک، سالار، ندوہ	
	رسالہ عرض	افضل الدین کاشی	ایشیاٹک	
	رسالہ عقائد صوفیہ	شاہ بابا فتح محمد شاہ عیسیٰ ا۔	آصفیہ، دیوبند، محمدی	
	رسالہ عقائد صوفیہ	محمد بن محمود دہدار	سالار	
	رسالہ عقبات	السید علی ہمدانی	رضا، کشمیر	
	رسالہ عقلیہ	سید علی ہمدانی	رضا، کشمیر	
	رسالہ عقیدہ صوفیہ در وحدۃ الوجود		پھلواری	
۹۵۴	رسالہ علم سلوک و اذکار	عبدالجلیل بن صدر الدین الہ آبادی	جواہر	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۹۵۳	رسالہ علم الیقین عین الیقین حق الیقین	خواجہ محمد باقی بن قاضی عبدالسلام السمرقندی	رضا	
	رسالہ علی ہمدانی	سید شہاب الدین علی	ایشیاٹک	
	رسالہ غائتہ الامکان = ص ۱۰۷	شمس الدین محمد شاہ صوفی	ناصریہ	
	رسالہ غوثیہ	دلی ملوک شاہ قادری	خدابخش، رضا	
	رسالہ غوثیہ (ترجمہ)		خدابخش، ایشیاٹک، بلجنیہ، ٹونک	
	رسالہ غوثیہ مع شرح		آصفیہ	
	رسالہ فائض البرکات = فائق البرکات			
	رسالہ الفتح		آصفیہ	
	رسالہ فتوتیہ	سید علی ہمدانی	رضا، کشمیر	
	رسالہ فردیہ شرح صمدیہ	جعفر محمد بن مبارک قادری	بلجنیہ	
۹۶۳	رسالہ فریدالدین گنج شکر		خدابخش	
	رسالہ فضل اللہ بن محمد	فضل اللہ بن محمد	آصفیہ	
	رسالہ فقرنامہ		رضا، ٹونک	
	رسالہ فقریہ	سید علی ہمدانی	"	
	رسالہ فنا	محمد بن ابوسعید حسین	جامعہ	
	رسالہ فنا و لقا و وصول الی اللہ / دربیان مراتب فنا و لقا / مراتب فنا و وصول الی اللہ	ابوالعلی اکبرآبادی	بلجنیہ، صفی، برقی، سالار / خدابخش، ایشیاٹک، رضا	
	رسالہ فنا فی اللہ	محمد اکرام	علی گڑھ	
	رسالہ فوائد الاخلاق معرفی		بلجنیہ	
	رسالہ فی اقسام اشراک	سید محمد اشرف	آصفیہ	
	رسالہ فی التصوف والعقائد	جامی	خدابخش	
۹۷۳	رسالہ فی التصوف	فریدالدین عطار	خدابخش ۲	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۹۷۴	رسالہ فی وحدت الوجود	اشکی بن تغلسق	خدابخش	
	رسالہ فی ذکر وغیرہ	محمد بن قطب الشطاولی	صولت	
	رسالہ قادریہ	عبدالقادر جیلانی / —	آصفیہ / گیا	
	رسالہ قدسیہ		علی گڈھ	
	رسالہ قدسیہ	عبدالقدوس گنگوہی	جامعہ	
	رسالہ فی طریقۃ النقشبندیہ	عبدالرحمن جامی	مدراس	
	رسالہ قضا و قدر	محمد عمر	سبحان اللہ	
	رسالہ قطب جہاں ہانسوی	جمال الدین ہانسوی	جامعہ	
	رسالہ قطب عالم	برہان الدین گجراتی	حبیب	
	رسالہ قطبیہ	خواجہ معین الدین چشتی	ابوالخیر	
۹۸۴	،، ،،	محمد شریف عباسی	خدابخش	
	رسالہ قل و دل	میر عظمت اللہ بلگرامی	آصفیہ	
	رسالہ قوت القلوب فی بیان السلوک المحبوب (ترجمہ)	سید نصیر الدین	ابوالخیر	
	رسالہ کشف اسمی شرح اسمائے حسنیٰ		پھلواری	
	رسالہ کشف حقائق در بیان توحید	ابوالفتح علی قریشی	آصفیہ	
	رسالہ کشف النکات	رضا بن محمد کاظم	،،	
	رسالہ کلمات		دیوبند	
—	رسالہ کلمات اسرار در قواعد الاعلیٰ	عظمت اللہ بیخبر		
	رسالہ کلمات خواجہ محمد پارسا		ابوالخیر	
	رسالہ کلمہ حق موسوم بہ چند کلمہ		دیوبند	
	رسالہ کنز رموز		علیگڈھ، آصفیہ	
	رسالہ کیمیائے ذات	شاہ راجو	آصفیہ	
	رسالہ گفتار	خواجہ عبداللہ انصاری	علی گڈھ	
	رسالہ گفتار فریدالدین گنج شکر		آصفیہ	
۹۹۸	رسالہ گل نوروز	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، رضا	

نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
رسالہ (حضرت) گیسو دراز	خواجہ گیسو دراز	"	
رسالہ لمعات	شیخ عراقی	آصفیہ، سبحان اللہ	
رسالہ مبدا و معاد	ابو سعید مبارک	خدابخش، پیر دمڑیا ۲	
رسالہ مبداء و معاد	مجدد الف ثانی	رضا، ٹالفیوز، محمدی، بردیل	
رسالہ متعلق سماع		بمبئی	
رسالہ مجددیہ	رؤف احمد	آصفیہ	
رسالہ چہلکہ	علی بن شہاب ہمدانی	ٹونک	
رسالہ محبوب الصدیقین		سبحان اللہ	
رسالہ محبوبیہ	خواجہ پارسا	خدابخش، علیگڈھ، رضا	
رسالہ محققین (انتخاب)	سید شاہ برکت اللہ مارہروی	جواہر	
۱ رسالہ محمد غوث	محمد غوث الہ آبادی	مزمل	
رسالہ مختصر مجمع البحرین فی سلوک الطریقین	غلام اولیاء فصیح الدین	علی گڈھ	
رسالہ مخبر الواصلین	محمد فاضل ابن سید احمد ابو عبید اللہ	پٹنہ یونیورسٹی	
رسالہ مخدوم آموی	مخدوم آموی	خدابخش	
رسالہ مخدوم ساوی	مخدوم ساوی	آصفیہ	
رسالہ مراتب ستہ	عبدالواحد ابراہیم	آصفیہ	
" " وجودیہ	شیخ مبارک	عماد	
رسالہ مراتب الوصول	شاہ رؤف احمد	ابوالخیر	
رسالہ مراقبہ		آصفیہ	
رسالہ مرتبۃ الوہیت		ابوالخیر	
۱۰ رسالہ مرقع		دیوبند	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۱۰۲۰	رسالہ مسترشد	حکیم شاہ فرحت اللہ	منفی
	رسالۃ المسعودی	منصور ملتانی	ایشیاٹک
	رسالہ مسکین شاہ	مسکین شاہ	آصفیہ
	رسالہ مشتمل بر مراقبہ		بلخیہ
	رسالہ مشتمل بر مواعظ سلوک	امام غزالی	ٹونک
	رسالہ مشتمل بر ہدایت و طریقت	شیخ حسین معز بلخی	بلخیہ
	رسالہ مشکل وحل مشکل	علی بن شہاب ہمدانی	ٹونک، رضا، کشمیر
	رسالہ مشتمل بر مراقبہ و طریقہ برزخ		بلخیہ
	رسالہ مصباح الطالبین در کتاب قلندریہ	عبدالرسول گجندوی	پھلواری
	رسالہ مظاہر الہود؟	محمد فصیح اللہ بن سید شاہ ابوالحسن	آصفیہ
۱۰۳۰	رسالہ مظہر الاسرار	شاہ فرحت اللہ (حق دوست)	خدابخش، بلخیہ
	رسالہ معرفۃ الدنیا	علی متقی	عبدالسلام (علیگڈھ)
	رسالہ معرفت کسب نفس	خواجہ معین الدین چشتی	ایشیاٹک
	رسالہ معرفت لاادری		آصفیہ ۲
	رسالہ معرفۃ النفس ومعرفۃ الرب		آصفیہ
	رسالہ معرفت نفس		"
	رسالہ معلومات اسرار القلوب ومفہومات انوار الغیوب		سبحان اللہ
	رسالہ مغز المعانی		خدابخش
	رسالہ مقناطیس القلوب فی الارواح	مولانا علی اکرم	پھلواری
	رسالہ مکاتیب	عبدالحق محدث دہلوی	خدابخش ۲
	رسالہ مکالمہ روح وعشق وعقل	نعمت خان عالی	خدابخش
	رسالہ مکیہ	شرف الدین احمد منیری	بلخیہ، فتوحہ، پھلواری
	رسالہ مکیہ	قطب الدین دمشقی	دیوبند، پھلواری
	رسالہ ملفوظات مخدوم بہاری		خدابخش
۱۰۴۴	رسالہ مناقب زندہ اولیا	عبدالوہاب بن شیخ احمد صدیقی	خدابخش ۲

نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
رسالہ مناسیہ	علی بن شہاب ہمدانی	ٹونک، رضا، اسلام پور	
رسالہ موجود وجود	فرید گنج شکر	آصفیہ	
رسالہ مآرب الاذواق	علی بن شہاب ہمدانی	ٹونک	
رسالہ میر ابوالعلی	امیر ابوالعلا	خدابخش	
رسالہ ناز و نیاز	جامی	〃	
رسالہ ناصر المحققین سراج الواعظین	جعفر محمد قادری	ملحیہ	
رسالہ ناطقہ	شیخ ابواسحاق بن حسین بزنگ لاہوری	رضا، علیگڑھ	
رسالہ ناخیہ	خواجہ عبداللہ انصاری	جامعیہ	
رسالہ نافعِ مشتمل بر ہدایت طریقت شیخ حسین معز بلخی		ملحیہ	
رسالہ نکات التعلیمیہ		خدابخش	
رسالہ نجم الدین کبریٰ	نجم الدین کبریٰ	آصفیہ	
رسالہ نزول و عروج		ایشیاٹک	
رسالہ نسبیہ		علی گڑھ	
رسالہ نفسیہ	سید علی ہمدانی	رضا	
رسالہ نفائس السلوک (انتخاب)	میر لال ضمیر	خدابخش	
رسالہ نقشبندیہ	احمد بن عبدالاحد فاروقی	آصفیہ، مدراس، ٹونک	
رسالہ نوربخش	نوربخش	آصفیہ	
رسالہ نوریہ	سید علی ہمدانی	رضا، کشمیر	
رسالہ واردات	〃 〃	رضا، ٹونک، کشمیر، اسلام پور	
الرسالۃ والدیہ	خواجہ عبیداللہ احرار	رضا، ملحیہ، ایشیاٹک (پانچ نسخے)	
رسالۃ الوجود	سید ابوالقاسم الزاہدی	آصفیہ	
رسالہ وجود	شیخ محب اللہ	آصفیہ ۲	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۰۶۷	رسالہ وجود العاشقین		پھلواری، آصفیہ	
	رسالہ وجود مطلق	محب اللہ الہ آبادی	ہمدرد	
	رسالہ وجودیہ	خواجہ معین الدین چشتی	آصفیہ، علی گڑھ	
	رسالہ وجودیہ / کرامات وجودیہ	فرید الدین گنج شکر	خدابخش، افرل	
	رسالہ وجودیہ	فرید الدین عطار	آصفیہ، عبدالسلام، دیوبند، علی "	
	" "	سید علی ہمدانی	رضا، کشمیر، اسلام پور	
	" "	احمد بن جلال الدین کاشانی	" ، علی گڑھ	
	" "	نظام الدین اولیاء	مدراس، ٹونک	
	" "	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ	
	" "		پیر دھڑیا	
۱۰۷۷	" "	سید صفی اللہ	علیگڈھ، صولت، ٹونک / آصفیہ، پیر دھڑیا ۳	
	" "	شاہ برہان الدین قادری	آصفیہ، انجمن	
	" "	عبد الجلیل	پیر دھڑیا	
	رسالہ وجودیہ ہیچ گفتار	شاہ مدار	پیر دھڑیا	
	رسالہ وحدت	نظام الدین تھانیسری	یجواہر	
	رسالہ وحدۃ الوجود	شیخ فرید الدین عطار	آصفیہ	
	" "	عبد الفتاح الیاسی المشرقی	خدابخش	
	" "	شاہ رفیع الدین	دیوبند	
	" "	محمد حسن	نیشنل	
	" "	ملا صدرا	علیگڈھ، آصفیہ ۲، جامعہ	
۱۰۸۷	رسالہ وحدت الوجود فی مراتب ستۃ		آصفیہ	
	رسالہ وحدت در فردیت	خواجہ معین الدین چشتی	پیر دھڑیا	
	رسالہ وصل حق	عبد القادر جیلانی	اسٹیٹ آرکائیوز الہ آباد، پیر دھڑیا	
	رسالہ وصول	خوب محمد م ۱۰۲۳ھ	علیگڈھ	
۱۰۹۱	رسالہ وصول الی اللہ	شیخ شرف الدین احمد منیری / قطب العالم برہان الدین الماذی م ۸۲۵ھ	بلخیہ ۲، ابوالعلائیہ، پیر دھڑیا، علیگڈھ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۰۹۲	رسالہ وصول الی اللہ	بہاء الدین نقشبند	پیر دھڑیا	
	رسالہ وصیت	احمد بن جلال الدین کاشانی	رضا	
	رسالہ وصیت نامہ	برہان الدین رازانی	آصفیہ	
	رسالۃ الوصیتہ	عبدالحق محدث دہلوی	رضا	
	رسالہ وظائف نوافل	شرف الدین احمد منیری	پھلواری	
	رسالۃ الولد سر ابیہ	احمد بن جلال الدین	رضا	
	رسالہ (حضرت) ولی قلندر		آصفیہ	
	رسالہ ہشت ترکنی		پیر دھڑیا	
	رسالہ ہفت شغل		رضا	
	رسالہ ہمدانیہ امیریہ	سید علی ہمدانی	رضا	
۱۱۰۲	رسائل اہل تصوف		ملا فیروز	
	رسائل برزخ و اذکار و نسب نامہ وغیرہ		آصفیہ	
	رسائل تصوف	میر ظہیر الدین محمد کریم اللہ حسینی	"	
	"	خواجہ عبداللہ انصاری	"	
	"	خواجہ باقی باللہ	سالار	
	رسائل جمع در بیان چہار پیر و چہاردہ خانوادہ		دیوبند	
	رسائل سلوک / رسائل گیسو دراز / مجموعہ	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ، ایشیاٹک، آصفیہ	
	رسائل سماع	مکتوب خواجہ عبداللہ احرار	آصفیہ	
	رسائل شاہ رفیع الدین	رفیع الدین	آصفیہ	
	رسائل شاہ غلام علی	شاہ غلام علی	دیوبند	
۱۱۱۲	رسائل طریقہ نقشبندیہ		آصفیہ	
	رسائل عبداللہ انصاری	خواجہ عبداللہ انصاری	دیوبند	
	رسائل عبداللہ خویشگی	عبداللہ خویشگی قصوری	ایشیاٹک	
	رسائل عزیز نسفی	عزیز نسفی	" علی گڑھ	
۱۱۱۶	رسائل و ملفوظات خواجگان چشت		دیوبند	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۱۱۷	رسائل و ملفوظات خواجگان چشت	قطب الدین بختیار کاکی	دیوبند	
	رسائل محمد چشتی	ابو صالح محمد	” علی گڑھ	
	رسائل نعمت اللہ ولی	نعمت اللہ ولی	ایشیاٹک ۲	
	رسائل و مجامع		سالار ۵۹	
	رسائل و مسائل تصوف وغیرہ	محمد رفیع الدین	آصفیہ ۳	
	رسائل و مکاتیب در سلوک	عبد الحق محدث دہلوی	خدا بخش	
	رشحات جامی	عبد الرحمٰن جامی	علی گڑھ، پھلواری	
	رشحات	عبد الخالق غجدوانی	جواہر	
	رشد نامہ	عبد القدوس بن اسمٰعیل گنگوہی	علیگڑھ، ٹونک	
	رفیع الدرجات و اذکار صوفیہ		آصفیہ	
۱۱۲۷	رفیق العارفین	فرید بن سالار محمد عراقی	پھلواری	
	” ”	” ”	آصفیہ	
	رشد المجالس	عزیز اللہ		
	رقعات بایزید بسطامی		سالار	
	رقعات حضرت میاں جیو	شہاب الدین	جبال	
	رقعات خواجہ باقی باللہ		ابو الخیر	
	رقعات شاہ پیر محمد سلونی		علی گڑھ	
	رقعات مولانا فخر الدین		آصفیہ، علی گڑھ	
	رقعات یحیٰ منیری		”	
	رمز العشق		آصفیہ، مزمل	
	رموزات	عبد الجلیل لکھنوی	علیگڑھ، رضا، ایشاٹک	
	”	خواجہ باقی باللہ	رضا ہیرو مرتبا	
	”		لوہارو، سبحان اللہ	
۱۱۴۰	رموزات جہاد منزل	عبد الجلیل دلی	مزمل	

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۱۱	رموز اشراقیین		پیرو ثریا، خدابخش	
	رموز الرسالت	ابوالفیض میر محمد قاسم	ٹونک	
	رموز العارفین	سلطان صلابت خاں	حبیب	
	رموز عاشقانہ	قربان علی شاہ	آصفیہ	
	رموز الفقراء	محمد طاہر علی قادری	مدراس	
	رموز الواصلین	محی الدین علام	آصفیہ	
	روائح		علیگڈھ	
	روائح (شرح لوائح)	محمد شریف الدین	رضا	
	روائح (عشق نامہ)	مسعود بیگ	علیگڈھ	
	روایات شمس الدین		خدابخش	
۱۱۲	روح و نفس معرفتہ القلوب	شرف الدین تبلو	علیگڈھ	
	روضات		رضا	
	"	عبدالحق محدث دہلوی	جواہر	
	روضۃ الاقطاب	رونق علی	عبدالسلام	
	روضۃ الذاکرین		آصفیہ	
	روضۃ الریاحین فی حکایات الصالحین		آصفیہ	الہ آباد
	روضۃ السالکین (ملفوظات عبدالخالق غجدوانی)	علی بن محمود	حبیب	
	روضۃ العارفین: الحق الیقین		پٹنہ یونیورسٹی، رضا	
	روضۃ القلوب		رضا	
	روضۃ القیومیہ	شیخ احسن بخیرہ محمد الفقانی	جواہر	
	روضۃ المعارف	ناصر علی	آصفیہ	
	رویت خداوند کریم		ایشیاٹک	
	ریاض الاولیاء	بختاور خاں	ٹونک	
	ریاض السالکین فی شرح صحیفۃ زین العابدین	احمد ابن نظام الدین	پھلواری	
۱۱۲۵	ریاض الصالحین	محمد بن شیخ محمد زنجانی	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۱۴۴	ریاض العارفین	سید عبد القادر	ابوالخیر	
	ریاض العاشقین	شاہ ریاض الدین محمد صدیقی	علی گڈھ	
	ریاض عباسی شرح تنبیہات	نجم الدین بن عباس العباسی	آصفیہ	
	ریاض القدس	شیخ نصیر الدین	جامعہ ملیہ	
	(ز)			
	زاد آخرت	محب اللہ (سرلشت ربنی)	ٹونک	
	زاد الآخرہ	محمد وحید الحق پھلواروی	رحمانیہ	
	زاد الآخرہ (تذکرہ صوفیا)		علیگڈھ	
	زاد السالک	محمد بن مرتضیٰ المحسن الکاشانی	رضا	
	زاد العواط	شمس الدین محمد شریف	عبد السلام	
	زاد الطالبین	محمد مخدوم قادری	ایشیاٹک مدراس	
۱۱۵۶	زاد الفقرا	نور الحق قادری	آصفیہ	
	زاد الفقرا (ملفوظ محمد غوث)	محمد غوث قادری	"	
	زاد المسافرین			
	"	علی محمد و مولانا نبی اسرائیل	بھوپال	
	"	صالح	آصفیہ	
	"		آصفیہ، ملا فیروز	
۱۱۸۲	زاد المتقین	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	آصفیہ، ٹونک، عثمانیہ	

نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
زاد الموحدین	شاہ راجو بن سیف اللہ	سالار جنگ	
زبدۃ الاسرار	مولانا محمود دہدار	آصفیہ	
زبد الحقائق	عزیز نسفی	رضا	
زبدۃ السالکین	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش	
زبدۃ العارفین	میر حسن	،،	
زبدۃ العارفین ترجمہ مراۃ العارفین	غلام احمد	،،	
زبدۃ الغرائب	سید محمد رضا اصفہانی	یونیورسٹی کلکشن علیگڑھ	
	سرہندی		
(س)			
سمات ولبضاعت فخریہ	عبدالقادر فخری	آصفیہ، سلارجنگ	
سبیل الرشاد الی الجنۃ والودلو	محمد عاشق پھلتی	ٹونک، ابوالخیر، حبیب، رضا	
سبیل الرشاد	شاہ ظہور الحق	عمادیہ	
سبیل المحققین		آصفیہ	
سبیل الوصول	سید ہاشمی	،،	
سراج السالکین		،،	
،، ،،	سراج الدین دہلوی	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۱۹۸	سراج العارفین		رضا	
	سراج العشق	علی صاحب ابن شاہ بابا	آصفیہ	
	سراج القلوب	ابو نصر بن سعد بن محمد القطان	خدابخش	
	سراج القلوب	نور محمد	پیرو مڑیا	
	سراج المنیر	محمد شریف الدین محمد کاشف	دیوبند، رضا ۲	
	"		پیرو مڑیا	
	سراج ہدایت	سراج الدین بن بہاء الدین شاہ جہاں پوری	رضا ۲، آصفیہ	
	سر الاسرار	لطف اللہ	دیوبند	
	" "	غلام نظام	"	
	سر الانسانیۃ		پیرو مڑیا	
۱۲۰۸	سربیان البیان لذوی الحال	علاء الدولہ سمنانی	دیوبند	
	سر الخلافۃ	شیخ فخر الدین ابوبکر بن عبداللہ انصاری	آصفیہ	
	سررشتۂ دولت (طریقۂ بزرگان خواجہ بہاء الدین نقشبند)	عبدالرحمن جامی	بلخیہ، ٹونک	
	اسرار الظاہر فی معرفۃ ترقی الاکابر	محمد عثمان بن محمد ابوبکر (میرغنی)	ہمدرد	
	سر قضاو قدر و رمز خیر و شر	حسن بن حسین بلخی	خدابخش	
	سعید نامہ	سعید بن ابی بکر	ایشیاٹک	
	سفینۂ حضرت عبداللہ متوفی ۱۱۹۴ھ ملفوظ حسن رضا منعمی		بلخیہ	
۱۲۱۵	سفینۃ فی المصطلحات الصوفیہ	نور الحق بن عبدالحق دہلوی	رضا	

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۲	سفینۃ النجاۃ	محمد انعام اللہ بن ولی اللہ	ہمدرد	
	سقانامہ	بابا عمرامیہ	رضا	
	سلوک العاشقین	محمد بن محمد	آصفیہ	
	سلسلۂ خواجگان نقشبندیہ	محمد بن حسین عبداللہ قزوینی	"	
	سلسلۃ الذہب		علی گڑھ، آصفیہ	
	سلسلہ شاہ غلام علی	شاہ غلام علی	آصفیہ	
	سلسلۃ العارفین	محمد بن برہان الدین	"	
	سلسلۃ العارفین	القاضی نقشبندی	علی گڑھ، سبحان اللہ	
	سلسلۃ المشائخ المتقدمین		جواہر	
	سلک جواہر	احمد کلیمی	ایشیاٹک	شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے خطوط
	سلک الجواہر	سید عبدالرزاق بن تاج الدین	سالار	
۱۲	سلک السلوک	...	پھلواری شریف	
	سلوک حقیقی	شاہ مصطفےٰ قادری	آصفیہ	
	سلوک العارفین	عبدالحق محدث دہلوی	ٹونک، رضا	
	سلوک نقشبندیہ	محمد رفیع الدین نقشبندی	آصفیہ	
	سند طریقت آداب بیعت	میر جعفر محمد حسینی	بلخیہ	
	سنوات اتقیا	بدرالدین سرہندی	دیوبند	
	سواد الوجہ	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش	
	سوالات وجوابات		رضا	
	سوالات داراشکوہ وجوابات		سالار	
	سوال وجواب	قطب العالم	علی گڑھ	
۱۲۳	سوال وجواب شیخ عبدالجلیل در معاملت	عبدالجلیل الٰہ آبادی	ہمدرد	
	سوال وجواب موسیٰ رضی اللہ عنہ وخداتعالیٰ		آصفیہ	
	سوانح صوفیہ (شرح رسالۂ غوثیہ)	بہلول صوفی شطاری	رضا	
	سیراب الصدر (تذکرۃ الاولیا جلد دوم)		ٹونک	
۱۲۴	سیر الطالبین	برہان بن عبدالصمد	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۱۳۴۱	سیر محمدی / سیر محمدی فی احوال حضرت گیسو دراز (مش)	محمد علی سامانی / محمد علی شاہ	حبیب، آصفیہ
	شارق المعرفت	ابوالفضل	آصفیہ
	شاطر نامہ	بابا عمر اسید بن امیر	رضا
	شاہد الوجود		سالار ۳
	شانزدہ رشحات		ابوالخیر
	شجرات حافظ محمد ناصر بہادر		ظل الرحمٰن
	شجرات قادریہ		دیوبند
	شجرات قادریہ و چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و مداریہ	غلیم الدین	آصفیہ
	شجرہ ابوالعلائی نقشبندی	علیم الدین بلخی	ابوالخیر
	شجرۃ الانوار مغربیہ	رحیم بخش	حبیب
۱۳۵۱	شجرۃ الاولیا		
	شجرہ بہار فیض مطلوب (شجرہ نقشبندیہ)	سعداللہ غازی پوری	پنجاب یونیورسٹی
	شجرۂ پیران اولیا چہاردہ خانوادہ		علی گڑھ، دیوبند
	شجرۂ پیران چشت	علیم اللہ حسنی	حبیب
	شجرہ سید شاہ محمد ابوسعید حسنی حسینی		پنجاب یونیورسٹی
	شجرہ سید غلام محی الدین حسینی الکرمانی		
	شجرہ صوفیان و بیان اذکار	مخدوم سید محمد حسینی	خدا بخش
	شجرہ طریقت		پنجاب یونیورسٹی
	شجرہ طیبہ	قمر الدین ناصری	حبیب، ٹونک
	شجرۂ عالیہ قادریہ محمودیہ جمالیہ احمدیہ	وزیر محمد خان رام پوری	فرقانیہ
۱۳۳۳	شجرۂ قادریہ		ایشیاٹک
	شجرۂ قادریہ	قمر الحسن ابوالفیاض	
	شجرہ مخدوم اعظم دہبیدی		ابوالخیر
۱۳۳۴	شجرہ مخدوم شاہ یحییٰ علی		نجیب

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۲۶۵	شجرہ ہائے سلاسل مختلفہ / شجرہ طریقت		بمبئی، پٹنہ یونیورسٹی	
	شجرہ ہائے طریقت و نقوش یادداد		بمبئی	
	شجرہ ہائے نسب اولاد کا محمد عظیم و پیر جلال جیت و دیگر بزرگان		"	
—	شموس الفہم = شرح فصوص الحکم			
	شراب رحیق	سراج احمد سرہندی	رضا	
	شرائط وصول الحق	نصیر الدین چراغ دہلی	حبیب ۲، جامعہ	
	شرح آمنت باللہ	شیخ برہان الدین بن کبیر	بمبئی، ایشیاٹک، سبحان اللہ	
	شرح آمنت باللہ		سالار	
	شرح آمنت باللہ	رستم خان	علی گڑھ	
	شرح ابیات خاتمہ مثنوی	جلال الدین البرزی	آصفیہ ۲	
..	شرح اسرار الاسرار		"	
۱۲۰۵	شرح اسماء حسنیٰ	عبد الرزاق	عبد الحق	
	شرح اسماء القادریہ	شاہ ابی الحسینی القندھاری	سالار	
	شرح اشارات		پھلواری	
	شرح اظہار المخفیہ من اخبار المصطفویہ		ٹونک	
	شرح اعتصام	ولی محمد عاشق	آصفیہ	
	شرح الحسان	مخدوم درویزہ ننگرہاری	"	
	شرح الہامی	ولی محمد بن ملوک شاہ	آصفیہ ۲	
	شرح القاس	محمد بدخشی	عبد السلام	
	شرح [illegible] عبد الحق دہلوی	عبد القادر صدیقی	آصفیہ	
۱	شرح بیتین مثنوی	عبد الرحمن جامی	خدابخش، ٹونک	
۱۲۸۵	شرح [illegible] ۵		آصفیہ ۳	
	شرح تحفۃ الاحرار	محمد رضا قادری بن محمد اکرام	ٹونک	
	شرح تحفۃ المرسلہ		ایشیاٹک	
	شرح تحفۃ المرسلہ	محمد بن فضل اللہ	"	
۱۲۸۹	شرح تمہید		"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۳۹۰	شرح تجلیات علی القضاء ہمدانی	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ	
	شرح جام جہاں نما	ابو سعید مبارک	خانقاہ پیرزادہ ثریا، حیدرآباد	
	شرح جام جہاں نما	دیباچہ میں مؤلف نے اپنا نام ...	(پشتہ بہ نمبر ... خدا بخش)	[illegible]
	شرح جام جہاں نما	مشغلہ	آصفیہ، رضا	
	شرح جام جہاں نما	خوب محمد چشتی	آصفیہ	
	شرح جواہر ستہ	محمد اکرام بن شیخ محمد	"	
	شرح چہل اسم باری تعالیٰ	شہاب الدین سہروردی	"	
	شرح حدیث عماد	عبد الرحمن جامی	ابوالخیر	
	شرح حدیقہ حکیم سنائی	مولانا عبد اللطیف بن عبد اللہ عباسی	ٹونک	
	شرح حدیقہ حکیم سنائی		آصفیہ	
۱۴۰۰	شرح حقیقت محمدیہ	شیخ محمد بن شیخ حسن محمد	دیوبند	
	شرح حقیقت محمدیہ	شاہ عطاء الحق احمد ...	آصفیہ	
	شرح خمسہ فخر الدین	ضیاء احمد علوی	[illegible]	
	شرح خوب ترنگ	شیخ محمد گجراتی	آصفیہ، دیوبند	
	شرح دیوان حافظ	کمال الدین بخشی	ٹونک ۲	
	شرح غزلیات دیوان حافظ	سید علی ہمدانی	آصفیہ	
	شرح دیوان حافظ		ٹونک	
	شرح دیوان حافظ	حبیب اللہ عبد اللہ بن صادق افغان	ٹونک ۲	
	شرح رباعیات ابو سعید ابوالخیر	عبد اللہ بن محمد القرشی	خدا بخش پٹنہ	
۱۴۰۹	شرح رباعیات		ایشیاٹک	
	شرح رباعیات	خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی محمد ...	ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	
	شرح رباعیات		آصفیہ	
	شرح رباعیات در اثبات وحدۃ الوجود		ابوالخیر	
۱۴۱۳	شرح رباعیات در اثبات وحدۃ الوجود	عبد الرحمن جامی	ٹونک	

نمبر جلد	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۳۱۲	شرح رباعیات وحدت جو در ترتیب بجد		خدابخش	
	شرح رسالہ در بیان قوم اسم	رضی الدین عبد الغفور لاری	رضا	
	شرح رسالہ در وجوہ حرف با		"	
	شرح رسالہ قشیریہ	خواجہ گیسو دراز	پھلواری	
	شرح رسالہ محقق دوانی		عبد السلام	
	شرح رسالہ مراتب ستہ	جامی	خدابخش	
	شرح رسالہ مجمع السلوک والفوائد	قاضی حمید بن محمد خیر آبادی	رضا	
	شرح رسالہ نجم الدین کبری	ملا عبد الغفور لاری	ٹونک	
	شرح سبحۃ الابرار	محمد بن غلام محمد		
	شرح سوانح احسانی	عبد الکریم لاہوری	ٹونک	
۱۳۲۲	شرح السوانح فی العشق		رضا	
	شرح شبستان نکات	محمد بہرام بن فرخ سلطان زادہ	آصفیہ	
	شرح شرح جواب سوال کمیل بن زیاد	محمد علی بن محمد شریف خیرآبادی	رضا	
	شرح شرح لمعات		صولت	
	شرح شمس العین	نیاز احمد قادری	خدابخش ۲	
	شرح عوارف المعارف	خواجہ گیسو دراز		
	شرح عین العلم	قطب الدین محب اللہ بن نور اللہ دہلوی	خدابخش، رضا، آصفیہ، ٹونک، ابو الخیر	
	شرح غنیۃ الطالبین		ہمدرد	
	شرح دو رسالہ غوثیہ	عبد الرحمن حسن جامی مکی الحسینی الحنفی	رضا	
	شرح قصیدہ غوثیہ	غلام محی الدین	جامعہ	
۱۳۲۳	شرح قصیدہ غوثیہ	داؤد بن خلیفہ فتح علی	آصفیہ	
	شرح قصیدہ غوثیہ	محمد فاضل الدین بٹالیہ	آصفیہ ۲	
	شرح رسالہ غوثیہ	علاء الدین ملک شاہ	خدابخش ۲، رضا، آصفیہ، ٹونک ۲، صولت	
۱۳۲۴	شرح قصیدہ غوثیہ	ابو الکلام بن محمد	ابو الخیر	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۳۳۸	شرح غوثیہ	عبداللہ بن حسین علی الحسینی جیلانی	پھلواری	
	〃 فتوح الغیب		〃 ۲	
	〃 فصوص		〃 ۲	
	〃 〃	ملا علیم اللہ رشیدی	پھلواری	
	〃 فصوص الحکم	شمس الدین محمود بن مصلح الدین تبریزی	ہلدد	
	〃 〃	عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی	آصفیہ ۲	
	〃 〃	—	〃	
	〃 〃	—	ایشیاٹک	
	〃 〃 : شخوص الہم	غلام مصطفی بن محمد اکبر تھانیسری	حبیب، ٹونک، آصفیہ	
	〃 〃	میر سید حسین خوارزمی	ٹونک	
۱۳۳۸	〃 〃	سید علی ہمدانی	آصفیہ ۲	
	〃 〃	—	آصفیہ، رضا	
	〃 〃	محب اللہ آبادی	خدابخش ۳، عبدالحی، رضا، آصفیہ، جواہر، سالارجنگ	
	〃 〃	حسام الدین محمد حسینی منیائی لکھنوی	ٹونک	
	〃 〃	نعمت اللہ	آصفیہ	
	〃 قصیدہ امالی	—	پھلواری	
	〃 قصیدہ امالیہ	محمد امام بن شاہ محمد صلاح الدین	〃	
	〃 قصیدہ شیخ فریدالدین عطار	—	سبحان اللہ، آصفیہ	
	〃 〃 الخمریہ الغوثیہ		پھلواری	
۱۶۰	〃 القصیدۃ الغوثیہ	شاہ فاضل الدین	〃	
۱۳۵۸	〃 قصیدہ معلقہ	شاہ آیت اللہ پھلواری	پھلواری	
	〃 〃 میمیہ خمریہ	—	آصفیہ	
	〃 〃 ہمزیہ	شاہ ولی اللہ دہلوی	پھلواری	
	〃 کافیہ بطرز تصوف	عبدالواحد ابراہیم	[illegible]	
۱۳۴۴	〃 کرامت احمد	[illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۳۶	شرح کلام ابن حاجب وغیرہ ۲۶۰۰۰	عبدالواحد بلگرامی	خدابخش	
	،، کلمۃ التوحید	عبدالرحمٰن	ہمدرد	
	،، الکنہ والوجیزہ فی التصوف	محمد بن مرتضیٰ	مزمل	
	،، گلشن راز		آصفیہ	
	،، لب لباب	—	خدابخش	
	،، لمعات		آصفیہ	
	،، ،،	شیخ نظام الدین بن عبدالشکور المعروف	دیوبند، جامعہ	
	،، ،،	عبدالقدوس گنگوہی	جامعہ	
	،، ،،	علی بن یوسف اکبر کبری	،،	
	،، ،،	شاہ نعمت اللہ ولی	رضا، آصفیہ	
۱۳۷	،، لمعات		آصفیہ ۲، مزمل، علی گڑھ	
	،، ،،	جلال ہروی	آصفیہ	
	،، لوائح	فضل اللہ	سبحان اللہ	
	،، ،، ،،	شیخ محمد بن شیخ فضل اللہ	آصفیہ ۲	
	،، ،، ،، (جامی)		آصفیہ، مدراس	
	،، ،، ،،	—	آصفیہ	
	،، مثنوی	ابوسعید ابوالخیر	مفتی	
	،، مثنوی غنیمت	محمد غیاث الدین	دیوبند	
	،، مثنوی مولانا روم	عبدالحمید الحسینی	،،	
	،، ،، ،،		آصفیہ ۲	
۱۳۸	،، ،، ،،	ولی محمد اکبرآبادی/نارنولی	آصفیہ ۲، دیوبند، ٹونک	
	،، ،، ،،	—	،،	
	،، ملفوظ	شاہ مصطفیٰ قلی	عمادیہ	
۱۳۸	،، ،، ،،	عبدالواحد بن شاہ عبدالقادر بن نظام الدین فاروقی	ٹونک	

	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۱۸۲	شرح مثنوی مولانا روم	یعقوب صرفی	ٹونک	
〃	〃 〃	میر نور اللہ احراری	〃	
〃	〃 〃	شاہ بہلول جالندھری (کل باجکی)	〃	
〃	〃 〃	—	〃	
〃	مجمع البحرین	غلام محی الدین فاضل	جامعہ	
〃	محبت نامہ بیجاپی	نظام الدین احمد	عبدالسلام	
〃	مخزن الاسرار		حبیب	
〃	〃	شیخ ابراہیم شطوی	ٹونک	
〃	〃		آصفیہ، ٹونک	
〃	〃	عبدالعزیز جون پوری	〃	
۱۲۹۸ 〃	مخزن الاسرار نظامی گنجوی	محمد بن قوام جار رستم	〃	
〃	هدیة التقرب وحزب التوسل الی سید الانبیاء والرسل	محمد علی اشرف احمد علی	علیگڑھ	
〃	مرآة القلندر = معقلة الاولیا	شاہ بوا قلندر	رضا	
〃	مراقبہ ستہ		علیگڑھ	
〃	〃 〃	شیخ محمد لاہوری	آصفیہ	
〃	مطلع الانوار	محمد بن غلام محمد	ٹونک	
〃	مفتاح		بیلواڑہ	
〃	〃		〃	
〃	ملفوظات عبدالقادر جیلانی	محی الدین قادری	آصفیہ	
〃 〃	〃 شیخ فرقش		حبیب	
۱۴۰۶ 〃	منازل السائرین تقسیم التوحید	شمس الدین محمد القباکانی	خدابخش	
〃	مناقب رزاقیہ		پیلواڑی	
	الشرح المنیر فی مسائل الخطیر	یار محمد حسین	علیگڑھ	
۱۳۲۰	شرح نزہت الارواح		تا فروز اسلامیہ	

شمار	نام کتاب	مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۲۱	شرح نزہۃ الارواح	عبد الواحد بن ابراہیم بن خطیب گجراتی	خدابخش، انڈیا آفس، برٹش میوزیم، آصفیہ، ٹونک، بمبئی، ایشیاٹک	مرتّب، عمدہ
—	" نفحات مکاشفات ابوبکر	ملا اکبر بن میرزا اسد اللہ سعدی	— خدابخش	
	" ورد المریدین	داؤد بن حسن خاکی	خدابخش	
	" صحائف محمودانی	محب اللہ الہ آبادی	رضا، ندوہ	
	" وصیت نامہ شاہ ولی اللہ دہلوی	شاہ ولی اللہ پھلتی	حبیب گنج	
	" ہشت اقلیم معارف سلاسل طریقت		دیوبند	
	شرف السعادت		آصفیہ	
	شرف المناقب	محمد بن احمد بن عثمان	خدابخش	
	" دیگر مختصر رسائل	—	خدابخش	
	شطحیات	روزبہان	ناصریہ	
	شطرنج نامہ	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ ۲، علی گڑھ	
۱۲۲	شق قمر	صائن الدین اصفہانی	ایشیاٹک	
	شکرستان	میر محمد مومن عرشی	آصفیہ	
	شمائل الاتقیا	—	خدابخش	
	شمائل العارفین و سیر المتقین	محمد معصوم فاروقی	عبد الحی	
	شمس العین مع تعلیق و حواشی	نیاز احمد علوی سرہندی	دیوبند	
	شوارق المعرفہ	شاہ ولی اللہ دہلوی	آصفیہ، علی گڑھ	
۱۲۶	شواہد نجیبیہ	شاہ محمد نجیب اللہ	علیگڑھ	

سن اشاعت	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
	(ص)		
۱۳۲۸	صادقۂ مصدقہ	رؤف احمد مجددی	آصفیہ
	صحائف اسرار	صالح محمد کرمانی	بھوپال
	صحائف المعرفۃ	ابو عبد اللہ عبد الرزاق بن احمد رازی	آصفیہ، ما
	الصحیفۃ الأنسیہ	قاضی حمید الدین ناگوری	ایشیاٹک
	صحیفۂ عشق		آصفیہ
	صحیفۂ عمل	محمد افضل الہ آبادی	"
	صد اقوال خلفاء اربعہ	—	خدابخش
	صدور الصدور (صدر الصدور)	حمید الدین ناگوری	حبیب
	صراط التکمیل	—	پیردھڑ
	صراط التوحید	شیخ بایزید (پیر روشنائی)	رضا
۱۳۲۸	صراط القلوب		ٹونک
	صراط مستقیم	نظام الدین قلندر	علیگڑھ
	" "	محمد خاموش	رضا
	صراط المستقیم	خوب محمد چشتی	آصفیہ
	" "	شیخ جمال الدین ابو الفضل محمد بایزید حسین	"
	صفت الایمان		پیردھڑ
	صفات الشرح بتعین ذات	محمد حسن	آصفیہ
	صفوۃ العارفین	—	ایشیاٹک
	صفیر مرغ	شہاب الدین سہروردی	خدابخش
	الصلوٰۃ المعکوسیہ	عبد القادر جیلانی	
۱۳۲۸	صلوٰۃ مقربہ و درود مستحسن	معز الدین محمد ظریف	ایشیاٹک
	صولت مسعودی	عبد الغنی شاہ	جہاں
	(ض)		
۱۲۹۰	ضرب الاقدام	عبد الحق محدث دہلوی	ایشیاٹک

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۴۱	ضیاء توحید	محب اللہ الہ آبادی	علیگڑھ	
	" "	عبد الجلیل	خدابخش	

(ط)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
	طالبین در اذکار		دیوبند	
	طبقات الصوفیہ	عبد الرحمٰن جامی	پٹنہ یونیورسٹی	
	طراز حقیقت	شاہ بوعلی قلندر	آصفیہ ۲	
	طریق السالم	محمد سالم	ظل الرحمٰن	
	طریق الطالبین		پیر دمڑیا	
	طریق المومنین	منعم بیگ	آصفیہ	
	طریقہ بیعت از مرشد در سلسلہ قادریہ	قمر الحسن الالفیاضی		
	طریقہ چشتیہ قادریہ	حسن ابن ابراہیم ابن غیاث الدین ابن محمد شریف	آصفیہ	
۱۱	طریقہ سینہ حضرت خواجگان		صولت	
	الطریقۃ السنیۃ فی فضل الاصحاب ذوی المناقب العلیہ	محمد سالم	ظل الرحمٰن	
	طریقہ قادریہ	—	جامعہ	
	الطریقۃ القویم فی طلب الصراط المستقیم		مدراس	
	طوالع الشموس	قاضی حمید الدین ناگوری	حبیب گنج، ایشیاٹک	

(ظ)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
	ظفر المرأ بما یتمناہ	رضی الدین ابو الخیر بن عبد المجید ٹونکی	رضا	
۱۴	ظہیر الایمان	محمد ظہیر الدین بلگرامی	"	

کتابخانہ	نام مصنف	نام کتاب	نمبر شمار
		(ع)-	
آصفیہ	علی محمد بن پیر محمد	عجائب الاسرار	۱۲۶۸
"	صوفی شریف	" الافکار	
آصفیہ	حسین بن علی محمد نعیر	" العجائب و جامع العجائب	
ٹونک	شاہ عبدالسلام عمری	عجوبتہ الفوائد	
آصفیہ		عرس نامہ	
پھلواری	مجدد الف ثانی	عرضداشت و مکتوبات	
ایشیاٹک	محمد بن باقر محمد	عروس عرفان	
آصفیہ، سالار	قاضی محمود بحری	" "	
آصفیہ		العروۃ الوثقیٰ	
رضا، علی گڑھ	شیخ دہدار	عشرہ کاملہ	
آصفیہ۲، ایشیاٹک، علی گڑھ، آصفیہ، ندوہ	گیسو دراز	عشقیہ / عشق نامہ / عشق حقیقی / وجود العاشقین / محبت نامہ	۱۲۷۸
رضا	ضیاء الدین نخشبی	عشقیہ	
خدابخش	احمد بن جلال الدین کاشانی	عطیہ	
علیگڑھ	شاہ ولی اللہ دہلوی	العطیتہ الصمدیتہ فی انفاس المحمدیہ	
آصفیہ، پھلواری	میر امداد علی	عقائد صوفیہ	
خدابخش، دیوبند	فتح محمد برہان پوری	عقائد الصوفیہ	۱۲۸۳

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۴۸۱	عقد الجواہر والدرر فی ذکر مشاہیر القرن الحادی عشر	محمد بن ابوبکر باعلوی	عبدالسلام	
	عقیدۂ صوفیہ	ولی محمد	آصفیہ	
	علم الیقین		آصفیہ	
	عنایت الٰہیہ	شمس الدین	جواہر	
	عوارف المعارف مسمی بعوارف العوارف / ترجمہ عوارف المعارف / شرح العوارف		سبحان اللہ، رضا، علی گڑھ	
	عوارف ہندی	برکت اللہ بن روشن بلگرامی	جیسال، حبیب	
	عین التوحید	مظہر الحق چشتی رامپوری	آصفیہ	
	عین الجمال	شیخ علی شاہ بن شیخ محمد زکریا		
	عین الحیات	محمد موسیٰ کالونی	پیر دھڑیا	
	عین الحیات	عبدالرزاق کاشی	،،	
۱۴۹	عین العلم (ترجمہ)	رفیع الدین مرادآبادی (مترجم)	آصفیہ، ابوالخیر، دیوبند، پھلواری، ملا فیروز، رضا، دیوبند	
	عین العلم فی التصوف	محمد بن عثمان بن عمر البلخی ؟	عبدالسلام، دیوبند	
	عین القضاۃ ہمدانی (کذا)		آصفیہ	
	عین الیقین	خواجہ گیسو دراز	،،	
	غایۃ التحقیق	مخدوم قادری	ایشیاٹک، مدراس	
	غایۃ الغایات	محب اللہ الہ آبادی	سبحان اللہ	
	غرائب الاطوار فی کشف الاسرار	صوفی شریف	حبیب	
	غزلیات		علی گڑھ	
	غنیۃ الطالبین (ترجمہ)	عبدالحق محدث دہلوی	خدابخش	
	غنیۃ الطالبین (ترجمہ)	عبدالحکیم سیالکوٹی	خدابخش، پیر دھڑیا، ایشیاٹک، رضا، ٹونک	
۱۵۰۴	غنیمت الوقت	مخدوم الاولیاء	آصفیہ، مدراس	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
	(ف)			
۱۵۰۵	فلح الواردات	خواجہ میر درد	دیوبند	
	فارح الاتراح	حمید بن اسحاق	ایشیاٹک	
	فائدہ از ملفوظ جناب سلطان الاولیار		ایشیاٹک	
	فائض البرکات	شاہ قمرالدین حسین	بلجنیہ منفی، علاوہ	
	فتح بیوت النفتح لتصوف		آصفیہ	
	فتح نامہ	اشرف جہانگیر سمنانی	خدابخش	
	״	احمد بن جلال الدین کاشانی	رضا	
	فتوح الاوراد	فتح محمد بن علی غفار	حبیب، ایشیاٹک، علی گڑھ	
	فتوح الصلوٰۃ اکسیر کبیر فی مقدمات		خدابخش	
	فتوح العقائد	بابا شیخ محمد محدث برہانپوری	دیوبند	
۱۵۱۵	فتوح الغیب	بدرالدین حسن سندی	ملری آرکائیوز	
	فتوحات الاصحار		ایشیاٹک	
	فتوحات القدس		سبحان اللہ	
	فتوحات مکیہ/الرسالۃ المکیہ (ترجمہ)	ابن عربی (مصنف)	عبدالسلام، رضا	
	فرائد السلوک فی فضائل الملوک	شمس	عبدالسلام	
	الفتح والسرور	محمد المرقشی	دیوبند	
	فردوس العارفین	خواجہ عبداللہ انصاری	ہمدرد	
	فردوسیہ قدسیہ عرف چشتیہ بہشتیہ	شیخ بہاؤالحق والدین چشتی	آصفیہ	
	فصوص	محمد بن جعفری محمد فاضل شہیدی	رضا	
	فصوص الحکم (ترجمہ)	ابن عربی (مصنف)	پٹنہ یونیورسٹی، ہمدرد، (سبحان اللہ، علی گڑھ)	
	״ ״	عبدالغفار بن محمد علی	سالار	
	فصوص الحکم و فصوص الکلم		ابوالخیر	
۱۵۲۴	فصوص الفصوص (شرح فصوص الحکم)	رکن الدین شیرازی	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۵۲۸	فضائل الامام متن رسالۃ حجۃ الاسلام	(امام غزالی) احمد غزالی	رضا، علی گڑھ	
	فضیلۃ الصلوٰۃ		آصفیہ	
	فقر رحمانی و بحر المعارف والمطلقہ	سید جمال الدین (شاہزادہ)	"	
	فقیر باہو		خدا بخش، ٹونک، صولت	
	فقیر نامہ	(شیخ ابوالحسن)	آصفیہ	
	فواتح الانوار	عبدالغنی شطاری	سالار	
	فواتح خمسہ	حسین بن معین الدین المیبذی	آصفیہ، علی گڑھ، ہمدرد	
	فواتح شرح کافیہ	ملا عبدالغفور لاری	آصفیہ، ٹونک	
	فوائد الاسرار (شرح دیوان حافظ)	شاہ بہلول کوڑ بری جالندھری	ٹونک	
	فوائد الجواہر ترجمہ قلائد الجواہر	حسین بن صابر قادری	علیگڑھ	
۱۵۳۸	فوائد رکنیہ / ملفوظات رکن الدین شطاری	شیخ رکن الدین شطاری	خدا بخش	
	فوائد السالکین (ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی)	فرید الدین گنج شکر	رضا، دیوبند، آصفیہ، ٹونک، ابوالخیر، بزمی، ندوہ، قطبیہ	
	" "		خدا بخش ۲، آصفیہ، پھلواری، ایشیاٹک،	
	" "		رضا، دیوبند	
	فوائد السعادہ		فرقانیہ	
	فوائد شرائط دعا سیفی	محمد امیر	دیوبند	
	فوائد فخریہ ملفوظ حضرت پیر بدیع الدین	عوض علی	آصفیہ	
	فوائد المریدین	مخدوم بہاری	خدا بخش ۲، اسلامپور	
	" "		خدا بخش، پھلواری	
	فوائد	خواجہ حسن مودودی	خدا بخش	
	فوائد الیوسفیہ فی کلیات	شاہ محمد یوسف بن شاہ محمد عبداللہ	"	
۱۵۳۹	فوز السلوک علم التصوف		آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۵۵۰	فی بیان السماع	امام غزالی	جامعہ	
	فیض اعظم	سید محمد الموسوی	آصفیہ، سالار	
	فیض لاریب	غلام الحق	ایشیاٹک	
	(ق)			
	قبض وبسط		ایشیاٹک	
	قرۃ العیون	مولانا نصیر الدین بن شیخ محمد	آصفیہ	
	قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ وجواز حسن اسماع	عبد الحق محدث دہلوی	خدابخش، علی گڑھ	
	قصیدۂ غوثیہ (ترجمہ)	محمد عاشق	خدابخش	
	قطرات الحیات	شیخ محمد امین قادر نقشبندی	خدابخش، رضا	
	قطرۃ النجات	ضیاء الدین نجی	خدابخش	
	القول الفصل فی ارجاع الفروع الی الاصل	شرف الدین محمد	آصفیہ	
۱۵۶۰	قوت الوارفین		عمادیہ	
	لا یموت **(ک)**		جامعہ، فرنگی محل	
	کارنامہ رازونیاز (گلشن راز)	نذیر احمد شاہ مودودی	خدابخش	
	کاشف الاستار (مکتوبات)	سید حمزہ بلگرامی	عبد السلام، رضا	
	کاشف اسرار دقائق	غلام محمد	خدابخش ۲، علیگڑھ	
	کاشف الاسرار		رضا، دیوبند	
	کاشف السماع	محمد اعظم	آصفیہ	
۱۵۶۷	کامل العیر	حسن بن محمد	سبحان اللہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۵۶	کتاب الاوراد	عبدالحق محدث دہلوی	خدابخش	
	کتاب التدبیرہ		پھلواری	
	کتاب عین القضاۃ ہمدانی		ابوالخیر	
	کتاب تصوف		مدراس مرحا نیز جابر قل ارحمن نامریہ	
	کتاب تصوف	ابراہیم نورالہی	آصفیہ	
	کتاب تصوف واذکار		ایشیاٹک	
	کتاب التنزیل	عزیز نسفی	رضا	
	کتاب جزئیات وکلیات	ضیا نخشبی	پھلواری	
	کتاب دربیان ارباب طریقت وبیان سلوک	نجم الدین بن عبداللہ	دیوبند	
	کتاب دربیان شریعت طریقت وحقیقت	حسین کاشمیری	خدابخش ۳	
۱۵۷۱	کتاب دربیان عبادت		دیوبند	
	کتاب در تعویذ وادعیہ	شاہ محمد تقی بلخی	بلخیہ	
	کتاب درسلوک وتصوف		پھلواری	
	کتاب السلاسل (چہار پیر وچہار خانوادہ)		پٹنہ یونیورسٹی	
	کتاب عمدۃ المرشدین وعمدۃ المسترشدین	شہاب الدین احمد	بلخیہ	
	کتاب الکشف والبیان فی معرفۃ حقیقۃ الایمان	الأسی بن اصدق	"	
	کرامات القادریہ من روایات الاولیاء		پٹنہ یونیورسٹی	
	کشف القناع عن وجوہ السماع (ترجمہ)	ظہیر الدین کیرانوی	دیوبند	
	کشکول دراذکار		"	
	کتاب سرمایہ سالکان		ملا فیروز	
	کتاب السعادہ فی معرفۃ العبادہ	امام غزالی	مزمل	
۱۵۸۹	کتاب ستین		ایشیاٹک	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۵۹۰	کتاب الغوثیہ	عبدالقادر جیلانی	ٹونک	
	کتاب معرفت، سلوک		جامعہ	
	کحل الجواہر	عبدالاحد	ابوالخیر ندوہ	
	کحل الجواہر فی مناقب عبدالقادر	حنیف الدین عبدالقادر بن تاجی سید محمد شریف عبدالقادر کشوری	آصفیہ "	
	کحل العینین فی تفصیل غوث الثقلین	محمد اسماعیل	خدابخش	
	کحل العیون	اصغر حسین	جامعہ	
	کرامات الاولیاء	میر ابوالقاسم خان تمکین	آصفیہ ۲	
	"	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	علیگڈھ، رضا	
	"	نظام الدین احمد بن محمد صالح	عبدالسلام، ٹونک	
۱۶۰۰	کرامات پیران پیر	حکیم سید قدرت اللہ قاسم	حبیب	
	کرامات وارشادات مجدد الف ثانی	غلام اللہ معروف بہ غلام علی	آصفیہ ۲	
	کشف الآثار	محمد حبیب اللہ بن شیخ حبیب اکبرآبادی	آصفیہ، عزیل	
	کشف الاسرار	خواجہ معین الدین چشتی	جامعہ	
	کشف الاسرار بتوفیق الملک الستار		رضا	
	کشف الانوار ترجمہ آتما سیتا		سبحان اللہ	
	کشف اسرار معنوی شرح ابیات مثنوی	عبدالحمید بن معین الدین محمد بن ہاشم الحسینی	ٹونک	
	کشف الانوار	عبدالنبی عثمانی	سالار	
	کشف البیان فی طرق وصل الرحمان	سید عبداللہ بن سید عبدالرحیم القادری	رضا	
	کشف الحقائق	شیخ محمد صادق	آصفیہ	
۱۶۱۰	"	علی بن شہاب ہمدانی	دیوبند	
	"	عزیز نسفی	رضا، سالار، علی گڈھ	
	کشف الحقائق ملفوظات حضرت شیخ عیسیٰ	ملا عیسیٰ بن شیخ قاسم	آصفیہ	
	کشف حقائق و بیان توحید	ابوالفتح علی قریشی	"	
۱۶۱۴	کشف الحقیقۃ	محمود شبستری	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۶۱۵	کشف الرموز	غیاث الدین چشتی	خدابخش	
	کشف السلوک	خواجہ محمد فرخ بن محمد سعید بن شیخ احمد سرہندی	رضا	
	کشف العوالم	یمان الدین بن میران جی شمس الدین	حبیب گنج	
	"	سید عبداللہ	علی گڑھ	
	کشف الغطا عن اذہان الاغبیا	خواجہ محمد فرخ بن محمد سعید بن شیخ سرہندی	رضا	
	کشف القلوب بمعرفۃ واجب الوجود	سید عبدالبر بن سید محمد ہاشمی	رضا	
	کشف القناع	محمد سالم	ظل الرحمٰن	
	کشف المحققین	سعدالدین احمد	سالار	
	کشف المقامات	محمود چشتی	جامعہ	
	کشف النکات	رضا بن محمد کاظم	آصفیہ	
	کشکول	عاقل خاں رازی	ایشیاٹک	
۱۶۲۵	کشکول صوفیا	خواجہ اسحٰق مغربی	خدابخش	
	کشفیہ	میاں محمد امیر شاہ بن محمد حیات گیلانی	رضا	
	کفایۃ السامعین	رضا علی خاں	آصفیہ	
	کلام الکمال کمال الکلام	شاہ کمال الدین بخاری	مدراس	
	کلمات	خواجہ دہدار		
	کلمات تورات		فرقانیہ	
	کلمات چند از حضرت نقشبند		جامعہ	
	کلمات الحق	غلام یحییٰ بن نجم الدین بہاری	رضا، دیوبند، خدابخش، ندوہ	
۱۶۳۲	کلمات الحقائق	محمد قاسم عرف سید محمد حسینی	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
١٢٢٣	کلمات شاہ نعمت اللہ	شاہ نعمت اللہ	آصفیہ	
	کلمات عالیہ	مبارک اللہ	سالار	
	کلمات الدریہ فی شرح رسالہ جو جنی	ملا منعم نقشبندی	ہمدرد	
	کلمات غوثیہ		پھلواری	
	کلمات قصیر	سعد الدین کاشغری	رضا	
	کلمات کاملیہ	کمال الدین	آصفیہ	
	الکلمات الزکیہ فی المقاصد المتلکفہ	خوب اللہ الہ آبادی	رضا	
	گلچینیات کلمات فرید الدین عطار		پھلواری	
	کلید بہشت		رضا	
	کلید توحید	باہو سلطان	خدابخش	
١٢٢٣	کلید دانش	اشرف علی	خدابخش ٢	
	کلید مخازن	فرخ شاہ کابلی ١٠٣٠ھ	خدابخش، سالار جنگ / رضا، آصفیہ، ندوہ	
	کمال الکلام		آصفیہ	
	کنز الاسرار		[illegible]	
	کنز العباد شرح اوراد الحسنی	حسن بن علی ترمذی ١٠٩٢ھ	پھلواری	
	کنز الجلال	خواجہ سید بن ناصر عباد	ایشیاٹک	
	کنز الجواہر	محمد بن رضا سعید	سالار	
	کنز الارشاد		خدابخش	
	کنز الرموز	سید احمد حسین الموسوی الحسینی	خدابخش، سالار جنگ، جواہر	
	کنز السالکین	عبداللہ انصاری	ایشیاٹک، [illegible] / آصفیہ، [illegible]	
			[illegible]	
	کنز السعادت	[illegible]	رضا	
١١٥٠	کنز العاشقین	[illegible]	[illegible]	

(ک)

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۴۰	کنز العاشقین	امام غزالی	رضا	
	کنز العباد فی شرح الاوراد	علی بن احمد الغوری	آصفیہ	
	کنز الہدایات	محمد باقر ثانی	ایشیاٹک	
	کنوز جلالیہ	مخدوم جہانیاں جہاں گشت	ناصری	
	۵ الشمائل = جواہر الاسرار	کمال الدین حسین خوارزمی م ۸۴۰ھ	دیوبند	

(گ)

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
	گفتار حضرت خواجہ معین الدین			علامہ فخری یہ ہیں (ابوالعبیر)
	گفتار شاہ عیسیٰ جند اللہ	ابوالبرکات عیسیٰ	ایشیاٹک	
	گل بکاولی	عزت اللہ بنگالی	برٹش	
	گلبن اسرار		سبحان اللہ	
	گلدستہ چمن		برٹش	
۱۴	گلدستہ حقیقت		آصفیہ	
	گلزار ابرار	غوثی شطاری	حبیب	
	گلزار جلال	جلال الدین	سبحان اللہ	
	گلزار حال	بنوالی داس ولی	برٹش	
	گلزار چشتیاں	سید ابراہیم عارف اللہ شاہ چشتی	آصفیہ	
	گلشن اسرار	سید علی ہمدانی	"	
	گلشن توحید	شاہجہاں		
	" "		خدابخش	
	گلشن راز		ٹونک	
	گلشن ناز و نیاز	شاہ محمد اللہ متوکل	"	
۱۶۷	گنج ارشاد	محمد ارشد	سبحان اللہ	
	" (انتخاب)		بخیہ	
	گنج اسرار	شیخ محمد حسن نگہتی		نقل از نسخہ حبیب رضا علیگڑھ، آصفیہ
۱۶۸	" [illegible]	[illegible]	سالار	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۱۳۸۱	گنج راز	عبدالرحمٰن خاص پوری	حبیب	
	گنج سعادت	معین الدین بن سراج الدین	ایشیاٹک، ناصریہ	
	گنج فیاضی	غلام رشید جونپوری	خدابخش	
	گنج لاتخفیٰ	مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی	بلخیہ، پھلواری	
			خدابخش	
	گنج مخفی	میر سید صدرالدین علی	سالار	
	گنج نامہ	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، ہمدرد، رضا	
	گوشوارہ سامع	لطیف	آصفیہ	
	گوہرستان (انتخاب)	عزیز اللہ بناری	بلخیہ	
	(ل)			
	لباب الاسرار	شاہ سعید الدین	آصفیہ	
	لبوب الاخبار		ابوالخیر	
۱۳۹۱	لسان الذاکرین	محمد ہادی بن ابوالحسن	علیگڈھ	
	لطائف		سبحان اللہ	
	لطائف الاسرار	محمد سالم	ظل الرحمٰن	
	لطائف الاسلام فی ارشادات الالہام	شیخ عبدالرزاق کاشی	آصفیہ	
	لطائف التہذیب		سالار	
	لطائف الحدائق	عبداللطیف عباسی	جواہر	
	لطائف الحیات	ابوالقاسم ساسانی	خدابخش	
	لطائف خمسہ	شاہ رفیع الدین	دیوبند	
	"	ابوسعید مجددی	آصفیہ	
	لطائف شاہی	محمد بن جلال	ایشیاٹک	
۱۴۰۱	لطائف القدس فی معرفۃ لطائف النفس	شاہ ولی اللہ	آصفیہ	
	لطائف اللطیف	سید علی الموسوی	"	
۱۴۰۳	لطائف لطیفی	سید عبداللطیف غلام محی الدین	مدراس	

نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
لطائف المعارف	شیخ فضولی	فرقانیہ	
لطائف المعنوی	جان محمدی	عمادیہ	
لطائف الظرائف	محمد رضا	ایشیاٹک	
لطف المعانی	محمد طاہر	سالار	
لطیفہ غیبی	ملا شاہ محمد	مدراس	
لطیفہ غیبیہ	محمد ناصر بن محمد علی	سالار	
لطیفۃ المعانی		خدابخش	
لفت ملفوظ الشریف	عبدالقادر	ایشیاٹک	
لمعات اسرار عشق	خلیفہ پیر محمد	آصفیہ	
لمعات الطاہرین	غلام علی	"	
لمعات من نفحات القدس	محمد العالم الصدیقی	صولت	
(م)			
مأۃ الفوائد	ابو العباس شہاب الدین احمد	پھلواری	
ما فیہ علیہ الصوفیہ	نظام الدین محمد انصاری	مزمل، خدابخش	
ماہیت الاسرار		خدابخش	
" "	محمد اعظم شاہ بن شاہ عبدالمجاہد	"	
مبدا و معاد	عزیز نسفی	رضا، ایشیاٹک، پیرو مرزیا	
مبلغ الرجال	خواجہ کلاں بن خواجہ باقی باللہ	علی گڑھ	
مثال نور قدسیہ قادریہ	میر جعفر محمد حسین	بلخیہ	
مثنوی میر مظہر علی راجگیری		پھلواری	
مجلس آب و گل	مرزا بیدل	حبیب	
مجالس		رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	م
١٤٢٥	مجالس الکاملین	مرزا سلطان	عبد السلام	
	مجالس کلیمی	نور محمد	پشنہ یونیورسٹی، سالار	
	مجمع اسرار فرح ... الانوار		آصفیہ	
—	مجمع الاشارہ، مجموعہ رسائل تصوف		”	
	مجمع البحرین (تصوف)	رکن الدین گنگوہی	ہمدرد	
	مجمع البحرین	میر ...	خدا بخش	
	مجمع الحکم	ابو سعید علاء الدین قریشی	دیوبند	
	مجمع السلوکین	خیر الدین ابن شیخ محمد زاہد	آصفیہ	
	مجمع السلوک	معین الدین فاضلی	ہمدرد	
	مجمع الکلمات	امام الدین خان انور	فرقانیہ، رضا	
	مجمع المنفعت		خدا بخش	
١٤٢٥	مجموعۃ الاشباہ والاشیا	قطب الدین قادری	حبیب، آصفیہ	
	مجموعہ	شرف الدین	ایشیاٹک	
	”	شاہ عنایت اللہ قادری	”	
	مجموعہ اقوال اولیاء و اتقیا		ندوۃ العلماء	
	مجموعہ اوراد و مجاہدات الصوفیہ	جعفر محمد قادری	بلمیرا	
	مجموعہ تصوف ...	احمد میاں	عبد السلام	
	مجموعہ تقریر شاہ عبد العزیز در وحدت وجود و شہود	شاہ عبد العزیز دہلوی	رضا	
	مجموعہ چند مکاتیب		پھلواری	
	مجموعہ خطوط	محمد حسینی	آزاد، ...	
	مجموعہ در تصوف	شیخ نیک عالم	جامعہ	
	مجموعہ ایزدہ رسالہ تصوف	مخدوم ...	آصفیہ	
١٤٢٦	مجموعہ رسالہ تصوف	خواجہ باقی باللہ	رضا	

ت	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱	مجموعہ (نوزدہ) رسائل تصوف	مخدوم سالار وغیرہ	آصفیہ	
	مجموعہ (نہ) رسالہ تصوف	شاہ برہان الدین وغیرہ	"	
	مجموعہ رسالہ در عشق	عبدالجلیل چشتی لکھنوی	رضا	
	مجموعہ رسائل	علی ہمدانی	حبیب، دیوبند، آصفیہ	
	مجموعہ رسائل	محمد بن محمد حسن الطوسی	عبدالسلام	
	مجموعہ رسائل	محمد عبدالرزاق خان بن عبدالعزیز خان رامپوری	رضا	
	" "	خواجہ دیدار	ابوالخیر	
	" " (۲۲ رسائل)	شاہ نعمت اللہ ولی	خدا بخش	
	مجموعہ رسائل تصوف	حسن ابن حسین بلخی	"	
	مجموعہ رسائل تصوف	سید آدم بنوری	آصفیہ	
۱۴	" "	محمد شریف حنفی	"	
	" / رسالہ تصوف	احمد بن جلال الدین کاشانی	حبیب، رضا، خدا بخش	
	مجموعہ یکصد و بست و پنج رسائل تصوف	شاہ نعمت اللہ ولی	آصفیہ	
	مجموعہ رسائل تصوف	عزیز بن محمد النسفی	"	
	" "	حضرت شاہ عبدالحق عرف دستگیر	"	
	" "	محمد دیدار	"	
	" "		"	
	" "	[illegible] بن حسام الدین	حبیب	
	مجموعہ (۱۷) رسالہ تصوف و مکاتیب	عبدالحق	آصفیہ	
	مجموعہ رسائل تکمیل العرفان	میر سید محمد	"	
۱۴	مجموعہ رسائل سلسلہ نقشبندیہ	میر ظریف صاحب جی	"	
	مجموعہ رسائل عبدالحق محدث	عبدالحق محدث دہلوی	دیوبند	
	مجموعہ (ہشت) رسائل [illegible] وغیرہ		آصفیہ	
	مجموعہ رسائل [illegible]	سید محمد [illegible]	"	
	مجموعہ [illegible] رسائل	عبدالقادر [illegible]	"	
۱۴	مجموعہ [illegible] رسائل		ابوالخیر	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۸۸۳	مجموعہ سیزدہ رسائل	درویش احمد	آصفیہ	
	مجموعہ شرح الحدیث ابن کمال ربنا ان یخلق الخلق	نورالدین ابو یوسف	رضا	
	مجموعہ فوائد		ایشیاٹک	
	مجموعہ طبقات	خواجہ محمد فتوح الحسینی	آصفیہ	
	مجموعہ مرآۃ الحقیقۃ	امان اللہ عبدالملک بن عبدالغفور الانصاری	رضا	
	مجموعہ معرفۃ المذاہب	امام غزالی	آصفیہ	
	مجموعہ مکاتیب تصوف		جامعہ	
	مجموعہ مکتوبات و ملفوظات (خواجہ معین الدین چشتی)		خدا بخش	
	مجموعہ مکتوب خواجہ		رضا	
	مجموعہ ملفوظ انوار الرحمن و جامع الشواہد	نوراللہ	دیوبند، ندوہ	
۱۸۸۴	مجموعہ ملفوظ جلال الدین بخاری	احمد برنی	آصفیہ	
	مجموعہ منازل طریقت	ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری	"	
	مجموعہ النصائح	مجلس رائے و احتساب مالیے	خدا بخش	
	مجموعہ ہفت رسائل	محمد بن الحافظ البخاری (کلاباد پارسا)	آصفیہ	
	محافل عارفاں لب لباب مثنوی	جے سنگھ رائے	عبدالسلام	
	محاکمۃ الصادقیہ		آصفیہ	
	محبت نامہ	خواجہ گیسو دراز	"	
	محبوب السالکین		حبیب	
	محبوب العارفین	خواجہ علی رامیتنی	رضا	
	محبوب العاشقین	(خواجہ عزیزان)	رضا	
۱۸۹۳	محبوب القلوب		ہمدرد، پٹنہ یونیورسٹی	
	محرم الاسرار	عبدالکریم بن فرید انصاری	ایشیاٹک	
	محک العارفین	دارا شکوہ	علیگڑھ	
	محک الطالبین		آصفیہ	
۱۸۹۴	محمود خانی	شیخ محمود	"	

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۷	مجمل معرفت		ٹا فیروز، مزمل	
	مخازن القادریہ	شمس الدین بن ولی اللہ	آصفیہ، عبدالحی	
	مختار الاختیار علی مذہب المختار	اختیار بن غیاث الدین	علی گڑھ	
	مختارات الصوفیہ	عبدالباقی	عبدالسلام	
	مختصر تحفہ قادریہ	شاہ عبدالمعالی محمد	ابوالخیر	
	مختصر الحقائق		پیرو دریا	
	مختصر رسالہ	مخدوم احمد چرم پوش	بلخیہ	
	مخرج عرفان	حکیم علی بن حکیم محمد لقا خان	خدابخش، دیوبند	
	مخزن الاسرار معنی احمدیہ در کشف الاسرار مجددی	صفی اللہ بن شیخ غلام محمد	علی گڑھ	
۱۸۰	مخزن الاسرار فی ذکر سلاسل الکبار		"	
	مخزن الاعراس	شرف الدین بن قاضی شیخ محمد بہرہلی	پنجاب یونیورسٹی	
	"	محمد نجیب قادری ناگوری	ایشیاٹک، علی گڑھ	
	مخزن الامین	امین الدین علاء ثانی	آصفیہ	
	مخزن جواہر الاسرار فی حل غوامض جواہر الشطار	شیخ علاء الدین محمد غوثی شطاری	رضا	
	مخزن دعوت	اسماعیل بن محمود	ایشیاٹک، علی گڑھ	
	مخزن السالکین	بہاؤالدین چشتی	"	
	مخزن السلاسل چشتیہ	محی الدین اشرف قادری	آصفیہ	
	مخ الفصوص	عباس بن شاہ عبدالرحمٰن	سالار	
	مدارج السالکین	امام الحافظ محمد	رحمانیہ مونگیر	
۱۸۱	مدارج الکمال		ایشیاٹک	
	"	افضل الدین کاشانی	خدابخش، آصفیہ	
	مدارج المعارف الی معرفۃ الاخلاق اللہ	خان علی حسین	آزاد علی گڑھ مسلم	
	مدارک الاسرار		ایشیاٹک	
	[illegible]	رحمت اللہ [illegible]	عبدالسلام	
۱۸۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۸۲۲	مرآۃ الاسرار	شیخ معین الدین	کراچی، الٰہ آباد	
	مرآۃ الاسرار (منقولات)		خدابخش	
	مرآۃ الاسرار	عبدالرحمٰن چشتی بن عبدالرسول بن قاسم العلوی	خدابخش، دہلی، الوالخیر، رحمانیہ، علی گڑھ	
	مرآۃ الصفا	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش، رضا	
	مرآۃ الافراد		سبحان اللہ، رضا	
	مرآۃ العارفین		دیوبند، دہلی	
	مرآۃ المحققین		ایشیاٹک	
	مرآۃ مداری	عبدالرحمٰن چشتی	خدابخش، دیوبند، علی گڑھ	
	مراتب خمسہ	فتح محمد	ابوالخیر، ایشیاٹک، پیر جامعہ، علی گڑھ	
	مراتب الوجود	محمد بن نور الدین	خدابخش، ایشیاٹک، ابوالخیر، پیر جامعہ، علی گڑھ	
۱۸۲۳	"	اقدس کرمی	ابوالخیر	
	"		ایشیاٹک	
	مراتب الوصول	محمد سالم اللہ بن مسعود احمد	رضا	
	"	شاہ رؤف احمد رافت	ابوالخیر	
	مرآۃ التائبین	سید علی ہمدانی	رضا، اسلامیہ	
	مرآۃ الحق	جمال محمد جعفر	رضا، آصفیہ، ندوہ	
	"	جمال محمد جعفر	آصفیہ	
	مرآۃ الحق والیقین	علاء الدین بن شمس الدین	انڈیا آفس، ایشیاٹک	
	مرآۃ العشاق	عبدالرحمٰن بن عبدالرسول چشتی	علی گڑھ	
	"	ابوسعید مبارک ۱۲۲۲ھ	عمادیہ	
۱۸۲۴	مرآۃ الحقیقت		رضا	
	مرآۃ الروح		آصفیہ	
	مرآۃ الرویہ		"	
	مرآۃ الولایت	محمد ہاشم بن محمد قاسم	"	
	مرآۃ الصوفیہ	شاہ درویش محمد قادری	علی گڑھ	
	مرآۃ ضیاء	رحمت علی	حبیب	
[illegible]	[illegible]	[illegible]		

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۸۵۰	مرآة العاشقین	محمد رضا	آصفیہ، ترقی	
	مرآة الاسرار	احمد بن یوسف	״	
	مرآة الغیوب	حبیب اللہ کشمیری	رضا	
	مرآة القلوب	حسن بن صالح بن داؤد قلندر	آصفیہ	
	مرآة القلوب بہ وصیت نامہ [illegible]		״	
	مرآة المتصوفین	محمد خلیل الشیخ ابراہیم	آصفیہ، ٹونک	
	مرآة المحققین	محمد خلیل اللہ	{انجمن، پھلواری، آصفیہ، [illegible]}	
	״	شرف الدین احمد منیری	انجمن، اسلام پور	
	مرآة المخلوقات	عبدالرحمن چشتی	ہمدرد، حبیب	
	مرآة المرجع		آصفیہ	
۱۸۶۰	مرآة مسعودی	عبدالرحمن چشتی	{عبدالسلام، علی گڑھ، جواہر، آصفیہ}	
	مرآة الموحدین	ولایت اللہ باقی	عبدالسلام	
	مرآة الواصلین	محمد صالح حسینی	سالار	
	مرآة الوحدت	شیخ سیف الدین ابہری	رضا، فرقانیہ	
	״	خواجہ محمد عبدالباقی باللہ	رضا	
	مرادات الفاظ خواجہ حافظ	شیخ محمد عبدالکریم	علی گڑھ	
	مراد المثنوی مجدد شرح مثنوی	سید مراد علی	ٹونک	
	مراد المریدین مرام المرادین	خواجہ گیسو دراز	آصفیہ	
	مراد المریدین	محمد مراد علی بن شرف الدین	ہمدرد	
	مراقبات و مکتوبات سید عبدالجلیل بلگرامی		جواہر	
۱۸۷۰	مرشد السالکین	احمد بن جلال الدین الکاشانی	خدابخش، رضا، علی گڑھ	
	مرشد المتقین	ابوالمعالی عبدالقادر	سالار	
	المرصد الوحدت و الکثرت		{احمدیہ، آصفیہ، ایشیاٹک، [illegible]، ندوہ}	
	مرغوب الطالبین	سید مرتضیٰ	آصفیہ	
	مرقات الوصول		دیوبند	
	مرقع	میرزا ضیاء اللہ	آصفیہ	
	مسافر نامہ	مخدوم جہانیاں جہاں گشت	[illegible]	
۱۸۸۰	[illegible]		پھلواری	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۸۸۸	مسلک الاخبار	شیخ یعقوب صرفی بن حسن	آصفیہ	
	مشاہدات صوفیہ	سید عابد بن محمد الحسینی کالپوری	علی گڑھ	
	" " (انتخاب)	سید محمد امام شاہ گدا	جواہر	
	مشرب شطاریہ	عبد الرحمن حسام الندوی الصدیقی	پیر دو مڑیا	
	مشہد الروح عین المقصود	فرید الدین	ایشیاٹک	
	مصابیح القلوب	ابو سعید حسن بن حسین الشیعی البروزی	رضا	
	مصالح الطالبین		ابوالخیر	
	" "	پیر محمد لکھنوی	علی گڑھ، حبیب	
	" "	عبد الرسول کھنڈوی	حبیب، رضا	
	مصباح الخلائق	زین العابدین حسینی	پٹنہ یونیورسٹی	
۱۸۸۸	مصباح الشریعہ	امام جعفر صادق ؟	ناصریہ، پھلواری	
	مصباح العارفین	قطب الدین بختیار کاکی	رضا	
	مصباح الہدی	بنوالی رام ولی	دہلی	
	مصح الواصلین	جمال حسینی	ایشیاٹک	
	مصطلحات صوفیہ	ملا اعظم نقشبندی	ہمدرد، بلخیہ	
	مطارحات	عبد الرزاق کاشانی	"	
	مطالبات صوفیہ		خدا بخش	
	مطالب الطلاب شرح تعلیم المریدین		ٹونک	
	مطالع الایمان	عبد الرحمن بن محمد الشیبانی	رضا	
	مطلع الفجر		ایشیاٹک	
۱۸۹۸	مطلوب السالکین	محمد لطیف بن [illegible] بن محمد [illegible]	رضا	

نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
مطلوب السالکین	ملا محمد جرجانی	علی گڑھ	
مطلوب الطالبین	محمد ابوالفتح دہلوی م ۱۱۱۱	آصفیہ، عبدالسلام	
" "		خدابخش	
مطلوب العاشقین	منعم شاہ ولد سید شاہ حسینی	آصفیہ	
مطلوب المبارک	مبارک شاہ	پھلواری	
" "	شاہ احمد آموں	خدابخش	
مظاہر اسرار	ابوالحسین عبدالرزاق	عبدالسلام	
" "	شاہ عظمت اللہ قادری	ایشیاٹک، آصفیہ	
" "	شاہ عزت اللہ کریم بیگی	منعمی، بلخیہ	
مظہر الحقائق (شرح مثنوی)	سید مظفر علی بن سید میر علی رضوی	ٹونک، علی گڑھ	
معارج الکمال	اسماعیل بن شاہ عبدالعزیز	خدابخش	
معارج الملوک	سلطان حسین خاموشیان	ایشیاٹک	
معارف الحکایات	احمد رومی	آصفیہ	
معارف العوارف	ابو عبدالرحمان بن علی بن فرش شیرازی	حبیب	
معدن الاسرار	شیخ قاضن شطاری	بلخیہ	
" "	اعظم الحسینی	سالار	
" "	فیض اللہ بن زین العابدین بن حسام بلبانی	ٹونک، رضا، دہلی یونیورسٹی	
معدن الاسرار فی بیان خاندان شریف شطار	علی بن محمد العلوی	ٹونک	
معدن الجواہر		خدابخش	
معدن السلوک	شاہ میر لطف اللہ	سالار	
معدن المعانی		خدابخش	
موانح السالکین	اعظم حسینی چشتی	آصفیہ	
" "	عبدالرزاق قادری	علی گڑھ	
مواعظ العاشقین		"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۹۲۲	معراج العاشقین	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدا بخش، رضا	
	معراج نامہ	فرید الدین	ایشیاٹک	
	معرفت انفاس		ایشیاٹک	
	" "	محمد اسحق		
	معرفت الدنیا	علی متقی بن حسام الدین	علی گڑھ	
	معرفت الاجابۃ	خواجہ محمد قاسم	خدا بخش	
	معرفت السلوک		پھلواری	
	" "	شیخ محمد چشتی شاہپوری	رضا، سالار، نیشنل میوزیم	
	" "	شاہ محمد روشن دہان	آصفیہ	
	معرفت صفات ربانی (کشف الحقائق)	ابوسعید مجددی	"	
۱۹۲۳	معرفت القلوب	قاضی حمید الدین ناگوری	علی گڑھ	
	المعرفۃ الحجرۃ	محمد فیروز صوفی	ایشیاٹک	
	معرفت المذاہب	ابن سراج	پھلواری	
	" "	محمد طاہر غزالی	علی گڑھ، ندوہ	
	معرفت نفس و رب	—	حبیب	
	معرفت النفس والخالق	احمد بن جلال الدین کاشانی	"	
	مصیبت نامہ	عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ	عبدالحی	
	مغز المعانی	سید شہاب الدین	انجمن آصفیہ	
	مفاخر الابرار	محمد غوث بن ناصر الدین محمد	آصفیہ	
۱۹۲۴	مفتاح الاسرار	غلام محی الدین سید عبداللطیف	عباس	
	" "	عماد الدین ابراہیم بن بدر صا	حبیب	
	" " للابرار	— تاریخ ادب ملتان ۱۹۶۱م	جامعہ	
	مفتاح الانوار فی لطائف الاسرار	محمود ابن علی بن محمود حلوانی	پھلواری	
	مفتاح التفاسیر ؟		عباس	
	مفتاح التوحید در حل مشکلات	شیخ خوب محمد چشتی	آصفیہ	
۱۹۲۹	مفتاح الجنان	محمد وجیہ الدین	[illegible]	

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
مفتاح الجنان	—	پھلواری، ناصریہ، علی گڑھ	
مفتاح الخزائن	شاہ اشرف	مدراس	
" "	خوب محمد	حبیب	
مفتاح الجزاءات	اسمٰعیل بن لطف اللہ الباخرزی	علی گڑھ	
مفتاح الدقائق	حاجی عبداللہ الغنانی	رضا	
مفتاح السلوک: شرح اراکی جامی	عماد	آصفیہ	
مفتاح الطالبین	کمال الدین محمود محمود دانی	" / سالار، ندوہ	
" " (ملفوظات متعلق خواجہ معین چشتی)	قطب الدین بختیار کاکی	علی گڑھ	
" "	حضرت شیخ بادشاہ	سبحان اللہ	
مفتاح العارفین	عبدالفتاح بن محمد نعمان	دیوبند[2]	
مفتاح فتوح الغیب	غلام محی الدین	ایشیاٹک	
مفتاح الفتوح، شرح فتوح الغیب	سید عبدالقادر	آصفیہ[2]	
مفتاح الفیض	حسن طاہر جونپوری م ۹۰۹ھ	علی گڑھ	
مفتاح المطالب	قاضی حمید الدین ناگوری	ایشیاٹک	
مفتاح المعارف	شیخ عبدالقادر فخری	آصفیہ، مدراس، مہدی	
مفتاح المعانی	محمد ابراہیم ولد شیخ شرف الدین	پٹنہ یونیورسٹی	
" (شرح مثنوی مولانا روم)	سید عبدالفتاح العسکری الحسینی	آصفیہ، ٹونک	
" " (")	ابو عنایت اللہ ہدایت اللہ	آصفیہ، حبالی	
مفتاح النجات	ابو نصر احمد بن ابی الحسن النامقی الجامی	رضا	
مفتاح وحدت کشف	شیخ عبداللہ صوفی شطاری	دیوبند	
مفتاح ہدایت		آصفیہ	
فرح القلوب (ترجمہ ہشت بہشت)	شاہ محمد مفتی الملک	جواہر، ندوہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
١٩٧٤	مقاصد الاولیا	محمود بن احمد الحسن	پنجاب یونیورسٹی لاہور
	مقاصد السالکین	مولانا ضیاء اللہ	رعنا
	مقاصد قادریہ	شاہ ابراہیم عرف مخدوم جی قادری	آصفیہ
	مقاصد العارفین	محمد قاسم ابن خواجہ دیوانہ	ر، ٹونک
	المقالات المرضیہ /	شاہ ولی اللہ دہلوی	مدراس
	المقالات الوضیۃ (فی النصیحۃ والوصیۃ)		رضا، ندوہ
	مقالات ابی سعید	شیخ سعید فضل اللہ بن ابوالخیر	"
	مقامات امام ربانی	شاہ غلام علی	دیوبند
	مقامات خواجہ بہاء الحق والدین	خواجہ پارسا	آصفیہ
	مقامات در تصوف	ابوبکر بن محسن	ہمدرد
١٩٨٢	مقامات شاہ غلام علی	شاہ عبدالغنی مجددی	علی گڑھ
	مقامات معصومی	صفیر احمد فضلی	ابوالخیر
	مقدمہ اشعۃ اللمعات ؟	عبدالرحمن بن احمد الشیبانی	رعنا
	مقدمہ در بیان طریق سلوک		ابوالخیر
	مقدمہ فی اصطلاحات الفصوص و شرح مشکلات فصوص		"
	(—) مقرر نامہ / سفرنامہ	مخدوم جہانیان جہاں گشت	سبحان اللہ
	المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ	—	فضل الرحمن
	مقصد اعلیٰ در شرح اسماء الحسنیٰ	محمد مسلم	"
	المقصد الاقصیٰ	کمال الدین حسین خوارزمی	آر کائیوز، الہ آباد
١٩٩١	" "	محمد آصفی	یو پی، آر کائیوز
	" "	عزیز بن محمد النسفی	آصفیہ
	مقصد عشق	سید اشرف بن حمید الحسینی	ایشیاٹک
	مقصود الصالحین	خواجگی درویش	آصفیہ
	مقصود العاشقین	ابوداؤد بن صدیق بن داؤد بن قطب الدین حسین	ہمدرد
	مقصود القاصدین	بدرالدین قریشی	[illegible]
١٩٩٤	مقولات	خواجہ عبداللہ	رعنا

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱۹۹	مکاتیب	قطب الدین	ناصریہ	
	؍؍	امیر ابو العلی اکبر آبادی	پھلواری	
	؍؍	سید امین الدین و میر سلامت علی	علی گڑھ	
	؍؍ دارا شکوہ و شیخ محب اللہ		؍؍	
	؍؍ شاہ عشق	شاہ اسحاق عرف پیرو مرشد	پیرو مرشد	۲
	؍؍ شاہ ولی اللہ		دیوبند	
	؍؍ شیخ عبد القادر جیلانی	علی متقی	جامعہ ملیہ	
	؍؍ شیخ محمد چشتی		ناصریہ	
	؍؍ غوث اعظم		پھلواری ۲	
۲۰۰۷	؍؍ غیبیہ ؟	شیخ احمد سرہندی	علی گڑھ	
۲	؍؍ و رسائل عبد الحق	عبد الحق محدث دہلوی		علی گڑھ
	مکاشف الاسرار		آصفیہ	
	مکاشفاتِ رضوی شرح مثنوی	محمد رضا	آصفیہ ۲	
	مکاشفات غیبیہ	حضرت مجدد الف ثانی	رضا، ایشیاٹک، ندوہ	
	؍؍ ؍؍ منعمی	منعم پاک	حبیب، خدابخش، رضی	
	؍؍ ؍؍	منعم خانخاناں	سالار	
	مکاشفۃ القلوب		آصفیہ	
	مکتوب بنام بختیار کاکی	معین الدین چشتی	حبیب، ملیہ، ٹونک	
۲۰۱۶	؍؍ ؍؍ حسن علی	حسن مودودی	؍؍	
	؍؍ ؍؍ خواجہ معین الدین چشتی	قطب الدین بختیار کاکی	خدابخش، علی گڑھ	
	؍؍ توحیدی	—	خدابخش	
	؍؍ حضرت ابو العلی / مکتوبات ابو العلی		؍؍ ۳	
	؍؍ حضرت نظام الدین اولیا	—	؍؍، دیوبند	
	؍؍ خواجہ برہان الدین	—	؍؍	
۲۰۲۲	؍؍ خواجہ بہرام	—	سبحان اللہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ کیا
۲۰۲۳	مکتوب دربیان توحید	نظام الدین اولیا	دیوبند؛ علی گڑھ؛ حبیب
״	در تحقیق روح		ایشیاٹک
״	شاہ خوب اللہ	ابن طیب	خدابخش
״	قطب المی	عبداللہ قطب المی	سالار
״	نظام الدین	نظام الدین اولیا	ایشیاٹک ۲
״	ولی اللہ دہلوی		״
״	ہشتم		״
	مکتوبات		سبحان اللہ
۲۰۳۱	״	عبدالقادر جیلانی	حبیب؛ ایشیاٹک
	״	شیخ احمد سرہندی	جامعہ؛ ابوالخیر
	״ (ناقص الاول)		آصفیہ
	״	علاء الدین قریشی	״
	״ (رسالہ)		آرکائیوز الہ آباد
	״ ابوالفضل		پھلواری
	״ اشرفی (اشرف جہانگیر سمنانی)	عبدالرزاق	ٹونک؛ علی گڑھ
	״ بزرگان پھلواری	شاہ بدرالدین، شاہ محی الدین؛ ״ قمرالدین، ״ نظام الدین؛ ״ امان اللہ	
	״ بنام شیخ پیر محمد		← پٹنہ یونیورسٹی
۲۰۳۰	״ بندگی میاں	بندگی میاں مصطفیٰ	آصفیہ ۳
	״ حاجی شیخ سرور سعد الدین	حاجی سیاح سرور سعد الدین رفاعی	״
	״ حضرت حسام الدین		پٹنہ یونیورسٹی ۲
	״ ״ دیوان جیو		خدابخش
	״ ״ رسول نما بنام حضرت تاج العارفین		حبیب؛ آصفیہ
۲۰۲۵	״ ״ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی		خدابخش

نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱ مکتوبات حضرت سراج الدین عبداللہ شطاری	مع رسائل ،،	آصفیہ	
،، ،، شاہ عبدالرزاق	شاہ عبدالرزاق	خدابخش	
،، ،، شاہ علی عاشقان	شاہ علی عاشقان	آصفیہ	
،، ،، محبوب سبحانی	شہاب الدین سہروردی ،،	،،	
،، ،، مخدوم جہان	مظفر بلخی (مرتب!)	خدابخش	
،، ،، شاہ نور قطب عالم پنڈوی (سہ مکتوب)		بلخیہ	
،، ،، مولانا مظفر بلخی	شیخ حسین معز بلخی (مرتب)	،،	
،، ،، حسین معز بلخی		آصفیہ ۲ ۔	
،، خواجہ معین الدین چشتی / مکتوب خواجہ		آصفیہ[2]، ٹونک[1]، رضا، جامعہ، ایشیاٹک	
۱ ،، خواجہ یحیی چشتی	خواجہ یحیی چشتی	خدابخش	
،، درتحقیق وحدت احدی	خواجہ محمد ناصر دہلوی	پھلواری	
،، سید احمد بریلوی	سید احمد بریلوی	ٹونک ۲	
،، سید سعید الدین رفاعی		حبیب	
،، سید عبدالرحمن		ایشیاٹک، ندوہ	
،، شاہ احمد سعید مجددی	حاجی دوست محمد قندھاری	ابوالخیر	
،، شاہ بوعلی قلندر		دیوبند، علی گڑھ	
،، شاہ پیر محمد	ابوالمکارم	حبیب	
،، شاہ خوب اللہ الہ آبادی	محمد اسلم الہ آبادی	دیوبند	
،، شاہ سعد اللہ سہروردی	—	علی گڑھ	
،، شاہ عاشقان	—	آصفیہ	
،، شاہ عبدالرزاق	—	پیردھڑیا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۰۶۷	مکتوبات شاہ علیم الدین بلخی	شاہ غلام مظفر بلخی	بلخیہ[۲]
"	شاہ رحمت اللہ کریم چکی		منعمی
"	شاہ قمر الدین حسین		"
"	شاہ مجتبیٰ لاہر پوری	تراب علی بن شاہ محمد کاظم قلندر	آصفیہ[۲]
"	شاہ مظہر حسین منعمی / کریم چکی		بلخیہ
"	شاہ نیک عالم		جواہر، آصفیہ
"	شیخ شہاب الدین سہروردی	عبدالقادر جیلانی	آصفیہ
"	شیخ عبدالجلیل	شیخ عبدالجلیل	پیرو فریا، آصفیہ، علیگڑھ، آرکاٹ، آزاد، سبحان اللہ، ٹونک، پٹنہ یونیورسٹی
۲۰۷۵ "	شیخ عبدالحق	عبدالحق دہلوی	آصفیہ، ابوالخیر علی گڑھ
"	شیخ عبدالکریم		آصفیہ
"	شیخ غلام رشید عثمانی		خدابخش
"	شیخ محمد ملا عرف قادری شطاری		بلخیہ
"	صد و پنجاہ مکتوب (؟)		پھلواری
"	عبدالرزاق کاشی و علاؤ الدین سمنانی		ایشیاٹک
"	عبداللہ قطب	عبداللہ قطب	ایشیاٹک[۲]
"	غوث پاک و مرید (مترجم)	علی بن حسام الدین	علی گڑھ
"	غوث الثقلین	ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی	عبدالسلام
"	فرغ شاہ محمد		خدابخش
"	فرید الدین عطار		آصفیہ[۲]
۲۰۸۶ "	محب اللہ الہ آبادی	ملا شیخ محمود جون پوری	سبحان اللہ

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۲۰	مکتوبات مخدوم ساوی	مخدوم ساوی	مدراس	
	" مخدوم جہانیاں جہاں گشت		پیر دمڑیا	
	" مکتوبات مظفر بلخی		خدابخش	
	" مولانا اسمٰعیل شہید		ٹونک	
	" میر ابو العلا	میر ابو العلا اکبرآبادی	خانقاہ، آصفیہ	
	" ناصری		پھلواری	
	" نظام الدین اولیا		مدراس، دیوبند	
	" " قلندر		آصفیہ	
	" و رسائل اشرفی	سید اشرف جہانگیر سمنانی	علی گڑھ، ٹونک	
۲۰	" و واقعات مولانا فخر الدین	عوض علی	حبیب	
	ملفوظات		علیگڑھ	
	" / رسالہ در بیان مراتب فنا	گیسو دراز	جامعہ/دیوبند	
	ملفوظات	خواجہ محمد پارسا	حبیب	
	" "	حسام الدین جون پوری	جامعہ	
	" بابا فرید	بابا فرید گنج شکر	جمال پاشا	
	" برہان الدین جنیدی	سید ابو الحسن قادری (مرتب)	آصفیہ	
—	" " راز = ← انوار الہدیٰ			
	" " شطاری		حبیب	
	" بہاؤ الدین نقشبندی	محمد بن محمد الحافظی خواجہ پارسا	حبیب، آصفیہ، دیوبند، ٹونک	
	" جلال الدین رومی		علیگڑھ	
۲۱۰	" حضرت بہاء الدین		حبیب، آصفیہ، دیوبند	
	" " حسام الدین مانک پوری		پھلواری، ہمدرد	
	" " خواجہ خورد	سلام اللہ	آصفیہ	
	" " " قطب الدین بختیار کاکی	—	جواہر	
	" " " محمد علی تستری		حبیب، آصفیہ، دیوبند	
۲۱۱	" " شاہ ابو البرکات	ابو العلا، شاہ قمر الدین حسین	پٹنہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۲۱۱۳	ملفوظات حضرت شاہ راجو قتال	—	آصفیہ	
،،	،، ،، شاہ سلیمان	ابو احمد یار محمد ابن تاج محمد	،،	
،،	،، ،، مجدد الف ثانی	—	،،	
،،	،، ،، محمد زماں	ابراہیم بیگ	علی گڑھ	
،،	خواجگان چشت		دیوبند	
،،	خواجہ اویس قرنی		پیر دھڑیا	
،،	خواجہ بندہ نواز	گیسو دراز	آصفیہ، ایشیاٹک	
،،	،، حسن اجمیری	محمد مہدی	بوہار	
،،	خواجہ عبید اللہ احرار		حبیب، پھلواری	
۲۱۲۱ ،،	،، عثمان ہارونی		عمادیہ، دیوبند	
،،	،، میر درد		،،	
،،	،، ہاشم علوی	مرادبن سید جلال	آصفیہ	
،،	رزاقیہ	محمد خان رزاقی	،،	
،،	سلسلۂ سہروردیہ داوراد		پیر دھڑیا	
،،	سید حسن رسول نما		ہمدرد	
،،	شاہ پیر محمد		جمال پاشا	
،،	،، صبغۃ اللہ	عبد الفتاح حبیب اللہ	آصفیہ	
،،	شاہ عالم	شاہ عالم سراج الدین	علی گڑھ	
،،	،، عبد الرحمٰن	غلام حیدر	ظل الرحمٰن	
۲۱۳۱ ،،	،، غلام حسین قمرہ	—	منعم	
،،	،، غلام شاہ	محمد امیر	،، ۲	
،،	،، محمد سلیمان تونسوی	امام الدین	علی گڑھ	
،،	،، نظام الدین	محمد کاملگار، محمد نور الدین	آصفیہ، سالار	
۲۱۳۵ ،،	،، وجیہ الدین علوی	شاہ وجیہ الدین علوی	،،	[illegible]

ار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۲۱	ملفوظات شیخ ابو النجیب سہروردی		پیر دم ڑیا	
	″ شیخ احمد عبد الحق		آصفیہ، سالار	
	″ شیخ بہائی		آصفیہ	
	″ شیخ حسن		بلخیہ	
	″ شیخ سلیم چشتی	ابراہیم	جواہر	
	″ شیخ عبد الحق	عبد القدوس اسمٰعیل بن صفی حنفی	عبد السلام، آصفیہ	
	″ شیخ علی متقی		آصفیہ	
	″ ″ فوائد رکنی	امام الدین راجگیری	خدابخش	
	″ شیخ نظام الدین تھانیسری	نظام الدین بن عبد الشکور	آصفیہ	
	″ شیخ نعمت اللہ		″	
۲۱۴۰	″ شیخ شاہ ہاشم علوی	مراد بن سید جلال الدین	حبیب، آصفیہ	
	″ عبد اللہ غزنوی		آصفیہ	
	″ فخر الدین المسمیٰ بہ فخر الطالبین	سید نور الدین حسین فخری	″	
	″ قادریہ		عبد السلام، ایشیاٹک	
	″ کمال الدین کاشانی		دیوبند	
	″ مخدوم اخی جمشید راجگیری	یحییٰ بن علی اصغر عثمانی	علی گڑھ	
	″ ″ شرف الدین یحییٰ منیری		بلخیہ	
	″ ″ وجیہ الدین کیرانوی	مولوی نصر اللہ	دیوبند	
	″ مغربی	محمد شیریں بن عجندی تبریزی	ہمدرد	
	″ مولانا فخر الدین		آصفیہ	
۲۱۵۰	″ میر بدیع الدین	میر عوض علی	″	
	″ وحالات بہاء الدین نقشبندی	یعقوب بن عثمان	دیوبند	
	″ ومکتوبات	—	خدابخش	
	″ ″ شاہ علیم الدین بلخی		بلخیہ	
	″ یک از اولیاء کاملین		آصفیہ	
	ملفوظ الصغر	شیخ احمد شرف الدین منیری	بلخیہ	
۲۱۵۶	ملفوظ الاکابر	—	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۱۶۳	ملفوظ کلیم اللہ حسینی	کلیم اللہ حسینی	آصفیہ
	" حضرت مخدوم بہاری		پھلواری
	" منعیہ		"
	منابع الحکمۃ (شرح عین العلم)		ٹونک
	منازل اربعہ	پیر محمد لکھنوی	ایشیاٹک، درگاہ، آصفیہ، سبحان اللہ
	منازل السالکین	شیخ ابو علی احمد بن الحسین القزوینی	رضا
	منازل السائرین	عزیز نسفی	آصفیہ، رضا
	منازل العارفین	شیخ ابو سعید عرف جعفر بہاری	رضا
	مناظرات خمس	علاء الدین اصفہانی	ایشیاٹک
۲۱۷۲	مناظر اخص الخواص	محب اللہ الہ آبادی	ایشیاٹک، رضا
	مناقب احمدیہ مقامات سعیدیہ	شاہ محمد مظہر	ابو الخیر
	" حضرت شیخ جیو	عبد الحلیم	آصفیہ
	" خواجہ احرار		ایشیاٹک
	مناقب السادات	شہاب الدین دولت آبادی	علیگ
	" سید محمد قادری البیہری	علی شیر شیرازی	خدا بخش، پٹنہ یونیورسٹی
	" عارفین	شمس الدین افلاکی	عبد السلام
	مناقب	حبیب اللہ قادری قنوجی	جواہر
	مناقب غوثیہ و احوال/ الاکابر قادریہ	محمد صادق شہابی	خدا بخش، آصفیہ، علیگڑھ، عبد السلام، آصفیہ، پھلواری
۲۱۸۱	مناقب مخدوم جہانیاں	—	ایشیاٹک

کیفیت	کتابخانہ	نام مصنف	نام کتاب
	رضا		مناہج الانوار
	عثمانیہ	خواجہ قاسم خان	مناہج السالکین
	خدابخش۲	امام الدین راجگیری	مناہج الشطار
	دہلی	میر علی ہمدانی کشمیری	مناہج الطالبین و مسالک الصادقین
	علی گڑھ	محمد بن احمد السعید الفرغانی الصوفی	مناہج العباد الی المعاد
	سالار		مناہج الفاضلین
	رضا	شیخ باب اللہ مشہدی	منبع الاسرار
	خدابخش	محمد اعظم	" "
	رضا	شیخ محمد عظیم لاہوری	" "
	خدابخش	سید معین الحق بن شہاب الحق	" "
	رضا	پیر محمد لکھنوی	منتخب مصالح الصالحین
	حبیب	—	" شذور فردوسیہ
	دیوبند	خواجہ معین الدین چشتی	منتہائے وحدت
	ایشیاٹک	حسام الدین محمد	منشور الخلافۃ و دستور الاجازۃ
	"	سید سعد الدین حسین	منظرۃ الطریقت
	خدابخش۳	شیخ یوسف بدھ	منہاج العابدین (")
	رضا	سید علی الہمدانی	منہاج العارفین
	علیگڑھ	عبداللہ انصاری	" "
	"	محمد بن اسحٰق الخوئی	منہاج الفاعلین
	پٹنہ یونیورسٹی	علی بن طیفور بسطامی	منہاج النجاح فی ترجمہ مفتاح الفلاح
	ٹونک	—	موارد الشیخیہ
	ایشیاٹک	شرف الدین علی	مواطن
	ٹونک	—	مواہب الرحمٰن ترجمہ جواہر القرآن

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۲۰۵	مواہب قسطلانی	محمد صادق لطیفی	مدراس
	مرعی الشعر	سید عبدالمجید حسرت خواجہ میر	ٹونک
		یحییٰ بن حبش سہروردی	
	مونس العشاق	امیر ہمدانی	حیدرآباد سالار ← پیر دھڑیا
	"	حسام الدین مانک پوری	پیر دھڑیا
	مونس القلوب	—	خدابخش
	مونس المریدین	—	پھلواری
	موہبت الزبیر / وہب القدیر	اقطب الدین محمد اشرف	ابوالخیر زنجیر
	میزان الاعمال	عبدالواحد بلگرامی	خدابخش
	میزان التوحید	—	آصفیہ
	میزان المعانی	—	مدراس
	(ن)		
۲۲۱۵	نادر المنفوس	محمد اکبر امداد الٰہی قادری	رضا
	نادر نکات	جادو داس	عمادیہ
	ناموس اکبر / چہل ناموس	ضیاء الدین نخشبی	پھلواری، خدابخش، اکاڈمی، الہ آباد
	ناصر الہی	—	← خدابخش
	نامہ شاہ جلال الدین		مجیبیہ
	ن و القلم	خواجہ دیدار	رضا
	نشاط العاشقین	شرف الدین یاسین	ایشیاٹک
	نجات الروح در رسالت نعت و نظم	شیخ علی بن محمد بن عبدالرحمٰن	حبیب
	نجم الثاقب	نجم الدین صدیقی	آصفیہ
	نجم المہتدی	—	پھلواری
۲۲۲۵	نخل الغرائب	حمید الدین ابو البقاء بن ابی القدس کرمانی	ابوالخیر

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۲۲۲۱	نسائم القادریہ		خانقاہ پیر جیلانی	
	نسب نامہ حضرت سید شاہ اسمٰعیل		آصفیہ	
	؍؍ خویشگیہ	محمد بن [illegible]	حبیب	
	نسخۂ الابرار	—	عماد	
	نسخۂ اصطلاحات صوفیہ	—	بلخیہ	
	نسخۂ اوراد	عبدالحمید قادری	نزہائیہ	
	نسخۂ رشد	—	پیر محمد شاہ	
	نسخۂ متبرکہ	—	پیر محمد شاہ	
	نسخۂ مرشد	عبدالحق شیخ احمد رضانی	؍؍	
۲۲۲۲	نشاط العشق (ملفوظات عبداللہ جیلانی)		سالار	
	؍؍ ؍؍	عبداللہ بن حسن	ایشیاٹک	
	؍؍ ؍؍	شاہ میرزا علی جیو	؍؍	
	نصائح	خواجہ عبداللہ بن محمد نقشبندی	رضا	تونک خانقاہ
	نصائح آقا خرد	شاہ حفظ اللہ	آصفیہ	
	نصائح شاہ عبداللہ ملتانی	محمد مستقیم بن عنایت اللہ	رضا	
	نصائح مخدوم جہانیاں	مخدوم جہانیان جہاں گشت	مدراس	
	نصیحت نامہ	شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری	رضا	
	{ نفائس الرازی { نفحات الشوق	{ داؤد خان [illegible] { میر عبدالشکور [illegible]	نزہائیہ رضا	خانقاہ
۲۲۲۳	نغمۂ بیدل نواز	محمد باقر آگاہ	آصفیہ	
	نزہۃ الخاطر بالمعرفت لنور [illegible] ؍؍ عشاق در خیبت [illegible] ؍؍ (الالہ [illegible])	{ محمد نور اللہ حسینی الصابری { محمد نور ابن نور الدین چشتی صابری { محمد نور اللہ [illegible]	عبد اللہ دیوبند	
	نقد و معرفت	[illegible] غیاث الدین	رضا	
۲۲۲۴	نفائس [illegible]	{ شیخ [illegible] بن خواجہ [illegible] { [illegible]	رضا حبیب خانقاہ	

کیفیت	کتب خانہ	نام مصنف	نام کتاب	نمبر شمار
	آزاد		وجود مثالی از نفی بدست ثالث	۲۲۹۳
	خدابخش	—	وحدت الوجود	
	ناصریہ	کمال	وسیلۃ الطالبین	
	خدابخش	—	وسیلۃ النجات	
	سالار	شاہ حافظ	ورثۃ الحق	
	پھلواری	—	وصایا حضرت مخدوم بہاری	
	خدابخش	—	وصایا شیخ الاسلام	
	دیوبند	محمد وزیر خاں	وصایا الوزیر علی طریقۃ البشیر والنذیر	
	سالار	عبدالکریم بن عبدالرزاق عباسی	وصول الی اللہ	
	رضا	شہاب الدین سہروردی	وصیت السہروردی	
	رضا، آصفیہ		وصیت نامہ	۲۲۹۴
	آصفیہ		" " حضرت رسولؐ	
	" گیسو دراز	خواجہ گیسو دراز	" " خواجہ بندہ نواز	
	دیوبند	—	" " شاہ ولی اللہ	
	"		وصیت الہادی	
	ابوالخیر	نعیم اللہ بہرائچی	وصیت ہای خاص از کلمات اکابر ثلاثہ	
	علی گڑھ	شیخ احمد سرہندی	وظائف احمد سرہندی	
	خدابخش	احمد بن جلال الدین کاشانی	الوار سرالیہ	
	فرقانیہ	ابن العربی	وہب الاکبر	
	رضا، فرقانیہ	شاہ خلیل احمد	وہب ایجال	
			وصیت الزبیر = موت بیت الزبیر (۵۱)	
	مہدیہ ایشیاٹک سوسائٹی	میر حسین ابو...	ہدایت الاعمیٰ	
	ملکیہ	مظفر شمس بلخی	ہدایت درویشی	
	آصفیہ	محمد بن خواجہ جلال آبادی	ہدایت السالکین	
	حبیب	نعیم الدین بن...	ہدایات شاہ عبدالعزیز	۲۲۹۶

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانے	کیفیت
۲۲۱۷	ہدایۃ الطالبین	حکمت اللہ (فیض اللہ قادری)	رضا	
	" "	جمال محمود از یاد محمد شاہ بیجاپوری	"	
	ہدایۃ القلوب	سید شیخ زین الحق	آصفیہ، حبیب	
	ہدایۃ المخلصین	میر حیدر گجراتی	خدابخش، کشمیر	
	ہدایۃ الخلق	محمد بن اسحٰق	پیر دہڑیا	
	ہدایۃ المشیخت بہدایۃ النشأۃ الصوریۃ	محمد چشتی بن محمد حسن	حبیب	
	ہدایۃ الاخیار روضۃ الاسرار	جمال الدین یحییٰ بن علی بن داؤد	رضا	
	ہدایت نامہ	علاء الدین الواعظ قریشی	"	
	ہدی اللہ		ایشیاٹک	
	ہدی الطالبین	نجم الدین محمود الاصفہانی	خدابخش	
۲۲۲۱	ہشت رکن	—	پیر دہڑیا	
	ہشت مسائل / رسالہ ہشت مسائل	گیسو دراز	حبیب / آصفیہ	
	ہفت احباب	قاضی حمید الدین ناگوری	علی گڑھ	
	ہفت سنابل ؟	عبد الواحد بلگرامی	پھلواری، رضا، علی گڑھ، ندوہ	
	ہوالقف فی سلوک العارف	—	کلا فروز	

(ی)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانے	کیفیت
	یقظۃ النائمین	محمد حامد سوالی برگامی	رضا	
	ینابیع الحکمت ترجمہ عین العلم	شیخ محمد عمر	آصفیہ، ٹونک	
۲۲۲۳	ینابیع الحیوۃ الابدیہ	شیخ ابو الحسن	"	

عربی مخطوطات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۱-	الآداب الدينيه	امين الدين ابو علی حسن بن الفضل الطبرسی	رضا	
۲-	آداب الصوفيه	ابو عبد الرحمن محمد بن حسين بن موسیٰ النيشاپوری	ٹونک	
	آيات القدر	سيد محمد عقيل بن عمر المکی	رضا	
	- اتحاف المريد بشرح جواهرة التوحيد	عبد السلام ابن اللقانی م ۱۰۷۸ھ	پٹنہ یونیورسٹی	
	- اتحاف المريدين	ابراهيم بجويری	〃	
	- اتحاف الذکی (شرح تحفة المرسلة)	ابراهيم الکورانی المدنی	آصفیہ	
	- اتحاف السائل بجواب المسائل	عبد الله ابن عباد الحضرمی	خدابخش، ندوہ	
	اتحاف النديم	—	مدراس	
۱-	اثبات النبوة	شيخ احمد سرہندی	حبیب	
۱۰	اجازات و اذکار حضرات نقشبنديه		آصفیہ	
	- اجازه	احمد الحموی	خدابخش	
	- الاجازة القادريه	عشق ابن ابراهيم	ایشیاٹک	
	- احسان المحاسن	ابو اسحاق ابراهيم بن احمد الرقی	〃	
	- احسن التلقی	زين العابدين محمد بن محمد العمری	〃، رضا	
	- احوال البناية الآدمية	عين القضاة الهمدانی	〃	
۲-	اختصار فتوحات مکيه	عبد الوهاب الشعرانی	ہمدرد	
	- اختلافات فی حق ابن عربی	ابن الخير عبد الرحمن ابن محمد الحامد شافعی	آصفیہ	
	- اختيار الرفيق لطلاب الطريق	شهاب الدين احمد بن سلامه المقدسی	خدابخش	
	- الاخلاق الروحانيه	الحسين بن علی الحائری	رضا	
۲۰-	الاخلاق الصوفيه	—	〃	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۲۳۱	الاخلاق المبتولیۃ	عبدالوہاب الشعرانی	مدراس	
	ارائۃ الدقائق شرح مرآۃ الحقائق	—	مدراس	
	اربعون حکایت فی مناقب غوث الاعظم	—	جامع مسجد	
	ارتیاح الارواح	بدرالدین ابو محمد الحسین بن صدیق الیمنی	رضا	
	ارتیاح الاکباد	شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی	حبیب	
	الارجوزۃ المصطفیۃ	مصطفی بن کمال الدین البکری	خدابخش، الیشیاٹک	
	ارشاد الاولیا	زین الدین بن علی المعبری	آصفیہ	
	ارشاد الاخوان فی ہدایۃ الاذکیاء	—	"	
	ارشاد تحفۃ العباد	سفیان بن جنید الفاروقی	رضا	
	ارشادات تقیید تائید الکاملین	ثناء اللہ پانی پتی	ٹونک	
۴۱	ارواح المریدین	ابوالقاسم العارف	یونیورسٹی	
	ازالۃ الاشکال	—	رضا	
	اسانید الصوفیہ	محمد بن خلیل القاوقجی الطرابلسی	الیشیاٹک	
	استنشاق نسیم الانس من نفحات ریاض القدس	ابن رجب الحنبلی	ندوہ	
	اسرار الاحکام شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب البنانی	ٹونک	
	اسرار الخلوۃ / کتاب الخلوۃ	ابن العربی	رضا / خدابخش	
	اسرار الخلوۃ و رسالۃ السلوک	حسن محمد ابن شیخ احمد	آصفیہ	
	اسرار الصلوٰۃ	—	الیشیاٹک	
	اسرار العارفین	—	"	
	اسرار العارفین و سیر الطالبین	علی بن حسام الدین الحنفی	خدابخش	
	الاسفار الاربعۃ	شمس الدین محمد بن عطاء القری	رضا	
	اسنی الطرق الی اللہ	عبدالقادر الجیلانی	[illegible]	
	الاسئلۃ النفیسۃ	عبداللہ بن [illegible]	[illegible]	
۴۴	الاشارۃ	ابو عبداللہ محمد بن [illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۴۵	اشعۃ اللمعات ؟	—	آصفیہ	
	اصطلاحات فصوص	—	"	
	اصول الطریق	شیخ احمد المغربی الجنیدی	ہمدرد	
	الاصول العشرۃ	نجم الدین الکبری	رضا	
	"	احمد سلیمان الحنفی	"	
	الافاضات الاحمدیہ فی شرح الحقیقۃ المحمدیہ / الافاضات الاحمدیہ	سید دائم [illegible] کریم اللہ الحسینی	آصفیہ	سالارجنگ، علی گڑھ
	اظہار الخفیۃ من اخبار المصطفویہ	—	ٹونک	
	اعانۃ الاحیا الاعتنا بالعنا	علی اکبر بن اسد اللہ المودودی / ملا علی القاری	خدابخش، ندوہ	
۵۴	اعلام الہدی وعقیدۃ ارباب التقی	شہاب الدین السہروردی	جامع مسجد بمبئی	
	الافادہ لمن اراد الاستفادہ	ابن العربی	خدابخش، رضا	
	الاقوال الجیدۃ والاحوال القویۃ من الاحادیث واقوال الاولیا	—	عبدالحی	
	الالہامیۃ	عبدالقادر الجیلانی	جامعہ	
	الامثال لاہل الحقائق	محمد ابن علی الحکیم الترمذی	ایشیاٹک	
	الامحاض النصیحۃ الصحیحۃ عن امراض باطل النصیحۃ النطیحۃ	علی بن احمد المہائمی	خدابخش	
	الامدادات السنیۃ من الحضرات الکمالیۃ	محمد عثمان بن محمد الشریف المیرغنی	ایشیاٹک	
	انس الابرار وطرایق الاخیار	ابو عبد اللہ ابو الفرج ابن الجوزی	حبیب	
	انشاء القدوسیہ	علی بن شہاب الدین	رضا	
	الانصاف فی بیان طریق النجاۃ	خواجہ حبیب اللہ النوشہری	"	
۶۴	انفاس الخواص	محب اللہ الہ آبادی	خدابخش، رضا، علی گڑھ	
ب	[illegible] انیس السالکین	محمد بخش ... / عبد الصمد ...	ایشیاٹک، رضا، آصفیہ، ندوہ	
	انیس المتقلبین / انس المتقلبین	ابو محمد حافظ بن اسماعیل الشیبانی	جامع مسجد، رضا	
	الاوراق السالکین / رسالہ فی الصلوۃ	—	خدابخش	
	الاوراد المتبرکۃ من کلام الاولیاء	—	"	
۶۰	[illegible]	[illegible]	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
(ب)				
۷۶	البادرات العینیة فی الادوات الغیبیة	عبد الکریم الجیلی	خدابخش، آصفیہ	
	البارقات الالٰہیة فی مقامات الصوفیة	شہاب الدین عمر بن محمد السہروردی	خدابخش	
	بحر الاسرار	محمد جان بن محمد صدیق ابن حافظ	آصفیہ	
	بحر الحقیقة والطریقة	---	جامع مسجد بمبئی	
	البحر الاصوت	عبد [اللہ] العارف	خدابخش، ایشیاٹک	
	بحر الوقوف فی علم الاوفاق والحروف	عبد الرحمٰن بن محمد الحروفی	خدابخش	
	بدء الخلق	الغزالی	جامع مسجد	
	البرق اللامع المغرب	قاسم ابن ابی الفضل السعدی	آصفیہ	
	برہان التکلیف	—	مدراس	
	بشارة الحبیب	عبد الوہاب بن ولی اللہ المکی	رضا	
۸۱	بغیة السالک الی اشرف المسالک	ابو عبد اللہ محمد بن محمد ال علی	ٹونک	
	بلغة الغواص	ابن العربی	رضا	
	بلغة المرید	سید مصطفیٰ البکری	آصفیہ	
	بوارق الالماع	احمد بن محمد بن محمد الغزالی م ۵۲۰ھ	مدراس، آصفیہ	
	لبوارق النوریة بحارق الاوراد	عبد الحمید بن محمد [illegible]	خدابخش، ایشیاٹک، ندوہ	
	بہجة الناظر المنتخب من صید الخاطر	شیخ محمد بن علی بن سلوم	ٹونک	
	بہجة النفوس والاحداق	عبد الوہاب الشعرانی	آصفیہ	
۸۰	بیان الاسرار (الفصل الثالث والعشرون)	محمد یوسف /	خدابخش	
	بیان کلمة التوحید	خلیل محمد بن شیخ عبد اللطیف		
(ت)				
	التالیف الرشیدی	قاضی کمال الدین حسین بن معین الدین	رضا، ایشیاٹک	
	تبعید العلما	ملا علی القاری	رضا	
	تجلیات [illegible]	ملا علی القاری	[illegible]	
۹۳	التجرید فی کلمة التوحید	محمد [illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۹۴	تجلیۃ الفصوص	محب اللہ الہ آبادی	عبدالحیٔ	
	تحریر ذوی الشیر عن الاشتغال بالاکسیر	ابن العربی	آصفیہ، رضا	
	تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف	عبدالحق الدہلوی	جبلی، سبحان اللہ، رضا، ٹونک، جواہر	
	تحفۃ الاحباب	الشیخ محمد مراد البخاری النقشبندی	رضا، ایشیاٹک	
	تحفۃ الابرار	غیاث الدین	خدابخش	
	تحفۃ الاخوان	—		
	تحفۃ الاستاذ فی آداب الطریقۃ	شیخ احمد الدردیری	آصفیہ	
	تحفۃ الخلان	محمد جعفر بن شیخ البلاقی	جامع مسجد	
	تحفۃ السالکین	—	آصفیہ	
	تحفۃ السفرۃ	قوام الدین عبداللہ الشافعی	رضا	
	التحفۃ الشافیہ لاھل القلوب الصافیہ	صدیق بن المعروف القرنی	آصفیہ	
۱۰۵	تحفۃ الصالحین		ٹونک	
	تحفۃ الطالب المبتدی	موسیٰ بن داؤد	خدابخش	
	تخریج احادیث الاحیاء	—	رضا	
	تذکرۃ الخواص وعقیدہ اہل الاختصاص	ابن العربی	ٹونک، رضا	
	توجہ ابن فارض	—	جواہر	
	ترتیب السلوک الی ملک الملوک	محمد بن عمر بن المبارک الحضرمی	ایشیاٹک	([illegible])
	ترجمۃ الکتاب	محب اللہ الہ آبادی	رضا، ٹونک	
	ترجمہ مجمع البحرین	محمد صالح المصری	جواہر	
	تسنیم فی التصوف		عبدالحی	
۱۱۴	[illegible]	—	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۱۵	تشیید الارکان من لیس فی الامکان ابدع مما کان (الغزالی)	جلال الدین السیوطی	رضا	
	تشیید فی مبانی کلمۃ التوحید	—	عبدالحی	
	تصفیۃ القلوب	یحیی بن حمزہ	آصفیہ	
	تصنیفات الحکیم الترمذی	محمد بن علی الترمذی	ایشیاٹک	
	التعلیقات علی الابیات العیدروسیۃ	ابن العیدروس	ایشیاٹک	
	تفریح القلوب وتفریج الکروب	عمر بن السقاف بن محمد العلوی	رضا	
	تفریح القلوب لمن لہ نصیب	—	جامع مسجد	
	تفسیر آیۃ شہد اللہ	—	آصفیہ	
	تلخیص الخصال المکفرہ	جلال الدین السیوطی	آصفیہ، ندوہ	
	تلویحات	—	//	
۱۲۵	التلویحات الصوفیہ	صوفی بن جوہر الجہانذی	خدابخش	
	تنبیہ الخواطر	ابوالحسین ورام بن ابی الفراس الحلی	//	
	تنبیہ السالک علی مظان المہالک	تقی الدین ابوبکر بن محمد بن عبدالمومن الحسینی	رضا	
	تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف	عبدالحق محدث الدہلوی	//	
	تنبیہ المعقول	برہان الدین ابراہیم بن حسین الکردی	//	
	التنبیہ العلیہ (اسرار الصلوۃ)	زین الدین محمد بن علی العاملی	//	
	تنفیر الثقات	کمال الدین ملک میر محمد الصادق الحسنی	//	
	التواصی بالصبر والحق	محی الدین ابو محمد مصطفی البکری	//	
	توبۃ الشوکانی؟	قاضی محمد بن علی الشوکانی	حبیب	
	التنجیم الاتم	صدر الدین ابو المعالی محمد بن اسحاق القونوی	رضا، ایشیاٹک	
	التوحید الاعظم	صفی الدین احمد بن علوان	خدابخش	
	تہذیب الاخلاق		رضا	
۱۳۴	تہلیلیہ شرح کلمۃ الطیبہ	شیخ احمد سرہندی	حبیب [illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
	(ث)			
۱۱۸	ثلج الفؤاد فی لبس السواد	جلال الدین السیوطی	آصفیہ	
	ثمرۃ الحقیقۃ	شہاب الدین ابو العباس احمد بن عمر الزیلعی	"	
	(ج)	—		
	جامع الاخبار		جامع مسجد	
	جامع الجین لدعوات النبی		سبحان اللہ	
	جامع الطرق البرہانیہ فی لباس خرق المشائخ الصوفیۃ الربانیہ	احمد بن تقی الدین بن محمد الحسینی، دراشتراک سید علی محمد الحسینی	خدابخش، آصفیہ	
	جامع المعجزات	شیخ محمد، مظہر دہلوی	جامع مسجد	
	جلاء القلوب	محی الدین محمد بن بیر علی البرکلی	رضا	
	جمع الموارد	محی الدین ابو محمد مصطفیٰ البکری	"	
	جنۃ المعارف	شمس الدین ابو عبد اللہ	جامع مسجد	
	الجوابات المرتبۃ عن السؤالات الحضرمیۃ	—	سالار	
	جواہر الحقائق	شمس الدین ابو عبد اللہ	آصفیہ، ہری	
۱۳۹	الجواہر الخمسۃ	صبغۃ اللہ بن روح اللہ شہید جمال الدین گجراتی	ٹونک	
	الجوہر الفرید فی آداب الصوفی والمرید	علی بن رضی العامری	خدابخش، ایشیاٹک	
	جید المقال	—	آصفیہ	
	(ح)			
	حادی القلوب الیٰ لقاء المحبوب	ناصر الدین ابو المعالی محمد بن عبد الکریم	خدابخش، رضا	
	حاشیۃ الشہداء	شیخ ابن العباس الشہیر بشلال شیخ الکردی	آصفیہ	
۱۵۲			آصفیہ، رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۵۵	الحاشیة العجیبة اللامعة	محمد بن فضل اللہ	خدابخش	
	الحاشیة علی الدرة الفاخرة لجامی	رضی الدین عبد الغفور اللاری م ۹۱۲ھ	رضا ۲	
	الحاشیہ علی عین العلم	جمال الدین محمد بن اسحاق	رر	
	الحبل المتین	علی بن عبد النبی العشاق	آصفیہ	
	حجة الوحاد	اوحد الدین	بوہار	
	الحدائق لاہل الحقائق	ابو سعید الحسن بن علی الواعظ	علی گڑھ	
	الحدیقة الانیقة فی شرح العروة الوثیقة	—	ایشیاٹک	
	حرز الایمان (تعقب علی رسالة التسویہ)	ملا محمود جون پوری م ۱۰۶۲ھ	رضا عبد الحی	
	حسن التلطف فی الوعظ والتصوف	—	رضا	
	حسن التوسل فی آداب زیارة افضل الرسل	—	خدابخش	
۱۶۵	الحصن الحصین	احمد بن محمد الغزالی	رر	
	حقائق التوحید فی شرح تحفة المرید	عبد اللہ بن عیدروس	آصفیہ	
	الحقیقة الانسانیة الکاملہ	صوفی بن جواہر الجیلانی	رضا	
	حقیقت محمدیہ	وجیہ الدین العلوی	جامع مسجد	
	الحقیقة الموافقة للشریعة / شرح التحفة المرسلہ	محمد بن فضل اللہ	مدراس، رضا، ایشیاٹک، خدابخش، جامع مسجد	
	حقیقة الیقین / حقیقة الحقائق	عبد الکریم بن ابراہیم الجیلی	خدابخش / آصفیہ	
	م- حکایات الصالحین	—	سبحان اللہ، آصفیہ، رضا، سالار ۲	
	حکایات وغیرہ	—	آصفیہ	
	الحکم العرفانیہ	علاء الدین علی ابن حسام الدین	رضا، سالار	
	حلیة البنات والبنین	جمال الدین محمد بن عمر	آصفیہ	
	حلیة الناطقة وصفات اہل التصوف	—	ایشیاٹک	
۱۷۶	حلیة الناسک فی المناسک	شہاب الدین السہروردی	رر	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
	(ح)	—		
۱۴۴	الخاتمۃ فی الذکر والمراقبۃ والتوجہ		ایشیاٹک	
	الحق المبین من لوہر الائمہ	—	"	
	حرقۃ التصوف	—	مدراس	
	حفائق الساعات ؟	—	جامع مسجد	
	الخصوص الی معنی النصوص / خصوص النعم شرح فصوص الحکم	علاؤ الدین علی بن احمد المہائمی م ۸۳۵ھ	خدابخش، آصفیہ، دیوبند	
	درمنۃ الحقائق ومحبۃ الحقائق	علاؤ الدین ابوالقاسم محمد بن احمد بن حسین الکلبی	معارف، ایشیاٹک	
	خلاصۃ السلوک فی فضل الرفقۃ والسلوک	الصوفی حاجی ابن سعید التیمی	خدابخش، رضا، آصفیہ، جواہر	
	خلاصۃ المفاخر فی اختصار مناقب الشیخ عبدالقادر	عفیف الدین السیاقی	سالار	
	(د)			
۱۸۵	الداء والدواء	ابن قیم الجوزی م ۷۵۱ھ	"	
	داحضۃ المبتدعین	حسن بن محمد التبریزی الصغانی	"	
	الدرۃ الثمینۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	ملا علی القاری	"	
	الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین	علی ابن ابراہیم بن عبداللہ القادری الخلیلی	"، "	
	دستور العمل	ابوالبرکات بن عبدالوہاب	ایشیاٹک	
	دقائق الطرائق فی کیفیت الطرائق	الغزالی ؟	جامع مسجد	
	(ذ)			
	ذخر العابدین	محمد بن عبداللطیف (ابن زخت کولی)	ایشیاٹک	
	ذخیرۃ الملوک فی نظام السلوک	[illegible] محمد بن مظفر الرازی	"	
	[illegible]	—	مدراس	
۱۹۳	[illegible]	سید [illegible]	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۱۹۵	ذکر وقار المومن	سیدی الحفیل بن عمر العلوی	رضا	
	ذوارف اللطائف و شرح الہامات	علی بن احمد المہائمی م ۸۳۵ھ	خدابخش، رضا، آصفیہ	
	ذیل کتاب العزلۃ (ابن عساکر)	رضی الدین احمد بن محمد السمرقندی	رضا	
	ذیل مرتبۃ الوجود	ملا علی القاری	خدابخش	
	(ر)			
	رحیق مختوم	شہاب الدین السہروردی	آصفیہ	
	رد خطبہ شکر اللہ مخاطب بہ فضل خاں		سبحان اللہ	
	الرسالہ	یتیم شاہ	خدابخش	
	رسالہ	جلال الدین الدوانی	خدابخش، ابوالخیر	
	رسالہ	باقر مجلسی	سبحان اللہ	
	رسالہ	ملا علی القاری	"	
۲۰۰	رسالۃ الابراج (الکلمات الذوقیہ)	شہاب الدین ابوالفتوح یحیٰی السہروردی المقتول ۵۸۷ھ	رضا	
	رسالۃ اتحاد الکونی	ابن العربی م ۶۳۸ھ	آصفیہ	
	رسالۃ احسن التقویم	—	"	
	رسالۃ الارشاد الی سبیل الرشاد	ابن العربی	ٹونک	
	رسالۃ استدراج	الغزالی	آصفیہ، رضا	
	" "	عبداللہ حسین بن حسین	آصفیہ	
	رسالۃ الاعمال		جامع مسجد	
	رسالۃ الاشتغال بذکر اسم الجلال	شاہ غلام علی	ابوالخیر	
	رسالۃ الّا نخشی اللہ	علی بن حسین زکریا القریشی	رضا	
	رسالہ بسملہ و رسائل متعددہ	ابوالحسن البکری	آصفیہ	
	رسالہ تتعلق بمشائخ الطریقۃ واحوالہم	عبدالوہاب الشعرانی	ٹونک	
۲۰۵	رسالۃ التسنیم	شیخ کلیم اللہ	آصفیہ	

* نا دستیاب شد

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۲۱۶	رسالۃ التسویہ / رسالۃ فی تحقیق بیان ماوراء	الغزالی	خدابخش، ایشیاٹک	
	رسالۃ التسویہ بین الافادہ والقبول	محب اللہ الہ آبادی م	دیوبند، رضا، جبیبگی	
	رسالۃ تصوف / رسالۃ فی السلوک	الغزالی	آصفیہ [2] / رضا	
	رسالۃ التصوف	ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر الشریحی الکندی	رضا	
	″ ″	تاج الدین احمد بن عطاء اللہ الشاذلی	آصفیہ	
	″ ″ (رسالۂ شریعت و طریقت)	تاج الدین ابن ذکریا ابن سلطان	″	
	″ ″	عارف اللہ	ٹونک	
	″ ″	عبدالشکور	″	
	″ ″	عبدالکریم لاہوری	آصفیہ	
	″ ″	الغزالی	″	
۲۲۶	″ ″	محی الدین ابن ابی الحسن ابو سعید بوصہ	″	
	رسالۂ حاجی یکتاش ولی	فیض اللہ حسینی	″	
	الرسالۃ الجدیہ / الرسالۃ فی التصوف	مجذوب الدین احمد بن عبدالرضا الاربائی	رضا [2]	
	رسالۃ فی المعتقدات الجوہریہ	—	خدابخش	
	رسالۂ حکیم بن عطا	تاج الدین احمد الشاذلی	جواہر	
	الرسالۃ القلبیۃ (القلبیۃ المحریہ)	باقر داماد (م ۱۰۴۱ھ)	رضا	
	رسالۂ خلق الاعمال	مولانا جلال	آصفیہ [2]	
	رسالۃ [فی التصوف]	ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر الشریحی الکندی	رضا	
	رسالۂ سلوک نقشبندیہ / رسالۂ نقشبندیہ / رسالۂ شریعت و طریقت	شیخ تاج الدین بن ذکریا بن سلطان	ابوالخیر، ٹونک، آصفیہ	
	رسالۃ السیر والسلوک الی ملک الملوک	شیخ قاسم خانی	″	مجلہ ع ۱۴۲
	رسالۂ شیخ حبیب اللہ (ملقب رسالۂ تسویہ)	حبیب اللہ	عبدالحی	
	الرسالۃ الشرفیۃ	مولانا بدر	خدابخش	
	″	—	حبیب	
۲۴۰	رسالۂ [illegible]	—	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانه	کیفیت
۲۲۴	رسالة الصلوٰة [illegible]	ابن سینا [illegible]	[illegible]	
	رسالة الطريقة النقشبندية	عز الدين [illegible] نقشبندی	آصفیه	
	رسالة [illegible]	ابن العربی	خدابخش	
	الرسالة [illegible]	الغزالی	آصفیه	
	الرسالة الغوثیه	عبد القادر الجیلانی	خدابخش [illegible]	
	الرسالة [illegible]	[illegible]	ایضاً	
	رسالة فضیلت رمضان	—	آصفیه	
	رسالة فی آداب الطعام	—	ایضاً	
	رسالة فی آداب المرید	—	خدابخش	
	رسالة فی آیة التوحید	مفتی [illegible]	ایشیاٹک	
۲۲۵	رسالة فی اثبات [illegible]	شاه ابو سعید [illegible]	ابو الخیر	
	رسالة فی اثبات السماع	ابو الحسن البصری	ٹونک	
	رسالة فی اجوبة [illegible]	محمد بن یوسف [illegible]	"	
	رسالة فی [illegible]	—	ایضاً	
	رسالة فی اسرار [illegible]	[illegible]	ایضاً [illegible]	
	الرسالة فی [illegible] فی التصوف	[illegible]	خدابخش	
	الرسالة فی الاقطاب والاوتاد	[illegible]	ایضاً	
	رسالة فی [illegible]	ابن العربی [illegible]	"	
	الرسالة فی [illegible]	—	ایشیاٹک	
	رسالة فی [illegible]	—	[illegible]	
	رسالة فی [illegible]	[illegible]	[illegible]	
	رسالة [illegible]	[illegible]	[illegible]	
	رسالة [illegible]	[illegible]	[illegible]	
	[illegible]	—	[illegible]	

[illegible]

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانه	کیفیت
رسالة في بيان [illegible]	—	خدابخش	
رسالة في بيان [illegible]	—	”	
رسالة في بيان [illegible]	[illegible]	[illegible]	
رسالة في بيان [illegible]	” ”	[illegible]	
رسالة في بيان [illegible]	[illegible]	[illegible]	
رسالة في تحقيق [illegible] الذكر	—	خدابخش	
رسالة في تحقيق بيان [illegible]	[illegible]		
رسالة في تحقيق [illegible]		[illegible]	
رسالة في تحقيق [illegible]		خدابخش	
رسالة في التصوف ([illegible])	خدابخش ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible]		
رسالة في التصوف	شيخ [illegible]	خدابخش	
” ”	[illegible]	[illegible]	
” ”	[illegible]	[illegible]	
” ”	[illegible]	”	
” ” ([illegible])	[illegible]	[illegible]	
” ”	[illegible]	خدابخش	
” ”	[illegible]	”	
” ” ([illegible])	[illegible]	[illegible]	
” ” [illegible]			
” ”	[illegible]	[illegible]	
” ”	[illegible]	”	
” ”	[illegible]	[illegible]	
رسالة [illegible]	[illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۲۸۵	رسالۃ فی تعریف الروح	محمد مراد البخاری النقشبندی م ۱۱۳۳ء	رضا	
	الرسالۃ فی التصوف	زین الخوافی	ایشیاٹک	
	رسالہ فی تعریف طریق السلوک	—	رضا	
	رسالہ فی تفسیر آیۃ اشتر فوا السموات	صدر الدین شیرازی	ٹونک	
	" " بعض مقامات العوارف	شہاب الدین عمر بن شمس الدولت آبادی	رضا	
	رسالہ فی تعریب مکاتبات الامام الربانی	—	خدابخش	
	رسالہ فی التوحید	—	رضا	
	رسالہ فی التوکل = رسالہ فی التصوف	عیسٰی بن عبد الرحیم	خدابخش	
	رسالہ فی الحث علی الذکر	ابن سینا	رضا	
	رسالہ فی الحروف وخواصہا	—	خدابخش	
۲۹۵	رسالہ فی حق السلوک	محمد مراد البخاری النقشبندی	رضا	
	رسالہ فی حوض الحروف	—	سبحان اللہ	
	الرسالۃ فی خیریۃ العزلۃ	محمد حسین بن عبد اللہ میرغنی	ایشیاٹک	
	الرسالۃ فی الذکر	السہیلی بن سودکین	"	
	رسالہ فی الذکر	شیخ العبد مسعود کیال	آصفیہ	
	" "	—	ایشیاٹک	
	رسالہ فی ذکر الموت	الغزالی	آصفیہ	
	رسالہ فی رابطۃ المرید مع الشیخ وآدابہا	—	ایشیاٹک	
	رسالہ فی رد الرسالۃ فی کلمت التوحید	شاہ عبد العزیز	رضا	
	رسالہ فی رد شارح التسویہ	خواجہ خورد بن خواجہ باقی باللہ	" "	
	رسالہ فی الرد علی الوجودیہ	—	ایشیاٹک	
	رسالہ فی الزیارۃ	شیخ احمد الحموی	خدابخش	
	رسالہ فی سر القدر	ابن سینا	رضا	
	رسالۃ فی سلاسل الصوفیہ	عبد الوہاب بن عبد الغنی بن عبد اللہ	ایشیاٹک	علی گڑھ
۳۰۹	رسالۃ فی السلسلۃ النقشبندیۃ (سلسلۃ الذہب)	محمد مراد البخاری	رضا	

شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۳۱۰	رسالہ فی السلوک	ابومدین شعیب المغربی التلمسانی ۵۹۴ھ	رضا	
	" "	محمود الاسکداری ۱۰۳۶ھ	"	
	رسالہ فی السلوک الشاذلیہ		ایشیاٹک	
	رسالہ فی شرح اسماء الحسنی	سلیمان بن علی ابی عبداللہ التلمسانی	خدابخش	
	رسالہ فی شرح بعض الاشعار	شیخ احمد العلان	ٹونک	
	رسالہ فی الشریعۃ والطریقۃ	—	خدابخش	
	رسالہ فی شعار المشائخ	ابن تیمیہ	رضا	
	رسالہ فی شعب الایمان	شجاع الدین	عبدالحی	
	رسالہ فی صفۃ الدنیا	الحسن بن مسلم الکاتب	رضا	
	رسالہ فی صفات القطبیہ	ابن العربی م ۶۳۸ھ	"	
۳۲۰	رسالہ فی ضرب الطاس	—	آصفیہ	
	رسالہ فی طریق الشاذلیہ	سید احمد عثمان	آصفیہ	
	الرسالۃ فی الطریقۃ النقشبندیہ	ابوسعید بن صفی الحیدری الدہلوی	رضا، آصفیہ	
	الرسالۃ فی عقاید الصوفیہ	—	"	
	الرسالۃ فی العقوبات	—	رضا	
	رسالہ فی علم التوحید والتصوف وآداب المرید	—	خدابخش	
	رسالہ فی العلم والحکیم	ابن سینا	رضا	
	رسالۃ فی فضل عشر آیات	ابن العربی	ٹونک	
	رسالۃ فی کلمۃ التوحید	عبدالرحمن محمد الکندی	رضا	
	رسالۃ فی کلمۃ التوحید	احمد الغزالی	ٹونک، آصفیہ	
	الرسالۃ " "	صدر الدین بن الحسام البنانی	ایشیاٹک	
	رسالہ فی کتاب فصوص الحکم	التفتازانی	سبحان اللہ	
	رسالہ فی کیفیۃ الزیارۃ وحقیقۃ الدعا	ابن سینا	رضا	
	رسالۃ فی لبس الخرقۃ	عبدالحق دہلوی	"	
	رسالۃ [illegible]	—	خدابخش	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
[illegible]	رسالہ فی [illegible]	السید [illegible]	آصفیہ	
	رسالہ فی [illegible]	—	خدابخش	
	رسالہ فی مراتب الوجود		رضا، ٹونک	
	رسالہ فی معرفۃ [illegible]	ابن العربی	خدابخش	
	رسالہ فی معرفۃ [illegible]	التبریزی	"	
	رسالہ فی المعرفۃ والمحبۃ	ملا علی القاری	ٹونک، ندوہ	
	رسالہ فی معرفۃ [illegible]	[illegible]	خدابخش	
	الرسالۃ فی مناقب الامام الغزالی	محمد بن الحسن	"	
	" شیخ [illegible]	محمد بن مصطفیٰ [illegible]	"	
	الرسالۃ فی معرفۃ ذات اللہ ومعرفۃ النفس	الغزالی	ایشیاٹک	[illegible]
[illegible]	رسالہ فی [illegible]	ابن العربی / ابن العربی	[illegible]، رضا	
	رسالہ فی [illegible]	ابن العربی	رضا	
	الرسالۃ فی [illegible]	[illegible]	ایشیاٹک	
	الرسالۃ فی الوجود	—	خدابخش، ایشیاٹک	
	رسالہ فی وجود الحق	ابن العربی	رضا	
	رسالہ فی تکمیل الانسان	کمال پاشا زادہ	ایشیاٹک	
	رسالہ فی وحدۃ الوجود	شاہ ولی اللہ الدہلوی	رضا	
	" " "	—	ایشیاٹک	
	رسالہ [illegible]	نجم الدین الکبریٰ	آصفیہ	
	الرسالۃ [illegible] فی وحدۃ الوجود	عبداللہ [illegible]	رضا	
	رسالہ [illegible] فی التصوف	[illegible]	خدابخش	
	رسالہ [illegible]		آصفیہ	
	[illegible]	عبد [illegible]	ایشیاٹک	
	رسالہ [illegible]	—	"	
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
—	الرسالة المرشدة = المرشد	—	—	—
۳۶	رسالة لمريد المبتدئ	عبد الوہاب الشعرانی	ٹونک	
	رسالة المذاكرة مع الاخوان والمحبين من اہل الخير والدين	عبد الله حداد	بوہار	
	رسالة المعاونة المظاہرة	عبد الله الحداد	بوہار	
	رسالة العبد	نظام الدين دستگی	ابوالخیر	
	رسالہ مقابلہ عالم اکبر واصغر	نجم الدين الكبری	آصفیہ	
	الرسالہ المکیہ / الرسالة المكية في الطريقة الصوفيہ	قطب الدين عبد الله بن محمد بن ايمن الاصفہيدی	خدابخش، رضا، دیوبند، علیگڑھ	
	رسالہ منقول من امالی ابی المعالی	محمد بن محمد زید الحسینی	خدابخش	
۳۷	رسالة اللمعات	جمال الدين الہانسوی	ابوالخیر	
	رسالہ من كلام محی الدين ابن عربی	ابن عربی	آصفیہ	اشاعت
	رسالہ موعظة النفس	—	ٹونک	
	الرسالة النافعة	محمد البكری الصديقی	ایشیاٹک	
	رسالہ وجودیہ	دستگی	ٹونک	
	رسالہ وجودیہ : علم حقائق	—	جامع مسجد آصفیہ	
	رسالتين فی تحقيق لا الہ الا اللہ		سبحان اللہ آصفیہ	
	رشف المعين من رشح بحر اليقين في كشف معنى النبوة		آصفیہ	
۳۸	رواق الانعام		״	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
—	روح الراح و راح الارواح = رسالہ فی اسرار الراح			
—	روض العلما = روضۃ العلما			
۲۸۲	روضۃ الانوار فی ایضاح المبدا والمعاش والمعاد والاسرار	عبدالرسول بن محمد خان	بوہار	
	روضۃ الساکین	ابن حجر مکی الہیثمی م ۹۷۳ھ	آصفیہ	
	روضۃ العلما / روض العلما	ابوالحسن علی بن یحییٰ الزندوستی البخاری	بوہار، خدابخش، دیوبند، رضا	
	رونق المجالس	عمر بن الحسین النشاپوری	صولت، علی گڑھ	
	رئیس المتقین	عبدالصمد بن فقیہ حسین —	حبیب	
	ریاحین الانفاس		جامع مسجد	
	ریاض عباسی شرح منہیات	نجم الدین بن عباس العباسی	آصفیہ	
	(ز)			
۲۸۴	زاد الآخرۃ	الغزالی	پھلواری	
	زاد الطالبین	علی بن حسام المتقی الحنفی	خدابخش	
	زاد العاشقین	عبداللطیف بن جمال الدین	〃	
	زبدۃ التصوف وارشاد سلوک التصوف	شمس الدین محمد بن ہندوشاہ الداعغانی	〃	
	زبدۃ الرسائل الفاروقیۃ وعمدۃ المسائل الصوفیۃ	شیخ یونس النقشبندی	〃	
	زہرۃ الریاض	تاج الاسلام سلیمان بن داؤد السقینی م بعد ۷۰۰ھ	رضا	
۲۹۰	الزہر الفائق	عبدالشکور [illegible] م ۱۲۰۰ھ	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
	(س)			
۲۹۱	۔ سبیل الاذکار والاعتبار	عبداللہ بن محمد الحداد	خدابخش	
	۔ سراج القلوب	احمد بن محمد بن عبدالملک التبریزی	؍؍	
	۔ سراج المریدین فی سبیل الدین	—	آصفیہ	
	۔ السر المظروف فی علم بسیط الحروف	محمد الفاروق الحنفی	خدابخش	
	سلم التوفیق الی محبۃ اللہ علی التحقیق	—	؍؍	
	۔ سفینۃ العراقیہ	محمد بن عراق	ایشیاٹک	
	۔ ؍؍ العلوم	ابوسعد الحسن بن محمد کرام البیہقی	ٹونک	
۲۹۸	سلسلۃ الجواہر الجلالیہ	عبداللطیف بن عبدالسلام	رضا	
	سلسلۃ الخواجگان فی آداب عبودیۃ الاعیان	—	ایشیاٹک	
	سلسلہ سید عبدالوہاب	عبدالرحمن القرینی الشاذلی	آصفیہ	
	سلسلہ قادریہ	شاہ غلام علی	؍؍	
	سلک التوفیق لسواء الطریق	عبدالقادر بن محمد بن عمر القادری	خدابخش	
	۔ سلم التوفیق	عبداللہ بن حسین بن طاہر العلوی	ایشیاٹک	
	سلوۃ المحزون وعزوۃ المشجون	—	آصفیہ	
	۔ سلوۃ العارفین	حسین بن اسمٰعیل الشجری	ایشیاٹک	
	۔ السلوک القویم والصراط المستقیم	مصطفٰی نیازی النقشبندی	؍؍، آصفیہ	
	۔ سلیقۃ الاحمق	ملا علی القاری	رضا	
	سمط الصدور وحادیۃ النور	عبدالقادر بن محمد بن عمر القادری	خدابخش	
	۔ سنن الہدیٰ فی متابعۃ المصطفیٰ	عبدالنبی بن احمد بن عبدالقدوس المتوفی ۹۹۱ھ	رضا؍ بوہار	
	سوال حضرت رسول اللہ صلعم و جواب ابلیس	—	آصفیہ	
۳۱	۔ سواء السبیل	شیخ کلیم اللہ الجہان آبادی ۱۱۴۲ھ	رضا، آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۲۲	السیر والسلوک الی اللہ	شیخ احمد المغربی الجنیدی	ہمدرد	
	(ش)			
	۔ شجون المشجون وفنون المفتون	ابن العربی	آصفیہ	
	۔ الشجرة المبارکة السہروردیة والکبرویة	عبدالرشید الجہدری	ابوالخیر	
	۔ شجرہ قادریہ		جامع مسجد جواہر	
	۔ " " وچشتیہ	شاہ اللہ	پٹنہ یونیورسٹی	
	۔ شرح آداب المریدین	ملا علی القاری	عبدالحی	
—	شرح اسرار الخلوة = شرح الانوار			
	۔ شرح اسرار الوضو	محمد بن محمود الاقسرائی	الیشیاٹک	
	۔ شرح اسماء اللہ تعالی	—	خدابخش	
	۔ شرح اسماء الحسنی	الفارابی	"	
	۔ شرح " "	عبداللہ بن ابی بکر بن حسن النودی	"	
	۔ شرح اعانة الاحیاء	علی اکبر بن اسد اللہ المودودی	الیشیاٹک	
	شرح ام البراہین	عبداللہ السکسانی محمد بن منصور جبدی	آصفیہ ۲	
۲۲۲ ۔	شرح الانوار فی ما یفتح علی صاحب الخلوة من الاسرار (شرح اسرار الخلوة)	عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی	خدابخش، ایشیاٹک، اوقاف	
	شرح بدایة الہدایة	عبدالقادر بن احمد الفاکہی	خدابخش	
	۔ شرح برزخ	ابوالشکور السلمی	سبحان اللہ	
	شرح بعض ابیات التائیة لابن الفارض	احمد بن محمد بن رضی الحموی	خدابخش	
	۔ شرح بعض عبارات		ابوالخیر	
	شرح بعض کلام شیخ محی الدین ابن العربی	صفی الدین احمد بن محمد المدنی	آصفیہ	
۲۲۰	شرح التحفة	احمد الساوی	الیشیاٹک	
—	شرح التحفة المرسلة = اتحاف الذکی			

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
—	شرح التحفۃ المرسلۃ الحقیقۃ الموافقۃ الشریعۃ			
۴۲	شرح تکملۃ الاحکام	جمال الدین علی بن زید الغسانی م ۸۴۸ھ	رضا	
	شرح الجواہر الخمس	احمد بن عبد القدوس الشناوی المصری م ۱۰۲۸ھ	"	
	شرح الحجب والاستار فی مقامات اہل الانوار	ابو محمد صدر الدین	حبیب	
	شرح حکمۃ الاشراق	محمود بن مسعود الشیرازی	ایشیاٹک	
	شرح الحکم العطائیہ	علوان الحلوانی	"	
	شرح الدرۃ الفاخرہ		رضا، ایشیاٹک	
	شرح رسالۃ التسویۃ	معز الدین امان اللہ [illegible]	رضا، عبد الحی	
	شرح الرسالۃ العقائد الصوفیہ لفیروز الصوفی اکبر آبادی		علیگڑھ، ایشیاٹک، سالار	
	شرح الرسالۃ فی التصوف		ایشیاٹک	
	شرح رسالہ قشیریہ	محمد گیسو دراز حسینی	آصفیہ	
۴۲۱	شرح رسالۃ کمیل	کمال الدین عبد الرزاق الکاشی	رضا	
	شرح رمز الفتوحات		ایشیاٹک	
	شرح الزوار	محمد بن عطا	رضا	
	" "	کمال الدین بن محمد بن فخر بن علی	خدابخش	
	شرح سلک العین (ذہب العین شرح سلک العین)	علوان بن علی بن عطیۃ الحموی	"	
—	شرح شرعۃ الاسلام = اسرار الاحکام = مفاتیح الجنان			
	شرح الضابطۃ لاصول الطریقۃ	شہاب الدین ابو العباس احمد بن عبد اللہ الفاسی زروق، م ۸۹۹ھ	رضا	
	شرح طریقۃ محمدیہ		ٹونک	
۴۲۵	شرح عقیدۃ الغیب	محمد تقی الدین	ایشیاٹک	
—	شرح عوارف = المعارف			

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
—	شرح عوارف المعارف = فطرف القطاف ،کشف			
۲۴۹	شرح عین العلم المسمّٰی بہ نجم العلم	نجم الدین بن عباس بن تمانی نصیر الدین	ٹونک	
	شرح الفتوحات المکیۃ بہ شرح مشکلات	عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی	خدابخش	
	شرح فصوص الحکم	صدرالدین القونوی م ۶۷۲ھ	"	
	" "	عفیف الدین سلیمان بن علی التلمسانی م ۶۹۰ھ	" علی گڑھ	
	" "	—	ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، عبدالحی، بانکی پور	
	" "	اسمٰعیل التبریزی	حبیب	
	" "	عبدالعلی فرنگی محلی (م ۱۲۲۵ھ)	رضا	
	شرح فصوص الحکم	علیم اللہ الحسینی	جامعہ	
	شرح "	نعمت اللہ ولی الکرمانی	آصفیہ	
	شرح قصیدۃ البردہ	جمال الدین الجیلانی	عبدالحی	
	شرح القصیدۃ التائیۃ (ابن الفارض)		آصفیہ	
	شرح کاسرۃ الاسنان	یوسف علی	رضا	
۲۶۱	شرح کلمۃ الجیلانی الفتوح	ابن تیمیہ	"	
	شرح اللمعات	عبدالرحمٰن الجامی	خدابخش	
	شرح محاسن المجالس	ابواسحٰق براہیم بن یوسف ابن میاق {ابن المراۃ}	"	
	شرح المشاہد	ابن العربی	رضا	
	شرح تائیۃ ابن فارض	—	آصفیہ	
	شرح النقشبندیہ	—	ایشیاٹک	
	شرح نقش الفصوص	عبدالرحمٰن الجامی	خدابخش	
	شرح وصیۃ سید ابراہیم المتبولی	عبدالوہاب الشعرانی	"	
	شرح الوصیۃ فی ادب السلوک	علی بن عبداللہ [illegible]	رضا	
	شرح ہیاکل النور	جلال الدین محمد	ہمدرد	
	شرعۃ الاسلام	محمد بن ابی بکر [illegible]	حبیب [illegible]	
	الشفاء [illegible]	عصام الدین ابوالخیر احمد بن مصطفیٰ [illegible]	رضا	
۲۶۳	الشمائل [illegible]	محمد بن یعقوب [illegible]	ایشیاٹک	

[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
	شوارق النفوس	محمد حسین بن محمد قلی	میگزاٹو	
	- شوافل الحمد	غیاث الدین محمد	مدراس	
	الشواہد المودعیہ	علی اکبر الحسینی المودودی	رضا	
	الصحیح المتین	جلال الدین السیوطی	رضا	
	المعراج السوی	صلاح الدین عارف اللاری	رضا	
	- سواطع الفتح الحمید		رضا	
	- منظومات العارفین		آصفیہ	
	- صلوٰۃ الاوراد القرشی	عبد اللہ الحسینی بن طاہر المدبا علوی	آصفیہ	
	. الصوارم الہندیہ	کمال الدین احمد الغفاری الشافعی	رضا	
	- صورۃ اجازۃ الخرقہ		خدابخش	
	. فوائد الطیفیہ	———	آصفیہ	
	- ضوء البارق فی ذکر امام جد البادیہ	شہاب الدین احمد المدنی	ـ	
	طبقات الخواص اہل الصدق والاخلاص	زین الدین احمد بن احمد بن عبد اللطیف الشرجی	جواہر	
	طراز الورد		ـ	
	طریقۃ السادۃ القادریہ	شیخ تاج الہندی	مدراس	
	الطریق الہادی الی طریق السعادۃ	احمد بن خانہ	ایشیاٹک	
	طریق السادۃ القادریہ	عبد الرحمن بن احمد الدیری	خدابخش	
	طریق السادۃ النقشبندیہ	تاج الدین السنبھلی	ایشیاٹک مدراس	
	اجازۃ قطب [illegible]		آصفیہ	
	بالاختصار [illegible]	ابراہیم بن حسن الکردی الکورانی	ـ	
	[illegible]	حسین بن علی [illegible]	ـ	
	صورۃ [illegible]	[illegible]	آصفیہ	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
۴۹۷	عشائیۃ فی شرح حکم العطائیۃ	علی بن جمال الدین محمد بن علی	آصفیہ	
	عقائد الخواص	محب اللہ الہ آبادی	خدابخش، سالار، رضا	
	العقد النبوی والسر المصطفوی	ابن العیدروس	ایشیاٹک	
	العقیدۃ السنوسیۃ		ایشیاٹک	
	عقید مختصر العقیدۃ المختصرۃ المفیدہ	[ابن العربی]	خدابخش، آصفیہ	
	علق النفیس	الغزالی	خدابخش	
	العہد فی تزکیۃ النفس	ابن سینا	رضا	
	علی الحیاۃ (ترجمہ رشحات)	محمد مراد	آصفیہ	
	علی العالم		" " ندوی	
	علی العلم	رکن الدین خلیل الرحمن	خدابخش، بودلیئن	
۵۰۴	علی العلم	جمال الدین محمد بن اسحق	رضا	
	علی الفصوص شرح الفصوص	شرف الدین الدہلوی	آصفیہ	
	عنوان الاجوبۃ فی فنون الاسئلۃ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	حبیب	
	غایۃ العلوم والاسرار	الغزالی		
	الغایۃ القصوی فی معرفۃ الدنیا	جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ	خدابخش، رضا، ندوہ	
	غایۃ المطلوب	عبدالرحمن بن علی بن محمد الشیبانی	ایشیاٹک، سالار	
	غنیۃ ارباب السماع	قطب الدین عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی ۸۳۲ھ	رضا	

(ف)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتابخانہ	کیفیت
	فاتحۃ الفاتحۃ	ابن العربی	رضا	
	الفتاوی المتعلقۃ بالتصوف	جلال الدین السیوطی	خدابخش، ندوہ	
	فتح باب المواہب	ابوبکر بن جمال الدین عبداللہ	حبیب	
	فتح المتعال فی مدح النعال	احمد بن محمد المقری ۱۰۴۱ھ	سبحان اللہ	
۵۱۸	فتح القریب لباب الحبیب	ابوالبقا حسن بن علی العجیمی م ۱۱۱۳	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۵۱۹	الفتوحات الالہیة فی توجیہات الروحیة	محمد بن عبد الکریم المدنی السمان م ۱۱۸۹ھ	خدابخش	
	الفتوح و شفاء القلوب الجروح	احمد بن علوان الیمنی	ایشیاٹک	
	فتوح الاوراد	فتح محمد	فرخانیہ	
	الفتوح الفائق	شہاب الدین احمد	جامع مسجد	
	فرح الاسماع برخص السماع	ابو المواہب محمد بن احمد بن محمد التونسی	آصفیہ	
	الفریدة النادرة فی شرح الدرة الفاخرة	محمد معصوم السمرقندی	خدابخش	
	الفصول الفتحیة	حسین بن فتح بن عبد اللہ المغربی م ۹۶۹ھ	"	
	الفصول العلیہ	ابو محمد حبیب الاشعری م ...	رضا، مہدی	
	الفقرات من کلام الصوفیہ	غیاث الدین حسینی	خدابخش	
	الفقر المحمدی	عماد الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم الحنبلی	رضا	
	فکوک الفصوص	صدر الدین القونوی	خدابخش، علیگڑھ، رضا	
۵۲۰	الفوائح	خواجہ خورد عبد اللہ بن عبد الباقی م ۱۰۷۰ھ	علیگڑھ	
	الفوائد	قطب الدین عبد الکریم بن ابراہیم بن سبط عبد القادر الجیلی ۸۳۲ھ	رضا	
	الفوائد	رمضان بن عطوان رمضان	خدابخش	
	فوائد الجواہر	محمد بن یحیی القادری الحنبلی	"	
	الفوائد الوافیہ بشرح رسالۃ الوجودیہ للجامی		رضا	
	فوز النجات	افضل اللہ آبادی ۱۲۴۴ھ	علیگڑھ، رضا	
	فیض الکریم	ابو الفضل احمد الاسکندری م ۷۰۹ھ	رضا	
	فیوض المدینة فی السلوک النقشبندیة	رفیع الدین بن ... شمس الدین	خدابخش	
	الفیوضات الاحدیة فی المراقبات الاحمدیة	شاہ غلام علی	ابوالخیر	

(ق)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
	القاعدة فی التوحید والاخلاص والتوکل	ابن تیمیہ	رضا	
	[illegible] الاسرار	[illegible]	"	
	[illegible]	[illegible]	"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۵۱	قواعد التحقیق فی اصول الطریق	محمد بن خلیل الطرابلسی	ایشیاٹک ۱۰.۲ آصفیہ	
	قواعد العقائد			
	القول السدید (شرح تنویر)	خواجہ خورد	عبد الحی، ایشیاٹک	
	القول فی انواع الانفس		رضا	
	القول المبین	عبد الوہاب الشعرانی	"	
	القول المعصوم	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	مدراس	
	(ک)			
	کاسرۃ الاوسان فارعہ یم المشل	عبد الرحمٰن بن محمد حسن السندی ۱۲۵۷ھ	خدابخش، رضا	
	الکبریت الاحمر	عبد اللہ بن العید روس	آصفیہ، بہار	
	کتاب الاخوان	ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن عبید البغدادی ابن ابی الدنیا م ۲۸۱ھ	رضا	
	کتاب الارکان فی صفة الانسان		علیگڈھ	
	کتاب الطواف عجائب الآیات (خلاصة المفاخر) ابو محمد عبد اللہ الیافعی م ۷۶۸ھ		رضا	
۵۵	کتاب الامان من اخطار الاسفار والزمان	ابو القاسم علی بن موسیٰ الحسینی ۶۶۴ھ	رضا	
	کتاب الامر المربوط		آصفیہ	
	کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر	ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن عبید البغدادی، ابن ابی الدنیا	رضا	
	کتاب الانس (انیس) المنقطعین = انیس المنقطعین			
	کتاب الانوار کفایة السلوک	ابن العربی	"	
	کتاب التحسین و صفات العارفین	احمد بن محمد بن عبد الحق	ایشیاٹک	
	کتاب التصوف	ابن سینا	آصفیہ	
	کتاب الشرف فی الاصلین والتصوف	ابن ابی الکاملی	خدابخش	
	کتاب کنز الاحکام	احمد بن علی [illegible]	رضا	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
[illegible]	کتاب التمیز	حسین بن فخرالدین بن نور قاش بن حسن	رضا	
	کتاب التوحید الاعظم	ابوالحسین احمد بن ...	خدابخش، جامع مسجد	
	کتاب الخاتمه والخلاقیه: کتاب الازل	ابن العربی	آصفیہ	
	کتاب الحق	ابن العربی	ٹونک، آصفیہ	
	کتاب الخلوة	ابن العربی	خدابخش	
	کتاب الدعوة التامة (الوصیة العمادیه)	ابومحمد حبیب الحداد باعلوی م ۱۱۳۲ھ	رضا	
	کتاب الدلیل والبرهان	محمد بن حامد المصعدی	خدابخش	
	کتاب الرضا بالقضا	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید	"	
	کتاب السبعیات	ابوالنصر محمد بن عبدالرحمن الہمدانی	رضا	
	کتاب سعدالدین الحموی الی ابن العربی		ایشیاٹک	
[illegible]	کتاب السلوک		خدابخش پھلواری	
	کتاب شروط الخرقة	ابن العربی	رضا	
	کتاب الصوفیه لنور الشاذلیه	احمد بن محمد عباد الشافعی	آصفیہ	
	کتاب الخرقة	ابن العساکر الدمشقی م ۵۷۱ھ	رضا	
	کتاب العشرة		"	
	کتاب الفوائد	عبداللہ بن حسن طاہر	"	
	کتاب فی السماع		جامعہ	
	کتاب فی مراتب العلوم الوہب / مراتب الوجود	ابن العربی	خدابخش، ٹونک، رضا، آصفیہ	
	کتاب فضائل ...	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید البغدادی ابن ابی الدنیا م ۲۸۱ھ	رضا	
[illegible]	کتاب کشف الغطا ...	شمس الدین ابو عبداللہ الانصاری م ۷۲۲ھ	"	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۵۸۴	کتاب مالا بد منہ الوارد	ابن العربی	آصفیہ	
	کتاب ماہیۃ القلب	ابن العربی	رضا	
	کتاب ماشۃ السلطۃ	ابن العربی	رضا	
	کتاب المجاہدۃ	سیدی عقیل بن عمر العلوی	رضا	
	کتاب محاسبۃ النفس	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید البغدادی ابن ابی الدنیا		
	کتاب المحبۃ و وصول العبد الحاویہ		آصفیہ	
	کتاب المرائی	(سیدی عقیل بن عمر العلوی)	رضا، ایشیاٹک	
	کتاب بیان اللہ فی معرفتہ بیان من کل بیان	یوسف بن محمد الملکی	ایشیاٹک	
	کتاب معرفۃ النکاح		خدابخش	
۵۹۲	کتاب المقامات	ابن العربی	رضا	
	کتاب المقامات العشرہ	محمد بن پیر علی البرکلی م ۹۸۳ھ	”	
	کتاب من عاش بعد الموت	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید البغدادی (ابن ابی الدنیا م ۲۸۱ھ)	”	
	کتاب موازرۃ الاخوان	شرف الدین السبکی الحمیری	”	
	کتاب نسیم السحر	عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی	خدابخش	
	کتاب النصائح	عبداللہ بن علوی بن محمد الحداد باعلوی	آصفیہ	
	کتاب النصوص	ابن العربی	رضا	
	کتاب النفحات	صدرالدین القونوی م ۶۷۲ھ	جواہر	
	کتاب النقباء	ابن العربی	آصفیہ	
	کتاب مستجاب الدعوات	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید البغدادی	رضا	
	کتاب الوظائف الترجمہ		خدابخش	
	کرامات شیخ احمد کبیر	ریاضت علی صدیقی	پشنہ یونیورسٹی	
	کسر الشہوتین		آصفیہ	
	کشف الحقائق	محمد صادق لطیفی	آصفیہ	
۶۰۴	کشف الرموز	غیاث الدین حسینی	خدابخش	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۶۰۵	کشف العقائد	علاء الدین محمد بن محمد البخاری	ٹونک	
	کشف الغایات (شرح التجلیات لابن عربی) } کشف المقالات فی شرح ما اکتسف التجلیات }	عبد الکریم الجیلی	رضا آصفیہ	
	کشف الغین عن کلام اہل العین	محمد یوسف بن شیخ الواعظ محمد یوسف بن شیخ داؤد الفیوری	سالار جنگ آصفیہ	
	کشف النصوص	رفیع الدین	حبیب گنج	
	کشف النفائس الحکم	شیخ صدر الدین القونوی	آصفیہ	
	الکشف والبیان شرح قصیدہ شیخ الرئیس		"	
	کشف الوجود شرح تائیہ ابن فارض	عز الدین محمود الکاشی م ۷۳۵ھ	آصفیہ	
	کشکول	منور شاہ چشتی القادری	آصفیہ	
	الکشکول بہائی	محمد بن حسین	ایشیاٹک	
۶۱۲	کفایۃ الطالب الربانی فی الرسالہ ابن ابی زید القیروانی	ابو الحسن المالکی	ہمدرد	
	الکفایہ فی شرح البدایہ	عبد القادر الفاکہی م ۹۸۲ھ	رضا ٹونک	
	کلمات	عبد الخالق	صولت	
	کلمات الاولیا		آصفیہ	
	کلمات الحق	مصاحب علی لکھنوی	پشاور یونیورسٹی	
	کلمات طریقہ مقالات شریفہ	محمد بن مرتضیٰ	آصفیہ	
	کلمۃ الحق	عبد الرحمن	"	
	الکمالات الالہیہ فی صفات المحمدیہ	عبد الکریم بن ابراہیم الجیلی	خدابخش	
	کمال الیقین	احمد بن ادریس الحسنی	ایشیاٹک	
	کنز العرفان		آصفیہ	
	الکواکب الدریہ فی تراجم السادات الصوفیہ	محمد بن عبد الرؤف المناوی	ٹونک	
	الکواکب الزاہرہ فی اجتماع الاولیا	عبد القادر بن حسین بن علی الشاذلی	ابو الخیر آصفیہ	
	الکواکب الزاہرہ فی فضائل الذکر و اقسامہ		ایشیاٹک	
	ل			
۶۲۱	لباب الحدیث عن تحقیق الحقیقت	شیخ محمد بن علی الکاشانی	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
۶۲۸	لطائف المواعظ	ابو الحسن علی القرشی	پٹنہ یونیورسٹی	
	دیوان ابی الحسن السلطانی بعض مرتب فی الاخلاق المراکشیہ (حیات حسان الیرغی)		ایشیاٹک	
	لوامع البرق الموہن	قطب الدین عبدالکریم بن ابراہیم بن سبط عبدالقادر الجیلی ۸۳۲ھ	آصفیہ، رضا	
	لوامع الغیب	سید صدر الدین القونوی	آصفیہ	
	اللوامع المشرقیہ فی الصدور من الاسرار الموفقہ (۴)		"	
	لابد منہ فی التصوف	شاہ کلیم اللہ صدیقی	جامع مسجد	
	لابد منہ	ابن العربی	خدا بخش	
	المجالس المحمدیہ		جامع مسجد	
	مکارم الاخلاق	ابو نصر الحسن بن الفضل الطبرسی	رضا	
	مجمع الاسرار وکشف الاستار بشرح رسالہ تمام	شمس الدین محمد درویش (دکنی)	آصفیہ	
۶۲۸	مجمع السالکین	خیر الدین بن محمد زاہد النقشبندی	"	
	مجموعۃ الرسائل	محمد ابن اسعد	ابوالخیر	
	مجموعۃ رسائل فی التصوف (۲۹ رسائل)	ابن العربی	آصفیہ	
	مجموعۃ الرسائل فی التصوف	محمد ابن محمد الجزری	"	
	مجموعہ رسائل قونوی	صدر الدین القونوی	"	
	مجموعہ فی التصوف	احسن محمد	سالار	
	مجموعۃ الرسائل	الغزالی	"	
	مجموعۃ الشجرات		ایشیاٹک	
	مجموعۃ فاتحۃ العلوم		آصفیہ	
۲-	مجموعہ منجیات و غیرہ منجیات	ابن حجر العسقلانی	رضا	
	المحاکمۃ بین حب اللہ [illegible]			
	محاکمۃ العادقیہ		آصفیہ	
	مختصر الاخبار	ابو زکریا یحیی بن [illegible]	خدا بخش	
۶۳۰	مختصر [illegible] فصوص الحکم	[illegible]	[illegible]	

نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
مرآة العارفين	حسين ابن علي	آصفیہ	
مرآة العارفين في ملتمس زين العابدين		آصفیہ، مدراس، ایشیاٹک	
مرآة العارفين في ملتمس زين العابدين		خدابخش	
مرآة الشابين		مدراس، مصر	
مرآة المعاني الى ادراك العالم الانساني	ابن العربي	آصفیہ	
المرشد	صدر الدين القونوي	،، ایشیاٹک	
ارشاد الانام الى دار السلام بشرح شرعة الاسلام	محمد ابن عمر خوجه افندی	ٹونک	
مرشد الطلاب	محي الدين ابو محمد مصطفى البكري ۱۱۶۲ھ	رضا	
مرشد الطالب الى الكريم الوهاب		ایشیاٹک	
مسائل الرهبان	ابو يزيد البسطامي	آصفیہ	
مسائل حاتم	ابو عبد الرحمن حاتم بن عنوان ۲۳۷ھ	رضا	
مسائل الحق		آصفیہ	
مسائل الحقائق			
مسائل علم التوحيد	عبد الغني بن اسماعيل النابلسي	خدابخش	
مسكن الفؤاد	زين الدين محمد بن عبد الله العاملي	رضا	
مسلك الاتقيا شرح قصيده هداية الاذكيا	شيخ احمد العيدي	آصفیہ	
مسلك الاختيار	ابراهيم بن حسين الكردي ۱۱۰۳ھ	رضا	
مسئلة صفات المنكرين	ابو عبد الرحمن محمد بن الحسين بن محمد السلمي ۴۱۲ھ	،،	
مشارع ابواب القدس	عبد الكريم بن ابراهيم الجيلي	،،	
مشارق الانوار في فضل السعد من الحضرة الاحدية	علي بن محمد [illegible]	آصفیہ	
مشاهد الاسرار القدسية	ابن العربي	خدابخش، رضا	
[illegible]	ابراهيم بن حسين الكردي الكوراني	،،	
[illegible]	ابن عجيبه	،،	
[illegible]	شمس الدين محمد بن [illegible]	[illegible]	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	کیفیت
٦٧٥	مصباح الانس شرح مفتاح الغیب	(ابوالمعالی محمد ابن اسحق بن محمد)	آصفیہ	
	مصباح الطالبین	محمد علی الکیرانی م بعد ١١١٢ھ	رضا	
	المضادة فی علم الظاہر والباطن	ابن العربی	رضا	
	مطلع الجود	ابراہیم بن الحسین الکردی م ١١٠١ھ	رضا، ایشیاٹک	
	مطلع النیرین	ابوعبداللہ محمد عاشور البخاری	،،	
	مظاہر النور (شرح مظہر النور)	نورالہدیٰ بن قمرالدین اورنگ آبادی	آصفیہ، رضا، ٹونک	
	مظہر النور	قمرالدین حسین مظہر اورنگ آبادی	آصفیہ	
	معارج الالباب فی کشف مداولۃ الافراد والاقطاب		ایشیاٹک	
	المعارف فی شرح العوارف	عبدالقدوس بن اسماعیل الگنگوہی	دیوبند، ایشیاٹک، سالار جنگ	
	معاشر القاصدین معالم منہاج الفاضل	ابوالقاسم عارف	ایشیاٹک	
٦٨٥	معانی الہمم	جنید البغدادی	رضا، جامع، علیگڑھ، آصفیہ	
	المعانی الدقیقۃ الوفیۃ فیما لزم نقباء السادۃ (الصوفیۃ)	شیخ الاسلام محمد بن شعیب	آصفیہ	
	معدن الجواہر وروضۃ الخواطر	ابوالفتح محمد بن علی بن عثمان م ٣٣٩ھ	رضا	
	المعدن العدنی فی فضائل الاویس القرنی	ملا علی القاری	خدابخش	
	مغالطا العامۃ	محب اللہ الہ آبادی م ١٠٥٨ھ	رضا	
	مفاتیح الخزائن العلیۃ	ابوالحسن علی بن محمد الشاذلی م ٨٠٢ھ	،،	
	مفاتیح الجنان ومصابیح الجنان (شرح شرعۃ الاسلام)	یعقوب بن سید علی	ٹونک	
	مفاتیح الغیوب	عبیداللہ بن ولی اللہ الملکی م ١٠٠١ھ	رضا	
	مفاتیح الفصوص	صدرالدین القونوی	ابوالخیر	
	مفاوضات الرحمانیۃ	صفی خالدی بن حسین ابن حسن بن کمال الدین	آصفیہ	
	مفتاح التحمید فی بیان کلمۃ التوحید	عبدالرحمٰن	ٹونک	
	مفتاح الجنان		خدابخش، ناصریہ	
	مفتاح السرائر وکنز الذخائر	ابوبکر بن سالم [illegible] م ٩٩٢ھ	[illegible] آصفیہ، سالار جنگ	
٦٩٨	مفتاح الطالبین	کمال الدین محمود الزجفانی	آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۲۲۹	مسلکات خوب المحمد الرجید		آصفیہ	
	مفتاح الغيب شرح فتوح الغيب			
	مفتاح الفلاح	بهاء الدين العاملي	سبحان اللہ، رضا	
	المقاصد السنية في آداب السادة الصوفية	محمد بن خليل بن ابراهيم الطرابلسي	ایشیاٹک	
	مختصر منهاج العابدين	عبد الوهاب الشعراني	خدا بخش	
	مقدمات العشرة	ابن القاسمی	ایشیاٹک	
	المقصد الاقصى	الغزالي	آصفیہ	
	المكاتبة بين ابي الغيث وابن علوان	ابو الغيث بن جميل اليمني [illegible]	رضا	
	المكاتيب والرسائل	سيد شريف عبد الله بن علوي ۱۱۳۲ھ	مدراس	
	المكتوبات	عبد القادر الجيلاني	خدا بخش	
۴	مكتوب الشيخ العارف النقشبندي	خالد الكردي	ابو الخیر	
	المكشوفات الوجدانية	محمد كمال الدين بن محمد حسن خير آبادي	سالار جنگ	
	ملتقى الاذكار		پٹنہ یونیورسٹی	
	ملفوظات وتقريرات		خدا بخش، ابو الخیر، صولت، آصفیہ، پٹنہ یونیورسٹی [illegible]	
	منازل الابرار		جامع مسجد	
	منازل السالكين	محمد بن شهاب الدين الجيلاني ۱۰۱۲ھ	رضا، آصفیہ	
	مناقب احمد بن ادريس		ایشیاٹک	
	مناقب الشيخ عبد القادر الجيلاني	محمد حسين	جامع مسجد	
	المنتخبات	رمضان بن ناصر بن رمضان	خدا بخش	
	منتخب منازل السائرين	[illegible] بن احمد الطاوسي	ایشیاٹک، آصفیہ	
	منتخب [illegible]	رمضان [illegible] بن رمضان	خدا بخش	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۶۲۰	المنتخب من نزہۃ المجالس	جلال الدین السیوطی	خدابخش	
	المنتقی من کتاب [المتوشح الجہاد والرہبان وعن اشکل بائشہ]	ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن عبید البغدادی ابن ابی الدنیا	رضا	
	منہج البیان فی کشف نتائج الامتنانه	علی بن عثمان	ایشیاٹک	
	منزل المنازل فی التقربات بالفرائض والنوافل	عبد الکریم بن ابراہیم الجیلی	آصفیہ	
	المنشورۃ المغلقۃ	ملا محمد جونپوری	آصفیہ	
	المنح العطائیہ فی شرح حکم العطائیہ	نور الدین نجمی	"	
	منہاج العارفین		خدابخش، رضا	
	منہج السالک الی اشرف المسالک	نور الدین بن علی بن خلیل المرصفی	آصفیہ	
	المنہل العذب السائغ	مصطفی بن کمال الدین البکری	ایشیاٹک	
	منیۃ الواعظین	عبد الحمید بن عبد الرحمن الانگوری	رضا	
۶۳۲	مواعظ الاتقیاء وزواجر الاغویا		جامع مسجد	
	المواعظ الحسنۃ	ابن العربی	رضا	
	مواقع الالہام مع شرح رسالہ شیخ رسلان	ابن سینا	آصفیہ	
	المواہب الفتحیۃ علی الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن علی بن محمد بن علان البکری	خدابخش	
	موعظۃ المرید نصیحۃ التلمیذ	الغزالی	آصفیہ	
	المیزان الخضریۃ	عبد الوہاب الشعرانی	ایشیاٹک	
	المیل الحقیقی	علی القادری بن عبد الغنی الشاذلی	ایشیاٹک	
	(ن)			
	نافع السالکین	محمد امین کنانی بن ابی الفتح بن عبد الصمد الکشمیری	رضا	
	النبذہ فی رفع بعض دسائس النفس		"	
	نبذۃ من احوال الشیخ بہاء الدین النقشبندی		ابوالخیر	
	النبذہ من کتاب البرہان	یحیی بن عبد الرحیم الخطیب	خدابخش	
	نجاۃ الفقراء		آصفیہ	
۶۳۳	النجدۃ فی الکرم الحلیۃ	محمد بن مرتضی بن شاہ محمود کاشانی		

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۴۳۳	نسبۃ الخرقۃ وشروطہا	ابن العربی	خدابخش، آصفیہ	
	النسبۃ المرتبۃ فی الخرقۃ والصحبۃ	ملا علی القاری	خدابخش	
	نسخۃ الحق	ابن العربی	"	
	نشر المحاسن الغالیۃ فی فضل مشائخ الصوفیہ	عبداللہ بن اسعد الیافعی، الشافعی		
	النصائح الدینیۃ	ابو محمد حبیب الحداد الاشعری	رضا	
	النصوص	صدر الدین القونوی	"	
	نعمۃ الفقیر	شہاب الدین السہروردی	آصفیہ	
	نفائس العرائس	ابو اسحاق احمد	جامع مسجد	
	النفائس العلویہ	احمد بن زین الحبشی باعلوی	رضا	
	النفحات الالہیۃ	صدر الدین القونوی	خدابخش، آصفیہ	
۴۵۳	نفحات صمدیہ		مدراس	
	— نفحات العنایۃ فی شرح البدایۃ والنہایہ			
	نقش الفصوص شرح فصوص	شمس الدین بن شرف الدین الدہلوی	آصفیہ	
	— نور العین وشرح سلک العین			
	النہج الاتم فی تبویب الحکم	نور الدین علی بن حسام الدین الہندی المتقی	رضا	
	نہج السلوک فی سیاسات الملوک	عبدالرحمٰن بن نصر	ہمدرد	
	الواردات الالہامیہ (فی)	عبدالقادر بن محمود بن اسرائیل بن قاضی سماوہ	رضا	
	الواردات القلبیہ	محمد بن ابراہیم البنا الحربی	"	
	واردات الہمدانی والکلمات القصار	باباطاہر عریان الہمدانی	رضا	
	وجود الحق الظاہر فی کل الاشیاء	عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی	جواہر	
	وحدۃ الوجود	ملا علی القاری	دیوبند	
	ورد الشیخ الہمدانی		ایشیاٹک	
۴۶۳	ورد شیخ التائب الہمدانی		ایشیاٹک، آصفیہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۴۷۳	وصایا السالکین		آصفیہ	
	وصایا العارفین	عبدالوہاب الشعرانی	رضا	
	الوصایا القدسیہ	زین الدین ابوبکر محمد بن محمد الوفائی م ۹۹۳ھ	"	
	الوصیۃ	شہاب الدین السہروردی	خدابخش	
۔	الوصیۃ	عفیف الدین عبداللہ بن عبدالرحمن بافضل	"	
	الوصیۃ	عبدالقادر الجیلانی	خدابخش	
	الوصیۃ	صدرالدین القونوی	رضا	
۔	الوصیۃ	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی	خدابخش	
۔	وظائف الیقین	عبدالنبی بن احمد الحنفی	فرقانیہ	
۔	وظیفۃ العارف باللہ	علوان الحموی	ایشیاٹک	
۴۴ ۔	الوعاء المختوم علی السر المکتوم	ابن العربی	خدابخش	
۔	وقایۃ السالک من الآفات والمہالک	الغزالی	"	

(ہ)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	کیفیت
۔	ہدایۃ الاذکیاء الی طریقۃ الاولیا	زین العابدین بن علی بن احمد المعبری	خدابخش ایشیاٹک	
۔	ہدایۃ التوفیق	شیخ احمد الحموی	خدابخش ایشیاٹک	
۔	ہدایۃ الواصلین	محمد بن مرتضیٰ المتخلص بہ محسن	آصفیہ	
۔	الہدایۃ الرحمانیہ	قطب الدین محمد بن عبدالرحمن المکی	رضا	
۔	ہدایۃ السالکین	محمد شجاع بن عبدالرحمن القنوجی	"	
۴۸۱ ۔	الہدیۃ الازہریۃ		ایشیاٹک	

ضمیمہ

ہندستان کے کتابخانوں میں

مخطوطات تصوّف

فارسی و عربی

اخیر میں چند باتیں مزید

● ہندستان کے کتب خانوں میں موجود مخطوطات تصوف (فارسی و عربی) کی فہرست سمینار سے قبل طبع ہو چکی تھی اور سمینار میں اسی فہرست کو سامنے رکھ کر گفتگو ہوئی، جس کے بعد بیشتر جگہوں پر حذف و ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی، اور جہاں جہاں ممکن ہوا اس فہرست میں سمینار کے فیصلے کے مطابق حذف و ترمیم کر دی گئی۔ یہ صفحہ ایک تا ۱۴۴۲ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ بحث کے نتیجہ میں جو نئی باتیں سامنے آئیں، اس اضافہ شدہ مواد کو ضمیمہ کے طور سے پیش کر دیا گیا ہے۔

● باوجود کوشش کے کچھ مخطوطات، کچھ فہرستیں، کچھ اطلاعات فہرست کی طباعت کے بعد موصول ہوئیں۔ ایسے مخطوطات کو ضمیمہ میں شامل کر لیا گیا ہے، اور جو کتابوں کے نام جامع فہرست میں آ چکے ہیں لیکن ان کی موجودگی سے متعلق بعض کتب خانوں کے نام آنے سے رہ گئے تھے، انھیں بھی ضمیمہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

● جامع فہرست مختلف کتب خانوں کی مطبوعہ فہارس یا مختلف اصحاب کی مرتبہ اور مرسلہ خطی فہرستوں کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہے اور مختلف فہرستوں میں بہ قرینہ غالب ایک ہی کتاب کے مختلف نام یا ایک ہی مصنف کے مختلف اسمار یا القاب کا اندراج ممکن ہے، بعض جگہوں پر کتاب کے معروف ہونے کے باوجود مصنف کا نام چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان صورتوں میں جن ماخذ سے یہ فہرست مرتب کی گئی ہے ان کے اندراجات میں حتی الوسع کوئی ترمیم نہیں کی گئی ہے اس لیے کہ بغیر تحقیق کے ان کی مطبوعہ/مرسلہ (خطی) فہرستوں میں ترمیم کرنا مناسب نہ تھا۔

● مندرجہ ذیل صاحبوں نے اپنی دسترس میں محفوظ ذخیروں اور کتب خانوں کی فہرست ارسال کی اور جامع فہرست کو مکمل کرنے میں جو معاونت کی اس کے لیے ممنون فرمایا، ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے:

، ڈاکٹر شمس الدین، شعبہ فارسی، کشمیر یونیورسٹی (شعبہ تحقیق و اشاعت کشمیر یونیورسٹی)، صلاح الدین محبوب صاحب (کتب خانہ امانتی مدراس، کتب خانہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔ ● ڈاکٹر محمد صابر، سیتامڑھی (ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال، کلکتہ، نیشنل لائبریری کلکتہ) ● شاہ امین اللہ پھلواری، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ (کتب خانہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف پٹنہ)۔ ● سید شاہ محمد اسماعیل، (ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ) ● ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، سری نگر (ریسرچ لائبریری سری نگر)۔ ● حکیم سید ظل الرحمن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ذاتی ذخیرہ) ● کاظم علی خاں، وکٹوریا سٹریٹ لکھنؤ (کتب خانہ ناصریہ، لکھنؤ)، ● ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، دانشکدہ، ملکی محلہ، آرہ (ذاتی ذخیرہ) ● سید شاہ شمیم منعمی، خانقاہ منعمیہ، ملا میتن گھاٹ، پٹنہ سٹی (کتب خانہ خانقاہ منعمیہ پٹنہ سٹی) ● سید شاہ

منظر حسین، خانقاہ پیر دمڑیا، خلیفہ باغ، بھاگلپور (کتب خانہ خانقاہ پیر دمڑیا، بھاگلپور)۔ ڈاکٹر رحمت علی خاں، سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد (سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد)۔ ڈاکٹر عطا کریم برق (کرزن گلشن، کلکتہ)۔ محمد عارف صاحب (عطا بخش لائبریری، ٹونک، راجستھان، مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ)۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی (کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ہردیال (ہارڈنگ) لائبریری، دہلی، دہلی یونیورسٹی لائبریری، دہلی، درگاہ شاہ ابوالخیر، چتلی قبر دہلی، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ، ضلع مظفرنگر، گورنمنٹ اورینٹل لائبریری، آندھرا پردیش)۔ مفتی محمد ظفیر الدین (کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور)۔ عبدالرزاق فاروقی صاحب (پروین رحمانیہ (کتب خانہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز)۔ اعجاز ترمذی صاحب، لکھنؤ (کتب خانہ ناصریہ، لکھنؤ)۔ محمود حسن قیصر صاحب، علیگڑھ (مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ)۔ سید نظام الدین کاظمی صاحب (لائبریری انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، دہلی۔ رضا لائبریری، رام پور۔ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد۔ کتب خانہ ابوالحسن زید فاروقی۔ نیشنل میوزیم، دہلی۔ ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ۔ کتب خانہ مدرسہ محمدی، مدراس)۔ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی، علیگڑھ (ذاتی کلکشن)۔ انور شاہ صاحب، علیگڑھ (جواہر میوزیم، علیگڑھ)۔ مظفر علی بن علیم الدین بلخی صاحب (ذخیرہ بلخیہ، فتوحہ، پٹنہ)۔ رئیس احمد نعمانی صاحب (ندوۃ العلماء، لکھنؤ)۔ عطا خورشید صاحب (خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ، گیا (کتب خانہ خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ، گیا)۔ مجتبیٰ علی خاں صاحب، مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ (مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ)۔ ڈاکٹر رفیقی، شعبۂ تاریخ، کشمیر یونیورسٹی (اورینٹل ریسرچ ڈپارٹمنٹ، سری نگر)۔ ڈاکٹر محمد افضل اقبال (کتب خانہ سعیدیہ، حیدرآباد)۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف، دانشگاہ مدراس (کتب خانہ گورنمنٹ، مدراس)

● مختلف حضرات سے درخواست کی گئی تھی کہ اس فہرست سے متعلق اجمالی طور پر یا تفصیلی طور پر اپنی رائے پیش کریں تاکہ ان کی آرا کی روشنی میں تصحیح کا کام کیا جا سکے۔ ہم مندرجہ ذیل لوگوں کے شکرگزار ہیں کہ انھوں نے اجمالی / تفصیلی رائے سے معاونت کی: محمود حسن قیصر صاحب۔ ڈاکٹر نجم الدین علی خاں صاحب۔ ڈاکٹر رحمت علی خاں صاحب۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب۔ ڈاکٹر وحید اشرف صاحب اور ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب۔ آخر الذکر دونوں فاضلوں نے اپنے دو طبع شدہ مقالے بھی عنایت کیے جن کا اس مجموعے میں اضافہ کر دینا بہت مناسب لگا۔

● بعض کتاب خانوں / ذخیروں کی فہرستیں بعد میں موصول ہوئی ہیں اس لیے فہرست مخففات میں ان کی تفصیل شامل نہیں کی جا سکی، ذیل میں درج کی جاتی ہے:

سعیدیہ	= کتب خانہ سعیدیہ، حیدرآباد	سہارنپور	= جامعہ مظاہر العلوم، سہارنپور
شبلی / ندوہ	= شبلی لائبریری ندوۃ العلماء، لکھنؤ	کاکوری	= خانقاہ کاظمیہ، کاکوری شریف
کاندھلہ	= مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ مظفرنگر	ہندو یونیورسٹی	= بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس

●●

ضمیمہ

جامع فہرست میں ان کتابوں کے نام مختلف اسباب کی وجہ سے چھوٹ گئے ہیں انھیں اس ضمیمہ میں شامل کیا گیا ہے

	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۱	آداب الذکر	فضل اللہ اصفہانی	علیگڑھ	۱۲۸۱	تائید الحق	محمد ظہور اللہ	ٹونک
	الباب الناس در ترک دنیا	محمد ... واعظ	پھلواری		تحفۃ الابرار فی مناقب الابرار	عزیز اللہ ...	علیگڑھ ٹونک
	احسانیہ	شاہ نظام الدین بلخی	[illegible] احمد آباد		تحفۃ السعداء		پٹنا
	احسن الشمائل	خواجہ کمال ...	علیگڑھ		ترجمہ خطبۃ البیان	خواجہ ...	علیگڑھ
	احوال سید برکت اللہ عشقی و فتح نظام ضمیرہ		”		ترجمہ عوارف المعارف	قاسم ... خطیب م ۹۲۳ھ	علیگڑھ
	احوال شاہ ... مارہروی	برکات ... مارہروی م ۱۱۴۲ھ	”		ترجمہ عین العلم	ملا ... الدین ... آبادی	دیوبند
	احوال شاہ برکت اللہ و دیگر آباء کرام		”		ترکیب ختم تسبیح درود	محمد احمد بن شیخ علی بلگرامی چشتی	علیگڑھ
	اسرار النقاط فی معرفۃ ... الاکابر	محمد عثمان بن محمد ابی بکر ...	ہمدرد		تعلیمات الاولیاء		ٹونک
	اصطلاحات صوفیہ		ٹونک		تکملہ ... محمدیہ	محمد احمد بلگرامی	علیگڑھ
	اصطلاحات صوفیائے کرام		ٹونک	۴۲۹	تنبیہات	عاقل عاشق محمد	”
۲۱	اصول حافظیہ		ٹونک		تنبیہ الغافلین	جلال الدین احمد ... ستانی	”
	اعمال اشغال سلسلہ ...		علیگڑھ		جمعات شاہ علم	سید محمود بن عبداللہ ...	”
	افادات خواجہ دولہ		خدابخش		جنت الفردوس	نصیر الدین بن منجو	”
	اقتباس الانوار ترجمہ ...	مترجم محمد حافظ حسین	منشی		جوابات چہار سوالات	شاہ مدار م ۸۳۸ھ	”
	الف الانسانیہ	خواجہ ...	خدابخش		جواب الادات برکت ...		”
	البیانات خواجہ معین الدین چشتی		[illegible]		چہار در مراتب عرفان		ٹونک
	بحر زخار	وجیہ الدین اشرف	علیگڑھ ...		چہار انوار ...	برکت سید عشقی م ۱۱۴۲ھ	علیگڑھ
	بحر طویل		ٹونک		چہل ناموس	ضیاء الدین نخشبی	خدابخش
	بحر الغیب		ٹونک		چہار عنوان	خواجہ افضل کاشی	”
	بحر المعانی	محمد نصیر الدین	خدابخش		چہار کلمہ	احمد بن جلال کاشانی	”
	... رسالہ	خواجہ افضل کاشانی	خدابخش		حاشیہ ...	نجات اللہ شاہ	علیگڑھ
	... مجلس	ضیاء الدین نخشبی	گیا		حالات شاہ کریم اللہ	سید ... شاہ ... م ۱۲۰۶ھ	”
۲۲۶	پندنامہ		خدابخش	۲۳۸۰	حاشیہ سراج ...		”

[illegible] فاروقی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۲۰۸	حالات شاہ علیم الدین چشتی		علیگڑھ	۲۲۰۰	رسالہ استدلال الاقرہ		خدابخش
	حالات ابن انصاری		״		رسالہ اسماء الٰہی		ٹونک
	حقیقت الحقائق	[illegible]	علیگڑھ		رسالہ امام جعفر و فقر		خدابخش
	حقیقت حید و تحقیق بعض دعا	نظام الدین تھانیسری (۱۰۲۳ھ)	״		رسالہ اوراد چشتیاں	عبد الرحمن چشتی م ۱۰۹۴ھ	علیگڑھ
	الحقیقۃ المحمدیہ (ترجمہ)	وجیہ الدین گجراتی	آصفیہ، خدابخش، رضا		رسالہ بر رسالہ طریقت		خدابخش
	حقیقت معرفت	بڈھن شاہ قلندر (م ۷۲۲ھ)	دیوبند		رسالہ برہان الواصلین	گیسو دراز	ٹونک
	حلوائے ظہوری	شاہ نور محمد	فضل الرحمن		رسالہ بندگی	شیخ جمال الحق ہانسوی	گیا
	خزائن الاسرار فی ذکر الابرار	حاتم علی شاہ پوری	علیگڑھ		رسالہ تصوف در بیان عشق		ٹونک
	خلاصۃ الارشاد (دیباچہ)	محمد نور اللہ	״		رسالہ توحید	مرزا محمد افضل	خدابخش
۲۲۶۰	خلاصۃ الخلاصہ	ونی لال بن بال چند	״	۲۲۱۶	رسالہ توحید		ٹونک
	خوان شکر (احوال حضرت گنج شکر)	نور محمد جانپوری	دیوبند		رسالہ توحید وجودی		״
	دائرہ جنت		خدابخش		رسالہ الجہات	عزیز نسفی	״
	در تعلیم	عبد العلی ابن حسین (مترجم)	پھلواری		رسالہ جلال الدین حسینی		خدابخش
	دقائق الحقائق	عنایت اللہ حسینی (مترجم)	پیر محمد شاہ		رسالہ چہار برادر	شیخ حسن طاہر احمد چشتی	علی گڑھ
	دقیقۃ السالکین	[illegible]	گیا		رسالہ حبل کاف		پھلواری
	راحت القلوب	شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	پٹنہ		رسالہ حل لاینحل	جامی	خدابخش
	راز تصوف	جمال الدین احمد اردستانی	علیگڑھ		رسالہ حواس خمسہ		ٹونک
۲۲۹۰	رسالہ آداب الذکر	جعفر محمد (ابو سعید قلندر)	ٹونک	۲۲۲۴	رسالہ خواجہ معین الدین چشتی		پیر محمد شاہ
	رسالہ ابدالیہ	یعقوب چرخی م ۸۲۸ھ	خدابخش، علیگڑھ		رسالہ دائرہ وجودیہ	شیخ رکن الدین	ٹونک
	رسالہ اثبات الحب	خواجہ محمد پارسا	خدابخش		رسالہ در اثبات علم اصلی	[illegible]	״
	رسالہ اجوبہ	سید علی ہمدانی	ٹونک		رسالہ در اذکار	عبد الملک بن علی صدیقی	علیگڑھ
	رسالہ اسائیہ	شیخ نظام الدین تھانیسری	علیگڑھ		رسالہ در اذکار و اشغال		״
	رسالہ اذکار معراجیہ	عبد الرزاق بن شاہ الحمی	״		رسالہ در اذکار و سلوک	محمد حسن بن نور محمد گجراتی	״
	رسالہ اذکار	عبد اللہ صدیقی	״		رسالہ در بیان توحید	[illegible]	״
	رسالہ ارشاد السالکین (ارشاد الطالبین)				رسالہ در بیان خانقاہ شیخ [illegible]		״
۲۳۰۱	رسالہ اساس الاذکار		ٹونک	۲۲۳۲	رسالہ در بیان سلسلہ نقشبندیہ	[illegible]	[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۲۳۳	رسالہ بیان اہل [illegible]	سید محمد	ٹونک	۲۲۳۰	رسالہ صوفی حمید الدین ناگوری		بخش
	رسالہ بیان نکات	محمد جلال	"		رسالہ صوفیہ	محمد حیات سیالکوٹی	ٹونک
	رسالہ تنبیہ ذکر اطاعت		علیگڑھ		رسالہ لمعات	خواجہ علی دشتی	علیگڑھ
	رسالہ در تصوف	بندہ اللہ شاہ	ٹونک		رسالہ عبد اللہ شطاری		خدابخش
	ایضاً	نصیر الدین چراغ دہلی	علیگڑھ		رسالہ شناخت بادن		خدابخش
	ایضاً	علی متقی	"		رسالہ عجیبہ در معرفت	محمود اسلم	ٹونک
	ایضاً	محمد گل عبد اللہ صادق	"		رسالہ غوث الاعظم		خدابخش
	ایضاً	آل الدین حمزہ بگرامی	"		رسالہ عین المعرفت		خدابخش
	ایضاً	خواجہ حسن عطا	"		رسالہ فوائد الاذکار	یعقوب چرخی	ٹونک
۲۲۴۳	رسالہ در ذکر حضرت بدیع الدین شاہ مدار	عوض علی	"		رسالہ مختصر در تصوف		پھلواری
	رسالہ در شرح ذکر لا الہ الا اللہ	احمد بن جلال کاشانی	"	۲۲۴۰	رسالہ مراتب عوالم خمسہ	شیخ محمد	علیگڑھ
	رسالہ در ذکر خواجہ اسحاق ختلی		"		رسالہ معین الدین چشتی		خدابخش
	رسالہ در علم تصوف		ٹونک		رسالہ مقامات	شیخ فرید الدین	ٹونک
	رسالہ در فقر و فقرا		"		رسالہ ملفوظات		ٹونک
	رسالہ در مراتب توحید		"		رسالہ مکیہ	شیخ نجیب الدین فردوسی	گیا
	رسالہ در وحدۃ الوجود		"		رسالہ وجودیہ چشتیہ	خواجہ بیری	علیگڑھ
	رسالۃ الذکر	عبد الجبار بن عبد الوہاب	علیگڑھ		رسالہ وجودیہ	میر سید شریف الدین	ٹونک
۲۲۵۱	رسالہ ذکر قلندریہ	خواجہ عبد الرسول عرف حضرت شاہ [illegible] لاہوری	گیا	۲۲۸۸	ایضاً	بدیع الزماں	ٹونک
	رسالہ رمز العاشقین		خدابخش		رسالہ وحدت الشہود		ظل الرحمن
	رسالہ روح	محمد بن ابی سعید کالپوی	علیگڑھ		رسالہ وصول	نجم الدین کبریٰ	علیگڑھ
	رسالہ روح و نفس	عبد الجلیل الہ آبادی	"		رسالہ وصول		"
	رسالہ روح و نفس	اشرف الدین	"		رسائل الارشاد	محمد خلیل اللہ نقشبندی	"
	رسالہ سوال و جواب	خواجہ محمد پارسا	خدابخش		روائح	علی محمد بن ابی سعید	ٹونک
	الرسالۃ الشریفہ	حضرت [illegible]	ٹونک		روح نامہ	مرزا کابلی بیگ	"
	رسالہ [illegible]		خدابخش		روضۃ التواتر شرح رباعیات [illegible]		
۲۲۵۹	رسالہ [illegible]	محسن [illegible]	ٹونک	۲۲۸۵	زاد الآخرۃ	غزالی	[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۴۸۹	زبدۃ العارفین	شاہ عبدالرحمٰن	ٹونک
	زنجبیل نعمت ربیہ	میر شمس الدین قادری	گیا
	سالہ پیر از شاہان	خواجہ افضل الدین کاشانی	خدابخش
	سراج الابرار		ٹونک
	سراج السادات	عبدالقادر	علیگڑھ
	سراج الہدیٰ	خواجہ جام پوری	دیوبند
	سراج الہدایت	احمد سیاہ پوش ہروی	علیگڑھ
	سرور الصدور	صوفی حمیدالدین ناگوری م ۶۷۳	״
	سنابل الانوار فی سیر الابرار	نوازش علی بلگرامی ابن حضرت ...	״
	سلسلۂ قادریہ	مولوی اسمٰعیل	ٹونک
۲۴۹۹	سلم السموات	ابوالقاسم گازرونی	علیگڑھ
	سوال و جواب داراشکوہ و بابا لال		״
	سوانح العشاق	شیخ عبدالکریم لاہوری	ٹونک
	شجرۂ سلسلہ خواجہ نقشبند	محمد حسین ابن عبداللہ قزوینی	علیگڑھ
	شجرۂ سلسلہ رفاعیہ		ظل الرحمٰن
	شجرۂ سلسلہ قادریہ		علیگڑھ
	شرح اسماء الحسنیٰ	یعقوب بن عثمان غزنوی (م ...)	״
	ایضاً	عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲)	״
۲۵۰۷	ایضاً		״
	شرح برہان العاشقین		ٹونک
	شرح چہل کاف	ارتضیٰ خان گوپاموی	علیگڑھ
	شرح خیر المطالب		״
	شرح دلائل الخیرات	محمد فاضل بن محمد عارف	پھلواری
	شرح رباعی		ٹونک
	شرح رباعیات	احمد بن جلال کاشانی	خدابخش
۲۵۱۴	شرح شطرنج عالمیہ قلندریہ	محمد اکبر	علیگڑھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۵۱۷	شرح عوارف المعارف موسوم بہ مصباح الہدایۃ و مفتاح الکفایۃ	عزالدین بن علی الکاشانی	خدابخش
	شرح عین العلم		ٹونک
	شرح کنت کنزاً مخفیاً		علیگڑھ
	شرح لوائح	عبداللہ مہدی	ٹونک
	شرح مجلس المیزان		״
	شرح نزہۃ الاسرار	لال اللہ نوری	״
	شرف الباس	محمد بن احمد قلندری	علیگڑھ
	الشفیع المشفع	امام ابن ...	گیا
	ضیاء القلوب	احمد پرہم پوش	خدابخش
	عبادات الخواص	محب اللہ الہ آبادی	علیگڑھ
۲۵۲۴	عرفان الحق	سید محمد علی	ٹونک
	عرفانیہ	صدرالدین قطب العالم شاہ	علیگڑھ
	عقائد الصوفیہ	فیروز الصوفی م ۱۲۱۵ھ	رضا
	علیہ	احمد بن جلال کاشانی	خدابخش
	عین المحبت	یعقوب بن صالح	علیگڑھ
	فتح العارفین	محمد ثناء اللہ	ٹونک
	الفرق ...	میر محمد یوسف بلگرامی	علیگڑھ
	فوائد	شرف الدین احمد یحییٰ منیری	خدابخش
۲۵۳۰	فوائد نقشی	خواجہ حسن مودودی	״
	قربۃ ...		علیگڑھ
	القول الجلی	محمد عاشق پھلتی	کاکوری
	کاشف الاسرار شرح ...	حسن بن حسین بلخی	خدابخش پٹنہ
	کتاب علوم در ذکر اولیاء		ٹونک
	کرامات شاہ گدا		علیگڑھ
	کشف الارواح	جلال الدین احمد ...	״
۲۵۳۸	کفایت ...	علی المتقی (م ۹۷۵ھ)	علیگڑھ، ٹونک

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۲۵۲۸	کلمۃ الحق	حکیم محمد منیر حسن بلہوری	گیا	۲۵۶۲	مجموعہ رسائل		ٹونک
	الکلمۃ العلیا فی آتاب البلاغ ذالحبر	غضب اللہ الہ آبادی	علیگڑھ		مجموعہ رسائل	عبداللہ انصاری	علیگڑھ
	کلمات الاسرار	خلعت اللہ بے خبر	خدابخش		مجموعہ رسائل		"
	کنز الدقائق	جلال الدین احمد اردستانی	علیگڑھ		مجموعۃ المحققین	جلال الدین احمد اردستانی	"
	کنز الہدایات	محمد باقر بن شرف الدین بالی پوری	"		مخزن احمدی	محمد علی	" دیوبند
	کنز الشمائل	نور محمد جہانپوری	دیوبند		مرأۃ النور	علی محمد شوق الحسینی	علیگڑھ
	گل و نوروز	احمد بن جلال الدین کاشانی	خدابخش		مرآۃ المعانی فی معرفۃ حرکات احمدی	احمد فاضل مدری	"
	گنج مخفی	فرید الدین عطار	ٹونک		مرآۃ العاشقین	حافظ کرمانی	خدابخش
	گنجینۂ اسرار	شاہ محمد تقی بلخی	بلخیہ		مرآۃ مداری	عبدالرحمن چشتی	علیگڑھ، خدابخش
	لب الاسرار	مرزا مظہر جان جاناں	علیگڑھ		مرشد السالکین	ابو محمد عبداللہ بن ابو القاسم	
۲۵۴۸	لطائف الحقائق		ٹونک	۲۵۷۳	مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات		پھلواری
	لطائف السلوک المحمدیہ	غلام جیلانی	علیگڑھ		مرغوب القلوب	شمس تبریزی	{ علیگڑھ، ٹونک، فرنگی محل }
	لطائف شاہ میر		"		ایضاً	نظام الدین اولیا	علیگڑھ
	لطائف المرید المراد	غلام جیلانی	"		مرغوب القلوب		خدابخش
	مبادی وجودات نفسانی	خواجہ افضل کاشانی	خدابخش		مسلک العارفین	خواجہ محمد پارسا	علیگڑھ
	مجالس الحسینیہ	محمد چشتی	علیگڑھ		(رسالہ) مشارب الاذواق	سید علی ہمدانی	ٹونک
	مجالس العشاق	حسین مرزا (م ۹۱۱ھ)	"		مشیر الانوار	ضیاء الدین احمد	"
۲۵۵۵	مجامع ریاض		خدابخش	۲۵۸۱	مصباح الارواح		علیگڑھ
	مجمع الاولیاء	علی اکبر حسینی اردستانی	علیگڑھ		مطلوب العشاق	قادر بخش قادری	ٹونک
	مجموعہ مکاتیب		پھلواری		مظہر الحق فی بیان الاحد الملی	کمال الدین حسینی	علیگڑھ
	مجموعہ راز	میر محمد صالح کشفی (م ۱۰۶۰ھ)	دیوبند		مطلع الفرقان	عبدالقدوس گنگوہی	ٹونک
	مجموعہ رسائل و مکتوبات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) (۱۰۶ مکتوبات)	دیوبند		معارف سنہ	محمد حسین نقشبندی	گیا
	مجموعہ رسائل (۵ رسالے)		"		معدن الاسرار	ملا علاء الدین فرنگی محلی	خدابخش
	مجموعہ رسائل (۲ رسالے)		"		معرفت الارواح		علیگڑھ
	مجموعہ رسائل (۸ رسالے)		"		معرفت النفس		"
۲۵۶۳	مجموعہ رسائل	سید علی ہمدانی	"	۲۵۸۹	معلومات اسرار القلوب مخزونات انوار الغیوب	جلال الدین احمد اردستانی	"

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۵۹۰	معمولات اشرف	سید شاہ عطا حسین فانی گیاوی	گیا	۲۶۱۵	مکتوبات حضرت شاہ ابوالبرکات منعمی	شاہ ابوالبرکات منعمی	گیا
	معنی ابجد		خدا بخش		مکتوبات رفاعی	سید ظہیر الدین بن نجم الدین	علیگڑھ
	مفتاح الحوائج (احوال حشم بختیار کاکی)	نور محمد چاند پوری	دیوبند		مکتوبات شاہدی	امیر سید عبدالواحد بلگرامی (م ۱۰۱۷ھ)	”
	مفتاح الراحت (شاہ عبدالہادی امروہوی کے ملفوظات)	شاہ فاضل علی بخاری	ٹونک		مکتوبات شرف الدین احمد یحییٰ منیری		”
	مفتاح العاشقین (ملفوظات چراغ دہلی)	محب اللہ	علیگڑھ		مکتوبات شاہ حسن علی	مخدوم شاہ حسن علی مینی عظیم آبادی	گیا اسلامیہ
					مکتوبات شیخ مسعود (بنام ولی بیگ)		علیگڑھ
	مقالات شاہ عبدالعزیز دہلوی		ٹونک		مکتوبات قطب الدین شطاری		خدا بخش
	المقصد الاقصیٰ	علی المتقی (م ۹۷۵ھ)	علیگڑھ		ملفوظات حضرت انصاری		ٹونک
	مقصد یتیم در کتاب	شاہ حبیب اللہ قنوجی	”		ملفوظات حضرت ہاشم		”
	مکاتبات کاشی و سمنانی	علی اکبر مودودی (مرتب)	”		ملفوظات سید اشرف سرونجی		”
	مکاتیب		”		ملفوظات شاہ عطا حسین فانی گیاوی	مرتبہ سید شاہ محمد حسین [illegible]	گیا
۲۶۰۰	مکاتیب (پانزدہم)		ظل الرحمن	۲۶۲۶	ملفوظات خواجہ خورد (ک ۱۰۱۱ھ)		علیگڑھ
	مکاتیب شیخ محمد عشقی		ناصری		ملفوظات شیخ فخر (م ۱۲۳۸ھ)		”
	مکتوب بقتل بعد الثانی	محفوظ	علیگڑھ		ملفوظات عبداللہ [illegible] (م ۱۰۰۰ھ)		”
	مکتوب بنام صاحب البرکات	سید سلطان	”		ملفوظات محمد زماں	ابراہیم بیگ	”
	مکتوب بنام میر محمد اشرف	برکت اللہ عشقی	”		مناجات عبداللہ انصاری		خدا بخش، نواز
	مکتوب خواجہ گیسو دراز		”		مناقب الاسرار	عنایت اللہ بن [illegible] (م ۱۰۴۹ھ)	علیگڑھ
	مکتوب در عشق	نظام الدین اولیا	”		مناقب شیخ عبدالقادر جیلانی		”
	مکتوب شاہ مدار		”		مناقب [illegible]	عبد [illegible]	”
	مکتوب شیخ عبدالاحد		ٹونک		منتخب سراج الطلبہ	البرقی	ٹونک
	مکتوب غوث الاعظم		خیریہ، خدا بخش		المنتخب المعروف	محمد معروف	علیگڑھ
	مکتوب محمد صادق سرہندی		علیگڑھ		مونس الطالبین	محمد بن بابر بن محمود بن جلال البخاری	”
	مکتوب [illegible]		خدا بخش		الموجز شرح التلخیص	ابوالمعالی	”
	مکتوبات (کتابت ۱۰۳۹)		علیگڑھ		[illegible] خواجہ	حکیم محمد [illegible]	گیا
	مکتوبات امام ربانی	یار محمد چشتی	”		نسخہ [illegible] نامہ		خدا بخش
۲۶۱۳	مکتوبات [illegible]	نعیم اللہ بہرائچی	یونیورسٹی علیگڑھ	۲۶۴۰	نسخہ [illegible]		[illegible]

* [illegible] شاہ اسحاق

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۲۶۳	نسخہ نقشبندیہ		ٹونک	۲۷۳	واردات فریدین	بدرالدین (جامع)	ٹونک
	نصائح الولد المشتغل		"		وحدت مشاہدات	(خواجہ اجمیری)	"
	نصیحت طالب بندہ	محمد بن سید محمد کالپوی	علیگڑھ		وصیت نامہ	شیخ قطب الدین منور ہانسوی	گیا
	نصیحۃ السالکین	احمد بن جلال کاشانی	"		ہدی الطالبین	نجم الدین محمود اصفہانی	خدابخش
	نور اسرار	شاہ غلام حسن حنفی	پٹنہ		ہشت بہشت	خواجہ گیسو دراز	علیگڑھ
	نفحات [illegible]		خدابخش		ہفت احکام	محب اللہ الہ آبادی	خدابخش لکھنؤ
	نکات حسینیہ	حسین بن عالم	ٹونک		ہفت اورنگ	جامی	ٹونک
	نکات		علیگڑھ		ہفت تسبیح	خواجہ محمد الحکیم الترمذی	علیگڑھ
	نکتہ ہائے وحدت		دیوبند	۲۸۱	ینبوع الحیاۃ	خواجہ افضل الدین کاشانی	خدابخش
۲۷۲	نور الابصار احوال خواجہ [illegible]	نور محمد [illegible]	دیوبند				

عربی مخطوطات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
۶۸۲	الاجوبۃ اللائقہ	ابن عربی	آصفیہ	۶۹۴	[illegible] للابتداء فی شرح [illegible] عبداللہ الحسنی	ابو عبداللہ [illegible] بن یوسف [illegible] (م ۹۲۲ھ)	"
	الاحادیث المسموعۃ من مکۃ لابی بکر طاہر بن حسان البصری	وجیہ الدین عبدالرحمٰن	علیگڑھ		تقریب الطرق الی اللہ	نجم الدین الکبریٰ	خدابخش
	احکام الدلالۃ	زکریا بن محمد الانصاری	آصفیہ		[illegible] وشرحہا	ابوالعباس احمد بن علی البونی	علیگڑھ
	الاربعین فی التصوف		سالار		بدایۃ السالکین	خواجہ محمد بن عبدالرحمٰن [illegible]	رضا
	ارشاد السلوک فی مناقب احمد کبیر الرفاعی		علیگڑھ		[illegible]	عبدالاحد بن شیخ محمد سعید (۱۱۷۱)	علیگڑھ
	ارشاد المریدین	ابن عربی	"		البرہان [illegible] فی شرح [illegible]	علی المتقی	"
	ارشاد المرید	یوسف بن [illegible]	خدابخش	۷۰۱	البرہان [illegible]	علی المتقی (م ۹۷۵ھ)	"
	اسرار النقط	سید علی ہمدانی	اسلامیہ		التحفۃ المرسلہ	ابو سعید مبارک [illegible]	پٹنہ
	اصطلاحات الصوفیہ	ابن عربی	علیگڑھ		[illegible]	علی المتقی (م ۹۷۵ھ)	علیگڑھ
	ایضاً		آصفیہ		[illegible]	محمد عاشق پھلتی	رضا
	ایضاً	شیخ الحسن	ٹونک		[illegible]	الغزالی	ٹونک
۶۹۳	[illegible]	ابن عربی	علیگڑھ	۷۰۵	[illegible]	عبدالاحد بن شیخ محمد سعید [illegible]	علیگڑھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
٨٠٣	[illegible] الخانی	ارشاد حسین الرامپوری	علیگڑھ	٨٣٣	الروض الفائق	ابو مدین شعیب بن [illegible]	رضا
	جوامع الکلم	علی المتقی م ۹۷۵ھ	رضا		زبدۃ [illegible] فی شرح [illegible] المعارف		آصفیہ
	جواہر خمسہ	ترجمہ [illegible]	علیگڑھ		سبل [illegible]	شیخ محمد البکری	علیگڑھ
	الجوہر [illegible]	ارشاد حسین الرامپوری	٫٫		سلوک [illegible]	علی المتقی م ۹۷۵ھ	٫٫
	حجۃ القانتین بعدم [illegible] السماع والجواب [illegible]		٫٫		سوالات تصوف مع جوابات	قونوی	ناصریہ
	رسالہ [illegible] الاخوان		رضا		شجرۃ [illegible]	الامیر	علیگڑھ
	رسالہ [illegible] التوحید	عبدالرشید گنگوہی	ٹونک		شرح [illegible]	محمد بن یعقوب [illegible] م ۸۸۰ھ	٫٫
	رسالہ ارواح	روزبہان	ناصریہ		شرح فصوص	شمس الدین بن شرف الدین	آصفیہ
	رسالہ اسرار الارواح	ابن عربی	ٹونک		شرح کتاب التجلیات		ٹونک
	رسالہ اصطلاحات صوفیہ		ناصریہ		شرح کتاب تصوف	صاحب تنویر	ناصریہ
	رسالہ [illegible]		٫٫	٨٤٢	شرح مقام التوحید	عبدالکریم بن [illegible]	ٹونک
٨١٧	رسالہ تصوف		آگرا		شواہد [illegible]	صدر الدین شیرازی م ۱۰۵۰ھ	علیگڑھ
	رسالہ شیخ [illegible] سالار		ٹونک		طریقت نامہ		خدابخش
	رسالہ [illegible] الوجود	بحر العلوم	رضا		[illegible] التعریف [illegible]	محمد بن محمد الجزری	آصفیہ
	رسالۃ الطیر	الغزالی	ٹونک		عقائد الصوفیہ	فیروز الصوفی م ۸۱۶ھ	رضا
	رسالہ فی بطلان وحدۃ الوجود [illegible] ابن عربی و تکفیرہ		علیگڑھ		عقد [illegible] فی الذکر وطریق الالباس والتلقین		علیگڑھ
	رسالہ فی التصوف	محمود [illegible]	٫٫		غایۃ [illegible] فی معرفۃ [illegible]	علی المتقی	٫٫
	رسالہ فی [illegible] الحکم وتخصیصہا	التفتازانی م ۷۹۱ھ	٫٫	٨٤٩	فوائح الجمال و فواتح الجلال	نجم الدین کبری	رضا
	رسالہ فی السلوک	الغزالی	رضا		فوائد من کلام [illegible]		علیگڑھ
٨٢٥	رسالہ فی [illegible] السلسلۃ النقشبندیۃ		آصفیہ		قلادۃ الطریق [illegible]	احمد بن ابراہیم الواسطی	٫٫
	رسالہ فی معانی التصوف		رضا		القصد الی اللہ	ابو القاسم محمد الجنید البغدادی م ۲۹۷ھ	٫٫
	رسالہ فی مقامات اہل تصوف		علیگڑھ		قواعد العقائد	الغزالی	آصفیہ
	رسالہ قدسیہ	ابن عربی	ٹونک		[illegible]	ابن عربی	آصفیہ
	رسالہ [illegible] الارواح [illegible]		آصفیہ		صید الخاطر	ابن الجوزی	رضا
٨٣٠	رسالہ من [illegible]		٫٫	٨٥٤	کتاب [illegible] فی الدین	الغزالی	٫٫
٨٣١	رسالہ ابن عربی	ابن عربی	علیگڑھ				

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۸۵۷	کتاب الالمام	ابن عربی	ٹونک
	کتاب [illegible]	ابن عربی	"
	کتاب التنزلات الکونی	ابن عربی	آصفیہ
	کتاب الاشارات	ابن عربی	ٹونک
	کتاب [illegible] ک۔ ۲۸۰ھ	ابن ابی الدنیا ۔ ۲۸۰ھ	رضا
	کتاب التصوف		"
	کتاب التصوف	ابن عربی	ٹونک
	کتاب التجلیات فی [illegible]	محمد بن محمد بن خلیل الحسینی	بلخیہ
	کتاب روح القدس	ابن عربی	خدابخش
	کتاب الصبر والرضا ک۔ ۲۴۳ھ	حارث ابن اسد المحاسبی ۲۴۳ھ	"
	کتاب الصلوٰۃ [illegible]	محمود بن محمد بن ابراہیم الخالقی	دیوبند
	کتاب عمدۃ المرشدین و عدۃ المسترشدین	شہاب الدین احمد بن ابی بکر الرداد القرشی	بلخیہ
۸۶	کتاب فی اخلاق الصوفیہ		آصفیہ
	کتاب فی التصوف		علیگڑھ
	کتاب الکشف والبیان فی معرفۃ حقیقۃ الانسان	الامین ابن صدیق	بلخیہ
	کلام المتجلی بحقیقت [illegible] البرزخی	وکیل احمد سکندرپوری	دیوبند
	لب الاحیاء		رضا
	لب الالباب	ابن عربی	ٹونک
	ماہیۃ القلوب	ابن عربی	"
۸	مجالس الابرار	احمد الرومی (م۔ ۱۰۴۰ھ)	بہار
	مجالس الابرار	احمد بن عبد القاہر [illegible]	رضا

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کتاب خانہ
۸۸۸	مجالس الاخیار و مسالک الاخیار	عبدالرحمن بن سلیمان بن یحییٰ بن عمر الحسینی	علیگڑھ
	مجمع البحرین	رکن الدین گنگوہی	ٹونک
	مجموعۃ التصوف و رسالۃ التذکرۃ	الغزالی	آصفیہ
	مجموعۃ التصوف		سالار، آصفیہ
	مجموعہ مسائل و رسائل نجات الواصلین	الغزالی	آصفیہ
۸۸۳	مدارج السالکین فی منازل السائرین		"
۸۸۴	مراتب الوجود	ابن عربی	آصفیہ
	مرقات الصعود الی صحت المعقول بوحدۃ الوجود		علیگڑھ
	مستخرج الفصوص بشرح الفصوص	علی ابن احمد	آصفیہ
	مصباح الشریعۃ		ناصریہ
	موعظۃ من قوت القلوب	ابو عبداللہ محمد بن ابی محمد المکی	دیوبند
	نتائج الحرمین	سید آدم بنوری	ٹونک
۸۹۰	نجات الرشید	عبدالقادر بدایونی	علیگڑھ
۸۹۱	نجم المہتدی شرح عین العلم	نجم الدین ابن عباس	ٹونک
	النفحات الربانیہ	محمد بن اسحٰق بن یوسف	ناصریہ
	وصیۃ [illegible] شرح طریقۃ محمدیہ	رجب ابن احمد	رضا
	ہدایۃ [illegible]	علی المتقی	علیگڑھ
	ہدایۃ الصوفیہ	صوفی ابن محمد الحسینی [illegible]	خدابخش
۸۹۶	ہدایۃ المہتدین [illegible] النفوس [illegible]	الغزالی	علیگڑھ

ضمیمہ

بالا فہرست میں سے بعض کتابوں کے ساتھ کتب خانوں کے نمبر درج ہونے سے رہ گئے ہیں انہیں معہ نمبر و اندراج کے ساتھ ذیل میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

فارسی مخطوطات

۱۵۰ ۔ تحفۃ المصنف معلوم	ص ۱۱۷ ۔ علیگڑھ	ص ۱۶۲، ۱۶۲ ۔ علیگڑھ (۱) احمد سعید ابن ابی سعید	ص ۱۷۰، ۲۰ ۔ سالار
۲۴ ۔ مزمل	ص ۱۱۷، ۹۰ ۔ گیا	مجددی دہلوی (۲)	ص ۱۷۰، ۲۶۷ ۔ علیگڑھ، ٹونک
۴۱ ۔ علیگڑھ	ص ۱۰۶ ۔ آصفیہ، علیگڑھ	ص ۱۶۲، ۱۶۵ ۔ علیگڑھ	ص ۱۶۷، ۱۹۵ ۔ علیگڑھ

۱۲۹۳۔ علیگڑھ	۵۱۹۔ پیرو [illegible]	۱۱۱۔ ندوہ	۲۱۲۹۔ علیگڑھ
۲۴۲۔ [illegible]	۱۰۰۔ گیا	۱۲۰۶۔ علیگڑھ	۲۰۴۴۔ گیا
۲۹۶۔ علیگڑھ	۱۱۲۔ گیا [illegible]	۱۲۸۸۔ گیا	۲۰۶۸۔ گیا [illegible]
۳۲۲۔ مزمل	۱۹۱۲۔ [illegible] خدابخش	۱۳۲۹۔ علیگڑھ	۲۰۶۳۔ خدابخش
۳۴۴۔ گیا	۸۱۔ علیگڑھ	۱۳۳۵ علیگڑھ	۲۱۵۹۔ علیگڑھ
۴۳۱۔ گیا	۹۲۵۔ گیا	۱۵۰۸۔ گیا	۲۱۶۲۔ علیگڑھ
۵۰۷۔ محمدرد	۱۰۰۱۔ جنبیہ	۱۷۶۰۔ خدابخش، ٹونک	۲۲۹۱۔ گیا
۵۷۹۔ خدابخش	۱۰۵۲۔ ٹونک (صفحۃ [illegible])	۱۸۴۱۔ [illegible] لائبریری	۲۳۶۴۔ [illegible]

عربی مخطوطات

۱۲۔ علیگڑھ	۲۲۵۔ علیگڑھ (مصنف [illegible] بن	۲۳۵۔ علیگڑھ (بنام الرسالۃ فی	۹۰۴۔ رضا
۵۰۔ [illegible] ...	عبدالکریم لاہوری)	[illegible])	۱۰۵۔ رضا
۲۲۲۔ ٹونک	۲۲۹۔ علیگڑھ	۲۲۴۔ ٹونک	۹۳۲۔ [illegible]

●●

تصحیح اغلاط

فارسی ملفوظات ۔ ص ۱۴/۲ ...... سلاسل بجائے ...... رسائل • ص ۱۹/۷، مصنف الاعلوم • ص ۸۸/۹، محمد بن
یحییٰ بن علی الجیلانی النوربخشی (۹۱۲ھ) • ص ۹۲/۹، مصنف سید شاہ ملا حسین خاں منعمی گیاوی م ۱۳۱۱ھ • ص ۱۳۷/۱۰.
البلاغات فی بیان سرالامہات • ص ۱۱۱/۱۲. ایراد العبارات النصیحۃ فی شرح قول علیہ السلام الدین النصیحۃ • ص ۲۱۷/۱۴
بدر اللیالی • ص ۲۰۹/۱۶، ملفوظات مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری۔ خارج • ص ۲۱۶/۱۹، خارج • ص ۲۲۹/۱۹، تسلیۃ الاکرمین
بذکر مولانا السید احمد • ۱۴ / ۲۲۷، تسلیۃ الطالب • ص ۲۲۹/۱۹، میر سید علی ہمدانی • ص ۲۵۳/۲۰، خارج • ص ۲۵۹/۲۰
خدابخش • ص ۲۶۹/۲۱، یہ مجیب رسائل ہروی کی تدوین کے ساتھ شائع ہوگئی • ص ۲۹۸/۲۲، بوالخیرات • بوالخیر • ص ۳۰۸/۲۳.
مزید دیکھیں "رسالہ جنونیہ" • ص ۴۱۳/۲۳، بمبر ۴۰۹، بجائے ۴۷۷ • ص ۴۳۳/۲۴. طبع شدہ کراچی ۱۳۸۶ھ • ص ۴۳۷/۲۴.
اس نام سے سورہ فاتحہ کی تفسیر چھپ چکی ہے • ص ۵۲۱/۲۵، مزید دیکھیے "رسالہ عشقیہ" • ص ۵۸۹/۳۰، خارج • ص ۵۹۰/۳۰
مزید دیکھیے "رسالہ گفتار فریدالدین گنج شکر" • ص ۵۹۹/۳۱، رسالہ اشارات : اشارات مخدوم بہاری • ص ۶۸۷/۳۵، رسالہ
دجودیہ بجائے جودیہ • ص ۷۲۸/۳۶، خارج • ص ۸۷۰/۴۳، مزید دیکھیں "دقیقہ" • ص ۸۷۱/۴۳، باقی باللہ بجائے باقی بن •
ص ۹۱۶/۴۵، آصفیہ (ن) : پھلواری • ص ۹۹۹/۴۹، ایضاً۔ آصفیہ • ص ۱۰۰۵/۴۹، رسالہ مہلکہ بجائے رسالہ مجلکہ • ص ۱۰۲۶/۵۰
شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری • ص ۱۰۴۰/۵۰، خارج • ص ۱۰۴۴/۵۰، زبدۃ الاولیا بجائے زندہ اولیا • ص ۱۰۵۳/۵۱، رسالہ
مشکل بر ہدایت طریقت (ناقص) شیخ حسین سوختہ بلخی • ص ۱۰۵۴/۵۱، خارج • ص ۱۱۱۶/۵۳، رسائل و ملفوظات خواجگان
چشت (۱۴ رسائل) جن میں بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ • ص ۱۱۱۷/۵۴، رسائل و ملفوظات خواجگان چشت (پانچ رسالے) میں بعض
مطبوعہ ہیں۔ • ص ۱۱۴۱/۵۵، مصنف۔ محمد اسحٰق المعروف بہ پیر دستگیر۔ • ص ۱۱۶۸/۵۶، خارج۔ • ص ۱۱۹۰/۵۸، خارج •
ص ۱۲۲۰/۵۹، خارج • ص ۱۲۴۷/۵۹، برہان بن عبدالصمد۔ غالباً مرتب • ص ۱۲۵۱/۶۰، شجرۃ الاولیا، چہار دہ خانوادہ •
ص ۱۲۶۰/۶۰، محمودیہ۔ مجددیہ • ص ۱۳۲۱/۶۳، [illegible] کبریٰ • ص ۱۳۲۶/۶۳، شرح شرح۔ شرح • ص ۱۳۳۶/۶۳، فارسی متن
مع اردو ترجمہ مطبوعہ خانقاہ منعمی گیا میں ہے • ص ۱۳۶۳/۶۵، ۱۳۶۱، بجائے ۱۶۸۲ • ص ۱۳۶۶/۶۵، خارج • ص ۱۳۶۷/۶۶
شطاریہ و دیگر ہفت رسائل • ص ۱۴۲۳/۶۶، خارج • ص ۱۴۲۵/۶۶، خارج • ص ۱۴۴۶/۶۸، صفیر سی مرغ۔ شہاب الدین
سہروردی (مقتول) • ص ۱۴۴۷/۶۸، خارج • ص ۱۴۵۴/۶۸، خارج • ص ۱۴۵۹/۶۹، خارج • ص ۱۴۷۱/۷۰، اجوبۃ الفوائد •
ص ۱۵۱۷/۷۲، فتوحات الاسرار؟ • ص ۱۵۳۹/۷۴۔۷۳، خارج • ص ۱۶۶۸/۷۹، خارج • ص ۱۶۷۷/۷۹، محمد ارشد، الفیاض
غلام رشید (م ۱۱۹۶ھ) • ص [illegible] ۱۱۱۳ھ [illegible] • ص ۱۹۲۰/۹۰، سید شہاب الدین خارج • ص ۱۹۴۶/۹۵

مجالس ۹۰ ص ۹۵/ ۲۰۴۹، شہاب الدین سہروردی۔ مرتب ۹۰ ص ۹۵/ ۲۰۷۳، مکتوبات شیخ شہاب الدین سہروردی غالباً بنام شیخ شہاب الدین سہروردی ۰ ص ۹۶/ ۲۰۷۸، شیخ محمد عارف قادری شطاری۔ شیخ محمد عارف قاضی شطاری ص ۹۷/ ۲۰۸۷، سامری۔ ساوی۔ ۰ ص ۹۷/ ۲۰۸۹ مکتوبات = × ۰ ص ۱۰۴/ سطر چار۔ رکن بن حبش سہروردی بنام عبدالسلام۔ خارج ۰ ص ۱۰۴/ ۲۲۵۹، آدم = آدم بنوری ۰ ص ۱۰۵/ ۲۲۹۲، وجود العاشقین تالیف خواجہ گیسو دراز مطبوعہ کراچی ۱۳۸۶ھ ۰ ص ۱۰۶/ ۲۳۱۰، الولد سرابیہ۔ مزید دیکھئے رسالہ الولد سرابیہ۔

عربی مخطوطات : ص ۱۰۹/ ۱۳، المحسن المحاسن ۰ ص ۱۱۳/ ۵۱ عن الاشتغال بالاشیر ۰ ص ۱۱۳/ ۱۱۴۔ تشفیف الکروس ... خارج ۰ ص ۱۱۵/ آخری سطر ۱۵۰ خلی آصفیہ، رضا خارج ۰ ص ۱۱۶/ ۱۵۷، جمال الدین محمد بن اسماعیل (عثمان) البلخی الهندی محشی عبداللہ بن سعید ۰ ص ۱۱۹/ ۲۳۴، خارج ۰ ص ۱۲۰/ ۲۶۲، قنیمی۔ غنیمی ۰ ص ۱۲۱/ ۶۰، الغزالی۔ خارج ۰ ص ۱۲۲/ ۳۱۹، م ۳۴۸ = م ۳۳۸ ۰ ص ۱۲۴/ ۲۴۳، شیخ محمد ترکی صوفی م۔ ۹۵۶ھ) پہلی سطر سے خارج ص ۱۲۴/ آخری سطر ۴۴ھ، خارج ۰ ص ۱۲۵/ ۳۷۱، رسالۃ المرید، رسالۃ المرید للمبتدی ۰ ص ۱۳۱/ ۴۸۷ ۰ = آصفیہ ص ۱۳۴/ ۱۰۱، مستجاب۔ مجاب ۰ ص ۱۳۵/ ۵۷۱، ابن محسن = ابن حسن ۰ ص ۱۳۶/ ۶۰۵، علی بن بہاء الدین بن علاء الدین عبد المجید (رضا)، محمد بن محمد البخاری (ٹونک) ۰ ص ۱۳۶/ ۶۰۱ البغدادی، البغدادی ابن ابی الدینام ۲۸۱ھ ۰ ص ۱۴۰/ ۶۸۵، البہم۔ البہم ۰ ص ۱۴۳/ ۶۴۲، آصفیہ ۰ ص ۱۳۹/ ۶۷۴، مصباح الانس شرح مفتاح الانس، مصباح الانس بین المعقول والمشہود فی شرح مفتاح الغیب جمع الوجود ۰ ص ۱۴۰/ ۶۷۵، خارج ۰ ص ۱۴۰/ ۶۸۰، بمظاہ، مظاہ، شرح مظہر، شرح مظہر ص ۱۴۰/ ۶۸۷، مظہر، مظہر، قمر الدین حبیب، قمر الدین بن منیب ۰

اشاریۂ مصنفین

مخطوطات تصوف

فارسی و عربی

اشاریہ مصنف (فارسی مخطوطات)

اشاریہ مصنف (عربی مخطوطات)

پاکستان میں

تصوّف کے مخطوطات

پاکستان میں تصوف کے مخطوطات

احمد منزوی
مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

پیشگفتار

یہ پاکستانی کتب خانوں میں محفوظ تصوف کے مخطوطات کی فہرست ہے جو فی الحال صرف فارسی مخطوطات پر مشتمل ہے (الا ماشاء اللہ' صرف بعض میں دار العلوم پشاور کی فہرست عربی کو چھوڑ کے!)۔ اس کے لیے ہم احمد منزوی اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان' اسلام آباد کے ممنون ہیں جنہوں نے 'فہرست مشترک ہای خطی فارسی پاکستان' کے نام سے حال ہی میں گیارہ ضخیم جلدوں میں متعدد فنون کو سمیٹ لیا ہے۔ تصوف (عرفان) کے لیے دو ہزار ایک سو چھتیس (۲۱۳۶) صفحات کی پوری ایک جلد مختص کر دی گئی ہے۔ جس میں ۲۸۰۰ مخطوطات کے ۱۱۵۷۲ نسخوں کا ذکر ہے۔

ہم نے منزوی کی متعلقہ جلد (پنجم) کو سامنے رکھ کر وہ تمام مخطوطات لے لیے ہیں جو طبع نہیں ہوئے اور صرف پاکستان میں موجود ہیں۔

—— ادارہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	آثار احمدی	عنایت حسین بن تیغ اللہ مارہروی
۲	آداب اہل تصوف	عزیز نسفی
۳	آداب بیعت	
۴	آداب بیعت و مریدی	
۵	آداب الخلوۃ: خلوت	عزیز نسفی
۶	آداب درویشی: معرفت	
۷	آداب صوفیہ: اصطلاحات صوفیہ: خرقہ	نجم الدین کبریٰ
۸	آداب الطالبین	
۹	آداب طریقت	محمد حسین زکوری
۱۰	آداب طریقۂ رفاعیہ	محمد رفیع الدین قندھاری
۱۱	آداب طریقت: سبقہائے طریقہ نقشبندیہ	
۱۲	آداب طریقت: آداب سجادہ نشینی: طریقت نامہ	
۱۳	آداب الفقر و شرائطہ	شیخ ابو عبدالرحمان
۱۴	آداب مبتدی: تلقینیہ	میر سید علی ہمدانی
۱۵	آداب المریدین	پیر محمد راشد
۱۶	آداب المریدین	عبیداللہ خان ابوالعلائی
۱۷	آداب المریدین	سید علی شیرازی ٹھٹھوی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۸	آداب المریدین: شرح...	عبدالقادر
۱۹	آداب المریدین: حاشیہ شرح...	
۲۰	آداب مریدین	
۲۱	آداب مریدی	شاہ طٰہٰ رضا
۲۲	آداب مریدی	
۲۳	آفاق و انفس: معرفت نامہ: معارف	شاہ نعمت اللہ ولی
۲۴	آفرینش ارواح و اجسام (بیان...) ارواح و اجسام	عزیز نسفی
۲۵	آئینہ جلی	
۲۶	ابطال الباطل	فتح علی گردیزی
۲۷	اجتناب الفقر	کبیر احمد بن ابی جمال الدین
۲۸	اجوبۂ اعتراضات دہلوی	شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ غلام علی
۲۹	احادیث اوایل: بیان...	عزیز نسفی
۳۰	احسن الشمائل	محمد کامگار
۳۱	احیاء القلوب	
۳۲	اخبار السالکین	قادری
۳۳	اخلاق العارفین	شاہ عنایت اللہ صا
۳۴	اذکار؛ کتابی در تصوف	
۳۵	الاذکار و الانوار لاولی الابصار	شیخ محمد چشتی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۶	اربع منازل: منازل اربع	پیر محمد
۳۷	ارشادات صاحب: ارشادات گردیزی	سید فتح علی حسینی معروف بہ میر فتح اللہ گردیزی
۳۸	ارشاد السالکین	محمد رضا صدیقی پھلوی
۳۹	ارشاد السالکین	شیخ قاسم اودھی
۴۰	ارشاد السالکین: وحدت وجود عقاید صوفیان	سید محمد بن فضل اللہ برہانپوری کا شیخ فتح محمد محدث برہانپوری
۴۱	ارشاد السالکین	یوسف بن شیخ محمد
۴۲	ارشاد الصالحین	شاہ محمد رضا شطاری
۴۳	ارشاد الطالبین	لطف اللہ بن شیخ عبداللہ قادری
۴۴	ارشاد الطالبین	شاہ میرا
۴۵	ارشاد الطالبین	
۴۶	ارشاد العارفین	شاہ ابراہیم گزدالہی
۴۷	ارشاد العاشقین	شاہ محمد رضا شطاری لاہوری
۴۸	الارشاد فی اسناد الاوراد	جمال الدین عبداللہ بغدادی
۴۹	ارشاد المبتدی	حافظ عبداللہ قصوری
۵۰	ارشاد المحققین	محمد آصف الدین
۵۱	ارشاد المریدین	سید چراغ گیلانی
۵۲	ارشاد المریدین	شاہ محمد رضا شطاری
۵۳	ارشاد مستقیم	ملا عبدالحق بن شیخ نور الح
۵۴	ارشاد نامہ	عبدالکریم دیروی منو
۵۵	ارشاد نامہ: اجازت نامہ و طریق بیعت	فتح علی حسینی
۵۶	ارشاد نامہ شرح...	
۵۷	ارض آگاہی	
۵۸	ارکان اربعہ	
۵۹	ازالۃ شبہات نجدیہ	غلام نبی للہی نقشبند
۶۰	اسباب المحبۃ	
۶۱	اسباق طریقۂ نقشبندیہ	فضل محمد معصومی
۶۲	اسرار الحقیقۃ	غلام محی الدین قصو
۶۳	اسرار حقیقت	مولانا ہاشم
۶۴	اسرار الحقیقۃ	
۶۵	اسرار خلوت: سیر و سلوک	متن از ابن عربی
۶۶	اسرار الدعوات	سراج الدین عبد ... شطاری
۶۷	اسرار الصلاۃ	صاین الدین علی خجندی
۶۸	اسرار الطریقت: رسالۂ غوثیہ: رسالہ در کسب سلوک	شاہ محمد غوث قادری لاہوری
۶۹	اسرار العاشقین	سید ... شیخ ...

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۰	اسرار العاشقین	شیخ عبدالقادر گیلانی
۷۱	اسرار الفقر	شیخ عبدالاحد (تسبیحی)
۷۲	اسرار قادر	محمد جان بن مولوی عبدالغفور
۷۳	اسرار قادری	سلطان باہو
۷۴	اسرار قادری : نصائح	شمس الدین بن حامد محمد گیلانی
۷۵	اسرار المشائخ	سید یوسف
۷۶	اسرار الواصلین، مکتوبات خواجہ معین الدین	خواجہ معین الدین
۷۷	اسراریہ : اسرار جلالیہ	شیخ عبدالجلیل لکھنوی چشتی
۷۸	اسم ذات	حضرت شاہ اسد اللہ
۷۹	اسناد الاشجار	غلام جیلانی دھنگی
۸۰	اسوۃ الکسوۃ	شاہ داعی شیرازی
۸۱	اشارات العرفان	محمد اسماعیل بن خداداد افغانی
۸۲	اشارات فریدی، مقابیس المجالس	خواجہ غلام فرید چشتی
۸۳	اصطلاحات رضوی : اصطلاحات صوفیان	میر کمال الدین احمد رضوی
۸۴	اصطلاحات سلسلۂ مجددیہ، ایضاح الطریقہ	شاہ غلام علی دہلوی
۸۵	اصطلاحات صوفیان	منسوب بہ ابوسعید ابوالخیر
۸۶	اصطلاحات صوفیان	نورالدین جعفر بدخشی
۸۷	اصطلاحات صوفیاں : مصطلحات صوفیہ	شاہ داعی شیرازی
۸۸	اصطلاحات صوفیاں	محمد صابر بن یعقوب صوفی (جامع)؟
۸۹	اصطلاحات صوفیاں	غلام قادر شاہ
۹۰	اصطلاحات صوفیاں	میر سید علی ہمدانی
۹۱	اصطلاحات صوفیاں	محمد فرخ شاہ نقشبندی
۹۲	اصطلاحات صوفیاں	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۹۳	اصطلاحات صوفیاں	
۹۴	اصطلاحات صوفیاں	عبدالرحیم بن عبدالکریم
۹۵	اصول : وجودیہ	شاہ نعمت اللہ ولی
۹۶	اصول خمسہ	شیخ محمد صالح
۹۷	ترجمۂ اصول السماع	متن عربی از فخرالدین زرادی دہلوی ترجمہ فارسی از ظہیر الدین
۹۸	اطوار پنجگانہ	—
۹۹	اطوار ثلاثہ	صاین الدین ترکہ خجندی
۱۰۰	اعتقادات اہل حق	ملا احمد جندی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۱	اعتقادنامہ	عبدالکریم دیروی
۱۰۲	اعتقادنامہ تحقیق الاسلام: راہ اہل سنت: اعتقادات	شاہ نعمت اللہ ولی
۱۰۳	الاعتنا فی تحقیق نحو الاستوا	ابوتراب محمد اخند اللہ
۱۰۴	اعجوبۃ العشق	شیخ محمد چشتی احمد آبادی
۱۰۵	افادۃ السالکین	شاہ دوست محمد بن شیخ لطف اللہ
۱۰۶	افسانۂ دیوانہ	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
۱۰۷	افضل الطریق	شیخ احمد کشمیری
۱۰۸	افکار مجددیہ	عالم الدین مجددی
۱۰۹	اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۱۱۰	اقرب الطرق	نورالدین علی برہانپوری
۱۱۱	اقوال بزرگان نقشبند	
۱۱۲	الفاظ چند در عشق و معرفت عشق	غلام محی الدین قصوری
۱۱۳	الہی نامہ	شیخ عبدالاحد
۱۱۴	ام الصحایف فی بیان المعارف	مسعود بیگ نخشبی البخاری
۱۱۵	امیرالکونین	سلطان باہو
۱۱۶	انتظام السلوک	یکدل
۱۱۷	انسان الکامل	عزیز نسفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۱۸	انوار: نوریہ	سید علاءالدین محمد
۱۱۹	انوار الاذکار: رسالۂ اذکار	ملا یعقوب کشمیری
۱۲۰	انیس العاشقین	ضیاءالدین نخشبی
۱۲۱	انیس العاشقین	مجتبیٰ بن مصطفیٰ لاہرپوری
۱۲۲	انیس المحبین	عبداللطیف بن محمد ہدایت اللہ
۱۲۳	انیس الموحدین	ولی محمد بن نواب احمد خان
۱۲۴	اوراد: مائۃ فوائد	حاجی غلام حسین ہالائی سندی
۱۲۵	اوراد: شرح	
۱۲۶	اوراد چشتیہ	عبدالرحمن چشتی صابری
۱۲۷	اوراد خویشگی	عبداللہ خویشگی قصوری
۱۲۸	اوراد روحی	شیخ محمد عرف شیخ لدھا بلگرامی
۱۲۹	اوراد صغیر: مختصر اوراد قادریہ شطاریہ	
۱۳۰	اوراد صمدانی	شیخ جمال بن سید حسین قادری
۱۳۱	شرح اوراد فتحیہ	متن از ہمدانی شرح از نا شناس
۱۳۲	اوراد نصیریہ	ملفوظات شیخ نصیرالدین محمود
۱۳۳	اوراد و اذکار	کمال عسکرہ ای

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۳۴	اوراد و اشغال و مراقبات	شاہ عبدالعزیز دہلوی
۱۳۵	اوراد و حزبہا	محمد بن المؤید الحموی البحرآبادی
۱۳۶	اوہام احمدی	
۱۳۷	ایمان: رسالہ.....	محمد چشتی احمد آبادی
۱۳۸	بازار عاشقان	سید محمد بن خواجہ شاہ بلخی
۱۳۹	باغ دنیا	شاہ محمد رضا شطاری قادری
۱۴۰	باقر الانوار و مراوات الاسرار	سید علی اکبر قتال
۱۴۱	بایدالست	
۱۴۲	بحر التصوف: شرح سوانح	متن از غزالی شرح از نظام الدین تھانیسری
۱۴۳	بحر المعرفہ	خورشید احمد مجددی
۱۴۴	بدیقۃ السالکین	غلام رسول نقشبندی
۱۴۵	برکات اعظم	
۱۴۶	برہان السامعین	
۱۴۷	شرح برہان العاشقین	متن از گیسو دراز شرح از عبدالغفور چشتی
۱۴۸	بستان الاوراد: وظایف نوشاہی ثانی	حافظ فضل محمد نوشاہی
۱۴۹	بستان معرفت	سید محمد شاہ قصوری
۱۵۰	ترجمۂ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع	از عبداللہ شطاری لاہوری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۵۱	بہرامشاہیہ	میر سید علی ہمدانی
۱۵۲	بہشت و دوزخ: دربیان	عزیز نسفی
۱۵۳	بیان شریعت	محمد صالح بن میر محمد امین مودودی
۱۵۴	بیان عناصر: ملفوظات خواجہ احرار	
۱۵۵	بیزاریہ	اللہ بخش بن سید صدرالدین
۱۵۶	بیعت: اقسام	
۱۵۷	پاس انفاس	منسوب بہ خواجہ عبیداللہ احرار
۱۵۸	پاس انفاس: سررشتۂ طریق خواجگان	عبدالرحمن جامی
۱۵۹	پاس انفاس، ہشت اشغال	شاہ محمد شطاری قادری
۱۶۰	پاس انفاس: دم و قدم: ہوش در دم	خواجہ عبدالخالق غجدوانی
۱۶۱	پنج گنج	حامد محمد شمس الدین گیلانی
۱۶۲	پنج معرفت: معرفت	محمد جعفر حسنی
۱۶۳	تاج نامہ	شاہ داعی شیرازی
۱۶۴	تبیین الطریق	شیخ علی بن حسام متقی
۱۶۵	تجلی خداوند بر کوہ طور: کوہ طور	
۱۶۶	تحریر الوجود المطلق	شاہ داعی شیرازی
۱۶۷	تحفہ: منتخب ملفوظات ابراہیمی	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۶۸	تحفۂ ابراہیمیہ	حسین علی محمد بن عبداللہ
۱۶۹	تحفۂ احمدیہ	شیخ احمد کشمیری
۱۷۰	تحفۃ الاخوان	شہاب الدین سہروردی
۱۷۱	تحفۃ الاذکار	بہاء الدین شطاری
۱۷۲	تحفۂ ہدایہ وہدیہ قادریہ	عبداللہ خویشگی قصوری
۱۷۳	تحفۂ دستگیریہ	مولانا غلام دستگیر قصوری
۱۷۴	تحفۃ السلوک	خواجہ محمد نقشبندی
۱۷۵	تحفۂ سعادیہ	ملک جامی
۱۷۶	تحفۃ الصلوات: صلوات بر رسول	کمال الدین حسین واعظ الکاشفی
۱۷۷	تحفۂ فرقانیہ: مکتوبات للی (للمی) ولی	قطب بن یحییٰ الیمنی
۱۷۸	تحفۃ المبتدی	نعمت اللہ عطاء اللہ
۱۷۹	تحفۂ محمدیہ	میاں حاضر یار بیگ افغان
۱۸۰	ترجمہ و شرح تحفۂ مرسلہ	متن از شیخ محمد مترجم عبدالغفور
۱۸۱	تحفۃ المعصوم	غیاث الدین بن میرک الجرمی البدخشی
۱۸۲	تحفۂ نوریہ، شرح تحفۂ سریہ	متن و شرح از عبداللہ قصوری خویشگی
۱۸۳	تعلیقات	منسوب بہ شیخ عبدالصمد مجددی
۱۸۴	تحقیقات	شاہ نعمت اللہ ولی
۱۸۵	تحقیق الایمان: رسالہ در بیان ایمان	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۱۸۶	تحقیق تقدیس لوکیل: تقدیس الوکیل	غلام دستگیر قصوری
۱۸۷	تحقیق حق	میاں غلام قادر
۱۸۸	تخلیق اللسان: رسالہ در...	
۱۸۹	تخم و برگ	
۱۹۰	تذکرۃ الذاکرین	
۱۹۱	ترتیب السلوک	عبدالکریم لاہوری
۱۹۲	ترجمہ رسالۂ محی الدین	شاہ داعی شیرازی
۱۹۳	ترجمۃ الیاقوت: ملفوظات شیخ عبدالقادر جیلانی	محمد یاقوت خان قادری
۱۹۴	ترجمۂ یوسفیہ	
۱۹۵	ترغیب العباد علی تکثیر الاوراد	زین العابدین معصوم
۱۹۶	تزکیۃ الانفاس	سجادہ محمد شمس الدین گیلانی
۱۹۷	تسکین القلوب	مرزا حسنان
۱۹۸	تسنیم المقربین فی شرح منازل السائرین	خواجہ عبداللہ انصاری
۱۹۹	تشریح حروف محمد صلی اللہ علیہ وسلم	
۲۰۰	تصریحات مجید	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۰۱	تصنیۃ القلب وتجلیۃ الروح	
۲۰۲	تصوف نامہ	خواجہ حافظ بخش ملتانی
۲۰۳	تصنیف در حروف (مقطوعات...)	مدار الدین اترک خجندی
۲۰۴	تقریب الالحان لما صححتہ الملتقی	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲۰۵	تعلیم السالک	مولوی احمد بن اسماعیل ابدالی قندھاری
۲۰۶	تعلیم المرید	ملا نور محمد آخوندزادہ
۲۰۷	تعویذ القادریہ	
۲۰۸	تفسیر لا الہ الا اللہ: چاروبہ تہلیلیہ	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۲۰۹	تقاریر عرفانی	آخوند درویزہ ننگرہاری
۲۱۰	تقسیم الاوراد: الاوراد	خواجہ محمد چشتی احمدآبادی
۲۱۱	تلقین مرید	حاجی محمد حنیف
۲۱۲	تلاوت الوجود	شیخ منتخب الدین قادری
۲۱۳	تلقین ذکر	خواجہ حسن عطار
۲۱۴	تلقینیہ: آداب مبتدی	میر سید علی ہمدانی
۲۱۵	تن آدمی: دربارہ	
۲۱۶	تنبیہات	عادل عاشق محمد
۲۱۷	تنبیہ الغافلین	آخوند درویزہ
۲۱۸	تنبیہ الغافلین و ایقاظ النائمین	
۲۱۹	تنزیل	عزیز نسفی
۲۲۰	تعلیم الاولیاء	حسن محمد نقشبندی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۲۱	تنویر القلوب فی لطائف المحبوب	احمد بن زین الابرار میر عالم
۲۲۲	توبہ و ذکر	خواجہ خورد
۲۲۳	توبہ و ذکر	
۲۲۴	توبہ: رسالہ در بیان ...	اسعد الدین کاشغری
۲۲۵	توجہ اتم: کیفیت توجہ اتم: ترجمہ....	متن از صدر الدین قونوی، ترجمہ از عبدالغفور
۲۲۶	توحید: رسالہ در	عصام الدین ابراہیم اسفرائنی
۲۲۷	توحید: مختصر بیان توحید	خواجہ باقی باللہ
۲۲۸	توحید: نامہ در	شیخ حسام الدین
۲۲۹	توحید: سوال و جواب دربارہ...	شاہ عبدالعزیز دہلوی
۲۳۰	توحید: رسالہ در ...	محمد بن بہرام احمد
۲۳۱	توحید: اثبات واجب: توحید استدلال	محمد بن محمود دہدار
۲۳۲	توحید: مراتب ...	
۲۳۳	توحید: رسالہ در ...	
۲۳۴	توحید ثلاثہ	خواجہ محمد چشتی احمدآبادی
۲۳۵	توفیق الہدایت	سلطان باہو
۲۳۶	توفیقیہ	خواجہ حافظ بخش ملتانی
۲۳۷	شرح توفیقیہ	متن از حافظ بخش، شرح از عبداللہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۳۸	تہنیت: رسالہ	شیخ حسین قادری
۲۳۹	تیسیر الشاغلین	جمال الدین ابوالحسن
۲۴۰	تیغ برہنہ	سلطان باہو
۲۴۱	جام جہاں نما	محمد شیرین مغربی
۲۴۲	جام جہاں نما و آئینۂ گیتی نما	
۲۴۳	جامع الاسرار	سلطان باہو
۲۴۴	جامع الختوم	گل محمد بن محمد فیض اللہ شطاری
۲۴۵	جامع السائرین: ترجمۂ منازل السائرین	متن از خواجہ عبداللہ انصاری ترجمہ؟
۲۴۶	جامع الفواید	محمد اشرف بن یونس لاہوری
۲۴۷	جامع الفیوضات: ملفوظات محمد راشد اللہ	یکی از مجموعہ ملفوظات راشد اللہ
۲۴۸	رسالۂ جامعیہ: جامعیہ	سید حسین اخلاطی
۲۴۹	جماعت مسافران: قصہ...	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
۲۵۰	جنت العارفین	خواجہ ثناء اللہ خراباتی
۲۵۱	جوامع الاسرار	سید حافظ محمد برخوردار
۲۵۲	جوامع الکلام	سعد الدین کاشغری
۲۵۳	جواہر الاسلام	عبد اللطیف بخارائی
۲۵۴	جواہر الاشارات	
۲۵۵	جواہر البدائع	ملفوظات پیر صاحب لنواری شریف سندھی
۲۵۶	جواہر جلالیہ	حسین بن احمد بن حسین حسینی
۲۵۷	جواہر جہاں نما: جواہر سبعہ	
۲۵۸	جواہر زواہر	
۲۵۹	جواہر ستہ	محمد اکرام ابن محمد علی چشتی
۲۶۰	جواہر الکنوز: شرح رباعیات الحوی	شاہ داعی شیرازی
۲۶۱	جوہر ملفوظات: ملفوظات دوست	محمد عادل بن فیض محمد کاکڑی
۲۶۲	جہاد اکبر	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی گجراتی
۲۶۳	چراغ العاشقین	جلال الدین
۲۶۴	چمنیہ	شاہ حسین
۲۶۵	چند افسانہ	شیخ محمد چشتی احمد آبادی گجراتی
۲۶۶	چہل پہلو	شیخ محمد ہاشم نوشاہی
۲۶۷	چہار چمن	شیخ عبدالاحد سرہندی
۲۶۸	چہار کلمہ طریقہ نقشبندیہ	خواجگی احمد کاسانی

نمبر مجلد	نام کتاب	نام مصنف
۲۶۹	چہار کلمہ و چہار مقام	
۲۷۰	[illegible] مطلب	شاہ داعی شیرازی
۲۷۱	چہل اسم سیفی	
۲۷۲	چہل اسم اسناد	فخر الدین ابوالمکارم (مترجم وجامع)
۲۷۳	چہل الہام	شیخ کلیم اللہ
۲۷۴	چہل کاف: شرح ...	متن از شیخ عبدالقادر شرح از محمد حسن بہاری مجددی
۲۷۵	چہل کاف: شرح ...	متن از جیلانی شرح از شاہ رفیع الدین
۲۷۶	چہل کاف: شرح ...	متن از جیلانی شرح از شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲۷۷	چہل کاف: شرح ...	متن از جیلانی شرح از خواجہ علی محمد نعمت اللہ
۲۷۸	چہل کاف: شرح ...	متن از جیلانی شرح ؟
۲۷۹	چہل مقام صوفیاں: مقامات صوفیاں	میر سید علی ہمدانی
۲۸۰	چہل مکتوب	شیخ احمد سرہندی
۲۸۱	چہل نام، شرح: دعوات الاسماء: شرح اسماء اللہ	متن عربی از سہروردی منقول، شرح از فخر الدین ابوالمکارم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۸۲	چہل نام	
۲۸۳	حدائق	
۲۸۴	حدائق الاخیار	محمد صادق بن عبدالباقی
۲۸۵	حدائق العشاق: روح و بدن	
۲۸۶	حدیقۃ الحقیقۃ، شرح	
۲۸۷	حدیقۂ قادریہ	رمضان بن شیخ حاجی بن عبدالواحد
۲۸۸	حرز الایمان من فتن الزمان	کاشفی بیہقی
۲۸۹	حروف: رسالہ در	صاین الدین علی خجندی
۲۹۰	حروف رسالہ در بیان ...	شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی
۲۹۱	حروف: علم	
۲۹۲	حروف: رسالہ در ...	
۲۹۳	حسنات الحرمین: ترجمۂ لیاقیت الحرمین	متن عربی خواجہ معصوم ترجمۂ فارسی از محمد شاکر
۲۹۴	حسنات العارفین	مولوی محمد عمر خان
۲۹۵	حسیات: حواس ظاہر و باطن: نکات	شاہ نعمت اللہ ولی
۲۹۶	حفظ الایمان من غارۃ الشیطان	
۲۹۷	حقائق	
۲۹۸	حقائق الاسرار	سید جمال اللہ قادری نوشاہی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۹۹	حقائق الایمان و دقائق المغل[?]: وصیت نامہ خواجہ عبدالخالق	خواجہ عبدالخالق غجدوانی
۳۰۰	حقائق سلوک: رسالہ...	شیخ محمود میاں بن حسام الدین
۳۰۱	حق المبین	حافظ اللہ بخش ملتانی
۳۰۲	حقیقت: رسالہ	
۳۰۳	حقیقت: رسالہ خواجہ عبدالشہید نقشبند	خواجہ عبدالشہید نقشبند
۳۰۴	حقیقت الاسلام: حقوق الاسلام	خواجہ ثناء اللہ (خراباتی) پانی پتی
۳۰۵	حقیقت ایمان	میر سید علی ہمدانی
۳۰۶	حقیقت العشق	پیر علی
۳۰۷	حقیقت الفتوح: حقیقت المفتاح	
۳۰۸	حقیقت نماز: بیان ...	خواجہ باقی باللہ نقشبندی
۳۰۹	حقیقت وجود: وجودیہ	
۳۱۰	حق الیقین: مرآت حق الیقین	میر سید علی ہمدانی
۳۱۱	حکمۃ اللہ البالغۃ در اظہار حقائق انسانیہ	مولانا احمد علی مرحوم
۳۱۲	حلال و حرام	
۳۱۳	حل المسا[?]	اللہ بخش ملتانی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۱۴	حل المغالطات فی ردّ علی اہل الضلالات	محمد اشرف بن محمد معصوم مجددی
۳۱۵	حلیہ	خواجہ سید محمد گیسو دراز
۳۱۶	حورائیہ: شرح رباعی ابوسعید	شرح از خواجہ عبیداللہ
۳۱۷	حورائیہ: جمالیہ: شرح رباعی ابوسعید	شرح از یعقوب چرخی
۳۱۸	حورائیہ: شرح رباعی ابوسعید	شرح از شاہ نعمت اللہ ولی
۳۱۹	حورائیہ: شرح رباعی ابوسعید	شرح ؟
۳۲۰	حیات الفردوس	نجم الدین
۳۲۱	خزانہ جواہر جلالی: خزانہ جلالی: جواہر جلالی	ملفوظات سید جلال الدین حسین جہانیاں جہاں گشت
۳۲۲	خزانۃ الفوائد الجلالیہ	" "
۳۲۳	خزانۃ الفوائد و تمام الفوائد[?]	یوسف حسام قتال
۳۲۴	خزینۃ الاسرار: سر الاسرار	شیخ محمد عمر بن محمد ابراہیم پشاوری
۳۲۵	خزینۃ الفواید	محمد حسین قادری
۳۲۶	خزینۃ المعارف: مکتوبات مروج الشریعہ	مکتوبات خواجہ محمد عبیداللہ مجددی
۳۲۷	خلاصۃ الاوراد	برہان مسکین
۳۲۸	خلاصۃ التوحید والدین: خلاصۃ العرفان مع دین[?]	خواجہ ثناء اللہ خراباتی پانی پتی
۳۲۹	خلاصۃ الرشتم[?]	حفیظ الحق بن احمد

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۳۰	خلاصۃ السلوک	منشی غلام حسن شہید ملتانی
۳۳۱	خلاصۃ العارفین	تقریرات خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی
۳۳۲	خلاصۃ الفواید	قاضی محمد عمر حکیم سید پوری
۳۳۳	خلاصۃ القادریہ	شہاب الدین بن شاہ فتح محمد برہانپوری
۳۳۴	خلاصۃ المطالب	عبد اللہ حنفی قادری
۳۳۵	خلاصۂ معارف صوفیہ: تحقیق معرفت اللہ	
۳۳۶	خلاصۂ موجودات	خوب محمد چشتی
۳۳۷	خلاصۃ النوافل	عبید اللہ لاہوری قادری
۳۳۸	خلافت	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۳۳۹	خلق و خالق: خلقت آدم: فضیلت انبیأ و صفات	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۳۴۰	خلوت: آداب خلوت	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۳۴۱	خلوت: رسالہ در آداب...	
۳۴۲	خلوت: آداب خلوت۔	
۳۴۳	خلوت و جلوت: خلوت در جلوت	شیخ محمد چشتی احمد آبادی گجراتی
۳۴۴	خمس جواہر	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۴۵	خمسہ لطائف	مجدد الف ثانی
۳۴۶	خواتیم خواجگان	علی محمد بن نعمت اللہ نقشبندی
۳۴۷	خواطر: توبہ	رضا جواد بن صغیر بناجو
۳۴۸	خواطریہ: خواطر خیر و شر	
۳۴۹	خیابان وحدت	عبد الاحد مجددی
۳۵۰	خیر الاذکار	محمد بن غلام محمد
۳۵۱	خیریہ: شرح کلمات غوث اعظم	خیر الدین خالدی
۳۵۲	داؤدیہ: آداب و سیر اہل کمال	میر سید علی ہمدانی
۳۵۳	در البحر: رسالہ	شاہ داعی شیرازی
۳۵۴	درود چیکنی	صاحبزادہ چیکنی
۳۵۵	درویشی	
۳۵۶	دریائے شہادت	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
۳۵۷	در یتیم	محمد بن محمود ہدار
۳۵۸	دستور الانام	ابراہیم بن ادریس
۳۵۹	دستور السالکین	کبیر الدین مرید شرف الدین محمد شاہی
۳۶۰	دستور السعادۃ فی معرفۃ النبوۃ والرسالۃ الولایۃ	محمد عارف عبد النبی شطاری
۳۶۱	دستور الحل	شاہ محمد عنایت اللہ
۳۶۲	دستور العمل سالکان: رسالہ نجم الدین کبریٰ	نجم الدین کبریٰ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۶۳	دعوت اسم باسط	
۳۶۴	دقائق	شاہ عیسیٰ جنداللہ برہانپوری
۳۶۵	دقائق الحقائق	
۳۶۶	دقائق الحقائق: حقائق الدقائق	مولانا ابالفضل رومی
۳۶۷	دقائق الحقائق	شیخ فیض محمد صاحب
۳۶۸	دقیقۃ الدقائق	سیف اللہ بن [illegible]
۳۶۹	دلائل النبوۃ فی رد مذہب المتحیرۃ:	شاہ فقیر اللہ جلال آبادی
۳۷۰	دلائل النبوۃ للمذاہب المتحیرۃ	
۳۷۱	دل و جان	منسوب بہ خواجہ عبیداللہ شہری
۳۷۲	دوگانہ میراث: رد منکرین دوگانہ میراث	یار محمد مدرس ملتانی
۳۷۳	دولت قاہرہ: غنیۃ الطالبین ترجمہ	
۳۷۴	دوم و کرامات: رسالہ در....	عبدالرحیم بن عبداللہ انصاری
۳۷۵	دہ اصل	خواجہ باقی باللہ نقشبندی
۳۷۶	دہ اصل: سلوکیہ	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۳۷۷	دہ نام	خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری
۳۷۸	دیباچہ دیوان کرمانی	شاہ داعی شیرازی
۳۷۹	دیباچہ ہائے حدیقۃ الحقیقہ	عبداللطیف عباسی کبیر یزدی گجراتی
۳۸۰	دین المریدین	محمد جلالی شاہی رضوی
۳۸۱	دیوان القلوب	شیخ محب اللہ الہ آبادی
۳۸۲	ذلت نامہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۸۳	ذات صفات خدا: معرفت	بوعلی قلندر پانی
۳۸۴	ذات و نفس دو جہ: گفتار صوفیان در بارۂ ...	عزیز نسفی
۳۸۵	ذریعۃ السعادت: کبریت احمر، شرح	سعید کشمیری
۳۸۶	ذکر: رسالہ در....	
۳۸۷	ذکر بلند	
۳۸۸	ذکر جہر	شیر محمد بن شیخ محمود قریش
۳۸۹	ذکر خفی: رسالہ در فضائل ذکر خفی و منع از ذکر جلی	محمد امام معصومی سرہندی
۳۹۰	ذکر سلسلۂ قادریہ چشتیہ: رسالہ در...	
۳۹۱	ذکر تعلیم و تلقین: رسالۂ ذکر	خواجگی احمد کاسا
۳۹۲	ذکریہ: ذکر امیریہ	میر سید علی ہمدا
۳۹۳	ذوق رند: رندنامہ	کرمانی
۳۹۴	ذوق الشہود فی دایرۃ الوجود	—
۳۹۵	ذوقیات: الہامات	کرمانی
۳۹۶	ذوقیات: وجدانیات و ذوقیات	دہدار
۳۹۷	ذوقیات عشقیہ: خیال عشاق	ناگوری
۳۹۸	ذوقیہ: رسالہ ...	ملا حمید اللہ ...
۳۹۹	رابطہ کو احمد ... صوفیانہ رسالہ	شاہ احمد سعید ...
۴۰۰	راحت الارواح	حافظ محمد سعید ...

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۰۱	راحت العاشقین	نظام الدین احمد بدایونی
۴۰۲	راحت المریدین	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی گجراتی
۴۰۳	راز و نیاز	منسوب بہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی
۴۰۴	راہ روشن	شاہ داعی شیرازی
۴۰۵	رجال الغیب : رسالہ در باب…	
۴۰۶	رد اعتراض بر سید آدم : کعبہ و حقیقت محمدی	
۴۰۷	رد البہتان	عبد الحی چلپی
۴۰۸	رد مجدد الف ثانی	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
۴۰۹	رزاقیہ	
۴۱۰	رسائل ۴۳	علی حقی
۴۱۱	رسائل ۴۰	میر سید علی ہمدانی
۴۱۲	رسائل ۳۵	خواجہ محمد چشتی
۴۱۳	رسائل ۲۹	شاہ نعمت اللہ ولی
۴۱۴	رسالۂ احقاق : احقاق	خواجہ ثناء اللہ پانی پتی
۴۱۵	رسالۂ احمد جند	مولانا احمد جند
۴۱۶	رسالۂ اذکار : اوراد الاذکار	صرفی کشمیری
۴۱۷	رسالۂ بابا کشمیری	رسول بابا کشمیری مجددی
۴۱۸	رسالۃ البیان : بیانات	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۴۱۹	رسالۂ حضرت خواجہ محمد پارسا	خواجہ محمد پارسا

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۲۰	رسالۂ خواجہ عبید اللہ احرار	خواجہ عبید اللہ احرار
۴۲۱	رسالۂ خواجہ عبد اللہ شہید حقیقت	خواجہ عبد اللہ شہید
۴۲۲	رسالۃ العرفان	ملا عبید اللہ ملتانی
۴۲۳	رسالۂ شاہ برہان	شاہ برہان برہانپوری
۴۲۴	رسالۂ شاہ محمد فرخ	شاہ محمد فرخ مجددی
۴۲۵	رسالۂ شطاریہ : اعمال شطا	
۴۲۶	رسالۂ شطاریہ	
۴۲۷	رسالۂ عرفان : لب الالباب	سید بن یوسف بن محمود
۴۲۸	رسالۂ عرفانی	شیخ محمد اسد اللہ
۴۲۹	رسالۂ عرفانی	نور الدین احمد بن جمال الدین شیرازی
۴۳۰	رسالۂ عرفانی : رسالہ در عقاید	سید محمد اکبر حسینی چشتی
۴۳۱	رسالۂ عرفانی	خواجہ باقی باللہ نقشبندی
۴۳۲	رسالۂ عرفانی	متن از [illegible] بر متن ترجمہ از محمد مومن
۴۳۳	رسالۂ عرفانی : رسالہ در علم تصوف	محمد حسین نجات کشمیری
۴۳۴	رسالۂ عرفانی	مولانا حمید الدین
۴۳۵	رسالۂ عرفانی	پیر محمد ارشد اللہ نقشبندی
۴۳۶	" "	شاہ رؤف احمد مجددی
۴۳۷	" "	سرور الحق چشتی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۳۸	رسائل عرفانی	شیخ سعد الدین کاشغری
۴۳۹	" "	مرزا محمد شفیع
۴۴۰	رسائل عرفانی: رسالہ صوفیہ	شہاب الدین سہروردی
۴۴۱	رسائل عرفانی	ضیاء الدین نخشبی
۴۴۲	" "	سید شاہ عباس قادری
۴۴۳	" "	سراج الدین عبداللہ شطاری
۴۴۴	" "	شیخ عبدالرحمن بخارائی
۴۴۵	" "	شیخ عبدالرحیم بلخی
۴۴۶	" "	حلیم رضا
۴۴۷	رسائل عرفانی: درویش نامہ	میر سید علی ہمدانی
۴۴۸	رسائل عرفانی	میر سید علی ہمدانی
۴۴۹	" "	غلام قادر شاہ
۴۵۰	" "	میاں غلام مرتضیٰ
۴۵۱	رسائل عرفانی: سلوک	شاہ محمد غوث قادری لاہوری
۴۵۲	رسائل عرفانی: توحید	مجدد الف ثانی
۴۵۳	وحدت وجود	
۴۵۴	رسائل عرفانی	" "
۴۵۵	رسائل عرفانی: شرح ...	متن از شیخ محی الدین شرح؟
۴۵۶	رسائل عرفانی	محمد حسینی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۵۷	رسائل عرفانی	میرزا مظہر جان جاناں
۴۵۸	" "	مخدوم محی الدین
۴۵۹	" "	معین الدین بغدادی
۴۶۰	" " (۱)	شرف الدین یحییٰ منیری
۴۶۱	" " (۲)	" " "
۴۶۲	" "	محمد منیف
۴۶۳	" "	نظام الدین
۴۶۴	" "	خواجہ نظام الدین او
۴۶۵	" "	میر محمد نعمانی
۴۶۶	رسائل عرفانی: رسالہ در سلوک	نور بخش قاینی سید
۴۶۷	رسائل عرفانی (۱۳ رسائل)	مصنف لا معلوم
۴۶۸	رسائل عرفانی: عقل و عشق	—
۴۶۹	رسائل عرفانی: اسرار حقیقہ	—
۴۷۰	رسائل عرفانی	از درویش کم سوا
۴۷۱	رسائل عزیزان: شرح	محمد بن نظام الدین خ
۴۷۲	رسائل غزالی طوسی	امام غزالی
۴۷۳	رسالہ فریدی بخارائی در معرفت دل و ماہیت آں	فرید بن مسعود ابوبکر بخارائی
۴۷۴	رسالہ مسعودیہ: رسالہ شرف	محمد مسعود بن محمد یعقوب
۴۷۵	رسالہ میرکا: رسالہ تجدید	
۴۷۶	رسالہ نو	انتخاب غلام محی الدین
۴۷۷	رسالہ نزہات: نزہات خیالات العشاق	حمید الدین ناگوری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۷۸	رشف اللحاظ فی کشف الالفاظ :	شرف الدین حسین بن احمد تبریزی
۴۷۹	شرح الالفاظ فی شرح الالفاظ	
۴۸۰	رفیق السالکین	ابو محمد غلام حسین بن شیخ شرف الدین
۴۸۱	رفیق العارفین: ملفوظات مانکپوری	شیخ حسام الدین مانکپوری
۴۸۲	رفیق الفقرا	منشی غلام حسن شہید ملتانی
۴۸۳	رکن یقین	احمد شاہ درانی
۴۸۴	رمز الخلائق	خواجہ عبد اللہ سوہی
۴۸۵	رمز شارح	
۴۸۶	رمز حق : رسالہ حقی در رسالہ حقی	شیخ عبد القادر جیلانی
۴۸۷	رموزات : چہار منزل	شیخ عبد الجلیل لکھنوی
۴۸۸	رموزات خفیہ : ملفوظات شہاب الدین	شیخ شہاب الدین قادری جامانی
۴۸۹	رموزات نجیبی	شاہ نجیب الدین انبیٹھوی لکھنوی
۴۹۰	رموزات حقیقت	نظام الدین
۴۹۱	رموز العارفین	منشی سیتل سنگھ بیخود
۴۹۲	رموز القادریہ	محمد فاضل الدین بٹالوی
۴۹۳	رموز الموحدین	امام الدین عارف حسینی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۹۴	روح	یعقوب صرفی کشمیری
۴۹۵	روائح الانفاس	ملفوظات شاہ برہان الدین
۴۹۶	روح : رسالہ در بیان ...	—
۴۹۷	روح : (رسالہ در ...) بزبان	—
۴۹۸	روح اعظم : رسالہ در بیان	خواجہ محب چشتی احمد آبادی
۴۹۹	روحیہ (۱) : بیان حقیقت	—
۵۰۰	آدم روح : نفخ روح ؛ نفس روحیہ	شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی
۵۰۱	روحیہ (۲) : رسالہ در بیان	
۵۰۲	روح معرفت روح	"
۵۰۳	روحیہ (۳) : تفسیر آیت و کلمۃ القاہا الی مریم	"
۵۰۴	روحی اورنگ شاہی : رسائل	سلطان باہو
۵۰۵	روحی : اورنگ شاہی	
۵۰۶	روشن دل	میاں باری
۵۰۷	روض الفوائد	
۵۰۸	روضۃ الحسنی : شرح اسماء الحسنی	شاہ عیسی برہانپوری
۵۰۹	روضۃ الزکیہ فی حقائق العلیہ	حافظ الٰہی بخش
۵۱۰	روضۃ العاشقین	—
۵۱۱	روضۃ المذنبین	جامی ناحقی
۵۱۲	رویت الحق	شیخ محمود

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۱۳	رویت خدا: رسالہ در	گیسو دراز
۵۱۴	رویت خدا	—
۵۱۵	ریاض الحیات	درویش خان عرف محمد حیات قادری
۵۱۶	ریاض الطلاب	
۵۱۷	زاد السالکین	شیخ نصیر الدین دہلی
۵۱۸	زاد العابدین: ملفوظات شرافت	سید شریف احمد شرافت نوشاہی
۵۱۹	زاد العارفین	خواجہ عبداللہ انصاری
۵۲۰	زبدۃ التقاریر	تقریرات ابو الفضل علامی جامی ؟
۵۲۱	زبدۃ الحقائق	محمد موسیٰ بن خواجہ عیسیٰ سمرقندی
۵۲۲	زبدۃ السلوک	ملا احمد آخوندزادہ رحیم آبادی
۵۲۳	زن گل فروش: قصہ ...	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
۵۲۴	السائر الحائر الواجد الی السائر الواحد الماجد	نجم الدین کبریٰ
۵۲۵	سبع امرائی در رج الاخیار	شاہ معصوم نقشبندی مجددی
۵۲۶	سبیل العارفین	شاہی بن فتح خان یوسف زئی
۵۲۷	سبیل المحققین الجنیدین	گیسو دراز
۵۲۸	ستہ ضروریہ	عبداللہ غلام النبی قصوری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۲۹	ستہ ضروریہ	" " "
۵۳۰	سخنان حلاج	حسین بن منصور
۵۳۱	سخنان بابا تاتی و پیر احمد خیلہ تاتی	حاجی بابا تاتی
۵۳۲	سخنان زین الدین خوافی: رسالہ زین الدین	ابوبکر محمد خوافی
۵۳۳	سخن درویشان: حکایات درویشان	شیون داس
۵۳۴	سراج الانور	محمد بہادر خان
۵۳۵	" "	سراج الدین عبداللہ بن ...
۵۳۶	سراج السالکین	کمال الدین بہلول شطاری
۵۳۷	سراج العاشقین	عطاء اللہ طاہر بن ... / خلیفہ محمد لوک جانڈیہ
۵۳۸	سراج العالمین فی سبیل رب العالمین	ابو العلی ابراہیم
۵۳۹	سر اعظم	علی بن علی امیران
۵۴۰	سر الفقر	غلام رسول نقشبندی
۵۴۱	السفر والاقامہ لعنایۃ اللہ	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
۵۴۲	سلاسل الانوار	
۵۴۳	سلک الشریعہ	خلیل الرحمن ابی ...
۵۴۴	سلوک: رسالہ در علم	محمد حسن جان مجددی سرہندی
۵۴۵	سلوک	عبدالکریم سندی
۵۴۶	سلوک: در بیان سلوک	عزیز نسفی
۵۴۷	سلوک: رسالہ در ...	
۵۴۸	سلوک: اسرار رسالہ در	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۴۹	سلوک الی اللہ	غلام مولیٰ واسطی (تسبیحی)
۵۵۰	سلوک چشتیہ: (رسالہ در ..) مراتب سلوک	محمد رفیع الدین قندھاری
۵۵۱	سلوک خواجگان: طریق حضرت خواجگان	دوست محمد قالنکلی
۵۵۲	سلوک الرجال	علی بن حسام الدین متقی
۵۵۳	سلوک الطریق و تقعد الرفیق	″
۵۵۴	سلوک العارفین	
۵۵۵	سلوک قادریہ: رسالہ در...	محمد رفیع الدین قندھاری
۵۵۶	سلوک مجددیہ در فضیلت احمدیہ	ملا محمد
۵۵۷	سلوک المصباح	محمود بن السید الحسنی
۵۵۸	سلوک نقشبندیہ: رسالہ در بیان ...	غلام احمد معصوم علی حرکی نقشبندی
۵۵۹	سلوک ہاشمی	غلام حسین شاہ چشتی قادری
۵۶۰	سلوک یوسف	یوسف
۵۶۱	سماع: رسالہ در ...	محمد حیات دہلوی
۵۶۲	سماع: رسالہ ...	عبداللطیف خان ملا گوجری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۶۳	سماع: غنا: رسالہ در اباحت سماع	غلام علی شاہ عثمانی
۵۶۴	سماع: رسالہ در جواز سماع	مسعود بک
۵۶۵	سماع: رسالہ در	
۵۶۶	سنۃ الذاکرین	سید محمود
۵۶۷	سوال الملوک	صاین الدین اصفہانی
۵۶۸	سوال و جواب	سوال از میرزا محمد رضا، جواب از شیخ عبدالرشید جونپوری
۵۶۹	سوال و جواب	حسین بن حسنی حاجی
۵۷۰	″ ″ ″	سوالات از دارا شکوہ، جوابات از شیخ احمد صوفی شطاری
۵۷۱	″ ″ ″	عبدالوہاب
۵۷۲	″ ″ ″	قاسم انوار
۵۷۳	″ ″ ″	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۵۷۴	″ ″ ..: سوالات	میر سید علی ہمدانی
۵۷۵	سوال و جواب	
۵۷۶	سوانح وقت: رسالۂ عرفانی	
۵۷۷	سیر روح و بدن	اصلاح جعفری
۵۷۸	سیر الطالبین	میر سید علی ہمدانی
۵۷۹	سیر مقامات	عبدالجلیل لکھنوی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۸۰	سیر و سلوک: شوقیہ	میر سید شریف جرجانی
۵۸۱	سیر و سلوک: موعظ	
۵۸۲	سیف الرحمٰن	محمد اکمل بن مولوی غلام محمد قریشی
۵۸۳	سیف المجاہدین	احمد بن یوسف
۵۸۴	سیف المسلول علی من اعرض عن سماع الرسول	شاہ بہلول برکی جالندھری بخارائی
۵۸۵	شالا مار سخن	
۵۸۶	شجرات العرفا و ثمرات الفقرا	شیخ محمد بن درویش علی
۵۸۷	شجرہ نامہ طریقت	محمد رفیع الدین قندھاری
۵۸۸	الشرد و متعلقہ العہد	شاہ داعی شیرازی
۵۸۹	شراب طہور: شرح غزلی از عراقی	ملا عبید اللہ ملتانی
۵۹۰	شرائط المریدین	غلام جیلانی رہتکی
۵۹۱	شرح آمنت باللہ	شاہ برہان الدین برہانپوری
۵۹۲	شرح ابیات شیخ عبد القادر	محمد رفیع الدین
۵۹۳	شرح ابیات نظام الدین تھانیسری	شرح ؟
۵۹۴	شرح اسماء النبی	حاجی حمید عرف شیخ محمد
۵۹۵	" "	
۵۹۶	شرح اسمائے النبی: نود و نہ نام	فقیر محمد

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۹۷	شرح اسماء الحسنیٰ	شیخ سیف الدین …
۵۹۸	" " "	یعقوب چرخی
۵۹۹	" " "	سید ابو تراب محمد اشر…
۶۰۰	" " "	منسوب بہ حضرت …
۶۰۱	شرح اسماء الحسنیٰ: منتخب روح الارواح	
۶۰۲	شرح اسماء الحسنیٰ: نود و نہ نام	
۶۰۳	شرح اسماء الحسنیٰ	
۶۰۴	شرح اسم ذات	مجدد الف ثانی
۶۰۵	شرح اللہ اکبر	عین القضات ہمدانی
۶۰۶	شرح ام الاسماء	منشی سیتل سنگھ بیخود
۶۰۷	شرح ایاکم والامردان	نظام الدین تھانیسری
۶۰۸	شرح بیت	شاہ داعی شیرازی
۶۰۹	شرح بیتی از دہلوی	متن از امیر خسرو، شرح از غلام علی تتوی
۶۱۰	" " "	متن از جامی، شرح از امیر خسرو
۶۱۱	شرح ترجیع بند اوحدی	متن از اوحدی کرمانی، شرح از احمد موہلاستانی
۶۱۲	شرح حدیث نما: حدیث ابا ذر	عبد الرحمٰن جامی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۶۱۳	شرح حدیث الفقر سواد الوجہ: سواد الوجہ	شاہ درویش محمد قلوری
۶۱۴	شرح حدیقۃ الحقیقۃ: شرح	متن از سنائی شرح
۶۱۵	شرح حصن الحصین	متن از محمد جزری شرح از حاجی محمد کشمیری
۶۱۶	فتح مبین: شرح حصن الحصین	متن از جزری شرح از ابوبکر محمد بھروجی
۶۱۷	شرح حصن الحصین	متن از جزری شرح از ابوالفتح ہاشمی
۶۱۸	مفاتیح حصن الحصین بشرح حصن الحصین	متن از جزری شرح از فخر الدین
۶۱۹	شرح حصن الحصین	متن از جزری شرح ؟
۶۲۰	،، ،، ،،	،، ،، ،،
۶۲۱	شرح حقیقۃ محمدیہ	متن از وجیہ الدین علوی شرح از عبد العزیز
۶۲۲	شرح خطبۃ البیان	متن از حضرت علی شرح ؟
۶۲۳	شرح درود مستغاث	گل محمد بن محمد افضل جنابی
۶۲۴	،، ،، ،،	نظام الدین بن محمد خجندی
۶۲۵	شرح بیتی از حافظ	شرح اندوانی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۶۲۶	شرح غزلی از حافظ	،، ،،
۶۲۷	شرح بیتی از حافظ	شاہ وجیہ الدین گجراتی
۶۲۸	شرح دیوان حافظ مرج البحرین	ختمی لاہوری
۶۲۹	،، ،، : نبذۃ البحرین : منتخب مرج البحرین	
۶۳۰	شرح دیوان حافظ : بحر الفرس	عبد اللہ خویشگی قصوری
۶۳۱	،، ،،	محمد بن صدر الطریقۃ لاہوری
۶۳۲	،، ،،	محمد سعد
۶۳۳	،، ،، : طومار معانی: طور معانی	زین العابدین ابراہیم آبادی
۶۳۴	،، ،، : فوائد الاسرار فی رفع الاستار	شاہ بہلول کول برکی جالندھری
۶۳۵	،، ،،	سید محمد صادق علی
۶۳۶	،، مصطلحات و لغات دیوان حافظ	مولانا عبد الرب
۶۳۷	،، دیوان حافظ	اللہ جویا
۶۳۸	،، ،، مرج البحرین	میاں عبد الرشید خویشگی قصوری
۶۳۹	،، ،، : ،،	محمد سعید المشتہر لغدند
۶۴۰	،، اصطلاحات و لغات دیوان حافظ	شجاع بن حسین
۶۴۱	،، دیوان حافظ : روضۃ الشعرا	میر محمد شیرازی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۴۲	مفتاح الکنوز علی حافظ الرموز	متن از محمد شرح از قطب الدین قندھاری
۴۴۳	اصطلاحات دیوان حافظ	محمد گل احد لم
۴۴۴	〃 〃 〃	ناشناختہ
۴۴۵	〃 〃 〃	〃 〃
۴۴۶	ترجمہ پنجابی دیوان حافظ	مترجم نامعلوم
۴۴۷	شرح دیوان حافظ	ناشناختہ
۴۴۸	شرح غزلی از حافظ	〃
۴۴۹	شرح دیوان حافظ	〃
۴۵۰	شرح رباعی احول نیم ابدوست	خواجگی احمد کاسانی
۴۵۱	شرح رباعی خواجہ بہاءالدین نقشبند	سید محمد بن خواجہ شاہ بلخی سمرقندی
۴۵۲	شرح رباعیات باقی باللہ: تعلیقہ بر رباعیات باقی باللہ	شارح نامعلوم
۴۵۳	شرح رباعیات خواجہ خورد	شرح از خواجہ خورد
۴۵۴	شرح رباعیات ملاشاہ	ملاشاہ بدخشی
۴۵۵	شرح رباعیات یعقوب صرفی	یعقوب صرفی
۴۵۶	شرح رباعیات ناشناختہ ظفر [illegible]	
۴۵۷	شرح الشرح	حافظ محمد شیرازی و شرح بر شرح از [illegible]
۴۵۸	شرح قصیدہ خمریہ خوشیہ	
۴۵۹	ترجمہ منظوم قصیدہ خمریہ خوشیہ	متن شیخ عبدالقادر گیلانی مترجم ؟

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۶۰	شرح قصیدہ خمریہ خوشیہ	شاہ محمد غوث پشاوری
۴۶۱	بیان الاسرار: شرح قصیدہ خمریہ خوشیہ	محمد فاضل الدین
۴۶۲	شرح قصیدہ خمریہ خوشیہ	محمود بن ملا بہ شیرازی
۴۶۳	〃 〃 〃	فضل اللہ
۴۶۴	〃 〃 〃	محمد اکمل
۴۶۵	〃 〃 〃	محمد عالم حنفی
۴۶۶	〃 〃 〃	داد بن خلیفہ فتح علی
۴۶۷	〃 〃 〃	حافظ محمد جمال اللہ چشتی
۴۶۸	ترجمہ منظوم قصیدہ خمریہ خوشیہ	شارح ؟
۴۶۹	شرح قصیدہ خمریہ خوشیہ	〃
۴۷۰	شرح قصیدہ سریانی: شرح قصیدہ ربوبیہ: شرح رباعی سریانیہ	ضیاء الدین نخشبی
۴۷۱	ترجمہ شرح منظوم قصیدہ سریانی	سکین تقی
۴۷۲	شرح قصیدہ سریانی: شرح قصیدہ رابعہ	شرح منظوم از فقیر
۴۷۳	شرح قصیدہ سریانی	شارح ؟
۴۷۴	شرح کافیہ	عبدالواحد ابراہیم قطب بلگرامی
۴۷۵	شرح کلمات افیات: شرح مخزن الاسلام	متن از آخوند درویزہ شرح از عبداللہ [illegible]
۴۷۶	نسائم گلشن: شرح گلشن راز	شرح از [illegible] شیرازی
۴۷۷	مفاتیح الاعجاز: شرح گلشن راز	شرح از شمس الدین محمد

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۶۷۸	شرح بیتی از گلشن راز	جلال الدین محمد دوانی
	شرح گلشن راز	شرح ؟
	" " "	
	شرح بیتی از گلشن راز	
	شرح گلشن راز	
	شرح مثنوی معنوی؛ حواشی مثنوی	شاہ داعی شیرازی
	شرح ابیاتی از مثنوی	" " "
۶۸۵	شرح مثنوی معنوی	شرح از سرمدی ترک
	" " "	شرح از واعظ بخارائی
	فتح مثنوی؛ شرح مثنوی معنوی	شرح از شاہ فتح محمد
	اسرار مثنوی و انوار معنوی؛ شرح مثنوی معنوی: اسرار نامہ	عبد اللہ خویشگی قصوری
	المثنی؛ شرح مثنوی معنوی	شرح از محمد عابد
۶۹۰	شرح مثنوی معنوی	
	" " "	شکر اللہ شارح
	" " "	
	" " "	
	شرح مثنوی معنوی: اسرار الغیوب	شرح از ایوب
	حل مثنوی معنوی	امام عبد العزیز
	شرح مثنوی معنوی	فقیر اللہ شارح
۶۹۷	" " "	شاہ اولاد اللہ شطاری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۶۹۸	دفع شبہات از ابیات مثنوی	دیا رام
	منتخب لب لباب	وجیہ بن ابو یوسف حسین
	شرح بیتین مثنوی: نی نامہ	درویش محمد قلوری
	شرح مثنوی معنوی	محمد بن امین ایلنی
	" " "	سردار مہر دل خاں قندھاری
	اسرار العلوم	مولوی عبد الجبار
	شرح مثنوی معنوی	سید احمد
۷۰۵	شرح مثنوی معنوی	
	شرح بیتی از مثنوی	
	مفتاح الخزائن؛ شرح مخزن الاسرار	محمد حبیب اللہ بن الحفیظ ہاشمی
	شرح مخزن الاسرار	محمد رضا ملتانی
	کاشف الاسرار؛ شرح مخزن الاسرار	
	شرح مخزن الاسرار	
	شرح مفرد؛ شرح در ابیات ملک عشق پادشاہی کن	خواجگی کاسانی
	شرح مفصل	ملا عبید اللہ ملتانی
۷۱۳	شرح منظومہ کریمداد	از عبد الکریم کریمداد شرح ؟

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۱۴	شغل ادہمی	فتح علی گردیزی
	شلاق البابلین	محمد صابر بن محمد یعقوب
	شمس العارفین: مشکل کشای حضور نما	سلطان باہو
	شمع بارقہ	حبیب اللہ قندھاری
	شواہد التجرید	عبدالاحد مجددی
	شواہد الطوالع	شیخ سعدالدین احمد بکی
۷۲۰	شواہد محبت باری...	
	شواہد نجیبی و شواہد نجیب	نجیب الدین انبیتوری
	شوق نامہ	محمد صالح کوریجہ
	شوقیہ: رسالہ...	شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری
	شوقیہ	قتیل لاہوری
۷۲۵	شیبیہ	خواجگی کاسانی
	الصباح عن المصباح	
	صبح وصال	محمد قمرالدین نوری
	صبر در شدت	خواجہ محمد چشتی احمدآبادی
	صحت و مرض: روح بدن: سفرنامہ روح: حسن و دل: حسن و عشق	فضولی بغدادی
۷۳۰	صراط الطالبین: ملفوظات پیر محمد راشد	یکے از ملفوظات پیر محمد راشد

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۳۱	صفاء المرآت	سید غلام حسین شا
	" " "	غلام قادر رشاد فاضلی
	صلات الاسرار	پیر احسن شاہ قادر
	صلات الاسرار: دوگانہ پیران: ضرب الاقلام	عبدالحق محدث دہلوی
۷۳۵	صلح کل	خوب محمد چشتی
	صبر وصدا	دوانی
	ضبط اوقات: رسالہ...	محمد حسین نیاز کشتہ
	ضروریات مقاصد طریقت	حافظ غلام مصطفےٰ
	ضیاء توحید: ترجمہ کلمات التوحید و تہلیل	
۷۴۰	طب روحانی: طب در روحانیات: امراض جسم و روح	
	طب الشفاء	بلاق چشتی
	طریق آخرت: رسالہ عرفانی	شیخ بہاءالدین
	طریق الارشاد و تکمیل المومنین والاولاد	شاہ فقیر اللہ جلا
	طریق السالکین: ترقہ پوشیدن	
	طریق الوصول: نفی و اثبات: فنا	خواجہ باقی باللہ
	طریق الہدیٰ	غلام جیلانی رشا
۷۴۵	طریقہ ختم نقشبندیان	پیر جعفر شاہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۴۸	طریقہ ختم خواجگان چشت: ختم خواجگان	--
	طریقہ خواجگان نقشبند	مجدد الف ثانی
	طریقہ مجددیہ	غلام نبی للّٰہی نقشبندی
	طریقہ مشغول: رسالہ...	
	طریقہ نقشبندیہ: رسالہ در	سید اسد اللہ
	طریقہ نقشبندیہ: بیان	سعد الدین کاشغری
	طریقہ نقشبندیہ: رسالہ در...	شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی
۷۵۵	طریقہ نقشبندیہ: طریقہ خواجگان	مجدد الف ثانی
	طریقہ وصول: رسالہ در...	--
	طعن بر مجتہدان	شیرازی
	ظفرنامہ ابوذر حکیم	خواجہ ابوذر حکیم
	ظہور ذات: رسالہ در...	--
۷۶۰	عالم صغیر و عالم کبیر: در بیان...	عزیز نسفی
	عالم ملک و ملکوت و جبروت	
	عبادت و استغفار: رسالہ در ایثار	علی بن حسام الدین متقی
	عجالۃ الوقت	
	عرفان نفس	شیخ محمود حسنی
	عروۃ المقلدین	غلام دستگیر قصوری
۷۶۶	عریان العیوب	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۶۷	عشرۂ مبشرہ	محمد زاہد سالک قادری
	عشق: بیان عشق	عزیز نسفی
	عشق: رسالہ در ...	شیخ نظام الدین
	عشق حقیقی، مکتوبات نظام الدین اولیاء	شیخ نظام الدین اولیاء
	عشق و سلوک	
	عشقیہ	شیخ عبد الغنی
	عقائد صوفیان	خوب محمد چشتی
	عقائد الصوفیہ: اعتقادیہ	
۷۷۵	عقائد عطیہ در مذہب صوفیہ	
	عقائد مجدد الف ثانی	شیخ احمد سرہندی
	عتبات	ہمدانی
	عقل بیدار	سلطان باہو
	عقل کل	شاہ غریب بن نصرت قادری
۷۸۰	عقل و عشق	سعدی شیرازی
	عقلیہ: رسالہ درباره عقل	ہمدانی
	علاج المنکرین	جلال الدین سندی
	علم: رسالۃ العلم	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
	عمدۃ الاسلام	
	عمدۃ التحریر فی حرمۃ الغناء والمزامیر	غلام محی الدین قصوری
۷۸۶	عملیات و اوراد	فیض رسول

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۸۷	عملیات مجددی	خواجہ علی محمد نقشبندی
	مسائل اربعہ	منسوب بہ امام جعفر صادق
	عوارف المعارف: ترجمہ...	متن شہاب الدین سہروردی ترجمہ
	عوارف المعارف: ترجمہ...	
	عوالم خمسہ و مراتب عالم الجنس	بابا فتح محمد
	عیار الایمان	
	عین الایمان	ناطقی
	عین التصوف	فضلی لاہوری
	عین الحق یا عین الیقین	
۷۹۱	عین السلوک	مولوی علی
	عین العشق	محمد قاسم دہنوی
	عین الفقر	سلطان باہو
	عینک بوقلمون	ملفوظات حافظ ابراہیم
	عین الکمالات	
۸۰۱	عین المحبت	یعقوب صالح
	عین الیقین	شاہ محمد فخر الدین اورنگ آبادی
	عینیہ: رسالہ تازیانہ سلوک	امام غزالی
	خزینۃ المبین وسم العارفین	ملفوظات خواجہ محمد اللہ بخش
	الغرائب فی شرح اسماء الحسنیٰ	
۸۰۶	غرائب الاسرار	سید محمد شاہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۰۷	الغنا والفقر: رسالہ...	ملا عبید اللہ ملتانی
	غنیۃ الطالبین: ترجمہ	ترجمہ و تلخیص ابراہیم توکلی
	غنیۃ الطالبین	
	رسالہ مرضیہ: شرح غنیۃ الطالبین	فخر الدین اورنگ آبادی
	مکالمات غوث اعظم: شرح ابتال	شارح: جگت شاہ
	شرح غوثیہ	عبد الرزاق
	شرح رسالہ غوثیہ	عبد الواحد
	ترجمہ و شرح رسالہ غوثیہ	
	اسرار الطریقہ: غوثیہ	محمد غوث پشاوری
۸۱۵	نشاط العشق: غوثیہ	عبد اللہ
	خیریہ : غوثیہ	خیر الدین خالدی
	فارقیہ اسباب توبہ بوصی شوکیہ	احمد بن اسمٰعیل البدا… نقشبندی قندھاری
	فائدہ جلیلہ	آخوند عطا پانی پتی
۸۱۹	فتح الاوراد	شاہ فتح اللہ حسینی چشتی جالندھری
	فتح الباب فی معرفۃ رب الارباب	شاہ جلال الدین…
	الفتح الربانی: ترجمہ	شیخ عبد القادر جیلانی
	فتح الفصل (ترجمہ دو حصری)	
	فتوحات امر: فتوحیہ	میر سید علی ہمدانی
۸۲۳	فتوحات الغیب فی شرح مقامات الصوفیہ	شاہ حقیق اللہ… کاکوری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۲۵	فتوحات رشیدیہ	حافظ محمد ضیاء الدین
	فتوحات مکیہ (ترجمہ)	
	فتوح الغیب (ترجمہ)	
	فخر الحسن	شاہ محمد فخر الدین اورنگ آبادی دہلوی
	فرح افزا	پکھر لسان لحافظ آبادی
	فرق بیان بلوغ کمال الکمال الختم	
	فریدہ : فرائد	
	فصوص الحکم ترجمہ بعد شرح	محی الدین ابن عربی شیخ صدر الدین محمد قونوی
	فصوص الحکم مع شرح	(شارح) علاء الدین محمد عارف (مترجم)
	فصوص الحکم (شرح)	خواجہ محمد پارسا
۸۳۵	حل فصوص الحکم (شرح فصوص الحکم)	میر سید علی ہمدانی
	فصوص الحکم (شرح)	کمال الدین حسین خوارزمی
	فصوص الحکم (شرح)	شیخ عبد الکریم جیلی ابہوی
	جنون المیاذ من شرح فصوص الحکم	نصر اللہ نصرتی
	فص الفصوص فی شرح نقش الفصوص	حسین شاہ بن سیطا
۸۳	فصوص الحکم (شرح)	شیخ جعفر بن عبد الکریم
	رد فصوص الحکم و فتوحات	میر اللہ ایوبکائی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۴۳	فضائل الابرار الشمائل القدسیہ	
	فضائل ذکر: دیکھیے ذکر فضائل	
	فضائل ذکر خفی: دیکھیے ذکر خفی	
	فضائل نماز	سید سعد اللہ جیلان بن موسیٰ
	فضائل نماز	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
	فضائل نماز و ذکر	
	فضل اللقاء عیان الفقراء	سلطان باہو
	فقر نامہ: مشائخ نامہ	بایزید بسطامی
	فقر نامہ آداب درویشی	جعفر صادق
۸۵۰	فقر نامہ	جنید بغدادی
	فقر نامہ	خواجہ حسن بصری
	فقر نامہ: فرقہ درویشی	نظام الدین اولیاء
	فقر نامہ: آداب درویشی: درویشی نامہ	
	فقریہ: آداب سیرت اہل کمال بہ نسبت فرقہ	میر سید علی ہمدانی
	فقر و تصوف: کتاب در...	ابو اسحاق بن ابو طاہر قوام الدین
	فقہ الابرار	میرزا محمد الموحد
	رسالہ در فنا	شرف الدین احمد منیری
۸۵۸	فواتح	سیف اللہ معروف بہ خواجہ محمد نعیم نقشبندی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۵۹	فواتح سبعہ	قاضی کمال الدین میر حسین
	فوائد حافظیہ	
	فوائد سنیہ شرح دو دستہ فی...	گل محمد بن محمد سلیم
	فوائد السالکین	محمد بن ابی سعید
	فوائد السلوک	یکدل
	فوائد ضیائیہ (ملفوظات ضیاء الدین)	مہدی علی حسین الحسنی
	فوائد طریقہ نقشبندیہ	عطا محمد
	فوائد عثمانی (مجموعہ فوائد عثمانی)	سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی
	فوائد الوجود	شیخ عبد القادر گیلانی
	فوز النجات	محمد افضل الہ آبادی
	فوز النجات	
۸۷۰	فیض چشتیہ	سید شریف احمد شرافت نوشاہی
	فیض عام	نعیم الدین بردولی
	فیض عیان: مفید البیان؛ ترجمہ مواعظ الرحمٰن	متن شیخ عبد القادر گیلانی۔ مترجم؟
	فیوضات قادریہ: فیوض قادری	عبد الرحیم قادری
	فیض نبوت	غلام احمد
	قابلیت: تحقیق در معنی...	صاین الدین علی ترکہ خجندی
	قاطع اللذائذ	محمد مجید اختر
	قرب دیدار	سلطان باہو
۸۷۸	قرة العین؛ قرة الامین	عبد القدوس گنگوہی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۷۹	قرة العیون	محمد حسن جان مجددی
	قسطاس مستقیم	مخدوم ابراہیم بن عبد اللطیف
	قصة المعراج؛ معراج نامہ	غلام محی الدین بن قطب الدین لاہوری
	قطبیہ: بیان اقطاب	شاہ نعمت اللہ کرمانی
	قلب: مکتوب درباره...	سید عبد الرحمٰن
	قلزوم	شیخ خوب محمد چشتی
۸۹۵	کاشف المرام للخواص والعوام	محمد معروف بہ ہاشمی بن سید اسماعیل
	مکاشفہ	احمد بن اسماعیل ابدالی
	کبریت احمر (شرح)	شیخ عبد القادر گیلانی
	ذریعة السعادت شرح کبریت احمر	سعید حاجی
	روض الاخضر فی شرح الکبریت الاحمر	حاجی سعید کشمیری
	کبریت احمر (شرح)	محمد اعظم دیدہ مری کشمیری
	کثیر الفوائد	محمد موسیٰ بن خواجہ عیسیٰ
	کچکول وارث علی	وارث علی
	کحل الجواہر	
	کشف الاستار فی معرفة الاسرار	فتح اللہ گردیزی
	کشف الاسرار	محمد حسین بن دولاب
	کشف الاسرار، شرح اسرار الحکم	برہان الدین بختیار بخاری
	کشف الاسرار	شاہ نعمت اللہ کرمانی
۸۹۸	کشف الاسرار فی شرح الاسرار	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۹۹	کشف حقائق الوجود بوجود	منتخب الدین قادری	۹۱۹	کلام حق در توجہ مطلق	اشرفی عنایت اللہ
	کشف العین فی شرح الاربعین	خواجہ باقی باللہ شرح		کلید شریعت	میر محمد امین مودودی
		از شاہ ولی اللہ		کلید گنج	برہان الدین چشتی
	کشف القناع عن حکم السماع	محمد ابراہیم بن ابوالقاسم		کلید معرفت	
	حاشیہ کشف المحجوب	عبدالغفور لاری		کلید وحدت	
	کشف المتقین واسرار الموحدین	شاہ رمز الدین قادری		کمالات احمدیہ ومقامات احمدیہ	عبدالحی بن ابوالخیر مودودی
	کشف المتقین فی اسرار الموحدین	نقشبندی	۹۲۵	کمال البلوغ و البلوغ کمال [illegible]	نعمت اللہ کرمانی
	کشف المراتب	شاہ داعی شیرازی		کمیلیہ: ترجمہ و شرح حدیث الحقیقۃ	عبدالرزاق کاشی،
۹۰۵	کشف المعانی	بابا محمد عثمانی			مترجم افتخار بن نصر اللہ
	کشف الملفوظ	محمد یار			عبدالرزاق کاشی،
	کشفیہ: رسالہ ...	خواجہ محمد پارسا		کمیلیہ: شرح حدیث بالحقیقۃ	مترجم دشاحی:
	کفایت الاسلام	ابوالفتح حسنی الحسینی العلوی			نظام الدین احمد
	کفایۃ الاعتقاد	طاسین خواز کشمیری		کمیلیہ: شرح حدیث الحقیقۃ	شاہ داعی شیرازی
	کلمات باقیہ	شاہ داعی شیرازی		کنز الدقائق	فیروز شاہ نوشیکی نقشبندی
	کلمات جامع	شاہ ابوالحسن قادری		کنز المعرفت	ضیاء شہاب کمال
	کلمات حسینیہ	محمد بن ابوسعید حسینی		کنز الفوائد	بہاء الدین محمود بن ابراہیم
	کلمات صوفیہ	میر سید نوازش علی بلگرامی		کنز المعرفت: ملفوظات نوشاہی	غلام مصطفی نوشاہی
	کلمات طیبات، مکتوبات نجم الدین	شیخ جان محمد		کنز المقصود	شیخ بایزید بن صابر
۹۱۵	کلمات طیبات، ملفوظات نوشاہیہ	حاجی محمد قادری		کنوز الاسرار فی مذہب الشطاری	عبدالنبی شطاری
	کلمات عبدالخالق غجدوانی	عبدالخالق غجدوانی			
	کلمات شیخ عبدالقادر	شیخ عبدالقادر گیلانی		کنوز معرفت	اکمل محمد
۹۱۷	کلمات قدسیہ، فقریہ	امان اللہ بن حسین	۹۳۶	کواکب [illegible]	[illegible] محمد قادری

شمار	نام کتاب	نام مصنف
۹۲۰	کوسں فخریہ: رسالہ . . .	حاجی یعقوب
	گلدستۂ حقیقت	عزیز اللہ بنارسی کبروی
	گلدستۂ موجودات: جامع النکات	غلام محمد جنید جنیدی۔
	گلزار اسرار صوفیہ	دیدۂ مغل
	گلزار راشدی: محبوبۂ محمودیہ	پیر محمد راشد اللہ
	گلستان سفیان	
	گلشن عشق	شاہ محترم اللہ متوکل
	گلقند در مسائل نقشبند: زاد الامین لاہل الیقین	محمد امین ستالی
۹۲۵	گل نوروزی: گل نوروز	خواجگی احمد کاسانی
	گنج اسرار	شیخ قاضی سہروردی
	گنج اسرار: مرید و مریدی	
	گنج السالکین	رکن الدین
	گنج العارفین	شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی
	گنج مخفی: شرح کنت کنزاً مخفیاً	
	گنج نامہ: شرح کنت کنزاً مخفیاً	خواجگی احمد کاسانی
	گنج نامہ	خواجہ عبد اللہ انصاری
	لب: رسالہ	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
	لذات المتقین	
	لذت المعرفت	شاہ درویش محمد قادری
۹۵۰	لطائف خمسہ: تذکرۃ الطائف / لطائف شاہی	شیخ عبد الاحد سرہندی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۹۵۵	لطائف صوفیہ	صوفی بن جوہر جہانی
	لطائف عشری	خواجہ غلام نبی للّٰہی نقشبندی احمدی
	لطائف غوثیہ	محمد بن غلام غوث قادری بٹالوی
	لطائف غیبی: لطائف غیبیہ	ابو المعارف عنایت اللہ قصوری لاہوری
	لطف المعانی	
	لطیفۂ انسانیہ: اصطلاح صوفیان	
	لطیفۂ شریفہ	
	لطیفۂ غیبیہ	عبد اللہ بن حسام الدین سبزواری
۹۶۵	مکاشف الاسرار: شرح لوائح	محمد شریف بن نظام الدین ہروی علوی
	شرح لوائح	
	لوائح: ملفوظات عبد القادر گیلانی	
	مالغت الغنا لاہل الفنا و غنار	
۹	مجمع الاسرار	سید بہادر شاہ بھاکری قادری
	مجمع الاسرار	شاہ نعمت اللہ کرمانی
	مجمع الاشیار	شیخ محمود
۹۷۲	مجمع الحکم (مجمع الاحکام)	درویش ابو سعید علی (دولا) قریشی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۹۷۲	منور اللمعات، شرح لمعات	صلاح الدین علی ترکہ خجندی
	شرح لمعات	امیر عبد اللہ برزش آبادی
	معدن اسرار، شرح لمعات	فیض اللہ بن زین العابدین
	حاشیہ بر لمعات	شیخ محمد حسین عشاق
	شرح لمعات	
	شرح لمعات	
	لمعات قادریہ	محمد فاضل عنایت اللہ
۹۸۰	لمعۃ الاذکار	فقیر محمد پارسا نقشبندی
	لوائح انوار الکشف والشہود علی قلوب الذوق والجود؛ قصیدہ فخریہ	عبد الرحمٰن جامی
	مجمع الدقائق	
	مجمع الفیوضات، ملفوظات محمد راشد	خلیفہ میاں محمود
	مجمع قوانین	محمود سلطان حافظ محمد
۹۸۵	مجمع الکمالات	شیخ محمد امین بن نور محمد گجراتی
	مجمع اللطائف	محمد حیات نوشاہی
	مجموعۃ الاذکار	
	مجموعۃ اسرار	شیخ عبد النبی چیو
	مجموعۃ الفرائد عثمانی بفوائد شبلی	سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی عثمانی مجددی
۹۹۰	مجموعہ نوادر	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۹۹۱	مجموعہ لطائف چشتیہ	خان عبد القادر خاں باردوزئی
	محبت: رسالہ فی معنی المحبۃ	شاہ داعی شیرازی
	محبت باری؛ تحفۃ القلوب؛ هدیۃ الارواح	خواجہ عثمان جالندھری
	محبت نامہ	
۹۹۵	محبوب العاشقین	بایزید بسطامی
	محبوب المتقین	محبوب عالم
	محک الطالبین	محمد سعید قادری معروف عبد السلام حسام الدین
	محک الطالبین: مختصر محک الطالبین	محمد بن سلیمان بن عثمان
	محک الطالبین، منتخب محک الطالبین	مرتضیٰ بن محمد خاں شہاب الدین زئی
۱۰۰۰	محک (محکم) الفقراء خرد	سلطان باہو
	محک الفقراء، کلاں	سلطان باہو
	محک مریدان طالب تحقیق	
	منتظر الطالبین	عبد الکریم سندی
	مخزن الانوار احمدی فی کشف اسرار مجددی	حاجی محمد صفی اللہ فاروقی سرہندی مجددی
۱۰۰۵	مخزن الدعوۃ: مخزن الدعوات	سراج الدین برہان پوری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۰۷	مخزن ہدایت و مرآت معرفت	شاہ محمد قریشی بن شیخ کرم الدین
	مرآت الحق	میر محمود صلاح شطاری
	مرآت التعالق	قاسم
	مرآۃ الروح	
	مرآت الصفار	خواجگی احمد کاسانی
	مرآت الصفا فی شرح مرآت العارفین	محی الدین بن اہل اللہ
	مرآت الصفا: انتخابی از...	-
	مرآت الطالبین	طاسین خبار کشیری
	مرآت العابدین	
۱۰۱۵	مرآت العارفین	شاہ قادری بر برہ شخیر
	مرآت العارفین (شرح)	شیخ ذکریا
	مرآت العارفین	
	مرآت العرفان	فتح اللہ گردیزی
	مرآت غفوریہ	الہ بخش بن خواجہ نور اللہ لاہوری
	مرآت المبین، مرآت المحبوبین	محمد سعد الدین
	مرآت المحققین	نعمت اللہ ولی کرمانی
	مرآت المراتب	خیر اللہ نقشبندی
	مرآت الوجود	شاہ داعی شیرازی
۱۰۲۴	مرآت الوصول: ملفوظات عربی	مولانا محمد قاسم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۲۵	مراتب سلوک	شاہ رؤف احمد مجددی نقشبندی
	مراتب: رسالہ در بیان... ۃ مراتب الہیہ	شاہ نعمت اللہ ولی
	مراتب خمسہ: مراتب وجود	
	مراتب ندیہ: ندنامہ وحق ند	شاہ نعمت اللہ ولی
	مراتب فنا فی اللہ	شمس الدین بن حامد محمد گیلانی
	مراتب مشائخ نقشبندیہ: تاریخ مشائخ نقشبندیہ	نور محمد تھانیسری
	مراتب الوجود	نور الدین محمد عبد اللہ شیرازی
	مراتب وجود	
	مراہین العشاق فی بحر الشوق	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی گجراتی
۱۰۳۳	مراد العارفین	صوفی اللہ یار بن اللہ قلی نقشبندی
	مراقبات: رسالہ	شاہ احمد سعید مجددی
	مراقبات	محمد حسین بن امام محمد رضا نقشبندی
	مراقبت: رسالہ در...	شیر محمد مشہور بہ خلیفہ
	مرشد: رسالہ...	ملا شاہ بدخشی
۱۰۳۹	مرغوب الحقیقۃ	حمید بن فقیر اللہ جمالی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۴۰	مرلت التسلیل	شاہ داعی شیرازی
	مرید و مریدی	عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم
	مرید و مریدی: رسالہ نجم الدین کبریٰ	نجم الدین کبری
	مرید و مریدی: بیعت نامہ	
	مسائل حقایق	ناشناس
	مسجد و مسجد کعبہ و اقصیٰ: رسالہ در	خواجہ محمد چشتی۔
	مسطر الرقیت	غلام نبی للّٰہی احمدی مظہری نقشبندی
	مسلک العارفین	خواجہ محمد پارسا بخارائی
	مشارب الاذواق	میر سید علی ہمدانی
	مشارق	
۱۰۵۰	مشاہد: مشاہدت بمشاہدہ: کاشف الجلباب	ابو الفتح علاء قریشی گوالیاری
	مشاہدۃ الموجود	ابو الامین نعمت اللہ
	مشاہدہ و رویت باری، رسالہ در۔۔	
	مشتاق الطالبین	محمد صابر بن محمد یعقوب صوفی
	مشیت سلوک	میر سید علی ہمدانی
	مصباح العارفین	شیخ عبد الکریم چشتی لاہوری
	مصافحہ، رسالہ در بارۂ۔۔۔	
۱۰۵۰	مصباح السالکین	سید محمد عبد الحلیم گیلانی لاہوری، پانی پتی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۵۸	مطالع الطالبین و طریق السالکین	شریف محمد ایرانی قادری
	مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
	مطلوب الطالبین	عبد اللہ بن حسن بن علی مکی حسینی جیلانی
	مطلوب العاشقین	شاہ بختیار عبد المومن
	المطلوب فی عشق المحبوب	علوی فقیر پیر شاہ
	مظاہر: مراتب ظہور و مظاہر پنجگانہ	شیخ نظام الدین تھانیسری
۱۰۴۷	مظہر جلالی: مظہر المحبتالیہ: ملفوظات جلال الدین	صلاح الدین شاہ
	مظہر العجائب و مجمع الغرائب	حافظ محمد بصیر
	معارف: دقایق الحقایق جگر	احمد رومی
	معارف تصوف	نوشہ گنج بخش
	معارف العوارف	سید محمد نور بخش
	معاش السالکین	
	معدن الاسرار	محمد صفی اللہ سرہندی کابلی
	معدن الحقایق کیلیہ	اسماعیل عبد اللہ
	معدن الغرائب	عبد الوہاب صوفی جیلانی
	معراج العاشقین	خواجگی احمد کاسانی
	معراج نامہ	جان محمد
		حمید الدین ناگوری
۱۰۰۶		مبارک بخاری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۷۷	معراج نامہ	
	معرفت	خواجہ محمد باقی باللہ
	معرفت	خواجہ محمد مشتی احمد آبادی
	معرفت السلوک	
	معرفت ذات وصفات خدا؛	بو علی قلندر پانی پتی
	سوال وجواب	
	معرفتہ الفقر	فتح اللہ گرگیزی
	معرفتہ الفقر	
۱۰۸۴	معرفتہ القلوب	شاہ میران جی
	معرفت المحبوب	شاہ برہان الدین
	معرفت مقامات صوفیان	
	معرفت النفس	شاہ داعی شیرازی
	معرفت الواحد: معرفت ووحدت	
	معنی کلمات	
	معیار الکشوف	شیخ سعد الدین احمد نهری
	مفتتح الوصول فی علم الاصول	حبیب اللہ قندھاری
	المفاوضہ بین الانسان والکفر	محمد امین بدخشی
	مفاتیح الاسرار: ترجمہ شجرۃ	ابو سعیش زین
	النعمانیہ	العابدین
	مفتاح التصوف	شیر علی بن محمد قاسم
۱۰۹۵	مفتاح الحدیقہ: شرح حدیقۃ الحقیقۃ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۹۶	مفتاح الطالبین	صلاح الدین عرف علاء الدین سہروردی
	مفتاح العارفین	سلطان باہو
	مفتاح الفتوح: جنت الاخلاص	خواجہ ستار اللہ ابالی
	مفتاح الکرامات	محمد فاضل احمد آبادی
	مقاییس المجالس: ارشادات فریدی	محمد رکن الدین
	مقاصد السالکین: آداب مرید ومریدی	محمد بن احمد بن محمد۔
	ملاقات نوشہ	حاجی محمد قادری نوشہ
	مقامات اولیا: سیرت اتقیا	
	مقامات تصوف	ابو سعید مجددی قادری
۱۱۰۵	مقامات خدا بخش ملتانی	
	مقامات السلوک	
	مقامات صوفیان: چہل مقام	
	مقامات طریقہ مجددیہ	شاہ رؤف احمد مجددی
	مقامات مجدد الف ثانی	
	مقصود الطالبین	
	مقصود المراد: مقصود العاشقین ملفوظات شاہ	شاہ مراد بن شاہ جلال
۱۱۱۲	مقصود المومنین: ترجمہ	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۱۱۲	مقصود المومنین و ذوق العارفین	
	مکاتیب شریفہ و مکتوبات شریفہ	غلام محی الدین قصوری
	مکاتیب طیبہ	ایضاً
	مکاشفات	شاہ نعمت اللہ کرمانی
	مکاشفات	
	مکالمات غوثیہ	ابو اسحاق جمال الدین احمد
	مکتوبات احمد کشیری	ابو محمد حسن شیری قادری
	مکتوب اعلیحضرت	غلام نبی للہی
	مکتوبات بوعلی قلندر	بوعلی قلندر پانی پتی
	مکتوبات جہانیاں جہاں	جہانیاں جہاں گشت
	مکتوبات محمد حسن جان	محمد ہاشم جان مجددی
۱۱۲۴	مکتوبات محمد حسین	محمد حسین
	مکتوبات خواجہ معین الدین چشتی	خواجہ معین الدین سنجری
	مکتوبات درویش محمد	درویش محمد قادری
	مکتوبات دوست محمد	دوست محمد قندھاری
	مکتوبات دیدار و نامہ بصعبدار	محمد بن محمود دہدار
	مکتوبات محمد راشد	پیر محمد راشد اللہ
	مکتوبات سید آدم	سید آدم بنوری
	مکتوبات خواجہ شریف ہرات	خواجہ شریف ہرات
۱۱۳	مکتوبات محمد شہریار	محمد شہریار

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۱۳۳	مکتوبات صفی اللہ	شاہ صفی اللہ
	مکتوبات الصلاۃ بمکتوبات در... سالکان و مکتوبات سید عبدالرحمن	سید عبدالرحمن
	مکتوبات عبدالجلیل	شیخ عبدالجلیل چشتی لکھنوی
	مکتوبات عبدالجلیل	مولانا عبدالجلیل فاضل ٹونکی
	مکتوبات عبدالحمید	عبدالحمید
	مکتوبات عبدالصبور	عبدالصبور
	مکتوبات عبدالکریم دردویزہ	عبدالکریم کریم داد نگرہاری
۱۱۴۰	مکتوبات عبدالواحد بلگرامی	عبدالواحد ابراہیم بلگرامی
	مکتوبات ... الی طوسی	حجۃ الاسلام محمد
	مکتوبات غلام محی الدین قصوری (۱)	غلام محی الدین قصوری
	مکتوبات غلام محی الدین قصوری (۲)	
	مکتوبات فخر جہاں	خواجہ محمد عبدالصمد
	مکتوبات فضلیہ	قاضی ابو محمد عبدالرب فضلی
	مکتوبات نصیر اللہ	فضل بن پیر محمد
	مکتوبات مانکپوری	حسام الدین مانکپوری
	مکتوبات مجتبی قلندر	مجتبی قلندر رائے بریلوی
	مکتوبات محب اللہ	محب اللہ الہ آبادی
	مکتوبات ملا شاہ	ملا شاہ بدخشی
	مکتوبات میر صاحب	میر مہدی چشتی فخری
۱۱۵۲	مکتوبات میر صفی اللہ	میر صفی اللہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۱۵۱	مکتوبات ناشناختہ	
	مکتوبات نوراللہ	سید نوراللہ نوشاہی
	مکتوبات نور محمد لاہور	نور محمد لاہوری و ملا مسعود ملتانی
	مکتوبات نوشہ	حاجی محمد قادری
	مکتوبات عبدالحکیم سیو: رسالہ عبدالحکیم	عبدالحکیم سیوکالوری قندھاری
	ملاک الاعتقاد و نجات العباد	محمد یحییٰ مشہور بہ نواب اللہ
	ملفوظات بقا	خواجہ محمد بقا نقشبندی
۱۱۶۰	ملفوظات جامی	عبدالرحمٰن جامی
	ملفوظات جہانیاں جہاں گشت، ملفوظات جلال الدین بخاری	مخدوم جہانیان جہانگشت
	ملفوظات حضرت صاحب	ابراہیم بن بیگ
	ملفوظات خدابخش	عظیم شاہ بن میاں اللہ بخش
	ملفوظات محمد راشد (۱)	محمد حسین
	(۲) ملفوظات محمد راشد: جامع الفیوضات	محمد راشد
	ملفوظات رشیدی: ملفوظات عبدالرشید نعمانی	بہ شرف الدین قریشی
۱۱۶۸	ملفوظات سعدالدین	عبدالستار

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۱۶۹	ملفوظات سراج العارفین	مصطفیٰ احمد ضیاء الدین
	ملفوظات شاہ اسد چہل مجلس	
	ملفوظات شریف: ملفوظات توکلوی	غلام حیدر
	ملفوظات شکر گنج	فریدالدین مسعود
	ملفوظات صاحب کوٹہ	حضرت جی معروف بہ ملا صاحب کوٹہ
	ملفوظات صبغت اللہ	سید علی گوہر حسینی
	ملفوظات سید عبدالکریم سندی	
	ملفوظات عطار نیشاپوری	محمد بن محمد ابوسعید عطار نیشاپوری
	ملفوظات شیخ عیسیٰ	شیخ عیسیٰ بن شیخ قاسم سندھی
	ملفوظات فتح علی	
	ملفوظات فقیر اللہ	محمد فاضل
۱۱۸۰	ملفوظات لعل شہباز قلندر	منور علی بن محمد فاضل
	ملفوظات مبارک: ملفوظات محکم الدین	
	ملفوظات مخدوم نوح	مخدوم نوح ہالاکنڈی سندھی
	ملفوظات نصیرالدین محمود: دہ مجلس	نصیرالدین محمود چراغ دہلی
	ملفوظات وجیہ الدین	
	منارالانوار	
۱۱۸۹	منازل الاولیاء: رسالہ	محمد حسین خباز کشمیری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۱۸۷	مناظرہ بزم و رزم: مناظرہ رزم و بزم	حسام الدین علی ترک بخاری	۱۲۰۶	الناس بالقیاس: رسالہ در...	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
				نافع الراسخین	زعفران
	مناسیہ	میر سید علی ہمدانی		نافع الطالبین: فواید عارفیہ	محمد عارف قریشی اسدی
	منتخبات محمد امین میو	محمد امین میو		نبوت و ولایت: تحقیق در...	محمد جمال الدین بن سید نور علی شاہ
	منتخب المناقب، مکتوبات سلیمان تونسوی	محمد زوقی		. . . رسالہ در..	نعمت اللہ کرمانی
	منتہی العارفین	شاہ اسد اللہ		شرح نزہۃ الارواح:	بہار الدین بد
	منشئات فخر الدین رازی	فخر الدین رازی		نفحۃ الارواح: شرح نزہۃ الارواح	سید علی بن عثمان ہروی
	منہاج السالکین	محمد اکرم بن علی براسوی			
	منہاج معرفت	لطف اللہ قادری		نزہۃ السالکین	علیم اللہ جالندھری
۱۱۹۰	منبع الرشاد لنفع العباد	ابو بکر محمد بن محمد		نزہۃ العاشقین	عثمان بن حاجی
	مواہب النبی	خیر اللہ نقشبندی	۱۲۱۵	نسیم ریاض	عبد القادر جیلانی
	مواہب محمد زبیر	قطب الدین محمد اشرف میدہ		النصح الوافی للقلب الشافی	علی بن حسام الدین متقی
	مونس السالکین			نظام و سرانجام	شاہ داعی شیرازی
	مونس الصالحین	حسین		نغمات الکرامات، ملفوظات پیر راشد اللہ م	محمد قاسم شوری
	میراث العاشقین	شاہ احمد عرف شاہ مدن			
	میزان التمیز فی العلم العزیز: حجۃ البالغہ	مرزا محمد ابو الہادی نیشاپوری		نفخ روح: رومیہ: بیان حقیقت آدم و روح	نعمت اللہ کرمانی
	میزان السبت			نفس معرفت ...	
	میزان المعانی			نفس الامر رسالہ..	کمال الدین ابراہیم شروانی
	میمونہ	جنید بغدادی	۱۲۲۲	نفس و خداشناسی: معرفت	
	میمونہ	عبد اللہ ہروی			

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۲۲۳	نفی واثبات: (شرح) و تفسیر لاالٰہ الااللہ	نعمت اللہ ولی کرمانی
	نقط	صائن الدین علی ترکہ خجندی
	نکات	حافظ غلام محمد فرخ آبادی
	نکات	شاہ نعمت اللہ کرمانی
	نکات	
	نکات الاخوان	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
	نکات الاسرار	محمد امین بدخشی
۱۲۳۰	نکات بے خود	منشی سیتل سنگھ بے خود
	نماز صوری	خواجہ باقی باللہ نقشبندی
	نوادر للعارف	خواجہ محمد موسیٰ
	نوادر الوظائف و غرائب اللطائف	ابو بکر بن ابو الفتح الحسینی
	نوالۂ طرب: برزخیہ	
	نود و نہ نام خدا	
	نور علی نور	منسوب بہ عبد الرحمٰن جامی
	نور وحدت	بصیر مرید حضرت برہان اللہ
	نور وحدت: حقیقت وحدت وحدت وجود	
	نور الہدیٰ	سلطان باہو
	نور الہدیٰ	شیخ عبد القدوس گنگوہی
	نور الہدایہ	
۱۲۴۲	نوریہ	علاء الدولہ سمنانی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۲۴۳	نوریہ	سید علی ہمدانی
	. .	شاہ نعمت اللہ کرمانی
	نوریہ: انوار	
	نوریہ	
	نہایۃ الکمال	غلام قادر شاہ بٹالوی قادری فاضل
	. .	
	النہایۃ ہو الرجوع الی البدایہ	خواجہ محمد چشتی
۱۲۵۰	نیت: رسالہ . . .	خواجہ محمد چشتی احمد آبادی
	نی نامہ: نائیہ	عبد الرحمٰن جامی
	نی نامہ: شرح مثنوی	چرخی
	واصلۃ الحق	حافظ عثمان
	واقعۃ الحقائق، واقعہ ثانیہ	خواجگی احمد کاسانی
	وجود مطلق	شیر محمد
	. .	عبد الرحیم
	وحدت وجود	رشید الدین دہلوی
	. . . : اثبات . . .	رضا شریف کنی قمی حسینی
	. . . : رسالہ در . .	میاں محمد شریف
	. . . : تقریری در . .	حافظ صدر الدین حیدرآبادی
	. . .	عبد اللہ بن عبد الحکیم سیالکوٹی
	. . .	شیخ عبد القادر جیلانی۔
۱۲۶۳	. . .	عزیز نسفی

نام کتاب	نام مصنف
وحدت وجود: رسالہ ...	محمد علی مہاجر
"	محمد غوث پشاوری لاہوری
" : مراتب سہ گانہ	
" : رسالہ در ...	
وحی والہام فیما بین بیان ...	عزیز نفسی
ورد الابرار	محمد حسن علی مالکی
ورد محمدی: ترجمہ و فتح المفضل	خواجہ گل محمد سندی
ورد المریدین	بابا داؤد خاکی کشمیری
وسیلۃ النجات والوصول فی شرح ابیات موارد القبول	محمد فاخر زایر عباسی
وصیۃ السالکین	سید صفی اللہ
ولایت: رسالہ فی الولایہ	شاہ داعی شیرازی
ولایت عامہ و خاصہ: ولایت و نبوت، مراتب ولایت	شاہ نعمت اللہ کرمانی
ہدایت الذاکرین	عثمان ہزاری چشتی
ہدایت راہ	شیخ ہدایت اللہ شاہ
ہدایت ربی عند فقد المربی	علی بن حسام الدین متقی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۲۷۹	ہدایت الطالبین	محمد صالح بدخشانی کولابی
	"	محمد صدیق بدخشی کشمی
	"	
	ہدایت المخلص	سید میر سید گجر لنگ تم کشمیری
	ہدایت المدبرین وارشاد السالکین	موسی بن حامد
	ہدایت المصلین و سلاح المومنین	اللہ بخش معروف بہ احمد بخش
۱۲۸۵	ہدایت نامہ، رسالہ در بیان فتن	ابوالحسن خرقانی
	ہمدانیہ	میر سید علی ہمدانی
	ہوش افزا	خواجہ ناصر عندلیب
	یقینیہ: علم الیقین و عین الیقین، حق الیقین	خواجہ باقی باللہ نقشبندی
	ینابیع الحیات الابدیہ فی طرق طلاب النقشبندیہ	شیخ ابوالحسن سندی داہری نقشبندی
۱۲۹۰	یواقیت الحرمین: ترجمہ یواقیت حسنات الحرمین	محمد شاکر بن طاہر الدین سرہندی

فہرست تصوف عربی (پاکستان)

دار العلوم پشاور

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	بیان الاسرار	شیخ عبدالقادر جیلانی	۱۳	شرح قصیدہ غوثیہ	ابوالفرج محمد فاضل
۲	حیات الانسان	شیخ سید محمود قادری	۱۴	شرح قصیدہ غوثیہ	
		کروی نجم المدنی الشافعی	۱۵	ضرب الاقدام	محمد محفوظ قادری
۳	دقائق الاخبار	ابوحامد محمد بن غزالی	۱۶	قطب الارشاد	شیخ فقیر اللہ شکارپور
۴	زولق اللطائف شرح عوارف		۱۷	قطب الارشاد جلد اول و دوم	. . .
	المعارف		۱۸	کتاب فی التصوف	شیخ اکبر محی الدین
۵	سیر السلوک الی ملک الملوک	قاسم بن صلاح الدین الخانی	۱۹	کنز العباد فی شرح الاوراد	شیخ عبدالقادر جیلانی
۶	شرح برزخ	ابوسعید	۲۰	لطائف الاعلام فی اشارۃ اہل	شیخ عبدالرزاق الکاشی
۷	شرح الحکم ابن عباد	شیخ تاج الدین		الالہام	
		ابوالفضل	۲۱	مجموعہ رسائل	
۸	شرح الحکم ابن عباد		۲۲	مجموعہ رسائل ۱۰ عدد	
۹	شرح رسالہ تسویہ	حاجی ابوذر	۲۳	مجموعہ رسائل تصوف پانچ عدد	
۱۰	شرح صلوۃ علیہ سید آدم بنوری		۲۴	المعارف اللدنیہ وغیرہ	یعقوب چرخی
۱۱	شرح عین العلم	اخوند محمد محسن کشمیری	۲۵	مقصود القاصدین (مجموعہ)	شیخ بدر الدین بن شیخ ز
۱۲	شرح فصوص الحکم				سندھی بن ابوالخیر

پاکستان میں مزید مخطوطات تصوف

منزوی کے علاوہ چند اور فہرستیں بھی ملی ہیں جن میں ایسے اندراجات

ہیں جو منزوی میں نہیں ہیں۔ یہ سب فہرستیں پاکستان فہرست نمبر ۲ کے

طور سے پیش کی جارہی ہیں۔ ان سب فہرستوں سے جو ہمیں عارف نوشاہی

صاحب (اسلام آباد) اور ڈاکٹر حسین صاحب (پشاور یونیورسٹی)

سے ملیں، ہندوستان میں موجود مخطوطات کو نکال کے بقیہ کو پیش کیا جارہا ہے۔

مخطوطاتِ تصوف (فارسی)

کتب خانہ نوشاہیہ از: عارف نوشاہی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
	انیس العاشقین	گماسی		قرۃ العین	محمد عادل
	رسالہ تعریف	میاں غلام مصطفےٰ		قسطاس القادریہ موازنہ قرطاس النقشبندیہ	شرافت نوشاہی
	رسالہ سماع	محمد حیات نوشاہی		مصطلحات صوفیہ	حافظ نور اللہ نوشاہی
	رسالہ در شرح صوا اللہ الاکلا الہ الاھو	ناشناس		نافع المرشدین	شیخ یار محمد ملتانی

نیشنل میوزیم پاکستان (کراچی) مرتبہ: عارف نوشاہی

	اعراس المشائخ	ناشناس		سیر محمدی از زندگی خواجہ گیسو دراز	محمد علی سامانی [illegible]
	الہام شاہ خیر: صحیفہ شاہ خیر	سید احمد علی موسوی		شجرۂ عفوریہ	ناشناس
	کشف الاسرار ترجمہ			شرائف الغوثیہ	محمد بن غلام غوث قادری شطاری
	بہجۃ الاسرار	محمد حبیب اللہ		عنایات الٰہیہ	شمس الدین
	تاریخ قادریہ	عبدالرشید قادری گوالیاری		تحفہ ملکی: ترجمہ عیون اخبار الرضا	علی بن طیفور بسطامی
	تحفۃ الراغبین	سید عبدالجلیل			
	ترجمہ خلاصۃ المفاخر	ناشناس		فضائل الباری فی مناقب دوست محمد قندھاری	عزیز الدین بن عبدالکریم حنفی
	تذکرۂ معین الدین چشتی	دو			
	تذکرۂ مودودیہ چشتیہ	ناشناختہ		فیوضات قادریہ جلد ۲	ابوالفیض [illegible] محمد عیسیٰ [illegible]
	ثمرات القدس من شجرات الانس	لعل بیگ لعلی		معدن الجواہر	عبدالقادر
				مقامات خواجہ نقشبند انتخاب	ناشناس
				نور نامہ	[illegible] نصیر الدین [illegible]

اسلامیہ کالج پشاور مرتبہ: ڈاکٹر حسین [illegible]

	ترتیب مجہول الاسم	ناشناس		نقد النصوص	موید الدین جندی
	مدائح قادریہ	دو		شرح مثنوی مولانا روم (دو نسخے)	خواجہ ایوب

نمبر مجلد	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
				رسالہ مزالات بحار الغریف	ملازادہ
	مجموعہ حظیرۃ القدس	نواب صدیق حسن خاں		حل مثنوی	شاہ ولی ال
	شرح دیوان حافظ	حافظ شیرازی		مناقب امیر کلال	تاشتا
	مجموعہ کتاب التفرقہ	امام غزالی		روضۃ الواعظین	معین الدین
	شرح مرآۃ العارفین	حافظ شیرازی		تذکرۂ خواجگان نقشبند	صادق اشہ
				مجموعہ تصوف	شیخ قطب الد
	نتائج الحرمین (ملفوظات شیخ			کتاب مجہول الاسم	کمال الدین
	عبدالقادر جیلانی)	محمد امین علی بدخشی		شرح صلوۃ طیبہ آدم بنوری	عبدالاحد بن
	مجموعہ رسائل تصوف	خرم علی		حلاوۃ الاسلام	
	شرح طریقہ محمدی	اسمعیل شہید دہلوی		رسالہ مجہول الاسم	ابن عربی
	مناقب قادریہ	" " "			

The Comprehensive Lists as revised by the seminarians, and the papers as amended in the light of their comments, are now being presented in the form of Proceedings of the 2nd South Asian Regional Seminar. The Lists contain so-far unpublished Perso-Arabic manuscripts preserved in the public and private collections of the sub-continent. However, they carry only the bare minimum description, avoiding details regarding the folios, the dates, as also the minute subjects of the manuscripts as, generally speaking, the sources of the lists were found incomplete in these respects.

As for the decision to get the rare manuscripts edited, the work has been taken up in earnest and it is hoped that, before long, the Library would be able to produce critical editions of the choicest of the rare manuscripts lying buried in various oriental collections since centuries, unhonoured and unsung.

In the meanwhile, let us hope, the present work may serve as a helpful reference work to those who are akins to make in-depth studies in Sufism.

A.R.Bedar

Editor's Note

Khuda Bakhsh Library, an Institution of National Importance, one of the biggest repositories of Arabic and Persian manuscripts in the sub-continent, has launched a programme of intensive research in a few specialised fields in which India, Pakistan and Bangladesh might be equally interested. This is being realised through South Asian Regional Seminars on select subjects. The subjects are Tibb, Quranics, Indic Religions, Sufism, Indian History, Perso-Arabic and Urdu Literature.

The Scheme of the proposed Seminars is to sort out the most significant from amongst the rare and important manuscripts preserved in public & private collections of India, Pakistan and Bangladesh with a view to bring out their critical editions and/or translations. Librarians and Scholars specialising in the subject-manuscripts are invited to participate in the venture. Articles covering the whole range of a particular collection, briefly introducing each significant manuscript, are specially appreciated.

The first International Seminar held in 1984, was devoted to Ionian Medicine (Tibb) manuscripts. Proceedings of the Seminar including papers, and a comprehensive list of so-far unpublished manuscripts on the subject preserved in the sub-continent already have been published. The Second Seminar of the series held in 1985 was devoted to Manuscripts on Sufism (Tasawwuf).

A list of Indo-Pak holdings of manuscripts on Sufism · deemed to be so far unpublished were circulated for discussion. A few significant manuscripts were specially made subject of detailed study.

The Seminarians, at the end of the discussions, decided that (1) the list be revised and improved in the light of Seminar discussions, and (ii) Manuscripts held most significant by the Seminar be edited and/or translated and published at the earliest convenience; and competent scholars be requested to take up the work in earnest.

C O N T E N T S

Khuda Bakhsh Library Journal

1992

Price: Rs. 150/-

Printer	.	Liberty Art Press, 1528, Pataudi House, New Delhi.
Publisher	.	Mustafa Kamal Hashmi for Khuda Bakhsh Library, Patna (Phone: 650109, Telex: 22-430 KBL IN)
Editor	.	Dr A.R Bedar
Annual Subscription		Rs. 300/- (Inland) U$ 60 (Asian Countries) U$ 120 (Other Countries) Rs. 25/- Per Copy Price (this issue) Rs. 150/-.

Khuda Bakhsh Library

JOURNAL

69 —— 74

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
PATNA

خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ

۷۵

۷۶

۷۷

۱۹۹۲ء

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

رجسٹریشن نمبر: ۲۳۲۲۴/۷۷
شمارہ: پچہتّر تا ستہتّر
قیمت: پچہتر روپے

۱۹۹۲ء

سالانہ: ۳۰۰ روپے (ہند)
۶۰ ڈالر (ایشیا)
۱۲۰ ڈالر (دیگر ممالک)

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے لبرٹی آرٹ پریس، دریا گنج و پبلشرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے شائع کیا

فہرست

[illegible]

محمد علی جناح

ہندستانی مسلمان

مخطوطات شناسی

OO

سکوں پر اشعار

جناب سیّد نور محمد اکیلوی

سکّوں پر اشعار

سیّد نور محمد اکیشلوی

حرفِ آغاز

زمانۂ طالبِ علمی ہی سے مجھے قدیم سکّے جمع کرنے کا شوق تھا۔ حیدرآباد میں
عام طور سے قطب شاہی اور بہمنی بادشاہوں کے سکّے دستیاب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی
برید شاہی، عادل شاہی اور نظام شاہی حکمرانوں کے سکّے بھی مل جاتے ہیں۔ مجھے
بھی ابتدا میں یہی سکّے ملے۔ سکّے پڑھنا ایک دشوار امر ہے لیکن میں نے اپنے اساتذہ
کی مدد سے بعض صاف اور آسان عبارت والے سکّے پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے محدود
ذخیرے کی ایک فہرست بنالی تھی۔

ہائی اسکول سے فارغ ہوکر میں نے جب عثمانیہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو وہاں
میری ملاقات ادبیاتِ انگریزی کے ایک پروفیسر ای۔ای۔اسپیٹ سے ہوئی۔ اُنھیں
بھی قدیم سکّے جمع کرنے کا شوق تھا۔ وہ سکّوں کے تعلق سے کافی معلومات بھی رکھتے
تھے۔ اُنھوں نے مجھے اپنے سکّے دکھلائے اور میرے سکّے بھی دیکھے۔ مجھے یونیورسٹی کی
لائبریری میں سکّوں کے چند کیٹیلاگ بھی ملے جن کے دیکھنے سے میری معلومات میں کچھ اضافہ
ہوا۔ پروفیسر اسپیٹ بھی اس سلسلے میں میری رہنمائی کرتے تھے۔ اسی دوران مجھے کچھ اور
سکّے ملے جن میں سے بعض سکّوں کا پڑھنا میرے لیے دشوار تھا کیوں کہ ان پر کچھ ایسی
عبارت تھی جو میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اسی لیے میں نے وہ سکّے پروفیسر اسپیٹ کو

دکھلائے انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ محمد قلی قطب شاہ کے سکّے ہیں اور ان پر ایک شعر درج ہے۔ یہ میرے لیے ایک حیرت انگیز انکشاف تھا۔ مجھے اس وقت تک علم تھا کہ سکّوں پر شعر بھی درج ہوتے ہیں۔

اس دریافت کے بعد میں ایسے سکّے جمع کرنے پر زیادہ توجہ دینے لگا جن پر ا درج ہوں۔ مجھے چند دن بعد محمد عادل شاہ والیٔ بیجاپور کے سکّے ملے جن پر ش تھے پھر اورنگ زیب اور کام بخش کے سکّے دستیاب ہوئے۔ رفتہ رفتہ میرے بعض مغل سلاطین اور ٹیپو سُلطان نیز گجرات کے حکمرانوں کے اشعار والے سکوں کی تعداد جمع ہوگئی لیکن مجھے کوئی ایسا کیٹیلاگ نہ مل سکا جس میں اشعار والے تمام کر دیئے گئے ہوں۔ یہ کام متفرق کیٹیلاگوں میں بکھرا ہوا تھا اور کہیں کہیں تو میں نے محسوس کیا کہ سکّوں پر مندرجہ اشعار صحت کے ساتھ پڑھے بھی نہیں گئے ہیں اس لیے نے یہ طے کیا کہ اس مخصوص موضوع سے متعلق ممکنہ حد تک پورا مواد جمع کر کے ایک کتاب ترتیب دوں جس میں مختلف بادشاہوں کے سکّوں پر پائے جانے والے تما صحت کے ساتھ شایع کر دیئے جائیں۔

حُسنِ اتفاق سے ۱۹۷۳ء میں میرے ہندوستان سے باہر جانے کا پروگ راستے میں چند دن کابل اور تہران میں گزارنے تھے۔ میں نے ان مقامات پر موضوع کے تعلق سے کچھ مواد فراہم کرلیا۔ لندن پہونچنے کے بعد تو برٹش میوزی انڈیا آفس لائبریری کے بیش بہا ذخائر میرے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ لند میرا قیام کسی قدر طویل رہا اور میں نے اپنی دیگر مصروفیات سے بچے ہوئے وقت میں تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا۔

لندن میں ۱۹۷۶ء میں "ورلڈ آف اسلام فیسٹول" کے انعقاد کی تیا بڑے جوش و خروش سے ہو رہی تھیں۔ خصوصی نمائشوں کا اہتمام کیا جا رہا تھا ہونے والی تھیں اور سمینار منعقد کئے جا رہے تھے۔ انھی میں ایک سمینار اسلامی کے بارے میں بھی تھا۔ میں نے اِس سمینار میں شرکت کی۔ اس میں شرکت

یورپ، امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے بعض مشاہیر ماہرین مسکوکاتِ قدیمہ سے ملاقات
ر تبادلۂ خیال کا موقع مل سکا۔ ان میں سے ایک امریکی اسکالر نے میرے موضوع تحقیق
ے بڑی دلچسپی لی اور مجھے مشورہ دیا کہ میں لندن یونیورسٹی کے " اسکول آف اورینٹل
نڈ افریکن اسٹڈیز" سے وابستہ ہوکر اپنے کام کو باقاعدگی کے ساتھ آگے بڑھاؤں
انچہ انھوں نے اس اسکول کے رجسٹرار مسٹر بشپ سے میرا تعارف کراتے ہوئے ان
ے خواہش کی کہ اپنے اسکول میں ایم۔فل کے کورس میں میرے داخلے کے امکانات پر
رکریں۔ مسٹر بشپ نے بھی اس موضوع سے اپنی پوری دلچسپی ظاہر کی اور چند رسمی
در کی تکمیل کے بعد مجھے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جزو وقتی طالب علم کی حیثیت سے تین سال
لیے ایم۔فل میں داخلہ دے دیا گیا۔

" اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز" میں میرا کام متعلقہ شعبہ کے پروفیسر
ٹر اے۔ ڈی۔ ایچ بیوار کی نگرانی میں شروع ہوا۔ موصوف نے بھی سکوں پر اشعار کے
وع سے بڑی دلچسپی ظاہر کی اور فرمایا کہ واقعتاً اب تک اس موضوع پر جامع طور سے کوئی
نہیں ہوا ہے اور یہ کہ اس کام کی تکمیل سے انھیں توقع ہے کہ مسکوکات قدیمہ کے لٹریچر
ایک مفید اضافہ ہوگا۔ ڈاکٹر بیوار کی رہنمائی میں میرا کام آگے بڑھتا رہا۔ انھوں نے
لندن کی دو تین اہم لائبریریوں کی رکنیت حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور ــــــ
ل ایشیاٹک سوسائٹی" سے بھی مجھے منسلک کروادیا۔ ان اداروں کے ادبی سرمایہ سے
تفادہ کرکے میں نے ایک سال کی مدت ہی میں اپنے موضوع سے متعلق تقریباً پورا خام
جمع کرلیا۔ ڈاکٹر بیوار ہر ہفتہ میرے کام کی پیش رفت پر نظر ڈالتے اور اپنے قیمتی مشوروں
نوازتے رہے۔

سوءِ اتفاق سے اسکول میں داخلے کے دوسرے ہی سال میری صحت اچانک
ب ہوگئی۔ دراصل انگلستان میں کئی سال کے قیام کی وجہ سے وہاں کی سرد اور مرطوب
وہوا کا مضر اثر آہستہ آہستہ میری صحت پر غیر محسوس طور سے پڑ رہا تھا اور بالآخر
۱۹۷۷ء میں آرتھرائٹس کے موذی مرض کا شکار ہوگیا۔ ابتدائی علاج کے بعد ڈاکٹروں

کے مشورے پر مجھے انگلستان کا قیام چھوڑ کر وطن واپس ہو جانا پڑا۔ اور میرا تحقیقی کا
ادھورا رہ گیا۔

اِدھر کچھ عرصے سے بعض احباب کا مسلسل یہ تقاضا رہا کہ میں اس کام کو اُردو
میں پایۂ تکمیل تک پہونچا دوں کیوں کہ اس زبان میں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا
ہے۔ مجھے احباب کا یہ اصرار یقیناً بڑی اہمیت کا حامل نظر آیا۔ چنانچہ میں نے اس
کتاب کی ترتیب و تسوید کا کام شروع کر دیا۔ اس کے انگریزی اور فارسی ایڈیشنوں
کام بھی جاری ہے۔ مجھے توقع ہے کہ یہ کتاب اس موضوع پر اُردو میں کام کرنے
والے محققین کے لیے مفید اور باعثِ دلچسپی ثابت ہوگی۔

تاریخ کوئی جامد چیز نہیں جس کا ثبوت کسی ایک منزل پر ختم ہو جاتا ہو، بلکہ
کاروانِ تحقیق آگے بڑھتا ہی رہتا ہے۔

••

تمہید

اگرچہ کہ موضوعِ کتاب "سِکّوں پر اشعار" ہے لیکن اس کے تعارف سے
ل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سِکّوں کی ابتدا کے بارے میں مختصراً یہ بتلا دیا
ائے کہ کس دور میں اور کن حالات میں ان کی اجرائی عمل میں آئی تاکہ قارئین کے
ہن میں ایک ایسا پس منظر تیار ہوجائے جس کی مدد سے انھیں سکّہ سازی کے تدریجی
تقا کی رفتار کو سمجھنے میں آسانی ہو اور موضوعِ کتاب کے تعلق سے ایک سازگار
ضا تیار ہوجائے۔

مسکوکاتِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے یہ جانتے ہیں کہ سِکّوں کی تاریخ صدیوں
نی ہے۔ سِکّوں کے رواج پانے سے قبل تجارتی کاروبار اجناس کے تبادلے سے کے
یلیے انجام دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم (سورہ یوسف) میں درہموں کا ضرور ذکر ملتا ہے مگر
مال اس دَور کے سِکّے دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ماہرینِ مسکوکاتِ قدیمہ نے حاصل شدہ
اد کی روشنی میں اتنا تو ضرور معلوم کرلیا ہے کہ سِکّوں کا رواج میلادِ مسیح سے سات
ٹھ سو سال قبل شروع ہوگیا تھا۔ اس دَور میں ہندوستان، چین، مصر اور لیڈیا
ں سِکّوں کا چلن پایا گیا ہے۔

ہندوستان میں ایسے ابتدائی سکّے عموماً چاندی کے پتّروں کے چھوٹے چھوٹے چوکور

ٹکڑے کاٹ کر بنائے جاتے تھے۔ یہ کام مقامی زرگروں (سُناروں) یا کاروباری اِداروں کے سپرد تھا۔ ان پر کوئی تحریر نہیں ہوتی تھی البتہ اہلِ معاملہ کی طمانیت کے لیے بعد میں علاقے کے معتبر لوگ اپنی مہرِ توثیق کے طور پر کسی اَوزار سے اِن ٹکڑوں پر اپنے اپنے نشان لگانے لگے۔ اِنہی نشانات کی وجہ سے آگے چل کر انھیں پنچ مارک سِکّے کہا جانے لگا اور ہندوستان کے طول و عرض میں صدیوں تک ان سکّوں کا چلن عام رہا۔

۳۲۶ ق م قبل مسیح میں ہندوستان پر سکندرِ اعظم کے حملے کے نتیجے میں یہاں کے فنِ سِکّہ سازی کو بعض نئی جہتیں ملیں۔ یونانی اپنے سِکّے ڈائی کے ذریعے بناتے تھے ان پر دیویوں دیوتاوں کی شبیہیں اُتاری جاتی تھیں اور حکمرانوں کے نام بھی درج کیے جاتے تھے۔ سکندرِ اعظم کی واپسی کے بعد اس کے سپہ سالاروں اور ان کے جانشینوں نے ایک عرصہ تک ہندوستان کے شمال مغربی حصّے پر اپنا تسلط قایم رکھا اور اپنے سِکّے چلاتے رہے۔ ان کے زوال کے بعد ساکاؤں اور پھر کُشانوں کی حکومتیں ان عِلاقوں میں قایم ہوئیں — اِن حکمرانوں نے یونانیوں کے سِکّوں کی تقلید میں اپنے سِکّے مضروب کروائے۔

اِدھر دوآبہ گنگ و جمن اور ہندوستان کے مشرقی علاقے میں ۳۲۰ قبل مسیح سے ہی موریا سلطنت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے اپنے دَور میں کوئی خاص سِکّے مضروب نہیں کروائے حتیٰ کہ اشوک اعظم جیسے نامور حکمران نے بھی پنچ مارک سِکّوں ہی کا چلن جاری رہنے دیا البتہ ان پر بدھ مذہب کے عقائد سے ماخوذ بعض علامات کا اضافہ کیا جن سے ان سکّوں کی علٰحدہ شناخت کی جاسکتی ہے۔

۱۸۴ ق م قبل مسیح میں موریہ خاندان کے زوال کے بعد ان علاقوں میں کوئی مستحکم حکومت چار پانچ صدیوں تک قائم نہ ہوسکی تاآنکہ ۳۲۰ء عیسوی میں گپتا خاندان نے عنانِ اقتدار سنبھالی۔ اس خاندان کے دوسرے حکمران سمدراگپتا کا دورِ حکومت (۳۲۶ء تا ۳۷۵ء) ہر اعتبار سے بہت شاندار رہا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے حدودِ مملکت کی توسیع اور ان کے استحکام کی طرف توجہ دی بلکہ رعایا کی فلاح و بہبود کے ترقیاتی کاموں کے ساتھ ساتھ ادب، شاعری، موسیقی اور دیگر تمام فنونِ لطیفہ کی

سرپرستی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سمدرا گپتا خود ایک اچھا شاعر بھی تھا اور اسی ذوقِ شعری کے نتیجے میں اس نے اپنے جشن اشوہ میدھ یگ کی تقاریب کے موقع پر وہ یادگار سکّے مضروب کروائے جن پر دنیا میں پہلی بار منظوم عبارتیں درج کی گئیں۔ سمدرا گپتا کے بعض جانشینوں نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا لیکن اس خاندان کے زوال (۴۸۰ء) کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

اُدھر آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر میں عرب و ہند کے تعلقات میں ایک نیا اور خوشگوار موڑ پیدا ہوا۔ ویسے تو ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات صدیوں پُرانے تھے۔ عرب تاجر سمندری راستوں سے ہندوستان کی تجارتی اشیاء یمن اور شام لے جاتے جہاں سے اُنھیں یوروپ کی تجارتی منڈیوں میں پہونچا دیا جاتا اور پھر انہی راستوں سے مغرب کا مال مشرق اور ہندوستان پہونچ جاتا تھا۔ لیکن عباسی خلفاء کے دورِ حکومت میں ہندوستان سے عربوں کے تہذیبی تعلقات بھی قایم ہوئے۔ بغداد میں ایک 'دارالحکمۃ' قایم کیا گیا جہاں ہندوستان سے بُلوائے گئے پنڈت، وید اور فلسفی سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی مختلف علوم و فنون کی اہم کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کرنے پر مامور کئے گئے تھے۔ بغداد سے بعض علماء و ہندوستان بھی بھیجا گیا جہاں اُنھوں نے اپنے ادبی اور تہذیبی سرمایہ کو سنسکرت زبان میں منتقل لیا۔ اس تہذیبی داد و ستد کے بڑے خوشگوار نتائج برآمد ہوئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِسی دَور میں عربوں نے اِس بات سے بھی واقفیت حاصل کرلی کہ ہندوستان میں سکّوں پر اشعار بھی درج کئے جاتے تھے چنانچہ مستند مورخین نے لکھا ہے کہ سکّوں پر عربی اشعار کا اندراج سب سے پہلے ہارون الرشید (۷۸۶ء تا ۸۰۹ء) کے عہدِ خلافت میں ہوا۔ س کے بعد ہمیں شمالی افریقہ کے حکمران زیادۃ اللہ ثالث (۹۰۹ء) کے سکّوں پر عربی اشعار ملتے یں۔ پھر اصفہان کے بُویہی حکمران فخرالدولہ (۹۷۶ء تا ۹۹۷ء) کے دور میں عربی اشعار سکّوں پر مضروب کئے گئے۔ عربی اشعار کے سکّوں پر اندراج کی آخری مثال ہیں شاہ اسمٰعیل صفوی ۱۵۰۲ء تا ۱۵۲۴ء) کے سکّوں پر مشہور دُعائے 'نادِ علی' کی شکل میں ملتی ہے۔

عربوں کے زوال کے بعد ایران، خراسان اور ترکستان میں غیر عرب حکومتیں قایم ہوگئیں

ہندوستان پر بھی جن مسلم فاتحین نے حملے کئے تھے محمد بن قاسم کے سوا سب غیر عرب۔
اسی لیے ان تمام علاقوں میں فارسی شعر و ادب حکمرانوں کی سرپرستی میں خوب پھل پھول رہا تھا۔
ابھی تک کسی حکمران کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ سکوں پر فارسی زبان کے اشعار بھی د
کئے جا سکتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ فارسی شعر سب سے پہلے کسی ایرانی حکمران کے سکوں پ
درج کیا جاتا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امتیاز بھی ہندوستان ہی کے لیے مخصوص ہو چکا تھا چنا
گجرات کے بادشاہ محمد شاہ ثانی (۱۴۴۲ء تا ۱۴۵۱ء) نے سب سے پہلے اپنے سکوں پر فارسی
شعر مضروب کروایا۔ اس کے بعد اسی خاندان کے ایک اور حکمران بہادر شاہ (۱۵۲۶ء ۱۵۳۶ء) کے
سکوں پر بھی ہمیں فارسی شعر ملتا ہے۔ اُدھر کشمیر میں حسن شاہ اور فتح شاہ نے بھی اپ
سکوں پر فارسی شعر مضروب کروائے تھے۔

۱۵۲۶ء میں بابر نے دہلی کو فتح کر کے سلطنت مغلیہ کی بنا ڈالی۔ بابر ادب و شعر
سے بھی بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اگر اس کو کچھ عرصے تک حکومت کرنے
موقع ملتا تو شاید وہ اپنے سکوں پر فارسی اشعار درج کرواتا مگر بابر کو بالکل مہلت نہ ملی
اس نے بدخشاں، قندز، پورے افغانستان، پنجاب، دوآبہ گنگ و جمن سے بہار تک اور
جنوب میں راجپوتانہ پر مشتمل وسیع سلطنت چھوڑ کر ۱۵۳۰ء میں انتقال کیا۔ بابر کے بعد ہمایوں
کی زندگی بھی عجیب کشمکش میں گزری۔ پہلے تو ہمایوں نے گجرات اور مالوہ کی متحدہ سلطنت
کو فتح کرنے کی غرض سے گجرات کی طرف کوچ کیا۔ اور مانڈو، چاپانیر اور کھمبایت تک بہادر شاہ
کا تعاقب کر کے اس کو پے در پے شکستیں دیں لیکن ہمایوں گجرات کو پوری طرح اپنے تسلط
میں نہ لا پایا تھا کہ اس کو بنگال کی فوجوں کے ساتھ شیر خاں افغان کی پیش قدمی کی خبر ملی
اور وہ اس کے مقابلہ کے لیے نکل پڑا۔ اور ایک طویل جدوجہد کے بعد ۱۵۴۲ء میں ہمایوں
کو پسپا ہو کر سندھ میں پناہ لینی پڑی۔ اور دہلی پر شیر شاہ کا قبضہ ہو گیا۔

ہمایوں نے شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ کے راستے ایران کا رُخ کیا۔ اس کے
ساتھ فوج کے ہزاروں سپاہی اور وفادار سردار ضرور تھے مگر وہ اِس موقف میں نہ تھا کہ
شیر شاہ سے مقابلہ کر کے دوبارہ دہلی کا تخت حاصل کر لے۔ وہ چاہتا تھا کہ ایران کے

حکمران شاہ طہماسپ صفوی سے امداد لے کر پورے ساز و سامان کے ساتھ پٹھانوں کا مقابلہ کرے ہمایوں اپنے اس منصوبے میں کامیاب ضرور ہوا مگر اس کو ایران پہونچتے پہونچتے کئی برس لگ گئے ابھی وہ سندھ کے علاقے ہی میں تھا کہ اسے شیر شاہ کے انتقال کی خبر ملی۔ وہ سندھ کے ریگستان سے گزرتے ہوئے کوہِ لہری کے دامن میں ایک پُر فضا مقام پر پہونچا۔ یہ مقام ہمایوں کو بہت پسند آیا اور اس نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ پنجشنبہ کا دن تھا اور رمضان کی اٹھائیس تاریخ تھی۔ تمام اعیانِ دولت، سردارانِ لشکر اور سپاہیوں نے بھی اسی مقام پر قیام کیا۔ دوسرے دن ہمایوں نے سب کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی۔ نماز کے بعد ایک درباری شاعر نے حسب ذیل قطعہ پیش کر کے گراں قدر انعام پایا۔

تا ہمایوں نام اورا سکّہ بر دل نقش کرد
مہر از مہرش دہانِ سکہ پر زر می کند
منبری کز خطبۂ القاب او زینت گرفت
مشتری گوہر نثار فرق منبر می کند[1]

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ قطعہ ہمایوں کے سکّوں پر درج کیا گیا تھا یا نہیں کیوں کہ اس کے ایسے سکّے اب تک دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ہمایوں نے شاہ ایران کی امداد حاصل کرنے کے بعد پھر ہندوستان کا رخ کیا اور ۱۵۵۵ء میں سوری خاندان کے حکمران سکندر شاہ کو شکست دے کر دہلی کا تخت دوبارہ حاصل کر لیا۔ لیکن وہ اپنی بارہ سال کی جدوجہد کی تکمیل کا لطف پوری طرح اٹھا بھی نہ سکا تھا کہ اچانک ایک بالاخانے کا زینہ ٹوٹ جانے کے حادثے میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ہمایوں کے بعد اکبر اعظم اس کا جانشین ہوا۔ یہ ہر اعتبار سے ایک بڑا ہی خوش قسمت بادشاہ تھا جہاں اس کو اپنے اولوالعزم باپ دادا سے ایک عظیم سلطنت ورثے میں ملی تھی، وہیں اس نے شیر شاہ سوری جیسے مدبّر حکمران کا قائم کردہ ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ بھی پایا

---

[1] تاریخ سندھ تصنیف محمد معصوم المتخلص بنامی ابن سید صفائی صفحہ ۱۱۵ فارسی قلمی انڈیا آفس لائبریری۔ لندن

تھا۔ اکبر نے ان دونوں نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایک عظیم سلطنت کی بنیادیں ایک اور صدی کے لیے مستحکم کردیں۔ اس عظیم حکمران نے نظم نسق میں مفید اصلاحات کے ساتھ ساتھ مسکوکات کے باب میں بھی اپنی جدّت طبع کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں بہت بڑے سائز کے شاندار سکّے مضروب کروائے اور مُغلیہ خاندان میں سکّوں پر فارسی اشعار کے اندراج کا آغاز کیا جو اس خاندان کے آخری حکمران بہادر شاہ کے عہد تک برابر جاری رہا۔ بہادر شاہ کے سکّوں پر فارسی اشعار کے علاوہ اُردو اشعار کے اندراج کا ذکر بھی ملتا ہے۔

مغل اقتدار کے زوال پذیر ہوجانے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی پشت پناہی سے اودھ کے وزراء نے اپنی علیحدہ حکومت قائم کرلی اور اپنے سِکّے چلائے۔ اِن سِکّوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ سِکّھوں نے بھی پنجاب میں اپنے اقتدار کے زمانے میں اپنے سکّے مضروب کروائے جن پر فارسی اشعار درج تھے۔ بعض دیسی ریاستوں مثلاً جموّں جودھپور، ٹونک اور آسام کے بعض علاقوں کے حکمرانوں کے سکّوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔

دکن میں قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ (۱۵۸۱ء تا ۱۶۱۱ء) اور محمد عادل شاہ والیٔ بیجاپور (۱۶۲۶ء تا ۱۶۶۰ء) کے سکّوں پر فارسی اشعار درج کئے گئے ہیں۔ البتہ ابراہیم عادل شاہ والیٔ بیجاپور (۱۵۷۹ء تا ۱۶۲۶ء) کے سِکّوں پر ایک بیت بزبانِ دکنی بھی ملتی ہے۔ جنوبی ہند میں ٹیپو سُلطان کے سِکّوں پر بھی فارسی اشعار مضروب ہوئے۔

اُدھر ایران میں صفوی خاندان کے حکمران اسمٰعیل شاہ ثانی (۱۵۷۸ء تا ۱۵۸۷ء) کے عہدِ حکومت میں سِکّوں پر فارسی اشعار درج کرنے کا رواج شروع ہوگیا جو اس خاندان کے آخری حکمران عباس شاہ ثالث (۱۷۳۶ء) کے دَور تک جاری رہا۔ ایران میں صفویوں کے علاوہ افاغنہ (۱۷۲۲ء تا ۱۷۲۹ء) افشار (۱۷۳۶ء تا ۱۷۹۶ء) زَند (۱۷۵۰ء تا ۱۷۹۴ء) اور قاچار (۱۷۷۹ء تا ۱۹۲۵ء) خاندانوں کے بعض حکمرانوں کے سِکّوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔

۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد افغانوں نے احمد شاہ درّانی کی قیادت میں اپنی الگ حکومت قائم کرلی۔ اس حکمران نے ہندوستان پر بھی حملے کئے اور پنجاب اور سندھ کے بعض علاقوں کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ درّانی خاندان کے حکمرانوں نے بھی اپنے سکّوں پر فارسی اشعار درج کروائے۔ درّانیوں کے زوال کے بعد افغانستان میں برق زائی خاندان جو عام طور سے بارک زائی کہلاتا ہے برسرِاقتدار آیا۔ اس خاندان کے بعض ابتدائی حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ کابل کے شمال مشرق میں ماوراءالنہر کے علاقہ خوقند میں خانوں کی ایک حکومت ۱۷۰۰ء سے قایم تھی جس کا مستقر فرغانہ تھا۔ اس خاندان کے ایک حکمران محمد علی ۱۸۴۰ء کے سکّوں پر بھی فارسی شعر درج تھا۔

اِس تمہید میں اُن حکمرانوں کا اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے جن کے سکّوں پر اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان کے ضروری حالات اور سکّوں پر مندرجہ اشعار کی تفصیلات کا ذکر آئندہ صفحات میں ملے گا۔

سکّے پڑھنا

سِکوّں پر مندرجہ اشعار کے پڑھنے میں جو دشواریاں لاحق ہوتی ہیں اُن کا ذ
کرنے سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً وہ مشکلات بیان کر دی جائیں
عام سِکوّں کے پڑھنے میں پیش آتی ہیں۔ یوں تو آج کل سِکوّں کے متعدد کیٹیلاگ
دستیاب ہوتے ہیں جن کی مدد سے سکوں کی شناخت میں سہولت ہوتی ہے لیکن ان
سے استفادے کے لیے بھی سِکوّں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات درکار ہوتی ہیں ور
غیر ضروری کیٹیلاگوں کی ورق گردانی میں تضیعِ وقت کا اندیشہ رہتا ہے۔ لہذا سِکّے جمع کر
والوں کو چاہیئے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کریں کہ جس خاص سکّے کے بارے میں انھیں تفصیلاً
مطلوب ہیں وہ کس علاقے کا ہے، اس کا عہد کون سا ہے اور اس پر مندرجہ عبارت کی زبا
کون سی ہے اور اس کا تعلق کس حکمران خاندان سے ہے۔ یہ باتیں معلوم ہو جانے کے بعد متعلا
کیٹیلاگ سے بآسانی مدد لی جا سکتی ہے۔

اُنیسویں صدی کے وسط سے سکوں پر تحقیقی کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔ غ
منقسم ہندوستان کے سکوں پر بھی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جو مختلف عجائب خانوں میں محفو
سِکوں نیز خانگی ذخیروں کی فہرستوں پر مشتمل ہیں ان کے علاوہ نیومسمیاٹک سوسائیٹیا
کے جرائد و رسائل میں بھی معلومات افزا مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں۔ اس پورے
مواد سے خاطر خواہ استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن سکوں کے شائقین کو بنیادی طور پر ان چنا

اُمور کو پیشِ نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔

سکے کہاں دستیاب ہوئے۔ سکوں کا مقامِ دریافت معلوم ہونے سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ سکے کس علاقے کے ہیں۔ عموماً سکے جس علاقے کے ہوتے ہیں وہ اُسی علاقے میں بہ کثرت دستیاب ہوتے ہیں۔ دوسرے علاقوں کے سکے شاذ و نادر ہی مل جاتے ہیں۔ یہ ایک عمومی نقطۂ نظر ہے۔ آج کل سکوں کی تجارت کافی ترقی کر گئی ہے اور ذرائع آمد و رفت کی سہولت کی وجہ سے ایک علاقے کے تاجر دوسرے علاقے میں جا کر سکے خریدتے اور بیچتے ہیں مگر یہ صرف سونے کے سکوں اور کبھی کبھی چاندی کے سکوں کے تعلق سے ہوتا ہے۔ تانبے کے سکے جس علاقے کے ہوتے ہیں ان کی نکاسی وہیں ہو جاتی ہے۔

مقامِ دریافت کے تعین کے بعد سکوں کی عبارت کی زبان اور رسم الخط کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ ہندوستان کے ہندو حکمرانوں کے سکوں پر سنسکرت، کَروشتی، دیوناگری، برہمی اور پالی وغیرہ زبانوں کی عبارتیں ملتی ہیں۔ اور مُسلم حکمرانوں کے سکوں پر عموماً عربی زبان کی عبارات اور کبھی کبھی فارسی اندراجات بھی پائے جاتے ہیں۔ البتہ مُسلم حکمرانوں کے سکوں پر درج شدہ اشعار فارسی زبان میں ہیں۔ اِن بادشاہوں کے سِکوں کے تعلق سے ایک دشواری یہ پیش آتی ہے کہ ایک ہی نامؔ متعدد خاندانوں میں مشترک ملتا ہے۔ مثلاً محمد شاہ کا نام خلجیوں، گجرات کے حکمرانوں، کشمیر کے سلاطین، بنگال کے بادشاہوں، بہمنیوں اور عادل شاہیوں میں پایا جاتا ہے۔ ان تمام بادشاہوں کے سِکوں کی شناخت کے لیے ان کی مخصوص وضع و قطع اور ساخت نیز رسم الخط اور ان کے القاب اور خطابات کو پیشِ نظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔ بعض صورتوں میں القاب وغیرہ میں مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ اگر اس پر پوری طرح غور نہ کیا جائے تو ایک خاندان کے حکمران کے سکے کو دوسرے خاندان کے حکمران سے منسوب کرنے کی غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔

متذکرہ صدر اُمور کو پیشِ نظر نہ رکھ کر بعض محققین سے فاش غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔ ہندوستان کے ایک محقق نے بہمنی خاندان کے دو سِکوں پر المعتصم باللہ اور الواثق باللہ کے القاب دیکھ کر اُنھیں معتصم باللہ اور واثق باللہ خلفائے بغداد سے منسوب کر دیا۔[ا]

[ا] گنجِ شائیگاں مصنفہ محمد رفیع موہانی عالی مطبوعہ مرادآباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۸

ایران کے ایک محقق نے محمد شاہ والئ گجرات کے سکّے کو محض اس بنا پر کہ اس سکّے پر بادشاہ کا نام محمد شاہ درج ہے ایران کے قاچار خاندان کے حکمران محمد شاہ کے نام سے شایع کر دیا۔[۵۱]
سکوں کی عبارت کی زبان سے واقفیت نہ ہو تو عبارت کے صحیح مفہوم تک رسائی ممکن نہیں اور مطلب خبط ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی مثال سلاطین مغلیہ کے سکّوں پر مندرج ایک دعائیہ کلمہ کی انوکھی تعبیر کی صورت میں ملتی ہے۔ ہندوستان کے ماہر مسکوکات قدیمہ سی۔ آر۔ سنگھال نے اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ میں محفوظ مغل سلاطین کے سکّوں کے کیٹیلاگ کی ترتیب کے ضمن میں بادشاہ ہمایوں کے سکّوں پر مندرجہ دعائیہ جملہ ———— "خلد اللہ ملکہ دولتہ وسلطانہ" کو اول تو ایک فارسی محاورہ لکھا اور پھر بتلایا کہ اب تک کسی نے اس جملہ کا صحیح ترجمہ نہیں کیا اور غلط مطلب نکالا۔ نیز یہ کہ (مسکوکات قدیمہ کی تاریخ میں) انھوں نے پہلی بار اس جملہ کو صحیح طور سے پڑھ کر درست مطلب نکالا ہے ان کی تحقیق میں "ملکہ و سلطانہ" سے مراد مَلِکہ اور سُلطانہ یعنی کوئین یا بادشاہ بیگم ہے۔[۵۲] یا للعجب۔ اب انھیں کون سمجھائے کہ مُسلم حکمرانوں میں سوائے شہنشاہ جہانگیر کے کسی نے اپنے سکّوں پر اشارۃً بھی اپنی ملکہ کا ذکر نہیں کیا' چہ جائیکہ اس کے لیے دعائیہ کلمات درج کرے۔ یہ دُعا ملک، دولت اور اقتدار کے استقلال کے لیے ہے اور یہ جُملہ فارسی نہیں بلکہ عربی زبان کا ہے۔
یہ مسئلہ ایلخانی خاندان کی ایک حکمران ساتی بیگ کے سکّے سے بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ ملکۂ و سلطانۂ کے الفاظ بادشاہ بیگم یا کوئین پر قطعاً دلالت نہیں کرتے کیوں کہ ساتی بیگ نے جو خود ایک عورت اور سلطان سلیمان ایلخانی کی ملکہ تھی اپنے سکّے پر خلد اللہ ملکھا استعمال کیا ہے۔[۵۳]

---

[۵۱] کیٹیلاگ تبریز میوزیم از آقائے جمال ترابی طباطبائیؒ مطبوعہ ایران جلد سوم صفحہ ۳۴۔
[۵۲] کیٹیلاگ آف مغل کوائنس ان دی اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی۔ آر۔ سنگھال مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۵ء فٹ نوٹس بر صفحات ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔
[۵۳] کیٹیلاگ تبریز میوزیم از آقائے جمال ترابی طباطبائیؒ مطبوعہ ایران جلد سوم صفحہ ۵۱۔

انگلستان کے مشہور مورّخ اور ماہرِ مسکوکات قدیمہ اسٹینلی لین پول[۵] نے ملکۂ نور جہاں کا نام مِہر النساء کے بجائے مُہر النساء درج کر کے اس کا ترجمہ "نسوانیت پر مہر" کیا ہے۔ اسی مستشرق نے شاہ جہاں کے لڑکے مراد بخش کے سکّوں پر اُس کے لقب "مُروّجِ الدین" کو "مُزَوِّجُ الدین" پڑھ کر، اس کے معنی ترویج (رواج دینے، پھیلانے) سے نہیں بلکہ تزویج (شادی کرنے، وابستہ ہونے) سے نکال کر خود ہی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ یہ عجیب لقب ہے۔

بعض سکوں پر دارالضرب کا نام بھی درج ہوتا ہے چند حکمرانوں نے دارالضرب کے مخصوص لقب بھی وضع کئے تھے مثلاً قبۃ الاسلام، شہرِ کرم، تختگاہ، دارالخلافہ، حضرت وغیرہ۔ مغل سلاطین نے اس خصوص میں بڑی جدت دکھائی اور کم و بیش ہر ایک دارالضرب کو ایک علٰحدہ لقب دیا جو 'دار' سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے دارالخیر اجمیر، دارالامان ملتان، دارالفتح اجین، دارالسرور برہان پور اور دارالجہاد حیدر آباد وغیرہ۔ شیر شاہ کے سکّوں پر بھی کچھ القاب پائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی دارالضرب کے نئے نام کے ساتھ ساتھ اس کا قدیم نام بھی بطور عرف درج کیا گیا ہے مثلاً شیر گڈھ عرف حضرت دہلی۔

شیر شاہ کے کچھ سکّے ایسے بھی ملے ہیں جن پر لفظ 'جھاپنناہ' درج ہے۔ ماہرینِ مسکوکات قدیمہ نے اس کو ایک دارالضرب سمجھ لیا۔ چنانچہ انگلستان کے یوجین لیگیٹ نے اپنی مرتبہ فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے[۶]۔ ایک اور محقق کوڈرنگٹن نے بھی "جھاپنناہ" کو دارالضرب قرار دے کر اس کو دہلی سے منسوب کیا ہے[۷]۔ انڈین میوزم کلکتہ، میں محفوظ سکّوں کے کیٹیلاگ میں نیلسن رائٹ نے بھی اپنے پیشرووں کی رائے سے اتفاق کر کے "جھاپنناہ" کو دارالضرب بتلایا ہے[۸]۔ نیلسن رائٹ نے شیر شاہ کے متعلقہ سکّوں کی عبارتیں بھی کیٹیلاگ میں درج کی ہیں۔

---

[۵] دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان اِن دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلی لین پول مطبوعہ لندن ۱۸۹۲ء انٹروڈکشن۔

[۶] منٹ ٹاونس اینڈ کوائنس آف دی محمڈنس مرتبہ یوجین لیگیٹ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء صفحہ ۴۰

[۷] میانول آف مسلمان نیومیسماٹکس، ایشیاٹک سوسائٹی مونوگرافس جلد ۷ مرتبہ اُو۔ کوڈرنگٹن مطبوعہ لندن ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۴۹

[۸] کیٹیلاگ آف دی کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ مرتبہ ایچ۔ نیلسن رائٹ مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۷ء جلد ۲ صفحہ ۸۷

نیلسن رائٹ نے اپنے محولہ ایک سکّے کی عبارت اس طرح درج کی ہے۔

رُخِ ثانی		رُخِ اول	
دائرے میں	شاہ السلطان شیر خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ۹۴۹	دائرے میں	لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ
حاشیہ	فرید الدنیا والدین ابوالمظفر جھانپناہ	حاشیہ	السلطان العادل، ابابکر عمر عثمان علی

محقق مذکور نے مندرجہ صدر عبارت کی روشنی میں اس سکّے کو دارالضرب "جھانپناہ" میں مضروب قرار دیا ہے۔ اس استنباط پر سب سے پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر یہاں "جھانپناہ" کو دارالضرب بفرضِ محال مان بھی لیا جائے تو اس کا ما قبل ابوالمظفر بے مصرف ہوجاتا ہے۔ دارالضرب کا جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے لقب تو ہوتا ہے مگر اس کی کنیت نہیں ہوتی۔ دارالضرب کو ظفر یاب، ظفر قرین اور دارالفتح کے القاب دیئے گئے ہیں مگر کبھی کسی دارالضرب کو ابوالفتح یا ابوالمظفر کا لقب نہیں دیا گیا یہ القاب خود حکمرانوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ جو اِشکال پیدا ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کی آسان صورت نظر آتی ہے کہ سکّے کے رُخِ اول اور رُخِ ثانی پر مندرجہ عبارت کو سلسلہ وار پڑھا جائے یا ایسا کرنے سے اس کا صحیح مفہوم معلوم ہوسکتا ہے۔

اس سکّے کے رُخِ اول پر کلمہ طیّبہ دائرے میں درج ہے اور حاشیہ پر خلفائے اربعہ کے نام ہیں۔ اسی رُخ پر خلفاء کے ناموں سے پہلے السلطان العادل کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جن کا کوئی تعلق خلفاء سے نہیں ہوسکتا کیونکہ خلفاء چار ہیں سُلطان بصیغۂ واحد درج کیا گیا ہے اگر خلفاء کو سُلطان کہنا مقصود ہوتا تو سلاطین بصیغۂ جمع استعمال ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ کلمۂ طیّبہ اور خلفائے اربعہ کے اسماء کے اندراج کے بعد وہ مذہبی فارمولا

جو سُنّی عقیدے کے حکمران اپنے سکوں پر درج کرواتے رہے ہیں، مکمل ہوگیا اور اس کے بعد جو الفاظ رُخِ اوّل پر درج ہیں ان کا تعلق رُخِ ثانی پر مندرجہ حکمران کے نام، اس کے القاب اور خطابات سے ہے۔ اس طرح پورے سکّے کی عبارت دو حصوں میں تقسیم کی بصورت ذیل پڑھی جائے گی۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابا بکر عمر عثمان علی۔ السلطان العادل فرید الدنیا والدین ابوالمظفر جھانپناہ شیرشاہ السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ۹۴۹۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "جھانپناہ" کو شیرشاہ کا لقب سمجھ لیا جائے تو اس سکّے پر دارالضرب کا نام کہاں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سکوں پر عموماً دارالضرب کا نام درج ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک سکّے پر دارالضرب کا نام مندرج ہو۔ آ سکوں پر جو عام حالات میں شہروں میں مضروب ہوتے ہیں ان پر دارالضرب کا نام پایا جاتا ہے لیکن حکمران جب کبھی مہمات جنگ میں مصروف ہوتے ہیں اور انھیں فوج کے اخراجات کے لیے رقم کی ضرورت ناگہانی طور پر لاحق ہوتی ہے تو وہ برسرِ موقع سکّے مضروب کرواتے ہیں۔ مغل حکمرانوں نے تو فوج کے ساتھ ایک مستقل دارالضرب کا انتظام کر رکھا تھا جس کو انھوں نے اُردو کا نام دیا تھا۔ شیرشاہ نے بھی غالباً زیرِ بحث سکّے اپنی جنگی مہمات کے دوران مضروب کروائے ہوں گے اس لیے ان پر کسی مستقل دارالضرب کا نام پایا نہیں جاتا۔

ہمارے اس استدلال کے بارے میں کہ "جھانپناہ" شیرشاہ کا لقب ہے، ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت میں شیرشاہ کے ان سکوں پر بھی یہ لقب پایا جانا چاہیئے جو کسی مستقل دارالضرب سے جاری ہوئے ہوں۔ اس سوال میں بڑی معقولیت ہے۔ اس سلسلے میں شیرشاہ کے دوسرے سکوں کی تلاش کے دوران حسنِ اتفاق سے نیلسن رائٹ ہی کے کیٹیلاگ میں ایک ایسا سکّہ مل گیا جس پر "جھانپناہ" کا لقب بھی موجود ہے اور دارالضرب کا نام کالپی ... اس سکّے کے ہر دو جانب

کی عبارت حسبِ ذیل ہے۔[1]

رُخِ ثانی		رُخِ اول	
دائرے میں	شاہ السلطان شیر خلد اللہ ملکہ و سلطانہ	دائرے میں	لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ
حاشیہ	فرید الدنیا والدین ابوالمظفر جہاںپناہ	حاشیہ	السلطان العادل ضرب ابین ابا بکر عمر عثمان علی

اس سکے کو دیکھنے کے بعد کوئی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی کہ جہاںپناہ کو دارالضرب سمجھا جائے۔ اس طرح ایک دیرینہ غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

سکّے پڑھنے کے باب میں اس قدر تفصیل میں جانے اور محققین سے جو فروگزاشتیں ہوئی ہیں ان کی نشاندہی کرنے کا مقصد محض یہ بتلانا تھا کہ وہ لوگ جو کیٹلاگ مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ذراسی بے احتیاطی یا بعض خاص پہلوؤں سے عدم واقفیت کی وجہ سے کیسی شدید غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں عام شایقین کے لیے غیر معمولی احتیاط ازبس ضروری ہو جاتی ہے۔ جب عام سکّوں کے پڑھنے میں ایسی دشواریاں پیش آتی ہیں تو سکّوں پر مندرجہ اشعار کو صحت کے ساتھ پڑھنا جُوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ مستشرقین نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے لیکن سکّوں پر مندرجہ اشعار کے پڑھنے میں ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جنھیں آیندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

۸۸

[1] کیٹیلاگ آف دی کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ مرتبہ ایچ۔ نیلسن رائٹ مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۷ء جلد ۲ صفحہ ۹۱

غیر معمولی سائز اور وزن کے عظیم الشان سکّے

جن سکّوں پر عربی اور فارسی زبانوں کے اشعار کے اندراج کا حوالہ ملتا ہے، ان میں سے بعض سکے غیر معمولی سائز اور وزن کے پائے گئے ہیں۔ ایسے سکوں کے بارے میں ماہرین مسکوکات قدیمہ کی آرا میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ وہ سکّے ہیں ہی نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ "نذرانہ میڈل" ہیں۔ ایک تیسرا طبقہ انھیں سکّے ہی قرار دیتا ہے۔

ہمارے موضوع کتاب کے تعلق سے اس بحث کا تصفیہ نہ صرف دلچسپی کا حامل ہے بلکہ بے حد اہمیت بھی رکھتا ہے کیونکہ ان بڑے دیناروں، درہموں، اشرفیوں اور روپیوں کو سکّے قرار دیا جائے تب تو ان پر مندرجہ اشعار کا اس کتاب میں شامل کیا جانا درست قرار پائے گا بصورت دیگر وہ اشعار اس کتاب میں جگہ نہ پا سکیں گے۔

سب سے پہلے ہم ان ماہرین کی آرا پیش کریں گے جو ان عظیم اشرفیوں اور روپیوں کو سکّے نہیں سمجھتے۔ ان ماہرین کا خیال ہے کہ چونکہ ان کا وزن اور سائز عام سکوں کے وزن اور سائز کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے، اس لیے ان کو سکّے نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ایسے سکوں کا وزن عام طور سے رائج سکّوں کے وزن ایک تولہ یا دو تولے کے برخلاف پانچ تولے سے ایک ہزار تولے تک بیان کیا گیا ہے۔ سکوں کے وزن میں اس غیر معمولی اضافے کے تناسب سے ان کے سائز میں بھی اضافہ ہونا لازمی تھا۔ ماہرین مسکوکات کے اس طبقے میں آر۔ بی۔ وائٹ ہیڈ[1] اور ایس۔ ایچ۔ ہوڈی والا[2] پیش پیش ہیں۔

---

[1] جرنل آف دی نیومسمیاٹک سوسائٹی جلد ۱۸ صفحات ۲۱۰ - ۲۱۲

[2] ہسٹاریکل اسٹڈیز ان مغل نیومسمیاٹکس مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۳ء صفحات ۷۹ - ۸۰

ان کی رائے یہ ہے کہ اگر یہ واقعتاً سکّے ہوتے تو تاریخوں میں ان کے چلن کا ذکر ضرور ملتا اور املاک وجائیداد کی خرید وفروخت کے دستاویزات میں ان کا تذکرہ کیا جاتا چونکہ ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی اِس لیے وہ یہ ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہیں کہ ایسی عظیم اشرفیاں اور روپیے سکّے تھے۔ ان ماہرین نے ان سکوں کے تعلق سے یہ نظریہ بھی پیش کیا ہے کہ چونکہ حکمرانوں کے خزانوں میں سونے چاندی کے ہزاروں لاکھوں معمولاً رائج چھوٹے چھوٹے سکوں کی حفاظت ایک دشوار امر تھا، اس لیے ان حکمرانوں نے بہ نظرِ حفاظت سونے اور چاندی کی کثیر مقدار کو اِن گالٹس یا بالفاظ دیگر اینٹوں کی شکل میں ڈھال کر ان پر اپنے کچھ مخصوص علامات کندہ کرکے انھیں خزانوں میں محفوظ کر دیا۔

اِن ماہرین کا استدلال اپنے اندر ایک منفی انداز لئے ہوئے ہے۔ وہ کسی ٹھوس شہادت کی روشنی میں مثبت طور پر یہ بتلانے سے قاصر ہیں کہ زیرِ بحث اشرفیاں اور روپیے سکّے نہیں ہیں۔ ان کے استدلال کا یہ پہلو بھی کہ املاک وجائیداد کی خرید وفروخت کے دستاویزات میں کہیں بھی ان عظیم سکوں کا تذکرہ نہیں ملتا کوئی مضبوط بنیاد نہیں رکھتا کیونکہ ان ماہرین نے مالیات کے اس اہم پہلو کو سرے سے نظر انداز کر دیا کہ ہر دَور میں تجارتی کاروبار اور رقمی لین دین وغیرہ کے لیے اس دور کے اقل ترین سکّے (جس میں ریزگاری شامل نہیں ہوتی) کو بنیادی اکائی کے طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے اور تمام معاملات چاہے ان کا تعلق سرکاری محاصل کی ادائیگی سے ہو یا تجارتی لین دین سے اسی بنیادی اکائی کی اساس پر انجام پاتے ہیں۔ حکومتوں کی طرف سے بجٹ کی تیاری بھی اسی بنیادی اکائی پر مبنی ہوتی ہے ملازمین اور افواج کی تنخواہوں کا تعین بھی اِسی اکائی کی اساس پر کیا جاتا ہے۔ عہدِ حاضر میں ہندوستان اور پاکستان میں روپیہ بنیادی اکائی ہے۔ بنگلہ دیش میں ٹکہ، برطانیہ میں پاونڈ اور امریکہ میں ڈالر بنیادی اکائیاں ہیں اور ان سب ممالک میں مالیات سے متعلق تمام امور انہی بنیادی اکائیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔

زمانۂ گزشتہ میں مختلف ممالک میں بنیادی اکائیاں ان کی اپنی الگ الگ رہیں عرب ممالک میں ایک عرصے تک درہم و دینار کا چلن رہا۔ ایران میں تومان رائج تھے۔ اور ہندوستان میں مغلوں کے دور سے روپیہ بنیادی اکائی قرار پایا۔ اس بات کا ثبوت ہمیں بعض

تاریخی شواہد سے ملتا ہے۔ منتخب اللباب کا مصنّف خافی خاں بیان کرتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کی وفات کے وقت اس کے خزانے میں محفوظ سونے، چاندی کے ذخائر کی قیمت تین کروڑ روپیہ سے متجاوز تھی۔[1]

ڈاکٹر بینی پرشاد نے تاریخ جہانگیر میں بیان کیا ہے کہ کشمیر کے جنوب میں پنجاب کی سرحد سے ملی ہوئی چھوٹی سی ریاست کشتوار کی مہم کے کامیاب انصرام کے صلے میں دلاور خاں کو کشتوار کی ایک سال کی آمدنی دی گئی جو ایک لاکھ روپیہ تھی۔[2]

عہدِ شاہجہانی میں اللہ وردی خاں نے شاہ جی مرہٹہ سردار کو بے دخل کر کے ایک دوسرے باا ثر مرہٹہ سردار ہمیر راؤ کو اپنی طرف بلا لینے کے بعد اس کو ایک ہزار سوار اور پچاس ہزار روپے دیے۔[3]

اورنگ زیب نے بلخ کے ایلچی خوشی بیگ کے رفقاء کو خلعت کے علاوہ پانچ ہزار روپے عطا کیے۔[4]

مندرجات بالا سے واضح ہو جاتا ہے کہ عہد مغلیہ میں روپیہ ہی ایک بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا تھا اور محاصل کا تعین اور انعام و اکرام سب اسی بنیادی اکائی کے بموجب انجام پذیر ہوتے تھے۔ ظاہر ہے املاک و جائداد کی خرید و فروخت کے معاملات بھی اسی بنیادی اکائی یعنی روپے کی اساس پر مبنی ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں ان ماہرین مسکوکات کا یہ اعتراض کیسے درست ہو سکتا ہے کہ املاک و جائداد کے دستاویزات میں کہیں بھی ان عظیم اشرفیوں اور روپیوں کا ذکر نہیں ملتا۔ عہدِ حاضر میں بھی اگر کوئی شخص کسی سے اس کی جائداد مثال کے طور پر دس لاکھ روپے میں خرید کر زرِ ثمن کے طور کثیر مالیتی کرنسی نوٹ ادا کرتا ہے تو بیعنامہ کی جسٹری کے ریکارڈ میں ان کثیر مالیتی کرنسی نوٹوں کا کہیں بھی ذکر نہیں ملے گا بلکہ صرف بنیادی ائی کی اساس پر دس لاکھ روپے کی ادائیگی کا اندراج پایا جائے گا۔ املاک و جائداد کی خرید و بخت کے ریکارڈ میں کثیر مالیتی کرنسی نوٹوں کا ذکر نہ پا کر کیا کوئی شخص ان کے سکۂ رائج الوقت نے سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ عظیم سکے محض خزانوں میں محفوظ رکھنے کے لیے مضروب نہیں

نتخب اللباب مصنفہ خافی خاں مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۴۳

اریخ جہانگیر مصنفہ ڈاکٹر بینی پرشاد مترجمہ رحیم علی الہاشمی شایع کردہ ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء صفحہ ۳۰۷

اریخ شاہجہاں مصنفہ ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ ترجمہ ڈاکٹر سید اعجاز حسین شایع کردہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۴۵

لمگیر نامہ قلمی آندھرا پردیش گورنمنٹ اورینٹل مینو سکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد مصنفہ مرزا محمد کاظم

کئے جاتے تھے۔ بلکہ وہ بادشاہوں اور امراء کی جانب سے مستحقین کو ہدیہ، تحفہ، انعام، اکرام، صلۂ خدمت یا اجرت کے طور پر بھی عطا کئے جاتے تھے اور بازار میں ان کا چلن عام تھا۔

اس سلسلے میں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے ایک مشہور شاعر ابو مسلم ولید انصاری الملقب بہ صریع الغوانی کا بیان کردہ ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ وہ ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی کی مصاحبت میں تھا کہ جعفر نے ایک مغنیہ کو طلب کر کے حکم دیا کہ بربط پر کوئی اچھی غزل سنائے۔ مغنیہ نے بربط چھیڑا اور غزل سرا ہوئی۔ مغنیہ کی سریلی آواز اور کلام کی شیرینی سے جعفر پر مدہوشی کا عالم طاری ہوگیا۔ جب غزل ختم ہوئی تو جعفر نے دریافت کیا کہ وہ کس کی غزل تھی۔ صریع الغوانی نے بتایا کہ وہ غزل اس کی اپنی تھی۔ یہ سُن کر جعفر بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس غزل کے جتنے شعر تھے اتنے سو دینار صریع الغوانی کو دے دیئے جائیں۔ صریع الغوانی کہتا ہے کہ یہ سُن کر وہ دل ہی دل میں افسوس کرنے لگا کہ کاش وہ غزل جس میں صرف چار ہی شعر تھے کچھ اور طویل ہوتی تو اسے انعام اور زیادہ ملتا لیکن جب انعام کے دینار اس کے سامنے لائے گئے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ ان میں سے ہر ایک دینار سو دیناروں کے برابر تھا۔ صریع الغوانی کو محوِ حیرت دیکھ کر جعفر نے اس سے کہا کہ چونکہ تمہاری غزل میں صرف چار ہی شعر تھے اس لیے میں نے حکم دیا کہ تمہیں چار سو بڑے دینار دیئے جائیں تاکہ تم کو کثیر رقم مل جائے[1]۔ جعفر برمکی کی اس وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسے بڑے سکے بھی رائج الوقت تھے اور زرِ تبادلہ کی صورت میں ان کے معاوضے کے طور پر رقوم کی داد و ستد کا کاروبار عام تھا۔ اس طرح ان ماہرین کا یہ اعتراض کہ ان عظیم اشرفیوں کا بازار میں چلن نہیں تھا ساقط ہو جاتا ہے۔

انہی ماہرین کا دوسرا اعتراض کہ یہ عظیم اشرفیاں اور روپے سکے نہیں تھے بلکہ یہ بڑے بڑے "ان گاٹس" یا سونے چاندی کی اینٹیں تھیں جن پر کچھ نقش و نگار بنا دیئے جاتے تھے اور عبارتیں کندہ کر دی جاتی تھیں جنھیں سونے چاندی کی کثیر مقدار کی حفاظت کے لیے خاص طور سے تیار کر کے خزانوں میں محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ ان ماہرین کا خیال یہ ہے کہ معمولی سائز اور وزن کی چھوٹی چھوٹی اشرفیوں اور روپیوں کا شمار بھی آسان نہ تھا اور ان کے سرقے کا بھی امکان تھا اس لیے

---

[1] البرامکہ مصنفہ عبدالرزاق کانپوری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۹۰

حکمرانوں نے حفاظت کی یہ آسان تدبیر اختیار کی۔ یہ اعتراض ضرور لائق غور ہوتا بشرطیکہ کسی حکمران کے خزانے میں محفوظ سونے اور چاندی کی پوری مقدار ایسے "ان گاٹس" یا اینٹوں کی شکل میں ملتی۔ صورت حال اس سے بالکل مختلف نظر آتی ہے۔

منتخب اللباب کے مصنف خافی خاں کا بیان[۱] ہے کہ شہنشاہ اکبر کی وفات کے وقت اس کے خزانے میں محفوظ جواہرات کے علاوہ سو تولے سے پانچ سو تولے تک وزن کی ایک ہزار اشرفیاں موجود تھیں۔ خافی خاں آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ان اشرفیوں کے علاوہ دو سو بہتر من غیر مسکوک سونا اور تین سو ستر من غیر مسکوک چاندی بھی محفوظ تھی۔

خافی خاں کی بیان کردہ روایت کے مطابق سو تولے سے پانچ سو تولے وزن کی ایک ہزار اشرفیوں کا جملہ وزن اوسطاً ستر من کے قریب ہوتا ہے جبکہ غیر مسکوک سونے کی مقدار دو سو بہتر من بتلائی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہزار عظیم اشرفیاں یا بقول ان ماہرین کے "ان گاٹس" یا اینٹیں بنوا لینے کے باوجود مزید دو سو بہتر من سونا غیر مسکوک حالت میں رکھا ہوا تھا اور چاندی تو پوری تین سو ستر من غیر مسکوک ہی تھی۔ اس صورت حال کی موجودگی میں وائٹ ہیڈ اور ہوڈی والا کا یہ نظریہ کہ زیر بحث عظیم اشرفیاں اور روپے سکے نہیں تھے بلکہ "ان گاٹس" یا سونے چاندی کی اینٹیں تھیں کلیتاً بے بنیاد قرار پاتا ہے۔

ماہرین مسکوکات قدیمہ کا دوسرا گروہ جس میں اے۔ کننگھیم نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس خیال کا حامی ہے کہ یہ عظیم الشان سکے "نذرانہ میڈل" ہیں۔ ان ماہرین نے یہ اصطلاح جو وضع کی ہے وہ خود مجموعۂ اضداد ہے۔ اولاً یہ کہ "میڈل" انگریزی زبان کا لفظ ہے اور "نذرانہ" کے ساتھ اس کی ترکیب درست نہیں۔ ثانیاً یہ کہ اگر "میڈل" کو تمغہ کا مترادف مان بھی لیا جائے تو اس سے اس اصطلاح کے معنوی تضاد میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نذرانہ اس پیش کش کو کہا جاتا ہے جو نسبتاً کم رتبہ لوگ عالی مرتبت ہستیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف میڈل یا تمغہ ایک ایسا نشانِ امتیاز ہوتا ہے جو حکمرانوں یا مقتدر اداروں کی جانب سے کسی نمایاں کارنامے کی انجام دہی یا کسی مخصوص تقریب کے موقع پر مستحقین کو عطا کیا جاتا ہے۔ ایسے میڈل سونے، چاندی یا کانسے کے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے ایک رُخ پر بالعموم اس اہم کارنامے یا تقریب کی صراحت ہوا کرتی ہے

---

[۱] منتخب اللباب مصنفہ خافی خاں مطبوعہ کلکتہ جلد اول صہ ۲۴۳ نیز ملاحظہ ہو روئیداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۸۳ء صفحہ ۴

ں کے سلسلے میں اس کی اجرائی عمل میں آرہی ہے تو دوسرے رُخ پر مستحقِ انعام اشخاص کے نام کندہ
تے ہیں، کبھی کبھی ان کے ہر دو جانب متعلقہ مہم یا تقریب کی تفصیلات درج ہوتی ہیں اور انعام یابندگان
ے ناموں کی صراحت نہیں ہوتی۔ ولیم مارسڈن نے شجاع الدّولہ نواب وزیر اودھ کے اسی قسم
ے ایک چاندی کے میڈل کا نقش اپنی کتاب میں دیا ہے[1] جو اس نے روہیلوں کے سردار حافظ
حمت خاں کو شکست دینے کے بعد جاری کیا تھا۔

رخِ دوم



رخِ اول



مندرجۂ صدر عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ میڈل کیسے ہوتے ہیں۔ ان کے برخلاف نذرانے
ے طور پر عموماً اشرفیاں، روپے یا جواہرات پیش کئے جاتے ہیں اس لیے میڈل کو نذرانے کے ساتھ
ملط ملط کرکے 'نذرانہ میڈل' جیسی 'انمل' بے جوڑ اصطلاح وضع کرنا کسی طرح بھی درست قرار نہیں پاسکتا۔

اب رہ جاتا ہے ماہرینِ مسکوکاتِ قدیمہ کا وہ طبقہ 'جو ان عظیم الشان اشرفیوں اور روپیا
و سکّے ہی قرار دیتا ہے۔ اس گروہ کے سرکردہ مستشرقین میں' جان رچرڈسن، ولیم مارسڈن'
ر جیمس گبس کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ رچرڈسن تو مشرقی السنہ کے علماء میں خاص شہرت رکھتا
ہے۔ اس نے انگریزی زبان میں فارسی اور عربی زبانوں کی ایک ضخیم لغت مرتب کی ہے — جو
صطلاحات کے حوالوں کے لیے اپنا ایک خاص معیار رکھتی ہے۔ ولیم مارسڈن اور جیمس گبس
شاہیر ماہرین مسکوکاتِ قدیمہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

---

[1] نیومسمیاٹا اورینٹالیا السٹراٹا مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء جلد دوم صفحہ ۸۳۷۔

رچرڈسن نے "سکّے" کی اصطلاح کے تحت اپنی لغت میں جو نوٹ لکھا ہے[۱۴] وہ ہمارے موضوع کے تعلق سے بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"سکّہ پورے معیاری وزن کے روپے کو کہتے ہیں۔ مشرق کے بعض سکّوں میں ندرت اور نفاست جس اعلیٰ درجہ پر پائی جاتی ہے، اس کی مثال یوروپ والے پیش نہیں کر سکتے۔ کچھ عرصہ قبل مجھے محض اتفاقی طور پر مغل اعظم شاہ جہاں کے ۱۶۵۲ء میں دہلی میں مضروب شدہ ایک سکّے کو دیکھنے اور بعجلت اس کی نقل (کاغذ پر) اتارنے کا موقع ملا۔ میرے خیال میں یہ سکّہ 'میری' اوپر ظاہر کردہ رائے کو کافی تقویت بخشتا ہے۔ یہاں میں اس سکّے کی عبارت درج کرتا ہوں جو بعض اصحاب کے لیے ذوق تجسّس کا سامان فراہم کرنے کے علاوہ معلومات آفریں بھی ہوگی....."

آگے چل کر رچرڈسن نے بتلایا ہے کہ یہ سکہ سونے کا ہے یعنی اشرفی ہے جو گول ہے اور اس کا وزن تقریباً ستر اونس اور قطر کم و بیش چار انچ ہے۔ یوروپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد انگریزی زبان میں یہ پہلا حوالہ ہے جو زیر بحث غیر معمولی وزن اور سائز کے سکوں کے بارے میں ہمیں ایک معیاری تصنیف میں ملتا ہے۔

ولیم مارسڈن نے مسکوکات قدیمہ کے بارے میں اپنی مشہور تصنیف[۱۵] میں بیان کیا ہے کہ اس نے شاہ جہاں کی ایک، دو سو تولے کی اشرفی کا میٹل کاسٹ بنوا کر اپنے ذخیرۂ مسکوکات میں محفوظ رکھا ہے جس کا قطر ساڑھے پانچ انچ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں کی دو سو تولے کی اشرفیاں ایک ہی ڈائی سے مضروب نہیں ہوئیں بلکہ ان کی تیاری کے لیے ایک سے زیادہ ڈائیاں استعمال کی گئی تھیں۔ اسی لیے رچرڈسن نے جو اشرفی دیکھی اس کا قطر چار انچ تھا اور مارسڈن نے جس اشرفی کا میٹل کاسٹ تیار کروایا اس کا قطر ساڑھے پانچ انچ تھا۔ مارسڈن نے آگے چل کر مزید یہ بیان کیا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کا ایک روپیہ گوتھا (مشرقی جرمنی) کے نوابوں کے ذخیرہ نوادرات میں محفوظ ہے جس کا قطر چار اعشاریہ چار انچ اور جس کا وزن

[۱۴] پرشین اینڈ عربک ڈکشنری مرتبہ جان رچرڈسن مطبوعہ لندن ۱۸۰۸ء جلد اول صفحہ ۵۳۶۔
[۱۵] نیومسماٹا اوریئنٹالیا السٹراٹا مصنفہ ولیم مارسڈن مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء جلد دوم صفحہ ۶۴۱، ۶۵۱۔

پانچ جرمن پاونڈ ہے۔

جیمس گبس بیان کرتا ہے کہ اس نے مہاراجہ سندھیا کے نوادرات کے ذخیرے میں محفوظ اورنگ زیب کی ایک سو تولے کی اشرفی مہاراجہ کی اجازت سے عارضی طور پر حاصل کر کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے اراکین کے اجلاس میں پیش کی تھی۔ اس اجلاس کی تفصیل بھی گبس نے اس اشرفی کی تصویر کے ساتھ شایع کی ہے[۱]۔

جان رچرڈسن، ولیم مارسڈن اور جیمس گبس کے ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ ان ماہرین نے زیرِ بحث اشرفیوں اور روپیوں کو سکّہ جات ہی تسلیم کیا ہے۔ رچرڈسن نے تو پوری دیانت داری کے ساتھ ان عظیم الشان سکّوں کی ندرت اور نفاست کو سراہتے ہوئے یورپ کی مسکوکات کے مقابلے میں ان کی برتری بھی تسلیم کی ہے۔ مارسڈن اور گبس نے ان سکّوں کو دنیائے مسکوکات کے عجائب میں شمار کیا ہے۔ لیکن ان مستشرقین کی آراء کے علاوہ تاریخی شواہد کی روشنی میں بھی ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ایسے سِکّوں کی ابتدا کب ہوئی۔

عبدالرزاق کانپوری نے اپنی تصنیف "البرامکہ"[۲] میں بیان کیا ہے کہ ہارون الرشید نے ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں جعفر برمکی کو مغرب (مراکش) کا حاکم مقرر کیا تھا لیکن یہ خدمت بالکل اعزازی تھی کیونکہ جعفر برمکی تو خلیفے کے پاس بغداد ہی میں رہتا تھا اور مغرب میں اس کا قائم مقام حکومت کرتا تھا نیز یہ کہ اس زمانے میں ڈاک اور دارالضرب کے محکمے بھی جعفر برمکی کے زیرِ انتظام تھے — عبدالرزاق کانپوری نے مزید یہ بیان کیا کہ اسی زمانے میں جعفر برمکی نے وزنی دینار مضروب کروائے تھے۔

خلفائے عباسیہ کے دَور کے ایک مورخ محمد بن عبدوس الجھشیاری نے اپنی تصنیف "کتاب الوزراء والکُتّاب" میں اپنے پیش رو مورخ حارث ابن ابی اُسامہ مصنف تاریخ الخلفاء کے حوالے سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ حارث ابن ابی اُسامہ نے جعفر برمکی کے مکان میں ایسے چار ہزار دینار دیکھے تھے جن میں سے ہر ایک دینار ایک سو دینار کے مساوی تھا[۳]۔

---

[۱] روئیداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابتہ مارچ ۱۸۸۵ء صفحات ۵۲، ۵۳۔
[۲] البرامکہ مصنفہ عبدالرزاق کانپوری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۶۶
[۳] کتاب الوزراء والکتّاب مصنفہ محمد بن عبدوس الجھشیاری قلمی کتب خانہ اسکول آف اورینٹل اینڈ آفریکن اسٹڈیز لندن یونیورسٹی ورق ۱۵۱ الف۔

متذکرہ بالا روایات کا تعلق خلفائے عباسیہ کے دور سے تھا۔ اب ہم ایک ایسی نادر کتاب سے ان عظیم الشان سکوں کے بارے میں شہادت پیش کریں گے جس کا مصنف ٹھاکر پھیرو سلطان علاء الدین خلجی اور اس کے بیٹے سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے عہد میں دارالضرب دہلی کا "منٹ ماسٹر" تھا۔ ٹھاکر پھیرو نے یہ کتاب پراکرت بھاشا میں ۱۳۱۸ء میں لکھی تھی اس کتاب میں ان دونوں خلجی سلاطین کے سکوں کی پوری تفصیلات درج ہیں۔ یہ کتاب صدیوں تک پردۂ گمنامی میں رہی۔ اب تک اس کے صرف دو نسخے پائے گئے ہیں جن میں سے ایک نسخہ بیکانیر کے اگر چند نہاٹا کتب خانے میں اور دوسرا جین بھنڈار کلکتہ میں محفوظ ہے۔ مقام مسرت ہے کہ ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد نے اس کے اقتباسات کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر غلام یزدانی کیموریٹیو والیوم میں شایع کروایا ہے جو ہمارے پیش نظر ہے[۱]۔

اس کتاب میں ٹھاکر پھیرو نے سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے سونے اور چاندی کے سکّوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، وہ بے حد دلچسپ اور نہایت اہم ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کے سونے کے سکے ایک تولے کے عام سکّوں کے علاوہ پانچ تولے، دس تولے، پچاس تولے اور سو تولے وزن تک مضروب کئے جاتے تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے سکوں کے بارے میں ٹھاکر پھیرو کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حکمران نے اپنی جدت طبع سے کام لے کر اپنے سکّوں میں کچھ اور تنوع پیدا کیا تھا۔ ٹھاکر پھیرو لکھتا ہے کہ قطب الدین مبارک خلجی کے سکّے عام سونے کے سکوں کے علاوہ پانچ تولے، دس تولے، بیس تولے، تیس تولے، چالیس تولے، پچاس تولے، ساٹھ تولے، ستّر تولے، اسّی تولے، نوّے تولے سو تولے، ایک سو پچاس تولے اور دو سو تولے تک مضروب کئے جاتے تھے۔ ٹھاکر پھیرو مزید لکھتا ہے کہ متذکرہ اوزان کی گول اشرفیوں کے علاوہ انہی اوزان کی چوکور اشرفیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ آگے چل کر وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ان تمام اوزان کے چاندی کے سکّے بھی مسکوک ہوا کرتے تھے۔

خلجی دور حکومت میں ان عظیم الشان اشرفیوں اور روپیوں کی تکنیک کے بارے میں دارالضرب دہلی کے منٹ ماسٹر ٹھاکر پھیرو کی باوثوق شہادت کے بعد عہد مغلیہ کے نامور وزیر اور مشہور مؤرخ ابوالفضل کی بیان کردہ تفصیلات بھی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

---

[۱] ڈاکٹر غلام یزدانی کیموریٹیو والیوم شایع کردہ ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد مرتبہ ڈاکٹر وی۔ ایس۔ اگروالہ ۱۹۶۶ء صفحات ۸۷ تا ۱۰۱۔

وہ بیان کرتا ہے[1] کہ شہنشاہ اکبر کے عہد میں سونے کے جو بڑے سِکّے مضروب ہوئے تھے اُن میں سب سے بڑے سکے کا نام "سہنسہ" تھا جس کا وزن ایک سو ایک تولے اور نو ماشے تھا۔ اس سکے کے ایک جانب بادشاہ کا نام اس کے القاب اور ضرب دارالخلافہ آگرہ اور دوسری جانب کلمہ طیّبہ اور ایک قرآنی آیت کے علاوہ اصحاب اربعہ کے نام درج تھے۔ اس سِکّے کی ڈائی مقصود مُہر کن نے تیار کی تھی۔ پھر ڈائی بنانے کا کام ملا علی احمد کے سپرد ہوا۔ اور سکّے کی عبارت میں بھی کچھ تبدیلی کی گئی۔ ابوالفضل مزید لکھتا ہے کہ بعد میں یہ سب عبارتیں موقوف کر دی گئیں اور سکّے کے ہر دو جانب ملک الشعراء فیضی کی رباعیاں درج کی جانے لگیں۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "سہنسہ" سے چھوٹا سونے کا سکّہ "رہس" تھا جس کا وزن پچاس تولے تھا۔ اس سکّے پر بھی فیضی ہی کی رباعیوں کا اندراج ہوتا تھا۔ "رہس" کے نصف وزن کے سکے کا نام "آتمہ" تھا اور یہ سکّہ گول بھی بنایا جاتا تھا اور چوکور بھی۔

شہنشاہ جہانگیر نے اپنی عظیم الشان اشرفیوں اور روپیوں کی تفصیلات اپنی خود نوشت سوانح توزک جہانگیری میں درج کی ہیں[2]۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک مبارک ساعت میں مَیں نے یہ فرمان صادر کیا کہ مختلف اوزان کے سکّے بنائے جائیں اور ان میں سے ہر ایک کا جداگانہ نام رکھا جائے چنانچہ سو تولے کی اشرفی کا نام نورشاہی پچاس تولے کی اشرفی کا نام نور سلطانی، بیس تولے کی اشرفی کا نام نور دوست، دس تولے کی اشرفی کا نام نورکرم اور پانچ تولے کی اشرفی کا نام نور مہر رکھا جائے۔۔۔۔۔"

وہ آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ "میں نے چاندی کے سو تولے کے سکّے کا نام کوکب طالع پچاس تولے کے سِکّے کا نام کوکب اقبال، بیس تولے کے سکّے کا نام کوکب مراد، دس تولے کے سکے کا نام کوکب بخت اور پانچ تولے کے سکے کا نام کوکب سعید رکھا۔۔۔۔۔"

جہانگیر مزید صراحت کرتا ہے کہ سو تولے سے دس تولے وزن تک کی اشرفیوں پر ایک جانب کلمۂ طیبہ اور آصف خاں کی ایک بیت اور دوسری جانب مقام ضرب، سنہ ہجری سنہ جلوسی اور آصف خاں کی دوسری بیت درج ہوا کرتی تھی۔

---

[1] آئینِ اکبری مطبوعہ دہلی ۱۲۷۴ھ جلد اول صفحہ ۲۰۔

[2] توزک جہانگیری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۶۔

جہانگیر کے بعد شاہجہاں اور اورنگ زیب نے بھی ان عظیم اشرفیوں اور روپیوں کی تسکیک سلسلہ جاری رکھا۔ اور ایسی اشرفیاں اور روپے حکمرانوں کی طرف سے نذر ہدیہ، تحفہ، انعام واکرام، صلۂ خدمت یا اجرت کے طور پر مصرف میں لائے جاتے رہے ذیل میں ہم اس قبیل کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ شہنشاہ اکبر جہانگیر کی بعض ناپسندیدہ حرکات کی وجہ سے اس سے ناراض اور دل گرفتہ تھا۔ اکبر کی ماں مریم مکانی بیگم کو جہانگیر بےحد عزیز تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ باپ کی خفگی دور ہو جائے اس سلسلے میں اس نے کوشش بھی کی لیکن وہ بتقضائے الٰہی فوت ہو گئی اور اس کا منشا پورا نہ ہو سکا لیکن جہانگیر کی سوتیلی مائیں اور بہنیں بھی اس کی ہمدرد نکلیں اور انھوں نے جہانگیر کے لیے وہ سب کچھ کیا جو اس کی دادی کرنا چاہتی تھی۔ انہی کی کوششوں کے نتیجے میں جہانگیر معذرت خواہی کے لیے اکبر کے حضور پیش ہوا۔ اکبر نے بھی بڑی عزت اور شفقت سے جہانگیر کا استقبال کیا[۱]۔ اس طرح باپ بیٹے کا دل صاف ہو گیا۔ اسی سلسلے میں تکملۂ اکبر نامہ کے مصنف شیخ عنایت اللہ کا بیان ہے کہ جہانگیر نے شہنشاہ اکبر کی خدمت میں ایک لاکھ روپے کی مالیت کا ایک ہیرا، سو سو تولے کی دو سو اشرفیاں، پچاس پچاس تولے کی دو سو اشرفیاں، پچیس تولے کی چار اشرفیاں، بیس تولے کی تین اشرفیاں اور دو سو ہاتھی نذر گزرانے تھے[۲]۔

۲۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت میں شاہِ ایران کے سفیر زنبیل بیگ کو اس کی باریابی کے موقع پر ایک اشرفی ہزار تولے کی عنایت کی[۳]۔

۳۔ شہنشاہ شاہجہاں نے اپنی لڑکی جہاں آرا کی علالت کے دوران اس کا کامیاب علاج کرنے کے صلے میں حکیم داؤد کو پانچ سو تولے کی ایک اشرفی عطا کی[۴]۔

۴۔ شہنشاہ شاہجہاں نے مرشد قلی خاں علی مردان خانی کو دو سو تولے کی اشرفی عطا کی[۵]۔

۵۔ شہنشاہ شاہجہاں نے بلخ کے شکاری کو تیس تولے کی اشرفی انعام میں دی[۶]۔

---

[۱] تاریخ جہانگیر مصنفہ ڈاکٹر بینی پرشاد مترجمہ معمر علی الہاشمی شایع کردہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء صفحات ۷۳ تا ۷۶
[۲] تکملۂ اکبر نامہ مصنفہ شیخ عنایت اللہ شایع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۸۶ء صفحہ ۸۳۲
[۳] تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۶۴ء جلد دوم صفحہ ۲۲۶۔
[۴] بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۳۹۹۔
[۵] بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۶۲
[۶] بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵

۶۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے شریف مکّہ کے ایلچی کے توسط سے ایک ہزار تولے کی اشرفی بطور ہدیہ گزرانی[1]

۷۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے دوسو تولے کی اشرفی سبحان قلی خاں کے سفیر کو عنایت کی[2]

۸۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے ایک مخصوص طرزِ تحریر کا خط پڑھنے کے صلے میں ابوالوفا کو پچاس تولے کی اشرفی عطا کی[3]

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے مغل شہنشاہوں کے اجرا کردہ عظیم الشان سکّوں کے منجملہ تاحال صرف ایک سو تولے اور دوسو تولے کی اشرفیاں دریافت ہوئی ہیں لیکن مسکوکات قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ اطلاع باعثِ مسرت ہوگی کہ حال ہی میں سوئٹزرلینڈ میں نوادرات کا کاروبار انجام دینے والی ایک فرم ہیابسبرگ فیلڈمان نے شہنشاہ جہانگیر کی ایک ہزار تولے کی اشرفی کی تصویر شایع کرکے اس کے ہراج کا اعلان کیا ہے۔ حسنِ اتفاق سے اس اشرفی پر بھی فارسی اشعار درج ہیں۔ اور اس طرح یہ ہمارے موضوع کتاب سے متعلق ایک اہم دریافت ہے جس سے توزکِ جہانگیری میں خود شہنشاہ جہانگیر کی بیان کردہ ان روایتوں کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس نے مختلف ممالک کے سفیروں کو ایک ایک ہزار تولے کی اشرفیاں عطا کی تھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زیرِ بحث عظیم الشان اشرفیاں اور روپے "ان گاٹس" یا "نذرانہ میڈل" نہیں ہیں بلکہ فرمانروایانِ وقت کے احکام کی اتباع میں ایک باضابطہ عملدرآمد کے تحت اجرا کردہ سکّے ہیں۔ لہٰذا ہم جان رچرڈسن، ولیم مارسڈن اور جیمس گبس کی آرا سے اتفاق کرتے ہوئے انھیں سکّے قرار دے کر ان پر مندرجہ اشعار کو شامل کتاب کرتے ہیں۔

---

[1] مآثر عالمگیری صفحہ ۱۰۸
[2] عالمگیر نامہ صفحہ ۶۲۷
[3] مآثر عالمگیری صفحہ ۴۶۰

سکّوں پر سنسکرت زبان کے اشعار

تمہید میں اجمالاً یہ بتلا دیا گیا ہے کہ سکّوں پر اشعار کے اندراج کا رواج سب سے پہلے ہندوستان ہی میں شروع ہوا اور یہ کہ اس امتیاز کا سہرا گپتا خاندان کے حکمرانوں کے سر ہے۔ اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گپتا خاندان کے تعلق سے بھی چند ضروری باتیں بتلا دی جائیں تاکہ مسکوکات کی دُنیا میں اس حیرت انگیز اور دلچسپ پیش رفت کا ایک پس منظر سامنے آجائے۔

گپتا خاندان کا بانی سری گپتا (۲۷۰ء تا ۲۹۰ء) تھا جس کی حیثیت مگدھ کے ایک وسط درجے کے جاگیردار سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد گھٹوٹ کا چا (۲۹۰ء تا ۳۰۵ء) اپنے باپ کا جانشین ہوا لیکن وہ بھی اپنی حیثیت میں کوئی نمایاں اضافہ نہ کر سکا۔ البتہ گھٹوٹ کا چا کے بعد اس کے بیٹے چندرا گپتا اول (۳۰۵ء تا ۳۲۵ء) نے بڑا نام پیدا کیا۔ اُس نے ترہت کے علاقے میں واقع ویسالی کے لچھاوی خاندان کی راجکماری سے شادی کی اور اس رشتے سے اس کی حیثیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور بالآخر اِن دونوں خاندانوں کی حکومتوں کے انضمام کے نتیجے میں اُودھ، پریاگ اور بہار تک گنگا کی پوری وادی میں چندرا گپتا کی بالا دستی تسلیم کی گئی۔ دراصل چندرا گپتا اول کو ہی گپتا خاندان کا حقیقی بانی قرار دیا جا سکتا ہے اس کے اسلاف اپنی بے بضاعتی کے پیش نظر اس موقف میں نہ تھے کہ اپنے نام کے سکّے مضروب کرواتے یہ کارنامہ چندرا گپتا نے انجام دیا۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ لچھاوی خاندان سے رشتۂ ازدواج کے قیام پر بھی چندرا گپتا کو بڑا ناز تھا چنانچہ اس کے تمام سکّوں پر اس کے نام کے ساتھ اس کی رانی کمارا دیوی کا نام بھی مضروب پایا جاتا ہے۔

چندرا گپتا اول کے عہد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے دور میں ایک سنہ کا بھی آغاز کیا جس کا رواج ہندوستان کے شمالی اور مغربی علاقوں میں تیرھویں صدی

عیسوی تک پایا گیا ہے۔ چندراگپتا سے قبل ہندوستان کے بیرونی نژاد حکمرانوں جیسے یونانیوں کشانوں کے علاوہ کسی اور حکمران نے اپنے نام کے سونے کے سکّے اجرا نہیں کروائے تھے موریہ خاندان کے نامور حکمران اشوک اعظم کے بھی سونے کے دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ حکمرانوں میں یہ امتیاز بھی چندراگپتا اول ہی کو حاصل ہوا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ چندراگپتا۔ ایسے سکّے کشان خاندان کے حکمرانوں کے سِکّوں کے نمونے پر ہی بنائے گئے تھے لیکن اپنی وضع اور ساخت کے اعتبار سے یہ سِکّے کشان خاندان کے سکّوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ ان سکّوں پر حکمران کا اور دیگر عبارتیں نہایت خوبصورتی سے درج کی جاتی تھیں اور وہ اس کثرت سے مضروب کروائے تھے کہ ایک ہمعصر شاعر نے چندراگپتا کے عہد کو "سونے کی بارش" کے عہد سے تعبیر کیا ہے[1]۔

چندراگپتا کی جانشینی کے بارے میں کسی قدر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ۳۲۵ء سے ۳۰ تک کے عرصے میں یعنی چندراگپتا کی وفات سے پانچ سال تک جو سکّے اجراء ہوئے ہیں ان پر حکمرا نام کاچاگپتا پایا جاتا ہے اور ۳۳۰ء سے ۳۷۰ء تک مضروب شدہ سکوں پر سمدراگپتا کا نا درج ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ چندراگپتا کی وفات کے بعد کاچاگپتا اس کا جانشین ہوا جس نے پانچ سال تک حکومت کی اور اپنے نام کے سکّے مضروب کروائے لیکن کچھ اور مورخوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ چندراگپتا کا جانشین سمدراگپتا ہی ہوا جس کا ابتدائی نام کاچاگپتا تھا اور پانچ سال حکومت کرنے کے بعد جب اس نے بنگال کا علاقہ فتح کر لیا اور اس کے حدود مملکت سمندر کے کناروں تک پھیل گئے تب اس نے اپنا نام سمدراگپتا رکھ لیا۔ مورخین کے اس طبقے کی رائے قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے[2]۔

جہاں تک موضوع کتاب کا تعلق ہے کاچاگپتا کے نام سے اجراء شدہ سکّوں پر بھی سنسکرت اشعار پائے جاتے ہیں جنھیں شامل کتاب کیا جا رہا ہے۔

سمدراگپتا علم و ادب کا دلدادہ اور شعر و موسیقی کا شیدائی تھا۔ وہ ادبا، شعراء اور حکماء کا سرپرست ہونے کے ساتھ ساتھ خود ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا۔ اس حکمران نے سنسکرت زبان

---

[1] کوائنس مصنفہ پرمیشوری لال گپتا شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی ۱۹۶۹ء صفحہ ۵۲

[2] کارپس آف انڈین کوائنس جلد چہارم دی کوائنیج آف گپتا ایمپائر مصنفہ اے۔ ایس۔ الٹیکر شائع کردہ نیومسمیٹک سوسائٹی آف انڈیا بنارس یونیورسٹی ۱۹۵۷ء صفحہ ۸۰۔

اور اس کے ادب و شعر میں نئی روح پھونکی۔ ان مخصوص صفات کے ساتھ ساتھ سمدرا گپتا ایک عظیم فاتح ہونے کے علاوہ ایک زبردست ماہر نظم و نسق بھی تھا۔ اس نے ضرور ایک عظیم تر ہندوستان کی مملکت کے قیام کا خواب دیکھا ہوگا لیکن اپنی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اس نے ابتداءً اپنی سلطنت کے اطراف و اکناف کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے اس کی حدود میں توسیع کا آغاز کردیا۔ ان توسیعی مہمات کے دائرے میں وادئ گنگا کی نو ریاستیں آگئیں جن کی تفصیل الہ آباد کے تاریخی ستون پر کندہ عبارات میں ملتی ہے نیز جان ایلن نے بھی اپنی مرتبہ فہرست مسکوکات میں ان کا ذکر کیا ہے[1]۔ اس طرح چمبل ندی تک کا علاقہ سمدرا گپتا کے زیر اقتدار آگیا۔ پھر اس نے مشرق کا رُخ کرتے ہوئے کالنگا کے صحرائی علاقوں کے قبائلی سرداروں کو اپنا تابع فرمان بنالیا۔

متذکرہ مہمات کو سر کرنے کے بعد سمدرا گپتا نے اپنی افواج کو دکن کی طرف بڑھایا اور اس پیش قدمی کے دوران کم و بیش ایک درجن حکمرانوں کو اپنا زیر نگیں کرکے تاملناڈو کے علاقے سے گزرتے ہوئے پلّواؤں کے صدر مقام کنچی (موجودہ کنجی ورم) تک جا پہونچا۔ پھر وہ مغرب کی طرف مُڑ کر جزیرہ نما کو عبور کرتے ہوئے مالابار میں داخل ہوا جہاں سے مغربی دکن، سطح مرتفع کے راستے اپنی مہمات کی آخری منزلیں طے کرتے ہوئے اپنی راجدھانی اجودھیا واپس پہونچ گیا۔

جنوبی ہند کی ان کامرانیوں میں پورے تین سال لگ گئے۔ اس پورے عرصے میں کہیں بھی اُسے ہزیمت کا مونہہ دیکھنا نہ پڑا اِس بات کو سمدرا گپتا کی ایک خصوصیت سمجھنا چاہیئے کہ جنوبی ہند کے کسی بھی مفتوحہ علاقے کو اس نے اپنی مملکت میں ضم نہیں کیا بلکہ اس نے اس پورے علاقے کے حکمرانوں کے تابع فرمان بنے رہنے پر ہی اکتفا کیا۔ اس عرصہ مدت میں سمدرا گپتا کی سطوت اور شوکت کی داستانیں سارے ہندوستان میں پھیل چکی تھیں اور آسام، مالوہ، گجرات، پنجاب اور دوسرے علاقوں کے حکمرانوں نے اپنی خیر اسی میں سمجھی کہ اس کی بالادستی کو تسلیم کریں۔

دکن کی فتوحات کے نتیجے میں سونے اور جواہرات کے بیش بہا ذخائر سمدرا گپتا کے ہاتھ

---

[1] میوزیم کیٹلاگ آف گپتا گولڈ کوائنس مطبوعہ لندن ۱۹۱۴ء تمہید۔

اینشنٹ آف انڈیاز ہسٹری مصنفہ ٹرلوڈ ایمرسن پیش شارلوکر ...

آئے۔ اجودھیا واپس ہوکر سمدراگپتا نے قدیم ویدک رسم کے مطابق اشوہ میدھ جشن منانا شروع کردیں۔ انہی تقاریب کے سلسلے میں اس نے سونے کے وہ عہد آفریں سکّے مضروب کرا جن پر ایک جانب تو روایتی گھوڑے کی تصویر تھی اور دوسری جانب سنسکرت زبان کے اشعار تھے۔ اس انکشاف کا سہرا انگلستان کے مشہور ماہر مسکوکات جے۔ ایلین کے سر ہے جس نے اپنی سے پہلی بار یہ ثابت کیا کہ سمدراگپتا کے سکّوں پر سنسکرت زبان کے اشعار درج ہیں[1]۔

سطور بالا میں سمدراگپتا کی شعر و موسیقی سے دلچسپی کا ذکر تو آ ہی چکا ہے۔ لیکن الہ آبا مشہور زمانہ ستون پر سمدراگپتا کی فتوحات کی کندہ کاری کے انچارج ھرشینا کے اس بیان سمدراگپتا خود ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اشوہ میدھ جشن موقع پر جاری کردہ تاریخ ساز اشرفیوں پر مندرجہ سنسکرت اشعار کے منجملہ کچھ تو سمدراگپتا ہ نتیجۂ فکر ہوں گے[2]۔

سمدراگپتا کے بعد راماگپتا اس کا جانشین ہوا۔ اس نے صرف پانچ سال یعنی ۳۷۰ء سے تک حکومت کی۔ اس دور میں مغربی پنجاب کے کیدار اکشان خاندان کے حکمران پیرو نے سر اٹھایا راماگپتا کی خواہش تھی کہ پیرو کی سرکوبی کرکے اپنے حدود مملکت میں توسیع کرے لیکن وہ کامیا نہ ہوسکا بلکہ ایک معرکہ میں تو اسے شکست کھاکر صلح پر رضامند ہونا پڑا تھا، مگر اسی مرحلے پر راما کے بھائی چندراگپتا کے حسن تدبیر سے وہ شکست فتح میں بدل گئی۔ راماگپتا کے جو سکّے دستیا ہوئے ہیں ان پر تاحال اشعار کا اندراج نہیں پایا گیا ہے۔

راماگپتا کے بعد اس کا بھائی چندراگپتا ثانی مسند آرا ہوا اس کا طویل دورِ حکومت ۳۷۵ء ۴۱۴ء نہایت شاندار رہا۔ اس نے بنگال کے علاقے میں بعض شورشوں کا قلع قمع کرکے شمال مغر کا رُخ کیا۔ اور کیدار اکشان خاندان کے حکمرانوں کو مغربی پنجاب سے کھدیڑ کر انھیں وادیٔ سندھ سرحدوں میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد چندراگپتا ثانی نے مغربی ہندوستان کی طرف اپنی فوجیں بڑھا اور شترپاوں کو پے در پے شکستیں دے کر بالآخر مالوہ، گجرات اور کاٹھیاواڑ کو اپنے حدودِ مملک

---

[1] جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (نیو سیریز) جلد دہم شمارہ ۶ بابۃ ۱۹۱۴ء صفحات ۲۵۵ تا ۲۵۶۔
[2] دی گپت گولڈ کوائنس ان دی بیانہ ہورڈ مرتبہ اے۔ ایس۔ الٹیکر شایع کردہ نیو مسماٹک سوسائٹی آف انڈیا ۱۹۵۴ء تمہید صفحہ LV

میں شامل کرلیا۔

مالوہ، گجرات اور کاٹھیاواڑ کے ساحلی علاقوں کے انضمام کے نتیجے میں گپتا سلطنت کے آگے سمندری تجارت کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور چینی سیاح فاہیان کے بقول اس ذریعے سے خزانے کی دولت میں بیش بہا اضافے سے مملکت کی خوشحالی کا ایک سنہرا دور شروع ہوگیا۔ اس مرفہ الحالی کے زمانے میں چندرا گپتا نے بھی اپنے پیش رو سمدرا گپتا کے نقش قدم پر چل کر ادب، ثقافت اور فنون لطیفہ کے میدانوں میں اپنی سرپرستی کے ذریعہ گپتا دورِ حکومت کا نام اور زیادہ روشن کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شہرۂ آفاق شاعر کالی داس بھی چندرا گپتا کے دربار سے منسلک[1] تھا۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے فتح ہونے کے بعد چندرا گپتا ثانی نے اِن علاقوں میں سونے کے سکّوں کے علاوہ چاندی کے سِکّے بھی مضروب کروائے کیونکہ وہاں کے عوام تین صدیوں سے چاندی کے سکّوں ہی میں کاروبار انجام دینے کے عادی تھے۔ چندرا گپتا ثانی کے سِکّے اپنی خوبصورتی اور نزاکت کے لحاظ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں اور ان پر سنسکرت زبان کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔

چندرا گپتا ثانی کے بعد کمارا گپتا (۴۱۴ء تا ۴۵۵ء) تخت نشین ہوا۔ اِس حکمران کا طویل عہدِ حکومت امن وسکون اور صلح و آشتی کا دور تھا۔ اس نے فوجی پیشقدمیوں سے احتراز کیا اور بر اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں پائی ہوئی سلطنت پر قانع رہ کر فلاحی امور کی انجام دہی میں ی عمر گزار دی۔ کمارا گپتا کے سکّوں پر بھی سنسکرت زبان کے اشعار ملتے ہیں۔

کمارا گپتا کا جانشین اسکندا گپتا ہوا۔ اس نے بھی اپنے عہد (۴۵۶ء تا ۴۶۸ء) میں ی اقدامات نہیں کئے البتہ کمارا گپتا کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شمال مغربی علاقوں ، ہنوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو کامیابی کے ساتھ روکا اور انھیں وسطی اور مغربی پنجاب دریائے ستلج کے کناروں سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ کمارا گپتا کا یہ کارنامہ غیر معمولی ہت کا حامل تھا کیوں کہ اس وقت تک ہنوں نے اپنی طاقت کے نقطۂ عروج پر پہونچ کر یا اور یوروپ کی متعدد سلطنتوں کو روند ڈالا تھا اور اب دوآبہ گنگ وجمن میں داخل ہونے لیے پر تول رہے تھے۔ ایسے میں جمنا کے کناروں سے ہنوں کو ستلج پار تک پسپا کر دینا

---

۱ ونڈر دیٹ واز انڈیا مصنفہ اے۔ایل۔باشم شائع کردہ ... ۱۱ [illegible]

اسکندا گپتا کی جرأت و ہمت کا ایک عظیم مظاہرہ تھا اور اس شاندار کامیابی پر گپتا سلطنت کے کونے کونے میں بجا طور پر اس کی تعریف و توصیف کے گیت گائے جانے لگے۔

اسکندا گپتا نے بھی اپنے سکوّں پر اشعار درج کروائے تھے۔ لیکن اس کے جانشینوں کے سکوں پر اشعار کا اندراج نہیں پایا جاتا۔ دراصل اسکندا گپتا کے بعد اس خاندان کی تاریخ غیر واضح روایات اور ناکافی مواد کے اندھیرے میں گم سی ہوگئی ہے۔ ارکان خاندان کی آپسی رقابتوں اور سیاسی توڑ جوڑ نے ملک کے استحکام کو پارہ پارہ کردیا تھا اور پھر چند کمزور حکمرانوں کی طوائف الملوکی کے بعد گپتا خاندان کے اقتدار کا چراغ ہمیشہ کے لیے گُل ہوگیا۔ ان آخری حکمرانوں کے جو سکّے دستیاب ہوئے ہیں ان پر اشعار نہیں پائے گئے۔

گپتا خاندان کے سنہرے دَور میں جہاں ہم سکوّں پر اشعار کے اندراج جیسے عہد آفریں اقدام سے روشناس ہوتے ہیں وہیں ہمیں ان حکمرانوں کے سکوّں پر بعض ایسی دلچسپ جزئیات بھی نظر آتی ہیں جن کا تعلق اس عہد کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی سے بھی ہے۔ مثال کے طور پر ان کے سکوّں پر تاج و تخت، زیورات، مردانہ اور زنانہ ملبوسات، فرنیچر نیز آلات شکار کے مختلف اوضاع و اقطاع کی تصویریں پائی جاتی ہیں جن کی مثال کہیں اور مشکل ہی سے ملے گی۔

گپتا خاندان کے حکمرانوں کے سکوّں پر جو اشعار پائے گئے ہیں اُنھیں شاملِ کتاب کیا جارہا ہے۔
اس موقع پر یہ تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت زبان کے محولہ بالا اشعار کے اردو ورژن کے لیے میں پروفیسر ایم گوپال ریڈی صاحب صدر شعبہ سنسکرت عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد آندھرا پردیش کا رہین منت ہوں جنھوں نے ازراہ کرم ان تمام اشعار کو اردو کا جامہ پہنا کر میری مشکل آسان کردی

سِکّوں پر عربی زبان کے اشعار

سِکّوں پر عربی زبان کے اشعار کے اندراج کی اہم پیش رفت کی تفصیل بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان و ادب کی تاریخ پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ عربوں میں ادبی مذاق خصوصاً شاعری اور خطابت کا سراغ زمانۂ قدیم سے ملتا ہے۔ سامی الاصل زبانوں میں عربی زبان ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ اِن سامی زبانوں میں نبطی، یمن کے قبیلے سبا کی زبان تھی اور حمیری قبیلے حمیر کی۔ اِن باتوں کا ثبوت ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اِن علاقوں میں کھدائی کے دوران دستیاب شدہ کتبات سے فراہم کیا ہے۔ آخری دَور میں عربی حجاز کے قبیلے قریش کی ترقی یافتہ زبان ہی ہے۔[1]

طلوعِ اسلام سے قبل عربی زبان میں شاعری اپنے اوجِ کمال پر پہونچ چکی تھی۔ عربوں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہیں اپنے حافظے پر بڑا ناز تھا اور نسلاً بعد نسلٍ شاعری کے نادر نمونے ،افسانے اور خطابت کے شاہکار سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ عہدِ اسلام میں علمائے بصرہ و کوفہ نے ان نوادرات کو مرتب کیا اور اس طرح یہ ذخیرہ دستبردِ زمانہ کے ہاتھوں تلف ہونے سے بچ گیا۔

زمانہ قبل اسلام کے، جس کو عام طور پر دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے، مشاہیر شعرا میں امراءالقیس ،زہیر، طرفہ، لبید، عمرو بن کلثوم، عنترہ، نابغہ اور عبید بن الابرص وغیرہ کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔[2]

اسلامی دور کے ممتاز شعراء کی فہرست بھی کافی طویل ہے لیکن یہاں صرف چند ناموں کے ذکر پر

---

[1] سرامکہ مصنفہ محمد عبدالرزاق کانپوری شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۱۲

[2] تاریخ ادبیات عربی مولفہ ڈاکٹر سید ابوالفضل مطبوعہ مکتبہ فیض العلوم حیدرآباد صفحات ۲۸ تا ۳۴۔

اکتفا کیا جاتا ہے جن میں جریر، حسان بن ثابت، فرزدق، الطرماح اور اخطل زیادہ مشہور
کے حامل تھے۔[1]

اسلام نے دیگر زبانوں کے حصول میں بھی کوئی تعصب نہیں برتا اور بڑی فراخدلی کے ساتھ
ایسے علوم وفنون کی تحصیل کی اجازت دے دی جو خلاف مذہب نہ تھے۔ عہدِ رسالت میں
زید بن ثابت کو عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ بعض صحابہ نے فا
زبان بھی سیکھی تھی۔ خلافتِ راشدہ کے دَور میں جو فتوحات اور استحکام نظم ونسق کا زمانہ تھا
ملکی انتظام کے لیے اشاعتِ تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔ عہدِ فاروقی میں جب عمرو ابن العاص نے م
فتح کیا تو انھوں نے مشہور عیسائی فلسفی جان کو جس کا ذکر عربی تواریخ میں یحییٰ کے نام سے کیا
جاتا ہے۔ دربار میں باریاب کیا۔ اِسی زمانے میں عربوں نے حکمائے یونان کے خیالات سے واقفیت
حاصل کی۔

بنی اُمیّہ کے دَور میں شام مرکزِ حکومت رہا۔ وہاں یہودی اور عیسائی علماء کا زور تھا
عرب امراء ان سے مذاکراتِ علمیہ کے دوران ان کے فلسفیانہ افکار سے آشنا ہوتے گئے۔ انہی
حکماء کو دفترِ انشا میں ممتاز عہدوں پر مامور کیا گیا تھا اور شفاخانوں کی نگرانی بھی انہیں کے سپرد
کی گئی تھی۔

جہاں تک مسکوکات کا تعلق ہے یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ طلوعِ اسلام تک
عربوں کی کوئی منظم حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد عربوں میں اجتماعیت
اور مرکزیت کا تصور پیدا ہوا۔ اس سے قبل عرب کی معاشرت قبیلہ واری نظام پر مشتمل تھی۔
ان کا اپنا کوئی الگ سکّہ نہ تھا۔ کاروبارِ تجارت میں یا تو تبادلۂ اجناس سے کام لیا جاتا
تھا یا ایران اور روم کے درہم و دینار استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ مروان کے
بیٹے عبدالملک کے عہد تک جاری رہا۔ عبدالملک کے علم میں جب یہ بات لائی گئی کہ روم کے
سکوں پر عیسائی عقیدے کے مطابق اقانیم ثلاثہ (باپ، بیٹا، روح القدس) کا ٹھپّہ ہوتا ہے
تو اُسے بڑی تشویش ہوتی ہے کہ یہ امر اسلامی عقاید کے سراسر مغائر تھا۔ عبدالملک نے قیصرِ
روم کو اپنے تردّد سے مطلع کیا۔ قیصرِ روم نے جواب دیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ

---

[1] تاریخ ادبیات عربی مولفہ ڈاکٹر سید ابوالفضل مطبوعہ مکتبہ فیض العلوم حیدرآباد دکن صفحات ۳۸ تا ۵۵
[2] البرامکہ مصنفہ محمد عبدالرزاق کانپوری شایع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۵۳ء

ہمارے ایسے سکّے اسلامی علاقوں میں پیغمبرِ اسلام نیز خلفائے اربعہ کے زمانے سے زیرِ دوراں رہے ہیں اور ان اصحاب نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ عبدالملک قیصرِ روم کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ پھر اس نے امرائے دربار کے مشورے سے امام محمد باقر سے رجوع کیا۔ حضرت نے عبدالملک کو ہدایت کی کہ ایک نیا اسلامی سکّہ رائج کیا جائے جس پر کلمہ طیبہ، مقامِ ضرب اور سنہ تشکیک کا اندراج ہو۔ اس طرح ایک نئے اسلامی سکّے کا آغاز ہوا[1]۔ آہستہ آہستہ اسلامی سکوں کی ساخت اور وضع و قطع میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوتی گئی۔ اور درہموں اور دیناروں پر کلمہ شہادت اور سورہ اخلاص بھی درج کیے جانے لگے۔

بنی امیّہ کے زوال کے بعد بنی عباس نے عنانِ اقتدار سنبھالی اور مرکزِ حکومت دمشق سے بغداد منتقل ہوگیا۔ مختلف علوم و فنون کی خاص خاص کتابوں کے ترجمے کا کام تو پہلے ہی سے شروع ہوگیا تھا لیکن بنی عباس کے دور میں اس کام میں وسعت، باقاعدگی اور سرعت پیدا ہوئی بغداد میں ایک دارالحکمہ قایم کیا گیا جس میں اقطاعِ عالم کے علمار و حکمار اپنی اپنی زبانوں کے شاہکاروں کے ترجمے کے کام میں مصروف ہوگئے۔ اسی زمانے میں عرب، ہندوستان کے علم و حکمت سے بھی روشناس ہوئے۔ تہذیبی اور ثقافتی میدان میں اس اہم پیش رفت کا سہرا برمکی خاندان کے سر ہے۔ برمکی خاندان کی زاد بوم کے تعلق سے مورخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ وہ ایرانی النسل تھے اور کوئی انہیں ہندی الاصل بتاتا ہے بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ وہ بلخ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے مورثِ اعلیٰ نے نامساعد حالات کی بنا پر کشمیر میں پناہ لی تھی جہاں سے ان کا خاندان ایران آگیا تھا لیکن سید سلیمان ندوی اس بات پر مُصر ہیں کہ برمکی خاندان کا تعلق ہندوستان ہی سے تھا[2]۔ یہی وجہ تھی کہ اس خاندان کے ارکان اسلام قبول کرنے کے بعد جب خلفائے عباسیہ کے دربار میں اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے تو ان کی دلچسپیاں ہندوستان سے نہ صرف برقرار رہیں بلکہ انھوں نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر تہذیبی داد و ستد کے ایک خوشگوار سلسلے کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں ہندوستان کے وید اور پنڈت بغداد جانے لگے اور عرب علمار و حکمار ہندوستان آنے لگے۔

بنی عباس کے دربار میں علمار و حکمار کی پذیرائی کے ساتھ ساتھ شعراء کو بھی ایک خاص

---

[1] گنج شایگاں مصنفہ محمد رفیع موہانی عالی مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحات ۷ تا ۱۱

[2] عرب و ہند کے تعلقات مصنفہ سید سلیمان ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ طبع جدید ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۱۴۔

م حاصل تھا اور وہ اپنی تخلیقات پیش کر کے گراں قدر انعام واکرام سے نوازے جاتے تھے۔ عباسی
کے ان شعراء میں بشار بن برد، ابو نواس، ابو العتاہیہ، مسلم بن الولید المعروف بہ
ع الغوانی اور ابوتمام قبولیت عام کا امتیاز حاصل کر چکے تھے[۱]۔ یہ امر بعید از قیاس
کہ برمکی خاندان کے ایک گوہر نایاب جعفر بن یحییٰ برمکی نے جو خود ایک بہت اچھا شاعر
ہندوستان سے آئے ہوئے اہل فکر و دانش سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ ہندوستان
لیتا راجاؤں کے سکوں پر چوتھی صدی عیسوی سے ہی سنسکرت زبان کے اشعار کے اندراج کا
ہو چکا تھا۔ ہارون الرشید (۷۸۶ء تا ۸۰۹ء) کے دربار میں جعفر برمکی کے جاہ و منزلت میں
دونی رات چوگنی ترقی ہوتی جارہی تھی چنانچہ ۷۹۲ء میں اُس کو صوبۂ مغرب (افریقہ) کا والی مقرر
کے بعد بھی خلیفہ نے اس کو اپنی مصاحبت سے دور کرنا نہ چاہا بلکہ جعفر برمکی کے قائم مقام
نیت سے ایک دوسرے شخص کو افریقہ بھیج دیا۔ اُسی زمانے میں برید (ڈاک) اور
ضرب (ٹکسال) کے محکمے بھی جعفر برمکی کے سپرد کر دیے گئے۔

ہارون الرشید کے عہد تک اسلامی دراہم و دنانیر کی تکنیک میں کافی حسن پیدا ہوگیا
لیکن ابھی تک کسی کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ سکوں پر اشعار بھی درج کیے جا سکتے ہیں۔ یہ
جعفر برمکی کی قسمت میں تھا چنانچہ اُس نے ہندی علماء و حکماء کے ساتھ اپنے ربط و
کے ذہنی پس منظر میں خلافت عباسیہ کے مسکوکات کو ایک عہد آفریں جہت سے روشناس
ہندوستان کے سکوں پر سنسکرت زبان کے اشعار کے اندراج کے تتبع میں عباسی سکوں
اشعار درج کروانے کے ساتھ ساتھ جعفر برمکی نے عربوں کی بلند حوصلگی اور اُن کے
انگیز تموّل کے پیش نظر دیناروں کو ان کے رائج الوقت عام وزن اور سائز کے علاوہ
دیناروں اور اُسی کی مناسبت سے غیر معمولی سائز میں مضروب کروایا[۲]۔

متذکرہ صدر عظیم دیناروں پر جعفر برمکی کے حکم سے ان کے ہر ایک جانب ایک ایک شعر درج
ا تھا۔ اخبار الخلفاء کا مصنف حارث بن ابی اسامہ راوی ہے کہ اُس نے بچشم خود[۳] ایسے

ادبیات عربی مولفہ ڈاکٹر سید ابو الفضل مطبوعہ مکتبہ فیض العلوم حیدرآباد دکن صفحات ۷۰ تا ۷۳
الذخائر والتحف مصنفہ قاضی ابن الزبیر مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی مطبوعہ کویت ۱۹۵۹ء صفحات ۲۲۴ تا ۲۲۵
الوزراء والکتاب مولفہ ابو عبداللہ محمد ابن عبدوس الجہشیاری۔ قلمی۔ کتب خانہ اسکول آف اورینٹل اینڈ
افریقن اسٹڈیز لندن۔ ورق ۱۵۱ الف۔

چار ہزار دینار جعفر برمکی کے مکان میں دیکھے تھے۔ یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ یا تو جعفر برمکی کا آفتابِ اقبال اپنی پوری تابانی کے ساتھ مملکت عباسیہ میں درخشاں تھا یا یکایک اُس کو گہن لگ گیا اور وہ ہارون رشید کا معتوب ہوکر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جہاں تک موضوع کتاب کا تعلق ہے اس عظیم سانحہ سے مملکت عباسیہ کے سکوں پر عربی اشعار کے اندراج کی روایت کو شدید دھکا پہونچا۔ جعفر برمکی کی موت کے بعد تا حال دستیاب شدہ مواد کی روشنی میں ہمیں پھر کسی عباسی سکے پر اشعار نہیں ملتے اور یہ روایت بہ مصداق

ع خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

خود بہ خود ختم ہوگئی۔

امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عباسی مملکت کا مرکز بغداد کمزور پڑتا گیا اور دور دراز کے صوبوں کے حکراں اپنے اپنے زیرِ اقتدار علاقوں میں علم بغاوت بلند کرنے لگے۔ اور آہستہ آہستہ اپنی با اختیار سلطنتیں قائم کرلیں لیکن بہرحال اُنھوں نے مرکز خلافت سے کلیتہً انقطاع اختیار نہیں کیا بلکہ رسماً ہی سہی اپنے علیحدہ اجرا کردہ درہموں اور دیناروں پر اپنے نام کے ساتھ خلیفۂ وقت کا بھی نام درج کرتے رہے اور خطبات میں بھی اس کے نام کو شامل رکھا۔ ایسی ہی نوزائیدہ سلطنتوں میں سے ایک سلطنت افریقہ میں بحیرۂ روم کے جنوبی سواحل پر قائم ہوئی۔ یہ وہ علاقہ تھا جو آجکل تیونس کہلاتا ہے۔ اس سلطنت کا بانی ابراہیم بن الاغلب (۸۰۰ء تا ۸۱۱ء) تھا۔ وہ اور اس کے جانشین نہایت اولوالعزم اور بڑے روشن خیال تھے۔ انھوں نے اپنی بری و بحری قوتوں کو کافی ترقی دی۔ بحیرۂ روم میں ان کے بیڑے دُور دُور تک چھاپے مارتے تھے۔ ایطالیہ، فرانس، کورسیکا، سارڈینیا کے سواحل اُن کے حملوں سے بچ نہ سکے۔ انھوں نے صقلیہ (سسلی) اور مالٹا کو فتح کرلیا تھا۔

اس اغلبی خاندان کی حکومت کم و بیش سو سال تک قائم رہی اور پھر آپسی رقابتوں اور آنے والے حکمرانوں کی نااہلی اور فاطمیینِ مصر کے حملے کے بعد ۹۰۹ء میں اس کا چراغ گل ہوگیا۔ اس خاندان کا آخری حکمران زیادۃ اللہ ثالث (۹۰۳ء تا ۹۰۹ء) تھا اس زمانے میں جب فاطمیینِ مصر کے خاندان کے بانی المہدی ابو محمد عبید اللہ نے اغلبی حکومت پر حملہ کیا تو زیادۃ اللہ نے تاب مقاومت نہ پاکر

بغداد کے خلیفہ المکتفی باللہ کے پاس استمداد کے لئے اپنے قاصد بھیجے ۔ ان قاصدوں کے ساتھ زیا
نے خلیفہ کی خدمت میں منجملہ دیگر بیش بہا تحائف کے ایسے ایک لاکھ دینار بھی تھے جن میں سے ہر ایک
دینار کا وزن دس دینار کے مساوی تھا اور جن پر عربی زبان کے اشعار درج تھے[1] ۔ اغلبی خاندا
کے آخری حکمران زیادۃ اللہ ثالث کے متذکرہ صدر تحائف کے بغداد پہنچتے پہنچتے قاہرہ کی فاطمی افو
نے اغلبی خاندان کی حکومت کا تختہ الٹ کر اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا

اغلبی خاندان کے ان عظیم دیناروں کے بعد ایک اور عظیم الشان مثال بُویہی خاندا
کے حکمران فخر الدولہ ابوالحسن علی (۹۷۶ء تا ۹۹۷ء) کے دور میں نظر آتی ہے ۔ جس کی حکومت ر
ہمدان، اور اصفہان کے علاقوں پر تھی ۔ مشہور مورخ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ بُویہی خاندان کے اِ
نہایت بااختیار وزیر، صاحب ابن عباد نے یکم محرم ۳۷۸ھ م ۹۸۸ء کو ایک عظیم الشان دینار جو ا
ہزار دیناروں کے مساوی تھا اور جس کا وزن ایک ہزار مثقال تھا[2] فخر الدولہ کے حضور بطور نذر پیش
سکوں پر عربی زبان کے اشعار کے اندراج کی آخری مثال ایران کے صفوی خاندا
کے بانی اسمٰعیل اول (۱۵۰۲ء تا ۱۵۲۴ء) کے سکوں میں ملتی ہے جن پر مشہور دعائے نادِ علی درج تھی
مگر یہ سکے عام سائز اور وزن ہی کے تھے ۔

---

۱ الذیل مصنفہ ابو محمد فرغانی

۲ ابن الاثیر ۔ کامل ۔ جلد نہم صفحہ ۱۴،

سکوں پر فارسی زبان کے اشعار کا پس منظر

پچھلے ابواب میں سکوں پر سنسکرت اور عربی زبانوں کے اشعار کے اندراج کی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔ اب سکوں پر فارسی زبان کے اشعار کے اندراج کے پس منظر کو واضح کی کوشش کی جائے گی۔ اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک نیز یورپ بھی کچھ حصے اقتدار اسلامی کے زیر نگیں آتے گئے لیکن مرکز اقتدار ابتداً دمشق اور پھر بغداد ہی رہا۔ اس طرح اس سارے علاقے پر عربی زبان، ادب، تہذیب اور ثقافت کی چھاپ نمایاں رہی۔ عرب حکمرانوں نے یونانی، رومی اور ہندی فلاسفر کی تخلیقات کے عربی تراجم کے ذریعہ ان افکار تک رسائی کے لیے تمام دروازے عامۃ الناس کی خاطر پہلے ہی کھول دیئے تھے۔ مملکت اسلامی کی روز افزوں وسعت سے خود عرب مختلف ملکوں اور قومیتوں کے تہذیبی سرمائے سے روشناس ہوتے جارہے تھے اور نتیجتاً اندر ہی اندر ایک ایسی ثقافت پرورش پاتی رہی جو عربی اور عجمی تہذیب کا ایک خوشگوار امتزاج تھی۔ عربوں کی رواداری اور حسن سلوک سے مختلف علاقائی عناصر میں خود اعتمادی اور آزادئ رائے جیسے صحتمند رجحانات پروان چڑھنے لگے۔

عرب حکمرانوں کے اس مثبت ذہنی رویے کے نتیجے کے طور پر جہاں اسلامی یکجہتی کا ایک مخصوص رنگ نمایاں ہو رہا تھا وہیں اس کے بعض منفی اثرات بھی نمودار ہونے لگے، مختلف قومیتیں جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھیں، اب اپنی ماقبل اسلام تاریخ، تہذیب، ثقافت اور ادب پر نظر ڈالنے لگیں۔ ادھر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ عرب مرکز اقتدار میں کمزوری پیدا ہوتی جارہی تھی تو ادھر قلمرو ئے اسلامی کے دور دراز علاقوں میں مرکز گریز تصورات جنم لے رہے تھے، چنانچہ دوسری صدی ہجری کے وسط سے پہلے ہی مغرب میں اسپین کی آزاد مسلم ریاست

قائم ہو چکی تھی۔ پھر مراقش میں ادریسیوں نے اپنی الگ حکومت کی بنا ڈالی جن کا جانشین تیونس کا اغلبی خاندان ہوا۔ مصر میں تیسری صدی ہجری کے اواخر میں فاطمین نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا ادھر مشرق میں کردستان میں ذلفی، آذربائیجان میں ساجی، طبرستان میں علوی، خراسان میں طاہری، ایران میں صفاری، ماوراء النہر میں سامانی اور ترکستان میں ایلک خانی حکومتیں قائم ہوتی گئیں۔ سامانیوں کے بعد اُن کے غلاموں نے غزنوی خاندان کی بنا ڈالی اور افغانستان نیز پنجاب کے بعض علاقوں تک اپنی سلطنت کو وسعت دیدی۔

خلافت عباسیہ کے انقراض و انتشار کے جس دور میں متذکرۂ بالا چھوٹی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں اُن سبھوں نے مرکزِ خلافت سے برائے نام ہی سہی یہ رشتہ قائم رکھا کہ اپنے اپنے سکوں پر خلیفۂ وقت کے نام کا اندراج بھی جاری رہنے دیا اور خطبہ میں بھی برابر اس کا نام لیتے رہے۔ ان کا یہ عمل اس مصلحت پر مبنی تھا کہ اپنے اپنے حدود مملکت میں بسنے والے لاکھوں مسلم عوام میں ایک احساس اطمینان قائم رکھیں جن کی عقیدتیں جذباتی طور پر ادارۂ خلافت سے وابستہ تھیں۔ اسی مصلحت اندیشی کی ایک عجیب و غریب مثال ہمیں چنگیز خاں (۱۲۰۶ء تا ۱۲۲۷ء) کے سکوں میں ملتی ہے۔ چنگیز خاں نے اپنی فتوحات کے دوران جن اسلامی علاقوں پر قبضہ کیا تھا وہاں اس نے اپنے ایسے سکے رائج کروائے تھے جن پر ایک جانب اس کا نام اور دوسری جانب عباسی خلیفہ وقت الناصر کا نام درج تھا۔ علاوہ ازیں ہلاکو خاں نے جو چنگیز خاں کا پوتا تھا اور جس کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کا چراغ گل ہوگیا، عباسیوں کے دار الخلافہ بغداد کو فتح کرنے کے بعد جو سکے جاری کئے ان پر آخری عباسی خلیفہ المستعصم کے نام کا اندراج جاری رکھا۔ مخفی مباد کہ یہ دونوں منگول حکمران مسلمان نہ تھے، انہوں نے مسکوکات پر اس احتیاط کو اس لئے ملحوظ رکھا کہ ان کی فتوحات سے جو زخم مسلم رعایا کے دلوں پر لگے تھے ان کا کچھ نہ کچھ مداوا ہو جائے۔

سطور بالا میں جن متفرق ریاستوں کے قیام کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کا تعلق خلافت عباسیہ کی کمزوری اور عجمیوں کی سیاسی بیداری سے تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ عجم میں ایک ادبی نشاۃ ثانیہ کی تحریک بھی زور پکڑ رہی تھی جس کا ظہور فارسی اور ترکی زبان و ادب کی نشر و اشاعت کی کوششوں سے ہوا، فتوحات اسلامی کے بعد ویسے تو عجمیوں نے عربی رسم الخط اختیار کر لیا تھا لیکن

اندر ہی اندر ان کے دلوں میں اپنی قدیم زبانوں کے احیاء کی آرزو انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ فارسی زبان میں ادب و شعر نے کافی ترقی حاصل کی اور قبول عام پایا۔ بعض مذہبی اور اخلاقی کتابیں بھی فارسی میں لکھی گئیں۔ گیارھویں صدی عیسوی یا پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں تو یہ دبی چنگاریاں شعلہ بن کر بھڑکنے لگیں۔ چنانچہ عربوں سے عناد اور نفرت کے اظہار کی شدید ترین مثال کے طور پر فردوسی کے مندرجہ ذیل دو شعر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار
عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

اس دور میں جب کہ عربی شعر و ادب اپنی آن بان کھوتا جا رہا تھا، افق عجم پر عمر خیام، خاقانی، انوری، سعدی اور رومی جیسے درخشاں ستارے طلوع ہو رہے تھے لیکن مقام حیرت ہے کہ اس عہد میں بھی کسی حکمران کو اس بات کا خیال نہ آیا کہ سکوں پر فارسی اشعار درج کروائے

ادھر مشرق میں محمود غزنوی کے حملوں کے بعد اسلامی اثر و نفوذ پھیلتا جا رہا تھا اور بالآخر شہاب الدین محمد غوری کی فتوحات کے نتیجے میں دہلی میں خاندان غلاماں کی ایک مستحکم اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آگیا، ان فاتحین کی زبانیں ترکی اور فارسی تھیں۔ علاوہ ازیں مذہبی پیشواؤں اور اولیاء اللہ کی ہندوستان میں آمد سے اُن کا ایک مخصوص مگر وسیع حلقۂ اثر بھی پیدا ہوتا گیا۔ فارسی شعر و ادب کے میدان میں بھی مسعود سعد سلمان اور امیر خسرو جیسی قدآور شخصیتیں نمودار ہو چکی تھیں امیر خسرو نے تو دہلی کے دربار میں اپنے اعلیٰ مناصب پر فائز رہتے ہوئے کم و بیش سات بادشاہوں کا زمانہ پایا، مگر اس دور میں بھی نہ تو کسی حکمران کو یہ خیال آیا کہ سکوں پر فارسی شعر درج کروائے اور نہ ہی کسی بار سوخ شاعر نے اس طرف حکمرانوں کی توجہ مبذول کروائی۔ ان تمام بادشاہوں کے سکوں پر عربی زبان ہی میں اُن کے نام، القاب، مقام ضرب اور سنہ تسکیک کا اندراج ہوا کرتا تھا تا آنکہ محمد تغلق کا دور آگیا۔

محمد تغلق (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) نے اپنی فتوحات کے ذریعہ سلطنت دہلی کو کافی

وسعت دی۔ اس نے دکن کے بہت بڑے علاقہ کو فتح کر لیا۔ اس بادشاہ کے سکوں پر بھی، عموماً عربی عبارات کا اندراج پایا جاتا ہے، لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس کے بعض سکوں پر فارسی عبارتیں بھی نظر آتی ہیں۔ اسلامی مسکوکات کی تاریخ میں یہ ایک خوش آیند اقدام تھا جس نے آگے چل کر سکوں پر فارسی شعر کے اندراج کی راہیں کھول دیں۔ محمد تغلق کے ان موخرالذکر سکوں پر فارسی زبان کی جو عبارتیں ملتی ہیں وہ نثری جملے ہیں۔ محمد تغلق کی جدت طرازیوں کے کئی واقعات مشہور ہیں جن میں سے پایۂ تخت سلطنت کی دہلی سے دولت آباد کو منتقلی سر فہرست ہے۔ محمد تغلق کے بارے میں یہ بھی مشہور رہے کہ اس نے چرمی سکے بھی رائج کئے تھے لیکن اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ محمد تغلق خود ایک بلند پایہ شاعر تھا جس کے بعض شعر سید محمد ہاشمی فرید آبادی نے اپنی تاریخ ہند میں نقل کئے ہیں مگر حیرت ہے کہ ایسی جدت طراز طبیعت رکھنے کے باوجود اسے یہ خیال نہ آیا کہ سکوں پر فارسی شعر درج کروائے۔

بہرحال یہ وہ پس منظر ہے جس میں فارسی ادب و شعر دنیائے اسلام کے ایک بڑے حصے میں اپنی اہمیت منواتا جا رہا تھا اور وہ فضا تیار ہو رہی تھی جس میں فارسی شعر نے دنیائے مسکوکات کی رونق دو بالا کر دی۔

سلاطینِ گجرات کے سکّوں پر فارسی اشعار

سلاطینِ گجرات کے مورثِ اعلیٰ تاتار خاں نے جو فیروز شاہ تغلق کی طرف سے گجرات کا صوبہ دار تھا ۱۴۰۳ء م ۸۰۶ھ میں علم بغاوت بلند کر کے اعلان خود مختاری کر دیا۔

سکّوں پر فارسی شعر کے اندراج کا فخر سب سے پہلے سلاطینِ گجرات کے ایک فرد محمد شاہ ثانی کو حاصل ہوا۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کی تاریخ کا بھی ایک مختصر جائزہ لیا جائے تاکہ وہ پس منظر سامنے آجائے جس میں اس حیرت انگیز روایت نے جنم لیا سلطنتِ گجرات کے بانی تاتار خاں کے آباو اجداد ہندو راجپوت تھے بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان فیروز تغلق ایام شاہزادگی میں راجپوتانے کے علاقہ میں شکار کھیلنے آیا تھا۔ اسی دوران کسی مقام پر اُسے دو نوجوان راجپوت بھائی نظر آئے جن کی صورت و سیرت سے متاثر ہو کر فیروز تغلق انہیں اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔ ان دو بھائیوں میں جوہر قابل تو تھا ہی بادشاہ کی قربت اور شاہی محل میں پرورش اور تربیت سے اُن کی شائستگی میں اور نکھار پیدا ہوا۔ فیروز تغلق کے حسنِ سلوک کے زیر اثر ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بلند سے بلند تر مناصب پر فائز ہوتے جا رہے تھے ان دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی جس کا راجپوتی نام سہارن تھا وجیہہ الملک کے خطاب سے نوازا گیا۔ وجیہہ الملک کا بیٹا تاتار خاں گجرات کا صوبہ دار مقرر ہوا اور اس نے محمد شاہ کے لقب سے سلطنتِ گجرات کی بنا ڈالی تھی[۱]

نفسِ موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ مطالعہ باعثِ دلچسپی ہے کہ تاتار خاں

---

[۱] مسلم مانیومنٹس آف احمد آباد مولفہ ایم۔ اے۔ چغتائی مطبوعہ پونا ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۷۔

کے آباؤ اجداد ہندو راجپوت تھے اور حسنِ اتفاق سے تاتار خاں کو راجپوتانے سے متصل علاقہ گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ راجپوتانہ اور گجرات ایسے علاقے ہیں جو کسی زمانہ میں عظیم گپتا مملکت میں شامل تھے اور گپتا راجاؤں کو ہی یہ امتیاز حاصل ہو چکا تھا کہ انہوں نے دنیائے مسکوکات میں سب سے پہلے اپنے سکّوں پر سنسکرت زبان کے اشعار درج کرائے تھے۔ گپتا مملکت اپنی وسعت، دولت اور ثروت کی فراوانی نیز بیرونی ممالک سے تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے مشرق سے مغرب تک شہرت پا چکی تھی۔ گپتا راجاؤں کے خزانے زر و جواہر سے معمور تھے اسی لئے وہ اپنے سونے کے سکّے جن پر اشعار بھی درج ہوا کرتے تھے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مضروب کرواتے رہے۔ چنانچہ آج تک دفینوں کی صورت میں اُن کے بے شمار سکّے برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ اِن دفینوں میں سے کالی گھاٹ' بھرسار' جسّور' الہ آباد' ہبلی' ٹانڈہ' کوٹوا' بستی حاجی پور اور بیانہ کے دفینے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ بیانہ کا آخر الذکر دفینہ تو اپنی نظیر آپ ہے کیونکہ اس دفینہ میں صرف گپتا راجاؤں کے دو ہزار سے زیادہ سونے کے سکّے دستیاب ہوئے۔ اس دفینے کی دریافت ۱۷ فروری ۱۹۴۶ء کو بمقام ناگر چھیلہ تعلقہ بیانہ سابق ریاست بھرت پور میں عمل میں آئی۔ ماضی قریب میں بھی دفینوں کی اس بہ کثرت دریافت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گپتا مملکت کے خاتمے کے بعد اس ڈیڑھ ہزار سال کے طویل عرصے میں ایسے کتنے ہی دفینے برآمد ہوئے ہوں گے' یہ ناممکن ہے کہ سابقہ گپتا مملکت کے حدود میں پروان چڑھنے والی نسلیں اِن سکّوں اور اُن کے مندرجات سے ناآشنا رہی ہوں' بالخصوص اعلیٰ متوسط طبقے کے راجپوت گھرانوں کا ان عظیم روایتوں سے ایک ذہنی ورثے کے طور پر واقف رہنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ سلاطین گجرات اور ان کے آباؤ اجداد نے گپتا راجاؤں کے ایسے سکّے بچشمِ خود دیکھے ہوں۔

یہ تو تھا سلاطینِ گجرات کے سکّوں پر اشعار کے اندراج کے ایک اندرونی محرّک کا تذکرہ لیکن اِس نوبت پر ایک بیرونی مُحرّک کا ذکر بھی از حد ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پچھلے صفحات میں عرب و ہند کے صدیوں پرانے تعلقات کی مختصر تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔ یہ تعلقات بالخصوص ہندوستان کے مغربی سواحل اور بلادِ عرب کے درمیان بہت زیادہ گہرے تھے۔ گجرات میں مسلمان حکمرانوں کے آزادانہ اقتدار کے قیام کے بعد تو اِن میں اور زیادہ ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ ایران اور

لادِ عرب سے دانشور، علماؑ، حکماؑ، اور فضلاؑ بڑی تعداد میں ہندوستان آ رہے تھے۔ ظاہر ہے اُن کے تہذیبی ورثے کے نوادرات اور بیش بہا نمونے اُن کے زادِ سفر میں ضرور شامل رہے ہوں گے جن میں عربی فارسی اور ترکی ادب پاروں کی تعداد نمایاں مقام رکھتی ہوگی۔ اس دور تک عربی زبان کی بعض مستند تواریخ مثلاً ابو عبداللہ محمد بن عبدوس الجھشیاری کی کتاب الوزراء والکتاب اور ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ اسلامی ممالک میں عام ہو چکی تھیں۔ ان کتابوں میں عباسی، اغلبی اور دیسی حکمرانوں کے دیناروں پر مندرجہ اشعار کی تفصیلات مذکور ہیں۔ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے دارالسلطنت اِن کتابوں سے معمور تھے جیسا کہ سلاطین دہلی، سلاطین گجرات، سلاطین بہمنی وغیرہ کی علمی و ادبی سرپرستیوں کے تذکروں سے مبرہن ہوتا ہے۔ اس طرح سلاطینِ گجرات کا دنیائے مسکوکات میں سکّوں پر عربی زبان کے اشعار کے اندراج کی روایت کے آغاز سے بخوبی واقف رہنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا گجرات کے حکمرانوں نے اپنے سکّوں پر فارسی شعر کے اندراج کی جس حسین روایت کی بناء ڈالی اس کے ایک اور محرک کے طور پر عربی اثرات کو قبول کرنے میں ہم حق بجانب ہوں گے۔

سلاطینِ گجرات میں سے ابتدائی دو بادشاہوں محمد شاہ اور مظفر شاہ کا دورِ حکومت آپسی سازشوں کی نذر ہو گیا۔ تیسرے بادشاہ احمد شاہ (۱۴۱۰ء تا ۱۴۴۲ء م ۸۱۳ھ تا ۸۴۶ھ) کا عہدِ حکومت کافی طویل رہا اور اسی کے زمانے میں سلطنت گجرات کے حدود میں وسعت پیدا ہوئی در دارالسلطنت احمد آباد کی بنیاد ڈالی گئی۔ مخفی مباد کہ احمد شاہ نہ صرف شعر کا ایک ستھرا مذاق رکھتا تھا بلکہ وہ خود ایک اچھا شاعر تھا۔

احمد شاہ کے بعد محمد شاہ ثانی (۱۴۴۲ء تا ۱۴۵۱ء م ۸۴۶ھ تا ۸۵۵ھ) نے عنانِ اقتدار سنبھالی۔ اگرچہ اس بادشاہ کا زمانہ زیادہ طویل نہ رہا تاہم یہ ایک پُرسکون دَور تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کو مسکوکات سے زیادہ دلچسپی رہی ہوگی، ذوقِ شعر تو اس کو اپنے باپ احمد شاہ سے ورثے میں مل ہی چکا تھا، چنانچہ اس حکمران نے اپنے سکّوں پر فارسی شعر کے اندراج سے وہ عہد آفریں کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر دنیائے مسکوکات میں اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی۔

محمد شاہ ثانی نے جو فارسی شعر اپنے سکّوں پر درج کروایا تھا وہ حسب ذیل ہے

تا بدار الضرب گردوں قرص مہر و ماہ باد
سکۂ سلطان غیاث الدین محمود شاہ باد

اِسی خاندان کے ایک اور بادشاہ بہادر شاہ (سنہ۱۵۲۶ء تا سنہ۱۵۳۶ء م سنہ۹۳۲ھ تا ۹۴۳) کے سِکوں پر بھی فارسی شعر پایا جاتا ہے جس کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

هر کرا روی و روا بے بست بر سطح زمیں
سکۂ اقبالِ شاہ ہند دارد بر جبیں

اس شعر کو کم و بیش تمام محققین نے صحیح طور پر پڑھا ہے البتہ ان کی آراء میں اس شعر کے انتساب کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ٹیلر نے نیومسمیاٹک سپلمنٹ شمارہ XXII میں شائع شدہ اپنے آرٹیکل میں اس سکے کو شہنشاہ بابر سے منسوب کیا ہے۔ لیکن پروفیسر ہوڈی وا اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سکہ شہنشاہ بابر کا نہیں بلکہ بہادر شاہ والی گجرات کا ہے۔ پروفیسر نے نیومسمیاٹک سپلمنٹ کے شمارہ XL میں شائع شدہ اپنے آرٹیکل میں یہ استدلال پیش کیا ہے ایسے سکے جن پر دارالضرب شہر مکرم محمد آباد (چمپانیر) اور تاریخ تسکیک سنہ۹۳۴ھ تا سنہ۹۴۰ھ کا اندراج بہادر شاہ والی گجرات ہی کے ہیں اور کسی طرح بھی شہنشاہ بابر سے منسوب نہیں کئے جا سکتے کیونکہ بابر گجرات میں قدم ہی نہیں رکھا۔ پروفیسر ہوڈی والا کا یہ استدلال نہایت قوی ہے اور اس سے اختا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بہادر شاہ کا آخری دور بڑی افراتفری میں گذرا، شہنشاہ بابر یہ چاہتا تھا کہ بنگال، گ اور مالوہ کی ریاستوں کو مغلوب کر کے دکن میں داخل ہو لیکن موت نے اُسے مہلت نہ دی۔ بابر کے بع ہمایوں اس کا جانشین ہوا اور اس نے اپنے باپ کی خواہش کے مطابق گجرات پر حملہ کیا۔ گجرات کا بہادر شاہ مغلوں کے حملے کی تاب نہ لاسکا اور سراسیمگی کے عالم میں مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر پرتگیزیوں جن کے جہاز پر اس نے پناہ لی تھی اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ سنہ۱۵۳۶ء کا ہے۔ گجرات کی سلطنت چراغ وہیں گل ہو چکا ہوتا مگر ہمایوں کو یہ خبر ملی کہ شیر خاں افغان بغاوت کر کے دہلی کی طرف بڑھ ہے۔ ہمایوں نے سلطنت گجرات کی بیخ کنی کا ارادہ ترک کر کے شیر خاں افغان کی سرکوبی کے اپنی فوجوں کے ساتھ بہار کا رُخ کیا اور اس طرح گجرات کی دم توڑتی ہوئی سلطنت کو سانس لینے

کچھ اور موقع مل گیا۔ لیکن بہادر شاہ کے جانشینوں کی نااہلی اور آپسی رقابتوں کی وجہ سے اس عرصہ میں حالات اور ابتر ہو گئے تا آنکہ ۱۵۷۲ء م ۹۸۰ھ میں شہنشاہ اکبر نے اس خاندان کے آخری بادشاہ مظفر شاہ ثالث کو شکست دے کر گجرات کو سلطنت مغلیہ میں ضم کر لیا۔

گجرات کے آخری بادشاہوں میں سے کسی کو نہ اتنا وقت ملا اور نہ یہ توفیق ہوئی کہ وہ اپنے پیشرووں کی تقلید کر کے سکّوں پر اشعار کے اندراج کی حسین روایت کو تازہ رکھتے۔

••

سلاطین کشمیر کے سکّوں پر فارسی اشعار

کشمیر میں ہندوؤں کے اقتدار کے زوال کے بعد ۱۳۳۹ء میں شاہ میرزا نامی ایک ذی اثر سردار نے سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے اپنے خاندان کی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی جو کشمیر پر کم و بیش دو سو سال تک حکومت کرتا رہا[1]۔ اس خاندان میں سترہ بادشاہ گذرے ہیں۔ اس خاندان کے آخری حکمران حبیب شاہ کو ۱۵۶۱ء میں غازی چک نے تخت سے اُتار دیا اور خود سلطان غازی شاہ کا لقب اختیار کر کے خاندان چک کی حکومت کی داغ بیل ڈالی[2]۔ اس دوسرے خاندان میں صرف چھ بادشاہوں نے حکومت کی۔ آخری حکمران حسین شاہ نے اپنی تخت نشینی کے چار ہی دن بعد گدّی چھوڑ دی۔ بعد ازاں حسین شاہ کا پسر یعقوب شاہ دوسری بار برسر اقتدار آیا۔ اس کے عہد میں کشمیر میں مغلوں کی مداخلت زور پکڑنے لگی۔ لیکن کشمیر کے جغرافیائی حالات نے مغلوں کو اس کی اجازت نہ دی کہ وہ وہاں اپنے قدم بہ آسانی جما سکیں۔ بہر حال مزید دو سال کی مدت کشمیر کی اندرونی سازشوں میں گذر گئی۔ یعقوب شاہ نے بہتیری کوشش کی کہ مغلوں کو کشمیر میں فاتحانہ داخلے سے باز رکھے لیکن اندرونی پھوٹ، قوت فیصلہ کی کمی اور مخلص مشیروں کے فقدان نے فوج میں بڑھتی ہوئی بے دلی سے مل کر یعقوب شاہ کی کسی کوشش کو بار آور ہونے نہ دیا اور عسکری آنکھ مچولی کا یہ کھیل جس میں مغلوں نے بھی قابل لحاظ نقصانات برداشت کئے اکتوبر ۱۵۸۸ء میں اختتام کو پہونچا، جب کہ یعقوب شاہ نے کشمیر میں شہنشاہ اکبر کے

---

[1] کشمیر سلاطین کے عہد میں مرتبہ محب الحسن مترجمہ علی حماد عباسی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۷۴ء صفحہ ۶۲-۲۳

[2] " " " " " " صفحہ ۲۳۲

فاتحانہ داخلے کے موقع پر خود کو اس کے سامنے پیش کر دیا۔[1]

شاہ میر اور چک خاندانوں کے ادوار حکومت میں شاہ میر خاندان کا ابتدائی عہد نسبتاً شاندار اور مستحکم رہا ہے۔ شاہ میری حکمرانوں کو زائد از دو صدی حکومت کرنے کا موقع ملا۔ علاوہ ازیں اس خاندان کے دوران حکومت میں محمد تغلق کے بعد دہلی میں بھی کوئی مستحکم حکومت قائم نہ رہی تھی جس سے کسی مداخلت کا خطرہ لاحق ہوتا۔ چنانچہ اس عہد میں شاہ میری حکمرانوں نے اپنی پوری توجہ سلطنت کے استحکام، اصلاح نظم و نسق کی طرف مبذول کر دی۔ ان حکمرانوں میں سلطان زین العابدین سر فہرست ہے جس کے زمانے میں زراعت، صنعت و حرفت اور اشاعت تعلیم کے میدان میں نمایاں ترقی ہوئی۔

جہاں تک علم و ادب کی سرپرستی اور شعر و سخن کی قدر دانی کا تعلق ہے، یہ امر لائق توجہ ہے کہ شاہ میری اور چک خاندانوں کے حکمرانوں نے اس سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں سے بعض حکمران خود اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے کشمیر میں فارسی ادب و شعر کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ سلطان زین العابدین ایک اچھا شاعر تھا۔ اس کا لڑکا حیدر شاہ بھی شاعر تھا۔ زین العابدین علم و ادب کا بڑا سرپرست تھا اور پڑھے لکھے آدمیوں کی صحبت پسند کرتا تھا۔ نیز ان سے بحث و مباحثہ کرنے کا مشتاق رہتا تھا۔ زین العابدین کے دربار میں مشہور مصور ملا جمیل اپنے کمال فن کا مظاہرہ کر رہا تھا اور تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی پانچ کشمیری مصور موجود تھے۔ سلاطین کشمیر نے فن خطاطی کی بھی بڑی سرپرستی کی۔ کشمیر کی بعض مساجد اور مقبروں میں دیدہ زیب خط نسخ اور نستعلیق میں فارسی اور عربی کتبے پائے گئے ہیں۔

جہاں تک تجارتی سرگرمیوں کا تعلق ہے عہد وسطیٰ میں بھی کشمیر کی معاشی زندگی میں تجارت کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور اس سے حکومت کے مالیہ میں گراں قدر اضافہ ہوتا تھا

---

[1] کشمیر سلاطین کے عہد میں، مرتبہ محب الحسن، مترجمہ علی حماد عباسی مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء
صفحات ۲۹۳ تا ۳۰۲

کشمیری مصنوعات اندرون ہند وادی کے علاوہ بنگال اور جنوبی ہند کے سواحل تبت میں لہاسہ، چین میں پیکنگ نیز ایران اور وسط ایشیا کے بازاروں میں مقبولیت حاصل کر چکی تھیں۔ خلافت عباسیہ کے دور میں بھی خاندان برامکہ کے تعلق سے کشمیر کے حوالے ملتے ہیں۔

موضوع کتاب کے تعلق سے یہ امر خالی از دلچسپی نہیں کہ سلاطین کشمیر کے معاصر سلاطین گجرات نے پندرھویں صدی عیسوی کے وسط ہی سے سکوں پر فارسی شعر کے اندراج کی ابتدا کر دی تھی۔ کشمیری تاجروں نے علاقۂ گجرات میں ضرور ایسے سکے دیکھے بلکہ اپنے ساتھ کشمیر لے گئے ہوں گے جن پر فارسی شعر کا اندراج تھا اور سلاطین کشمیر نے ان سے ضرور واقفیت حاصل کی ہوگی اس کا بھی امکان ہے کہ مشرق وسطیٰ سے ثقافتی تعلقات کی بنا پر انہیں یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ ہارون الرشید نیز اغلبی اور بویہی خاندانوں کے سکوں پر عربی اشعار درج کئے جاتے تھے۔ ان تمام عوامل کے پس منظر میں کشمیر کے شاہ میری خاندان کے حکمرانوں حسن شاہ اور فتح شاہ کے سکوں پر فارسی اشعار کا اندراج ایک منطقی بنیاد رکھتا ہے۔

حسن شاہ (۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۶ء) کی اشرفیوں پر جو فارسی شعر درج ہے اس کو آر بی وائٹ ہیڈ نے اس طرح پڑھا ہے جو درست نہیں ہے[۱]۔

نگین ملک خاتم سلیماں
حسن شاہ ابن حیدر شاہ سلطاں

اس شعر کا تذکرہ علی حماد عباسی نے بھی کیا ہے[۲] مگر یہاں بھی اس شعر کا صرف پہلا مصرعہ غیر صحیح طور پر درج کیا گیا ہے۔ شعر کے دوسرے مصرعہ کا تو انہوں نے ذکر ہی نہیں کیا۔

صحیح شعر یوں ہے

نگین خاتم ملک سلیماں
حسن شاہ ابن حیدر شاہ سلطاں

---

[۱] نیومسماٹک کرانیکل XIII سلسلۂ پنجم دی گولڈ کوائنس آف دی سلطانس آف کشمیر صفحہ ۲۶۳، تحریر آر۔ بی۔ وائٹ ہیڈ بشکریہ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب مقیم لندن نیز پاکستان ڈبلیو ایچ صدیقی صاحب ڈائرکٹر آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا۔
[۲] کشمیر سلاطین کے عہد میں مترجمہ علی حماد عباسی صفحہ ۴۴۹۔ اعظم گڑھ ۱۹۶۷ء

فتح شاہ نامی شاہ میری خاندان ہی کے ایک اور حکمراں کی اشرفیوں پر مندرجہ فارسی شعر کو بھی آر۔ بی وائٹ ہیڈ نے یوں پڑھا ہے[۱]

کبر ملکت کہ مہر دولت است
سکۂ فتح شاہ سلطاں است

یہاں وائٹ ہیڈ نے شعر کے پہلے مصرعے کو پڑھنے میں غلطی کی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس نے اشرفی پر مندرجہ شعر کے الفاظ جوں کے توں نقل کر دیئے ہیں جو حسب ذیل ہیں

کبر کہ لت

ست د

ملکت مہر د

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے وائٹ ہیڈ نے مندرجہ صدر الفاظ کو

کبُر ملکت کہ مہر دولت است

پڑھا ہے۔ اس خواندگی سے نہ صرف یہ کہ مصرعہ ناموزوں ہو جاتا ہے بلکہ اس کے کوئی معنی بھی بر آمد نہیں ہوتے۔ اس اشرفی پر مندرجہ الفاظ کو بغیر کسی کمی بیشی کے صحیح طریقے سے اس طرح پڑھا جا سکتا ہے اور پورا شعر یوں ہوگا۔

مہر دولت کہ ملکت گیر است
سکۂ فتح شاہ کشمیر است[۲]

وائٹ ہیڈ کی ساری غلطی لفظ "کبر" کو "کبُر" پڑھنے کا نتیجہ ہے جو اصل میں "کبُر" نہیں بلکہ "گیر" ہے۔ مخفی مبادکہ سکوں کی ڈائی بناتے وقت مُہرکن شوشوں اور مراکز کا خاص اہتمام ملحوظ نہیں رکھتے۔ الفاظ کو حُسن کارانہ انداز میں جہاں چاہتے تھے ڈائی پر کندہ کر دیتے تھے۔ اس لئے سیاق و سباق کی موزونیت کے پیش نظر الفاظ کی صحیح نشست تک پہونچنے کی کوشش ضروری ہے۔

ان دونوں اشرفیوں پر مندرجہ اشعار کی تصحیح کے بعد انہیں شامل کتاب کر لیا گیا ہے۔

---

[۱] نیومسیاٹک کرانیکل XIII سلسلۂ پنجم دی گولڈ کوائنس آف دی سلطانس آف کشمیر صفحہ ۲۶۴ تحریر آر۔ بی وائٹ ہیڈ

[۲] فتح شاہ کے دورِ حکومت کے لئے ملاحظہ ہو "کشمیر سلاطین کے عہد میں" مترجمہ علی حماد عباسی صفحہ ۲۵۴

عادل شاہی حکمرانوں کے سکّوں پر اشعار

محمد تغلق کے آخری ایام حیات میں سلطنت دہلی کے مختلف علاقوں میں باغی امراء سر اٹھانے لگے تھے اور اس طرح کئی صوبوں میں آزاد حکومتوں کے قیام کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ ان عناصر میں سب سے پہلے ابوالفتح ناصر الدین نے اسمٰعیل شاہ کا لقب اختیار کرکے دولت آباد میں اپنی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کیا لیکن تھوڑے ہی دن بعد ناصر الدین اسمٰعیل شاہ کو اس کے اپنے ساتھیوں میں ایک ابھرتے ہوئے نوعمر سردار حسن خاں الملقب بہ ظفر خاں کے حق میں اقتدار سے دست کش ہونا پڑا اور ظفر خاں نے علاؤالدین بہمن شاہ کا لقب اختیار کرکے ۷۴۸ھ م ۱۳۴۷ء میں دولت آباد ہی میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۹۴۵ھ م ۱۵۳۸ء تک قائم رہی۔[1]

بہمنی سلطنت کا پہلا صدر مقام دولت آباد الملقب بہ فتح آباد تھا۔ بعد میں صدر مقام کو تبدیل کرکے گلبرگہ الملقب بہ احسن آباد کو مستقر بنایا گیا اور پھر گلبرگہ سے پایہ تخت بیدر کو منتقل کیا گیا جس کا نام محمد آباد رکھا گیا۔ شاہان بہمنیہ ابتداء ہی سے علم دوست رہے اور ان کے دربار میں بزرگان دین، علماء، فضلاء، حکماء، اُدبا اور شعراء کی قدر افزائی ہوتی رہی چنانچہ بہمنیوں کے عہد ہی میں مشہور بزرگ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ دہلی سے دکن آئے۔ اسی زمانے میں شارح صحیح بخاری علامہ بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر اسکندریہ سے ہندوستان آئے اور پھر گجرات سے ہوتے ہوئے گلبرگہ آکر یہیں کے ہو رہے۔ دربار تیموریہ کے ملک الشعراء شیخ آذری نے سلاطین بہمنیہ کی ادب نوازی اور فیاضی کی شہرت سن کر دکن کا رخ کیا اور یہیں انہوں نے سلاطین بہمنیہ کے حالات "بہمن نامۂ دکنی" کے نام سے نظم کیے۔

---

[1] ہسٹری آف میڈیول دکن مرتبہ پروفیسر ہارون خاں شروانی جلد اول (شجرۂ سلاطین بہمنیہ) شائع کردہ حکومت آندھرا پردیش ۱۹۷۳ء

علاوہ ازیں فارسی کے دو مایہ ناز شعراء خواجہ حافظ شیرازی اور مُلّا عبدالرحمٰن جامی کو بھی دربارِ بہمنیہ سے دعوت نامے بھیجے گئے تھے اور نذور بھی گزرانی گئی تھیں لیکن بوجوہ چند یہ دونوں مشاہیر دکن نہ آسکے مختصراً یہ کہ بہمنی دربار میں زہد و ورع، علم و حکمت اور شعر و ادب کی خوب سرپرستی ہوتی رہی مگر موضوعِ کتاب کے تعلق سے یہ لکھتے ہوئے بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ بہمنی بادشاہوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے نہیں جاتے حالانکہ اُن کے معاصر سلاطینِ گجرات نے سنہ ۸۴۶ھ م سنہ ۱۴۴۲ء سے ہی سکّوں پر فارسی شعر کے اندراج کی حسین روایت کی بنیاد ڈالدی تھی۔

کم و بیش دو سو سال تک دکن میں حکومت کرنے کے بعد بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا اور اُن کے قصرِ اقتدار کے کھنڈروں پر چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے محل تعمیر ہونے لگے۔ یہ حکومتیں سلطنت بہمنیہ کے حسب ذیل علاقوں میں قائم ہوئیں۔

۱۔ احمد نگر میں نظام شاہی
۲۔ گاویل گڑھ میں عماد شاہی
۳۔ بیدر میں برید شاہی
۴۔ بیجاپور میں عادل شاہی
۵۔ گول کنڈہ میں قطب شاہی

متذکرہ صدر حکومتوں کے منجملہ صرف عادل شاہی اور قطب شاہی حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں لہذا ان ہی کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عادل شاہی سلطنت کا بانی یوسف عادل خاں تھا جو ایران سے ترکِ وطن کر کے سمندری راستہ سے دکن کے مغربی ساحل پر واقع بندرگاہ ڈابھول پر اُترا اور پھر وہاں سے بیدر جاکر بہمنی دربار میں رسائی حاصل کی۔ یوسف عادل خاں بہمنی سلطنت کے مشہور وزیر محمود گاوان کے زیر سرپرستی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں جرأت، ہمت اور فراست کے جوہر دکھا کر رفتہ رفتہ بیجاپور کے طرفدار (صوبہ دار) کے جلیل القدر عہدہ تک پہونچ گیا۔ محمود گاوان کے قتل کے بعد بہمنی سلطنت کے زوال کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ اور امرائے دربار کے دکنی گروپ اور ایران اور ترکستان سے آئے ہوئے آفاقیوں میں باہمی کشمکش تیز ہوگئی تھی۔ آفاقیوں کے سرخیل

یوسف عادل خاں اور سلطان قلی تھے اور دکنی عناصر کی رہنمائی ملک حسن طرفدار جنیر (احمدنگر) کر رہا تھا۔ بظاہر یوسف عادل خاں اور سلطان قلی نے اس کشمکش میں نمایاں حصہ لینے سے احتراز کرتے ہوئے ایک طرح کا سکوت اختیار کرلیا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ اپنے اپنے علاقوں بیجاپور اور گول کنڈہ میں اثر و نفوذ کو استحکام بخشنے کی تیاریوں میں لگے رہے۔

بالآخر یوسف عادل خاں نے ۸۹۵ھ م ۱۴۸۹ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔

مسلم حکمرانوں کی روایات کے مطابق یوسف عادل خاں نے یوسف عادل شاہ کا لقب اختیار کرکے اپنے علاقہ بیجاپور میں اپنے نام کا خطبہ پڑھے جانے کے احکام تو صادر کر دیئے لیکن نہ جانے کیوں اس نے اپنے نام کے سکے جاری نہیں کئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری ضروریات اور تجارتی لین دین میں بہمنی بادشاہ کے سکوں کا چلن برقرار رہا اور یہ صورت حال نہ صرف یوسف عادل شاہ بلکہ اس کے بعد آنے والے تین جانشینوں اسمٰعیل عادل شاہ، ملو عادل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ اول کے زمانے تک قائم رہی البتہ اس سلسلہ کے پانچویں بادشاہ علی عادل شاہ اول نے اپنے نام کے سکے جاری کئے اور اس کے بعد اس کے جانشینوں ابراہیم عادل شاہ ثانی، محمد عادل شاہ، علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ نے اپنے اپنے ناموں کے سکوں کی اجرائی کا سلسلہ قائم رکھا۔

جہاں تک سکوں پر شعر کے اندراج کا تعلق ہے ہمیں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے سکوں پر ایک شعر ملتا ہے۔ جو اپنی نوعیت کا واحد شعر ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد تک دکن میں ایک نئی زبان کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ ادھر بیجاپور میں نصرتی اور ہاشمی جیسے باکمال شعراء اس نئی زبان میں جو عربی، فارسی اور دکن کی کنڑی، مرہٹی اور تیلگو زبانوں کے حسین امتزاج سے پروان چڑھ رہی تھی اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کر رہے تھے تو ادھر بھی اسی زمانے میں گولکنڈے کے قطب شاہوں کی سرپرستی میں اسی زبان کا ایک پیارا روپ ابھر رہا تھا۔ یہ زبان دکنی کے نام سے مشہور ہوئی اور اس میں جو شاہکار تخلیق ہوئے وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی خود دکنی کا ایک بلند پایہ شاعر تھا اور اس کو شعر و ادب، موسیقی اور مصوری کا خاص ذوق ودیعت ہوا تھا، اس بادشاہ کو لفظ "نورس" سے خاص دلچسپی تھی چنانچہ اس نے اپنی ایک تصنیف کا نام جو فن موسیقی کے بارے میں ہے "نورس" رکھا تھا، بیجاپور کے نواح میں ابراہیم عادل شاہ نے ایک نیا شہر بسایا تھا جس کا نام بھی "نورس" رکھا گیا تھا۔ موضوعِ کتاب کے تعلق سے یہ امر

باعث دلچسپی ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنی تین تین تولے کی سونے کی اشرفیوں کا نام نہ صرف "نورس" رکھا تھا بلکہ اِن اشرفیوں پر حسب ذیل شعر درج کروایا تھا۔

نورس مُہر عادل شاہی
جگت گرو داد الٰہی

شہنشاہ اکبر کے ایلچی اسد بیگ نے جب بیجاپور کا دورہ کیا تھا تو اپنی واپسی پر اس نے دیگر تحایف کے علاوہ ایسی چند اشرفیاں بھی اپنے ساتھ رکھیں اور انہیں اکبر کے حضور میں پیش کیا[1]۔

ابراہیم عادل شاہ کے بعد اس کے جانشین محمد عادل شاہ نے بھی سکّوں پر شعر کے اندراج کی روایت برقرار رکھی لیکن اس کے سکّوں پر مندرجہ شعر فارسی زبان کا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے

جہاں زایں دو محمد گرفتہ زینت و جاہ
یکے محمد مرسل دوم محمد شاہ

مندرجہ بالا شعر محمد عادل شاہ کی سونے کی چھوٹی اشرفیوں نیز اس کے تانبے کے سکّوں پر پایا جاتا ہے۔ محمد عادل شاہ کے جانشینوں میں سے کسی نے بھی اپنے سکّوں پر اشعار درج نہیں کروائے

---

[1] ہسٹری آف میڈی ایول دکن مرتبۂ پروفیسر ہارون خاں شروانی جلد دوم صفحات ۴۴۲۔۴۴۳ شائع کردہ حکومت آندھرا پردیش ۱۹۷۳ء

قطب شاہی حکمرانوں کے سکوں پر فارسی شعر

قطب شاہی سلطنت کا بانی سلطان قلی ترکوں کے "قراقویونلو" قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جس کی حکومت ترکستان (آرمینیا' اذربائیجان) میں قائم تھی۔ قراقویونلو قبیلے پر جب آق قویونلو قبیلہ غالب آگیا تو مفتوح قبیلے کے ارکان منتشر ہو گئے۔ انہی میں سے سلطان قلی اور اس کے چچا اللہ قلی نے ہندوستان کا رُخ کیا اور پھر بیدر میں بہمنی دربار تک رسائی حاصل کر لی' دریں اثنا ترکستان میں قسمت نے پھر اس قبیلے کی یاوری کی اور وہاں دوبارہ قراقویونلو برسر اقتدار آگئے۔ اللہ قلی اپنے بھتیجے کے ساتھ وطن مالوف کو لوٹ جانا چاہتا تھا لیکن سلطان قلی نے جس کو محمد شاہ ثالث بہمنی کا بھرپور اعتماد حاصل ہو چکا تھا اپنے چچا کی تجویز نہ مانی اور دکن ہی میں رہنا پسند کیا' سلطان قلی رفتہ رفتہ ترقی کر کے محمود شاہ بہمنی کے دور میں تلنگانہ بشمول گول کنڈے کا طرفدار (صوبہ دار) بن چکا تھا۔

اگرچہ سلطان قلی کو قطب شاہی سلطنت کا بانی قرار دیا جاتا ہے اور عملاً وہ اس سلطنت کا بانی ہے بھی لیکن اس کی رگ و پے میں سلاطین بہمنیہ کی وفاداری اس قدر رچ بس گئی تھی کہ اس نے اپنے آخر دم تک رسمی طور پر اپنی خود مختاری کا اعلان نہیں کیا۔[1] سلطان قلی قطب شاہ کے بعد جمشید' سبحان اور ابراہیم قطب شاہ اس کے جانشین ہوئے۔ چونکہ ان حکمرانوں کے آباؤ اجداد کا تعلق ارمینیا' اذربائیجان اور ایران سے تھا اس لئے ان کو فارسی شعر و ادب سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ نیز دکن میں بہمنی سلطنت نے علم و حکمت' ادب و شعر کی جو سرپرستی کی تھی ان روایات سے

---

[1] ہسٹری آف میڈی ایول دکن مرتبہ پروفیسر ہارون خاں شروانی جلد اول صفحات ۲۱۵-۲۱۶ شائع کردہ حکومت آندھرا پردیش ۱۹۷۳ء۔

بھی قطب شاہی حکمرانوں کی ادب نوازی کا تانا بانا تیار ہونے میں بڑی مدد ملی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ جمشید قلی قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ نہ صرف شعر و ادب کے سرپرست بلکہ خود بلند پایہ شاعر بھی تھے[۱۱]

بیجاپور کی طرح گول کنڈے میں بھی قطب شاہوں کے زمانے میں عربی، فارسی، ترکی جیسی بیرونی زبانوں اور تیلگو، مرہٹی، کنڑی جیسی مقامی زبانوں کے امتزاج سے دکنی زبان ایک اور روپ ابھر رہا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ اس نومولود زبان کا نمائندہ شاعر قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ قلی قطب شاہ کا مندرجہ ذیل شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج اک پل جیا جائے نا

محمد قلی قطب شاہ کے دور ہی میں گول کنڈے میں وہ پہلا سکہ مضروب ہوا جس پر مندرجہ ذیل فارسی شعر درج ہے

تعبیر دہ فلوس شاہی
پیوستہ بلعنت الٰہی

سلطان محمد شاہ ثانی والی گجرات (۸۳۶ھ تا ۸۵۵ھ م ۱۴۳۲ء تا ۱۴۵۱ء) نے سکوں پر فارسی شعر کے اندراج کی حسین روایت کا آغاز تو کر ہی دیا تھا لیکن کم و بیش ایک صدی تک کسی اور خانوادے میں اس روایت کی تجدید عمل میں نہیں آئی تھی۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس زمانے میں محمد قلی قطب شاہ نے اپنے سکوں پر فارسی شعر درج کروایا عین اسی زمانے میں دہلی کے سلاطین مغلیہ میں شہنشاہ اکبر اور ایران کے صفویوں میں اسمٰعیل دوم اور محمد خدابندہ کے سکوں پر فارسی شعر کے اندراج کی ابتدا ہو چکی تھی۔ شاہانِ قطب شاہیہ میں محمد قلی قطب شاہ ہی ایک ایسا بادشاہ گزرا ہے جس کے سکوں پر فارسی شعر درج ہے لیکن اس کے جانشینوں میں سے کسی نے بھی اس روایت کو برقرار نہیں رکھا۔

---

[۱۱] تاریخ گول کنڈہ مصنفہ عبدالمجید صدیقی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد صفحات ۲۸۳ — شائع کردہ سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۲۹۶ طبع دوم ۱۹۶۴ء

سلاطینِ مغلیہ کے سِکّوں پر فارسی اشعار

شہنشاہ اکبر اس کتاب کی تمہید میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنے باپ شہنشاہ ہمایوں کا جانشین ہوا' جس کا دورِ حکومت ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء م ۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ رہا۔ اس نے باپ اور دادا ہمایوں اور بابر سے ایک مستحکم سلطنت پائی' نیز اُسے شیر شاہ سوری جیسے مُدبّر حکمران کا قائم کردہ ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ اور ٹوڈرمل جیسا ایک باصلاحیت وزیر بھی مِلا تھا۔ اکبر سے پہلے ہمایوں اور بابر کے سِکّے وضع قطع نیز سائز اور وزن میں ماوراءالنہر کے شاہ رُخی سِکّوں سے مماثلت رکھتے تھے۔ اُن پر ایک جانب کلمۂ طیّبہ اور چاروں خلفائے راشدین کے نام اور دوسری جانب بادشاہ کا نام' اس کے القاب' سنہ ضرب اور دارالضرب کے نام کا اندراج ہوا کرتا تھا۔ اپنے دورِ حکومت کے ابتدائی چند سال تک اکبر نے اپنے سِکّوں پر وہی اندراجات جاری رکھے' البتہ ان میں جو نمایاں تبدیلی ہوئی وہ سِکّوں کے وزن سے تعلق رکھتی ہے۔ بابر اور ہمایوں کے سِکّوں کا سائز کم و بیش ایک انچ اور ان کا وزن تقریباً دس گرین ہوا کرتا تھا۔ اکبر نے اپنے سِکّوں کا سائز تو وہی رکھا مگر ان کے وزن میں تقریباً ڈھائی گُنا اضافہ کر دیا۔ اکبر کے سِکّے بابر اور ہمایوں کے پتلے سِکّوں کے مقابلے میں کافی دبیز ہیں۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ اکبر نے اپنے مسکوکات میں یہ تبدیلی شیر شاہ کے سِکّوں کے پیش نظر کی ہوگی۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ اکبر نے ایسے بڑے سِکّے بھی مضروب کروائے جن کا وزن ایک سو تولے' پچاس تولے اور پچیس تولے تھا۔ محمد ہاشم خافی خاں کا بیان ہے کہ اکبر نے سو تولے سے لے کر پانچ سو تولے تک وزن کی اشرفیاں مضروب کروائی تھیں۔ ابوالفضل کے بیان کے مطابق اِن بڑے سکوں پر ایک جانب کلمۂ طیّبہ اور اس کے نیچے "واِنَ اللہ یرزق من یشاء

بغیر حساب" درج تھا اور اس کے گرداگرد خلفائے راشدین کے اسماء لکھے تھے۔ اور دوسری جانب بادشاہ کا نام اس کے القاب اور دارالضرب کا نام تھا۔[1] ابوالفضل یہ بھی کہتا ہے کہ ان سکوں کا ڈائی مقصود مہر کن نے تیار کی تھی وہ آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ بعد میں جب یہ کام علی احمد مہر کن کے سپرد ہوا تو اس نے کلمۂ طیبہ کے نیچے افضل دینارٍ ینفقہ الرجل دینارٌ ینفقہ علی اصحابہ فی سبیل اللہ کا اضافہ کیا اور دوسری جانب بھی بادشاہ کے القاب میں مزید ترمیم و اضافہ کیا گیا۔ ابوالفضل یہ بھی لکھتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ سب عبارتیں موقوف کر دی گئیں اور ان کے بجائے ہر دو جانب فیضی کی ایک ایک رباعی درج کی جانے لگی' اور رباعی کے وسط میں ایک جانب "اللہ اکبر جل جلالہ" اور دوسری جانب کے وسط ہی میں الٰہی ماہ و سال کا اندراج کیا جانے لگا۔ ابوالفضل کے بیان کے مطابق سو تولے کے سکّے کا نام 'سہنسہ' پچاس تولے کے سکّے کا نام 'رہس' اور پچیس تولے کے سکّے کا نام 'آتمہ' تھا۔ خافی خاں نے اپنے بیان کردہ سو تولے سے پانچ سو تولے تک وزن کے سکّوں کے نام نہیں بتائے ہیں۔

ان عظیم الشان سکّوں کی جو تفصیلات ہم تک پہونچی ہیں وہ ان بلند پایہ مورخین کی فراہم کردہ ہیں جنہوں نے بچشم خود ان سکّوں کو دیکھا اور برتا تھا۔ خافی خاں مورخین کی صف میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے اور ابوالفضل تو مورخ کی حیثیت سے بہت بلند مرتبے کا حامل اور ایک دانشور مفکر' عالم' مدبّر اور سیاست داں تھا۔ آئین اکبری میں نظم و نسق سلطنت اور دروبست مملکت کے تعلق سے اس کی مہیّا کردہ تفصیلات آج بھی ماہرین شماریات سے خراج تحسین حاصل کرتی ہیں لیکن مقام حیرت ہے کہ مشہور ماہر مسکوکات قدیمہ اسٹینلی لین پول کی نظر میں" ابوالفضل کا کام مشرقی مورخین کی نااہلی کی ایک اور مثال ہے" اسٹینلی لین پول نے اپنے اس ناشائستہ ریمارک کے ذریعہ نہ صرف ابوالفضل بلکہ مشرق کے ایسے تمام مورخین کی توہین کی ہے جن کے کارنامے آج بھی مشرق و مغرب میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں

---

[1] النقود الاسلامیہ' سلاطین مغلیہ کے مسکوکات عظیمہ نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری' مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد دکن صفحہ ۱۷-۱۸۔ بحوالہ آئین اکبری۔

ابوالفضل پر اسٹینلی لین پول کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس نے اکبری عہد کے سکوں کی ایک طویل فہرست تو دے دی ہے مگر ان سکوں کی امتیازی خصوصیات کا ذکر نہیں کیا جن کے بغیر ان سکوں کی شناخت نہیں کی جا سکتی۔ اس ماہر مسکوکات نے یہ نشان دہی بھی کی ہے کہ ابوالفضل کے بیان کردہ بیشتر اقسام کے سکے کسی بھی میوزیم میں نہیں پائے جاتے نیز یہ کہ بہت سے ایسے سکے جو عجائب خانوں میں دستیاب ہیں اُن کا ذکر ابوالفضل نے نہیں کیا ہے[1]

جہاں تک اسٹینلی لین پول کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ "ابوالفضل کے بیان کردہ بہت سے سکے اس وقت کسی میوزیم میں نہیں پائے جاتے" اپنے اندر کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا کیونکہ تین چار صدیوں کے اس طویل عرصہ میں ان تمام طلائی و نقروی سکوں کا بحفاظت عجائب خانوں تک پہونچنا قریب قریب ناممکن ہے۔ بالعموم ایسے سکے گلا کر زیورات میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ محض بخت و اتفاق کی بات ہے کہ کسی خاندان کے ذخیرۂ نوادرات میں اُن کے کچھ نمونے محفوظ رہ جائیں۔ اس لئے محض اس بناء پر کہ ابوالفضل کی دی ہوئی فہرست کے بیشتر سکے آج دستیاب نہیں ہوتے اس کے بیان کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا اور اس پر غیر صحیح ہونے کا الزام عائد کرنا قرینِ انصاف نہیں ہو سکتا۔ ابوالفضل کی دی ہوئی فہرست پر اسٹینلی لین پول کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "بعض ایسے سکے بھی عجائب خانوں میں پائے جاتے ہیں' جن کا تذکرہ ابوالفضل نے نہیں کیا ہے۔ اپنے اس اعتراض کے ثبوت میں اس نے برٹش میوزیم لندن میں محفوظ پانچ تولے کی ایک اشرفی کا ذکر کیا ہے جو بقول اس کے ابوالفضل کی فہرست میں درج نہیں ہے[2] یہ امر تعجب خیز ہے کہ اسی اسٹینلی لین پول نے جس نے مشرق کے مورخین پر علی العموم اور ابوالفضل پر علی الخصوص بہانگ دُہل نا اہلی کا الزام عائد کیا ہے اپنے اس اعتراض کے ذریعہ خود اپنی بے بضاعتی کا بیّن ثبوت پیش کر دیا ہے' چونکہ ہمارے مشرقی آداب علمی تحقیق کے میدان میں کسی کی لغزش کو اس کی نا اہلی پر محمول کرنے کی اجازت نہیں دیتے اس لئے ہم جملہ مغربی محققین تو کجا خود اسٹینلی لین پول پر اس کی ' فروگذاشتوں کو اس کی نا اہلی قرار دینے سے اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن بہر حال اس خصوص میں اسٹینلی لین

---

[1] دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلی لین پول انٹروڈکشن صفحہ LXXII،

[2] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً صفحہ ۱۱ سکہ نمبر ۲۳

ل نے جو غلطی کی ہے اُس کی بصراحت تصحیح ازبس ضروری ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابوالفضل نے بصراحت سو تولے کی اشرفی "سہنسہ" کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ذیلی تقسیم کی تفصیلات بھی بتلائی ہیں۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ سہنسہ کے آٹھویں حصے، دسویں حصے، بیسویں حصے اور پچیسویں حصے کے مماثل بھی اشرفیاں ڈھالی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ سو تولے کا بیسواں حصہ پانچ تولے ہی ہوگا، اور یہی وہ اشرفی ہے جو اسٹینلی لین پول نے برٹش میوزیم میں دیکھی اور جس کو اپنے مرتب کردہ کیٹلاگ میں تصویر کے ساتھ شائع کیا۔ اسٹینلی لین پول نے اگر آئین اکبری کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہوتا تو اُسے ابوالفضل پر اس بے بنیاد الزام تراشی کی جسارت نہ ہوتی۔

اسٹینلی لین پول کے پہلے اعتراض کے اس حصے کو جس میں ابوالفضل پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ابوالفضل نے سکوں کی ایک طویل فہرست تو دے دی لیکن اُن کی امتیازی خصوصیات کا ذکر نہیں کیا جن سے سکوں کی شناخت میں سہولت ہو سکتی ایک خاص زاویۂ نگاہ سے غور کرنے کے قابل ہے۔ اس سلسلہ میں اسٹینلی لین پول اور ابوالفضل دونوں کی حیثیتوں کو ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔ اسٹینلی لین پول ایک ماہر مسکوکات قدیمہ ہے اس نے برٹش میوزیم اور دیگر عجائب خانوں میں محفوظ سیکڑوں حکمران خاندانوں کے لاکھوں سکوں کا معائنہ کر کے ان کے درجنوں کیٹلاگ مرتب کئے ہیں۔ اسٹینلی لین پول کے عہد تک مسکوکات قدیمہ کی تحقیق ایک سائنٹفک علم کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اور اس علم کی پیشرفت کے لئے نئے نئے معیارات قائم کئے جا چکے تھے۔ سکوں کی نہایت باریک بینی سے پیمائش کی جاتی تھی، اُن کی ضخامت اور ان کا وزن معلوم کیا جاتا تھا۔ سکوں میں استعمال شدہ دھاتوں کی لطافت اور کثافت کا تعین کیا جانے لگا تھا۔ الغرض مسکوکاتِ قدیمہ کی تحقیق و تفتیش میں اٹھائے جانے والے تمام ممکنہ سوالات کو حل کرنے کی کوششیں جاری تھیں۔ اس کے بالمقابل ابوالفضل جس کا عہد اسٹینلی لین پول سے کم و بیش تین صدی پیشتر کا ہے کوئی ماہر مسکوکات قدیمہ نہ تھا اور اس کے ذمے کسی میوزیم میں محفوظ سکوں کے کیٹلاگ کی ترتیب نہ تھی۔ وہ تو ایک مُدبّر، مُفکّر، دانشور اور مورخ تھا۔ اُسے تو شہنشاہ اکبر کی وسیع و عظیم مملکت کی تاریخ لکھنی تھی۔ ابوالفضل کا کینوس کسی عجائب خانہ کے کیبنٹ میں محفوظ سکوں تک محدود نہ تھا بلکہ

سلہ آئین اکبری مصنفہ ابوالفضل مرتبہ سید احمد خاں جلد اول صفحہ ۱۷۔

اس کی پہنائیوں میں تو سلطنت مغلیہ کے نظم و نسق، اس کے موارد و مصادر، انتظامیہ و عدلیہ، افواج وغیرہ اور دیگر امور داخلہ کے علاوہ بیرونی ممالک سے مخصوص روابط بشمول تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ جیسے اہم شعبہ جات شامل تھے۔ وہ تو ابوالفضل کا احسان ہے کہ اس نے اکبری عہد میں رائج اُن سکّوں کی بھی تفصیلات مہیا کر دی ہیں جو اُس نے خود دیکھے اور برتے تھے۔ اس طرح ابوالفضل کی دی ہوئی فہرست مسکوکات پر اسٹینلی لین پول کے اعتراضات بے وزن ہو جاتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کے عہد میں اجراء شدہ سکّوں میں جو تدریجی تبدیلیاں آتی گئیں اُن پر بھی ایک طائرانہ نظر دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ابتداءً اکبر اپنے سکوں پر اپنے باپ دادا کی تقلید میں ایک جانب کلمۂ طیبہ اور خلفائے راشدین کے اسماء اور دوسری جانب اپنا نام، لقب سنہ تسکیک اور مقام ضرب درج کرواتا رہا اور یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا۔ بالآخر ۱۵۸۴ء م ۹۹۲ھ میں اکبر نے اپنے سکوں پر ہجری سنہ کے بجائے الٰہی سنہ کے اندراج کا حکم صادر کیا جو اس کی تخت نشینی کی تاریخ سے حساب لگا کر شمسی سال کے مطابق انتیسواں سنہ الٰہی قرار پایا۔ اس کے بعد سکوں کے ہر دو جانب کی عبارتوں میں بھی ردّ و بدل کیا گیا۔ اب سکّوں کی ایک جانب "اللہ اکبر" اور دوسری جانب "جل جلالہ" یا ایک جانب "اللہ اکبر جل جلالہ" اور دوسری جانب الٰہی مہینہ اور سنہ درج ہونے لگے۔

سکّوں پر روایتی عبارتوں کے اندراج میں متذکرۂ صدر تبدیلی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کم و بیش پچیس تیس سال تک سلاطین ماسبق کی تقلید میں جس انداز کے سکے اجراء ہوتے رہے ان میں تغیر اچانک نہیں ہو سکتا۔ اس کا پس منظر معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ شہنشاہ اکبر کے خیالات میں جو آہستہ آہستہ تبدیلی رونما ہوتی گئی اس کا جائزہ لیا جائے۔ مغل سلاطین میں اکبر ایک متنازعہ شخصیت رہا ہے۔ کسی نے اکبر کو خلیفۃ اللہ، خلیفۃ الزماں، مفترض الطاعۃ اور امام عادل لکھا ہے تو کسی نے اس کو مُرتد قرار دیا ہے۔ اکبر جس وقت اپنے باپ ہمایوں کا جانشین بنا اس کی عمر صرف چودہ سال تھی لیکن اس کی خوش بختی تھی کہ اس کو بیرم خاں جیسا سرپرست ملا جو مغل فوجوں کا سالار اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم بھی تھا۔ اکبر کی تخت نشینی کے فوراً بعد ہندو باغی جرنل ہیمو کو پانی پت کے میدان میں شکست دینے کا سہرا بیرم خاں ہی کے سر ہے

ہمایوں کی جلاوطنی کے بارہ سال کے عرصے میں باپ سے دور رہنے کی وجہ سے اکبر باقاعدہ تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ اُس کے چچاؤں نے اس کو بحفاظت تو رکھا مگر اس کی ذہنی نشو و نما کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا لیکن چونکہ اکبر کو مبدا، فیاض سے ذہن رساعطا ہوا تھا اسی لئے وہ اپنی تمام کوتاہیوں پر بہ آسانی قابو پا لیا اور تعلیم سے محرومی کی تلافی کر دی۔ اکبر کے بیٹے جہانگیر نے لکھا ہے کہ اگرچہ اکبر نے کبھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا لیکن کانوں سے سُن کر اس نے دینی اور دنیوی علوم میں وہ ملکہ حاصل کر لیا تھا کہ اکبر کے سخت ترین مخالف بھی تلاش و تحقیق کے میدان میں اس کی کوشش و جذبے نیز مذاہب کے تقابلی مطالعے سے اس کی دلچسپی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اکبر نے بیرم خاں کی سرپرستی میں مملکت کے مہمات امور میں کافی درک حاصل کر لیا تھا اور اس کی عسکری صلاحیتیں بھی منظرِ عام پر آنے لگی تھیں۔ اب اکبر نے عنانِ اقتدار خود ہی سنبھال لی تھی۔ اور اس کے بعد اس کی فتوحات کا ایک شاندار سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اکبر نے ۱۵۵۸ء میں گوالیار، ۱۵۵۹ء میں جون پور اور رنتھمبور، ۱۵۶۱ء میں مالوہ، ۱۵۶۲ء میں برہان پور اور ۱۵۶۷ء میں چتوڑ پر اپنی کامرانی کے عَلَم لہرا دیئے تھے۔ بیرم خاں مسلکاً شیعہ تھا جس کا نہ صرف مغل دربار میں اچھا خاصہ حلقہ (لابی) تھا بلکہ ایران کے حکمران صفوی خاندان سے بھی اس کے خاص روابط تھے۔ ایران نے دہلی کا تخت دوبارہ حاصل کرنے کی مہم میں ہمایوں کی جو مدد کی تھی اس کی وجہ سے مغل نہ صرف صفوی خاندان کے منت پذیر تھے بلکہ اس تعلق سے ایران کو مغلوں پر ایک طرح کی بالادستی حاصل تھی، چنانچہ ۱۵۵۶ء میں جب اکبر بیرم خاں کی سرپرستی میں اپنے باپ ہمایوں کا جانشین ہوا تو ایران کے حکمرانِ وقت شاہ طہماسپ اول نے اپنے ایک فرمان کے ذریعہ اکبر کی جانشینی کی توثیق کی۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ اکبر اپنے موقف کے استحکام کی راہ میں بیرم خاں کو حایل سمجھ کر اس سے گلوخلاصی چاہتا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیرم خاں نے حالات کا بدلتا ہوا رُخ دیکھ کر ہی ۱۵۶۰ء میں حج بیت اللہ کے ارادے سے روانگی کی اجازت چاہی ہو۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ دارالسلطنت سے روانہ ہونے کے بعد اثنائے راہ میں علاقہ گجرات میں بیرم خاں کو قتل کر دیا گیا

اکبر کے دربار میں سب سے طاقتور حلقہ سُنّی علما کا تھا کیونکہ مغلیہ سلطنت میں مسلمانوں کی اکثریت سُنّی العقیدہ تھی۔ ان کے بعد شیعہ مجتہدین کا ایک مخصوص مقام تھا۔ جنھیں ایران

کی سرپرستی حاصل تھی۔ تیسرا حلقہ ہندوؤں کا تھا جو بظاہر بے ضرر لیکن مملکت کی عظیم اکثریت کا نما ہونے کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اکبر ایک ہوش منداور دور اندیش حکمران تھا اس کی نظر بساط سلطنت کے ہر گوشے پر نہایت گہری تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ عالم اسلام کی بالاد حاصل کرنے کے لئے دو بڑی طاقتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک تھے ترک او دوسرے ایران کے صفوی۔ ایران کے مقابلہ میں ترکوں کا پلہ بھاری تھا۔ اور انہوں نے بلادعرب اور بعض آفریقی علاقوں پر اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی۔ ایران میں صفوی خاندان بھی اپنی پوزیشن مستح کر رہا تھا لیکن بالآخر ترک اپنے سُنّی العقیدہ ہونے کی وجہ سے مسند خلافت پر متمکن ہوگئے اور خلیفۃ المسل کہلانے لگے۔ ترکوں کے اثر و رسوخ میں اضافے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت خلا کے ادارے سے ایک گہرا نفسیاتی لگاؤ رکھتی تھی۔

جہاں تک ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کا تعلق ہے انہوں نے ابتدا ہی سے خل وقت کی بالادستی کو تسلیم کرلیا تھا چنانچہ سلطان شمس الدین التمش کے سِکّوں پر عباسی خلفاء الناصر المستنصر کے نام پائے جاتے ہیں۔ رکن الدین فیروز شاہ اور سلطانہ رضیہ کے سِکّوں پر بھی خلیفہ المستنصر کا نام ملتا ہے۔ علاؤالدین مسعود، ناصرالدین محمود اور غیاث الدین بلبن کے سِکوں پر آخری عباسی خلیفہ المستعصم کا نام پایا جاتا ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ ۶۵۶ھ م ۱۲۵۸ء میں خلافت عباسیہ چراغ گل ہو جانے کے باوجود ہندوستان کے مسلم حکمران اپنے سِکّوں پر خلفائے فاطمین مصر کے نام درج کرواتے رہے اور خلافت سے ذہنی وابستگی کا یہ سلسلہ خلجی، تغلق، سادات اور لودھی حکمرانوں کے عہد تک بھی جاری رہا، اس کا ثبوت ان سلاطین کے سِکّوں پر " خلدت خلافۃ " جیسے اندراجات سے ملتا ہے۔

اس پس منظر میں شہنشاہ اکبر کے روبرو اپنے مستقبل کے تحفظ کے واسطے تین راستے تھے۔

۱. ترکوں کو خلیفۃ المسلین مان کر ان کی بالادستی کو تسلیم کرلینا

۲. ایران کے صفوی خاندان سے تعلقات استوار کرلینا کیونکہ بابر کے ابتدائی ایام پریشانی میں ایران نے اُس کی مدد کی تھی اور بابر نے شاہ اسمٰعیل صفوی کے لئے اپنے اظہارِ تشکر

کے طور پر ایسے سکے بھی مضروب کروائے تھے جن پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ علی ولی اللہ بھی درج تھا[۵] اور پھر ہمایوں کے دوبارہ دہلی کا تخت حاصل کرنے کی مہم میں اُس کی غیر معمولی امداد و اعانت ایران نے ہی کی تھی۔

۴۔ ترکوں اور ایرانیوں ہر دو طاقتوں سے دامن چھڑا کر اپنی مکمل آزادانہ شناخت کا اعلان کر دینا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے تیسری صورت کو پسند کیا لیکن اس پر عمل آوری کے لئے اُس نے ایسا طریقہ کار اختیار کیا کہ کسی بھی طاقت سے ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے۔ ہندوستان کی عظیم اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اکبر نے ان سے میل ملاپ بڑھانے اور خوشگوار تعلقات قایم کرنے کے لئے ایک صلح کل مسلک کو اپنایا۔ اُن سے ازدواجی تعلقات قایم کئے اور ان کی مذہبی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ علاوہ ازیں اکبر نے عیسائیوں سے بھی ربط پیدا کیا۔ سُنّی اور شیعہ علماء تو دربار میں تھے ہی۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکبر نے ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے مختلف مکاتیب خیال کے علمبرداروں کو یکجا کرنے کی تدبیر کی اور عبادت خانہ کے نام سے ایک دارالمباحثہ قائم کیا۔ اس عبادت خانے میں مختلف مذہبی موضوعات پر کھُل کر مباحثے ہوا کرتے تھے ابتدائی دور میں سُنّی علماء کا پلّہ بھاری رہا اور وہ روایتی انداز میں اپنے اصولوں کی فاتحانہ مدافعت کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ اکبر نے مسلمان نوجوان دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر لیا جس میں ابوالفضل فیضی اور عبدالقادر بدایونی کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ شروع شروع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بدایونی اس ابھرتے ہوئے گروہ کا سرخیل ہوگا لیکن بعد میں ابوالفضل اور فیضی کی طباعی، فطانت اور درباری سیاست سے اُن کی کماحقہ آگاہی کے آگے بدایونی کو سپر ڈال دینی پڑی۔ مباحثوں کے دوران شیخ عبدالنبی اور عبداللہ سلطان پوری کو بھی بسا اوقات بے بس ہونا پڑتا تھا۔ دراصل یہ سب اکبر کے اشارہ پر ہوتا تھا۔ اکبر چاہتا تھا کہ کوئی بھی فریق اس کے قابو سے باہر نہ ہونے پائے۔ ہندو اور عیسائی مذاہب کے تعلق سے مباحثوں میں عمداً ایک نرم رویہ اپنایا جاتا تھا جو بعض اوقات قدامت پسند

---

[۵] دی کیٹیلاگ آف پرشین کوائنس مرتبہ آر۔ ایس۔ پول۔ انٹروڈکشن XXV نیز صفحہ ۲۱۰

علما کو گراں گزرتا تھا۔ توازن قوت کے تحفظ کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور بالآخر ۱۵۷۹ء میں سب نے اکبر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک محضر کے ذریعہ اکبر کو "اعدل" "اعقل" عالم باللہ" مان کر اس کو معصوم عن الخطا قرار دے دیا۔ یہی وہ مقصد تھا جس کے حصول کے بعد اکبر نے نئی نئی بدعات پیدا کیں۔ درباری سلام "السلام علیکم" کے بجائے "اللہ اکبر" قرار پایا۔ سکوں پر سے کلمۂ طیبہ اور خلفائے اربعہ کے اسماء ہٹا دیے گئے۔ ہجری سنہ کے بجائے ایک الٰہی سنہ ایجاد کیا گیا اور مہینوں کے نام بھی شمسی تقویم کے مطابق رکھے گئے۔ جہاں تک سکوں کا تعلق ہے تجدید کی اس روش کا نقطۂ عروج اکبر کی وہ اشرفیاں[1] ہیں جن پر ایک جانب رام اور سیتا کی تصاویر اور دوسری جانب ماہ فروردین سنہ ۵۰ الٰہی درج ہے۔

شہنشاہ اکبر کے متذکرۂ صدر اقدامات کی وجہ سے اس کی شخصیت کے بارے میں متضاد رجحانات پائے جاتے ہیں۔ قدامت پسند علما دل ہی دل میں اس کو منحرف بلکہ مرتد سمجھتے تھے۔ تجدد کے علم برداروں کا تو اکبر ہیرو بن گیا تھا۔ ہندو اس کی وسیع المشربی سے خوش تھے اور اسے جہاں پناہ پکارتے تھے۔ محولہ بالا محضر کے بعد ترکی خلافت اور ایرانی امامت دونوں سے خود کو اکبر نے آزاد کر لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بڑی سمجھ بوجھ سے کام لے کر اپنی شخصیت کے تحفظ کا منصوبہ بنایا تھا۔ قدرت نے جہاں اکبر کو بہت سی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا وہیں اس نے اکبر کو ایک طویل دورِ حکومت بھی عطا کیا تھا اور اکبر نے اُن تمام نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے نصب العین کی تکمیل کی۔ دراصل اکبر کو نہ تو مذہب سے کوئی لاگ تھی اور نہ کفر سے کوئی لگاؤ۔ اس کو تو بس اپنی ذات سے دلچسپی تھی اور اس کی راہ میں جو بھی حائل ہوتا اس کو وہ باحسن الحیل ہٹا دیتا تھا۔ اکبر کے تعلق سے اُس کی مجددانہ سرگرمیوں کے بارے میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بھی چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ اس سلسلے میں اکبر کے نام والی ترکستان عبداللہ خاں اُزبک کا مکتوب اور اکبر کا جواب توجہ طلب ہے۔ عبداللہ خاں اُزبک نے اکبر کو لکھا تھا کہ[2]

---

[1] دی کوائنس آف دی مغل ایمپرس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلی لین پول صفحہ ۳۴ کوائن نمبر ۱۷۲ نیز لوح نمبر ۵ کوائن نمبر ۱۷۲

[2] دین الٰہی اور اس کا پس منظر مولفہ محمد خاں شہاب شائع کردہ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۱۹۷۴ء

"آپ کی نسبت پیغمبری بلکہ خدائی کے دعوے سننے میں آتے ہیں"

اکبر نے اس خط کا جو طویل جواب عبداللہ خاں اُزبک کے پاس بھیجا اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

" فرمان آسمانی و نامہ جاودانی راکہ فرستادۂ خدا در سانیدۂ پیغمبرا ست از شاہراہ گردانیدہ برنگ دیگر وامی نمایندہ ومجملات نصوص راتاویلا وتسویلات نمودہ می خواہند در فرمان روائی وکارگزاری شریک بادشاہی باشند"

" جب ان باتوں کی تحقیق اور اختلافی امور کی تفتیش کے دوران میں ظاہر بینوں کا پول کھُلا اور پایۂ اعتبار سے گر گئے تو انہوں نے حسد اور عداوت سے غلط افواہیں پھیلانی شروع کیں اور ہماری (اکبر کی) نسبت نبوت و الوہیت کے دعوے منسوب کئے ورنہ کہاں بندۂ عاجز اور کہاں یہ دعویٰ"[1]

اکبر کے مندرجۂ بالا جواب سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصد علماء کی سازشوں اور ان کی ریشہ دوانیوں کے اثرات سے اقتدار سلطنت کو محفوظ رکھنا تھا۔ اور بس' چنانچہ اکبر نے عبادت خانے کی بحثوں میں معتزلہ اور سوفسطائیہ کے انداز میں قدامت پسندوں پر اپنے جواں عمر دانشوروں سے ایسے ایسے اعتراضات کروائے جن کے جواب سے بسا اوقات وہ عاجز آجاتے اور ان کی حیثیت عرفی میں کافی گراوٹ پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اکبر کے اندیشوں کے مطابق اپنی چالوں میں ناکام ہو جاتے تھے۔ بس یہی وہ پس منظر ہے جس سے اکبری عہد کے مسکوکات کا نیا روپ ابھرتا ہے

شہنشاہ اکبر کے مسکوکات کے تذکرے کے بعد اُسی عہد کے ایک باغی کے اجراء کردہ سکوں کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مخفی مباد کہ یہ باغی کوئی راجہ یا امیر یا فوجی سردار نہیں تھا بلکہ وہ شہنشاہ اکبر کا بھائی مرزا محمد حکیم تھا' جس نے بغاوت کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا' اور اپنے نام کے

---

[1] رود کوثر مصنفہ محمد اکرام طبع چہارم صفحہ ۱۱۱

سکّے[1] جاری کئے۔ مرزا محمد حکیم کے اِن سکّوں پر بھی فارسی کے اس شعر کا اندراج پایا جاتا ہے جو غزالی مشہدی کا نتیجۂ فکر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وارث ملک است محمد حکیم

لیکن اکبر نے اپنی عالی ظرفی سے کام لے کر مرزا محمد حکیم کی بغاوت فرو ہونے کے بعد اس کو معافی دے دی۔

عجیب اتفاق ہے کہ اکبر ہی کے عہد میں ایک اور باغی نے اپنے نام کے سکّے چلانے کی جسارت کی۔ یہ واقعہ ۹۸۹ھ کا ہے جب کہ کوہستان تبت کے علاقے میں بہادر خاں نامی ایک سردار نے جو سفید بدخشی کے بیٹے کے نام سے مشہور تھا' بغاوت کر کے اپنے نام کی اشرفیاں اور روپے چلائے جن پر خود اس کا کہا ہوا حسب ذیل شعر درج تھا۔

بہادر دین سلطاں آنکہ بن اسفید شہ سلطاں

پدر سلطاں پسر سلطاں زہے سلطاں بن سلطاں

شہنشاہ اکبر نے اس باغی سردار کی سرکوبی کے لئے قاضی نظام بدخشی مخاطب بہ غازی خاں کو مامور کیا۔ چونکہ باغی سردار کا تعلق بدخشاں سے تھا' اور غازی خاں بھی بدخشی تھا' اس لئے دربار کے لوگ گومگو کے عالم میں یہ کہہ رہے تھے کہ

آہن بہ آہن کوفتن چہ رنگ پیدا می شود

لیکن غازی خاں بدخشی نے اپنی بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کر کے بہادر خاں بدخشی کی بغاوت کو بہ آسانی فرو کر دیا[2]۔

---

[1] اکبرنامہ قلمی جلد سوم صفحہ ۳۰۴' مخزونہ اے پی گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد۔ نیز ملاحظہ ہو منتخب اللباب حصہ اول مصنفہ خافی خاں مترجمہ محمود احمد فاروقی' مطبوعہ نفیس اکیڈیمی' کراچی' پاکستان۔

[2] دربار اکبری مصنفہ محمد حسین آزاد' شائع کردہ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور۔ پانچواں ایڈیشن ۱۹۲۹ء صفحہ ۸۱۷

شہنشاہ جہانگیر شہنشاہ اکبر کے بعد اُس کا بیٹا نورالدین سلیم شہنشاہ جہانگیر کے لقب سے ۱۶۰۵ء م ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ ایام شاہزادگی میں وہ شہزادۂ سلیم کے نام سے مشہور تھا اور اس نے ورثے میں اپنے باپ اکبراعظم سے ایک عظیم اور مستحکم سلطنت نیز مسکوکات کی ایک شاندار روایت پائی تھی۔ اکبر نے شہزادہ سلیم کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ خود سلیم ایک ذہین ' طباع ' اور باذوق شہزادہ تھا۔ اُسے فارسی اور ترکی زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا۔ اور وہ عربی زبان کا بھی اچھا درک رکھتا تھا۔ سلیم خود ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ نورجہاں کے ساتھ اس کے رشتۂ ازدواج نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ نورجہاں بھی جو اس وقت تک مہرالنساء تھی شعروادب کا بہت ستھرا مذاق رکھتی تھی۔ اور بدیہہ گوئی میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کشمیر میں بدوران تفریح ایک ابر آلود شام کو جہانگیر نے جب یہ مصرعہ کہا کہ

ع ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

تو نورجہاں نے برجستہ اِس مصرعہ پر مندرجہ ذیل گرہ لگائی

ع ساغر مے بر رُخِ گلزار می باید کشید

تو جہانگیر نے اِس کو بہت پسند کیا۔ یہاں اِس امر کا فیصلہ کرنا کسی قدر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر اور نورجہاں کے رشتۂ ازدواج سے کس فریق کو زیادہ فائدہ پہونچا لیکن اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ اگر یہ رشتہ وقوع پذیر نہ ہوتا تو جہانگیر بہرحال شہنشاہ جہانگیر ہی رہتا مگر نورجہاں ' مہرالنساء سے آگے نہ بڑھ سکتی۔ ملکۂ نورجہاں کا بھائی آصف خاں بھی جو ہر وقت جہانگیر کے ساتھ ساتھ رہتا تھا ایک بلندپایہ شاعر تھا۔ ایسے ماحول میں جہانگیر نے عظیم الشان سکوں کی اجرائی کے تعلق سے نہ صرف اپنے باپ اکبر کی روایت کو برقرار رکھا بلکہ ان کی شان و شوکت میں مزید اضافہ کیا جس کا ثبوت حال ہی میں دریافت شدہ جہانگیر کی ایک عظیم الشان اشرفی سے ملتا ہے جس کا وزن ایک ہزار تولے سے زیادہ ہے[1]۔ اس اشرفی کے ہر دو جانب فارسی اشعار درج ہیں۔ ایسی اشرفیوں

---

[1] دی کیٹلاگ فار دی سیل آف ٹوئینٹ گولڈ مہرس آف جہانگیر اینڈ شاہ جہاں ' جینوا سوئٹزرلینڈ بابتہ نومبر ۱۹۸۷ء صفحات ۶ ' ۹ ۔

دالہ ہیں توزک جہانگیری میں بھی یوں ملتا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے شاہ ایران کے سفیر زنبیل بیگ کو اُس
باریابی کے موقع پر ہزار تولے کی ایک اشرفی سے سرفراز کیا۔[1] شہنشاہ اکبر نے عام وزن کی اشرفیوں کے
وہ چار تولے، پانچ تولے، دس تولے، پچیس تولے، پچاس تولے، سو تولے، اور پانچ سو تولے کی اشرفیاں بھی مضروب
دائی تھیں۔ لیکن جہانگیر نے اپنی جدت طراز اور تنوع پسند طبیعت سے کام لے کر کئی اور مختلف اوزان
حسب ذیل سکوں کی اجرائی کا فرمان صادر کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے[2] کہ

"بساعت سعید فرمودم کہ سکہ بر زر زدہ از طلا و نقرہ بوزنہائے
مختلف مسکوک ساختند و ہر یک را جداگانہ نام نہادم، چنانچہ
مہر صد تولہ را نور شاہی و پنجاہ تولہ را نور سلطانی و بست تولہ را
نور دوست و دہ تولہ را نور کرم و پنج تولہ را نور مہر و یکتولہ را
نور جہانی و نصف تولہ را نورانی و ربع آں را رواجی نام کردم۔
و آنچہ از جنس نقرہ سکہ شد صد تولہ را کوکب طالع و پنجاہ تولہ
را کوکب اقبال و بست تولہ را کوکب مراد و دہ تولہ را کوکب بخت
و پنج تولہ را کوکب سعید و یکتولہ را جہانگیری و نصفش سلطانی
و ربع را نثاری و دہم حصہ را خیر قبول نام زدہ کردم و بر مہرہائے
صد تولہ و پنجاہ تولہ و بست تولہ و دہ تولہ ابیات آصف خاں
را فرمودم کہ نقش نمودند"

جہانگیر کا دورِ حکومت (۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۴ھ م ۱۶۰۵ء تا ۱۶۳۷ء) چھوٹی چھوٹی
ہمات سے قطع نظر عظیم فتوحات سے خالی نظر آتا ہے۔ حدود مملکت کم و بیش وہی رہیں جو اکبر کے
ہد میں تھیں بلکہ دکن کے امرا تو کچھ زیادہ ہی سر چڑھ گئے تھے اور مرہٹوں کی آوازیں بھی پہلی بار بلند
ہونے لگی تھیں۔ بنگالہ اودے پور باغیانہ سرگرمیوں کی آماجگاہ بن رہے تھے۔ قندھار ۱۶۲۲ء

---

[1] توزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۶۴ء جلد دوم صفحہ ۲۲۶
[2] توزک جہانگیری طبع لکھنؤ صفحہ ۹۔

میں مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور ۱۶۳۷ء تک ایران کے صفویوں کے قبضہ میں رہا۔ کاروبار سلطنت کلیتہً اکبر کی بنائی ہوئی راہوں پر چل رہا تھا اور یہ کیفیت سکون سے زیادہ جمود کی سی تھی جہانگیر غرق مئے ناب ہو کر رہ گیا تھا لیکن اس کی خوش بختی تھی کہ اُسے قدرت نے نورجہاں جیسی ملکہ مہابت خاں اور آصف خاں جیسے وزراء اور خرم جیسا شہزادہ عطا کیا تھا جن کی صلاحیتوں نے سلطنت کا شیرازہ بکھرنے نہ دیا۔ حیرت ہے کہ اس زمانے میں پھر کوئی شیر شاہ پیدا نہ ہوا ورنہ سلطنت مغلیہ کا چراغ جہانگیر کے عہد ہی میں گل ہو چکا ہوتا۔

موضوع کتاب کی طرف لوٹتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ جہانگیر نے فنون لطیفہ کے اپنے ذوق سے کام لیتے ہوئے دنیائے مسکوکات کو ایسے ایسے نوادرات سے مالامال کر دیا ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ سب سے اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ جہانگیر نے اپنے سکوں پر از سر نو کلمۂ طیبہ اور سنہ ہجری کے اندراج کا حکم صادر کیا، البتہ سکوں پر شمسی مہینوں کے درج کرنے کا طریقہ اکبری عملہ میں جاری رکھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جہانگیر خود ایک اچھا شاعر تھا اور نورجہاں کے بھائی آصف کی مصاحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ عظیم سکوں کی جو روایت جہانگیر کو اکبر سے ورثے میں ملی تھی اس کو جہانگیر نے چار چاند لگا دیئے۔ اکبر نے پانچ سو تولے وزن تک کی اشرفیاں مضروب کروائی تھیں تو جہانگیر نے ایک ہزار تولے وزن تک کی اشرفیاں بنوائیں۔ اکبر کے مختلف سکوں پر تا حال جو اشعار پائے گئے ہیں ان کی تعداد پندرہ تک پہونچتی ہے۔ لیکن جہانگیر کے سکوں پر تقریباً ساٹھ شعر دریافت ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں جہانگیر نے بارہ برجی سکوں کے اجراء کا حکم صادر کر کے مسکوکات کی دنیا میں ایک اور نادر روایت بھی قائم کی یہ سکے نہایت خوبصورت تھے اور ہر ماہ اجراء شدہ ایسے سکوں پر شمسی تقویم کی مطابقت میں ان پر اُس برج کی تصویر بنائی جاتی تھی جس برج میں اُس ماہ سورج داخل ہوتا تھا۔ جہانگیر کے بعض سکوں پر اس کی اپنی تصویر بھی پائی گئی ہے لیکن نورجہاں کی تصویر والا کوئی سکہ اب تک دریافت نہیں ہوا ہے۔

جہانگیر کے سکوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان پر مندرجہ بعض اشعار میں فن تاریخ گوئی کا کمال بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جہانگیر کے پہلے سنہ جلوس میں جاری شدہ ان سکوں پر حسب ذیل شعر درج ہے۔

شدچو خور زیں سکّۂ نورانی جہاں
آفتابِ مملکت تاریخِ آں

مندرجہ بالاشعر میں "آفتاب مملکت" کے حروف سے بحساب ابجد ۱۰۱۴ھ برآمد
ہوتا ہے جو جہانگیر کا سالِ تخت نشینی ہے۔ جہانگیر کے ایک اور سکّے پر مندرجہ ذیل شعر پایا جاتا ہے[1]

زروز ازل در عدد شد برابر
حروفِ جہانگیر واللہ اکبر

مذکورہ بالاشعر میں یہ صنعت ہے کہ بحساب ابجد "جہانگیر" اور "اللہ اکبر" کے
اعداد کا مجموعہ مساوی القدر ہیں۔

جہانگیر کے سکوں کی اِس بہتات کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بابر، ہمایوں اور بالخصوص
اکبر کی فتوحات کے نتیجے میں بیش قیمت جواہرات اور سونے چاندی کے عظیم ذخائر مغلوں کے
خزانے میں جمع ہو چکے تھے۔ اور ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ سابقہ راجاؤں اور سلاطین کے دور
کے سکّوں پر مشتمل متعدد دفینے بھی برآمد ہو رہے تھے چنانچہ امیرالامراء آصف خاں کو ایک مہم
کے سلسلے میں "گرھا کاٹنگا" کے مقام پر دو سو دیگوں کا ایک بہت بڑا دفینہ دستیاب ہوا جس
کی ہر ایک دیگ میں علائی اشرفیاں بھری ہوئی تھیں اور اِس دفینے کو آصف خاں نے شہنشاہ جہانگیر
کے حضور میں پیش کر دیا۔ علائی اشرفیوں کا تعلق سلطان علاؤالدین خلجی سے ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ
ان دیگوں میں سلطان علاؤالدین خلجی کی سو سو تولے کی وہ اشرفیاں ہوں جن کا ذکر اُس کے ناظم
دارالضرب ٹھاکر پھیرو نے اپنے مقالہ میں کیا ہے۔ بعض مستشرقین نے اکبر اور جہانگیر کی عظیم الشان
اشرفیوں کو سکّہ جات تسلیم کرنے سے یکسر انکار کر دیا ہے۔ انہیں ہندوستان کے محیّر العقول سونے چاندی
کے ذخائر سے ذرا بھی واقفیت ہوتی تو وہ ہرگز ایسی رائے ظاہر نہ کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ
ہندوستان میں گپتا راجاؤں اور اُن کے جانشینوں نیز مسلم حکمرانوں نے اِس کثرت سے سونے
کے سکے مضروب کروائے کہ ماضیٔ قریب تک برآمد شدہ ایک ایک دفینے سے ہزاروں اشرفیاں

---

[1] اکبر نامہ مصنفہ ابوالفضل جلد دوم صفحہ ۲۱۵

دستیاب ہوتی رہی ہیں۔ مستشرقین کے متذکرہ صدر اعتراض کا جواب پچھلے اوراق میں بالتفـ
دیا جا چکا ہے۔

شہنشاہ جہانگیر کی اجراء کردہ ایک ہزار تولے کی جس اشرفی کا قبل ازیں ذ
گیا ہے اس کے بارے میں کسی قدر تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہو رہی ہے کہ جنیوا
(سوئٹزرلینڈ) کی مشہور فرم ہیس برگ فیلڈمان نے ایسی ہی ایک اشرفی کا جو کیٹیلاگ شائع کیا ہے اس
اس عظیم الشان اشرفی پر مندرجہ بعض فارسی اشعار کو صحیح طور سے نہیں پڑھا گیا ہے۔ اس کیٹیلاگ مـ
اس اشرفی کے ہر دو جانب کی تصویروں کے ساتھ ساتھ ان پر مندرجہ عبارات اور اشعار کے چربـ
بھی دیئے گئے ہیں اور پھر انگریزی زبان میں اُن اشعار کا تلفظ نیز ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور ترجمےـ
بڑی فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

رُخِ اول

بالائی حاشیہ	ہزار گونہ شرف یافت روی سکہ وزر
بایاں حاشیہ	ز نقش نام جہانگیر شاہ شاہ اکبر
زیریں حاشیہ	عجب نباشد اگر زاد زوابے سکہ ادر
دایاں حاشیہ	بسکہ خانہ اش افرز اماں اجـر

رُخِ دوم

بالائی حاشیہ	ز فیض دیدن مہر ھزار لو لحہ اش
بایاں حاشیہ	ہزار بار بیالد ز ذوق نور نظـر
زیریں حاشیہ	بنام نامی اوباد سکہ وخطبـہ
دایاں حاشیہ	بدہر تابود از سکہ و زخطبہ اثر

مندرجہ صدر اشعار کے پڑھنے میں حسب ذیل فروگزاشتیں ہوئی ہیں۔

رُخِ اول کے زیریں حاشیہ پر مندرجہ مصرعہ دراصل اس طرح ہے۔

عجب نباشد اگر زار زوے سکہ او

ایسا پڑھنے کے بجائے بعض حروف والفاظ جو اشرفی پر موجود نہیں ہیں انہیں شریکِ قرأ

کرلیا گیا ہے اور بعض حروف جو اشرفی پر موجود ہیں انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اسی وجہ سے مصرعہ موزوں معنی بر آمد نہیں ہو سکے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ الفاظ " زار زوے " کو " زاوزوا " پڑھا گیا ہے اور " سکہ اُو " کو " سکہ اور " زاد زوا بے پڑھ کر ڈائی اور آگ کے مفروضہ ازدوا کا نظریہ قائم کیا گیا ہے، جس سے آنے والے اشعار کی مزید غلط خواندگی اور مہمل معنی آفرینی کے ذریعہ مضحکہ خیز صورت حال پیدا کر دی گئی ہے۔

اسی رخ پر دائیں حاشیہ کا مصرعہ یوں پڑھا گیا ہے

بسکہ خانہ اش افزا اماں اجر

اول تو اس خواندگی سے یہ مصرعہ ساقط البحر ہو گیا ہے اور دیگر یہ کہ اس طرح اس کوئی معنی بھی بر آمد نہیں ہوتے کیونکہ مصرعے کے ایک لفظ کا کچھ حصہ جو تین چار سو سال کا عرصہ گزر جانے کی وجہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اور اس لفظ کی باقیات ہی کو ملحوظ رکھ کر مصرعہ پڑھنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس مصرعے کو پڑھنے میں جو غلطیاں صادر ہوئی وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ " بسکہ خانہ اش " کے بعد جس لفظ کو " افزا " پڑھا گیا ہے وہ دراصل " آمد " ہے " افزا " اس سیاق و سباق میں بے محل ہے۔

۲۔ " اسماں " کو جس کے حرف " س " کے دندانے مٹ گئے ہیں " اماں " پڑھا گیا ہے اور آخری لفظ " اختر " کو " اجر " پڑھ کر ستم بالائے ستم کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

اگر ان تمام الفاظ کو صحیح طور پر پڑھا جائے اور " س " کے مٹے ہوئے دندانوں کو ملحوظ رکھا جائے تو مصرعہ اس طرح ہوگا۔

بسکہ خانہ اش آمد ز آسماں اختر

رُخ دوم کے بالائی حاشیہ پر مندرجہ مصرعہ کو پڑھنے میں بھی بڑی مضحکہ خیز غلطی کی گئی ہے اور مصرعہ اس طرح پڑھا گیا ہے

زفیض دیدن مہر هزار لولحہ اش

اس مصرعے میں آخری الفاظ " تو لچہ اش " ہیں جن کو " نو بچہ اش " پڑھ کر اس

اشرفی کو نوزائیدہ بچہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ اس غلطی کا تکملہ ہے جو "دارز دئے" کو "زادزواج" پڑھ کر ڈائی اور آگ کے مفروضہ ازدواج کا نظریہ پیش کرنے سے سرزد ہوئی ہے۔ ظاہر ہے ڈائی اور آگ کے ازدواج کے بعد متوقع اولاد کی پیدائش ناگزیر تھی جو "تولچہ" کو "نوبچہ" پڑھنے سے اس ایک ہزار تولے کی اشرفی کی صورت میں وقوع پذیر ہوئی۔ یہ بات صریح طور پر بناء فاسد علی الفاسد کی ایک واضح مثال ہے کیٹلاگ کے مرتبین کو شاید پتہ نہیں کہ "تولچہ" فارسی زبان میں "تولہ" کا مترادف لفظ[۵۱] ہے۔ اور اس لفظ کا استعمال ابوالفضل نے بھی اپنی تصنیف آئینِ اکبری میں کیا[۵۲] ہے۔

جہانگیر کی بعض عام اشرفیوں پر مندرجہ اشعار کو بھی پڑھنے میں محققین نے غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً سی۔جے براؤن نے اپنی مرتب کردہ پراونشیل میوزیم لکھنؤ کے کیٹلاگ صفحہ ۲۱ پر ایک شعر یوں پڑھا ہے۔

سکہ زد بار دو در راہ دکن شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

دراصل یہ شعر یوں ہونا چاہیے

بار دو سکہ در راہ دکن زد شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

اسی محقق نے ایک اور اشرفی پر مندرجہ شعر اس طرح پڑھا ہے (کیٹلاگ صفحہ

بمانڈو سکہ زد فتح دکن شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

صحیح شعر یوں ہے

---

۵۱ پرشین، عربک اینڈ انگلش ڈکشنری مرتبہ فرانسس جانسن لندن ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۹۶

۵۲ آئینِ اکبری جلد اول، مرتبہ سید احمد خاں صفحہ ۱۷

بماندوسکۂ فتح دکن زد شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

اسی کیٹیلاگ کے متذکرہ صفحہ پر ہی براؤن نے ایک اور شعر کو اس طرح غلط پڑھا ہے

سکہ قند و زنام جہانگیر شاہ
بنور جہانی دہد پرتو چہر و ماہ

اصل میں شعر یوں ہے

دہد بنور جہانی و مہر و مہ پرتو
زنام شاہ جہانگیر سکہ قند و

محولہ بالا کیٹیلاگ کے صفحہ ۲۲ پر مندرجہ ذیل شعر بھی براؤن کی غلط خواندگی کی ایک اور مثال ہے

در بہمن باگرہ سکہ زد بر زر ظل الٰہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

صحیح شعر ہے

"ع سکہ در بہمن باگرہ زد بزر ظل الٰہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

ایک اور محقق اوُ۔ کوڈرنگٹن نے اپنی کتاب " اے مینول آف مسلمان نیو مسمیاٹکس" صفحہ ۱۰۹ پر ایک شعر اس طرح پڑھا ہے۔

بماہ تیر در لاہور زد این سکہ را بر زر
پناہ دین ملک شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

اس شعر کا مصرعۂ ثانی یوں ہونا چاہیئے۔

پناہ ملک دیں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

ایک دوسرے محقق وائٹ ہیڈ نے جہانگیر کی ایک اشرفی پر مندرجہ شعر کو یوں پڑھا ہے۔

در ماہ بہمن چوں مہ انور شد زر لاہور
بدور شاہ نورالدین جہانگیر ابن شاہ اکبر

یہاں اس شعر کا مصرعہ اولیٰ غلط پڑھا ہے، جس کی وجہ سے ایک بے معنی نثر کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ دراصل مصرعہ اولیٰ یوں ہونا چاہیے

زر لاہور شد در ماہ بہمن چوں مہ انور

مشہور ماہر مسکوکات قدیمہ اسٹینلی لین پول نے بھی جسے اپنی قابلیت پر بڑا ناز ہے اور جس نے ابوالفضل جیسی گراں پایہ شخصیت کی نگارشات پر ناقدانہ خامہ فرسائی کی جسارت کرتے ہوئے تمام مشرقی مورخین پر نااہلی کا الزام لگانے سے گریز نہیں کیا، شہنشاہ جہانگیر کی بعض اشرفیوں پر مندرجہ ذیل فارسی اشعار کو غلط پڑھ کر خود اپنی علمی بے بضاعتی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

۱. ایک اشرفی پر مندرجہ مصرعہ اسٹینلی لین پول نے اس طرح پڑھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

بروئے سکّہ زر داد چندیں زیب و زیور
اصل میں مصرعہ یوں ہونا چاہیے۔
بروئے سکّہ زر داد چندیں زینت و زیور

۲. جہانگیر ہی کی ایک دوسری اشرفی پر درج شدہ فارسی شعر کے ایک مصرعہ کو اسٹینلی لین پول نے اس طرح غلط پڑھا ہے۔

جہاں فیروز در اجمیر گشت سکّہ زر
مصرعہ دراصل یوں ہے
جہاں فروز در اجمیر گشت سکّہ زر

دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان اِن دی برٹش میوزیم، مرتبہ اسٹینلی لین پول شائع کردہ انڈیا پبلیکیشنز نئی دہلی صفحات ۳۶۸، ۳۶۹،

معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب فارسی لفظ "فروز" سے آشنا ہی نہ تھے اور لفظ "
چونکہ متعدد بادشاہوں کے ناموں کا جزو ہونے کی وجہ سے اُن کی نظروں سے گزر چکا تھا اس
بغیر سوچے سمجھے اس مصرعہ میں اسی کو جوڑ دیا اور اس بات کا بالکل خیال نہیں کیا کہ ایسا کرنے
مصرعہ ساقط البحر ہو رہا ہے۔

محققین کی ان فروگزاشتوں کی طرف توجہ دہانی اس لئے ضروری معلوم ہوا
شائقین مسکوکات قدیمہ اُن معیاری کتب کا مطالعہ کرتے وقت کہیں ان اسقام کو صحیح سمجھ کر
غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

شہنشاہ شاہ جہاں

شہنشاہ جہانگیر کا انتقال ۱۶۲۸ء م ۱۰۳۷ھ بمقام راجوری
میں ہوا اور اس کی میت لاہور لے جا کر نور جہاں کے باغ
دفنائی گئی۔ نور جہاں کی خواہش تھی کہ اس کا داماد شہریار تخت نشین ہو، چنانچہ جہانگیر کی تدفین کے
بعد لاہور میں شہریار کی جانشینی کا اعلان کر دیا گیا لیکن اس انتظام سے امیر الامراء آصف خاں خوش
نہ تھا۔ آصف خاں کی خواہش تھی کہ شہزادہ خرم جو ان دنوں دکن میں تھا اپنے باپ جہانگیر کا جانشین
آصف خاں نے اپنے معتمد علیہ قاصدوں کے ذریعہ خرم کو جہانگیر کی وفات کی اطلاع دی اور اُسے بعجلت
شمال کی طرف کوچ کرنے کا مشورہ دیا۔ آصف خاں شہزادہ خرم کا طرف دار محض اس لئے نہیں تھا
کہ وہ اس کی بیٹی ارجمند کا شوہر تھا بلکہ آصف خاں خرم کی ہمہ جہتی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور
اسی لئے چاہتا تھا کہ اس عظیم مملکت کی زمام حکومت ایسے مضبوط ہاتھوں میں دی جائے جو اس پر پوری
طرح قابو رکھ سکیں۔ چونکہ شہزادہ خرم کے دکن سے آتے آتے کچھ وقت لگ جاتا اس لئے آصف خاں
نے درباری امراء کے تعاون سے شہزادہ خسرو مرحوم کے بیٹے داور بخش کو عارضی طور پر گدی پر
بٹھا دیا۔

ادھر شہریار کو جب ان مخالفانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو اس نے آصف خاں سے
مقابلے کی ٹھانی اور لاہور سے تین میل کے فاصلے پر دونوں فوجیں باہم معرکہ آرا ہوئیں۔ آصف خاں
ایک آزمودہ کار جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی توڑ جوڑ کا بھی بڑا ماہر تھا چنانچہ اس نے خفیہ طور پر
شہریار کے بہت سے ہمنواؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ نتیجتاً شہریار کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار

کرکے داور بخش کے سامنے لایا گیا اور یہی اس کی زندگی کا خاتمہ تھا۔

داور بخش اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ اس کو اپنے دادا شہنشاہ جہانگیر کا تخت وراثت میں مل گیا ہے۔ وہ ان درونِ پردہ سازشوں سے بالکل بے خبر تھا کہ اس کو شہزادہ خرمؔ کے دکن سے شمال آنے تک جزو وقتی طور پر بادشاہ بنا کر قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ داور بخش کے نام کے خطبہ بھی پڑھا گیا اور سکّے بھی جاری کئے گئے لیکن اِن سکّوں پر کوئی شعر درج نہیں ہے۔ اور شہریار کے نام کا کوئی سکّہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا۔

آصف خاں کے ذریعہ جہانگیر کے انتقال کی اطلاع شہزادہ خرمؔ کو ملتے ہی وہ شمال کے لئے روانہ ہوگیا۔ خرمؔ دکن سے گجرات اور پھر راجپوتانہ ہوتے ہوئے آگرہ کے نواح میں فروکش ہوا اور دھارا باغ میں دو تین ہفتے آرام لینے کے بعد آگرہ میں داخل ہوا جہاں اس کا شاہانہ استقبال کیا گیا اور پھر ۴؍ فروری ۱۶۲۸ء کو شہزادہ خرمؔ نے شہاب الدین شاہ جہاں کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ شہنشاہ شاہ جہاں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور اس کے نام کے سکّے بھی جاری کئے گئے لیکن آگرے میں آصف خاں کی آمد تک تاج پوشی کے جشن کی تقریبات اختتام کو نہ پہونچی تھیں۔ آصف خاں ۲۶؍ فروری ۱۶۲۸ء کو سکندرہ پہونچا اور دوسرے ہی دن اجازت پاکر شہنشاہ شاہ جہاں کے حضور باریاب ہوا۔ اس کے بعد پیش کشی نذور کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے شہزادوں نے نذریں گزرانیں پھر آصف خاں کی باری آئی اور اس کے بعد جلیل القدر امراء و عمائدین نے نذور پیش کیں اور شہنشاہ کی طرف سے اپنی خدمات اور وفاداری کے صلے میں گراں قدر انعامات اور خطابات سے سرفراز ہوئے۔ آصف خاں کو شہنشاہ نے اپنی بیگم ممتاز محل کی درخواست پر وکیل السلطنت مقرر کیا اور شاہی مہر بھی اس کے حوالے کی جو ایک بہت بڑا اعزاز تھا[1]

شہنشاہ شاہ جہاں نے اپنے دورِ حکومت (۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۷ء م ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) میں جو سکّے مضروب کروائے ان پر شمسی تقویم کے لحاظ سے سنہ جلوس کے ساتھ ساتھ سنہ ہجری

---

[1] تاریخ شاہ جہاں مرتبہ ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ ترجمہ ڈاکٹر سید اعجاز حسین، شائع کردہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی صفحہ ۸۸۔

بھی اندراج پایا جاتا ہے۔ نیز سکّوں پر کلمۂ طیبّہ کے اندراج کی روایت جو شہنشاہ بابر اور شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں جاری رہی، لیکن اکبر اور جہانگیر کے عہد میں بھی خال خال نظر آتی ہے شاہ جہاں کے دور میں پھر سے تازہ ہوگئی۔ شاہ جہاں کے سکّوں پر خلفائے اربعہ کے اسمار بھی بالالتزام پائے جاتے ہیں شاہ جہاں نے اکبر اور جہانگیر کی تقلید میں عظیم الشان سکّوں کی اجرائی کا سلسلہ بھی جاری رکھا چنانچہ مورخین نے اپنی تصانیف میں ان عظیم مسکوکات کا ذکر کیا ہے۔ پچھلے اوراق میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہ جہاں نے اپنی بیٹی جہاں آرا کی علالت کے دوران اس کا کامیاب علاج کرنے کے صلے میں حکیم داود کو پانچ سو تولے کی ایک اشرفی عطا کی تھی۔ مرشد قلی خاں علی مردان کو دو سو تولے کی اشرفی عطا کئے جانے کا ذکر بھی تواریخ میں ملتا ہے۔ حسنِ اتفاق سے شہنشاہ شاہ جہاں کی دو سو تولے[۱] اور ایک سو تولے[۲] کی دو اشرفیوں کا ذکر دو مستند کیٹلاگوں میں ملتا ہے جن کے مرتبین نے ان اشرفیوں کی تصویریں بھی شائع کی ہیں شاہ جہاں کے سکّوں پر فارسی اشعار بھی پائے جاتے ہیں لیکن اُن کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب

شاہ جہاں کی زندگی میں ہی اس کی جانشینی کے لئے رسّہ کشی شروع ہو چکی تھی۔ اس کے چار بیٹوں داراشکوہ، شجاع، مراد بخش اور اورنگ زیب اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنے لئے حصول اقتدار کی زمین ہموار کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ داراشکوہ شمال میں اپنا موقف مستحکم کرنے کی فکر میں تھا لیکن اس نے غالباً اپنے نام کے سکّے جاری نہیں کروائے تھے البتہ بنگال میں شجاع اور گجرات میں مراد بخش نے اپنے اپنے سکّے جاری کروا دیئے تھے۔ شجاع کے سکّوں پر کوئی شعر نہیں ملتا لیکن مراد بخش کے سکّوں پر ایک شعر پایا جاتا ہے جس کو شامل کتاب کر لیا گیا ہے۔ اس بات کو قسمت کی یاوری سے تعبیر کیا جائے یا ذاتی صلاحیت و استعداد کا منطقی نتیجہ قرار دیا جائے کہ شاہ جہاں کے چاروں لڑکوں میں اورنگ زیب ہی جانشینی کا موزوں ترین امیدوار نظر آتا ہے۔ داراشکوہ کی صلاحیتیں اپنی جگہ مسلّم لیکن اس کا رجحان طبع زیادہ تر علمی، مذہبی بلکہ

۱؎ دی کوائنس آف دی مغل ایمپرس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلی لین پول لوح نمبر ۳۲

۲؎ دی کیٹلاگ فار دی سیل آف ٹوینٹ گولڈ مہرس آف جہانگیر اینڈ شاہ جہاں۔ جینوا۔ سوئیٹزرلینڈ بابتہ نومبر ۱۹۸۷ء صفحات ۱۲، ۱۳

دف اور گیان دھیان کی طرف تھا۔ اس کے مزاج کے اس پہلو میں اس کے پردادا شہنشاہ اکبر
نہاد طبع کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ شجاع اور مراد بخش مغل شہزادوں کی روایتی صفات
متصف تھے۔ اب اورنگ زیب ہی وہ شہزادہ رہ جاتا ہے جس کی ہمہ جہتی صلاحیتیں پکار
رکر اعلان کر رہی تھیں کہ مغل سلطنت کا تاج و تخت اسی کے انتظار میں ہے۔

اورنگ زیب کے ذاتی کردار کے بارے میں تاریخ کے بعض گوشوں سے اختلافی
زیں بھی اٹھتی سنائی دیتی ہیں لیکن اس کے شدید معترضین بھی اس بات سے انکار نہیں کرتے
ہ ایک دلیر جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا مدبّر اور ماہر نظم و نسق بھی تھا۔ اورنگ زیب
ایک روایتی مسلم حکمران کے اوصاف کے علاوہ رواداری اور تحمل جیسی صفات بھی پائی جاتی ہیں
نچہ اس نے جسونت سنگھ، جے سنگھ اور کئی دیگر نامور راجپوتوں کو اپنے اعتماد میں لے کر انہیں
ں سے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اورنگ زیب کی ترجیحات میں
ت کا استحکام سرِ فہرست رہا ہے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کی راہ میں حائل کسی بھی رکاوٹ
ا دینے میں وہ کوئی باک محسوس نہیں کرتا تھا۔ اپنے باپ شاہ جہاں کو مقید کرکے اورنگ زیب
اپنی بادشاہت کے اعلان اور داراشکوہ، شجاع، مراد بخش اور خود اپنے بیٹے شہزادہ اکبر کے
ستیصال کے لئے جو کچھ کیا ان واقعات کو اسی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے

عقاید اسلامی سے اورنگ زیب کی نمایاں وابستگی کی مثال اُس کے نافذ کردہ محصول
ہ نیز اس کے اجراء کردہ سکوں میں ملتی ہے۔ شہنشاہ اکبر نے بھی اپنے سکوں پر کلمۂ طیبّہ کا اندراج
ف کروا دیا تھا۔ اورنگ زیب نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اکبر کا وہ عمل آج کل کی رائج اصطلاح میں
یکولرازم کی تعریف میں آسکتا ہے۔ مگر اورنگ زیب کا یہ عمل " لایمسّہ الاّ المطہرون " کے ذیل
آتا ہے۔ اورنگ زیب کے خیال میں چونکہ سکّے ساری مملکت میں گشت کرتے ہیں اور ان کا بلاتفریق
ب و ملّت مسلم و غیر مسلم رعایا کے ہاتھوں میں جانا ناگزیر تھا اس لئے اُن پر کلمۂ طیبّہ کا اندراج
کرہ صدر نصِ قرآنی کے مغایر ہوتا اسی لئے اس نے اپنے سکوں پر ایک سیدھا سادہ فارسی
ر درج کرنے کا حکم دیا جس میں اشرفیوں کو "مہر منیر" اور روپیوں کو "بدر منیر" کہا گیا ہے
فیوں پر حسب ذیل شعر درج کیا گیا تھا۔

سکہ زد در جہاں چو مہر منیر
شاہ اورنگ زیب عالم گیر

اور روپیوں پر یہ شعر درج تھا

سکہ زد در جہاں چوں بدر منیر
شاہ اورنگ زیب عالم گیر

یہ دونوں شعر میر عبدالباقی المتخلص بہ شہابی کا نتیجۂ فکر ہیں[لہ]

اپنے مسلک میں اورنگ زیب کی شدّت کی ایک اور شہادت اس کے سکوں سے ہی ملتی ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے آبا و اجداد کی تقلید میں اپنے ہر ایک دارالضرب کے لئے یک لقب تجویز کیا تھا مثلاً اورنگ آباد کے لئے 'فجستہ بنیاد'، بیجاپور کے لئے 'دارالظفر' وغیرہ س سلسلے میں دارالضرب حیدر آباد کے لئے جہاں شیعوں کی دم توڑتی ہوئی حکومت آخری انسیں لے رہی تھی اورنگ زیب نے دارالجہاد[لہ] کا لقب تجویز کیا تھا۔ مخفی مبادکہ اورنگ زیب ے چھ صدی قبل محمود غزنوی نے بھی اپنے مفتوحہ ہندوستانی علاقوں میں اجراء کردہ سکوں پر بلادہند ے لئے دارالجہاد[لہ] ہی کا لقب استعمال کیا تھا۔

عظیم الشان سکوں کی اجرائی کی جو روایت شہنشاہ اکبر کے عہد سے چلی آرہی ی اور جس کو جہانگیر اور شاہ جہاں نے بھی برقرار رکھا تھا اس کا تسلسل اورنگ زیب کے دورِ حکومت ں بھی نظر آتا ہے۔ اس تعلق سے تاریخی شواہد کے علاوہ مادّی شہادتیں بھی دستیاب ہیں۔ جیسا کہ پچھلے راق میں بیان کیا جا چکا ہے، اورنگ زیب نے شریف مکّہ کے ایلچی کے توسط سے ایک ہزار تولے کی ے اشرفی بطور نذر حرم کعبہ کے لئے بھجوائی تھی[لہ]۔ علاوہ ازیں دو سو تولے کی ایک اشرفی اورنگ زیب

لہ عالم گیر نامہ صفحہ ۳۶۷

لہ کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی جے براون (کوائنس آف دی ل ایمپریس) جلد اول۔ اکسفورڈ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲۲۲

لہ جرنل آف نیومسمیاٹک سوسائٹی آف انڈیا جلد ۱۶ ۱۹۵۴ء جزو اول صفحات ۱۲۳۔ ۱۲۹

لہ ماثر عالم گیری صفحہ ۱۰۸

کی طرف سے سبحان قلی خاں کے سفیر کو عطا ہوئی تھی[۵۱]۔ ان تاریخی شواہد کے علاوہ ولیم مارسڈن نے بیان کیا ہے کہ اس کو اورنگ زیب کے ایک ایسے روپے کا علم ہے جو گوتھا (سابقہ مشرقی جرمنی) کے نوابوں کے ذخیرہ نوادرات میں محفوظ ہے۔ مارسڈن نے اس روپے کا قطر ۲،۴ انچ اور اس کا وزن پانچ جرمن پاؤنڈ بیان کیا ہے[۵۲]۔ اورنگ زیب ہی کی ایک سو تولے کی ایک اشرفی کا ذکر جیمس گبس نے بھی کیا ہے۔ جو اس نے مہاراجہ سندھیا کے ذخیرۂ نوادرات میں دیکھی تھی[۵۳]۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس اشرفی پر بھی فارسی شعر درج ہیں لیکن رُخ اول پر مندرجہ حسب ذیل اشعار کے چوتھے مصرعے کو مشہور ماہر مسکوکات قدیمہ سید شمس اللہ قادری نے غلط پڑھا ہے

شاہ اورنگ زیب عالم گیر
آسماں قدرت و قضا تدبیر
روئی زر از فروغ سکہ اُو
گشت روشن بسانِ مہرِ مُنیر[۵۴]

مندرجہ صدر اشعار میں چوتھا مصرعہ محقق مذکور نے اس طرح پڑھا ہے

گشت روشن بجہاں چو مہر منیر

متذکرہ بالا خواندگی میں ایک تو لفظ 'بسان' بمعنی مانند کو 'بجہاں' پڑھا گیا ہے، دوسرے لفظ 'چو' کا غیر ضروری اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جو اشرفی کی تصویر[۵۵] پر نہیں پایا جاتا۔ ایسا کرنے سے مصرع ساقط البحر اور مطلب گنجلک ہو جاتا ہے۔ اس اشرفی کے رُخ ثانی پر مندرجہ اشعار کو صحت کے ساتھ پڑھا گیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

---

۵۱ عالم گیر نامہ صفحہ ۶۲۷

۵۲ نیومسمیاٹا اور ینٹالیا السٹراٹا جلد دوم صفحہ ۶۵۱

۵۳ روئیداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابتہ مارچ ۱۸۸۵ء صفحات ۵۲ - ۵۳،

۵۴ النقود الاسلامیہ۔ سلاطین مغلیہ کے مسکوکات عظیمہ نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری، مطبوعہ تاج پریس حیدر آباد صفحات ۲۷ - ۲۸،

۵۵ روئیداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابتہ مارچ ۱۸۸۵ء صفحات ۵۲ - ۵۳، اور ان سے منسلک تصاویر

شاہ عالم گیر دریائے کرم اورنگ زیب
آنکہ از قسمت سخایش آب می گیرد سحاب
از فروغ سکہ اش در عرصۂ ہندوستاں
گشت روشن روے زرچوں روی ماہ آفتاب

ان اشعار کے تیسرے مصرعے میں عرصۂ ہندوستان کے الفاظ صحیح معنی میں مغلیہ سلطنت کی حدود مملکت کی وسعتوں پر دلالت کرتے ہیں جو شمال میں کابل اور کشمیر سے جنوب میں چینا پٹن تک اور مغرب میں ٹھٹھہ اور بھکر سے مشرق میں جہانگیر نگر (ڈھاکہ) اور اسلام آباد (چٹگانگ) تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اورنگ زیب نے بڑی دراز عمر اور ایک طویل دور حکومت پایا تھا لیکن ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء میں اپنے انتقال تک اس نے کسی شہزادے کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ ایسا معلوم ہے کہ اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت مغلیہ کے انجام کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ عظیم سلطنت بابر سے شروع ہو کر اورنگ زیب پر ختم ہو گئی ویسے تو اس کے بعد متعدد حکمرانوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے لیکن ابتدائی چھ بادشاہوں بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے مقابلے میں ان سب کی حیثیت تابع مہمل کی سی نظر آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں دو ایک اس قابل تھے کہ اگر قسمت نے یاوری کی ہوتی اور حالات نامساعد نہ ہوتے تو وہ سلطنت مغلیہ کو ایک آدھ صدی تک اسی آب و تاب کے ساتھ قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن ایسا نہ ہوا

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

کے بمصداق سلطنت مغلیہ کے تفرق و تشتت کا عمل اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہی شروع ہو گیا۔

اعظم شاہ اورنگ زیب کا سب سے بڑا بیٹا شہزادہ معظم اپنے باپ کے انتقال کے وقت کابل میں صوبہ داری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ چونکہ اورنگ زیب کے کسی جانشین کی نامزدگی عمل میں نہیں آئی تھی۔ اس لئے امرائے دربار کی سازشیں اپنا رنگ جمانے لگیں۔ شہزادہ معظم کے کابل سے آتے آتے اسد خاں اور اس کے لڑکے ذوالفقار

نے امرائے دولت کے ایرانی گروپ کی قیادت کرتے تھے شہزادہ اعظم کی حمایت کر کے اس
سلطنت پر متمکن کر دیا۔ اسی اثنا میں شہزادہ معظم نے اپنے بیٹوں کے ہمراہ کابل سے مراجعہ
کر کے پنجاب کے صوبہ دار منعم خاں کی امداد و اعانت سے دلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ شہزا
کی فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے بھائی شہزادہ اعظم کو سلطنت میں برابر کا شریک کر
پر رضامندی ظاہر کی لیکن شہزادہ اعظم پر اس پیش کش کا کچھ بھی اثر نہ ہوا اور آگرے کے
ایک میدان میں دونوں بھائیوں کی فوجیں ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرا ہوئیں۔ تقدیر نے شہ
معظم کا ساتھ دیا اور شہزادہ اعظم شکست کھا کر مارا گیا۔ اس مختصر سے عرصے میں شہزادہ اعظم نے
نام کے جو سکے چلائے تھے ان پر فارسی اشعار کا اندراج پایا جاتا ہے۔ جنہیں شامل کتاب کر لیا گیا

شاہ عالم بہادر شاہ اس فتح کے بعد شہزادہ معظم چونسٹھ سال کی عمر میں شاہ عا
بہادر شاہ کے لقب سے اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اس م
پر شاہ عالم بہادر شاہ کی فراخ دلی کے مظاہرے کی ایک اور مثال پائی جاتی ہے۔ مقام حیر
ہے کہ شاہ عالم بہادر شاہ نے اسی اسد خاں اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو جنہوں نے شہز
اعظم کا ساتھ دے کر اس کے خلاف معرکہ آرائی میں سرگرم حصہ لیا تھا نہ صرف معاف کر دیا
اسد خاں کو وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز کر دیا۔ شاہ عالم طبعاً ایک شریف النفس اور رحم
انسان تھا اور بلا تفریق مذہب و ملت پوری رعایا پر یکساں مہربان۔ شاہ عالم کے اس روادا
رویے کی تشکیل میں اس کی راجپوت ماں کی تربیت کے اثرات بھی کارفرما نظر آتے ہیں چنانچ
عالم نے اورنگ زیب کے نافذ کردہ محصول جزیہ کو منسوخ قرار دے دیا۔ شاہ عالم کی ان کوشش
کے باوجود عام بے اطمینانی کی جو لہر پیدا ہو گئی تھی وہ زور پکڑتی گئی۔ راجپوت اپنی نشاۃ ثانیہ کے خ
دیکھ رہے تھے جاٹوں کی شورش پسندی بھی ایک مسئلہ بنتی جا رہی تھی اور سکھوں کی ایک نئی طا
پنجاب میں ابھر رہی تھی جو سرہند اور ملحقہ علاقوں میں اپنے قدم جما کر لاہور کے دروازوں پر د
دے رہے تھے۔ ادھر دکن میں مرہٹوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا جو دراصل سلطنت کا ایک نہا
کمزور پہلو بن چکا تھا۔

کام بخش شاہ عالم نے اپنے چھوٹے بھائی کام بخش کو حیدر آباد اور بیجا پور کا

قرر کیا تھا۔ جس نے خود اپنے بھائی کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور اپنے نام کے سکّے بھی جاری کردیئے۔ کام بخش کی اجرا کردہ اشرفیوں اور روپیوں پر فارسی شعر کا اندراج پایا جاتا ہے۔ اس شعر کو اسٹینلی لین پول نے اس طرح پڑھا ہے جو درست نہیں ہے۔

سکّہ زد بر خورشید و ماہ
شاہ دکن کام بخش پادشاہ

دراصل ان سکوں پر مندرجہ عبارت یا شعر کو پڑھنے کے لئے ایک دو سکّے دیکھ لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ صحیح عبارت تک پہونچنے کے لئے متعدد سکّوں کو بنظر غائر جانچنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ سکّوں پر مندرجہ عبارت تمام وکمال کسی ایک سکّے پر نہیں اُترتی بلکہ کسی سکّے پر اس کا کچھ حصہ آجاتا ہے اور کسی پر کچھ۔ یہاں پر اسٹینلی لین پول نے نہ صرف یہ غلطی کی کہ ان سکوں کے متعدد نمونے نہیں دیکھے بلکہ عبارت کا جو بھی حصہ اس کو کام بخش کی اشرفیوں پر نظر آیا اس کو شعری اور ادبی قواعد کی رو سے مربوط دے کر معنی خیز انداز میں لکھنے کی بھی اس نے کوئی کوشش نہیں کی اور نتیجہ معلوم[1]۔ دراصل کام بخش کی اشرفیوں اور روپیوں پر مندرجہ فارسی شعر اس طرح ہے

در دکن زد سکّہ بر خورشید و ماہ
بادشاہ کام بخش دین پناہ

کام بخش کی ان باغیانہ سرگرمیوں کی بنا پر شاہ عالم کو ۱۱۲۰ھ میں اس کی سرکوبی کے لئے فوجی اقدام کرنا پڑا۔ اس مہم کے نتیجے میں کام بخش مارا گیا۔ بالآخر تین چار سال ہی کی مدت میں بغیر کوئی خاص کارنامہ انجام دیئے ۱۱۲۴ھ م ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کا انتقال ہوگیا۔ شاہ عالم بہادر شاہ کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں جنھیں سی۔ جے براؤن نے غلط پڑھا ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ کی ایک اشرفی پر مندرجہ شعر کو سی۔ جے براؤن نے

---

[1] دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلی لین پول صفحہ ۱۷۳ شائع کردہ انٹر انڈیا پبلیکشنز نئی دہلی ۱۹۸۳ء۔

اس طرح پڑھا ہے

سکّہ زد چو صاحب قرانی
بہادر شاہ عالم گیر ثانی

صحیح شعر یوں ہے

بزر زد سکّہ صاحب قرانی
بہادر شاہ عالمگیر ثانی

اسی حکمران کے ایک روپیہ پر مندرجہ شعر کو سی. جے براؤن نے یوں پڑھا ہے

سکّہ مبارک زد در ہفت کشور بر مہر و ماہ
شاہ جہاں ثانی سلطان معظم بادشاہ

اس شعر کے دونوں مصرعے غلط پڑھے گئے ہیں۔ صحیح شعر اس طرح ہے۔

سکّہ زد در ہفت کشور چتر زد بر مہر و ماہ
ثانی شاہ جہاں سلطان معظم بادشاہ

شاہ عالم ہی کے ایک اور روپیہ پر درج شدہ شعر کو بھی سی جے براؤن نے اس طرح غلط پڑھا ہے

سکّہ زد بر زر چو صاحب قرانی
معظم شاہ عالم گیر ثانی

صحیح شعر یوں ہوگا

بزر زد سکّہ صاحب قرانی
معظم شاہ عالمگیر ثانی

ان تینوں اشعار کا حوالہ صفحہ ہذا کے فٹ نوٹ میں درج ہے[1]

---

[1] کیٹلاگ آف کوائینس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی. جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۰
شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹڈ دہلی طبع ثانی سنہ ۱۹۸۶ء

عظیم الشان اورنگ زیب کے بعد سلطنت مغلیہ کی تاریخ، تخت حکومت کے دعویدا کی کمزوری اور نااہلی کا ایک مرثیہ بن کر رہ گئی ہے ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء کم و بیش سترہ شہزادوں نے ادعائے وراثت پیش کیا جن میں سے کسی نے بھی اس صلاحیت کا مظ نہیں کیا جو ایسے شاندار ماضی کی حامل سلطنت کے ورثا کے شایان شان ہوتی۔ شاہ عالم بہادر ش کے چار لڑکے تھے۔ سب سے بڑا عظیم الشان تھا جو اپنے باپ کا جانشین ہوا لیکن چند ہی ماہ کے میں ذوالفقار خاں کی مخالفت کی وجہ سے نہ صرف اس کو تخت حکومت بلکہ اپنی جان سے بھی ہاتھ د پڑا، عظیم الشان نے اپنی قلیل مدت حکومت میں جو سکے رائج کئے ان پر فارسی شعر پایا جاتا ہے

جہاندار شاہ، رفیع الشان عظیم الشان کے بعد ذوالفقار خاں نے دو اور شہزادوں جہاندار شاہ اور رفیع الشان کے القاب سے کٹھ پتلی حکمرانو کی طرح سلطنت مغلیہ کے تخت پر بٹھایا اور چند ہی ماہ میں انہیں اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ جہاندار شاہ سکوں پر مندرجہ ایک شعر کوسی۔ جے براؤن نے یوں پڑھا ہے اور غلطی مصرعہ اولیٰ کے پڑھنے میں کی ہے۔ وہ پڑھتا ہے

سکہ زد در آفاق چوں مہر و ماہ
ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

صحیح شعر اس طرح ہوگا۔

در آفاق زد سکہ چوں مہر و ماہ
ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

مقام حیرت ہے کہ ایک ایرانی محقق مسکوکات قدیمہ آقائی جمال ترابی طباطبائی نے اپنے مرتب کردہ تبریز میوزیم کے کیٹلاگ میں اس سکہ کو زند خاندان کے دوسرے حکمران ابوالفتح ابن کریم خاں زند سے منسوب کیا ہے، محقق مذکور کو صرف ابوالفتح کی کنیت سے تسامح ہوا ہے جو اس غلط انتسا

۱؎ کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشل میوزیم لکھنؤ مرتبہ۔ سی۔ جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۱ شائع کردہ آرسی سینیٹر لمیٹڈ۔ دہلی۔ طبع ثانی ۱۹۸۶ء

پر منتج ہوا۔ اگر موصوف نے سکے کی ہندوستانی ساخت، وضع وقطع اور پوری عبارت کو پیش نظر رکھا ہوتا تو یہ غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔

فرخ سیر ذوالفقار خاں کے پیدا کردہ عالم انتشار نے ایک نئی لہر کو جنم دیا۔ ہوا یوں کہ سید عبداللہ اور سید حسین جو سادات بارہہ کے نام سے مشہور ہیں اور علی الترتیب الہ آباد اور بہار کے صوبہ دار تھے ذوالفقار خاں کے خلاف اپنی طاقت آزمائی کی کوششوں میں سرگرم ہو گئے اور نتیجتاً انہوں نے ایک ایسے شہزادے کو ڈھونڈ نکالا جس کے اطراف امرائے دولت کی اکثریت جمع ہو گئی۔ یہ شہزادہ عظیم الشان کا بیٹا فرخ سیر تھا۔ اس طرح سید برادران کی کوششیں بارآور ہوئیں اور انہوں نے ۱۱۲۴ھ م ۱۷۱۳ء میں شاہی افواج کو شکست دے کر جہاندار شاہ اور ذوالفقار خاں کے عبرتناک خاتمہ کے بعد فرخ سیر کو سلطنت مغلیہ کے تخت پر بٹھا دیا۔

فرخ سیر نے کم و بیش سات سال تک حکومت کی لیکن کسی بھی قسم کی صلاحیت کی محرومی کی وجہ سے اپنے عہد حکومت میں کوئی خاص کارنامہ انجام نہ دے سکا۔ رفتہ رفتہ سید برادران سے بھی اس کے تعلقات میں ناخوشگواری پیدا ہوتی گئی۔ اسی دوران سید حسین نے جو دکن کا صوبہ دار ہو گیا تھا مرہٹوں سے ایک اہانت آمیز صلح نامہ طے کر کے انہی کی امداد و اعانت سے دہلی پر چڑھائی کر دی اور مرہٹوں نے مختصر سی مدت کے لئے سلطنت مغلیہ کی راجدھانی میں دھوم مچادی اور انہیں کوئی ٹوکنے والا نہ تھا۔ فرخ سیر کسی مقاومت کے موقف میں نہ تھا وہ بھاگ کھڑا ہوا اور بالآخر گرفتار ہو کر قید کر لیا گیا اور چند ہی دن بعد اوائل ۱۱۳۱ھ م ۱۷۱۹ء میں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ فرخ سیر کے سکوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز حقیقت ہے کہ فرخ سیر نے اپنے سکوں پر خود کو "بادشاہ بحر و بر" ظاہر کیا ہے۔ اس تعلّی کا واقعات کی دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا، جس کا اظہار اس حکمران کی بے دست و پائی سے اظہر من الشمس ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اس عہد کا ایک دانشور شاعر جعفر زٹلی جس کی شہرت صرف ایک ہجو گو کی حیثیت سے ہے صورت حال کے اس تضاد کو برداشت نہ کر سکا اور فرخ سیر کے سکے پر مندرجہ شعر کی پیروڈی کی۔

فرخ سیر کے سکے پر حسب ذیل شعر درج تھا

سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر
بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

جعفر زٹلی نے اس شعر کی پیروڈی اس طرح کی

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر
بادشاہ پشہ کش فرخ سیر

لیکن جعفر زٹلی کو یہ پیروڈی بہت مہنگی پڑی جس کے نتیجہ میں اُس کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔[1]

رفیع الدرجات، شاہ جہاں ثانی مغلیہ تاریخ کے آخری دور میں ۱۱۳۱ھ ۔ ۱۱۳۲ھ کو شاہی خاندان کے زوال کا بدترین مظہر قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس ایک سال کے عرصے میں پے در پے چار شہزادوں نے قسمت آزمائی کی اور سب کے سب ناکام رہے، ان میں سے دو شہزادے رفیع الشان کے بیٹے رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ تھے جنھیں سید برادران نے کٹھ پتلیوں کی طرح تخت پر بٹھایا تھا جو یکے بعد دیگرے چار چار ماہ حکومت کرنے کے بعد موت کے آغوش میں پہنچا دیئے گئے۔ رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ وائٹ ہیڈ نے رفیع الدرجات کے سکّوں پر مندرجہ ایک شعر کو اس طرح غلط پڑھا ہے اور یہ غلطی مصرعہ اولیٰ کے تعلق سے سرزد ہوئی ہے۔[2]

سکہ زد بہند با ہزاراں برکات
شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

صحیح شعر اس طرح ہے۔

---

[1] دی لیٹر مغلس مصنفہ ڈبلیو۔ اروِن۔ جرنل آف نیومسمیاٹک سوسائیٹی آف انڈیا جلد LXXIII جزو اول شمارہ ۱ تا ۴ سنہ ۱۹۳۴ء۔ صفحات ۲۸۷ تا ۳۶۱۔ نیز ملاحظہ ہو گنج شایگاں مصنفہ محمد رفیع موہانی عالی۔ مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۷۔

[2] کوائنس آف مغل ایمپررس مرتبہٴ وائٹ ہیڈ سکہ نشان ۲۷۳۲

زد سکہ بہند با ہزاراں برکات
شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

رفیع الدجات کے سکوں پر تو اس کا یہی نام درج ہے البتہ رفیع الدولہ نے اپنا لقب شاہ جہاں اختیار کیا تھا چنانچہ اس کے سکوں پر شاہ جہاں ثانی کا اندراج ہے۔ وائٹ ہیڈ نے رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی کے سکے پر مندرجہ شعر بھی اس طرح غلط پڑھا ہے[1]۔

سکہ زد درجہاں با امن واماں
صاحب قراں ثانی شاہ جہاں'

صحیح شعر یوں ہے

سکہ با امن واماں زد درجہاں
ثانی صاحب قراں شاہ جہاں'

نیکوسیر ان دونوں شہزادوں کے بعد ایک اور شہزادے نیکوسیر نے جو اورنگزیب کا پوتا اور اس کے باغی شہزادے اکبر کا بیٹا تھا عنان اقتدار سنبھالی لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے نام کے سکے رائج کرتا اس کا کام تمام کر دیا گیا۔

محمد شاہ نیکوسیر کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ کا پوتا اور خجستہ اختر کا بیٹا محمد شاہ سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ابتداً اس کو مجبور ہونا پڑا کہ سید برادران کے ظلم وستم اور ان کی چیرہ دستیوں میں ان کی ہمنوائی کرے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں دربار کے ترکی نژاد امرائے زیر اثر جن کی رہنمائی چین قلیچ خاں کے ہاتھوں میں تھی محمد شاہ نے سید برادران کے غلبہ واستیلاء کا قلع قمع کر دیا۔ سید برادران نے مقاومت پر کمر باندھی لیکن ان کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ سید حسین مارا گیا۔

محمد ابراہیم اس نوبت پر سید عبداللہ نے ایک اور چال چلی۔ اس نے رفیع الدو

---

[1] کیبنٹ آف مسٹر آر بی وائٹ ہیڈ بحوالہ کیٹیلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ۔ مرتبہ سی اے براؤن جلد اول صفحہ ۳۲' شائع کردہ آر۔ سی۔ سینیر لمیٹڈ سنہ ۱۹۸۹ء دہلی۔

کے ایک بھائی محمد ابراہیم کو ۱۱۳۲ھ میں تخت پر بٹھا دیا لیکن چین قلیچ خاں کے تدبّر کے مقابلہ میں سید عبداللہ کی چال کامیاب نہ ہو سکی اور ایک ہی مہینے کے عرصے میں ابراہیم کو تخت سے اتار کر قید کر دیا گیا۔ اس ایک ماہ کی مدت ہی میں محمد ابراہیم نے اپنے سکے جاری کروائے جن پر فارسی شعر کا اندراج ہے۔ مشہور ماہر مسکوکات قدیمہ اسٹینلی لین پول نے محمد ابراہیم کے سکّوں پر مندرجہ فارسی شعر کو اس طرح غلط پڑھا ہے[۵۱]۔

سکّہ برسیم زد در جہاں
بفضلِ محمد ابراہیم شاہ شاہاں

مندرجہ بالا قرأت سے شعر ساقط البحر اور اس کا مفہوم خبط ہو جاتا ہے۔ اصل میں شعر اس طرح ہے۔

سکّہ زد در جہاں بفضلِ کریم
شاہ شاہاں محمد ابراہیم

سید برادران کے زوال کے بعد محمد شاہ نے چین قلیچ خاں کو جن کا خطاب نظام الملک آصف جاہ تھا وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز کیا اور دکن کی صوبہ داری بھی انہی کو دی گئی۔ نظام الملک آصف جاہ کی صلاحیتوں سے سلطنت مغلیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو ضرور سہارا ملتا لیکن حکمران کی عیش پسندی، نا اہلی اور تلون طبع نیز درباری امرا کی سازشوں نے آصف جاہ کی کوششوں کو بار آور ہونے نہ دیا۔ محمد شاہ نے ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ م ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء کم و بیش تیس سال تک حکومت کی۔ یہ اتنا طویل دور تھا کہ کوئی بھی با صلاحیت حکمران فہم و فراست، مستقل مزاجی اور مخلص مشیروں کی اعانت سے سلطنت کے ابتر حالات کو استحکام کی منزل تک پہونچا سکتا لیکن یہاں تو ان سب باتوں کا فقدان تھا۔ محمد شاہ سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل شہنشاہ اکبر نے بھی عنفوان شباب میں عنان اقتدار سنبھالی تھی۔ اس کو بھی بیرم خاں کے روپ میں ایک بہادر جرنیل اور مُدبّر ماہر

---

۵۱ دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مصنفہ اسٹینلی لین پول شائع کردہ انٹر انڈیا پبلکیشنز نئی دہلی ۱۹۸۳ء صفحہ ۳۷۲

نظم و نسق کی سرپرستی حاصل تھی جس سے اکبر نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروئے لاتے ہوئے سلطنت مغلیہ کی بنیادیں مستحکم کردیں اور پچاس سال تک ایک کامیاب بادشاہ کی طرح حکومت کرتا رہا۔ اس کے برخلاف محمد شاہ نے جو سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اور جس کو میر قلیچ خاں کی صلاحیتوں سے استفادے کا پورا پورا موقعہ بھی ملا تھا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور عیش و عشرت کی رنگ رلیوں میں وقت برباد کرتا رہا، مغل سلطنت جو تقریباً پورے برصغیر تک پھیلی تھی ایک عالم انتشار سے دوچار ہوگئی۔

سلطنت مغلیہ کے مرکز کی انتشاری کیفیت کے پیش نظر نظام الملک آصف جاہ، دہلی سے زیادہ اپنا وقت دکن میں گزارنے لگے تھے۔ انہوں نے بالکل صحیح طریقہ پر یہ سوچا کہ دہلی میں سلطنت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لئے اُن کی کوششیں بار آور نہ ہوسکیں گی اس لئے آصف جاہ نے اپنی پوری توجہ اپنے صوبہ دکن کی طرف منبذول کردی تاکہ کم از کم اس علاقے کو مرہٹوں کی دستبرد سے بچایا جاسکے۔ بالآخر نظام الملک آصف جاہ نے ۱۱۳۶ھ م ۱۷۲۴ء میں اپنے صوبہ دکن میں خود مختاری کا اعلان کردیا۔ یہاں یہ امر بطور خاص لائق ذکر ہے کہ اعلانِ خود مختاری کے باوجود نظام الملک آصف جاہ نے اپنے نام کے کوئی الگ سکے اجرا نہیں کئے بلکہ دکن میں بھی مغل حکمرانوں کے سکے ایک مدت مدید تک رائج رہے تاآنکہ ۱۲۷۵ھ م ۱۸۵۷ء میں مغلیہ خاندان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

محمد شاہ کے عہد حکومت ہی میں ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے کا سانحہ پیش آیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے دلی دربار کے ایرانی گروپ کی دعوت پر فوج کشی کرکے پہلے تو قندھار اور کابل پر قبضہ کرلیا اور پھر پنجاب کا رُخ کرکے لاہور میں داخل ہوگیا۔ مغل فوجوں نے نادر شاہ کی پیش قدمی کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن کرنال کے قریب ایک گھمسان لڑائی میں انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ابھی صلح کی شرائط طے ہو ہی رہی تھیں کہ محمد شاہ نے نادر شاہ کے کیمپ پہونچ کر خود کو اس کے حوالے کردیا اور پھر دونوں فوجیں معاہدے کے بعد ۱۹ مارچ ۱۷۳۸ء کو دہلی میں داخل ہوگئیں۔ دونوں فوجوں کے دہلی میں داخلے کے بعد فضا نہایت خوشگوار ہوگئی تھی مگر بدقسمتی سے دلی کے کسی شہری یا سپاہی کی نادر شاہ کے ایک فوجی سے معمولی سی تکرار نے نادر شاہ کے غیض و غضب کو پھر سے للکارا اور اس نے قتل عام کا حکم

نادری صادر کر دیا' جس کے نتیجے میں دلّی کے کوچہ و بازار انسانی خون کے سیلاب کی زد میں آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس المناک واقعے میں کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار افراد کی جانیں گئیں۔ شرائط صلح میں نادر شاہ نے کوہ نور' تخت طاؤس اور دیگر بیش قیمت اشیائے کے علاوہ سلطنت مغلیہ کا وہ علاقہ بھی حاصل کر لیا جو دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھا۔

محمد شاہ کی زندگی کے آخری چند سال بڑی دل شکستگی کے عالم میں گزرے اور بالآخر ۱۱۶۱ھ م ۱۷۴۸ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ محمد شاہ کے سکوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں اور حیرت ہے کہ ان اشعار میں بھی وہی تعلی نظر آتی ہے اور حکمران کو" بادشاہ زماں" اور سکوں کو "روشن تر از مہر و ماہ" بتلایا گیا ہے۔ محمد شاہ کے سکوں پر مندرجہ ایک شعر کو سی' جے براؤن نے صحیح طریقے پر نہیں پڑھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

سکہ زر زد زفضل الہٰ

بادشاہ جہاں محمد شاہ

صحیح شعر یوں ہے

سکہ زد در جہاں زفضل الہٰ

بادشاہ زماں محمد شاہ

محمد شاہ کے عہد ہی میں انقراض مملکت کا عملاً آغاز ہو چکا تھا۔ نظام الملک آصف جاہ اول نے ۱۷۲۴ء میں صوبہ دکن میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ اور فرانسیسیوں نے دوست علی خاں صوبۂ ار ارکاٹ سے ۱۷۳۱ء میں سکے مضروب کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور اسی سال ماہ دسمبر سے پانڈیچری میں سکے مضروب کئے جانے لگے تھے[۲]۔ انگلستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی نواب سعادت اللہ خاں صوبہ دار ارکاٹ سے ۱۷۴۲ء میں سکے مضروب

---

[۱] کیٹیلاگ آف کوائنس ان دی پراونشل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی۔ جے براؤن جلد اول صفحہ ۲۲ شائع کردہ آر بسی سینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی۔

[۲] دی کیٹیلاگ آف کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ' جلد چہارم باب دوم صفحہ ۱۳۰' مرتبہ جے۔ آر۔ ہنڈرکن

کرنے کی اجازت لے لی تھی مگر ایسے سکّوں کی اجرائی ۱۷۵۹ء سے عمل میں آئی[1]۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس طرح اجرا شدہ سکوں پر برائے نام ہی سہی مغل بادشاہ کے نام کا اندراج پایا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں تو اُن پر وہی شعر درج ہے جو محمد شاہ کے عام سکوں پر نظر آتا ہے۔

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

احمد شاہ احمد شاہ نے ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۷ھ م ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء چھ سال تک حکومت کی۔ یہ دور بھی بڑا پُر آشوب رہا۔ جس میں دربار کے ایرانی اور ترک نژاد امراء کی باہمی آویزشیں، جاٹوں کی شورشیں اور روہیلوں کی باغیانہ سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ راجپوتانے میں سابق حکمرانوں کی رقابتیں اور دکن میں مرہٹوں کی ابھرتی ہوئی طاقتیں مملکت کے انتشاری ماحول میں آگ پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔ ایسے میں افغانستان کے ایک اور مہم پسند حکمران احمد شاہ دُرّانی نے ۱۷۴۸ء میں لاہور پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ وقتی طور پر مغل فوجوں نے احمد شاہ دُرّانی کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیکن بعد میں احمد شاہ دُرّانی نے اپنی طاقت میں اضافہ کر کے پھر ہندوستان کا رُخ کیا اور اب اس کے آگے مغل افواج بے بس ہوگئیں۔ احمد شاہ درّانی کو اس کامیابی کے صلے میں لاہور اور ملتان کے علاقے مل گئے۔

اب حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ گجرات پر مرہٹوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ مالوہ اور راجپوتانے نے مرکز کو خراج دینا بند کر دیا تھا کیونکہ مالوے کا الحاق دکن سے ہو چکا تھا اور راجپوتانے میں پُرانے راجاؤں کے نام لیوا اپنی طاقتوں کو اکٹھا کر رہے تھے۔ آگرے کے جنوب میں جاٹوں کا زور تھا اور گنگ وجمن کے وسطی دوآبے میں فرخ آباد کے بنگش پٹھانوں کی للکار سنائی دے رہی تھی۔ اودھ اور الہ آباد ایک طرح سے وزرائے اودھ کی سلطنت بن چکے تھے۔ مشرقی صوبوں بہار، بنگال اور اڑیسہ میں اللہ وردی خاں کے خاندان کا زور تھا۔ مرکزی حکومت دہلی اور اس کے مضافات تک سمٹ کر رہ گئی تھی جہاں غازی الدین خاں کا طوطی بول رہا تھا جس نے اپنی دراز دستیوں کو کافی نہ سمجھ کر احمد شاہ کو تخت سے اُتار دیا۔

---

[1] دی کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب دوم صفحہ ۱۳۱، مرتبہ جے آر، ہنڈرسن

احمد شاہ کے سکوں پر بھی فارسی شعر پایا جاتا ہے جس کو سی 'جے' براؤن نے اُ
طرح غلط پڑھا ہے[۱]

سکہ زد بر زر بفضل الہٰ
شاہ عالم پناہ احمد شاہ

صحیح شعر اس طرح ہے۔

سکہ بر زر زدہ بفضل الہٰ
شاہ عالم پناہ احمد شاہ

عالمگیر ثانی احمد شاہ کو تخت سے اُتارنے کے بعد غازی الدین خاں نے وزار کا عہدہ خود سنبھال لیا اور جہاندار شاہ کے ایک پچپن سالہ بیٹے کو عالمگ کے لقب سے ۱۱۶۷ھ م ۱۷۵۴ء میں تخت پر بٹھا دیا۔ عالمگیر ثانی بھی غازی الدین خاں کے ہاتھوں میں ا کٹھ پتلی تھا۔ اکتوبر ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ دُرّانی نے پھر دہلی پر حملہ کیا' اور کثیر مالِ غنیمت لے کر واپس ہوگیا۔ نومبر ۱۷۵۹ء میں عالمگیر ثانی بھی غازی الدین خاں کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کا پانچ سالہ تکلیف دہ' دورِ حکومت اس اذیت ناک انجام پر اختتام کو پہونچا۔

عالمگیر ثانی کے سکوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں جنھیں سی۔ جے براؤن نے یوں غلط

سکہ بر زر زد چوں صاحب قرانی
عزیز الدین عالمگیر ثانی
سکہ زر یافت رونق چو مہر منیر
از نام شاہ جہاں بادشاہ عالمگیر

۱؎ کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی۔ جے۔ براؤن جلد اول' صفحہ ۳۴ ' شائع کردہ آر۔ سی۔ سینیر لمیٹڈ ۱۹۸۶ء دہلی۔

۲؎ " " " " " " "

دونوں صحیح اشعار اس طرح ہیں

بزر زد سکۂ صاحب قرانی
عزیزالدین عالمگیر ثانی
بیافت رونق ازیں سکہ زر جو مہر منیر
زنام شاہ جہاں بادشاہ عالمگیر

شاہ جہاں ثالث، شاہ عالم ثانی

عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد غازی الدین خاں نے ایک نئے شکار کی تلاش شروع کردی چنانچہ اس نے ۱۷۵۹ء میں کام بخش کے ایک پوتے کو شاہ جہاں ثالث کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ شاہ جہاں ثالث کا دورِ حکومت بھی مختصر رہا کیونکہ تخت کا حقیقی وارث عالمگیر ثانی کا بیٹا عالی گہر تھا، جس نے شاہ عالم ثانی کے لقب سے ۱۱۷۳ھ م ۱۷۵۹ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ امرائے سلطنت کی غالب اکثریت شاہ عالم کے ساتھ تھی۔ اور اس کی خوش نصیبی سے ہمسایہ ملک افغانستان کے طاقتور حکمران احمد شاہ دُرّانی نے ۱۷۶۱ء میں ہندوستان پر پھر حملہ کیا۔ اس زمانے میں دارالسلطنت دہلی میں مرہٹوں کا بڑا زور تھا۔ احمد شاہ دُرّانی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی اور غازی الدین خاں نیز اس کے کٹھ پتلی حکمراں شاہ جہاں ثالث کو اقتدار سے بے دخل کرکے شاہ عالم ثانی کی حکومت کی بنیادیں وقتی طور پر ہی سہی مستحکم کردیں۔

شاہ عالم ثانی کے سکوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر کو سی۔ جے براؤن نے اس طرح غلط پڑھا ہے[1]

سکہ زد صاحب قرانی زتائید الٰہ
حامی دیں محمد شاہ عالم بادشاہ

---

[1] کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم لکھنؤ۔ مرتبہ سی۔ جے براؤن۔ جلد اول صفحہ ۳۴ شائع کردہ آر۔ سی۔ سینیر لمیٹڈ دہلی ۱۹۸۶ء

صحیح شعر اس طرح ہے

سکہ صاحب قرانی زد ز تائید الہٰ

حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

شاہ عالم کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں اُبھرتی ہوئی ایک بیرونی
یعنی برطانوی حکومت حصول اقتدار کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی جن کا آغاز بنگال میں ہو چکا
ابتداءً شاہ عالم ثانی تقاضائے وقت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ چنانچہ اس نے ۱۷۶۱ء میں بنگال پر ح
اور ناکام رہا۔ پھر ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم نے شجاع الدولہ کی مدد لے کر بنگال پر دوبارہ حملہ کیا،
نتیجے میں اس کو بکسر کے میدان میں شکست فاش ہوئی۔ اس ہزیمت کے دوسرے ہی دن شاہ ا
برطانوی کیمپ میں حاضری دی اور وہ دن دراصل سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کا دن تھا۔ اس کے بعد
سلطنت مغلیہ عملاً ایک قصہ پارینہ بن گئی۔ پھر ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو الہ آباد میں طے شدہ ایک معاہد
رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار، اور اڑیسہ کی دیوانی اور اُن علاقوں کے مالیاتی نظم و نسق کا مخ
گیا، جس کے معاوضے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم ثانی کو اس کے اعزاز اور وقار کی بقا کے
ایک معقول سالیانہ دینے سے اتفاق کر لیا۔ بالفاظ دیگر شہنشاہ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی
وظیفہ خوار بن گیا

بیدار بخت

شاہ عالم کے مابقی دورِ حکومت میں کئی نشیب و فراز آتے ر
اور وقتاً فوقتاً اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد ملتی رہی تا
۱۷۸۸ء میں ایک اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ انہی دنوں غلام قادر روہیلہ نے قا
شاہ عالم ثانی کو بے رحمانہ طریقے سے اندھا کر دیا اور اس کی جگہ احمد شاہ کے بیٹے بیدار بخت کو تخ
حکمران بنا دیا۔ اس واقعے کے فوراً بعد مرہٹوں نے دہلی پر چڑھائی کر کے مجرموں سے انتقام لیا،
مدعی سلطنت بیدار بخت کو بے دخل کر دیا۔

بیدار بخت کے سکوں پر مندرجہ فارسی شعر کو سی۔ جے۔ راجرس اور سی
براؤن؛ دونوں نے اس طرح غلط پڑھا ہے۔ راجرس یوں پڑھتا ہے

بزر سکہ زد والی تاج و تخت
شاہ جہاں محمد بیدار بخت[1]

براؤن کی قرأت اس طرح ہے

سکہ زد بزر وارث تاج و تخت
شاہ جہاں محمد بیدار بخت[2]

مندرجہ بالا شعر صحیح طور پر اس طرح پڑھا جائے گا

بزر سکہ زد وارث تاج و تخت
محمد جہاں شاہ بیدار بخت

مرہٹوں نے مظلوم شاہ عالم ثانی کو کلیتہً اپنے قابو میں رکھا تا آنکہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے اس کو مرہٹوں کی قید سے اور حکومت کو اُن کی بالادستی سے نجات دلائی۔ بحیثیت مجموعی شاہ عالم ثانی نے وقت اور حالات سے صلح کر لی تھی جس کے نتیجہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس کے روابط خوشگوار ہی رہے۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اجرا کردہ سکوں پر شاہ عالم ثانی کا نام پایا جاتا ہے۔

اکبر شاہ ثانی شاہ عالم ثانی نے ۱۲۲۱ھ م ۱۸۰۶ء میں وفات پائی اور اس کے بعد اُس کا بیٹا اکبر شاہ ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا اور ۱۲۵۳ھ م ۱۸۳۷ء تک برائے نام حکومت کرتا رہا۔ یہاں برائے نام کی اصطلاح یوں بھی صادق آتی ہے کہ دریں اثنا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں اُن میں رائج سکوں پر اکبر شاہ ثانی کا نام بھی پایا جاتا ہے۔

---

[1] دی کوائینس آف دی مغل ایمپررس آف انڈیا کیٹلیڈ بائی چارلس جے۔ راجرس' اینڈ پرچیزڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ مرتبہ سر جیمس لیال اینڈ ایچ سی فانشیو طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب ۱۸۹۳ء تمہید صفحہ XVI

[2] کیٹلاگ آف کوائینس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی۔ جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۴' شائع کردہ آر۔ سی۔ بی لمیٹڈ دہلی ۱۹۸۹ء۔

اکبر شاہ ثانی کے سکوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ اکبر شاہ ثانی کے سکے پر مندرجہ ایک شعر کو مصنف گنج شائیگاں نے اس طرح غلط پڑھا ہے[1]

سکۂ مبارک صاحبقران ثانی
محمد اکبر نسلِ چنگیز خانی

صحیح شعر یوں ہے

مبارک سکۂ صاحبقرانی
محمد اکبرِ چنگیز ثانی

بہادر شاہ ظفر اکبر شاہ ثانی کے بعد اس کا بیٹا سراج الدین بہادر شاہ ثانی لقب اختیار کر کے ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوا، بہادر شاہ ثانی بھی اپنے باپ اکبر شاہ ثانی اور دادا شاہ عالم ثانی کی طرح انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ اس کا دورِ حکومت بھی اپنے پیشروؤں کی طرح کارہائے نمایاں سے خالی رہا، البتہ بہادر شاہ کے دربار میں اردو شاعری کا خوب چرچا تھا۔ امورِ سیاست یا کاروبارِ سلطنت سے دربار کا تعلق نہ ہونے کے برابر تھا اور انگریزوں کا اثر و نفوذ پورے ملک میں بڑھتا جارہا تھا۔ ہندوؤں کے روشن خیال طبقے اور مسلمانوں کے علماء میں ایک طرح کی انگریز بیزاری اور وطن پرستی کی لہر پیدا ہو چکی تھی دیسی رؤساء بھی غیر مطمئن تھے لیکن انہیں اپنے اپنے علاقوں کے باغی عناصر کی سرکوبی کے لئے انگریزوں کی پشت پناہی درکار تھی۔ دکن سے وہ جو ایک مجاہد آزادی ٹیپو سلطان کے روپ میں اٹھا تھا اس کو بھی انگریزوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے نصف صدی قبل زیر کر لیا تھا۔ تاہم ٹیپو سلطان کے نعرۂ آزادی وطن کی گونج ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکی تھی۔ انگریزوں کے پاس "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کا جو ایک حربہ تھا اب انہوں نے اپنے خلاف اٹھتی ہوئی بیزاری کی لہروں کو دبانے کے لئے اسی حربے سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ لیکن ان کی یہ چال کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی اور لوگوں کے سینوں میں بیرونی انگریز طاقت کے خلاف ایک جوالا مکھی پک رہا تھا، دہلی کا دربار خاموش اور

---

[1] گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی حالی۔ مطبوعہ مرادآباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۷

بے بس تھا، لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے دانشور، دیسی ریاستوں کے وطن دوست عناصر نیز خود برطانوی افواج کے دلیر اور وطن کا درد رکھنے والے سورما اندر ہی اندر ایسی تجویزوں میں لگے ہوئے تھے جن پر عمل کرکے آزادی وطن کا مقصد حاصل ہو سکتا۔

بالآخر یہ آتش فشاں ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پھٹ پڑا۔ دہلی مجاہدین آزادی کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ آزادی کے متوالے فوجیوں کی قیادت جنرل بخت خاں کر رہا تھا۔ تحریک آزادی کے علمبرداروں کو بہرحال ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جس کے گرد جمع ہو کر وہ اپنی جد و جہد کو منظم کر سکتے۔ ایسا مرکز انہیں بہادر شاہ کی ذات میں نظر آیا، جس کے گرد بلا تفریق مذہب و ملت ہندو اور مسلمان جمع ہو گئے۔ بعض دیسی رؤسا کی دلی ہمدردیاں بھی اُن کے ساتھ تھیں، مگر وہ کھُل کر میدان میں اُتر نہ سکتے تھے۔ انگریزوں کے قدم ڈگمگانے لگے۔ دہلی کا ریجنٹ مارا گیا اور ہر طرف انگریزوں کے خلاف نفرت کا طوفان اُمڈتا نظر آتا تھا۔ اس موقع پر بھی انگریزوں نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے اپنے پرانے حربے سے کام لیا اور نتیجتاً چار ماہ سے چل رہی سرفروشوں کی یہ تحریک ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دم توڑ گئی۔

جد و جہد آزادی کے دوران مجاہدین نے بہادر شاہ کے نام سے مخصوص اشرفیاں مضروب کروائی تھیں[۱]۔ جن پر مندرجہ ذیل شعر درج تھا۔

بزر زد سکۂ نصرت طرازی
سراج الدین بہادر شاہ غازی

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شعر مرزا غالب نے کہا تھا اور اس خیال کی تائید خود اُن کے خط بنام یوسف مرزا سے ہوتی ہے[۲]۔ مقام حیرت ہے کہ مرزا غالب نے اس شعر سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا اور مکتوب مذکور میں یہ لکھا کہ

۱ے چراغ دہلی مصنفہ مرزا حیرت دہلوی، مطبوعہ کرزن پریس دہلی، دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۲ پر لعدہ تجدید درج ہے

۲ے اردوئے معلیٰ مصنفہ مرزا غالب مطبع اردو گائیڈ کلکتہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۲۷،

"بادشاہ شاعر، بادشاہ کے بیٹے شاعر، بادشاہ کے
نوکر شاعر، خدا جانے سکہ کس نے کہا۔ اخبار نویس
نے میرا نام لکھ دیا[1]۔

لیکن جدوجہد آزادی کے ناکام ہو جانے کے بعد جب انگریزوں نے اپنے
اور بہادر شاہ کے مؤیدین کے خلاف تحقیقات کا آغاز کیا تو مرزا غالب سے بھی باز پرس ہوئی او
دارالضرب سے مرزا غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ شعر مجسٹریٹ نے اُن کے سامنے رکھدیا۔ ا
مرزا کے لئے کوئی گنجایش باقی نہ رہی اور " نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن " والی کیفیت پیدا
مرزا نے نہایت معصومانہ انداز میں یہ اعتراف کیا کہ

" میں نے سکہ کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا[2]۔"

بہادر شاہ ظفر کے سکوں پر فارسی اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل اُردو اشعا
بھی پائے گئے ہیں[3]۔

چلے نہ اشرفی آفتاب عالم میں
خط شعاع سے او سپر جو یہ نہ ہو تحریر
ابوظفر شہ والا گہر بہادر شاہ
سراج دین نبی سایۂ خدائے قدیر
جہاں مسخّر و عالم مطیع و خلق مطاع
فلک مؤیّد و اختر معین و بخت نصیر

---

[1] ماہنامہ "شاعر" غالب نمبر، مضمون غالب کی کہانی از ڈاکٹر ظ۔ انصاری صفحہ ۵۹
[2] اُردوئے معلیٰ مصنفہ مرزا غالب مطبوعہ اُردو گائیڈ کلکتہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۲۷۵
[3] گنج شائگاں مصنفہ محمد رفیع موہانی عالی مطبوعہ مُراد آباد ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۰۸

ان اشعار کے بارے میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کس کا نتیجۂ فکر ہیں۔ لیکن ان اشعار کے پس منظر میں جو انداز نظر جھلک رہا ہے وہ اس بات کی غماز؟ کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی مرزا غالب کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ تحریک آزادی کی ناکامی کے ساتھ وہ شمع ہمیشہ کے لئے گل ہو گئی جس کو ظہیر الدین بابر نے روشن کیا تھا۔ اور جس کی لو کو تیز کرنے میں ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالم گیر نے اپنی بے پناہ صلاحیتیں صرف کر دی تھیں۔

سلطنت خداداد میسور کے سکّوں پر فارسی اشعار

سلطنت خداداد میسور کے بانی حیدر علی کے اقتدار پر آنے سے قبل ریاست میسور کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ میسور کے ہندو راجا بظاہر دہلی کے مغل حکمرانوں کی نیابت کا دم بھرتے تھے لیکن آخری دور میں وہ مختلف سمتوں سے دباؤ کا شکار ہو چکے تھے۔ کبھی نظام دکن میسور پر چڑھائی کرتے تو کبھی پونا کے مرہٹے پیشوا اپنی فوجیں میسور کی طرف بڑھاتے۔ اسی زمانے میں حیدر علی ایک اونچے اوسط درجے کے مسلم گھرانے میں ریاست میسور کے ضلع کولار کے ایک گاؤں بودی کوٹہ میں ۱۱۳۴ھ م ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا[1]۔ اس زمانے میں حیدر علی کا باپ شیخ فتح محمد ریاست میسور کے علاقہ سرا کے گورنر عابد خاں کے ماتحت منصب دو ہزاری پر فائز تھا۔

اُس دور کی درباری سازشوں کے نتیجے میں حیدر علی کا باپ فتح محمد مارا گیا۔ اس وقت حیدر علی کی عمر پانچ سال تھی اور اُس کا خاندان آرام و آسایش کی زندگی سے محروم ہو کر عُسرت و پریشانی سے دوچار تھا لیکن اُسی دور میں حیدر علی کے ایک ننھیالی عزیز حیدر صاحب نے جو خود میسور کے راجا کی ملازمت میں تھا اس خاندان کی کفالت اپنے ذمّے لے لی اور انہیں سرنگاپٹم بلوا لیا۔ سرنگاپٹم میں حیدر علی اور اس کے بھائی کی پرورش اور تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ یہ بچے فنون سپہ گری، تیغ زنی، کمند افگنی، اسپ رانی اور تفنگ اندازی میں ایسے مشاق ہو گئے کہ نامور سپاہیوں کی نگاہیں بھی ان پر پڑنے لگیں اور بالاخر اُن کے سنّ شعور تک پہونچتے پہونچتے اُن کے مربّی حیدر صاحب نے میسور کے وزیر نندراج کے پاس انہیں لے جا کر فوج کے ابتدائی عہدوں پر فائز کروا دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب حیدر علی کی اعلیٰ صلاحیتوں کے جوہر نمایاں ہونے لگے تھے یہاں تک

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد میسور مصنفہ محمود خاں محمود بنگلوری شایع کردہ ہمالیہ بک ہاؤز دہلی ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۰

وہ درجہ بدرجہ ترقی کر کے علاقۂ ڈنڈی گل کا گورنر مقرر ہو گیا[1]۔ اسی زمانے میں میسور کے اطراف
اٹ و ترچناپلی میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کے درمیان اپنا اپنا اثر و رسوخ پھیلانے کی کشمکش
رہی تھی اور ادھر نظام دکن اور مرہٹے بھی اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کرناٹک پر اپنا تسلط قائم
یں۔ ارکاٹ کے چندا صاحب کی حمایت صلابت جنگ اور فرانسیسی کر رہے تھے اور ترچناپلی کے والاجاہ
علی نے میسور کے وزیر نندراج اور انگریزوں سے امداد طلب کی تھی۔ نندراج نے افواج میسور کو
لے کر ترچناپلی کی طرف پیش قدمی کی۔ اُس وقت حیدر علی نندراج کا دست راست تھا۔ ان معرکوں
حیدر علی نے اپنی جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ چندا صاحب اور فرانسیسی عاجز آ گئے تھے۔ فرانسیسیوں
متعدد توپوں پر بھی حیدر علی نے قبضہ کر لیا تھا لیکن نظام الملک کی فوجوں کا پلہ بھاری تھا چنانچہ انہوں نے
رنگا پٹنم کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر ایک معقول زر تاوان لے کر واپس ہوئیں۔ ابھی نظام دکن کی فوجیں
پس ہو ہی رہی تھیں کہ پونا کے پیشوا بالاجی باجی راؤ نے خراج وصول کرنے کے لئے اپنا لشکر میسور
طرف بڑھا دیا۔ یہاں خزانے میں رکھا ہی کیا تھا۔ بہر حال راجہ نے مرہٹوں کو ایک کروڑ روپیہ
ا کرنے کا اقرار کیا اور بطور ضمانت ملک کا بہت بڑا حصہ ان کی کفالت میں دے دیا۔ چنانچہ مرہٹوں
اپنی طرف سے بلونت راؤ کو اس علاقے کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور اب میسور کے راجہ کی حکومت
ف سرنگاپٹنم اور اس کے مضافات تک محدود ہو کر رہ گئی۔

حیدر علی کی قسمت نے پھر یاوری کی۔ مرہٹے ابھی میسور کے مکفولہ علاقوں پر اپنا تسلط
ہی رہے تھے کہ پانی پت کا وہ عظیم سانحہ پیش آیا جس نے مرہٹوں کو ایسی ٹھیس پہنچائی کہ وہ پھر
بھل نہ سکے۔ یہ احمد شاہ درانی کا ہندوستان پر آخری حملہ تھا۔ اب مرہٹے میسور کے علاقوں
اپنے قدم جمانے کے موقف میں نہ رہے تھے۔ حیدر علی کو اُس کی نمایاں خدمات کے صلے میں میسور
فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا۔ مرہٹوں پر اس نئی اُفتاد کے بعد تو حیدر علی کے لئے میدان صاف
تھا اور اُس نے بغیر کسی خاص مزاحمت کے اُن تمام علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا جو مرہٹوں کے زیر کفالت
پہلے تھے[2]۔

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد میسور مصنفۂ محمود خاں محمود بنگلوری شائع کردہ بمالیہ بک باڈز۔ دہلی ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۴
[2] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً صفحہ ۵۷

اس زمانے میں میسور کے راجہ کے خاندان اور وزیر نندراج کے درمیان اختلافات رونما ہونے لگے تھے۔ جن میں آہستہ آہستہ بڑی شدت پیدا ہوگئی۔ راجہ، رانیاں اور خاندان کے دیگر افراد خود کو نندراج کے مقابلے میں بے بس محسوس کرنے لگے تھے حتیٰ کہ کھنڈے راؤ کے توسط سے حیدرعلی سے خواہش کی کہ راجہ کو نندراج سے نجات دلائی جائے۔ حیدرعلی کو اس کام میں کسی دشواری کا سامنا کرنا نہ پڑا۔ اس نے بآسانی اپنی مخصوص حکمت عملی کے ذریعے نندراج اور اس کے بھائی سے اسنادِ وزارت لے کر راجہ کے حوالے کر دیں۔ نندراج اپنی جاگیر کو چلا گیا اور راجہ کی گھٹن دور ہوگئی۔ اس واقعہ سے حیدرعلی کے وقار میں مزید اضافہ ہوا۔

دراصل حیدرعلی اب اپنے عروج کی آخری منزلوں کی راہ پر گام زن تھا۔ اسی اثنا میں دلی کے حکمران شاہ عالم ثانی کا سفیر حیدرعلی کے نام صوبہ داری سرا کا فرمان[1] لے کر آیا جس کے ساتھ بادشاہ نے حیدرعلی کو شمشیر مرصع، سپر، پالکی، ماہی مراتب اور نقارہ و نشان مع خطاب نواب سے سرفراز کیا تھا۔ چونکہ انتظام مملکت میں راجہ کی مداخلت کی وجہ سے بعض اوقات پیچیدگیاں پیدا ہو رہی تھیں اور سازشیوں کو اپنے جال بچھانے کا موقع فراہم ہو رہا تھا اس لیے حیدرعلی نے چند بیش بہا تحایف کے ساتھ راجہ سے باریابی کی اجازت چاہی اور نذر گزراننے کے بعد تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راجہ سے گزارش کی کہ ریاست کا نظم و نسق خود اس (حیدرعلی) کو تفویض کر دے اور اس طرح راجہ کے ذاتی مصارف کے لیے تین لاکھ کی جاگیر مختص کر کے حیدرعلی نے عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اپنے آزاد حکمران ہونے کا اعلان[2] کر دیا۔ یہ تھا حیدرعلی کے ارتقاء و عروج کا ایک اجمالی خاکہ اور سلطنت خداداد میسور کے قیام کا پس منظر۔

جہاں تک مسکوکات کا تعلق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیدرعلی ان کی اجرائی کے سلسلے میں کسی جدت طرازی کی طرف مائل نہ تھا۔ اس کے اجرا کردہ چند اقسام کے تانبے کے سکے[3] تو اس کے پیشرو ہندو راجاؤں کے سکوں کے نمونہ پر ہی تھے۔ حیدرعلی کے سونے کے سکوں پر بھی ضلع شموگہ (میسور) کے علاقہ اکیری کے ناگوں اور وجیانگر کے ہندو راجاؤں کے سکوں کے اثرات غالب ہیں البتہ ان سکوں پر

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد میسور مصنفہ محمود خاں محمود بنگلوری شائع کردہ ہمالیہ بک ہاؤس دہلی ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۰
[2] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً صفحہ ۹۹

یدرعلی نے اپنے نام کا پہلا حرف (ح) نمایاں طور پر درج کروایا تھا۔ اب تک حیدرعلی کا ایسا کوئی
ہ نہیں ملا ہے جس پر فارسی شعر کا اندراج ہو۔

حیدرعلی کی وفات کے بعد ۲۰ محرم ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۲ء کو فتح علی خاں المعروف بہ ٹیپو سلطان
نے باپ کے جانشین کی حیثیت سے تخت پر بیٹھا۔ حیدرعلی اگرچہ خود اَن پڑھ تھا لیکن اس نے اپنے
ے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ چنانچہ ٹیپو سلطان اس وقت کے علوم متداولہ میں
ل دستگاہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فرانسیسی فوجی افسروں سے اعلیٰ تربیت بھی حاصل کر چکا
ا جو اس کے متعدد معرکہ آرائیوں بالخصوص انگریزوں کے ساتھ اس کے محاربات میں بہت کام آئی
درعلی کے آخری ایام میں انگریزوں سے میسور کی افواج برسرِپیکار تھیں اور یہ سلسلہ ٹیپو کی تخت نشینی
بعد بھی جاری رہا۔ انگریزی فوج اسٹیوارٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں پڑاؤ ڈالے
ئی تھی۔ ٹیپو سلطان نے ایک دوسرا راستہ اختیار کرکے انگریزوں کو جا لیا۔ اس مہم میں دو ہزار فرانسیسی
اہی بھی سلطان کے لشکر میں تھے۔ لیکن یہ مہم بغیر کسی مقابلے کے اس وجہ سے سَر ہو گئی کہ ٹیپو سلطان
آمد کی اطلاع پر مدراس کے گورنر نے انگریزی فوجوں کو فوراً واپس ہو جانے کا حکم بھجوایا۔ انگریزی
وں کی اس پسپائی کے بعد ٹیپو سلطان کو کچھ اندرونی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا جن کے منجملہ ایک
زش ایسی تھی کہ سرنگاپٹم کے قلعہ دار کو اپنے جال میں پھانس کر حرم سرائے سلطانی کو مقید کرکے
السلطنت پر قبضہ کر لیا جائے لیکن سلطان کی فراست اور دانائی نے اس سازش کو ناکام بنا دیا اور سازشیوں
فرِ کردار تک پہنچا دیا گیا اور قلعہ اور محل سرائے کے انتظامات میں تبدیلی کر دی گئی۔ قلعہ کی کمان اسد خاں
الدار کو دی گئی اور سید محمد خاں مہدوی کو سرنگاپٹم کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی اثنا میں انگریزی افواج
ا قدمی کرکے حیدر نگر پر قابض ہو چکی تھیں۔ ٹیپو سلطان نے محمد علی کمندان کی فوج کے سلطانی لشکر سے
نے کے بعد حیدر نگر کا رُخ کیا اور اٹھارہ دن کی سخت معرکہ آرائی کے بعد انگریزوں کو پسپا ہونے پر مجبور
دیا۔ بالآخر انگریزوں نے قلعۂ حیدر نگر سلطان کے حوالے کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ٹیپو سلطان کی نظر میں دو باتیں بڑی اہمیت کی حامل تھیں
، تو اپنے حدودِ مملکت میں توسیع اور ان کا استحکام دوسری اہم بات انگریزوں کی ابھرتی ہوئی استعماری
نت کا سدِّباب بلکہ اس کا استیصال تھی۔ ٹیپو سلطان کی دُور رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ انگریزی فتنہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقاب اوڑھے آہستہ آہستہ ہندوستان کی آزادی کو گھن کی طرح کھاتا چلا جارہا اور وہ دن دور نہیں جب کہ سارا ملک برطانوی غلامی کے طوق و سلاسل میں جکڑ جائے گا۔ جہاں تک حدود مملکت میں توسیع اور اُن کے استحکام کا تعلق ہے ٹیپو سلطان کی کوششیں کبھی بار آور ہوئیں اور کبھی اُسے ناکامی کا موجب دیکھنا پڑتا جس میں کبھی انگریزوں کی ریشہ دوانیاں کارفرما ہوتیں تو کبھی اُن کی کھلم کھلا فوجی مداخلت اس کی راہ میں رکاوٹ بنتی۔ ٹیپو سلطان نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ تنہا انگریزوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے موقف میں نہیں ہے اس لیے اس نے مرہٹوں سے بار بار اتحاد کی درخواست کی اور حیدرآباد کے حکمران نظام علی خاں کی طرف بھی کئی بار دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن ہر طرف سے اُسے مایوسی ہوئی۔ اپنے عہد کی عالمی بساطِ سیاست پر بھی ٹیپو سلطان کی نظر بہت گہری تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یوروپ میں نپولین بوناپارٹ کی ابھرتی ہوئی طاقت کے آگے وہاں کی بڑی بڑی سلطنتیں لرزہ بر اندام ہو رہی تھیں۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے فاتح اعظم نپولین کو ایک مکتوب بھی روانہ کیا تھا جس میں اُس کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ نپولین نے ٹیپو سلطان کے مکتوب کا امید افزا جواب دیا تھا جس میں اس نے انگریزوں کے خلاف ٹیپو کی کامیابی کے لیے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔[1]

ٹیپو سلطان نے انگریزوں کے استیصال کی کوششوں کے دوران بیرون ہند کی معاصر اسلامی طاقتوں سے بھی ربط پیدا کیا تھا اور افغانستان، ایران نیز ترکی کو اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں ٹیپو سلطان کا منشا یہ تھا کہ ان ممالک کے آگے انگریزوں کے مقاصدِ اصلی کا پردہ فاش کر کے یہ بتلایا جائے کہ وہ ہندوستان پر اپنی مستقل حکومت قائم کرنے کے لیے بلادِ اسلامیہ کے سواحل پر نظریں جمائے ہوئے ہیں اور وہ ایک نہ ایک دن عراق، ایران اور عرب کے ساحلی شہروں پر اپنا قبضہ جمالیں گے انگریزوں کو اس جسارت سے باز رکھنے کے لیے ٹیپو سلطان نے اپنے لائحۂ عمل کا ایک خاکہ تیار کر لیا تھا اور اس پر عمل پیرائی کے لیے اس نے سب سے پہلے اپنے سفیر غلام علی کی سرکردگی میں ایک وفد سلیم سوم سلطان روم (ترکی) کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے اپنے سفیر کے ذریعہ جو

---

[1] نپولین کا یہ خط اکتوبر ۱۹۹۰ء کے پہلے ہفتہ میں لندن میں منعقدہ ٹیپو سلطان پر ایک شاندار نمائش میں پیش کیا گیا تھا۔ بحوالہ بی بی سی۔

مکتوب سلطان روم کے پاس بھیجا تھا اس میں منجملہ اور باتوں کے اِن اُمور پر زور دیا گیا تھا کہ بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تاکہ سلطنت خداداد کے بحری جہاز اس کو استعمال کر سکیں۔ اس رعایت کے معاوضہ میں ٹیپو سلطان نے سلطنت عثمانی (ترکی) کے جہازوں کے استعمال کے لئے اپنی کسی بھی بندرگاہ کی پیش کش کی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ترکی اور ہندوستان کی بحری طاقتیں اس علاقہ میں ایک نئی قوت بن کر اُبھریں اور مغربی دُوَل کو کوس لمن الملک بجانے کا موقع نہ مل سکے تاکہ بلاد اسلامیہ کے سواحل اُن کی دست بُرد سے محفوظ رہیں۔ ٹیپو سلطان نے سلطان سلیم کی توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول کروائی تھی کہ سلطنت خداداد میں بندوقوں اور توپوں کی تیاری کا کام بھی شروع ہو چکا ہے اور مملکت عثمانیہ میں اس صنعت کو فروغ دینے کے لئے وہ ماہرین کو اپنے پاس سے ترکی بھیجنے آمادہ ہے[1]۔ یہ امر لائق افسوس ہے کہ رومی دربار میں ٹیپو سلطان کی اِن تجاویز کو سُنی اَن سُنی کر دیا گیا۔ اس دور میں عثمانی ترکوں کی حالت کم و بیش ویسی ہی ہو گئی تھی جیسی کہ بابر اور اکبر کے جانشینوں محمد شاہ اور احمد شاہ کی دہلی میں تھی، اسی لئے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان سنجیدہ تجاویز پر غور کر کے وہ کسی صحیح فیصلے تک پہونچ سکیں گے۔ پھر ٹیپو سلطان نے ایران کے حکمران کریم خاں زند سے ربط پیدا کیا مگر بد قسمتی سے ایران اُن دنوں شیعہ سُنّی اختلافات کا شکار تھا اور افراتفری کے اس عالم میں ٹیپو سلطان کو مایوسی کا مونہہ دیکھنا پڑا اپنی کوشش کے آخری مرحلے کے طور پر اب ٹیپو سلطان کی نگاہیں افغانستان کی طرف اٹھیں اور اس نے زماں شاہ حاکم افغانستان کی خدمت میں اپنے سفیر بھیجے لیکن وہاں بھی انگریزوں کی سازشوں نے رنگ لایا۔ جن کے نتیجے میں افغانستان اور ایران کی آویزش شروع ہو گئی اور ٹیپو سلطان کی مقصد برآری نہ ہو سکی۔

ہندوستان میں انگریز اپنی ہمہ جہتی صلاحیتوں کی وجہ سے فرانسیسیوں اور پرتگیزیوں پر غالب آتے جا رہے تھے۔ ادھر شمال مشرقی ہندوستان میں اپنے دائرہ اثر کو وسیع سے وسیع تر کر کے صوبہ بنگال سے آگے بڑھ کر دہلی کی طرف پیش قدمی کا منصوبہ بنا رہے تھے اور اِدھر دکن اور جنوبی ہندوستان میں اپنی مخصوص حکمت عملی کے ذریعہ نظام دکن اور مرہٹوں کو ساتھ لے کر اپنے حقیقی دشمن

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد میسور مصنفہ محمود خاں محمود بنگلوری شائع کردہ ہمالیہ بک ہاؤز دہلی ۱۹۸۵ء صفحہ ۳۴۴

ٹیپو سلطان کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ انگریزوں کی نظر میں ٹیپو سلطان ہی ہندوستان میں اُن کے لئے سب سے بڑا چیلنج تھا۔ ٹیپو سلطان اپنے جوش حُب الوطنی میں سرشار انگریزوں کی قلع قمع کی تجویزیں سوچ رہا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ٹیپو سلطان کی تمام مساعی رائیگاں گئیں، مملکت خداداد میسور کی اندرونی سازشیں انگریزوں کی سرپرستی میں آہستہ آہستہ اپنا رنگ جمانے لگیں اور پھر ان کی فوجوں سے ٹیپو سلطان کی فوجوں کی راست معرکہ آرائیاں بھی ہوگئیں۔ اور بالآخر آزادیٔ وطن کے اس متوالے نے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو اپنی آخری سانس تک بذات خود انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جام اجل نوش کر لیا۔ اس طرح انگریزوں کے عزائم کی تکمیل کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی۔

ٹیپو سلطان نے اپنے سکوں کی اجرائی کے سلسلہ میں اپنی جدّت طبع کا غیر معمولی مظاہرہ کیا ہے۔ ٹیپو سلطان کے سکوں پر فارسی اشعار کا اندراج تو ہے ہی علاوہ ازیں سکوں پر سنین کے اندراج میں بھی اس نے ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ٹیپو سلطان کا خیال تھا کہ جب فارسی رسم الخط کا رُخ دائیں جانب سے بائیں جانب کی طرف ہے تو پھر اعداد کے لکھنے میں فارسی رسم الخط کے برخلاف بائیں جانب سے دائیں جانب کا رُخ کیوں اختیار کیا جائے۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے سنین کے اعداد کو بائیں جانب سے دائیں جانب کو لکھنے کے مروّجہ طریقے کے برخلاف اپنے سکوں پر سنین کے اعداد کو دائیں جانب سے بائیں جانب کو لکھنے کا فرمان صادر کیا جیسا کہ اس کے سکوں سے ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر ٹیپو سلطان کے ایک تانبے کے سکے پر سنہ ۱۲۲۴ کو سنہ ۴۲۲۱ لکھا گیا ہے۔[۱]

ٹیپو سلطان کے ابتدائی سکوں پر سنہ ہجری کا اندراج پایا جاتا ہے لیکن بعد میں ٹیپو سلطان نے اپنی رائے بدل دی اور اپنے سکوں کے لئے اس نے ایک نیا سنہ مولودی اختیار کیا۔ اس سنہ کا حساب پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی ولادت باسعادت کی تاریخ سے لگایا گیا تھا۔ ٹیپو سلطان کی نظر میں آنحضرت صلعم کا میلاد مبارک واقعہ ہجرت سے زیادہ اہم اور عہد آفریں تھا چنانچہ ٹیپو سلطان

---

[۱] کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ، جلد چہارم باب دوم، مرتبہ جے آر ہینڈرسن صفحہ ۱۰۵ و ۵ سکہ نمبر ۲ شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن نئی دہلی سنہ ۱۹۷۶ء

سکوں پر جابجا سنہ مولودی کی صراحت پائی جاتی ہے۔ ٹیپو سلطان کی جدّت طبع کی ایک اور شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ اس نے اپنے سونے چاندی اور تانبے کے سکوں کے نہ صرف جداگانہ نام رکھے تھے بلکہ اِن ناموں کو متعلقہ سکوں پر درج بھی کر دیا تھا اگرچہ یہ بات ہمیں کسی حد تک اکبر کے سکوں اور بڑی حد تک جہانگیر کے سکوں میں نظر آتی ہے لیکن اکبر اور جہانگیر نے اپنے سکوں کو جو نام دیئے تھے وہ اُن کے سکوں پر کہیں نظر نہیں آتے۔ اس کے بالمقابل ٹیپو سلطان کی اشرفیوں پر "احمدی" اور "محمدی" نصف اشرفی پر "صدیقی" اور "فاروقی" درج ہے۔ ٹیپو سلطان کے چاندی کے دو تولے کے سکوں پر "حیدری" ایک تولے کے سکّے پر "امامی" نصف روپے پر "عابدی" اور چوتھائی روپے پر "باقری"، دوانی پر "جعفری" اور اکنی پر "کاظمی" نیز نیم آنہ پر "خضری" کا اندراج پایا جاتا ہے۔ اور ٹیپو سلطان کے بڑے پیسے پر "عثمانی" درج ہے۔ بعد میں تانبے کے سکوں کے نام تبدیل کر کے بڑے پیسے کو "مشتری" اور عام پیسے کو "زہرہ" نصف پیسے کو "بہرام" چوتھائی پیسے کو "اختر" اور پیسے کے آٹھویں حصے کو "قطب" سے موسوم کیا گیا تھا۔ سکہ جات کی اجرائی کے تعلق سے ٹیپو سلطان نے جس جدّت طرازی کا ثبوت دیا ہے، وہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے مگر اس کی زندگی جس پُر آشوب انداز سے گزری ہے اس کا اثر اس کے سکوں پر مندرجہ اشعار کی قلّت سے ملتا ہے۔ ٹیپو سلطان کو یہ مہلت ہی نہ ملی کہ وہ اپنے مسکوکات کو گوناگوں اشعار سے زینت بخشتا اور شہنشاہ جہانگیر کے بعد ہندوستان کے حکمرانوں میں ایک اور ممتاز نظیر قائم کرتا۔ بہرحال ہم نے ٹیپو سلطان کے سکوں پر جو بھی شعر درج ہیں انہیں شاملِ کتاب کر لیا ہے۔

••

نوابان اودھ کے سکوں پر فارسی اشعار

تاریخ شاہد ہے کہ نوابانِ اودھ کا جدِّ امجد محمد امین المعروف بہ سعادت خاں ایک ایر نژاد مہم پسند تھا۔ اس نے دہلی میں محمد شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کرلی اور رفتہ رفتہ وزارت کے پر فائز ہوگیا ۱۷۲۰ء میں سیّد برادران کے زوال کے بعد سعادت خاں نے خود کو صوبہ اودھ میں عملاً خود م بنالیا تھا۔ اس صوبہ میں اضلاع غازی پور، بنارس اور گورکھپور شامل تھے۔ سعادت خاں کے بعد اس کا د صفدر جنگ ۱۷۳۹ء میں وزارت کے عہدہ سے سرفراز ہوا۔ اس خاندان کا تیسرا وزیر شجاع الدولہ (۱۷۵۹ء ۱۷۷۵ء) تھا اس کے عہد میں اضلاع الٰہ آباد، کوڑا نیز روہیلکھنڈ کے علاقے کا صوبہ اودھ میں انضمام عمل آیا۔ شجاع الدولہ اور اس کے بیٹے آصف الدولہ (۱۷۷۵ء تا ۱۷۹۷ء) کے زمانہ میں اس خاندان کے ایسٹ انڈیا کمپنی سے گہرے روابط قائم ہوچکے تھے۔ آصف الدولہ نے وزارت اودھ کا عہدہ سنبھالنے کے ہی دنوں بعد اضلاع غازی پور اور بنارس ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردیئے اور اپنا مستقر فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کردیا۔ آصف الدولہ کے جانشین سعادت علی خاں (۱۷۹۸ء تا ۱۸۱۴ء) نے ۱۸۰۱ء میں روہیلکھ کے علاقے کے علاوہ اضلاع گورکھپور، الٰہ آباد اور کوڑا بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحویل میں دیدیئے۔ سعادت علی کے بعد غازی الدین حیدر اس کا جانشین ہوا۔ غازی الدین حیدر نے ۱۸۱۴ء سے ۱۸۱۹ء تک خود کو سلطنت مغلیہ کا وزیر ہی کہلانا پسند کیا۔ دراصل ۱۸۱۸ء کے اواخر میں لارڈ ہیسٹنگز نے غازی الدین حیدر کو اس بات پر اکسانا شروع کردیا تھا کہ وہ نام نہاد سلطنت مغلیہ کا قلادہ بھی اپنی گردن سے اُتار پھینکے۔ غازی الدین حیدر نے پہلے تو کچھ تامّل کیا لیکن بعد میں ۹ اکتوبر ۱۸۱۹ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ یہ تھا وہ پس منظر جس سے ہندوستان کی مریضانہ ملکی سیاست کے نقشے پر ایک نئی کٹھ پتلی حکومت اُبھری۔

اس عہد تک اس خاندان کے سربراہ نواب وزیر اودھ کہلاتے تھے مگر اعلان آزادی کے بعد وہ اودھ کے حکمران کہلائے جانے لگے۔ غازی الدین حیدر کے اعلان خود مختاری تک اودھ میں

مغل بادشاہوں کے سکّے رائج رہے لیکن اعلانِ خود مختاری کے بعد اودھ کے حکمران اپنے الگ سکّے مضروب کروانے لگے۔ اِن سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں اور بعض اشعار سے اس خاندان کے شیعی مسلک کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ غازی الدین حیدر نے ۱۸۱۹ء کے اعلانِ خود مختاری کے بعد ۱۸۲۷ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد نصیر الدین حیدر اُس کا جانشین ہوا جس کا دورِ حکومت ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۷ء تک رہا۔ نصیر الدین حیدر کے سکّوں پر بھی فارسی اشعار کا اندراج ہے۔ نصیر الدین حیدر کا جانشین محمد علی شاہ (۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء) ہوا۔ محمد علی شاہ کے بعد امجد علی شاہ (۱۸۴۲ء ۔۔ تا ۱۸۴۷ء) اور پھر واجد علی شاہ (۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء) نے عنانِ اقتدار سنبھالی۔ اِن تینوں حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ متذکرہ صدر پانچوں حکمرانوں نے سونے کی اشرفیاں چاندی کے روپے اور تانبے کے فلوس مضروب کروائے۔ سونے کے سکّوں میں معمولی اشرفیوں کے علاوہ نصف اشرفی اور ربع اشرفی نیز اشرفی کے آٹھویں اور سولھویں حصّے کے معادل سکّے بھی مضروب کئے جاتے تھے۔ اس طرح انہی اوزان کے چاندی کے سکّے بھی مضروب کروائے جاتے تھے۔ اودھ کے حکمرانوں نے سکّوں پر مغلوں کی طرح اپنے لئے بھی نہایت شاندار القاب مثلاً شاہ زمن، عالم پناہ، ظلّ الٰہ، شاہ زماں، شاہ جہاں سلطان عالم، وغیرہ استعمال کئے ہیں۔ دار الضرب لکھنؤ کو بھی دار الامارہ، دار السلطنت اور بیت السلطنت کے القاب سے مفتخر کیا۔ البتہ واجد علی شاہ نے جو خود بھی ایک شاعر تھا لکھنؤ کو اپنے تخلص اختر کی مناسبت سے اختر نگر سے موسوم کیا[۵]۔ اگرچہ نوابانِ اودھ کا سلسلہ واجد علی شاہ پر ختم ہو جاتا ہے لیکن جنگ آزادی کے دوران واجد علی شاہ کے بیٹے برجیس قدر نے رمضان علی شاہ کا لقب اختیار کر کے حریت کے متوالوں کا ساتھ دے کر حبِّ وطن کی شمع جلائے رکھی۔ اور اپنے نام کے سکّے بھی اجراء کئے جن پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں[۶]۔ لیکن برجیس قدر کی تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ اور اودھ پر انگریزی اقتدار قائم ہو گیا۔

---

۵ کیٹلاگ آف دی کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب اول مؤلفہ سی جے براون صفحات ۵ تا ۹ انڈولاجیکل بُک کارپوریشن نئی دہلی ۱۹۷۶ء

۶ گنج شائگاں مصنفہ محمد رفیع موہانی عالی مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۷

متفرقات

کامروپ (رنگپور۔ آسام) کے حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار

ہندوستان کی شمال مشرقی سرحد پر واقع علاقہ کامروپ کی تاریخ جو کم و بیش صوبہ آسام پر محتوی تھا غیر تشفی بخش مواد کی وجہ سے باقاعدگی کے ساتھ مرتب نہیں کی جا سکتی۔ اس علاقے کے ابتدائی حکمرانوں نے اپنی مسکوکات کے شواہد بھی نہیں چھوڑے ہیں۔ یہاں کی جدید تاریخ کا آغاز آہوم قبائل کے حملے اور اُن کی آمد سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ دراصل جنوبی چین کے 'شان' قبائل کے پسماندگان سے تھے۔ اور وہ قریب قریب اسی زمانے میں جب کہ قبلائی خاں ۱۲۲۸ء میں چین میں اپنے اقتدار کو مستحکم کر رہا تھا کامروپ کے بالائی علاقوں میں داخل ہوئے۔ انہیں اس علاقے میں اپنی حیثیت منوانے میں کافی وقت لگا۔ دو تین صدیوں تک یہ لوگ مقامی کچھار قبائل سے دست و گریباں رہے اور بالآخر ۱۵۴۰ء میں انہوں نے کچھاروں کو مار بھگایا۔ اب ان کی حکومت گوہاٹی کے نزدیک دریائے کلنگ تک پھیل چکی تھی۔ رفتہ رفتہ اطراف و جوانب کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے بھی ان کی بالادستی قبول کر لی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنت مغلیہ کا اقتدار قریب قریب سارے ہندوستان میں قائم ہو چکا تھا اور بہار بنگال بھی اُن کے زیر تسلط آ چکے تھے۔ مغل فوجوں نے کامروپ کے علاقے پر بھی مہمات بھیجیں لیکن انہیں وہاں کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تا آنکہ ۱۶۶۳ء میں اورنگ زیب

کے عہدِ حکومت میں میر جملہ نے اپنی فوجیں اس علاقہ میں بڑھادیں اور آہوم حکمرانوں کی جانب سے کچھ مقاومت کے بعد راجدھانی پر قبضہ کرلیا۔ تاہم مغل اس علاقے میں مستقل طور پر اپنے قدم نہ جما سکے۔ یہاں کا سب سے طاقتور راجہ رُودرا سنگھ عرف مُچک رنگ پھا گزرا ہے جو ۱۶۹۵ء میں تخت نشین ہوا۔ اس عہد تک آہوم اپنے نام 'شان' اور ہندو دونوں طریقوں سے رکھا کرتے تھے لیکن رودرا سنگھ نے علی الاعلان ہندو مذہب اختیار کرلیا۔ ۱۷۱۴ء میں رودرا سنگھ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سِب سنگھ برسر اقتدار آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہندوستانی سیاست میں انگریزوں کی مداخلت کا آغاز ہوچکا تھا' اور وہ کسی نہ کسی بہانے نئے نئے علاقوں میں اپنا اثر و نفوذ پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ آہوم حکمرانوں کے علاقے میں بھی انگریزوں کو ایسا موقع مل گیا۔ چنانچہ درباری سازشوں اور بغاوتوں کو کچلنے کے لئے انہوں نے مقامی حکمرانوں کی امداد سے دریغ نہ کیا۔

جہاں تک مسکوکات کا تعلق ہے اب تک دستیاب شدہ مواد کے بموجب آہوم خاندان کے سکّوں کی ابتداء راجہ سک لن من (۱۵۳۹ء تا ۱۵۵۲ء) کے ہشت پہلو چاندی کے سکّوں سے ہوتی ہے۔ جن پر مندرجہ عبارت آہوم زبان اور اُسی کے رسم الخط میں ہے۔ اسی خاندان کے ایک راجہ پرمتھا سمہا (۱۷۴۴ء تا ۱۷۵۱ء) کے سکّوں پر سنسکرت زبان کی عبارات بھی پائی جاتی ہیں۔ یہاں اس امر کا تذکرہ باعث دلچسپی ہوگا کہ اس عہد تک آہوم حکمران مغل بادشاہوں سے روشناس ہوچکے تھے' اس لئے ان کے مسکوکات بھی مغل اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ آہوم خاندان کی ایک حکمران پرمتھیشوری کے چاندی کے سکّوں پر بھی ایک فارسی شعر پایا جاتا ہے۔ اسی خاندان کے ایک اور حکمران راجیشورا کے سکّوں پر بھی ایک فارسی شعر پایا جاتا ہے۔ اس خاندان کے ان دونوں حکمرانوں کے سکّوں پر مندرجہ اشعار بعینہٖ مغل بادشاہوں کے سکّوں پر مندرجہ اشعار کا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔[1]

سکھ حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار[2]

ہندوستان پر احمد شاہ دُرّانی کے متعدد حملوں کے نتیجہ میں پنجاب کے سکھوں میں تحفظ

---

[1] کوائنس آف اینشینٹ انڈیا اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد اول معنفۂ وینسنٹ اے اسمتھ صفحات ۳۰۱' ۳۰۲ شائع کردہ انڈولاجیکل بک ہاؤز۔ دہلی ۱۹۷۲ء

[2] کوائنس مرتبہ پرمیشوری لال گپتا شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی ۱۹۶۹ء صفحات ۱۳۵ تا ۱۳۷؛

ذات کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی تھی اور جب ۱۷۱۰ء میں ایک سکھ سردار باندہ سنگھ المعروف بہ "سچا پادشاہ" نے درانیوں سے سرہند کا علاقہ چھین لیا تو اس نے خالصہ کی قیادت حاصل کر کے اسی کامیابی کی یادگار کے طور پر ایک نئے سال کا آغاز کیا اور اپنے صدر مقام لوہ گڑھ سے ایسے سکے جاری کروائے جن پر فارسی شعر درج تھا۔ ۱۷۶۱ء میں جسا سنگھ کے اجراء کردہ بعض سکوں پر بھی فارسی شعر کا اندراج پایا جاتا ہے۔ پھر ۱۷۷۵ء میں امرتسر سے بھی فارسی شعر والے سکے جاری ہوئے تھے لیکن ان پر کسی حکمران کے نام کے بجائے گورو گوبند سنگھ کا نام پایا جاتا ہے۔

کشمیر کے ڈوگرا حکمرانوں کے سکوں پر فارسی شعر

کشمیر کے ڈوگرا راجاؤں کا سلسلہ سارنگ دیو سے شروع ہو کر آخری راجہ ہری سنگھ پر ختم ہوتا ہے۔ ان حکمرانوں میں صرف رنجیت دیو کے سکوں پر فارسی شعر پایا جاتا ہے۔ رنجیت دیو ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۷۴۲ء میں تخت حکومت پر فائز ہوا۔ اس نے امن و آشتی کے ساتھ ۱۷۸۰ء تک حکومت کی۔

رؤسائے ٹونک کے سکوں پر فارسی شعر

راجپوتانہ (موجودہ راجستھان) میں واقع دیسی ریاست ٹونک کے حکمران مسلمان تھے۔ یہ ریاست حسب ذیل چھ مختلف ڈویژنوں پر مشتمل تھی جو باہم مربوط بھی نہ تھے بلکہ ایک دوسرے سے بیس میل سے دو سو پچاس میل تک کے فاصلے پر واقع تھے۔

۱۔ ٹونک
۲۔ علی گڑھ
۳۔ رام پورہ
۴۔ نمبھورہ
۵۔ چھپرہ

۶. سرونج

ٹونک کے حکمرانوں کا تعلق پٹھانوں کے 'بونر' قبیلے سے تھا۔ اس خاندان کا بانی امیر خاں تھا۔ جس کو مہاراجہ ہولکر نے اُس کی خدمات کے صلے میں ٹونک کا علاقہ عطا کیا تھا اور پھر برطانوی حکومت کی نوازشات سے قلعہ رام پورہ اور علی گڑھ بھی اس خاندان کے زیر نگیں آگئے۔

امیر محمد خاں کی اولاد میں وزیر محمد خاں نے ۱۸۳۴ء میں اپنے نام کے سکے رائج کئے۔ اس کے بعد محمد علی خاں (۱۸۶۴ء) اور محمد ابراہیم علی خاں (۱۸۶۷ء) کے سکے بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سے صرف ابراہیم علی خاں کے سکوں پر فارسی شعر[1] پایا جاتا ہے۔

راجگان جودھپور کے سکوں پر فارسی اشعار

مارواڑ کی یہ ریاست جو عام طور سے ریاست جودھپور کے نام سے مشہور ہے ۱۴۵۹ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کا بانی راؤ جودھا تھا اور اسی کے نام سے شہر جودھپور موسوم ہوا۔ ان حکمرانوں کا تعلق راجپوتوں کے راٹھور قبیلے سے تھا۔ ان کا ادعا تھا کہ وہ راست رام چندر جی کی نسل سے ہیں۔ ایک عرصے تک دہلی کے مغل حکمرانوں کے زیر تسلط رہنے کے بعد اس خاندان کے ایک حکمران بجے سنگھ نے ۱۷۷۳ء میں اپنے علیحدہ سکے جاری کئے لیکن ان سکوں پر مغل بادشاہ شاہ عالم کے نام کا اندراج بھی ہوا کرتا تھا۔ بجے سنگھ کے جانشینوں بھیم سنگھ مان سنگھ اور تخت سنگھ نے بھی اپنے اپنے سکے جاری کئے لیکن ۱۸۵۸ء کے بعد سکوں پر مغلوں کی بالادستی کی بجائے ملکہ وکٹوریہ کے اقتدار اعلیٰ کا اندراج ہونے لگا تھا۔ تخت سنگھ کے بعد جسونت سنگھ (۱۸۷۳ء) سردار سنگھ (۱۸۹۵ء) اور سومار سنگھ (۱۹۱۱ء) یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے گئے۔ ان حکمرانوں میں سے صرف تخت سنگھ اور جسونت سنگھ کے سکوں پر فارسی اشعار[2] پائے جاتے ہیں۔

---

[1] کیٹلاگ آف دی کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب سوم صفحات ۲۷۲، ۲۷۳، مرتبہ، ڈبلیو ایچ والنٹائن شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن نئی دہلی ۱۹۷۶ء

[2] گنج شایگاں مصنفہ محمد رفیع موہانی عالی مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲۳

اندور کے سکّوں پر فارسی شعر

اندور ایک مرہٹہ ریاست تھی۔ اس کا بانی ملہار راؤ تھا جو علاقہ دکن کی ایک ندی نیرا کے کنارے آباد ہول نامی ایک گاوں کا رہنے والا تھا اور اسی مناسبت سے ملہار راؤ کا خاندان ہولکر کہا جانے لگا۔ ملہار راؤ اکتیس سال کی عمر میں مرہٹوں کے پیشوا کی سلکِ ملازمت میں شامل ہوا اور تین ہی سال کے عرصہ میں اپنی نمایاں خدمات کے صلے میں دریائے نربدا کے شمال میں واقع بارہ پرگنوں کے انعام کا مستحق قرار پایا۔ ملہار راؤ کی مابقی زندگی ترقی اور کامرانی کا ایک شاندار سلسلہ رہی چنانچہ ریاست اندور کا قیام اس کی یادگار ہے۔

اندور کے ہولکر خاندان میں متعدد حکمران گزرے ہیں لیکن سب سے اہم دور اہلیا بائی کا رہا ہے۔ جس نے تیس سال تک حکومت کی اور اپنی رعایا کو خوش حالی اور امن و عافیت کی زندگی سے بہرہ ور کیا۔ ہولکر خاندان کے سکّے اہلیا بائی کے دور ہی سے شروع ہوجاتے ہیں۔ اندور کو اہلیا بائی نے اس خاندان کے بانی ملہار راؤ کی یادگار کے طور پر ملہار نگر کے نام سے موسوم کیا تھا۔ ابتداءً اس خاندان کے مسکوکات سے دہلی کے مغل سلاطین کی بالادستی کا اظہار ہوتا ہے لیکن بعد میں ہندوستان پر برطانیہ کی گرفت مضبوط ہونے پر ہولکر خاندان کی وفاداریاں ملکۂ وکٹوریہ سے وابستہ ہوگئیں۔ ہندوستان کی آزادی تک اس خاندان میں کئی حکمران گزرے لیکن صرف جسونت راؤ (۱۷۹۷ء تا ۱۸۱۱ء) کے سکّوں پر ایک فارسی شعر پایا جاتا ہے۔ جس کا ذکر ڈبلیو ایچ والنٹائن نے اپنی مرتب کردہ کیٹلاگ میں محض نثری عبارت کے طور پر کیا ہے حالانکہ جس سکّے کی تصویر اور تشریح اس نے اپنے کیٹلاگ میں درج کی ہے، اس سے شعر کا پڑھنا اور سمجھنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ صرف ذرا سی توجہ کی ضرورت تھی۔ اس سکّے کے رُخِ اول پر موجودہ عبارت بعینہ درج ذیل کی جاتی ہے۔

۱؎ کیٹلاگ آف دی کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب سوم صفحات ۳۱۵ تا ۳۱۸، ۳۲۳ مرتبہ ڈبلیو ایچ والنٹائن شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن نئی دہلی ۱۹۷۶ء

محمد اکبر
قران ثانی سلطان
حب ۱۲۲۲
صا ازارض تاباختر
ک
زد سکہ مبار

مندرجہ صدر الفاظ کوئی بے ربط عبارت نہیں ہیں بلکہ یہ ایک فارسی شعر ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

زد سکۂ مبارک ازارض تاباختر
صاحب قران ثانی سلطان محمد اکبر

اس شعر کو پڑھنے کے لئے سکّہ پر مندرجہ ایک ایک لفظ سے کام لیا گیا ہے نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے نہ کسی کو متروک کیا گیا ہے۔ سکّے پڑھتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ان پر مندرجہ عبارت کسی کتابی جملے کی طرح نہیں لکھی جاتی بلکہ ایک مختصر اور محدود جگہ میں پوری عبارت کو مناسب طور پر درج کرنے کے لئے الفاظ کو حسب موقع حسن کارانہ انداز میں ڈائی پر کندہ کیا جاتا تھا جس کی ضرب سے سکّے پر مطلوبہ عبارت ابھر آتی تھی۔ مندرجہ صدر شعر کے الفاظ کو بھی اسی طرح ڈائی پر درج کیا گیا ہے۔ جہاں تک اس شعر کا تعلق ہے اس پر مغل بادشاہ محمد اکبر کا نام درج ہے جس کی بالادستی جسونت سنگھ نے تسلیم کی تھی۔ اس سکّے کے دوسرے رُخ پر مہاراجہ جسونت سنگھ کا نام اور مقام ضرب اندور کا اندراج ہے۔

اس منزل پر ہندوستان کے حکمرانوں کے سکّوں پر مندرجہ فارسی اشعار کا تذکرہ اختتام کو پہونچتا ہے۔ آیندہ صفحات میں ایران، افغانستان اور ماوراالنہر کے حکمرانوں کے سکّوں پر مندرجہ فارسی اشعار کا ذکر کیا جائیگا۔

ایران

صفوی خاندان کے حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار

خلافت عباسیہ کے آخری دور میں مختلف علاقوں کے صوبائی گورنر مرکز کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے علاقوں میں علم بغاوت بلند کرنے لگے تھے۔ لیکن ان نے اس بات کا ضرور خیال رکھا کہ برائے نام ہی سہی خلفا کی بالادستی کو اپنے خطبوں سکّوں میں ظاہر کیا جائے۔ ایسے گورنروں میں کچھ تو عرب النسل تھے اور کچھ عجمی نژاد مگر سب عربی تہذیب و تمدن میں رنگے ہوئے تھے لہذا ان کے سکّوں پر جو عبارات درج ہو کرتی تھیں وہ عربی زبان کی ہوتی تھیں۔

بغداد پر منگولوں کے حملے کے بعد خلافت عباسیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا مگر منگول خلافت عباسیہ کے پورے حدود مملکت کو اپنے زیر تسلّط لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مصر اور شمالی افریقہ کے ممالک ان کی دسترس سے باہر ہی رہے۔ ادھر عجم میں نئی نئی طاقتیں ابھر رہی تھیں۔ ایشیائے کوچک میں ترک ایک نئی طاقت بن کر سر اٹھا رہے تھے۔ بالآخر ترکوں نے عثمانی خلافت کی صورت میں بلاد اسلامیہ کے اصل مراکز کو اپنے زیر نگیں کر لیا لیکن وہ بھی عجمی علاقوں میں اپنے اثرات دور تک نہ پھیلا سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عثمانی ترک

سُنی العقیدہ تھے اور ایران کے علاقوں میں شیعہ کثرت سے آباد تھے۔ دراصل یہ دور من حیث المجموع اسلامی ممالک کی بالادستی حاصل کرنے کی کوششوں کا آئینہ دار تھا۔ ایک طرف ترک اس کے مدعی تھے تو دوسری طرف ایران میں اُبھرتی ہوئی صفوی خاندان کی ایک نئی طاقت اس کی دعویدار تھی اور ایک تیسرے گوشہ میں ہندوستان کے مغل حکمران جن کی بہتر نمایندگی شہنشاہ اکبر نے کی اس کوشش میں لگے رہے کہ اسلامی ممالک کی بالادستی نہ سہی کم از کم خود کو ترکوں اور ایرانیوں کے روز افزوں اثرات سے آزاد رکھیں۔

بلادِ عجم میں دسویں صدی ہجری میں اسمٰعیل اول نے ۹۰۷ھ م ۱۵۰۲ء میں صفوی خاندان کی بناڈالی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسمٰعیل اول کے مورث اعلیٰ شیخ صفی الدین تھے جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم سے جاملتا ہے اور اسی نسبت سے یہ خاندان صفوی کہلانے لگا، اسمٰعیل نے تبریز کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس خاندان نے ۹۰۷ھ تا ۱۱۴۸ھ م ۱۵۰۲ء تا ۱۷۳۶ء پورے ایران پر حکومت کی، جہاں تک سکّوں کا تعلق ہے صرف اسمٰعیل اول کے سکّوں پر منظوم عربی دعائے نادعلی کا اندراج پایا جاتا ہے، اسمٰعیل اول کے بعد صفوی خاندان کے حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ فارسی زبان جو صدیوں سے ایران اور اس کے اطراف وجوانب میں نہ صرف رائج تھی بلکہ اس نے ایک کلاسیکی زبان کا درجہ حاصل کرلیا تھا اور جس نے فردوسی، انوری اور سعدی جیسے شہرۂ آفاق شاعر پیدا کر لئے تھے صفوی خاندان سے پہلے سکّوں پر جگہ نہ پاسکی تھی، سکّوں پر فارسی اشعار کے اندراج کا سہرا تو ہندوستان کے سر باندھا جاتا تھا اور جیسا کہ پچھلے اوراق میں بیان کیا جاچکا ہے صفوی خاندان کے حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار کے اندراج کی تاریخ سے کم وبیش سو سال پیشتر ہندوستان کے علاقہ گجرات کے بادشاہ محمد شاہ ثانی نے اپنے سکّوں پر فارسی شعر کے اندراج کی طرح ڈال دی تھی۔

گجرات ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع ہے اور بحیرہ عرب کے توسط سے ایران، خلیجی ممالک، اور جزیرہ نمائے عرب سے مربوط ہے۔ کئی صدیوں سے سمندری راستوں کے ذریعہ ان ممالک سے ہندوستان کی تجارت ہوا کرتی تھی۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ سلطان محمد شاہ والی گجرات کے ایسے سکّے جن پر فارسی شعر درج تھا ضرور ایران پہونچے ہوں گے جنھیں

دیکھ کر ایرانی حکمرانوں کو بھی اپنے سکوں پر فارسی شعر کے اندراج کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔

صفوی خاندان کے حسب ذیل حکمرانوں سے سکوں پر فارسی اشعار پائے گئے ہیں

۱۔ اسمٰعیل ثانی
۲۔ محمد خدا بندہ
۳۔ عباس اول
۴۔ صفی اول
۵۔ عباس ثانی
۶۔ سلیمان اول (صفی ثانی)
۷۔ حسین اول
۸۔ طہماسپ ثانی
۹۔ احمد
۱۰۔ عباس ثالث
۱۱۔ سام
۱۲۔ سلیمان ثانی
۱۳۔ حسین ثانی
۱۴۔ محمد

متذکرۂ صدر حکمرانوں میں سب سے اہم شخصیت شاہ عباس ثانی (۱۵۸۷ء تا ۱۶۲۹ء) کی تھی۔ اس نے سر انتھونی شرلی[1] کی اعانت سے ایرانی فوج کو منظم کیا اور بعض مغربی صوبوں کو عثمانی ترکوں کی عملداری سے آزاد کرا لیا۔ شاہ عباس کے دور حکومت میں علم و ہنر کو بہت زیادہ فروغ ہوا۔ تعمیرات عامہ کو ترقی ہوئی اور بیرونی دول کے ساتھ خوشگوار تعلقات بھی قائم ہوئے۔

---

[1] مسلمان شاہی خاندان اور اُن کے سلسلے مولفہ اسٹینلی لین پول مترجمہ محمد عبدالرحمٰن خاں سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۱۳۶ صفحہ ۲۷۲

حقیقی معنوں میں شاہ عباس کا تقابل اس کے ہم عصر عثمانی خلیفہ سلیمان اعظمؒ ہندوستان کے شہنشاہ اکبر اور انگلستان کی ملکہ ایلزبیتھ اول کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اس خاندان کے دیگر سلاطین شاہ عباس کے مرتبہ تک تو نہ پہونچ سکے لیکن بہرحال انہوں نے ایک صدی اور ایران پر حکومت کی جو بالآخر تفرق وتشتت کا شکار ہو کر ختم ہو گئی۔ صفوی خاندان کے حکمرانوں کے سکوں پر جو اشعار پائے جاتے ہیں اُن سے اُن کے شیعی مسلک کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

••

خاندان افاغنہ کے سکوں پر فارسی اشعار

یہ حکمران اگرچہ نسلاً سادات تھے مگر اغلب ہے کہ وطنیت کی نسبت سے افاغنہ کے نام سے شہرت پائی۔ صفوی حکمرانوں کے دورِ انحطاط میں اس خاندان کے بانی میر اویس نے ایران کے شمال مشرق میں علم بغاوت بلند کر کے اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ پھر اس کے بیٹے میر محمود نے ۱۷۲۲ء میں ایران کے صفوی حکمران حسین کو شکست دے کر ہرات و مشہد پر اور پھر ایران کے پائے تخت اصفہان پر قبضہ کرلیا۔

میر محمود کے بعد اس کا جانشین میر اشرف ہوا جو اس خاندان کا آخری حکمران بھی تھا اور افاغنہ کی حکومت کا یہ مختصر دور ۱۷۲۹ء میں اختتام کو پہونچا۔ افاغنہ مسلک کے سنی العقیدہ تھے جس کا اظہار اُن کے سکوں پر مندرجہ اشعار سے ہوتا ہے۔

افشاری خاندان کے سکّوں پر فارسی اشعار

افشاری خاندان کا بانی نادر قلی افشاری ترک تھا جس نے صفوی خاندان کے آخری
ور میں افاغنہ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر ماژندران میں صفویوں کے بچے کھچے اقتدار کے دعویدار
مدد کے بہانے خود ہی نادر شاہ کے لقب سے ۱۷۳۶ء م ۱۱۴۸ھ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا
ر رفتہ رفتہ اتنی طاقت جمع کر لی کہ پورے ایران، افغانستان اور ماوراء النہر کے وسیع علاقوں پر اپنا
م لہرا دیا۔

نادر شاہ کی ہوسِ ملک گیری نے اس کو ہندوستان پر حملہ کرنے سے بھی باز نہ رکھا
چہ نادر شاہ نے صرف بارہ سال تک حکومت کی لیکن یہ مختصر دور بھی مہم پسندیوں اور معرکہ آرائیوں سے
را ہوا ہے۔ ایران کے مغرب میں اقطاع عرب کی جانب نادر شاہ نے رخ نہیں کیا لیکن ایران کے
ل میں روس کے بیشتر جنوبی علاقے اس کے زیر نگین آ چکے تھے۔ ہندوستان پر نادر شاہ نے
۱۷۳۹ء م ۱۱۵۱ھ میں حملہ کیا اور لاہور سے ہوتے ہوئے مغل فوجوں کو شکست دے کر دلی تک
نچ گیا جہاں اس کے قتل عام کی داستان تاریخ کے صفحات پر ایک بدنما داغ ہے۔ اب نادر شاہ
لکت دریائے سندھ سے کوہ قاف تک پھیل چکی تھی۔ اس نے غالباً اسی وجہ سے اپنے سکّوں پر جب
شعر درج کروایا تھا۔

ہست سلطان بر سلاطین جہاں
شاہ شاہان نادر صاحب قران

لیکن اس عظیم المرتبت حکمران کی موت افشاری خاندان کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی
شاہ کے بعد اس خاندان میں تین اور حکمران گزرے ہیں لیکن وہ اس عظیم ورثہ کے اہل نہ تھے جو نادر شاہ
ھوڑا تھا۔ اس خاندان کا اقتدار رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوتا گیا۔ نادر شاہ کے بعد عادل شاہ اور ابراہیم
ت حکومت پر آئے اور ان دونوں کے بعد شاہ رخ بادشاہ بنا جس کے عہد حکومت میں ۱۷۹۶ء م

سنہ ۱۲۱۰ھ میں اس خاندان کا چراغ گل ہوگیا۔

افشاری حکمران شیعہ مسلک کے حامل تھے، اور ان کے سکّوں پر جو اشعار پائے جاتے ہیں، اُن سے اسی عقیدے کا اظہار ہوتا ہے۔ افشاری خاندان کے زوال کے بعد ایران کی وسیع و عریض مملکت کئی مہم پسندوں کے درمیان منقسم ہوگئی، حتیٰ کہ اسی نراجی کیفیت کے دوران آزاد خاں نامی ایک باغی سردار نے تک آذربائیجان کے علاقہ میں اپنے نام کے سکے جاری کروائے جن پر فارسی شعر درج ہے

زند خاندان کے سکّوں پر فارسی اشعار

افشاری خاندان کے دورِ زوال میں کریم خاں زند اور محمد حسین قاچار کے درمیان حصولِ اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ محمد حسین قاچار استر آباد کا حاکم بن بیٹھا تھا اور کریم خان زند مابقی ایران کی حاکیت کا دعویدار تھا۔ بالآخر کریم خاں زند کی جیت ہوئی اور اس نے ۱۷۵۰ء میں پوری سرزمین ایران پر باستثناء خراساں اپنا تسلط قائم کر لیا۔ کریم خاں کے فوت ہونے کے بعد اس کے جانشینوں اور قاچاروں کے درمیان برسوں معرکہ آرائی رہی جس کے نتیجہ میں آقا محمد قاچار غالب آیا اور زند خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

زند خاندان کے حکمرانوں میں صرف کریم خاں زند کے سکّوں پر فارسی شعر کا اندراج پایا جاتا ہے، اس خاندان کا دورِ حکومت ۱۷۵۰ء تا ۱۷۹۴ء م ۱۱۶۳ھ تا ۱۲۰۹ھ رہا ہے۔

قاچار حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ افشاری خاندان کے زوال کے بعد طوائف الملوکی کے د
میں قاچار اور زند حصولِ اقتدار کے لئے آپس میں دست و گریباں رہے، محمد حسین قاچار نے استرآبا
پر تو قبضہ کر ہی لیا تھا مگر کریم خاں زند کے حین حیات وہ اپنے حدود مملکت میں کوئی قابل لحاظ توسیع نہ کر
تھا، کریم خاں کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں اور قاچاروں میں کشمکش جاری رہی اور نتیجۃً
ناصر الدین شاہ قاچار کو فتح نصیب ہوئی اور اس نے تہران کو اپنا پائے تخت بنا کر ایک زیادہ مستحکم حکومت
قائم کر لی۔

قاچاروں میں مندرجہ ذیل حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔

۱. محمد حسین قاچار
۲. آقا محمد قاچار
۳. فتح علی شاہ قاچار
۴. محمد حسن خاں سالار
۵. ناصر الدین شاہ قاچار

قاچار حکمران بھی شیعی مسلک کے حامل تھے جس کا اظہار ان کے سکّوں سے ہوتا ہے

افغانستان

درّانی خاندان کے سکّوں پر فارسی اشعار

افغانستان اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ زمانۂ ماقبل تاریخ سے ہی یہ علاقہ ان اقوام کی ایک گذرگاہ رہا ہے جو وسط ایشیاؔ، یوروپ یا مغربی ایشیاؔ سے ہندوستان کی طرف آتی رہیں۔ پہلے تو آریائی اقوام اسی راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوئیں پھر سکندر اعظم بھی اسی راستہ سے آیا۔ اگرچہ وہ اصل سرزمین ہند میں داخل نہ ہو سکا لیکن اس کے سرداروں کی حکومت نہ صرف افغانستان بلکہ شمال مغربی ہندوستان کے وسیع علاقوں پر عرصے تک قائم رہی، پھر کشان آئے اُن کے بعد ہُنوں نے اسی راستے سے ہندوستان پر یلغار کی، طلوعِ اسلام کے بعد خلافت راشدہ کے دَور میں عرب افغانستان میں داخل ہو چکے تھے، پھر غزنویوں اور غوریوں نے افغانستان ہی سے آگے بڑھ کر ہندوستان پر یورش کی، ان بیرونی مہم پسندوں میں ظہیر الدین بابر نے سولہویں صدی عیسوی میں افغانستان ہی کے راستے ہندوستان کا رُخ کیا اور سب سے آخر میں نادر شاہ نے افغانستان سے جو اس کی مملکت کا ایک حصہ تھا آگے بڑھ کر ہندوستان پر حملہ کیا۔

کئی صدیوں کی تاریخ کا یہ اجمالی خاکہ اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ نادر شاہ کے عہد تک افغانستان میں کوئی مستحکم مقامی حکومت قائم نہ ہو سکی تھی کبھی یہ علاقہ ایرانیوں کے زیر اثر رہا تو کبھی یونانیوں

کے زیر اقتدار کبھی عرب اس پر قابض رہے تو کبھی مغول اور ترک۔ کچھ عرصہ کے لئے ہندوستا
کے مغل حکمرانوں کا بھی اس علاقہ پر تسلط رہا۔ پھر صفوی حکمرانوں نے اس علاقہ کو اپنی سلطنت میں شا
کرلیا۔ صفویوں کے زوال کے بعد نادر شاہ نے افغانستان پر اپنا اقتدار جمالیا۔

نادر شاہ کی موت کے بعد احمد خاں افغان جو درّانی قبیلہ کا ایک معزز سردار اور ناد
کی فوج میں ایک بلند مرتبہ سپہ سالار تھا بڑی دور اندیشی سے کام لے کر نادر شاہ کی وسیع مملکت کا
بٹنے کے بجائے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے وطن افغانستان کو ایران کی سلطنت سے علیحدہ کر کے اس کو ایک
آزاد مملکت کی حیثیت دے دی جائے۔ اس طرح تاریخ میں پہلی بار افغانستان کو ایک مقامی خود مختا
حکمران نصیب ہوا۔

احمد شاہ نے افغانستان کو ایران سے علیحدہ کر کے ۱۷۴۷ء میں دُرّانی خاندان کی
حکومت کی بنیاد رکھی۔ احمد شاہ کی فراست اور اس کے تدبّر کا ایک اور ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ا
نے افغانستان کے ایک اور طاقتور قبیلے بارق زائی (بارک زائی) کے سرداروں سے اس شرط پر صلح کرلی
ان کے قبیلے کا ایک با اثر فرد ہمیشہ عہدۂ وزارت پر فائز رہے گا۔ چنانچہ بارق زائی قبیلے کے سردار جمال خاں
نے اپنا وزیر بنالیا اور احمد شاہ کے بعد یہ سلسلہ کم و بیش سو سال تک جاری رہا۔ احمد شاہ کی فوجی صلاحیت بھی
مسلمہ تھی اس نے ہرات اور خراساں کو ایرانیوں کے اثر سے آزاد کرالیا تھا اور ہندوستانی علاقوں پر بھی
بار فوج کشی کی اور بالآخر ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں ہندوستانی افواج کو بڑی طرح شکست دے کر
سندھ، پنجاب اور کشمیر کے بیشتر علاقوں کو سلطنت افغانستان میں شامل کرلیا۔

اسی دوران ہندوستان کے علاقۂ پنجاب میں سکھوں کی ایک نئی طاقت ابھر رہی تھی جو
بتدریج اپنی قوت میں اضافہ کرتے کرتے اٹھارویں صدی عیسوی کے ختم ہونے سے پہلے ہی پنجاب کے ما
بن بیٹھے تھے۔ احمد شاہ دُرّانی کے انتقال کے بعد اس کی ہندوستانی مقبوضات آہستہ آہستہ سکھوں کے
قبضے میں چلی گئی تھیں۔ ادھر افغانستان میں دُرّانی خاندان پر ایک نئی افتاد یہ آن پڑی کہ احمد شاہ نے
بارق زائیوں سے انہیں عہدۂ وزارت پر مستقلاً فائز رکھنے کے بارے میں جو معاہدہ کیا تھا وہ ایک صدی
تک تو برقرار رہا لیکن بعد ازاں احمد شاہ کے جانشینوں نے بارق زائیوں سے نظریں پھیر لیں اور انہیں عہدۂ
وزارت سے ہٹانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ جب ان کوششوں میں کامیابی نہ ہوئی تو درّانیوں نے وزیر وقت

فتح خاں بارک زائی کو ۱۸۱۸ء میں اندھا کر کے قتل کر دیا۔ یہ سانحہ افغانستان میں دُرّانی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنا۔ اب بارک زائی اُٹھ کھڑے ہوئے اور چند سال کی نزاعی کیفیت کے بعد انہوں نے فتح خاں کے بھائی دوست محمد خاں کی قیادت میں افغانستان پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

دُرّانی خاندان میں حسب ذیل حکمرانوں کے سکّوں پر فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔

۱. احمد شاہ دُرّانی
۲. سلیمان شاہ
۳. تیمور شاہ
۴. ہمایوں شاہ
۵. زماں شاہ
۶. محمود شاہ
۷. شاہ شجاع
۸. قیصر شاہ
۹. نورالدین شاہ
۱۰. ایوب شاہ
۱۱. کامران شاہ
۱۲. شہپور شاہ

جہاں تک ان حکمرانوں کے سکّوں پر مندرجہ اشعار کو صحت کے ساتھ پڑھنے کا تعلق ہے یہ امر باعث حیرت ہے کہ وائٹ ہیڈ جیسے گراں پایہ ماہر مسکوکات قدیمہ نے بھی اس بارے میں شدید غلطیاں کی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱. سلیمان شاہ دُرّانی کے سکہ پر مندرجہ شعر کو وائٹ ہیڈ نے اس طرح پڑھا ہے

سکہ زد بر سیم و زر چوں مہر و ماہ
سلیمان بادشاہ ابن احمد شاہ

اصل میں یہ شعر اس طرح ہے

سکہ زد بر سیم و زر چوں مہر و ماہ
ابن احمد شہ سلیمان بادشاہ

۲۔ تیمور شاہ درّانی کے سونے اور چاندی کے سکّوں پر مندرجۂ ذیل شعر درج ہے

بحکم خدا و رسول انام
بزد سکہ تیمور شاہ نظام

تیمور شاہ کے سونے کے سکّوں پر اس شعر کے ساتھ لفظ "بزر" اور چاندی کے سکوں پر لفظ "بسیم" بھی درج ہوتا تھا جس کو وائٹ ہیڈ نے اپنی نادانستگی سے مصرعۂ ثانی کا جزو سمجھ لیا اور یہ نہ سوچا کہ ان الفاظ کے اضافہ سے مصرعۂ مذکور ساقط البحر ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہمایوں شاہ درّانی کے سکّوں پر مندرجہ شعر کو بھی وائٹ ہیڈ نے اس طرح پڑھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

سیم و زر در جہاں شد روشن تر از خورشید و ماہ
تا کہ بر او نقش شد نام ہمایوں بادشاہ

یہ شعر دراصل اس طرح ہے۔

در جہاں شد سیم و زر روشن تر از خورشید و ماہ
تا کہ بر او نقش شد نام ہمایوں بادشاہ

۴۔ زماں شاہ درّانی کے ایک سکہ پر حسب ذیل شعر درج ہے۔

بزد سکہ بر زر بحکم الٰہی
زماں شاہ شاہ یمین و یساری

اس شعر کو بھی وائٹ ہیڈ نے غلطی سے اس طرح پڑھا ہے

سکہ زد بر سیم و زر بحکم الٰہی
زماں شاہ شاہ یمین و یساری

۵۔ محمود شاہ درّانی کے سکّوں پر یہ شعر درج ہے

سکۂ دولت سلطان محمود

حسنِ دیگر بزر و سیم فزود

اس شعر کو صحیح طریقہ سے پڑھنے میں نہ صرف وائٹ ہیڈ نے غلطی کی ہے بلکہ اس کے دو پیشرو لانگ ورتھ ڈیمز اور راجرس بھی اس خصوص میں ناکام رہے ہیں۔ اس شعر کے مصرعۂ ثانی کا لفظ "حُسن" کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس لفظ کو صحیح نہ پڑھا جائے تو شعر کا مطلب خبط ہو کر رہ جاتا ہے لانگ ورتھ ڈیمز اور راجرس نے اس لفظ کو "خسرو" پڑھ کر یہ تعبیر کی ہے کہ سلطان محمود نے خود کو ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کا ثانی قرار دیا ہے۔ وائٹ ہیڈ نے ان دونوں کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے کہ وہ لفظ "خسرو" نہیں بلکہ "حَسَن" ہے اور اس کی توجیہہ یوں کی ہے کہ سلطان محمود خود کو سبطِ نبی امام حَسَن کا ثانی قرار دیتا ہے۔ متذکرہ صدر دونوں تاویلات یوں غلط ٹھرتی ہیں کہ اصل لفظ کو صحیح طریقہ سے پڑھا ہی نہیں گیا وہ لفظ خسرو ہے نہ حسن۔ قطع نظر اس امر کے کہ اس لفظ کو خسرو یا حَسن پڑھنے سے مصرعہ ساقط البحر ہو جاتا ہے اور مصرعہ کی معنویت بھی چیستاں بن جاتی ہے۔ فی الحقیقت یہ لفظ "حُسن" ہے اور پورے شعر کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ سلطان محمود کی سلطنت کے سکے کا ٹھپہ پڑنے سے سونے اور چاندی میں ایک نئے حُسن کا اضافہ ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے بھی غلط پڑھے جانے سے بات کہاں سے کہاں پہونچ جاتی ہے اور صحیح مطلب تک رسائی کس قدر دشوار ہو جاتی ہے۔

●●

بارق زائی خاندان کے سکّوں پر فارسی اشعار

پچھلے اوراق میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ۱۸۱۸ء میں بارق زائی خاندان کے وزیر فتح خاں کے
ے بعد افغانستان کا دوسرا با اثر قبیلہ بارق زائی بھڑک اٹھا اور اس کی آتش انتقام درّانی خاندان کے
ال کا باعث ہوئی۔ بارق زائیوں نے دوست محمد خاں کو اپنا امیر تسلیم کر کے افغانستان میں بارق زائی خاندان
آزاد حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس زمانے میں افغانستان برطانوی ہند، روس اور ایران کی حکومتوں کی سازشوں
کار بن رہا تھا۔ امیر دوست محمد خاں کی نسبت انگریزوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید وہ روس کے جال میں پھنس
ہے، چنانچہ انہوں نے افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جس کے نتیجہ میں انگریزوں کو ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۲ء
لڑائیوں میں بڑی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اب انہوں نے درّانی خاندان کی بچی کھچی مقبوضات پر ایک
تپلی حکمران شاہ شجاع کو ڈھونڈ نکالا اور اس کو سر ولیم میکناٹن برطانوی رزیڈنٹ کی معیّت میں کابل میں
بٹھایا، دوست محمد خاں نے اس صورت حال سے پریشان ہو کر خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ تاہم دوست
مد خاں کے بیٹے اکبر خاں نے بارق زائیوں کی طرف سے مقاومت جاری رکھی اور میکناٹن اور برنیز کی سولہ
زار سپاہیوں پر مشتمل فوج کو اپنی حکمت عملی سے ایسی زبردست شکست دی کہ اس فوج کا صرف ایک سپاہی
ندہ بچا اور اسی نے یہ داستان انگریزوں کو سنائی

انگریزوں کی اس ہزیمت کے بعد امیر دوست محمد خاں دوبارہ اقتدار پر آگیا، امیر دوست
مد خاں نے اس فتح اور اقتدار پر اپنی واپسی کے بعد اجرا کردہ اشرفیوں پر اس واقعہ کو مندرجہ ذیل شعر کی
ورت میں بیان کیا ہے۔

بزد زمین عنایات خالق اکبر
امیر دوست محمد دوبارہ سکّہ زر

---

۱ مسلمان شاہی خاندان اور ان کے سلسلے مولفہ اسٹینلی لین پول مترجمہ محمد عبد الرحمٰن خاں سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مطبوعہ
یدرآباد دکن، سنہ مطبوعات ادارہ ادبیات اردو شمارہ ۱۳۶ صفحات ۳۶۲، ۳۶۳ .

امیر دوست محمد خاں کے بعد امیر شیر علیؔ امیر محمد افضل اور امیر محمد اعظم کے سکّوں پر بھی فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ امیر محمد اعظم کے بعد امیر عبدالرحمٰن خاں اور پھر امیر حبیب اللہ خاںؔ امان اللہ خاںؔ نادر شاہ اور ظاہر شاہ بادشاہ ہوئے لیکن ان میں سے کسی کے سکّوں پر فارسی اشعار نہیں پائے جاتے۔

افغانستان ہی میں بارق زائی خاندان کی حکومت کے قیام سے پہلے جو نراجی کیفیت رہی اس کے دوران ایک باغی سردار محمد جان نے بھی اپنے سکّے چلائے تھے جن پر حسب ذیل فارسی شعر درج تھا جس میں اس دور کی صحیح تصویر کھینچی گئی ہے

می کنم دیوانگی تا بر سرم غوغا شود
سکّہ بر زر می کنم تا صاحبش پیدا شود

••

خانانِ خوقند کے سِکّوں پر فارسی شعر

ماوراالنہر کے اس خاندان کی حکومت سنہ ۱۷۰۰ء تا سنہ ۱۸۷۶ء م سنہ ۱۱۱۲ھ تا سنہ ۱۲۹۳ھ فرغانہ میں قائم تھی۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ شاہ رُخ بیگ چنگیز خاں کی نسل سے تھا۔ اس کے جانشینوں میں ایک حکمران نربوتا نے سنہ ۱۸۰۸ء میں تاشقند کے علاقے کو بھی اپنی حکومت میں ضم کر لیا۔ اپنے آخری دور میں اس خاندان کے حکمران بہت کمزور ہو گئے تھے اور نتیجتاً سنہ ۱۸۷۶ء میں زار روس نے ان کے علاقے کو اپنی عظیم مملکت میں شامل کر لیا۔

یوں تو اس خاندان میں سترہ حکمران ہوئے ہیں اور ان سبھوں کے سکے بھی دستیاب ہیں' لیکن فارسی شعر کا اندراج اس خاندان کے دسویں حکمران محمد علی کے سِکّوں پر پایا گیا ہے' جس میں اس نے اپنا نام ولدیت اور مقام ضرب کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

بفرغانہ زد سکّہ بر سیم و زر
محمد علی ابن عازی عمر

سِکّوں پر اشعار

سنسکرت

سمدراگپتا

معمولی وزن کی عام اشرفیاں

۱۔ سمرشت وی تت وجیو
جی تریپورہ جتو دِوم جیتی

۲۔ راجا ادِھراجہا پرتھوی موتوا
دِوم جیتی ہری تا دا جمیدھا

۳۔ کرتانت پرسورجیت
یحت راجاجیت جیتھا

۴۔ اپرتی رتھو وجتی کشتم
سوچریتر دِوم جیستی

کاچاگپتا

کچو گاما وجتی دِوم
کرمابھر تمائر جیتی

چندراگپتا ثانی

۱۔ سشتی موجتی سوچا
ریتائر دِوم جیشتی،
وکرم دیتیھا

۲. نریندرا چندرھا
پرتھتا رنوریئے جیتی جیو
بھوی سمھا وکرمھا

کماراگپتا

۱. وجتا ونی رونی پتھی
کماراگیتو دِوم جیتی

۲. گیت کولا دیوم شتی
جیتی بے یوجت ہیندرھا

۳. گیت کولا ملا چندرو
ہیندرا کرما جتو جیتی

۴. پرتھوی تلیشوریندرھا
کماراگپتو جیتی (جیتا)

۵. چھتریو کمارگپتو
راجہ ترا تا جیتی ریم

اسکندگپتا

۱. وجتا ونی رونی پتھی سری
سکندگپتو دِوم جیتی

عربی

ہارون الرشید عباسی

ایک سو ایک دیناروں کے مماثل ایک دینار

رُخ اول

۱۔ وأصفرُ من ضربِ دارِ الملوك
يلوحُ على وجهِهِ جعفرا

رخ ثانی

۲۔ يزيد على مائةٍ واحداً
اذا ناله معسرٌ يتيسرا

زیادۃ اللہ ثالث اغلبی

دس دیناروں کے مماثل ایک دینار

رخ اول

۱۔ يا سائراً نحو الخليفةِ قُل لهُ
اِن قد كفاك اللهُ امرك كلّهُ

۲۔ بزيادةِ اللهِ ابنِ عبدِ اللهِ سيـ
ـف اللهِ مِن دُونِ الخليفة سَلّهُ

رخ ثانی

۳۔ ما اِن يَرىٰ لك بالخلاف منافق
الّا استباح حريمهُ واذلّهُ

۴. مَن لَا یَرىٰ لك طَاعَةً فاللهُ قَد
اَعماهُ عَن طُرُقِ الهُدىٰ وَاَضلَّهُ

فخر الدولہ بُویہی

ایک ہزار دیناروں کے مماثل ایک دینار

ایک ہی رخ پر

۱. واَحمرُ یحکی الشمسَ شکلاً وصورةً
فاوصافهُ مُشتقةٌ مِن صِفَاتِهِ

۲. فَاِن قیل دینارٌ فقد صَدق اسمهُ
واِن قیلَ الفٌ کان بعض سَماته

۳. بَدیعٌ ولم یُطبعْ علی الدهرِ مِثلهُ
ولَا ضُربت اضرابه لِسراتهِ

۴. فقد ابرزتهُ دولةٌ فلکیةٌ
اقام بها الاقبالُ صدرَ قناتهِ

۵. وصار الی شاهنشاه انتسابهُ
علی انهٗ مُستصغرٌ لِعُفاتهِ

۶. یُخَیِّرُ ان یبقی سنین کوَزنهِ
لتستَبشرَ الدنیا بطولِ حیاتهِ

۷. تَانَّقَ فیه عبدهٗ وابنُ عبدِهِ
وغرسُ ایادیه وکافی کُفاتهِ

اسمٰعیل اول صفوی

عام روپے

۱. ناد علیاً مظہر العجائب
تجدہ عوناً لک فی النوائب

۲. کل ہم وغم سینجلی
بولایتک یا علی یا علی یا علی

فارسی

محمد شاہ ثانی (گجرات)

تانبے کے سکے

۱۔ تا بدار الضرب گردوں قرص مہر و ماہ باد
سکۂ سلطاں غیاث الدیں محمد شاہ باد

بہادر شاہ (گجرات)

تانبے کے سکے

۱۔ ہر کرا روی و رواجے ہست بر سطح زمیں
سکۂ اقبال شاہ ہند دارد بر جبیں

حسن شاہ (کشمیر)

عام اشرفیاں

۱۔ نگین خاتم ملک سلیماں
حسن شاہ ابن حیدر شاہ سلطاں

فتح شاہ (کشمیر)

عام اشرفیاں

۱۔ مہر دولت کہ مملکت گیر است
سکۂ فتح شاہ کشمیر است

ابراہیم عادل شاہ ثانی (بیجاپور)

تین تولے کی اشرفیاں

۱۔ نورس مہر عادل شاہی
جگت گرو داد الہی

محمد عادلشاہ (بیجاپور)

تانبے کے سکے اور چھوٹی اشرفیاں

۱۔ جہاں ز ایں دو محمد گرفتہ زینت و جاہ
یکے محمد مرسل دوم محمد شاہ

محمد قلی قطب شاہ (گولکنڈہ)

تانبے کے سکے

۱۔ تعیر دہ فلوس شاہی
پیوستہ بلعنت الہٰی

شہنشاہِ اکبر

ایک سو تولے کی اشرفی

رخِ اول

۱۔ خورشید کہ ہفت بحر از و گوہر یافت
سنگ سیہ از پرتو آں جوہر یافت
کان از نظر تربیت او زر یافت
واں زر شرف از سکہ شہ اکبر یافت

رخِ ثانی

۲ ایں سکہ کہ پیرایۂ امید بود
با نقشِ دوامِ نامِ جاوید بود
سیمائے سعادتش ہمیں بس کہ بدہر
یک ذرہ نظر کردۂ خورشید بود

پچاس تولے کی اشرفی

۳ ایں نقد رواں گنج شاہنشاہی
با کوکب اقبال کند ہمراہی
خورشید بہ پرورش ازاں رو کہ بدہر
یابد شرف از سکۂ اکبر شاہی

پچیس تولے کی اشرفی

۴ ایں سکہ کہ دست بخت را زیور باد
پیرایۂ نہ سپہر و ہفت اختر باد
زرین نقدیست کار ازو چوں زر باد
در دہر رواں بنام شہ اکبر باد

عام وزن کی معمولی اشرفیاں اور روپے

۵ سعادت یافت دینار جلالی
ز مہر نام اکبر شاہ عالی

۶ زر است از مہر اکبر بادشاہ نور
برآں زر نام شہ نورعلی نور

۷ تا زمین و آسماں را مہر انور زیور است
مہر مُہر شاہ اکبر آبروے ایں زر است

۸ ہمیشہ ہمچو زر مہر و ماہ رائج باد
بغرب و شرق جہاں سکۂ الہ آباد

۹ ہمیشہ چوں زرِ خورشید و ماہ رائج باد
بغرب و شرق جہاں سکۂ الہ آباد

۱۰ رواج سکۂ اللہ اکبر
بود با قلعۂ باندھو برابر

۱۱ سکۂ بنگالہ زاں دلخواہ شد
کا برویش ضرب اکبر شاہ شد

شہنشاہ جہانگیر

ایک ہزار تولے کی اشرفی

رُخ اول

۱ ہزار گونہ شرف یافت روی سکہ و زر
زنقش نام جہانگیر شاہ شاہ اکبر
عجب نباشد اگر زار زوے سکۂ او
بسکہ خانہ اش آمد ز آسماں اختر

رخ ثانی

۲ زفیض دیدن مہر ہزار تولچہ اش
ہزار بار ببالد ز ذوق نور نظر
بنام نامی او باد سکّہ و خطبہ
بدہر تا بود از سکّہ و ز خطبہ اثر

پانچ تولے کی اشرفی

رخ اول

۳ از شاہ جہانگیر بود دورِ زماں
در آگرہ ز نام اوست زر نور فشاں

رخ ثانی

۴ تا ہست نشان پنج نوبت بجہاں
ایں سکۂ پنج مہریش باد رواں

معمولی وزن کی عام اشرفیاں اور روپے

۵
حروف جہانگیر و اللہ اکبر
ز روزِ ازل در عدد شد برابر

۶
مالک الملک سکہ زد بر زر
شاہِ سُلطاں سلیم شہ اکبر

۷
قضا بر سکہ زر کرد تصویر
شبیہ حضرت شاہ جہانگیر

۸
بخط نور بر زر کلک تقدیر
رقم زد شاہ نور الدیں جہانگیر

۹
روی زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ
شاہ نورُ الدیں جہانگیر ابنِ اکبر بادشاہ

۱۰
ساخت روی زر ز نور سکہ یکسر مہر و ماہ
شاہ نورُ الدیں جہانگیر ابنِ اکبر بادشاہ

۱۱
شد چو نور زیں سکہ نورانی جہاں
آفتاب مملکت تاریخ آں

۱۲
تا زند از نام جہانگیر شاہ
سکہ بود نورُ دہِ مہر و ماہ

۱۳ بهفت کشور این زر همیشه باد روان
ز نقش نام جهانگیر بادشاه زمان

۱۴ بروی سکهٔ زر داد چندین زینت و زیور
شبیه شاه نور الدین جهانگیر ابن شه اکبر

۱۵ بحکم شاه جهانگیر یافت صد زیور
بنام نور جهان بادشاه بیگم زر

۱۶ سکه زد در شهر کابل خسرو گیتی پناه
شاه نور الدین جهانگیر ابن اکبر بادشاه

۱۷ همیشه باد ز دارالعباد حی و قدیم
رواج سکهٔ کابل بنام شاه سلیم

۱۸ سکهٔ قندهار شد دلخواه
از جهانگیر شاه اکبر شاه

۱۹ بدهر باد روان تا فلک بود در دور
بنام شاه جهانگیر سکهٔ لاهور

۲۰ بحکم شاه جهانگیر سکهٔ لاهور
ز نام نور جهان بادشاه شد پرنور

۲۱ ز نام شاه جهانگیر تا شود پُر نور
فزوده نورجهان روئی سکهٔ لاهور

۲۲ همیشه بادا بر روی سکهٔ لاهور
ز نام شاه جهانگیر شاه اکبر نور

۲۳ زر لاهور شد در ماه بهمن چوں مہِ انور
بدور شاه نورالدیں جهانگیر ابن شاه اکبر

۲۴ در اسفندارمذ ایں سکّه در لاهور زد بر زر
شهنشاهِ امم شاه جهانگیر ابن شاه اکبر

۲۵ بفروردیں زر لاهور شد رشک مہِ انور
ز نور سکّهٔ شاه جهانگیر ابنِ شاه اکبر

۲۶ مہِ اردی بهشت ایں سکّه در لاهور زد بر زر
شهنشاه زماں شاه جهانگیر ابن شاه اکبر

۲۷ بماه تیر در لاهور زد ایں سکّه را بر زر
پناه مُلک دیں شاه جهانگیر ابن شاه اکبر

۲۸ جهاں فروز به کشمیر گشت سکّهٔ زر
ز نور نام جهانگیر شاه شاه اکبر

۲۹ زر فتح و نصرت جہانگیر شاہ
به دہلی زد از فیض لطف الٰہ

۳۰ سکه زد در شهر اگره خسرو گیتی پناه
شاه نورالدین جهانگیر ابن اکبر بادشاه

۳۱ سکهٔ اگره داد زینت زر
از جهانگیر شاه شاه اکبر

۳۲ زد باگره سکهٔ شاهی بزر در مهر و ماه
شاه نورالدین جهانگیر ابن اکبر بادشاه

۳۳ یافت در اگره روئی زر زیور
از جهانگیر شاه شاه اکبر

۳۴ باگره سکه زد در ماه آذر شاه بحر و بر
شهنشاه زمان شاه جهانگیر ابنِ شاه اکبر

۳۵ سکّه در بهمن باگره زد بزر ظلّ الٰه
شاه نورالدین جهانگیر ابنِ اکبر بادشاه

۳۶ در اسفندار مُز این سکّه را در اگره زد بر زر
شهنشاه زمان شاه جهانگیر ابنِ شاه اکبر

۳۷
بغروردیں زر اگرہ فروزاں گشت چوں اختر
ز نور سکۂ شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

۳۸
در مہِ آباں باگرہ سکہ زد ظلّ اللہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۳۹
بفتح پور فروزندہ گشت سکۂ زر
ز نور نام جہانگیر شاہ شاہ اکبر

۴۰
جہاں فروز باجمیر گشت سکۂ زر
ز نور نام جہانگیر شاہ شاہ اکبر

۴۱
زد بزر ایں سکہ در اجمیر شاہ دیں پناہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۴۲
در اجمیر زد سکۂ فتح بر زر
جہانگیر شاہِ شہنشاہ اکبر

۴۳
در بدایوں سکہ زد سلطان گردوں بارگاہ
شاہ نورالدیں جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۴۴
ہمیشہ نور زر سکۂ الہ آباد
ز نام شاہ جہانگیر شاہ اکبر باد

۴۵
سکہ زد در شہر پٹنہ خسرو عالم پناہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۴۶
سکہ در اکبرنگر زد شاہ گردوں بارگاہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۴۷
ساخت روی زر ز نور سکہ یکسر مہر وماہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۴۸
باد رواں تاکہ بود دورِ ماہ
سکۂ اُردوے جہانگیر شاہ

۴۹
باردوِ سکہ در راہ دکن زد شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

۵۰
سکہ زد در شہر برہانپور شاہ دیں پناہ
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

۵۱
بماندو سکۂ فتح دکن زد شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

۵۲
دہر بنور جہانے و مہر و مہ پرتو
ز نام شاہ جہانگیر سکہ مندو

۵۳ پس از فتح دکن آمد چو در گجرات از ماندو
بزر این سکّہ زد شاہ جہانگیر ظفر پرتو

۵۴ شہنشاہ اکبر جہانگیر شاہ
زر و نور داد احمد آباد را

۵۵ الٰہی تا جہان باشد رواں باد
بشرق و غرب مہر احمد آباد

۵۶ زر احمد آباد را داد زیور
جہانگیر شاہ شہنشاہ اکبر

۵۷ سکّہ زد در احمد آباد از عنایات الله
شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

شہنشاہ شاہ جہاں

دو سو تولے کی اشرفی

رُخ اول

۱۔
از صدق ابی بکر شد ایماں انور
اسلام قوی دست شد از عدل عمر
دیں تازہ شد از شرم و حیاے عثماں
و ز علم علی یافت ولایت زیور

رُخ ثانی

۲۔
سکہ بر مہر دو صد مہری زد از لطف الٰہ
ثانی صاحب قراں شاہ جہاں دیں پناہ
روی زر یاد از نقش سکہ اش عالم فروز
تا شود از پرتو خورشید روشن روی ماہ

ایک سو تولے کی اشرفی

رُخِ اوّل

۳۔
از صدق ابی بکر شد ایماں انور
اسلام قوی دست شد از عدل عمر
دیں تازہ شد از شرم و حیائے عثماں
و ز علم علی یافت ولایت زیور

رُخ ثانی

۴۔
شد شاہ جہاں چو بادشاہ عالم
بخشید ز جود گنجہا دریکدم
یک مہر ز صد مہر بفرمود از انکہ
صد مہر کند بجای یک مہ کرم

۵۔ زر سپہر کند مہر از سر افرازی
نثار شاہ جہاں شاہ خرم غازی

۶۔ سکہ شاہ جہاں آباد رائج در جہاں
جاوداں بادا بنام ثانی صاحب قراں

مُراد بخش

عام اشرفی اور روپیہ

۱۔ گرفت ارث ز صاحب قراں شہ ثانی
مراد بخش محمد سکندر ثانی

شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر

ایک سو تولے کی اشرفی

رُخ اوّل

۱۔ شاہ اورنگ زیب عالم گیر
آسماں قدرت و قضا تدبیر
روی زر از فروغ سکہ او
گشت روشن بسان مہر منیر

رُخ ثانی

۲۔ شاہ عالم گیر دریائی کرم اورنگ زیب
آنکہ از قسمت سخایش آب می گرد سحاب
از فروغ سکہ اش در عرصۂ ہندوستاں
گشت روشن روی زر چوں روی ماہ و آفتاب

عام اشرفی

۳۔ سکہ زد درجہاں چو مہرِ مُنیر
شاہ اورنگ زیب عالم گیر

عام روپیہ

۴۔ سکہ زد درجہاں چو بدرِ مُنیر
شاہ اورنگ زیب عالم گیر

اعظم شاہ

عام اشرفی اور عام روپیہ

۱۔ سکہ زد درجہاں بدولت و جاہ
بادشاہ ممالک اعظم شاہ

۲۔ نگیں سلیماں کہ تابندہ بود
بر اُو اسم اعظم ہمیں کندہ بود

کام بخش

عام اشرفی اور عام روپیہ

۱۔ در دکن زد سکہ برخورشید و ماہ
بادشاہ کام بخش دیں پناہ

شاہ عالم بہادر شاہ

دس تولے کی اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد درجہاں بفضلِ الٰہ
شاہ ہندوستاں بہادر شاہ

عام اشرفیاں اور روپے

۲۔ بزر زد سکۂ صاحب قرانی
بہادر شاہ عالمگیر ثانی

۳۔ بزر زد سکۂ صاحب قرانی
معظم شاہ عالمگیر ثانی

۴۔ سکہ زد در ہفت کشور چتر زد بر مہر و ماہ
ثانی شاہ جہاں سلطاں معظم بادشاہ

عظیم الشان

عام روپیہ

۱۔ سکہ زد در جہاں بفتح و ظفر
بادشاہ عظیم دیں پرور

جہاندار شاہ

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ در آفاق زد سکہ بر مہر و ماہ
ابو الفتح غازی جہاندار شاہ

۲۔ در آفاق زد سکہ چوں مہر و ماہ
ابو الفتح غازی جہاندار شاہ

۳۔ بزد سکہ بر زر چو صاحب قرآں
جہاندار شہ بادشاہ جہاں

۴۔ بزد سکہ بر مہ چو صاحب قراں
جہاندار شہ بادشاہ جہاں

۵۔ بزد سکہ بر نقرہ چوں مہر و ماہ
ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

۶۔ بزد سکہ در دہر چوں مہر و ماہ
ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

۷۔ بزد سکہ در ملک چوں مہر و ماہ
شہنشاہ غازی جہاندار شاہ

فرخ سیر

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر
بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

۲۔ سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر
ثالث صاحب قراں فرخ سیر

رفیع الدرجات

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ زد سکہ بہند با ہزاراں برکات
شاہنشہ بحر و بر رفیع الدّرجات

۲۔ زد سکہ بہند باہزاراں برکات
شاہنشہ آفاق رفیع الدرجات

۳۔ زد سکہ بہند باہزاراں برکات
شاہنشہ دادگر رفیع الدرجات

۴۔ زد سکۂ نصر باہزاراں برکات
شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

۵۔ سکہ زد شاہ رفیع الدرجات
مہر مانند بہ یمن و برکات

رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ با امن واماں زد درجہاں
ثانی صاحبِ قراں شاہ جہاں

۲ سکہ زد در جہاں بامن واماں
شاہ صاحب قراں ولی جہاں

نیکوسیر

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بزر زد سکہ صاحب قرانی
شہ نیکوسیر تیمور ثانی!

محمد ابراهیم

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد در جہاں بفضلِ کریم
شاہ شاہاں محمد ابراہیم

محمد شاہ

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد در جہاں بلطف اللہ
بادشاہ زماں محمد شاہ

۲۔ سکہ زد در جہاں بفضلِ اللہ
بادشاہ زماں محمد شاہ

۳۔ زفضل حق شہنشاہ محمد شاہ دیں پرور
دریں عالم زدہ سکہ زمہر و ماہ روشن تر

احمد شاہ

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ بر زر زدہ بفضل الٰہ
شاہ عالم پناہ احمد شاہ

عزیز الدین عالم گیر ثانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بزر زد سکہ صاحب قرانی
عزیز الدین عالم گیر ثانی

۲۔ بزر زد سکہ چوں صاحب قرانی
عزیز الدین عالمگیر ثانی!

۳۔ بیافت رونق ازیں سکہ زر چو مہر مُنیر
ز نام شاہ جہاں بادشاہ عالمگیر

۴۔ سکہ زد بر ہفت کشور ہمچو تاباں مہر و ماہ
شاہ عزیز الدین عالمگیر غازی بادشاہ

۵۔ مبارک سکۂ صاحب قرانی
عزیز الدین عالمگیر ثانی

شاہ عالم ثانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر ہفت کشور سایۂ فضل اللہ
حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

۲۔ سکۂ صاحب قرانی زد ز تائید اللہ
حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

بیدار بخت

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بزر سکہ زد وارث تاج و تخت
محمد جہاں شاہ بیدار بخت

۲۔ بزر سکہ زد والی تاج و تخت
محمد جہاں شاہ بیدار بخت

۳۔ سکہ زد در ہند از فضل الٰہ
حامی دین نبی بیدار شاہ

اکبر ثانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد در جہاں ز فضل الٰہ
حامی دیں محمد اکبر شاہ

۲۔ سکہ زد در جہاں بفضل الٰہ
حامی دیں محمد اکبر شاہ

۳۔ مبارک سکۂ صاحب قرانی
محمد اکبر چنگیز خانی

۴۔ بسیم و زر زدہ خوش سکۂ جہانبانی
چراغ دودۂ تیمور اکبر ثانی

بہادر شاہ ظفر

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بسیم و زر زدہ شد سکۂ بفضل الٰہ
سراج دین ابو ظفر شہ بہادر شاہ

۲۔ بزر زد سکۂ صاحب قرآنی
سراج الدین بہادر شاہ ثانی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران اجرا شدہ مخصوص اشرفیاں

۳۔ بزر زد سکۂ نصرت طرازی
سراج الدین بہادر شاہ غازی

۴۔ چلے نہ اشرفیٔ آفتاب عالم میں
خطِ شعاع سے اوسپر جو یہ نہ ہو تحریر

۵۔ ابوظفر شہ والا گہر بہادر شاہ
سراج دین نبی سایۂ خدائے قدیر

۶۔ جہاں مسخّر و عالم مطیع و خلق مطاع
فلک مؤیّد و اختر معین و بخت نصیر

ٹیپو سلطان (میسور)

تین تا چار تولے کی اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد در جہاں بآسانی
شاہ ٹیپو سکندر ثانی

۲۔ دیں احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است

غازی الدین حیدر (اودھ)

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر سیم و زر از فضل رب ذوالمنن
غازی الدیں حیدر عالی نسب شاہ زمن

نصیر الدین حیدر (اودھ)

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر سیم و زر از فضل حق ظل الٰہ
نائب مہدی نصیر الدین حیدر بادشاہ

۲۔ بدھر سکۂ شاہی زدہ ز لطف الٰہ
سپہر مرتبہ شاہ جہاں سلیماں جاہ

۳ بگیتی سکہ زد چوں مہر انور
شہ عالم نصیر الدین حیدر

۴۔ سکہ زد بر سیم و زر تابندہ مثل مہر و ماہ
ظل سبحانی نصیر الدین حیدر بادشاہ

محمد علی شاہ (اودھ)

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بجود و کرم سکہ زد در جہاں
محمد علی پادشاہ زماں

امجد علی شاہ (اودھ)

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ در جہاں زد سکۂ شاہی بتائید الٰہ
ظل حق امجد علی شاہ زمن عالم پناہ

واجد علی شاہ (اودھ)

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر سیم و زر از فضل و تائید الٰہ
ظل حق واجد علی سلطان عالم بادشاہ

رمضان علی برجیس قدر

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر سیم و زر چوں مہر و بدر
نیّر دیں میرزا برجیس قدر

۲۔ سکہ زد از فضل حق بر اشرفی مہر و بدر
اختر سلطان عالم میرزا برجیس قدر

۳۔ سکہ زد اندر جہاں چوں ماہ بدر
شاہ رمضان علی برجیس قدر

۴۔ بزد سکہ در دہر چوں مہر و بدر
ابوالحرب قاآن برجیس قدر

رانی پرمتھیشوری (رنگپور۔ آسام)

چوکور روپے

۱۔ بحکم بیگم پرمتھی سری شاہ
زد سکہ چو مہر شیو سنگ شاہ

راجیشور اسمہا (رنگپور۔ آسام)

عام روپے

۱۔ سری راجیشر سنگھ عالم پناہ
زد ایں سکہ سلطان چو خورشید و ماہ

باندہ سنگھ (غیر منقسم پنجاب)

عام روپے

۱۔ سکہ زد در ہر دو عالم تیغ نانک واھب است
فتح گوبند شاہ شاہاں فضل ستا صاحب است

جسّا سنگھ (غیر منقسمہ پنجاب)

عام روپے

۱۔ سکہ زد در جہاں بفضل اکال
ملک احمد گرفت جسّا کلال

رنجیت سنگھ (غیر منقسمہ پنجاب)

عام روپے

۱ دیگ تیغ و فتح و نصرت بیدرنگ
یافت از نانک گورو گوبند سنگھ

رنجیت دیو (جمّوں وکشمیر)

عام روپے

۱۔ لچھمی نرائن دل شاد کرد
خانۂ رنجیت دیو آباد کرد

ابراہیم علی خاں (ٹونک)

عام روپے

مبارک سکّہ زد از فضل یزداں
رئیس ٹونک ابراہیم علی خاں

تخت سنگھ (جودھپور)

عام اشرفیاں اور روپے

زر و سیم را سکہ زد تخت سنگھ
بعہد کوئن شاہ ہند و فرنگ

جسونت سنگھ (جودھپور)

ام اشرفیاں اور روپے

زد بعہد کوتن چو سکۂ بخت
گشت جسونت سنگھ وارث تخت

جسونت سنگھ (اندور)

عام روپے

زد سکۂ مبارک از ارض تا باختر
صاحب قِرانِ ثانی سلطاں محمد اکبر

اسمٰعیل ثانی صفوی

عام روپے

۱۔ زمشرق تا بمغرب گر امام است
علی و آل او مارا تمام است

محمد خدا بندہ

عام روپے

۱۔ لطف حق تا کہ درجہاں باقیست
سکۂ صاحب الزماں باقیست

عباس اول

عام روپے

۱۔ از بھر خیر ایں سکہ را
کلب علی عباس زد

صفی اول

عام روپے

۱۔ ہست از جاں غلام شاہ صفی

عباس ثانی

عام روپے

۱۔ بہ گیتی سکۂ صاحب قرانی
زد از توفیق حق عباس ثانی

۲۔ بہ گیتی آنکہ اکنوں سکۂ صاحبِ قرانی زد
ز توفیق خدا کلب علی عباس ثانی زد

۳۔ بود کلب علی عباس ثانی

سلیمان اول صفی ثانی

عام اشرفیاں اور عام روپے

۱۔ سکہ زد بعد از شہ صاحبِ قراں
صاحب دوراں سلیماں جہاں

۲۔ بہر تحصیل رضائے مقتدائی اِنس و جاں
سکۂ خیرات بر زر زد سلیماں جہاں

۳۔ بہ گیتی بعد شہ عباس ثانی
صفی زد سکہ صاحب قرانی

۴۔ ز بعد ہستی عباس ثانی
صفی زد سکہ صاحب قرانی

۵۔ از برائے صرف زوّار امام انس وجاں
تازہ از نام صفی شد سکۂ صاحب قراں

۶۔ سکۂ مہر علی را تا رذم بر نقد جاں
گشت از فضل خدا محکوم فرمانم جہاں

حسین اول صفوی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ زد ز توفیق حق بہ چہرۂ زر
سکہ سلطاں حسین دیں پرور

۲۔ گشت صاحب سکہ از توفیق رب المشرقین
در جہاں کلب امیر المومنیں سلطاں حسین

۳۔ گشت صاحب سکہ از توفیق رب المشرقین
کلب درگاہ امیر المومنیں سلطاں حسین

طہماسپ ثانی صفوی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد طہماسپ ثانی بر زر کامل عیار
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

۲۔ بگیتی سکۂ صاحب قرانی
زد از توفیق حق طہماسپ ثانی

۳- از خراساں سکہ بر زر شد بتوفیق خدا
نصرت و امداد شاہ دیں علی موسیٰ رضا

احمد صفوی

عام روپے

۱- سکہ زد بر ہفت کشور چتر زد بر مہر و ماہ
وارث ملک سلیماں گشت احمد بادشاہ

عباس ثالث صفوی

عام اشرفیاں اور روپے

۱- سکہ بر زر زد بتوفیق الٰہی در جہاں
ظل حق عباس ثالث ثانی صاحبقراں

سام صفوی

عام اشرفیاں اور روپے

۱- سکہ بر زر زد بگیتی چوں طلوع نیرّین
وارث ملک سلیماں سام بن سُلطاں حسین

۲ بندۂ شاہ ولایت
سام بن سلطاں حسین

سلیماں ثانی صفوی

عام روپے

۱- زد از لطف حق سکۂ کامرانی
[illegible]

حسین ثانی صفوی

عام روپے

۱۔ دارد ز شاہ مرداں فرمان حکم رانی
فرزند شاہ طہماسپ سلطاں حسین ثانی

محمد صفوی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بزر زد سکہ از الطاف سرمد
شہ والا گہر سلطاں محمد

میر اویس (افاغنہ)

عام روپے

۱۔ سکہ زد بر درہم دارالقرار قندھار
خان عادل شاہ عالم میر اویس نامدار

میر محمود

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ چو مہر و مہ زر شاہنشہی محمود عالم شد
کہ نقد قلبش از فیض خدا از غش مسلم شد

۲۔ دین حق را سکہ بر زر کرد از حکم الٰہ
عاقبت محمود باشد بادشاہ دیں پناہ

۳۔ سکہ زد از مشرق ایراں چو قرص آفتاب
شاہ محمود جہانگیر سیادت انتساب

۴۔ فرو رود بزمیں ماہ و آفتاب مُنیر
زر شک سکۂ محمود شاہ عالمگیر

۵ سکۂ سلطاں حسیں نابود شد
شاہ ایراں عاقبت محمود شد

۶۔ بمحمود ارشد خداداد شاھی

میر اشرف

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ باشرفی اثر نام آنجناب رسید
شرف زسکۂ اشرف برآفتاب رسید

۲۔ خور و مہ چوں طلا و نقرہ از فیضش منور شد
سریر آفتاب از نام اشرف سکہ برزر شد

۳۔ ز الطاف شہ اشرف حق شعار
بزر نقش شد سکۂ چاریار

آزاد خاں باغی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ تاکہ آزاد درجہاں باشد
سکۂ صاحب الزماں باشد

نادرشاہ افشاری

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ بر زر کرد نام سلطنت را در جہاں
نادر ایران زمین و خسرو گیتی ستاں

۲۔ سکہ زد بر سیم و زر از فضل ربّ العٰلمین
بادشاہ ہفت کشور نادر ایران زمین

۳۔ دادہ زیب تازہ رو بر مہر و ماہ
سکۂ نادر شہ گیتی پناہ

۴۔ ہست سلطان بر سلاطین جہاں
شاہ شاہاں نادر صاحبقراں

۵۔ خادم شاہ نجف زیبندۂ تاج و نگیں
بادشاہ دادگستر نادر ایران زمیں

۶۔ نادرم در ملک ایراں قادرم بر ہر دیار
لافتیٰ الا علیٰ لا سیف الا ذوالفقار

۷۔ نگیں دولت و دیں چوں کہ رفتہ بود زجا
بنام نادر ایران قرار داد خدا

عادل شاہ افشاری

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ زبعد نادر دوراں عدالت سکہ بر زر شد
بنام شاہ دیں سلطاں علی عالم منور شد

۲۔ گشت رائج بحکم لم یزلی
سکۂ سلطنت بنام علی

ابراہیم شاہ افشاری

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ زفیض حضرت باری و سرنوشت قضا
رواج یافت بزر سکۂ امام رضا

۲۔ سکۂ صاحبقرانی زد بتوفیق الٰہ
ہمچو خورشید جہاں افروز ابراہیم شاہ

شاہرخ افشاری

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد درجہاں بحکم خدا
شاہ رخ کلب آستاں رضا

۲۔ سکہ زد از سعی نادر ثانی صاحبقراں
کلب سلطان خراساں شاہرخ شاہ جہاں

۳۔ امر شد از شاہ شاہاں نادر صاحبقراں
سکہ یابد در ہرات از شاہرخ نام ونشاں

۴۔ یافت از الطاف احمد بادشاہ
شاہرخ برتخت شاہی جایگاہ

۵۔ دوبارہ دولت ایراں گرفت از سر جوانی را
بنام شاہرخ زد سکۂ صاحبقرانی را

کریم خاں زند

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ شد آفتاب و ماہ زر و سیم در جہاں
از سکۂ امام بحق صاحب !!

محمد حسن قاچار

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بزر سکہ از میمنت زد قضا
بنام علی ابن موسیٰ رضا

۲۔ باشد چو آفتاب زر و سیم درجہاں
از سکۂ امام بحق صاحب الزماں

۳۔ شد زیمن دین حق رائج بتوفیق خدا
سکۂ اقبال برنام علی موسیٰ رضا

آقا محمد قاچار

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بر عرش بریں فگندہ مسند
شاہنشہ انبیا محمد

۲۔ تا زر و سیم درجہاں باشد
سکۂ صاحب الزماں باشد

۳۔ تا زر و سیم را نشاں باشد
سکۂ صاحب الزماں باشد

فتح علی شاہ قاچار

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ آمدہ سکۂ شاہی بزر از فتحعلی

۲۔ سکۂ فتحعلی شہ خسرو صاحبقراں

۳۔ سکۂ فتحعلی شہ خسرو کشورستاں

۴۔ شاہ شاہان جہاں فتحعلی

محمد حسن خاں سالار

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ بر زر میزند سالار دیں
یاورش باشد امیرالمومنیں

ناصرالدین شاہ قاچار

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر ہفت کشور چتر زد بر مہر و ماہ
ناصر دین محمد ناصرالدیں بادشاہ

احمد شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ حکم شد از قادر بیچوں باحمد بادشاہ
سکہ زن بر سیم و زر از اوج ماہی ما بماہ

سلیمان شاہ

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد بر سیم و زر چوں مہر و ماہ
شہ سلیماں ابن احمد پادشاہ

۲۔ سیم و زر را سرفرازی داد چوں خورشید و ماہ
وارث شاہنشہ دوراں سلیماں بادشاہ

۳۔ سکہ زد بر سیم و زر از فضل و الطاف الٰہ
شاہ دُرّانی سلیماں شاہ گردوں بارگاہ

تیمور شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بحکم خدا و رسول انام
بزد سکہ تیمور شاہ نظام

۲۔ چرخ می آرد طلا و نقرہ از خورشید و ماہ
تا کند بر چہرہ نقش سکۂ تیمور شاہ

ہمایوں شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ درجہاں شد سیم و زر روشن تر از خورشید و ماہ
تاکہ بر او نقش شد نام ہمایوں بادشاہ

زماں شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ زر و سیم شد مہر و مہ درجہاں
بنام زماں شاہ شاہ زماں

۲۔ قرار یافت بحکم خدائے ہر دو جہاں
رواج سکۂ دولت بنام شاہ زماں

۳۔ بزد سکہ بر زر بحکم الٰہی
زماں شاہ شاہ یمین و یساری

محمود شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکۂ دولت سلطاں محمود
حسن دیگر بزر و سیم فزود

۲۔ سکہ بر زر زد بتوفیق اللہ
خسرو گیتی ستاں محمود شاہ

شاہ شجاع دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکّہ زد برسیم و زر روشنتر از خورشید و
حامی دین نبی سلطاں شجاع الملک شہ

۲۔ سکہ زد از فضل حق برسیم و زر
شہ شجاع الملک شاہ بحر و بر

۳۔ سکہ زد برسیم و زر از فضل خاص کردگا
خسرو گیتی ستاں شاہ شجاع نامدا

۴۔ سکہ زد برسیم و زر چوں مہر و ماہ
شاہ دیں پرور شجاع الملک شاہ

۵۔ رونق آفاق شد برسیم و زر
سکۂ شاہ شجاع نامور

قیصر شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سیم و زر در جہاں بحکم اللہ
گشت رائج بنام قیصر شاہ

نورالدین شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ روشن شد ز شاہ نورالدین
رائج از مخدوم قطب العارفین

ایوب شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ شاہ ایوب سکہ بر زر و سیم
زد بتائید کردگار عظیم

۲۔ شد جہاں روشن تر از خورشید و ماہ
از شعاع سکۂ ایوب شاہ

کامران شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ طلا از مہر نا زد نقرہ از ماہ
ز فیض نقش نام کامراں شاہ

شہ پور شاہ دُرّانی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ سکہ زد از فیض و الطاف الٰہ
خسرو عالم ستاں شہ پور شاہ

امیر دوست محمد بارق زائی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ شمس و قمر بہ سیم و طلا میدہد نوید
وقت رواج سکۂ پاینده خاں رسید

۲۔ بزد زعین عنایات خالق اکبر
امیر دوست محمد دوباره سکۂ زر

۳۔ کمر بہ بست و بزد سکۂ بعزم جہاد
امیر دوست محمد کہ ناصرش حق باد

امیر شیر علی

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ ز التفات کثیر امیر نیک ضمیر
امیر شیر علی سکہ زد چو بدر منیر

۲۔ جمال دولت پاینده قسمت ازلی است
ز بعد دوست محمد امیر شیر علی است

۳۔ ز عین مرحمت کردگار لم یزلی
بیافت سکّہ رواج از امیر شیر علی

۴۔ شد از عنایت و الطاف شاہ لم یزلی
رواج سکہ بنام امیر شیر علی

۵۔ شد ز فضلِ خدائے لم یزلی
والیٔ قندھار شیر علی

۶۔ سکہ زد در جہاں چو بدر جلی
بار دویم امیر شیر علی

امیر محمد افضل

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ دو فوج مشرق و مغرب ز ہم مفصّل شد
امیر ملک خراساں محمد افضل شد

امیر محمد اعظم

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ چو از عنایت و الطاف حق ملزّم شد
رواج سکہ بنام محمد اعظم شد

محمد جان باغی

عام اشرفیاں اور روپے

می کنم دیوانگی تا بر سرم غوغا شود
سکہ بر زر می کنم تا صاحبش پیدا شود

محمد علی (خوقند)

عام اشرفیاں اور روپے

۱۔ بفرغانہ زد سکہ بر سیم و زر
محمد علی ابن غازی عمر

فہرست ماخذ اشعار

سنسکرت

نام حکمران	سلسلہ نشان شعر	صفحہ کتاب	صراحت ماخذ
گپتا خاندان			
سمدرا گپتا	۱	۱۴۱	دی گپتا گولڈ کوائنس ان دی ب مرتبہ اے۔ ایس الٹیکر شائع کردہ ن سوسائٹی آف انڈیا ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۲
ایضاً	۲	۱۴۱	صفحہ ۴۶
ایضاً	۳	۱۴۱	صفحہ ۵۰
ایضاً	۴	۱۴۱	صفحہ ۵۵
کاچا گپتا	۱	۱۴۱	صفحہ ۶۳
چندرا گپتا ثانی	۱	۱۴۱	صفحہ ۱۸۴
ایضاً	۲	۱۴۲	صفحہ ۲۰۴
کمارا گپتا	۱	۱۴۲	صفحہ ۲۲۴
ایضاً	۲	۱۴۲	صفحہ ۲۴۸

ایضاً	۳	۱۴۲	صفحہ ۲۵۷
ایضاً	۴	۱۴۲	صفحہ ۲۶۹
ایضاً	۵	۱۴۲	صفحہ ۳۰۱
اسکندگپتا	۱	۱۴۲	صفحہ ۳۰۸
		عربی	
خلفائے عباسیہ			
ہارون الرشید	۱	۱۴۳	الذخائر والتحف مصنفہ قاضی ابن الزبیر مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی، مطبوعہ کویت سنہ ۱۹۵۹ء صفحات ۲۲۴ تا ۲۲۵
ایضاً	۲	۱۴۳	ایضاً ایضاً
اغلبی حکمران			
زیادۃ اللہ ثالث اغلبی	۱	۱۴۳	ایضاً ایضاً
ایضاً	۲	۱۴۳	ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۴۳	ایضاً ایضاً
ایضاً	۴	۱۴۴	ایضاً ایضاً
بُویہی حکمران			
فخر الدولہ بویہی	۱	۱۴۴	الکامل فی التاریخ مصنفہ ابن الاثیر

			مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۳ء جلد نہم صفحہ ۴۱
ایضاً	۲	۱۴۴	ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۴۴	ایضاً ایضاً
ایضاً	۴	۱۴۴	ایضاً ایضاً
ایضاً	۵	۱۴۴	ایضاً ایضاً
ایضاً	۶	۱۴۴	ایضاً ایضاً
ایضاً	۷	۱۴۴	ایضاً ایضاً
صفوی حکمران			
اسمٰعیل اول	۱	۱۴۵	اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس مرتبہ اوکوڈرنگٹن شائع کردہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن سنہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۹۵
ایضاً	۲	۱۴۵	ایضاً ایضاً
		فارسی	
سلاطین گجرات			
محمد شاہ	۱	۱۴۶	۱. مراۃ سکندری ۲. کیٹیلاگ آف دی کوائنس آف سلطانس آف گجرات ان دی پرنس آف ویلز میوزیم بمبئی مرتبہ جی او اچاریہ سنہ ۱۹۵۳ء صفحات انٹروڈکشن XXI'XX

بہادر شاہ	۱	۱۴۶	ایضاً	ایضاً
سلاطینِ کشمیر				
حسن شاہ	۱	۱۴۶	نیومسمیاٹک کرانیکل XIII سلسلۂ پنجم صفحہ ۲۶۳ تحریر آر بی وائٹ ہیڈ۔	
فتح شاہ	۱	۱۴۶	ایضاً	ایضاً صفحہ ۲۶۴
عادل شاہی حکمران				
ابراہیم عادل شاہ ثانی	۱	۱۴۶	ہسٹری آف میڈی ایول دکن مرتبہ پروفیسر ہارون خاں شروانی جلد اول صفحہ ۳۹۷ شائع کردہ حکومت آندھرا پردیش سنہ ۱۹۷۳ء	

عادل شاہ	۱	۱۴۷	جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۱۰ء نیومسمیاٹک سپلمنٹ شمارہ XV صفحہ ۶۸۴
ب شاہی حکمران			
ی قطب شاہ	۱	۱۴۷	جرنل آف نیومسمیاٹک سوسائٹی آف انڈیا جلد XX توصر XIV سکہ نشان ۱۰، تحریر کردہ ڈنکر راؤ۔
لین مغلیہ			
شاہ اکبر،	۱	۱۴۸	۱۔ آئین اکبری مصنفہ ابوالفضل مرتبہ سید احمد خان صفحہ ۱۷ ۲۔ النقود الاسلامیہ، سلاطین مغلیہ کے عظیم سکوکات نوشتہ حکیم شمس اللہ قادری، تاج پریس حیدرآباد صفحہ ۱۸
اً	۲	۱۴۸	ایضاً
اً	۳	۱۴۸	ایضاً
اً	۴	۱۴۸	ایضاً
اً	۵	۱۴۹	کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۱۷ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹڈ سنہ ۱۹۸۶ء دہلی
اً	۶	۱۴۹	ایضاً ایضاً
ضاً	۷	۱۴۹	دی کوائنس آف دی مغل ایمپرس آف ہندوستان اِن دی برٹش میوزیم لندن مرتبہ اسٹینلی لین پول

			صفحہ ۳۶۶ شائع کردہ انٹرانڈیا پبلیکیشنز نئی دہلی ۱۹۸۳ء
ایضاً	۸	۱۴۹	ایضاً ایضاً
ایضاً	۹	۱۴۹	گنج شایگاں مولفہ محمد رفیع موہانی حالی مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۱۹
ایضاً	۱۰	۱۴۹	کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۱۸ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۱۱	۱۴۹	ایضاً ایضاً
شہنشاہ جہانگیر	۱	۱۵۰	دی کیٹیلاگ فار دی سیل آف ٹوجینٹ گولڈ مہرس آف جہانگیر اینڈ شاہ جہاں جینوا سوئیٹزرلینڈ بابتہ نومبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۹
ایضاً	۲	۱۵۰	ایضاً صفحہ ۹
ایضاً	۳	۱۵۰	کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم لکھنؤ، مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۲۲ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۴	۱۵۰	ایضاً ایضاً
ایضاً	۵	۱۵۱	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان اِن دی برٹش میوزیم، مرتبہ اسٹینلی لین پول صفحہ ۳۶۸ شائع کردہ انٹرانڈیا پبلیکیشنز نئی دہلی ۱۹۸۳ء
ایضاً	۶	۱۵۱	ایضاً ایضاً صفحہ ۳۶۶
ایضاً	۷	۱۵۱	کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم

			لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۱۹' شائع کردہ آر' سی' سنیر لمیٹڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۸	۱۵۱	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۷
ایضاً	۹	۱۵۱	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۸
ایضاً	۱۰	۱۵۱	فہرست سکہ جات مرتبہ محمد عبدالعزیز خاں بریلوی وکیل فرخ آباد بحکم مارک تھارنل جج فرخ آباد صفحہ ۱۱
ایضاً	۱۱	۱۵۱	کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۷ شائع کردہ آر' سی' سنیر لمیٹڈ ۱۹۸۶ء نئی دہلی۔
ایضاً	۱۲	۱۵۱	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۴
ایضاً	۱۳	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۰
ایضاً	۱۴	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۹
ایضاً	۱۵	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۷
ایضاً	۱۶	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۴
ایضاً	۱۷	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۴
ایضاً	۱۸	۱۵۲	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۱۹	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۵
ایضاً	۲۰	۱۵۲	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۷
ایضاً	۲۱	۱۵۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۲۲	۱۵۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۶
ایضاً	۲۳	۱۵۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۵
ایضاً	۲۴	۱۵۳	کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم

			لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۵ شائع کردہ آر بسی' سینیر لمٹیڈ دہلی سنہ ۱۹۸۶ء
ایضاً	۲۵	۱۵۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۲۶	۱۵۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۶
ایضاً	۲۷	۱۵۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۲۸	۱۵۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۵
ایضاً	۲۹	۱۵۴	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۳
ایضاً	۳۰	۱۵۴	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۱
ایضاً	۳۱	۱۵۴	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۳
ایضاً	۳۲	۱۵۴	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۱
ایضاً	۳۳	۱۵۴	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۲
ایضاً	۳۴	۱۵۴	سم نوٹیبل مغل کوائنس اِن لکھنؤ میوزیم تحریر کردہ سی آر' سنگھال۔ جرنل آف نیو مسمیاٹک سوسائیٹی آف انڈیا شمارہ XXV سنہ ۱۹۶۳ء حصہ دوم صفحہ ۱۸۲
ایضاً	۳۵	۱۵۴	کیٹلاگ آف دی کوائنس اِن دی پراوینشیل میوزیم لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۲' شائع کردہ آر بسی' سینیر لمٹیڈ سنہ ۱۹۸۶ء
ایضاً	۳۶	۱۵۴	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳۷	۱۵۵	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳۸	۱۵۵	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳۹	۱۵۵	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۴

ایضاً	۴۰	۱۵۵	دی کوائنس آف دی مغل ایمپرس آف انڈیا کلیکٹیڈ بائی چارلس' بے' راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ مرتبہ سر جمیس لایال اینڈ ایچ سی. فانشو طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۴۰
ایضاً	۴۱	۱۵۵	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۲۶
ایضاً	۴۲	۱۵۵	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی' بے' براؤن جلد اول صفحہ ۱۹ شائع کردہ آرسی بینیر لمٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۴۳	۱۵۵	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی' مطبوعہ مرادآباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۱۹
ایضاً	۴۴	۱۵۵	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی' بے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۳ شائع کردہ آرسی بینیر لمٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۴۵	۱۵۶	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۴۶	۱۵۶	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۱
ایضاً	۴۷	۱۵۶	فہرست سکہ جات مرتبہ محمد عبدالعزیز خاں بریلوی وکیل فرخ آباد بحکم مارک تھارنل' جج فرخ آباد صفحہ ۱۱
ایضاً	۴۸	۱۵۶	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی' بے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۱ شائع کردہ آرسی بینیر لمٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی

ایضاً	۴۹	۱۵۶	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۵۰	۱۵۶	کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۳ شائع کردہ آرسی بینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۵۱	۱۵۶	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۶
ایضاً	۵۲	۱۵۶	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۵۳	۱۵۷	سکہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری صفحہ ۲۶ مطبوعہ شمسی پریس آگرہ۔
ایضاً	۵۴	۱۵۷	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس مرتبہ آر بی وائٹ ہیڈ سکہ نمبر ۸۹۱
ایضاً	۵۵	۱۵۷	کیٹیلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۲۰ شائع کردہ آرسی بینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۵۶	۱۵۷	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف انڈیا کلکٹیڈ بائی چارلس جے' راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ' مرتبہ سرجیمس لایال اینڈ سی' ایچ' ٹانسٹو طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۵۲
ایضاً	۵۷	۱۵۷	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۳۱
شہنشاہ شاہجہاں	۱	۱۵۸	النقود الاسلامیہ (سلاطین مغلیہ کے مسکوکات عظیمہ) مصنفہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ تاج پریس

			حیدرآباد صفحہ ۲۶، ۲۷
ایضاً	۲	۱۵۸	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۵۸	دی کیٹیلاگ مارد دی سیل آف ٹوجینٹ گو مہرس آف جہانگیر اینڈ شاہ جہاں۔ جینواسوئٹزر بابتہ نومبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۳
ایضاً	۴	۱۵۸	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۴
ایضاً	۵	۱۵۹	جرنل آف نیومسمیاٹک سوسائٹی آف انڈیا جلد XXVII سنہ ۱۹۶۵ء صفحات ۱۰۸، ۱۰۹ آرٹیکل تحریر کردہ ضیاالدین احمد دیسائی
ایضاً	۶	۱۵۹	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف انڈ کلکیٹڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پیرپیرڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ مرتبہ سرجیمس لایال اینڈ ایچ سی ٹانشیو طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۷۱
مرادبخش	۱	۱۵۹	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان، ان دی برٹش میوزیم، مرتبہ اسٹینلی لین پول صفحہ ۳۰۷ شائع کردہ انٹرانڈیاپبلکیشنز نئی دہلی سنہ ۱۹۸۳ء
شہنشاہ اورنگ زیب	۱	۱۵۹	النقود الاسلامیہ (سلاطین مغلیہ کے مسکوکات عظیمہ) مصنفہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد صفحات ۲۹، ۳۰
ایضاً	۲	۱۵۹	ایضاً ایضاً ایضاً

ایضاً	۳	۱۶۰	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف انڈیا کیٹلاگڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ مرتبہ سر جیمس لایال اینڈ سی ایچ فانشیو طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۷۹
ایضاً	۴	۱۶۰	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۸۰
اعظم شاہ	۱	۱۶۰	اے مینول آف مسلمان نیومسمیاٹکس مرتبہ اوکوڈرنگٹن شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن سنہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۱۱
ایضاً	۲	۱۶۰	سیر گلشن ہند صفحہ ۹۶
کام بخش	۱	۱۶۰	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندستان ان دی برٹش میوزیم، مرتبہ اسٹینلی لین پول، شائع کردہ انٹر انڈیا پبلیکیشنز نئی دہلی سنہ ۱۹۸۳ء صفحہ ۳۷
شاہ عالم بہادر شاہ	۱	۱۶۰	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۳
ایضاً	۲	۱۶۱	کیٹیلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ، مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۰ شائع کردہ آر سی سیفیر لمیٹڈ سنہ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۳	۱۶۱	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۴	۱۶۱	ایضاً ایضاً ایضاً
عظیم الشان	۱	۱۶۱	ایضاً ایضاً ایضاً
جہاندار شاہ	۱	۱۶۱	سکہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ

			حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ شمسی پریس آگرہ صفحہ ۱۸
ایضاً	۲	۱۶۱	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلے لین پول شائع کردہ انٹر انڈیا پبلکیشنز نئی دہلی سنہ ۱۹۸۳ء صفحہ ۳۷۱
ایضاً	۳	۱۶۱	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مرتبہ اسٹینلے لین پول شائع کردہ انٹر انڈیا پبلکیشنز نئی دہلی سنہ ۱۹۸۳ء صفحہ ۳۷۱
ایضاً	۴	۱۶۲	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف انڈیا کلکٹیڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ مرتبہ سر جیمس لایال اینڈ ایچ سی فانشیو طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۲۰۰
ایضاً	۵	۱۶۲	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۶
ایضاً	۶	۱۶۲	قلمی بیاض ملوکہ شاگل خاں کابل
ایضاً	۷	۱۶۲	حدیقۃ الاقالیم تصنیف سنہ ۱۱۹۰ھ مخطوطہ در کتاب خانہ آقائی شیخ زادہ مشہد۔ ایران
فرخ سیر	۱	۱۶۲	اے مینوئل آف مسلمان نیو مسمیاٹکس مرتبہ اوڈو کوڈرینگٹن شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک

			سوسائٹی لندن ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۱۲
ایضاً	۲	۱۶۲	مغل ایمپررس مولفہ آر' بی' وائٹ ہیڈ سکہ نشانات ۲۱۳۰
رفیع الدرجات	۱	۱۶۲	اے میانول آف مسلمان نیومسماٹکس' مرتبہ اوکوڈ ریگنٹن شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۱۲
ایضاً	۲	۱۶۳	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۳۱ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۳	۱۶۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۳۲
ایضاً	۴	۱۶۳	مغل ایمپررس مولفہ آر' بی' وائٹ ہیڈ سکہ نشانات ۲۲۷۳
ایضاً	۵	۱۶۳	مفتاح التواریخ مطبوعہ کانپور صفحہ ۳۰۴' مصنفہ مسٹر بیل۔
رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی	۱	۱۶۳	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ' مرتبہ سی' جے' براؤن جلد اول صفحہ ۳۲ شائع کردہ آر' سی' سینیر لمیٹڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۲	۱۶۳	ایضاً ایضاً ایضاً
دبیر	۱	۱۶۳	تلخیص خافی خاں ترجمہ ڈاوسن (ای ڈی VII ۴۸۲)
مدابراہیم	۱	۱۶۴	دی کوائنس آف دی مغل ایمپررس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم' مرتبہ اسٹینلی لین پول صفحہ ۲۷۲

			شائع کردہ انٹرانڈیا پبلیکیشنز نئی دہلی ۱۹۸۳ء
محمد شاہ	۱	۱۶۴	سکہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ شمسی پریس آگرہ صفحہ ۱۹
ایضاً	۲	۱۶۴	کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ، مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۲ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۳	۱۶۴	سکہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری، مطبوعہ شمسی پریس، آگرہ صفحہ ۲۶
احمد شاہ	۱	۱۶۴	کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ، مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۳ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی
عزیز الدین عالمگیر ثانی	۱	۱۶۴	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۲	۱۶۵	مغل امپررس مولفہ آر بی وائٹ ہیڈ سکہ نشان ۲۷۶۶
ایضاً	۳	۱۶۵	کیٹلاگ آف کوائنس اِن دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ مرتبہ سی جے براؤن جلد اول صفحہ ۳۳ شائع کردہ آر سی سینیر لمیٹیڈ ۱۹۸۶ء دہلی۔
ایضاً	۴	۱۶۵	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۵	۱۶۵	سکہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ شمسی پریس آگرہ صفحہ ۲۱

شاہ عالم ثانی	۱	۱۶۵	فہرست سکّہ جات مرتبہ محمد عبدالعزیز خاں بریلوی وکیل فرخ آباد، بحکم مارک تھارنہل جج فرخ آباد صفحہ ۳۵
ایضاً	۲	۱۶۵	ایضاً ایضاً صفحہ ۳۴
بیدار بخت	۱	۱۶۵	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشل میوزیم لکھنؤ، مرتبہ سی، جے، براؤن، جلد اول صفحہ ۳۴ شائع کردہ آر، سی، سینیر لمیٹڈ سنہ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۲	۱۶۶	اے مینوئل آف مسلم نیومسمیٹکس، مرتبہ اوکوڈرینگٹن شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن سنہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۱۳
ایضاً	۳	۱۶۶	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۶
اکبر شاہ ثانی	۱	۱۶۶	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشل میوزیم لکھنؤ، مرتبہ سی، جے، براؤن جلد اول صفحہ ۳۴ شائع کردہ آر، سی، سینیر لمیٹڈ سنہ ۱۹۸۶ء دہلی
ایضاً	۲	۱۶۶	سکّہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ شمسی پریس آگرہ صفحہ ۲۶
ایضاً	۳	۱۶۶	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۶
ایضاً	۴	۱۶۶	سکّہ جات سلاطین مغلیہ کے ابیات نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ شمسی پریس آگرہ صفحہ ۲۶،

ہادرشاہ ظفر	۱	۱۶۶	ایضاً ایضاً ایضاً
یضاً	۲	۱۶۷	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۸
ضاً	۳ تا ۶	۱۶۷	ایضاً ایضاً ایضاً
لطنت خداداد میسور			
یپو سلطان	۱	۱۶۸	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۷
ایضاً	۲	۱۶۸	۱. ایضاً ایضاً ایضاً ۲. کیٹلاگ آف دی کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب دوم صفحہ ۲۷۰، مولفہ جے آر ہینڈرسن شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن ۱۹۷۶ء نئی دہلی، مرتبہ جے ایلن،
نوابان اودھ			
غازی الدین حیدر	۱	۱۶۸	ایضاً ایضاً باب اول صفحہ ۲۷ مولفہ سی جے براؤن۔
صیرالدین حیدر	۱	۱۶۸	ایضاً ایضاً صفحہ ۳۵
یضاً	۲	۱۶۸	ایضاً ایضاً صفحہ ۳۴
ایضاً	۳	۱۶۸	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۵
ایضاً	۴	۱۶۹	ایضاً ایضاً ایضاً
محمد علی شاہ	۱	۱۶۹	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۴۲
امجد علی شاہ	۱	۱۶۹	ایضاً ایضاً ایضاً

واجد علی شاہ	۱	۱۶۹	کیٹیلاگ آف دی کوائنس اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب اول صفحہ ۴۹، مولفہ سی جے براؤن، مرتبہ جے ایلن شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن سنہ ۱۹۷۶ء نئی دہلی
رمضان علی شاہ برجیس قدر	۱	۱۶۹	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی حالی مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۷
ایضاً	۲	۱۷۰	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۷۰	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۴	۱۷۰	ایضاً ایضاً ایضاً
کامروپ (رنگپور آسام) کے حکمران،	۰		
رانی پرتھیشوری	۱	۱۷۰	کوائنس آف اینشینٹ انڈیا اِن دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد اول صفحہ ۳۰۱ مصنفہ وینسنٹ اسے اسمتھ شائع کردہ انڈولاجیکل بک ہاؤز دہلی سنہ ۱۹۷۲ء
اپیشوراسمہا	۱	۱۷۰	ایضاً ایضاً صفحہ ۳۰۴
سکھ حکمران			
باندہ سنگھ	۱	۱۷۰	کوائنس مرتبہ پرمیشوری لال گپتا، شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی سنہ ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۳۵
ستا سنگھ	۱	۱۷۱	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۳۶

رنجیت سنگھ	۱	۱۷۱	ایضاً ایضاً ایضاً
کشمیر کے ڈوگرا حکمران			
رنجیت دیو	۱	۱۷۱	کیپلیٹس آن کوائنس آف جہانگیر مرتبہ سی جے راجرس جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، شمارہ LIV حصہ اول صفحہ ۶۴ سنہ ۱۸۸۵ء
روسائے ٹونک			
ابراہیم علی خاں	۱	۱۷۱	کیٹلاگ آف دی کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ، جلد چہارم باب سوم صفحہ ۲۷۳، مولفہ سی جے، راجرس، مرتبہ جے ایلن شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن سنہ ۱۹۷۹ء نئی دہلی
راجگان جودھپور			
تخت سنگھ	۱	۱۷۱	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲۳
جسونت سنگھ	۱	۱۷۲	ایضاً ایضاً ایضاً
اندور کے حکمران			
جسونت سنگھ	۱	۱۷۲	کیٹلاگ آف دی کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب سوم صفحہ ۳۲۲، مولفہ ڈبلیو، ایچ، والینٹائن، مرتبہ جے ایلن، شائع کردہ

			انڈو لاجیکل بک کارپوریشن نئی دہلی سنہ ۱۹۷۶ء
صفوی حکمران			
اسمٰعیل شاہ ثانی	۱	۱۷۲	تبریز میوزیم کیٹلاگ جلد سوم صفحہ ۲۱ مرتبہ آقائی جمال ترابی طباطبائی
محمد خدابندہ	۱	۱۷۲	ایضاً ایضاً ایضاً
عباس اول	۱	۱۷۲	ایضاً ایضاً ایضاً
صفی اول	۱	۱۷۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۲
عباس ثانی	۱	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۲	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
سلیمان اول (صفی ثانی)	۱	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۲	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۴	۱۷۳	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۵	۱۷۴	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۶	۱۷۴	ایضاً ایضاً ایضاً
حسین اول	۱	۱۷۴	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۳
ایضاً	۲	۱۷۴	ایضاً ایضاً ایضاً

ایضاً	۳	۱۷۴	ایضاً	ایضاً	ایضاً
طہماسپ ثانی	۱	۱۷۴	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۲	۱۷۴	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۳	۱۷۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً
احمد صفوی	۱	۱۷۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً
عباس ثالث	۱	۱۷۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سام صفوی	۱	۱۷۵	ایضاً	ایضاً	صفحہ ۲۴
ایضاً	۲	۱۷۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سلیمان ثانی	۱	۱۷۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً
حسین ثانی	۱	۱۷۶	ایضاً	ایضاً	ایضاً
محمد صفوی	۱	۱۷۶	ایضاً	ایضاً	ایضاً
افاغنہ حکمران					
میر اویس	۱	۱۷۷	البم مرتبہ رابینو صفحہ ۴۱		
میر محمود	۱	۱۷۷	تبریز میوزیم کیٹیلاگ جلد سوم صفحہ ۲۵ مرتبہ آقائی جمال ترابی طباطبائی		
ایضاً	۲	۱۷۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۳	۱۷۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۴	۱۷۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۵	۱۷۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۶	۱۷۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً
میر اشرف	۱	۱۷۸	ایضاً	ایضاً	ایضاً

ایضاً	۲	۱۷۸	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۶
ایضاً	۳	۱۷۸	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۵
آزاد خاں باغی	۱	۱۷۸	ایضاً ایضاً صفحہ ۲۶
افشاری حکمران			
نادر شاہ	۱	۱۷۹	اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس، مرتبہ اڈکوڈ رنگٹن شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۴ء صفحہ ۹۹
ایضاً	۲	۱۷۹	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۲
ایضاً	۳	۱۷۹	دی کوائنس آف نادر شاہ اینڈ درانیز مرتبہ آر بی وائیٹ ہیڈ سکہ نشان ۵۱
ایضاً	۴	۱۷۹	کیٹیلاگ آف دی کوائنس کلکٹیڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی گورنمنٹ آف دی پنجاب حصہ دوم صفحہ ۱۶۲، مطبوعہ بیاپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۹۴ء
ایضاً	۵	۱۷۹	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۲
ایضاً	۶	۱۷۹	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۷	۱۷۹	ایضاً ایضاً صفحہ ۴۱
عادل شاہ	۱	۱۸۰	تبریز میوزیم کیٹیلاگ جلد سوم صفحہ ۲۸، مرتبہ آقائی جمال ترابی طباطبائی

ایضاً	۲	۱۸۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ابراہیم شاہ	۱	۱۸۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۲	۱۸۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً
شاہ رخ	۱	۱۸۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۲	۱۸۱	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۳	۱۸۱	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۴	۱۸۱	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۵	۱۸۱	ایضاً	ایضاً	ایضاً
زند حکمران					
کریم خاں زند	۱	۱۸۱	ایضاً	ایضاً	صفحہ ۳۱
قاچار حکمران					
محمد حسن قاچار	۱	۱۸۲	ایضاً	ایضاً	صفحہ ۳۳
ایضاً	۲	۱۸۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۳	۱۸۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً
آقا محمد قاچار	۱	۱۸۲	ایضاً	ایضاً	صفحہ ۳۴
ایضاً	۲	۱۸۲	ایضاً	ایضاً	صفحہ ۳۳
ایضاً	۳	۱۸۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً
فتح علی شاہ قاچار	۱	۱۸۳	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۲	۱۸۳	ایضاً	ایضاً	ایضاً
ایضاً	۳	۱۸۳	ایضاً	ایضاً	ایضاً

ایضاً	۴	۱۸۳	ایضاً ایضاً ایضاً
محمد حسن خاں سالار	۱	۱۸۳	ایضاً ایضاً صفحہ ۴۴
ناصرالدین شاہ قاچار	۱	۱۸۳	گنج شائیگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۲
دُرّانی حکمران			
احمد شاہ دُرّانی	۱	۱۸۴	کیٹیلاگ آف دی کوائنس کلکٹیڈ بائی چارلس جے، راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی گورنمنٹ آف دی پنجاب حصہ دوم صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ بیاپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سنہ ۱۸۹۴ء
سلیمان شاہ دُرّانی	۱	۱۸۴	دی کوائنس آف نادر شاہ اینڈ دُرّانیز، مرتبہ آر، بی، وائٹ ہیڈ سکہ نشان ۳۴۴
ایضاً	۲	۱۸۴	ایضاً سکہ نشان ۳۴۳
ایضاً	۳	۱۸۴	ایضاً سکہ نشان ۳۵۰
تیمور شاہ دُرّانی	۱	۱۸۴	۱. کیٹیلاگ آف دی کوائنس کلکٹیڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی گورنمنٹ آف دی پنجاب حصہ دوم صفحہ ۱۲۹، مطبوعہ بیاپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سنہ ۱۸۹۴ء۔ ۲۔ دی کوائنس آف نادر شاہ اینڈ دُرّانیز مرتبہ آر، بی، وائٹ ہیڈ سکہ نشان ۳۵۱
ایضاً	۲	۱۸۴	کیٹیلاگ آف دی کوائنس کلکٹیڈ بائی چارلس جے، راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی گورنمنٹ آف دی پنجاب حصہ دوم صفحہ ۱۷۰، مطبوعہ بیاپٹسٹ

			مشن پریس کلکتہ ۱۸۹۴ء
همایوں شاہ دُرّانی	۱	۱۸۵	دی کوائنس آف نادر شاہ اینڈ دُرّانیز، مرتبہ آر بی وائیٹ ہیڈ سکہ نشان ۷۱۵
زماں شاہ دُرّانی	۱	۱۸۵	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۷۱۶
ایضاً	۲	۱۸۵	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۷۱۷
ایضاً	۳	۱۸۵	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۷۱۸
محمود شاہ دُرّانی	۱	۱۸۵	۱. کیٹیلاگ آف دی کوائنس کلکٹیڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی گورنمنٹ آف دی پنجاب حصہ دوم صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ بیاپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۹۴ء ۲. اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس مرتبہ او' کوڈرنگٹن صفحہ ۱۰۳ شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائیٹی لندن ۱۹۰۴ء ۳. دی کوائنس آف نادر شاہ اینڈ دُرّانیز، مرتبہ آر بی وائیٹ ہیڈ سکہ نشان ۱۰۶۰
ایضاً	۲	۱۸۵	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۸۸۱
شاہ شجاع دُرّانی	۱	۱۸۶	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۱۰۲۰
ایضاً	۲	۱۸۶	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۱۰۲۹
ایضاً	۳	۱۸۶	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۹۹۸
ایضاً	۴	۱۸۶	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۹۷۴
ایضاً	۵	۱۸۶	حدیقۃ الاقالیم تصنیف ۱۱۹۰ھ مخطوطہ در کتابخانہ آقائی شیخ زادہ مشہد ایران.

قیصر شاہ دُرّانی	۱	۱۸۶	اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس، مرتبہ او، کوڈرینگٹن صفحہ ۱۰۳، شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۴ء
نور الدین شاہ دُرّانی	۱	۱۸۷	اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس، مرتبہ او، کوڈرینگٹن صفحہ ۱۰۳ شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۴ء
ایوب شاہ دُرّانی	۱	۱۸۷	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۰۴
ایضاً	۲	۱۸۷	ایضاً ایضاً ایضاً
کامران شاہ دُرّانی	۱	۱۸۷	دی کوائنس آف نادر شاہ اینڈ دُرّانیز، مرتبہ آر.بی. وائیٹ ہیڈ سکہ نشان ۱۲۰۷
شہپور شاہ	۱	۱۸۷	ایضاً ایضاً سکہ نشان ۱۲۲۹
بارق زائی حکمران			
امیر دوست محمد	۱	۱۸۸	اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس، مرتبہ او، کوڈرینگٹن صفحہ ۱۰۴ شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۴ء
ایضاً	۲	۱۸۸	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۳	۱۸۸	کیٹیلاگ آف دی کوائنس کلکٹیڈ بائی چارلس جے، راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی گورنمنٹ آف دی پنجاب حصہ دوم صفحہ ۱۸۲، مطبوعہ بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۹۴ء
امیر شیر علی	۱	۱۸۸	اے میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس

			مرتبہ او' کوڈرینگٹن صفحہ ۱۰۵' شائع کردہ' دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن سنہ ۱۹۰۴ء
ایضاً	۲	۱۸۸	گنج شایگاں مولفہ محمد رفیع موہانی عالی' مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۴
ایضاً	۳	۱۸۸	اے میانول آف مسلمان نیو مسمیاٹکس مرتبہ او' کوڈرینگٹن صفحہ ۱۰۵' شائع کردہ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن سنہ ۱۹۰۴ء
ایضاً	۴	۱۸۸	ایضاً ایضاً ایضاً
ایضاً	۵	۱۸۹	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۰۶
ایضاً	۶	۱۸۹	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۰۵
امیر محمد افضل	۱	۱۸۹	ایضاً ایضاً ایضاً
امیر محمد اعظم	۱	۱۸۹	ایضاً ایضاً ایضاً
محمد جان باغی	۱	۱۸۹	ایضاً ایضاً صفحہ ۱۰۶
خانان خوقند			
محمد علی	۱	۱۸۹	قلمی بیاض مملوکہ شنا گل خاں۔ کابل

فہرست مآخذ متن

نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	صفحات متن
۱.	تاریخ سندھ۔ فارسی۔ قلمی انڈیا آفس لائبریری۔ لندن	محمد معصوم المتخلص بہ نامی	۹
۲.	گنج شائیگاں مطبوعہ مراد آباد سنہ ۱۹۰۳ء	محمد رفیع موہانی عالی	۱۳۔ ۳۹۔ ۹۴۔ ۱۰۴۔ ۱۰۶۔ ۱۱۷۔ ۱۲۱
۳.	کیٹلاگ تبریز میوزیم مطبوعہ ایران۔ جلد سوم	آقائے جمال ترابی طباطبائی	۱۴
۴.	کیٹلاگ آف مغل کوائنس ان دی اسٹیٹ میوزیم لکھنؤ مطبوعہ لکھنؤ سنہ ۱۹۲۵	سی آر سنگھال	۱۴.
۵.	دی کوائنس آف دی مغل امپرس آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۹۲ء	اسٹینلی لین پول	۱۵۔ ۶۴۔ ۷۰۔ ۸۱۔ ۸۴۔ ۹۰۔ ۹۶

نشانِ سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	صفحاتِ متن
۶.	منٹ ٹاونس اینڈ کوائنس آف دی محمڈنس مطبوعہ لندن ۱۸۸۸ء	یوجین لیگیٹ	۱۵.
۷.	میانول آف مسلمان نیومسمیاٹکس مطبوعہ لندن ۱۹۰۴ء	او. کوڈرنگٹن	۱۵.
۸.	کیٹلاگ آف دی کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ، مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۷ء	اچ نیلسن رائٹ	۱۵. ۱۸
۹.	جرنل آف دی نیومسمیاٹک سوسائٹی جلد ۱۸	آر. بی وائٹ ہیڈ	۱۹.
۱۰.	ہسٹاریکل اسٹڈیز ان مغل نیومسمیاٹکس مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۳ء	ایس ایچ ہوڈی والا	۱۹.
۱۱.	منتخب اللباب مطبوعہ کلکتہ	خافی خاں	۲۱. ۲۳. ۲۷
۱۲.	تاریخ جہانگیر، شائع کردہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء	ڈاکٹر بنی پرشاد، مترجمہ رحم علی الہاشمی	۲۱ - ۲۹
۱۳.	تاریخ شاہ جہاں. شائع کردہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۸۵ء	ڈاکٹر بنارسی پرشاد مترجمہ ڈاکٹر سید اعجاز حسین	۲۱ - ۸۳
۱۴.	عالمگیرنامہ - قلمی. مخزونہ، اے پی گورنمنٹ اورینٹل میانوسکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد	مرزا احمد کاظم	۲۱. ۸۶. ۸۷

نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	صفحات متن
۱۵.	البرامکہ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء	عبدالرزاق کانپوری	۲۲. ۲۶. ۲۷. ۲۸
۱۶.	روئیداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۸۳ء	اے. کنگھیم	۲۳.
۱۷.	نیومسمیاٹا اور ینٹالیا الٹراٹا مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء جلد دوم	ولیم مارسڈن	۲۴. ۲۵. ۸۷
		جان رچرڈسن	۲۵.
۱۸.	پرشین اینڈ عربک ڈکشنری. مطبوعہ لندن ۱۸۰۸ء جلد اول		
۱۹.	کتاب الوزراء والکتّاب قلمی عربی کتب خانہ اسکول آف اورینٹل اینڈ آفریکن اسٹڈیز لندن یونیورسٹی	محمد بن عبدوس الجشیاری	۲۶. ۴۰.
۲۰.	روئیداد ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال، مارچ ۱۸۸۵ء	جیمس گبس	۲۶. ۸۷
۲۱.	ڈاکٹر غلام یزدانی کمیموریٹو والیوم شائع کردہ ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد ۱۹۶۶ء	ڈاکٹر وی ایس اگروال	۲۷.
۲۲.	آئین اکبری مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ	ابوالفضل علامی، مرتبہ سید احمد خاں	۲۸. ۶۵. ۷۹
۲۳.	توزک جہانگیری. مطبوعہ لکھنؤ	شہنشاہ جہانگیر	۲۸. ۷۴
۲۴	توزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۶۴ء جلد دوم	شہنشاہ جہانگیر	۲۹

نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	صفحات متن
۲۵.	تکملہ اکبر نامہ شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۸۸۶ء انگریزی	شیخ عنایت اللہ	۲۹.
۲۶.	بادشاہ نامہ جلد دوم	عبدالحمید لاہوری	۲۹.
۲۷.	مآثر عالمگیری	مستعد خاں	۳۰. ۸۶
۲۸.	عالمگیر نامہ	مرزا محمد کاظم	۳۰. ۸۶
۲۹.	کوائنس شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ نئی دہلی سنہ ۱۹۶۹ء	پرمیشوری لال گپتا	۳۲. ۱۱۹
۳۰.	کارپس آف انڈین کوائنس جلد چہارم دی کوائنس آف گپتا ایمپائر شائع کردہ نیومسماٹک سوسائیٹی آف انڈیا بنارس سنہ ۱۹۵۴ء	اے ایس. الٹیکر	۳۲
۳۱.	برٹش میوزیم کیٹلاگ آف گپتا گولڈ کوائنس مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۱۴	جان ایلن	۳۳.
۳۲.	دی ہیجنٹ آف انڈیاز ہسٹری نیویارک سنہ ۱۹۶۴ء	ٹریوڈ ایمرسن. سین	۳۳.
۳۳.	جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال (نیو سیریز) جلد دہم شمارہ ۶ بابتہ سنہ ۱۹۱۴ء	جان ایلن	۳۴
۳۴.	دی گپتا گولڈ کوائنس ان دی بیانہ ہورڈ شائع کردہ نیومسماٹک	اے ایس الٹیکر	۳۴.

نشانِ سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	صفحات متن
	سوسائٹی آف انڈیا ۱۹۵۴ء		
۳۵.	دی ونڈر دٹ واز انڈیا شائع کردہ روپا اینڈ کمپنی نئی دہلی ۱۹۸۷ء	اے۔ ایل باشم	۳۵.
۳۶.	تاریخ ادبیات عربی شائع کردہ مکتبہ فیض العلوم حیدر آباد	ڈاکٹر سید ابوالفضل	۳۷. ۳۸. ۴۰
۳۷.	عرب و ہند کے تعلقات مطبع معارف اعظم گڈھ طبع جدید ۱۹۸۴ء	سید سلیمان ندوی	۳۹.
۳۸.	الذخایر والتحف مطبوعہ کویت ۱۹۵۹ء	قاضی ابن الزبیر مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی	۴۰.
۳۹.	الذیل	ابو محمد فرغانی	۴۲.
۴۰.	الکامل جلد نہم	ابن الاثیر	۴۲.
۴۱.	مسلم مانیومنٹس آف احمد آباد مطبوعہ پونا ۱۹۴۹ء	ایم۔ اے۔ چغتائی	۴۷
۴۲.	کشمیر سلاطین کے عہد میں مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۶۷ء	مرتبہ محب الحسن مترجمہ علی حماد عباسی	۵۲. ۵۳. ۵۴
۴۳.	نیومسمیاٹک کرانیکل XIII، سلسلہ نجم دی گولڈ کوائنس آف دی سلطانس آف کشمیر	آر بی وائٹ ہیڈ	۵۴. ۵۵
۴۴.	ہسٹری آف میڈی ایول دکن جلد اول شائع کردہ حکومت آندھرا پردیش ۱۹۷۳ء	پروفیسر ہارون خاں شروانی	۵۶. ۶۰

نشان سلسلہ	نام کتاب	نام مصنف	صفحات متن
۴۵۔	ہسٹری آف میڈیول دکن جلد دوم شائع کردہ حکومت آندھرا پردیش ۱۹۷۳ء	پروفیسر ہارون خاں شروانی	۵۹
۴۶۔	تاریخ گولکنڈہ شائع کردہ سلسلۂ مطبوعات ادبیات اردو حیدرآباد شمارہ ۲۹۶ طبع دوم ۱۹۶۴ء	پروفیسر عبدالمجید صدیقی	۶۱
۴۷۔	النقود الاسلامیہ مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد دکن	حکیم سید شمس اللہ قادری	۶۳۔۸۷
۴۸۔	دی کیٹیلاگ آف پرشین کوائنس	آر، ایس، پول	۶۹
۴۹۔	دین الٰہی اور اس کا پس منظر شائع کردہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	مہر محمد خاں شہاب	۷۰
۵۰۔	رود کوثر طبع چہارم	محمد اکرام	۷۱
۵۱۔	اکبر نامہ قلمی جلد سوم، اے پی گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد	ابوالفضل علامی	۷۲
۵۲۔	دربار اکبری شائع کردہ شیخ مبارک علی لاہور پانچواں ایڈیشن جینٹ	محمد حسین آزاد	۷۲
۵۳۔	دی کیٹیلاگ فار سیل آف لوٹ گولڈ مہرس آف جہانگیر اینڈ		۷۳۔۸۴

صفحات متن	نام مصنف	نام کتاب	نشان سلسلہ
	بیابسبرگ فیلڈمان' ایس' آے	شاہ جہاں۔ جینوا سوئیٹزرلینڈ نومبر ۱۹۸۷ء	
۷۶	ابوالفضل علامی	اکبرنامہ جلد دوم	۵۴۔
۷۹	فرانسس جان سن	پرشین' عربک اینڈ انگلش ڈکشنری لندن۔ ۱۸۵۲ء	۵۵۔
۸۶	سی' جے' براؤن	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشیل میوزیم لکھنؤ۔ مغل ایمپرس جلد اول' اکسفورڈ ۱۹۲۰ء	۵۶۔
۸۶		جرنل آف نیومسمیاٹک سوسائٹی آف انڈیا جلد ۱۹ ۱۹۵۲ء جزو اول	۵۷۔
۹۱۔ ۹۲۔ ۹۵۔ ۹۸۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۳	سی۔ جے' براؤن	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی پراونشل میوزیم لکھنؤ' جلد اول شائع کردہ آر سی سینیئر لمیٹڈ دہلی طبع ثانی ۱۹۸۶ء	۵۸۔
۹۴	ڈبلیو۔ اردن	دی لیٹر مغلس۔ جرنل آف نیو مسمیاٹک سوسائٹی آف انڈیا' جلد XXIII' جزو اول شمارہ ۱ تا ۴ ۱۹۳۴ء	۵۹۔
۹۴	آر' بی' وائٹ ہیڈ	کوائنس آف مغل ایمپررس	۶۰۔
۹۸۔ ۹۹۔ ۱۱۴	جے' آر' ہنڈرسن	کیٹلاگ آف کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب دوم	۶۱

صفحات متن	نام مصنف	نام کتاب	نشان سلسلہ
۱۰۳	سر جیمس لیال	دی کوائنس آف دی مغل ایمپرس آف انڈیا کلکٹیڈ بائی چارلس جے راجرس اینڈ پرچیزڈ بائی دی پنجاب گورنمنٹ، طبع کردہ منجانب حکومت پنجاب ۱۸۹۳ء	۶۲۔
۱۰۵	مرزا حیرت دہلوی	چراغ دہلی مطبوعہ کرزن پریس دہلی دسمبر ۱۹۰۳ء	۶۳۔
۱۰۵۔ ۱۰۶	مرزا غالب	اردوئے معلی مطبع اردو گائیڈ کلکتہ ۱۸۸۳ء	۶۴۔
۱۰۶	ظ۔ انصاری	ماہنامہ "شاعر" "غالب نمبر" غالب کی کہانی	۶۵۔
۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰ ۱۱۳	محمود خاں بنگلوری	تاریخ سلطنت خداداد میسور شائع کردہ ہمالیہ بک ہاؤز دہلی ۱۹۷۰ء لندن	۶۶۔
۱۱۲	نپولین بوناپارٹ	نپولین کا خط پیش کردہ درنمائش اکتوبر ۱۹۹۰ء بحوالہ "بی بی سی"	۶۷۔
۱۱۷	سی، جے، براؤن	کیٹلاگ آف دی کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب اول، شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن نئی دہلی ۱۹۷۶ء	۶۸۔

صفحات متن	نام مصنف	نام کتاب	نشان سلسلہ
۱۱۹	وینسنٹ اے اسمتھ	کوائنس آف اینشینٹ انڈیا ان دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد اول شائع کردہ انڈولاجیکل بک ہاؤز دہلی سنہ ۱۹۷۲ء	۶۹۔
۱۲۱۔ ۱۲۲	ڈبلیو ایچ والنٹائن	کیٹیلاگ آف دی کوائنس ان دی انڈین میوزیم کلکتہ جلد چہارم باب سوم شائع کردہ انڈولاجیکل بک کارپوریشن نئی دہلی سنہ ۱۹۷۶ء	۷۰۔
۱۲۶۔ ۱۳۸	اسٹینلی لین پول مترجمہ محمد عبدالرحمٰن خاں سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	مسلمان شاہی خاندان اور اُن کے سلسلے۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن سلسلہ مطبوعات ادارہ ادبیات اردو شمارہ ۱۳۶	۷۱۔

فہرستِ تصاویرِ سکہ جات

نشانِ لوحہ	نام حکمران	نشانِ سکہ	حوالہ شعر: صفحہ کتاب	حوالہ شعر: نشانِ شعر	
۱	سمدرا گپتا	۱	۱۴۱	۱	
ایضاً	ایضاً	۲	ایضاً	۲	
ایضاً	ایضاً	۳	ایضاً	۳	
ایضاً	ایضاً	۴	ایضاً	۴	
ایضاً	کاچا گپتا	۱	ایضاً	۱	
ایضاً	چندرا گپتا	۱	ایضاً	۱	
ایضاً	ایضاً	۲	۱۴۲	۲	
۲	کمارا گپتا	۱	ایضاً	۱	
ایضاً	ایضاً	۲	ایضاً	۲	
ایضاً	ایضاً	۳	ایضاً	۳	
ایضاً	ایضاً	۴	ایضاً	۴	
ایضاً	ایضاً	۵	ایضاً	۵	
ایضاً	اسکند گپتا	۱	ایضاً	۱	
۳	محمد شاہ ثانی (گجرات)	۱	۱۴۶	۱	
ایضاً	بہادر شاہ (گجرات)	۱	ایضاً	۱	

۳	حسن شاہ (کشمیر)	۱	۱۴۶	۱	
ایضاً	فتح شاہ (کشمیر)	۱	ایضاً	۱	
ایضاً	محمد عادل شاہ (بیجاپور)		۱۴۷	۱	
ایضاً	محمد قلی قطب شاہ (گولکنڈہ)	۱	ایضاً	۱	ایک ہی شعر والے چار سکوں کی تصاویر دی گئی ہیں ۔
ایضاً	ایضاً	۲	ایضاً	ایضاً	
ایضاً	ایضاً	۳	ایضاً	ایضاً	
ایضاً	ایضاً	۴	ایضاً	ایضاً	
۴	شہنشاہ اکبر	۱	۱۴۹	۶	
ایضاً	ایضاً	۲	ایضاً	۷	
ایضاً	ایضاً	۳	ایضاً	۸	
ایضاً	شہنشاہ جہانگیر	۱	۱۵۰	۳، ۴	
ایضاً	ایضاً	۲	۱۵۱	۵، ۷	
ایضاً	ایضاً	۳	۱۵۴	۳۳	
ایضاً	ایضاً	۴	۱۵۷	۵۵	
ایضاً	ایضاً	۵	ایضاً	۵۶	
ایضاً	ایضاً	۶	ایضاً	ایضاً	
ایضاً	ایضاً	۷	۱۵۲	۱۵	
ایضاً	ایضاً	۸	۱۵۴	۳۱	
ایضاً	ایضاً	۹	ایضاً	۳۳	
ایضاً	ایضاً	۱۰	ایضاً	ایضاً	
۵، ۶	ایضاً		۱۵۰	۲۰۱	ہزار تولے کی اشرفی
۷، ۸	شہنشاہ شاہجہاں		۱۵۸	۲۰۱	دو سو تولے کی اشرفی

۹	شہنشاہ شاہجہاں	۱	۱۵۸	۴.۳	ایک سوتولے کی
ایضاً	ایضاً	۲	۱۵۹	۶	
۱۰	شہنشاہ اورنگ زیب	۱	ایضاً	۲-۱	ایک سوتولے کی ا
ایضاً	ایضاً	۲	۱۶۰	۳	
۱۱	ایضاً	۱ }	ایضاً	۴	
ایضاً	ایضاً	۲ }			
ایضاً	ٹیپوسلطان	۴.۳.۲.۱	۱۶۸	۲	
ایضاً	نادرشاہ	۱	۱۷۹	۴	
ایضاً	احمد شاہ درّانی	۱	۱۸۴	۱	

پس نوشت

"سکوں پر اشعار" کی کتابت اور طباعت کے سلسلے میں میرے برادرِ عم زاد میاں سید علی مسعود عابد اکلوی نے جو مفید مشورے دیئے اور سخنے و قدمے جو اعانت کی وہ میرے لئے باعث منت ہے۔

"سکوں پر اشعار" کی تسوید کے دوران مجھے اپنے برادر زادہ میاں سید قطب الدین اکلوی سے جو مدد ملی ہے اس کے لئے بھی میں ان کا احسان مند ہوں۔

میرے دوست محمد ریاست علی تاج صاحب ریسرچ اسکالر نے اِس کتاب کے مبیضہ کی قرأت و سماعت اور تصحیح کتابت میں میری جو مدد کی ہے اس کے لئے میں ان کا سپاس گزار ہوں۔

○

امیر خسرو

صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۲۴۲ پر سکوں کی تصاویر شائع ہونی تھیں لیکن ناگزیر اسباب کے باعث شائع نہ ہو سکیں، اس کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

——— ادارہ

○ امیر خسرو کے چند غیر مطبوعہ مقطعات

——— ڈاکٹر سید الرب عرفان

ڈاکٹر عبد الرب عرفان
صدر شعبۂ اردو و فارسی
وسنت راؤ نائک انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز،
ناگپور (مہاراشٹر)

امیر خسرو کے چند غیر مطبوعہ مقطعات

کثرت تصانیف کے لحاظ سے امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) فارسی کے کم نظیر شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ فیروز شاہ کے مورخ برنی کے بیان کے مطابق ان کی تصانیف سے ایک کتب خانہ بن سکتا ہے۔[1] میر خورد نے بھی برنی کے اس بیان کی تائید کی ہے۔[2] مولانا جامی کے بقول امیر خسرو کی تصانیف کی تعداد ننانوے ۹۹ ہے۔[3] امین احمد رازی نے مجموعی تعداد ایک سو ننانوے ۱۹۹ تحریر کی ہے۔[4] لیکن ان بیانات کے برعکس خسرو کی تصانیف بہت کم تعداد میں، اور جامی کے قول کو قرین صحت تسلیم کر لینے کی صورت میں نصف سے بھی کم دستیاب ہیں۔

۱۹۱۵ء میں نواب اسحٰق خاں نے خسرو کی تصانیف کی تلاش کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ بڑی کد و کاوش کے بعد انھیں خسرو کی صرف پینتالیس ۴۵ تصانیف کا سراغ پانے میں کامیابی ہوئی۔[5] ان میں ان کے پانچوں دیوان بھی شامل ہیں جن کی تدوین خسرو نے اپنی عمر کے مختلف ادوار میں خود اپنے ہاتھوں سے کی اور زمانۂ تدوین کی (بلحاظ سن) مناسبت ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے نام علی الترتیب تحفۃ الصغر، وسط الحیوٰۃ، غرۃ الکمال، بقیۂ نقیہ اور نہایت الکمال تجویز کیے۔ ان دواوین میں سے باستثناے نہایت الکمال،[6] کوئی دیوان خسرو کے تجویز کردہ نام کے ساتھ علاحدہ شائع نہیں ہوا۔[7] اول الذکر چار دیوانوں کے مشمولات

۱۔ تاریخ فیروز شاہی، تصحیح مولوی سید احمد خاں، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۳۵۹۔ ۲۔ سیر الاولیا، دہلی ۱۹۰۲ء، ص ۳۰۱-۵۔ ۳۔ نفحات الانس، تصحیح مہدی توحیدی پور، تہران ۱۳۳۶ شمسی، ص ۶۱۰۔ ۴۔ ہفت اقلیم، بحوالہ امیر خسرو، ڈاکٹر وحید مرزا، الہ آباد ۱۹۴۹ء، ص ۱۹۲۔ ۵۔ امیر خسرو، ڈاکٹر وحید مرزا، الہ آباد ۱۹۴۹ء، ص ۱۹۲-۴۔ ۶۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے نہایت الکمال کو بھی غیر مطبوعہ لکھا ہے (امیر خسرو، ص ۲۲۷) لیکن یہ دیوان ۱۳۳۲ھ میں مطبع قیصریہ دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔ ۷۔ خواجہ سید محمد اسلام الدین نقاش نے کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد کے ایک ضخیم قلمی نسخے کے عکس کو دیوان تحفۃ الصغر کے نام سے شائع کیا ہے لیکن راقم الحروف کو اس کے خالصۃً تحفۃ الصغر تسلیم کرنے میں تامل ہے کیونکہ اس نسخے میں امیر خسرو کے دیگر دواوین کے مشمولات بھی شامل ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ محولہ بالا نسخہ بھی انجمن اصلاح الانصار کامٹی کے نسخے اور خدا بخش لائبریری کے نسخوں (نمبر ۳۳۴، ۳۳۵ اور ۱۸۰۷) کی طرح دواوین خسرو کے انتخابات پر مشتمل ہے۔

کا انتخاب کلیات عناصر دواوین خسروؒ کے نام سے مطبع نولکشور کانپور سے پہلی بار ۱۸۷۱ء میں طبع ہوا، پھر ۱۹۲۴ء تک اس کے تین اور ایڈیشن نکلے۔ ۱۳۴۳ شمسی ہجری (۱۹۶۵ء) میں ایران کے مشہور ادیب اور محقق سعید نفیسی نے ایک قدیم قلمی نسخے (سال استنساخ ۷۴۳ھ) کی مدد سے دیوان کامل امیر خسرو دہلویؒ مرتب کرکے شائع کیا۔ اس کی پیش گفتار میں آقائے م۔ درویش بصراحت اعتراف فرماتے ہیں:

"ما نسخہ اشعار نہایت الکمال در ہیچ نسخہ نشانہ ای بدست نیامد"[1]

۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر انوار الحسن نے امیر خسرو کا دیوان از سر نو مرتب کرکے شائع فرمایا۔ اس دیوان کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

"میں نے نولکشوری ایڈیشن اور سعید نفیسی کے اس جدید ایڈیشن کو سامنے رکھ کر پیش نظر نسخہ مرتب کیا ہے جس میں سعید نفیسی کے مرتبہ ایڈیشن میں جو غزلیات شامل نہیں تھیں ان کو بھی شامل کیا۔ اس سلسلے میں قلمی نسخوں سے بھی مدد لی اور خسرو کے دوسرے مجموعوں سے بھی"[2]

اس طرح سعید نفیسی اور ڈاکٹر انوار الحسن کے ایڈیشنوں میں غزلوں کی تعداد میں تو معتد بہ اضافہ ہوا لیکن دیگر اصناف یعنی قصائد، قطعات اور رباعیات میں کوئی خاص اضافہ نظر نہیں آتا۔ جہاں تک قطعات کا تعلق ہے، ان جدید ایڈیشنوں میں ان کی تعداد وہی ہے جو نولکشوری ایڈیشنوں میں نظر آتی ہے۔ یعنی صرف بیس، جب کہ ڈاکٹر وحید مرزا کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق خسرو کے قطعات کی تعداد سینکڑوں میں ہونی چاہیے۔ صرف بقیہ نقیہ میں بعض امیر خسرو دو سو قطعات شامل ہیں[3]۔ تحفۃ الصغر، وسط الحیوٰۃ اور نہایت الکمال میں، ڈاکٹر وحید مرزا کے بقول، متعدد قطعات[4] اور غرۃ الکمال میں بہت سے قطعات[5] شامل ہیں۔ ان بیانات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خسرو نے اس صنف میں کتنا سرمایہ چھوڑا ہوگا۔ جس طرح "دیوان امیر خسروؒ" کے فاضل مرتبین آقائے سعید نفیسی اور ڈاکٹر انوار الحسن نے بعض نسخوں کی مدد سے برصغیر کے اس عظیم شاعر کی ان غزلوں کو ڈھونڈ نکالا جو مطبوعہ دواوین میں شامل نہیں تھیں، اسی طرح دیگر اصناف میں بھی اس کے غیر معروف کلام کو تلاش کرکے فارسی زبان و ادب کی دنیا سے متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ اسی جہت میں ایک ادنیٰ سی کوشش کے طور ان اوراق میں حضرت امیر خسرو دہلوی کے چھوٹے بڑے اکاون (۵۱) غیر مطبوعہ قطعات پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ قطعات "دیوان امیر خسروؒ" کے ایک قلمی نسخے (مملوکہ انجمن اصلاح الافغان، پبلک لائبریری، کاٹی ــــ نمبر ۲۱۵) سے دستیاب ہوتے ہیں[6]۔ اس نسخے میں

---

1 دیوان کامل امیر خسرو دہلوی، بکوشش سعید نفیسی 2 دیوان امیر خسرو دہلوی، مرتبہ ڈاکٹر انوار الحسن (مقدمہ)، ص ص ۳۳-۴ 3 مجلہ "امیر خسرو"، ڈاکٹر وحید مرزا، ص ۲۲۹ 4 ایضاً، ص ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۲۵ 5 ایضاً، ص ۲۲۹ 6 یہ نسخہ جس کا سال استنساخ ۱۰۲۸ھ ہے، شاگرد داغ حضرت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

چھوٹے بڑے ۸۰ قطعات شامل ہیں۔ ان میں سے غیر مطبوعہ مقطعات کو علاحدہ کرنے کے لیے دیوان امیر خسرو کے درج ذیل مطبوعہ نسخوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے:

(۱) کلیات عناصر دواوین خسرو، مطبع منشی نولکشور، کانپور، ۱۹۱۶ء (بار چہارم)۱؎۔

(۲) دیوان کامل امیر خسرو دہلوی، بکوشش سعید نفیسی، تہران ۱۳۴۳ شمسی۔

(۳) دیوان امیر خسرو دہلوی، مرتبہ ڈاکٹر انوار الحسن، ۱۹۶۷ء۔

(۴) دیوان نہایت الکمال، مطبع قیصریہ، دہلی ۱۳۳۲ھ

(۵) دیوان تحفۃ الصغر، باہتمام خواجہ سید محمد اسلام الدین نظامی، ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد، نئی دہلی۔ (یہ اڈیشن آندھرا پردیش گورنمنٹ اورینٹل لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔۔ آصفیہ لائبریری۔۔ حیدرآباد کے ایک نسخے کی عکسی طباعت ہے۔)

غیر مطبوعہ مقطعات کی تصحیح میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ کے نسخۂ دیوان امیر خسرو (ہینڈ لسٹ نمبر ۲۳۵) اور سالار جنگ میوزیم کے نسخے (نمبر ادب/نظم ۲۳۵۔۔ فہرست نمبر ۴۳۸۹)۔۔ سے مدد لی گئی ہے۔ مقابلے اور تصحیح کے دوران قطعات کی ایک معتد بہ تعداد ایسی پائی گئی ہے جو خدا بخش اور سالار جنگ دونوں ہی کتب خانوں کے مذکورہ بالا نسخوں میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ خدا بخش لائبریری کے جس نسخے کو پیش نظر رکھا گیا ہے وہ امیر خسرو کے صرف تین دیوان۔۔ تحفۃ الصغر، غرۃ الکمال اور نہایت الکمال کے مشمولات پر محتوی ہے اور سالار جنگ کا نسخہ صرف غرۃ الکمال اور بقیہ نقیہ پر مشتمل۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ جو غیر مطبوعہ مقطعات دونوں نسخوں میں نہیں پائے گئے وہ (یا ان میں سے بیشتر) دیوان وسط الحیوٰۃ کے مشمولات میں سے ہیں۔ ایسے غیر مطبوعہ مقطعات کی تعداد تیرہ۱۳ ہے جو درج ذیل نمبروں کے تحت نقل کیے گئے ہیں:

۶، ۱۲، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۵/۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹ اور ۵۱۔

مقطعات نمبر ۳، ۲۹، اور ۲۷ نسخۂ خدا بخش میں موجود ہیں، نسخۂ سالار جنگ میں نہیں ملے۔ اسی طرح قطعات نمبر ۱۳، ۲۳، ۲۸، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳ نسخۂ سالار جنگ میں شامل ہیں، نسخۂ خدا بخش میں نہیں پائے گئے۔

مقطعات کی تصحیح کے لیے حسب ذیل طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے:

(پچھلے صفحے کا بقیہ) مولانا ابو الحسن ناطق گلاؤٹھوی مرحوم کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں تھا۔ کامٹی کے ایک علم دوست اور شعر و ادب کے قدرداں جناب محمد ظہیر وارثی صاحب کی کوششوں سے انجمن اصلاح الانہار پبلک لائبریری میں منتقل ہوا۔ ۱؎ یہ کلیات جو درحقیقت تحفۃ الصغر، وسط الحیوٰۃ، غرۃ الکمال اور بقیۂ نقیہ کے انتخابات پر مشتمل ہے، پہلی بار ۱۸۷۱ء میں مطبع نولکشور کانپور سے شائع ہوا۔

(۱) جو مقطعات خدا بخش اور سالار جنگ کے نسخوں یا اُن میں سے کسی ایک نسخے میں موجود ہیں اُن کا انجمن اصلاح المعا[illegible]
[illegible]ثی) کے نسخے سے دستیاب شدہ مقطعات سے مقابلہ کر کے درست ترین قرأت کو متن میں نقل کیا گیا ہے اور اختلافات
[illegible]ت کی نشاندہی ذیلی حاشیے میں کی گئی ہے۔

(۲) کہیں کہیں قیاسی تصحیح بھی کی گئی ہے، بالخصوص ان قطعات کے نقل کرنے میں جو خدا بخش اور سالار جنگ کے
[illegible]سخوں میں نہیں پائے گئے، اس طریقۂ کار کو اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

(۳) اختلافات قرأت کی نشاندہی کے لیے نسخوں کے علامتی ناموں کا استعمال کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:

ا ــ نسخۂ انجمن اصلاح المعارف، پبلک لائبریری، کاٹھی۔

خ ــ نسخۂ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔

س ــ نسخۂ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (دکن)۔

مقطعات کی ترتیب اور تسوید میں نسخہ (کو اصل اور اساس کی حیثیت دی گئی ہے کیوں کہ مقطعات اسی نسخے
[illegible] نقل کیے گئے ہیں، نیز یہ جس ترتیب میں پائے گئے ہیں اسے برقرار رکھتے ہوئے دائیں جانب حاشیے میں ورق نمبر کا بھی
[illegible]ندراج کر دیا گیا ہے:

غیر مطبوعہ مقطعات امیر خسرو

(۱)

۲۵۰ ب بشکن دستم بظلم و بشکنم دستت بعدل[۱] گر مکافات و جزا گم نیست چرخ پیر را
برگ بیدانجیر، گفتی، باد را می بشکند باد هم داند شکستن برگ بیدانجیر را

(۲)

چون بزمی بکام[۲] گردد کار راه تندی چرا کسی سپرد
غرضی کان ز مصلحت خیزد جنگ و کین هرگزش بسر نبرد
کار سوزن نیاید از شمشیر زان سبب کین بدوزد آن بدرد[۳]

(۳)

بدرسرای شبی دیدم احمقی که بجهد نشست تا بسحرگاه و پاس سلطان داشت
چو وقت صبح شد و خلق در نماز آمد بخفت چون سگ و فرض خدای وا گذاشت

(۴)

قلم بجور مران ای وزیر شاه و بترس[۴] ازان سواد که در نامه سیه نیز هاست[۵] کلم
۲۵۱ الف محرری بسیاقت بدیدم و گفتم که نقش[۶] خلق ازین کلک بوسه نیز هاست کلم
جواب داد که اصحاب منصب است این قلم که آب این قلم از مشک چنین نیزه است کلم[۷]

(۵)

ای سلیمان نشان آنچه صبا در سالی ره رود، یک تگ اسپ تو در چندان باشد

۱؎ ا: بعقل؛ نسخہ ب میں یہ قطعہ نہیں ہے ۲؎ (ب): تاکام ۳؎ ا: میرد؛ یہ غالباً ببرد کی مسخ شدہ صورت ہے۔

۴؎ ب: شاہ بترس ۵؎ ب: اکنہ ۶؎ ب: نقش ۷؎ ب: کہ آب ایں قلم از مشک نیز واست ۸؎ ا: رہ رود یک اسب ۹؎ ب: قطعہ ندارد

پیری تو بس کہ جوانی ہمہ از بخت تو یافت   گرچہ صد سالہ[1] بود نیز بدندان[2] باشد

(۶)

اہل جہان کنند بشاہ و ملک نگاہ   اہل ہنر نظر بہ ضعیف و گدا کنند
بینا شمر (کسان ؟) کہ بخردان نظر کنند   نان کازرون بہ پیش لحشم ما ز سہا کنند[3] (کذا)

(۷)

نیکی[4] آنست کہ چون خواجہ شوی   بندہ ایمن بود از دستانت
نیک داری چو فرو دستان را   بد ندارند زبر دستانت

(۸)

تو بحرص مال و مرگ اندر کمین   وہ، کہ کس باشد دلیر از آدمی
۲۵۱ ب چند گنج زر[6] نہی در زیر خاک   خاک را پر بین[5] بزیر از آدمی
آدمی از خاک گردد سیر لیک   می نگردد خاک سیر از آدمی

(۹)

چو بر دل گشت حرص مال غالب   ز بہرش از دیانت کن خزانہ
اگر در شرع قلقلی عالم بد   ربا خوارت کند از ہر بہانہ
مگس چون بر سر سلطان نشیند   مگس ران بایدش، نہ تازیانہ

(۱۰)

ای مبارک روی سلطانی کہ روز عید را   چہرۂ میمون تو آمد مبارک تر ز ماہ
گرچہ شاعر پیشہ ام اما ندارم آن لجاج   کز پی[7] ہر چیز گستاخی کنم در[8] پیشگاہ
من نمی خواہم بعیدی خواستن جرأت کنم   لیک عیدم رنجہ می دارد کہ معہودم بخواہ

---

۱ ا: صد سال ۲ ا: دو چندان ۳ س، ح: قطعہ ندارد۔ "کازرون" (یعنی نان و نفقہ) اور "چشم" کے ساتھ "تر" (یعنی آنسو) جیسے الفاظ کی بناء پر مصرع کی قرأت یہ ہو سکتی ہے: "نان کازرون نہ پیش کہ چشم ما سہا کنند" ۴ خ: نیکو ۵ ا: شود ۶ ا: [illegible] ۷ ا: [illegible] ۔ ۶، ۲،
س: ربی ۸ خ: غرہ، س ندارد ۹ خ: از ۱۰ ا: "دل" ندارد

(۱۱)

۲۵۲ الف بگفتار شیرین بتوان چو دفع دشمن کرد ۔ مگوی تلخ که زخم زبان کند جاهل[1]
فساد خون چو توان کرد کم بخوردن شهد یکی بگوی که نشتر چرا خورد عاقل[2]

(۱۲)

هرچه از نیک و بد کند مردم نیک بد باشد از حسد گندد
آب حیوان که مایهٔ عمرست چون ز سر بگذشت، جان ببرد[3]

(۱۳)

چو خلقت[4] است کسی را سیاه روی ز فسق اگر توان بلت آن فعل زشت بردن نه[5]
طپانچه سرخ کند روی را ولی زنگی[6] بصد طپانچه توان سرخ روی کردن نه[7]

(۱۴)

ایا کسی که دوانی ز بهر بیشی مال بخانه گرچه مهیات[8] عشرت و بادست
مدد ز بهر زیادت چو بیستی[10] داری که مادر و پدرت نی[11] ز بهر این زادست
ز بهر نسیه چو پویی بترس از آنکه اجل بدیگری دهد آن نقد تو که آمادست
گرت میسر نبود رواست دیدن رنج چو داری آن همه کوشیدنت نه بیدادست
بخور بشادی و ز افلاس غم مخور که بغم کسی نبندد آن در که رزق بگشادست
تو هیچ دانی کز تو چه می برد[12] این عمر بماند آنکه خدایش کفایتی دادست
چو بگذرد همه آنگاه دانی از تو چه رفت که این دم ار چه شدی[13] پیر هم دلت شادست
چنین حیات ز بهر زرتی[14] که می بخوری[15] (؟) برنج می گذرانی چه کارت افتادست

(۱۵)

هر آدمی که ز دو دست[16] جوهر معنی بود بپایه ز حد کمال[17] بیرون تر

---

۱ ا: حاصل ۲ ا: غافل ۳ ا: نبرد ۴ ا: خلقت ۵ خ، س: نی ۶ ا: وز نگی را ۷ خ، س: نی ۸ س: مهیاست ۹ ا: مرد ۱۰ ا: مستی، خ، س: هستی ۱۱ ا: نه ز بهر این، س: نزاپ بهین، خ: ازپی من. ۱۲ ا، خ، س: چه می رود ۱۳ ا: شوی ۱۴ ا: زردی ۱۵ س: نخوری ۱۶ ا: دو دست، خ، س: دو دنیست ۱۷ خ: سنگ دکلوخ

ز آدمی هنر آدمی شریف‌ترست[1] — همای را بود از ذات سایه میمون‌تر[2]

(۱۶)

۲۵۲ ب مرده گیر آن زنده را[3] در مذهب ارباب دلان — کش بخواب بی‌غمی شبها بپایان می‌شود

سوز در تن زندگی باشد نمی‌بینی که شمع — هرچه می‌سوزد[4] ز سرتاپای او جان می‌شود

(۱۷)

گر سفیهی نگه کنی که بجهل — هرزمان رنج مردمش هوس ست[5]

هرزه گویی دگر (بد) کار برد — تا بیادش دهد از آنکه خس ست

لاف زن داروی سفیه بود — باد پران[6] اتابک مگس ست

(۱۸)

ز خویش خود خورکه اصل و نسب را — پس از تو بس ندست فضل خدایی

چو قسلم غیرست تو از بهر مردان — چه جان می‌کنی آخر ای روستایی

بسا کس کز ایشان بسی ماند زرها — که کردند اولاد ایشان گدایی

بسی از گدایی[7] که فن بود دانش — رسیدند در میری و پادشایی

ولی بی‌بصیرت[8] تجارت نداند — که خفاش کورست در روشنایی

(۱۹)

هر دلی کش ز زندگیست نصیب — هیچ گه[9] او ز درد فرد نباشد

دردمندی نشان زندگی آمد — مرده را دیده‌یی که درد نباشد

(۲۰)

بکم خوارگی خوی کن تا ترا — تن از تندرستی توانگر بود

که بیماری اندر تن آدمی — چو[10] از خوردن پر بود گر بود

---

[1] ا: ترا آدمی هنر شریف‌ترست [2] ا: همای رای شوی جهد کن [3] ا: زنده را [4] ا: می‌سوزد [5] ا: برزمان رنج مردمش پیوست [6] ا: باد بزان [7] ا: گدیه [8] ا: بصیرت. [9] ا: گهی او، خ: هس گاه وی [10] س: چه

نبی چون ازان صادقانی که جرع — بمعده طمامیت در خور بود
بپیری مکن جهد بادی که آن — سوی شهوت و آز رهبر بود
۲۵۳ الف اگر[1] پر خوری، خر بوی یا ستور — ولت[2] لقمه‌ای کمتر از خور بود
بچربی موافق بوی با کسی — که بی توشه مسپد چوبی زر بود
گرفتم که این خود اگر نشنوی — که کم گفته[3] مات باور بود
نصیحت بمعقول گویم[4] یکی — کنی آن گرت عقل یاور[5] بود
چه خواهد شدن در شکم رو شنفت — خورش گر همه شهد و شکر بود
سزد کانچه بویش[6] نیاری شنید — ز بن تا گلویت سراسر بود
چو حمال کرمی شوی، جهد کن — که باری حوالت سبکتر بود

(۲۱)

صبا صبحدم بر گلستان گذشت — بسی گفت مر غنچه را ناسزا
که در پیش بلبل ز گلبانگ او — چرا[7] در تبسم در آیی، چرا
چون این نکته را غنچه بشنید گفت — بسوسن بگوی[8] از من این ماجرا
که هر شب بدوشیزگان چمن — چها می‌کند تا سحرگه چرا
بخندیم حکایات رنگین و خوش — دهان(ن) مرا می‌گشاید صبا

(۲۲)

هر کرا بوی ز معنی باشد اندر خون و پوست — بس نباید باد پیمایان پر تزویر را
جز بخلق خوش توان بستن زبان بدسگال — تا که[9] خالص کند پوشیده بوی سیر را

(۲۳)

۲۵۳ ب شها از پر تو پیکان تیرت — دل دشمن بسودای فنا ماند
بکوه قاف عنقا رفت تیرت — ز عنقا قاف را بر دو عنا ماند

---

۱ س: مگر ۲ ا: اگر ۳ ا: نکته ۴ ا: بقول حکیمی ۵ ا: رهبر ۶ ا: زانچه بهوش ۷ ا: چرای ۸ ا: کرگوی
۹ ا: ناله، خ: نالد، س: ندارد

(۲۴)

دی در خطیره[1] رفتم و بگریستم بدرد[2] — از هجر دوستان که اسیر فنا شدند
ایشان کجا شدند، بگفتم بگنبدش[3] — داد از صدا جواب که ایشان کجا شدند

(۲۵)

راه[4] مخوف است مخسپ ای جوان — خیز که بگذشت ز پل کاروان
توبه گه کامروائی خوش است — دولت تقوی بجوانی خوش است
پیر که خوبانش نپرسند باز — دل چه کند گر ننهد بر نماز
مطرب کهنه بچه راند نفس — چون نی او زو نستاند نفس
هر که چراغی بجوانی نسوخت — خانهٔ پیریش نباید فروخت

(۲۶)

۲۵۴ الف — در جوانمردی و مردی هر که کاری پیش برد — تا جوانمردی بود گر بر زبان آرد سخن
آنکه او کرد و نگفت او را شمر مرد تمام — وانکه او کرد و بگفت او زن بود لیکن[5] چلی
وانکه نکرد و نگفت او را مدان جز نیم مرد — وانکه ناکرده بگفت او را مخوان[5] جز نیم زن

(۲۷)

ابیات عاشقانه نگر کن[6] که هر یکی — دارد سواد کوته و خوش چون شب وصال
آن کو نباخت جان و دل در هوای عشق — یارب مباد[7] در شب و روزش بجز ملال

(۲۸)

۲۵۵ الف — پند من اینست ای منعم که مال خود بخور — تا پس از شام تو دشمن را نباشد وجه چاشت
گر نگه می داریش از بهر روز بد مدار — زانکه روز بد چو آید[8] خود نگه نتوانش داشت

(۲۹)

ایا مرد حریص اندر خوشی کوش — چه در بند[9] زری و رنج آمال

---

[1] ا: حضیره [2] ا: زدرد [3] ا: تربتش [4] یہ ابیات (جو صرف ا میں شامل ہیں) مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ قطعات کے ساتھ ان کے نقل کیے جانے کا سبب شاید وحدت مضمون ہے۔ یہ ابیات س اور خ میں موجود نہیں [5] ا: ملان [6] ا: نکو کن۔ [7] ا: مباد [8] س: ز انکہ چون روز بد آید [9] ا: در بند

بجمع مال خود عمرت همه رفت — مگر در گور خواهی خوردن آن مال

(۳۰)

بدی مکن که نه نیکو بود، اگر بتوان — ز بد بتر بود ار مردم نکو بکند
تو نیکویی کن اگر با تو کس بدی کردست — که نیکی تو سزای بدی او بکند

(۳۱)

دانی که نیکویی ز بدی به چو خلق را — در نیک و بد به پیش خدا راه جویی ست
نیکی به است گر بکنی ور نه بد مکن[1] — کای دوست آنکه بد نکنی هم نکویی ست

(۳۲)

گرت بگفتن بد جاهلی کشاد زبان را[2] — تو زان حدیث بد و گفت بی فروغ چه رنجی
گر آنچنان که گویدت، زراست چه رنجش — ور آن نه‌ای که ترا گفت[3] از دروغ چه رنجی

(۳۳)

۲۵۸ الف بده که زر نه ز بهر نگاه داشتن آمد — که فایده ندهد تا نهانست در دل کان زر
بدست خویشتنش پاش تا بروی زمین — که هر چه زیر زمین ماند خاک بر سر آن زر

(۳۴)

گر از برهمن و جوگی کرامتی دیدی — مبند دل که چو دین نیست این همه خلست
کنیز نیز بصفوت[4] چو آب روی نماست — ولیک فرق میان کنیز[5] پلید و آن[6] پاکست

(۳۵)

میان بخشش و اسراف[7] هست تفرقه‌یی — بگویم ار شنوی لیکن از سر انصاف
اگر بطبع کرم می کنی بدان که سخاست — وگر ز بهر نکو گفت مردمان اسراف[9]

(۳۶)

دوش می گفتند بیداری بر دولت دهد — خفتنش اندر مراد یار و ملال و خواری ست

---

[1] ا: نیکی به است اگر کنی و هم بدی مکن [2] ا: کشاده زبان شد؛ غ: کشاد زبان شد [3] غ، س: ور آن نه‌ای تو که او گفت
[4] ا: بصوت [5] ا: میان کان [6] ا: این [7] س: اطراف [8] ا: نیک [9] س: اسراف

پاسبان گفت عمر من ببیداری گذشت ¹ — من چرا دارم ازین عالم که دولت بیداری است
گفتم ای نادان مگو اینها که از چشم خرد — گر ببینی خود ببین دولت همان بیداری است

(۳۷)

گر کریمی هست مفلس مردم او دان و بس — گر زوی آید مروتی گرچه نباتی کم (کذا) بود
ور لئیمی منعم است او را سگی باید شمرد — کو ز غیری نان رباید گر زرش صد خم بود
مردم اردر دلق کهنه است و سگ اندر طوق زر — سگ همان سگ باشد و مردم همان مردم بود

(۳۸)

خواهی نوای دنیا یا برگ آخرت — برگی همی رسان بفقیران بی نوا
مرده ست زنده یی که نیاسود ازو کسی — زنده ست مرده یی که کند حاجتی روا

(۳۹)

گر احمقی بگنج فریدون توانگر ست — در چشم من حقیر تر از خاک در بود
مردم که نیستش هنر و ثروتیش هست ² — دیوار دان که خشت وی از سیم و زر بود
این ننگ را کجا برم آخر که چون منی — از بی زری فروتر هر بی هنر بود ۲۵۸ ب
شاید اگر فرود نیاید بهر خری ³ — از بهر سیم و زر سر آن کس که سر بود
در ⁴ کون خر اگرچه ز زر پاردم نهی — چون نیک بنگریش همان کون خر بود
وان کاحترام کون خری را بزر کند — نه کون خر که چیزی ازان گنده تر بود

(۴۰)

کسی که هست فروتر ز تو سلامش کن ⁵ — سلام به زخوی خود بصد رضا باشد
اگر توانی با ⁶ منعمان تکبر کن — که کبر بر سر درویش جمله را باشد
بر اهل کبر تکبر، بر اهل فقر سلام — تواضع اینت اگر از پی خدا باشد
ولی ترا بره ار منعمی بپیش آید — ز بهر خدمت او قامت ⁷ دو تا باشد

---

¹ خ میں یہ قطعہ نہیں ہے س میں یہ تیسرا شعر ہے اور شعر — گفتم ای نادان… الخ — دوسرے شعر کی حیثیت سے نقل ہوا ہے ² س: ازان عالم ³ ۱: مردم کرس درسو ثروتی نیست ⁴ س: بهر خس خری ⁵ ۱: بر ⁶ ۱: سلام بکن ⁷ ۱: بر ⁸ ۱: قامت

دگر براه سلامی کند ترا درویش — علیک نیز نگویی[1] چنین روا باشد

(۴۱)

سخی نه‌ای چو زر از بهر نام و ننگ دهی — کز آن سخاوت بزرگی خویشتن هوس ست
بزر چو نام خری این تجارت ست، نه جود — خرید نام بزر چون خرید زر نحس ست
نهفته بخش که پوشیده خود نخواهد ماند — عطیه گر همه خود نیم دانه عدس ست
چنان بده که ستاننده هم نداند حال — که بروی آن کرمی بی گشایش نفس ست
مثل اگر دو درم باشد اجرت درزی — کرم بود چو زیادت[2] دهد کسی که کس ست
دهنده آنرا احسان شمارد و خیاط — گمان مزد برد چون بغیر ملتمس ست
کسی که خواست بده، وانکه می[3] نیارد خواست — ز شرم خلق، بدو پیش ده چو دسترس ست
نه منتی بنه و نی بزرگ دان خود را — عطا اگر همه صد گنج یا دو صد فرس ست
چو کردی این همه بهر خدای کن کانجا — نه ضایع ست اگر نی المثل پر مگس ست
چو این برای خدا می کنی جزا مطلب — که این[4] پذیرش رحمان جزای بنده بس ست

(۴۲)

۲۵۹ الف مراست[5] صد هنر و نیست زر، بدین تعلیم — اگر تو طعنه زنی بی هنر نخواهم ماند
(چو علم و فضل خلاص ست، مال و زر بند ست — خلاص دادم و در بند زر نخواهم ماند)
اگر نصیب خر انست در جهان زر و سیم — من از برای زر و سیم خر نخواهم ماند

(۴۳)

هر که نزد کسی بحاجت رفت — نیک و بد زو شنیدنی باشد
گر بزرگست کبر خود نکند — کبر جاییست گردنی باشد
وان دنی از دماغ گنده خویش — هر چه بنمود دیدنی باشد
زانکه هر کو بآبخانه رود[6] — بوی گندش شنیدنی باشد

---

۱ س، بگوئی ۲ س؛ زیاد ۳ س؛ او ۴ س؛ همار بجای "که این" ۵ خ میں یہ قطعہ نہیں ہے۔ ا میں دو شعر (اول اور سوم) ہیں۔ شعر دوم س سے نقل کیا گیا ہے اسلیے اسے قوسین میں رکھا گیا ہے۔ س میں اس قطعے کی ردیف "شد" ہے۔ اسے ا کے مطابق "ماند" سے بدل دیا گیا ہے۔ ۶ ا؛ زانکه به کوتاب خانه رود؛ خ، س؛ ندارد

(۴۴)

کسی کہ زخم زد او ہم ز زخم خود بشکست   کسی کہ زخم کشید او بجان درست بماند

ہزار چوگان دیدم شکست بر یک گوی   کہ گوی مسکین خود ہمچناں درست بماند

(۴۵)

۲۵۹ ب   ہر کار کز قضیۂ عدلی کشد بظلم   از حکم شرع ظالم آں را زبون کنند

لیکن چو حکم شرع ز تزویر یافت لوث   آں مایۂ پلیدی از و چوں بروں کنند

ہر چ آن شود پلید نمازی کنند ز آب   آب ار شود پلید، نمازیش چوں کنند

(۴۶)

مفلسان مسکین، شکار (کبر) فرمانبر بوند   دیدہ باشی ایں تجارت در خلایق سر بسر

مالداران را بود کبر و دماغ و عجب و خشم   ہر کہ بدتر (ز) ہی صفتہا جملہ دروی بیشتر

کبر بر دوزخ نماید راہ و مسکین بخلد   خواہ ایں را باش و خواہ آنرا سخن شد مختصر

(۴۷)

۲ الف   نازکی تن مردم بجہاں چندا(ں) نیست   کہ نکر دست بر او محنت ایام گذر

حال نیکو ز حوادث چو بدل گشت ببد   بکشد ہر کہ نکوتر ز بدی ہر چہ بتر

آنکہ ز آلودن صندل شدہ آسودہ[1] سرش   چوں فتد پارہ کند کندۂ ہیزم بہتر

آنکہ دشوار نمودیش بسر ناز کسی   گل نمود اورا خروار مغیلاں بر سر

راست گفتند بزرگاں خردمند کہ ہست   نازنین تر ز گل و سخت تر از سنگ بشر

(۴۸)

صوفی آنست کش بود گہ مال   دل پر چشم (کرمِ خوردہ) ... پاز

مایۂ صوفیاں نیاز بود   پیش حق کی بر دمانش ناز[2]

دامن از صوفی بچین کو را   آستیں کوتہست و دست دراز

---

۱ شدن آلودہ، خ، س، ندارد   ۲ ا، نیاز

(۴۹)

هرآں مال کز حرص گرد آوری — خوش ست اول و در نهایت عذاب
چو آبی که مستسقی در کشد — بلب[1] شربت و در جگر زهر ناب

(۵۰)

۲۶۰ ب
یارب ایں جاہلانِ بی معنی — که کنند از متاع دنیا ناز
زاں قلیلی[2] که حاصل دنیاست — سهل باشد چه ساں رسید فراز
تا ازاں عُجب ننگرند[3] بخلق — چشمشاں خود بکس نگردد باز
پارسی شاں درست نی وز جهل — علما را شده مواخذه ساز
چوں زبن تا گلو جوال[4] کنند — بچه گردند معجب و طناز
وای و صد وای بر نگوں بختی — که گذر سوی شاں کند بنیاز
گر سلامی بگوید[5]، از لب شاں — بر نیاید علیک را آواز
گاو و خر نه، کلوخ یا سنگند — یافته نزد جاہلاں اعزاز
سنگ را گر کسی سلام کند — تو چه گویی[6] علیک گوید باز

(۵۱)

ناقابلست آنکه بدولت نمی رسد — ورنه زمانه در طلب مرد قابلیست
در کنج حجره گر نه رسد نور آفتاب — آں حجره مانعست، ز خورشید مدخلیست ●●

---

[1] ا: عیب [2] ا: قلیل [3] ا: شکرند [4] خ: جوال [5] خ، س: گر بگوید سلامی [6] ا: بگوی۔

مخطوطات شناسی

- آزاد بلگرامی کی تصنیف 'غزلان الہند'
  - ڈاکٹر سید حسن عباس
- فن تعمیر اور کتبہ شناسی پر ایک اہم کتاب ــ گوربیلہ
  - جناب فرخ جلالی
- داستان امیر حمزہ کا ایک قدیم نسخہ (انگریزی)
  - ڈاکٹر سید نعیم الدین

ڈاکٹر سید حسن عباس
خیابان انقلاب، خیابان ۲۱ آذر
کوہ پارسی، پلاک ۹ تہران

آزاد بلگرامی کی تصنیف "غزلان الھند" ایک جائزہ

میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ــ۱۲۰۰ھ) برصغیر کے اس طبقۂ فضلا سے تعلق رکھتے ہیں جن کی برصغیر میں عربی اور فارسی ادب کی روایت پر ایک ساتھ تنقیدی نظر ہے۔ انھیں جو حسان الہند کہا گیا ہے تو یہ عربی شاعری میں ان کے اعلیٰ مرتبے کی بنا پر ہے جب کہ فارسی شعر و ادب کے لیے بھی ان کی خدمات کچھ کم بلند پایہ نہیں۔ اُن کے مؤلفہ تین اہم تذکرے "سرو آزاد"، "خزانۂ عامرہ"، اور "ید بیضا" تراجم شعرا اور نقد شعر کا عمدہ مآخذ ہیں۔ آزاد کو شاعری کے فنی پہلوؤں سے جو آگاہی تھی اور ان کی طبیعت میں شعری صنایع و بدایع کا جو رجحان تھا وہ ان کی ایک نادر تصنیف غزلان الھند سے عیاں ہے۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے۔ یہاں ہم اس کا ایک تفصیلی تعارفی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

غزلان الھند علم بدیع اور صنایع شعری سے متعلق ایک مختصر سی کتاب ہے جو آزاد کی عربی تالیف سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان[1] کی آخری دو فصلوں کا فارسی ترجمہ ہے۔ سید شمس الدین حسن الحسینی بنارسی نے بنارس کے راجا ایسر پرساد کے حکم پر سبحۃ المرجان کا فارسی ترجمہ کیا تھا بظاہر وہ ابتدائی دو فصلوں کا ہی ترجمہ کر پائے تھے۔ اس ترجمے کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں نمبر ۶۵۳ کے تحت موجود ہے۔ سبحۃ المرجان چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی اور دوسری فصل میں آزاد نے اپنے دو متعلق رسالے شمامۃ العنبر اور تسلیۃ الفواد درج کیے ہیں۔ پہلا رسالہ (فصل) قرآن مجید کی تفاسیر اور کتب احادیث میں وارد ہندستان سے متعلق اشارات پر مبنی ہے جب کہ دوسرے رسالے (فصل) میں ۴۲ علمائے ہند کے حالات اور مصنف کے قصائد نقل ہوئے ہیں۔ تیسری فصل میں محسنات کلام یعنی صنایع و بدایع (سنسکرت)، مصنف کی دریافت یا ایجاد کردہ صنعتوں کا ذکر ہے اور چوتھی فصل میں نایکا بھید کا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو ہندستانی

[1] یہ کتاب پہلی بار ۱۳۰۳ھ میں بمبئی سے اور دوسری بار ۱۹۷۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے باہتمام جناب فضل الرحمن ندوی شایع ہوئی۔

علما اور فنون شعری سے متعارف کیا جائے۔ سبحۃ المرجان کی تصنیف (۱۱۷۷ھ) کے ایک سال بعد آزاد اپنے دو عزیز شاگردوں میر عبدالقادر مہربان اورنگ آبادی اور لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی کے پر اس کی آخری دو فصلوں کا فارسی ترجمہ غزلان الہند کے تاریخی نام (= ۱۱۷۸ھ) سے کیا۔ اس تر کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے خود آزاد نے لکھا ہے:

"نوای دلکش این طوطیان ہند را بگوش صاحب طبعان فرس باید رسانید۔"[1]

ترجمہ پر آزاد نے ایک مقدمے کا اضافہ کیا اور مندرجات کو بھی از سر نو مرتب کیا۔ غزلان الہ دو مقالات پر مشتمل ہے اور ہر مقالے کو چار فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مقدمہ میں آزاد نے جزیرۂ سراندیپ میں نزول حضرت آدمؑ اور اس سلسلے میں مختلف کتابو مثلاً تفسیر دُرِّ منثور سیوطی اور محاضرۃ الاوائل و مسافرۃ الاواخر شیخ علی رومی وغیرہ سے ہندوستان سے متعلق تفاسیر و احادیث و روایات کا ذکر کیا ہے اور علم ریاضی و علم موسیقی میں اہل ہندوستان کے کمالات کی ستائش کی ہے اس کے بعد سنسکرت میں علم عروض پر مختصر سی روشنی ڈالی ہے پھر علم بدیع کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علمائے فارس نے فن بدیع عربوں سے حاصل کیا ہے اور جس شخص نے عرب میں اس فن کی ایج کی اور اس فن کا نام "بدیع" رکھا وہ عبداللہ بن المعتز عباسی (م ۲۹۶ھ) تھا۔ اس نے ۲۷۴ھ میں اس فن میں ایک کتاب تالیف کی اور سترہ صنعتوں کا ذکر کیا۔ اس کے معاصر قدامہ بن جعفر کاتب نے بھی اسی راہ میں قدم رکھا اور بیس صنعتیں ایجاد کیں البتہ سات صنعتیں توارد کے زمرے میں آتی ہیں اس طرح مجموعی طور پر تیس صنعتیں ہوئیں بعد کے لوگوں نے مذکورہ دونوں مخترعین کی پیروی کی۔ ابوہلال عسکری (م: ۳۹۵ھ صاحب کتاب الاوائل و کتاب الصناعتین) نے ۳۷ اور ابوعلی حسن بن رشیق قیروانی (م: ۴۵۶ھ یا ۴۶۳ھ مؤلف کتاب العمدۃ) نے بھی تقریباً اتنی ہی صنعتیں جمع کیں۔ ان کے بعد شرف الدین تیفاشی (م: ۶۵۱ھ) نے اسے ستر تک پہنچا دیا۔ پھر ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالواحد ابی الاصبع صاحب کتاب تحریر التحریر (م: ۶۵۴ھ، کشف الظنون میں زکی الدین کے بجائے رکن الدین آیا ہے۔) نے مزید تیس صنعتیں استخراج کیں۔ اس طرح صنائع کی تعداد نوّے ہو گئی اس کے بعد بھی اس کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ ڈیڑھ سو سے زیادہ ہو گئی لیکن فن بدیع کے ہندوستانی مخترعین نے نہ تو خرمن عرب سے خوشہ چینی کی اور نہ ہی ساغر فارس سے کوئی قطرہ لیا بلکہ ہندی علم بدیع کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ

۱۔ غزلان الہند نسخۂ خطی کتابخانۂ مجلس شورائے ملی (اسلامی) تہران۔ ش ۳۱۱۱، ص ۳۔

قبل از اسلام وجود میں آچکا تھا۔ ہندستان کے قدیم علما نے بہت سے معنوی اور لفظی صنایع کا مختلف قسم کے کلام سے استخراج کیا۔ آزاد نے عربی اور ہندی صنایع کا بغور مطالعہ کیا۔ انھیں تین قسمیں نظر آئیں:

الف: بعض صنایع تو عربی و ہندی میں مشترک ہیں مثلاً ایہام، حسن تعلیل، تجاہل عارفانہ، مراجعت، استعارہ، تشبیہ، جناس وغیرہ

ب: بعض صنایع عربی سے مخصوص ہیں مثلاً استخدام، مضمر، حسن تخلص و تاریخ بہ قاعدۂ جمل وغیرہ۔

ج: اور بعض ہندستان سے مخصوص ہیں۔ آزاد نے آخری قسم کو سبحۃ المرجان میں ہندی سے عربی میں نقل کرنے کا ارادہ کیا اور اس قسم کی ستائیس صنایع کا انتخاب کیا۔ ہر ایک کا نام تجویز کرنے کے علاوہ ان کی تعریف بھی کی ہے اور مثال میں سبحۃ المرجان میں عربی شعرا کے کلام سے اور غزلان الہند میں فارسی شعرا کے دواوین سے کثرت سے شواہد پیش کیے ہیں[2]۔ یہاں وہ صنعتیں مع نام، تعریف اور مثال درج کی جا رہی ہیں

۱۔ **الاستبداد**: لغت میں استبداد کے معنی استقلال ہے اور اصطلاح میں اپنے وجود میں معلول مستقل ہو اور بغیر علت کے ظاہر ہو۔ مثال از غنی کشمیری:

عزتی داریم در شہر جنوں کز راہ دور | سنگ می آید باستقبال ما از ہر طرف

۲۔ **الاعتساف**: لغت میں اعتساف کے معنی بے راہ روی ہے اور اصطلاح میں، علت میں تاثیر پذیر نہ ہو (بلکہ) اس کے علاوہ اثر مرتب کرے اور اس صنعت کے لیے استبداد اور طغیان لازم ہے۔ مثال از صائب تبریزی:

عشق می چیند ز دلسوزی بلای حسن را | در دل بلبل خلد خاری کہ در پای گل است

۳۔ **اضمار النہی**: قرائن کے مطابق متکلم کی مراد امر و نہی ہو[1]۔ مثال از آزاد بلگرامی:

گر می روی بدست خودم قتل کردہ رو | نعش مرا بزیر زمین ہم سپردہ رو

۴۔ **الانتزاع**: مشبہ سے مشبہ بہ نکالا جائے۔ مثال از مظہر جانجاناں:

جوش زد مستی ز چشم دلبراں میخانہ شد | مشت خاک می پرستاں چرخ زد پیمانہ شد

۵۔ **براعۃ الجواب**: اس سے مراد یہ ہے کہ متعدد سوالوں کا مشترک لفظ میں جواب دیا جائے۔ یہ صفت صنعت حرف الخزانہ میں بھی پائی جاتی ہے (جس کا ذکر آئے گا) فرق یہ ہے کہ اس میں متعدد سوالوں کا

۱۔ آزاد کہتے ہیں کہ اضمار النہی کی بس یہی تعریف کی گئی ہے جب کہ صاحب توضیح نے امر کا استعمال سولہ معنی میں کیا ہے از انجملہ تہدید (غزلان الہند ص ۴۷)

۲۔ مجموعی طور پر آزاد نے اس مختصر کتاب میں ۲۹۶ شعرا کے ۸۴۹ اشعار بے مثالیں پیش کی ہیں جن میں ۵۲ اشعار نامعلوم شعرا کے ہیں۔ سب سے زیادہ اشعار صائب تبریزی کے اور اس کے بعد خود آزاد کے ہیں۔

ایک لفظ میں جواب دیا جاتا ہے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

چہ درخور است در جود و بخل را گفتم　　　جواب داد کریمی فراز می باید

۵۔ **التاویل** : کوئی فعل مواخذہ کے متوجہ ہونے کے وقت وجہ اصلی کے بغیر کسی فعل کی توجیہ کرے۔
مثال از آزاد بلگرامی :

زاہد بکوی سادہ رخاں عاشقانہ رفت　　　پند نگاہ مست بتاں را بہانہ ساخت

۶۔ **التسلط** : علت ناقصہ، علت تامہ کی جگہ لے لے اور معلول ایجاد کرے اس صنعت کے لیے صنعت استبداد ضروری ہے لیکن تسلط میں متکلم کا مقصد علت ناقصہ کے استقلال کا بیان ہے اور استبداد میں بغیر علت کے معلول کا وجود۔ مثال از امیر خسرو دہلوی :

قامتت راست چو تیر است و عجایب تیری　　　کہ زمن دور و مرا از دل و جاں می گذرد

۷۔ **تشبیہ الاستغنا** : مشبہ کے وجود سے مشبہ بہ مستغنی ہو۔ مثال از صائب تبریزی :

حاجت دام و کمندی نیست در تسخیر ما　　　گردش چشمی بود بس حلقۂ زنجیر ما

تشبیہ البرہان : متکلم دعوی کرے کہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے اور اس دعوے کی دلیل پیش کرے۔ مثال از شیخ سعدی :

بہشتی درختی تو اے بادشاہ　　　کہ افکندۂ سایہ یکسالہ راہ

۔ **تشبیہ التقویہ** : متکلم مشبہ بہ پر ایسے قیود کا اضافہ کرے جس سے مشبہ کی تقویت ہوتی ہو اور وہ زیادہ واضح ہوتا ہو۔ مثال از آزاد بلگرامی :

نگاہ یار زدل بی درنگ می گذرد　　　چو تیغ تیز اصیل فرنگ می گذرد

تشبیہ التمنی : مشبہ بہ، کمال مشبہ ہونے کی آرزو کرے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

اگر بہار خطت عنبر آرزو دارد　　　مکن نگاہ بتقصیر او کہ سودائیست

۱۱ **تشبیہ السلب** : مشبہ بہ کے بعض متعلقات اس سے سلب کر لیے جائیں اور مشبہ ثابت کیے جائیں۔
مثال از شکیبی صفاہانی :

بیا ساقی آں آب حیواں بدہ　　　ز سرچشمۂ خان خاناں بدہ
سکندر طلب کرد لیکن نیافت　　　کہ در ہند بود از ظلمت شتافت

۱۲ **تشبیہ الشیٔ بنفسہ** : یہ ہے کہ مشبہ و مشبہ بہ ایک ہو۔ مثال از ظہوری ترشیزی :

چوں ظہوری بجز ظہوری نیست در محبت یگانہ می باشد

۱۴ تشبیہ النفی : اس کے تین اقسام ہیں:

۱ نفی مشبہ و اثبات مشبہ۔ مثال از شفیق اورنگ آبادی :

شمشاد نیست اینکہ بگلشن دمیدہ است آہ از چمن بیاد کسی سر کشیدہ است

۲ نفی مشبہ بہ و اثبات مشبہ۔ مثال از مہربان اورنگ آبادی :

ساقی خذری کن از گدازش لختی ز دل است ایں عیب نیست

۳ نفی مشبہ و اثبات مشبہ بہ متعدد بہ تردید۔ مثال از آزاد بلگرامی :

نیست زلف عنبریں عارض سیمین او سنبل آشفتہ یا آہ پریشان من است

۱۵ تفضیل التغیر : اس کی دو قسم ہے۔

(الف) باوجود مفضل، مفضل علیہ کی جانب سے کسی کی سرزنش کی جائے۔ مثال از خان زمان امانی :

بیاد کعبہ چہ سری زنی خدا بنجاست بطوف مروہ کجا می روی صفا اینجاست

(ب) اس شخص کی سرزنش کی جائے جو دوسرے سے خود کو افضل سمجھتا ہے حالانکہ دوسرا اس سے افضل ہے

مثال از آزاد بلگرامی :

ماہ را چیست کہ خود راز تو بہتر داند خجل از روی تو خورشید قیامت باشد

۱۶ التفضیل علی التفضیل : یہ ہے کہ متکلم کسی (ہم جنس) چیز پر کسی چیز کو فضیلت دے اس کے بعد تیسری

(غیر ہم جنس) چیز کو مفضل پر فضیلت دے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

در فلزات اگر فوق ہمہ زر باشد خاک کوی تو ز زر بیش بہا تر باشد

۱۷ تقبیح الملیح : کوئی نیک کو برا جانے۔ مثال از صائب تبریزی :

محمود ترا در دل من نشۂ جاں بخش زہر یست کہ پنہاں شدہ در زیرنگینی

۱۸ التقوی : متکلم ضعیف سے قوی عمل کے صدور کو ثابت کرے۔ مثال از صائب تبریزی :

کم نیست جگر داری پیراں ز جوانہا کار دم شمشیر کند پشت کمانہا

۱۹ تملیح القبیح : کوئی برے کو اچھا جانے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

نیست عاشق را بہشتی بہتر از قید بتاں از خدا آزاد خواہد سیر گلدام شما

۲۰ التنزیہ : کسی چیز کو پاک کرنا، قول الٰہی، لیس کمثلہٖ شیءٌ کے مشابہ ہے۔ مثال از آزاد بلگرامی؛

غیرت از یکتائی او بس بلند افتادہ است　　صورت معشوق را تصویر کردن خوب نیست

۲۱ التنوع : ایک چیز متعدد ماہیت اور مختلف جہات کی حامل ہو۔ مثال از صائب تبریزی؛

پردۂ خواب است بہ چشم تو فلکہا　　در چشم من ایں دایرہ یک دیدۂ باز است

۲۲ ثمرۃ الخلاف : عمل کا نتیجہ اس کے مطابق نہ ہو[1]۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ نیکی کا بدلہ برائی سے دینا۔ مثال از صائب تبریزی؛

ز نام من بغلط ہم دہن نسازد تلخ　　ہماں کہ یاد لبش نقل محفل است مرا

۲۔ برائی کا بدلہ نیکی سے دینا۔ مثال از طالب آملی؛

دشنام خلق را ندہم جز دعا جواب　　ابرم کہ تلخ گیرم و شیریں عوض دہم

۲۳ جمع الخزانہ و تفریقہا : عبارت ہے اس سے کہ امر واحد میں لفظ مشترک کے معنی جمع کر دیے گئے ہوں اس کے بعد جمع کے سلسلے میں تفریق کی گئی ہو۔ اس کا نام الجمع مع التفریق الھندی بھی ہے۔ عربی میں یہ صنعت بہت پسندیدہ واقع ہوئی ہے۔ مثال از آزاد بلگرامی؛

بادشاہاں را مزد آمد رکاب　　روز جنگ دشمناں وقت سحاب

۲۴ صرف الخزانہ : عبارت ہے اس سے کہ مشترک لفظ سے متعدد معنی کا ارادہ کیا جائے اور اس کے معنی کے مطابق اس کا استعمال کیا جائے[2]۔ مثال از آزاد بلگرامی؛

دست طلب ز عنبر و گوہر کشید نیست　　یک بار طرۂ سخن او شنید نیست

۲۵ الطغیان : معلول، علت تامہ کی نافرمانی کرے اور سر تسلیم خم نہ کرے اور یہ صنعت عکس استبداد ہے۔ مثال از انیسی شاملو ہروی؛

دارم از شمشیر او زخمی کہ بعد از سوختن　　گر بیفشارند از خاکسترم خوں می چکد

۲۶ قلب الماہیہ : کسی چیز کی حقیقت کسی اور چیز میں مبدل ہو جائے۔ مثال از غنی کشمیری؛

۱۔ آزاد کا خیال ہے کہ اسے محسنات کلام میں شمار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں متکلم کو عمل دخل حاصل نہیں ہے (غزلان الہند ص ۵۲) ۲۔ آزاد کا خیال ہے کہ علمائے فارس کے یہاں اس صنعت کی کوئی مثال نہیں ملی لہٰذا جو اشعار انھوں نے بطور مثال پیش کیے ہیں وہ خود ان کے ہی ہیں۔ (غزلان الہند ص ۳۲)

نصیب ما ز باغ آفرینش میوۂ غم شد — نہالی را کہ پروردیم آخر نخل ماتم شد

۲۷ الحق الطف : امر صادق سے امر کاذب کی تعلیل کی جائے۔ اہل ہند نے اس کی تعریف یہی کی ہے لیکن آزاد نے امعان نظر کے بعد اسے مبالغہ کے معانی میں پایا ہے۔ مثال از قاسم مشہدی :

بسکہ افتاد از غمت شوریدگی در کار ما — بر سر ما خود بخود وا می شود دستار ما

۲۸ موالاۃ العدد[1] : علت، اپنے معلول کی ضد پسند کرتی ہے۔ مثال از طالب کلیم :

سپاہ غمزہ ات را در ہزیمت فتح می باشد — شکست افتاد بر دلہا چو برگردید مژگانت

ان کے علاوہ خود آزاد نے ۳۵ صنایع کا استخراج کیا ہے جن کی فہرست، تعریف اور مثال درج کی جا رہی ہے۔

۱ الاعتذار : کوئی اپنے عمل کے سلسلے میں عذر کرے جو دوسرے کی مرضی کے برخلاف ہو اور اپنے عذر کو خوش آیند تعلیل سے معلل کرے خواہ حقیقی ہو خواہ غیر حقیقی۔ مثال از صائب تبریزی :

تلخ اگر باشد حدیث من مرا معذور دار — ریخت بر من آسمان زہری کہ در رنشیشہ داشت

۲ الافحام : لغت میں دلیل سے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے معنی میں ہے جب کہ اصطلاح میں کسی امر کے واقع ہونے کے سلسلے میں متکلم دلیل لائے جو خصم مستحیل یا مستبعد کے قریب ہو۔ مثال از انوری :

در جہانی و از جہان بیشی — ہم چو معنی کہ در میان باشد

۳ الاقتسام : متکلم متعدد اشیاء کو متعدد اشخاص میں تقسیم کرے۔ مثال از امیر خسرو دہلوی :

از صحن خانہ تا بلب بام ازان من — از پشت بام تا بہ ثریا ازان تو

۴ التحول : دو امر کے درمیان مقررہ معاملہ منقلب ہو جائے۔ مثال از حافظ شیرازی :

ای فروغ ماہ حسن از روی رخشان شما — آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما

التشبیت : فنائے علت کے بعد معلول باقی رہے۔ مثال از حسن دہلوی :

کاری کہ بود با تو مرا پیشتر نرفت — سر رفت در ہوای تو این درد سر نرفت

التسویہ : متکلم دو اضداد کو ایک بار میں پہچان لے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دے۔ مثال از صائب تبریزی :

کعبہ و بت خانہ یکسان است پیش چشم من — سنگ کم در پلۂ میزان نمی باشد مرا

[1] آزاد نے اہل ہند کی ستائیس صنایع کا ذکر کیا ہے اور موالاۃ العدد کے بارے میں لکھا ہے یہ اہل ہند کی صنعت کا ترجمہ نہیں بلکہ مخترعات مؤلف میں سے ہے۔ (غزلان الہند ص ۴۳)

۷ **التشبیک** : لغت میں انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرنے کے معنی میں ہے جب کہ اصطلاح میں تہنیت و تعزیت جیسی مخالف چیزوں کو جمع کرنا ہے۔ مثال از فالیض ابہری :

گل رفت و عندلیب ازو یادگار ماند داویم گر ز دست یکی از ہزار ماند

۸ **تشبیہ الاثر** : متکلم دعویٰ کرے کہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے اور مشبہ سے مشبہ بہ کا کوئی اثر طلب کرے۔ مثال از صائب تبریزی :

می تواند کشت ما را قطرہ ای سیراب کرد این قدر استادگی ای ابر دریا دل چرا

۹ **تشبیہ الترقی** : متکلم کسی چیز سے مشبہ کو تشبیہ دے پھر اس سے رجوع کرے اور اسے کسی اور چیز سے تشبیہ دے جو مشبہ اول سے بہتر ہو۔ مثال از نوعی خبوشانی :

دست فرسود تمنا دل شیدائی نیست این گل طور بود لالۂ صحرائی نیست

۱۰ **تشبیہ الاجتہاد** : مشبہ بہ، مشبہ کے مرتبہ پر پہونچنے کی سعی کرے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

ہلال این ہمہ سعی کمال ہر جا کرد کہ رفتہ رفتہ فروغ رخ تو پیدا کرد

۱۱ **تشبیہ الاحتراز** : متکلم دعویٰ کرے کہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے اور مشبہ، مشبہ بہ کے بعض اوصاف سے احتراز کرے خواہ وہ اچھی صفات ہوں یا بری۔ مثال از شیدا فتحپوری :

تو گر آفتابی کہ بر من نتابی وگر نیز خوابی بچشمم نیابی

۱۲ **تشبیہ الاستخدام** : اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک استخدام مظہر، جس کی تعریف یہ ہے کہ متکلم واحد شئے کو واحد شئے یا لفظ مشترک میں مندرج متعدد اشیاء سے تشبیہ دے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

ہمچو جم تا می توانی عشرت ایام کن زندگانی با پری زادان و با گلفام کن

دوسری استخدام مضمر۔ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ مشبہ بہ ضمیر استخدام واقع ہوا ہو۔ مثال از آزاد بلگرامی :

از کسانیکہ آہوی دارند رم نمودن چو او ضرورتر است

۱۳ **تشبیہ الاستدلال** : متکلم دو چیزوں میں باہم مماثلت کا دعویٰ کرے اور اس کے لیے دلیل قائم کرے۔ مثال از صائب تبریزی :

ہم چشم حبابم کہ درین قلزم خونخوار کسب من سرگشتہ ہمین کسب ہوائی است

۱۴ **تشبیہ الاستفادہ** : مشبہ بہ مشبہ کے بعض اوصاف استعمال کرے یا برعکس۔ مثال از سلمان ساوجی :

باد سحر از بوی تو دم زند ہمہ جاں شد آب خضر از لعل تو جاں یافت رواں شد

۱۵ **تشبیہ الانتقال** : متکلم دعویٰ کرے کہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے اور مشبہ کے علاوہ مشبہ بہ کے بعض لوازم کی نشاندہی کرے۔ مثال از امیر معزی :

گر نور مہ و روشنی شمع تراست بس کاہش و سوزش من از بہر چراست
گر شمع توئی مرا چرا باید سوخت گر ماہ توئی مرا چرا باید کاست[1]

۱۶ **التفاول**[2] : فعل کے ساتھ قول سے خبر کا استنباط ہے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

نسیم گفت بمن نو بہار می آید گرفت فال دل من کہ یار می آید

۱۷ **تفضیل الاستخدام** : اس کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ متعلق بہ استخدام مظہر : یعنی واحد یا اشیائے متعدد ہ کو مشترک لفظ میں موجود اشیائے متعددہ پر فضیلت دی جائے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

ساغر ما چشم تر آئینہ ما دل بود کیست جم تا دم زند از رتبۂ والای ما

جم یعنی جمشید و سکندر۔

۲۔ استخدام مضمر : اسمیں مفضل علیہ ضمیر استخدام واقع ہوا ہو۔ مثال از آزاد بلگرامی :

سال و ماہش بہ ابد باد قرین چشم بد دور کہ روشن تر از وست

ماہ بمعنی شہر و ضمیر او بمعنی قمر۔

۱۸ **تفضیل الشیٔ علیٰ نفسہٖ** : مفضل و مفضل علیہ ایک ہوں۔ مثال از ظہوری ترشیزی :

نتواں گفت ز خوباں دگری می باشد ہم توی از تو اگر خوب تری می باشد

۱۹ **تفضیل المشروط** : کسی چیز پر کسی چیز کو فضیلت دی جائے مگر شرط کی قید کے ساتھ۔ جیساکہ ارباب بدیع

---

[1] آزاد نے لکھا ہے کہ یہ رباعی صاحب حدایق السحر نے تشبیہ الاضمار کی مثال میں پیش کی ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ شاعر کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دے لیکن ظاہر کرے کہ اس کا مقصود کچھ اور ہے نہ کہ یہ تشبیہ۔ اور اس کی ضمیر میں تشبیہ مقصود ہو۔ چنانچہ مذکورہ رباعی میں شاعر نے بظاہر اظہار تعجب کیا ہے لیکن بباطن معشوق کو ماہ و شمع سے تشبیہ دی ہے اور صاحب فہم پر روشن ہے کہ تشبیہ انتقال اور تشبیہ الاضمار میں بُعد مشرقین ہے۔ (غزلان الهند ص ۸۶) نیز ملاحظہ ہو۔ حدایق السحر فی دقایق الشعر بہ تصحیح عباس اقبال تہران ۱۳۶۲ ش ص ۴۹ ۔ [2] آزاد کا خیال ہے کہ یہ صنعت عرب و فارس کے کلام میں موجود ہے لیکن کسی نے اس صنعت کو علیحدہ استعمال نہیں کیا ہے۔ (غزلان الهند ص ۵۳)

نے تشبیہ مشروط کا ذکر کیا ہے۔ بقول شاعر:

زخمی اگر از تیغ تو آید بسرِ ما — بہتر ز گل تازہ شناسد نظرِ ما

۲۰ التصدیر المعنوی: شعر کے آخر میں کوئی مرادف لفظ لایا جائے یا وہ لفظ جو مصرع اول یا مصرع ثانی کے درمیان میں واقع ہو اور تصدیر معنوی اور رد العجز علی الصدر میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر کی تاکید مرادف پر اور موخر الذکر کا زور بعینہٖ لفظ پر ہوتا ہے۔ مثال از شفیعای اثر:

خاتم دولت زبانی بیش در دست تو نیست — بے خبر افتادہ ای از بازئ انگشتری

۲۱ التنزیل: صغیر کو کبیر یا قلیل کو کثیر کیا جائے۔ یہ صنعت شیخ زکی الدین ابن ابی الاصبع کی اختراع ہے اور انھوں نے اس کا نام "حصر الجزئی والحاقہ بالکلی" رکھا ہے آزاد نے اسے صرف جزئی کے طور پر استعمال کیا ہے مثال از آزاد بلگرامی:

از دو عنایت کم بے شمار می دانم — چو عندلیب یکی را ہزار می دانم

آزاد نے اس کے برعکس اختراع کی ہے یعنی تنزیل کبیر بہ منزلۂ صغیر و تنزیل کثیر بہ منزلۂ قلیل۔ مثال اول از صائب تبریزی

آسمان گرچہ وسعت دارد — چشمۂ سوزن است دلہا را

مثال ثانی از آزاد بلگرامی:

فوج دشمن در نگاہ ما غبار بیش نیست — صد سوار برق جولاں نیسواری بیش نیست

۲۲ التوصیہ: کوئی کسی کو مامور کرے کہ مذہب عشق کی آرزو کرے یا آمر کی موت کے بعد (اپنی تمنا پوری کرے)

مثال از امیر خسرو دہلوی:

سیہ بادام را ہر سو میفگن در نظر بازی — نگہدارش کہ روزی بر سر تابوتم اندازی

۲۳ جر الثقیل: متکلم دعوی کرے کہ محال ممکن ہے اور ممکن، محال پس متکلم دو ثقیل کو اپنا رہا ہے۔ مثال از صائب تبریزی:

خرمن بی حاصلاں از خوشہ پروین گذشت — دانۂ امید صائب ہمچناں زیر گل است

۲۴ حسن النصیحہ: متکلم کی مراد، غیر کی خیر خواہی کے بجائے اپنی خیر خواہی ہو۔ مثال از ابو طالب کلیم:

مرا مسوز کہ نازت ز کبر پا افتد — چو خس تمام شود شعلہ ہم ز پا افتد

۲۵ الخارق: عقل یا عادت کے مطابق کسی امر کا وقوع پذیر ہونا مستحیل ہو۔

آزاد کا خیال ہے کہ ادبائے فارس نے تعجب کے نام سے ایک صنعت نکالی ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ شاعر اپنے

کلام میں کسی تعجب خیز بات کا ذکر کرے اس سے واضح ہے کہ صنعت تعجب میں، کلام میں تعجب خیز چیز موجود ہو، برخلاف اس کے خارق جس میں اظہار تعجب ضروری نہیں ہے اور تعجب کبھی خلاف عادت نہیں ہوتا۔ مثال از آزاد بلگرامی :

ہلاک حیرتم از شوخی ناز آفریں طفلی　　کند صد رنگ بازی در زمیں صوتِ تصویرش

۲۶ عکس الانتزاع : مشبہ بہ سے مشبہ نکالا جائے۔ مثال از غنی کشمیری :

شکست از ہر در و دیوار می بارد مگر گردوں　　ز رنگ چہرۂ ما ریخت رنگ خانۂ ما را

۲۷ عکس المغالطۃ : امر صادق سے امر کاذب کی تعلیل کی جائے۔ مثال از آزاد بلگرامی :

چشم بیباک تو سیہ کار افتاد　　آں قدر بادہ کشی کرد کہ بیمار افتاد

۲۸ الغبطۃ : کسی کی تبدیلیٔ حالت کی تمنا کرنا۔ مثال از باقی ملحق :

چو او را تکیہ بر دیوار دیدم مردم از حسرت　　کہ ایں فرسودہ قالب خشت آں دیوار بایستی

۲۹ الغصب : کوئی شئی غیر کی خاصیت اختیار کر لے۔ مثال از حافظ حکاک کرمانی :

فروغ ماہ رخت دیدہ ام پر آب کند　　کسی ندید کہ مہ کار آفتاب کند

۳۰ کلام الروح : متکلم خود کو میت فرض کرے اور اپنے نفس ناطقہ سے کلام کرے۔ مثال از بیدل عظیم آبادی

براہیت مردہ ام اما زیارت خانہ ای سنگم　　تو می آئی و من آسودہ آتش در مزار من

۳۱ النذر : کوئی شخص مذہب عشق کے مطابق کسی کام کے ہونے کی صورت میں کوئی کام کرنے کی شرط رکھے۔ مثال از سلیم طہرانی :

عہد کر دم کہ گر ایں بار بکوی تو رسم　　سرمۂ دیدہ کنم سایۂ دیوار ترا

۳۲ الوفاق : عبارت ہے اس سے کہ دو ضد باہم موافقت کریں اور ایک دوسرے پر صادق آئے۔

آزاد نے اس صنعت کا استخراج طباق کے مقابلے میں کیا ہے۔ مثال از خان احمد گیلانی : رباعی۔

از گردش چرخ واژگوں می گریم　　وز جور زمانہ بیں کہ چوں می گریم

با قد خمیدہ چوں صراحی شب و روز　　در قہقہہ ام و لیک خوں می گریم

'قہقہہ' یہاں قلعہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے لہٰذا وفاق لفظی ہے۔

۳۳ المزاح : متکلم اپنے کلام سے دوسروں کو خوش کرے۔ مزاح استہزا سے مختلف ہے اور کسی نے اسے علیحدہ صنعت نہیں قرار دیا ہے۔ آزاد کا خیال ہے کہ انھوں نے اسے خلعت استقلال عطا کیا ہے۔ انکے نزدیک بہترین مزاح وہ ہے جو فحش سے خالی ہو اس حد تک کہ اگر جوان لڑکی سنے تو اسے شرم دامن گیر نہ ہو۔ مثال از نعمت خاں عالی :

رباعی۔ عالی از غمت اشک نہ ریزد چہ کند　　وز ہجو تو شوخی نہ گریزد چہ کند
پیراست و تو پشت می کنی جانب او　　انصاف بدہ کہ بر نہ خیزد چہ کند

۳۴ المعارضہ: کوئی شخص کسی شخص کی کسی دلیل کے خلاف کوئی دلیل پیش کرے۔ مثال از عمر خیام: رباعی

مے می خورم و مخالفاں از چپ و راست　　گویند مخور بادہ کہ دشمن دیں راست
چوں دانستم کہ مے عدوی دین است　　واللہ خورم خون عدو راکہ روا است

۳۵ المفاضلہ: متکلم کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر ترجیح دے پھر کسی اور کو اول پر فضیلت دے۔ مناظرۂ سیف و قلم، مناظرۂ فقر و غنا اور مناظرۂ روز و شب اسی زمرے میں ہے جسے شعرا نے نظم کیا ہے۔ مثال از آزاد بلگرامی

قلم دراز تر از رمح و است دراحساں　　سناں در از تر از خامہ در صف بی جا

ان صنایع کے علاوہ آزاد نے پانچ مزید صنعتوں کا اضافہ کیا۔

بوقلمون: یہ امیر خسرو دہلوی کی ایجاد کردہ ہے۔

دو یا دو سے زائد معنی والا لفظ جس کا انجام مبہم ہو۔ یا وہ لفظ جو مختلف زبانوں میں مختلف معنی رکھتا ہو اور شاعر اسے اپنے مطابق استعمال کرے۔ مثال از امیر خسرو دہلوی:

گفتم کہ دریں خانۂ ماموں تو باشم　　گفتا کہ بلائی است دریں خانۂ ماںاق

تین قدیم صنعتیں:

۱۔ بیّنات۔ ۲۔ دائرۂ تاریخ۔ ۳۔ زمرہ۔ ۴۔ تشبیہ التذکیر: اس کا ذکر سبحۃ المرجان میں نہیں آیا ہے۔

کتاب غزلان الہند کی افادیت: جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کا موضوع علم بدیع ہے اور شاعری ہیں وہ چاہے جس زبان کی ہو اس فن کا بہت عمل دخل ہوتا ہے اور اسے شاعری کے زیور یا کلام کی زینت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس فن کی مختلف کتابوں سے رجوع کرنے کے بعد یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آزاد نے جس طرح "سبحۃ المرجان" کی تالیف کے ذریعہ عربی فن بدیع کو غنی بنانے کی کاوش کی ہے بالکل اسی طرح اس کا فارسی ترجمہ کرکے اور فارسی شعرا کے کلام سے بے شمار مثالیں اور شواہد پیش کرکے فارسی میں اس فن کی بے شمار صنایع کا اضافہ کیا ہے۔ کیونکہ سنسکرت کی صنایع ہیں وہ بہر طور فارسی میں اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتیں، لے دے کر ایک کتاب تحفۃ الہند[۱] تصنیف میرزا خان ابن فخر الدین محمد[۲] میں ایک باب "در علم سنگار رس یعنی علم عاشقی و معشوقی و بیان احوال عاشق و

تحفۃ الہند تالیف میرزا خاں ابن فخر الدین محمد (سال تالیف احتمالاً در زمانۂ اورنگ زیب) بہ تصحیح و تحشیہ ڈاکٹر نور الحسن انصاری، ۔ اول، انتشارات فرہنگ ایران ۱۳۵۴ش۔ باب چہارم۔

ومعشوق ملتا ہے جو غزلان الهند کے مقالۂ ثانی کے عنوان "در بیان تالیکا بھید" سے قدرے مشابہ ہے۔ لیکن جو صنعتیں آزاد نے استخراج کی ہیں اور اسی طرح "معشوقات مستخرجۂ مؤلف" یقیناً آزاد کی جدت فکر اور وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے اس طرح فارسی علم بدیع میں غزلان الهند اپنی افادیت کے پیش نظر اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

<u>غزلان الهند کے قلمی نسخے</u>: اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں پہلے ان تین نسخوں کا ذکر کر رہا ہوں جو میرے پیش نظر رہے اور جن کے عکس میرے پاس موجود ہیں۔

۱۔ ایران۔ قم۔ کتاب خانۂ مرعشی نجفی، شمارہ ۳۹۱، نستعلیق، بقلم شیخ امتیاز علی بن شیخ بھولی بلگرامی ۱۲۴۷ھ پہلے صفحہ پر ایک بیضوی مہر ہے "کتابخانہ سید علی اصغر بلگرامی و ابن علیؑ۔ ۳۔ ۷ ورق ۱۷ س

۲۔ تہران۔ کتابخانۂ مجلس شورائے ملی (اسلامی) ۱ شمارہ ۳۱۱۱، نستعلیق، بقلم سید عبداللطیف ۱۲۵۷ھ، ۸۱ ورق یہ نسخہ درمیان سے ناقص ہے۔ اسکے پہلے صفحہ پر آیتر کا ۱۶ اشعار کا ایک قصیدہ ہے۔ یہ نسخہ حکیم محمد نورالدین کی ملکیت تھا۔

۳۔ تہران۔ کتابخانۂ مرکزی دانش گاہ تہران، شمارہ ۳۴۴۳، نستعلیق، بقلم سید محمد جلال الدین، ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ، ۵۰ ورق۔ ۱۹ سطر۔

ان کے علاوہ اس کتاب کے چند نسخے درج ذیل کتب خانوں میں بھی موجود ہیں۔

● کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، شمارہ ۱۶۴ و ۱۰۵ (دو نسخے) سال کتابت ۱۱۹۰ ● پاکستان نیشنل میوزیم، کراچی، شمارہ ۱۳/۲-۱۹۶۸، NM مکتوبہ میر غلام حسین ۱۵ محرم ۱۲۳۲ھ ● رام پور، کتب خانہ عبدالسلام خان صاحب سال کتابت ۱۲۵۲ (بحوالہ مقالہ "رام پور کے دو کتب خانے" از مولوی محمد شفیع، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین ۲/۲۲، ۱۹۲۶ء، ومقالات مولوی شفیع ج ۲، ص ۱۰۱) ● سالار جنگ میوزیم حیدرآباد شمارہ $\frac{1.57}{BSM/18}$ نستعلیق مکتوبہ محمد بہار الدین ۱۲۷۵ وشمارہ $\frac{1.58}{A N/199}$ وشمارہ $\frac{1.59}{A.N/198}$ (تین نسخے) ● ندوۃ العلما لکھنو شمارہ ۳۵ مکتوبہ محمد یوسف علی ابوالحامد ۱۲۹۳، بھوپال ● بانکی پور خدا بخش لائبریری شمارہ ۲۳۷ و ۲۴۷ ● مولانا آزاد لائبریری (حمیدیہ) بھوپال شمارہ ۳۳۳ ● برلن لائبریری شمارہ ۱۰۵۱ (۶۰۳) ● برٹش میوزیم لندن، ج ۲، ۹۷۱ ● انڈیا آفس، لندن شمارہ ۲۱۳۵ ● جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دو نسخے) ● ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری دہلی ● بوہار کلکتہ (ناقص، درمجموعہ)

●●

جناب فرخ جلالی
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ

فن تعمیر اور کتبہ شناسی پر ایک اہم کتاب

گوڑنامہ مؤلفہ منشی شیام پرشاد

اس مخطوطہ کا اصل نام گوڑنامہ (گوڑنامہ) ہے اور یہ گوڑ پاونڈا (پانڈا) کی مختصر تاریخ ہے۔ اس کے مصنف منشی شیام پرشاد ہیں اور انھوں نے ۱۸۱۰ء کے آس پاس فرنکلن کی فرمائش پر اس کو لکھا ہے۔ آج تک اس کتاب کا اصل نام معلوم نہیں تھا خدا بخش لائبریری میں بھی اس کا نام خلاصۃ احوال عمارت لکھا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا نسخہ لندن میں ہے۔ اس نسخے کے اصل نام کی اطلاع وہاں پر بھی نہیں ہے۔ لندن کا نسخہ کافی غلط نقل ہے۔ پروفیسر دانی نے اپنی کتاب جو بنگال کے فن تعمیر کی تاریخ ہے اس میں اس مخطوطہ کو چھاپا ہے ایک تو شاید مخطوطہ ہی غلط تھا دوسرے طباعت و ترتیب میں بھی الفاظ و تراکیب غلط شائع ہوئے ہیں۔

میں نے اس مخطوطہ پر انڈین ہسٹری کانگرس منعقدہ دہلی ۲۳ فروری ۱۹۹۲ء کو ایک مقالہ پیش کیا۔ منشی شیام پرشاد نے اس میں بنگال کے مخصوص کتبے جن کو ہندستان میں پڑھنا مشکل خیال کیا جاتا ہے وہ صحیح پیش کیے ہیں۔ میں نے اس مخطوطہ کی چار اہم خصوصیات کی طرف توجہ دلائی۔

۱۔ گمشدہ کتبوں کے متن
۲۔ عہد سلطنت کی عمارتوں کا تذکرہ
۳۔ شاہجہاں کے عہد کی عمارتوں کا تذکرہ (آنندسر ور میں شجاع کی عمارتیں)
۴۔ فن عمارت کی بعض خصوصیات اور اصطلاحوں کا بیان

میں نے اس مخطوطہ کے متن کو ایڈٹ کر لیا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس مخطوطہ کا کوئی دوسرا متن ہندستان کی کسی لائبریری میں مل جائے اگر خدا بخش لائبریری پٹنہ اس مختصر مخطوطہ کو چھاپے تو اچھا ہے۔ اس فن پر کتابیں ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔

اس مخطوطہ کی تلاش کا موقع اور آسانی ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے فراہم کی اور اس کو پیش کرنے کی سہولت پروفیسر ضمیر الدین صدیقی صدر شعبہ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے عطا کی۔ ان حضرات کو ہندستان کے عہد وسطیٰ کے آخذ تلاش کرنے میں جو دلچسپی ہے وہ اہل علم کی طرف سے امتنان اور شکریہ کا باعث ہے اور یہ ہندستان کے کلچر کی بڑی خدمت تو ہے ہی۔ ●●

کشمیریات

داکتر صدیق نیازمند
شعبهٔ فارسی، کشمیر یونیورسٹی
سرینگر

شرح حال و آثار و ارزیابی انتقادی سبک شعر ملا ساطع کشمیری

سرزمین کشمیر از نظر رشد زبان و ادبیات فارسی بسیار بارزو زرخیز بوده است۔ این زبان شیرین در عهد پادشاهان شهمیری اولین خانوادهٔ پادشاهان مسلمان محلی آن دیار می باشد، مقارن با عهد تیموریان در ایران به آن خطهٔ دلپذیر راه یافت و در عهد پادشا سلطان زین العابدین (بدشاه = شاه کبیر) این زبان برسمیت شناخته شد و حتی دیری نگذشت که جای زبان سانسکریت را زبان رسمی این دیار بود، گرفت۔ بدین منوال زبان فارسی اولین بار در کشمیر بعنوان زبان اداری و درباری رائج گشت۔ در طول مدت شش قرن اخیر یعنی از ۷۲۵ هجری قمری تا نیمهٔ دوم سدهٔ چهاردهم هجری قمری در جنبه های گوناگون از شعر و سخن و علوم و ادبیات گرفته طب و نجوم و هیئت، شخصیت های برگزیده بوجود آمدند و تمام اینها انگیزه های خود را باین زبان شیوا ابراز نمودند۔

دربار مغولان گورکانی هند از نظر تقویت شعر و بزرگترین تربیتگاه شاعران این عصر، یکی از دوره های بسیار پر ارج بشمار میرود، زیرا شاعران نامدار و نثر نویسان چابکدست، درهمین عصر بوجود آمدند۔ از نمونه های برجستهٔ نثری و شعری آنها می توان باین نکته پی برد که یکی از سبک ها و روش های ویژهٔ این عصر که بنام سبک هندی موسوم است، در هند استحکام پذیرفت و باوج خود رسید۔ ناگفته نگذریم که بعلت یورشهای پی در پی ارتش مغول، کشمیر در سال ۹۹۴ هجری قمری استقلال خود را در زمان فرمانروا اکبر شاه گورکانی از دست داد و بعنوان یکی از ایالت ها بهند منسلک گردید۔ چون سخنسرایان مغول بکشمیر آمد و شد داشته اند و در نتیجه آن شاعران فارسی گوی کشمیر تحت تاثیر شاعران دربار مغول قرار گرفتند، لذا در نتیجهٔ تاثیر پذیری و آمیزش با شاعران دربار مغول سبک هندی مزبور که در هند نفوذ فوق العادهٔ پیدا کرده بود و برای شاعران این دیار بکلی تازه و نو وارد بود، مورد توجه و تقلید شاعران کشمیری نژاد قرار گرفت۔ شاعرانی مانند مظهری کشمیری، فانی کشمیری، غنی کشمیری، جویا و گویا پیدا شدند که سبک هندی را پیروی نموده اند۔ ملا ساطع کشمیری یکی از شاعران همین دسته بوده است که در اشعار خود پیروی از سبک هندی نموده و با پشت کاری فوق العادهٔ و بزحمات خود یکی از شاعران ممتاز این سبک در آمده و بعنوان ستارهٔ درخشان در آسمان ادب فارسی درخشید۔ تذکره نویسان راجع به اسم ساطع اختلاف نظر دارند۔ گروهی از تذکره نویسان وی را بنام ابوالحسن یاد میکنند[1] و دستهٔ دیگر از تذکره نویسان اسم وی را ملا عبدالحکیم نوشته اند۔ محمد اعظم دیده مری صاحب واقعات کشمیر، که با ساطع روابط دوستانه و صمیمانه داشته است و تقریبا

بیست سال از محضر وی استفادهٔ علمی می کرده است۔ (بعلاوه، دراغلب اوقات از وی اصلاح شعر هم می گرفت)۔ می نگارد که اسمش عبدالحکیم بوده است[42] اصلح میرزا مؤلف تذکرهٔ شعرای کشمیر که خود را بعنوان شاگرد ساطع معرفی نموده است، تائید میکند که اسم ساطع ملا عبدالحکیم است[43] اینکه بعضی از تذکره نویسان وی را ابوالحسن می پندارند، کنیت وی است نه اسم وی، درحالیکه در تائید این امر ما دلیل وبراهین قاطعی بدست نداریم۔

همانطورکه تذکره نویسان دربارهٔ اسم ساطع باهم اختلاف نظر دارند، دربارهٔ اسم پدر ساطع هم ما همین مشکلات روبرو هستیم۔ بعضیها اسم پدر ساطع، ملا محمد علی کشمیری نوشته اند درصورتیکه محمد اعظم دیده مری و بعضی از تذکره نویسان و مورخان ساطع را پسر ملا آعتا لب می پندارند[44]

ساطع چطور ایام کودکی خود را بسر برده، ما دربارهٔ آن اطلاع قاطعی بدست نداریم و بدرستی نمی توان حدس زد که شاعر کی چشم بجهان گشوده است۔ اطلاعاتی که دربارهٔ ایام کودکی و طالب علمی وی بدست میرسد این است که وی تحصیل علم میکرد و طبع موزون داشت۔ شعر میگفت و در وهلهٔ اول شاگردی لاله ملک شهید اختیار نمود۔ بهمین تربیت استاد در کمترین زمان در این فن تبحر پیدا کرد۔ حتی در فن شعرگوئی چنان پیشرفت نمود که لاله ملک شهید خود را شایستهٔ تربیت او نیافته، و وی را بخدمت میرزا داراب جویا فرستاد[45] بدین نحو ساطع شاگردی جویا را اختیار نمود۔ ساطع بکمک و معاونت میرزا داراب در جلسه ها و محافل علمی و ادبی آن زمان شرکت می بست۔ حتی که صحبت و مجالست با استاد و بعضی از استادان معاصر آن روزگار، طبع موزون ساطع را جلا بخشید۔ در شعرگوئی ترقی نمایان کرد و بر اقران خود فائق شد[46] ساطع دربارهٔ استاد خود و نیز در مورد نکته سنجی خود که از جویا اخذ نموده است، می گوید ؎

مرا چه بند استادان ز بهر نکته سنجیدن ہمین بس حجت ساطع، که جویا بود استادم[47]

ممدوحان ساطع :

چون ساطع در کشمیر زندگانی خود را با نهایت فقر می گذرانید لذا مسافرت به پشاور نمود تا کسب معاش کند۔ در اثنای و ملا محمد سعید اشرف که یکی از شاعران بنام روزگار خود بوده است ملاقات نمود۔ چون طبع ملا را موزون و وی را در شعرگوئی توانا یافت شاگردیش اختیار نمود و اصلاح شعر از وی گرفت[48] پسر دوم عالمگیر محمد معظم در آن روزگار ناظم پشاور بود۔ وی شعرشناس بود و هم شاعران و سخن سرایان را بسیار دوست می داشت۔ ساطع این موقع را غنیمت شمرده، اول تقرب اسلام خان میر آتش محمد معظم شاه بهادر بود، پیدا کرد و بعد برفاقت وی به دربار شاه بهادر پیوست و رساله مختصری بنام گلشن اسلام به فارسی باسم اسلام خان نوشت[49] ساطع بیشتر قصاید خود را بمدح همین اسلام خان سروده است۔ اینک نمونه های از آن در یا می آوریم :

۱- اسلام خان بهادر عالی جناب را — زیبا بود ز طلعتهٔ چشم ظفر رکاب[10]

۲- من از نواب عالی دودمان اسلام خان گفتم — که آمد آسمان بالماء عید از جبههٔ سلیمانش[11]

۳- یعنی آن نواب عالی دودمان اسلام خان — کز محیط همتش گردون بود کم از حباب[12]

ساطع از اسلام خان هزاره احسان فراوان دیده است. خود می گوید:

گرچه فیض مهر یکسان میرسد ذرات را — ساطع ما دیده از نواب احسان بیشتر

وقتیکه عالمگیر فوت نمود، محمد معظم بنام قطب الدین محمد معظم بهادر شاه[13] بر تخت سلطنت هند جلوس نمود، شعر ساطع بیش از پیش رونق یافت و بدربار وی منسلک شد. قطب الدین محمد معظم بهادر شاه ۱۹ ماه محرم ۱۱۲۴ هجری قمری فوت نمود و بعد از هرج و مرج بسیار که نه ماه طول کشید فرخ سیر پادشاهی یافت[14] ساطع در مدح وی نیز شعر گفته و بعوض وی بعنوان وسیلهٔ زر و انعام و بخشش رسانده است بعلاوه ساطع سه مثنوی مختصر را نیز از نظر همین پادشاه گذرانیده و جایزه های فاخره ست آورده است.[15] اشعار زیر که بمدح این پادشاه از کلیات ساطع برگزیده شده است بهترین دلیل برای این امر باشند:

ز توصیف شه اقبال مندی — بدیوان میبرم شعر بلندی

زبان پیوسته میگردد بکامم — دهد نخل ثنا بار سلامم

بدرگاه شهنشاه حق آگاه — شه فرخ سیر غازی جماه[16]

بکام ساطع مدحت سرانجام — زبان گویا ست بهر شکر انعام

بیا ساطع زبان رنگین بیان کن — رگ ابر قلم گوهر فشان کن

بمدح آنکه آمد در شهان طاق — شه فرخ سیر غازی آفاق

ز مهر و مه ستاند تاج شه باج — که برد این سرفراز از نام معراج

چو دست شاه آمد گوهر افشان — فلک گردید سرتا پای دامان[17]

درمیان ممدوحان ساطع باید عبدالعظیم خان و رضوی خان و امیرالامرا صمصام الدوله خان دوران و برادر وی مظفر خان نام برد. ساطع در کلیات خود اشعار متعددی در مدح اینها دارد. وی رضوی خان را اینطور توصیف میکند:

رضوی خان که مهر مدحش کرد — مطلعم را مشارق الانوار[18]

در توصیف عبدالعظیم خان می گوید

دید آفتاب کوکبهٔ عبدالعظیم خان ‌‌‌‌‌‌‌‌ شان مبارزان فلک اقتدار را[19]

درجای دیگر میگوید :

کجا بهدیه برد طبع من جواهر مدح ‌‌‌‌‌‌‌‌ مگر بدرگه عبدالعظیم خان آرد[20]

آخرین ممدوح ساطع امیرالامرا صمصام الدوله خان دوران بوده است. وی الطاف و بخشش های این امیر بهرهٔ بسیار برده و چون دوری از وطن و سفرهای طولانی هند وی را ناراحت ساخته و از هوای سوزاندهٔ هند بسیار دل شکسته بود، لذا بفکر مراجعت کشمیر افتاد. بالآخر صمصام الدوله شاعر را اجازه برای مراجعت بکشمیر داد[21]. صاحب سفینهٔ هندی مینویسد:

" آخر بمداحی عالیجاه امیرالامرا خان دوران خان بهادر پرداخته و بمین تفضلات آن عالیجاه خدمتی در کشمیر یافت، آنجا رفت. چون قدری جاگیر هم در آنجا یافته بود، معیشت بخاطر جمع نمود[22]"

صاحب روز روشن میگوید که : "بمدح صمصام الدوله قصیده های بلیغه گفته، بجائزه اش سیورغالی در وطن حاصل نمود[23]"

اشعاری که ساطع در مدح صمصام الدوله سروده است بتعداد زیاد است ما در اینجا نمی توانیم آنها را نقل کنیم. اینک فقط نمونه هائی نقل میگردد :-

۱- نه مخصوص سکندر بود اقبال جهانگیری ‌‌‌‌‌‌‌‌ که ساطع خان دوران سپهسالار هم دارد[24]

۲- بمدح خان دوران چون معانی را بیان سازد ‌‌‌‌‌‌‌‌ بساطع کی رسد سحبان فصاحت هم خبر دارد[25]

۳- ثنای خان دوران بهادر پیشه کن ساطع ‌‌‌‌‌‌‌‌ که غیر از مدح او مقصود ازین فن نمی باشد[26]

۴- قلع مشکل کند از بهر تو یکدم ساطع ‌‌‌‌‌‌‌‌ خان دوران که ظفر خواند بصمصام او را[27]

دیوان رتن چند هم یکی از ممدوحان ساطع بوده است. کلیات ساطع قطعه ای دارد که در مدح وی سروده شده است. یک بیت از آن در اینجا نقل میکنیم :

بجز تو مدح و ثنا را بدرگه که برم ‌‌‌‌‌‌‌‌ که مرجع نبود شعر را بجز دیوان[28]

مسافرتهائی ساطع :

چنانکه قبلاً اشاره شد ساطع بعلت کمبود سرمایهٔ زندگی و برای بدست آوردن معاش، راه مسافرت را پیش گرفت در ابتدا به پیشاور رفت و چندین سال پشت سر هم در آنجا ماند و بالاخر بتوسط اسلام خان که میر آتش بود، بدربار شاه بهادر پیوست و تقرب وی حاصل نمود. هنگامی که ممدوحش بدهلی رفت، ساطع هم بهمراهی وی راهسپار دهلی گردید. و تا زمان قتل فرخ سیر که در سال ۱۱۳۱ هجری قمری بوقوع پیوسته، در دهلی ماند. گفتیم وی از مسافرتهائی طولانی بسیار خسته و دلگیر شده و نیز هوای گرم د

سوزاندهٔ هندو یرا از یاد برآورده بود، چنانچه کیفیت هوای پشاور را در اشعار خود اینطور بیان میکند۔

قصد هلاک کرده هوای پشاورم	از تب نکنده بود در آتش سپند وار[۲۹]

جای دیگر دربارهٔ هوای گرم هند گله دارد و میگوید :۔

در هوای هند از نشو و نمای من مپرس	از گداز خود چو نخل شمع آبم داده اند[۳۰]

گویا ساطع از سفرهای دراز بستوه آمده بود و خودش را در هند زنده بگور تصور میکرد چنانکه میگوید :۔

زنده در گور کرد این سفرم	درد شد مصاف کامرانی من[۳۱]

و چون آرزوی برای برگشتن بوطن خود او را بیقرار کرد ... نیایش بدرگاه ایزد متعال میکند تا بوسیلهٔ حضرت امام موسی کاظم راهی پیدا شود تا مراجعت بکشمیر کند۔ درین مورد باشعار زیر توجه کنید :۔

شب از خرابی احوال خویش میگفتم	که می نخورده بدینسان کسی مباد خراب
سفر نمود تنک مایه ام چنانکه مرا	بجز هوای وطن نیست در گره چو حباب
خرد بگوش دلم این سخن نهانی گفت	که عرض حال بکن پیش آن رفیع جناب
امام موسی کاظم که مدح او ز قلم	نمود وقف کلیدی برای فتح الباب[۳۲]

جای دیگر می گوید :۔

نیم آن ریگ که در شیشهٔ ساعت باشد	روز و شب ارچه بسفر کردن من در وطنست[۳۳]

اشعار زیر بر می آید که خان دوران، بالاخر موافقت نموده تا وی ... بکشمیر مراجعت نماید۔ درین ضمن می گوید :۔

فرستادی بگلگشت بهشت آباد کشمیرم	که غیر از همتت بخشده موری را سلیمانی[۳۴]

در عوض خدماتی که ساطع در دربار شاه بهادر انجام داده است، پادشاه وی را در کشمیر جاگیر تفویض نمود۔ چنانکه در دربار میں پادشاه بوده است که ساطع تقاضا نامهٔ خود را برای اجرای جاگیر فرستاده است۔ نقلی از همین تقاضا نامهٔ او بالغ بریک ۔ در موزهٔ بریتانیا اشتباهاً با یک نسخهٔ نثری تو طغری مشهدی مضبوط است و شمارهٔ آن برگ ۸۰ می باشد۔[۳۵]

صاحب مجمع النفائس می نویسد که صمصام الدوله ساطع را در کشمیر جاگیر تفویض نمود۔ ولی چنانکه از اشعار ساطع ... ن میگردد، تفویض شدن جاگیر در حق وی از لطف و عنایات شاه بهادر بوده است۔ زیرا هنگامیکه شخص ظالمی دست تطاول ... ی آن دراز کرده بود، ساطع برای دادرسی اشعار زیر را بدربار پادشاه فرستاده بود۔ وی میگوید :۔

مور در پیش سلیمان عرض حالی میکند	ذرهٔ پیش آفتاب آسمان عز و جاه

چند روزی شد که در دفتر خطا افراسید | گشت نازل گوئیا خط الشعاع از مهر و ماه
باوجود این چنین لطفی که شد در حق من | باوجود این عنایات جناب پادشاه
ظالم از جاگیر من دست تصرف برنداشت | من بدارالعدل انصاف تو می کردم پناه [36]

تجرّد ساطع :

در کلیات ساطع به بعضی از اشعاری برمی خوریم که دال بر آن است که وی متاهل نبوده بلکه در تجرید زندگی بسر برده است، آنجا که در شعر زیر جور و جفای روزگار را بیان می کند در ضمن آن اشاره به مجرّد بودن خود هم میکند :-

بر نتابد از تجرّد کلبه ام سامان فقر | موج سیلابست نقش بوریا در خانه ام [37]

از اشعار زیر هم تجرید شاعر هویدا میگردد :-

۱- گرچه تن چون صورت دیبا بکسوت داده ام | لیک میدارد تجرد همچنان عریان مرا [38]
۲- هوای عالم تجرید در سر دارم آن طفلم | که باشد دامن صحرای امکان کاغذ بادم [39]
۳- مرا عریان تجرد با جنون وارد درین وادی | نمی گنجم به پیراهن ز بس بالیدم از شادی [40]
۴- منصب آوارگی دارم تجرد مشربم | گرد باد دشت عشقم خانه بر دوش توام [41]

فقر و گرسنگی ساطع :

چنانکه گفته شد ساطع از ممدوحان خود لطف و مهربانیهای فراوان دیده است ولی از اشعارش روشن میشود که وی زندگی خود را با نهایت فقر و گرسنگی بسر میبرد - به اشعار زیر توجه فرمائید -

وحشتم دارد بساط فقر گویا بافتند | از نی مژگان آهو بوریای خانه ام
فقر کی ساطع برد ما گوشه گیران ز جای | این کشاکش بر نیارد چون کمان از خانه ام [42]

چون ساطع از روزگار و اهل روزگار زجرها دیده است لذا از آنها نالان و بیزار بوده - اشعار زیر به همین مناسبت در اینجا نقل می گردد

۵ خصم سرکش کی حریف دیدهٔ گریان ماست | چهرهٔ گردون کبود از سیلی طوفان ماست
نان ما چون نانبا نوشان لاله سان داغ دلست | هر که غم خوردن گوارایش بود مهمان ماست [43]

وفات ساطع :

دربارهٔ تاریخ وفات ساطع مانند تاریخ ولادت وی تذکره نویسان باهم اختلاف نظر دارند - صاحب روز روشن سال وفات ساطع را ۱۱۵۶ هجری قمری نوشته است [44] و در سفینهٔ خوشگو وصف ابراهیم تاریخ درگذشت وی ۱۱۰۵ هجری قمری

درج است[۴۵]. این اختلاف حتی تا آنجا رسیده است که بنظر بعضی از تذکره نویسان می نویسند که ساطع در دهلی فوت کرد[۴۶]. دربارهٔ سال وفات ساطع منبع قابل ملاحظه ای که از نظر تاریخی بسیار پر ارج هست، واقعات کشمیر است که نویسندهٔ آن خواجه محمد اعظم دیده مری میباشد. دیده مری نه تنها معاصر ساطع بوده است بلکه میان وی و ساطع روابط دوستانه برقرار بود. علاوه براین، دیده مری از وی در شعر اصلاح هم میگرفت. در هنگام وفات ساطع، دیده مری زنده بوده است. آنچه وی دربارهٔ ساطع می نگارد از وی شواهد عینی است. لذا روایت وی بر تمام تذکره نویسان فوقیت دارد. دربارهٔ وفات ساطع وی مینویسد:

"(ساطع) بیست و یکم رمضان سال چهل و سه هجری (۱۱۴۳ھ) رحلت نمود. عالمی را از خویش و بیگانه گرفتار تأسف و تلهف فرمود، بتخصیص راقم حروف را که قریب بیست سال بفرط محبت و اتحاد مجلس آرائی صحبت و باده پیمائی الفت بذکر اشعار آبدار و طرح قافیه های بدایت شعار، چه در حضور و غیبت بزم لطف طبع او راحت افزائی حاصل بود، قرین درد فراق گذاشت و این تاریخ را راقم حروف بجالهٔ بر صفوبت نگاشت. تاریخ: نور ایمان بمرقدش ساطع[۴۷]

نور ایمان بمرقدش ساطع برابر است با ۱۱۴۳ پس بر طبق روایت معتبر مذبور، ساطع، روز بیست و یکم رمضان المبارک سال ۱۱۴۳ هجری قمری در کشمیر جهان را بدرود گفت.

آثار ساطع :

طبع ساطع به سرودن اشعار فارسی موزون بوده است. وی از آغاز زندگی بشعر و سخن علاقه داشت پیروی از استادان[۴۸] بزرگ و سخنسرایان نامدار فارسی کرده تقریباً در تمام اصناف شعر مهارت بدست آورده بود. بروایت تذکره نگاران وی دیوان شعر دارد. مؤلف سفینهٔ خوشگو دربارهٔ وی می نویسد که دیوانی ضخیم دارد[۴۹]. صاحب ریاض الشعراء میگوید که دیوانش از سه هزار بیت متجاوز است[۵۰] و اما سراج الدین خان آرزو در بارهٔ دیوان اشعار او می نویسد که وی دیوان مختصری دارد[۵۱]. صاحب مخزن الغرائب تعداد اشعار ساطع را قریب چهار و پنج هزار مینویسد[۵۲]. کلیاتی که ساطع از خود باقی گذاشته است شامل قصاید، غزلیات، قطعات، ترکیب بند، رباعیات، مثنویات و منشآت است. علاوه بر نظم و نثر ساطع در علم لغت نیز آشنائی داشت چنانکه وی کتاب معروف لغت "برهان قاطع" را تلخیص نموده و سر نو آنرا ترتیب داده است و اسم آن کتاب را حجت ساطع گذاشته بود[۵۳].

نسخهٔ کامل از کلیات ساطع در کتابخانه سازمان تحقیق و اشاعت استان جموں و کشمیر سری نگر بشماره بدر همین کتابخانه نگهداری میشود. کلیات مورد بحث اول الذکر ۲ مثنوی، ۳۹ قطعه، ۴۶ قصیده، ترکیب بند، ۴ رباعی، تقریباً چهار صد غزل و منشآت بنثر فارسی دارد. این نسخه دارای ۱۵۳ برگ است هر برگ ۱۲ سطری. کاغذ نسخه کشمیری برنگ نخودی جلد چرمین برنگ قهوه ای.

اسم کاتب و سنه استنساخ ندارد۔ سه مهر روی این نسخه ثبت است مهری که برگ ۲۵ الف دارد متن آن این است "سبح رام ۱۸۰۹ بکرمی" برگ ۱۷ ب مهر محمد منور و سنه ۱۲۳۹ھ دارد۔

با در نظر گرفتن عبارات و متن مهرهای فوق میشود حدس زد که این نسخه قبل از سال ۱۲۳۶ھ استنساخ شده باشد علاوه بر آن دو نسخهٔ مزبور، از سه نسخهٔ دیگر دیوان ساطع هم اطلاع داریم اما هر یکی از اینها گزیده ای است لذا لازم است که هر سه دیوان را در اینجا اجمالاً معرفی بکنیم۔

یک نسخه از دیوان ملا ساطع کشیری در Andhra Pradesh Govt. Oriental Manuscript Library and Research Institute. (Ratan Mahal No: ..-8-599 Abids) Hyderabad.

بشماره ۱۰۳ ثبت است تعداد اوراق ۹۷، کاغذ کشمیری، جلد برنگ مشکی سرلوح مطلا۔ نسخهٔ جدولدار دارای ۳۲۲ غزل و ۳ رباعی۔

نسخه دوم دیوان ملا ساطع که در موزه سالار جنگ حیدر آباد (آندهرا پردیش) بشماره ۲۲۹۱ مضبوط است، دارای ۱۰۷ برگ است۔ هر صفحه دارای ۱۰ سطر بخط نستعلیق متوسط استنساخ شده است۔ نسخه مورد بحث ۱۲ قصیده، ترکیب بند، تقریظ چهار صد غزل و چهار رباعی دارد۔

نسخه سوم از دیوان ساطع در کتابخانه رضا رامپور ثبت است و ۱۴۹ برگ دارد۔ چنانکه گفته شد که ساطع نثر خوبی هم مینوشت و در آن مهارتِ وافر داشت۔ در فن نثر نویسی بی همتا بود، محمد اعظم دیدهٔ مری درباره نثر نویسی وی می نگارد که "در نثر هم بی نظیر وقت بود"[۵۳] بقول صاحب قرآة آفتاب نما ساطع نثر خوب مینوشت[۵۴] بروایتِ سفینهٔ هندی ساطع در نثر برابرِ نصیرای همدانی عبارت را رنگین می نوشت[۵۵]۔

یک نسخه خطی بخط نستعلیق از منشآت ملا ساطع کشیری در کتابخانه دیوان هند بریتانیا بشماره ۲۹۴۲ مضبوط است که دوازدهم ماه ربیع الثانی ۱۱۷۷ هجری قمری استنساخ شده است گویا نسخهٔ مزبور فعلاً قدیم ترین نسخه خطی از منشیات ملا ساطع کشیری است۔ نسخهٔ دوم از منشآت ملا ساطع همانست که در آخر کلیات وی قرار میگیرد و در سازمان تحقیق و اشاعت استان جموں و کشمیر نگهداری میشود۔

مسلک ساطع :

از قصاید، غزلیات و قطعات ساطع چنان برمی آید که وی شیعه بوده است و با نهایت احترام و تمام جذبه و شوق آل محمد صلعم را در اشعار خود ستوده است و لیسا اوقات در صورت درگیریها و پیش آمدهای خود از اینها کمک غائبانه جسته است در

مدح حضرت علیؑ میگوید۔

غافل از اینکه مهر شهنشاه دین علیؑ — محفوظ دارد م ز بلا های روزگار
والی که مهر او دست برأت نجات ما — از هول قبر و تلخ حساب و عذاب نار[55]

در مدح امام جعفرؑ می گوید۔

امام جعفر صادقؑ که از سحاب کفش — چکد بزرع امید سایل آب بقا[57]

درباره امام موسی کاظمؑ می گوید۔

امام موسی کاظمؑ که مدح او ز قلم — نمود وقف کلیدی برای فتح الباب[58]

در منقبت امام علی موسی رضاؑ می گوید۔

ساطع بیا و جبهه امید را بسا — در درگه امام علی موسیٰ رضا
شاهی که از سحاب کفش گر رقم زنم — در بحر شوخامه من میکند شنا[59]

در تعریف امام محمد باقرؑ می گوید۔

چراغ ساقی کوثر محمد باقر — گر زچو ساغر بدرم ز مهر مالا مال[60]

امام مهدی را اینطور توصیف می کند۔

بروز مقدم مهدی هادی آنکه کفش — محیط گوهر فیضست اهل عشق بهار[61]

باید اینجا تذکر بدهیم که ساطع در کلیات خود از میان خلفای راشدہ بجز حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسم ہیچ کس را نبرده است در حالیکه از اشعار مندرج بفوق معلوم شد که وی دوازده امام را بسیار ستوده است و این خود نمایان گر این امراست که ساطع شیعۂ اثنا عشری بوده است ۔

سبک شعر ساطع :

ملا ساطع کشمیری در غزلیات خود پیروی از استادان بزرگ سبک ہندی نموده است ۔ وی در اکثر اشعار خود باین نکته اشاره نموده است ۔ چون این سبک در روزگار ساطع یکی از متداول ترین سبکهای فارسی بشمار میرفت و اکثر شاعران فارسی گوی آن عصر بہ تتبع ہمین سبک شعر سروده اند و ساطع نیز بر طبق روش آن زمان برای ابراز انگیزه های درونی خود سبک مزبور را برگزیده ۔ شکی نیست که سبک ہندی در زمان ساطع قبولیت عام پیدا کرده بود و اما باید در نظر داشته باشیم که بعلت بکار بردن اصطلاحات دور دست و از تراکیب مغلق و پیچیده این سبک بحد ابتزال رسیده ، تازگی و چاشنی خود را از دست داده بود ۔ بعلت بکار

بردن کلمات مغلق وتراکیب دور دست عدهٔ زیادی از اشعار سبک هندی مجهول افتاده واز انگیزه های درونی بشر فاقد است، اینگونه اشعار لامحاله لطمهٔ سنگین بر سبک هندی ببار آورده است.

سبک هندی بالبسیاری از ویژگیها برخوردار است. این سبک چطور بوجود آمد موضوعیست جداو ما نمی خواهیم درا ینجا پیرامون چگونگی بوجود آمدن آن بحث کنیم. امّا اینقدر لازم است که تذکر بدهیم که این سبک بدنبال سبک عراقی بوجود آمد و اکثر شاعران این سبک از سرزمین هند برخواسته اند و بعضی ها از ایران مهاجرت نموده بدربار مغولان گورکانی هند پیوسته اند. برجسته ترین ویژگیهای این سبک همان باریک آفرینی، خیال بافی، نکته پردازی استعارات مشکل و پیچیده، تشبیهات نادر دور دست وتازه آوریست. چنان معلوم میشود که اشعار ساطع از تمام ویژگیهای فوق برخوردار است. شکی نیست که اگر ساطع را یکی از استادان و مقلدان این سبک تصوّر بکنیم. زیرا وی در اشعار خود نکته های باریک، معنی های تازه، استعارات لطیف ونازک وتشبیهات نادر وتازه را بمهارت کامل بکار برده است و تتبع از کلیم همدانی، سلیم تهرانی، صائب تبریزی، غنی کشمیری، آشنا کشمیری، طالب آملی جلال اسیر و هلالی نموده است. ساطع در اشعار خود اسمهای اینهمه استادان را باکمال شوق می برد. با این سبک ساطع بستگی پیدا کرده بود و آماده بوده است که از طرز وروش شعر صائب تبریزی انحراف بکند چنانکه میگوید:

تو از طریقهٔ صائب برون مرو ساطع   کناره گرد خطرهای بیکران دارد[92]

ساطع در نکته پردازی و معنی آفرینی دستگاه کامل داشت. در فن نکته پردازی کسی دیگر را غیر از خود ماهر تر نمی دانست گویا استاد نکته پرداز زمان خود بوده است. وامّا اعتراف می کند که در این فن غنی کشمیری را تتبع نموده و وی را استاد خود می پندارد (مثل غالب که در ریخته (غزل) استادی میر تقی را مسلم میدارد: -

ریختی کے تم ہی ہنیں استاد غالب   کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا)

ساطع دربارهٔ غنی کشمیری گفته است:-

نکته پردازی اگر هست فقیر است امروز   پیش ازین عهد شنیدم که غنی هم بوده است[93]

ساطع گاهی طبع شاعرانهٔ خود را با سلیم، وفکر واندیشهٔ خود را با صائب مقایسه میکند و میگوید:-

زبان شد ناطق وطبعم سلیم اندیشه ام صائب   منیر از شمع معنی، دل چو فانوس خیالی شد
شده ساطع معانی لب سحابی چشم گریانم   جنونی آشنا و دل اسیر و تن هلالی شد[94]

ولی در جای دیگر طبع خود را از کلیم کاشانی کمتر میداند:-

طرفی از طبع نیستم چو کلیم ای ساطع   چکنم گوهر مقصود درین دریا نیست[95]

ساطع در اکثر اوقات مفاهیم و مطالب و مضامین اشعار شاعران متذکرهٔ فوق را گرفته باندازی در قالب شعری خود میریزد کر احتمال میشود که مضامین از خود ساطع بوده است درحالیکه معلوم است که ساطع از مفاهیم اشعار آنها تقلید می نماید۔ ما در زیر برای مقایسه چندتا شعر را نقل میکنیم تا حقیقت حال روشن گردد :-

ساطع	غنی
حصار عافیت خواهی برو در کنج درویشی [۴۶]	اگر شهرت هوس داری اسیر دام عزلت شو
کر اینجا آفت سر میشود چون شمع افسر را	که در پرواز دارد گوشه گیری نام عنقا را

ساطع	صائب
خواهی غنی شوی نکشی خواری طلب	دست نیاز دراز کنی پیش هر کسی
دریا شوی چو جمع کنی آبرو خویش [۴۷]	پل بسته ای که میروی از آبروی خویش

طبع موزون ساطع :

طبع ساطع برای سرودن اشعار فارسی موزون بوده است وی چه در غزلیات و چه در قصاید طبع موزون خود را بسیار ستوده است وگاه آنرا طبع خداداد میگوید وگاهی آنرا الطبع هنرپرور یاد میکند۔

۱۔ جلای طبع من از فیض استاد ازل باشد — چو مه سرپنجهٔ خورشید شد آئینه پردازم [۴۸]

۲۔ بدامان هنر پرورده شد طبع سلیم ما — زغلطانی بود گهوارهٔ درّ یتیم ما [۴۹]

مباهات و خودستائی های اغراق آمیز ساطع :

در اشعار اکثر شاعران سبک هندی چیزی که از همه بیشتر توجه خواننده را جلب میکند توصیف های شاعران از طبع خود و خودستائی های اغراق آمیز آنها درباره نکته آفرینی است تعجب است که استادان بزرگ سبک هندی و شاعران صاحب سبک هم از آن مبالغه آمیزی و دروغ گوئی ها خود را نتوانسته اند کنار بکشند۔ متأسفانه در کلیات ساطع هم عدهٔ زیادی از این گونه اشعار اغراق آمیز وجود دارد۔ شاعر در اینچنین اشعار مباهات می کند که طبعش موزون، خیالش بکر و بلند، اشعارش روان و معنیش رنگین است، در اینجا تنها بر چهار مثال اکتفا می کنیم۔

۱. درباره بلندی خیال شاعر گفته است :-

گرد داز دیوان باندک فرصتی آفاق گیر — چون سلیمانست اقبال خیال من بلند [۵۰]

۲۔ دربارهٔ معنی و لفظ رنگین می گوید :-

چو برگ گل ز رنگ و بوز لفظ و معنی رنگین		زبان ساطع خوش گفتگو بر خویش می بالد[41]

۳ـ در عبارت متین معنی رنگین آورده است می گوید :ـ

در عبارات متین معنی رنگین ساطع		چون نگاریست که بسیار نمکین باشد[42]

۴ـ در بارهٔ زبان و طبع بلند خود میگوید :ـ

نیام بلبل شیراز و طبع خود گلستانم		چو لفظ از معنی رنگین بود گل در گریبانم[43]

برای نمونه ها و امثال دیگر رجوع شود به برگ های ۵۷ ر الف، ۵۴ ر ب، ۴۴ ر ب، ۶۵ ر ب ۶۶ ر الف ۶۹، ۷۴ الف، ۷۸ ر الف، ۷۹ ر ب، ۸۰ الف، و غیر آن از دیوان ساطع نسخه آندهرا و از کلیات نسخه کشمیر برگ ۲۹ ر الف، ۲۸ ر ب، ۳۳۰ ر ب و غیر آن ـ

بعضی از ویژگیهای شعر ساطع :

بهترین اشعار ساطع همان است که از طبع وی با درد و سوز جولان زده و به سادگی و روانی ارایه گردیده است ـ در اینگونه غزلیات ساطع رنگ ویژه ای دارد و آن رنگ عاشقانهٔ اوست ـ وی عشق می ورزد و از جمال خوب و نگار زیبا لذت می برد ـ و در این گونه غزلیات نگار ساطع از همین گوشت و پوست که ما داریم ترکیب یافته است ـ لذا عشقی که ساطع می ورزد عشقیت زمینی و هیچ سروکاری بعشق الهی و حقیقی ندارد ـ وی اغلب اوقات در اینگونه غزلیات خود از جور و جفای دلدار فریاد میکشد ـ گاه از رعنائی خال و خط دلدار می سوزد و گاهی از بوی آن بیقرار و سرگردان می ماند ـ چشمهای انتظار براه وی دوخته، دیوانه نالهای عاشقانه خود را بفراق وی ابراز می کند چون اینگونه غزلیات انگیزه های درونی و از سوز نهانی ساطع آمیخته است لامحاله مملو از درد و سوز وی است ـ

کجا یم میکند ناز آفرین مست عیاری		نگار تند خوئی فتنه جوئی شعله دیداری
سخن پیرا تبسم شیر مستی لب شکر طفلی		عجب شیرین زبان طوطی بیان آئینه رخساری
پی جان غمزه جاسوسی نگاری جلوه طاوسی		قیامت قامتی سروی تذروی کبک رفتاری
نظاره وحشت آمیزی بمژگان خون دل ریزی		خم گیسو دلاویزی کمند اندر جراری
عجب شمشاد بالائی قیامت جلوه رعنائی		سیه فامی بگل اندامی، بهاری چهره گلناری
بغمزه ترک غمازی بمژگان ناوک اندازی		دل عاشق هدف سازی کمان ابرو ستمگاری
نگه نازتنگر هوشی بغمزه مست و مدهوشی		ز رنگ گل قبا پوشی بهشتی جلوه گلزاری[44]

دراشعار زیر رنگ تغزل را ملاحظه کنید و در ضمن این یکی از نمونه های برجستهٔ غزلیات عاشقانهٔ ساطع است :-

ای رخ جلوه طراز تو بهار گل ناز　　زلف مشکین تو بهم سلسلهٔ عمر دراز

چه بود روی تو، شمع طرب محفل حسن　　چه بود موی تو، شیرازهٔ مجموعهٔ ناز

نرگس سحر طراز تو بجادو هم چشم　　قامت فتنه خرامت ز قیامت ممتاز

جلوهٔ حسن یکی صد بنظر می آرد　　چشم من کز دل صد پاره شده آئینه ساز

یاد وقتی که دلم سعی سای میکرد　　بود مژگان تو گزنده تر از چنگل باز[۵]

بنظر ساطع عشق مجاز در حقیقت رهنمای عشق اللهیست. عاشق تا وقتیکه عشق مجاز را نچشیده باشد، بعشق اللهی رسیدن برایش محال است وی می گوید:-

مرا عشق مجازی از حقیقت کی کند غافل　　دهان غنچه میبوسم کزو بوی تو می آید[۶]

آهنگ و موسیقی در غزلیات :

ساطع گاهی شعر را بکمک کلمات مناسب و موزون آهنگ خاصی می بخشد-

در کلیات وی میتوان عدهٔ زیاد از اینگونه اشعار دریافت نمود- ولی در اینجا دو شعر را نقل میکنیم در شعر زیر لفظ "م" که چندین بار تکرار شده است موجب آهنگ خاصی است بوزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن در بحر رمل :

ساقی را باده پیما در ازل دیدم هنوز　　بیخودم مستم خرابم عاشقم دیوانه ام[۷]

تکرار "گ" در شعر زیر بوزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن با در بحر رمل :-

تا فروغ شمع از شرم جمالت آب شد　　گرد سر گردیدن پروانه با گرداب شد[۸]

نازک آفرینی ساطع :

چنانکه قبلاً اشاره شد که خیال بافی و نازک آفرینی یکی از مهمترین ویژگی سبک هندی است- و اشعار ساطع از این ویژگی برخوردار است- مثلاً

۱- دلی دارم تهالی کرده چشم گریه آلودش　　شده تخم امیدم سبز از ابر کف جودش[۹]

(مطلب این است که دل را از گریه خود استحکام می بخشم)

۲- گر نه گردانند بکام خواهشم افلاک را　　گوئیا هفت آسیا آبست جوی دیده ام[۱۰]

(اگر افلاک از خواهش عالمی چرخ داشکای نیست هفت آسمان یعنی هفت آسیا را از آب چشمهای خود خواهم چرخاند)

۳- از گوشه ابروی تو زاهد چه کشاید   مفتاح هلال رمضان قفل دعانست[81]

(زاهد از مشاهده ابروی تو چه طور حسن خود را باز خواهد نمود ابرو گویا هلال رمضان است که قفل به دعای مردم می گذارد)

۴- در چنین عهدی که او ضاع جهان نادیدنیست   دیدۂ تصویر اگر باز است بجای حیرتست[82]

۵- از سر طوفان حسن او دل نتواند گذشت   پل زچه رو ساختند ابروی پیوسته را[83]

تشبیهات تازه در شعر ساطع :

ساطع اکثر اوقات در اشعار خود تشبیهات تازه بکار می برد اما در عین حال ساطع تشبیهات پیچیده هم آورده است که موجب ابتزال و انحطاط شعروی قرار گرفته است مانند ـ

۱- ناچار خط سبز دمد گرد دهانت   از تنگی جا مغز درین پسته نگنجد[84]

(در این شعر پسته را به دهان و مغز پسته را به زبان تشبیه داده است)

۲- لبت میبوسم و خواهم نگاه سرمه سا چشمت   مقیم در بدخشان و نظر بر اصفهان دارم[85]

(لب را به بدخشان و نگاه سرمه سا را به اصفهان تشبیه نموده)

استعارات :

شعر عالی آنست که آمیخته با درد و سوز شاعر باشد و اینگونه شعر تاثیر هم بجای می گذارد و با وج خود هم میرسد اما تا وقتیکه شعر استعارهٔ خوب نداشته باشد، با وج نمی رسد ـ پس زبان شعر عالی زبان استعاره است ـ ساطع بعضی موارد بکمک استعارهٔ دل انگیز یک دنیای معنی را در شعر خود نهفته نگهدارد ـ تا طائر عقل بآنجا پر نزند تفهیم و درک کردن آن ممکن نیست به اشعار زیر توجه بفرمائید : ـ

۱- سپاه هند پنداری بتسخیر فرنگ آمد   شبیخون عجب آورده خط بر کشور رنگش[86]

(سپاه هند استعاره برای رنگ سیاه خط محبوب که بر عارضش نمودار می گردد)

۲- لب آن طوطی شیرین زبان چون در سخن آید   شود پنهان چو مغز پسته در شکر خط سبز خش
ز دست انداز او اقلیم دل را تا چه پیش آید   کشید امروز لشکر بر شه خاور خط سبزش[87]

(شه خاور استعاره است برای خورشید)

تمثیل گوی ساطع :

در اشعار اکثر شاعران که پیروی از سبک هندی نموده اند به ادعا و برهان (دعوی و دلیل) برمی خوریم یعنی شاعر در مصرعِ اوّلِ شعر برای چیزی ادعا میکند و بعد آن در مصرع ثانی برای ادعای خود دلیلی می آورد۔ این روش در اشعار سبک هند شیوع یافته و رواج کامل بدست آورده بود۔ اکثر شاعران بتقلید آن شعر سروده اند۔ چون ادعا و برهان در شعر سبک هندی یکی از مهترین ویژگی بشمار می آید و ملا ساطع هم به تقلید آن اشعار خوبی دارد لذا نمونه های چند از کلیات وی در اینجا نقل میکنیم باید اینجا توضیح بدهیم که تعداد اینگونه شعر در کلیات ساطع بسیار است و ما مشتی از خرواری گزیده ایم :

۱۔ بکن ترک عیال خود اگر از گوشه گیرانی — نمی بینی کمان از خانه داری کشمکش دارد[88]

۲۔ هر که رنجی کشد از اہل سر میگردد — تن بسختی چو دهد قطره گهر میگردد[89]

۳۔ شگفتنهای ما جدل بود ساطع زخاموشی — غریبست اینکه پیش از وا شدن این غنچه گل باشد[90]

طنز از شیخ :

چون رفتار ملایان بی سروته، زاہدان ظاهری و شیخان قلابی در هر زمان و مکان مشکوک بوده است لذا تقریباً در تمام ادوارِ تاریخی هدف طنزهای گزنده و تمسخرهای سرسخت شاعران فارسی گوی قرار گرفته اند۔ ساطع نیز نظر خوبی درباره زاہدان مزبور ندارد و بهدف طنزهای وی قرار گرفته اند۔ اما وی بروش بسیار ساده بطنز اینها میپوازد و در عین حال معنی های رنگین و تازه ابداع میکند:۔

۱۔ حرمت دختر رز را احدی منکر نیست — شیخ مرد است کند ثابت اگر حرمت خویش[91]

۲۔ میکشی خمیازه تاکی شیخنا ساغر مکش — پا مزن، بر شیشه حرمت دار این برسر مکش[92]

۳۔ ای شیخ ریاکار هر آن دام که ارشید — در سبحه نهان کردهٔ زنار نباشد[93]

۴۔ زاہد قدش بذکرِ توکل که حلقه شد — مانند تار سبحه چرا در بدر شد است[94]

۵۔ دوشِ ما بارِ ردا را نتوانست کشید — بکشد شیخ که افتاده بگردن او را[95]

توصیف اغراق آمیز ساطع از دهان معشوق :

چون اساساً سبک هندی برای نوآوری در شعر بوجود آمده است لذا هر شاعر پیرو این سبک سعی نموده است تا مفاهیم تازه در شعر ارایه بدهد۔ دهان معشوق هم موضوعی است که شاعران پیرو این سبک آنرا مورد توجه قرار داده و در توصیف آن کار را بدانجا رسانیده اند که از توصیف اغراق آمیز آنها دهان معشوق گم شده و تنها شعر مانده است۔ ساطع نیز به پیروی استادان این سبک دهان معشوق را ستوده است البته باغراق :

۱- نیست موجود دهانتو زکم حرفیها   هر کرخاموش نشینند بر ما گویا نیست[۹۶]

۲- ناچار خط سبز دمد گرد دهانت   از تنگی جا مغز درین لبته نگنجد[۹۷]

شاعر دهان را به پسته تشبیه داده است و زبان را به مغز از تنگی دهان پسته هم در آن نمی گنجد یعنی زبان۔

۳- خوابیده سبزه خط آگرد دهان تنگش   یا مغز پسته غلطید در شکر تبسم[۹۸]

تراکیب تازه ساخته ساطع :

تأثیر زیری شعر بستگی دارد بر چگونگی استفاده از تراکیب تازه و کاربرد اصطلاحات نادر۔ هر قدر که شاعر بر زبان قادر باشد حتماً تراکیبش همان قدر خوب و ارزنده خواهد بود۔ زیرا همین جاست که شاعر چابکدستی خود بخرج می دهد۔ اصولاً ترکیب تازه نه تنها شاعر را تا دیر باز زنده نگه می دارد بلکه خود زبان هم بکمک تراکیب تازهٔ ساختهٔ وی وسعت می یابد۔ ساطع در بعضی موارد شعر خود را با تراکیب و اصطلاحات نوین خود بازو پرارج می سازد۔ اینک ما در اینجا بنقل بعضی از اشعار وی می پردازیم :-

۱- تراکیب مانند نگاه نرگس جادو، آفتِ محشر خرام و قامتِ دلجو در شعر زیر۔

فتنهٔ دوران نگاه نرگس جادوی اوست   آفت محشر خرام، قامت دلجوی اوست[۹۹]

۲- چشم گریه آلود، تخم امید، ابر کف جود در شعر زیر ملاحظه شود۔

دلی دارم نهالی کرده چشم گریه آلودش   شده تخم امیدم سبز از ابر کف جودش[۱۰۰]

۳- به تراکیب مانند حسنِ فکر، مصر معنی و تنگنای بیت توجه کنید در شعر زیر :-

حسن فکرم مصر معنی را تصوف میکند   تنگنای بیت را زندان یوسف میکند[۱۰۱]

۴- تراکیب تارِ نگه، شاهد یاد و نخل آرزو در ابیات زیر ملاحظه فرمائید :

از حیا پوشیده ام چشم از شوق روی دوست   می طپد تار نگه مانند نبضم زیر پوست

شاهد یادش چو بزم آرائی دل سر کند   استخوان چون شمع فانوسم بسوزد زیر پوست

کی رود از خاطرم سرو قیامت جلوه ات   ریشه اش در سرزمین دل چو نخل آرزوست[۱۰۲]

حسن تعلیل :

حسن تعلیل شعر را در اکثر موارد باوج میرساند بو اینکه در ادای آن دقت رعایت شود۔ حسن علت آوردن در شعر ظاهراً آسان بنظر میرسد ولی تمام سخن سرایان نمی توانند آنرا بخوبی بکار برند ساطع آنجا که حسن تعلیل را بکار برده است یک دنیای رموز را در آن نهفته نگه می دارد :-

در مذاق بوسه لعلت گر چه آب زندگیست   میخورد دل آب از آن، چاه زنخدان بیشتر[۱۰۳]

مراعات النظیر: ساطع برای ایجاد معنی خاصی در شعر استفاده از مراعات النظیر می کند. منظور از مراعات النظیر آنست که کلماتی را در شعر بکار بردن که با نفس موضوع مطابقت داشته باشند مثلاً کلمات گل گلزار، سنبل، خار، لاله داغ، غنچه در شعر زیر از ساطع ملاحظه کنید:

رفتی از گلزار و دور از جلوه ات گل خار خار　　لاله داغ و غنچه دلتنگی و سنبل تاب داشت [۱۰۴]

تبحر ساطع در فن تعمیه و تاریخ گوئی:

فن تعمیه در اشعار سبک هندی بکمال خود رسیده است و تقریباً هر شاعر پیرو این سبک دست به این فن شریف زده و شعرهائی سروده اند که تاریخ وقوع پیوستن پیش آمدی بحساب ابجد میتوان از آن اخذ نمود. چنانکه معلوم میشود که اینگونه شعر در موقعیت خاصی از طبع شاعر ترشح می کند لذا تاثیر آن هم تا یک موقعیت خاصی باقی می ماند. و این گونه اشعار دیگر ارزش تاریخی را حفظ می کنند. ساطع نیز چنانکه از کلیاتش روشن است در فن تعمیه تنوع داشت و در بعضی موارد با در نظر گرفتن موقعیت خاص آنها۔

شعرهای بسیار نغز سروده است. و این اشعار حالا ارزش تاریخی دارند. ما در اینجا نمونه های برجسته ای را از کلیات ساطع بزیر نقل می کنیم۔

۱۔ پادشاه فرخ سیر در سال ۱۱۲۵ هجری قمری بر تخت سلطنت هند جلوس نمود. ساطع سال جلوس وی را بمهارت استادانه در شعر خود اینطور بیان میکند۔

خیال تازه در صیدگاه مدح می بندم　　کمند هستی از فکر رسا امروز بر دوشم [۱۰۵]
بدست آورده دل دامان جاه از فکر تاریخش　　همایون باد جشن فتح اقدس گفت در گوشم

"همایون باد جشن فتح اقدس" بحساب ابجد برابر است با ۱۱۲۵ هجری قمری۔

۲۔ در سال ۱۱۰۹ هجری قمری کارمندان دولت از مردم جزیه گرفتند. ساطع عکس العمل خود را علیه این استبداد طوری در شعر بیان نموده است که در عین حال از آن تاریخ هم بدست می رسد. ساطع می گوید۔

اگر تاریخ اخذ جزیه پرسند　　بگو ساطع که "فوت یافت اسلام"

فوت یافت اسلام بحساب ابجد برابر است با ۱۱۰۹ هجری قمری۔

۳۔ از اشعار زیر معلوم میشود که صمصام الدوله خان دوران در سال ۱۱۳۰ هجری صاحب اولاد شد. چون وی یکی از ممدوحان ساطع بوده است لذا وی برای بدست آوردن بخششها این موقعیت ویژه ای را با این نحو در سلک شعر خود کشیده است:۔

شکر الله ...　　نو گل از نو بهار لطف یزدان آمده

تعلیقات و پاورقیها

(۱) ـ تذکره روز روشن و تذکره بینظیر بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر از حسام الدین راشدی ۱/ ۲۹۷ ـ ۲۹۸ اقبال اکادمی کراچی ۱۳۴۶ خ
(۲) واقعات کشمیر از محمد اعظم دیده مری صفحه ۱۴۹ چاپ سنگی سرینگر کشمیر؛ (۳) تذکره شعرای کشمیر از اصلح میرزا بتصحیح سید حسام الدین
راشدی صفحه ۱۱۱ اقبال اکادمی کراچی ۱۳۴۶ خ (۴) واقعات کشمیر از محمد اعظم دیده مری صفحه ۱۴۹ ،

تاریخ کشمیر از خلیل مرجانپوری برگ ۱۴۲ ب نسخه خطی کتابخانه تحقیق و اشاعت سرینگر شماره نسخه ۱۰۴، از تحالف الابرار
تاریخ کبیر از محی الدین مسکین برگ ۱۳۱۵ نسخه خطی شماره ۲۲۹۵ کتابخانه تحقیق و اشاعت سرینگر شماره نسخه تاریخ حسن از پیرزاده غلام
حسن ۴/ ۲۴ چاپ سنگی ـ سازمان و اشاعت سرینگر ـ

(۵) واقعات کشمیر صفحه ۱۴۹

لاله ملک شهید یکی از شاعران معروف کشمیر بوده است در فن تاریخ گوی مهارت داشت و درین فن سحرکاری میکرد ـ
دیوان اشعار ناتمام وی در کتابخانه تحقیق و اشاعت استان جمون و کشمیر بشماره ۱۶۴۹ مضبوط است ملاحظه شود تاریخ حسن ۴/ ۲۷
واقعات کشمیر صفحه ۲۰۰ ،

میرزا داراب بیگ متخلص به جویا پسر ملا ساطع و برادر کامران بیگ گویا است ـ جویا یکی از شاعران نامدار سخن سنج و
صاحب علم و فراست بوده است جویا در سال ۱۱۱۸ هجری قمری فوت نموده است ـ کلیات وی بدست دکتر محمد باقر یک بار بچاپ رسیده
ست ـ این کلیات شامل دیباچه قصائد حمد و نعت و مناقبت مثنویات مقطعات، متفرقات غزلیات ، رقعات ، دیباچه مرقع ، دیباچه
دیوان صائب ـ دیباچه سفینه (۶) ایضاً (۷) دیوان ساطع از ملا ساطع کشمیری برگ ۶۶ الف کتابخانه نسخه های خطی
نستی تیتو تحقیقی حیدرآباد آندهراپردیش شماره نسخه ۲۴۴ (۸) واقعات کشمیر صفحه ۱۴۹ (۹) مجمع النفائس
سراج الدین خان آرزو بتصحیح عابد رضا بیدار صفحه ۵ ـ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنه ـ

باغ معانی از نقش علی بتصحیح عابد رضا بیدار صفحه ۱۰۱ چاپ سنگی خدابخش پٹنه، روز روشن از مولوی محمد مظفر حسین صبا
بیهج محمد حسین رکن زاده صفحه ۱۴۴ ، چاپ تهران سفینه هندی بحوالهٔ تذکره شعرای کشمیر صفحه ۲۹۸ ، و اما مولف صحف ابراهیم گلشن اسلام

راشنوی خوانده است ملاحظه شود تذکره شعرای کشمیر صفحه ۲۹۷ ، (۱۰) کلیات ملا ساطع کشمیری برگ ۱۹ ب نسخه خطی سازمان تحقیق و اشاعت استان جموو کشمیر شماره نسخه ۵۳۵ ، (۱۱) ایضاً برگ ۲۰ الف ، (۱۲) ایضاً برگ ۴۰ الف (۱۳) بهادر شاه پسر دوم عالمگیر میباشد وی در سال ۱۰۵۳ هجری قمری بدنیا آمد در آغاز پادشاهی عالمگیر وی ناظم خراسان بود - در یورش حیدرآباد دکن بعلت نقشهٔ ابوالحسن خان وی تا هفت سال محبوس ماند اما وقتی که آزاد شد به سمت ناظم و حاکم کابل پشاور و ملتان و لاهور تعیین گردیده بود از فوت عالمگیر وی بنام قطب الدین محمد معظم بهادر شاه در سال ۱۱۱۹ هجری قمری بعنوان پادشاه هند جلوس نمود ملاحظه شود تاریخ حسن ۲/ ۵۵۱ ، (۱۴) فرخ سیر بنام معین الدین محمد فرخ سیر در ۱۱۲۵ هجری قمری بر تخت سلطنت هند جلوس نمود - خودش شعر فهم بوده است واز اشعار شاعران لذت میبرد - وی در سال ۱۱۳۱ هجری قمری بقتل رسید - از سادات بوی نمک حرامی کردند تاریخ فوت فرخ سیر یعنی ۱۱۳۱ هـ بدست می آید - تاریخ حسن ۲/ ۵۷۰ و ۶۵۷ ، (۱۵) واقعات کشمیر صفحه ۱۴۹ ، (۱۶) کلیات ملا ساطع کشمیری برگ ۵ الف نسخه خطی سازمان تحقیق و اشاعت شماره ۵۳۵ ، (۱۷) ایضاً برگ ۸ الف ، (۱۸) کلیات ملا ساطع کشمیری برگ ۸۳ ب (۱۹) ایضاً برگ ۷۷ ب ، (۲۰) ایضاً برگ ۳۳ ب ، باید در اینجا تذکر بدهیم که عبدالعظیم خان یکی از اکابر ایران بود و صاحب کمال وی به سمت دیوان صوبه کشمیر گماشته شده بود تاریخ حسن ۲/ ۵۹۷ ، واقعات کشمیر از محمد اعظم ۲۱۸ ، (۲۱) مجمع النفائس صفحه ۷۵ سفینه خوشگو بحواله تذکره شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۲ ، باغ معانی صفحه ۱۰۴ ، صاحب تذکره حدائق الشعرا می نویسد که ساطع ندیم صمصام الدوله بود رجوع شود به تذکره حدائق الشعرا تالیف میرزا بیگ بنارس برگ ۱۴۳ الف نسخه خطی کتابخانه ایشیاتک سوسائتی بنگال شماره نسخه ۲۰۰ ، (۲۲) سفینه هند صفحه ۱۰۹ بحواله تذکره شعرای کشمیر ۲/ ۲۹۸ ، (۲۳) روز روشن صفحه ۳۴۰

(۲۴) دیوان ملا ساطع برگ ۷۴ ب نسخه آندهرا پردیش کتابخانه نسخه های خطی (۲۵) ایضاً برگ ۳۰ الف ، (۲۶) ایضاً برگ ۷۴ الف ، (۲۷) ایضاً برگ ۳ الف ، (۲۸) کلیات ملا ساطع کشمیری برگ ۹۲ ب نسخه خطی سازمان تحقیق و اشاعت ول و کشمیر ، (۲۹) ایضاً برگ ۷۴ ب ، (۳۰) دیوان ملا ساطع برگ ۳۹ ب آندهرا پردیش مینسکرپٹ لائبریری (۳۱) کلیات ساطع برگ ۲۹ الف نسخه سازمان تحقیق و اشاعت جموں و کشمیر (۳۲) کلیات ملا ساطع برگ ۱۴ الف نسخه کشمیر ، (۳۳) دیوان ساطع برگ ۲۷ الف نسخه آندهرا پردیش (۳۴) کلیات ملا ساطع برگ ۶۹ ب نسخه کشمیر

(۳۵) Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum By Charles Rieu. Vol.II, Add. 16 852 page 743, London 1881

(۳۶) - کلیات ملا ساطع برگ ۶۹ ب نسخه کشمیر (۳۷) دیوان ملا ساطع کشمیری برگ ۱۴۳ ب نسخه آندهرا پردیش -

(۳۸) کلیات ساطع برگ ۹، الف نسخهٔ کشمیر (۳۹) دیوان ملا ساطع کشمیری برگ ۱۱۶ الف نسخهٔ آندهرا (۴۰) ایضاً برگ ،،
(۴۱) ایضاً ۶۴ ب (۴۲) کلیات ساطع برگ ۳۴ ب نسخهٔ کشمیر (۴۳) ایضاً (۴۴) روز روشن صفحه ۲۲۱، (۴۵) سفینهٔ خوشگو و صحف ابراهیم بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۷، (۴۶) ریاض الشعرا بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۳،
(۴۷) واقعات کشمیر از محمد اعظم دیده مری صفحه ۲۴۹ چاپ سنگی سرینگر پیرامون وفات ساطع صاحب واقعات کشمیر قطعهٔ تاریخ زیر نوشته است: ـــه

مهر اوج سخنوری ساطع   از صفا ذهن انورش لامع
رایت عالی فصاحت را   بود رای متین او رافع
صحبتش وقت نکته پیرائی   بفقیر و غنی بُدی نافع
از علو فطانتش استاد   بود جویای او زی طالع
بزم آرائی شعر شد یکچند   آن با صناف معرفت جامع
شده مقراض موت آخرکار   صفحات بقایش را قاطع
پردهٔ جسم ارچه فانی گشت   روح قدسش شده بحق راجع
گفت اعظم بسال تاریخش   نور ایمان بر قدسش ساطع

(۴۸) سفینهٔ خوشگو بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۳ (۴۹) تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۲۳، ریاض الشعرا (۵۰) مجمع النفائس صفحه ۵۷،
(۵۱) مخزن الغرائب ۲/ ۱۸۰ (۵۲) منتخب اللطائف رحم علیخان بتصحیح سید محمد جلالی نائینی و سید امیر حسن عابدی صفحه ۲۲۲، چاپ تهران ۱۳۴۹ تهران مجمع النفائس، ۵۷ روز روشن صفحه ۳۲۱، سفینهٔ هندی بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۸،
(۵۳) واقعات کشمیر صفحه ۱۷۹، (۵۴) مرآة آفتاب نما بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۸ (۵۵) سفینهٔ هندی بحوالهٔ تذکرهٔ شعرای کشمیر ۱/ ۲۹۷
(۵۶) کلیات ملا ساطع کشمیری برگ ۴۴ ب نسخهٔ کشمیر، (۵۷) ایضاً برگ ۴۳ ب، (۵۸) ایضاً برگ ۴۲ ب، (۵۹) ایضاً برگ ۳۶
(۶۰) ایضاً برگ ۵۶ الف (۶۱) ایضاً برگ ۵۳ ب، (۶۲) دیوان ساطع برگ ۳۶ ب آندهرا پردیش (۶۳) دیوان ملا ساطع برگ ۴۰ نو آندهرا (۶۴) ایضاً (۶۵) کلیات ملا ساطع برگ ۹۰ الف نسخهٔ کشمیر، (۶۶) دیوان ملا ساطع برگ ۵ الف آندهرا پردیش،
(۶۷) دیوان ساطع برگ ۵۴ ب آندهرا (۶۸) دیوان ملا ساطع کشمیری برگ ۱۸ ب آندهرا، (۶۹) دیوان ملا ساطع ۴ ب،
(۷۰) دیوان ملا ساطع ۳۵ الف آندهرا (۷۱) دیوان ساطع ۱۳۴ الف آندهرا، (۷۲) دیوان ساطع ۳۶ الف آندهرا، (۷۳) دیوان ملا ساطع برگ ۴۹ الف (۷۴) دیوان ملا ساطع برگ ۵، ب آندهرا (۷۵) کلیات ملا ساطع برگ ۵ الف، (۷۶) ایضاً
(۷۷) دیوان ملا ساطع برگ ۴۳ ب آندهرا (۷۸) دیوان ملا ساطع ۴۹ الف آندهرا، (۷۹) مطلب این است که دل را از

گریہ خود استخام می بخشم ۔ دیوان ساطع برگ ۵۴ الف (۸۰) دیوان ساطع برگ ۶۶ (۸۱) ایضاً (۸۲) دیوان ساطع برگ ۱۶
الف آندھرا، (۸۳) دیوان ساطع ۷ الف آندھرا (۸۴) دیوان ساطع برگ ۵۱ ب (۸۵) منتقیم دیوان ساطع ۶۲، (۸۶)
دیوان ساطع برگ ۵۵ الف آندھرا، (۸۷) دیوان ساطع برگ ۵۵ ب آندھرا (۸۸) دیوان ملا ساطع برگ ۳۷ الف آندھرا، (۸۹)
ایضاً ۴۸ الف (۹۰) دیوان ملا ساطع ۵۰ ب آندھرا، (۹۱) دیوان ملا ساطع ۵۶ ب آندھرا (۹۲) دیوان ملا ساطع ۵۵ ب آندھرا
(۹۳) دیوان ملا ساطع برگ ۷۴ الف (۹۴) دیوان ملا ساطع برگ ۳۰ ب آندھرا (۹۵) دیوان ملا ساطع برگ ۳ الف آندھرا
(۹۶) کلیات ساطع برگ ۹۰ الف نسخہ کشمیر (۹۷) دیوان ساطع برگ ۱۵ الف آندھرا (۹۸) دیوان ساطع برگ ۷۰ الف آندھرا
(۹۹) دیوان ساطع برگ ۱۵ ب آندھرا۔ (۱۰۰) دیوان ساطع برگ ۴۵ الف آندھرا (۱۰۱) دیوان ملا ساطع ۳۴ ب آندھرا
(۱۰۲) دیوان ملا ساطع برگ ۱۹ الف و ب آندھرا، (۱۰۳) دیوان ملا ساطع ۵۱ ب آندھرا، (۱۰۴) دیوان ملا ساطع برگ ۱۵
ب آندھرا، (۱۰۵) کلیات ساطع برگ ۲۸ الف نسخہ کشمیر۔

جناب عارف نوشاہی
ادارہ معارف نوشاہیہ، ۹۹، ماڈل ٹاؤن، اسلام آباد
(حال مقیم تہران)

احوال و آثار بدرالدین بدری کشمیری

بدرالدین متخلص بہ بدری کشمیری کے بارے میں جہاں تک اِس احقر کو علم ہے ہمارے یہاں پاکستان میں صرف ایک اطلاع چھپی ہے یعنی سید حسام الدین راشدیؒ کا بیان جو انہوں نے حرف بہ حرف سعید نفیسیؒ سے نقل کیا ہے۔ عبدالغنی میرزایف نے ان دونوں تحریروں کا تعاقب کیا اور ایک مفصل مقالہ ایران میں چھپوایا۔ ذبیح اللہ صفا نے بھی اپنی تصانیف میں بدری کی رزمیہ شاعری کے حوالے سے لکھا ہے۔ راشدی نے محض نقلِ قول کیا ہے۔ نفیسی نے اپنے مأخذ کا ذکر نہیں کیا۔ میرزایف کی معلومات کا انحصار بدری کی مثنوی ظفرنامہ کا نسخہ دوشنبہ ہے۔ صفا نے بلوشہ کی فہرست مخطوطات پیرس[5] اور بدری کی مثنوی اسکندرنامہ کے مخطوطۂ پیرس سے استفادہ کیا ہے۔ بدری نے مذکورہ دونوں مثنویوں میں اپنی تصانیف کا حال بیان کیا ہے۔

ہمیں بدری کی منثور تصنیف سراج الصالحین ملقب بہ معراج الکاملین کے نسخۂ اسلام آباد تک رسائی حاصل ہوئی ہے۔ اس میں بھی مصنف نے اپنے بارے میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ ہم یہاں اپنے پیشرو محققین ۔ کہ فضل تقدم ان ہی کو حاصل ہے ۔ کی جمع کردہ معلومات اور سراج الصالحین سے حاصل ہونے والی جدید اطلاعات کو اکٹھا پیش کر رہے ہیں۔

بدری کی تاریخ ولادت و وفات کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ اس کی کتابوں سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ ۹۶۰ھ سے ۱۰۰۱ھ تک زندہ تھا۔ سراج الصالحین کے دیباچے میں اس نے اپنا نام "بدرالدین بن سید ابراہیم الحسینی" لکھا ہے۔ اور اِس کتاب میں درج غزلوں میں تخلص بدری استعمال کیا ہے۔ ۹۷۰ھ میں وہ کشمیر سے طواف کعبہ کے ارادہ سے نکلا۔ قندھار پہنچا تو حاجی نظر علی خجندی سے ملاقات ہوئی جو مولانا لطف اللہ کا مرید تھا۔ خجندی نے بدری سے کہا کہ مَرو میں خواجہ محمد اسلام بخاری کے خلفا میں سے ایک بزرگ شیخ یونس محمد صوفی اپنی کرامات اور مقامات کے باعث معروف ہیں، تم ان کی صحبت میں جاؤ اور ملازمت اختیار کرو۔ بدری شیخ کی خانقاہ میں مَرو پہنچا۔ شیخ نے اس پر نظر التفات کی۔ خانقاہ میں حلقہ مریدین میں اپنے قریب دائیں ہاتھ بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ بدری چالیس دن تک شیخ کی خدمت میں رہا۔ تاآنکہ شیخ یونس محمد نصف اوّل ماہ ربیع الاول ۹۷۱ھ میں وفات پاگئے۔

شیخ یونس محمد صوفی : وہ سلسلۂ نقشبندیہ احراریہ کے شیوخ طریقت میں سے تھے۔ اُن کا نسب طریقت تین واسطوں سے خواجہ عبیداللہ احرار (م ۸۹۵ھ) سے جا ملتا ہے۔ اس طرح: یونس محمد ۔ محمد اسلام بخاری ۔ مولانا احمد کاسانی ۔ مولانا محمد قاضی ۔ خواجہ احرار ۔ بدری کی تصنیف سراج الصالحین شیخ یونس محمد ہی کے حالات ومناقب وکرامات پر مبنی ہے۔

بدری جب کشمیر میں تھا تو چھوٹی عمر سے سلسلۂ کبرویہ کے طریقۂ امیر سید علی ہمدانی پر کاربند تھا۔ جب مرو پہنچا تو یونس محمد کی توجہ سے سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف مائل ہو گیا۔[۱] یونس محمد کی وفات کے بعد بدری خواجہ سعید الدین سعد جویباری (م ۹۹۲ھ) فرزند خواجہ محمد اسلام بخاری (م ۹۷۱ھ) کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔ ان کی مدح میں بدری کا قصیدہ سراج الصالحین میں موجود ہے" اوران کے مناقب پر بدری کی علیحدہ تصنیف کا ذکر آگے آئے گا۔

مسکن بدری : بدری ۹۰۰ھ میں کشمیر سے محض سفر حج کی نیت سے نکلا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے جب ماوراء النہر پہنچا تو یہاں کے صوفیا سے تعلق کے باعث یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ۹۸۶ھ میں وہ سراج الصالحین لکھ رہا تھا تو بتایا ہے: "ہوائے دیار وہوس یار در سر سودا غالب شدہ است"[۱۲] لگتا ہے بڑھاپے کے باعث واپس کشمیر نہ جا سکا۔ اس کی دستیاب آخری تصنیف ظفرنامہ ۱۰۰۱ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ ماوراء النہر کے حاکم ابوالغازی عبداللہ بہادر خان (حکومت ۹۹۱-۱۰۰۶ھ) کے نام معنون ہے جس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ مذکورہ سال تک ماوراء النہر میں ہی تھا۔

آثار بدری : بدری ایک پُرکار شاعر اور نثر نویس تھا۔ اس نے ۹۷۷ھ سے ۱۰۰۱ھ تک گیارہ تصانیف تیار کیں جن میں کم از کم دو لاکھ اشعار تھے۔ ذبیح اللہ صفا اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔[۱۳] اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انہیں بدری کی صرف ایک مثنوی۔ اسکندر نامہ ۔ دستیاب تھی، اب اس کے علاوہ تین کتابوں کا سراغ ملا ہے (ذکر آگے آئے گا) خود بدری نے اپنے قلم کی تیز رفتاری کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ؎

یکدم نگر بچشم یقین سرعت قلم	کز چشم سر رود بره صد هزار سال
از جلوه گاه کن فیکون بر بساط صنع	دارد گذر چو برق مجلا بقیل و قال
بر لوح آفتاب زند نقش بے نظیر	اوصاف حضرت ملک الملک ذو الجلال
ثالث زروی معجزه طوبی و سدره راست	نخل قلم که هست برش میوهٔ کمال
بدری بفکر وقامت وبار تمام او	پُر کرد از شراب شفق ساغر هلال[۱۴]

بدری کی دستیاب اور ناپید تصانیف کی فہرست بہ ترتیب سالِ تصنیف حسب ذیل ہے :

۱۔ **شمع دل افروز** : بدری نے یہ مثنوی ۹۷۷ھ (مادّہ تاریخ ، فضل اللہ) میں بحر ہزج مسدس میں صرف تین ماہ

میں کہی۔ میرزا یف نے اس کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار پانچ سو اور صفا نے پانچ ہزار پانچ سو بتائی ہے۔ صفا کا بیان درست ہے۔ یہی مثنوی بدری نے اپنے سبعہ میں شامل کر لی تھی (اس کا ذکر آگے آئے گا)۔

۲۔ **معراج الکاملین :** ۹۸۱ھ (= خواجہ سعد کبیر) یا ۹۸۳ھ (بحوالہ سراج الصالحین) میں چھ ماہ کی مدت میں لکھی۔ یہ خواجہ سعید الدین سعد کے مناقب پر مشتمل ہے۔ گو کتاب نثر میں ہے لیکن بدری نے جگہ جگہ اپنے قصائد اور غزلیں بھی شامل کی ہیں۔ سراج الصالحین میں کئی مقامات پر اس کتاب کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ تو مصنف نے اس کی پوری کیفیت بیان کر دی ہے۔ وہ لکھتا ہے: "تفسیر این قضیه (= معنی لا اله الا الله) غایتی ندارد ولیکن در کتاب معراج الکاملین که نود و نه جزو مصنف به قطع وزیری به مسطر پانزده سطری در تاریخ نه صد و هشتاد و سیوم به اتمام رسیده و اختتام یافته مرقوم گشته است. در قسم چهارم مقدمه اش بر بر سه فصل احوال حسن و جمال و اسرار عشق و [جلال] به قلم اجمال تحریر کرده، باید کرشمه ای از حقیقت از آنجا طلب دارند"[۱۵]

۳۔ **روضۃ الجمال :** ۹۸۳ھ (= فخر زمانہ) میں آٹھ ہزار ابیات کا یہ مجموعہ پانچ ماہ میں تیار ہوا۔ اس میں بدری کے قصائد، غزلیات، قطعات، رباعیات اور مفردات کے علاوہ منشآت بھی ہیں۔

۴۔ **سراج الصالحین :** مصنف نے اس کا لقب بھی معراج الکاملین رکھا ہے "مسمی شد به سراج الصالحین و ملقب گشت به معراج الکاملین"[۱۶] یہ ۹۸۶ھ (= ذکر اللہ) میں تصنیف ہوئی۔

پی تاریخ تألیفِ کتابش   قلم بر لوح بُرده ذکر اللہ[۱۷]

یہ یونس محمد صوفی مروی کے حالات و کرامات پر مبنی ہے۔ بظاہر یہ کتاب تصنیف کرتے وقت بدری مقاماتِ امام محمد علی حکیم ترمذی سے متاثر تھا۔ بدری کے ایک جملے سے میں نے یہی اخذ کیا ہے۔[۱۸]

ایرج افشار نے کتاب سراج الصالحین و معراج الکاملین کے نسخۂ برٹش میوزیم، نمبر OR. 10893 مکتوبہ قرن ۱۱ھ کا ذکر بغیر مصنف کے نام اور دیگر تفصیلات کے کیا ہے۔[۱۹] شاید مراد یہی کتاب ہے۔ ہمارے پیش نظر سراج الصالحین کا مخطوطہ کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۱۰۸۹ ہے، جس کی مدد سے ہم اس کتاب کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔

<u>سببِ تالیف</u> : مصنف چالیس دن یونس محمد کی خدمت میں رہا۔ اس مدت میں ان کی زبان سے جو کچھ سنا اور ان کے احوال و مقامات کا مشاہدہ کیا اُسے چوبیس سال تک دل میں چھپائے رکھا۔ مگر ربع صدی گذرنے کے بعد مناسب نہ سمجھا کہ معلومات کے اس خزانے کو اپنے ساتھ قبر میں لے جائے۔ لہذا سب کے استفادے کے لیے یہ کتاب تصنیف کی۔

<u>تاریخِ تالیف</u> : یہ کتاب ۹۸۶ میں لکھی گئی۔ مگر حیرت ہے مصنف نے مقدمے میں عبداللہ بہادر خان بن

اسکندر شیبانی کی مدح پادشاہ وقت کے طور پر کی ہے۔ حالانکہ وہ ۹۹۲ھ میں سریر سلطنت پر بیٹھا تھا۔

ترتیب کتاب: یہ کتاب ایک "طغرا"، چار "لوح" اور ایک "توقیع" پر مشتمل ہے۔ ان کے مند کی تفصیل حسب ذیل ہے:

طغرا: اُن آیات کی تفسیر اور احادیث کی تشریح پر مبنی ہے جن پر عمل کر کے طالب مطلوب تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ حصہ کہ چالیس فصول پر مبنی ہے جو مصنف نے چالیس دن میں لکھا (ص ۲۷)۔ فصلوں کی ترتیب و تفصیل یہ ہے: ۱۔ حقیقت ۲۔ حقیقت اصحاب الیمین واصحاب الشمال ۳۔ محبت اصحاب الیمین ۴۔ خروج روح از بدن ۵۔ علم ۶۔ ۶ ۷۔ ادب ۸۔ عبادت ۹۔ طلب ۱۰۔ نسیہ ۱۱۔ عُجب ۱۲۔ ریا ۱۳۔ آنیۃ اباطلہ ۱۴۔ نفاق ۱۵۔ بُخل ۱۶ سخاوت ۱۷۔ عدل ۱۸۔ ظلم ۱۹۔ صبر ۲۰۔ شکر ۲۱۔ رضا ۲۲۔ توکل ۲۳۔ صدق ۲۴۔ خوف ۲۵۔ قبض ۲۶۔ بہ ۲۷۔ کشف ۲۸۔ وصال ۲۹۔ فراق ۳۰۔ یقین ۳۱۔ ولایت ۳۲۔ استغفار ۳۳۔ توبہ ۳۴۔ عدد انفاس ۳۵۔ ۳۶۔ جذبہ ۳۷۔ عشق ۳۸۔ توحید ۳۹۔ معرفت ۴۰۔ فقر و غنا۔ مذکورہ مضامین نے کتاب کا تقریباً نصف حصہ ہے۔ (صفحہ ۲۰ تا ۲۴۶) اس کے بعد مصنف اپنے اصل موضوع کی طرف آیا ہے اور یونس محمد صوفی کا تذکرہ لکھنے کے سات وجوہ بتائی ہیں (ص ۲۴۶ - ۲۵۶)

لوح اوّل: در ذکر آباد اجداد شیخ یونس محمد، یہ مزید پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ اوصاف حمیدۂ شیخ خدای بردا یونس محمد (ص ۲۵۶-۲۵۷) ۲۔ رفتن میرزا ابوسعید بہ مصاف اوزن حسن بر سر ولایت عراق (ص ۲۵۸-۲۵۹) ۳ قتل میرزا ابوسعید (ص ۲۶۰-۲۶۱) ۴۔ بیان خلافت سلطان حسین میرزا (ص ۲۶۱-۲۶۲) ۵۔ واقعات سلاطین خراسان (۲۶۲-۲۶۷)۔

لوح دوم: احوال بدایت و آثار طلب و اسباب توبہ و انابت یونس محمد۔ یہ مزید سولہ کتیبوں پر مشتمل ہے: ۱۔ ذکر سلسلہ خواجگان (ص ۲۶۸-۲۷۵)، یونس محمد کا شجرۂ طریقت آنحضرت (ص) تک لکھا ہے ۲۔ طلب درد و ترک دنیا یونس محمد (ص ۲۷۵-۲۷۶) ۳۔ از مجاز گذشتن و بہ حقیقت پیوستن آن بزرگ (ص ۲۷۶-۲۷۷) ۴۔ ملاقات کردن بابا شاہ صوفی (ص ۲۷۷-۲۷۹) ۵۔ وجہ تسمیہ شاہ صوفی وجذبات وحالات وکرامات و خارق عادات او (ص ۲۷۹-۲۸۱) ۶ احوال سفر شاہ صوفی بہ طرف ترکستان برای زیارت خواجہ احمد یسوی (ص ۲۸۱-۲۸۳) ۷۔ واقعات یونس محمد بعد از وفات شاہ در ترکستان (ص ۲۸۳-۲۸۴) ۸۔ واقعہ کاروانی کہ یونس محمد در ایام طلب بہ سفر ترکستان در آن کاروان بودہ است (ص ۲۸۴-۲۸۶) ۹۔ رفتن یونس محمد از ولایت شہر سبز بہ بخارا بہ زیارت مزارات آنجا (ص ۲۸۶-۲۸۸) ۱۰۔ یونس محمد در خواب خواجہ محمد اسلام بخا

بہ ذیل شمارہ SUP. 501 موجود ہے ۔[25]

دفتر سوم : مصطفیٰ نامہ، ایک لاکھ چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ چالیس ہزار اشعار رسول اکرم کی ولادت سے وفا تک واقعات سے متعلق ہیں۔ تیس ہزار ابیات خلافت حضرت ابوبکر صدیق سے شہادت امام حسین تک واقعات و غزوات سے متعلق ہیں۔ چونتیس ہزار ابیات خلافت معاویہ سے شیبانی خاں کے خروج تک ملوک عرب و عجم کے واقعات

دفتر چہارم : ظفر نامہ، ۱۰۰۱ھ میں سولہ ہزار ابیات میں مکمل ہوا۔ یہ بدری کے ممدوح ابوالغازی عبداللہ بہادر خا کے واقعات و محاربات پر مشتمل ہے اور چھیاسٹھ ابواب پر تقسیم ہوا ہے۔ اس کے نسخوں میں (۵۹) باب میں بدری نے خواجہ مرثیہ لکھا ہے۔ ظفرنامے کا قلمی نسخہ اکادمی علوم تاجکستان ـــــ میں بہ ذیل شمارہ ۹۷۷ موجود ہے۔[26]

بدری کی شاعری : جیسا کہ ہم نے دیکھا بدری کی بیشتر تصانیف منظوم ہیں۔ اس نے ظفرنامے میں اپنے ایک خواب کا ذکر کیا ہے کہ ربیع الاول ۹۸۰ھ میں اس نے دیکھا کہ خواجہ محمد اسلام بخاری اسے نصیحت کر رہے ہیں کہ آئندہ مرثیہ ... ڈاکٹر صفا نے اسے متوسط درجے کا شاعر قرار دیا ہے جو غزل کو بھی قصیدے کے رنگ میں کہتا ہے۔ ہر چند ڈاکٹر صفا کے پاس بدری کی کسی غزل کا نمونہ نہیں تھا۔ سراج الصالحین میں بدری نے اپنی متعدد غزلیں نقل کی ہیں جو اخلاقی مضامین کی حامل ہیں۔ ظاہر ہے یہ مضامین مقبول غزل کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ اسی کتاب میں بدری کے چند ملمعات (ایک مصرعہ عربی فارسی) اور قصاید بھی درج ہوئے ہیں۔ ہم بدری کی ایک غزل بہ طور نمونہ پیش کر رہے ہیں :

غزل

بیا کہ آئینہ پر درد کش صاف است | کشای دست ارادت کہ وقت الطاف است
زمشک نافۂ عبدالمناف ناف زمین | معطرست ولی مشک صاف در ناف است
شراب ساقی حبل الورید لی باقی | بجام عشق بریزد کہ دور اسراف است
روا بود کہ از اسرف کار خیر کنی | بدین معاملہ فتوی اہل کشاف است
چو ملک جم طلبی جام جم بدست آور | کہ آن محیط اقالیم قاف تا قاف است
ہوای خلاچہ خواہی کہ اہل دوزخ را | ہزار ننگ ز ہمسایگی اعراف است

ببین بدیدۂ انصاف بدریا امروز
کہ لرزہ بر دل خورشید چرخ زانصاف است

حواشی

(۱) حسام الدین راشدی، تذکرۂ شعرای کشمیر، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۳ء، طبع دوم ۱: ۱۳۲-۱۳۳ (۲) سعید نفیسی تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی تا پایان قرن دہم ہجری، انتشارات فروغی تہران، ۱۳۶۳ش، طبع دوم ۱: ۴۴۴-۴۴۵ (۳) عبدالغنی میرزایف، "بدرالدین کشمیری و اشتباہاتی در تعیین تالیفات او" در وحید، تہران، جلد ۱۲، شمارہ ۹، صفحات ۹۹۶-۱۰۱۳، اس مقالے میں تین سہو پائے جاتے ہیں، اولاً: بدری کا سال ولادت ۹۶۱ھ لکھا گیا ہے (ص ۱۰۰۲)، یہ صحیح نہیں، اس سال میں تو بدری کشمیر سے ماوراءالنہر پہنچا تھا۔ ثانیاً: سبعۂ بدری کا عرصۂ تالیف پندرہ سال بتایا گیا ہے (ص ۱۰۰۷) جب کہ یہ عرصہ دس سال ہے۔ ثالثاً: مثنوی شمع دل افروز کے مادۂ تاریخ "فضل اللہ" سے ۹۶۳ عدد نکالے ہیں، حالانکہ یہ ۹۷۶ ہوتے ہیں۔ (۴) ذبیح اللہ صفا، حماسہ سرایی در ایران از قدیم ترین عہد تاریخی تا قرن چہاردہم ہجری، مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۳ش، طبع چہارم، ص ۳۵۳، وہی؛ تاریخ ادبیات در ایران، انتشارات فردوس، تہران، ۱۳۶۴ش، ۵/۲: ۱۳-۱۷، E. Blochet, Bibliotheque National; Catalogue des Manuscripts Persians, Paris, 1928, Vol. III (۶) اس نسخے کا اولین تعارف احمد منزوی نے فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء، جلد چہارم، صفحات ۲۱۲۲-۲۱۲۳ میں کرایا۔ نسخے کا نمبر ۱۰۰۵ ہے۔ (۷) بدرالدین کشمیری، سراج الصالحین، قلمی، کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۱۰۰۵، صفحہ ۱۵۔ آگے اس کا حوالہ صرف سراج الصالحین کے نام سے آئے گا۔ (۸) مَرو، قدیم خراسان کا ایک آباد شہر جو اب وسطی ایشیا کی جمہوریہ ترکمنستان میں واقع ہے۔ اہل خراسان اسے مَروز بھی کہتے ہیں اور وہاں سے منسوب کو مَروزی۔ احمد رنجبر، خراسان بزرگ (بحثی پیرامون چند شہر از خراسان بزرگ)، مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۳ش، ۲۲۷-۲۵۱۔ (۹) سراج الصالحین، ۱۵، ۳۰۰، ۳۶۱، ۳۷۴، ۳۸۹۔ (۱۰) ایضاً، ۳۷۶-۳۷۷۔ (۱۱) ایضاً، ۱۲، خواجہ محمد اسلام اور خواجہ سعد کے حالات کے لیے: محمد ہاشم کشمی، نسمات القدس من حدائق الانس، قلمی، کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۴۷۰۰، صفحات ۱۳۱-۱۳۳۔ (۱۲) ایضاً، ۲۵۰۔ (۱۳) تاریخ ادبیات در ایران ۵/۲: ۷۱۶۔ (۱۴) مقالہ میرزایف،

ہ اشعار مثنوی ظفرنامہ کے ہیں۔ (۱۵) سراج الصالحین، ۵۷۰۔ (۱۶) ایضاً، ۱۸ (۱۷) ایضاً، ۲۶۔ (۱۸) بیست کہ بدرالدین مسکین... از انعکاس اسرار و انکشاف انوار مقامات امام محمد علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تصنیف کردہ بودہ" سراج الصالحین، ۲۱۔ (۱۹) نسخہ ہای خطی نشریہ دانشگاہ تہران، ۱۳۴۴ ش، دفتر ۴ ص ۶۷۰۔ (۲۰) الصالحین ۵۲۰، ۲۵۲-۲۵۳۔ (۲۱) ایضاً، ۳۴۰۔ (۲۲) ایضاً، ۲۶۷۔ (۲۳) فہرست کتب خطی ازبکستان، مطبوعہ تاشقند، ج ۱ ص ۹۷۔ (۲۴) ڈاکٹر صفا نے لکھا ہے کہ بدری نے اپنے سبعہ کی پہلی چھ مثنویات ۹۰۸ھ میں مکمل کیں اور ۹۰۸ھ (=) میں رسل نامہ لکھنا شروع کیا۔ تاریخ ادبیات در ایران، ۵/۲: ۵۱۰۔ (۲۵) Blochet, Vol. III, pp. 352 (۲۶) میرزایف، فہرست کتب خطی اکادمی علوم تاجیکستان، مطبوعہ استالین آباد، ۱۹۶۰ء، ص ۷۳۔ (۲۷) سراج الصالحین، ۲۹۵-۲۹۶۔

ڈاکٹر غلام رسول جان
استاد شعبۂ فارسی
کشمیر یونیورسٹی سرینگر

مولانا ادبی کشمیری

ملا ادبی ماتیؔ کے نامی گرامی فرزند تھے[1]۔ جس طرح سے ملا یا مولانا ماتیؔ کا پورا نام اب تک گوشۂ خفا میں رہا ہے، بالکل اسی طرح سے تذکرہ نویسوں نے صرف ملا ادبی یا مولانا ادبی لکھنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ ان کا پورا نام صراحت کے ساتھ کسی بھی تذکرہ میں نہیں آیا ہے، البتہ ان کا لقب اور شاعرانہ تخلص تو واضح ہے۔

مولانا ادبی کا محل تولد کشمیر بتایا جاتا ہے۔ البتہ یہ واضح نہ ہو سکا کہ کشمیر کے کس گوشہ میں ان کی ولادت واقع ہوئی۔ انکے سال ولادت کے سلسلے میں تذکرہ نویسوں نے کوئی خامہ سرائی نہیں کی ہے۔ البتہ تذکرہ "مے خانہ" کے مطالعہ سے ان کے سال ولادت

1۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ ادبی کی ملا ماتیؔ کے نامی فرزند تھے۔ کیونکہ ایک ہی دور سے تعلق رکھنے والے ملا ماتیؔ اول اور ملا ماتیؔ ثانی جیسے شعراء و علما کا تذکرہ تذکروں میں آیا ہے۔ "واقعات کشمیر" کے مصنف کے بقول حسین شاہ چک (۹۷۱–۹۷۸ھ) کے دربار کے ساتھ ملا ماتیؔ اول اور ملا ماتیؔ ثانی بحیثیت شاعر دالسطر رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو "واقعات کشمیر" ورق ۱/۴۷ و تاریخ حسن جلد ۴ ص۲ بھی دیکھئے)۔

موصوف کے بقول ملا ماتیؔ اول حسین شاہ چک کا مداح و مصاحب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک گمنام اور فقیرانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسے صرف دکھو پر پوری دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ دیگر تذکرہ نویسوں نے بھی ملا ماتیؔ سے متعلق ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایسے تذکروں میں "ہفت اقلیم" (قلمی)، "صحف ابراہیم" (قلمی ورق ۱/۴۴۳) و "صبح گلشن" (چاپی ص۲۵۲) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اصلح مرزا اپنے تذکرۂ شعرائے کشمیر میں ملا عبد الغفور نامی نام کے تحت یوں رقمطراز ہیں "ملا عبد الغفور نامی نام ماتیؔ، نام آوران کشور سخندانی را در کنج خمول گمنامی منزوی و متواری کردانیدہ" (ملاحظہ ہو تذکرہ شعرائے کشمیر از اصلح مرزا ص۴۷۹–۸۰)۔

گو کہ موصوف نے گمنامی اور فقیری میں زندگی بسر کرنے والے جس شخص کا تذکرہ ماتیؔ نام کے تحت کیا ہے، اس کے ساتھ ملا عبد الغفور نام کی مہر بھی ثبت کی ہے جبکہ دیگر سبھی تذکروں میں صرف مولانا ماتیؔ نام آیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے دیگر تذکرہ نویسوں سے ہٹ کر دیگر چند اشعار کو بھی مولانا ماتیؔ کے ساتھ منسوب کیا ہے، جن میں سے ایک شعر کا حوالہ یہاں پر دیا جاتا ہے ؎

زحرف پوچ کو آشفتگی صاحب ہنر باشد ــــ زتحریک صبا فارغ بلی آب گہر باشد

اس کے علاوہ دیگر تذکروں میں جو اشعار مولانا ماتیؔ کے ساتھ منسوب کیے جاتے ہیں، انہیں بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین بخوبی ان کے شاعرانہ رتبہ سے واقف ہو جائیں۔

غزل ؎

ہرگز دلم بغیر تو مائل نمی شود ــــ در دیدہ نقش روی تو زائل نمی شود
از دوریت چہ باک کہ این بعد ظاہری ــــ اصلاً میان من و تو حائل نمی شود
دستم بریدہ باد چکار آدم نگو ــــ در گردن بتان چون حمائل نمی شود

مثنوی ؎

عروسی است ای اشادی آئین او ــــ کہ بتوان روان داد کابین او
بخاموشی چہرۂ رباعی دہد ــــ بغیر قوت زور جوانی دہد
چو بید مست و چون عود تن راگیر ــــ می آتش کہ پیہان کند شان ہنر

(ملاحظہ ہو "ہفت اقلیم" قلمی، "واقعات کشمیر" ورق ۱/۴۷ بر تفاوت الفاظ اس کے علاوہ "ریاض الشعراء" ب/۲۷ اور "صبح" ص۲۵۲ بھی ملاحظہ ہو)

۱ ماتی حاشیہ صفحہ ۲۱۰ پر

کے بارے میں ایک واضح اشارہ یوں ملتا ہے۔ خود مصنف کے بقول کہ "چون در سنہ خمس عشرین والف (۱۰۲۵) لاہور رسیدم طاعون گرم شدہ بود۔ از بیم وبا بلا توقف ازاں بلدہ بکشمیر روان شدم۔ وقتی کہ بدان سرزمین عشرت آئین رسیدم قریب بدو سال درانجا ماندم"۔[1] اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عبدالنبی صاحب تذکرۂ میخانہ ۱۰۲۵ھ میں وارد کشمیر ہوئے اور یہاں ان کا قیام قریباً دو سال رہا، اور پروفیسر محمد شفیع صاحب تذکرۂ میخانہ کے ورود کشمیر کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں: "در اوائل سال ۱۰۲۵ھ لاہور رسید در لاہور آنروزہا طاعون بسیار شدت داشت بنابراین فوراً بکشمیر رواں شد چوں خویشاوند او مرزا نظامی بخشی کردیوان کشمیر بود در ایام اقامت کشمیر کتاب "دستور الفصحا" خود را از سواد بیاض برد در اواخر سال ۱۰۲۶ھ تقریباً بعد از دو سال اقامت در کشمیر با مرزا نظامی بہ ماندو آمد"۔[2] اس عبارت سے واضح ہے کہ ملا عبدالنبی صاحب تذکرۂ میخانہ ۱۰۲۵ھ کے اوائل میں کشمیر آئے اور یہاں ان کا قیام قریباً دو سال کا رہا۔ ۱۰۲۶ھ کے اواخر میں کشمیر سے اپنے رشتہ دار مرزا نظامی کے ساتھ ماندو آ گئے۔ واضح رہے کہ اپنے اس قیام کے دوران ملا عبدالنبی صاحب تذکرۂ میخانہ کی ملاقات مولانا ادہمی سے ہوئی۔ ان دنوں جب یہ ملاقات واقع ہوئی مولانا ادہمی کا سن ۵۵ برس کو پہنچ چکا تھا۔[3] اگر دونوں میں ملاقات ۱۰۲۵ھ کے اوائل میں ہی ہوئی ہے تو اُس وقت مولانا ادہمی کا سن ۵۵ برس کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی ولادت ۹۷۰ھ میں ہوئی ہوگی۔ یا اگر ۱۰۲۶ھ کے یقینی سال میں یہ ملاقات وقوع پذیر ہوئی ہے تو اس صورت میں ان کی ولادت ۹۷۱ھ میں دکھائی دیتی ہے۔

مولانا ادہمی کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دیگر خاندانی حالات وغیرہ سے متعلق تذکرہ نویس خاموش ہیں۔ لیکن اُن کے نام کے ساتھ مولانا کا لقب اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انھوں نے مروجہ علوم و فنون میں مہارت تام حاصل کی تھی جب ہی تو اس لقب سے ملقب ہوئے۔ مولانا ادہمی کے والد ملا نامی کا شمار اپنے وقت کے شاعروں کے علاوہ علما و فضلا میں ہوتا تھا جب ہی تو وہ مولانا یا ملا کے لقب سے

بر حاشیہ ص۱۳۹

جیسا کہ ابتدا میں بیان ہوا کہ حسین شاہ چک کے دربار کے ساتھ ایک اور ملا نامی نام کا شاعر وابستہ رہا ہے جو کہ تذکروں میں ملا نامی ثانی کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ شاہی دربار سے وابستہ رہ کر بھی وہ بڑا گستاخ لیکن بادشاہ کے مقربین میں سے تھا۔ چنانچہ بادشاہ حسین شاہ چک، جو خود بھی ایک شاعر تھا، ساتھ اس کی شاعرانہ نوک جھونک ہوا کرتی تھی۔ تذکروں میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ایک دفعہ عید کے موقع پر بجائے دو خلعت عیدین گھوڑا کی استدعا یوں کی ؎

خلعت شاہی مرا اسپی رسد ما ریں رسد

شاہ نے جواب میں لکھ بھیجا ؎

ایں چنین کرمم را نشاں رسد نہ ایں رسد (ملاحظہ ہو واقعات کشمیر قلمی ورق ۱/۴۷، تاریخ حسن جلد ۳ ص۳)

یہ سوال کہ مولانا ادہمی کس ملا نامی کے فرزند تھے۔ تذکرۂ میخانہ کا مصنف ملا عبدالنبی، مولانا ادہمی کے بارے اپنے تذکرہ میں "درد مند درویش نہاد اور مشرب پاکیزہ اعتقاد" جیسے القاب استعمال کرتا ہے۔ واضح رہے کہ موصوف نے اپنے قریباً ۲ سالہ قیام کشمیر کے دوران مولانا ادہمی کے ساتھ ملاقات میں جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسے اپنے تذکرہ میں قلمبند کیا۔ ملا نامی اول جیسا کہ پہلے ہی لکھا گیا کہ وہ گمنامی اور فقیری کے عالم میں رہتے تھے مولانا ادہمی جیسے "درد مند درویش نہاد اور صوفی مشرب پاکیزہ اعتقاد" جیسے اولاد کی حق فرزندی ان کے ساتھ قرار پانا کما حقہ فطری امر کا متقاضی ہے۔

۱۔ تذکرۂ میخانہ چاپی تصحیح شدہ از گلچین معانی ص۷۷ ۲۔ دیباچہ تذکرۂ میخانہ از پروفیسر محمد شفیع چاپ لاہور ۳۔ تذکرۂ میخانہ ص۷۴۳

یاد کیے جاتے ہیں۔ اوجؔی نے اپنی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ دیگر علوم وفنون حتیٰ کہ شاعری میں بھی اپنے ہی والد سے کسب فیض کیا ہوگا۔ تذکروں میں ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس میں اوجؔی کے کسی استاد کا باضابطہ تذکرہ موجود ہو۔ مولانا اوجؔی نے صغر سنی میں ہی شعر گوئی شروع کی تھی اور سن بلوغیت کو پہنچتے پہنچتے انھوں نے شاعری میں اپنا نام حاصل کیا تھا جب ہی مرزا جعفر آصف خاں جیسے دانشمند اور دانش دوست نے اوجؔی کو اپنی خدمت میں لیکر اس کی قدردانی کی تھی[1]۔ آصف خاں کی قدردانی کے ہی نتیجے میں اوجؔی نے شاعری میں کمال دکھایا، اور کافی ترقی کی۔ بقول صاحب تذکرۂ مے خانہ ' جو کچھ اس زمانے میں لکھا وہ کسی رتبہ اور حالت سے کم نہیں[2]۔

مولانا اوجؔی کا شہرۂ آفاق کارنامہ "ساقی نامہ" جو کہ ایام شباب میں ہی اس وقت جبکہ مرزا جعفر آصف خاں جیسے دانشمند اور قدردان کی خدمت میں تھے منصۂ شہود پر آیا۔ اوجؔی کا یہی وہ مشہور زمانہ کارنامہ ہے جس پر نہ صرف معاصرین بلکہ بعد میں آنے والے لوگ عش عش کرنے لگے۔ صاحب تذکرہ مے خانہ کے بقول "یہ ضعیف (ملا عبد النبی) ایک دن اجمیر میں مولانا محمد صوفی کی خدمت میں حاضر تھا کہ کشمیر کے لوگوں میں سے ایک عزیز نے کسی تقریب کے سلسلے میں مولانا اوجؔی کا یہ شعر پڑھا ؎

مرا دامن خویش زنجیر شد   مرا دست در آستین پیر شد[3]

اس پر منصف با انصاف (مولانا محمد صوفی) یہ دو مصرعے سنکر پیچ وتاب کھانے لگے اور فرمایا کہ "اس سے پہلے کہ میں ساقی نامہ کہہ دوں اگر یہ شعر سنتا تو ساقی نامہ کو نظم کرنے کا ارادہ نہ کرتا"[4]۔ مولانا اوجؔی نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے ہی وطن میں گذارا۔ تذکرۂ مے خانہ کے مصنف کے بقول "اس (اوجؔی) در دمند نے سیر وسفر کم کیا۔ لیکن کشمیر کے گرد ونواح کی کافی سیاحت کی۔ ایک بار لاہور آئے لیکن پھر اپنے وطن کو لوٹ گئے"[5]۔

معلوم ہوتا ہے کہ اوجؔی نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام کشمیر میں ہی گذار دیے۔ چنانچہ جب صاحب تذکرۂ مے خانہ کشمیر آیا تو اس وقت اوجؔی کا سن ۵۵ برس کو پہنچ چکا تھا، اور بقول مصنف موصوف کہ افیون کی لت پڑ جانے کی وجہ سے وہ مرتبۂ شعر سے گر گئے تھے۔ اگر کوئی ایک دو شعر کہہ بھی دیتے وہ دل پر اپنا اثر نہیں کرتے[6]، اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اوجؔی کا جو

---

[1] تذکرۂ مے خانہ ص۳۲ ۔ مرزا جعفر آصف خاں کے علاوہ دیگر امرا نے بھی اوجؔی کی نسبت قدردانی کا اظہار کیا، جن کی تفصیل میری نظروں سے نہیں گذری۔ [2] تذکرۂ مے خانہ ص۳۲، [3] ایضاً ص۳۲،

مے خانہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ملا عبد النبی کشمیر وارد ہونے سے پہلے اجمیر میں ہی قیام پذیر تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ اوجؔی کے اس شعر نے بھی اسے بیحد متاثر کیا اور اسے کشمیر آنے کی تحریک دی۔

اور انتخاب مثنوی میں صاحب تذکرۂ مے خانہ نے یہ شعر اس طرح لکھا ہے ؎

مرا اشک دامن گلستان شد است   مرا دست غم گریباں شد است
مرا دست در آستین پیر شد   مرا دامن خویش زنجیر شد

[4] مے خانہ ص۳۳، [5] ایضاً ص۳۲، [6] مے خانہ ص۳۳،

بھی فخریہ کارنامہ رہا ہوگا وہ اس کا ابتدائی زندگی کا کلام ہی ہوگا۔

بہر حال یہ واضح نہ ہو سکا کہ مولانا اوجی نے اپنی زندگی کے کتنے شب و روز دیکھے، اس سلسلے میں بھی تذکرہ نویس کو تامل ہے۔ البتہ تذکرۂ 'مے خانہ' جو کہ ۱۰۲۸ھ میں رشتۂ تحریر میں آیا ہے، اس میں اوجی کے سال وفات کے سلسلے میں کچھ درج نہیں ہوا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اوجی ۱۰۲۸ھ میں ابھی بقید حیات ہی تھے۔ دیگر تذکرہ نویسوں نے بھی اوجی کا سال وفات نہیں لکھا ہے، ماسوائے 'واقعات کشمیر' کے مصنف کے۔ واضح رہے کہ 'واقعات کشمیر' ۱۱۶۰ھ میں رشتۂ تحریر میں آئی ہے اور اس کا قدیم نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ کی زینت بنا ہوا ہے اور مصنف کی زندگی میں ہی کتابت ہوا ہے۔ سال کتابت ۱۱۷۹ھ ہے[۲]۔ اس میں مولانا اوجی کا سال وفات ۱۰۳۲ھ درج ہوا ہے[۳]۔

جیسا کہ اولاً بیان ہوا کہ مولانا اوجی نے صغر سنی میں ہی شعر کہنے شروع کئے تھے اور اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی ان کا شاعری پروان چڑھی۔ چنانچہ گھر کا ماحول ہی شاعرانہ تھا۔ جہاں مولانا نامی جیسے شاعر استاد نے اس کی تربیت کی ہوگی یہی وجہ ہے کہ ایام شباب کو پہنچتے پہنچتے ان کی شاعری کا شاہکار 'ساقی نامہ' معرض وجود میں آیا چنانچہ ساقی نامہ کے اس شعر ؎

مرا دست در آستین پیر شد مرا دامن خویش زنجیر شد

نے معاصرین تو کیا بعد میں آنیوالوں کو عش عش کرنے پر مجبور کیا۔ "ساقی نامہ" جس کا مفصل انتخاب صاحب تذکرہ 'مے خانہ' نے اپنے تذکرہ میں درج کیا ہے کے علاوہ مولانا اوجی نے قصیدے اور غزلیں بھی خوب کہی ہیں۔ البتہ ان کا کوئی مفصل قصیدہ حتیٰ کہ کوئی پوری غزل کسی تذکرہ کا عنوان نہیں بنی ہے البتہ متفرق اشعار کا جو جا بجا انتخاب تذکروں میں ملتا ہے اس سے کما حقہٗ ان کی شاعری کے مرتبہ پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے۔

صاحب 'میخانہ' کا قول ہے کہ اوجی کے اشعار صرف قصیدہ اور غزل وغیرہ تین ہزار ابیات پر مشتمل ہیں اور موصوف کا مزید کہنا ہے کہ اوجی نے اپنا دیوان ترتیب نہیں دیا ہے[۴]۔ جبکہ 'واقعات کشمیر' کے مصنف نے اوجی کو صاحب دیوان بتایا ہے[۵]۔ سردست اوجی کا دیوان میری نظروں سے نہیں گذرا۔ ہندوستان کے اہم کتابخانوں میں خدا بخش لائبریری پٹنہ، نیشنل لائبریری کلکتہ، رضا لائبریری رامپور اور آصفیہ حیدرآباد قابل ذکر ہیں۔ ان میں بھی اوجی کا دیوان موجود نہ پایا۔ البتہ برٹش میوزیم کے کیٹلاگ کے مطالعہ سے پتہ چلا کہ مولانا اوجی کا سترہویں صدی عیسوی کا کتابت شدہ دیوان تحت شمارہ ۲۲۸ OR۔ مذکورہ کتابخانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ کسی نجی کتابخانے میں اس کا کوئی نسخہ موجود ہو۔ بہر حال ان کے کلام کیا غزل اور کیا مثنوی، کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اوجی کا دیوان ایڈٹ ہونے کے بعد شائع کیے جانے کا مستحق ہے۔

۲۔ واقعات کشمیر کا قلمی نسخہ تحت شمارہ ۲۴۳۹ موجود ہے۔ میں نے دوران قیام پٹنہ اسی قلمی نسخہ سے استفادہ کیا۔

۳۔ "واقعات کشمیر" قلمی ورق ۵۵/۱۔ تاریخ حسن جلد ۴ ص۳ بھی ملاحظہ ہو۔ ۴۔ "تذکرۂ مے خانہ" ص۷۲۳-۷۲۴

۵۔ "واقعات کشمیر" قلمی ورق ۵۵/۱

مولانا اوجی کی شاعری سے متعلق کسی بھی تذکرہ میں مفصلاً کچھ نہیں ملتا۔ بعضوں نے برسبیل تذکرہ کسی خاص دور کے ساتھ منسوب کیا ہے اور بعضوں نے اُن کی شاعری سے متعلق اختصاراً چند جملے لکھ کر کچھ اشعار کا انتخاب پیش کیا ہے۔ "ریاض الشعراء" کے مصنف نے اوجی کو ہمایوں کے دور سے منسوب کیا ہے[1]۔ اور "صحف ابراہیم" کے مصنف نے اسے اکبر اور جہانگیر کے دور کا گردانا ہے[2]۔ استاد سعید نفیسی کا کہنا ہے کہ اوجی کشمیری دسویں صدی ہجری کے بہترین غزل سراؤں میں سے تھے[3]۔ بہرحال اتنا تو واضح ہے کہ مولانا اوجی کی شاعرانہ نمو ابتدائی مغل عہد میں جڑ پکڑنے لگی اور جہانگیر کے آخری ایام تک برقرار رہی۔

سردست ان کا دیوان اشعار میرے پیش نظر نہیں ہے، لہٰذا ان کی شاعری پر مفصلاً تنقیدی نکتۂ نگاہ سے بحث کرنا فی الحال ممکن نہیں۔ البتہ یہاں پر ان چند تذکرہ نگاروں کے حوالے سے بات کی جائے گی جنھوں نے ان کی شاعری کے بارے میں قدرے اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ "عرفات العاشقین" جو کہ مولانا اوجی کی زندگی کے آخری ایام میں رشتۂ تحریر میں آیا ہے کے مصنف نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔ "بحر طبعش در نیاہت موج وکوکب ادراکش در غایت اوجست۔ عوذ بیانش زور مند و امواج کلامش بلند واقع است"[4]۔ موصوف نے اوجی کے چھ (۶) اشعار درج کر کے اپنے بیان کو تقویت دی ہے۔ اصلح مرزا کا بیان ہے کہ "اوجی پایۂ سخن را بمعراج کمال رسانیده، ہر مصرعش در عالم علوی چوں ہلال شہرتی دارد"[5]۔ اور "واقعات کشمیر" کے مصنف کا خیال ہے کہ "اوجی کشمیری مہر اوج بلاغت و ہنر پروری بود"[6]۔

بہرحال مولانا اوجی سے متعلق جتنے بھی اشعار تذکروں میں ہم تک آپہنچے ہیں اُن میں سے چند ایک کا انتخاب کر کے قارئین کی نذر کیے جاتے ہیں ؎

تبسّم گو نہ می دیدم کہ از چاک گریبانت ـــــ درے خانۂ عشرت بروئیم باز بود امشب
از زلف یار شکوۂ زنجیر می برم ـــــ سیل جنوں بخانۂ ہوشم رسیدہ است
گریہ تحسین نگہی چشم تو پرساز کند ـــــ نغمہ را تربیت سرمہ خوش آواز کند
ہر سر کہ بستۂ غم فتراک او بود ـــــ دائم یقین کہ روز جزا سرخ رو بود
از کس خیال زلف تو در سینہ جا گرفت ـــــ آہی کہ سر زند ز دلم مشک بو بود

۱۔ "ریاض الشعراء" قلمی ب/۳۷۔ ۲۔ "صحف ابراہیم" ص۵۲ چاپی۔ ۳۔ تاریخ نظم و نثر در ایران از استاد سعید نفیسی چاپ تہران۔
۴۔ "عرفات العاشقین" قلمی ورق ب/۱۲۹۔ ۵۔ "تذکرۂ شعرائے کشمیر" از اصلح مرزا مرتب شدہ از حسام الدین راشدی چاپ لاہور ۶۔ "واقعات کشمیر" قلمی ورق ا/۵۵۔

غالبؔ از مثنوی ساقی نامۂ اوجی: مولانا اوجی نے ساقی نامہ کا آغاز اس طرح کیا ہے:

چنین تا بکی ترک ساغر کنیم — لب دل ز خون جگر تر کنیم
بیا تا برا در شکست آوریم — دل می پرستان بدست آوریم
زیارت کنم بانسے خانہ را — ببوسم سراپای مے خانہ را
ازیں فرقت آباد تا بودہ ام — بجز از زہر غم لب نیا بودہ ام
کنارم پر از اشک چوں اخگر است — ز خون خوردن دل، دماغم تر است
زہم برنخو فست و من نو سفر — ہم زاد رہ، پارہ ہای جگر
بجز گریہ گشودہ ام دیدہ را — کہ ذوق نظر نیست غم دیدہ را

.... — ....

مرا ز اشک، دامن گلستان شداست — مرا دست خصم گریبان شداست
مرا دست در آستین پیر شد — مرا دامن خویش زنجیر شد

اور درج ذیل اشعار میں مولانا روحی کا جوش و جذبہ صاف نظر آتا ہے:

فغان کاندرین لاجوردی رواق — من و فی لبالب شدیم از فراق
اگر ضبط نا کردہ دم، دم زنم — جہان را بیک بار برہم زنم

ساقی کوثر حضرت علیؓ کے ساتھ اپنی محبت اور ولا کا اظہار ان اشعار میں اس طرح کیا ہے:

فلک مست و سرخوش برقص اندر است — ز کیف ساقیٔ کوثر است
ولیٔ خدا شاہ مردان علی — لبالب ز بہرش، خفی و جلی
ز کشت عطا لیش فلک دانہ ای — ز شمع رخش مہر پروانہ ای
شناسندۂ فرزندان علیست — شہنشاہ اقلیم احسان علیست
علیؑ مظہر عین فرزانگی است — علیؑ گوہر کان مردانگی است
ازان پیش کہ آمیخت جان در تنم — بمہر علیؓ شد مخمر دلم
مرا داغ او بر جبین دل است — مرا مہر او از جہان حاصل است

جناب محمد الدین فوق مرحوم

کشمیری پنڈتوں کی ذاتیں

ملماسی پنڈت:

، رازداں، خزانچی، کچلو، ہنڈو، رینہ، بٹ، کول، کاٹجو، مٹو، بھنڈاری، پنڈت، آخون، بھان، مٹو، شنگو، گنجو، چوکو، چک۔

بان ماسی پنڈت:

درابی، بام زئی، ایما، کاک، رازداں، مٹو، فوطہ دار، گنجو، کاچرو، لنگرو، بخشی۔

قسطباشی پنڈت:

کمر، دیوان، ملا (بمعنی احمق)، مشران۔

مزید ذاتیں پنڈتوں کی:

منٹو، چکبست = (چک = زمین، بست = بندوبست کے افسر)

منٹو: اس لفظ کا تعلق من دٹی طبقہ کے ساتھ ہی ہے۔ جس کا ذکر قسطباشی پنڈتوں کے طبقہ میں ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں۔ ان کا کوئی بزرگ ایک ہی وقت شرط باندھ کر ڈیڑھ اسیر یا من دٹی چاول کھا گیا تھا۔ اس وقت سے ان کا نام منٹو پڑ گیا۔ اس قوم میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے من دٹی چاول کھانے والا بزرگ دراصل پنڈت تھا۔ اس کی اولاد سے جو مسلمان ہوا وہ بھی منٹو ہی کہلایا۔

چکبست: کشمیر میں چک ایک قوم ہے، جس نے کئی سال تک کشمیر میں حکومت کی ہے۔ لیکن چک زمین کے ایک طویل و عریض ٹکڑے کو بھی کہتے ہیں۔ چک آباد کرنے کا رواج آج سے کچھ عرصہ پیشتر تک رہا ہے۔ ان زمینوں پر جو چکوک کے آباد کرنے کے لیے زمینداروں یا اور لوگوں کو دی جاتی تھیں، جو افسر تعینات ہوتے تھے، ان کو چکبست کہتے تھے۔ ایسے افسروں کے پاس عطائے چکوک کی باقاعدہ کتاب ہوا کرتی تھی۔ مسلمانوں میں تو کوئی چکبست نہیں سنا گیا۔ البتہ پنڈتوں میں، وہ بھی کشمیر کے مہاجر لکھنوی پنڈتوں میں ایک چکبست خاندان موجود ہے۔ جس کے ایک قابل و ممتاز فرد پنڈت برج نرائن چکبست

آنجہانی نے اپنی پاکیزہ شاعری سے کشمیر کا نام روشن کیا ہے۔ یہ شعر بھی چکبست آنجہانی ہی کا ہے ؎

ذرّہ ذرّہ ہے مرے کشمیر کا مہماں نواز   راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

سپرو: بادشاہ بڈشاہ کشمیر کے عہد سے بیشتر کشمیر کے ہندو مسلمانوں کو اور ان کی زبان کو اجنبی زبان اور حکومت سمجھتے رہے۔ لیکن جب بڈشاہ نے ان کو خاص مراعات عطا کیں اور نظم و نسق سلطنت میں شامل کرنے کے فارسی پڑھنے پر، جو اس وقت کشمیر کی سرکاری زبان تھی، ان کو مجبور کیا۔ تو برہمنوں کے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی میں مہارتِ تامہ حاصل کی وہ سپرو کہلایا۔ کشمیر میں اب بھی پڑھنے کو "پرنا" کہتے ہیں۔ سپر کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے سب پڑھ لیا ہے۔ سپرو کے معنی یہ بھی بتائے جاتے ہیں کہ وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھلائے۔ کشمیر میں ہر NAME واؤ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے کچلو، ہندو، مٹو، نہرو۔ اسی طرح سپر سے سپرو مشہور ہو گیا۔

فوطہ دار: فوطہ فارسی، عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغات فیروزی میں اس کے حسب ذیل تین معنی بتائے گئے ہیں

(۱) کمربند   (۲) لنگی   (۳) محاصل

اس خاندان کا تعلق تیسری شق یعنی محاصل سے ہے۔ اس خاندان کے بزرگ مغل بادشاہوں کے زمانے میں خزانہ شاہی کے افسر ہوتے تھے اور خزانہ کو چونکہ محاصل کے ساتھ تعلق ہے اور محاصل کو فوطہ بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے زمانہ سابق میں افسر خزانہ فوطہ دار کہلاتے تھے۔ دراصل فوطہ دار طبقہ کا تعلق مٹو خاندان سے ہے۔

کاٹجو: کاٹھلیشور واقع ٹینگی کدل سرینگر ایک پرانا تیرتھ تھا۔ جہاں اب ایک نیا مندر پرانے مندر کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاندان اسی محلہ میں بستا تھا اور اب تک بھی اس کے اکثر افراد یہیں بود و باش رکھتے ہیں، اس لیے کاٹجو کے نام سے موسوم ہو گیا کاٹجو خاندان کا گوتر سوامن دار شگنے ہے۔

ملا یا ملہ: پنڈتوں کی ایک مشہور ذات ہے۔ بعض کہتے ہیں ملیار سے یہ لفظ نکلا ہے۔ بعض کہتے ہیں جو لوگ ملہ پوری محلہ میں رہنے والے ہیں وہ ملا کہلاتے ہیں۔ یہ محلہ گنپت یار کے پاس سرینگر میں واقع ہے۔ ہندوستان کے صوبہ متحدہ (یو۔ پی) میں اس قوم کے لوگوں نے بڑا نام پایا ہے۔

زتشی: علم جیوتش کے جاننے کو کہتے ہیں۔ کشمیر کے جیوتشی زتشی کہلاتے تھے۔ علم سنسکرت میں صاحب کمال ہونے کی وجہ سے مشہور تھے۔

کچلو: کچلو کشمیری زبان میں لمبی داڑھی کو کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں کسی شخص کی بہت زیادہ لمبی داڑھی ہوگی۔ اسی وجہ سے اس کا نام کچلو پڑ گیا۔ لاہور میں بھی دیوان کشن کور کا خاندان ایسا ہے جس کا داڑھی کے ساتھ تعلق ہے۔ چنانچہ دیوان رتن چند

داڑھی والا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے معزز درباریوں میں تھا اور لمبی داڑھی ہونے کی وجہ سے اس کا نام داڑھی والا ہی مشہور تھا۔

کشمیر کے کچلو خاندان سے جو شاخ مسلمان ہو گئی، اس کا نام (تمثیلاً) کنول کچلو سے کمال کچلو ہو گیا۔ لیکن تبدیلی مذہب اسم مصدر یعنی کچلو کے لفظ پر کوئی اثر نہ کر سکا۔ اب کشمیر اور پنجاب اور یوپی وغیرہ کے کشمیری پنڈتوں میں بھی کچلو ہیں اور کشمیری مسلمانوں میں بھی کچلو خاندان موجود ہیں۔ اسی قبیلہ کے نام پر شمالی کشمیر تحصیل ہنڈواڑہ میں ایک گاؤں کچلو آباد ہے۔

<u>کول</u>: کشمیری پنڈتوں کی یہ بہت قدیم گوت ہے۔ سنسکرت کتب میں اس گوت کے متعلق لکھا ہے کہ کول اسے کہتے ہیں جو دنیاوی خواہشات کو نیست و نابود کرنے والا ہو۔ یہ گوت دتاتریہ رشی کی نسل ہے۔ یہ رشی زمانہ سلف میں ایک نہایت متبرک ہستی کی شہرت رکھتا تھا۔

<u>مٹو</u>: کاچرو، فوطہ دار اور مٹو خاندان کا گوتر بہت سامن کونشک ایک ہی ہے۔ کاچرو اور فوطہ دار شاخ کا ذکر علاحدہ کیا جا چکا ہے۔ لفظ مٹو کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں جو قرین قیاس ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں کشمیر میں جگہ سنسکرت کے دارالعلوم تھے، علمی درسگاہیں اور مذہبی عمارات مٹ یا مٹھ کہلائی جاتی تھیں۔ اس طبقہ کا کوئی بزرگ ان ایام میں یا تو کسی بیت العلوم یعنی مٹ کا بانی ہوا ہوگا یا مذہبی عمارت کا مہتمم رہا ہوگا۔

<u>رازدان فیملی</u>: یہ لفظ دراصل راجانک ہے۔ بگڑتے بگڑتے رازدان ہو گیا۔ تاہم یہ ایک معزز اور بامعنی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اب تو اکثر اصحاب رازدان کو بھی انگریزی لباس پہنا کر رازڈن بنا رہے ہیں۔

رازدانوں کے کئی قبیلے اور گروہ اپنے صفاتی ناموں کی بدولت اب اپنی علاحدہ ہستی رکھتے ہیں۔ مگر ان سب کی اصل رازدان ہی ہے۔ لیکن یہ سب پنڈت ہی ہیں۔ ان میں مسلمان کوئی نہیں ہے۔

<u>دتاتریہ</u>: پنڈتوں کی ایک قدیم اور مشہور ذات۔

<u>کاک</u>: کشمیری زبان میں بڑے بھائی اور کسی بزرگ کو احتراماً کاک کہتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بھائی کے لیے لفظ کاک اور بھاوج کلاں کے لیے کاکن استعمال ہوتا ہے۔

عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ ایک پنڈت جو اپنی عبادت اور نیک نفسی کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا تھا۔ جب سادھو ہو گیا تو ملک کے تمام لوگ اس کو احتراماً کاک جی کہنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کا عرفِ عام ہی کاک جی مشہور ہو گیا، بلکہ ان کے پیرو اور چیلے بھی کاک ہی کہلانے لگے۔ ریزہ، کول، رازدان وغیرہ کئی ذاتوں اور گوتوں کے لوگ کاک جی کے عقیدتمندوں میں تھے۔ اب کاک ہی کہلاتے ہیں۔ بہت سی ذاتوں کا مجموعہ ہونے کے باوجود کاک اب ایک علاحدہ گوت شمار ہوتی ہے۔

<u>در فیملی</u>: کشمیر کے ہندوؤں میں ایسی گوتیں اور ذاتیں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ جو "نک نیم" سے خالی ہوں۔ انہی میں

کشمیری پنڈتوں کی مشہور گوت دَر بھی ہے۔ جو کسی اَل کے بجائے اپنے اصلی نام سے مشہور ہے۔

اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ ایک بزرگ گذرا ہے۔ جس کا نام دربھار دوانج تھا۔ کہتے ہیں اس کی دو عورتیں تھیں جن میں ایک برہمن زادی بھی تھی۔ اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی وہ برہمن کہلائی۔

دربھار دوانج ہی کے نام پر یہ قوم دَر کہلاتی ہے۔ اور دربھار دوانج کی اولاد ہی دربھار دوانج برہمن کے نام مشہور ہے۔

قریشی: صاحب غیاث اللغات نے لفظ "قرش" کو قریش کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام عرب کے ایک قبیلہ کا ہے، جس کا جد نضر بن کنانہ تھا۔ اسی قبیلہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام حتیٰ کہ فخرِ عالم و عالمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیے۔

قرش یا قریش ایک بحری جانور کا نام ہے۔ جو تمام دریائی جانوروں پر غالب اور زیرِ آب دنیا کا بادشاہ ہے۔ نضر بن کنانہ کے بیٹے بھی چونکہ اپنی تمام قوم پر غالب تھے اور اس قبیلہ کو چونکہ عرب کے تمام قبائل پر فضیلت و برتری حاصل تھی اس لیے یہ قبیلہ بھی اپنی غیر معمولی شجاعت کی وجہ سے اسی بحری جانور کے نام پر قریشی مشہور ہو گیا۔

جیسے سادات اور بعض دوسری اقوام بیرونی ممالک سے آ کر کشمیر میں آباد ہوئی ہیں، اسی طرح قریشی بھی باہر ہی سے آئے ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں سب سے پہلے جو قریشی آیا اس کا نام سید محمد قریشی تھا اور وہ رفقائے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی سے تھا۔ چنانچہ صاحبِ تاریخ اعظمی لکھتے ہیں:

"از رفقائے حضرت امیر بود۔ بسیار بزرگ و صاحبِ حالات بامر حضرت امیر بت خانہ بُجبہارہ را کہ بسیار مزین و مکلف بود و مبلغ خطیر صرف آں شدہ ویران کردند و سر صد و شصت بت کلاں و خورد آں را بشکست و در آں جا مسجد جامع کلاں ... ساختند و متصل مسجد مقبرۂ ایشاں است۔" (تاریخ اعظمی صفحہ ۳۹)

خاندانِ رفیقی: کشمیر کے اس نامور خاندان کا سلسلہ خواجہ سنگین سے ملتا ہے جو عشائی طبقہ کے بانی تھے۔ اس لحاظ سے عشائی اور رفیقی ایک ہی خاندان کی دو شاخیں ہیں۔

خواجہ طاہر رفیق عشائی سہروردی جن کی طرف سارا خاندانِ رفیقیہ منسوب ہے خواجہ سنگین کے پڑپوتے تھے۔

خواجہ رفیق اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی صرف ایک لڑکی مریم نامی تھی، جس کی شادی اپنے دادا خواجہ طاہر کے بھائی خواجہ عبدالقوی کے پوتے شیخ احمد سے کر دی تھی۔ شیخ ابو محمد شریف اسی لڑکی کے بطن سے تھے۔ موجودہ رفیقی خاندان سب انہی کی اولاد سے ہے۔

راتھر یا راٹھور: کشمیر کی تاریخوں میں راتھر، راٹھور، راتور، راؤتھر کے نام سے جو لفظ درج ہے، اس کی اصل ایک ہی ہے۔

اور یہ سب الفاظ دراصل راٹھور کے بگڑے ہوئے نام ہیں۔ راٹھور راجپوتوں کا ایک مشہور فرقہ ہے۔ جو پہلے ہندو ہی تھا لیکن اس کا کثیر حصہ مسلمان ہے۔

سر لارنس نے شیوخ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "راتھر بھی کشمیر کے ان شیوخ میں سے ہیں جو کھشتریوں سے مسلمان ہو گئے تھے"۔

چھتری، کھتری اور کھشتری دراصل ایک ہی قوم کا نام ہے اور ہندوؤں کی ممتاز اور جنگ جو قوم راجپوت بھی اسی ورن سے نکلی ہے۔

کشمیر میں راٹھور قوم کے لوگ کب سے آباد ہیں، اس کے متعلق کوئی صحیح واقفیت بہم نہیں پہنچ سکی۔ وہ یقیناً یہ راجگانِ قدیم کے زمانہ میں کشمیر میں موجود تھے۔

<u>پرے</u>: ۱۸۹۱ء کی رپورٹ مردم شماری کے صفحہ ۱۳۱ پر لون کو راجپوتوں کی شاخ ظاہر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ذات بھی راجپوتوں کی ایک شاخ ہے"۔ صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے کہ: "پرے ذات بھی دیگر ذاتوں لون وغیرہ کی طرح زراعت پیشہ قابلیت رکھنے والی ہے"۔ اسی رپورٹ کے صفحہ ۱۴۸ پر لکھا ہے کہ: "پرے اور لون کشمیر کی مسلمان قوموں میں جو شیلے راجپوت"۔ پرے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ پرے ہست، پورہ یا پرسپورہ میں عموماً قدیم راجپوتوں ہی کی تھی۔ جب وہ مختلف وجوہات سے اپنے گاؤں سے نکل کر ادھر اُدھر منتشر ہوئے، تو اپنے گاؤں کے نام پر پرے ہی کہلائے۔

<u>رینہ</u>: ۷۲۵ھ میں حضرت بلبل شاہؒ کشمیر آئے تو رینچن، کو ترانی! راون چندر اور ان کے اعزہ و اقربا نے اسلام قبول کیا۔ رینہ کا لفظ اسی خاندان کے راون چندر کے نام کے ساتھ تاریخ میں سب سے پہلے آتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کبیر کشمیر میں جہانگیر رینہ کے ذکر میں لکھا ہے:

"ملک جہانگیر رینہ بن ہمت رینہ نبیرۂ راون رینہ از احفاد راجہ ہائے چندر بنسی بود" (صفحہ ۱۴۰)

جہانگیر رینہ سلطان حسن والیٔ کشمیر کی طرف سے ملک کا خطاب ملنے کی وجہ سے ملک جہانگیر رینہ کہلاتا تھا، صاحبِ اقتدار رئیس گذرا ہے۔

رینہ قوم کی تعداد کشمیر ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۲۶۴ تھی، بیس سال کے بعد یعنی ۱۹۳۱ء میں اس قوم کی تعداد ۳،۲۸۷ ہو گئی ہے۔

<u>بھٹی</u>: اس امر کو تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ کشمیر میں عرصہ دراز تک راجپوتوں کے مختلف خاندانوں نے حکومت کی۔ اور اس امر سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان خاندانوں کی ذرّیات بھی کسی نہ کسی عرف یا ال کی صورت میں کشمیر میں اب تک موجود ہیں

اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ببھتی راجپوت بھی کشمیر میں موجود نہ ہوں۔ گو یہ صحیح ہے کہ صدیوں تک وطنیت کشمیر نے خدوخال اور طرز تمدن اور لباس وزبان کی تبدیلی سے ان کی شناخت محال کردی ہے۔

مسٹر والٹر لارنس اور دیگر مورخین نے کشمیر میں قدیم کھشتریوں کے خاندانوں کی موجودگی تسلیم کی ہے۔ پنڈت کلہن کا راج ترنگنی نے بھی جو آٹھ سو سال پیشتر کی تصنیف ہے، کشمیر میں کشتری خاندانوں کی حکومت کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن مختلف عرفوں اور مختلف القاب نے اصل گوتوں پر اس قدر پردہ ڈال رکھا ہے کہ کسی قدیم کشتری خاندان کی اصل ذات معلوم کرنا عقدۂ لاینحل ثابت ہو رہا ہے۔ ڈانگر، ڈار، تانترے، ماگرے وغیرہ کئی اقوام جن کو سب نے کشتری تسلیم کیا ہے، اپنا اصل گوت بتلانے سے عاری ہیں۔ ڈانگر کی ابتدا ڈامر سے ہوتی ہے۔ ڈامر کو کسی نے خطاب بتایا ہے، کسی نے سرکش اور خودسر ہونے کی وجہ سے اس گروہ کا یہ نام رکھا ہے۔ ڈامر ہی سے ڈانگر بن گیا ہے۔ ڈانگر سے اب ڈار عرفِ عام ہے اور چونکہ تاریخ کشمیر لفظ ڈامر کا استعمال دو ہزار سال سے بھی پیشتر کا بتا رہی ہے، اس لیے گوت کی اصلیت کا پتہ چلانا فی الواقع بہت دشوار ہے۔

صرف ایک گروہ ایسا ہے جو اب تک اپنی اصلی گوت سے کشمیر میں نہیں بلکہ پنجاب میں مشہور ہے۔ اس کا نام ببھتی ہے۔ ببھتی چندربنسی خاندان سے ہیں۔

حکومت جموں وکشمیر نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں مسلمان اقوام کے صرف چند ہی نام بتائے ہیں۔ اگر تمام اقوام کی نام بنام مردم شماری بتائی جاتی تو شاید کشمیر میں بھی ببھتی قوم کا وجود نظر آجاتا۔ چند اقوام کے نام بتا کر آخر میں مسلمانوں کی دیگر اقوام لکھ کر ان کی مردم شماری ۱۹۲۳۱۴ء بتادی گئی ہے۔ البتہ ڈرو صاحب نے اپنی کتاب جموں وکشمیر میں کشمیر کے ببھتی راجپوتوں کا وجود تسلیم کیا ہے۔

کشمیر میں جس طرح اور اقوام آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوگئی تھیں، اسی طرح یہ قوم بھی جس کی سیاسی وزرعی حیثیت دیگر زمیندار اقوام سے کم نہ تھی انہی ایام میں مشرف باسلام ہوچکی تھی۔

<u>لون</u>: آج سے تقریباً ایک سو پچاس سال پیشتر سب سے پہلے اسی قوم کا نام راج ترنگنی میں بعہد راجہ ہرش (۱۱۰۱ء) لوینا نام سے آتا ہے۔ چنانچہ راج ترنگنی حصہ اول کے صفحہ ۲۳، پر فٹ نوٹ میں سین صاحب لکھتے ہیں:

"لوینا قوم کے لوگ جن کا ذکر اس جگہ پہلی مرتبہ آیا ہے، ان ملکی تقاریب میں بہت سا حصہ لیتے رہتے ہیں۔ جن کا ذکر راج ترنگی میں آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کی دیہاتی آبادی کا نہایت اہم حصہ تھے۔ چنانچہ تنتریوں (موجودہ نام تانترے) کے نام کی طرح ان کا نام بھی آج تک لونی یا لون کی صورت میں برابر قائم ہے۔"

یہ طبقہ کس زمانہ میں مشرف باسلام ہوا؟ اس کے متعلق قیاساً یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے کشمیر آنے سے پیشتر اور بہت زیادہ ان کے قیام کشمیر کے دوران دیگر اقوام کے ساتھ مسلمان ہوگئے ہوں گے۔ رپورٹ مردم شماری جموں وکشمیر بابت

۱۸۹۱ء میں لون قوم کو راجپوت تسلیم کیا گیا ہے۔

ڈار: سر والٹر لارنس "دی ویلی آف کشمیر" میں لکھتے ہیں: "وہ شیوخ جو کھتریوں سے مسلمان ہوئے ہیں، اپنے گوں میں جنگجو خون رکھتے ہیں اور ان کی اصلی ذاتیں حسب ذیل ہیں: ڈار، تانترے، ماگرے، ڈانگر، ریتہ، راتھر، ٹھاکر، نایک۔"

تاریخ حسن کے مصنف نے بھی ڈار قوم کو راجپوتوں کی ایک اعلیٰ شاخ تسلیم کیا ہے۔ تاریخ گلشن کشمیر میں ڈار قوم کے متعلق لکھا ہے: "ڈار طبقہ کھشتریوں کی ایک بڑی شاخ ہے اور اس قوم نے قدیم ہندو راجگان اور سلاطین کشمیر کے زمانے میں جس جنگی قابلیت کا ثبوت دیا ہے، وہ بھی ان کو کھشتری ہی ثابت کرتی ہے۔"

ڈار قوم سارے کشمیر میں پھیلی ہوئی ہے اور کشمیر سے باہر بھی اس قدیم لڑاکا قوم کے افراد پائے جاتے ہیں۔

دار: کشمیر میں بہت سی ذاتیں اور گوتیں ایسی ہیں کہ ان کے ناموں ہی سے ان کی کیفیت اور وجہ تسمیہ معلوم ہو جاتی ہے۔ بعض ایسی ہیں کہ تاریخ کے عمیق مطالعے سے بھی کچھ معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان کی کیفیت یا وجہ تسمیہ کیا ہو سکتی ہے۔ ایسی ہی ایک ذات دار ہے۔

ویسے اس نام کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دار اور ڈار دراصل ایک ہی نام ہے۔ کسی زمانہ میں کسی بزرگ کے نام کے ساتھ ڈار کی جگہ غلطی سے دار لکھا گیا۔ پھر نقل در نقل چلتے ہوئے ڈار کا دار ہی رہ گیا۔ دار قوم کی آبادی بھی زیادہ نہیں ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی علاحدہ قبیلہ نہیں ہے، بلکہ کسی قبیلہ کی شاخ ہے جو کسی نامعلوم وجہ سے اپنے مرکز سے علاحدہ ہو گئی ہے۔ کشمیر کے دیہات و قصبات میں اس قوم کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ سرینگر خاص میں عالی کدل اور راجوری کدل میں ان کے چند گھر پائے جاتے ہیں۔

پال: مصنف تاریخ راجپوت نے پال قوم کے بارے میں لکھا ہے:

"پال راجپوتوں کی ایک قوم ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں یہ قوم مسلمان ہو گئی تھی۔"

اس وقت کشمیر میں یا پنجاب میں جو پال خاندان موجود ہیں ان کا بھی بیان ہے کہ "وہ راجپوت ہیں اور ان کے بزرگ شمالی ہند میں راج کیا کرتے تھے۔"

کشمیر میں پال طبقہ کے گھر کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ مولانا خواجہ شمس الدین چک بادشاہوں کے زمانہ میں کشمیر کے ایک نامور عالم گزرے ہیں۔ یہ بھی پال طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مصنف تاریخ اعظمی نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"اعلم علمائے دہر و مرجع فضلائے شہر بود۔ در زمانِ مرزا حیدر بسبب حق گوئی از میان علماء امتیاز داشت و بحث ہائے با علمائے میرزا کرد و غالب شد۔"

کشمیر کے چند ایک پال خاندان پنجاب میں بھی ہیں۔ (ماخذ: "تاریخ اقوام کشمیر" مؤلف محمد الدین فوق ۱۹۸۰ء) ●●

بیانِ ملکیت سہ ماہی خدا بخش لائبریری جرنل اور دیگر تفصیلات
مطابق فارم نمبر ۴، قاعدہ نمبر ۸

۱۔ مقامِ اشاعت : خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴

۲۔ وقفہ اشاعت : سہ ماہی

۳-۴۔ پرنٹر و پبلشر کا نام : مصطفیٰ کمال ہاشمی

قومیت : ہندستانی

پتا : اسسٹنٹ لائبریرین، خدا بخش لائبریری پٹنہ

۵۔ ایڈیٹر کا نام : عابد رضا بیدار

قومیت : ہندستانی

پتا : ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۔ ۴

۶۔ ملکیت : خدا بخش لائبریری، پٹنہ ۔ ۴

میں مصطفیٰ کمال ہاشمی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے ساتھ درست ہیں

دستخط پبلشر : مصطفیٰ کمال ہاشمی

یکم فروری ۱۹۹۲ء
یکم جولائی ۱۹۹۲ء

بابری مسجد رام جنم بھومی دستاویزات

- پاکستان کی بابری مسجد — ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی
- مسجد شہید گنج — جناب محمد عبداللہ قریشی
- حال شہید گنج — جناب نور احمد چشتی

شاہجہاں کے عہد کی بنوائی ہوئی مسجد شہید گنج جو جولائی ۱۹۳۵ء تک مسجد کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن تیرہ چودہ سال بعد پاکستان بنا تو ـــــ اور اس کے بعد آج تک کسی پاکستانی حکومت نے اُسے مسجد نہیں بنایا ـــــ اس لیے کہ عدالت کے فیصلے کے بموجب وہ مسجد مارچ ۲۸ء میں گوردوارہ قرار دیدی گئی تھی۔ صرف اس بنا پر کہ سکھوں کے عہد میں ایک طویل مدت تک وہ مسجد نہیں رہی تھی۔ پھر پاکستان بننے کے بعد آج ۴۵ سال ہونے کو آئے، پاکستان کی کٹر سے کٹر اسلامی حکومت نے عدالت کے فیصلے کے احترام اور اس سے کہیں زیادہ اپنے یہاں اقلیت کے ایک علامتی نشان کے طور پر بھی اُسے نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں، اس کو مسجد بنانے کا تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے!

بڑا بھائی چھوٹے بھائی کی جاگیر کی حفاظت ہی نہیں کرتا، اُسے جاگیریں بھی بخش دیتا ہے۔ بڑا دل کرنا پڑتا ہے بڑے بھائی کو!

• ظ ر ب

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی مرحوم

پاکستان کی بابری مسجد

مسجد شہید گنج کا قضیہ

لاہور کے ریلوے اسٹیشن سے دہلی دروازے کی طرف جائیں تو ٹیکنیکل اسکول کے عقب میں جہاں لنڈا بازار شروع ہوتا ہے، ایک بہت پرانی مسجد کھڑی تھی، جسے عام طور پر مسجد شہید گنج کہا جاتا تھا۔ یہ مسجد شاہجہاں کے عہد میں ایک شخص عبداللہ خاں نے تعمیر کی تھی۔ جو دارا شکوہ کا خانساماں تھا اور اپنے آقائے نامدار کی مہربانی سے کچھ عرصے کے لیے لاہور کا کوتوال بھی بن گیا تھا۔

جب تک لاہور پر سکھوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا مسلمان اس مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھتے تھے۔

پنجاب کے مغل صوبیدار نواب معین الملک نے جب پنجاب سے سکھوں کی شورش مٹانے کے لئے جنگ و جدال کا سلسلہ شروع کیا تو مسجد سے متصل کوتوالی تھی۔ جہاں مجرموں کو سزا دی جاتی تھی۔ تعزیر و تادیب کے اسی دور میں بھائی تارو سنگھ کو بھی اس مقام پر مارا گیا۔ بھائی تارو سنگھ سکھوں کی نگاہ میں ایک بڑی مقدس اور برگزیدہ ہستی تھی چنانچہ سکھوں نے اس جگہ کو شہید گنج کا نام دے دیا۔ اور وہاں ایک سمادھی بھی تعمیر کر دی۔ رنجیت سنگھ کے ورود سے پہلے جب سہ حاکمانِ لاہور کی حکومت قائم ہوئی (گوجر سنگھ لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ بھنگی مسل کے تین سکھ تھے انھوں نے لاہور کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اپنے اپنے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا ۱۷۶۵ء تا ۱۷۹۹ء)۔ تو سکھوں نے بھائی تارو سنگھ کی سمادھی کے قریب سے فائدہ اٹھا کر اس مسجد پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ اس وقت سے یہ مسجد سکھوں کے قبضے میں چلی آ رہی تھی۔

مولوی نور احمد چشتی نے اپنی کتاب تحقیقاتِ چشتی ۱۸۶۴ء میں مکمل کی تھی۔ ان کے بیان کے مطابق ۱۸۴۴ء میں اِس مسجد پر گنڈا سنگھ اور گرودت سنگھ دو بھائی قابض تھے جو مسجد کی دکانوں کا کرایہ بھی وصول کرتے تھے اور مسجد کے صحن اور دالان کو لنگر خانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مسجد کے صحن میں لوہے کی ایک بہت بڑی کڑاہی ہر وقت بھنگ سے لبالب بھری رہتی تھی۔ جہاں سکھ مسافر بیٹھ کر بھنگ پیتے تھے۔

جون ۱۹۳۵ء میں یکایک پنجاب کے مختلف حصوں سے سکھوں کے جتھے لاہور آنا شروع ہوئے۔ اور ساتھ ہی شہر میں افواہ اڑنے لگی کہ سکھ مسجد شہید گنج کو مسمار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ افواہیں پایۂ یقین کو پہنچ گئیں تو مسلمان لیڈروں کے ایک وفد نے گورنر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس مسجد کو محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں دے دیا جائے اور جب تک

کہ اس تجویز پر باضابطہ عمل نہ ہو حکومت کو چاہیے کہ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کرے تاکہ مسجد کا فوری انہدام رک جائے۔ سر ہربرٹ ایمرسن پنجاب کے گورنر تھے۔ انھوں نے بات کو ٹال دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے وفد نے سکھ لیڈروں سے گفتگو کی۔ تو سکھوں نے کہا کہ اس بارے میں مسلمانوں کو مطمئن کر دیا کہ جب تک شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی مسلمانوں کی اس تجویز پر اچھی طرح غور نہیں کرے گی اس وقت تک مسجد مسمار نہیں کی جائے گی۔

ابھی یہ گفت و شنید جاری تھی کہ ۴ اور ۵ جولائی کی درمیانی شب میں سکھوں نے یکایک مسجد کو گرانا شروع کر دیا اور عجیب بات یہ ہوئی کہ انہدام سے قبل حکومت نے مسجد کے چاروں طرف مسلح فوج اور پولیس متعین کر دی تھی تاکہ مسلمان سکھوں کے اس فعل میں مداخلت نہ کر سکیں۔ گویا مسجد کا انہدام فوج اور پولیس کی نگرانی میں ہوا۔ جب مسلمانوں نے یہ نقشہ دیکھا تو بغیر کسی ضبط و نظم اور ترتیب کے مسجد کی طرف جانے لگے فوج نے بار بار گولی چلائی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔

اس کے ساتھ ہی حکومت نے مولانا ظفر علی خاں، ملک لال دین قیصر، میاں فیروز الدین احمد، ملک لال خاں، سید سرور شاہ گیلانی، سید حبیب، سید محمد شاہ وغیرہ کو گرفتار کر کے صوبے کے مختلف مقامات پر نظر بند کر دیا۔ اس کے بعد یہ تحریک ذمہ دار لیڈروں کے ہاتھ سے نکل کر بعض من چلے نوجوانوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ حکومت نے مسلمان اخبارات پر سنسر شپ بھی عائد کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعات کی صحیح اطلاع ہندستان کے دوسرے علاقوں میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔

جن چند نوجوانوں کے ہاتھ میں یہ تحریک چلی گئی تھی انھوں نے شاہی مسجد کو اپنا صدر مقام قرار دے کر سول نافرمانی شروع کر دی۔ دو دو، چار چار کی ٹولیوں میں مسلمان رضاکار شاہی مسجد سے نکل کر شہید گنج کی طرف بڑھتے تھے تو پولیس انھیں گرفتار کر لیتی تھی۔ ۱۹۳۶ء کے اوائل تک یہی صورت حال قائم رہی۔ اور سیکڑوں نہیں ہزاروں رضاکار جیلوں میں چلے گئے۔ اس وقت پنجاب کی حکومت پر تین بڑے مسلمان قابض تھے۔ ایک ملک فیروز خاں نون جو وزیر تعلیم تھے۔ دوسرے نواب مظفر خاں جو سر سکندر کی جگہ ممبر بنا دیے گئے تھے۔ اور تیسرے چودھری شہاب الدین جو مجلس قانون ساز کے صدر تھے۔ اگر ان تینوں میں سے کسی کے اندر بھی قومی حمیت و غیرت کی رمق ہوتی، تو اس حادثۂ خونچکاں سے متاثر ہو کر فوراً اپنے سرکاری منصب پر لات مار دیتا۔ لیکن یہ لوگ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔

۲۱ فروری ۱۹۳۶ء کو مسٹر جناح اس قضیے کا حل تلاش کرنے کے لیے لاہور تشریف لائے۔ ان کی تشریف آوری کے پس منظر میں یہ بات واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے پہلے سے اپنے اس خیال کا اظہار کر دیا تھا کہ جب تک لاہور کے مسلمان یہ جھگڑا چکانے کے لیے انھیں خود مدعو نہیں کریں گے اور اس بات کا وعدہ نہیں کریں گے کہ وہ مسٹر جناح کے فیصلے کے پابند رہیں گے، وہ لاہور نہیں جائیں گے۔ مشہور نومسلم بیرسٹر خالد لطیف گابا اس زمانے میں مرکزی اسمبلی کے رکن تھے۔

انھی کے توسل سے لاہور کے مسلمان لیڈروں نے مسٹر جناح کو لاہور آنے کی دعوت ارسال کی تھی۔

لاہور پہنچنے کے بعد مسٹر جناح نے تحریک کے لیڈروں اور صوبے کے گورنر سے ملاقات کی۔ گورنر نے کہا کہ اگر سول نافرمانی بند کر دی جائے، اور مسلمان مسجد کی بازیابی کے لئے آئینی طریق سے جدوجہد کریں تو وہ تمام قیدی رہا کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ تحریک کے کارکن سول نافرمانی بند کرنے پر رضامند ہو گئے، اور رات بھر میں جیلوں سے تمام قیدی اور دور دراز مقامات سے نظربند لیڈر رہا ہو کر لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔

ساتھ ہی ساتھ مسٹر جناح نے سکھ لیڈروں سے بھی ملاقاتیں شروع کیں اور انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ جذبہ مصالحت اور ہم وطنی کا خیال کر کے مسلمانوں کے ساتھ کوئی معقول سمجھوتہ کر لیں۔ مسٹر جناح نے انھیں سمجھایا کہ ملکی مفاد کے پیش نظر فرقہ وارانہ کشیدگی نہ سکھوں کے لیے مفید ہے نہ مسلمانوں کے لیے۔ چنانچہ سکھ لیڈروں نے جو کسی کی بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے، مسٹر جناح کی بڑی آؤ بھگت کی اور انھیں اپنے ہمراہ شہید گنج دکھانے کے لیے لے گئے حالانکہ وہ کسی مسلمان کا شہید گنج کے پاس سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

مسٹر جناح نے کم و بیش دو ہفتے لاہور میں قیام کیا۔ ۵ مارچ ۱۹۳۶ء کو دیال سنگھ کالج کی یونین نے انھیں اپنے ہاں مدعو کیا۔ کالج کا ہال کھچا کھچ سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ یونین کے صدر پروفیسر لاجپت رائے نے مسٹر جناح کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھیں ہندوستان کے مشہور لیڈر گوکھلے سے تشبیہ دی اور کہا کہ ہندوستان کی نجات کے لیے مسٹر جناح جیسا راست باز اور دلیر ڈکٹیٹر درکار ہے۔ جواب میں مسٹر جناح نے جو تقریر کی اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"میں اس کالج کی فضا کو اپنے لیے بالکل سازگار پاتا ہوں۔ یہ درس گاہ جیسا کہ فاضل مقرر نے ابھی کہا ہے، فرقہ پرستی کی بنیادوں پر قائم نہیں کی گئی۔ میرا ابتدا سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی نجات فرقہ پرستی کے ذریعہ سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں ماضی میں بھی اس عقیدے کا حامل رہا ہوں۔ اب بھی میرا یہ عقیدہ ہے۔ اور آئندہ بھی اسی عقیدے کا پیرو رہوں گا۔ آپ نے مسولینی اور ہٹلر ایسے ڈکٹیٹروں کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اس ملک کا ڈکٹیٹر بننے کی دعوت دی ہے۔ بحالات موجودہ ہم ہندوستان میں ڈکٹیٹر شپ قائم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ملک کا حقیقی ڈکٹیٹر وہی شخص بن سکتا ہے جس کے پاس ایسی قوت ہو کہ ہر خطاکار کو سزا دینے پر قادر ہو، اور وطن کی خدمت کرنے والوں کو انعام واکرام سے سرفراز کر سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی قوت ہم میں سے کسی شخص کے پاس بھی نہیں۔

"اس ملک میں کسی بے اصول، خائن اور بددیانت لیڈر کے لیے عوام کو الّو بنا لینا، اور ان سے حسب منشا کام لینا چنداں مشکل نہیں، بشرطیکہ وہ ان کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے فن سے واقف ہو۔ اس لیے جب تک ہم

وام کے معتدبہ حصے کی ذہنی اخلاقی اور سیاسی تربیت نہ کریں، اور جب تک عوام کا تربیت یافتہ عنصر صحیح لیڈر کی ہچان سے بہرہ ور نہ ہو، اور خود غرض رہنماؤں کو قیادت کی گدی سے علیحدہ کرنے کا شعور نہ رکھتا ہو، اس وقت تک ہم یح معنوں میں نمائندہ حکومت قائم نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے گوکھلے کا ذکر بھی کیا ہے کاش اس ملک میں اس ظیم الشان لیڈر کے پائے کے دو چار انسان اور ہوتے ... ہندوستان میں ہر چیز کی افراط ہے۔ خدا نے ہمیں ب کچھ دے رکھا ہے۔ لیکن انسان نے اس خطۂ ارضی کی نیک نیتی سے خدمت نہیں کی۔ اب بھی اگر انسان ہندستان ، بے لوث خدمت کرنے پر آمادہ ہو جائے تو ہمارا مستقبل درخشاں ہو سکتا ہے۔" (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۷ر مارچ ۱۹۳۶ء)

۷ر مارچ کو باشندگانِ لاہور نے مسٹر جناح کو خوش آمدید کہنے اور ان کی مصالحانہ کوششوں پر اظہار مسرت کرنے اؤن ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا جس کے صدر لاہور کے بشپ تھے۔ اس اجتماع کو دیکھ کر جس میں ہندو، سکھ بڑھ چڑھ کر مسٹر جناح کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے اس بات کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا کہ مسٹر جناح کس غیر معمولی ے کے مالک تھے۔ ایسی حالت میں کہ شہید گنج کے حادثۂ فاجعہ کی وجہ سے فرقہ وارانہ کشیدگی زوروں پر تھی اور دلوں پر کدورت ہائی تھی، سکھوں کا مسٹر جناح کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مقررین میں سردار سمپورن سردار اجل سنگھ، پنڈت نانک چند اور مسٹر کے ایل رلیا رام شامل تھے۔

پنڈت نانک چند نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ "افسوس ہے کہ مسٹر جناح کانگریس سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اگر وہ میں رہتے تو ملک کی حالت یقیناً آج سے کہیں بہتر ہوتی۔" جواب میں مسٹر جناح نے تقریر کی تو پنڈت نانک چند کے ان رف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

".... جب میں پہلی مرتبہ کانگریس میں شامل ہوا تھا اس وقت سے لے کر اب تک میرے خیالات میں ذرہ برابر یلی نہیں ہوئی۔ ممکن ہے گاہے گاہے مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہوں، لیکن میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں ے جو کچھ کیا اس میں فرقہ پرستی کی روح کار فرما نہ تھی۔ میرے پیش نظر صرف مادرِ وطن کی بہتری اور فلاح و بہبود تھی ین جانئے کہ آئندہ بھی ہندوستان ہی کی خدمت میرا مدعا و مقصود رہے گا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت مجھ کو اس متعین اور ضح راستے سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہٹا سکتی" (دیال سنگھ کالج اور ٹاؤن ہال کی تقریروں کے اقتباس یہاں ج کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ۱۹۳۶ء کے اوائل میں مسٹر جناح کے سیاسی خیالات زائم کیا تھے۔ اور وہ اپنے ملک کی خدمت کن خطوط پر کرنا چاہتے تھے صرف ڈیڑھ سال کے بعد یعنی ۱۹۳۷ء کے

وسط میں کانگریس کی غلط اور تباہ کن پالیسی نے اس کوہ پیکر شخصیت کو اس قدر مایوس کر دیا کہ اسے مجبوراً اپنی قوم کے حفظ و بقا کے لیے نئی راہ تلاش کرنا پڑی)۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

مسٹر جناح ۷ مارچ کو واپس دہلی تشریف لے گئے۔ واپسی سے پہلے انھوں نے شہید گنج مصالحتی بورڈ کے نام سے ایک کمیٹی بنائی جس کے ارکان مندرجہ ذیل اصحاب تھے۔

علامہ اقبال۔ مولوی عبدالقادر قصوری۔ میاں عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لا۔ راجہ نریندر ناتھ۔ پنڈت نانک چند بیرسٹرایٹ لا۔ سردار بوٹا سنگھ ایڈووکیٹ۔ سردار ابجل سنگھ۔ سردار سمپورن سنگھ۔ میاں احمد یار خاں دولتانہ (کنوینر)۔

رخصت ہوتے وقت مسٹر جناح نے اخبارات کو ایک طویل بیان دیا۔ اور فرقہ وارانہ مصالحت پر زور دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:

"۔۔۔ یہ جھگڑا دو افراد میں نہیں بلکہ دو بڑے فرقوں کے درمیان ہے اس لیے دونوں فرقوں کی آراء کی جانچ تول کرنے کے لیے وقت درکار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس دوران میں ہمیں اپنی مصالحانہ کوششوں کو بدستور جاری رکھنا چاہیئے تاکہ باہمی تصفیہ جلد از جلد ہو سکے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس غرض کے لیے مختلف قوموں کے ذمہ دار افراد پر مشتمل ایک بورڈ بنا دیا جائے جس کا نام شہید گنج مصالحتی بورڈ ہو۔ اور اس بورڈ کے ذمے یہ کام ہو کہ افہام و تفہیم سے تصفیہ کا کوئی قابل قبول حل تلاش کرے۔ میری خدمات اس بورڈ کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔ اگر آئندہ میرا یہاں آنا ضروری ہوا تو میں سو کام چھوڑ کر لاہور پہنچ جاؤں گا۔"

مسٹر جناح کی کوشش سے پنجاب میں صلح و آشتی کی جو فضا پیدا ہو گئی تھی اس پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے لاہور کے اینگلو انڈین اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے انگریز ایڈیٹر کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ پنجاب کے مقامی مسلمان لیڈروں کی ناکامی اور مسٹر جناح کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ مسٹر جناح کا بڑے سے بڑا مخالف بھی انھیں "سرکار پرستی" کا طعنہ نہیں دے سکتا انھیں ہمیشہ "بائیں بازو" (لفٹسٹ) کا لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کے "بائیں بازو" کے سیاسی رجحانات ہی کی وجہ سے بیک وقت حکومت اور مسلمانوں نے ان کی بات کو سننا اور ماننا منظور کر لیا ہے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

سول نافرمانی ہی کے زمانے میں شہید گنج لیگل ڈیفنس کمیٹی کے اہتمام سے لاہور کے ڈسٹرکٹ جج مسٹر سیسل کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا گیا تھا۔ بنائے دعوےٰ یہ تھی کہ چونکہ شرع اسلام کی رو سے مسجد ہمیشہ مسجد رہتی ہے اور کوئی شخص اس پر قابض ہو کر مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے سے منع نہیں کر سکتا لہذا مسلمانوں کو مسجد شہید گنج میں نماز پڑھنے کی اجازت مل جائے۔ ملک برکت علی اور ڈاکٹر محمد عالم اس دعوے کی پیروی کر رہے تھے۔

۲۵ مئی ۱۹۳۶ء کو مسٹر سیل نے مسلمانوں کا دعویٰ خارج کر دیا اور مسجد شہید گنج پر سکھوں کا قبضہ مخالفانہ تسلیم ہوئے فیصلہ کیا کہ عام جائداد غیر منقولہ کی طرح مسجد بھی فریق ثانی کے مخالفانہ قبضے میں جا کر اپنی اصل حیثیت کھو بیٹھتی ہے ۔ اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی ۔

۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء کو لاہور کی عدالت عالیہ کے فل بنچ کے سامنے جس میں چیف جسٹس ینگ، جسٹس بھڈے اور جسٹس دین محمد شامل تھے، شہید گنج کی اپیل پیش ہوئی اور کئی روز تک بحث جاری رہی ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو چیف جسٹس نے کہا کہ بحث کے دوران میں چند نئے تنقیح طلب امور سامنے آئے ہیں جن پر عدالت عالیہ فریقین کے مزید دلائل سننا چاہتی ہے ۔ وہ چند امور یہ تھے :

۱ ـــــ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس دعوے پر قانونِ میعاد کا اطلاق ہوتا ہے تو کیا اس تاریخ سے جب مسجد شہید گنج مسمار کی گئی تھی، نئی میعاد کا آغاز ہونا چاہیئے ؟

۲ ـــــ اگر محولہ بالا شق تسلیم کی جائے، تو کیا مسجد یا مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو یہ حق ہے کہ مدعا علیہم کے نام عدالت سے اس نوع کے حکم امتناعی کے اجرائی کی درخواست کریں کہ مدعا علیہم مسجد کو دوبارہ تعمیر کریں ۔

۳ ـــــ اگر ایسا حق موجود ہے تو کیا عدالت اس نوع کا حکم امتناعی جاری کرنے کی مجاز ہے ؟

۴ ـــــ کیا عدالت اس نوع کا حکم امتناعی جاری کر سکے گی، اور کیا اس حکم امتناعی پر عملدرآمد ہو سکتا ہے ؟

ملک برکت علی نے آئندہ پیشی کے لیے کچھ مہلت طلب کی تاکہ بیرون پنجاب سے کسی اچھے قانون دان کی مدد حاصل کی جا سکے ۔ چیف جسٹس نے ملک صاحب سے کہا: "آپ نے اب تک نہایت فاضلانہ بحث کی ہے۔ تاہم آپ کوئی اور وکیل بلانا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔"

اب سوال یہ تھا کہ باہر سے کس کو بلایا جائے ۔ غلام رسول خاں نے ۱۹ دسمبر کو ذیل کا خط مسٹر جناح کو لکھا :

"ڈیئر مسٹر جناح! شہید گنج کی اپیل اب ایک نہایت اہم منزل پر پہنچ گئی ہے ۔ ہائی کورٹ کے سامنے بحث مکمل ہو چکی ہے ۔ لاہور کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ اب کہ امید کی ایک کرن پھوٹتی نظر آتی ہے آپ خود یہاں تشریف لائیں تاکہ اس عمارت کی آخری اینٹ آپ کے مضبوط ہاتھوں سے رکھی جائے ۔ ہماری اور مسلمانانِ لاہور کی طرف سے ملک برکت علی آپ سے ملنے کے لیے بمبئی حاضر ہوں گے اور تفصیل سے زبانی سب کچھ عرض کریں گے ۔

میں یہاں ایک چھوٹی سی بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ۔ ابتدا میں جب ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں مسجد کا دعویٰ دائر کیا گیا تھا تو ملک برکت علی اور ڈاکٹر محمد عالم پیروی کرتے تھے ۔ اس دوران میں ڈاکٹر محمد عالم نے تو مجلسِ اتحادِ ملت کے

ٹکٹ اور مسجد شہید گنج کے نام پر اپنی الکشن بھی جیت لی تھی۔ لیکن جب وہ اسمبلی کے ایوان میں داخل ہوئے تو تمام وعدے وعید فراموش کر کے کانگریس پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ان کے اس فعل سے مسلمان سخت برافروختہ ہوئے۔ چنانچہ جب مسجد کی اپیل ہائی کورٹ میں پہنچی تو مدعیوں نے ڈاکٹر عالم سے مختار نامہ واپس لے لیا اور اب تنہا ملک برکت علی پیش ہو رہے تھے۔

کرسمس کی تعطیل شروع ہوئی تو ملک برکت علی بمبئی روانہ ہوئے تاکہ مسٹر جناح سے مل کر زبانی گفتگو کریں۔ ان کے ارشاد کی تعمیل میں راقم التحریر بھی ان کے ہمراہ بمبئی گیا۔ مسٹر جناح سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ وہ اس سے قبل فروری ۱۹۳۶ء میں ایک ثالث بالخیر بن کر لاہور گئے تھے تاکہ سکھوں اور مسلمانوں میں مصالحت کرا سکیں۔ اُن کی اسی حیثیت کی وجہ سے سکھوں اور ہندوؤں نے بھی بڑی گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ اب اسی جھگڑے میں ایک فریق کا وکیل بن کر لاہور جانا ان کے لیے مناسب نہیں۔ اس کے بعد انھوں نے مشورہ دیا کہ بمبئی کے ایک انگریز بیرسٹر مسٹر ایف جے کولٹ مین کی خدمات حاصل کر لی جائیں تو بہتر ہوگا۔

۱۰ رجنوری ۱۹۳۸ء کو شہید گنج کی اپیل پر عدالتِ عالیہ میں مزید بحث ہوئی اور مسٹر کولٹ مین پیش ہوئے۔ ۲۶ رجنوری کو عدالت عالیہ نے اپنا فیصلہ سنایا اور اپیل خارج کر دی۔ چیف جسٹس ینگ اور جسٹس بھڈے نے متفقہ فیصلہ کیا کہ جہاں تک قبضہ مخالفانہ کا تعلق ہے، مسجد کو عام جائدادِ غیر منقولہ سے الگ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے مسلمانوں کا شہید گنج میں نماز پڑھنے کا حق مدت ہوئی ساقط ہو چکا ہے۔ جسٹس دین محمد نے اس رائے سے اختلاف کیا اور اپنا فیصلہ الگ لکھا۔

انھوں نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ قانونِ میعاد ہند، یا پنجاب لاز ایکٹ نے اس ضمن میں شرعِ محمدی میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اور بدیں وجہ جب مسجد کو عام دنیاوی اغراض سے الگ کر کے محض خدائے واحد کی عبادت کے لیے وقف کر دیا جاتا ہے تو قانون رائج الوقت کے تحت بھی اس کی حرمت و تقدیس ابدالآباد تک قائم رہتی ہے۔

۳۰ رجنوری کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تاکہ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے سے جو تشویشناک صورت پیدا ہو گئی تھی اس پر غور کیا جائے۔

اعلان کیا گیا کہ مسجد شہید گنج کی بازیابی ہندوستان کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن چکا ہے۔ اس لیے آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک اجلاسِ خصوصی عنقریب اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے اور آئندہ کے طرزِ عمل پر غور کرنے کے لیے منعقد کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ یکم فروری کو ہندوستان بھر میں "یومِ شہید گنج" منایا جائے اور مسلمان جگہ جگہ جلسے کر کے مسلم لیگ کی اس قرارداد کی تائید کریں۔

ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے بعد لاہور کے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا، اور جلوس پر جلوس نکلنے لگے۔ ملک برکت علی نے تحفظ مساجد کا مسودہ قانون مرتب کر کے اسمبلی میں پیش کرنے کا نوٹس دے دیا۔ ملک برکت علی کے بل نے پنجاب بھر

میں جوش و خروش کی ایک لہر طاری کردی تھی۔ اپنا اور بیگانے دونوں بڑے اضطراب سے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن سر سکندر نے تمام قیاس آرائیوں کا خاتمہ کر دیا۔ انھوں نے گورنر کو مشورہ دیا کہ بل اسمبلی میں پیش کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ گورنر نے اپنے اختیاراتِ خصوصی کو کام میں لا کر اعلان کر دیا کہ بل اسمبلی میں پیش نہیں کیا جا سکے گا۔

۱۶ر مارچ ۱۹۳۸ء کو سر سکندر نے پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں اپنے اس رویے کی حمایت میں ایک زبردست تقریر کی۔ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ممبر گورنر کی آنکھ کا اشارہ دیکھ کر سر سکندر کے ہم نوا بن چکے تھے۔ یہاں تک کہ ان تمام ممبروں نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفے لکھ کر سر سکندر کے حوالے کر دیئے تھے

سر سکندر نے اپنی تقریر میں ملک برکت علی کے بل پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا کہ اگر آج مسلمان اسمبلی میں خاص قانون بنوا کر شہید گنج پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو کل کو ہندو بھی یہ مطالبہ کریں گے کہ جن مندروں پر مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں قبضہ کر لیا تھا وہ ان سے واپس لیکر ہندوؤں کے حوالے کیے جائیں۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ ہندستان کے گیارہ میں سے سات صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ اگر پنجاب کے مسلمانوں نے اپنے صوبے کی اقلیت سے اچھا سلوک نہ کیا تو سات صوبوں میں مسلمانوں کی حالت سخت خراب ہو جائیگی۔ تیسرا اعتراض یہ تھا کہ صوبے کی سب سے بڑی عدالت جو فیصلہ کر چکی ہے۔ اس کو مجلسِ قانون ساز کے زور سے توڑ دینا کسی قاعدے سے جائز نہیں۔

سر سکندر نے اپنی تقریر کے دوران میں کئی دفعہ ملک برکت علی کی طرف دیکھ کر کہا: "اگر اسمبلی کے مسلمان ممبروں کی اکثریت میرے اس طرزِ عمل سے اختلاف ہے تو میں اور میرے دونوں مسلمان وزیر ابھی مستعفی ہونے کو تیار ہیں۔ ۔ میں اس سے بھی ایک قدم آگے جا کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میرے اور میرے دونوں مسلمان وزیروں کے مستعفی ہونے سے شہید گنج مسلمانوں کو واپس مل سکتی ہے تو ہم ابھی استعفا دینے کو تیار ہیں"۔

ملک برکت علی سب کچھ سن رہے تھے اور بار بار یونینسٹ پارٹی کے ان مسلمان ممبروں کی طرف دیکھتے تھے جنھوں نے چند روز ہوئے اخباروں میں اعلان کیا تھا کہ وہ تحفظِ مساجد کے بل کی حمایت میں جانیں لڑا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملک برکت علی چاروں طرف سے نرغۂ اعدا میں گھر گئے تھے۔ مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد سر سکندر کو مبارکباد کے تار بھیجے تھے۔ کانگرسی اور مہاسبھائی ہندو۔ اکالی اور غیر اکالی سکھ نیشنلسٹ اور یونینسٹ مسلمان سر سکندر کی حمایت میں آوازیں بلند کر رہے تھے۔

(ماخذ "اقبال کے آخری دو سال" از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی
کراچی ۱۹۶۹ء)

جناب محمد عبداللہ قریشی

مسجد شہید گنج

لنڈا بازار میں جس جگہ کو اب شہید گنج کہتے ہیں وہاں مزار شاہ کاکو چشتی متوفی ۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء، مقبرہ میر معین الملک عرف میر منو[1] (وفات ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء) اور ایک پختہ مسجد ہوتی تھی جس کے ساتھ حمام بھی تھے۔ مسجد کے تین گنبد اور تین محرابیں تھیں۔ یہ مسجد دارا شکوہ کے خان ساماں عبداللہ خاں[2] نے ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء میں بنوائی تھی۔ بعد میں وہ لاہور کا کوتوال ہو گیا تھا اور اسی مسجد کے قریب نخاس میں جلوس کیا کرتا تھا۔ سکھوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں اس مسجد اور مقبرہ کو گوردوارہ میں تبدیل کر کے شہید گنج نام دے دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس جگہ مغلوں کے آخری گورنر نواب میر معین الملک عرف میر منو نے فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں سکھوں کو قتل کیا تھا اور وہ ان کی یاد باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے میر منو کا مقبرہ جو بارہ دری کی صورت میں تھا اسی وقت مسمار کر کے اس کی لاش ضائع کر دی تھی مگر باقی اسلامی عمارتیں انگریزوں کے عہد تک کسی نہ کسی طرح برقرار تھیں۔ مسلمان ان کا مطالبہ کرتے تھے مگر سکھ نہیں مانتے تھے۔ آخر ۹ جولائی ۱۹۳۵ء کی رات کو ماسٹر تارا سنگھ کے مشورے سے اکالی جماعت نے انگریزی کرنیوں اور انگریزی پولیس اور فوج کی حفاظت میں اس مسجد اور مزار شاہ کاکو چشتی کو مسمار کر دیا۔

---

[1] میر منو نواب قمرالدین خاں وزیر محمد شاہ کا فرزند تھا۔ وہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ سکھ اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ اس کا مزار ایک بارہ دری کی صورت میں تھا۔ راجہ شیر سنگھ کے عہد میں اس کی قبر اکھاڑ کر اس کی آرام گاہ مٹا دی گئی اور اس کی جگہ شراب کی دکان قائم کر دی گئی۔

[2] "عبداللہ خاں دراصل سعید خاں بہادر ظفر جنگ کا چہیتا لڑکا تھا۔ اسے اپنے والد کی وفات پر جو شاہ جہاں کے چھبیسویں سال میں واقع ہوئی، منصب دو ہزاری سے سرفراز کیا گیا۔ وہ شہزادہ اورنگ زیب کے ہمراہ کابل گیا۔ اس کے بعد کابل کا والی بھی مقرر ہوا۔ آخر عہد شاہجہانی میں شہزادہ سلطان شکوہ کے ساتھ رہا۔ جنگ تخت نشینی کی ابتدا میں سموگڑھ کے مقام پر وہ دارا شکوہ کے ساتھ تھا۔ جب دارا شکوہ لاہور آیا تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اورنگ زیب کے ہمراہ ہو گیا اور پھر وہیں رہا۔ ممکن ہے اس نے اپنے قیام لاہور کے دوران یہ مسجد تعمیر کی ہو۔" —— (لاہور کے آثار قدیمہ۔ امروز لاہور ۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء)

مسلمان اس واقعہ پر بلبلا اُٹھے۔ ان کی آنکھوں سے اشکوں کی بجائے خون برسنے لگا۔ وہ جتھے بنا بنا کر مسجد حاصل کرنے کی خاطر شہید گنج کی جانب روانہ ہوئے۔ حکومت نے انھیں روکنے کے لیے سڑک پر خاردار جنگلے لگا دیے۔ مولانا ظفر علی خاں، ملک لال خاں، مولانا سید حبیب اور اس تحریک کے دیگر پرجوش رہنماؤں کو نظربند کر لیا اور ۱۹-۲۰ جوانوں کو کئی سرفروش گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیے۔ اس وقت ایمرسن صاحب پنجاب کے گورنر اور مسٹر ایس پرتاب ڈپٹی کمشنر لاہور تھے جو خود بھی سکھ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد سے تقسیم پاک و ہند تک پولیس کی خاص چوکیاں گوردوارہ شہید گنج اور سکھوں کی حفاظت کرتی تھیں۔ اب بھی یہ جگہ سکھوں کے لیے محفوظ ہے اور مسلمان سپاہی پہرا دیتے ہیں۔ —————— (ماخذ "نقوش" لاہور، فروری ۱۹۸۲ء)

جناب نور احمد چشتی مرحوم

حالِ شہید گنج

(ص ۶۹۲) دہلی دروازہ کے باہر، شرقی رویہ بازار لنڈا و سرائے محمد سلطان ٹھیکہ دار سرکار انگریزی جنوب رویہ سرا۔ ایک مسجد قدیم پختہ ریختہ کار کھڑی ہے۔ عہد چغتائی میں یہ نواح بنام چوک دارا مشہور تھا کیونکہ حویلیاں محمد دارا شکوہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں ہی تھیں۔ بعد نظامت عبداللہ خاں برادر نواب خاں بہادر، جس کو خاتمہ حکومت اہل اسلام کہنا چاہیئے، مسجد ہذا پر قبضہ مو پسراں چلا آتا ہے۔ قابض حال مسمی گنڈا سنگھ۔ نیچے مسجد ہذا دیوار بدیوار آٹھ دکانیں بھائی جیون سنگھ پدر گنڈا سنگھ۔ سمت ۱۸۷۰ بکرما جیتی میں بنوائی تھیں جو تا حال موجود ہیں۔ روبرو اس مسجد کے مکان شہید گنج معبد سکھاں ہے۔ چونکہ وہاں اکثر آمد و شد سکھاں رہتی ہے اس باعث سے یہاں بھی ایک چھوٹا سا بجائے خود بازار آباد ہو گیا ہے۔

دروازہ مسجد شمال رویہ سر راہ محرابی خشتی۔ اس کی بغلوں میں بطرف شرق و غرب دو کھڑیاں اس کے اوپر ایک مکان سہ منزلہ ہے جس کی سقف اول میں بھائی کاہن سنگھ صاحب کا پلنگ بچھا ہوا ہے۔ یہ کاہن سنگھ بڑا متعبد فقیر تھا۔ عرصہ چھ سال کا گذرا ہے کہ وہ زاویہ نشین عدم ہو گیا ہے۔ اس پلنگ پر وہ استراحت فرمایا کرتے تھے۔ اس باعث سے تمام سکھ لوگ اس کا ادب کرتے ہیں۔ اور مسجد کے تین گنبد۔ اب محرابوں کو بند کر کے طاق تختے سکھوں نے لگائے ہیں۔

بعد تلاش مالا کلام معلوم ہوا کہ بانی اس مسجد کا مسمی عبداللہ خان خانساماں دارا شکوہ کا تھا۔ شمال رویہ مسجد کے فیمابین مکان رسول شاہیاں شہید (ص ۶۹۳) بنگلہ ایک حمام پختہ عالیشان گنبد کلاں والا مینہ دارا شکوہ عبرت افزائے دیدہ نظارگیان دشوار پسند کھڑا ہے۔ کرایہ اس کا اب گنڈا سنگھ و گورودت سنگھ لیتے ہیں۔ سبحان اللہ و الحمد للہ۔ وہ حمام باہتمام عبداللہ خان ۱۰۴۰ میں تعمیر ہوا تھا۔ بعد اتمام اس حمام کے یہ مسجد ۱۰۴۴ میں اس تقریب سے اس نے بنا کرائی کہ چند عرصہ کے واسطے وہ عبداللہ خان کوتوال لاہور مقرر ہو کر مقام نخلس میں جلوس کیا کرتا تھا۔ اب اس مقام نخلس کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ ابتدائے عملداری انگریزی میں ایک دروازہ کلاں عالیشان اس نخلس کا کاشی کار، ہمشکل دروازہ مسجد وزیر خان مرحوم، سر راہ شمال رویہ اس سڑک کے قائم کھڑا تھا مگر محمد سلطان صاحب کی مہربانی میں داخل ہو مسمار کرایا گیا۔

(ماخذ: تحقیقات چشتی۔ از نور احمد چشتی، لاہور، ۱۸۶۴ء)

مسلمان اور سائنس

علم کیمیا کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

تصنیف : ڈاکٹر فواد سیزگین
ترجمہ : ڈاکٹر خورشید رضوی

'ارسطو کی گاڑی کے قلیوں' نے
کیا خود بھی کچھ کام کیا ہے؟
فلسفہ میں، منطق میں،
اور خاص کر سائنس میں!

سیز گمین نے اس موضوع پر جو مفید خطبات دیے ہیں، پاکستان کے صف اوّل کے سائنس دان و فکر و نظر نے انھیں اپنے چند شمارے میں ترجمہ کر دیا۔ موضوع ایسا ہے جس پر بہت کم لکھا گیا اور لوگوں کو پیاس رہتی ہے، اسلیے ہم نے مناسب جانا کہ 'جرنل' میں پیش کر دیں۔

—— ادارہ

علم کیمیا کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام

ڈاکٹر فؤاد سیزگین

ترجمہ : ڈاکٹر خورشید رضوی

علم تاریخ میں تاریخ علوم کی حیثیت ایک نسبۃ جدید شاخ کی ہے۔ تہذیب اور علوم کی عظیم الشان عمارت کی تشکیل میں حصہ لینے والی مختلف اقوام کی کارکردگی پر بالعموم صادر کئے جانے والے فیصلے بڑی حد تک نادرست ہیں ۔ ایسے فیصلے علم کیمیا کے حصہ میں بھی دیگر علوم سے کچھ کم نہیں آئے مگر یہاں ایک خاص مسئلہ درپیش ہے۔ وہ یہ ہے کہ علم کیمیا کے مؤرّخین اس کے ظہور کا تعلق اہل یونان سے نہیں جوڑ سکتے جیسا کہ دیگر علوم میں ان کے ہم چشموں کا دستور بن گیا ہے۔

دور جدید میں تاریخ کیمیا پیش کرنے کی اولین کوشش کا سہرا سویڈن کے عالم Torbern Bergman کے سر ہے جس نے ۱۷۷۹ اور ۱۷۸۲ء کے درمیانی وقفے میں اس موضوع پر دو کتابیں شائع کیں ۔ اُس کی رائے میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے کیمیا دان تھے اور اس شعبۂ علم کے پھلنے پھولنے اور ترقی پانے میں اہل مصر کا ، خصوصاً ھر مس کا بہت بڑا حصّہ تھا ۔ وہ ایک ایسے شخص سے بھی واقف تھا جو لاطینی دنیا میں Geber کے نام سے معروف تھا اور اُس کے خیال میں عربی الاصل تھا تاھم وہ تاریخ کیمیا میں اس کے مقام کا کچھ ذکر نہیں کرتا ۔

اس کا جرمن جانشین Joh. Christian Wiegleb جس نے ۱۷۹۰ ۔ ۱۷۹۲ء کے زمانے میں اس کی کتاب کی تکمیل کی ، اس بات کا قائل تھا کہ Geber اپنی کتاب Summa Perfectionis Magisterii کے سبب تاریخ کیمیا کی سب سے بڑی شخصیت تصور کیا جاتا ہے ۔

چند سال بعد ، یعنی ۱۷۹۷ اور ۱۷۹۹ء کے درمیان ، تاریخ کیمیا پر ایک اور کتاب سامنے آئی جو جرمنی کے Joh. Fr. Gemelin کی تالیف تھی۔اس نے علم کیمیا کی تاریخ کا آغاز بارھویں صدی عیسوی سے کیا تھا کیونکہ دورِ قدیم میں اس علم سے متعلق کوئی اھم چیز اسے معلوم نہ تھی ۔ وہ بھی Geber کو ، جو اس کے خیال میں بارھویں صدی عیسوی کا آدمی تھا ، تاریخ کیمیا کی سب سے بڑی شخصیت تصور کرتا تھا ۔ ۱۸۳۰ ۔ ۱۸۳۱ء میں شہر Glasgow میں Thomas Thomson کا یہ کہنا تھا کہ صحیح معنوں میں جن لوگوں نے کیمیا پر کام کیا وہ بلاشبہ عرب تھے اور یہ چیز باعث حیرت ہے کہ ھم دیکھتے ھیں کہ کیمیا کے بہت سے حقائق کیمیا دان Geber کے علم میں تھے ۔ اور ان حقائق کو ناروا طور پر بہت بعد کے علماء سے منسوب کیا جاتا

رہا ۔ انیسویں صدی عیسوی میں علم کیمیا کے بعض اور مورخین نے بھی موقف اختیار کرتے ہوئے کہا کہ Geber سے مراد ,,جابر " ہے اور اس کی اہمیت علم کیمیا کی مجموعی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے ۔
پھر فرانس کا ایک کیمیا دان M. Berthelot آیا اور ۱۸۹۳ء میں La Chimie au Moyen Age کے عنوان سے تاریخ کیمیا پر ایک ضخیم کتاب تین جلدوں میں تالیف کی ۔ جن میں سے ایک میں ، ہالینڈ کے مستشرق O. Houdas کی مدد سے ، جابر بن حیّان کی بعض عربی تحریریں مع فرانسیسی ترجمے کے شائع کیں ۔ یہ شخص برتلو [Berthelot] کہتا ہے کہ یہ بات ممکن نہیں کہ جابر بن حیّان جس نے کیمیا پر عربی میں کتابیں لکھیں وہی ان لاطینی کتابوں کا بھی مولّف تھا جو Geber کے نام سے ہم تک پہنچی ہیں ۔ کیونکہ علمی سطح نیز مسائل پر بحث اور پیش کش کے اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ مزید براں یہ محال ہے کہ عربوں کو یہ اہلیّت حاصل ہو کہ ایسی کتابیں تالیف کر سکیں ۔ جس لاطینی شخص نے یہ کتابیں تالیف کیں اس نے جابر سے منسوب کر کے اپنی کتاب کی اہمیت میں اضافہ کرنا چاہا اور ایسا کر کے اس شخص نے کیمیا کی ساری تاریخ میں ہمارے لئے گڑ بڑ پیدا کر دی ۔ برتلو کا یہ انداز کلام ایسا تھا گویا علوم عرب کی تاریخ ، بتمام و کمال ، اس حد تک اس کے علم میں تھی کہ وہ افکار پر حکم لگانے کی اہلیت رکھتا تھا اور یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ عرب فکر ہے اور یہ غیر عرب ۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں Julius Ruska نے جابر بن حیّان اور اس کے تاریخی [وجود کے] مسئلے سے متعلق کئی مقالات تحریر کئے ۔ روسکا ایک جرمن عالم ہے جس نے کمال نیاز مندی کے ساتھ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۴۰ء تک علوم عرب کی تاریخ پر کام کیا ۔ تاہم

سائنسی علوم سے مسلمانوں کے شغف کی ابتداء کے مسئلے پر اس نقطۂ آغاز ھی درست نہ تھا ۔ اور اسی سبب سے اس کی تاریخ م طرح طرح کے اُلجھاوے پیدا ہوئے ۔ وہ اپنے پہلے سے بنے بنائے خیالا سے متصادم نظریات کا سامنا کرنے کے قابل نہ تھا ۔ چنانچہ اس ; برتلو کے خیالات کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تاآنکہ Holmyard نے ۱۹۲۳ میں جابر کی کتابیں اور ان پر تحقیقات شائع کرنی شروع کیں۔

ہومیارڈ نے برتلو کے جواب میں کہا کہ اس نے جابر پر حکم لگانے او لاطینی کتب کی اُس سے نسبت کو رد کرنے میں بے سوچے سمجھے جلد بازی سے کام لیا ۔ ہومیارڈ نے کوشش کی کہ اس امر کا ثبوت بہم پہنچائے کہ یہ جابر ہی کی تالیفات کے تراجم ھیں ۔ اس نے جابر بن حیّان کی شخصیت میں ایک ایسے سائنسدان کو دیکھا جو دور جدید میں Pristley Lanoisier اور Boyle جیسے قدر آور کیمیا دانوں سے کسی طرح کم نہ تھا ۔ روسکا جو پہلے برتلو کا پیرو تھا ، اب ہو میارڈ کا پیرو بن کر تاریخ علوم میں جابر بن حیّان کے مقام کا دفاع اور اسے مسلمان علماء میں سے ایک بہت بڑی شخصیت تصوّر کرنے لگا۔ اس نے یہ اعتراف کر لیا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے سابقہ نظریات سے رجوع کر چکا ہے ۔ ۱۹۳۰ء تک وہ اسی کیفیت پر قائم رہا تاآنکہ اس کے ایک شاگرد P. Kraus نے برلن میں جابر بن حیّان کی بعض کتابوں پر تحقیق کی اور اپنا وہ خیرہ کن مقالہ لکھا جسے اس کے استاد روسکا نے ,,جابر بن حیّان کے افسانے کا خاتمہ ،، (۱) کے عنوان سے شائع کیا ۔ اب روسکا اس کا ہم نوا ہو گیا اور اپنی تمام سابقہ تائیدات سے جن میں اس نے ہومیارڈ کی ہمنوائی کی تھی ، دست برداری کا اعلان کر دیا اور ان تائیدات کو یہ کہہ کر کالعدم قرار دے دیا کہ اب وہ اپنی سابقہ آراء کی صحت کا قائل نہیں رہا ۔

اس ضمن میں کراؤس کے نظریات کی طرف متوجّہ ہونے سے پہلے میں چاہوں گا کہ یہاں اس امر واقع کی طرف توجہ دلاتا چلوں کہ جو بحث جابر بن حیّان کی تاریخی شخصیت کے حقیقی ہونے کے ثبوت پر جاری ہے،بڑی حد تک اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے مترادف ہے کہ علم کیمیا کی بنیادوں کی تعیین کیونکر کی جائے۔

علم کیمیا کے تمام مؤرخ جن کا ذکر ہوا ، یہی رائے رکھتے تھے کہ اس میدان میں تیرھویں صدی عیسوی سے لے کر Boyle اور Lavoisier جیسے جدید کیمیا دانوں کے عہد تک جو معلومات بھی ہمیں حاصل ہیں اور زیرِ بحث لائی جاتی ہیں سب کا سلسلہ بالآخر Geber سے جا ملتا ہے جس کی کتابیں بارھویں صدی عیسوی میں متداول تھیں ۔ جو لوگ اس نظریے کے حق میں ہیں کہ Geber کی لاطینی کتابوں کا عربی سے کوئی تعلق نہیں اور اس علمی سطح کا عربوں میں پایا جانا محال ہے،انہوں نے خود سے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ ایک غیر معروف شخص میں یہ اہلیّت کہاں سے آ گئی کہ وہ یکا یک ایسا علم لاطینی دنیا میں پیش کر سکے ، جہاں وہ تمام حالات اور بنیادیں موجود نہ تھیں جو ایسی کتب کی تالیف کے لئے ضروری ہوتی ہیں ۔ اور پھر اس شخص کی کتابوں کی علمی سطح بھی تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں اس کے بعد آنے والے مشاہیر مثلاً :

Thomas Von Aquin, Roger Bacon, Albertus Magnus, Raymundus Lullus.

سے برتر ہے ، جنھیں رازی اور ابن سینا وغیرہ کی کتابوں سے استفادے کا موقع بھی ملا تھا ۔ (۲)

اسی طرح جو لوگ جابر بن حیّان کی تاریخی شخصیت کو ایک

حقیقت تسلیم کرتے ہیں — یعنی یہ کہ وہ دوسری صدی ہجری میں زندہ رہا اور وہی ان کتابوں کا حقیقی مؤلف ہے جن پر اس کا نام ثبت ہے — انہیں یہ مشکل درپیش ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیونکر ایک نئے علم کی داغ بیل ڈال سکا جبکہ نہ حالات سازگار تھے اور نہ ماضی کے ایسے مصادر موجود تھے جو اسے ایسا کرنے میں مدد دے سکتے۔

موضوع سے اس ناگزیر گریز کے بعد، میں جابر بن حیّان کے مسئلے پر کراؤس کے موقف کی طرف پلٹتا ہوں۔ کراؤس نے، جس کا مقالہ شائع ہونے سے علمِ کیمیا پر تحقیق کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہوا،اس مقالے میں جابر بن حیّان کے صرف چار چھوٹے چھوٹے رسالوں پر انحصار کیا تھا جنھیں ہومیارڈ نے، جس کا ذکر اوپر ہوا، شائع کیا تھا۔ یہ ہمارے علم کے مطابق جابر کے ابتدائی رسالوں میں سے تھے۔ کیونکہ جابر نے ایک تو اپنی کتابوں کی ایک فہرست چھوڑی ہے جس کی ترتیب زمانی ہے۔ علاوہ ازیں اس کا دستور ہے کہ اپنی کتابوں میں مسلسل اپنی گذشتہ کتابوں کے بیانات کا حوالہ دیتا رہتا ہے اور بعض افکار کو غیر واضح اور لائقِ اصلاح یا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منسوخ تصور کرتے ہوئے، ان کی تصحیح بھی کرتا رہتا ہے [اور اس طرح اس کی کتابوں کی ترتیب زمانی متعین ہو جاتی ہے] کراؤس نے بعض ایسے الفاظ اور افکار کا سہارا لیا ہے جن کا مفہوم وہ ٹھیک طور سے نہیں سمجھ پایا — اور بعض عبارتوں کی من مانی تاویل کر کے بزعمِ خویش حقیقت کا سراغ لگایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جابر کی کتابوں کا مولّف ایک اسماعیلی شخص تھا جس کا زمانہ تیسری صدی ہجری کے اواخر یا چوتھی صدی ہجری کا ہے۔ کراؤس نے یہ موقف ۱۹۳۰ء میں اختیار کیا جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔

بعد ازاں اس نے اپنی زندگی جابر بن حیّان پر تحقیق اور اس کی کتابوں کی اشاعت کے لئے وقف کر دی۔

یہ شخص جو بڑا مستقل مزاج ، محنتی ، ذھین ، کثیر المطالعہ اور وسیع العلم تھامیری رائے میں تاریخی واقعات پر حکم صادر کرنے اور نتائج برآمد کرنے میں ضرورت سے زیادہ اجتھاد اور آزادئ رائے سے کام لیتا تھا اور اس کے پہلے سے نکلے ہوئے من پسند نتائج کے برخلاف جس قدر مواد موجود ہوتا تھا اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا تھا۔

جب انسان — ضروری احتیاط کے ساتھ — ان دو ضخیم جلدوں کا مطالعہ کرتا ہے جو کراؤس نے ۱۹۴۲ء ، ۱۹۴۳ء میں جابر بن حیّان پر اپنی تحقیقات کے نتیجے میں بزبان فرانسیسی شائع کیں ، تو اسے محسوس ھوتا ہے کہ مولّف اسی اوّلیں تصوّر کی بیڑیوں میں جکڑا ھوا ہے جسے وہ تسلیم کر چکا ہے اور جس کی صحت پر شک کرنے کے لئے وہ تیار نہیں۔ تصانیف جابر بن حیّان کے حقیقی ھونے کے مسئلے پر جو نتیجہ کراؤس نے نکالا اور اس آخری تحقیق میں دنیائے علم کے سامنے پیش کیا اس کا لب لباب یہ ہے کہ یہ کتابیں کیمیا کے ایک اسماعیلی مدرسے کی پیداوار ھیں جنھیں اس مدرسے نے ۲۵۰ سے ۳۵۰ ھجری کے درمیانی عرصے میں وضع کیا۔

کراؤس نے اپنے تصوّرات کی حمایت میں اپنی آخری تحقیق میں جو دلائل اور مفروضے پیش کئے ھیں،وہ دو قسم کے ھیں اور تقریباً وہی ھیں جو اس نے اپنے پرانے مقالے میں پیش کئے تھے۔ یہ دو قسمیں عبارت ھیں ان دلائل سے جن کا استنباط جابر کی کتابوں کی عبارتوں سے کیا گیا ہے اور ان مفروضوں سے جو علوم عربیہ و اسلامیہ کے ارتقاء و پیش رفت کو اس کے خاص انداز میں سمجھنے کا نتیجہ ھیں۔ میں

نے اس کے تمام دلائل کا تتبع کیا ہے اور دیکھا ہے کہ بعض عبارتوں کو تو اس نے ٹھیک سمجھا نہیں ۔ اور بعض سے نتائج ایسے نکالے ھیں جو قابلِ قبول نہیں ۔ میں نے اپنی کتاب ,,تاریخ التراث العربی ،، کی چوتھی جلد میں ان سب پر بحث کی ہے۔

رھے وہ مفروضے جو وھی ھیں جنھیں پہلے مقالے میں بھی پیش کیا گیا تھا سو ان کا خلاصہ یہ ہے کہ : اس امر کو تسلیم کرنا کہ جابر بن حیّـان کی کتابیں عملاً دوسری صدی ھجری میں لکھی گئیں، ان تمام معلومات کے خلاف ھو گا جو ھمیں اب تک اس صدی میں لوگوں کے مبلغ علم نیز تصنیفی سرگرمی سے متعلق حاصل ھیں ۔ یہاں کراؤس کا نقطۂ آغاز ھی ایک غلط تصور پر قائم ہے۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے ھاں تصنیفی سرگرمی دوسری صدی ھجری کے اواخر اور تیسری صدی ھجری کے اوائل میں شروع ھوئی۔ یہ خیال اب تک بعض لوگوں کے ذھن پر غالب ہے حالانکہ یہ تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔

کراؤس یہ بھی کہتا ہے کہ اس بات کو تسلیم کرنے سے یہ بھی فرض کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے ھاں اھل یونان کے جملہ علوم اخذ کرنے کا عمل دوسری صدی ھجری میں مکمل ھو چکا تھا ۔ یہ استنباط ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ جابر کے علم میں یونانیوں کی بہت کم کتابیں تھیں یعنی تیسری صدی ھجری میں مسلمانوں کے علم میں جو کچھ تھا اس کا تھوڑا سا حصہ۔ اور یہ تو الٹی اس امر کی دلیل ہے کہ جابر کی کتابیں مسلمانوں کے ھاں تیسری صدی کی کتابوں سے پہلے ظاھر ھوئیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ھمیں اس امر کا انکار کرنا ھو گا کہ عربی میں ھندوستانی ھندسے داخل کرنے والا شخص الخوارزمی تھا ۔

هندوستانی هندسوں کا الخوارزمی کی طرف سے داخل کیا جانا ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا کوئی جواز نہیں کیونکہ مسلمانوں کے ہاں ریاضیات کی تاریخ میں یہ ایک معروف بات ہے کہ هندوستانی حساب مسلمانوں تک ,,سندھ ہند،، کے عربی ترجمے کی وساطت سے زیادہ سے زیادہ ۱۵۶ ھ تک — یعنی الخوارزمی سے کم از کم نصف صدی قبل — پہنچا ۔

کراؤس کہتا ہے : ,,لیکن هم یہ فرض کرنے پر مجبور هو جاتے هیں کہ عربی زبان میں علمی اصطلاحات کو بالآخر تشکیل دینے والا [ادارہ] حنین بن اسحاق کا مدرسۂ ترجمہ نہ تھا ،، ۔ یہ بھی ایک ایسا دعویٰ ہے جو تاریخی حقائق سے هم آهنگ نہیں لیکن صرف کراؤس نے ایسا دعویٰ نہیں کیا ۔ میری رائے میں تو ایسے مدرسے کا تصوّر ایک طرح کی خیال آرائی ہے کیونکہ اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں تھا ۔ میں اس امر کی طرف اشارہ خاص اس موضوع پر ایک لیکچر میں کر چکا هوں جو دس برس پیشتر شائع هوا ۔

کراؤس مزید کہتا ہے :

,,لیکن هم مجبور هو جاتے هیں کہ علومِ اسلامیہ کے اوائل میں ایک ایسی شخصیت کو رکھیں جس کے بارے میں یہ فرض کریں کہ وہ آئندہ نسلوں میں هونے والے علمی ارتقاء پر سبقت لے گئی اور اسے بےفائدہ بنا گئی ،، ۔

اس استدلال سے بطور خاص واضح هوتا ہے کہ کراؤس اپنی تحقیق میں ان تصورات کا اسیر تھا جو اس نے علوم اسلامیہ کے ارتقاء کے مسئلے پر قائم کر رکھے تھے ۔ اگر کراؤس کو اس ارتقاء کا صحیح علم هوتا تو وہ دیکھ سکتا کہ جابر بن حیّان — هر چند کہ همیں اس کی علمی شخصیت کی عظمت نیز اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ هر

ممکن حد تک علم کو سمیٹ لینے کی سخت خواهش رکھتا تھا۔ بہرحال بیشتر ایسی معلومات سے واقف نہ ھو سکا جو مسلمان اور عرب علماء کو تیسری اور چوتھی صدی هجری میں حاصل تھیں۔ یہ موازنہ بذات خود اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ھونا چاھئے کہ جابر بن حیّان کی کتابیں دوسری صدی هجری هی کی ھو سکتی ھیں۔

جہاں تک تصانیفِ جابر کے علمی مواد پر کراؤس کی آخری تحقیق کے نتائج کا تعلق ہے سو اس کی علمی شخصیت کے خط و خال پہلے سے بڑھ کر نمایاں ھو گئے ھیں اور وہ سائنس کی تاریخ کی عظیم ترین شخصیات میں شمار ھونے لگا ہے۔ اور یہ علمِ کیمیا کے میدان تک محدود نہیں بلکہ اس کی توجہ علوم کے سب گوشوں کی طرف مبذول ھوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں پیش رفت ھوئی۔ چنانچہ بالآخر وہ طبیعیات کے ایک مفکّر کی حیثیت سے ابھرا۔ بلکہ جابر، علم سے اپنی طویل دل چسپی کے دوران اھل یونان اور دیگر اقوام کی کتابوں کے ترجموں سے حاصل ھونے والی معلومات سے اخذ و اکتساب ھی تک محدود نہ رھا کیونکہ اس نے علوم کی ترتیبِ نو کا آغاز کیا اور بڑے بڑے یونانی علماء مثلاً، ارسطو، افلاطون، سقراط اور جالینوس پر تنقید اور ان کی تصحیح کی۔ اس نے اپنے تخیّل سے بعض نئے علوم کی بنیاد رکھنے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس نے ایک کتاب تالیف کی جو جانوروں کی تقریباً سات سو آوازوں پر مشتمل تھی۔ انسانی علم کی حدود سے متعلق اس کا اصول یہ تھا کہ انسانی علم اور دریافت میں اضافے کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی اور اسے لازم ہے کہ ساری کائنات کے اسرار دریافت کر لینے کی کوشش کرے اور اس دنیا سے ماورا جو اسرار ھیں ان سب کا کھوج لگانے کی صلاحیت اسے

عطا کی گئی ہے۔
کراؤس نے اپنی کتاب میں بار بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جابر کی تمام کتابوں میں وہ داخلی ترتیب و تسلسل اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے جس سے اس جیسی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ تاریخِ علوم میں اس کی مثال شاذ ھی کہیں مل سکتی ہے۔ لیکن اس نے خود سے یہ سوال نہیں کیا کہ داخلی تسلسل اور ہم آہنگی اور شخصیت کی یہ عظمت کیا ایک ایسے مفروضہ مدرسے سے منسوب لوگوں کے ھاں پائے جانے کا اتفاق ھو سکتا ہے جس نے پوری ایک صدی کے عرصے میں سینکڑوں کتابیں تالیف کی ھوں۔ کیا ایسے مدرسہ کا وجود عالم اسلام ، یا کسی بھی اور ماحول یا تاریخ کے کسی بھی دور میں ناممکن نہ ھو گا ؟۔

بہرحال کراؤس نے اپنی آخری کتاب میں اسلامی سائنس کی تاریخ سے متعلق کئی ایک حیرت انگیز نتائج برآمد کئے ھیں تاھم اس کا جابر بن حیّان کو ایک افسانوی شخصیت قرار دینا ایک ایسا امر تھا جس نے لوگوں کے روبرو جابر کی حقیقت کو مجروح کر دیا ۔ چنانچہ انہوں نے جابر بن حیّان کے تاریخی مسئلے پر کراؤس کے مفروضے کو بتمام و کمال قبول کر لیا یا یوں کہہ لیجئے کہ قبول کرنے پر مجبور کر دیئے گئے ۔

میں سمجھتا ھوں کہ اب مجھے ، نہایت اختصار کے ساتھ ، جیسا کہ اس خطبے کے موضوع کا تقاضا ہے ، کیمیا میں جابر کے موقف پر بات کرنی چاھئے ۔ ظاھر ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں میں صرف اھم اصولوں کی نشان دھی ھی کر سکوں گا ۔

جابر تمام کیمیائی مظاھر کو قانون سببیّت کے تابع جانتا تھا ۔ اس کی رائے میں کیمیا دان کو چاھئے کہ استقرائی اور استخراجی دونوں

طریقوں سے ہر ممکن حد تک کام لیتے ہوئے اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کرے۔ اس سے بھی اہم اس کا وہ بنیادی اصول ہے جسے وہ ,,المیزان،، کا نام دیتا ہے اور جو آج ,,نسبتوں کا قانون،، [Law of Proportions] کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کی رائے میں تمام اشیاء کے خوّاص ، خصوصاً کیمیا کے میدان میں ، قابلِ قیاس ہیں اور ایسی نسبتوں پر مبنی ہیں جن کا عددی تعین ممکن ہے۔ مثال کے طور پر اگر سرکے کی کھٹاس اس میں سیسے کی تختیاں بھگونے سے ختم ہو جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ درحقیقت سرکے کی ایک خاص معیّن ترکیب ہے جو ایک ایسے عدد سے حاصل ہوتی ہے جس میں سیسے کی تختیوں کے داخل ہونے سے فرق آ جاتا ہے اور ان تختیوں کے سلسلے میں عددی تعین اپنی جگہ پر ممکن ہے۔ ان خوّاص کا ظہور، یعنی ، اس مثال میں ، سیسے کی تختی کی یہ قابلیت کہ وہ سرکے میں تغیّر پیدا کر دے ، محض اتفاق نہیں ہے بلکہ یہ مادّے کی ساخت کے تابع ہے اور تدبیر کیمیائی کا مقصود یہی ہے کہ اس ساخت میں مرضی کے مطابق تبدیلی عمل میں لائی جا سکے۔ اگر ہم خواصِ اشیاء کی عددی توجیہ کر سکیں تو گویا ہم نے اس تدبیر کیمیائی کی خشتِ اوّل درست رکھ دی۔ اسی بنیاد پر اشیاء کی قیاسیّت کا اصول قائم ہوتا ہے یعنی اشیائے کائنات کی حسابی یقینیّت کے ,,میزان،، [توازن] کا اصول۔ یہ اصول اشیاء اور ان کی ہم آہنگی کے ایک معقول نظام کی وضاحت کرتا ہے جو ایک طرف تو ہر ہر شئے میں ظہور کرتا ہے اور دوسری طرف کائنات کا مجرّد اساسی مفہوم ہے ,,المیزان،، نظام کائنات کی کلید ہے اور خوّاص اشیاء کی صرف ایک ہی توجیہ مل سکتی ہے اور وہ حسابی توجیہ ہے۔ یہ توجیہ واضح اور دو ٹوک ہے کیونکہ اس کا کبھی یوں اور کبھی ووں نظر آنا ممکن

نہیں ۔ ,,المیزان ،، کی ایک ھی قسم ہے اور وہ مخلوقات کے ایک حسابی قانون سے عبارت ہے جس کا آغاز اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہے ۔ (۲)

ایسی بنیادی بات سمجھ لینے کے بعد کیمیا دان اس قابل ہو جاتا ہے کہ ھماوی ارضی دنیا میں ھر ممکن حد تک تدبیر مواد میں دخل انداز ہو سکے ۔ معدنیات اس کی نظر میں ایسے مادّے ھیں جو پارے اور گندھک کا مرکب ھیں اور مختلف معدنیات میں ان دونوں کی کمّیت کا اختلاف خود ان معدنیات نیز ان کے خالص ہونے کے مدارج میں اختلاف کا سبب ہے ۔ علمِ کیمیا کا کام یہ ہے کہ معدنیات میں مقداروں کی کمّیت جو کچھ بھی ہے اس کا تعین کرے اور اُن میں تصرّف کرے ۔ اسی بنا پر جابر کم از کم نظری سطح پر سونا بنانے کو ناممکن نہیں سمجھتا اگرچہ تجربی سطح پر یہ ناممکن ہو ۔

جابر کے ھاں علمِ کیمیا کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اکسیر غیر عضوی کے مقابلے میں اکسیر عضوی پر اعتماد کرتا ہے ۔ (۳)

یہاں میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ جابر کے ھاں کیمیائی تدابیر تیزابوں اور ان معدنی نمکیات کی اقسام کی کیا تعداد تھی جو اس کے علم میں تھے ۔ میں صرف یہی کہنے پر اکتفاء کروں گا کہ جابر بن حیّان پہلا شخص تھا جس نے علم کیمیاء کو اس حیثیت سے پہچانا کہ اس میں عملی اور نظری دونوں پہلوؤں کا اشتراک درکار ہے اور یہ کہا کہ اگر اس عمل میں نظریے کو اس کا لازمی مقام حاصل نہ ہو تو محض تجربہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچاتا ۔

اس مجمل سی گفتگو سے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کو یہ تاثّر مل جائے کہ جابر بن حیّان کی کتابوں میں ہم جدید علمِ کیمیا کے اصولوں کا سراغ پاتے ھیں جن کا اعتراف بعض محققین کر چکے ھیں ۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک امکانی سوال کا جواب دے دوں جو آپ کے ذہن میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جابر ایسے علم کی بنیاد رکھنے پر کیونکر قادر ہو سکا ۔ ؟ یہ سوال بہت سے محققین کے ذہن پر چھایا رہا اور انہیں اس مفروضے کے قبول کرنے پر آمادہ کر دیا کہ علم کیمیا کا ایک خاص مدرسہ وجود رکھتا تھا جو تیسری صدی کے اواسط سے لے کر چوتھی صدی ھجری کے اواسط تک ایک صدی کے عرصے میں اس کام کی انجام دھی کے لائق ھوا۔

جابر، علماء کی اس نہایت نادر صف سے تعلق رکھتا ہے جنھوں نے اپنی نشوونما کے مسئلے پر ابہام و خفا کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس کی کتابوں کے مطالعے کے دوران تسلسل سے ملنے والے اس کی سابقہ تالیفات کے حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مؤلف ان معمولی سے عناصر سے آغاز کرتا ہے جو اس کے عہد میں معروف تھے۔ وہ تنہا بھی نہیں تھا بلکہ اس میدان میں اس کے کچھ استاد بھی تھے اور کچھ شاگرد بھی ۔ یہ بھی واضح ھوتا ہے کہ وہ غیر اقوام کے قدماء کے افکار کی طرف اشارہ کرتا ہے مثلاً سقراط ، افلاطون ، ارسطو ، هرمس اور ان کے علاوہ اور بہت سی معروف و غیر معروف شخصیات ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان علماء کا میدان علم کیمیا نہیں رہا بلکہ ان میں بعض تو افسانوی شخصیات ھیں اور اسی سبب سے محققین کو ان حوالوں کی صحت میں شک ھوا اور یہ خیال پیدا ھوا کہ مسلمانوں اور عربوں نے خود کچھ کتابیں گھڑ کر انہیں دوسروں سے منسوب کر دیا اور بعد ازاں ان سے استفادہ کرتے رہے اور انھی کی بنیاد پر بات کو آگے بڑھاتے رہے ۔ تاھم ان محققین نے خود سے یہ سوال کرنے کی زحمت نہیں کہ مسلمانوں نے کب اور کیسے اور کیوں یہ کتابیں گھڑ کر دوسروں سے منسوب کر دیں ؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جعلی کتابیں جن کے حوالے عربی کتب میں ملتے ھیں ، اور جن میں سے ایک بڑی تعداد آج تک باقی ہے ، یہ من گھڑت کتابیں مسلمانوں کی گھڑی ہوئی نہیں بلکہ انہیں علاقہ بحیرۂ روم کے علمی حلقوں نیز ھندوستانیوں ، سریانیوں اور ایرانیوں نے ظہورِ اسلام سے دو تین سو سال پہلے وضع کیا ۔ یہ کتابیں علوم کے اس آخری مرحلے کی عکاّسی کرتی ھیں جس تک وہ اسلام سے فوراً قبل کے زمانے میں پہنچ سکے تھے ۔ یہی کتابیں جابر کے اساتذہ ، اور خود جابر اور اس کے ہم چشموں کے لئے اوّلین مصادر کی حیثیت رکھتی تھیں،اگرچہ ان میں رطب و یابس بھی کچھ بھرا پڑا تھا ۔ اس امر سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ آیا ان کے مؤلفین اس رتبے کے تھے بھی سہی کہ کوئی اہم چیز تشکیل دے سکیں ، ان کتابوں میں ارتکاز اور داخلی ہم آھنگی کا فقدان ہے ۔

اس کام کے لئے خاص قسم کے حالات اور ایک نیا معاشرہ درکار تھا۔جس میں ایک نئے علمی مرحلے کے آغاز کے لئے ضروری عناصر مہیا ہو چکے ہوں ۔ جابر بن حیّان کی کتب کے مطالعے سے اس حقیقت کی تصویر بہترین طریقے پر ھمارے سامنے آ جاتی ہے اور یہ واضح ہو جاتی ہے کہ اس عالم کے لئے یہ کیونکر ممکن ھوا کہ وہ اپنا مواد ان مصادر سے جمع کرنے کے بعد اس پر اضافہ بھی کرے اور ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کر سکے ۔

جابر کے بعد مسلمانوں کے ھاں علم کیمیا کی پیش رفت سے متعلق ھماری معلومات ناکافی ھیں اور اس پہلو پر تحقیق و مطالعہ کی ضرورت ہے ۔

جابر کے بعد آنے والوں میں ابوبکر رازی کو دور جدید کی تحقیقات میں خاصی توجّہ ملی ۔ چنانچہ جولیس روسکا [Julius

[Ruska نے، جس کا ذکر اوپر ہوا رازی کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اور اسے کیمیائے تجربی کا بانی قرار دیا ۔ (۵) اگرچہ اُس نے جابر بن حیّان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور اس دعویٰ میں کراؤس کی پیروی کی کہ جابر سے منسوب کتابیں بعد کے زمانے کے ایک مدرسے کی پیداوار ہیں ۔

لیکن آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رازی کے ہاں علمِ کیمیا درحقیقت ان تجربی عناصر اور ان بلند افکار و نظریات کی ایک تلخیص سے زیادہ کچھ نہیں ، جو جابر کی کتابوں میں موجود ہیں ۔ اس نقطۂ نظر کی روشنی میں یہ تصوّر کرنا غلط نہ ہو گا کہ رازی کی اساسی کتاب یعنی کتاب ,,سر الاسرار ,, کیمیائے تجربی کا اولین مآخذ ہے جیسا کہ اس موضوع پر ہومیارڈ نے اپنے آخری مقالے میں کہا ہے ۔ (٦)

اس ضمن میں میں ابن سینا کا نام بھی لوں گا خصوصاً ایک دھات کے سچ مچ کسی دوسری دھات میں تبدیل ہو جانے کے امکان کے خلاف اس کی انوکھی توجیہ جو اس کے بعض رسائل میں ملتی ہے نیز اس رتبے کا ذکر کرنا چاہوں گا جو لاطینی دنیا میں کتاب الشفاء کے حصۂ معدنیات کو حاصل ہوا ۔

آخر میں میں یہ مسئلہ اٹھانا چاہوں گا کہ عربوں کے علم کیمیا نے یورپ میں اس علم کی اُٹھان پر کیا اثرات مرتب کئے ۔ جو کوئی سترھویں صدی عیسوی کے اواسط تک یورپ کے کیمیا دانوں کی کتابوں کو کھنگالتا ہے، اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا کا آغاز بارھویں صدی عیسوی یا تیرھویں صدی کے نصفِ اول میں Geber کی کتابوں سے ہوتا ہے اور تیرھویں صدی میں طبیعیات کے اکثر فلاسفہ انھی سے سیراب ہوتے ہیں اور بڑے کیمیا دانوں کی حیثیت

سے شہرت پاتے ہیں ۔ یہی حال چودھویں اور پندرھویں صدی میں ان کے جانشینوں کا رہا اور یہ ایک معروف بات ہے،کیونکہ کیمیا پر ان دونوں صدیوں کی کتابوں میں ان سے پہلے کے مقابلے میں کوئی نئی چیز نہیں ملتی ۔

سولھوِیں صدی عیسوی کی کتبِ کیمیا میں جو تبدیلی ہوئی وہ اسلوب اور بلند بانگ دعوؤں کی کثرت کی تبدیلی تھی ۔ ایک نئے مرحلے کا آغاز غالباً سترھویں صدی عیسوی کے نصفِ ثانی میں Boyle کے ھاتھوں اور بالخصوص اٹھارویں صدی میں Lovoisier کے ظہور سے ہوا،جس نے یہ ثابت کیا کہ پانی دو عناصر یعنی آکسیجن اور ھائیڈروجن سے عبارت ہے۔

علم کیمیا کی تاریخ میں ایک معروف و مسلّم حقیقت یہ ہے کہ جس کیمیا دان کی کتابیں لاطینی زبان میں ,,گبر " کے نام سے عام ہوئیں، وہ ایک ایسے عجیب مقام پر فائز ہے کہ جو کیمیا دان اسی کو اپنی اساس بتاتے ہیں ان کے لئے اتنا بھی ممکن نہیں کہ جو بلند اصول اور کیمیاتی تدابیر اس کی کتابوں میں درج ہیں ان کو سمجھ کر جذب ھی کر سکیں ۔ ان کتابوں کے مولّف کے دفاع میں آج تک چلا آنے والا یہ مسلسل اور بضد اصرار کہ وہ لاطینی تھا اور اس کی کتابوں کو جابر بن حیّان سے منسوب کرنا ایک تاریخی ظلم ہے — نہ صرف تاریخی حقائق سے بلکہ منطق کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔ ھمارے لئے یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ جو کچھ تدابیر و نظریات Geber کی کتابوں میں ملتے ہیں سب کے سب جابر بن حیّان کے ھاں اسی طرح پائے جاتے ہیں ۔ اس مسئلے کی توضیح کا بیڑہ اٹھانے والے مؤرّخِ علوم پر لازم ہے کہ وہ اسے یورپ میں عربی و اسلامی علوم سے اخذ و اکتساب کے ذیل

یں رکھے ۔ وہ دیکھے گا کہ لاطینی یا تو عربی کتابوں کے سرقے کے
رتکب ہوتے تھے یا حرف بہ حرف ان کا ترجمہ کرتے تھے یا ناپختگی
ے ساتھ ایسا ترجمہ کرتے تھے جس میں تحریف ہوتی تھی یا
نھیں غیر حقیقی مصنّفین سے منسوب کر دیتے تھے ، یا یہ کہ وقت
زرنے کے ساتھ وہ خود کو بھی اس قابل پانے لگے تھے کہ کچھ نئی
تابیں تالیف کر لیں اگرچہ وہ بدستور اپنے عرب اساتذہ کے مقلد ہی
ہے ۔

یہاں یہ ذکر ہونا چاہئے کہ کیمیا پر رازی سے منسوب کتنی کتابیں لاطینی زبان میں متداول رہیں ۔ اور اس علم سے متعلق کتنی کتابیں ایسی تھیں جنھیں Raymundus Lullus نے اپنی طرف منسوب کر یا اور ہماری صدی میں آکر یہ کھلا کہ وہ عربی کتابوں کا سرقہ ھیں ۔ یہاں بر سبیل مثال ابن سینا کی کتاب الشفاء کے حصہ معدنیات کا ذکر بھی ہو سکتا ہے جو کئی صدیوں تک یورپ کے کیمیا دانوں میں ارسطو کی تحریر کی حیثیت سے متداول رہا ۔

لاطینی مغرب نے عربی علوم کو ایسی بنیاد پر اخذ کیا ۔ اس کے برخلاف مسلمانوں نے یونانیوں اور دیگر پیشروؤں سے جو کچھ اخذ کیا وضاحت اور دیانت داری کی اساس پر کیا ۔

بہرحال اہم نکتہ تو یہ ہے کہ یہ ہوں یا وہ یعنی لاطینی ہوں یا عرب ، دونوں ہی اخذ و اکتساب کے مرحلے سے گزرے اور اس قابل ہوئے کہ ایک نیا امتزاج پیدا کر سکیں اور تاریخِ علوم میں دو نئے مرحلوں کا افتتاح کر سکیں ۔

حواشی

1)) RUSKA, Der Zusammenbruch der Dschabir-Legende. Die bisherigen Versuche, das Dschabir-Problem zu losen von J. RUSKA. Dschabir ibn Hajjan und die Isma'ilijja von P. KRAUS, in: Dritter Jahresbericnt, Berlin 1930, 9-22, 23-42.

2) H. KOPP, Beitrage zur Geschichte der Chemie, Braunschweig 1869, 65ff.

3) P. KRAUS, Dschabir ibn Hajjan und die Isma'ilijja, in: Dritter Jahresbericht, Forschungs-Institut fur Geschichte der Naturwissenschaften, Berlin 1930, 25-26.

(۴) غالباً اسی پہلو کی طرف Dictionary of Scientific Biography میں یوں اشارہ کیا گیا ہے (مترجم ؛

"According to Jabir's developed theory, ingrediants of the elixir are not exclusively (Dictionary of Scientific Biography, American Council of Learned Societies, Chief Ed. C.C. Gillispie, New York, 1981, 7/41.

(۵) مآخذ کے لئے دیکھئے میری کتاب ,,تاریخ التراث العربی ۔ جلد چہارم (ص ۲۷۵ ـ ۲۸۲)۔

(6) Alchemisten des Islams im Mittelalter, Endeavour 14/1955/123.

(ماخذ "فکرونظر" ،اپریل ۱۹۹۲

★★★

کچھ رقعے کچھ یادداشتیں

قاضی عبدالودود

قاضی صاحب ہمارے عہد کے سب سے بڑے اردو دانشور تھے۔ اپنے پیچھے انھوں نے اچھا خاصا تحریری سرمایہ چھوڑا ہے۔

آخری زمانے میں عالم یہ تھا کہ لکھتے تھے اور ادھر اُدھر ڈال دیتے تھے۔ کبھی کبھی اسی نوشتہ کے سامنے نہ رہنے کے سبب دوبارہ سہ بارہ لکھتے تھے۔ اکثر موضوعات پر ان کی یادداشتیں ہزاروں چھوٹے بڑے پرزوں کی شکل میں موجود ہیں۔ انھیں وقتاً فوقتاً پیش کیا جاتا رہے گا، شاید کوئی چیز کسی کے کام آجائے۔ ان یادداشتوں میں کئی ایسی ہیں جو کسی نہ کسی مضمون کی شکل میں آچکی ہیں، کچھ بالکل نئی چیزیں ملیں گی۔ کچھ رقعے بھی۔

—— ادارہ

— ۲۔ آثر غالب (غالب کی کتاب نظم و نثر کا مجموعہ) مرتبہ قاضی عبدالودود۔ یہ کتاب مآثر غالب، علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر ۱۹۴۹ء میں شامل تھی۔ بعد کو اس کا علم ہوا تو وہ نسخہ جو انھیں [illegible] مآثر غالب کے نام سے شائع ہوئے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ مآثر میں ایک کم ورق زیادہ ہے اور کچھ فروعی مطالب بعنوان التماس کا اضافہ ہے۔ ص ۲۸۔ عرض حال (ایک صفحہ) کے بعد حصہ اول، تا ص ۴۳ اردو نثر ۱ دیباچۂ لطائف غیبی دیباچۂ تیغ تیز، ایک استفتا (ماخوذ از تیغ)، خط بنام میر ولایت علی، اردو فارسی کے شعروں کا مطلب مع عکس (ماخوذ از [illegible]) [illegible] نظم اردو ص ۴۳ [illegible] اردو نظم ۱ اشتہار پنج آہنگ (ماخوذ از [illegible]) غزل (ماخوذ از دیوان معروف) بہ جو لسان الملک (۲ ابیات ماخوذ از لطائف)، فردیات (ایک ماخوذ از [illegible]) اور ایک نسخہ ایک ماخوذ از لطائف۔ فارسی نثر ۱ تقریظ آئین اکبری (۱۸)، تقریظ [illegible] ماخوذ [illegible]۔ فارسی نظم: نامۂ منظوم بنام جوہر (کلیات [illegible] ماخوذ)، ۳ شعر رباعی (ماخوذ از [illegible])، فردیات فارسی (ایک ماخوذ از لطائف، ایک ماخوذ از [illegible]) [illegible] کا کوئی)۔ حصہ ۲ ص ۴۴ تا ص ۵۶ — مخطوطۂ فارسی ۲۲۳ بعبارت ذیل: بنام احمد بیگ طپاں ۲۴ جواہر [illegible] شہاب الدین خاں ۴ (اس میں ایک خط کا ص [illegible] کی طرف کر دیا گیا)، بنام شاہ [illegible]، مکتوب الیہ کا نام [illegible] — ہر خط کے ساتھ مکتوب الیہ کا نام پہلے اندرونی شہادتوں کی بنا پر متعین کیا گیا ہے کہ کسی کا نام سے باقی خطوط میں نہیں تھا۔ ص ۵۴: حکیم حبیب الرحمٰن جہانگیر نگری کے پاس ایک مجموعہ تھا، جس کی نقل انھوں نے خود کرائی تھی۔ مآثر کے ۲۲۳ خطوط فارسی اسی مجموعے میں ہیں۔ اس میں علی اکبر خاں کے نام کا ایک خط جو پنج [illegible] (کلیات نثر غالب) میں ہے، خاتمۂ گل رعنا (بنام [illegible]) اور باغ دو در کی لالہ کی اولین روایت (ر) بھی موجود ہیں۔ مآثر میں متن خطوط نقل پر مبنی ہے۔ وقت ترتیب مجموعے سے متعلق مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ مجموعے میں نام کاتب اور زمانۂ کتابت درج نہیں۔ کاتب بظاہر ذی علم نہیں، طلازی کو ملازی، پرستش کو پرستش، بالجملہ کو بالفعل (۳ جگہ)، سم کو سم، موسم کو مو کرتا ہے۔ دو فارسی کی عبارتیں میں کسی غالب کا مسودہ نہیں ان کو منحرف، فرشتہ، وغیرہ لکھا، غالباً قتیل یا غالب ہی۔ حکیم صاحب نے اپنے ایک خط میں اس رسالے کا جہانگیر نگری کا مجموعہ کہا تھا، اس کا مرتب ظاہراً کوئی اور ہے۔ ان میں سے کسی نے کسی قسم کا سروکار مستبعد نہیں۔ اس کے ساتھ مکاتیب کا ایک مجموعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالے نے بعض بیاضات غالب کا سرقہ کیا تھا (رسالہ ص ۶۸)۔ مگر اس مجموعے کے ایک خط کا چند الفاظ کا ذکر ہو سکا جو بہ یک [illegible] ہیں۔ الحاقی ایک صفحہ میں ہے۔ اس کی ترتیب میں اغلاط علامات بہت ہیں۔ غلطنامہ اس میں شامل نہیں کیا گیا تاکہ اس کی صحیح چھپنے کا امکان زیادہ نہیں۔

میں نے انسٹی ٹیوٹ سے متعلق نئی اسکیم کے بارے میں اپنا خیال انجمن ترقی اردو کمیٹی کے جلسے میں ظاہر کر دیا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ انجمن انسٹی ٹیوٹ اور انجمن کے سکریٹری سے بھی اس سلسلے میں کام لینے کا خیال ہے لیکن کوالیفائیڈ جونیئر ریسرچ ... بات ... میں نے اس کو غور سے پڑھا لیکن ظاہر ہے کوئی بات نہیں ہے

انجمن انسٹی ٹیوٹ سے متعلق جو اسکیم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی گورنری کے زمانے میں بنائی گئی تھی، اور جس کی ایک نقل مجھے بھیجی گئی تھی، مالی مشکلات کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا۔ سال گذشتہ آپ نے ... آپ کی ایک ماہر سکریٹری کی موجودگی میں میں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ انجمن کی لائبریری ادارۂ تحقیقات اردو کے سپرد کی جائے لیکن اس پر بھی عمل نہ ہو سکا، حالانکہ یہ لائبریری بہت بری حالت میں ہے۔ سال گذشتہ آپ سے مل کر میں نے یہ کہا تھا کہ اسکیم پر عمل نہ سہی تو جز کو بھی عمل نہ ہو، آپ نے کچھ جواب تو نہ دیا، لیکن گورنمنٹ کی طرف سے ۱۲۰ فی ماہ جس کا ملنا برابر ہے۔

اب جو تجویز ہے اس سے سابق اسکیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مجھ کو کوئی شکایت نہیں لیکن مجھے اس صورت میں ... مجھے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس صورت میں مجھے کیا کرنا

تھا، غالب ... گذشتہ جلسے میں محبوب عالم صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ حکومت نے اردو کی ترقی کے لیے اس صوبے کو ایک معقول رقم دی ہے اور اس سلسلے میں ... میں نے ان سے کہا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں اور بتایا کہ ایک اسکیم ادارۂ تحقیقات اردو سے متعلق مالک رام احمد ... کی بنائی ہوئی موجود ہے اور اسی ... توقع تھی کہ اگر کوئی اسکیم بنائی تو اس میں مجھ سے بھی مشورہ لیا جائے گا لیکن یہ ...

قبل اس کے کہ میں اس اسکیم کے متعلق کچھ لکھوں جس پر کل غور کیا جائے گا، مجھے ادارے کے بارے میں کہنا ہے ... اس کے متعلق اسکیم آپ کی بنائی ہوئی ہے ... کے بارے میں اس ... جو پار سال آپ کے پاس گیا تھا، لکھا جا چکا ہے۔ آپ کو یہ یاد دلانا ہے کہ میں نے انجمن کے سکریٹری ... کے بارے میں آپ سے مشورہ کر کے ...

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی غالب تحقیقات اسکیم

—— دیوان غالب صاحب، فیاض محمود [illegible]
دیوان غالب صاحب، مجموعۂ اشعار از ابن ایڈ ۶۹
"سہرا"ت غالب کے تذکرے میں تحریفت — لوکر: حیلم

پیلی ناٹک، ص ۲۷۹ تا ۲۸۰ — ایک ڈراما
از یوسف مرزا" جو حافظ ملا دو غالب تھی اور
[illegible] دیوان غالب [illegible] (= ذ ع ص

یہ کیس [illegible] اسماعیل کی امداد کی [illegible] یعنی جتت [illegible] ذ ع ص "فقرہ" [illegible] میں نہیں" [illegible]
کا مقدمہ عدالت میں درپیش ہے۔ جج: مولوی کا کیا ثبوت ہے کہ اشعار الواہ لوں ہیں؟ ذ ع ص "صادق
نہیں مجھے" جج: خدا گواہی کے لیے نہیں آسکتا، دعویٰ ثابت نہ کر سکی تو چل جائے گی۔ دلیل میں کہا کہ
اس کا دیوانی گواہ ٹھیک نہیں۔ جج نے اسے مان لیا اور [illegible] رہا کر دیا، ایک پیاس [illegible] جج نے
میں چھوڑ کر ایک زرا [illegible] دکھا دیتا ہے ذ ع ص" رکھنا خلد [illegible] ہم نکلا"

دیوان غالب صاحب، ڈراما سے ضروری نوٹ

یاس کا وطن پٹنہ تھا۔ یہاں کے متعدد احباب سے سنا گیا کہ وہ بیتاب سے اگر دو چار سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ کہا یہ بھی ہے کہ وہ کسی دولتمند باپ کا بیٹا تھا۔ بہت کم پڑھا لکھا تھا، اور علوم جدیدہ سے اس کو واقفیت نہ تھی ہوتی تو یہ بھی لکھتا کہ منطق کیسے معانی پیش طلب کرتی۔

غالب کے ناقد، یاس یگانہ کے بارے میں

[illegible] تماشا تا [illegible] کہ غالب را چہ عاید [illegible] رقابت [illegible]
دیدگہ [illegible] کہ تشنیدہ کہ پدیرا نمود؟ [illegible]
[illegible]
[illegible] طوری ظہور [illegible]
[illegible] خوار [illegible] راست [illegible]
[illegible] یگانہ بود [illegible]
[illegible]

غالب بحیثیت محقق کے سلسلے کی یادداشت

[illegible]

غالب بحیثیت محقق، کے سلسلے میں

[illegible]

1265

[illegible]

نادرات غالب سے ایک یاد داشت

(۱) ایک ماخذ میں یہ کہ خواجہ حاجی غالب کے بزرگوں کی بیٹی تھے ص ۱۹۔ یہ کسی ماخذ میں نہیں یہ البتہ ہے کہ وہ رستم خان غالب کے پردادا کے بھائی کی اولاد تھے۔ غالب کو ان سے قطعی انکار تھا اور واقعی اس کے تسلیم کرنے میں بڑی قباحتیں ہیں (۲) نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر فخر ... نشر ... ص ۱۴۷ (۳) قلب علی خان ص ۱۳۲ و ۱۳۱ (۴) امین الدین احمد شمس الدین احمد خاں کو ... ص ۵۰ جن کے معنی یہ کہ شمس ... اشتراک ... یہ دونوں ... احمد بخش خاں کے بیٹے تھے ... بزرگ ... (۵) امیر خسرو کو ابو ... ص ۳۸ ... (۶) اولاً تو مصنف کے نزدیک فرہنگ واژہ ... ص ۳۴ ... اس کا علم ہی ... انگریزی ہے یہ واضح نہیں ... (۷) تحفہ ... کا مقدمہ ... وزیر علی خاں کی کچہری میں پیش ہوا تھا اور اس میں غالب کو سزا دی تھی ص ۸۰ یہ قول ... فرق ... ہے ... دیا۔ خود غالب کی ... جو باغ دو در میں ہے ... قطع نظر ... کی حیثیت ہی ساقط الاعتبار ہے ... داستان طرازی ... (۸) غالب کلکتے میں والیسرائے کے دربار میں حاضر تھے ص ۵۹۔ غالب جس زمانے میں وہاں گئے تھے ... گورنر جنرل ... تو غالب ان کے دربار میں شریک ہوئے (۹) ... ص ۵۹ ... گورنر جنرل ... غازی الدین حیدر بادشاہ کا لقب ... سو اختیار کیا ص ۵۲

( ) کرنل مبرون ص ۱۰۸ صحیح کرنل ... ( ) حاکم محمود ... ص ۱۱ صحیح حکیم محمود خاں

( ) ... ص ۱۹۵ ( ) ... ... سید محمد ... کا دربار

... ص ... ( ) ... Talaat ... ص ۲۰ ... Talaat ...

... ( ) ... ( ) ...

... ۔

... ص 35 ... ۔

(۱۱) ... [illegible] ... (۱۲) غالب نے ... ص ۴۹ غالب ... [illegible] ... ص ۲۲

غالب پر کسی مضمون/کتاب کی تنقید

نکات کی ترتیب اسی طرح ہے یعنی ... اصلاً موجود نہیں یعنی ۱۰ کے بعد ۱۱ ہے

بنام ایزد بخشندہ بخشایشگر مہربان ، الٰہی کرم گستری سرفراز اجابت دارد و بخت ما
دریا چگونہ گشت پنہان ز ذات ما آری سپید
گستردہ سپند زا فروغ مینو نیم دانا دریا دارا بالای ازدل
گشادہ رکھ

دیوان موبد سے انتخاب

گیارھویں صدی ہجری کے فارسی گو شاعر موبد کا دیوان پانچ چھ سال قبل کتب خانہ خدا بخش پٹنہ کے لیے بمبئی کی ایک زرودشتی سے جو کتابوں کے دو صندوق لے کر پٹنہ آئی تھی اور جن کا پیشہ کتب فروشی نہ تھا، دوسری کتابوں کے ساتھ خریدا گیا تھا - یہ نسخہ

دیوان موبد کے بارے میں

امیر اللغات و نور اللغات و مہذب اللغات میں یہ بکسرۂ ثانی ہے مگر سند کے شعر میں یہ بطور قافیہ نہیں کہ یہ معلوم ہو سکے کہ شعرا کے نزدیک ز کی حرکت کیا ہے۔ غیاث اللغات میں زِ مکسور کے ساتھ ہے۔ ایزدی آخر میں سراج شاعر و فرہنگ رشیدی میں حوالہ ہے۔ ان دونوں میں کسرہ ہو ہی [illegible] (کلمی [illegible] کوئی ایرانی فرہنگ لغت بھی [illegible] ولغتنامہ علی اکبر دہخدا السین [illegible] جس میں ز مکسور ہو۔ حرکت [illegible] کوئی فارسی ایسا نہیں لگتا جس میں ایزد الیسی [illegible] کا [illegible] پر [illegible] مکسور ہو۔ شاہنامہ فردوسی کا شعر ذیل جس میں ایزد [illegible] [illegible] [illegible] (اور [illegible]) میں [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

[illegible] میں لاحقہ [illegible] ہے جو [illegible] میں [illegible] پہلوی کا [illegible] (بالفتح) ہے اسی [illegible] لغت میں ہے [illegible] اردو تو اس کا کوئی ایسا شعر جس میں ایزد ثانی مکسور ہو [illegible] میں نہیں سمجھا اس [illegible] یاد آتا ہے کہ ایک شعر میں ہے

امیر اللغات و نور اللغات میں تو ایزد فارسی ہے۔ مہذب اللغات میں [illegible] مہذب کے حاشیہ پر اس [illegible] میں لکھا:

امیر اللغات و مہذب اللغات میں ہے: عالم تابع عالم اول دعا الشروسابع ورابع ہے۔ ایزد ان حروف [illegible] [illegible] ترتیب ۱۰ ہے اور یہ ہے امیر اللغات میں تو حوالہ ہی [illegible] مہذب اللغات [illegible] یہ بات غیاث اللغات و فرہنگ رشیدی میں ہے۔ اول الذکر [illegible] آخر الذکر [illegible] [illegible] فرہنگ رشیدی میں کسی کتاب کا نام بطور حوالہ نہیں۔ اس [illegible] گفتہ اند ہے آج تک یاد [illegible] یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس فرہنگ میں یہ بات کہاں سے لی گئی ہے۔ ایزد بحال [illegible] ۱۲ ہے [illegible] [illegible] حروف [illegible] ذال [illegible] تھا۔ چنانچہ ترجمان البلاغہ (ربہ [illegible]) میں یہ کسی جگہ آیا ہے اور [illegible] نداں [illegible] ہے۔ عالم کی تابع عالم اول شدہ [illegible] بات [illegible] [illegible] اس کی [illegible] اور لغت فارسی ہے۔ ایزد کی اصل پہلوی [illegible] بالفتح ہے [illegible] [illegible] اسی کی جمع ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] زیر [illegible]

[illegible] فرہنگ [illegible] [illegible] (آصفیہ) [illegible] [illegible] [illegible] کتاب کا [illegible] آصفیہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

لفظ ایزد کی تحقیق

یہ کہنا کہ حافظ کے بعد وجود میں آیا ہے، ساقط ہے۔ ایزد، حافظ کے سیکڑوں سال قبل سے فارسی میں مستعمل ہے، اس کا قدیم ترین سند شعر رودکی ہے جو لغت نامۂ علی اکبر دہخدا سے نقل کیا جاتا ہے :

اس شعر میں ایزد دال مہملہ نہیں، ذال معجمہ ہے۔ میں نے ذال فارسی سے متعلق بحث "غالب اور ذال فارسی" میں کی ہے (یہ آجکل میں شائع ہوا تھا، اور بعد کو "گنجینۂ غالب" میں شامل ہوا) اور اس کے بعد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم نے ذال فارسی پر ایک مقالہ لکھا تھا، جو پاکستان کے ایک مجموعۂ مقالات میں شامل ہو گیا۔ تمام ایرانی کل فضلا مثل دہخدا، قزوینی، پور داؤد، محمد معین وغیرہ فارسی میں وجود ذال کے قائل ہیں۔ ایک مقالہ میں جو مدت ہوئی اردو ادب میں شائع ہوا تھا، ایک گمنام ایرانی کا قول اس کے خلاف شائع ہوا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایرانی اصلی ہے یا فرضی، ہو بھی تو کچھ فرق نہیں پڑتا، کج فہم ہر جگہ ہیں۔

لفظ ایزد کے بارے میں کچھ مزید

— انتما (؟) "اثر ہے دیدۂ قصور نمایاں سے پھل پھول کمال انتما کا" صابر

— استشہاد: سودا "ہزار جا ہے کتب بیچ اس کا استشہاد" ۔ "وہ بھی پر اس کلام خدا ہے استشہاد" ۔

— احتراز: سودا "وحشی نہیں آتا تمہارا احتراز" ۔

— اشتعال: آتش "قمری نہیں مجھ کو کچھ اشتعال" ۔

— — — استفادہ و استبداد و استشہاد: امیر

— استقرا (؟) امیر "بعض نقش استقرا سے مردہ گئے" ۔

— اندمال: امیر "امید اندمال زخم تو ٹوٹی ہے" ۔

— انضمام: امیر "بعد سلام محبت ( ) انضمام" ۔

الفاظ کا استناد

ـ خوب افسوس، وہ شبنم کا کرشمہ کسی خوب کا ہے ــ وہ گل سا بدن جس میں چھوٹا ہوا" خوب
خوباں حسینوں کو بھی استعمال کیا لیکن خوب کا جس طرح یہ افسوس میں ہے ہمیں اور نظر آتی
ہے ناکاری، مؤنث ناکارہ لسانیات اردو۔ افسوس کم ہو گئی باتیں کلام کی ناکارہ زیادہ بہت ملا
ـ ناخواندی مؤنث ناخواندہ لسانیات اردو

شرمندی مؤنث شرمندہ لسانیات اردو

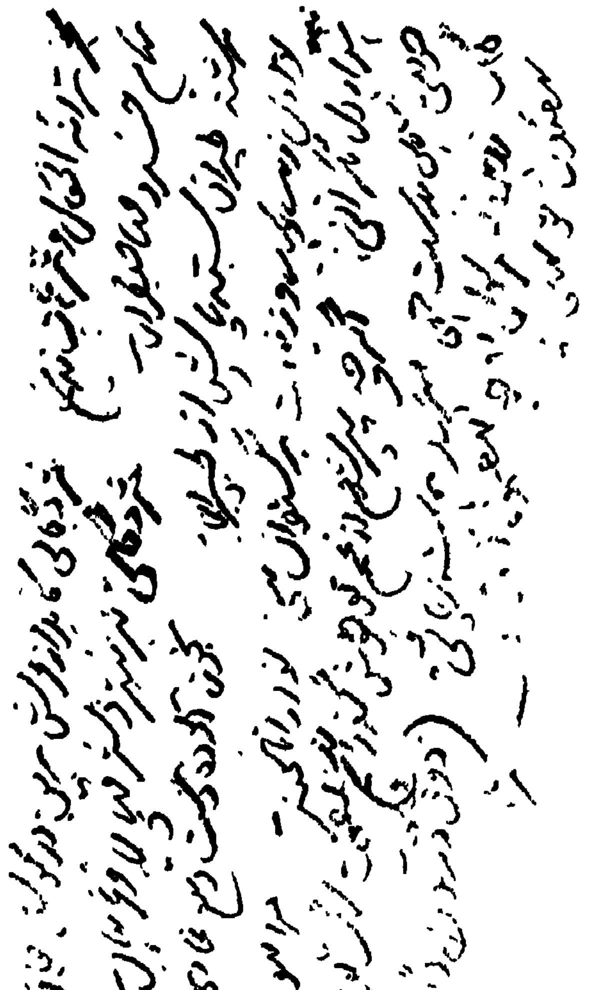
لفظیات

ـ نرباہ ہو والہی نہ سمجھ سوز کو پیمان کو نوازیا رہے جو تجھ سے کیا عہد سو نرباہ کریگا
ـ ڈھونڈھا ہٹ، عارض کو تیرے پہنچے کب اس کی ڈھونڈھاہٹ وہ بیار ہے ہزار ہو تو ہم گل کا منہ

لفظیات : نرباہ، ڈھونڈھاہٹ

فائزہ (غ ص ۱۸۴) عربی = داخدرہ (
"نادر صاحب میں ہے "قافیہ خیابزہ (ص ــ) ف ۔ اکبر
باب دراری فارسی ـ سند میں شعر لیں ... کہ یہ
خوردہ بفائزہ بہار گہ اکثر ہے، بفائزہ کا تبدیل
کی وجود پر شہرت اعیار میں فائزہ ۔ اور فائزہ
ہے اور برہان جامع میں بھی یہ دونوں ہیں
میں میں ان دونوں کے علاوہ فائزیدن بھی

لفظیات



الفاظ اور طرق استعمال کے سلسلہ میں کسی فارسی شاعر سے انتخاب (پنسل سے)

دیوان یکرو (ات اگر د آبرو) مرتبہ پروفیسر شمیم انہونوی ص — فرہنگ آصفیہ میں نہیں: ۱ معنی در مدام معنی مرزم دل گرد بتاں کا " ص۱ ۲ لیو " یا لعل پہ تیرے ہے سبھی رنگ لیو یاں کا " ۳ جیسی " ہوتا ہے جیس مہہ کے آگے حال کتاں کا " ص۱ ۴ اگر ص۱ ۵ بہت " سب گرد ہوئی صاف بہت کو سبب اسی کے ص۱ ۶ سمانا " اگر ہنی قصداً ظالم ترے دل کو ستانے کا سب کہا ہے سمجھ مجھ سے سمانے سی بہانے کا " ۷ اپنی " نہ ہوتی کیونکے گردوں پہ صدا دل کی بلند اپنی " ص۱ ۸ ایضاً ۹

فرہنگ آصفیہ کے نقائص کے جائزہ کے سلسلے میں یکرو کی لفظیات

— خوب "افسوس" وہ شبنم کا کرتہ کس خوب کا ہے — وہ گل سا بدن اس میں پھوٹا ہوا" خوب کی جمع خوباں حسینوں کے لیے مستعمل لیکن خوب کا جس طرح یہ افسوس میں ہے کہیں اور نظر نہیں آیا۔

— ناکارہ، مونث، ناکارہ لیساق اردو، افسوس کم ہمتی باعث کام کی ناکارہ بہت ص ۵۵

— ناخواندہ، مونث، ناخواندہ لیساق اردو

ہندی مونث شرمندہ لیساق اردو

لفظیات: میر شیر علی افسوس کے دیوان سے چند الفاظ کی سند

— [illegible] میرا آئینہ [illegible] [illegible] ہیں [illegible]

— خمار [illegible] میر رہ آنکھوں کو دیکھ اس کی آخر خمار تھا [illegible]

شراب

[illegible] ہو [illegible] جو [illegible] اردو [illegible] [illegible]

— [illegible] میں [illegible] میرا [illegible] میں [illegible] ہے [illegible]

[illegible] میں [illegible] اس [illegible] [illegible] لیدم

[illegible] میں [illegible] بتایا [illegible] میرا زندگانی [illegible]

— [illegible]

— باز خواہ میر رہ از خدا [illegible] [illegible] ۱۶۷

— [illegible] میں [illegible] میرا میں ہیں — [illegible] ۱۵۵ [illegible] ۱۶۷ — [illegible]

— [illegible] سخن ۱۶۷ — [illegible] سخن [illegible] — اسلوب [illegible] ۲۱۶ — [illegible] ۲۱۷ — [illegible]

[illegible] — [illegible] ۲۲۵ —

— [illegible] آصفیہ میں [illegible] میرا [illegible] میں [illegible] اور وہ [illegible] ۱۹۱ —

— [illegible] آصفیہ میں [illegible] میرا [illegible] میں [illegible] ۲۰۱

— [illegible] میں [illegible] میرا ۲۰۲

= [illegible] میرا [illegible] اس کو [illegible] میں ۲۰۳ [illegible] ۲۶۶

— [illegible] میرا [illegible] افسردہ [illegible] ۲۰۶

— [illegible] سب خوبیاں ہیں [illegible] میں ۲۱۲ [illegible]

— [illegible] ایک [illegible] میں [illegible] ۲۱۹ تیری [illegible] سے [illegible] ہوں

— [illegible] میرا [illegible] ۲۲۳ [illegible]

[illegible]

[illegible] میر [illegible] [illegible]

— [illegible] [illegible]

آصفیہ پر تنقید کے سلسلہ میں کلیات میر سے استناد

——— استر، ستر، ستور، استرون (ع ۴۳ تا ۴۹) بوزن
بکفتر (برہان) "بلغتیں" ہرگز نہیں لجبۂ ادام ہے ستر اور دوام پر قیمہ)
بضم اور ستور بفتح پہ علیہ۔ قطعۂ سعدی "آن شنیدستی کہ وقتی تاجری
در بیابانی بیفتاد از ستور۔ گفت چشم تنگ دنیا دار را۔ یا قناعت
پر کند یا خاک گور" استرون بھی برہان میں بضم اول و صحیح لجبۂ اول (
) قطعۂ سعدی سے ثابت ہے کہ لوگ ستور پر ضم کرتے تھے اور اس کی
ت معلوم ہے کہ ستور پالکی بھی ہو سکتا ہے (حرکت اول کہ داخل قافیہ
نہیں) اس قطعے سے کسی خاص حرکت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی فرہنگ ایسی
نہیں جس میں استر لجبۂ اول ہو، سب برہان کی ہمنوا ہیں۔ یہی کیفیت
حرکت داخل قافیہ نہیں۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ مسعودی یا طیبان
مرغزی کا ایک شعر جس میں ایک قافیہ بحرکت بواو معروف
غمیشن حقا مسند ادو چو ایک ہے۔ بجز فرخزی کلید سوکب (جہانگیری
در سند کتاب میں) "اشار فتحۂ الف: عنصری "بجای موکب گوہر نہاد
بہا استر ہے۔" فرخی "ببلکد رشتہای بابسیم استر" ہے۔ ولیس و
رامین "نواز گوہر ہمی مالی با استر" ہے۔ قصائد سنائی "بار عیان تر
بہا الشہا استر برفند" ہے۔ انوری "در پی استر سپید دو رسم اختر نکشت"
(خدا کس) چراغ ہے، کشف اللغات فرہنگ احمدی میں ہے:
از سندیر استر چہ (یعنی از با استر ہے) چون تو لشتی روز بلند فردوسی

استر جس فرہنگ میں ہے بطیش ہے، سروری میں فرح اور قطعۂ نہایۂ جامی پر
فوت پر شعر بیت الکافیۂ آخر شعر: بیت آخر: بفوخر الشہ ودر حماقت
چو گاو۔ زمین ہمہ استر خر و کہتر استر۔ اور سنائی زبان میں "الاوّلیہ
چار پایان خرد مثل میش و غیرہ اور ستور (سین ساکن و تائے مفتوح ہمزہ
لجبۂ کوتاہ) مفتوح و چار پایان بزرگ مثل ستور اسپ و استر وغیرہ کو کہتے
تھے لیکن انہا ہے) یہ لفظ فارسی میں استر و ستور ہر گاہ
اشارہ ستور" ولیس و رامین "یکی استور مردم را ہمانا" ہے۔ و عربی
ہے ۔۔ کو رد میں ہے۔ ابجد دیکھو کہ ستور فارسی

استر، ستر، ستور اور استرون کے بارے میں

— ایمان: رحیم علی خاں، مولد اورنگ آباد، صاحب تذکرۂ انتخاب و مصالح الشعرا وغیرہ
موت اورنگ آباد ۱۲۲۷ (ق)

— انور: میر شاہ علی انور بن حیدر علی، رفیق عمدۃ الملک امیر خاں عالمگیری (متوفی ۱۱۰۹ھ) ایک مدت تک باپ کے ساتھ کابل میں رہے اس کے بعد عظیم آباد آ کر تکیۂ آقا حسینا میں گوشہ نشین ہو گئے۔ آقا حسینا کی بیٹی ان کے عقد نکاح میں آئی
موت ۱۱۵۵ (نو نگار) مصحفی میں یہی سنہ۔ اس میں عظیم آباد سے پٹنہ آنا لکھا ہے

— انجم: محمد علی خاں بن صاحب حسین خاں لال گنج شیخوپورہ ضلع مونگیر، شاگرد غالب۔ موت ۲۵ شوال ۱۳۰۸ھ تاریخ "آہ غروب انجم" از ڈاکٹر کلیم عاجز
جلد (بیاض جابر علی خاں)

— امیر الدین علی شہر نگار فارسی کے استاد باقر آگاہ تھے۔ ان کے رقعات کا مجموعہ "رقعات امیری" ۱۲۰۷ میں مرتب کیا تھا، اور انھیں سے اس کا تجربہ لکھوانا چاہتے تھے۔ امیر الدین علی اورنگ آبادی عازم مدراس ہوئے، کر ور دیہات شنا سے ۱۱ ذیقعدہ ۱۲۱۸ کو راہی عدم ہوئے مدفن نامعلوم ہے۔ مرآت الاحوال سے ... باقر آگاہ سے تھی کہ ... سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر ۷۰ سے زیادہ نہ تھی بروز جمعہ ... مذکور ہے۔

— انوری مرثیہ۔ آصف الدولہ کلیات ... میں قطعۂ ذیل
انور علی ... در ... ہر کس کہ شنید گفت ہم افسوس
تاریخ وفات او لو لفظ تاریخ "افسوس اے ستم ... افسوس"
مصرع آخر کے ۱۲۲۸ مرحوم کے ... سے بھی نکلتا ہے

شاید شعرائے اردو کی انسائیکلوپیڈیا کا کوئی منصوبہ ذہن میں رہا ہو

— آشفتہ، میرزا محمد صالح، اصفہانی، ان کے والد میرزا
محمد زمان داروغۂ توپخانۂ صوبۂ کابل تھے۔ آشفتہ لاہور آئے
اور (ظ) یہیں ۱۱۷۲ میں فوت ہوئے (حاکم)

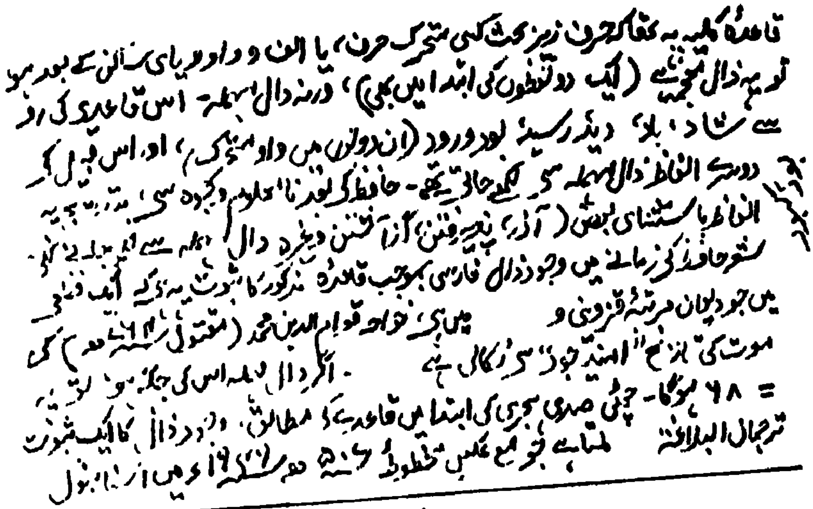
ارسلان خان، ع تختا خان بہادر فتح جنگ م ش ۵ خان
بن عبداللہ خان چینگیزی کاشغری از اعاظم امرائے عالمگیر
ے امرائی م ۲۴ ر ۸ ر ۱۱۲۱ (عمر)

امام قلی، آخر عمر آنخان سہ ہزاری و یا الفوری "در شکارگاہی کہ بحضور
میرفت در صوبہ اکبرآباد بدو کسی تاختہ کشتہ شد" (صحائف)

سردار بیگ، ع اہتمام خان نجم الدولہ خان بن باقی خان چیلہ
از امرای عالمگیر م ۱۱۰۳ (مآثر مجمع)

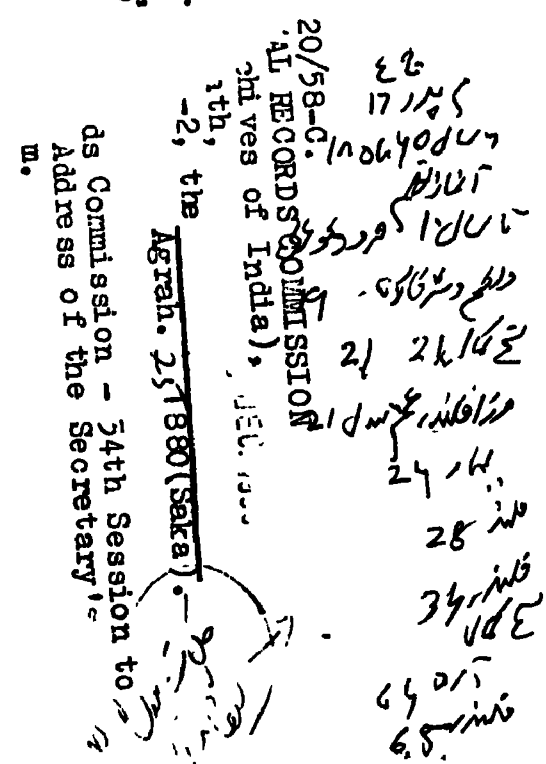
میر سہراب، ع اسپر خان بن خلیل اللہ خان بن امیر میران نعمت اللہی
یزدی م کابل ۲۷ ر ۱۰ ر ۱۱۰۹ عمر ۶۵ - "ارواح کو"
(مجمع سامی مآثر)

شاید شعرائے فارسی کی انسائیکلوپیڈیا کا کوئی منصوبہ ذہن میں رہا ہو



۲۱ قاعدۂ کلیہ یہ تھا کہ حرف زیر بحث کسی متحرک حرف، یا الف و واو و یای ساکن کے بعد ہو
تو یہ ذال معجمہ ہے (ایک دو لفظوں کی ابتدا میں بھی)، ورنہ دال مہملہ۔ اس قاعدے کی رو
سے شاذ، باذ، دید، رسید، بود، ورود (ان دونوں میں واو متحرک ہے)، اور اس قبیل کے
دوسرے الفاظ ذال معجمہ سے لکھے جاتے تھے۔ حافظ کے بعد نامعلوم وجوہ سے [illegible]
الفاظ با استثنای بعض (آذر، پذیرفتن، گزاردن، گذشتن وغیرہ) دال [illegible]
شعر حافظ کے زمانے میں وجود ذال فارسی بموجب قاعدہ مذکورہ کا ثبوت یہ ہے کہ [illegible]
میں جو دیوان مرتبۂ قزوینی و [illegible] میں ہے، خواجہ قوام الدین محمد (مقتول ۷۶۴ھ) کی
موت کی تاریخ "امید جود" سے نکالی ہے۔ اگر دال مہملہ اس کی جگہ ہو تو [illegible]
= ۶۸ ہوگا۔ چوتھی صدی ہجری کی ابتدا میں قاعدے کے مطابق وجود ذال کا ایک ثبوت
ترجمان البلاغہ [illegible] ملتا ہے جو مع عکس مخطوطۂ ۵۰۷ھ [illegible] ۱۹۴۹ء میں [illegible]

ذال معجمہ کے بارے میں



ان کی یادداشتیں کیسے کیسے کاغذ پر ہوتی تھیں

چند شعرا کے بارے میں ایک یادداشت

امانت خان میر محمد حسین بن میرک معین الدین امانت خان خوافی، ہنر اردو یا لغوی در حکومت بلند مسعود متوفی ۱۱۱۱ (خلاصہ تا نشر)

محمد جان آتش خان بن بختیار بیگ (م ۱۰۶۶) روزبہانی از امرای عالمگیر در وقت دوری گرفتار شد بیجاپور م ۱۱۱۰ (مجمع النفائس)

سید اعتبار خان سیادت شجاعت از امرای عہد و کہ راہ دارا و شجاعان عالمگیر سر ہزار دیوان لغوی و مسودہ (مجمع النفائس)

ناصر علی سرہندی م دہلی ۵ یا ۶ ... ۱۱۰۸ – نقل از
۶، ۹، مادہ آہ از رحلت ناصر علی [۱۱۰۸]
(دیوان عاشق ... شیرخانی ... شوالہ ... سرخوش)
ایضاً تحت سنہ ۱۱۲۰ ناصر علی سرہندی ... سرخوش
در این سال رحلت کرد (شرح دیوان علی از دکتر ... ابادی)

آوارہ گرد اشعار

اُف ری زلف تو رہتا نہیں بن جان لیے — ۱

کیا ہی بلا ہو

یہ مطلع امیر اللغات و مہذب اللغات دونوں میں تحت "اف ترا کا"
ہے مندرج ہے لیکن دراصل میر امانی اسد دہلوی کا ہے اور ان کے نام
امیر مینائی کے تذکرے میں جس کا اختتام غالب کی ولادت سے قبل ہوا تھا، موجود
رامپور کے متوسل تھے اور اس تذکرے کا ایک نسخہ کتب خانہ ریاست میں تھا۔ اور
یہ رامپور میں لکھے گئے تھے۔ تعجب ہے کہ ایک ایسا شعر جو نہ غالب کی طرز کا ہے
میں موجود ہے، امیر نے غالب کی طرف منسوب کر دیا۔ نہ معلوم اس کی کیا سند
بہرحال ان کی ناواقفیت حیرت انگیز ہے۔ مؤلف مہذب اللغات نے بھی
انھوں نے انھی کی سند … اور کتاب کا اس انتساب کے لیے حوالہ …
تو … کیوں گیا … ۲ … [illegible] …
فرہنگ آصفیہ … میں غالب کا یہ مشہور شعر مصحفی کے نام درج ہے
… مصحفی کی طرف اس کا انتساب نہیں کیا، مصحفی کے کسی دیوان

آوارہ گرد اشعار

اُف ری زلف تو رہتا نہیں بن جان لیے

اف ترا کاٹا نہ جیے

امیر مینائی کی امیر اللغات کے حصۂ اول میں جو رامپور میں جس وقت امیر متوسلین ریاست تھے
غالب کے نام مندرج ہے، اور مہذب اللغات میں بھی انھیں کے نام سے ہے (ہر دو تحت "اف ترا کاٹا
نہ جیے")

"آوارہ گرد اشعار کا ابتدائی ڈرافٹ

لیکن تمہاری شاعری ہے ـــ یہ اس سے ہوا ہے کہ دکنوی سے منسوب ہوا ہے
جتنی سے زیادہ وقت میرے جوش میں آتا ہے بحر کتابی جو اشعار ہیں سب خاموش ہوتا ہے

تمہارے دیدہ جو دامن لا آستیں پکڑی بزرگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی
محمد عابد دل کا مطلع یہ (نقش) ہے " شوق " لیکن میرے
ہیں نیاس محمد عابد جوشش ، بحر نگار ہے ـــ یہ بھی جو یہ مرقوم ہے کہ قائم نے بھی
شعر فرمایا کر نام سے لکھا ہے غلط فہمی ہے

اٹھا دیکھو کسی نے پھر نہ میرے آستیں پکڑی بزرگ نقش پا اس دامن جب ہیں نے زمیں پکڑی
یہ اعداد اشعار گلشن بیخار کے مخطوطہ م میں لکھا بدایونی کے نام
سے ہیں
نسخہ تحریر

تھکا ہے منزلوں کا یا پیاسا ہوا اس کا ہے الہی خیر بھیجو نامہ بر کچھ سست آتا ہے
حاجت
ہر گز فنا سے میرے

IDARA - E - TAHQIQAT - E - URDU
(URDU RESEARCH INSTITUTE)
Birla Mandir Road, Patna-4
ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ ۴

Ref No. .... Date. ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء

شفیق مکرم! خوشی ہوئی، عمر دراز پائیں اور اردو کی خدمت کرتے رہیں۔
خط اور رسالہ کتابیں ملیں۔ دلی شکریہ۔

میری صحت پانچ برس سے خراب ہے۔ اس کا اثر قوت ارادی پر بہت ہوا ہے اور کسی قدر حافظہ بھی متاثر ہے۔
غالب اور صفیر بلگرامی پر میرا انتقاد خدا بخش لائبریری جرنل میں شائع ہوگا۔ آپ نے اس موضوع پر
جو کچھ لکھا ہے اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

میں نے مدت ہوئی ایک رسالہ [illegible] نکالا تھا۔ اس کے چند ہی شمارے نکلے تھے کہ میری طویل علالت کی وجہ سے
بند ہو گیا۔ اس کے کل شمارے [illegible] پیراڈوکس پریس میں چھپ رہے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد یہ آپ کے پاس پہنچے گا۔
~~یہاں کی [illegible] کتابیں [illegible]~~ پٹنہ میں جو کتابیں ملتی ہیں ان کا علم ہے۔ جو مطلوب ہوں لکھیں۔ بھیج دوں۔

تخلیقی ادب کے ایک شمارے میں یگانہ چنگیزی کے متعلق بہت کچھ ہے مگر کسی لکھنے والے نے [illegible] یہ نہیں بتایا
کہ اس شخص نے ایک ضخیم کتاب اسلام کی مخالفت میں لکھی تھی اور [illegible] وصیت کی تھی کہ [illegible] کے بعد (؟)
خیال ہوگا کہ [illegible] اشاعت [illegible] ہو جائے گا اور [illegible] مشہور ہو جائے گا۔ [illegible] تھے
یہ کتاب دکھائی [illegible] اسے [illegible] دیکھا۔ [illegible] اور اس کا
~~[illegible]~~ ہو جاتا تو [illegible] اسلام [illegible] تھا۔ [illegible] اس کا ترجمہ
[illegible] کہ اس کا ترجمہ ہو کتاب والیس [illegible] ہو جاتا کہ کتاب کا [illegible]
[illegible] کہا کہ [illegible] وقت کی [illegible] ضروری ہے۔ مگر اس کی [illegible]
[illegible] کے متعلق اپنی تحریروں میں [illegible]
آپ [illegible] کو بہت [illegible] آپ غالب [illegible]
[illegible] کہ اس کے [illegible] ۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے

مخلص
قاضی عبدالودود

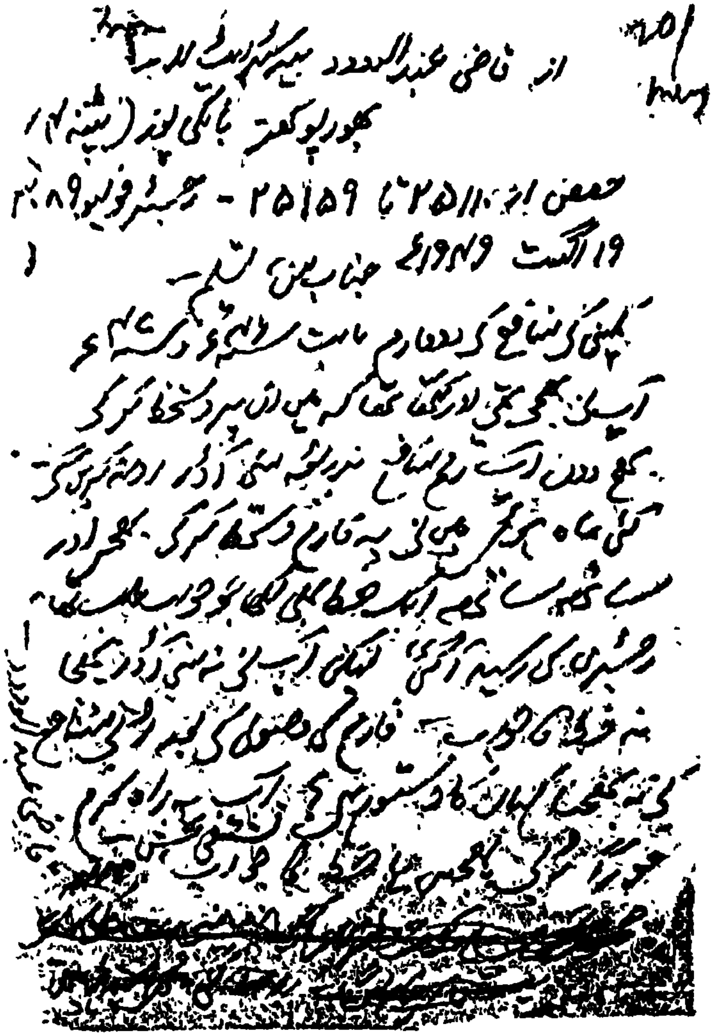
۱ تخلیقی ادب ۱۹۸۵ء میں [illegible] کی [illegible]

مکتوب بنام مشفق خواجہ صاحب (جو نامکمل چھپانہ جاسکا)

بخدمت
جناب مشفق خواجہ

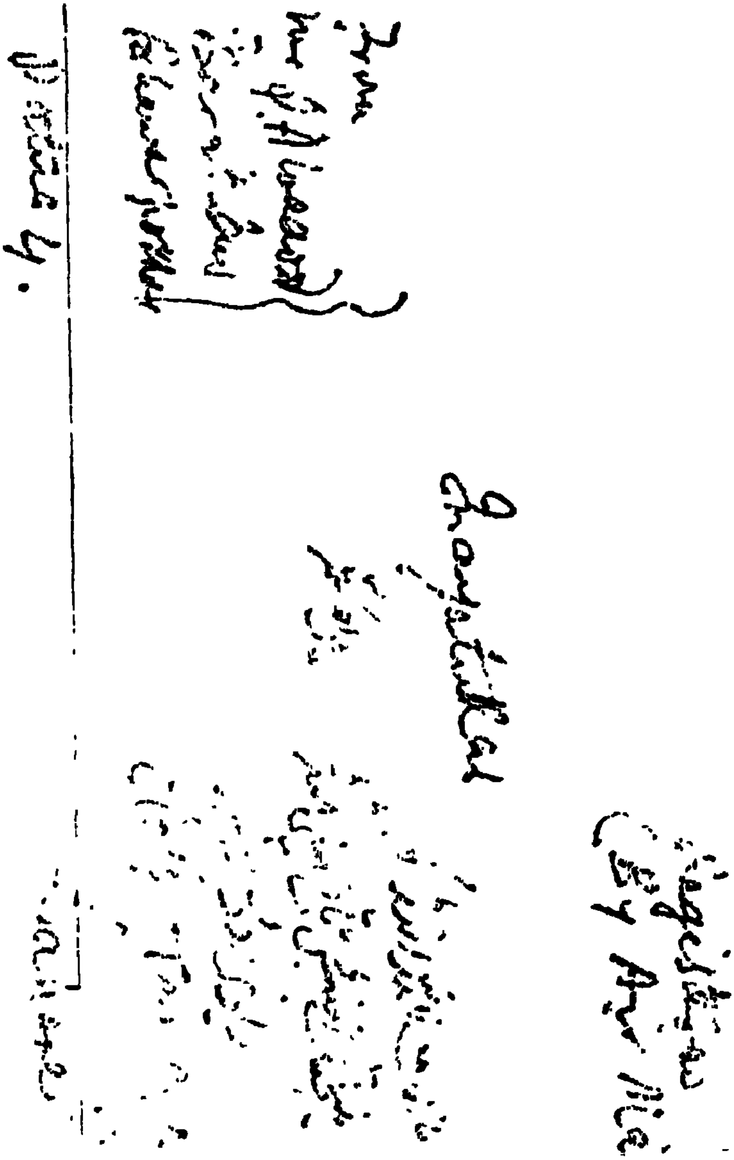
کراچی،

مشفق خواجہ صاحب والے خط کا لفافہ

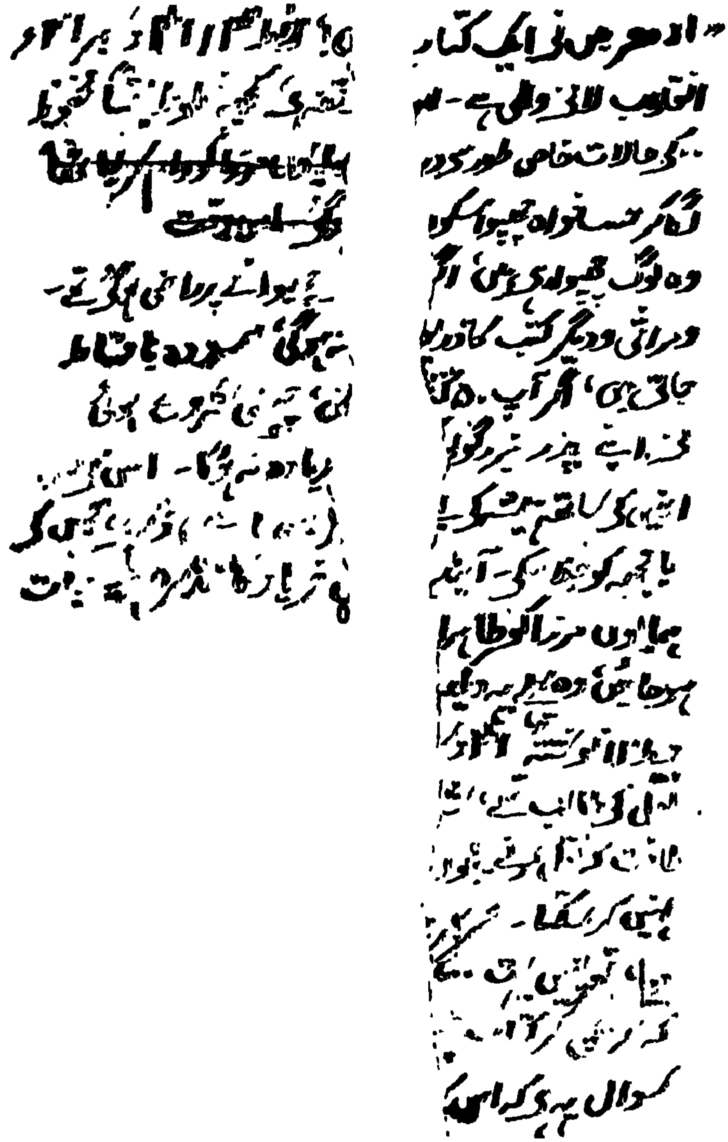


از قاضی عبد الودود [illegible]
بچوا رپوکھر بانکی پور (پٹنہ ۴)
۲۵۱۱۰ تا ۲۵۱۵۹
۱۹ اگست ۱۹۴۹ء
جناب من تسلیم
[illegible]
آپ نے بھی یہی لکھا تھا کہ میں اس پر دستخط کر کے
[illegible]

ایک خط



ایک لفافہ پرپتا



کسی کے نام کسی خط کا ایک ٹکڑا

مشفق مکرم

[illegible]

میرزا ضاحک سے متعلق پر آپ کا اقتباس [illegible]

اس قسم کے مقامات میں [illegible] ضاحک سے متعلق جو کچھ لکھا ہے [illegible]

ناگزیر ہے۔ اس مضمون میں اغلاط طباعت بہت ہیں۔ میرے پاس کوئی نسخہ [illegible]

نکلے تو اس کی تصحیح کر کے آپ کو بھیجوں گا۔

[illegible] ۱۱۹۳ھ کی تصنیف ہے

[illegible] تاریخی ہے [illegible]

[illegible] فیض آباد کے ذکر میں [illegible] کی طرف اشارہ کریں گے جو اس وقت

[illegible] فیض آباد [illegible] ٹھیک نہ ہوگی۔ آپ اس پر

[illegible] میں اردو [illegible]

میرا خیال ہے کہ جس وقت [illegible]

[illegible]

ایک خط (بنام ؟) بسلسلۂ ضاحک — نیز حسن کاغذ کے نچلے حصے میں اس خط کے اوپر جو شاید کبھی بھیجا نہ جا سکا

ذیلی ؟

جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار

امید ہے کہ آپ تندرست ہوں گے۔ آپ سے آپ کے مطالعہ
کے متعلق گفتگو جلد ہوتی تو اچھا تھا
الطاف الملک آپ دیکھئے گا کہ ان کا فرمودہ ہی
کتاب الالفیہ اور گلزار سرمدیہ کی دو جلدوں کی بابت
شکریہ قاضی عبدالودود

۲

مکرمی سہیل ۔ مزاج گرامی

آپ کا خط موصول ہوا
بے چینی سے انتظار رہے گا
کسی وقت زحمت فرمائیں
تب جرنل کا شمارہ لے
مدد مل سکے گی
بہ صد منت ہے ندرکم
بیدار

بنام بیدار

آج ۵ بار آپ کو ٹیلی فون کیا، دارالعلم بیدار اشتہار کا۔ لکھا ہے تھا کہ آج
میں گھنٹے سے آپ کو رنگ کیا۔ معاً لعہ قاضی صاحب کو کو متن ہے تو
فہمیدہ ۵ اوپی کلام کا ہے بیلو میری الماس کا جب ہے نہیں کہ اگر آپ خود رکہ
کا ... جواب
نہیں دیا
اور وہ اخبار ہی شعر عالی
کہا کہ اگر کوئی کے گھنٹا
اگر واپس آ گئی ہیں تو ... پاس ادرو

قاضی عبدالودود

۳۳/۱/۲

۲۳ [illegible] ۱۹۸۹ء

جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار صاحب
۵ دن ہوئے کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ
آپ لائبریری کمیٹی کا جلسہ فوراً [illegible]
[illegible] منعقد کرائیں مگر
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بنام بیدار

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بنام بیدار

کرشن چندر کی یہ کتابیں طلب ہیں: جنگل کی جنبلی، دادر [illegible]، [illegible]
[illegible] زرگاؤں کی رانی —

وڈہاؤس کی یہ کتابیں: The White feather,[1] Tales of St Austins,[2] Eggs, beans & crumpets,[3] اور Mike a public school story[4]

آج اس وقت تو لائبریری بند ہوگی، براہ مہربانی کل [illegible] کی الماری [illegible] کتابیں [illegible] دیں گر وہ [illegible] [illegible] میں [illegible] آئی ہیں [illegible]
Piccadilly Jim بھی نہ بھولیں —

اردو ناول بھی بھیجیں، مگر کرشن چندر کا کوئی ناول [illegible]
کیا آپ وطن جا رہے ہیں؟
ہمارے ہاں چھٹیاں [illegible] ہیں

[illegible]

قاضی عبدالودود

بنام بیدار

[illegible]

لیکن ان کی حالت کیا ہے [illegible] بعض کو
بخار بھی آ گیا ہے ممکن ہے کہ ان کو
ملیریا ہو گیا ہے۔

تذکرہ مقدمۂ [illegible] سے جو کچھ نقل
کرایا گیا تھا نقل ہو گیا [illegible]
مہربانی بھیج دیا ہے۔ [illegible]
[illegible] میں [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

شکریہ

میں آج کے [illegible] میں [illegible]

[illegible] واپس [illegible] قاضی عبد الودود

[illegible] آنا۔

جاسوسی دنیا

[illegible]

[illegible] واپس ہیں۔

براہ مہربانی ۳۳ ناول (از ناولوں میں سے

جن کو ناموں کی فہرست (اوپر درج ہوا ہے)

بھیج دیں۔ فہرست جاری ہے

مسز وارد

وی پی وصول ہونے پر ۳۴ ناول

واپس ہیں۔ اس ۳۴ [illegible]

ناول براہ مہربانی بھیج دیں

[illegible] Pick Kale ly [illegible]

اور دو ناول [illegible]

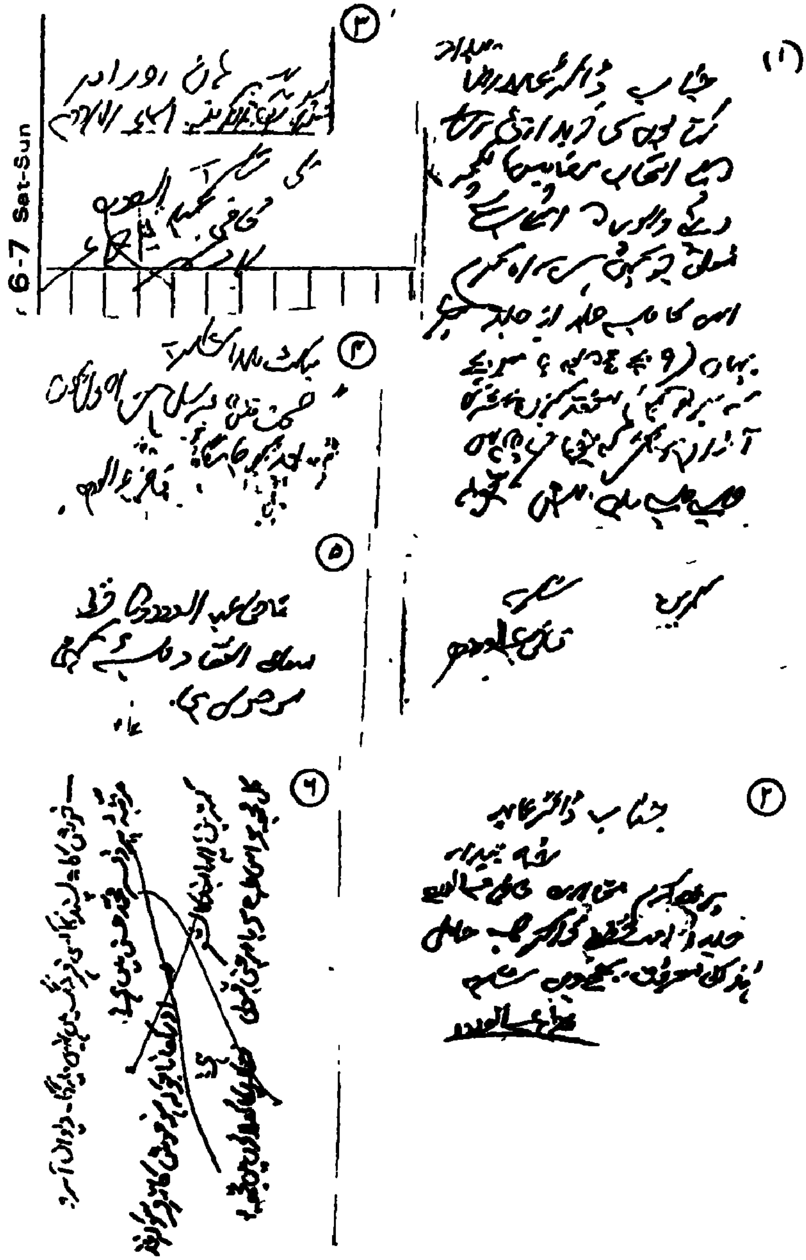
دہلی سے واپس [illegible] دیکھے

[illegible] شکریہ

قاضی عبد الودود

بنام بیدار

[illegible]



(۱) تا (۵) رقعات بنام بیدار

(۶) ایک یادداشت

خدابخش

○ خدابخش نامه
● دکتر محمد حسین تسبیحی

○ آشنایی با کتابخانهٔ عمومی شرق شناسی خدابخش
● دکتر محمد حسین تسبیحی

دکتر محمد حسین تسبیحی (رسا)
ایران پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف پرشین اسٹڈیز
اسلام آباد، پاکستان

خدابخش نامه

نشان علم و عرفان شد خدابخش　　سریر کشور جان شد خدابخش
کتب خانه ازو آباد گشته　　بهارستان نیکان شد خدابخش
حدیث و فقه و حکمت با قرات　　همه تفسیر قرآن شد خدابخش
بُوَد گنجینهٔ اشعار زیبا　　مثال گنج پنهان شد خدابخش
ببین آن شاعران صف در صف　　غزل گویان خوبان شد خدابخش
همه آن نسخه های خوب و نایاب　　چو دُرِّ بحر عمّان شد خدابخش
بود جرنل یکی گنج سخن ور　　چو گوهر در بهاران شد خدابخش
تصاویرش بُوَد خوب و فریبا　　چو خورشید درخشان شد خدابخش
خطوطِ شاعران و خوشنویسان　　سرای خوشنویسان شد خدابخش
تواریخ دل انگیز و شکوفان　　سندهای فراوان شد خدابخش
برای خدمتِ مردانِ اسلام　　کمالِ عشق انسان شد خدابخش
کمربسته به تعلیم و تعلّم　　نهال باغِ نعمان شد خدابخش
صفاتِ مردمی را زندگی داد　　محبّت را گلستان شد خدابخش
همه آثار و عرفانِ الهی　　خزاین را شبستان شد خدابخش
گر از یعقوب و یوسف عشق جویی　　تو گویی ماهِ کنعان شد خدابخش
چو گنج داستان های ادیبان　　ادب را نکته گویان شد خدابخش
نشان از گلشنِ حسن صداقت　　بهارستانِ ایمان شد خدابخش
جهانِ عشق و عرفان را وفا بود　　مسلمان خدادان شد خدابخش
دلش غرقِ محبّت های اسلام　　عزیزِ هر مسلمان شد خدابخش

خدا رحمت کند او را همیشه / غریق لطف رحمان شد خدابخش
وجود او سراسر شوق عرفان / به عرفان روح یزدان شد خدابخش
کتاب آئینهٔ احوال انسان / همان آیین انسان شد خدابخش
کتب خانه بُوَد نور علی نور / از آن نور درخشان شد خدابخش
نوادر را ببین در آن نمایان / نوادر را نمایان شد خدابخش
هنرهای جهان پاک اسلام / خزاین را نگهبان شد خدابخش
بُوَد عابد رضا بیدار و دانا / از او چون گلستان شد خدابخش
به خلق خوش بود چونان فرشته / به پاکی چون شهیدان شد خدابخش
به تاریخ و ادب یکتا مسلمان / یکی معبد دبستان شد خدابخش
برای جذبهٔ حق و حقیقت / کلیم طور عمران شد خدابخش
کمال مردم دانا در او بود / سخن گوی فقیران شد خدابخش
زُمرِ عاشقان علم و فرهنگ / به میدان شیر غران شد خدابخش
بُوَد پتنه مکان علم و ایمان / چو هندستان صفاهان شد خدابخش
نسیم شهر پتنه مشک بو شد / ابوریحان ایران شد خدابخش
بُوَد پتنه یکی شهر بزرگان / دل و جان بزرگان شد خدابخش
صبا از کوچهٔ پتنه گذر کن / ببین آنجا غزل‌خوان شد خدابخش
الهی کن نصیبم تا ببینم / همانجا که شکوفان شد خدابخش
سراسر خاک هندستان بگردم / صفای پاکبازان شد خدابخش
به هر جایی بود آثار ایمان / چو جبرئیل پیک شاهان شد خدابخش
نگر بر کاروان علم و حکمت / چراغ راه آنان شد خدابخش
گلستان همه عشاق دانش / گل خوشبوی تازان شد خدابخش
یکی از رازهای عشق الله / بدان الله گویان شد خدابخش
مسیر او به سوی درگه حق / به آنجانب شتابان شد خدابخش

الهی در بهشت عنبرین باد	چو طوبی نخل ایمان شد خدا بخش
درود من بود بر بارگاهش	مسلمان جهاندان شد خدا بخش
صبا از من بگو با شهر پتنه	سفیر نوجوانان شد خدا بخش
به ایران گشته مشهور بزرگان	به کرمان ماه ماهان شد خدا بخش
تمام مثنوی گویان تاریخ	اساس قصه‌هاشان شد خدا بخش
اگر از شمس و از رومی بخواهی	همه شور نیستان شد خدا بخش
اگر آثار سعدی را بجویی	حکایات گلستان شد خدا بخش
گلستان را بدان چون کاغذ زر	زر و گوهر به دامان شد خدا بخش
نصیحت نامه سعدی اثر بخش	سخن را گنج شادان شد خدا بخش
فراوان جُنگ اشعار و غزل را	ببین همچون حدی‌خوان شد خدا بخش
چو از فردوسی و شهنامه پرسی	بدان کاخ سخندان شد خدا بخش
نظامی آن حکیم خمسهٔ عشق	یکی از خمسه‌خوانان شد خدا بخش
بود خسرو شه موسیقی و شعر	برای او ثناخوان شد خدا بخش
اثر از ابن سینا گر بجویی	شفای جسم و ابدان شد خدا بخش
بجو از فخر رازی علم و حکمت	مباحث را ادیبان شد خدا بخش
رباعی‌های خیام و ریاضی	بدان اخترشناسان شد خدا بخش
به طب و فلسفه او را محبت	طبیب دردمندان شد خدا بخش
خرامان و شتابان تعلیم	چو دریای خروشان شد خدا بخش
خوشا آن درگه عشّاق هندو	بهار خوشه‌چینان شد خدا بخش
محقّق عاشق و یار خدا بخش	که خورشید خراسان شد خدا بخش
سراها از عاشقان درگه او	که غمخوار ادیبان شد خدا بخش

از محمد حسین تسبیحی (رها)

آشنایی با کتابخانۀ عمومی شرق شناسی خدابخش

آن روزها که در دانشکدۀ ادبیات دانشگاه تهران مشغول تحصیل بودم، بسیار علاقه مند بودم که سانسکریت
را بخوانم. استاد زبان و خط سانسکریت مرحوم پرفسور نایندو شیکهر بود. استاد اردو مرحوم دکتر سید باحید رشهر یار
ی بود. من هر دو درس اردو و سانسکریت را می خواندم. آقایان دانشجویان فقط برای نمره گرفتن آمده بودند.
که با علاقه و عشق وافر می خواندم و مطالعه می کردم، گاهی مورد تمسخر و استهزا، واقع می شدم. زبان و خط سانسکریت
ب یاد گرفتم و همین طور زبان و خط اردو را نیز یاد گرفتم و در امتحان نمرۀ خوب گرفتم.

کتاب راهنمای سانسکریت تالیف آقای پرفسور نایندو شیکهر بود که از طرف ادارۀ انتشارات دانشگاه تهران
ه و منتشر شده بود. به همین ترتیب کتاب راهنمای اردو نیز تالیف آقای دکتر سید باحید رشهر یار نقوی چاپ شده
و این هر دو کتاب درسی بودند.

اما من که علاقه مند بودم بیشتر مطالعه کنم و به زبان و ادبیات و تاریخ سانسکریت و اردو آشنا گردم،
ه از استادان ارجمند چیزهایی می پرسیدم و پاسخ هایی می شنیدم. مرحوم پرفسور نایندو شیکهر شوق و عشق
سانسکریت دریافت و گفت:

"شما باید با من به کار ترجمۀ "شکونتلا" اثر کالیداس بپردازی و در این راه به من کمک کنی، هم
خودت چیزی یاد می گیری و هم برای من فایده دارد."

جمۀ "شکونتلا" داستان زیبای هندی آغاز گردید و خیلی زود به پایان انجامید و از طرف بنگاه ترجمه و نشر کتاب
ن) چاپ شد. من که باز هم می خواستم چیزهایی بهتر و بیشتر بفهمم و یاد بگیرم. از مرحوم پرفسور نایندو شیکهر
ست کردم که مطالبی دربارۀ هندوستان و شهر های آنجا و کتابخانه ها و موزه و مراکز علمی و دانشگاهی برای
ن کند. ایشان با گشاده رویی مطالبی بسیار ارزنده برای من بیان کردند و من کوشش می کردم که آنها
اشت کنم. چون علاقه مند به کتاب و کتابخانه بودم، بیشتر آن چه مربوط به کتابخانه های سرزمین هند بود،
شتم و یا به خاطر می سپردم.

اکنون که این مطالب را می نویسم، مدّت ۳۵ سال از آن تاریخ گذشته است یعنی در سال ۱۹۵۶ء میلادی برابر با ۱۳۳۵ ه‍ ش من در دانش کدهٔ ادبیات دانشگاه تهران درس می خواندم، آن کتاب خانه ی را که استاد مرحوم ایندوشیکهر دربارهٔ آن بسیار گفت و گو کرد، کتابخانهٔ عمومی شرق شناسی خدابخش بود، او گفت این کتابخانه در شهر پتنه قرار دارد و کتاب های فارسی بسیار در آن گرد آوری شده است. مالک کتابخانه خدابخش، مردی ثروتمند و مال دار است. او کتاب های چاپی و خطّی در کتابخانهٔ خود گرد آوری کرده است او همیشه می گوید که : ؎ " ز بهر روشنی دل مراندیم کتاب "

خدابخش همان خانهٔ خود را که همانند یک کاخ باشد، به صورت کتاب خانه درآورده است و از دور و نزدیک، کتاب فروشان ثابت و سیار برای او کتاب می آورند، و او می خرد و در قفسه های کتابخانه اش قرار می دهد. البته کسانی هم که علاقه مند به کتاب باشند، به کتابخانهٔ خدابخش مراجعه می کنند و گنجینه های علوم و فنون و ادب و فقه و اصول و زبان و فرهنگ و هند و تاریخ و روزنامه و مجلّه و غیرهم در اختیار آنان قرار می گیرد و از آن ها بهره مند می شوند.

این اطلاعات را در بارهٔ کتابخانهٔ خدابخش از مرحوم پرفسور ایندوشیکهر شنیدم و یادداشت کردم. سپس در کلاس های درس استادان ایرانی همواره می شنیدم که فلان نسخهٔ خطّی ارزنده در کتابخانهٔ خدابخش موجود است. مثلاً مرحوم استاد عبدالعظیم خان قریب گرکانی می گفت :

" اصل کتاب " کلیله و دمنه " در کتابخانهٔ خدابخش در هندستان موجود است !! "

امّا مرحوم استاد ایندوشیکهر می گفت :

" اصل کتاب " کلیله و دمنه " را " پنچا تنترا " می گویند یعنی " ۵ فصل " که به زبان سانسکریت می باشد و ممکن است در کتابخانهٔ خدابخش باشد "

در کلاس درس مرحوم استاد دکتر محمد معین، مرحوم استاد بدیع الزّمان فروزانفر، مرحوم استاد جلال الدین همائی، مرحوم استاد ابراهیم پورداود و نیز در کتاب های آنان همواره سخنی از کتابخانهٔ خدابخش به میان می آمد و عاشقان کتاب و کتابخانه را به هیجان در می آورد.

روزها و ماه ها و سال ها گذشته است و روزگار من با کتاب و کتابخانه می گذرد و بارها اتفاق افتاده که نامه هائی به کتابخانهٔ خدابخش بنویسم و چون به زبان فارسی مکاتبه می کنم، پاسخ نیز به زبان فارسی

دریافت می دارم.

به تازگی نامه هایی برای دریافت مجلّه ارزندهٔ "جرنل" به جناب آقای استاد دکتر عابد رضا بیدار، مدیـ
و سردبیر مجلّهٔ جرنل نگاشتم و یک قصیدهٔ فارسی تحت عنوان خدابخش نامه نیز ارسال داشتم، خوش بختانه این قصیـ
که در حدود یک صد بیت دارد، مورد پسند استاد عابد رضا بیدار واقع شد و در نامهٔ خود نوشتند "خوب است، خیلی
خوب، آنرا در جرنل چاپ می کنیم" این است که با ایما و اشارهٔ جناب آقای عابد رضا بیدار، شوق و عشق خودم
را به کتابخانهٔ خدابخش ظاهر کرده ام و به نثر مطالبی را به قلم آورده ام.

باری کتابخانهٔ عمومی شرق شناسی خدابخش در سرتاسر ایران خصوصاً و در سرتاسر جهان عموماً،
مورد توجّه و احترام ویژه می باشد و در کشور پاکستان نیز این کتابخانه شهرت فراوان دارد. بنابراین دانشمندان
و محقّقان از شش جهت جهان چهره های خود را به سوی کتابخانهٔ خدابخش گردانیده اند و دیدگان خود را به نوادر
علّی و چاپی آن دوخته اند همواره با نامه و تقاضا نامه ها درخواست کتاب چاپی و مجلّه جرنل و فهرست هائی آن
نابخانهٔ ارجمند را دارند و نیز برای فتوکپی یا فتو استیت و میکروفیلم از نسخه های خطی مورد نیاز درخواست می
نند. به همهٔ این درخواست ها و نامه ها، پاسخ مثبت داده می شود و در حقیقت خدمات علمی و تاریخی و ادبی
ابخانهٔ خدابخش زیر نظر استاد عابد رضا بیدار به بهترین طریقه و سریع ترین زمان در اختیار جهان علم و ادب
ار می گیرد مثلاً نسخهٔ خطی کلیات "ابوالبرکات منیر لاهوری" در کتابخانهٔ خدابخش موجود است و محفوظ و مضبوط.
بخانهٔ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان برائے میکروفیلم آن نامه نوشت. بسیار زود آنرا تهیه کرده
رسال داشتند. "فرهنگ زفان گویا" که اخیراً از طرف کتابخانهٔ خدابخش چاپ و نشر شده است، واقعاً
هکار است. منتخب تذکرهٔ بسیار مهم "صحف ابراهیم"، افست کردن مجلّه ها و عکس های تاریخی و اسناد
رگ ادبی و هنری و فلسفی و طبّی و غیرهم، خدمت بزرگ به عالم کثریّت خاصّه به شناخت هندستان به سرتاسر
ن است. کتابخانهٔ خدابخش گنجینهٔ میراث عظیم مردم هندستان است.

انتشارات کتابخانهٔ خدابخش مشتمل بر فهرست هائی فارسی و عربی و اردو و انگلیسی و هندی می باشد
یت بزرگی برای شناختن گنجینه های خدابخش می باشد. دیگر رساله ها و کتاب های تاریخی و ادبیا
ت، مانند "طلسم هوشربا" که یک نثر عظیم داستانی اساطیری و تاریخی است در ده جلد ضخیم. این آثار
ده، همهٔ فرهنگ و تمدّن بشری را در بر دارند و به ویژه میراث عظیم مردم هندوستان است که با چاپ و نشر

آنها فواید آنها به همهٔ جهانیان می رسد.

مجلّه سبرل که تاکنون ۵۶ شماره از آن چاپ شده است، درحقیقت یک دائرة المعارف
زرگ دانش و عرفان و تاریخ و هنر هندوستان مخصوصاً و جهان اسلام عموماً می باشد، این مجلّه را هر کسی که
ی خواهد هندوستان را بشناسد و هر کس که می خواهد جهان اسلام را بشناسد، به ناچار باید داشته باشد و آنرا مطالعه کند
.از آن   مند گردد.

دانشمندان ایرانی و مراکز علمی و دانشگاه های ایران و پاکستان از این کتابخانهٔ خدابخش در هندوستان
وايد علمی و بهره های تاریخی می گیرند، بدین جهت مسؤلان این کتابخانه، باید مورد تشویق و تمجید قرار گیرند از جمله
ستاد دکتر عابد رضا بیدار که با قلم توانای او، جان و دل ما توانائی می گیرد و با نوشته های او چشم ما روشن
ی شود، پاینده باد کتابخانهٔ خدابخش. زنده باد استاد عابد رضا بیدار.

●●

سہ ماہی مجلہ

فکر و نظر

جس میں

● علوم قرآن وحدیث ● فقہ ● کلام ● تصوف ● اسلامی تاریخ

● تعلیم وتدریس ● فلسفہ وسائنس ● ادبیات ● معاشیات ● عمرانیات

● سیاسیات ● ثقافت وتمدن ● قانون و اصول قانون

پر

اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شائع کیے جاتے ہیں

ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد (پاکستان)

جہانِ سرسیّد

- تائید المحمد و القرآن ترجمہ اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن
- جان ڈیون پورٹ صاحب

جامع نمبر "سید احمد سید انسائیکلو پیڈیا" کے عنوان سے سرسید پر سارا مواد یکجا ہو جاتا ہے۔ اس کا آغاز "سرسید کے بارے میں جو کچھ اس ماہنامے میں شائع ہوا ہے" اس سے کیا جا رہا ہے۔ اس میں کسی نظم و ترتیب کا خیال نہیں رکھا جا رہا ہے۔

آج کی اشاعت میں سرسید کے جذبۂ ایمانی کی ایک شاندار جھلک ہے، جب انھوں نے اپنا سب جمع پونجی خرچ کرکے، گھر کے برتن تک بیچ کے، اسلام کی خدمت کا بیڑا اٹھایا تھا اور دوسرے اہم کام انجام دینے کے ساتھ ساتھ انگریزی پادری بلکہ نامور انگریز کی بہت اہم کتاب اسلام اور قرآن کی سچائی پر لکھی ہوئی کو لندن سے اپنے خرچ پر چھپوائی تھی۔ حالی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"جان ڈیون پورٹ کی کتاب کا چھپوانا۔ لندن ہی میں سرسید نے جان ڈیون پورٹ کی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن کو جو انھوں نے عیسائیوں کے برخلاف اسلام کی حمایت میں لکھی تھی، خود اپنے روپے سے چھپوایا تھا۔ سرسید کے خطوں سے جو سید مہدی علی خاں کے نام ہیں معلوم ہوتا ہے کہ لندن کا کوئی پبلشر اس کتاب کے چھاپنے کی ہامی نہیں بھرتا تھا اور خود مصنف کو اس قدر استطاعت نہ تھی کہ اپنے روپے سے اس کو چھپوا کر شائع کرے۔ سرسید نے وہاں پہنچ کر جب اس کتاب کے مضامین سنے تو انھوں نے فوراً اپنے پاس سے روپے کی تدبیر کرکے وہ کتاب جھٹ پٹ چھپوا دی اور اس کی کئی سو جلدیں ہندوستان بھجوائیں۔ یہاں اس کا ایک اردو ترجمہ مولوی عنایت الرحمن خاں صاحب دہلوی نے اور دوسرا مولوی ابوالحسن نے کیا اور دونوں ترجمے چھپ کر شائع ہوگئے۔"

(طالب)

تائید المحمود و القرآن

ترجمہ

اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن

مصنفہ

جان ڈیون پورٹ صاحب

حسب فرمائش

کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور

[illegible] مطبع [illegible]

۱۳۱۵

دیباچہ

اس کتاب کی تصنیف سے میری غرض یہ ہے کہ آنحضرت کی وقائع عمری پر جو جھوٹے الزامات اور بے انصافانہ بہتان ہوئے ہیں اُن کو رفع کر دوں اور یہ ثابت کروں کہ آپ فی الحقیقت خلق اللہ کے بڑے مربی اور نفع رسان تھے۔ وہ مصنف جنہوں نے تعصب مذہبی کے سبب سے اُس محی عباد واحد مطلق کے شہرہ پر داغ لگایا ہے اُنہوں نے یہی نہیں ظاہر کیا کہ ہم نا منصف اور اُس عدل سے خالی ہیں جس کے اتباع کے واسطے حضرت عیسیٰ نے اس قدر شد و مد سے تاکید فرمائی ہے بلکہ اُنہوں نے ایسا کرنے میں یہ بھی غلطی کی ہے کیونکہ اگر ادنیٰ فکر میں اُن کو یقین ہو جاتا کہ عیسائیوں اور زمانہ حال کے عقلاء کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ نبی اور اس کے مقولوں پر نکتہ چینی کریں بلکہ مشرقی لوگوں کا طریقہ ہے یا یوں کہ آنحضرت کو ایک ایسا شارع مذہب اور مقنن ملت خیال کرنا چاہیے جو عرب میں عیسوی سنہ کی ساتویں صدی میں ظاہر ہوئے اور تب اگر ہم یہ کہیں کہ آپ ایسے ذہین تھے کہ دنیا میں آپ کا نظیر پیدا نہیں ہوا تو اس میں کچھ شک نہیں کیونکہ آنحضرت ملک ایشیا کے سب سے بڑے ذی [illegible] گرامی آدمی تھے۔ جب ہم اس بات کا خیال کریں کہ آپ کی پیدائش سے پہلے عرب کا کیا حال تھا اور [illegible] کے بعد کیسی ہوئی اور علاوہ اس کے اس بات پر بھی غور کریں کہ آپ کے مسلموں نے [illegible] آدمیوں کے دل میں کیسا جوش پیدا کیا اور قائم رکھا تو اس میں شک نہیں ایسے بزرگ آدمی کی صفت اور ستائش کرنا بہت ضروری ہے [illegible] اتفاقی ہوگئی اور آپ کی دلالت کو اتفاق پر محمول کرنا خدا کے [illegible] کی قدرت اور حکومت پر شبہ کرنا ہے۔ القصہ مؤلف کو یہ بھی اقرار کرنا چاہیے کہ چند جگہ اس کو اپنی رائے اور الفاظ پر [illegible] تھا اس لیے [illegible] اور مصنفین کی رائے اور خیالات کا استعمال کیا ہے۔ اور ایسے مقام پر اس [illegible] اقرار کرتا ہے اور شکر گزار ہے۔

جے ڈیون پورٹ

وقائع عمری محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنن اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی وقائع عمری آنحضرت کی وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچی ہو۔ فی الحقیقت اگر ہم آپ کی سوانح عمری کو ان تعصبات سے مبرا کر دیں جو ایشیائی مورخوں نے آپ کی طرف منسوب کئے ہیں تو کوئی بات ناقابل یقین باقی نہیں رہتی آپ کی ولادت کے زمانے میں اکثر عرب کے حصے غیر قوموں کے زیر حکومت تھے۔ کوہستانی عرب کے تمام شمالی حصے اور ملک شام و فلسطین و مصر بادشاہان قسطنطنیہ کی عملداری میں تھے اور خلیج فارس کا کنارہ البحرین اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے خسروان فارس کی قلمرو میں شامل تھے بحر قلزم کے ساحل کا ایک حصہ مکہ معظمہ کے جنوب تک عیسائی بادشاہان حبش کے ماتحت تھا صرف مکہ اور وسط کے دشوار گذار ملک آزاد تھے۔ اکثر اہل عرب کا مذہب ان کے حکام کے موافق تھا۔ چنانچہ جہاں اہل یونان اور اہل حبش تھے وہاں عیسائی مذہب کا غلبہ تھا اور جہاں فارس والوں کی عملداری تھی وہاں مذہب منوچہر و مجوس پایا جاتا تھا۔ [illegible] یہودی مذہب نقادہ میں بالکل مختلف تھا۔ باقی سب مقاموں میں بت پرستی کا نہایت زور تھا۔ زمانہ سلف میں اہل عرب ایک خدا یعنی خالق آسمان و زمین کی پرستش کرتے تھے مگر آخر کار انہوں نے وہ پرستش چھوڑ دی اور بتوں کے واسطے جنہیں وہ خدا کے بیٹے کہتے تھے مندر بنائے اور یقین کرنے لگے کہ شیاطین سیاروں اور ستاروں میں رہتے ہیں اور زمین پر حکمرانی کرتے ہیں سب جگہ نیک و بد دیوتا تسلیم کئے جاتے تھے ہر ایک قوم اور ہر ایک خاندان کے خاص خاص دیوتا اور اوتار تھے۔ اور ان پر انسان کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں اہل عرب کو دنیا کے ابدی ہونے کا اور نہ دنیا کے مخلوق ہونے کا یقین تھا وہ [illegible] خلقت کو زمانہ کی گردش سے اور آئندہ کے معدوم ہونے کو انجام وقت سے منسوب کرتے تھے عیاشی اور قزاقی کا ہر جا زور تھا۔ اور چونکہ موت کو ہستی کا انجام محض خیال کرتے تھے۔ لہذا نیکی کی جزا نہ تھی نہ بدی کی سزا اسی طرح کی بے دردی اعتقادی پر مذہبی ان یہودی اور عیسائیوں میں بھی پائی جاتی تھی جنہوں نے یہاں مدت سے سکونت اختیار کی تھی اور زور پکڑا تھا۔ یہودیوں نے بیت المقدس کے تباہ ہونے سے اس سرزمین میں پناہ لی ہر ایک کو آزادی حاصل تھی پناہ پکڑی تھی عیسائی لوگ بھی کچھ عرصہ [illegible]

[illegible] تیسری صدی کی پانچویں صدی میں پیدا ہوا تھا جس کا مسئلہ یہ تھا کہ جب حضرت عیسیٰ [illegible] [illegible] خلقت انسانی ذات خدا میں [illegible] ایک [illegible] ہو جائے۔

ہیں کہ مذہب والوں کے جھگڑوں اور تکرار سے بچنے کو بیابانوں میں چھپتے تھے مذہب عیسائی بہت زیادہ
اس زمانہ میں کوئی چیز باقی صحیح خراب نہ تھی وہ دونوں شاخیں مذہب عیسائی کی جو ملک ایشیا اور افریقہ
میں پھیل گئی تھیں انہوں نے طرح طرح کی بدعتیں اور بد اعتقادیاں اختیار کر لی تھیں وہ ہمیشہ باہم مباحثوں
اور جھگڑوں میں مصروف رہتے تھے اور ایران اور سیلون اور قسطنطنیہ اور ترکستان کے مذہب والوں کی
تکرار سے نہایت دق تھے ان کے پادریوں کی بے اعتدالی اور عہدوں کی فروخت اور جہالت نے
مذہب عیسائی کو بالکل بگاڑ دیا تھا اور عیسائی لوگوں کو نہایت بدرویہ کر دیا تھا عرب کے جنگلوں میں
تارک الدنیا عیسائی بکثرت تھے اور بیہودہ خیالوں اور منصوبوں میں اپنی اوقات بسر کیا کرتے تھے
اکثر ان لوگوں کے غول کے غول شہر میں آکر اپنے توہمات اہل شہر کو تکرار کے ذریعہ سے سکھایا اور
منوایا کرتے تھے نہایت ذلیل بت پرستی نے اس سادی پرستش کی جگہ چھین لی تھی جس کی حضرت
عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ قادر مطلق اور بے مثل اللہ نفع رساں کی بندگی کا حکم کیا ہے اہل عیسائیت
نے اپنے خیال میں ایک نیا اولمپس قائم کر لیا تھا اور اس کو اپنے مذہب کے اولیا اور شہدا اور ملائکہ
سے آباد نہیں کرتے تھے جیسا بت پرست اپنے دیوتاؤں سے اولمپس کو آباد سمجھتے تھے اس زمانہ میں
ایسے بھی عیسائی تھے جو حضرت کی بی بی ماں کو دیوتی کے صفات قائم کرتے تھے تبرکات اور کھمبیں اور
ترابطی تصویروں کو وہی لوگ پوجتے تھے جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم اپنی دعا
صرف زندہ خدا سے کیا کرو اسکندریہ اور حلب اور دمشق میں مذہب عیسائی کا یہ حال ہو رہا تھا آنحضرت کی
ولادت کے زمانہ میں تمام آدمیوں نے اپنے مذہبوں کے اصول چھوڑ دیئے تھے اور لاانتہائی
جھگڑوں اور فروع میں مصروف رہتے تھے اہل عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم اپنے اپنے مذہبوں کی رو سے
اس سچے خدا تعالیٰ کی خالص پرستش بھول گئے ہیں

---

۱ اس زمانہ کے پادری لوگوں کی بدوضعی سے عوام الناس سے بہت دل برداشتہ ہو گئے تھے [illegible]
اور [illegible] پادریوں کی بدچلنی اور عہدوں کی فروخت سے ان لوگوں کی آنکھیں [illegible] مذہب عیسوی کو [illegible] کر دیا تھا [illegible]
[illegible] کا نام ہے جو یونان میں واقع ہے اور جسے اہل یونان اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کرتے ہیں [illegible]
۲ [illegible] حضرت مریم سے مراد ہے عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مریم خدا سے [illegible]
[illegible]
۳ اس [illegible] عیسائی لوگ حضرت مریم [illegible] کے صفات قائم کرتے تھے [illegible]
[illegible] حضرت مریم کو داخل کریں [illegible]

ممالک اسلامیہ کے سفرنامے

○ سراج وہاج یعنی سفر حجاز

حافظ شاہ محمد سراج الیقین

یہ سفرنامہ ہے سعودی عرب کا جو قصبہ کرسی (اودھ) کے
محمد سراج الیقین صاحب نے لکھا ہے جنہوں نے بغرض حج ۲ر شوال
۱۳۲۳ھ [= جمعہ یکم دسمبر ۱۹۰۵ء] کرسی سے اپنا سفر شروع کیا،
لکھنؤ پہنچے، وہاں سے دس پہر گزار کے بمبئی پہنچے وہاں کی چار مساجد اور بازار
تفصیل سے دیکھیں پھر قرنطینہ کی آزمائش سے گزرے۔ مولانا صادق الیقین (فرزند)
بھی ساتھ تھے۔ یہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔ فرزند کا انتقال حج کے
دوران ۳ر محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ ۱۳۲۴ھ [= ۱۹۰۶ء]
میں سفر تمام ہوا۔

صادق الیقین (فرزند) کی ملاقات کو آنے والوں میں مولانا خلیل احمد
(سہارن پوری)، مولانا اسحاق (مدرسہ اسلامیہ دہلی)، محمود الکافی، حاجی عاشق الٰہی
(میرٹھ)، سید احمد (مہاجر مدینہ) کا ذکر کیا ہے۔ (ایک جگہ الگ سے مولانا محمد
اشرف علی تھانوی مدفیضہ کا ذکر بھی کتاب میں ملتا ہے)۔

ہدیہ برادر عزیز کریمہ ملک احمد حسین صاحب پراچہ

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

الحمد للہ والمنۃ

کہ رسالۂ انیقہ و عجالۂ نفیسہ المسمیٰ بہ

سراج وہاج

یعنی

سفر حجاج

مؤلفہ زبدۃ الواصلین نخبۃ الکاملین آیۃ من آیات رب العالمین حضرت الحاج
الحافظ شاہ محمد سراج الیقین لا زالت شموس فیوضہ بانحتہ و نجوم افادتہ طالع

باہتمام

راجی رحمۃ ارحم الراحمین محمد فخر الدین

مطبع فخر المطابع واقع لکھنؤ محلہ وکٹوریہ گنج طبع شد

Price Rs. 3/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہزاروں لاکھوں کروروں بیحد و بیشمار حمد و ثنا اوس توانا یزدان کو لائق وسزاوار کہ جسنے
اپنے بندۂ ناتوان ہیچمدان عاجز و مسکین فقیر محمد سراج الیقین غفراللہ ذنوبہ وستر
عیوبہ کو بحالت یاس عالم ضعیفی مین کہ ستر برس کے قریب سِن پہونچا ہی حرمین شریفین کے
سفر کی توفیق عطا فرمائی فقیر کے دل مین دفعۃً خود بخود اوس جاے مقدس کی حاضری کا
ذوق و شوق بعنایت الٰہی و امداد نامتناہی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
توجہ قلبی و کشش باطنی سے پیدا ہوا مسبب الاسباب حقیقی نے بے شان وگمان ایسا اسباب
فراہم و مہیا فرمایا کہ فقیر مطمئن خاطر ہوکر تیسری شوال روز پنجشنبہ ۱۳۲۳ ہجری کو مع اپنے
خلف الصدق برخوردار با وقار عالم و فاضل محدث کامل مولوی حاجی قاری حکیم شاہ
محمد صادق الیقین مدعمرہ اور نور الابصار عالی تبار نواسہ فقیر مولوی محمود العافی سلمہ و
اہلیہ و صبیہ فرزند موصوف الصدر فقیر و میر صادق علی صاحب حاجی رحیم و گلاب گدنی

وغیرہ کے کہ سب ۳ش فقیر مع اپنے وطن مالوف سے منہ موڑ کر آل و اولاد و اعزا اقربا
دوست و احباب کو اللہ تعالیٰ جل شانہ جامع المتفرقین کی حفاظت و نگہبانی مین
چھوڑ کر راہی منزل مقصود ہو کر لکھنؤ پہونچا محلہ سعبتیا باغ مین اپنے دوست حافظ سیتما
صاحب کے دولتخانے پر شب کو قیام کر کے جمعہ کے روز علی الصباح اسٹیشن چارباغ پر پہونچ
ویئے بجے روانہ ہوئے برخوردار منشی ابوالحسن صاحب کے حسن انتظام سے ریلوے ڈاک گاڑی کا
ایسا معقول اہتمام ہوا کہ کسی نوع کی تکلیف مجھے اور میرے ہمراہیوں کو نہین پہونچی
سکنڈ کلاس کے جسکو دوسرا درجہ کہتے ہین فی ٹکٹ ستائیس ۲۷ روپیہ کے اس
فقیر اور برخوردار مولوی محمد صادق الیقین کے واسطے لئے گئے جو کمرہ مخصوص اس فقیر اور
برخوردار موصوف کے لئے علٰحدہ لیا گیا وہ کمرہ نہایت نفیس صاف ستھرا جسپر تین میز
خوب کشادہ و چوڑے لگے ہوئے اور گدے چرمی نہایت نفیس اوسپر بچھے ہوئے دو میز
ہم دونون کے نامزد کی گئین یعنی اُن میز پر سوائے ہمارے کوئی شخص بیٹھ نہین سکتا تھا تیسرا
میز جو خالی تھا اوسپر دو مسافر بیٹھ سکتے تھے اس سے زیادہ کی اجازت نہ تھی مگر بعنایت
الٰہی دو مسافر بھی برابر نہین بیٹھے اکثر اوقات وہ میز خالی ہی رہا جس سے فقیر کو نہایت
آرام ملا اس کمرہ مین غسل خانہ پاخانہ نہایت صفائی کے ساتھ تھا غسل خانے مین
ایک آئینہ جلتی لگا ہوا ایک فسلہ نہایت نفیس ایک تپائی پر جڑا ہوا اوس مین
نل لگا ہوا جسقدر جی چاہے پانی لیجئے پیجئے وضو کیجئے نہائیے اطمینان سے نماز و وظیفہ
پڑھیے غرضکہ کسی چیز کی تکلیف و تنگی نہین اگرچہ بظاہر ہم دونون شخصون کے کرایہ میں ۵۴ تا
روپیہ صرف ہوا مگر آرام بہت ملا اور حساب لگانے سے زیادہ نقصان نہین ہوا تین
آدمی اور متعلقین خاص مین سے فقیر کے ہمراہ تھے فی کس چودہ چودہ روپیہ کرایہ انکا دیا گیا

دوسرے برخوردار منشی ابوالحسن کے اس خوش اسلوب انتظام سے بڑا آرام یہ ملا کہ دو
اسباب پٹنہ ہمکو وضع دیا گیا جیسا کہ اس درجہ کا قاعدہ ہے اور اسباب جو باقی رہا وہ زیادہ
نہ تھا تھوڑا ہی محصول اُسکا دینا پڑا پھر لطف اور راحت یہ ہوئی کہ اسباب ہماری ساتھ
برک مین بمبئی پہونچا اور جسوقت وہان ہم گاڑی سے اوترے اُسیوقت اسباب ملگیا ما
گاڑی میں اگر اسباب آتا تو معلوم کس روز میں وہان پہونچتا اور اُسکے انتظار مین سخت تکلیف
ہوتی۔ بہر تقدیر بعنایت الٰہی نہایت آرام و آسایش کے ساتھ [illegible] وش بہرے
عرصے مین بمبئی پہونچے اس شہر کے سات راستہ والی مسجد مین جو بمبئی کی مسجدون میں
نامی مسجد ہے حاجی داؤد صاحب سیٹھ کی ہے فقیر مع اپنے ہمراہیون کے مقیم ہوا فقیر کے
دوست ہم وطن میان عبدالعزیز ملقب بہ بانگی صاحب اس مسجد کے مؤذن ہین اور جناب
سید حاجی امداد حسین صاحب فقیر کے دوست عنایت فرما و ہم وطن اس مسجد
شریف کے وقفی مکانات مین سے دو کمرہ ذہین بکرایہ مقیم ہین ان دونون صاحبون کے
یہان موجود ہونے سے فقیر کے آرام و آسایش کا ایسا اسباب مہیا و فراہم ہوا کہ فقیر
اُسکا شکریہ ادا نہین کرسکتا بالکل یہ معلوم ہی نہین ہوا کہ ہم کسی غیر ملک یا شہر مین
آئے ہین سیٹھ صاحب کا دستور ہے کہ چوتھے پانچوین روز مسجد شریف کے معاینہ اور
دریافت حال کے لیے تشریف لایا کرتے ہین آج اسوقت نوین شوال روز چہارشنبہ کو
ہنگام تحریر ان سطور کے تشریف لائے فقیر سے ملاقی ہوے فقیر اُنکی ملازمت سے اور وہ فقیر کی
ملاقات سے بہت خوش و محظوظ ہوے سیٹھ صاحب کے مزاج مین انکسار و خاکساری
بہت ہے دیندار آدمی معلوم ہوتے ہین اس مسجد شریف کے ملحقات مین جو مکانات اور دوکانین
وغیرہ ہین قریب ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کرایہ کا اُنکا آتا ہے مجھ سے فرمایا بخیال اسکے کہ میرے بعد

خدا جانے کیا معاملہ پیش آئے مین نے اس رقم کو وقف کرکے مسجد کے نامزد کر دیا ہی
اب یہان یعنی مسجد شریف کے تعلقات مین سے جو کچھ ہی سب اللہ تعالیٰ کا ہی میرا کچھ
بھی نہین ہی اس قسم کی باتون سے اونکی دینداری ظاہر ہی سیٹھ صاحب موصوف کی
مسجد جس مین فقیر مقیم ہی نہایت خوش نما بارونق باکیفیت فرحت افزا پُر فضا ہی شیشہ
آلات وغیرہ سے خوب سجی ہوئی ہی ہر طرح سے اسکا اہتمام و انتظام نہایت عمدگی اور
خوش اسلوبی کے ساتھ ہی اسکے صحن مین ایک حوض نہایت خوشنما دہ در دہ بنا ہوا ہی
اور بنا ت حوض مین ایک فوارہ لگا ہوا ہی وہ خود بخود ہمہ وقت چلا کرتا ہی جسکو دیکھنے سے
دل کو فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہی اس حوض کے اندر گلابی رنگ کی مچھلیان مائل
بسرخی بکثرت پلی ہوئی ہین جسوقت وہ مچھلیان پانی پر تیر کے آتی ہین عجب کیفیت
دکھاتی ہین اس مسجد شریف مین ایک مسافر خانہ ایک مدرسہ و حجرے بھی ہین فقیر مع
اپنے دیگر ہمراہیون کے مسافر خانہ مین مقیم ہوا اور برخوردار مولوی محمد صادق الیقین ہمراہ
سفر مع اپنے ایک رفیق خادم کے حجرے مین قیام کیا کل مسجد شریف کا انتظام و نگرانی
وغیرہ میان عبد العزیز صاحب مؤذن ملقب بہ بانگی صاحب کے متعلق ہی اس مسجد
شریف کے امام عبد الخالق صاحب نہایت نیک بخت مسکین صفت دیندار آدمی
ہین امامت کے سوا مدرسہ مین لڑکون کو قرآن مجید کا درس دیا کرتے ہین سید حاجی
امداد حسین شاہ صاحب جنکا ذکر خیر اوپر ہو چکا ہی اُنکے پاس دو کمرے ملحقات مسجد شریف
سے آٹھ روپیہ کرایہ پر ہین ایک مین خود رونق افروز رہتے ہین اور ایک مین متعلقین شاہ صاحب
موصوف نے اپنا ذاتی کمرہ فقیر کی ہوا و ریوتے کیواسطے خالی کر دیا جس سے انتہا درجے کا
آرام ملا اور بالکل عالم مسافرت نظر نہین آیا فقیر اور فقیر کے متعلقین کی خاطر داری

اور مہمان نوازی مین ہمہ وقت موجود و مصروف رہتے ہین اور کل بار کھانے وغیرہ کا
اپنے ذمہ لیا ہی فقیر ہر چند معذرت کرتا ہی سماعت نہین فرماتے ایک ہفتہ اسی تواضع
مدارات مین گذرا ہی۔ یہان شہر بمبی کے مساجد مین چار مسجدین بہت نامی ہین خصوصًا
جامع مسجد اور حاجی زکریا سیٹھ مرحوم کی مسجد اور حاجی اسمٰعیل حبیب کی مسجد اور کھانڈ والی
جماعت کی مسجد۔ فقیر پہلے جامع مسجد مین حاضر ہوا اللہ اکبر اس مسجد مقدس کے دیکھنے سے
خداوند تعالی کی قدرت کا ایک نمونہ پیش نظر ہو جاتا ہی آنکھون مین نور دل کو سرور دماغ کو
فرحت جسم و جان کو تازگی اور قوت ایسی حاصل ہوتی ہی کہ جسکا اظہار بیان سے بیچمدان
کے امکان سے قطعًا خارج ہے ماشاء اللہ عجب صفائی عجب رونق عجب کیفیت عجب دلچسپی ہے
عمارت ایسی خوشنما اور پر تکلف ہی کہ جسکے دیکھنے سے حیرت و تعجب ہوتا ہی یہ چارون مسجدین
اپنے اپنے طور پر جداگانہ مرتب و مسجع ہین سب مین ایک ایک درجہ نیچا اور ایک ایک اوپر ہے
خصوصًا جامع مسجد کا درجہ بالا نہایت مسجع اور پر فضا ہی اور یہ سب مسجدین شیشہ آلات وغیرہ
سے خوب مرتب و آراستہ ہین مینا کاری اور لاجوردی کام اندر کے زینے اور چھتون مین ایسی
خوشنمائی اور خوبصورتی اور پختگی کے ساتھ بنا ہوا ہی کہ جسکے دیکھنے سے دل کو نہایت درجے
فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہی فقیر نماز عصر کے وقت جامع مسجد مین حاضر ہوا نماز
با جماعت امام صاحب کی اقتدا مین ادا کی جماعت نیچا اوپر دونون درجون مین کثرت کے
ساتھ ہوتی ہی فقیر کی موجودگی مین امام صاحب نے نیچے کے درجے مین امامت فرمائی تھی
جب تک وقت باقی رہتا ہی نماز کا سلسلہ منقطع نہین ہوتا اس مسجد شریف کے امام صاحب
شافعی المذہب ہین فقیر جب مسجد سے باہر چلا ہی اسوقت امام صاحب سے ملاقات ہوئی
سلام و مصافحہ کے بعد بڑے اخلاق اور خندہ پیشانی سے مزاج پرسی فرمائی اور دعا کے

خواستگار ہوئے یہ امام صاحب ڈیڑہ سو روپیہ ماہوار پاتے ہین اس مسجد شریف مین پچاس
دوکانین ہین ہر دوکان کا کرایہ پچاس روپیہ ماہوار آتا ہی بجز ایک دوکان کے کہ اُسکا کرایہ
تیس یا چالیس روپے ہین یہ سب آمدنی مسجد شریف مین صرف ہوتی ہی بارہوین شوال
روز شنبہ مین نے عبد العزیز بانگی صاحب سے بنا بر رفیق شکیب پوچھا کہ یہان جامع مسجد مین دوکانین
کسقدر ہین کہا پچاس اور فی دوکان کا کرایہ پچاس روپیہ ماہوار آتا ہی پھر کہا کہ دوکانون کے
علاوہ مسجد کے مکانات و باغات وغیرہ اس قدر ہین جسکا بیس بائیس لاکھ روپیہ سالانہ
آتا ہی حاجی عبد الرحیم صاحب سیٹھ فقیر کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے بولے کہ تیس لاکھ سے
زائد آتا ہی سبحان اللہ اکبر یہان کے روپیہ کی کوئی حد و انتہا نہین ہے آخر مین نے سیٹھ صاحب سے
پوچھا کہ اسکے مہتمم اور نگران کون صاحب ہین فرمایا کہ گیارہ مشاور اور ایک ناظر ہین کے
مشورہ اور صلاح سے اسکے سب کام انجام پاتے ہین بالمختصر یہ فقیر ان چارون مسجد کی
زیارت سے مشرف ہوا اور دلکو اسقدر مسرت بے پایان حاصل ہوئی کہ جسکی انتہا نہین افسوس
ہی کہ ہمارے شہر لکھنؤ مین باوجود اس امارت و دولت کے یہانکی ادنیٰ مسجد کے مقابلہ مین
ایک مسجد بھی نہین نہ زمانہ شاہی مین تھی اور نہ اب ہی اس شہر کی تمام عمارات اور تمام
مقامات ایسے عالیشان و بیحیث بارونق ہین کہ لکھنؤ کی عمارات شاہی بھی انکا مقابلہ نہین
کرسکتین اس شہر کا ہر گلی و کوچہ بازار ہی جہانتک چلے جائیے بازار ہی بازار نظر آتا ہے
آدمیونکی وہ کثرت اور اژدحام کہ اللہ اکبر ہر چیز اس کثرت کے ساتھ ہو کہ جسکی انتہا نہین
یہان بہت سی بازار مارکیٹ کہلاتے ہین مساجد کی سیر کے وقت اثناء راہ مین ایک بازار
مارکیٹ واقع ہوا عبد العزیز بانگی صاحب نے فرمایا کہ ذرا یہ بھی دیکھتے چلئے غرض جب یہان
پہونچا تو دیکھا کہ میوہ جات فواکہات بقولات وغیرہ کی اسقدر کثرت ہی کہ جسکی انتہا نہین

اگر ہمارے تمام شہر لکھنؤ کے میوہ جات اور بقولات وغیرہ یکجا کیے جائین تب بھی اُس
مقابلہ کو نہ پہونچین ہر چیز ایسی صفائی اور خوشنمائی اور قاعدہ و قرینہ کے ساتھ رکھی
جسکی دلچسپی کا لطف دل ہی جانتا ہی مساجد کے ذکر کے ذیل مین مین نے بچشم دید
شہر کی عمارات وغیرہ کا یہ تذکرہ کر دیا ورنہ شہر کے دیکھنے کی مجھے خواہش اور آرزو نہ تھی
اور نہ میرا یہ قصد تھا کہ شہر کے حالات اپنے سفرنامہ مین داخل کرون مین اپنے اس سفر
مین وہی حالات درج کرونگا جو میرے اصلی مقصود کے متعلق ہونگے اس شہر بمبئی مین تین
چیزین عنقا صفت ہین ایک ہاتھی دوسرے بندر تیسرے نداف یہان دو عجائب خانہ
قائم کیے گئے ہین ایک مردہ جانورون وغیرہ کا اور ایک زندہ جانورون کا خدا جانے
کہان کہان کے ملکون اور جنگلون سے انواع اقسام کے جانور زندہ منگا کے اس عجائب خانہ
مین رکھے ہین منجملہ ان عجائبات کے ایک ہاتھی بھی ہی لوگ ہاتھی و بندر کو مثل اور
عجائبات کے تعجب کی نظر سے دیکھتے ہین اکثر لوگ اس ہاتھی پر سوار ہو کر شہر بازار وغیرہ
بطریق سیر و تفریح جاتے ہین جو کرایہ جس مقام کا مقرر کر دیا گیا ہی وہ دیتے ہین۔ نداف
اس شہر مین اسوجہ سے عنقا صفت ہی کہ سردی یہان ایسی نہین ہوتی کہ جسکے لیے روئی دار
کپڑے کی ضرورت ہو اسیوجہ سے اس شہر مین کوئی نداف نہین رہتا میان عبد العزیز صاحب
بیان کرتے ہین کہ ایکبار مین نے بہت بڑے اشتیاق سے ایک فرد رضائی کی لکھنؤ سے
منگائی استر و مغزی وغیرہ لگا کر جب بھروانیکو بھیجا تو کوئی نداف کہین نہ ملا ایک شخص نے
دو روپیہ بھرائی اس شرط پر مانگے کہ مجھسے جیسی بن سکیگی بھر دونگا مگر اچھی بری
پسند ناپسند کا ذمہ دار نہین ہوتا۔ عبد العزیز کہتے ہین مین نے اُس رضائی کو یونہین اُدھیڑ
ڈالا۔ مین اپنے وطن مین سُنا کرتا تھا کہ بمبئی مین آم ہمیشہ بکا کرتے ہین ایک روز مین نے

بچشم خود دیکھا بازار میں رکھے ہوے تھے قیمت پوچھی گئی ایک آم کے دو آنہ بتلائے آج یوم
سہ شنبہ ۱۵ شوال کو بانگی صاحب نے دو آم مجھے دیے ایک میں نے کھایا ایک مولانا
عمرہ کو دیا آج ۱۹ شوال روز شنبہ کو ہم سب لوگ بعد نماز صبح قبل طلوع آفتاب شہر بمبئی سے
قرنطینہ کو روانہ ہوئے چونکہ شہر کی آبادی بہت دور تک ہے اسوجہ سے آٹھ بجے کے قریب
اوس مقام پر پہونچے جہاں قرنطینہ کا انتظام و اہتمام ہوتا ہے دیکھا تو سب حجاج اوس
مقام پر موجود اور بکثرت لوگ چلے آتے ہیں المختصر جب سب لوگ آگئے تب ایک وسیع
مکان جو چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے اور دو جانب پھاٹک اوس میں لگے ہوے ہیں
سب کو اوسکے اندر جانیکا حکم ہوا جب ہم سب لوگ اوسکے اندر داخل ہوگئے تب دونوں
جانب کے پھاٹک بند ہوگئے معلوم ہوا کہ اب بھپارہ دیا جائیگا پھر ہم سب لوگ قطار قطار
بٹھائے گئے دو تین انگریز باقی سب ہندوستانی یہ لوگ جس جماعت کے نزدیک آتے تھے
اوس جماعت کے لوگ کھڑے ہو جاتے تھے وہ سب کے کرتے اٹھا اٹھا کر شکم و سینہ دیکھتے
تھے اور ایک چھاپا سینے کے کپڑے پر سرخ رنگ کا دیدیتے تھے اسی مقام پر ایک انجن
چل رہا تھا اوس سے دھواں برآمد ہوتا تھا معلوم ہوا کہ بھپارہ دینا اسی کو کہتے ہیں ایک
ڈاکٹر انگریز اپنا دفتر لیئے ہوے سامنے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا تین شخصوں کو طاعون کا شبہ
کرکے اوس ڈاکٹر کے پاس لے گئے اوسنے سبکے کپڑے اوترواکر خوب غور سے دیکھا دو
شخصوں کو اوسیوقت بری کردیا ایک صاحب ہمارے ساتھی بری نہیں ہوے مگر بعد کو
سنا گیا کہ وہ بھی بری ہوگئے الحمد للہ علی ذلک پھر ہم سب لوگونکو حکم ہوا کہ باہر چلے جاؤ
ہم سمجھے کہ نجات ملگئی اوسی مکان کے برابر دوسرے مکان کا پھاٹک تھا اوسکے اندر
جانیکو حکم ہوا جب وہاں پہونچے تو دیکھا ویسا ہی ایک مکان چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے اوس

اوس مین دوسری جانب پھاٹک لگا ہوا ہی اور سپاہی پہرے پر کھڑا ہی دیکھا اندیشہ ہوا
کہ شاید پھر کوئی نئی بات یہان نکلی ہوگی مگر بعنایت الہی کچھ نہین ہوا تھوڑی دیر کے بعد کہا
کہ باہر چلے جاؤ اب یہان سے اوس مقام کو چلے جہان اہالیان قرنطینہ کے لیے مکانات بنائے
گئے ہین اوس مقام پر سمندر کی کشتیون پر سوار ہو کر جانا ہوتا ہی غرضکہ ایک کشتی پر یہ فقیر مع اپنے
ہمراہیون و دیگر حجاج کے ساڑھے نو بجے کے قریب سوار ہوا جس کشتی پر یہ فقیر سوار تھا اوس سے
پیشتر فقط ایک ہی کشتی گذری تھی اور دوسری چار رہے تھے اب ہماری کشتی بھی چلی مگر تھوڑی
دور پہنچکر دونون کشتیان رک گئین دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ جب سب کشتیان اکٹھا
ہو لین گی تب ساتھ ہی سب کی روانگی ہوگی اس انتظار مین ڈیڑھ بج گئے نماز ظہر کشتی پر
بدشواری ادا کی گئی بالمختصر جب سب کشتیان آگئین تو ایک خالی جہاز کے ذریعہ سے
روانہ ہوئے چار بجے کے بعد پار اوترے دریا کے کنارے استنجے وغیرہ سے فراغت کرکے
نماز عصر ادا کی یہان سے وہ مقام جہان قرنطینہ کے مکانات بنے ہوئے ہین کچھ کم ایک میل
کے فاصلے پر ہی وہان پہونچے پہونچتے ہی قبل اسکے کہ مکانات کے اندر داخل ہون نماز مغرب
کا وقت آگیا مکانات کے باہر ہی نماز مغرب ادا کی گئی بعد فراغ نماز مکان کی تلاش و جستجو میں
چلے بہزار دشواری ایک مکان ملا فقیر مع اپنے سب ہمراہیون کے کہ سب گیارہ نفر تھے
اوس مکان مین مقیم ہوا یہان کے مکانات بانس کی چٹائیون سے بنائے گئے ہین انتظام یہان کا
اچھا ہی بہشتی مشکون مین پانی لیے ہوئے برابر موجود رہتے ہین صفائی کا بڑا خیال ہی بجز ایک
مقام کے پانی ہر جگہ گرانیکی مثل وضو وغیرہ کی ممانعت ہی باورچی خانے متعدد وسیع موجود
ہین پاخانے ہر دو اسطے مرد و زنانے بہت صفائی کے ساتھ بنے ہوئے ہین صبح و شام دونون وقت
صاف کرنے کے بعد پانی سے دھوئے جاتے ہین بازار بھی موجود ہی ضروریات کی سب چیزین

دستیاب ہوتی ہین ایک مسجد بھی بانس کی چٹائیون کی مع غسلخانہ موجود ہی بہرحال آرام
کا انتظام پورے طور سے کیا گیا ہی بیسٹ شوال روز یکشنبہ کو جہاز مین سے ایک صاحب نے
یہان انتقال کیا انا للہ وانا الیہ راجعون یہ صاحب امیور افغان کے رہنے والے فقط زن و
شوہر مرض ضیق النفس مین گرفتار ضعیف آدمی تھے اُسی مرض مین انتقال ہوا بیچارے
گھربار فروخت کرکے ہجرت کی نیت سے چلے تھے موت یہانکی لکھی ہوئی تھی خداوند تعالے
نے مرادانکی پوری فرمائی اگرچہ بظاہر نامراد رہے مگر باطن مین دل شاد ہوے مین نے
اپنے حضرت پیر و مرشد برحق سے سنا ہی فرماتے تھے کہ جو کوئی صدق دل اور نیت خالص سے
حج کے واسطے نکلتا ہی اور اثناء راہ مین بدون حج کے مرجاتا ہی تو خداوند تعالی ہرسال
ایک حج کا ثواب تا قیامت اوسکو عطا فرماتا ہی اور جو کوئی بعد حج بوقت مراجعت
اثناء راہ مین مرتا ہی اوسکو ایک ہی حج کا ثواب ملتا ہی دریا کے گھاٹ اور قرنطینہ کے مکانات
کے اثناء راہ مین ایک بزرگ کی درگاہ واقع ہی مزار پُرانوار کی عمارت نہایت عمدہ بنی ہوئی
ہی درمیان مین گنبد اور چارون طرف چار صحنچیان واقع ہین اور قبر شریف پر شامیانہ بہت عمدہ
پُرتکلف تنا ہوا ہی اور کچھ شیشے آلات وغیرہ بھی ہین سُنا گیا ہی کہ دو سو برس کا زمانہ گذرا ہی
اسم شریف آپ کا پیر مشہور ہی لوگون کا بیان ہی کہ بہت بڑے کاملین سے تھے - ۱۴ شوال
روز دو شنبہ کو بعد نماز عشا ہمارے قافلے کے جہاز مین سے ایک صاحب نے بڑی دھوم
سے مولود شریف کیا بسکٹ اور کھجورین تقسیم کین بعنایت الٰہی ہمارے قافلے مین بڑے بڑے
نامی گرامی علما و فضلا بزرگان دین تشریف رکھتے تھے جنکی وجہ سے بڑی رونق و برکت
و آبادی اور موجب تقویت کا ہی - اس مقام پر واضح ہو کہ حضرت مولنا رشید احمد صاحب
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کہ شریعت و طریقت دونون کے فی زمانناً جامع ایسے گذرے ہین

کہ شاید یہانسے تا عرب کوئی نہ گذرا ہو حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کی توجہ و شفقت ہمارے
برخوردار مولوی شاہ محمد صادق الیقین کے حال پر اس درجہ تھی کہ ایک وزبیساختہ فرما اوٹھے کہ
مجھمین اور مولوی صادق الیقین مین کچھ فرق نہین اور یہ تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے
دیکھنے والونمین مولوی صادق الیقین بہت اچھے ہین اللہ اکبر جس شخص کی ایسی تعریف
ایسا بزرگ فرمائے اوسکے اچھے ہونیمین کیا شک ہے جب ہم لوگ بمبئی پہونچے جناب مولنا
خلیل احمد صاحب جو کہ حضرت مولنا ممدوح کے شاگرد رشید اور خلیفۂ اول اور مدرسہ سہارنپور
کے افسر مدرس ہین جسوقت آپنے سُنا کہ مولوی صادق الیقین آئے ہین فورًا ملاقات کو
تشریف لائے اور بکمال شفقت و عنایت کے ساتھ بہ تعظیم و تکریم پیش آئے یہ جناب ممدوح
بہت بڑے عالم و فاضل محدث و درویش کامل جامع صفات حمیدہ و کمالات محمودہ ہین
جناب مولوی حکیم محمد اسمعیل صاحب گنگوہی ملقب بہ حکیم حمیری یہ بھی عالم و فاضل محدث
کامل ہین فن طبابت مین فی زماننا اپنا نظیر نہین رکھتے تھے ہمارے برخوردار موصوف کی
ملاقات کو آپ بھی تشریف لائے اور بکمال شفقت و عنایت پیش آئے اسیطرحسے بڑے بڑے
عالم و فاضل درویش کامل مثل مولنا محمد اسحاق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ بمبئی شریف
و مولوی حاجی عاشق الٰہی صاحب رئیس میرٹھ و مولوی سید احمد صاحب مہاجر مدینہ منورہ
و مولوی عبد الہادی صاحب واعظ ساکن مدراس بہت بڑے عالم و فاضل اور واعظ ہین
وعظ انکا نہایت عمدہ بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ گھنٹون بیان فرماتے ہین باایمہمہ
اوصاف آپ کبھی براہ ادب ہمارے برخوردار ممدوح کے برابر نہین بیٹھے اور اس درجہ ادب
کرتے ہین کہ جسکی انتہا نہین اسیطرحسے جو حضرات سُنتے ہین کہ مولوی صادق الیقین آگئے
ہین برابر تشریف لاتے ہین اور بکمال محبت و عنایت بہ تعظیم و تکریم پیش آتے ہین آج تیسوین

قرنطینہ سے جہاز تک

شوال روز چہارشنبہ کو تمام مرد و مستورات کا معائنہ ہوا مردون کی قطار قطار علیحدہ اور عورتونکی
قطار قطار الگ بٹھائی گئی بیشتر عورتون کی گنتی ہوئی انہین سے جس قطار کی گنتی ہوجاتی تھی
اوس سے کہہ دیتے تھے کہ چلے جاؤ حتیٰ کہ دفعۃً سب عورتین چلی گئین بعد کو مردون کی
گنتی شروع ہوئی جس قطار والونکی گنتی ہوتی تھی اونکے شکم و سینہ کا کپڑا ہٹا کے برائے نام
معائنہ کر کے کہتے تھے کہ چلے جاؤ غرضکہ بعنایت الٰہی آسانی کے ساتھ تھوڑی دیر مین نجات
ملگئی اس مرتبہ حجاج مین عورتونکی بڑی کثرت ہی مین نے ہر وقت معائنہ و غور کیا تو میرے
خیال مین عورتین مردون سے کچھ ہی کم ہونگی بعد معائنہ آج ہی ہم سب یہانسے روانہ ہوکر
جہاز پر پہونچے دیکھا تو تینون درجے آدمیون سے اسقدر پر ہین کہ کہین قدم رکھنے کی جگہ نہین
ہی فقیر اور برخوردار مولوی محمد صادق الیقین کے لیئے دو ٹکٹ چھتری کے حیدرآبادی ٹکٹ
مجرا دیکر چوالیس لیرہ پر بڑی رعایت کفایت کے ساتھ بہم پہونچائے گئے۔ قرنطینہ سے
جب جہاز پر جانے لگے تو جہاز کے سب ٹکٹ آمد و رفت کے قلمدان مین اس خیال سے رکھ
لیے گئے کہ جہاز پر پہونچنے کے ساتھ ہی ٹکٹ کا معائنہ ہوگا وہ قلمدان رومال مین بندھا ہوا میرے
نواسے کے ہاتھ مین تھا کشتی سے جب وہ مجھے جہاز کے زینے پر چڑھانے لگے تو قلمدان اونکے
ہاتھ سے چھوٹکر دریا مین گر گیا اونھون نے فوراً زینے سے جھک کر قلمدان پر ہاتھ ڈالا تو بفضل
الٰہی رومال کا کونہ ہاتھ مین آگیا اور قلمدان نکل آیا خدائے تعالیٰ نے بڑی خیر کی ورنہ اگر
ٹکٹ ضائع ہوجاتے تو نہ معلوم کیا دقت اور زحمت پیش آتی۔ جب ہم چھتری پر پہونچے
تو دیکھا کہ وہان بھی قدم رکھنے کی جگہ نہین ہی خیال تھا کہ شاید کرایہ زائد ہونیکی وجہ سے
لوگ یہان بہت کم ہونگے مگر اللہ اکبر یہان بھی اسقدر کثرت ہی کہ بجز آدمیون کے کچھ نظر
نہین آتا سب حجاج اس جہاز مین تو نو سو سے زیادہ ہین بہزار جستجو خداوند تعالیٰ کی عنایت سے

مجکو اور برخوردار موصوف کو کپتان جہاز کے کمرے کے برابر تھوڑی سی جگہ ملگئی ہمارے جہاز
کپتان اگرچہ انگریز ہی لیکن نہایت سیدھا بے نفس آدمی ہی ہر شخص سے بے تکلف
بخندہ پیشانی پیش آتا ہی خصوصاً چھوٹے چھوٹے بچون سے بڑی محبت کرتا ہی فقیر کی
پوتی رقیہ کا ہاتھ پکڑکر اکثر اخلاص کی باتین کیا کرتا ہی مجھے اکثر اسکا اندیشہ رہتا تھا کہ
ہر وقت اس انگریز کا سامنا ہی ایسا نہو کہ کوئی بات اسکی میرے مزاج کے خلاف ہو مگر
بعنایت الٰہی کبھی کوئی بات اسکی میرے مزاج کے خلاف وقوع مین نہین آئی الحمد للہ علی
ذلک فقیر کو جو جگہ ملی ہی اس جگہ پر جناب مولنا خلیل احمد صاحب مقیم تھے آپنے براہ عنایت
اپنی جگہ فقیر کو عنایت فرمائی اور آپ دوسرے مقام پر تشریف لے گئے یہان آپ الجمانہ معنا
اور صاحبزادی وغیرہ مقیم تھین یہ سب باعث لحاظ ہمارے برخوردار مولنا محمد دق الیقین کے
ہی ورنہ ایسے مقام پر ایسی رعایت بہت دشوار بلکہ ممکن ہی نہین ہوئی جناب حکیم مولنا
محمد اسحق صاحب اور برخوردار موصوف اور فقیر کا بستر ایک ہی جگہ پر پاس ہی پاس ہے
ایک وزیر نے اپنے برخوردار ممدوح سے پوچھا یہ کیا باعث ہی جو ستارے کرسی مین جس
مقام پر نظر آتے تھے باوجودیکہ کرسی یہانسے ہزارہا کوس پر ہی مگر وہ ستارے یہان بھی
اوسی مقام پر نظر آتے ہین کچھ سمجھ مین آتا ہی برخوردار موصوف نے جواب دیا کہ وجہ اسکی
کیا ہے تمام ستارے ہر جگہ سے ایک مقام پر نظر آتے ہین مولنا اسحق صاحب نے فرمایا کہ
اسکے علاوہ بڑے ستارونمین سے ایک ایک ستارہ دنیا کی آبادی کے برابر ہی یہ سنتے ہی فقیر کو
فوراً یقین آگیا کہ واقعی یہی امر ہی جہلا و عوام الناس ایسی بات پر یقین نہین لاتے اور خداوند
تعالی کی قدرت کاملہ پر دھیان نہین کرتے اللہ تعالی جیسا خود بڑا ہی کہ اوسکی بڑائی اور
بزرگی کی کوئی انتہا نہین ہی ویسے ہی اوسکے کارخانے بھی ایسے عظیم الشان ہین کہ جسکی

حد و پایان نہین ہی یہان عقل کو دخل نہین ہی سچے دل اور سچے عقیدے کے ساتھ اللہ تعالی
کی قدرت پر نظر کرنا چاہیے یہ ویسی ہی بات ہی کہ ایک روز جناب مولنا محمد اشرف علی
صاحب تھانوی عم فیضہ سے مین نے پوچھا حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہی کہ قوم
یاجوج و ماجوج کوئی مشغلہ نہین کرتے تو پھر انکی بسر اوقات اور معاش کی کیا صورت ہی
فرمایا کہ مین نے اپنے اوستاد جناب مولنا محمد یعقوب صاحب سے سُنا فرماتے تھے کہ ایک
سانپ ہر روز آسمان سے گرتا ہی اور یاجوج و ماجوج کی تمام قوم اوسی کو کھاتی ہی آپ
خیال کرنا چاہیے کہ قوم یاجوج ماجوج تمام دنیا کے آدمیون سے ہزارون لاکھون حصے
زائد ہی اسلیے کہ اونکے یہان پیدایش برابر ہوتی ہی اور مرتا کبھی کوئی ایک بھی نہین
بس اونکی کثرت کی کوئی حد و نہایت نہین ہو سکتی اور وہ سانپ ایسا درازقامت ہوتا
ہی کہ اونکی قوم کے تمام لوگ اوسی کو کھاتے ہین اور ہر شخص اوسکو اپنی جگہ پر موجود پاتا ہی اگر
ایسا نہو تو ہر شخص کا ایک جگہ پر پہونچنا کبھی ممکن ہی نہین ہی یہ فرماکر جناب مولنا صاحب
ممدوح نے ارشاد کیا کہ جناب باری تعالی نے آسمانون کے اوسطرف ایک دریا عظیم الشان
ایسا پیدا کیا ہی کہ اگر اوسکی ایک لہر اسطرف آجائے تو ساتون آسمان اور ساتون طبقے
زمین کے بہ جائین۔ خدا شاہد ہی کہ سُنتے ہی ان دونو باتون کے فوراً مجھے یقین آگیا اور
اسکے سچائی پر بیساختہ آنسو جاری ہوگئے عوام الناس ایسی باتون پر یقین نہین لاتے
حالانکہ عوام مین مین بھی ہون خواص مین نہین ہون لیکن مجھے اللہ تعالی اور اوسکے رسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اور حضرات علمای دین کے فرمانے پر فوراً یقین کامل
آجاتا ہی۔ آپ اللہ تعالی کی عنایت اور اوسکے فضل و کرم کو دیکھنا چاہیے فقیر ایک مدت دراز
سے عارضہ دوران سر اور درد سر مین برابر مبتلا رہتا ہی اور ضعف دل و دماغ اس درجہ ہے

کہ جسکی انتہا نہین مگر با این ہمہ بعنایت الٰہی فقیر کو جہاز کا تکان اور دوران اور متلی
مطلق نہین ہوئی قبل روانگی اس سفر مقدس کے درد سر اور دوران سر کی شکایت
اور بھی زیادہ ہو گئی تھی مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ کے فضل و کرم سے وہ مرض
شکایت بھی اسوقت تک کہ آج چوتھا روز ہی فقیر کو نہین ہوئی امید ہی کہ اللہ تعالیٰ
اپنے فضل و کرم سے آیندہ بھی محفوظ رکھے برخوردار مولوی محمود العالی فقیر کے نواسے اور فقیر
کی بہو اور پوتے اور حاجی رحیم اور گلاب گدی یہ سب بہت زیادہ دوران سر اور متلی
مین مبتلا ہوے اب بعنایت الٰہی سب کو تخفیف ہی اور برخوردار مولٰنا کو فقط ایک
بار متلی ہوئی۔ اور جناب مولٰنا محمد اسحٰق صاحب کو تو سر اوٹھانا دشوار ہو گیا اور میر
صادق علی صاحب کو مطلق دوران کی شکایت نہین ہوئی سنا گیا ہی کہ ہمارے
قافلے کے علاوہ اور جو قافلے آنے والے تھے اور برابر چلے آتے ہین انکے سوا تین ہزار حجاج
بمبئی کے راستے سے بیت اللہ شریف کو جا چکے ہین چین کے متصل جاوہ مسلمانون کا
ایک ملک ہی وہان سے حجاج کے قافلے بکثرت آتے ہین معتبر راوی کی زبانی سنا گیا ہی کہ
وہان کا یہ دستور ہی کہ جو شخص پہلے حج نکرے اوسکا عقد نکاح نہین کیا جاتا سبحان اللہ
دینداری اسکا نام ہی دشمنان دین جو رخنہ اندازیان اس سفر مین مسافرون کیواسطے
کر رہے ہین اس سے اونکا منشا خاص یہی ہی تاکہ کوئی مسلمان حج کے لیئے نجائے یہ خیال
خام اونکا محض غلط اور بے سود ہی رخنہ اندازی کی ایک فکر نہین اگر کوئی ہزار فکرین
کرے جب بھی تا قیامت کوئی فکر و تدبیر سد راہ نہین ہو سکتی مسلمان ہزارون تکلیفین
اوٹھائینگے مگر سفر بیت اللہ شریف سے کبھی باز نہ آئینگے۔ جہاز کے پاخانے باوجود
متعدد اور بکثرت ہونے اور غلاظت کے نیچے جانیکے متعفن اور بدبودار بہت ہوتے ہین

اسکی کیفیت کوئی ہمارے میر صادق علی صاحب سے پوچھے چونکہ فقیر کی طبیعت خلاف بدبو کی متحمل نہین ہوتی اسوجہ سے پانچ روز برابر گذر گئے فقیر پاخانہ نہین گیا آج بوجہ اوسکے مولوی محمود العافی مدعمرہ نے سالار قافلہ صاحب سے یہ کیفیت بیان کی اونھون نے براہ مزید عنایت فقیر کو فرست کلاس کے پاخانے مین جانیکی اجازت دلوا دی خدا تعالے کی محض عنایت و بندہ نوازی ہے فسٹ کلاس فقیر کے بستر سے بہت ہی نزدیک ہے فقیر اوسکے اندر گیا تو دیکھا کہ نفیس اور پر تکلف جگہ ہے۔ اس جگہ کے پاخانے کی صفائی اور عمدگی کو کیا پوچھنا فقیر نے باطمینان وہان قضای حاجت سے فراغت حاصل کی اللہ تعالے اسکی جزای خیر دارین مین قافلہ سالار صاحب کو عطا فرمائے آمین ثم آمین آج پچیس شوال روز ہفتہ کو ایک دریا شب کے وقت آنے والا ہے جسکے تلاطم عظیم کا زور و شور سنا جاتا ہے امید ہے کہ جناب باری تعالے اس دریا کی تکان سے بھی بچائے اور بآسانی تمام پار لگائے سنا ہے کہ ایک شبانہ روز مین وہ دریا طے ہوتا ہے اسی سمندر مین ملا ہوا ہے نام اوس دریا کا سقوترہ ہے اسوقت ۲۶ شوال روز یکشنبہ سنا جاتا ہے کہ وہ دریا شروع ہوگیا اس دریا مین سرخ رنگ کے جانور گلاب کے پھول کے بعینہ ہمشکل کثرت سے تیرتے نظر آتے ہین۔ آج ۲۹ شوال روز سہ شنبہ کو خدا خدا کرکے وہ دریا ختم ہوا اس دریا نے اپنے تکان کے دورانسے مسافرون مین سے کسی کو چھوڑا نہین ہے شاید کوئی متنفس بچگیا ہو پچھ ساٹھ پہر تو ایسی شدت رہی کہ سر اوٹھانا دشوار ہوگیا فقیر کو بعنایت الٰہی بالکل متلی نہین ہوئی مگر دوران سر مجھے بھی ہوا مگر بہت کم یہان جہاز پر کوئی چیز نہین ملتی ہے بکری کا گوشت ایک روپیہ سیر ملتا ہے آج فقیر کے دستارخوان پر پکا پکایا سالن بکری کے ایک دوست لائے تھے فقیر کے کھانے مین بھی آیا یہان ٹاپون مین مرغیان مین نے

دریاے شور

دیکھی ہین یقیناً فروخت ہوتی ہونگی قیمت کا حال مجھے معلوم نہین ہوا ہمارے جہاز
کپتان باوجود انگریز ہونیکے نہایت بامروت آدمی ہین اور مزاج مین بہت ہی بے تکلف
اور سادگی ہی ہر شخص سے باخلاق پیش آتے ہین مسافرونمین سے اگر کوئی کسی شخص کی شکایت
اور کپتان کے پاس استغاثہ لاتا ہی تو آپ خود تحقیقات حال کرتا ہی ہمارا بستر کپتان
کمرے سے ملا ہوا ہی فسٹ کلاس کے مکانات کپتان کے کمرے کے نیچے ہین جنکا فی کس
سو اسو اسو روپیہ پڑتا ہی جناب مولانا محمد اسحق صاحب اور جناب مولوی عاشق الٰہی
صاحب میرٹھی اور برخوردار مولوی محمود المعانی کی رسائی سے کپتان نے ایک کوٹھری کی
اجازت انکو دیدی فقیر کل بھی وہان بیٹھا لیٹا سویا تھا اور آج بھی اوسی کوٹھری
مین بیٹھکر روزنامچہ جہاز کا تحریر کیا ہی مجھ ایسے غریب فقیر کو ایسی جگہ کا ملنا یہ سب عنایت
و بندہ نوازی پروردگار عالم کی ہی الحمد للہ ثم الحمد للہ آج دوسری ذیقعدہ یوم جمعہ کو گیارہ
دسویں دن ہمارا جہاز عدن کو پہونچ گیا افسوس ہے کہ کوئی عدن کو جانے نہین پایا   جہاز کا عدن کو پہونچنا
اسوجہ سے ہم لوگ شہر عدن کے دیکھنے سے ناکام رہے صرف ایک منار نظر آتا ہی معلوم
نہین کہ وہ منار کسی مسجد کا ہی یا کسی اور عمارت کا عدن کے دوکاندار ہر قسم کے اشیا لیکر
کشتیون پر جہاز کے نیچے آتے ہین بہت اچھا بازار لگا ہوا ہی یہانکے تربوز ایسے شیرین اور
خوش ذائقہ اور لذیذ اور خوش رنگ مثل شہاب کے ہوتے ہین کہ ہندوستان مین کبھی ایسے
تربوز نہ دیکھے نہ کھائے عدن سے خشکی کی راہ سے بھی بیت اللہ شریف کو راستہ گیا ہی
دو ماہ مین مسافت طے ہوتی ہی ملک عرب یہین سے شروع ہی عدن ہمارے حضرت
سلطان ظل اللہ کی عملداری مین ہی ایک مدت دراز سے انگریزونکے پاس ٹھیکے مین رہتا ہی
سنا گیا ہی کہ انگریزون نے اس شہر مین قلعے بہت مستحکم کثرت کے ساتھ بنائے ہین آج تیسری

(قرنطینہ کا حال)

ذیقعدہ یوم ہفتہ کو گیارہ بجے شب کے وقت یعنی شب یکشنبہ کو جہاز ہمارا چھوٹ گیا آج
پانچوین ذیقعدہ یوم دوشنبہ کو جہاز ہمارا کامران مین آگیا مگر چونکہ قرنطینہ کے مکانات
رُکے ہوے ہین اسوجہ سے آج ہمارا اوترنا جہاز سے ملتوی رہا انشاء اللہ تعالیٰ کل کسی
وقت ہم سب جہاز سے اوترکر قرنطینہ کے مکانات مین داخل ہو جائینگے اللہ تعالیٰ کا شکر
ہے کہ قرنطینہ مین داخل ہوتا ہم لوگون کا آج ہی سے شمار کیا جائیگا آج چھٹی ذیقعدہ روز سہ شنبہ
دس بجے کے بعد دنکو ہم سب کامران کے قرنطینہ مین داخل ہو گئے بمبئی کا قرنطینہ تو
فقط برای نام ہی تھا وہان سنا گیا تھا کہ کپڑے اوتارے جائینگے اور بھپارا دیا جائیگا مگر
یہ کچھ بھی وہان نہین ہوا یہان تو خدا کی پناہ پہونچتے ہی ہم سبکو ایک ایک تہ بند دیا گیا کپڑے
اوتروائے گئے ہم سبکو دفعہ دفعہ کرکے تین مکانو مین جانا ہوا تیسرے مکان مین جب پہونچے
وہانکی چھت مثل چھلنی کے بنا رکھی ہے اوس سے پانی برسایا جب ہم خوب بھیگ لیے انگریزی
صابون ہمارے تمام جسم پر ملا گیا پھر خوب پانی برسایا جب ہم لوگ خوب نہا لیے تب
خشک تہ بند باندھنے کو ملے اور جو کپڑے ہم لوگونکے بدن سے اوتارے گئے اور جس قدر
کپڑے مثل بچھونے اور پارچہ سرمائی وغیرہ کے ساتھ تھے اون سبکو بھپارا دیا گیا جب وہ
نکل آئے تو اسقدر گرم تھے کہ ہاتھ رکھنا دشوار تھا اور عجیب قسم کی بدبو نہایت ناگوار تھی
خیر اس زحمت کے بعد خدا خدا کرکے نجات ملی یہانکے مکانات جنکو بارک کہتے ہین نہایت
وسیع اور کشادہ ہین ایک ایک بارک مین تیس تیس چالیس چالیس آدمیونکے قریب مقیم
ہوتے ہین جب بھی کشمکش نہین ہوتی یہ جگہ تو ایسی دلکشا اور فرحت افزا ہے کہ سبحان اللہ
ہر بارک کے سامنے میدان وسیع لب دریا عجب کیفیت نظر آتی ہے یہ سب برکت تو زمانہ
ہمارے حضرت سلطان ظل اللہ کی عملداری کی ہے اللہ تعالیٰ اوسکو تا دوام الشمس والقمر

سلامت باکرامت رکھے خیرخواہانہ عرض داشت بحضور حضرت سلطان
ظل اللہ خلد اللہ ملکہ شہر بمبئی مین انگریزون کی جانب سے پانچ روز کا جو قرنطینہ قائم کیا گیا
اُسکے بارہ مین ہم کچھ نہین کہتے بجز اسکے کہ سکوت اسلم ہی کامران ہمارے حضرت سلطان
ظل اللہ من اکرمہ اکرمہ اللہ خلد اللہ ملکہ و مد ظلہ کے خاص عملداری مین ہی مسلمانونکے افلاس
اور محتاجی کا حال اظہر من الشمس ہے بیچارے خدا جانے کس کس فکر و تدبیر سے زاد و راحلہ بہم
پہونچاکر محض اللہ تعالی کی خوشنودی اور حرمین شریفین کی زیارت کے ذوق و شوق مین
ایسا سفر دور و دراز لق و دق عظیم الشان اختیار کرتے ہین یہانکا قرنطینہ دس روز کا بلا وجہ
جیسا کچھ مسلمانون کے نقصان اور انواع و اقسام کی زحمت اور مصائب کا باعث ہوتا ہے وہ
ظاہر ہے اسکے علاوہ ۸ر نقد فی کس دینا پڑتے ہین ہمکو اپنی اس بدنصیبی پر سخت رونا آتا ہے
ایسی حالت ایسے وقت ایسے سفر مین ہماری سرکار والا اقتدار سے ہماری دستگیری و استعانت
فرمائی جائے نہ کہ معاملہ بالعکس ہوتا ہے اسکو بجز اپنی بدنصیبی کے اور کیا کہا جائے - چھٹی
ذیقعدہ کو ہم سب لوگ قرنطینہ کے مکانات مین داخل ہوے ساتوین کو صبح کے وقت بعد
طلوع آفتاب ڈاکٹر ہماری فرودگاہ پر آیا ایک جمعدار اور ہمارے قافلہ سالار صاحب
محمد سراج اوسکے ساتھ یہ ڈاکٹر عیسائی مذہب قوم ترک سے معلوم ہوتا ہے اور جمعدار مسلمان
ہے ڈاکٹر نے سبکی نبضین دیکھین تیسرے پہر کو تین بجے کے وقت بنا بر تحصیل زر قرنطینہ پھر
یہی دونون شخص آئے جس بارک مین ہم سب لوگ فروکش تھے اندر آکر کرسی پر ڈاکٹر بیٹھا اور
زر قرنطینہ طلب کیا جو لوگ پیشتر روپیہ قرنطینہ کا داخل کر چکے تھے اونھون نے رسیدین پیش
کردین منجملہ اونکے یہ فقیر بھی تھا اور جنھون نے پیشتر روپیہ داخل نہین کیا تھا اور صاحب زر
تھے اونھون نے روپیہ حاضر کر دیا فی کس ۸ر لیے گئے اور جو لوگ مفلس تھے اونھون نے

اپنے افلاس کا عذر پیش کرکے کہا کہ ہم مسکین ہین اب تحقیقات دریافت حال اُنکو ٹیکس
قرنطینہ معاف کی گئی ڈاکٹر خود تلاشی لیتا تھا کمر و بازو و گلو وغیرہ ٹٹولکر دیکھتا تھا ایک
صاحب سے جب وہ طلب کیا تو اونھون نے اپنا افلاس ظاہر کرکے کہا کہ مین مسکین ہون
ڈاکٹر نے اونکی تلاشی کے لیے کمر مین ہاتھ ڈالا ایک بیاشل تعویذ کے کپڑے کے اندر اسپر موم جا
لگا ہوا نظر آئی پوچھا یہ کیا چیز ہے کہا تعویذ ہے ڈاکٹر نے اوسکو کھولڈالا اوسکے اندر سے گنی
گنتیان یعنی اشرفیان برآمد ہوئین ڈاکٹر نے ایک گنی لے لی باقی اونکے حوالے کیدین وہ بیچارے
سخت نادم و محجوب ہوے اور دیگر اشخاص کی تلاشی مین سختی کا باعث ہوا بہر تقدیر معلوم
ہوا کہ جو لوگ درحقیقت مفلس ہوتے ہین اونکو ٹیکس قرنطینہ معاف کردیجاتی ہے ایک
صاحب اپنے کو مفلس قرار دیکر برابر سوال کیتے پھرتے تھے بروقت تلاشی کے اونکی بی بی کی
کمر سے سات سو روپیہ کی اشرفیان برآمد ہوئین دنیا کی حرص لوگونکے دلونمین ایسی سمائی
ہوئی ہے کہ ایسے وقت اور ایسے سفر مین بھی لغویات سے باز نہین رہتے اللہ تعالیٰ اپنی
پناہ مین رکھے۔ یہان کامران مین قبلہ مکرمہ خاص اوترجانے سے جہاز پر ہمکو چارون سمت
نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا یعنی قبلہ شریف کبھی مغرب کبھی مشرق کبھی جنوب کبھی جانب
شمال واقع ہوا اور جدہ شریف مین بالکل جانب مشرق یعنی پورب طرف قبلہ شریف
واقع ہے سب لوگ ہمیشہ پورب طرف نماز پڑھتے ہین نوین ذیقعدہ کو یہان یعنی قرنطینہ
کامران مین جمعہ واقع ہوا اشتل بارک کے ایک مسجد بھی بوریہ کی بنادی گئی ہے اوسی مسجد مین
حیدرآباد دکن کے ایک عالم صاحب نے جنکا نام نامی و اسم گرامی سید صوفی ہے نماز جمعہ
پڑھائی بعد نماز جمعہ وعظ بھی فرمایا سُنا گیا ہے کہ وعظ بہت عمدہ ہے ہفتہ کے روز شب کے
وقت جناب مولوی صاحب نے پھر وعظ کہا یکشنبہ کو شب کے وقت جناب مولوی عبد اللہ ی

صاحب مدراسی نے وعظ فرمایا برخوردار مولوی محمود العافی مدعمرہ انکی وعظ کے بڑے
بڑے مداح ہین مولوی صاحب ممدوح صوف نے کئی گھنٹے وعظ بیان فرمایا لوگ بہت خوش
ہوے۔ مولویصاحب بہت کم عمر ہین نہایت درجہ نیکبخت اور با اخلاق مزاجمین خاکساری
بیحد ہی۔ ہمارے برخوردار مولٰنا کو بہت مانتے اور بڑا ادب کرتے ہین فقیر سے بھی بڑی تواضع
واخلاق کے ساتھ پیش آتے ہین مولویصاحب ممدوح صوف کے والد ماجد اور ایک بھائی
ایک بیٹا کم عمر ساتھ ہی ایک روز ہم سبکی دعوت بھی کی یہان ایک دریائی جانور مارا
جسکی ایک منھ سات دُمین ہین فقیر تو اسکے دیکھنے کو نہین گیا مگر اور بہت لوگ گئے
دیکھا اور تعجب کیا الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہمارے قافلے مین بہت بڑے بڑے عالم و فاضل
درویش کامل رونق افروز ہین حیدرآباد کے ایک درویش نہایت بزرگ پاکیزہ صورت
تشریف رکھتے ہین دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ نوّے برس کی عمر ہے مگر بعنایت الٰہی
بخوبی چلتے پھرتے ہین شہر لکھنؤ مین کوئی بزرگ مولٰنا محمد اسحاق صاحب گذرے ہین
اُنکے آپ خلیفہ ہین آپ کا نام مین نے دریافت کیا معلوم نہین ہوا اگر مین خود اُنسے
دریافت کرتا تو معلوم ہو جاتا مگر نوبت نہین آئی فقیر سے بہت اخلاق کے ساتھ پیش
آتے ہین باوجود فصل سرما ہونیکے بمبئی سے یہان کامران تک سردی برائے نام ہوتی ہی
بمبئی مین کچھ سردی تھی بھی مگر جہاز پر اور یہان کامران مین تو یہ حال ہی کہ اول شب مین
لوگ برہنہ رہتے ہین یعنی چادر کی بھی ضرورت نہین ہوتی پچھلی شب مین کسیقدر ضرورت
ہوتی ہی بعض بعض شب مین یہ فقیر فقط ایک چھوٹی لنگی اوڑھے رہا اور سردی نہین معلوم
ہوئی پچھلی شب مین مین نے کبھی کوئی کپڑا سادہ یا روئی دار اوڑھ کر نماز تہجد یا وظیفہ
نہین پڑھا فقط سادہ شلوکہ اور سادی صدری پہنے رہا مگر کبھی سردی مطلق نہین معلوم ہوئی

دریائی جانور عجیب

حال آنکہ یہ مہینہ ماگہ کا ہی ۴ ذیقعدہ روز چہارشنبہ ہم لوگ قرنطینہ سے نجات پاکر جہازمین آگئے
ہان خوب یاد آیا قرنطینہ سے ہم لوگونکی روانگی کے روز ڈاکٹر حسب معمول جب معاینہ کیلیے آیا
سبکو دیکھکر چلا گیا دو ڈھائی گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ اب کوئی بڑا ڈاکٹر آتا ہی ہم سب لوگ
حسب الحکم اپنی اپنی بارکونسے باہر آکر اور صفین جماکر کھڑے ہوے دیکھا تو وہی ڈاکٹر جو روز معاینہ
کے لیے آیا کرتا تھا آرہا ہی اور مولوی محمد سراج سالار قافلہ حسب دستور اُسکے ہمراہ ہین قریب آکر پوچھا
کہ آپ سب لوگ ہمسے راضی وخوش ہین کسیطرحکی تکلیف تو آپکو نہین پہونچی کہا گیا کہ ہم سب خوش
ہین یوچھکر چلا گیا یہ سب اقبال ہمارے حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کا ہی واقعی بکمال ان کے قرنطینہ مین
تم لوگونکو کسی نہج کی تکلیف نہین ہوئی اور نہ کوئی امر خلاف مزاج واقع ہوا قربان جائیے اپنے
مالک حقیقی کے ایک روز ہمارے برخوردار مولوی محمد صادق الیقین کو بخار کی حرارت تھی ڈاکٹر نے
معائنہ کے وقت جب کلائی پر ہاتھ رکھا بوجہ محسوس ہونے حرارت کے ذرا غور کے ساتھ دیکھا اور
فکر کرنے کے گریبان مین بھی ہاتھ ڈالا مگر کچھ کہا نہین چلا گیا سنا گیا تھا کہ جب یہان کوئی کسی مرض
مین گرفتار ہوتا ہی تو اُسکو قرنطینہ سے باہر دریا کے کنارے ڈلوا دیتے ہین اور کوئی آدمی وہان جانے
نہین پاتا اسوجہ سے مجھے دوسرے روز کے لیے دغدغہ تھا کہ اگر خدانخواستہ اُسنے کل بھی حرارت پائی
تو خدا جانے کیا معاملہ پیش آئے اب دوسرے روز جب ڈاکٹر آیا مین نے اسی اندیشہ سے جناب باری
تعالی مین دعا مانگی اور دس رکعت نماز کی منت کی کہ یا الٰہی ڈاکٹر کے شر وفساد سے میرے فرزند
مولوی محمد صادق الیقین کو بچانا اور اپنی پناہ مین رکھنا اب ذرا اُسکی بندہ نوازی اور کریمی و
رحیمی کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری ساری جماعت کو اوسنے حسب دستور معاینہ کیا جب برخوردار
موصوف کے نزدیک آیا نہ انکی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور نہ انکی کلائی پر ہاتھ رکھا یونہین چلا
گیا مین نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اور اوسیوقت دس رکعتین نماز کی ادا کین ایک روز

برخوردار موصوف کو پھر بخار آگیا مجھے اندیشہ ہوا جب اکثر آیا مین نے پھر دعا کی اور نماز
مانی اس روز تا اللہ تعالی کے فضل و کرم اور بندہ نوازی کو دیکھیے کہ ہم لوگونکی جماعت ایک
سرے سے آیا اور دوسرے سرے پر چلا گیا مگر کسی متنفس کی کلائی پر بھی ہاتھ نہین رکھا ہم
خداوند تعالی کا شکر بجا لاکر نمازین ادا کین - الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج ۱۰ تاریخ روز پنجشنبہ
ہم سب لوگ جہاز سے اوتر کر جدہ شریف مین آگئے یہان یہ دستور نکلا ہی کہ سب مسافر
ایک مکان مین نظر بند کر دیتے ہین جب فی کس تین روپیے چھ آنے لے لیتے ہین تب شہر کے
جانے دیتے ہین اوسوقت بڑا ہنگامہ اور اودھم ہوتا ہی اور بدون دیے کسی کو جانے نہین
ہوتا الا وہ شخص جو بالکل مفلس اور محتاج ہو جسکو یہان مسکین کہتے ہین - اللہ جل شانہ نے ہر
سفر مقدس مین ہر قسم کے کامونمین ایسی ایسی مدد و استعانت فرمائی کہ جسکی حد و نہایت نہین ہی
یہان یہ دستور ہی کہ جہاز سے اوتر کر ڈونگی اوسوقت ایک تلاطم عظیم ہوتا ہی اسیوجہ سے اسباب کی
بالکل بے ترتیبی ہوتی ہی ملاح وغیرہ جو اسباب پاتے ہین جس کشتی مین چاہتے ہین رکھ کر ڈال دیتے
ہین بعد کو مسافر بیچارے کشتیون سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنی شناخت اور نشان کے موافق
اسباب نکالتے ہین مسافرونکو اسمین بہت بڑی دقت و زحمت ہوتی ہی اسمین اسباب تلف بھی
ہو جاتا ہی یہان جدہ پہونچکر جب اسباب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک بورہ کپڑون کا جس مین
برخوردار مولوی صادق حسین صاحب کا لبادہ اور انکی اہلیہ کا ایک سیاہ لحاف اور زیور کا
ایک ڈبہ قیمتی بارہ سو روپیہ کا تھا گم ہوگیا ہر چند تلاش و جستجو کی گئی مگر کہین سراغ نہ ملا فقیر نے
جناب باری تعالی مین عرض و معروض کرکے ایک سو بیس ۱۲۰ رکعت نماز نذر مانی [illegible]
بعد بورہ اسباب کا مل گیا ان باتون کا اظہار و بیان فقط اللہ تعالی کے شکران نعمت پر ہی
اسپر کسی اور قسم کا خیال و گمان نکرنا چاہیے - یہان جدہ شریف مین ہر قسم کے مصارف کی

ذکر پہونچنا بندر جدہ مین بتاریخ [illegible]

کوئی حد و پایان نہین ہے جس مقام پر جہاز کا لنگر ہوا تھا وہان سے جدہ شاید دو میل ہو
میرے خیال مین اس سے زیادہ نہوگا جسکے اترائی فی کس ساڑھے چھ چھ روپیہ لیے گئے
جدہ سے مکہ مکرمہ جانیکے واسطے تین قسم کی سواریان یہان ہوتی ہین ایک تخت روان
دوسرے شغدف تیسرے شبری تخت روان تو مخصوص اہل دول و امرا کے لیے ہے یہان
مسافرونکی بڑی آرام و راحت کی سواری شغدف ہے اور اسی کی کثرت زیادہ ہوتی ہے
اسکے بعد شبری اور جو لوگ بالکل کم مایہ ہوتے ہین وہ یونہین اونٹونکے پیٹھ پر کجاوے
یا بوریون پر بیٹھ لیتے ہین فقیر کے یہان دو شغدف مطوف صاحب کی معرفت خرید کیے
گئے کسی کی یہ مجال نہین کہ کوئی خود اپنے طور پر خرید کر سکے اور صورت شغدف کی یہ ہوتی ہے
کہ جیسے ہمارے یہان بانس کی چارپائیان بانونسے بنی ہوئی ہوتی ہین بان کا فرش بیچ بانونکے
ہوتے ہین بہت ہی مضبوط ہان انکی پٹیان اور سیرڑوے لکڑی کے نیچے اوپر دونون جانب لگے
ہین۔ دو شغدف کی قیمت مطوف صاحب نے تیس روپیہ لی یہ دونون کھٹولے جیسا
شغدف ہے اونٹ کی پیٹھ پر ایک اس جانب اور ایک اُس جانب ہوتے ہین اور ایک کھٹولے
پر ایک آدمی سے زیادہ نہین بیٹھ سکتا اور نہ اوسپر بجز اوڑھنے او بچھونے کے کسی قسم کا اسباب
بدو رکھنے دیتے ہین شمس التواریخ مین لکھا ہے کہ اگر کسائی شغدف کی عمدہ طور پر ہوگی
تو منزل پر بہت آرام و راحت کے ساتھ پہونچنا ہوگا ورنہ چھٹی کا دودھ یاد آجائیگا
واقعی مجھے تو شغدف پر سوار ہوتے ہی چھٹی کا دودھ یاد آگیا شغدف کی کسائی بدوونکے
اختیار مین ہوتی ہے مگر وہ کسی حال مین کسی کی کچھ سماعت نہین کرتے دونون وقت کا
کھانا اور انعام پر انعام لیتے چلے جاتے ہین مگر ذرا بھی مروت و لحاظ نہین کرتے ایک شبری
دو روپیہ کو حاجی رحیم کے واسطے میر صادق علی صاحب کی شراکت مین خریدی گئی

ہین جب ان مقامات پر پہونچنا ہوتا ہی تو وہین سے احرام باندھا جاتا ہی احرام عمرہ ہو
خواہ احرام حج بمبئی کے جہاز پر آنے والونکے لیے حد میقات یلملم پہاڑ سے مقرر ہی اگر کوئی
شخص یلملم پہونچنے سے دو ایک روز قبل احرام باندھ لے تو جائز بلکہ بہتر ہی جب ہم سب
لوگ یلملم کے متصل پہونچے تو احرام عمرہ باندھا گیا وہانسے دو ہی ایک روز کے عرصہ مین
جہاز جدہ پہونچ جاتا ہی جدہ سے مکہ مکرمہ دو دن کی راہ ہی درمیان مین ایک منزل پر قیام
ہوتا ہی دوسرے روز مکہ معظمہ پہونچ جاتے ہین مثلاً اگر صبح کو روانہ ہوے تو شام کو منزل پر
پہونچے شب کو قیام کیا صبح کو پھر روانہ ہوے اوسی روز نماز عصر کے وقت مکہ شریف مین
داخل ہو گئے اور اگر شام کو چلے تو صبح کو منزل پر پہونچے تمام دن قیام رہا شام کو پھر چلے صبح کو
مکہ مکرمہ پہونچ گئے یہ تفصیل مین نے اسلیے کی کہ قافلہ کبھی شام کو روانہ ہوتا ہی اور کبھی
صبح کو ہمارا قافلہ صبح کو روانہ ہوا شام کو منزل پر پہونچا شب بھر قیام رہا تھوڑی رات
باقی رہے یعنی قبل نماز فجر پھر روانہ ہوا نماز عصر کے اول وقت ہم سب مکہ معظمہ مین داخل
ہو گئے اور نماز عصر وہین ادا کی یہانکے راستہ مین کوس اور میل وغیرہ کا کہین نام ہی
نشان نہین ہی اسوجہ سے منزل کا حساب نہین ملتا کہ فلان مقام فلان منزل سے اسقدر
فاصلہ پر ہی اور نہ چوکیون کا ایسا انتظام ہی جس سے کوسون کا پتہ ملسکے چوکیان برائے نام
ہوتی ہین گھانس پھوس ڈالکر کچھ آڑ کر لیتے ہین اس راستہ مین سائل بجد و بکثرت ملتے
ہین خصوصاً چھوٹے چھوٹے بچے یہانکے سائلون مین لطف مین نے یہ دیکھا کہ مثلاً ایک
ذراسی روٹی دو انگل کی مقدار مین انکی گود مین پھینک دی جائے تو اسقدر دعائین دیتے
ہین کہ جسکی انتہا نہین مجھے اپنی کم مائگی پر سخت افسوس آتا ہی اگر مجھ مین قدرت ہوتی تو کسی
سائل کو خالی پھرنے نہ دیتا کیا کرون سخت مجبور رہون رو کر رہجاتا ہون اس راستہ مین

جابجا سرکاری چوکیان بھی مسافرونکی حفاظت کے لیے بنی ہین کوئی چوکی پہاڑ کے اوپر
کوئی نیچے اون چوکیون مین ہماری سرکار والا اقتدار کے ملازم ترکی رہتے ہین اون کا
یہ دستور دیکھا کہ ایک ایک دو دو نان پاؤ ہاتھ مین لیکر راستہ مین کھڑے ہوتے ہین جس
مسافر کو ضرورت ہوتی ہے لیتا ہے جدہ شریف اور مکہ معظمہ کے اثنا راہ مین جس منزل پر
قیام ہوتا ہے وہان بھی بلا وجہ فی کس ایک ایک روپیہ دینا پڑتا ہے ہم سب لوگ بعنایت
الٰہی اکیسوین ماہ ذیقعدہ بروز چہارشنبہ نماز عصر کے اول وقت مکہ معظمہ مین داخل ہوکر
شرف زیارت سے بہرہ ور ہوے یہان پہونچتے ہی مطوف صاحب کو ساڑھے ستائیس
روپیہ بلا شرکت دیگر ہمراہیون کے ہمکو بذات خود دینا پڑے تیس روپیہ دو دو کوٹھریان انہین ہمراہیون
کی شرکت مین کرایہ لی گئین جس مین سولہ روپیہ ہمکو دینا پڑے چونکہ فقیر کو اونٹ کی سواری پر
شقدف یا شیری پر کبھی سوار ہونے کی نوبت نہین آئی تھی و نیز بوجہ کمزوری و عالم
ضعیفی کے نہایت درجہ ہلکان ہوا سارا جسم چور چور ہوکر رگ و ریشہ مین درد پیدا ہوگیا
اسی وجہ سے مکہ مکرمہ پہونچتے ہی طبیعت بہت ہی مضمحل ہوگئی برخوردار نور الابصار مولوی
محمد صادق الیقین صاحب کی طبیعت تو جہاز ہی پر ناساز ہو چکی تھی اور ضعف بہت زیادہ
ہوگیا تھا بوجہ ضعف و نقاہت کے طواف و سعی صفا و مروہ کے لیے برخوردار موصوف
نے شیری پر سوار ہوکر پنجشنبہ کے روز حرم محترم شریف مین حاضر ہوکر اوسی شیری پر طواف
و سعی دونون سے فراغت حاصل کی فقیر اول وقت کی حاضری سے بوجہ تکان سواری
حاضری سے مجبور رہا تیسرے پہر کو فقیر نے بھی بسواری شیری طواف و سعی سے فراغت
حاصل کی لیکن ایسے مقامات متبرکہ پر سواری پر سوار ہوکر حاضری دینا طبیعت کے بہت ہی
خلاف و سخت موجب ندامت و خجالت کا تھا وہان سے مکان پر آکر احرام عمرہ شریف

کھول ڈالا تیسرے روز فقیر نے بدشواری تمام حرم محترم شریف مین حاضر ہو کر نماز جمعہ ادا
کی ہفتہ کے روز کہ چوتھا دن حاضری کا تھا فقیر کو بڑی شدت سے زکام ہوا بخار درد سر
کی ایسی ترقی ہوئی کہ غذا بالکل چھوٹ گئی نماز بیٹھ کر ادا کرنا دشوار ہو گیا دس بارہ روز تک
حالت بہت ہی ابتر رہی حتیٰ کہ زمانہ حج شریف کا بہت نزدیک آگیا حج ہی کی برکت سے
دو چار روز پیشتر صورت افاقہ کی ظاہر ہوئی مگر نقاہت و ضعف بحد تھا آٹھویں
ذی الحجہ جمعہ کے روز ادائے حج کے لیے عرفات پر جانے کا حکم ہوا عرفات شریف مکہ مکرمہ سے
سات کوس کے قریب ہے ہمارے یہاں دو اونٹ شغدف والے کرایہ پر کیے گئے جس کا بیالیس
روپیہ کرایہ دینا پڑا ایک اونٹ پر فقیر مع برخوردار نور الابصار مولوی محمود العافی مدعمرہ
اور ایک اونٹ پر برخوردار عالی تبار مولوی محمد صادق الیقین صاحب مع اپنی اہلیہ اور دختر
رقیہ سوار ہو کر عرفات کو روانہ ہوئے مکہ مکرمہ سے منا تین کوس کے قریب ہے اس دن
شب روز وہین قیام ہوا مکہ معظمہ سے تا منا لکھوکھا آدمی بسواری شغدف و شبری نظر
آتے تھے اور بعض خالی اونٹ پر سوار اور بعضون کے سواری مین حمار تیز رفتار اور بعض
پاپیادہ صبح کو ہفتہ کے روز نویں تاریخ عرفات کو روانہ ہوئے اس اژدحام اور ہجوم کو
کیا پوچھنا عام طور پر مشہور تو یہ ہے کہ حج شریف مین نو لاکھ نو ہزار نو سو ننانوے آدمی
ہوتے ہین اور خاص طور پر چھ لاکھ کی روایت سنی گئی ہے چھ لاکھ کیا کم ہین حضرت شریف
مکہ مع اپنی فوج و ساز و سامان احرام باندھے ہوئے رونق افروز ہوئے شریف صاحب
کے اسپ ہای عربی مع ساز و یراق جنہیں زرین پوش کارچوبی زردوزی نگار پڑے ہوئے زیور
نقرئی و طلائی سے آراستہ جلوس مین ہمراہ شریف صاحب بذات خود فیل پر سوار
ہمراہی مین سوارون کے پرے قطار قطار ایک جانب فوج سلطانی حضرت شاہ مصر کی

طرف سے محمل شریف کے ہمراہ جسکے اندر غلاف مقدس خانہ کعبہ رکھا ہوا محمل شریف
پر جیوہاے کار چوبی زرنگار پڑی ہوئی ترک لوگ سلاحون سے مسلح عربی گھوڑون پر
سوار کیسے کیسے گھوڑے خوبصورت چست و چالاک تیز رفتار بخدا یہ جشن شوکت سلامی
کا ایسا لطف دکھا رہا ہی کہ جسکا ایک شمہ بھی قید تحریر مین نہین آسکتا بالمختصر اسی
شان و شوکت کے ساتھ سب حضرات عرفات شریف پر پہونچے اور مناسک حج ادا
کیے بعد فراغت حج کہ اب تھوڑا دن باقی ہی حضرت شریف صاحب سوار ہوے
سلامی و غیرہ سب لوگ بعد غروب عرفات شریف سے منا کو واپس چلے یہان یعنے
عرفات شریف پر شبکو قیام کرنیکا حکم نہین ہے عرفات مقدس پر نماز ظہر و عصر ملاکر
پڑھی جاتی ہی اثنا راہ مین یعنی درمیان منا اور عرفات کے مزدلفہ واقع ہی اس شبکو
مزدلفہ مین قیام ہوا یہان نماز عشا و مغرب ملاکر پڑھی جاتی ہی یہانکی شب بیداری کو
افضل شب قدر سے فرمایا ہی مزدلفہ مین شب کے وقت کثرت اور ہجوم حضرات حجاج کا وہ وہ
لطف دکھا رہا ہی کہ اللہ اکبر دوکانین ہر شی کی کثرت سے کیسی کیسی آراستہ کہ جن مین
طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیان ادہر پراٹھے کیسے کیسے نفیس کہ جسکے دیکھنے سے روح کو
فرحت اور دل کو روحانی قوت حاصل ہوتی ہے صبح کو دسوین تاریخ یکشنبہ کے روز
منا مین پہونچے نماز عید الضحے یہان بھی پڑھی جاتی ہی یہان پہونچکر ہر شخص کو دم دینا ہوتا ہی
فی کس ایک بکری یا دنبہ دیا جاتا ہی جنکو زیادہ وسعت ہوتی ہی وہ قربانی بھی کرتے ہین حجامت کے بعد
سب کے احرام کھل گئے تھوڑا دن رہے رمی جمار کو سب لوگ چلے منا مین تین مقام
پر تین دیوارین بنی ہوئی ہین وہان جاکر سب لوگ سات سات کنکریان ان دیوارون پر
مارتے ہین پہلے روز ایک ہی مقام پر پھر دوسرے تیسرے دن یعنی گیارھوین بارھوین کو

ہر سہ مقام پر کنکریان مارتے ہین گیارھوین تاریخ یکشنبہ کے روز صبح کے وقت ہ
سب لوگ گھڑی سواری مکہ معظمہ کو روانہ ہوے دو اونٹ اون اونٹون کے عا
نکا کرایہ بیالیس روپیہ دیا گیا چھ روپیہ پر تا مکہ مکرمہ کیے گئے ایک اونٹ پر فقیر او
خوردار مولوی محمود العافی اور دوسرے اونٹ پر برخوردار عالی تبار مولوی شاہ م
صادق الیقین صاحب مع اپنی اہلیہ اور دختر مسماۃ رقیہ کے بسواری شغدف مکہ
و پہنچے حرم محترم شریف مین حاضر ہو کر پہلے طواف بعد ازان صفا مروہ کے درمیا
وڑ کر اوسیوقت منا کو واپس ہوے تھوڑے دن رہتے وہان پہونچکر تین جگہ کنکریا ا
رین اور شبکو وہین منا مین مقیم ہے مناسک حج تا این ہین دو شب کا قیام یکی داخل
رھوین تاریخ سہ شنبہ کو دوپہر کے وقت سب لوگ ایکدم سے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوے ا
اہ مین رمی جمار کے لیے حاضری کی ضرورت تھی اللہ اکبر اوسوقت کے اژدحام اور
ر کثرت حجاج کا حال قید تحریر مین نہین آسکتا اونٹونکا ریلا گدھے خچرون کے کثرت
لوگ پاپیادہ تھے اونکے پامال ہوجانیکا از بس اندیشہ تھا حال آنکہ فقیر کا اونٹ مع
واری شغدف موجود تھا مگر برخوردار مولوی محمود العافی کی راے بوجہ لاعلمی کے یہ ہوا
رمی جمار سے فراغت حاصل کر کے اونٹ پر سوار ہولین گے اس اژدحام کا خیال نہ
برخوردار مذکور نے فقیر کو حاجی میر صادق علی صاحب کے ہمراہ کر دیا اور برخوردار مولوی م
صادق الیقین صاحب کے اونٹ کے ہمراہ رمی جمار کے لیے چلے گئے قریب تھا کہ فق
اونٹون اور گدھون اور مردمان پاپیادہ کے درمیان مین دبکر پامال ہوجاے خدا
تعالی جزای خیر دے میر صاحب موصوف کو کہ اونھون نے فقیر کا ہاتھ نہ چھوڑا ا
حکمت عملی سے بچا لا کر ایک ہوٹل والے کی دوکان پر کھڑا کر دیا دوکاندار ونکا یہ حال

کسی کے کھڑے ہونیکے روادار نہین ہوتے مگر جو شخص اونکے یہانکی جانے پی لیتا اوس سے مزاحمت نہ
کرتے پھر تقدیر فقیر نے بھی جائے پی اور میر صاحب ممدوح نے بھی اسوجہ سے دیر تک اون ہوٹل مین
دیر تک بیٹھے کھڑے رہے وہان برخوردار مولوی محمد صادق الیقین صاحب اور مولوی محمود المعانی
فقیر کے گم ہونیسے از بس پریشان اور شکستہ خاطر ہوکر آبدیدہ ہورہے تھے برخوردار مولوی محمود
نے باوجود اس ہجوم اور اژدحام عظیم کے خدا جانے کسقدر چکر لگائے انجام کار جب کسیقدر اژدحام
کم ہوا تو فقیر نے میر صاحب سے کہا کہ اب چلیے ہالنسے تھوڑی دور پر بشیر حاجی رحیم بخش ملے اونکہا کہ
تلاش کرتے کرتے ہم سب لوگ حیران و پریشان ہوگئے یہ کہکر کہا کہ مین جاتا ہون مولوی محمود المعانی
تلاش کرلاؤن آپکی تلاش مین سرگردان ہین یہ کہکر حاجی رحیم بخش چلے گئے سامنے سے آتے ہوئے برخوردار
مولوی محمود المعانی نظر آئے اونھون نے مجھے نہین دیکھا مین نے انکو دیکھکر آواز دی یہ بیچارے
پریشان تھے مجھے دیکھکر کہا کہ ماموں صاحب آپکے فراق مین از حد پریشان ہوکر رو رہے ہین غرضکہ
برخوردار مولوی محمود المعانی کے ہمراہ نور الابصار مولوی محمد صادق الیقین کے پاس پہونچا انتظار مین
تھے مجھے دیکھکر بہت خوش ہوئے پھر اوسی مقام پر نماز ظہر ادا کرکے بیت اللہ شریف کو روانہ ہوے
کچھ دن باقی تھا کہ مکہ مکرمہ مین داخل ہوگئے مسجد الحرام ایسی وسیع اور عالی شان مسجد ہے باوجود
لاکھا آدمی نماز کے وقت ہوتے ہین خصوصاً نماز جمعہ مین بیحد و بیشمار آدمیونکا مجمع ہوتا
ہم جگہ خالی رہتی ہے درمیانمین صحن اور چارونطرف مکانات نہایت خوشنما عالی شان شاہا
ارت کے ساتھ بنے ہوے ہین ایک معجزہ اس مسجد مقدس کا مین نے کئی مرتبہ کی حاضری مین بغو
دیکھا کبوتر جنگلی اس مسجد شریف کے اندر رہتے ہین مگر بیٹ کا کہین کسی جگہ نام و نشان نظر
ین آتا بیٹ کا کیا ذکر کبھی کوئی پر بھی گرا ہوا مین نے نہین دیکھا ایک روز یہ فقیر نماز جماعت کے انتظا
ر مین بیٹھا ہوا تھا سامنے ایک ذرا سا پر نظر آیا بے اختیار دل نے چاہا کہ اوٹھا کر آنکھونسے لگالون مگر

بت نہ آئی اس مسجد مقدس کے اخراجات بکثرت ہین پچاس خواجہ سرا صرف مطاف کی
فائی اور روشنی اہتمام اور نگرانی کے لیے معین و مقرر ہین اُنمین سے کسی خواجہ سرا کی تنخواہ پانچ اشرفی
کم نہین ہے اور اُنکے افسر صاحب تیس ۳۰ اشرفی پاتے ہین جسکے ساڑھے چار سو روپیہ ہوے اس
مسجد شریف مین نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ پڑھانیکے لیے ننانوے امام مقرر ہین اور سب ماہوار ہمیشہ پا
تے ہین ماہوار کے علاوہ ہر جمعہ کو جن امام صاحب کی نماز جمعہ پڑھانیکی باری ہوتی ہے اونکو
عت فاخرہ عنایت ہوتا ہے جس مین دو شالہ اور عمامہ اور پارچہ ہای بیش قیمت ہوتے ہین جس
بر شریف پر امام صاحب کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے ہین وہ ممبر اکتیس ۳۱ برس کے عرصہ مین طیار کیا
ہے اور ایک بہت بڑی صنعت اُسمین یہ ہے کہ کاریگر نے سورج کی رفتار کو ایسا قابو مین کیا ہے کہ
بر ایک چھوٹی سی گمزی ہشت دہات کی رکھی ہوئی ہے اُسکا سایہ وقت مقرر خطبہ کے خطیب پر
ر فصل اور موسم مین پڑتا ہے ادھر اُدھر ڈھلتا نہین کہ اُسپر دھوپ آجائے کیا مجال کہ کسی موسم
ن خطیب پر دھوپ آسکے اللہ ری کاریگری عقل کچھ کام نہین کرتی حرم شریف کے اندر ایک ہزار
نڈیان شیشے کی روشنی کیواسطے آویزان ہین ہر ہانڈی کے لیے نیم آثار روغن زیتون مقرر ہے
ور روغن زیتون آٹھ آنہ سیر کے حساب سے آتا ہے اب خیال کرنا چاہیے کہ ایک ہانڈی کے لیے
چار آنہ کا روغن ہوا ہزار ہانڈی کی ہزار چونیان ہوئین ہزار چونی کی پانسو اٹھنی اور پانسو اٹھنی
ے ڈھائی سو روپے ہوے اللہ اکبر ڈھائی سو روپیہ روز کا فقط تیل جلتا ہے اسیطرح سے انواع
ر کے اخراجات عظیم الشان ہین خاص بیت اللہ شریف کی چھت پر ایک گز کا لمبا پرنالہ سونے کا
لگا ہوا ہے اُسکو میزاب رحمت کہتے ہین اس سے بارش کا پانی جس مقام پر گرتا ہے اُس مقام کو حطیم کہتے
ہین یہ مقام یعنی حطیم خاص داخل بیت اللہ شریف ہے اسی مقام پر حضرت اسمعیل ذبیح اللہ اور آپکی
والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہ علیہما السلام کا مزار پر انوار ہے حلقۂ حرم محترم شریف کے اندر کہین سنگ

علیہم السلام کے مزارات مقدس قریب وفن ہین مکہ معظمہ کا ہر گلی کوچہ بازار ہی ایسا دیکھنے پر رونق
شہر نگاہ سے نہین گذرا یہانکے مکانات شاہانہ عمارت کے ساتھ بنے ہوئے ہین ایسی عمارت کسی شہر مین میرے
دیکھنے مین نہین آئی ایک ایک مکان سات سات درجہ کا ایسا بنا ہوا ہی کہ میری نگاہ وہان تک
پہونچ نسکی کیسے نہو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی کہ مکہ مین پنج دینا دولتون کی
دولت ہی یہانکے مکانات مین رسم برآمدہ بہت ہی نکلے اوپر کے سب درجون مین برآمدی کاٹھ کی نہایت
خوشنما اور خوبصورت مثل کمرونکی ہوتے ہین یہانکے نجار لکڑی کی تراش وخراش مین بے مثل و بے نظیر ہین
بینت کا کام دل کا ویل بوٹا جالی نہایت درجہ خوشنما بناتے ہین یہان کوئی دروازہ و کھڑکی
لواڑ ایسے نہین کہ جنمین دلہی دل کا اور بینت کاری نہو لکڑی بھی یہانکی ایسی عمدہ و نفیس صاف
خوش رنگ ہوتی ہی کہ ہندوستان مین ایسی لکڑی دیکھنے مین نہین آئی بعض لکڑی مثل صندل
سرخ کے اور بعض لکڑی مانند صندل سفید کے ہوتی ہی کل بازار یہانکے نہایت آباد پر رونق
و دلچسپ ہین باوجودیکہ یہان مکہ معظمہ مین کوئی چیز پیدا نہین ہوتی جدہ سے تا مکہ مکرمہ کوئی
درخت یا کسی قسم کی گھانس نگاہ سے نہین گذری بالکل ریگستان اور ہر جانب پہاڑ ہی پہاڑ
نظر آتے ہین راستہ مین کوئی تالاب بھی میری نگاہ سے نہین گذرا و علی ہذا مکہ مکرمہ سے عرفات
شریف کہ قریب سات کوس کے فاصلہ ہی ایسا ہی نظر آیا مگر باین ہمہ اسکو معجزہ کہیے یا کرامت کوئی
چیز ایسی نہین کہ مکہ مکرمہ مین نہ ملتی ہو اور سب چیزین ترو تازہ میسر آتی ہین قسم بقولات و ترکاری
سے جو چیزین ہندوستان مین ہوتی ہین وہ سب یہان موجود آلو بھنڈی بیگن لوکی گول کدو مولی گاجر
شلجم قند ساگ پالک ساگ خرفہ ہرا لہسن دینہ ہرا دھنیا بڑی جوار کے ہرے بھٹے بیر جیسے ہندوستان مین
جنگلی ہوتے ہین چھوٹے چھوٹے گول گول نہایت خوش ذائقہ اور شیرین بھی لیمو ایسے ترو تازہ اور
پتے ہرے کچھ کہ جسکے دیکھنے سے دلکو فرحت حاصل ہوتی ہی اور بعض بعض گھانس اور پتیان

ایسی ہری اور سبز نظر آتی ہین کہ جنکے دیکھنے سے از بس تعجب و حیرت ہوتی ہی اور میوہ جات کی تو یہان کمی کہان ہی ہر قسم کا میوہ بافراط ملتا ہی خصوصاً انار کی وہ کثرت کہ ہر مقام پر ڈھیر لگے رہتے ہین دو پیسہ کو ایک انار آتا ہی یہان کی اشیاء خوردنی مین سے تین چیزین مجھے بہت پسند آئین اول تو تربوز ایسے تربوز خوش ذائقہ شیرین ہندوستان مین کبھی نہ کھائے نہ دیکھے گودا نہایت سرخ جیسے شہاب کا رنگ ہوتی یہانکے تربوز کھانے سے دل کو نہایت فرحت اور تازگی حاصل ہوتی ہی دوسرے شکر قند بھی یہانکی نہایت لذیذ شیرین اور خوش ذائقہ اور خوشرنگ ہوتی ہی تیسرے یہانکی خمیری روٹی بہت دبیز اور ملائم اور نہایت بامزہ ایک روٹی ایک آنہ کو آتی ہی ایک روٹی مین ایک آدمی بخوبی آسودہ ہو سکتا ہی اور میرے واسطے تو نصف روٹی کافی ہی ایک روٹی مین دونون وقت شکم سیر ہو سکتا ہون تربوز رمضان سے شروع ہین جدہ شریف و مکہ مکرمہ اور ینبوع وغیرہ مین اسقدر کثرت سے ہوتے ہین کہ جس بازار و گلی کوچہ مین دیکھیے برابر ڈھیر لگے ہوے ہین میرے خیال مین اسکی فصل یہان دوازدہ ماہ ہوتی ہی مجھے یہان آئے ہوے ڈھائی ماہ سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہی جب سے ابتک بکثرت ایک حالت پر بکتے رہے ہین مکہ مکرمہ کے سبھی بازار خوب آباد و گلزار ہین ایک بازار مین اتفاق سے یہ فقیر جا پڑا دیکھا تو اللہ اکبر سارا بازار ایسا آراستہ اور گلزار ہی کہ مین نے ایسی آراستگی سے ساتھ کبھی کوئی بازار نہین دیکھا ہر شی ایسی خوش اسلوبی اور خوشنمائی اور ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئی ہی کہ جسکے دیکھنے سے دلکو اسقدر فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہی کہ جسکی انتہا نہین یہ بازار حرم محترم شریف سے بہت قریب ایک گوشہ مین ہی غرضکہ شہر مکہ ہر طرح سے جائے سرور و نور علی نور ہی یہان پر واضح ہو کہ مین نے اپنے سفرنامہ مین مناسک و مسائل حج دو وجوہ سے نہین لکھے اول تو مجھے مسائل کے لکھنے کی لیاقت ہی نہین ہی دوسرے حج کے مسائل و تحقیقات مین اکابر علما و مشاہیر فضلا کے رسائل بکثرت تالیف و تصنیف ہو کر طبع و شائع ہوے ہین خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد صاحب

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ زبدۃ المناسک کل ضروریات و مسائل حج میں ایسا جامع
و مستند ہی کہ کتاب کسی دوسرے رسالہ کی تالیف و تصنیف کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی حق
یہ ہی کہ وہ رسالہ وقت پر بڑی بڑی علماء کرام کے کام آتا ہی۔ برخوردار عالی تبار فخر خاندان عزت افزا
وودمان سیدی عالم و فاضل سندی محدث سندی جانشین جنید بن دنیا کا ملین حاج کرتین
زائر حرمین شریفین طے کردہ شغدۂ جملہ مراحل و منازل درویشی از فیضان صحبت حضرت مولانا رشید احمد
صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لو[illegible] شاہ محمد صادق الیقین صاحب کی علالت بعارضہ پیچش
روز بروز ترقی کرتی رہی حتیٰ کہ بعد فراغت حج بالکل صاحب فراش ہوگئے چوکی پاخانہ کی
چارپائی کے برابر لگادی گئی انجام کو مرض نے اسقدر طول کھینچا کہ چوکی پر بھی جانا بدون استعانت
کسی دوسرے شخص کے دشوار ہوگیا افسوس صد ہزار افسوس کہ تیسری محرم الحرام روز شنبہ
۱۳۲۲ ہجری کو بوقت شب دس بجے کے قریب خیر البلاد مکہ معظمہ میں جان بحق تسلیم ہوئے
انا للہ وانا الیہ راجعون اس حادثۂ قیامت خیز و سانحہ حشر انگیز سے یہ فقیر ضعیف بعمر ہفتاد سالہ
زندہ درگور ہو کر کسی مصرف کا نہیں رہا مکانکی عزت و رونق جاتی رہی دروازہ ویران ہوگیا [illegible]
شک نہیں برخوردار مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے جہان اور بہت سے مراتب علیا عطا فرمائے تھے
وہاں ایک مرتبہ اعلیٰ یہ بھی عطا فرمایا کہ ایسے مقام مقدس میں انکا انتقال ہوا جہاں کی موت کی لوگ
تمنا و آرزو رکھتے ہیں مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ و حافظ قاری عبد اللہ
صاحب جنکا نظیر کوئی قاری مکہ معظمہ میں نہیں ہے قاری عبد الرحمن صاحب اکثر اکابر خاندان صاحب
مہاجر وغیرہم کے اہتمام سے جنازہ اٹھایا گیا حرم محترم شریف کے اندر ملتزم مقدس کے
متصل جو خاص بیت اللہ شریف کا دروازہ ہی اسکی دیوار متبرکہ سے ملاکر رکھا گیا حنفی مصلے کے
حضرت امام صاحب نے نماز ظہر ادا کر کے جماعت کثیرہ کے ساتھ انکے جنازہ کی نماز پڑھائی

جنت المعلیٰ ہیں جو مکہ مکرمہ کا بہت بڑا نامی گرامی گورستان ہی مدفون ہوئے قبر کے لیئے اعلیٰ درجہ
کی جگہ ملی جو شعبۃ النور کے نام سے مشہور ہی اسی گورستان میں ہمارے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم
کے اجداد کرام مدفون ہیں اسی گورستان میں حضور کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا اور حضور کی بی بی صاحبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وفق افروز ہیں ان حضرات کے علاوہ اکابر علماء و مشاہیر فضلا کے
مزارات بکثرت ہیں اسی گورستان میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر اور جناب مولنا
رحمۃ اللہ صاحب مہاجر بھی مدفون ہیں جنکا مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مشہور و معروف ہی غرضکہ
برخوردار مغفور مرحوم کی خوش نصیبی میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے
اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل و تصدق میں اور حرم محترم معظم و مکرم کی برکت سے اونکی
مغفرت فرمائے اور مقام اعلیٰ پر پہونچائے آمین ثم آمین بحرمۃ طٰہٰ ویٰسین حدیث شریف میں
وارد ہوا ہی کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک صاحب اولاد وہی شخص ہی جسکی اولاد اسکے سامنے
دنیا سے اٹھ جائے فقیر کی چھ اولادیں فقیر کے سامنے دنیا سے اٹھیں تین عین عالم شباب میں
اور تین کم سنی میں پس یہ ہیچکارہ اپنے مولائے و آقا مالک حقیقی کے نزدیک صاحب اولاد ہو چکا
ہی اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ سچا اور اسکا ارشاد سچا اور اللہ تعالیٰ کا رسول سچا اور اسکا ارشاد سچا و
برحق ہی یہ بھی حدیث شریف سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہی کہ اولاد صالح و معصوم خصوصاً
بچہ کچا یہ سب جناب باریتعالیٰ میں ہٹ کرے اپنے والدین کو بخشا منگے اللہ تعالیٰ انکی خاطر سے
انکے والدین کو بخش دیگا کچا بچہ وہ کہ ماں کے پیٹ میں مر کر پیدا ہو یا پیدا ہو کر چند ہی عرصے میں
فوت ہو جائے بوجہ ضعف و نقاہت و نیز بوجہ اسکے کہ جنت المعلا شہر مکہ معظمہ سے ایک میل کے
فاصلہ پر ہی اس ذرۂ فقیر برخوردار مرحوم و مغفور کے جنازے کے ہمراہ نہ جا سکا حرم محترم سے

مصرعہ تاریخ مدفن گورستان مطہر اہل اسلام جنت المعلا

نماز جنازہ کے بعد فرودگاہ پر واپس آیا نوین محرم الحرام روز شنبہ کو برخوردار مرحوم کی فاتحہ
خوانی اور زیارت کے لیے مزار پر گیا خوب جی کھولکر آنسوؤن سے رویا اور فاتحہ پڑھکر رخصت ہوا
اور کہا کہ اب انشاءاللہ تعالی حشر مین ملاقات ہوگی بعد ازان دیگر مزارات پر حاضر ہوکر فاتحہ
خوانی کی اور زیارات سے شرف اندوز ہوا اور جو کچھ ہوسکا پڑھکر تمام گورستان کے اہل قبور کو
ایصال ثواب کیا اور رخصت ہوکر اپنی فرودگاہ پر چلا آیا اس گورستان مین حضرت عبدالرحمن
بن حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہما مدفون ہین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی
عنہا کا قبہ شریفہ نہایت خوشنما اور پر تکلف شیشہ آلات اور فرش وغیرہ سے خوب سجا ہوا ہے
آپکا مزار پر انوار آہنی کٹہرے کے اندر ایسی اونچائی پر ہے کہ ہاتھ وہان تک پہونچ جاتا ہے کٹہرا شریف
جالی دار سنہرے کام سے منقش ہے اور مرقد مقدس چادرہای زربفتی اور دوشالہای قیمتی سے
مخفی ہے اس قبہ شریف کے اندر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہین بزرگ
بڑے اولیاء کاملین متقدمین سے گذرے ہین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مادر مشفقہ حضرت
بی بی آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مزار مقدس کا قبہ شریفہ بھی آپکے قبہ شریف کے متصل نہایت
پر تکلف شیشے آلات وغیرہ سے خوب سجا ہوا انوار تجلی نور ہے خدا شاہد ہے کہ یہ تمام گورستان روشن
و پر نور ایسا جا ہی سرور ہے کہ جسکا ایک شمہ قید تحریر مین نہین آسکتا خوشا نصیب بے تقدیر
اس شخص کی جو وہان جگہ پائے اور مدفون ہو برخوردار مرحوم و مغفور کے انتقال کے چوتھے روز
فقیر بھی بعارضہ پیچش علیل ہوا چونکہ زمانہ حرم محترم کے داخلے کا قریب آگیا تھا یعنی دسوین
محرم الحرام کو داخل ہوتے ہین اور نیز بوجہ پیچش کے گیارھوین محرم تک مکہ معظمہ مین قیام ہوا اب
فقیر حسین پور مکہ معظمہ ہو بیٹھا دسی روز برخوردار مولوی محمد صادق الیقین صاحب نے مجھسے کہا کہ
جو کچھ روپیہ آپ لائے تھے وہ سب صرف ہوگیا اب نہ ہم مدینہ منورہ جا سکتے ہین اور نہ وطن کو

یہ سنتے ہی فقیر کے ہوش باختہ ہو گئے کہ اگر خدانخواستہ مدینہ طیبہ کی حاضری نہ ہوئی تو کچھ بھی نہ ہوا خداوند تعالیٰ کے بھروسہ پر صبر کر کے بیٹھ رہا پھر کبھی اسکا نام بھی زبان پر نہیں آیا کہ ہمارے پاس خرچ نہیں ہے اب ذرا تائید و استعانت غیبی کو ملاحظہ فرمائیے کہ جناب مولوی رحیم بخش صاحب جو کہ ریاست بہاولپور میں کسی عہدۂ جلیل القدر پر مامور ہیں بلا تعرف و شناسائی تشریف لائے اور دس اشرفی برخوردار موصوف کو نذر دیں اور چلے گئے پھر ایکروز جناب محی الدین خانصاحب جلندھری بلا تعرف و شناسائی تشریف لائے اور برخوردار موصوف کو پچیس روپیہ نذر دیے اور چلے گئے پھر ایک وزیری رئیس صاحب معروف تشریف لائے اور دو اشرفی فقیر کو نذر دیں ایک عالم صاحب تشریف لائے ایک اشرفی برخوردار موصوف کو نذر دی پھر ایک عالم صاحب تشریف لائے برخوردار موصوف کو دس روپیہ نذر دیے ایک شاہ صاحب تشریف لائے سات روپیہ فقیر کو نذر دیے بعد انتقال برخوردار مرحوم و موصوف پھر وہی رئیس صاحب جلندھری تشریف لائے اور فقیر کو تین اشرفی نذر دیں اور فرمایا کہ آپ عازم مدینہ منورہ ہیں اور خرچ کی قلت ہے لہذا یہ قلیل زادِ راہ وہاں کے لیے حاضر ہے اسی طرح سے خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل و تصدق میں اور خاص اس سفر مقدس کی برکت سے بے شان گمان سامان زادِ راہ مہیا فرمایا یہ سب تصرف باطنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا اور برخوردار مرحوم موصوف کی برکت تھی یہ سب لوگ جنہوں نے شراکت فرمائی حضرت مولانا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و معتقد تھے ورنہ اس غریب بیچارہ کو وہاں کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ تو کون شخص ہے برخوردار مرحوم کے انتقال کے چوتھے روز یہ فقیر بعارضہ بخار علیل ہوا چونکہ زمانہ حرم محترم کے داخلے کا قریب آ گیا تھا یعنی دسویں محرم الحرام کو واقع ہوتی ہے و نیز بوجہ بخار کے گیارھویں محرم تک مکہ معظمہ میں قیام رہا بارھویں تاریخ پنجشنبہ کے روز بحالت مرض بخار بہ نیت سفر مدینہ مکرمہ فقیر مع برخوردار مولوی حاجی محمود المعانی وغیرہم جدہ شریف کو روانہ ہو کر دوسرے روز جدہ

ہو گیا بعنایت الٰہی اثنار راہ میں بوجہ مرض لاحقہ کچھ ایسی تکلیف نہیں ہوئی مگر جدہ پہونچ
پیچش میں اس درجہ ترقی ہوئی کہ عالم یاس پیدا ہو گیا اور خیال گذرا کہ شاید یہیں جدہ کو
جمعہ کے روز جدہ پہونچا تھا اسی پیچش کی وجہ سے سہ شنبہ تک ہاں قیام رہا چہار شنبہ کو اسی حالت
علالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس پر بھروسہ کر کے جہاز پر سوار ہوا چھ پہر میں جہاز ینبوع
پہونچ گیا ینبوع بھی بہت اچھا شہر خوب آباد ہے بازار میں لوگوں کا اسقدر ازدحام ہوتا
کہ راستہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے ہر قسم کی چیزیں اس شہر میں بھی ملتی ہیں یہاں کی عمارت اکثر
بہت کم ہے اسوجہ سے مکانات تنگ معلوم ہوتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر مدینہ شریف
تو آباد ہے فقیر پنجشنبہ کو ینبوع پہونچا شنبہ کو وہیں قیام رہا صبح کو جمعہ کے روز وہاں سے روانگی ہوئی
شہر سے باہر آکر قیام ہوا اس روز تمام دن تمام شب ہیں رہنا پڑا صبح کو ہفتہ کے روز وہاں سے
روانگی ہوئی ینبوع سے تا مدینہ منورہ دو اونٹوں کا کرایہ مع آمد و رفت کچھ کم سو روپیہ قرار پا
ینبوع سے چلکر پہلی منزل سات پہر میں ختم ہوئی ہے اس منزل میں چار پہر کے راستہ تک صحرا کا میدان نظر آیا
پہاڑ و پتھر وغیرہ کہیں نظر نہیں آتے اس میدان کی زمین خوب ہموار و صاف ایسا نظر آتا ہے
پختہ سڑک خوب صاف و ہموار ہوتی ہے نشیب فراز سے قطعاً مبرا ببول کے درخت کہیں کہیں
نظر آتے ہیں ینبوع سے باہر آکر عین شہر کے کنارے ایک تالاب بھی نظر آیا جسمیں پانی بکثرت
ہوا پایا ورنہ جہاز سے اوتر کر جدہ شریف سے مکہ مکرمہ تک تالاب یا پانی کہیں نظر نہیں آیا غرض
چار پہر کے بعد پہاڑ و پتھر کی آمد شروع ہوئی اور راستہ بہت ہی ناہموار و دشوار گذار ہو گیا
نماز عصر کے وقت سے تا مغرب اسقدر کثرت سے پتھر زمین پر نظر آئے کہ راستہ چلنا دشوار ہو گیا
نماز مغرب کے وقت کثرت کم ہو گئی کچھ خیال میں نہیں آتا کہ خداوند تعالیٰ یہ پتھر آسمان سے برساتا ہے
یا زمین کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اُگل دیتی ہے اپنے کارخانہ کو اللہ تعالیٰ جانے اور کون جان سکتا

یہاں عقل کو دخل مطلق نہیں ہے اس راستہ میں رنگ رنگ کے پہاڑ و پتھر نظر آئے کوئی پہاڑ
بالکل سیندور کے رنگ کا کوئی بالکل سیاہ کوئی گلابی کوئی سفید علی ہذا ہر قسم کے پتھر سبز و
سرخ نیلے اودے سیاہ زمین پر بچھے ہوئے ہیں غرضکہ یہ منزل بعنایت الٰہی آسانی سے
طے ہوئی بیر سعید ایک مقام ہے وہیں یہ منزل ہوئی ہے اس مقام پر بازار بھی ہے ضروریات کی
سب چیزیں ملتی ہیں یہاں سے چلکر دوسری منزل تین پہر کی ہوتی ہے حمزہ ایک مقام ہے
وہاں قیام ہوتا ہے یہ مقام پہلی منزل کے مقام سے زیادہ آباد ہے بازار اسکا بہت اچھا ہے پھر
درمیانی دو منزلیں چار چار پہر کے کچھ کم و بیش ہوتی ہیں ان دونوں منزلوں پر آبادی وغیرہ کچھ
نہیں ہے صرف پانی ملتا ہے بلکہ ان دونوں منزلوں میں سے ایک منزل پر پانی بھی نہیں ہے دور سے
لانا پڑتا ہے اسی وجہ سے ان دونوں منزلوں کے نام دریافت نہ ہوسکے پانچویں منزل جسمیں مدینہ منورہ
پہونچ جاتے ہیں پورے پانچ پہر کی ہے ہم لوگ پہر رات رہے چلے اور عین نماز فجر کے وقت مدینہ منورہ
کے شہر پناہ کے پھاٹک پر آگئے ان منزلوں کے درمیان میں اکثر مقامات آباد اور باغات کھجوروں کے
ملے ہیں اور کچھ شادابی نظر آتی ہے ایک مقام پر مولیوں کے کھیت خوب سبز و ہرے نظر آئے الحمد للہ
ثم الحمد للہ کہ پچیسویں محرم روز پنجشنبہ کو قریب طلوع آفتاب ہم سب لوگ مدینہ منورہ میں داخل
ہو کر نعمت دولت دوجہانی سے بہرہ یاب و شرف اندوز ہوئے مگر بوجہ نادرستی طبیعت
و نقاہت و کسل راہ کے اُس روز غسل اور تبدیل لباس سے مجبور تھا اسوجہ سے پنجشنبہ کے روز
روضہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ورود دولت سرای خاص میں حاضر نہ ہوسکا جمعہ کے روز
اول وقت غسل و تبدیل لباس کر کے دو تین گھنٹے کے بعد مزار مقدس مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثنا
میں حاضر ہو کر دولت پابوسی و شرف زیارت سے بہرہ یاب ہوا اللہ اکبر اس بارگاہ کے جلال و دبدبہ
شاہنشاہی کے کوئی حد و اندازہ ہو سکتا ہے دین و دنیا دونوں کے شاہنشاہ کا دربار عالی جاہ

انسانکی کیا حقیقت جہان ملائکہ مقربین ہمہ وقت دست بستہ حاضر رہتے ہین کسیکی کیا مجال کہ
اس دربار عالی وقار کی ثنا و صفت مین قلم اٹھاسکے یا ایک شمہ بھی تحریر مین لاسکے حضور کی مسجد
مقدس کی شرف و کرامت کا حال بجز اللہ تعالی جل شانہ کے اور کون جانسکتا ہی دین و دنیا دونو
دولت سے مالا مال ہی کرورہا روپیہ اسکی تعمیر و طیاری مین صرف ہوا ہی ایک محقق ابرار متقی پرہیزگار
کی زبانی فقیر نے سنا فرماتے تھے کہ مسجد مقدس نبوی مین اٹھارہ کرور روپیہ صرف ہوا ہی اور یہ
سوا دو روپیہ بکر کا ہوتا ہی اسکا حساب لگانا چاہیے کہ کسقدر روپیہ ہوا حضرت سلطان عبد المجید
خان صاحب جو فی زماننا سلطان روم ہین آپکے جد امجد کہ اُن حضرت کا نام نامی و اسم گرامی
عبد المجید خان تھا انھین حضرت نے مسجد مقدس نبوی کی تعمیر سر نو سے کرائی ہی تحت الثری
بنیاد قایم کی گئی ہی لکھو کھا بلکہ کرورہا روپیہ کا سونا اور جواہرات اسمین جڑا ہوا ہی لاکھوں
روپے کے شیشہ آلات اور جھاڑ وغیرہ سے جو بالکل سونے و چاندی سے بنائے گئے ہین مسجد شریف
آراستہ ہی ساری مسجد مقدس کے کل درجونمین ہزارہا روپے کے اونی قالین استنبولی ایکسے
ایک عمدہ و نفیس بیش قیمتی بچھے ہوئے ہین مسجد مقدس کی وسعت یہانسے خیال کرنا چاہیے
ہزارہا آدمی پنجگانہ نماز پڑھتے ہین خصوصاً جمعہ کے روز مسجد کثرت آدمیونکی ہوتی ہی تاہم مسجد شریف
بہت خالی رہتی ہی اس مسجد مقدس مین قبلہ رُخ گیارہ درجے اور داہنی جانب چار درجے پشت
اور بائین طرف دو دو درجے ہین بائین جانب کے دونون درجے مستورات کیلیے کٹہرہ آہنی نہایت
پر تکلف لگا کر علیحدہ کر دیے گئے ہین عورتین اُسی مین باطمینان تمام نماز و وظیفہ پڑھا کرتی
مسجد شریف کا ہر ایک درجہ نہایت خوشنما اور پر تکلف بنا ہوا ہی قرآن مجید چھوٹی والا وری کی دیوار
نہایت خوشخط طغرا مین لکھا ہوا سونے سے منقش ہی ساری مسجد شریف سنگ مرمر اور سنگ
سے تعمیر کی گئی ہی مگر با این ہمہ معلوم نہین کس وجہ سے مسجد مقدس کے صحن شریف مین تو استر کاری

ہی اور نہ پتھر جمائے گئے ہین بالکل خالی زمین ہی وعلی ہذا مکہ معظمہ مین بھی مسجد الحرام کے صحن مین کہین تو پتھر جمے ہوے اور کہین سنگریزے بچھے ہوے ہین یقیناً اسمین کوئی مصلحت ضرور ہی مگر صحیح طور پر دریافت نہین ہوا یہانکے دیگر مزارات و مقامات کی زیارت سے بھی فقیر بہرہ ور اور شرف اندوز ہوا خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان بن عفان ذو النورین رضی اللہ تعالی عنہ و حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام نافع شیخ القراء و قبہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا و سر مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہم و حضرت بی بی حلیمہ دائی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم کی زیارت سے فقیر شرف یاب و بہرہ اندوز ہوا اور تمام جنت البقیع کے مزارات پر انوار کی زیارت سے شرف حاصل کیا اور فاتحہ خوانی کرتا رہا اور جبل احد جہان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار پر انوار مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے حاضر ہوکر فاتحہ پڑھا اور آپکی مسجد مقدس کی زیارت کی اور نماز پڑھی اور جو حضرات شہداء وہان رونق افروز ہین اُن سب کے مزارات پر حاضر ہوکر شرف دوجہانی حاصل کیا اور فاتحہ پڑھا مسجد مقدس قبا مین بھی حاضری کا اتفاق ہوا اور جو جو مقامات وہان زیارت گاہ ہین اُن سبکی زیارت بعنایت الٰہی حاصل کی مدینہ منورہ نہ بہت بڑا شہر ہی اور نہ بہت چھوٹا مکانات پختہ عالیشان یہان بھی بنے ہوے ہین یہانکی رونق و نورانیت کی کوئی حد و پایان نہین ہے اور کیسے ہو جو شہر تختگاہ شاہی دنیاوی ہوتے ہین اُنکی شان و شوکت کا حال معلوم ہی اور یہ شہر تو سلطان دوجہان کا تختگاہ ہے اسکی شان و شوکت کا کیا کہنا اس شہر مین رواج خشت خام کے مکانات کا بھی ہی بکثرت بڑے بڑی عالیشان مکان کچے اینٹون کے بنے ہوے ہین یہانکی خام اینٹین ہماری یہانکی پختہ اینٹون سے زیادہ مستحکم و پائدار ہین وجہ اسکی یہ ہی کہ یہانکی مٹی مین بالکل ریتا پتھر کا ہوتا ہی جب اینٹین پانی مین تو خشک ہونے پر مثل پتھر کے ہو جاتی ہین پتھر مین چکنا پن ہوتا ہی اور یہ اینٹین بالکل

کو گھبراہٹ ہوتی ہین فقیر مع اپنے ہمراہیون کے مدینہ منورہ مین انیس ۱۹ روز مقیم رہا افسوس صد ہزار افسوس
کہ آج تیرھوین تاریخ ماہ صفر روز یکشنبہ کو سب لوگ بعد نماز مغرب فرودگاہ مدینہ منورہ سے چلکر شہر پناہ
کے پھاٹک پر شب کو مقیم ہوے اور چودھوین تاریخ دوشنبہ کے روز اول ہی وقت مع قافلہ روانہ ہوے اور
چھٹے روز ہفتہ کو کچھ دن چڑھے ینبوع پر پہنچ گئے دوسرے روز یکشنبہ کو اول وقت جہاز پر سوار ہوے چھ پہر مین
جہاز جدہ شریف آ گیا چونکہ بسبب لفظے جہاز یہان ٹھیرا دوشنبہ کے روز بارہ بجے کے قریب شب بمبئی کا جہاز
اب ہم سب لوگ اپنے وطن ہندوستان کو جاتے ہین اللہ تعالی ہم سبکو اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب رسول
مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے طفیل و تصدق مین مع الخیر والعافیت اپنے اپنے گھرونمین پہونچاے اور
جملہ سفار و کبار سے بخیریت تمام ملاوے آمین ثم آمین بحرمت طہ و یسین خداوند تعالی کا شکر و احسان
ہے کہ جدہ شریف سے ہمارا جہاز بارھوین روز بخیریت تمام آرام و راحت کے ساتھ بمبئی پہونچ گیا اس مرتبہ
عند المراجعت بفضلہ تعالی جہاز پر کسیکو کسی نوع کی تکلیف نہین ہوئی جہاز کی تکان وغیرہ سو سب کو
اللہ تعالی نے بچایا باوجودیکہ دریاے سقوترہ کا تلاطم عظیم مشہور و معروف ہے اور جاتے وقت ہم لوگ اوس کا
زور و شور دیکھ چکے تھے مگر اس مرتبہ بعنایت الہی یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ سقوترہ کب آیا اور کب ختم ہو گیا فقیر
مع اپنے ہمراہیون کے تین روز بمبئی مین مقیم رہا چوتھے روز وہان سے روانگی ہوئی بوجہ ہجوم و کثرت مسافر گاڑی
ایک مقام پر تمام روز قیام کرنا پڑا اسوجہ سے چوتھے روز جمعہ کے دن نماز ظہر و عصر کے درمیان لکھنؤ
پہونچکر نماز مغرب وہان قیام رہا نماز مغرب سے فراغت کرکے اپنے مکان قصبہ کرسی کو روانہ ہوا نو بجے
کے قریب غریب خانہ پر پہونچا اور بعنایت الہی سبکو بخیریت تمام پایا اور سجدات شکر جناب باری تعالی
مین بجا لایا فقط تتمہ سفر حرمین شریفین واضح ہو کہ اس تمام سفر مقدس مین جناب باری تعالی نے اپنے اس بندہ
گنہگار کے تمام کامونمین ایسی مدد و استعانت فرمائی کہ جسکی حد و نہایت نہین ہے خصوصاً معاملہ
ارادہ مین جسکی تفصیلی کیفیت اوپر مذکور ہو چکی ہے دوسرے فقیر کے حاشیہ عیش مین برخوردار مولانا رحم کا

انتقال عارضۂ پیچش مین ہوا انکے انتقال کا جو بخار تھا کہ فقیر بھی اس عارضہ مین بحالت مکہ معظمہ
گرفتار ہوا گیارھوین محرم الحرام تک مکہ معظمہ مین قیام رہا بارھوین تاریخ فقیر اللہ تعالی کی ذات
مقدس پر بھروسہ کر کے مدینہ منورہ کو روانہ ہوا اللہ اکبر ذرا اس بندہ پروری پر غور کرنا چاہیے قاعدہ
ہے کہ قافلہ کسی حال مین نہین رکتا اور نہ اونٹ والے کسی حال مین کسیکی شنوائی کرتے ہین چاہے کوئی
گر پڑے مرے کبھی کچھ انکو پروا نہین ہوتی مجھے خیال تھا کہ بجز اسکے کہ تمام کپڑے بچھونا وغیرہ نجاست مین
آلودہ ہو اور کوئی چارہ نہوگا مگر قربان جائیے اپنے مالک حقیقی کے جسکے قبضۂ قدرت مین سب کچھ
ہے فقیر جب تک اونٹ کی پیٹھ پر سواری شغدف پر سوار رہتا تھا اثنای راہ مین کبھی قضای حاجت کی
ضرورت نہوئی تھی ینبوع سے چلکر پہلی منزل سات پہر مین ختم ہوتی ہے بعنایت الٰہی اس تمام منزل مین
مجھے ضرورت قضای حاجت کی نہین ہوئی اسیطرح سے تمام منزلین جناب ارحم الراحمین نے فرمایا
اور حال یہ کہ پیچش بدستور سابق موجود قیام گاہ پر پہونچکر جہان اونٹ کی پیٹھ سے نیچے آیا پیچش کا
غلبہ ہوا فوراً قضای حاجت کی ضرورت ہوئی ذرا توقف مین یہ معلوم ہوتا تھا کہ اجابت [illegible]
ہو جائیگی جس مقام پر جبتک قیام رہتا تھا خدا جانے کی مرتبہ قضای حاجت کی ضرورت ہوتی تھی
یہ تائید غیبی محض اسی سفر مقدس کی برکت سے تھی منجملہ اور استعانت کے ایک یہ ہے کہ مجھے چند سال سے ایک
عارضہ یہ ہو گیا کہ جہان دس بارہ روز گذرے اور غسل کی حاجت ہوئی تو ناف سے دونون فوطون تک ایسا
درد پیدا ہو جاتا ہے جس سے مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہوتی ہے تاوقتیکہ غسل کی احتیاج نہو درد نہین جاتا
اس سفر مقدس کی برکت و کرامت کو دیکھیے پانچ ماہ سے کچھ زائد مجھے سفر مین گذرے بعنایت الٰہی
کبھی ایک روز بھی اس درد کی شکایت نہین ہوئی اور نہ غسل کی حاجت غریب خانہ پر پہونچکر چند عرصہ
کے بعد پھر وہی شکایت موجود ہو گئی فصل سرما مین بوجہ خشکی کے اور فصل گرما مین بوجہ گرمی کے جیسا
ہر شخص کا دستور ہے میرے دونون پاؤنکی ایڑیان کھر کھری ہو جاتی ہین اور میل چڑھ جاتا ہے اسوجہ سے مجھے

ہر ماہ مین چار پانچ مرتبہ چھالے پڑتے پاؤن مین ہوا نکی نوبت آجایا کرتی ہے ان مقامات کی خاک پاک کی برکت
تمام سفر مین ایک تبہ بھی مجھے پاؤن مین ہوا نکی ضرورت نہین پڑی سبحان اللہ کیا برکت و کیا کرامت ہے
اُن مقامات مقدس کی خاک پاک مین جب کوئی مصیبت اس سفر مین مثل آندھی پانی کے پیش
آتی تھی تو مین یہی بات سے عرض کرتا تھا کہ ہم سب تیری اور تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
راہ کے مسافر ہین خداوند تعالیٰ اُس مصیبت کو رفع دفع فرما دیتا تھا ان باتون کے علاوہ تائید غیبی کا
حال ان اوراق مین جابجا قلم بند کیا ہے ناظرین اگر بغور ملاحظہ فرمائینگے تو جابجا نظر آجائیگا واضح ہو
اس سفر مقدس مین جو کچھ صرف ہے وہ کرایہ یا مطوفین یا حضرت شریف صاحب کی نو ضع جوارت کا
ہے کرایہ کا بھی سبب یہ ہے حضرات مطوفین لے لیتے ہین کچھ برائے نام اونٹ والونکو دیتے ہین مطوفین کا بیان
جو کرایہ روپیہ مین سے ہمکو کچھ قدری قلیل ملجاتا ہے باقی سب روپیہ حضرت شریف صاحب لیتے ہین ایک
معتبر راوی کا بیان ہے کہ شریف صاحب کو اٹھارہ ہزار کی تنخواہ حضرت سلطان روم کے یہان سے ملتی ہے
اور سال مین کروڑہا روپیے حجاج سے وصول ہوتے ہین اللہ اکبر کوئی حد و انتہا ہو سکتی ہے یہ آمدنی
کی یہ سب برکت و تصرف اُسی مقام محمود کا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے وہانکے متوسلین کو دین و دنیا دونونکی
دولت سے مالا مال فرمایا ہے حدیث شریف مین ارشاد ہوا ہے کہ مکہ دین و دنیا دونونکی دولت ہے پھر کیسے نہ
مصارف راہ روز بروز ترقی پاتے جاتے ہین جہاز بمبئی سے جب جدے پہونچتا ہے تو وہانسے کشتیون پر
سوار ہوکر پار جاتے ہین ور یاست تا جدہ انداز دو میل کا فاصلہ ہوگا جسکی اوترائی فی کس حضرات
مطوفین چھ چھ روپے لیتے ہین حاجی عظیم اللہ صاحب فقیر کے دوست خاص ہماری بستی کے رہنے
والے فرماتے ہین بیس برس کا زمانہ گذرا جب مین حج کو گیا تھا اُس زمانہ مین جدہ سے تا مکہ معظمہ
کہ دو منزل کا فاصلہ ہے شقدف والے اونٹ کا کرایہ پانچ روپیہ تھا اور ہمارے برخوردار مولت مرحوم
جب پہلی مرتبہ حج کو گئے ہین جنکو تیرہ سال کا زمانہ گذرتا ہے کہتے تھے کہ اُس زمانہ مین جدہ شریف سے

تا مکہ مکرمہ شغدف والے اونٹ کا کرایہ دس روپیہ تھا اور اب ہم سب لوگ گونکو فی شتر یعنی شغدف والے اونٹ کا
کرایہ ساڑھے سینتیس روپے دینا پڑے اللہ غنی از کجا تا کجا زمین سے تا آسمان فرق ہو گیا فقیر یہانسے جدے
تک پہنچ جانے کے ٹکٹ مدینہ منورہ جاتے وقت فی کس ڈھائی روپیہ کے حساب سے سوا گیارہ روپیہ کو خریدے
ینبع سے تا مدینہ منورہ شغدف والے اونٹ کا کرایہ جسپر یہ فقیر مع اپنی بیوی اور پوتے کے سوار تھا بتیس روپیہ
دینا پڑا اور جس اونٹ کی خالی پشت پر یعنی جسپر و بچھونا مال کے رکھے ہوئے تھے اسپر برخوردار مولوی حاجی
محمود لعافی اور حاجی رحیم بخش سوار ہوئے اسکے کرایہ کی بابت پندرہ روپیہ دینا پڑے مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت
تا ینبع جس اونٹ پر شغدف تھا اسکے سینتیس روپیہ اور دوسرا اونٹ خالی پشت الا یعنی جسپر بوریہ رکھے تھے
پندرہ روپیہ پر کیا گیا واپسی میں بمبئی تا لکھنؤ ریل گاڑی کا کرایہ ہم چار آدمیوں کا چھیالیس روپیہ دیا گیا اسباب
جو بمبئی سے پارسل میں روانہ کیا گیا تھا اسمیں سب بلا کم و بیش بارہ روپیہ صرف ہوئے جاتے وقت فقیر جب لکھنؤ سے
بمبئی کو روانہ ہوا ہے تو سب ملا کر تخمیناً پچیس اور پانسو روپیہ ہونگے یقیناً اس سے زیادہ نہیں اب ذرا
اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور تائید غیبی کو ملاحظہ فرمائے کہ ہم آدمیونکی یہ بضاعت قلیل عظیم الشان سفر
بہانتک مکان پر پہونچ کر حساب جو قلمبند کیا گیا تو چھ سو ساڑھے پچیس روپے فقط کرایہ اور حضرات مطوفین
کی تواضع میں صرف ہوئے مزدوری میں بھی روپیہ یا دو صرف ہوا اسکا حساب قلمبند نہیں کیا
اور دیگر اخراجات اور مصارف انواع و اقسام کے علاوہ برین ان مقامات متبرک اور منورہ مقدسہ
کی برکت و کرامت بعنایت الٰہی اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں فقیر کے شامل حال تھی
ورنہ یہ قلیل بضاعت ان کثیر مصارف کے لیے کیسے کافی ہو سکتی تھی جب اللہ تعالی کی مدد و استعانت
اسکے بندونکے شامل حال ہوتی ہے تو اسیطرح سے سب کام انجام پاتے ہیں دیکھنے اور سننے والے حیرت میں ہوجاتے ہیں فقط

تمت

مین نے حسب فرمائش جناب حافظ محمد سراج الیقین صاحب اس رسالہ کو اول سے آخر تک لکھا واقعی یہ رسالہ زائرین
بیت اللہ کیواسطے ایک سچے راہبر کا کام دیگا اور اسکے مدد سے ہر قسم کا رفعت ہوجاتی خاکسار حبیب احمد بنگلوری عفی عنہ

مراسلات

○ خدابخش لائبریری جرنل، ۶۲-۵ کے بارے میں

● جناب نورالحسن راشد

● جناب محمد حجر جمیس کریمی

● جناب عبدالرؤف خاں

● ڈاکٹر ضیاءالدین ڈیسائی

جرنل کے بارے میں آپ کی تنقیدوں، نیز مشوروں کے ہم ہمیشہ منتظر رہتے ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

۱۵

نورالحسن راشد
کاندھلہ۔ مظفر نگر۔ یوپی

خدا بخش لائبریری جرنل کی تازہ اشاعت (۶۲-۵-۷) کے بعض مندرجات پر چند گذارشات درج ذیل ہیں۔

(۱)

ں کا اپنی تصنیف سے انکار: "فلسفۂ اجتماع" مولانا دریابادی کے زمانۂ الحاد کی ایک گستاخانہ اور ملحدانہ تحریر تھی، اکی
کے بعد مولانا کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار ہوا، اسکی تردید میں مضامین مسلسل چھپے اور ایسے خیالات رکھنے والے
دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فیصلہ ہوا، یہ سب بلاوجہ نہیں تھا بلکہ خود مولانا دریابادی کے بقول:
"کتاب کی گویا سطر سطر میں زہر کوٹ کر بھر دیا تھا اور ٹھیک مستشرقانہ انداز میں یعنی سیرت نبوی اور قرآن پر
ری حملہ کیے بغیر دونوں کے متعلق تفصیلات تصریحات ایسی لکھ دی تھیں کہ جن سے دونوں کی پوری بے وقعتی ذہن
ن تھی" (آپ بیتی ص۲۷۵)

'فلسفۂ اجتماع' سنہ ۱۹۱۶ء میں پہلی مرتبہ چھپی اور اس کی طباعت کے صرف چار سال بعد ۱۹۲۰ء کے آخر میں مولانا
فہرست تصانیف سے خارج کرنے کا اعلان کر چکے تھے۔ مولانا پر یہ احساس ندامت ہمیشہ طاری رہا کہ اس کتاب
نے حدود سے تجاوز کیا تھا، اس کا پیرایۂ بیان غلط اور اس کی فکر نادرست تھی، اسی احساس کے اظہار کے لیے اس
برأت کا اعلان مولانا بار بار کرتے رہے، مولانا کی متاخر تالیفات و تحریرات میں جہاں کہیں اس کا ذکر آیا ہے مولانا
ب سے اپنی بے زاری کا اظہار کیا ہے، آپ بیتی میں لکھتے ہیں:
"اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس کتاب اور اس دور کے دوسرے کفریات سے" (ص۲۷۶) مکتوبات علامہ سید سلیمان
واشی میں اور مختلف موقعوں پر اس سے برأت اور توبہ کا تذکرہ ہے "فلسفۂ اجتماع" سے برأت اور بے زاری کے
ے مضمون خاصا مفصل، غالباً صدق جدید میں چھپا تھا، پروفیسر کمال الدین ہمدانی صاحب کے نام مولانا کا یہ مکتوب
موضوع پر تحریرات کی ایک اور تصدیق ہے۔

(۲)

قضیہ بابری مسجد کے پس منظر میں حدیقۂ شہداء کی اشاعت اک تقریباً گمنام دستاویز کی بازیافت ہے، لیکن

پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کی اس موضوع پر وہ تحریر جو ان کی کتاب "جنگ آزادی واقعات و شخصیات" (کراچی) میں شامل ہے شریک اشاعت ہوتی تو اس واقعہ کی جزئیات اور حدیقۂ شہداء کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا تھا۔ سلسلے کی ایک اور معاصر دستاویز جو نسبتاً اجمالی ہے لیکن اس کی غیر معمولی تاریخی اہمیت ہے مولانا فضل حق خیرآبادی کا خط ہے جو اس واقعہ کے چند دن بعد مولانا نے اپنے شاگرد مولانا نور الحسن کاندھلوی کو لکھا تھا۔ اس خط کی نقل مولانا کے مکتوبات بنام مولانا نور الحسن کاندھلوی میں شامل ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ حالانکہ مولانا خیرآبادی کا جہاد تحریک کے مخالفین میں شمار ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ مولانا نے سید امیر علی امیٹھوی کے خلاف فتویٰ صادر کیا تھا لیکن مولانا کے مکتوب سے اس حادثہ پر مولانا کے رنج والم اور دلی احساسات کا صاف اندازہ ہوتا ہے۔

(۴)

مرآۃ العلوم کے مسامحات کے تحت "تاریخ قادریہ" (ہینڈ لسٹ ص ۳۶ نمبر ۱۹۰) کا ذکر آیا ہے، یہ کتاب اگرچہ تاریخ کے نام سے متعارف ہے مگر اس کا صحیح نام "تحائف رشیدیہ" ہے، اس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۳ھ رضا لائبریری رام پور میں ہے، ایک اور نسخہ جو مؤلف کے قلم سے بتایا جاتا ہے۔ چند سال پہلے تک کیرانہ میں تھا، بعد میں پاکستان چلا گیا، لاہور میں ہے۔ پاکستان میں "تحائف رشیدیہ" کے کم از کم دو نسخے اور معلوم ہیں۔

"تحائف رشیدیہ" کے دو ترجمے بھی ہوئے ہیں، پہلا تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں اور دوسرا ۱۳۵۰ھ میں مؤخر الذکر نصیر الدین احمد عثمانی پانی پتی کی یادگار ہے۔ اس کے تقریباً نصف حصے کی نقل ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

شیخ عبد الرشید قادری کا آبائی وطن بھیکم پور، عظیم آباد، پٹنہ ہے، جہاں شاہ عبد الرشید کے والد شاہ قادری مقیم تھے۔ شاہ نظر محمد قادری فاضل شخص اور سلوک و معرفت میں شاہ غیاث الدین فتح محمد سے مجاز تھے، ان کی ۱۱۵۸ھ (اگست ۱۷۴۵ء) کو بھیکم پور، پٹنہ میں وفات ہوئی۔

شاہ عبد الرشید ۱۱۰۸ھ (۹۷-۱۶۹۶ء) میں تولد ہوئے، چودہ سال کی عمر میں وطن سے دہلی آئے، بعد میں شاہ الدین محمد کی خدمت میں کیرانہ پہنچے اور تمام عمر ان کی خدمت میں گزار دی اور ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ دہلی کے قیام میں سلسلہ مجددیہ کے نامور مرشد شاہ عبد الاحد وحدت شاہ گل سے خاص استفادہ کیا۔ تریسٹھ سال کی عمر میں ۵ محرم الحرام ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۷ء) کو شاہ عبد الرشید کی کیرانہ میں وفات ہوئی، اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ (محلہ قدم رسول، کیرانہ، ضلع مظفر نگر) میں دفن کیے گئے۔

شاہ عبدالرشید نے متعدد تالیفات یادگار چھوڑیں ان میں سے تحائف رشیدیہ نسبتاً متعارف ہے، اس کے علاوہ تذکرۃ الصالحین اور فقر نامہ ان کی اہم تالیفات میں شمار کی جاسکتی ہیں ایک اور کتاب مجمع الاسرار ہے مگر یہ میری نظر سے نہیں گزری اس کا شاہ عبدالرشید نے تذکرۃ الصالحین میں ذکر کیا ہے ۔۔۔ (یہ تمام معلومات شاہ عبدالرشید قادری کی تحریرات خانقاہ قدوسیہ رسول کیرانہ کے بعض کاغذات اور اہل کیرانہ پر غیر مطبوعہ ماخذ سے اخذ کی گئی ہیں)

(۴)

ابتدائی دور کے ہندستانی مسلمان اور قرآن پاک کے تراجم پر ایک نظر: ابتدائی دور کے ہندستانی مسلمان اور قرآن پاک کے تراجم ہندستان کی اسلامی علمی تاریخ کے نہایت اہم اور قابل قدر موضوعات ہیں جن کی اہمیت اور ان پر وسیع علمی تحقیقی کام کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔ خدا بخش لائبریری جرنل کی تازہ اشاعت ۸۵۔۸۶ء میں جب اس موضوع پر جناب ڈاکٹر انصاراللہ صاحب کے مضمون کے عنوان پر نظر پڑی تو بہت مسرت تھی کہ موصوف نے اپنے معمول کے مطابق اہم مفید معلومات نادر ماخذ سے فراہم کی ہوں گی مگر افسوس ہے کہ مضمون کے مطالعہ سے یہ توقع پوری نہیں ہوئی، یہ مضمون اپنے بیشتر مندرجات میں ڈاکٹر احمد جان کی کتاب پر اعتماد کی وجہ سے متعدد اغلاط پر مشتمل ہے اس کی اکثر اطلاعات ناتمام، بے ثبوت اور محل نظر ہیں، فاضل مضمون نگار سے معذرت کے ساتھ بعض تفصیلات پیش خدمت ہیں:

قاضی محمد معظم سنبھلی[۱] (؟) کا ترجمۂ قرآن مجید ہندستانی زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم کی روایت کا آغاز نہیں ہے بلکہ اس ترجمہ کے عہد کو برصغیر کی زبانوں میں تراجم قرآن کے ایک نئے دور خصوصاً اردو میں (دکنی اس سے مستثنیٰ ہے) ترجموں کا پیشرو قرار دیا جاسکتا ہے بحیثیت مجموعی برصغیر کی یا ہندستانی زبانوں میں تراجم قرآن پاک کی روایت بہت پرانی ہے، شمالی ہند کی زبانوں میں پہلا ترجمۂ قرآن پاک تیسری صدی ہجری میں راجہ مہروک کی فرمائش پر مرتب کیا گیا تھا۔ ۲۷۰ھ (۸۸۳-۸۸۴ء) میں الورا (الور، سندھ) کے راجہ مہروک کی فرمائش پر منصورہ کے امیر عبداللہ بن عمر نے عراق کے ایک فاضل منصور کو جو ہندستان میں پلا بڑھا تھا اور ہندستان کی مقامی مختلف زبانوں سے واقف تھا اسلامی تعلیمات کی وضاحت و تشریح اور قرآن پاک کے ترجمے کے لیے راجہ مہروک کے پاس بھیجا تھا راجہ نے اس شخص سے قرآن پاک کا اپنی زبان میں ترجمہ کرایا جو تین سال میں مکمل ہوا تھا[۲] شمالی ہند میں آ

---

[۱] قاضی محمد معظم سے منسوب ترجمہ کا راقم سطور کو علم نہیں مگر اس انتساب میں بظاہر کچھ غلطی ہے ممکن ہے یہ ترجمہ قاضی محمد معظم نابھوی (وفات ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) کا ہو۔ نابھوی کی تفسیر قرآن کا تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنی رائے بریلوی، ص ۳۲۵ ج ۶، حیدرآباد: ۱۹۵۷ء، مگر مولوی رحمٰن علی کی یہ بھی اطلاع ہے کہ یہ تفسیر سکھوں کے ہنگامہ میں جل گئی تھی، ترجمہ تذکرہ علمائے ہند مع حواشی و تحقیق پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۴۲۵، کراچی: ۱۹۶۱ء

[۲] عصر حاضر کے ممتاز متعدد مورخین نے قدیم معتبر ماخذ کے حوالے سے اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے، مثلاً دیکھیے "عرب و ہند کے تعلقات" مولانا سید سلیمان ندوی ص ۱۴۲-۱۴۱ (اعظم گڑھ: ۱۹۳۰ء)

پہلے کسی ترجمہ کا ہنوز انکشاف نہیں ہوا۔ نیز دکنی میں بھی قرآن کریم کے متعدد ترجمے جو اگرچہ جزوی ترجمے ہیں قرآن کریم کے مکمل ترجمے نہیں لیکن قاضی محمد معظم کے ترجمہ سے پرانے ہیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے قرآن پاک کے متعدد دکنی تراجم کا تعارف کرایا ہے، ان میں سب سے پرانا ترجمہ دسویں صدی ہجری کے آخر یا شروع گیارہویں صدی ہجری کا [۱] ہے مگر یہ تمام ترجمے جن کا مولوی عبدالحق نے ذکر کیا ہے جزوی تراجم ہیں لیکن اسی دور تقریباً دسویں صدی ہجری کے آخر یا شروع گیارہویں صدی ہجری میں شمالی ہند میں قرآن پاک کا ایک مکمل عمدہ ترجمہ ہندی یا بھاشا میں ہو چکا تھا، اور اس ترجمہ کے نسخے تیرہویں صدی ہجری کے تقریباً وسط تک موجود تھے، ایسا ہی ایک ترجمہ اس وقت کے ممتاز عالم اور مرشد حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء تا ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء) کی نظر سے گزرا تھا حضرت مولانا نے جو علوم قرآن کے مایۂ ناز عالم اور بھاشا سے واقف تھے اس ترجمہ کی عمدگی کی تعریف فرمائی ہے [۲]

ترجمہ قرآن پاک کے لیے جہانگیر کی جس فرمائش کا توزک جہانگیری کے حوالہ سے انصار اللہ صاحب نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ فرمائش میر سید محمد رضوی احمد آبادی گجراتی (م ۱۰۴۵ھ۔ ۳۶-۱۶۳۵ء) سے کی گئی تھی میر سید رضوی نے اس فرمائش کی بہت اہتمام سے تعمیل کی اور صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کے الفاظ میں :

"ترجمۂ قرآن شریف بعبارت خوب ترتیب دادہ" [۳] (قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی عبارت میں کیا ہے۔)

اگرچہ ہر پہلو سے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ ترجمہ فارسی میں ہوا ہو مگر پروفیسر محمود خان شیرانی کا خیال ہے کہ "یہ ترجمہ ریختہ (اردو) میں ہوا تھا" [۴] اگر تحقیقی طور پر اس خیال کی تصدیق ہو جائے تو یہی ترجمہ اردو میں قرآن پاک کا سب سے پہلا ترجمہ اور اردو کی نثری روایت کا سر آغاز ہے۔

برصغیر میں قرآن پاک کے فارسی تراجم کا عمل میر سید محمد رضوی کے ترجمہ قرآن پاک سے بہت پہلے سے جاری تھا فارسی میں مختلف تفسیریں لکھی گئیں اور متعدد ترجمے کیے گئے مثلاً تفاسیر میں قاضی شہاب الدین عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ۔ ۱۴۴۵ء) کی مصنفہ تفسیر قرآن "بحر مواج" محتاج تعارف نہیں، تراجم میں مخدوم نوح ہالائی (م ۹۹۸ھ۔ ۱۵۸۹ء) کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر، بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔ یہ مضمون مختلف رسالوں میں کئی مرتبہ چھپا ہے، ایک مرتبہ الگ سے کتابی صورت میں بھی شائع ہوا ہے، پیش نظر اشاعت مشمولہ "قرآن نمبر" ماہنامہ خاتون پاکستان کراچی ۱۳۸۸ھ ہے۔ ص ۲۸ ج ۱۔ نیز ماہنامہ نظام، کانپور، قرآن نمبر ص ۲۱۹ (کانپور ۱۹۶۱ء)۔ ۲۔ تذکرہ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ص ۲۳ (طبع سوم، لکھنؤ۔ بلا سنہ)۔

۳۔ مآثر الامراء، فارسی ص ۲۴۹ ج ۳۔ (کلکتہ۔ ۱۸۹۱ء)۔ ۴۔ حافظ شیرانی کے یہ الفاظ پروفیسر محمد ایوب قادری نے مقالات شیرانی، مرتبہ مظہر محمود شیرانی ص ۴۲-۴۳ ج ۲ (لاہور ۱۹۶۶ء) کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ترجمہ اردو مآثر الامراء ص ۳۷۸ ج ۳۔ (لاہور: ۱۹۷۰ء)

متعدد فارسی تراجم غیر متعارف ہیں اور ان کے مترجمین کی تحقیق نہیں ہوسکی ہے۔ فارسی ترجموں میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ترجمۂ قرآن کریم فتح الرحمٰن کو جو ہندوستان میں فارسی تراجم کا خاتم اور گویا ناسخ بھی ہے، جس قدر مقبولیت اور اعتماد و اختصاص حاصل ہوا وہ بلاشبہ شاہ صاحب کا ذاتی کمال اور منفرد حصہ ہے جس میں کوئی اور مترجم شاہ صاحب کا شریک نہیں۔ اس ترجمہ کو منجانب اللہ ایسی مقبولیت عطا فرمائی گئی کہ فارسی تراجم میں پورے برصغیر میں اسی ایک ترجمے سے استفادے اور اس کی نقل و اشاعت کا سلسلہ جاری رہا، فارسی کے اس سے پہلے ہندوستانی تراجم آہستہ آہستہ گم نام و بے نشان ہو گئے۔

انصار اللہ صاحب فرماتے ہیں: "یہ بات عام طور سے تسلیم کی گئی ہے کہ قرآن پاک کا اولین ترجمہ وہ ہے جو شاہ رفیع الدین نے ۱۲۰۰ھ - ۸۶-۱۷۸۵ء میں کیا تھا۔"[1] حالانکہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ سے منسوب ترجمۂ قرآن کا حضرت شاہ عبد القادرؒ کے 'موضح قرآن' سے پہلے مرتب و قلم بند ہونا صرف ایک مفروضہ ہے، جس کا ثابت کرنا آسان نہیں۔ راقم سطور کی معلومات[2] کے مطابق حضرت شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن کی "موضح قرآن" سے سبقت و اوّلیت کی کوئی معمولی سے معمولی شہادت، معتبر اولیت کیا ایسا قرینہ بھی موجود نہیں جس کے ذریعہ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی "موضح قرآن" پر اولیت معلوم ہوتی ہو، بلکہ حضرت شاہ رفیع الدین سے منسوب ترجمہ کے متعلق یہ طے ہونا باقی ہے کہ اس ترجمے کا شاہ رفیع الدین سے انتساب کس حد تک درست ہے، کیا واقعۃً یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کا ہے؛ مختلف قرائن و شواہد کی بنا پر اس معروف ترجمہ کے شاہ رفیع الدین سے انتساب میں راقم سطور کو شک ہے، تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔

انصار اللہ صاحب نے مولانا لطف اللہ لکھنوی کی مؤلفہ تفسیر سورۂ فاتحہ کو 'اردو کا سب سے پہلا یا قدیم ترین مطبوعہ ترجمۂ قرآن لکھا ہے'[3] یہ بھی درست نہیں۔ مولانا لطف اللہ بن عبد اللہ حنفی لکھنوی (وفات ۱۲۹۷ھ - ۱۸۸۰ء)[4] اپنے وقت کے مشہور عالم فقیہ اور مناظر تھے۔ ان کی متعدد تالیفات ہیں جس میں سب سے زیادہ مشہور و متعارف یہی تفسیر سورۂ فاتحہ ہے جس کا انصار اللہ صاحب نے ذکر کیا ہے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ کا صحیح نام 'مظہر العجائب' ہے اور یہ کتاب اسی نام سے متعارف ہے، اس کا اصل موضوع شیعہ صاحبان کے عقائد و نظریات کی تردید ہے۔

تفسیر مظہر العجائب ۱۲۸۲ھ (۶۶-۱۸۶۵ء) میں مرتب ہوئی، 'مرغوب دل' (اعداد: ۱۲۸۲ھ) اس کا تاریخی نام ہے، مؤلف نے خاتمہ کے ایک شعر میں اس کا ذکر کیا ہے، کہتے ہیں:

پاک سرشتوں کی ہو محبوب دل — اس کی تو تاریخ ہے "مرغوب دل"[5]

---

[1][3] خدا بخش لائبریری جرنل (۴۲-۵۷) ص۶۱۰، ص۶۱۱، [4] نزہۃ الخواطر ص۴۰۲، ص۴۰۳ ج ۷۔ (حیدرآباد: ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء) - نیز شمس العارفین؛ مولانا سراج الیقین کرسوی۔ (کرسی ضلع بارہ بنکی) ص۴۰ (طبع اول ہردوئی: ۱۳۳۳ھ)، [5] مظہر العجائب (تفسیر سورۂ فاتحہ) ص۲۹۹ طبع اول۔

تالیف کے تقریباً ایک سال بعد ۱۲۸۳ھ کے غالباً آخری مہینوں میں (۱۸۶۷ء) مطبع صدیقی میں[1] مظہر العجائب[2] کی طباعت شروع ہوئی جو ۱۲۸۴ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی سرورق (ٹائٹل) پر آغاز طباعت کی تاریخ درج ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"وسنۃ الطبع من الھجرۃ فی المطبع الصدیقی الف ومائتان وثلث وثمانون ۱۲۸۳ھ"

سنہ اختتام کی تصدیق قطعات تاریخ سے ہو رہی ہے جو کتاب کے آخر میں شامل ہیں منجملہ ان کے ایک مصرعہ تاریخ یہ ہے:

"چھپی اچھی تفسیر الکتاب ۱۲۸۴ھ"

تفسیر سورۂ فاتحہ کی جس طباعت کا ڈاکٹر احمد خان اور انصار اللہ صاحب نے ذکر کیا ہے ممکن ہے وہ اس کا دوسرا یا تیسرا ایڈیشن ہو۔

یہاں ہوا یہ ہے کہ ڈاکٹر احمد خان نے سنہ تیرہ سو تیرہ کو بارہ سو تیرہ پڑھا اور سنہ ۱۲۱۳ھ کی عیسوی سنہ سے مطابقت کر کے اس غلط فہمی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس قسم کی ڈاکٹر احمد خاں کی یہ واحد فروگذاشت نہیں ہے بلکہ ان کی کتاب میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں تفسیر سورۂ یوسف از حکیم محمد اشرف کاندھلوی[3] کے سنہ طباعت ۱۲۱۹ھ۔ ۱۸۰۴ء کا تذکرہ بھی اسی قسم کی فروگذاشت کا ایک نمونہ ہے۔

تفسیر سورۂ یوسف کے سنہ تالیف کا حکیم محمد اشرف نے صراحۃً ذکر نہیں کیا اور تفسیر سورۂ یوسف کا کوئی ایسا اشارہ و قرینہ بھی نہیں ملتا جس کی مدد سے سنہ تالیف کا کچھ اندازہ کیا جا سکے مگر اس کثیر الاشاعت کتاب کے بعض ناشرین نے اس کی تاریخ تالیف

---

[1] اس اشاعت پر مطبع صدیقی کا محل وقوع درج نہیں، ممکن ہے یہ مطبع صدیقی بریلی کا ہو مملوکہ مولانا محمد احسن نانوتوی۔ [2] مظہر العجائب (یا تفسیر سورۂ فاتحہ) صفحہ اول و صفحہ ۱۵۲ جو اس اشاعت کا آخری صفحہ ہے۔ [3] مولانا حکیم محمد اشرف خلف مولانا امام الدین بن حکیم شیخ الاسلام کاندھلوی۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ تعلیم اپنے نامور چچا خاتم مثنوی مولانا روم، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (وفات ۱۲۴۵ھ ـ ۱۸۲۹ء) سے حاصل کی، طب پڑھی اور نباضی و معالجات میں کمال حاصل کیا۔ مجموعہ کلام: فارسی میں غنیمت کی مثنوی کے جواب میں ایک مثنوی اور تفسیر سورۂ یوسف علمی تحریریں یادگار ہیں۔ مگر ان کا سب سے اہم علمی کارنامہ طب و معالجات پر ایک موکر آرا کتاب "بحر العلاج" کی ترتیب و تالیف ہے یہ کتاب معالجات پر ایک دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے اس کا قلمی نسخہ ہمدرد طبی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ ہمدرد یونیورسٹی۔ دہلی میں موجود ہے۔ تعلیم کے بعد اکثر وقت خان پور ضلع بلند شہر میں گزرا۔ وہیں ۳ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ ۱۲ اگست ۱۸۳۱ء کو وفات ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے۔ نزہۃ الخواطر کی قدیم طباعت (حیدر آباد: ۱۳۷۸ھ) میں حکیم محمد اشرف کا سنہ وفات ۱۲۴۰ھ لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے بعد کی طباعتوں میں درست ہے۔

ربیع الاوّل سنہ ۱۲۱۲ھ (اگست ستمبر ۱۷۹۷ء) لکھی ہے[1] مگر مختلف علامات و قرائن کی وجہ سے مجھے اس اطلاع کی تصدیق میں تامل ہے۔ سنہ ۱۲۱۲ھ میں حکیم محمد اشرف اپنے بڑے چچا اور جملہ درسیات کے استاذ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمہ کی خدمت میں تقریباً اوسط کتابوں کی تعلیم میں مشغول تھے[2]۔ اگرچہ زمانۂ طالب علمی میں شعر و سخن کے ذوق اور تالیف و تصنیف کی روایت رہی ہے مگر مفتی الٰہی بخش کا جس طرح کا حلقۂ درس و تربیت تھا اور ان کے طلبہ کے اوقات جس قدر مصروف گزرتے تھے اس میں ایسی ظرفیت و تالیف کا موقع ملنا دشوار تھا اس لیے خیال ہے کہ تفسیر سورۂ یوسف کی سنہ ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء میں تالیف کی اطلاع درست نہیں ہے، ممکن ہے یہ کتاب سنہ ۱۲۱۲ھ یا سنہ ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء میں لکھی گئی ہو۔

تفسیر سورۂ یوسف کا سنہ تالیف اگرچہ محقق نہیں مگر سنہ ۱۲۱۲ھ میں اس کی طباعت کی اطلاع بہر صورت ناقابل تسلیم ہے۔ تفسیر سورۂ یوسف نیز ہندوستان میں طباعت کے ابتدائی دور کی مطبوعات کے سنین طباعت کے تعین میں ہندوستان میں مطابع کے آغاز اور مختلف شہروں میں اس کے پھیلاؤ اور درجہ بہ درجہ ترقی کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو سنہ ۱۲۱۲ھ اور ۱۲۲۹ھ / ۱۷۹۷ء اور ۱۸۱۴ء میں بنارس اور لاہور میں ایسے مطابع کی موجودگی کا سراغ نہیں ملتا خصوصاً صدیقی پریس اور انقلاب اسٹیم پریس جیسے نام بھی انیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک تقریباً معدوم تھے اس لیے یہ تو طے ہے کہ سنہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء میں لاہور سے تفسیر سورۂ یوسف نہیں چھپی مگر یہ سوال جواب طلب ہے کہ تفسیر سورۂ یوسف سب سے پہلے کب اور کہاں چھپی تھی مجھے اس کا علم نہیں لیکن ڈاکٹر احمد خاں نے[3] تفسیر سورۂ یوسف کی قدیم دو طباعتوں کا ذکر کیا ہے جو سنہ ۱۲۴۸ھ ـ ۱۸۳۲ء اور سنہ ۱۲۵۳ھ ـ ۱۸۳۷ء[4] کی ہیں۔

پہلی اطلاع غالباً جناب محمد عالم مختار حق کی مرتبہ فہرست تراجم قرآن سے اخذ کی گئی ہے[5] اور دوسری اشاعت کی جناب نصیر الدین ہاشمی کی ایک اطلاع سے ضمناً تصدیق ہو رہی ہے، ہاشمی صاحب نے ذخیرۂ سالار جنگ (حیدر آباد) میں موجود سنہ ۱۸۵۷ء

---

[1] مطبع گلزار احمدی مراد آباد سے تفسیر یوسف کا ایک ایڈیشن ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۱ھ - نومبر ۱۹۰۳ء میں چھپا تھا اور پانچ مہینے کے بعد اپریل ۱۹۰۴ء میں یہی طباعت دوبارہ شائع ہوئی اس کے آخر میں خاتمۃ الطبع میں ناشر نے لکھا ہے کہ: "نسخۂ تفسیر سورۂ یوسف منظوم نتیجۂ فکر بحر عالم باکمال ناظم فصیح المقال مولوی محمد اشرف صاحب، ساکن کاندھلا (کذا) نے اسکو ربیع الآخر سنہ ۱۲۱۹ھ میں تصنیف فرمایا ہے" گلزار احمدی کی یہ اشاعت ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ فہرست مخطوطات انجمن ترقی اردو مرتبہ افسر صدیقی امروہوی ص ۲۳ ج ۲ کراچی: ۱۹۶۷ء سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر سورۂ یوسف کا یہی سنہ تالیف مطبع مجیدی کانپور کی سنہ ۱۳۳۳ھ کی اشاعت پر بھی درج ہے۔

[2] مفتی الٰہی بخش رحمہ کی خود نوشت تحریرات سے تاثر ملتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۲ھ میں حکیم محمد اشرف ان کے حلقۂ درس میں شامل تھے۔ [3] قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص ۱۲۱ (اسلام آباد: ۱۹۸۷ء)۔ [4] اصل کتاب (قرآن کریم کے اردو تراجم) میں اسی طرح ہے ص ۱۱۱، اندراج ۲۲۴ مگر یہ مطابقت درست نہیں سنہ ۱۲۵۳ھ کی صحیح مطابقت ۳۸-۱۸۳۷ء ہے۔

[5] قرآن نمبر، سیارہ اردو ڈائجسٹ لاہور۔ ص ۹۴۵ ج ۲۔

سے پہلے کی مطبوعات کے تعارف میں تفسیر سورۂ یوسف کے ایک نسخہ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ :

• تفسیر سورۂ یوسف، حکیم محمد اشرف اس کے مؤلف ہیں۔ منظوم تفسیر ہے ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں محمد عبداللہ حمید پوری کے اہتمام سے بمبئی میں طبع ہوئی ہے، طباعت کی تاریخ "کہا ہاتف نے تفسیر بدیع سورۂ یوسف" سے نکالی گئی ہے۔[1]

یہ اشاعت جیسا کہ ذکر ہوا بمبئی کی سنہ ۱۲۶۴ھ کی ہے مگر اس کا جو فقرہ تاریخ ہاشمی صاحب نے نقل کیا ہے اس کے اعداد ۱۲۵۴ ہوتے ہیں جو اس کی علامت ہے کہ بمبئی کا یہ ایڈیشن تفسیر سورۂ یوسف کی کسی ایسی طباعت کی جوں کی توں نقل ہے جو ۱۲۵۴ھ (۳۸-۱۸۳۷ء) میں چھپا تھا اور یہ طباعت مطبع محمدی بمبئی کی وہ اشاعت معلوم ہوتی ہے جس کا ڈاکٹر احمد خاں نے ذکر کیا ہے۔

تفسیر سورۂ یوسف کی ایک اور قابل ذکر اشاعت مطبع قادری میرٹھ کی ہے جو حکیم محبوب علی کے زیر اہتمام ۱۸۴۹ء / ۱۲۶۵ھ میں شائع ہوئی۔ محمد عتیق صدیقی کی اطلاع کے مطابق یہ ایڈیشن تین سو کی تعداد میں چھپا تھا اور تمام نسخے اسی سال فروخت ہو گئے تھے۔[2] جو اس زمانہ میں کتاب کی مقبولیت کی نشانی اور اس کی غیر معمولی پزیرائی کی علامت تھی۔ برسبیل تذکرہ یہ اطلاع بے محل نہ ہوگی کہ تفسیر سورۂ یوسف ستر بہتر برس تک اردو کی مقبول عام اور کثیر الاشاعت کتابوں میں شامل رہی مطبع قادری کے مطبوعہ نسخوں کی ہاتھوں ہاتھ فروخت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس کتاب کو قبول عام حاصل تھا مطبع قادری سے شائع ہونے سے پہلے ہی تفسیر سورۂ یوسف خاصی متعارف ہو گئی تھی اور اس اشاعت کے بعد تو اس کثرت سے چھپی کہ اس کے ایڈیشنوں کی جستجو آسان نہیں، کم سے کم پچاس مرتبہ ضرور چھپی ہے ممکن ہے اس سے بھی زائد طباعت ہوئی ہو ایک ایک مطبع اور کارخانہ تجارت سے اس کے متواتر کئی کئی ایڈیشن چھپے، مختلف اداروں سے دو دو تین تین طباعتوں کی تصدیق ہو رہی ہے اور مطبع منشی نول کشور سے تو پندرہ سولہ ایڈیشن چھپے اور ظاہر ہے کہ ان تمام ایڈیشنوں کے مجموعی نسخوں کی تعداد لاکھوں میں ہوگی، جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر کا بے مثال ترجمہ قرآن پاک "موضح قرآن" (تالیف ۱۲۰۵ھ) بلاشک وشبہ پہلی مرتبہ مطبع احمدی کلکتہ سے سید عبداللہ بن سید بہادر علی کے زیر اہتمام سنہ ۱۲۴۵ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا اور اس اشاعت کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں مگر ڈاکٹر احمد خاں اور انصار اللہ صاحب کا یہ قول کہ "موضح قرآن" اسی وقت دہلی سے بھی چھپا تھا قرین صحت نہیں علاوہ اس کے کہ اس طباعت کے وجود کا ابھی تک علم نہیں ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سنہ ۱۲۴۵ھ میں دہلی میں مطبع

---

[1] مضمون "کتب خانہ سالار جنگ میں اسلامیات سے متعلق ۱۸۵۷ء سے پہلے کی مطبوعات" ماہنامہ برہان دہلی۔ مارچ ۱۹۶۰ء ص۱۵۲۔ [2] صوبہ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، محمد عتیق صدیقی ص۲۲۳ (دہلی: ۱۹۶۲ء)۔ [3] خدا بخش لائبریری جرنل (۶۲-۷۵) ص۱۱۶۔ قرآن کریم کے اردو تراجم ص۱۳۳ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر احمد خاں ایک موقع پر موضح قرآن سید عبداللہ کی تالیف کی حیثیت سے بھی ذکر کرتے ہیں، ملاحظہ ہو: قرآن کریم کے اردو تراجم ص۱۱۳، ۳۵۵۔

احمدی نامی کوئی پریس یا تجارتی ادارہ موجود نہیں تھا[1]۔ دہلی میں مطبع احمدی کے نام سے سب سے پہلا مطبع ۱۲۶۵ھ میں قائم ہوا جو اول اوّل مولانا وجیہ الدین سہارنپوری کا تھا بعد میں اس کی ملکیت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو منتقل ہوگئی تھی اس مطبع نے مختلف مضامین پر اعلیٰ درجہ کی درجنوں کتابیں شائع کیں مگر ان مطبوعات میں شاہ عبدالقادر کا "موضح قرآن" شامل نہیں اگر مطبع احمدی نے "موضح قرآن" شائع بھی کیا ہو تو یہ طباعت ۱۲۷۰ھ کے قریب ہوئی ہوگی، دہلی کے اکثر مطابع خصوصاً اس مطبع احمدی کی مطبوعات اعلیٰ درجہ کی کتابت سے لیتھو پر چھپتی تھیں کلکتہ کے مطبع احمدی کی بیشتر مطبوعات جس میں "موضح قرآن" بھی شامل ہے ٹائپ پر چھپی ہوئی ہیں اس لیے مطبع احمدی دہلی سے سنہ ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء میں "موضح قرآن" کی طباعت کی روایت لائق التفات نہیں۔ دراصل یہ غلط فہمی مولوی عبدالحق کے قلم سے چلی بعد میں قاموس الکتب اور دیگر مراجع میں جوں کی توں نقل ہوئی، غالباً یہی روایت ڈاکٹر احمد خان کے پیش نظر رہی ہے۔ بہرحال یہ روایت درست نہیں ہے۔

ڈاکٹر احمد خاں کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مطبع احمدی کو جس نے "موضح قرآن" کی سب سے پہلی اشاعت کا فخر حاصل کیا اور اس مطبع احمدی کو جس نے مدرسہ خادم الاسلام دہلی کے اشتراک سے سنہ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں "موضح القرآن" سات الگ الگ حصوں میں شائع کی[2] ایک ہی ادارہ خیال فرماتے ہیں حالاں کہ ان دونوں میں نصف صدی سے زائد فاصلہ ہے اور ایک کا محل وقوع کلکتہ دوسرے کا دہلی ہے، یہ مطبع احمدی جس کا "موضح القرآن" کی طباعت میں حسب اطلاع ڈاکٹر احمد خاں اشتراک ہوا ہے، سید احمد ولی اللّٰہی کا مطبع احمدی ہے اور سنہ ۱۳۲۰ھ تک دہلی میں قائم ہونے والے مطابع میں احمدی مطبع کے نام سے قائم آخری اشاعتی ادارہ تھا۔

ڈاکٹر انصار اللہ صاحب نے قرآن کریم کے منظوم مکمل تراجم میں سے مولانا نبی بخش حلوائی لاہوری اور شمس الدین شائق کے منظوم تراجم کو بطور خاص قابل ذکر کہا ہے لیکن یہ ذکر نہیں فرمایا کہ ان تراجم کی وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ان کو اور ترجموں سے ممتاز اور قابل ذکر قرار دیا گیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں ترجمے قرآن پاک کے مکمل منظوم ترجمے ہیں لیکن مولانا نبی بخش کے ترجمہ کا اردو تراجم کی فہرست میں شمار درست نہیں، یہ مفصل ترجمہ پنجابی میں ہے اس کی ابتدا، اس شعر سے ہوئی ہے:

---

[1] ملاحظہ ہو: اختر شہنشاہی مرزا محمد اشرف (لکھنؤ: ۱۸۸۸ء) اور ہندستانی پریس نادر علی خاں (لکھنؤ: ۱۹۹۰ء)

[2] تفسیر موضح القرآن کی یہ طباعت (۱۳۰۸ھ) جس کا ڈاکٹر احمد خاں کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے میری نظر سے نہیں گزری مگر اس کا دوسرا ایڈیشن جو پہلے ایڈیشن کی طرح سات حصوں میں مطبع مدرسہ خادم الاسلام دہلی سے چھپا تھا (۱۳۱۳ھ) ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس طباعت میں مطبع احمدی کا ذکر نہیں ہے۔

اسم اللہ دے نال شروع ہے جو بخشش داسائیں   کامل مہر و محبت والا پالے آخر تائیں[1]

مولانا نبی بخش کی اس مفید خدمت کو تفسیر نبوی سے موسوم کیا گیا ہے اس کی شروعات سنہ ۱۳۱۰ھ میں ہوئی اور اکتالیس سال بعد سنہ ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء میں حرف ختام مکمل ہوا۔ ڈاکٹر احمد خان اور ان کے اتباع میں انصار اللہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ تفسیر سنہ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی اگر اس سے جزوی طباعت مراد ہے تو یہ اطلاع صحیح ہے لیکن مکمل صورت میں یہ تفسیر سنہ ۱۳۵۱ھ کے بعد ہی شائع ہو سکی۔

قرآن پاک کے منظوم تراجم میں سب سے زیادہ لائق تعارف مولوی عبد السلام 'سلام' بدایونی کا ترجمہ یا تفسیر قرآن کریم "زاد الآخرۃ" ہے، جو قرآن پاک کا سب سے پہلا مکمل منظوم ترجمہ یا تفسیر ہے۔ زاد الآخرۃ کی سنہ ۱۲۴۴ھ / ۲۹-۱۸۲۸ء میں ترتیب شروع ہوئی اور پندرہ سال کی محنت و کوشش کے بعد یکم ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۹ھ / ۲۴ نومبر سنہ ۱۸۴۳ء کو مکمل ہوئی، اس تفسیر کا نام، زاد الآخرۃ (اعداد: ۱۲۴۴) اس کے سنہ آغاز کی جانب اشارہ کرتا ہے، تاریخ اختتام کی خاتمۂ کتاب میں صراحت ہے، دن، تاریخ، سنہ سب لکھا ہے، کہتے ہیں:

"شکر اللہ کہ چند سال کے بعد   روز آدینہ غرہ روز سعید
درمیان دو عید و عید سعید   ہوگئی ختم یہ کتاب مجید

چند اور شعروں کے بعد کہا ہے:

سالہا سال میں لکھی یہ کتاب   رکھ کے ملحوظ احتیاط کی داب
اس کے سال شروع کا منشا   ہے لقب زاد الآخرۃ اس کا
کاش اپنا وہ فضل فرماوے   کہ وہ عقبیٰ کا زاد ہو جاوے[2]
اور تاریخ اختتام کی ہے   ایک ہزار اور انسٹھ اور دوسے

یہ کتاب دو حصوں اور چار جلدوں پر مشتمل ہے، پیش نظر اشاعت زاد الآخرۃ کی پہلی مکمل طباعت ہے۔ جو مولوی محمد محمود بخش منصف کان پور کی امداد و اعانت سے مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے طبع ہوئی اس ایڈیشن کی آخری چوتھی جلد ربیع الاول سنہ ۱۲۸۵ھ / جون سنہ ۱۸۶۸ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

---

[1] ملاحظہ ہو: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور۔ از اقبال احمد صاحب فاروقی ص ۲۹۲، ۲۹۳ (لاہور: ۱۹۷۵) تذکرہ اکابر اہل سنت از محمد عبد الحکیم مشرف قادری ص ۵۲۵، ۵۲۶ (لاہور: ۱۳۹۶ھ) تذکرہ علمائے پنجاب از اختر راہی ص ۲۷۲، ۲۷۳ ج ۲۔ (لاہور: ۱۴۰۰ھ)

[2] تفسیر زاد الآخرۃ ص ۵۲۲ (نولکشور، لکھنؤ، ۱۲۸۵ھ)

ڈاکٹر احمد خاں نے "زاد الآخرۃ" کا دو موقعوں پر ذکر کیا ہے اور دونوں اندراجات میں غلطی ہے، پہلے اندراج میں اس کا سنہ طباعت ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء لکھا ہے اور دوسرے اندراج میں اس تالیف کے سنہ ۱۲۴۴ھ میں مکمل ہونے کی صراحت ہے[1]، دونوں باتیں بے حقیقت ہیں اس کی سنہ ۱۲۱۱ھ میں تالیف مکمل ہوئی نہ طباعت۔

انصار اللہ صاحب کے مضمون میں عیسائیوں کے شائع کیے ہوئے تراجم کے تحت ایک ترجمہ کا مطبع بے نام دہلی کی اشاعت ۱۸۴۴ء کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے[2]، یہ اطلاع بھی شایان قبول نہیں ہے، یہ ترجمہ الہ آباد سے چھپا تھا اس ترجمہ کے متعلق قدیم ترین دریافت اطلاع گارساں دتاسی کی ہے، وہ اپنے پہلے خطبے میں کہتا ہے:

"اس قسم کی مطبوعات میں سب سے دلچسپ قرآن کا ایک ایڈیشن ہے جسے ایک پرسبی ٹیرین امریکن نے سنہ ۱۸۴۴ء میں الہ آباد میں طبع کرایا، اس کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں مسلمانوں کی غلطیوں اور عیسائی مذہب کے خلاف ان کے اعتراضوں کی تردید کی گئی ہے، متن کے ساتھ تفسیر بھی ہے جو اسی قسم کی ہے جو مراچی نے لکھی ہے"[3]

یہ صحیح ہے کہ ہندستان میں پادریوں نے قرآن کریم کے متعدد ترجمے کیے ہیں، شاہ عبد القادر کی موضح قرآن کو رومن میں چھاپا ہے۔ ان ترجموں اور اشاعتوں کا تاریخی معلومات کی تکمیل کے لیے تذکرہ کرنا ضروری ہے مگر ان کی اس کارگزاری کو نیک کام کہنا کسی طرح بھی موزوں نہیں۔ عیسائیوں نے قرآن کریم کے حوالہ سے جو قلمی تحریری کام کیا ہے اس کا مقصد قرآن پاک کے صحیح مترجمین و مفسرین کے مقاصد سے بہت مختلف تھا اور خاصی حد تک نازیبا اور پست مقصد تھا، پادریوں کی ان کاوشوں کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ قرآن کریم کے منزل من اللہ، کتاب ہدایت اور خدا کا آخری پیغام ہونے کی بہر صورت (معاذ اللہ!) تردید کی جائے اس کی صداقت و تعلیمات پر یقین وعقیدہ کو مسلسل کمزور کیا جائے اور اس کوشش کے نتیجہ میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کی جدوجہد عام ہو سکے، یہ حقیقت ہے کہ مشنریوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا اور ان کے چھاپے ہوئے ترجموں اور تفاسیر قرآن کو مسلمانوں میں کبھی بھی پذیرائی اور قبول عام حاصل نہیں ہوا، تاہم اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک کے ان تراجم و تفاسیر کی تالیف و طباعت میں جو ہندستان میں مشنریز اور پادریوں

---

[1] قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ص۲۳۳ اندراج ۸۵۷-۸۵۸ - [2] خدابخش لائبریری جرنل (۶۲-۵۷) ص۱۱۱ - ڈاکٹر احمد خان نے الہ آباد کے مطبوعہ اس ترجمہ کا تین الگ الگ جگہوں پر ذکر کیا ہے۔ ص۱۳۲ اندراج ۴۴۵ - ص۱۶۳ اندراج ۵۶۲ - ص۱۹۰ اندراج ۶۶۵، ان میں سب سے پہلا درست ہے مگر اسی کو انصار اللہ صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے - [3] خطبات گارساں دتاسی ص۱۶ (اورنگ آباد: ۱۹۳۵ء)

کے ذریعہ شائع ہوئے مسلمانوں کی بھلائی اور خدمت قرآن کریم کا کوئی پہلو نہیں تھا اس لیے ان تراجم و تفاسیر کو نیک کام یا خدمت قرآن کریم لکھنا، قرآن پاک کے صحیح تراجم اور تفاسیر کی گویا توہین اور نہایت حق تلفی ہے، جس کو کسی صورت گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

اگر، میرے محترم، ڈاکٹر انصار اللہ صاحب پادری سلطان محمد پال یا پادری جے علی بخش کے تراجم قرآن خصوصًا موخر الذکر کی صرف تمہید ملاحظہ فرما لیتے تو شاید ان کا تذکرہ بھی مناسب خیال نہ کرتے ان کو نیک خدمت قرار دینا تو بہت دور ہے۔

آخر میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کی اکثر فروگذاشتیں ڈاکٹر احمد خاں کی کتاب "قرآن کریم کے اردو تراجم" پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے رونما ہوئی ہیں اگر انصار اللہ صاحب اس کتاب کے چند مندرجات کی بھی اپنے طور پر تصدیق و تحقیق فرما لیتے تو شاید ان کے مضمون میں اس کتاب کے اس کثرت سے حوالے نہ آتے اور اس پر ایسا اعتماد ظاہر نہ ہوتا۔ ڈاکٹر احمد خان کی اس کاوش کی تحقیقی استنادی حیثیت اسی سے واضح ہے کہ انصار اللہ صاحب کے مضمون میں اس کے جس قدر حوالے درج ہیں ان میں سے ایک دو مندرجات کے علاوہ تمام اطلاعات مشکوک و ناقابل اعتبار ہیں۔ خیال ہے کہ اگر ڈاکٹر احمد خان کی اس کتاب کا تفصیل سے تحقیقی جائزہ لیا جائے تو تقریبًا ایک چوتھائی یا اس سے بھی کچھ زائد اندراجات غلط اور نظر ثانی کے محتاج نکلیں گے، طباعت کی اغلاط اور ایک ہی مؤلف ایک ہی کتاب کا کئی کئی جگہ غلط صحیح اندراج اس پر مستزاد ہے۔

●●

جناب محمد جرجیس کریمی
ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علیگڑھ

جرنل کا مطالعہ باعثِ صد افتخار ہے۔ آپ علم کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کے لیے علمی دنیا آپ کا احسانمند ہے (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر فی الدین سے نوازے آمین) میں جرنل کا مطالعہ پابندی کے ساتھ کرتا ہوں۔ پچھلے شمارہ ۵، ۶۲ کے مطالعہ کے دوران چند، حرفی وکتابتی غلطیاں نظر آئیں جن کو میں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ جرنل کے کسی آئندہ شمارہ میں ان کی تصیح کردی جائے گی۔ آپ کے جرنل کو بے شک اور دوسری صفات کی طرح اس صفت سے بھی متصف ہونا چاہئیے کہ اس میں اس قسم کی معمولی غلطیاں بھی نہ ہوں۔ والسلام

قابل تصیح غلطیاں یہ ہیں:۔

ص۴۶۷ سطر۱۴ سورۂ ہود صحیح سورۂ ہود، ص۴۶۸ سطر۱۰ خوذ وکامیابی۔ صحیح فوز وکامیابی، ص۴۹۰ سطر۵ ہم ان کے مسنون ہیں صحیح ممنون ہیں۔ ص۵۴۸ سطر۲ بہت تھوڑا سا 'قرق' ہے صحیح 'فرق' ہے۔ ص۵۴۹ سطر۱۹ علی جامو صحیح علی جامہ۔ ص۵۵۳ سطر۳ کرنے والے لوگ بلاسبہ وہ تھے۔ صحیح بلاشبہ۔ ص۵۵۵ سطر۳ ان کے تحقیقات کے جو نتائج اب تک مایہ ثبوت صحیح تحقیقات اور پایۂ ثبوت۔ ص۶۶۰ سطر۱۰ اسوس یہ ہے صحیح افسوس یہ ہے۔ ص۶۶۷ سطر۱۱ گورو کے اعداد میں پانچویں گورو کے بعد نویں اور دسویں لکھ دیا گیا ہے حالانکہ چھٹے اور ساتویں گورو ہونا چاہئیے۔

●●

جناب عبدالرؤف خان
حمیدیہ لائبریری، سوائی مادھوپور، راجستھان

● شمارہ نمبر ۵-۶۲ جدول ص ۱۵ پر جلال الدین میراں شاہ کی تاریخ ولادت کے خانہ میں ۷۶۵ھ درج ہے مگر سال جلوس کے خانہ میں ۷۷۰ھ چنانچہ اسے ۸۰۷ھ ہونا چاہیے لیکن بوقت جلوس شاہ مذکور کی عمر ۳۸ سال ۴ شہر ۲ یوم بتلائی ہے باوجودیکہ عمر تقریباً ۴۱-۴۲ سال (۸۰۷-۷۶۵=۴۲) ہوتی ہے نیز سال وفات ۸۱۰ھ تک مدت عمر ۴۱ سال ۷ شہر ۱ یوم بتلائی گئی ہے بالفرض محال جدول کے اس خانہ میں درج تمام سنین کو درست تسلیم کر لیا جائے تو میراں شاہ کی مدت حیات تقریباً ۴۵ سال (۸۱۰-۷۶۵=۴۵) ہوتی ہے۔ اگر ہم میراں شاہ کا سال ولادت ۷۶۹ تسلیم کر لیں تو پیچیدگی رفع ہو سکتی ہے۔ تادم تحریر تلاش کے باوجود مجھے میراں شاہ کا سال ولادت نہ مل سکا۔

● ص ۱۶ پر شہنشاہ اکبر کی ولادت کے خانہ میں "در سہاامرکوٹ" کے بجائے "درحصار امرکوٹ" نیز شاہجہاں کے کالم میں سنہ پیدائش ۱۰۰۰ھ ہونا چاہیے اور شاہ جہاں ہی کے خانہ میں تاریخ وفات ۲۶ رجب ۱۰۶۷ھ نہ ہو کر درست ۱۰۷۶ھ ہے۔

● ص ۱۷ پر بہادر شاہ اول کے خانہ میں سال ولادت ۱۰۴۳ھ کے بجائے ۱۰۵۳ھ نیز عمر بوقت جلوس ۷۵ سال کے بجائے بحساب قمری سنہ تقریباً ۶۶ سال (بحساب سنہ شمسی تقریباً ۶۳ سال) اور وفات کا سنہ ۱۱۳۴ھ کے بجائے ۱۱۲۴ھ ہونا چاہیے۔ غالباً کاتب کی سبقت قلمی کے سبب ۲ پر ایک شوشہ زاید ہوگیا ہے۔

● فرخ سیر (ص ۱۷) کی مدت سلطنت ۳ سال ۲ شہر ۶ یوم بتلائی ہے جبکہ مصنف کے درج شدہ سنین جلوس و وفات کی رو سے ۶ سال ۲ شہر ۱۶ یوم ہوتی ہے۔

● ص ۱۰۲ سطر ۹ پر ۲۸ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء ثبت ہے جبکہ مذکورہ ہجری سنہ کے معادل ۲ جولائی ۱۸۳۷ء درست ہے۔

● ص ۱۳۱ پر نواب واجد علی شاہ کی معزولی (جو جمادی الآخر ۱۲۷۲ھ/فروری ۱۸۵۶ء میں ہوئی تھی) کا مادۂ تاریخ:

"مرگ انبوہ بہ از جشن نشاطے دارد" (۱۲۷۱ھ)

بکمی یک عدد کیا گیا ہے چونکہ مادۂ ضرب المثل سے بطور فال برآمد کیا گیا ہے اس لیے ایسی صورت میں خوبصورت و حسین مادہ کی خاطر تاریخ گو معمولی فصل زمانی کو روا رکھتا ہے۔ "غم کبیر" سے مکمل سال (۱۲۷۲ھ) برآمد ہوتا ہے مگر اس مادہ میں وہ بات کہاں جو "مرگ انبوہ ... دارد" میں مضمر ہے۔

● قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ص ۱۲ ۔ ۱۳ پر بہادر شاہ کی وفات کا جو قطعہ ۳۰ اشعار پر مشتمل ہے اسے نواب مرداں خاں رعنا نے اپنے کلیات میں بھی ۳۰ اشعار کے ساتھ شائع کرایا ہے مگر بتغیر۔ چونکہ ان کا دیوان موسوم بہ کلیات نظام مطبع نولکشور لکھنؤ ہی سے ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا ہے جبکہ تواریخ نادر العصر ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی تھی چنانچہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول کے مصداق قطعہ میں ترمیمیں بھی کی ہیں اور ترتیب میں بھی معمولی تبدیلی۔ مثلاً جرنل کے شعر ۱۹ ص ۱۳ کو بالکلیہ تبدیل کر کے دیوان میں اس قرأت سے لکھا ہے:

● چو کشت غدر شد سرسبز از جور رسید از دست اہل غدر آلام

علاوہ ازیں آٹھ مصرعے یکسر تبدیل کر دیئے ہیں اور دیگر مصرعوں میں کم از کم نو دس الفاظ میں ترمیم۔ ص ۱۴ پر دیئے گئے چھ قطعات میں سے دیوان میں صرف چار کو قدرے تبدیلئ الفاظ کے ساتھ شامل کیا ہے جبکہ دو کو حذف کر دیا ہے۔ جرنل اور کلیات نظام میں چار قطعات کی قرأت کا فرق اس طرح ہے:

جرنل ۵۷ - ۶۲ ص ۱۴	کلیات نظام دیوان دوم ص ۱۹۷، ۱۹۸
قطعہ ۱ مصرعہ اول: شاہ بیکس	شہ بیکس
● " " " چہارم: گفت بشگفتہ غزال ارم	... تاریخ او ... ص ۱۹۸
● " ۲ " ثانی: کہ بردی نام شاہی گشت اظلم	کہ بر او ... راست ... ص ۱۹۸
" تاریخی شعر: چنیں رعنا رقم زد سال فوتش	پئے فوت بہادر شاہ غازی "
بہادر شاہ غازی خلد خدلم ۱۲۷۹	چنیں رعنا رقم زد خلد خدلم "
● قطعہ ۵ مصرعہ رابع: سال فوتش بود ...	... سال فوت او کہ ...

(ص ۱۴) جرنل کے قطعہ ۳ و ۶ کو شامل کلیات نہیں کیا ہے۔

●

ص ۱۳ کے شعر نمبر ۱۸ ــــ مگرچوں صد فزود آخر شد آخر نشان شاہی ہم از کمپنی نام کو خارج کر کے دیوان دوم ص ۱۷
نمبر ۱۵ پر اس شعر کو لکھا ہے۔ من الآں روز دانستم کہ آخر بود در دھر خورشید لب بام

ڈاکٹر ضیاالدین ڈیسائی
۱۴، خورشید پارک، سرکھیج روڈ، احمد آباد

○

جرنل کے تازہ دو شمارے ملے، دونوں جلدیں اپنی نوعیت کی آپ ہیں، البتہ رطب کے ساتھ کچھ یابس بھی نظر آجاتا ہے لیکن وہ بہت کم ہے، آپ کے اس جرنل نے بلکہ آپ نے اس جرنل کا اجرا اور ادارت کرکے اس میں جو انفرادیت پیدا کی ہے وہ قابل فراموش نہیں۔

جلد اول میں ایک چیز نظر آئی جو غلط فہمی کا باعث بن سکتی ہے، شبیر احمد خاں صاحب غوری کا خط آپ نے شائع کیا ہے وہ بذاتِ خود ان کی اپنی غلط فہمی پر مبنی تھا، آپ نے ان کے خط کی نقل مجھے ارسال کی تھی اور میں نے وہ خط ملتے ہی ان کی خدمت میں عریضہ روانہ کرکے موصوف کی توجہ ان کی ہماری تاج محل والی کتاب کی عبارت کی غلط فہمی کی طرف مبذول کی تھی اور موصوف نے جواب میں اپنی تشفی ہو جانے کا مجھے لکھا بھی تھا، غوری صاحب محترم کا خط میرے پاس محفوظ تو ہوگا لیکن تلاش درکار ہے۔ اگر آپ اُن سے (بشرطیکہ ان کے پاس محفوظ ہو) اس کی نقل یا میرا ان کے نام خط، حاصل کرکے کم از کم میرا خط شائع کرسکتے ہیں تو یہ نئی غلط فہمی "ہمارے غلط" دعوے کے علاوہ مذکورہ ڈائری کے وجود میں ہونے کی غلط اطلاع قارئین جرنل میں اور جرنل کے ذریعے دیگر حلقوں میں عام ہو جائے گی۔

البتہ مجھے یہ چاہیے تھا کہ میں غوری صاحب کے استفسار کا جواب براہِ راست ان کو بھیجنے کی بجائے آپ کو بھیجتا، صحیح طریقہ تو یہی تھا، لیکن یہ نہ ہوسکا۔ بہر حال یہ چند سطریں محض وضاحت کے لیے قلمبند کی ہیں۔

●●

Notes

1.a I dedicated this article to Allama Mahmud Sherani who first introduced me to this unique manuscript of the Dastan. I was his guest in Tonk. I am also grateful to Prof.Ghulam Mustafa Khan who gave me useful suggestions concerning the legend. I also remember Qazi Abdul Wadood Sahib who helped me in various ways in my researches concerning the Persian legends.

1.b For these details and other versions of the work see the British Museum Catalogue of Persian Mss., Vol.II, pp.760-76.

2. "Bahr al-Sa'adat" has been mentioned in the "Kashf al-Zunun" (Istanbul, 1941, Vol.I, pp.224-25):-

(فارسی) للشیخ تاج الدین محمود بن محمد ابن ابراہیم الکازرونی الملقب بحاجی ہراس وہو فی مجلد (۲۲۵

مرتب علی ثنی عشر بابا فی العبادت والاخلاق فرغ من تالیفہ فی شعبان سنۃ احدی وتسعمائۃ

3. cf. سیر الاولیاء ص ۹۶ بغایت خوش شد ـ

4. For the opinions of Sharar and Bahar see the essays collected by Dr.Abid Raza Bedar, under the title "Muqaddima-e Tilsm-e Hoshruba", (Khuda Bakhsh Library, Patna) for Sharar see p.103.

It may be presumed that it is after encountering some version of the Dastan like that of the Tonk manuscript that Bahar opined that the Dastan was originally written in India (p.125). The question of Abul Ma'ali's identity still remains unsloved. In this connection I am thinking of studying Dresden Manuscripts of the "Dastan-e Amir Hamza."

●

The episodes in the Dastan have been greatly modified in other versions. An example of divergence from this version is in connection with the birth of Amir Hamza and the attitude of Nushirvan towards it.. Learning that the kingdom has its only enemy in Amir Hamza, Nushirvan proposes his arrest. Amir and Amr Ayyar are also shown opposed to the payment of tribute to Nushirvan. In the popular Sk. Ghulam Ali & Son's, Lahore undated Urdu edition both Amir and Amr Ayyar are especially looked after by the emperor's men as the future supporters of the Kingdom. We also see Amr Ayyar stooping to petty thefts and vulgar pranks. Further it is also noticed that Shahpal of Hindustan writes to Nushirvan to deal firmly with the devilish Landhur while in Urdu, Landhur is shown as averse to paying tribute to Nushirvan and should therefore simply needs to be reprimanded. There is also difference of version about Jamasnama. This is the book belonging to Buzurchimehr's father. It is kept with his tutor. In the Urdu legend the book is shown to be in the house of Buzurchimehr. But there is a cobra guarding over it Again at variance with the Persian Amir's opposition to Suhail Yamni is explained to be motivated by his loyalty to Nushirvan. Another striking variation is the smashing invasion by Hisham bin Alqima of Madain and Nushirvan's deliberate exit from there There are also variations regarding Qabad-i-Hezam Furush and the marriage ceremony of Nushirvan.

●●

The dastan-writer has employed the expression "*Kar-i- Khayr*" with the Hindustani cannotation of marriage :-

چوں حمزہ التماس کارِخیر کند بہ جواب دہم (داستانِ شانزدہم)

The word *ummid* in Hindustani usage has developed the meaning of pregnancy. In this sentence the same sense has been brought out :-

کہ در خانہ امیدواری شدہ است۔

The Dastan refers to Lukhnavti, the old capital of Bengal in the eighteenth section

شاہزادگانِ لکھنوتی

The Indian usage is also evidenced in expressions like.

(الف) زباں می داد

(ب) معلق زد سر بہ زمیں آورد

(ج) بر دو پائے یک دیگر افتادند

(د) سرش بگشت

(ھ) بیا تا مادر عقب ایشان شدہ برویم / و عقب برادران شدہ رفتند۔

The Hindi words like– برچھہ، توپلی جوگی، چھپر ، have been used freely in the Dastan.

It is clear from the above that this Dastan was most probably written in the fourteenth century and that too by an Indian. The importance of this manuscript lies in that it takes the Dastan from the till now accepted age of its composition sixteenth century further back to the fourteenth century that is it establishes it oldness by about two hundred years. This endorses Maulana Sharar's view that the Dastan-i-Amir Hamza was avilable in the Tughluq period. This version of the Dastan also confirms the opinion of Malikush Shu'ara Bahar that the Dastan was originally written in India. [4]

و چندیں پہلوانان سیستانی شصت گاں ہفتاد گاں ہزار جیتل مواجب تعیین کرد۔

[Calcutta Edition, 1862, p.30]

Besides, there are several words and phrases which are Indian in usage. For example, the 10th Dastan refers to Nushirvan's joy in these words.

نوشیرواں بنہایت خوش شد (داستان دہم)

At another place the Dastan has :–

و بخوشی و خرمی گذرانیدند

At both places the word "*Khushi*", meaning "joy" is in accordence with the Indian usage.[3] So also is case of حرکت meaning deceitful activity and Mischief :-

گفت اے عمر دیدی بکدام حرکت شاہان را بیجان میکنند (داستان ششم)

نوشیروان مرا برائے حرکت فرستادہ است (داستان شانزدہم)

From : *harkat* the author has also constructed *purharkat* :-

و گفت اے شکم بزرگ مردے پرحرکتی (داستان شانزدہم)

Here I may remind the readers that Shams Siraj Afif in his History has also used this word in this very sense :-

با ما آں قلندراں حرکت کردہ لشکر ما را بہ تعبیہ از درون حصار بیروں آوردہ درون حصار بیروں آوردہ

(تاریخ فیروز شاہی ص ۱۱۵

The writer of the Dastan has also used غصہ in the sense of خشم

و عمر از غصہ می جوشید و در دل می بود کہ معلم را چہ حرکت دہد

(داستان پنجم) .

This is comparable to what the fourteenth century Historian Ziya-i Barni has said in his history.

و دراں ایام غصہ سلطان محمد تغلق بیشتر بود ـ ص ۵۱۳ .

Along with 'Bahr al-Saadat', under instructions from Allama Mahmud Sherani, in the summer of 1944, I examined an old manuscript of the "Dastan-i-Amir Hamza" preserved in the State Library, Tonk. (It is merged since 1961 in the Arabic and Persian Research Institute, Tonk).

The Dastan begins thus,

بنام خدائے عزوجل کہ آدمی را بر جمیع مخلوقات شریف گردانیده بلکه اکثر از ہوام وسوام و وحوش وطیور از قدرت
خود مطیع او گردانیده صلوات والسلام علی النبی محمد وآله اجمعین اعلم الکل اہل البزم ہذا المجلس این قصہ امیر المومنین حمزہ
ابن عبد المطلب مشتمل بر ہفتاد وسه داستان است۔

It is adorned with Arabic quotations like

الفرار مالا یطاق من سنن المرسلین
(قال النبی علیه السلام) العجلة من الشیطان والتانی من الرحمٰن
یفعل الله مایشاء ویحکم مایرید

Here is a specimen of the simple style of this Dastan

چون روز دیگر شد شاہ خاور بر تخت زمردے فلک جلوه نمود۔ نوشیروان بر تخت جمشید بنشست
بار داد وکل اصحاب دولت حاضر آمدند و کرسیہا و محلہا خود قرار گرفتند۔ امیر بر عادتِ قدیم بیامد و در کرسی جہان پہلوان
تکیه کرد۔ گستہم فروتر از امیر بنشست۔ طعام آوردند خوردند و دور شراب گردان شد۔

transcribed in the 17th century. What is more important it has linguistic pecularities which lead us to infer that it was most probably written in India in the 8th century A.H./14th century A.D.

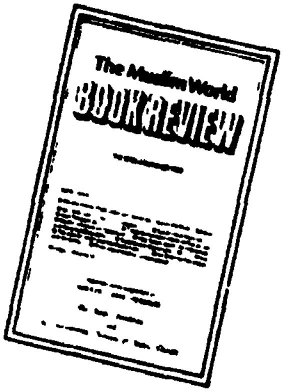
The Dastan has *Shistan* (شستن) for *Nashistan* (نشستن). This is also found in Amir Khusru and Ziya-i-Barni. *Guzasht* and *Kaghaz* have been written with *Dal-i-Muhmala* (Dotless *'Dal'* 'د') in the sixth Dastan. This clearly suggests that this manuscript is the copy of one which was written in the pre-Mughal period. We also come across "*Jital*" in the second Dastan. We here remember that Ziya- i-Barni in his "Tarikh-i-Feroz Shahi" has also used the word "*Jital*" in connection with payment fixed for some *Pahlevans* :

Dr. S. Naimuddin
'AIMAN'
Circuit House Road,
Amravati Camp,
Amravati-444602.

An Old Copy of The "Dastan-i-Amir Hamza"

The "Dastan-i-Amir Hamza" is one of the most popular legendar histories of "Amir Hamza", b. Abdul Muttalib. Rieu mentions thre important copies of this "Dastan": "Jangnama-i-Amir Hamza", "Asmar-u Hamza" and "Kitab-i-Rumuz- i-Hamza".[1] Its authorship, as Rieu point out, has been assigned by Fleisher to Abul Ma'ali while Khalil Ali Kha Ashk, the famous Urdu translator of this Dastan, attributes the authorshi of this Dastan to some Mulla Jalal Balkhi. I am here referring, for th first time, to Al-Kazaruni's "Bahr al-Sa'adat," a Persian manuscript o the 10th century A.H./ 16th Century A.D., corroborating Abul Ma'ali a the author of this Dastan.[2] Al-Kazaruni seems to have read Abul Ma'ali' version. Alluding to it, he says that in the very introductory part of th Dastan-i-Amir Hamza, Abul Ma'ali has made it clear that he invente cock and bull story about Hamza to induce an insomnic Caliph to sleep But it proved so ill-omened that the poor fellow died. Al-Kazaruni ha even audaciously mocked at the historical Hamza as testified to in thi passage :-

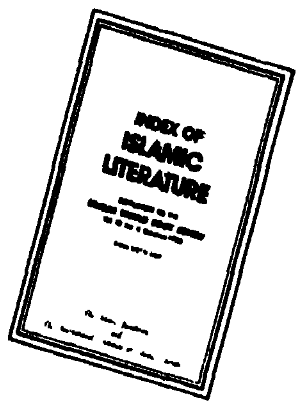
اما باید که چنیں اعتقاد کنی که ایں قصه حمزه همه دروغ است بغیر از نام وبس اما انچه در سیرت حضرت رسالت
ودر کتب حدیث وتواریخ آمده نیکو است اما او اول ایں بدانکه او عم شیر پیغمبر بود۔ ودر چهل وپنج سالگی مسلمان شده
درچند غزوائے معین با لشکر اسلام بود وبسیار صحابه ازوے دلیرتر وپهلوان تر بودند ودر غزائے احد بدست غلامے وحشی
نام شهید شد رضی الله عنه وابوالمعالی که ایں دروغها بهم بسته در اول ایں قصه صریح آورده که یکے از خلفائے بغداد رنجے
داشت وشب خوابش نمی گرفت من بربالین او می نشستم وایں دروغها بری بافتم باشد که او در خواب رود وبه شومی
ایں همه دروغ او خود دراں رنج بمرد ومن خود توبه کردم ... اگر حمزه ایں شجاعت داشتے که دراں قصه دروغ می گویند
حضرت رسالت وهمه یاران ۔۔ از مکه نبایستی شان (کذا) گریخت ازدست جمع احاد روستائی وضیع که نه پادشاه
بودند ... نه صاحب قران۔



The **MUSLIM WORLD BOOK REVIEW**, a quarterly journal published by the Islamic Foundation, Leicester, U.K., in association with the International Institute of Islamic Thought (Herndon) U S.A., provides a unique source of information for all who are concerned with development in the Muslim world. Most recent publications in this field are listed and important books are reviewed by eminent world scholars. It critically analyses views expressed both in the West and the East on a variety of issues related to the Muslim world. Each issue of this journal is rich in information, criticism and suggestions which go a long way to promoting a better understanding of the Muslim world and cementing healthy relations between the East and the West. The MWBR is a most effective forum for the Muslim response to Western scholarship.

Apart from the classified guide to resources on Islam, the MWBR also includes occasional bibliographies on themes of vital interest for researchers and students of Islamic studies.

INDEX OF ISLAMIC LITERATURE, a supplement to the MUSLIM WORLD BOOK REVIEW, has been launched to bring the same norms of academic rigour, analytical clarity and Islamic commitment that have made the MWBR the mouthpiece of contemporary Muslim intellectualism, to the field of bibliography It not only reports on the literature produced but guides as well. Recognizing that bibliographies function as ideological statements, the Index acts in the service of Muslim scholarship.



Together, the *Review* and the Index are indispensable for libraries, scholars and general readers. Nothing published elsewhere matches their ideational coverage, intellectual depth and critical acumen

Subscribe now and get the two for the price of one

Subscription rates:

	UK (including postage)	OVERSEAS (by airmail)
Individuals	£20 00 (£14 subs + £6 postage)	£28 00 ($56.00) (£14 subs + £14 postage)
Institutions	£30.00 (£24 subs + £6 postage)	£38.00 ($76.00) (£24 subs + £14 postage)
Single copies	£7 50	£10.50 ($21.00)

THE ISLAMIC FOUNDATION

Markfield Dawah Centre, Ratby Lane, Markfield, Leicester LE67 9RN, U.K.
Tel (0530) 244944

English but at the same time he used the term *Darul Harb* while giving a *Fatwa* on the religious status of the country under the British.

*

Again Muhammad Hidayatullah says that "without historical evidence to present Shah Abdul Aziz as heading a "Revolutionary Committee" to launch a *Jihad* for the liberation of India is mere imagination". But I again refute this statement. Shah Abdul Aziz after the death of his father continued his father's revolutionary mission, which had been influencing the Muslims all over India. Thousands of trained young people had devoted their lives for this purpose. The influence of his teachings even reached through Hijaz to Istanbul. Then Shah Abdul Aziz in his old age was in need of a young man for launching the second phase of his revolutionary movement. This young man was Syed Ahmad. He was of strong physique combined with the military training, gained during his association with Amir Khan of Tonk. He appointed him *Amir-ul-Jihad* of his central *Jama'it,* and Abdul Hayy and Muhammad Ismail were made *Moshirs*. It had been decided that for the whole *Jama'it* the decision of these three personalities would be, considered the order of Shah Abdul Aziz. Now he was the recognised leader of revolutionary committee for launching *Jihad* in the second phase of the Shah Waliullah's movement

●

from his *Pir* Shah Abdul Aziz to set out for a religious tour of Delhi, Saharanpur, Merrut, Muzaffar Nagar, Deoband, Gangoh, Nanota, Kandhla and Lahari along with a few of his *Murids* and disciples.

*

Shah Abdul Aziz writes to his uncle, Shah Ahlullah, in one of his letters, about the tyranny and cruelty of the distruptive forces inside the country and he says :

"The city (life) has become upset (and unsettled) at the hands of the invaders and the barbarous". "They have killed many people and they have reduced every one to misery... Every year they raid our city, and disturb (and destroy) our peaceful life... Is there any protector for those who seek protection ? And is there any God-fearing and just helper ?".

It means that in spite of the religious involvement, they were a close observer of their country's politics and they were not only purely spiritual personalities but also political reformers. Syed Ahmad as a disciple of Shah Abdul Aziz followed the path of his *Pir* and struggled against the external and internal danger to peace and paramountcy.

*

Describing the career of Syed Ahmad as a reformer, Hidayatullah says that "the difference in the political attitude of Shah Waliullah and his sons is an indication that during the former's time there was still some hope of reviving and restoring Muslim political supremacy, while during the latter's time (early nineteenth century) all such hopes were out of question. Having accepted the political suzerainty of the Company government, Shah Abdul Aziz maintained a friendly relationship with the English. He allowed the Muslims to cooperate with the English Government. Further more, he permitted his son-in-law, Maulana Abdul Hayy, to accept service under the English". Though it was a fact that Shah Abdul Aziz tried his best to maintain good relations with the

PROF. SURRAYA DAR
Assistant Professor
Department of Arabic
Islamic University
Bahawalpur.

Syed Ahmad Shaheed

Hidayatullah in his book "Syed Ahmad" categorically states that "there is no historical evidence to show that Shah Abdul Aziz and Syed Ahmad struggled against the British and Sikhs during former's life time. The relationship between these two persons were purely spiritual"[1]. This seems to be in contradiction with the events of the time and the life style of Syed Ahmad

Syed Ahmad Shaheed after the death of his father at the age of eighteen, left his home, along with his seven close friends and some relatives and set for Lucknow to find out some ways and means to earn his livelihood. But, in fact, his main purpose was to join the centre of Shah Abdul Aziz at Delhi where he studied Quran, Hadith and other Islamic Sciences. Syed Ahmad was anxious to uplift the Muslims. He became all the more agile in the company of Shah Abdul Aziz who was also deeply critical about the deteriorating condition of the Muslims. For this purpose with the permission of Shah Abdul Aziz, his spiritual guide (*Pir*), he joined the services of Nawab Amir Khan of Tonk. He remained in his service for seven years. During this period, he suggested best proposals to the Amir of Tonk and explained to him his projects of reform. But he left the services of the Amir, who was inclined to conclude the peace agreement of 1817 with the East India Company. Syed Ahmad informed Shah Abdul Aziz through a letter in which he had explained the situation and his next move, one week before he left for Delhi. Syed Ahmad's only purpose was to see that the Muslims become Muslim in the real sense of the term and to prepare them to struggle in the way of God (*Jihad-fi-Sabilillah.*) He was invited by the people of distant areas to remove the prevalent evils. He got permission

1. *Muhammad Hidayatullah*, "Syed Ahmad" 1st ed. 1970, Lahore, p.83

of the second session he withdrew entirely from political life and tried to lose himself in his profession.

At any rate, a young, able and sincere leader of the Muslim League, Liaqat Ali Khan, who, with his bride, visited London in 1933, assured him that the League-minded Muslims badly needed his guidance. In the next two years he made several trips to India and attended the meetings of the Muslim League. In October 1934, the Muslims of Bombay once more elected him, in his absence, a member of the Central Legislative Assembly, and in October 1935, he returned to India for good and took up his residence again in Bombay. The last phase of his life, during which he gradually became an advocate of separatism and put into practice the idea of Pakistan, will be dealt with in the next chapter.

●●

(Source: The Destiny of Indian Muslims
by S.Abid Husain, London, 1965)

John Simon as its chairman and six other members, none of whom was an Indian. All political parties in India, including Mr. Jinnah's Muslim League, took the appointment of the commission as a national insult and decided to boycott it. At the same time the Madras session of the Indian National Congress, which had accepted the Delhi proposals, also met the challenge of the Simon Commission by resolving that a conference of the members of the central and provincial legislatures and the representatives of all political parties in the country should be called, to prepare a new constitution for the country. This conference appointed in its first session a committee under the presidentship of Pandit Motilal Nehru to submit a report about the proposed constitution. As the conference ignored the Delhi proposals and decided to consider the communal question afresh, the Muslim League protested by refusing to take part in the Nehru Committee. The solution of the Muslim problem suggested by the committee in its report published in August 1928, was substantially different from the Delhi proposals. The All-Parties Convention held in Calcutta for the final consideration of the report dealt a severe blow to the nationalist movement among the Muslims, from which it was never able to recover fully. In the course of the meeting, the biggest Congress Muslim leader, Maulana Muhammad Ali, was harassed to such an extent that he not only left the meeting but practically left the Congress. The treatment meted out to the biggest non-Congress Muslim leader, Mr. Jinnah, was even worse. Not only were the amendments proposed by him, known as 'the 14 points of Jinnah,' rejected one by one, but he was also taunted with having no right to represent the Muslims. It broke his heart and hurt his pride and he gave up all hopes of Hindu-Muslim unity which was his life's mission. A Parsee friend of his says that on this occasion he saw the proud Jinnah weeping for the first time in his life!

The breaking up of Mr. Jinnah's family life had been going on for some years and a few days earlier had reached its climax with the passing away of his wife, Ratanbai Jinnah. Now his public life also appeared to him to be dreary and desolate. Thus in June 1930, he left India and settled down in London where he attended the two sessions of the Round Table Conference in 1930 and 1931 as a delegate. After the first session he had some hope that the Conference might lead to a positive result. But after the failure

Immediately after, he resigned his membership of the Congress. He had already left the Home Rule League. He continued to be a member of the Muslim League but had lost all interest in it.

Although in the new phase of national politics that had started in 1920, Mr. Jinnah's influence over the country generally as well as over the Muslim community had become much less than before, still almost all parties had full confidence in his patriotism and political acumen. Thus in March 1927, when thirty Muslim leaders, representing different political views, met in Delhi to consider the communal problem, they made Mr. Jinnah the chairman of the meeting, and the resolutions passed by it were on the whole in accordance with his point of view; that is, they proposed joint electorates with a number of safeguards for the Muslims.

The Indian National Congress accepted these proposals in its Madras session held in December 1927, and the resolution which was passed to this effect also guaranteed that every community would be given full freedom of religious faith and practice and no bill or proposal affecting the interests of a particular community could be introduced in any legislature until three-fourths of the elected members of that community agreed to its introduction.

It looked as if the communal question had once more been solved by mutual agreement between the Congress and the Muslims. But it was a mere illusion. The Delhi proposals of 1927 had the unanimous support of the Muslims but were bitterly opposed by a considerable section of the Hindus, especially in the Punjab and Bengal where most of them supported not the Congress but the Hindu Mahasabha and other communal organizations. As it happened, however, matters had taken an extraordinary turn, which forced the Congress to seek the cooperation of all sections of the people in drafting a new constitution for the country; and in its attempt to get the maximum agreement for the proposed constitution it had to modify the Delhi proposals.

A little earlier, the Central Assembly in Delhi had passed a resolution that a Round Table Conference should be convened in which representatives of the British Government and the Indian people should meet and consider the constitutional question of India. The British Government completely ignored this resolution and, on its own initiative, announced in November 1927, the appointment of a commission to look into the Indian question with Sir

Indians with the administration of the country and finally to give it autonomy within the British empire. Next year came the announcement of the Montague-Chelmsford reforms, proposing to increase the number of elected members in the councils and to enhance their powers. The moderate sections in the Congress and the League welcomed these proposals, but the extremist majority rejected them and insisted on their demand for responsible government.

So far Mr. Jinnah was guiding the Muslim League along the path of constitutional politics which it pursued in cooperation with the Congress. In 1919, however, there were new developments which swept the Congress into a storm of popular agitation that burst with great violence. It changed from a constitutional to a revolutionary body, and to some extent dragged the League with it. Mr. Jinnah, who had so assimilated the liberalism of Lord Morley and the constitutional ways of the British that they had become 'a part of his life,' found it difficult to get along with this stormy phase of politics.

Mr. Jinnah himself bitterly resented the repressive policy of the British Government. He was utterly dissatisfied with the Reforms Act of 1919 and had protested against the Rowlatt Acts by resigning from the Imperial Legislative Council as soon as they were passed. He had also expressed his distress and resentment against 'the spoliation of the *Khilafat*' and the atrocities in the Punjab.

Up to this point he was with the Congress and the semi-religious and semi-political Muslim organizations. But the 'desperate' course of non-cooperation was entirely against his cautious and temperate nature, and he utterly disliked it. He had sensed that, even in his Muslim League, many members had been affected by the prevailing climate in the country, and he was prudent enough not to force his views on his colleagues but to advise them to decide for themselves after full deliberation. In December 1920, when the Congress had formally accepted the policy of non-cooperation at its Nagpur session, Mr. Jinnah was the only person to oppose it.

achieving anything. Shortly afterwards the first World War starte in Europe.

Mr. Jinnah had joined the Muslim League in order to bring closer to the Congress. In December 1915 he took the initiative i holding the annual session of the Muslim League in Bomba simultaneously with that of the Congress. A little earlier the Britis parliament had passed the Reforms Bill, to which we have referre above, under the name of the Government of India Act, 1915, bu it was rejected both by the Congress and the League. A joir committee of the two organizations was considering the demands t be made on behalf of the Indian nation and the special concessior to be given to the Muslim community. The recommendation of th committee which was endorsed both by the Congress and the Leagu in their Lucknow session, was that India should be given the statu of an autonomous dominion within the British empire and som specified safeguards should be provided for the Muslims. Accord ing to the recommendations of the committee, the proportion c seats for Muslims in the legislatures of the Punjab and Benga where they were in majority, was to be a little less and in other prc vinces a little more than their proportion in the population. An other important provision was that if a non-official proposal cam before the central or a provincial council and the Hindu or Muslin members of the council concerned thought that it affected the in terests of their community and three-fourths of them were oppose to it, then it should be dropped.

The special importance of the Lucknow Pact in history of th national movement was that for the first time the National Congres formally recognized communal politics and came to an under standing with the League. Its importance in the life of Mr. Jinnal was still greater. He had succeeded in uniting the educated, middl class Hindus and Muslims and was acknowledged by both to be their respected and trusted leader.

While the moderate Congress and League were making thei demand for national autonomy in a constitutional manner, the extremist Home Rule League was carrying on a public agitation and some secret societies were resorting to terrorism, to achieve their respective purposes. Under the pressure of all these develop- ments, the Secretary of State for India, Mr. Montague, declared in 1917 that the British Government wanted to gradually associate

Jinnah Saheb

Muhammad Ali Jinnah (1876-1948) entered the field of Indian politics in 1906, the year in which Badruddin Tyabji died. He was, like Tyabji, a successful lawyer and had like him won the respect and confidence of all the residents of Bombay, irrespective of class or community at the early age of 30 years. He joined the Indian National Congress under the guidance of Dadabhai Naoroji. In 1910 he was elected a member of Viceroy's Legislative Council as a representative of the Muslims of Bombay, where, along with Gokhale, he supported the Congress point of view in all legislative matters. In 1913 he had for the first and last time in his life established close relations with a fellow human being to which the term of friendship could be applied. The man was Gopal Krishna Gokhale whose charming personality cast its spell over him. In April 1913 he accompanied Gokhale on a voyage to England for rest and change and returned after spending the spring and summer months in that country. There he met Maulana Muhammad Ali and Syed Wazir Hasan and was persuaded by them to join the Muslim League in order to "bring the policy of the League into line with the progressive and national aims of the Congress."

This was the beginning of a new phase of his life. He was now a trusted leader of both the Congress and the League. In 1914 he was sent to England as an ambassador of the Indian nation to represent its views about the bill which was under consideration for introducing political reforms in India. In those days, however, the atmosphere was not favourable for political reform on account of the unrest in Ireland and the tension in Europe. Therefore, the bill was postponed and Mr. Jinnah had to come back without

Muslim majority areas were in Pakistan. That automatically meant a partition of the great provinces of the Punjab and Bengal". This is the first time that the inner history of the partition of India had been revealed by the highest authority. It had not yet seen the light in India; and I am glad to be able to print the authorised text.

Lord Mountbatten continued: "When I told Mr. Jinnah that I had their provisional agreement to partition, he was over-joyed. When I said that it logically followed that this would involve partition of the Punjab and Bengal he was horrified. He produced the strongest arguments why these provinces should not be partitioned. He said that they had national characteristics and that their partition would be disastrous. I agreed, but I said how much more must I now feel that the same considerations applied to the partitioning of the whole of India. He did not like that, and started explaining why India had to be partitioned, and so we went round and round the mulberry bush until finally he realised that either he could have United India with an unpartitioned Punjab and Bengal or a Pakistan, and he finally accepted the latter solution. Well, it was the same old tale - better to rule in hell all by oneself than serve in heaven and share the glory with others. That was just like Jinnah that he was, and lived his life.

Of Jinnah the communalist - as of Jinnah the nationalist- I could write "much and long". But I hope I have said enough on both these aspects of his life, to indicate my points of view, which, I submit, are correct and well-founded. Jinnah, a Khoja - that is a descendant of Gujarati Hindu converted to Islam - with all his talents, intellectual gifts, high position at the Bar and in the public life of the country, needed a wholly different treatment from what was meted out to him at the Nagpur session of the Congress, in 1920, and at later stages of the controversy. As Mahatmaji wrote in one of his articles in Harijan:- "Have inquired as to why the Muslim community in India, as a whole, is so keenly interested in the affairs of Muslim countries abroad, and no appreciable proportion of it takes any active interest in the internal political life and advancement of the country. The Musalmans take less interest because they do not yet regard India as their home, of which they must feel proud. Many regard themselves, quite wrongly, as belonging to a race of conquerors. We Hindus are in a measure to blame for this aloofness on the part of the Musalmans. We have not come to regard them as an integral part of the nation. We have not set out to win their hearts.

(Source: The Hindustan Review, Jan. 1948, Jan. 1949)

That was Jinnah all over. And all his life he was a man intensely conscious of his high attainments, a man who never allowed himself to be sat upon, by any one in any sphere of activity - be it law, politics, or social life.

Jinnah could never bring himself to play the second fiddle to another; he must be at the helm or nowhere. Better to rule in hell than serve in common with others in Heaven was evidently his ideal; better to be the first Governor-General of a moth-eaten, divided-apart, truncated state of Pakistan than a Governor of the largest state in the Federation of Union of India or even its Governor-General. The astonishing feature of Jinnah's success was that he had been, during the last twelve years of his life, the acknowledged leader of Islam in India, for the fascination of a "homeland for Muslims" was too strong for them to resist when inflamed by Jinnah with religious zeal or fanatical frenzy. And so Jinnah, driven by the logic of events into a tight corner, accepted a State not only parcelled out into two parts with more than a thousand miles apart from each other, but with the provinces of Bengal and the Punjab cruelly bifurcated much against his wishes. The main cause of Jinnah's success was: one Man, one Voice, one Theory, and one Objective—Pakistan-against the wobbling of the Congress party which with its declaration of the acceptance of the principal of self-determination, could not help conceding it to those provinces or parts of provinces, which having a clear Muslim majority were entitled to secede from the Indian Union, on that principle...

Fresh light is thrown on the subject in the course of an address delivered by Lord Mountbatten at the Royal Empire Society (London), in October, 1948, in the course of which the last British Viceroy had thus lifted the veil: Mr. Jinnah made it abundantly clear from the first moment that, so long as he lived, he would never accept a United India. He demanded partition, he insisted on Pakistan. On the other hand, Congress being violently opposed to any form of partition, had stood for keeping a United India and up to the time I went out it had never been indicated that they might consider anything else. But when I saw Pandit Nehru and Mahatma Gandhi and others, they agreed that if it was not possible to keep a United India without a civil war-and I was convinced that the Muslim League would have fought for Mr. Jinnah had made that very clear - they would accept partition. But they did insist that partition must also ensure that no non-

rovided its programme and policy correspond to our own. We are villing to work as equal parties for the welfare of India". Yes as an qual party but not as one toeing the line of the Congress party. Here vas a clear and specific challenge; but so impervious the Congress vas then to anything not in entire accord with, or rather in absolute ubmission to its own views, that Jinnah's statement, and the nderlying propositions it conveyed, were totally ignored, and reated as beneath notice. Tact (as had fortunately reasserted itself n the formation of the Central Government at Delhi by the inclusion f non-Congressmen) had at that time become conspicuous by its bsence in Congress leadership in its dealings and relations with innah...

That Jinnah's having been kept out of the sole leadership of the Congress was the real and the only cause of his disappointment, rustration, and unpatriotic demand for the partition of India can dmit of no doubt. He could easily persuade himself to be accommolating to Indian clothes, Indian language, and Indian style of sitting all which he did, later, as the life President and perpetual leader of he Muslim League. Men who came in contact with him, some of vhom I shall quote in the concluding part, understood the position learly. The Congress leaders saw him only from a distance until September, 1944, when Gandhiji approached him personally with he Rajagopalachari formula for Pakistan, by which time matters ad gone far, and it was too late. And even Mahatmaji kept on eminding Jinnah of (what he disliked being reminded) his Hindu ncestry, for did not Jinnah frequently indulge in the boast that he nd his Indian co-religionists had learnt democratic principles hirteen centuries back, as if they had all come to India from the leserts of Arabia. The Mahatma's nineteen visits to Jinnah's house, n 1944, failed in their object, as on almost each occasion Jinnah was reminded of what he was, very sore about his Hindu descent...

The problem of Jinnah's conversion from nationalism to communalism is a study in Pathology of the Super-Ego which is regarded by psychiatrists as an incurable disease. It had apparently appeared in him early enough, but it went from bad to worse as years passed. From the time of his early career at the Bar, it was discernible; for when a Judge of the Bombay High Court said to him: "Remember, Mr. Jinnah, you are not explaining points to a third class magistrate", in a flash came the reply: "My Lord, allow me to tell you that you are not addressing a third class pleader". No, there was nothing third, or even second class about Jinnah, in any shape or form. His was a vaulting ambition to be everywhere the first and foremost or nothing.

han the Congress, as worth notice; for he declared that "the parties hat mattered in India were the Congress and the British, and others hould line up with the Congress, if they intended to survive", which roved, in the long run, a wholly wrong estimate of, at any rate, innah's Muslim League. The Congress had also declared, later, that , had accepted office (as Ministers in the Provincial Governments) ot to work the Reform Act of 1935, but to wreck the new constitution stablished, by working it from within, which estimate also proved s wrong as that of the Muslim League being beneath notice. These, nd similar other acts and declarations, had helped Jinnah materi-lly, who scored a signal and substantial triumph over the Congress arty in the Central Legislature, in forcing them to reject unwisely he Federal part of the Constitution embodied in that Act, and to eclare about the Macdonald Communal Award that the Congress either rejected, nor accepted it, whatever that might mean.

All this sitting on the fence, and much more similar to these ssertions and actions, had emanated from the leaders of the Congress party at that time, by reason of the undiscerned but tubborn fact that they had persistently refused to associate them-elves with the administrative or legislative work of the then Government, either by taking office in the Executives, or by getting hemselves elected to the Legislatures. There only British rule in all pheres of life. The Congress party had forgotten - or rather failed to earn - that the essence of political and parliamentary democracy is strong and well-organised opposition which must, and is bound to ount and receive its due weight from the party in power in the onsideration of every momentous issue, and every serious problem, whether the powers that be (as then) were the alien British, or (as or) the nationalist Indians.

In dealing with all such matters Jinnah had a great advantage ver the Congress party. He had been an active member of the Central Legislature since 1910 - not continuously but for the greater art of that time - and had thus come to gather considerable nowledge and experience of the working of parliamentary institu-ions, though he too suffered from the limitation that not having aken office in the Executive he was not fully conversant with the etails of administrative system and methods. Accordingly Jinnah's nswer to Pandit Jawahar Lal Nehru's challenge was to the ollowing effect: "There is a third party, namely, the Musalmans. We re not going to be dictated to by anybody. We are willing to co-perate with any group of a progressive and independent character,

eader like the new one, who was a conglomeration of asceticism, ⁄sticism, pacifism, vegetarianism, teetotalism, non-co-operation, n-violence, charkha spinning, renunciation of the world, coupled th the intensely patriotic demand for the independence of India. ınah at once realised that in the struggle for absolute supremacy er the Congress with that sloppy vegetarian and confirmed etotaler, the anglicised rival would soon go to the wall, and so e game was not worth pursuing. Jinnah then became co ievously disappointed, with his public activities in the country, at he settled down in London to practise before the Privy Council. ıt there is no doubt that he was merely biding his time and ıtching his chance to return to India at the earliest opportunity, as ›n as a suitable occasion presented itself. Jinnah played the same rt at that time as had been done by Baber's son. Humayun, when ven out of India by Sher Shah; and just as Humayun returned d won the kingdom he had lost, so did Jinnah return and succeed carving out a good, bad, or indifferent Dominion for himself to rule er for his life.

The split in the then affairs of the Muslim League gave Jinnah e chance of his life to assume control over the advanced branch of at body, and then absorb its weaker section, which was at that ne under the influence of His Highness the Agha Khan, and over ıich the latter had presided at its session held in Calcutta. This is ite clear from a study of the record of public affairs in the wspapers of the period, after the sulking Jinnah's return to dia, and the solidarity of the Muslim League under him, and its owing strength and power, from day to day. The trouble was that nnah's growing popularity amongst Muslim masses, based as it ıs on absolute communal fanaticism, was over reckoned with riously or given due weight, by the leaders of the Congress party. ıere were long series of correspondence between Jinnah and Dr. ıjendra Prasad, on the one hand, and Jinnah and Pandit Jawahar-l Nehru, on the other. But unlike the British ruling class in India ıo brought themselves to recognise the importance of Jinnah, and s party, with an obvious motive as a counterpoise to the Congress, e Congress leaders failed to take Jinnah and his League at its oper worth.

❁

Inexperienced at that time in the work of administration - for ant of opportunities, as he was till then a more outside critic of it Pandit Nehru refused to recognise any party in the country other

and circumstances known to me, which will, I hope, be taken by the reader to have been established in the course of this article.

My view of the matter is that Pandit Jawaharlal Nehru had misread the whole of Jinnah's character, as his own is, in almost every respect; just the reverse of it. From the very beginning of his career (which I surveyed in my last article on "Jinnah the Nationalist") I pointed out that the greatest craving of Jinnah's heart was to be the first and foremost in every walk and sphere of life, a case of Eclipse, first and the rest nowhere. So long as Congressmen gave him that chance, he was with them; but on the appearance, in 1920, of the new Congress leader, Mahatma Gandhi, Jinnah - as one of the shrewdest of men - at once discovered that, for more reasons than one, it would be absolutely impossible for him to retain that supremacy over the Congress which he had already obtained to a great extent, and which he fervently aspired to establish ever so much more, in fulness of time. The first indication of this spirit in Jinnah found expression in the proceedings of the annual session of the Congress itself, held at Nagpur in December, 1920; that is, after the holding of the special session in Calcutta in previous September, at which the non-co-operation resolution was declared to have been carried by a large majority. By that time Gandhiji had already acquired such mastery over the imagination of the vast majority of Congressmen that they had come to call him "Mahatma".

When, therefore, Jinnah referred to Gandhiji, in the course of his speech (opposing the non-co-operation resolution) as "Mr. Gandhi", there was a tremendous uproar, and the audience shouted at Jinnah to call Gandhiji "Mahatma Gandhi". This contretemps became quite a serious affair, as Jinnah would not submit to the dictates of the audience, or to its hectoring attitude; and the President, the venerable but aged and infirm Shri Vijayaraghavachariar, could not control the very tense situation - either the excited audience or the obdurate and recalcitrant Jinnah, who insisted on his parliamentary right to call Gandhiji "Mr. Gandhi". The incident is referred to, at some length, in the book called "Meet Mr. Jinnah" by Mr. A.A.Ravoof, and is recorded in detail in the Congress Report. That episode, rightly understood and discerningly appreciated, was the beginning of trouble, which led ultimately to the partition of India, and the creation of Pakistan.

Jinnah grasped it immediately that the predominance of Gandhiji over the Congress was to be wholly exclusive, and no one (not certainly the anglicised Jinnah) could successfully compete with

Jinnah's career had been a study in contrasts. When the Muslim League was formed, in 1906, he flatly refused to go to Dacca to join it. Instead, he preferred to attend the Congress session in Calcutta where Dadabhai Nauroji, from the presidential chair, defined the national goal to be Swaraj. Jinnah did not actually join the Muslim League till 1913, when it had changed its original creed. His work in the Home Rule League, established by Mrs. Annie Besant, his share in promoting the Lucknow pact between the Congress and the League, in 1916, his courageous stand against Lord Willingdon's re-actionary regime in Bombay, made his name a household word in India. H.E. Mrs. Sarojini Naidu - now the Governess of the United Provinces - hailed him at that time as the "Ambassador of Hindu-Muslim Unity". But since 1940 - if not even sometime earlier - Jinnah talked of the "Muslim nation" and the "Hindu nation", and not only demanded division of the country into Pakistan and Hindustan but lived to achieve it. History has seldom recorded a more unfortunate change, or a more untransformation, in the sphere of politics.

*

The subject of Jinnah's defection from the Congress, and his slowly turning from an advanced nationalist to a rank communalist has been discussed by various responsible persons during the last few years. It would be sufficient to quote here the views of the present Prime Minister of India in his well-known book (called "The Discovery of India") published in December, 1947, that is, while Jinnah was alive. He wrote at page 302 of his book: "Jinnah left the Congress, not because of any difference of opinion on the Hindu-Moslem question, but because he could not adapt himself to the new and a more advanced ideology, and even more so because he disliked the crowds of ill-dressed people talking in Hindustani who filled the Congress. His idea of politics was of a superior variety, more suited to the legislative chamber or to a committee room. For some years he fell completely out of the picture, and even decided to leave India for good. He settled down in England and spent several years there" Now, this passage is reprinted without any alteration in the book published in January, 1949, called "Nehru on Gandhi", from which it may be reasonably inferred that what is embodied above represents the settled conviction of Pandit Nehru, even after the establishment of Pakistan, and Jinnah's death. I wish I could bring myself to share that view as correct. But I fear I cannot do so, in the light of facts

Jinnah was so meticulous in dressing - no one ever saw a creas either on his coat sleeve or his trousers - that he would not plac orders for them with any firms outside Saville Row; no, not even wit a firm in Bond Street, while the suggestion of his going to a tailo in Regent, or Oxford Street, would have given him a big shock. I must be added that western clothes suited remarkably well Jinnah' slim and well-knit figure, far better than eastern, to which he betool himself deliberately as a Muslim Governor General of Pakistan, i August, 1947, though they did become him half so well as th western.

Latterly, since he became the acknowledge leader of the Muslin League, Jinnah betook himself on the League platform to the so called Jinnah cap (an adaptation of the Iranian cap), an ill-cu sherwani and loose pyjamas, which hung loose and limp on him, an in which he did not look half so graceful or impressive as he did in th foreign style clothes, he had affected almost all his life. But though he changed his style of clothes as Governor-General he did no change his style of living in food and drink. When I met him at Delhi in 1946, I found him free and easy at table, and as heterodox as ever He continued in these respects a rationalist to the last, whatever th change in his political faith. In Mr. George Catlin's book (entitled Ir the Path of Mahatma Gandhi), published in 1948, we read as follow at page 271: "The dinner in the long room of Viceroy's House was brilliant affair, with a formal and modest selection of wines fron which Mr. Jinnah did not abstain" The dinner referred to was hel in April 1947, when Lord Mountbatten was the Viceroy. Jinnah wa never a teetotaller, nor protagonist of prohibition, as he was much to sensible not to enjoy, as well as he could, all the gifts showered by Go on Mankind. For the rest, and even in his later years - apart from hi politics - Jinnah was charmingly genial, full of urbanity and cheerfu spirits, and his bon-mots, repartees, and anecdotes, kept th company in good humour. Outwardly he was, however, reserved and even stern when dealing with public affairs.

❁

Of Jinnah, his genuine patriotism as a nationalist till 1920, of hi successful activities in various spheres of politics, I could write muc and long, as I have barely touched the fringe of the subject. Some da I may unfold my own reading of what led to the severance of Jinnah' connection with the Congress, and to the creation, in the long run, o Pakistan, with all the attendant and inevitable evils which ha followed in its train in both the new States. Viewed in this light

old bachelor friends as the husband of one of the handsomest, most talented and most accomplished women in India. She presented Jinnah with a daughter, who was married some years back to the son of Sir Ness Wadia (Parsee-Christian millionaire) of Bombay. Jinnah objected, it was reported in the press, to his daughter's conversion to Christianity, but she preferred to follow her own good sense as she thought right and proper, in a matter of this kind, rather than the directive of her father. It is popularly believed that Ratan brought with her a large fortune, and that a great part of bequest of four millions left by Jinnah, to various institutions in India and Pakistan, consisted of his wife's dowry. These popular but unfounded impressions were mentioned, some years back, as facts in the earlier edition of a sketch of Jinnah's career, written by an admirer of his. But in the second revised edition, issued some months before Jinnah' death, in September last, they were omitted, and it was stated that Jinnah desired their omission as they were unauthorised. Any way, Jinnah's marriage with a Parsee millionairs's converted daughter who was perhaps an even more advanced nationalist than her husband-was a striking episode in his brilliant career as a nationalist leader.

❁

In my very large circle of friends, from all the Provinces, Jinnah was out-and-out the best dressed man in western style, ever since I met him in London, in 1892, and until the partition of India in August 1947, when he forsook his foreign dress for eastern, on all public occasions. But he paid, for more than five decades, particular attention to his wardrobe, which was extensive, and was supplied by the best and most expensive tailors, hosiers, hatters, and shoemakers of London. For his clothes he was most fastidious, and had long since limited himself to obtaining them from one of the smallest streets in London, called Saville Row, famous throughout the world for its half a dozen tailoring firms renowned for their accomplishment in sartorial art. One of these is Poole's - the Royal tailor - who would not take any order from any one unless he was introduced by some old customer. In the summer of 1914 - when Jinnah, I, and some others, were members of a Congress deputation in connection with the India Council Bill before the House of Lords, I dropped into Poole's to order "dress clothes", not knowing their practice about the introduction of new customers. When my measurements were taken and the order booked, I was asked very politely to give the name of my introducer. I was rather upset, but just then Jinnah walked in, and stood sponsor for me forthwith.

unity and independence of India, was as follows:- "The people shoul discard religious considerations and work for the greatness of unite India". Thus observed the Wafdist leaders of Egypt. That also wa evidently Jinnah's view, in 1936, as expressed in the extract quote above from his Lahore address. But all things change in this worl - even from Dr. Jekyll to Mr. Hyde. And so did Jinnah. But what h said, or did, afterwards should not blind fair-minded critics of hi career to ignore his splendid work as a nationalist, until he plunge himself into communalism.

Till he was nearly forty, Jinnah was heart-whole and fancy-free But the year 1915 was memorable for romance in Jinnah's life. W were all at Darjeeling for a summer holiday. The Petits were ther and so was Jinnah, also some other friends of his. Sir Dinshaw Peti was the second Baronet of that name, and his daughter Ratan Priy (whose pet name was Rutty) was with him. Soon after our arrival i began to be talked about that love was floating unseen in th exhilerating air of Darjeeling and its atmosphere was surcharge with the romance of a confirmed bachelor of forty, and an ever s much younger girl of sixteen. They had agreed to marry withou obtaining even the formal permission of the parents of the bride, fo love is like measles - all the worse when it comes late in life. Si Dinshaw and Jinnah were great friends, but Cupid's dart had pierce the heart of Jinnah, and he had, with his usual tenacity of purpos resolved to marry Ratan, come what may. Jinnah was at that tim as much absorbed in his desire to marry Ratan, as he was (a quarte of century later) in his determination to found Pakistan. As good luc would have it, he succeeded in achieving both. Few people in thi world were luckier than Jinnah. But neither the first, nor the secon achievement was for Jinnah an easy task and an unmixed blessing.

The parents of Ratan, with a view to prevent Jinnah's marriag obtained an injunction from the Bombay High Court restraining th confirmed bachelor bridegroom from marrying his fiance, till she ha attained majority. So the marriage had to be postponed for about couple of years, but the course of true love did run smooth and, (i spite of the declaration of the inexperienced poet) the marriage w solemnized in due course, the bride having been converted to Islam- religion often being a cloak for a marriage of convenience, in hig circles. Thereafter, for the few years left to her of her short span of lif Mrs. Jinnah was a great centre of attraction in social circles i Bombay, Delhi, and Simla; and Jinnah continued to be the envy of h

R. (looking triumphant at Jinnah): Look, Look, Maharaja Bahadur (turning Burdwan) at your Muslim colleague from Bombay, and see what he says and does. He knows no Arabic, Persian, or even Urdu. He never prays, and pays no regard to the rules of Shariat in the matter of Haram and Halal in food and drink. And you will kindly note Mr. Sinha (turning towards me)...."

I do not know what "Moulvi" Rafiuddin - a he called himself at that ime--was going to ask me to note, for just then almost all the hon'ble nembers, who were discussing in the lobbies either politics, or other hings than Jinnah, trooped into the Council Chamber, and the aid-le-camp to the Viceroy shouted at the pitch of his stentorian voice: His Excellency". Rafiuddin disappeared at once; and we all took our eats. But the conversation between Rafiuddin and Jinnah had mpressed me so much in favour of the latter's broad-midedness and trength of character that, on my return from the Legislative Council, I recorded it faithfully. It was, therefore, that in reply to Rafiuddin's letter (of 1st September. 1941) I wrote to him as follows:- 'I remember the incident you have mentioned, and I fully recall the questions you put to Mr. Jinnah, and the answers, he gave you. Those questions and answers, if now published, will form most interesting reading" - a fact which will be borne out by the reader, now that I am ssuing the text of them verbatim.

Similarly in the matter of religion, until he became a pronounced Muslim Leaguer, and a staunch communalist, I and other friends of Jinnah, lived under the impression that if not an agnostic, he was a deist, theist, or rationalist. That opinion was confirmed even so late as 1936, when addressing the members of the Dayal Singh College Union at Lahore, as their chief guest, Jinnah was reported to have said; "I feel myself among kindred spirit. This College does not believe n any creed. I too feel that the salvation of India lies in this non-sectarian feeling. It is this creed that I had in the past, which I have at present, and which I will have in future, the dearest in my heart". Could such noble sentiments be expressed more nobly, and with such emphasis and promise? When later at a press interview, in 1947, Jinnah gave expression to what he called his "surprised disgust" at the congratulatory messages received by Pandit Nehru from China, on the occasion of his assumption of office at New Delhi in 1946, the League-leader, evidently in a temper, advised Chinese leaders to mind their own business, and not to meddle in Indian affairs. But the message then sent by Egyptian leaders (like Nahas Pasha and Sidky Pasha) to Pandit Nehru who, according to them was working for the

replied to Sir Rafiuddin that I fully remembered the occasion and t
incident mentioned by them. As regards the talk referred to by hi
I should explain that ex-Minister Rafiuddin was the defeated rival
Jinnah's and had undertaken the long journey from Poona
Calcutta evidently with a view to establish that Jinnah (thou
elected through a "fluke") was unworthy of the position he had co
to occupy as the sole representative of the Muslims of the Presider
of Bombay (than including Sindh) in the Imperial Legislative Cou
cil. The conversation between Rafiuddin and Jinnah was as
transcribe below from my dairy:

R. Mr. Jinnah, you claim to represent the Musalmans of t Bombay Presidency?

J. Who doubts it? Do you?

R. I regret that they should be represented by you, who kn nothing of Islam, or the Prophet (on whom be peace), nor obse any Islamic injunctions.

J. What makes you say so? I know jolly well far more than you do.

R. You say you do; well, tell me whether you have any pretensi to know Arabic, or even Persian?

J. Why should I know either Arabic or Persian? I am neither Arab, nor a Persian, but an Indian, and have thus no need know the language of Arabia or Persia?

R. But do you know even Urdu?

J. Yes well enough to talk to my boy Chhokras, and Hammals haven't got to address courts or jurors in Urdu, and I don't s why I should know more tongue, Gujerati, fairly well.

R. But if you don't know Arabic, how can you offer your prayers?

J. Pray in Arabic? Why should I? I am not an impenitent sinner th I should be praying constantly to ask forgiveness for my si And that apart, surely God will understand me in whiche language I pray to Him.

R. And what about your dress, food and drink? Are in accordan with the rules of Shariat?

J. What has Shariat got to do with dress? Surely, the vario peoples of different Muslim countries all dress differently. Ev in India all the Muslims don't dress alike. As for food and drin it is more a matter of personal taste, appetite, and digestion th of religious convention.

ask me to do so. I readily agreed, as I thought that Jinnah was right, and the privy Council Judges wrong in the view expressed by them on the subject. Accordingly, I followed Jinnah with a fairly long speech discussing the purely legal aspects of the Bill. My support was appreciated by all our colleagues, but particularly so by Jinnah. It is printed in the collection of my writings and speeches. This one incident will show how far we have retrogressed in co-operation since that time—due, unfortunately, to Jinnah's own lapse from nationalism.

The Allahabad session of the Congress was held in the Christmas week of 1910; and by that time Jinnah, I, and some other members of the Imperial Legislative Council, had worked for nearly one year, not as followers of any party, but under general guidance of the greatest political leader of that period, Gopal Krishna Gokhale, whose personality then towered head and shoulders above that of everyone else in the country. Gokhale who died in February, 1915, had long since been completely forgotten by his very grateful countrymen, who had installed other idols in his place. Mahatma Gandhi, in all his talks with me, always referred to Gokhale as his Guru; but Mahatmaji's Guru need not necessarily be our Guru: and so Gokhale is not, and has not been, since his death. Jinnah was fortunately cast in a different mould, which distinguished him from his average fellow-countrymen, and he always cherished the highest respect, regard and love for Gokhale, and after his death, for his memory. At a dinner given by me in honour of Sir William Wedderburn, the Congress President, at which almost all the great political leaders were present, Jinnah shone bright and resplendent, and we all felt that but a few years later he would be presiding over a session of the National Congress. But Fate had willed otherwise!

At that time Jinnah was a staunch rationalist just as Gokhale was reputed to be a confirmed agnostic. In the course of a letter, dated st September, 1941, (from 2, Ganeshkhind Road, Poona) Sir Rafiuddin Ahmad, Ex-Minister, Bombay Government, who is fortunately till amongst us, wrote to me as follows:- "Will you let me know if you remember our meeting in Calcutta, in one of the rooms of the Imperial Legislative Council, during its first session in 1910, and whether you can still recall my questions to Mr. Jinnah about his religion on that occasion. I think the late Maharaja of Burdwan was also present in the room. The last time we met in Bombay, you had then reminded me of the incident, and had a hearty laugh over it". I

I was frequent visitor to Bombay at that time, Jinnah and I met ofter and cemented further the bonds of our friendship

In December, 1906, a session of the Indian National Congres was held in Calcutta under the presidentship of Dadabhai Naoroj who came all the way from London to take the chair, so as to be abl to unite the conflicting views between what were then called th Moderates and the Extremists. During his stay in Calcutta, Da dabhai was the guest of the late Maharaja Bahadur of Darbhang and occupied the smaller of the two houses in the Middleton Stree area. Jinnah, as Dadabhai's Private Secretary, was staying in th guest house. He was then just thirty. Tall, well-built, handsom debonair, meticulously dressed in foreign style then so fashionabl enjoying the reputation of being one of the rising leaders at the Ba he naturally attracted considerable attention in social and politic circles in Calcutta, and enjoyed popularity amongst politicall minded people by reason of his advanced nationalism. He and I m in Calcutta as old friends, both in and outside the congress. Ther after our friendly relations improved still further.

Early in 1910 both Jinnah and I were elected, on the introductic of the Morley-Minto Reforms, to the Imperial Legislative Council- he from a constituency of only four voters (all members of the Bomb Legislative Council) and I, with the late Mr. Bhupendra Nath Bas (President of the Congress session, held at Madras, in 1914), as th representatives of what was then called the Bengal legislati Council—that is of the Legislature of West Bengal, Bihar and Oriss after the Curzonian partition of Bengal, in 1905. The 1910 session the Congress was held at Allahabad, and Sir William Wedderbu had come out to preside over it. I was still practicing in the High Cou of Allahabad, and amongst the guests who stayed with me were S Ali Imam (the then Law Member), Mr. S.P. (afterwards Lord) Sinh his predecessor, Jinnah moved at the plenary session of the Co gress, in a forceful speech, a resolution condemning the introductio of separate electorates for Muslims in the Morley-Minto Reform And from that, in 1910, he retrogressed until he found his feet in th resolution on Pakistan, in 1940, and himself as its Governor Gener in 1947. But of that later.

Jinnah had introduced into the Legislature, at that time, hi famous Wakf Bill, and was anxious to get the support of some no Muslim colleague of his. He consulted Gokhale, who advised him t

two surveys, taken together, may present a faithful picture of Mr. Jinnah's whole career.

❁

The furture Quaed-e-Azam arrived in London, in 1892, aged sixteen, at a time when the Indians there were absorbed in canvassing for the election of Dadabhai Nauroji, to the House of Commons. The Marquess of Salisbury had, some time before, insulted India and the Indians by calling Dadabhai a "black man". Our indignation at this studied insult was then at the highest pitch, and we were, therefore, completely swept off our feet, if not mind, as coanvassers for Dadabhai, Jinnah, who was full of energy then, as till the end of his life, threw himself into the struggle with that zeal and enthusiasm which we had learnt to associate with his name for any cause which he took up. A particular area of the Central Finsbury constituency, which Dabadhai was contesting, was assigned to Jinnah, and the results that he achieved in it were astoundingly satisfactory, and justly redound to his credit. The rest of us did what we could. Our enthusiasm had run wild, and we ourselves ran a mock, when it was announced that Dadabhai had been elected. The banquet that was held in his honour in the gilded hall of the famous Holborn Restaurant, at which more than five hundred guests were present, owed its undoubted success mainly to Jinnah, who had been elected Secretary of the Organizing Committee of the function.

Thus Jinnah and I had become good friends before I returned home in 1893, soon after my call to the Bar. I used to meet him thereafter in Bombay in the chamber of Sir Pherozeshah Mehta, situated almost right opposite the High Court, which was (till Sir Pherozeshah passed away, in 1915) the great political rendezvous of Bombay. Here in the presence of Sir Pherozeshah, Mr. Chimanlal Setalvad, Mr. Dinshaw Wacha, and other political veterans, all young men (including Jinnah, myself, and others) had to be on our best behaviour for fear of being not only pulled up, but possibly dragged over live coals, by the uncrowned King of Bombay, as Sir Pherozeshah was justly called. His chamber, where young political hopefuls were herd with veterans in politics, was not a school for scandals, or even, for light talks; but something which may well be compared with a miniature Plato's Academy, since for nearly four to five hours daily Sir Pherozeshah and his colleagues discussed with juniors, and expounded to them, political philosophy, as it was understood in India, in the last decade of the nineteenth century. As

Jinnah As I Knew Him

by

Dr. Sachchidananda Sinha

Of the hundreds of Indian students in London, in the early nineties of the last century, two Gujeraties (Mr. Mohandas Karamchand Gandhi and Mr. Mohammad Alibhai Jinnah bhai Khojani) lived to carve their names in the annals of mankind, though each of them distinguished himself in a definitely separate sphere of his own. Mr. Gandhi (as he used to be called at that time) having matriculated in 1887, left for London in 1888. In my own circle of friends from Bihar, Mr. Syed Ali Imam (afterwards Sir Ali, Law Member of the Government of India, from 1910 to 1915) had sailed for London, in 1887. I left Calcutta for London in December 1889, and Mr. Muhammad Alibhai Jinnahbhai Khojani—known later by his shortername as Mr. M.A. Jinnah—arrived there in 1892. Mr. Ali Imam was called to the Bar in 1890, and Mr. Gandhi in 1891; I, in 1893, and Mr. Jinnah in 1897, as he did not attain majority till then. But as I arrived, in London, early in 1890, and returned to India in 1893, Mr. Gandhi, Mr. Ali Imam and Mr. Jinnah were each my contemporary for sometime, during my stay in London. And so I came in contact with all the three.

Each of them played a notable part on the Indian stage: Mr. Gandhi, as "the Mahatma" of world-wide fame, known all over the world for his saintliness, and preaching of non-violence; Mr. Jinnah as the first Muslim of genuine Indian birth, who succeeded (in the face of the most of the tremendous nationalist opposition) in carving out of India an independent Sovereign state for his co-religionists, and Sir Ali as a highly successful lawyer, judge, administrator, and man of affairs. I have survived the three to chronicle their work and achievements; which none can do better than myself, since no other person has had the same unique advantage of knowing each of them well enough, to describe the lights and shadows of their life. In the present sketch I shall record some of my recollections of Mr. Jinnah, as a nationalist. Time and health permitting, I shall sketch in another article, a survey of his career as a communalist' so that the

Jinnah As I Knew Him

Dr. Sachchidananda Sinha

Khuda Bakhsh Centenary Publications

First Published : 1948-49

Second Impression : 1993

Printed by Liberty Art Press (Proprieters Makta Jamia Ltd.) 1528 Pataudi House,Daryaganj,New Del and ;published by Khuda Bakhsh Oriental Publ Library, Patna.

Jinnah
As I Knew Him

by

Dr. Sachchidananda Sinha

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
PATNA

CONTENTS
(Journal No. 76-77)

1992

Price Rs.75/-

Printer : Liberty Art Press, 1528, Pataudi House, New Delhi

Publisher : Mustafa Kamal Hashmi for Khuda Bakhsh Library, Patna (Phone 650109, Telex 22-430 KBL IN)

Editor : Dr A R Bedar

Annual Subscription : Rs 300/- (Inland) US$ 60 (Asian Countries) US 120 (Other Countries) Rs 25/- Per Copy Price (this issue) Rs 150/-

Khuda Bakhsh Library

JOURNAL

75——77

Khuda Bakhsh Oriental Public Library

PATNA